فیوض الرحمٰن
اُردو ترجمہ
تفسیر روح البیان
شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی
محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ
مکتبہ اویسیہ رضویہ
سرائی روڈ بہاول پور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ
فیوض الرحمٰن
اردو ترجمہ
تفسیر روح البیان
پارہ نمبر ۱۵-۱۶-۱۷
مصنف
سراج العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا شیخ
اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ
مترجم
شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ
محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہٗ
سن طباعت
جولائی 1993ء
باہتمام
صاحبزادہ عطاء الرسول اویسی
ناشر
مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاولپور۔ پاکستان

فہرست مضامین پارہ نمبر15

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اٰیَاتُھَا ۱۱۱ رُکُوْعَاتُھَا ۱۲

سورت بنی اسرائیل مکی ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا — ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ

پاک ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصا تک

الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور اُسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کیا کہ میرے سوا کسی کو کارساز

دُوْنِیْ وَکِیْلًا ② ذُرِّیَّۃَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ③

نہ ٹھہراؤ اے ان کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا

وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں وحی بھیجی کہ ضرور تم زمین میں دوبارہ فساد مچاؤ گے

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰھُمَا بَعَثْنَا عَلَیْکُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ

اور ضرور بڑا غرور کرو گے پھر جب ان میں پہلی بار کا وعدہ آیا ہم نے تم پر اپنے بندے بھیجے سخت

بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَکَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَکُمُ

لڑائی والے تو وہ شہروں کے اندر تمہاری تلاش کو گھسے اور یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہونا تھا پھر ہم نے ان پر

الْکَرَّۃَ عَلَیْھِمْ وَاَمْدَدْنٰکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَجَعَلْنٰکُمْ اَکْثَرَ نَفِیْرًا ⑥ اِنْ

الٹ کر تمہارا حملہ کر دیا اور تم کو مالوں اور بیٹوں سے مدد دی اور تمہارا جتھا بڑھا دیا اگر

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ
تم بھلائی کرو گے اپنا بھلا کرو گے اور اگر برا کرو گے تو اپنا پھر جب دوسری بار کا وعدہ آیا
لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا
کہ دشمن تمہارا منہ بگاڑ دیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسے پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر قابو پائیں
مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا
تباہ کر کے برباد کر دیں قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر عذاب کریں گے
جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ
اور ہم نے جہنم کو کافروں کا قید خانہ بنایا ہے بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے
وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿۹﴾ وَّاَنَّ
اور خوشی سناتا ہے ایمان والو کو جو اچھے کام کریں کہ ان کے لیے بڑا ثواب ہے اور یہ کہ جو
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۰﴾
آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

سورۃ الاسراء کی ایک سو گیارہ آیات ہیں اور یہ سورۃ مکیہ ہے اور الکواشی میں ہے کہ وان یکادو لیستفزونک تا نصیرا آیاتِ مدنیہ ہیں یا قل رب ادخلنی مدخل صدق و ان الذین اوتوا العلم من قبلہ و ان ربک احاط بالناس وان کادوا لیفتنونک ولولا ان ثبتناک اور اس کے قریب والی آیت مدنیہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر عالمانہ

سُبْحٰنَ یہ تسبیح کا اسم ہے بمعنے التنزیہ اور تعجب کے معنے کو متضمن اور اس کا منصوب ہونا فعل مضمر سے ہے اور وہ دائمی طور پر ظاہر نہیں ہوتا دراصل اسبح اللہ عن صفات المخلوقین سبحانا بمعنے تسبیحا یعنے اللہ تعالے کو مخلوق کی صفات سے بالکل منزہ مانتا ہوں پھر یہی اسم گویا فعل کا قائم مقام ہے جیسے معاذ اللہ میں مصدر کو فعل کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے اسی طرح غفرانک وغیرہ میں۔

لہ : ترجمہ از فقیر اویسی۔

ف : بعض نے کہا ، سبحان ۔ غفران کی طرح مصدر ہے بمعنے التنزہ ۔

نکتہ : کلام کا آغاز اس کلمہ سے اس لئے کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کے مابعد کے مضمون سے اللہ تعالیٰ کو عجز سے منزہ سمجھنا لازمی اور ضروری ہے ۔ نیز تنزیہ تعجب کے منافی نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کلام کو تعجب سے شروع کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کے اور محبوب علیہ السلام کے مابین جو واقعہ ہوا نہایت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے ۔

نکتہ[۱] : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسراء کے بیان میں لفظ تنزیہ (سبحان) میں جیسے عقل والوں کو تنبیہ ہے ۔ اسی طرح وہمی مزاج کو بھی کہ شبِ معراج کے واقعات اگرچہ تمہارے عقول و افہام کو وسوسہ میں ڈالیں تو بھی دامن حق کو نہ چھوڑنا اس لئے کہ بظاہر ہم نے ان واقعات کو تمہارے امتحان کے لئے بیان کیا ہے تاکہ تم کو جہاں عقل و فہم جکڑ دیں تو فوراً کہہ دیا کرو : سبحان اللہ ۔ اس سے خیال کے پجاریوں اور اہلِ تشبیہ و تجسیم کا رد ہو گیا یعنے ان مذاہب کا جو اللہ تعالیٰ کے لئے جہت و حد و مکان ثابت کرتے ہیں ۔

(اسی طرح پرویزیوں ، نیچریوں ، مرزائیوں و دیگر بد مذاہب کی بھی تردید ہوئی جو عقل کے پیشِ نظر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کے منکر ہیں[۱])

سوال : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج سے تعجب ہوا لیکن نزول سے نہیں حالانکہ دونوں معاملے تعجب خیز اور حیرت انگیز ہیں اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب : چونکہ عروج میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد دیدار الٰہی تھا اور نزول خلق خدا کے لئے تھا اور عروج کے مقصد میں اللہ تعالیٰ کے لئے تشبیہ و تجسیم و مکانیت کا وہم پڑتا تھا اور نزول میں کسی قسم کا خدشہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا اسی لئے عروج میں لفظ تنزیہ مذکور ہوا ہے ۔

نکتہ[۲] : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم کثیف میں رونق افروز تھے ۔ عالم کثیف کا عالم بالا کی طرف جانا واقعی تعجب ناک ہے بخلاف اوپر سے نیچے تشریف لانے کے ۔ اسی لئے تعجب کا کلمہ (سبحان) لایا گیا ۔

اَلَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ تفسیر کاشفی میں ہے کہ پاکی اور بے عیبی ہے اس ذات کے لئے جو از راہ کرامت اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو لے گیا ۔

حل لغات الاسراء بمعنے رات کو چلنا یہی اسری کا معنے ہے مثلاً کہا جاتا ہے : اسری و سری ای سار لیلاً یعنے وہ رات کو گیا اسی سے السریۃ السرایا کا واحد ہے اس لئے کہ وہ لشکر دشمن پر حملہ کرنے کے لئے

---

[۱] اضافہ از فقیر اویسی

خفیہ جاتا ہے اب معنٰے یہ ہوا کہ اللہ تعالٰے نے محبوب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت سیر کرائی۔

ازالۂ توہمات نصر نے فرمایا کہ اسریٰ کہنے سے وہمیوں کے تمام توہمات کافور ہو گئے اس لئے کہ اگر سار کہا جاتا تو لوگ کہتے کہ نبی علیہ السلام بشر ہو کر اوپر کیسے گئے اور پھر آن کی آن میں کیسے واپس آگئے اور کرات زمہریرو نار وغیرہ سے کیسے گزرے اللہ تعالٰے نے اسے اپنی طرف منسوب فرمادیا کہ جسے اس کی قدرت پر ایمان ہے وہ کبھی ایسے اوہام باطلہ دل میں نہیں لائے گا۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے:

حبب الی من دنیاکم ثلاث

اس میں اگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم احببت فرماتے تو بعض گندے مزاجوں میں وہم پیدا ہوتا کہ حضور نبی کریم علیہ السلام بھی دنیوی امور کی محبت میں گرفتار ہیں (معاذ اللہ) لیکن حضور علیہ السلام نے اس وہم کو دفع فرمایا کہ مجھے دنیوی امور سے اگر کوئی تعلق ہے تو وہ نفسانیت سے نہیں بلکہ امورِ الٰہی سے ہے۔

نکتہ بعبدہٖ میں ایک نکتہ ہے ورنہ نبیہٖ کہا جاتا۔ وہ یہ کہ امت کے بعض پاگل دماغوں میں توہم نہ ہو کہ (معاذ اللہ) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی ہیں اور خدا بھی، جیسے نصرانیوں نے اپنے نبی علیہ السلام کے لئے سمجھا، جب بعبدہٖ کہا گیا تو تصریح ہو گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور عبد ہیں خدا یا خدا تعالٰے کے بیٹے نہیں۔ ؎

عیسائیوں کے عقیدہ کی تفصیل عیسٰے علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسٰے علیہ السلام اپنے جسم سمیت عالم اکوان سے نکل کر ملأ اعلیٰ کی طرف تشریف لے گئے اور یہ بظاہر بشریت کی عادات و اطوار کے منافی ہے اسی لئے معاذ اللہ وہ عبدیت میں نہ رہے بلکہ معاذ اللہ خدا ہوئے یا خدا کے بیٹے۔

نکتہ بعبدہٖ میں لفظ باء اس لئے داخل کیا گیا ہے کہ باء کو عبدیت سے مناسبت ہے کہ جیسے عبدیت میں انکسار و عجز ہے ایسے ہی باء میں کہ حروف کے نیچے رہنا اس کا خاصہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ عبدیت کو اللہ تعالٰے کے ہاں بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ اسی لئے امام صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا:

العبودیۃ افضل من الرسالۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت ان کی رسالت سے افضل ہے اس کی دلیل یوں بیان فرمائی کہ عبودیت میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خلق سے حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ مرتبہ مقام الجمع ہے اور رسالت میں حق سے خلق کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور یہ مرتبہ مقام الفرق ہے اور ظاہر ہے کہ مقام الجمع مقام الفرق سے افضل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عبودیت میں رسول علیہ السلام اپنے جملہ امور کا کفیل اللہ تعالٰے کو بناتا ہے اور رسالت میں رسول علیہ السلام اپنی امت کے جملہ امور کا کفیل

؎ جیسے یہودیوں اور نصرانیوں اور پھر جیسے نجدیوں، وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں اور پرویزیوں نے کہا۔ (اویسی)

ہو کر اللہ تعالے سے ملانے کی محنت میں ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں امر اوّل بہتر ہے ۔

معراج چونتیس بار حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج چونتیس بار ہوئی صرف ایک بار جسمانیت سے باقی روحانیت سے! اور یہ گنتی قبل نبوت اور اس کے بعد تا وصال مکمل ہوئی۔

ف : وحی کے نزول سے پہلے آپ کو معراج (روحانی وغیرہ) کا سلسلہ شروع ہوا تاکہ آپ پر وحی کے امور آسان ہوں جیسے روایاتِ صحیحہ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو آغازِ نبوت سے قبل رویا صادقہ (سچے خواب آتے تھے)۔

معراج جسمانی کی عقلی دلیل جسمانی معراج کی دلیل لفظ عَبْدِہٖ سے واضح ہے اس لئے کہ عبد روح مع جسد کو کہا جاتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے براق لایا گیا اور براق جسم (ثقیل شے) اٹھانے کے لئے ہو سکتا ہے ورنہ روح کے لئے براق کس لئے؟ تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر روح سے معراج ہوتی تو پھر معراج کے منکرین کو انکار کیسا اس لئے کہ روح سے معراجی واقعات کو منکرین بھی محال نہیں سمجھتے انھیں انکار تھا تو جسمانیت سے (وہو المقصود)

بدعتی کی علامت کاشفی نے لکھا کہ وہ بدعتی گروہ ہے جو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم کو ثقیل سمجھ کر جسمانی معراج کا انکار کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ نہ صرف شانِ نبوت کا منکر ہے بلکہ اسے قدرتِ حق کا بھی انکار ہے

؎

آنکہ سرشت تنش از جان بود
سیر و عروجش بتن آسان بود

[ترجمہ : جس کی تخلیق ہی روحانی ہو اس کے لئے جسم کے ساتھ معراج کو جانا کیا مشکل ہے۔]

نبی علیہ السلام کی بشریت بھی نوری تھی [صاحب روح البیان صفحہ ۱۰۲ جلد ۵۔ آیت ہذا کے تحت لکھتے ہیں کہ]

وقد ذکروا ان جبریل علیہ السلام اخذ طینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجنھا بمیاہ الجنۃ وغسلھا من کل کثافۃ و کدورۃ فکان جسدہ الطاھر من العالم

احادیث میں مذکور ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کے جسم مبارک کا خمیر لیا تو اسے بہشت کے پانیوں سے دھویا یہاں تک کہ اس سے جملہ کثافتیں اور کدورتیں دور ہوئیں اس اعتبار سے آپ کا جسم بھی آپ کی روح پاک کی طرح علوی ہوگا۔[1]

---

[1] : اسی لئے ہم حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کہتے ہیں کہ آپ نور ہیں اور آپ کی بشریت بھی نوری ہے۔ فافھم ولا تکن من الوھابیین الجاھلین ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

العلوی ۔ (کروحہ الشریف)

سوال: کس شے میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی؟

جواب: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:

اسریٰ بی فی قفص من لؤلؤ فراشہ من ذھب — مجھے موتیوں والے پنجرے میں سیر کرائی گئی جس کا بستر موتیوں کا تھا۔ (کذا فی بحر العلوم، روح البیان ص ۱۰۳، ج ۵)

لَیْلاً رات کے وقت اس کا منصوب ہونا علی الظرفیہ ہے اسے تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے کہ الاسراء رات کو ہوتا ہے اس میں بال برابر بھی شک نہیں کہ دن کو ہوا ہوگا اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ معراج خواب میں ہونے کا وہم بھی غلط ہے۔ (کذا فی لسان العرب)

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اسراء رات کے تھوڑے سے وقت میں ہوا اس لئے کہ لَیْلاً کی تنکیر لبعضیت پر دلالت کرتی ہے۔ لفظ لیلاً کے مفرد ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں معراج ہوئی اسی طرح وہ رات کے ایک ہی فرد میں ہوا بخلاف اس کے کہ کہا جائے: سرت اللیل یعنے لیل کو معرف باللام لایا جاتا تو اس میں مذکورہ بالا معنےٰ صحیح نہ ہوتا بلکہ اس سے ثابت ہوا کہ معراج ساری رات ہوئی۔ اس معنے پر لیلاً اسراء کے لئے معیار ہوگی نہ ظرف۔ حالانکہ مقصود یہ ہے کہ لیلاً اسراء کے لئے ظرف ہو۔

ف: معراج ستائیسویں رجب سوموار کی شب کو ہوئی۔ اسی پر اکثر امت کا اتفاق ہے۔

اعجوبہ: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو پیر کی رات معراج ہوئی اور پیر کے دن مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے روانہ ہوئے تو پیر کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے اور پیر کے دن ہی آپ کی وفات (وصال) ہوئی۔

نکتہ صوفیانہ اس میں حضور علیہ السلام کے لئے اشارہ ہے کہ آپ کا تعین ثانی ہے جب کہ سوموار کو یوم الاثنین کہا جاتا ہے۔ الف اور یوم الاحد میں بمنزلہ تعین الذات کے لئے مانے گئے ہیں اور 'با' اور یوم الاثنین بمنزلہ تعین الصفات کے۔ (فافہم ولاتکن من المنکرین)۔

شب معراج کی تعریف میں حضرت جامی قدس سرہٗ نے لکھا: ؎

(۱) زقدر او مثالے لیلۃ القدر
ز نورِ او براتے لیلۃ البدر

(۲) سوا طرہ اش خجلت دہ حور
بیاض غرہ اش نور علےٰ نور

(۳) نسیمش جعد سنبل شانہ کردہ
ہوایش اشک شبنم دانہ کردہ

(۴) بسمار ثوابت چرخ سیار
بہ بستہ در جہان درہاے ادبار

(۵) طرب را چون سخن خندان از ولب
گریزاں روز محنت زو شبا شب

(۱) اس کی قدر و منزلت یہ ہے کہ لیلۃ القدر اس کی ایک مثال اور لیلۃ البدر کو اس کے نور سے تھوڑا سا حصہ ملا۔

(۲) اس کی سیاہی حور کو شرمندہ کن ہے اس کی سفیدی نور علیٰ نور ہے۔

(۳) نسیم نے سنبل زلفوں کو کنگھا کیا اس کی ہوا نے شبنم کے دانے بنائے۔

(۴) آسمان کے ثوابت کی میخوں سے بدبختی کے دروازے جہاں سے بند کر دیئے۔

(۵) خوشی کے اسی سے لب خندان۔ اسی سے رات و رات محنت کے ایام بھاگ نکلے۔

سوال: معراج دن کے بجائے رات کو کیوں ہوئی۔ بہتر تھا کہ دن کو ہوتی تاکہ کسی کو طعن و تشنیع کا موقعہ نہ ملتا؟

جواب (۱) رات محبوبوں کے ساتھ رل بیٹھنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ گویا رات حظ الفراش والوصال اور دن حظ اللباس والفراق ہے یا یوں کہو رات مظہر البطون اور دن مظہر الظہور ہے۔

(۲) رات راحت کا موجب ہے اور رات بہشت کا نمونہ ہے اور دن کاروبار و دیگر ضروریات کے لئے تھکان کا موجب ہے اور تھکان والی شے محبوبی شان کے خلاف تھا اسی لئے بجائے دن کے رات کو معراج ہوئی۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے ایک سال پہلے معراج ہوئی یعنے بعثتِ مبارکہ کے بارہویں سال معراج کو تشریف لے گئے۔

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ صحیح تر روایات سے یونہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بی بی ام ہانی بنتِ ابی طالب کے گھر سے معراج ہوئی اور بی بی کا گھر حرم شریف میں ہے اور ظاہر ہے کہ حرم شریف سارے کا سارا مسجد شریف ہے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں حرم شریف کا احاطہ مدینہ طیبہ کی طرف سے تین میل اور عراق سے سات میل اور جعرانیہ سے نو میل اور طائف سے سات میل اور جدہ سے دس میل ہے۔

مسئلہ: میقات کے مواقیت خمسہ خود حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے کہ ان پانچوں مقامات سے

حرم شریف کے لئے احرام باندھا جائے اور وہ مقامات حرم میں اور حرم شریف مسجد حرام میں فنا ہے۔

نکتہ صوفیانہ بیتِ ذات کی طرف اور مسجد حرام صفات کی طرف اور حرم افعال کی طرف اور مواقیت کا خارج آثار کی طرف اشارہ ہے یعنے جو مکہ معظمہ کا ارادہ کرتا ہے زیارت کے لئے یا ویسے تو اسے چاہیئے کہ ان ہی مقامات سے احرام باندھے بغیر تجاوز نہ کرے اس طرح سے ان مقامات کی تعظیم مطلوب ہے۔

مسئلہ: جیسے ان مقامات کی تعظیم ضروری ہے ایسے ہی مساجد کی تعظیم بھی لازمی اور ضروری ہے اسی طرح مشائخ کے حضور کی حاضری میں ان کی مجالس کے آداب ظاہرًا و باطنًا ضروری ہیں۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ حجرِ اسود کو جب بہشت سے نکال کر حرم شریف میں لایا گیا تو اس کے اندر نور تھا اس کے نور کی روشنی جہاں تک پہنچی وہی حرم کا احاطہ مقرر ہوگیا۔

ف: مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے زمین کی طرف تشریف لائے تو اللہ تعالےٰ سے بامید قبولیت توبہ چالیس سال سربسجود رہے، چالیس سال کے بعد اللہ تعالےٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے ہاں بھیجا کہ آپ کی توبہ قبول ہوگئی ہے اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ اے الٰہ العالمین! عرش معلےٰ کے گرد میرے چالیس سال کے طواف قضا ہوگئے۔ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی درخواست پر بیت المعمور کو زمین پر اتارا تاکہ آدم علیہ السلام اس کا طواف کرکے اپنی قضا پوری کریں۔ وہ بیت المعمور سرخ یاقوت کا تھا اس کی روشنی سے مشرق و مغرب چمک اٹھے اس کے نور سے جن و شیاطین بھاگے اور گھبرا کر خلاء آسمان پر پھیل گئے جب دیکھا کہ اس نور کا مرکز مکہ معظمہ ہے تو مکہ میں اترنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالےٰ نے مکہ معظمہ پر ملائکہ کرام کا پہرہ لگا دیا۔ ملائکہ کرام کعبہ معظمہ کے گرد پہرہ کے لئے کھڑے ہوگئے اس وقت جہاں تک ملائکہ کرام نے کھڑے ہوکر پہرہ دیا اسی جگہ تک حرم مقرر ہوا چونکہ ملائکہ کرام نے اس جگہ تک شیاطین و جن کو روکے رکھا اسی وجہ سے اس کا نام حرم شریف ہوگیا۔

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا مسجد اقصیٰ سے بیت المقدس مُراد ہے اور اسے اقصیٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اقصیٰ بمعنے ابعد اور چونکہ مسجد حرام سے یہاں تک سوائے اسی مسجد اقصیٰ کے اور کوئی مسجد نہیں تھی اسی لئے اسے اقصیٰ بمعنے ابعد کے نام سے موسوم کیا گیا یعنے اقصیٰ بمعنے ابعد المساجد من مکہ۔

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی درمیانی مسافت ایک مہینے کی راہ تھی۔

صوفیانہ تحقیق بعض عارفین کا ارشادِ گرامی ہے کہ مسجد حرام سے مقام قلب مُراد ہے اس لئے کہ یہاں قوائے بدنیہ حیوانیہ کے مشرکین پر طواف کرنا حرام کر دیا گیا ہے اور انھیں روکا گیا کہ قلب کے حرم میں فواحش و خطایا کا ارتکاب نہ کریں اور اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ قلب کے حرم میں قوائے حیوانیہ یعنے صفات بہیمیہ و سبعیہ نہ آنے پائیں اور مسجد اقصیٰ میں مقام روح کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ شہود تجلیات الذات کی وجہ سے عالم جسمانی سے بہت بعید ہے۔

مسئلہ مدیۃ المہدین میں لکھا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بیداری میں تشریف لے جانا نص قطعی سے ثابت ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔ اس کے بعد آسمانوں تک آپ کا تشریف لے جانا اخبار مشہورہ سے ہے اس کے بعد جنت یا عرش یا تمام عوالم کی سیر (معراج) اخبار احاد سے ثابت ہے۔

مسئلہ کاشفی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے جانا نص قطعی سے ثابت ہے اسی لئے اس کا منکر کافر، اور آسمانوں تک اس کے بعد مرتبۂ قربت تک پہنچنا اخبار مشہورہ سے ثابت بلکہ روایات حد تواتر کے قریب پہنچتی ہیں اسی لئے اس کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے[1]

ے

(۱) شاہد معراج نبی وافر است
و آنکہ مقر نیست بدین کافر است

(۲) دستکہ سلطنت این وصال!
نیست بہ پامزدی خیل خیال

(۳) عقل چہ داند چہ مقامست این
عشق شناست کہ چہ دامست این

(۱) نبی علیہ السلام کے معراج کے شاہد بہت ہیں جو اس کا اقراری نہیں وہ اسی وجہ سے کافر ہے۔

(۲) اس وصال کی سلطنت پر کسی کو قابو نہیں دیا گیا۔

(۳) عقل بیچارہ کیا جانے کہ یہ کیا مقام ہے عشق کو معلوم ہے کہ یہ کیسا دام ہے۔

الَّذِی بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ وہ مسجد کہ جس کے گرد ہم نے برکات نازل فرمائی ہیں یعنے اس مسجد کا ماحول دنیوی و دینی برکات سے مالامال ہے اس لئے کہ یہاں وحی اور ملائکہ کا نزول ہوتا رہا اور موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے تا خاتم الانبیاء حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ رہی اور ہر طرف سے انہار اور پھلدار اشجار ہیں۔ دمشق، اردن اور فلسطین جیسے آباد اور مشہور بلاد اس کے قرب میں واقع ہیں۔ **لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا** تاکہ ہم انھیں اپنی آیات دکھائیں۔ یہ اسرار کی غایۃ ہے اس میں اشارہ ہے کہ اسرار کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی اور مخصوصہ آیات دکھائی جائیں اور یہ وہ شرف ہے کہ سوائے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نہ پہلے کسی کو نصیب ہوا اور نہ بعد میں کسی کو

---

[1] غیر مقلد وہابی صرف آسمانوں کے معراج کے قائل ہیں قربت کے منکر ہیں۔ مرزائی چکڑالی نیچری وغیرہ سرے سے معراج جسمانی کے منکر ہیں۔ اس معنی پر ان کو کیا لقب ملا۔ (اویسی)

نصیب ہو سکتا ہے اگرچہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی معزز ترین تھے لیکن انھیں ملکوت السموات والارض تک محدود رکھا۔ کما قال :

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات

والارض

اور حبیب کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کو ربوبیت کی بڑی بڑی آیات دکھائیں ۔

کما قال :

فقد رای من آیات ربہ الکبریٰ

وہ اس لئے تاکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دونوں مراتب یعنے مرتبۂ محبیت اور مرتبۂ محبوبیت حاصل ہو جائیں ۔

ف : آیت میں مِن تبعیضیہ ہے یہی وجہ ہے کہ شب معراج حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی غیر منتہیٰ آیات عظیمہ میں سے بعض آیات دکھائی گئیں ۔

نکتہ : آیات کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف اسی لئے مضاف فرمایا ہے تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ وہ آیات بہت عظیم الشان تھیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ :

المضاف الی العظیم عظیم

یعنے مضاف الیہ عظیم الشان ہو تو مضاف بھی عظیم الشان ہوگا۔

سوال : ملکوت السمٰوات والارض میں ابراہیم علیہ السلام کی معراج کا ذکر ہے اور اس میں علی الاطلاق ملکوت السمٰوات والارض دکھلانے کا ذکر ہے اور حضور نبی کریم علیہ السلام کے معراج میں من آیاتنا فرما کر بعض آیات دکھلانے کا بیان ہے اس موازنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی معراج حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے معراج سے افضل و اعلیٰ ہے ۔

جواب : ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی ہوئی آیات کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آیات باعظمت ہیں اسی لئے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف مضاف ہیں اگرچہ بعض سہی لیکن مطلق ملکوت السمٰوات والارض سے افضل اور اشرف و اعلیٰ ہوئیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی ہوئی آیات اگرچہ کل ہیں لیکن وہ اللہ تعالےٰ کی مخصوص آیات نہیں اس معنے پر حضور علیہ السلام کی آیات کو اللہ تعالےٰ نے بہت بڑی عظمت شان والی خود بیان فرمایا :

کما قال :

لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ

آیاتِ کبریٰ کی تفصیل

بعض تفاسیر میں ہے کہ آیات کبریٰ یہ ہیں :

(۱) بیت اللہ سے بیت المقدس کی ایک ماہ کی مسافت کو تھوڑے سے لمحے کو طے کرنا۔

(۲) بیت المقدس کا مشاہدہ۔
(۳) انبیاء علیہم السلام کا متمثل ہو کر حاضر ہونا۔
(۴) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کے بلند مقامات سے واقفیت حاصل کرنا۔ اسئلۃ الحکم میں ہے کہ آیات کبریٰ سے مُراد وہی ہے جو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمایا اور
(۵) ستاروں کا دیکھنا۔
(۶) آسمانوں کی سیر۔
(۷) معارج عُلیا پہ جانا۔
(۸) رفرف اَوْ دْنٰے۔
(۹) اقلامِ قضا و قدر کی آواز سننا۔
(۱۰) الواح کا مشاہدہ۔
(۱۱) ان انوار کو جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں، دیکھنا۔
(۱۲) ارواح۔
(۱۳) علوم۔
(۱۴) اعمال کے انتہائی مقام کا معائنہ۔
(۱۵) قابَ قوسین کے مقام پر فائز ہونا وغیرہ۔
(۱۶) آیات الانفس کا مشاہدہ:

کما قال تعالےٰ:

سنریهم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسهم

یاد رہے کہ قاب قوسین کا مقام آیاتِ آفاق میں داخل ہے۔

(۱۷) اَوْ اَدْنٰے کا مقام طے کرنا۔ یہ مقام آیات الانفس میں شامل ہے یہ مقام المحبۃ اور مختص بِالھُو ہے۔
(۱۸) مقام فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ کا مشاہدہ اور اسے مقامِ مسامرہ دھُوَ الھُوْ یا غیب الغیب کہتے ہیں۔ چنانچہ خود خداوند قدوس نے فرمایا:

ماکذب الفؤاد مارآی

دراصل فواد قلب کے قلب کو کہا جاتا ہے اور قلب کو بھی رؤیت حاصل ہے اور الفؤاد کو بھی۔ رؤیت قد ... وہ ہے جس کا نابینا بھی ادراک کرتا ہے۔

کما قال تعالیٰ :

ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

لیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں اور فؤاد نابینا نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اسے کون (مخلوق) سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں اسے صرف اپنے آقا و مولیٰ سے تعلق ہے اور بس۔

فاوحیٰ الی عبدہٖ سے مطلق عبد مُراد ہے اور وہ ہے جو ہر طرح سے عبد ہو جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں جملہ وجوہ سے منزہ ہے اسی طرح عبد بھی عبودیت میں من کل الوجوہ منزہ ہے اسی لئے انھیں ایک مکان سے دوسرے مکان کی جانب لایا گیا تاکہ انھیں ان آیات کا نظارہ کرائیں جو ان سے غائب تھیں گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے عبد محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو اس لئے سیر کرائی تاکہ آپ میری خاص آیات دیکھیں میں نے اپنے لئے نہیں بلایا اس لئے کہ میں تو حدود و مکانات سے پاک و منزہ ہوں بلکہ اس کے لئے زمان و مکان کی نسبت ایک حیثیت رکھتا ہے۔

حدیث قدسی ہے :

انا الذی وسعنی قلب عبدی فکیف اسری بہ الی

میں بندے کے قلب میں ہوں جب میں اس کے قلب میں ہوں تو پھر اسے معراج کے لئے دور بلانے کا کیا معنے؟ ہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا عروجاً بھی نزولاً بھی اور استواً بھی۔

اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ بے شک وہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سنتا ہے لیکن کان کے بغیر جیسے وہ بولتا ہے آلۂ تکلم کے بغیر یعنے اللہ تعالیٰ کو نہ زبان کی محتاجی ہے نہ کان کی۔ اسی طرح ہر شے کو جانتا ہے یعنے علم کے آلہ کے بغیر یعنے اسے قلب کی بھی ضرورت نہیں جیسے انسان کسی شے کو جاننے سمجھنے میں قلب کا محتاج ہے۔ الۡبَصِیۡرُ۝ اور وہ بلا بصر ہر شے کو دیکھتا ہے یعنے اپنے محبوب علیہ السلام کی جس طرح چاہتا ہے تعظیم و تکریم کرتا ہے اور اسے اپنا مقرب بناتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معراج صرف نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے اظہار کے لئے ہوئی ورنہ اللہ تعالیٰ تو اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو ہر وقت سنتا دیکھتا ہے اسے ان امور میں معراج کے سبب کی ضرورت نہیں ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے :

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سمیع و بصیر

اشارۃ الی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم ھو السمیع[1] — آیت میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام سمیع ہیں۔

---

[1] :۔ روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۶

اس کے متعلق دلیل دیتے ہوئے فرمایا :

حدیث قدسی میں ہے :

کنت لہ سمعا فبی یسمع و بی یبصر — میں اسی کی سمع ہوں مجھ سے سنتا اور مجھ سے دیکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

فتحقیقہ لنریہ من اٰیاتنا المخصوصۃ بجمالنا وجلالنا انہ ھوالسمیع بسمعنا البصیر ببصرنا فانہ لا یسمع کلامنا الا بسمعنا و لا یبصر جمالنا الا ببصرنا۔[1]

اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہم انھیں اپنے جمال وجلال سے اپنے آیات مخصوصہ دکھائیں کیونکہ وہ ہماری سمع سے سمیع اور ہماری بصر سے بصیر ہیں وہ ہمارا کلام ہماری سمع سے سنتے اور ہمارا جمال ہماری بصر سے دیکھتے ہیں۔

ے

چوں در مکتب بے نشانے رسید
چگویم کہ آنجا چہ دید و شنید
ورق در نوشتند و گم شد سبق
شنیدن بحق بود و دیدن بحق !

ترجمہ : جب وہ بے نشان مکتب میں پہنچے تو میں کیسے کہوں کہ وہاں کیا دیکھا اور کیا سنا وہاں اوراق لپیٹ لئے گئے اور سبق بھی گم تھا حق سے سنا اور حق سے دیکھا ہوا اور بس ۔

واقعہ معراج ۲۷ رجب شب سوموار کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بی بی ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر آرام فرما تھے مشہور قول یہ ہے کہ بی بی مذکورہ کا نام فاختہ تھا۔ فتح کے دن مسلمان ہوئیں۔ آپ کا شوہر جبیرہ فتح مکہ کے دن بھاگ کر نجران کی طرف چلا گیا اور وہاں پر کفر پہ مرگیا۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم عشاء کی دو رکعتیں (سنت) بعد فرض والی) پڑھ کر وہیں پہ سوگئے۔ بی بی ام ہانی کے گھر کی چھت چیر کر گھر کے اندر جبریل ومیکائیل اور اسرافیل علیہم السلام داخل ہوئے اور ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ستر ستر ہزار فرشتہ تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے پروں سے جگایا۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا :

ے

---

[1] :۔ روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۶

(١) درین شب آن چراغ چشم بینش
سزاے آفرین از آفرینش

(٢) چوں دولت شد زبد خواہاں نہانے
سوئے دولت سرائے اُمّ ہانی

(٣) بہ پہلو تکیہ بر مہد زمین کرد
زمین را مہد جان نازنین کرد

(٤) دلش بیدار چشمش در شکر خواب
ندیدہ چشم بخت ایں خواب درخواب

(٥) در آمد ناگہاں ناموس اکبر !
سبک روتر ازیں طاؤس اخضر

(٦) بروما لید پرکاے خواجہ برخیز
کہ امشب خوابت آمد دولت انگیز

(٧) بروں بریک زماں زیں خوابگہ رخت
تو بخت عالمے بے خواب بہ بخت

[ترجمہ : (١) اسی رات وہ دانائی کے چشم وچراغ جو آفرین والے سے آفرین وتحسین کئے ہوئے ہیں ۔

(٢) جب یہ دولت دشمنوں سے پوشیدہ ام ہانی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے ۔

(٣) پہلو مبارک زمین پر رکھا اور زمین کو آپ کے پہلو مبارک سے زینت نصیب ہوئی ۔

(٤) آپ کا دل بیدار اور آنکھ خواب میں تھی نہیں دیکھا کسی بخت والی آنکھ نے ایسا خواب ۔

(٥) اچانک جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے جو اسی آسمان سبز رنگ سے زیادہ تیز رفتار ہیں ۔

(٦) آپ کے قدموں پر کافور لگا کر عرض کی ؛ آج رات آپ کی نیند بخت آور ہے ۔

(٧) تھوڑی دیر کے لئے اس خواب گاہ سے تشریف لے چلیے ۔ آپ جملہ عالم کے لئے بخت ہیں ۔]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ؛ میں بیدار ہوا دیکھا کہ میرے ہاں جبرئیل علیہ السلام حاضر ہیں میں نے ان سے کہا : اے جبرئیل علیہ السلام ! کیوں آئے ؟ عرض کی :

یا محمد ان ربی تعالیٰ بعثنی الیک امرنی ان اتیہ بک فی ھذہ اللیلۃ بکرامۃ لم یکرم

اے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم ! رب تعالےٰ نے مجھے بھیجا تاکہ میں آپ کو اسی شب تعظیم وتکریم سے لے جاؤں ۔ آپ

بها احد قبلك ولا یکرم بها احد بعدك فانك ترید ان تکلم ربك وتنظر الیه و تری فی هذه اللیلة من عجائب ربك و عظمة وقدرته[1]

سے پہلے کسی کی تعظیم نہ ہوئی اور نہ آپ کے بعد ہوگی آپ چاہیں تو آج رات اپنے رب سے کلام کریں اس کے عجائبات دیکھیں اور اس کی قدرت وعظمت کا معائنہ ومشاہدہ فرمائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (جبریل علیہ السلام کے اس بیان کے بعد) میں نے اٹھ کر وضو کر کے دوگانہ پڑھا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا یعنے حلقوم کے نیچے سے لے کر پیٹ مبارک تک چاک کیا بلکہ جبریل علیہ السلام نے ایسے ہی انگلی سے اشارہ کیا تو مقام مذکورہ چر گیا آپ کے سینہ مبارک سے خون بھی جاری نہ ہوا اور نہ ہی آپ کو اس سے درد محسوس ہوا اس لئے کہ یہ بطور خرق عادت کے منجملہ معجزات کے آپ کا یہ بھی معجزہ تھا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک تھال زمزم شریف کے پانی کا لائے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر نکال کر اسے تین بار دھویا اس کے اندر جو شئے نبوت کی شان کے لائق نہیں تھی اسے باہر نکال کر پھینکا۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ زمزم کا پانی تمام پانیوں سے افضل ہے خواہ وہ بہشت کا پانی ہو یا کوئی اور۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک اور تھال سونے کا لائے جو ایمان وحکمت سے پُر تھا اسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ڈال دیا۔

ف: ہمارے نزدیک معانی کو اجسام میں متمثل کر کے دکھایا جاتا ہے جیسے علم کو دودھ کی شکل میں دکھایا پھر اس کے اندر سکینہ ڈالی گئی اس کے بعد آپ کے قلب اطہر کو اس کے اصلی مقام پر رکھا گیا اسی وجہ سے آپ کے سینے مبارک پر دھاگے کے برابر نشان نظر آتا تھا یہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ہاتھ مبارک کا نشان تھا۔

ف: حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک تین بار شق ہوا۔

(۱) آپ جب بنی سعد کے ہاں تھے اس وقت آپ کی عمر پانچ سال تھی۔ کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما اس بار آپ کے دل سے وہ سیاہ ٹکڑا نکالا گیا جہاں شیطان انسان کے دل پر بیٹھ کر وسوسے ڈالتا ہے اسے حظ الشیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں شیطان کا کچھ حصہ نہ تھا جیسے عام انسانوں میں ہوتا ہے! ورنہ ہی آپ کو کھیل کود کی طرف رغبت تھی وغیرہ وغیرہ اور یہ صرف حضور علیہ السلام کے خواص سے ہے ورنہ دوسرے پیغمبران عظام علیہم السلام کو یہ مرتبہ حاصل نہیں تھا اس لئے کہ ان کا اس طریقہ سے سینہ چاک نہیں ہوا تھا۔

شان ولایت: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین اولیاء کاملین کو بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہی مرتبہ

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۶

نصیب ہوا کر ان کے قلوب میں بھی شیطان کا کوئی حصہ نہیں تھا اور ان کے قلوب سے شیطان کا حصہ نکلنے کا موجب ان کی سیاہ نفی ہوتی ہے جو بعض کو بیداری کی حالت میں ہوتی ہے اور بعض کو حالت فنا میں اور بعض کو کسی دوسرے طریقے سے لیکن ان میں سے پہلا طریقہ زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ اس سے قلب صحیح طریقہ سے صاف ہو کر ان سے عبادات عادات کی طرح ادا ہوتے ہیں۔

ف: اسی موقعہ پر حضرت جبریل علیہ السلام نور کی مہر لائے کہ جسے دیکھ کر دیکھنے والے حیران ہو جاتے اس سے حضور علیہ السلام کے قلب پر مہر لگائی اس کی وجہ سے آپ کا قلب محفوظ رہا اس کے بعد آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر نبوت لگائی جس سمجھا جاتا تھا کہ یہ نبوت کی علامت ہے اسی مہر کے گرد سیاہ تل جن میں چند سیاہ بال تھے جن کا میلان بارگاہ حق کی طرف محسوس ہوتا تھا اور وہ مہر نبوت سیب یا کبوتر کے انڈے کی طرح معلوم ہوتی تھی۔

ف: الحجلہ ایک پرندہ ہے قطاہ (چڑیا) کی طرح کبوتر سے چھوٹا جس کے پاؤں اور چونچ سرخ ہوتی ہے۔ اسے جنگلی مرغی بھی کہا جاتا ہے اور زر بمعنے اسی پرندے کا انڈہ۔

ف: ترمذی نے فرمایا کہ اس سے حجلہ السریر مراد ہے اور حجلہ حجال کا واحد ہے بمعنے دلہن کا چھپر کھاٹ۔ (کذا فی حیوۃ الحیوان)

ف: مہر نبوت پر لکھا تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا لکھا تھا: محمد نبی امین (وغیرہ وغیرہ)۔

ف: روایات کے اختلاف کی وجہ یہ نہیں کہ واقعی مہر نبوت میں اختلاف تھا بلکہ دیکھنے والوں کے مختلف حالات تھے وہ اس لئے کہ بندوں کے حالات مختلف ہوتے اور انھیں تجلیات مختلف نظر آتے تھے۔ پھر ان تجلیات کے کوائف بھی بدلتے رہتے تھے۔

شان ولایت اور شیطان کی حکایت

حضرت امام دمیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے کے کسی ولی نے سوال کیا کہ اسے وہ کیفیت دکھائی جائے جس سے انھیں مشاہدہ ہو کہ وہ بندوں میں کس طرح وسوسہ ڈالتا ہے۔ اللہ تعالٰے نے اسے بلور کی صورت دکھائی جس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سیاہ تل پرندے کے گھونسلے کی طرح نظر آتا تھا اس پر شیطان آکر پہلے اسے ہر طرف سے سونگھتا ہے پھر دل کی جانب اپنی سونڈ داخل کرکے وسوسہ ڈالتا ہے جب انسان اللہ تعالٰے کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنی سونڈ پیچھے ہٹا لیتا ہے اس لئے اس کا نام خناس پیچھے ہٹانے والا ہے۔ اسے جب دل میں اللہ تعالٰے کے ذکر کی شعاعیں نظر آتی ہیں تو پیچھے بھاگ جاتا ہے اسی وجہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کاندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے بلکہ امت کے لئے بھی حکم فرماتے اور فرمایا کہ اسی طرح مجھے جبریل علیہ السلام نے نصیحت فرمائی تا کہ شیطان کا راستہ بند ہو اور وہ دل میں سونڈ داخل نہ کر سکے اس لئے کہ وہ انسان میں وسوسہ ڈالنے کے لئے سارے جسم میں ایسے گھومتا ہے جیسے انسان میں ہر جگہ خون کا دورہ ہوتا ہے۔ مہر نبوت کا دونوں کاندھوں کے درمیان میں ہونے میں بھی یہی راز تھا تا کہ امت کو معلوم ہو کہ اگرچہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہر طرح کے گناہوں سے معصوم تھے اور خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے اس میں اللہ تعالٰے نے میری مدد فرمائی ہے۔ یعنے مہر نبوت سے آپ کی نبوت کی تائید ہوئی اور اسی سے آپ اللہ تعالٰے کے مخصوص مشرف اور مکرم ہوئے اور شیطان کے وسوسے سے بھی

بالکل محفوظ تھے اس لئے کہ آپ کے ساتھ رہنے والا شیطان مسلمان ہوگیا اگرچہ آدم علیہ السلام کا شیطان بھی مسلمان ہوگیا لیکن اس نے ان پر وسوسہ کر کے حملہ کر لیا۔

(۲) دوبارہ شق صدر اس وقت ہوا جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہوئے اس وقت آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تاکہ آپ نبوت کا بوجھ آسانی سے اٹھا سکیں۔

(۳) تیسری بار آپ کا شق صدر ہوا جب آپ کو معراج ہوئی اس وقت آپ کی عمر باون سال تھی۔ اس سے آپ کے قلب میں توسیع کی گئی تاکہ آپ اسرار الٰہی و کلمات ربانیہ کو پورے طور پر محفوظ کر سکیں۔

شب معراج جبریل علیہ السلام ابتداً ایک سفید رنگ کی سواری لائے جسے براق سے تعبیر کیا جاتا ہے (البراق بضم الموحدہ اور اسے براق اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سخت چمکدار تھا یا بہت جلد باز تھا جیسے بجلی بادل میں چمکتی ہے اور بہت بڑی جلد باز ہوتی ہے یہ براق بھی اسی کی طرح تیز رفتار تھا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) پیمبر راہ عرشت کردم اینک
براق برق سیر آوردم اینک

(۲) جہندہ بر زمین خوش بادپائے
پرندہ در ہوا فرخ ہمائے

(۳) چو عقل کل سوئے افلاک گردے
چو فکر ہندسہ گیتی نوردے

(۴) نہ دست کس عنان او بسودہ
نہ از پائے رکابش گشتہ سودہ

ترجمہ: (۱) میں آپ کو آسمان کی طرف لے جانے کی نیت سے حاضر ہوا ہوں لیجئے یہ براق برق رفتار حاضر ہے

(۲) زمین پر خوب دوڑتا ہے اور آسمان پر بھی بہت اڑتا ہے

(۳) عقل کی طرح آسمان پر جاتا ہے ہندسے کی طرح زمانہ کو لپیٹتا ہے۔

(۴) کسی ہاتھ نے اس کی باگ کو نہیں پکڑا اور نہ ہی اس کے رکاب میں کسی کے پاؤں لگے۔

شب معراج جس براق پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے وہ گھوڑے سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔

نکتہ: صاحب المنتقی نے لکھا ہے کہ اسے خچر کی شکل میں لانے میں حکمت ہے ورنہ اسے گھوڑے کی شکل میں لانا چاہیے تھا ایک تو اس لئے کہ آپ کو اس پر سوار ہونے میں آسانی ہو اور اس سے آپ کو ملال بھی نہ ہو کہ اونچی سواری سے طفاً وحشت

ہوتی ہے دوسرے اس لئے کہ اظہار معجزہ ہو کہ باوجودیکہ یہ سواری اتنا تیز رفتار بھی نہیں لیکن اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اسے ایسا تیز رفتار بنایا کہ عقل والے دنگ اور حیران رہ گئے۔ اور براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ تا حدِ نگاہ براق کے قدم پہنچتے تھے زمین سے آسمان تک اس کا ایک قدم ہوا اس لئے کہ ہم جب نگاہ اٹھاتے ہیں تو ہماری نگاہ آسمان پر پڑتی ہے تو اس معنے پر اس کا ایک قدم زمین پر تھا تو آنکھ جھپکتے ہی اس کا دوسرا قدم آسمان پر پہنچ گیا گویا اس نے ساتوں آسمانوں کو ساتوں قدموں سے طے کر لیا۔

ردِ وہابیہ جو لوگ اولیاء کرام کے طے الارض (طے المسافۃ) کی کرامات کے منکر ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بڑوں (معتزلہ) نے آصف برصفیا کی کرامت کا انکار کر دیا اور دلیل یہ بتائی کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت کس طرح لایا جانا محال ہے۔

[صاحب روح البیان ان کے رد میں لکھتے ہیں کہ]

وبہ یرد علی من استبعد من المتکلمین احصار عرش بلقیس فی لحظ واحدۃ[1]	اس سے اس کا رد ہوا جو بعض متکلمین کہتے ہیں کہ بلقیس کا تخت ایک لحظ میں لایا جانا محال ہے۔

ف: ربیع الابرار میں ہے کہ براق کا چہرہ انسان کے چہرے کی طرح تھا اور اس کے پاؤں اونٹ کے پاؤں کی طرح اور پنڈلیاں گھوڑے کی طرح اور اس کی زین سفید موتیوں کی اور دونوں رکاب سبز زبرجد اور لگام سرخ یاقوت کی اور اس سے نور چمکتا تھا۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ وہ نہ نر تھا نہ مادہ یعنے ایسی جنس سے تھا جسے نہ ذکورۃ سے موصوف کیا جا سکتا ہے نہ انوثت سے۔ ومن شئ خلقنا زوجین کے قاعدے سے ملائکہ کرام کی طرح خارج تھا اس لئے کہ وہ بھی نہ نر ہیں نہ مادہ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس جیسا جانور نہ میں نے پہلے دیکھا نہ بعد میں اور میں اس کے دیدار کا اشتیاق رکھتا ہوں اور میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیسا جانور ہے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ براق ہے آپ اس پر سوار ہو کر اللہ تعالٰی کے ہاں تشریف لے چلئے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے آپ کو دعوت دی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے لگام سے پکڑا، میکائیل علیہ السلام نے اس کے رکاب اور اسرافیل اس کے پیچھے۔ میں نے جب اس پر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو براق بدکنے لگا۔ جبریل علیہ السلام نے اس کی ران پر ہاتھ رکھا اور اسے فرمایا یہ کیا؟ اللہ تعالٰی کی قسم اس جیسا تیرے اوپر نہ پہلے کوئی سوار ہوا اور نہ بعد میں، امید رکھی جا سکتی ہے یہی حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ براق جبریل علیہ السلام کی بات سن کر پسینہ پسینہ

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۸

ہوگیا۔

ف: ابن دحیہ نے فرمایا کہ اس براق پر حضور علیہ السلام سے پہلے کوئی بھی سوار نہ ہوا تھا۔ امام نووی اسی کے موافق فرماتے ہیں۔

ازالۂ وہم: جبریل علیہ السلام کا فرمانا کہ اے براق! ان سے پہلے تیرے اوپر سوار ہوا نہ ہوگا۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ براق پر کوئی سوار نہیں ہوا اس کا یہ معنے نہیں کہ اور سوار ہوئے تھے لیکن ان جیسے نہیں تھے وغیرہ وغیرہ۔

براق کی دانشمندی براق کو جب جبریل علیہ السلام نے جھڑکا تو براق نے کہا: اے جبریل علیہ السلام میں اس لئے نہیں بدکتا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ اٹھاؤں بلکہ اس لئے بدکتا ہوں کہ آپ سے ضمانت لوں تاکہ آپ قیامت میں میری شفاعت کی ذمہ داری لیں اور ابھی سے میرے ساتھ وعدہ فرمائیں اس لئے کہ مجھے معلوم ہے حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے براق سے شفاعت کا وعدہ فرما لیا۔

اعجوبہ: منقول ہے کہ سفید گلاب جبریل علیہ السلام کے پسینے سے اور زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے آسمان پر معراج کے لئے بلایا گیا تو زمین رونے لگی اس کے رونے سے اس کی انگوری زرد ہوگئی۔ جب میں معراج سے زمین پر واپس ہوا تو میرے پسینہ کے قطرات زمین پر پڑے تو اس سے گلاب کا پھول پیدا ہوا۔ اب جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ سرخ گلاب سونگھے۔

ف: ابوالفرج نہروانی نے فرمایا کہ اس حدیث شریف سے یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالےٰ نے جتنا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکرم بنایا ہے وہ اسی حدیث کے مطابق انتہائی مقام ہے بلکہ آپ کے فضائل وکمالات کا یہ ادنیٰ کمال ہے ورنہ اللہ تعالےٰ نے اس سے مکرم ترکئی درجات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا ہے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے یہ بھی نہ سمجھنا کہ ان واقعات سے پہلے گلاب سفید، زرد اور سرخ کے پھول نہیں تھے لیکن ان حضرات کے اعزاز میں اسی رنگ کے پھول ان کے پسینوں سے پیدا ہوگئے۔ اس کی مثال بی بی حوّا کا واقعہ ہے کہ جب وہ زمین پر اتریں تو گریہ زاری فرمائی ان کے جتنے آنسو ٹپکے ان سے دریا کے موتی پیدا ہوئے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بی بی سے پہلے دریا کے موتی نہ تھے بلکہ بی بی حوا سے پہلے بھی موتی تھے۔ ایسے ہی مذکورہ رنگ جیسے پھول پہلے بھی تھے۔

ف: نمک کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہشت کا کافور ایک مٹھی بھر دیا گیا تو انھوں نے زمین پر پھینکا جہاں جہاں اس کافور کے ذرات پڑے وہیں پر نمک کی کان بن گئی لیکن اس سے قبل بھی نمک موجود تھا ان واقعات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ان حضرات کے اعزاز میں بہت بڑی بہترین اشیاء پیدا فرمائیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی براق پر سوار ہوگیا:

از ان دولت سرا چوں خواجۂ دین
خراماں شد بعزم خانۂ دین
شد از سبوحان گردوں صدا وہ
کہ سبحان الذی اسری بعبدہٖ

ترجمہ: اسی دولت سے وہ دین کے سزار، زینت والے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ آسمانی فرشتے آسمان سے آواز دینے لگے: سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ۔

ف: اختلاف ہے کہ کیا جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہوئے یا نہ۔

صاحب المنتقیٰ نے فرمایا کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار نہیں ہوئے تھے اس لئے کہ وہ براق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور صرف معراج کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔

شب معراج میں زمین کے مختلف مقامات کی سیر

جب حضور علیہ السلام براق پر سوار ہوئے تو وہ اڑتا ہوا چلا جہاں نگاہ پڑتی وہاں اس کا قدم پہنچتا۔ آپ کا ایک زمین پر سے گزر ہوا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ براق سے اتر کر یہاں ایک دوگانہ پڑھئے۔ جب آپ نے دوگانہ پڑھ لیا تو پھر براق پر سوار ہوئے۔ تو پھر جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کون سا مقام تھا۔ آپ نے فرمایا: میں نہیں جانتا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ مقام مدین تھا۔ یہ شجرۂ موسیٰ علیہ السلام کے قریب اور اس کے بالمقابل ایک جگہ کا نام ہے یہ مدین بن موسیٰ کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوا جب کہ مدین اسی مقام پر مقیم ہوئے۔

اس کے بعد براق چل پڑا تھوڑی سی مسافت طے ہوئی تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہاں اتر کر دوگانہ پڑھئے آپ نے دوگانہ پڑھا۔ جبریل نے عرض کی کہ یہ کون سا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نہیں جانتا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ بیت لحم ہے یہ ایک بستی ہے جو بیت المقدس کے بالمقابل ہے یہیں پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس کے بعد آپ براق پر سوار ہوئے۔ براق کے پیچھے سے ایک بہت بڑا قوی ہیکل جن نظر آیا جس کے ہاتھ میں آگ کی چنگاری تھی۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ میں آپ کو چند کلمات عرض کروں جب آپ انہیں پڑھیں گے تو اس جن کی آگ بجھ جائے گی بلکہ خود جن بھی منہ کے بل گر جائے گا۔ آپ نے فرمایا: وہ کلمات کیا ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی وہ کلمات یہ ہیں:

اعوذ بوجہ اللہ الکریم وبکلمات اللہ	ہم اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کے ان کلمات کی برکت سے
التامات التی لا یجاوزہن بر ولا فاجر من	(جن سے نہ نیک تجاوز کر سکتا ہے نہ بد) ان امور سے پناہ
شر ما ینزل من السماء ومن شر ما یعرج	مانگتا ہوں جو آسمان سے اترتے ہیں اور ان شرور سے جو

فیہا و من شر ما ذرا فی الارض و من شر ما یخرج منہا و من فتن اللیل و النہار الا طارقا یطرق بخیر یا رحمٰن ۔

آسمان پر چڑھتے ہیں اور ان شرور سے جو زمین سے نکلتے اور اس زمین میں پھیلتے ہیں اور رات دن کے فتنوں اور فتنے لانے والوں سے ۔ اے اللہ ہمیں خیر عطا ہو ۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے کلمات پڑھے تو شیطان یعنے وہ پیچھے آنے والا قوی ہیکل جن منہ کے بل گر پڑا اور اس کی آگ کے شعلے بھی بجھ گئے ۔

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجاہدوں کے حالات منکشف ہو گئے ۔ آپ نے بہشت کے اندر انھیں جو جزا نصیب تھی اپنی آنکھوں مبارکہ سے معائنہ فرمایا اور انھیں ایک مثال کے طور پر بیان کیا گیا کہ وہ ایک قوم کی طرح ہیں جو اسی وقت کھیتی باڑی کرتی ہے پھر اسی وقت مکمل ہو جاتی ہے وہ اسے کاٹ لیتے ہیں پھر وہ پہلے کی طرح ہو جاتی ہے ۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں ، عرض کی یہی مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ جنھیں نیکی سات سو گناہ زائد نصیب ہوتی ہے جو کچھ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے راہ پر خرچ کیا اس کا انھیں صلہ یونہی ملے گا اس سے مراد یہ ہے کہ انھیں بے حساب ثواب نصیب ہوگا ۔ اس کے بعد دائیں طرف سے ایک ندا آئی : یا محمد انظرنی اسألک اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھئے میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ نے اسے جواب نہ دیا ۔ آپ نے فرمایا ، جبریل علیہ السلام یہ کیا ہے ؟ عرض کی یہ یہودیت کا داعی تھا اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت یہودیت سے مانوس ہو جاتی یعنے انھیں تورات پر عمل کرنے کا شوق ہوتا اس سے آپ کی اکثر امت مراد ہے اس کے بعد آپ کو بائیں طرف سے ندا آئی آپ نے اسے بھی جواب نہ دیا ۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام یہ کیا ہے ؟ عرض کی ؛ یہ نصرانیت کا داعی تھا اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی اکثر امت کو انجیل پر عمل کا شوق ہوتا ۔ اس کے بعد آپ پر دنیا کا حال منکشف ہوا اور اسے ایک بوڑھی عورت کی صورت میں دکھایا گیا کہ جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور دونوں کہنیوں سے کپڑا اترا ہوا تھا اس لئے کہ جو کسی دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اس کی یہی حالت ہوتی ہے اور اس پر ہر قسم کا ہار سنگار تھا اور ظاہر ہے کہ زینت کا صرف ایک سبب بھی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے پھر اس کا کیا حال ہوگا جس میں زینت کے تمام اسباب موجود ہوں ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

خوش عروسیست جہاں از سر صورت لیکن
ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

ترجمہ : یہ دنیا عجیب نہیں ہے کہ جو اس سے ملا اس نے اپنی زندگی مہر میں دے دی ۔

؎

از رہ مرو بعشوۂ دنیٰ کہ این عجوز
مکارہ نشیند و محتالہ می رود !

ترجمہ: سیدھی راہ چھوڑ کر بوڑھی دلہن کے اشاروں پہ نہ چل یہ دھوکہ باز تجھے فریب دے کر تجھے تباہی کی طرف لے جائے گی

دنیا کا حال دنیا نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میرا آپ سے ایک سوال ہے لیکن آپ نے اس کی طرف توجہ نہ دی آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی: یہ دنیا تھی اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔

بوڑھی دنیا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کونے میں بڑھیا کو دیکھا وہ آپ کو پکار رہی تھی آپ نے اس کی طرف بھی توجہ نہ دی آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ عرض کی کہ یہ دنیا ہے اس کی مثال بڑھیا کی ہے کہ جس طرح بڑھیا اپنی زندگی کی آخری منزل طے کر رہی ہے ایسے ہی دنیا اب ختم ہونے والی ہے اس کی عمر اتنی رہ گئی ہے جتنی اس بڑھیا کی۔

ف: دنیا کو کبھی نوجوان اور کبھی بوڑھی عورت سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ذاتی طور پر نہ جوان ہے نہ بوڑھی اس کی یہ تعبیریں بوجہ متعلقات کے ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک اسے شابہ (نوجوان) کہا جاتا۔ اس کے بعد حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک اسے کہلہ (ادھیڑ عمر کی عورت) کہا جاتا رہا اس کے بعد تا قیامت اسے عجوز (بڑھیا) کہا جاتے گا۔ اور یہ بھی صرف انسانی نشو ونما اور ان کے مختلف ادوار کی وجہ سے ہے ورنہ یہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی عجوز (بڑھیا) تھی اس کا شباب اور تر و تازگی آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت سے ختم ہو گئی (کذافی بعض الاخبار)

سوال: شباب یا بڑھاپا تو حیوانات میں ہوتا ہے دنیا کے لئے کون سا شباب اور کونسا بڑھاپا ہے؟

جواب: پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ یہ محض مثالی طور پر کہا گیا ہے۔

خیانتی کا بُرا حال حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خیانتی انسان کی مثال دکھائی گئی کہ ایک مرد لکڑیوں کا گٹھڑا اٹھاتا ہے لیکن اٹھا نہیں سکتا باوجود اس ہمہ گٹھڑے میں اور لکڑیاں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ اس خیانتی کی مثال دی گئی جو لوگوں کی امانتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا لیکن مزید امانتوں کو اپنے پاس رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی کہ یہ آپ کا وہ امتی ہے جس کے پاس امانتیں رکھی جائیں اور وہ انھیں ادا نہیں کرتا الٹا دیگر امانات کے درپے رہتا ہے۔

اعجوبہ: بزرگانِ دین فرماتے ہیں:

اتقوا الواوات

یعنے ان امور سے ڈرو جن کے اوّل لفظ واو آتا ہے جیسے ولایت (حاکم بننا)، وزارت، وصایت (کسی کی وصیت کا بوجھ اٹھانا)، وکالت، ودیعت یعنے امانت رکھنا۔

بے نماز کا بُرا حال: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بے نماز کی کیفیت دکھائی گئی کہ ایک قوم کے سر پتھروں سے

چھوڑا جاتا ہے جب تک ان کے سر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں تو پہلے کی طرح صحیح و سالم جوڑ دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے سر فرض نمازوں کے وقت بوجھل ہو جاتے تھے۔

تارک زکوٰۃ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تارک زکوٰۃ کا حال دکھایا گیا جن کے آگے پیچھے بہت بڑے زخم ہیں وہ اونٹ بکریوں کی طرح بھاگتے ہیں اور انہیں تھوہر کا درخت کھلایا جاتا ہے۔ الضریع ایک خشک درخت کو کہا جاتا ہے جو کانٹے دار ہوتا ہے۔ الزقوم اس کے ثمر کو کہا جاتا ہے جو کانٹوں کے ساتھ سخت کڑوا بھی ہے بعض کے نزدیک ایسا درخت دنیا میں نہیں بلکہ یہ صرف جہنم میں ہے جسے اللہ تعالےٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمایا:

انہا تخرج من اصل الجحیم — وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کے اندر پیدا ہوتا ہے۔

جن لوگوں کو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اونٹ اور بکریوں کی طرح دوڑتا دیکھا انہیں جہنم کے انگارے کھلائے جا رہے ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

زانیوں کا بُرا حال

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانی دکھائے گئے جن کے سامنے بھنے ہوئے بہترین گوشت ہانڈیوں کے اندر رکھے ہیں اور دوسری طرف کچا اور بدبودار گوشت پڑا ہے وہ لوگ بھنے ہوئے اور بہترین گوشت کو چھوڑ کر کچا اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کی کہ یہ آپ کے وہ امتی ہیں جو شادی شدہ ہو کر غیر عورتوں کے پاس شب باشی کرتے اور اپنی عورتوں کے پاس نہیں جاتے اور ان کے ساتھ وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کے بجائے غیر مردوں کے پاس رات گزارتی تھیں یعنے زنا کار مرد اور زانی عورتیں۔

ڈاکوؤں کا حشر

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈاکوؤں کا حال دکھایا گیا کہ ایک لکڑی ایسی ہے کہ وہ جس کپڑے یا کسی شے سے گذرتی ہے تو اسے چیر پھاڑ دیتی ہے آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ عرض کی کہ یہ آپ کے اس امتی کی مثال ہے جو لوگوں کے راستے پر چھپے رہتے تھے جونہی لوگ وہاں سے گزرتے تو وہ ان سے مال چھین لیتے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے انھیں اس بُرے فعل سے روکا تھا:

ولا تقعدوا بکل صراط توعدون۔ — ایسے راستوں پر مت بیٹھو کہ تم لوگوں کو ڈراتے رہو۔

بدعمل علماء اور پیر

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا حالات ظاہری زانی اور ڈاکوؤں کے تھے کچھ یہی حال معنوی زانی اور باطنی ڈاکوؤں کا ہے وہ علماء اور پیر ہیں جو اندرونی طور پر قوم کو تباہ و برباد کرتے ہیں اور ظاہری شکل علماء و مشائخ کی دکھاتے ہیں ایسے لوگ دجال و کذاب ہیں ایسے لوگ اپنی ظاہری صورتیں نیک اور بہتر رکھتے ہیں حالانکہ ان کی طلب کی استعداد غلط ہوتی ہے جس سے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ایسے مکار پیر اور غدار (بدعمل) علماء کو ایسے زانیوں اور ڈاکوؤں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

سود خوار

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو سود خوار کی حالت اس شخص کی سی دکھائی گئی جو خون کی نہر میں تیرتا جا رہا تھا اور اس کے منہ میں جہنم کے پتھر ڈالے جا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یہ آپ کا سود خوار امتی ہے۔

بے عمل واعظ و مبلّغ اور مقرّر

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو واعظِ بے عمل کی کیفیت دکھائی گئی کہ ایک قوم کی زبانیں اور ہونٹ جہنم کے مقراضیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، ایک دفعہ کاٹ لئے جاتے ہیں تو وہ پہلے کی طرح صحیح و سالم ہو جاتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطباء، مقررین، مبلغین اور واعظین ہیں جن کی تقریر سے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے اور جو خود بے عمل ہوتے اور دوسروں کو اعمالِ صالحہ کی تلقین کرتے۔ ؎

از من بگوئے عالمِ تفسیر گوئی را
گر در عمل نکوشی تو نادان مفسرے
باز درخت علم ندانم بجز عمل
با علم اگر عمل نکنی شاخ بے برے

ترجمہ: تفسیر دان عالم کو میری طرف سے کہہ دو۔ اگر تم عمل میں کوشش نہ کرو گے تو تم بے وقوف مفسر ہو۔ علم بے عمل اُس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہ ہو۔

غیبت کرنے والے

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو غیبت کرنے والوں کی صورت دکھائی گئی کہ وہ اپنے چہرے اور سینے تانبے کے ناخنوں سے نوچ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو غیبت کرنے اور لوگوں کی عزت گھٹانے کے درپے رہتے تھے۔

فحش بکنے والے

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو فحش بکنے والے دکھائے گئے کہ ایک پتھر سے ایک بہت بڑا بیل نکلتا ہے پھر وہ ارادہ کرتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے وہاں واپس لوٹ جائے لیکن بڑی جد و جہد کے باوجود نہیں جا سکتا۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کا وہ امتی ہے جو چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق تھا یعنے ایسی بات کرتا جو اس کے لائق نہیں ہوتی تھی پھر اس پر پچھتاتا کہ کاش! وہ نہ کہتا لیکن اب اسے لوٹانا چاہتا ہے لیکن بات گئی ہوئی کیسے واپس ہو۔

بہشت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہشت کے کنارے پر لایا گیا آپ ایک وادی پر تشریف لائے اس کی ٹھنڈی ہوا اور بہتر خوشبو سے جی باغ باغ ہو جاتا ہے اور اس سے خوش آواز سنائی دیتی۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ بہشت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ بہشت کا وعدے پورے کرائیے

یعنے چل کر میں اسے دیکھ لوں۔

جہنم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم کی کیفیت دکھائی گئی آپ کو ایک وادی پہ لایا گیا اس سے بہت بڑی مکروہ آواز سنائی دی اور اس سے بہت بڑی گندی آواز آئی۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ جہنم کی آواز ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ذرہ ذرہ کاندرین ارض و سما ست

جنس خود را ہر یکی چون کھربا ست

معدہ نانرا می کشد تا مستقر

می کشد مر آب را تف جگر

چشم جذاب بتان زاین کوہاست

مغز جویان از گلستان بوہاست

ترجمہ: (۱) زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ ہر ایک اپنی جنس کے لئے کہربا کی طرح ہے۔

(۲) معدہ طعام کو اپنے مستقر تک کھینچتا ہے ایسے ہی جگر کی گرمی کو پانی۔

(۳) آنکھ کی کشش اسی قبیل سے ہے۔ مغز باغ کی خوشبو اسی لئے کھینچتا ہے۔

ابلیس حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو راستے سے ہٹ کر علیحدہ کھڑا تھا اور پکارتا ہے: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جبریل علیہ السلام نے عرض کی چلئے اس کی طرف توجہ نہ دیجئے۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کی کہ یہ خبیث لعین ابلیس آپ کا دشمن ہے چاہتا ہے کہ آپ کو اپنی طرف جھکا دے:

؎

آدمی را دشمن پنہاں بسیست

آدمیٔ با حذر عاقل کیست

ترجمہ: آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں۔ پرخوف انسان دانا ہے۔

موسےٰ علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزر ہوا وہ سُرخ ٹیلے کے نزدیک اپنی مزار میں نماز پڑھ رہے تھے جونہی حضور علیہ السلام کو وہاں سے گزرتا ہوا دیکھا تو بلند آواز سے کہا:

اکرمتہ وفضلتہ (میں نے انھیں افضل واکرم بنایا ہے)

آپ نے فرمایا یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں۔ آپ نے پوچھا: اسے کون جھڑک

رہا تھا۔ عرض کی کہ آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ انھیں جھڑک رہا تھا۔

ف: یہاں عتاب اور جھڑک محبت اور پیار کی تھی۔

مزارات کی زیارت اور مزارات کے نزدیک نوافل[1] وہابی دیوبندی مزارات اولیاء سے نہ صرف روکتے بلکہ اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب روح البیان کے مندرجہ ذیل قول سے ان کی تردید ہوتی ہے۔ انھوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا:

والظاهر انه علیه السلام نزل عن قبر فصلی رکعتین[2]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک کے قریب اترے اور دوگانہ پڑھا۔

ابراہیم علیہ السلام ایک درخت کے نیچے ایک بوڑھے بزرگ پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا جن کے گرداگرد بہت بڑا کنبہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کے دادجان حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ نے ان کے قریب جاکر انھیں سلام کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دے کر جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے عرض کی کہ یہ آپ کے صاحبزادے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

مرحبا یالنبی الامی العربی

یہ کہہ کر حضور علیہ السلام کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں جس درخت سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا وہیں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار مبارک تھا۔ حضور علیہ السلام اسی درخت کے نزدیک اترے اور وہیں دوگانہ ادا فرمایا۔

(معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی مزارات کی زیارت اور وہیں پر نفل دوگانہ پڑھنا سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے[3])

بیت المقدس میں تشریف آوری اور ملائکہ کرام کا استقبال! حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی مزار کی زیارت سے فراغت پاکر براق پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کے قریب ایک وادی پر پہنچے جہاں آپ کو جہنم کی صورت وسانڈ (بچھوں) کی طرح دکھائی گئی۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھا یا حضرت آپ کو جہنم کی کیفیت کیسی محسوس ہوئی؟ آپ نے فرمایا: سیاہ کوئلے کی طرح نظر آتی تھی یہاں سے حضور علیہ السلام آگے بڑھے اور ایلیاء (بالکسر) میں داخل ہوئے یہی مدینۃ القدس ہے جو ارض شام میں واقع ہے یہاں پر آپ کے استقبال کے لئے ملائکہ کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی۔

---

[1]: اضافہ از فقیر اویسی۔

[2]: روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۱۱۔

[3]: از فقیر اویسی

وہ فرشتے گنتی اور شمار سے باہر تھے آپ ایلیاء کے باب یمانی سے داخل ہوئے اور مسجد اقصیٰ میں پہنچے یہاں دروازے کے آگے ایک پتھر پڑا تھا جسے جبریل علیہ السلام نے چیر کر براق کو باندھا۔

اعجوبہ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کا قبل اسلام ایک عجیب واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے قیصر (بادشاہ) کے ہاں چند باتیں سوچ کر بتائیں اس نیت پر کہ اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت میں کمی آئے گی یعنے ان کی ایسی باتیں بتاؤں کہ جن سے ان کا جھوٹ ثابت ہو اور قیصر (بادشاہ) ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان سے نفرت کرے گا۔ چنانچہ میں نے قیصر (بادشاہ) سے کہا کہ میں تمہیں اس نبی کی ایک ایسی بات بتاؤں جس سے تمہیں یقین ہوجائے گا کہ واقعی وہ جھوٹا ہے۔ قیصر نے کہا، وہ کیا ؟ ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک ہی رات میں بیت اللہ (مکہ) سے بیت المقدس پہنچ کر واپس لوٹ آیا ہوں۔ کیا عقل باور کرتی ہے کہ انسان اتنا لمبا سفر ایک رات میں طے کرلے ؟۔ ابوسفیان یہ ماجرا بیان کرکے خاموش ہوا تو بیت المقدس کا خاص لول پڑا اور قیصر (بادشاہ) سے کہا کہ اس رات کی کہانی مجھ سے سنیئے۔ ہوا یوں کہ میری عادت تھی کہ بیت المقدس (مسجد) کے تمام دروازے بند کرکے سوتا تھا اس رات بھی میں نے تمام دروازے بند کئے لیکن ایک دروازہ بند نہ ہوسکا بہت بڑی جد وجہد کے باوجود کھلا رہا۔ اور وہ فلاں دروازہ جو اب بھی ہے اس کے بعد میں نے ہمسائیگان کی مدد چاہی اور اسے ہر چند بند کرنے کی کوشش کی گئی مگر بند نہ ہوسکا بالآخر ہم نے اسے ایسے ہی چھوڑ دیا اور سمجھا کہ اسے کچھ خرابی ہے تو کل بنوالیں گے۔ چنانچہ میں اس دروازے کو کھلا چھوڑ کر چلا گیا جب صبح حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ پتھر جو دروازے کے آگے پڑا تھا جس میں سوراخ نہیں تھا اب اس میں سوراخ پایا گیا اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کسی سواری کو باندھا گیا۔ اور مذکورہ دروازے کے بند نہ ہونے کا بظاہر کوئی سبب نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے کتب سماویہ میں پڑھا تھا کہ جب نبی آخر الزماں (صلے اللہ علیہ وسلم) کو آسمان کی سیر کرائی جائے گی تو وہ بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے جائیں گے۔ چنانچہ میں نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو اس وقت کہہ دیا تھا کہ آج شب نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی ہے اور دروازے کے بند نہ ہونے کا سبب بھی یہی تھا۔

ف: دروازے کا بند نہ ہونا بھی حضور علیہ السلام کے معراج کی تصدیق کے لئے ہوا ورنہ جبریل علیہ السلام کے آگے ایسے دروازے حائل نہیں ہوسکتے تھے۔ اسی طرح ان کا پتھر کو چیرنا اور براق کا باندھنا بھی حضور علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کے لئے ہوا ورنہ براق کو باندھنے کے کیا معنے۔ اولاً تو وہ براق ہمارے دنیوی جانوروں کی طرح نہیں۔ ثانیاً وہ براق حضور علیہ السلام پر سوجان فدا تھا وہ حضور علیہ السلام کے بغیر کہاں جا سکتا تھا۔ ثالثاً خود اللہ تعالےٰ نے اس براق کو صرف اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھیجا تھا اور صرف انہی کے لئے مسخر کرلیا گیا۔ ان وجوہ کی بنا پر اس کے باندھنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی سوائے اس کے کہ وہ بھی حضور علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

حورانِ بہشت کی حاضری جب حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجر مذکور پر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ اپنے رب تعالےٰ سے دعا کیجئے تاکہ آپ کو حورانِ بہشت دکھائے۔ آپ نے دعا فرمائی

تو آپ کے اور حورانِ بہشت کے درمیان سے پردے ہٹا دیے گئے۔ آپ نے انھیں السلام علیکم کہا۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انھیں نے عرض کی کہ ہم ان نیک لوگوں کی عورتیں ہیں جو دنیا میں پاکباز رہے گناہوں کی میل کچیل ان کے قریب نہ پھٹکی اور وہ بہشت میں آکر دائمی طور پر مقیم ہوں گے یہاں سے کوچ نہیں کریں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے ان پر موت نہیں آئے گی۔

انبیاء علیہم السلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بیت المقدس تشریف لے گئے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو زندہ کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ یاد رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو عالمِ برزخ سے عالم دنیا میں صورتِ مثالی کے ساتھ لایا گیا سوائے حضرات عیسےٰ، ادریس، خضر اور الیاس علیہم السلام کے۔ وہ چونکہ ابھی زندہ ہیں اسی لئے وہ دنیوی اجسام کے ساتھ حاضر ہوئے! ور تحقیق یہی ہے کہ مذکورہ بالا چاروں حضرات تا حال زندہ ہیں۔ ان تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو سلام عرض کیا آپ کو بہت بڑے مراتب سے فائز المرام ہونے پر مبارکباد پیش کی اور کہا:

الحمد للہ الذی جعلک خاتم الانبیاء	جملہ تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لئے جس نے آپ کو خاتم الانبیاءؑ
فنعم النبی انت و نعم الاخ انت و	بنایا آپ بہتر پیغمبر اور اچھے ساتھی اور آپ کی امت خیر الامم
امتک خیر الامم	ہے۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ آگے بڑھ کر ان سب حضرات انبیاء علیہم السلام کو دوگانہ پڑھائیے آپ نے جب انھیں دوگانہ پڑھایا۔ آپ کے پیچھے بالکل قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے بائیں جانب حضرت اسحاق علیہ السلام کھڑے تھے۔ حضور علیہ السلام کے پیچھے انبیاء و رسل علیہ السلام نے سات صفیں بنائیں، پہلی تین صفیں رسل و انبیاء علیہم السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کی صفیں تھیں۔

مسئلہ: انسان العیون میں ہے کہ یہ مطلق نفل تھی۔ (واللہ اعلم)

فقہاء کرام کا یہی قول زیادہ قوی ہے۔

سوال: نوافل میں جماعت مکروہ ہے اور یہ دوگانہ نفلی تھا تو جماعت کیسی؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کے لئے کراہت کا خیال کسی مکروہ دماغ میں آئے گا ورنہ ان کا ہر عمل محبوب ہوتا ہے اور یہ ان کا خاصہ ہے اگرچہ عوام کے لئے نوافل کی جماعت مکروہ ہے۔

مسئلہ: منیۃ المفتی میں بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو دوگانہ پڑھانا نفلی عبادت تھی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بیت المقدس میں پہنچ کر دو رکعت نفل پڑھے یعنے انبیاء علیہم السلام کا اور ملائکہ کرام کا امام بن کر۔ اس کے بعد مجھے سخت پیاس لگی تو میرے سامنے دو پیالے لائے

گئے ایک دودھ کا دوسرا شراب طہور کا تھا۔ میں نے وہ پیالہ لیا جس میں دودھ تھا اور یہ بھی اللہ تعالٰی کی توفیق سے تھا۔ دودھ سے تھوڑا سا پیا لیکن شراب والے پیالے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی :

اصبت الفطرۃ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم   اے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ فطرت کو پہنچے۔

اس لئے کہ فطرت کے لئے علم و حلم و حکمت موزوں ہے۔

اگر آپ شراب کے پیالے سے کچھ نوش فرماتے تو آپ کی امت بالکل گمراہ ہو جاتی اور اگر دودھ کا سالم پیالہ پی لیتے تو آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت کا کوئی فرد بھی گمراہ نہ ہوتا۔ میں نے کہا، لایئے جبریل علیہ السلام دودھ کا وہی پیالہ کہ میں اسے پی لوں تاکہ میری امت گمراہ نہ ہو۔ کہا کہ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اللہ تعالٰی کی تقدیر میں ایسے ہی لکھا تھا اس کے خلاف ہونا مشکل ہے۔ اس لئے اب رہنے دیجئے جس نے ہلاک ہونا ہے وہ ضرور ہلاک ہو گا اور جس نے نجات پانی ہے وہ بچ جائے گا۔ اللہ تعالٰی سمیع و علیم ہے۔

ف : اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ بیت المقدس سے قبۃ الصخرۃ سے روانہ ہوئے۔ اس لئے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ صخرۃ بیت المقدس بہشت کے پتھروں سے ہے۔

ف : اسی پتھر پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان موجود ہے۔

اعجوبہ : حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ دنیائے عالم کا کوئی ایسا میٹھا پانی نہیں جسے اس صخرۂ بیت المقدس سے تعلق نہ ہو یعنی تمام روئے زمین کے چشموں کا پانی اسی صخرہ سے جاتا ہے یہ صخرہ (پتھر) اللہ تعالٰی کے عجائبات قدرت کا ایک اعجوبہ ہے۔

ف : یہ بیت المقدس کے درمیان میں ایک بکھرا ہوا پتھر ہے۔ اسے صخرۂ بیت المقدس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بیت المقدس کی ہر جہت سے منقطع ہے اسے انہی چیزوں سے روکا جا سکتا ہے جن سے پانی کو روکا جاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہیئت و کیفیت پانی کی سی ہے لیکن اللہ تعالٰی کی قدرت سے سہارا کے بغیر ویسے ہی کھڑا ہے۔

ف : اس پتھر کے نیچے ایک غار ہے جو دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور وہ پتھر اس کے اوپر زمین و آسمان کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔

ف : حضرت امام ابوبکر ابن العربی نے شرح مؤطا میں لکھا ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ میں اسی پتھر مبارک کے نیچے سے گزروں لیکن اس کی ہیبت سے اس کے نیچے سے نہ گزر سکا اس خطرہ سے کہ شاید وہ میرے گناہوں کی نحوست سے میرے اوپر گر جائے پھر ایک مدت کے بعد جرأت کر کے اس کے نیچے سے گزرا تو بڑے عجائبات نظر آئے منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ مجھے ہر طرف سے چلتا ہوا نظر آیا باوجود اس کے کہ اس کا کوئی ٹکڑا زمین سے متصل نہ تھا بلکہ اس کے لپیٹنے بعض ٹکڑے اس سے بہت جدا نظر آتے تھے۔

ف : بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ بیت المقدس آسمان کے بالکل قریب ہے۔ بعض نے صرف اٹھارہ میل کی مسافت فرمائی ہے۔
اعجوبہ : وہ دروازہ جس سے فرشتے زمین سے آسمان پر جاتے ہیں وہ بیت المقدس کے بالمقابل ہے۔

نکتہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے جانے کا پروگرام بھی بیت المقدس سے اسی وجہ سے بنایا گیا کہ یہی ٹکڑا آسمان کے قریب تر ہے اور اسی دروازے کے لئے جو آسمان پر جانے کے لئے کھلا ہوا ہے اس کے لئے آپ کو ٹیڑھا سفر کر کے نہ آنا پڑے۔

شانِ رسالت فقیر (حقی) کہتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کے راستے سے لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے بیت المقدس کو بھی برکت نصیب ہو اس لئے کہ یہی مدینۃ القدس اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہے اسے حضور علیہ السلام کی برکات سے بھی متبرک کیا گیا۔ اس سے یہ ضروری نہیں کہ آپ کو بیت المقدس سے سفر کی سہولت مطلوب تھی۔ یہ تو قیاس الغائب علے الشاہد کے قبیل سے ہے سفر کی سہولت اجسادِ ثقیلہ کو ضرورت ہوتی ہے اجسامِ لطیفہ کو سہولت کا کیا معنے؟ بالخصوص ملکوتی حضرات اور ارواح طیبہ تو اس قسم کی تکالیف سے منزہ اور پاک ہیں اس لئے کہ لطیف اشیاء ایسی ضرورتوں کی محتاج نہیں ہوتیں اور عاشق مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تمام کائنات یہاں تک کہ ملکوت و لاہوت اور قدوسی اور ملاالاعلیٰ و دیگر تمام مقربین ملائکہ سے لطیف ترین ہیں جسم شریف بھی روح مقدسہ کی طرح لطیف ہے۔

(یہ وہابیہ دیوبندیہ پارٹی کا رد ہے کہ وہ آپ کی بشریت کو کثیف سمجھتے ہیں۔[1])

اور قاعدہ ہے کہ اجسام لطیفہ کے لئے کوئی شے حائل نہیں ہوتی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہنا کہ بیت المقدس کا سیدھا راستہ تھا اور ٹیڑھا راستہ اختیار نہ کرنا وغیرہ وغیرہ تکلفات ردگیہ ہیں اور معراج کے مناسب حال کے خلاف ہے۔

نزول عیسٰے علیہ السلام یہ مسئلہ بھی اپنے مقام پر مسلّم ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام قرب قیامت میں منارہ بیضا دمشق میں نزول اجلال فرمائیں گے اگر آسمان کے راستے والی بات ہوتی تو وہ بھی بیت المقدس میں اترتے حالانکہ دمشق اور شام کے درمیان کافی فاصلہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے جانا راستے کی وجہ سے نہ ہوا سے عقل بھی نہیں مانتی۔

آسمان پر روانگی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں انبیاء علیہم السلام کو دوگانہ پڑھا کر فارغ ہوا تو مجھے جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے محمد! صلے اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے جانے کے لئے تیاری کیجئے۔ میں تیار ہو گیا سامنے دیکھا کہ ایک سیڑھی آسمانوں کی طرف بچھائی گئی ہے وہ سیڑھی سونے کی تھی اس کے پائے

---

[1] از فقیر اویسی

چاندی کے تھے اس میں لؤلؤ اور یاقوت کا جڑاؤ تھا وہ موتی نور کی طرح چمکتے تھے اس کا پہلا پایہ صخرۂ بیت المقدس کے اوپر تھا اور اس کا آخری پایہ آسمان سے ملا ہوا تھا مجھے جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم! آپ اس سیڑھی کے ذریعے آسمان پر تشریف لے چلیے۔ (کذا فی ربیع الابرار)

ف: انسان العیون میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی سیر اسی سیڑھی کے ذریعے ہوئی اس وقت آپ کو براق نہیں لے گیا تھا۔

ف: المعراج بکسر المیم وبفتحہا ہر وہ شے جو بنو آدم کے ارواح آسمانوں پر لے جائے دراصل وہ سونے کی ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعے سے آسمانوں پر جاتے ہیں یہ وہ سیڑھی ہے جس سے حسین ترین اور کوئی سیڑھی نہیں۔

مرنے کے بعد آنکھ کیوں کھلی رہتی ہے

میت کے جسم سے جب روح خارج ہو کر آسمان پر جاتی ہے تو اس وقت میت کی آنکھ کھلی رہتی ہے اس وقت میت کو وہی سیڑھی نظر آتی ہے جس سیڑھی کے ذریعے اس کی روح کو آسمان پر لے جاتے ہیں یہ سلسلہ مؤمن وکافر ہر دونوں کے لئے ہوتا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ مؤمن کی روح آسمان کے اوپر اعلےٰ علیین میں چلی جاتی ہے اور کافر کی روح کو دھکیل کر زمین کے اندر سجین میں پھینکا جاتا ہے اس سے کافر کی آنکھ حسرت اور حزن کے مارے کھلی رہتی ہے اور اپنی دھکیلی ہوئی روح سے بھی گویا اسے سزا دی جا رہی ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جنت الفردوس سے لائی گئی اور اسے بہترین موتیوں کا جڑاؤ تھا اس کے دائیں طرف بھی فرشتے اور بائیں طرف بھی فرشتے تھے۔ اس شان وشوکت سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم آسمان پر تشریف لے گئے۔ جبریل علیہ السلام خدمت گزاری کے لئے ہر وقت آپ کے ساتھ رہے۔

صوفی کے نزدیک معراج کا مفہوم

بعض مشائخ کرام کا فرمان ہے کہ معراج بمعنے صورت الجذب والانجذاب وتمثیل الصعود ورنہ وہاں ظاہری سیڑھی کا کیا معنے وہ ملکوتی سیر تھی اور ملکوتی سیر کو سیڑھی کی کیا ضرورت! ہاں عالم ملک کو سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے اور عالم ملکوت کو عالم ملک پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔ اگر غور کیا جائے تو یقین ہو جائے گا کہ عالم ملکوت عالمِ ملک پر بھی مشتمل ہوتا ہے صورۃً بھی معنیً بھی اور قاعدہ یہ ہے کہ صورت معنے کے تابع ہوتی ہے جیسے اسیر والاسرآ کا حال تھا کہ ان کی ظاہری صورت معنوی صورت کے تابع تھی اسی لئے کہ اگر آپ کا جسم روح کے تابع نہ ہوتا تو آسمان کا عروج مشکل ہو جاتا جیسے آپ کی صورت مبارکہ کی صورت ایک تھی اسی طرح آپ کی حقیقت کی بھی ایک حقیقت ہے ہر شے کو اپنی حقیقتِ حال پہ رکھنا ضروری ہے لیکن حضور علیہ السلام کی ظاہری صورت اور حقیقت کا تصور کسی کے وہم وگمان میں نہیں آسکتا اسی طرح آپ کے متعلقات بھی اوہام وخیالات سے ورا ہیں۔

ف: معدن، نباتات، حیوان مرکبات ہیں انھیں موالید ثلاثہ سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے آباء اثیریات ہیں یعنے اجرام اثیریہ جیسے افلاک سے تعبیر کیا جاتا ہے ان میں اجرام نیرہ ہیں ان کی تاثیر سے ان موالید ثلاثہ کو فیض نصیب ہوتا ہے اور ان کے امہات

عنصریات ہیں اور عناصر چار ہیں :

(۱) زمین

(۲) ماء (پانی)

(۳) ہوا

(۴) نار (آگ)

زمین علی الاطلاق ثقیل ہے اور پانی بہ نسبت ہوا اور نار کے ثقیل ہے اور پانی اکثر زمین کو محیط ہے اور ہوا پانی اور نار کے لحاظ سے خفیف ہے اور پانی اور آگ علی الاطلاق خفیف ہے اور نار ہوا کے کرّہ کو محیط ہے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج ان تمام عناصر کو حرکتِ قسریہ سے طے فرمایا اور حرکتِ قسریہ کا ہمیں انکار نہیں ۔

ازالۂ اوہام (۱) اسرائے جسمانی کے منکرین کہتے ہیں کہ پتھر کو اوپر پھینکا جائے تو وہ نیچے گرتا ہے اور ہوا کے اوپر جانا پتھر کی طبع کے خلاف ہے۔ ہم انھیں کہیں گے کہ پتھر کی طبع کا تقاضا اگرچہ اوپر جانا ہے لیکن اس کی یہ بھی طبع کا تقاضا ہے کہ وہ حرکت کو اختیار کرے اسی وجہ سے وہ خود اگرچہ اوپر نہیں جاسکتا لیکن اگر اسے اوپر لے جایا جائے تو وہ جاسکتا ہے۔ اوّلاً تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو پتھر پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ آپ کا جسم اطہر کثیف نہیں بلکہ نہ صرف لطیف بلکہ لطیف ترین تھا۔

(۲) الفلک الاثیری لیئے کرۂ نار سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزرنا بھی محال نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ کرۂ نار کا کام جلانا ہے اور انسانی جسم آگ میں جلنے کا مادہ رکھتا ہے پھر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا اس کرہ سے بچ کر جانا عقل نہیں مانتی ۔

جواب (۱) ضروری نہیں کہ آگ ہر ایک شئے کو جلا دے مثلاً بہت سی ادویہ ہیں کہ جنھیں جسم انسانی پر مل لیا جائے تو آگ جسم پر اثر انداز نہیں ہوسکتی اور اسے مخالفین بھی مانتے ہیں اسی معنے پر اگر عام انسان ادویہ مل کر آگ میں چلا جائے تو آگ اثر نہ کرے تو پھر نبوت کے حامل اور بلانے والے خود خالق کائنات پر غلط گمان کیوں ۔

جواب (۲) آگ ایسے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے جو کثیف ہو اور لطیف جسم کو آگ نہیں جلا سکتی بلکہ جسم انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نہ صرف آگ کے تاثرات مٹ جاتے ہیں بلکہ اس کے اندر اس کی ضد یعنے پانی کی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام پر نار نہ صرف گلزار ہوگئی بلکہ اسے بردًا وسلامًا سے بدل دیا گیا۔

سبز رنگ کا دریا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک سبز رنگ کے دریا پر پہنچا جو بڑے بڑے دریاؤں سے بھی عظیم تر تھا میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کیسا دریا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اے حبیب محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ دریا ہے، نہ اس کے اوپر کوئی شے ہے نہ ہی نیچے، یہ خلا میں ایسے ہی چل رہا ہے۔ اس کی

عظمت اور گہرائی کو اللہ تعالٰی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اگر یہی دریا دنیا والوں کو حائل نہ ہوتا تو سورج کی گرمی دنیا والوں کو جلا کر راکھ بنا دیتی۔

آسمان دنیا یعنے پہلا آسمان حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آسمان دنیا پہ پہنچا حضرت جبریل علیہ السلام نے میرے دونوں بازو پکڑ کر اپنے انگوٹھے سے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

آپ کے بازوں مبارک کے ذریعے اس لئے دروازہ کھٹکھٹایا تاکہ آسمان والوں کو معلوم ہو کہ ان کے ساتھ کوئی انسان یعنے نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اگر وہ اکیلے ہوتے تو دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہی نہیں تھی دوسرا اس لئے کہ وہ ایسے وقت دروازہ کھلوانے کے لئے کہہ رہے تھے جو ان کے خلاف معمول تھا انھیں باور کرانا مطلوب تھا کہ واقعی حضور تاجدار رسل صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملائکہ کرام کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار تھا بلکہ انھیں آپ کی تشریف آوری تک کے لئے پہرہ داری کے لئے مامور کیا گیا تھا چنانچہ مندرجہ ذیل روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

ملائکہ کی استقبالیہ کمیٹی اور جبریل علیہ السلام جونہی حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو دنیا کے نگران فرشتے نے پوچھا: کون؟ جبریل علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا تو اس نے پوچھا:

وَمَنْ مَّعَكَ — آپ کے ساتھ اور کون ہیں؟

وہ اس لئے کہ وہ فرشتہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتا تھا۔جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ حضور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نے کہا:

او قد بعث محمد — کیا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا علم تو رکھتا تھا لیکن اسے آپ کی بعثت کی خبر نہیں تھی،چنانچہ وہ فرشتہ جبریل علیہ السلام سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مژدۂ بہار سُن کر کہنے لگا: الحمد للہ۔اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم پہلے آسمان کے اندر داخل ہوئے تو استقبالیہ کمیٹی کے صدر فرشتہ نے عرض کی:

مرحبا بك يا محمد ولنعم المجى مجيئك — مرحبا، اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کا تشریف لانا مبارک۔

حضرت جبریل علیہ السلام سے میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا: ان کا نام اسماعیل ہے اور آسمان دنیا کے خازن (صدر) ہیں۔ یہ آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں ہے۔آپ آگے چلئے اور اسے السلام علیکم سے نوازیئے۔حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ میں نے اس کے قریب ہو کر السلام علیکم کہا، انھوں نے سلام کا جواب دے کر خوش آمدید کہا جب میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا:

ابشر یا محمد فان الخیر کلہ فیک و فی امتک فحمد للہ علی ذالک	اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارک کل بھلائی آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز دوسرے رنگ میں۔ یہ اسماعیل فرشتہ زمین پر کبھی نہیں آیا صرف حضرت ملک الموت علیہ السلام کے ساتھ اس وقت زمین پر آیا جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا۔

استقبالیہ کمیٹی کے افراد اسماعیل فرشتے کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ستر ستر ہزار فرشتے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پہلے آسمان پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس فرشتہ اسماعیل کی نگرانی میں ملائکہ کا بہت بڑا لشکر صف بصف کھڑا تھا اور بلند آواز سے پڑھ رہے تھے[1]

سبوحا سبوحا لرب الملائکۃ والروح قدوسا قدوسا لرب الارباب سبحان العظیم الاعظم	تمام تسبیحیں رب الملائکہ والروح کے لئے ہیں اور تمام تقدیس رب الارباب علیم اعظم کے لئے۔

یہ ملائکہ سورۂ ملک پڑھا کرتے ہیں۔ ان میں میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی صورت (مثالی) دیکھی میں نے ان سے پوچھا آپ یہاں کیسے پہنچے؟ انھوں نے عرض کی کہ تہجد کی نماز کی برکت سے[2]

؎

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
از یمن دعائے شب و وردِ سحری بود

(ترجمہ: ہر وہ خزانہ سعادت جو حافظ کو نصیب ہوا وہ دعائے شب اور سحر کے ورد کی برکت ہے۔)

---

[2] حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ کا آسمان پر تشریف لے جانا اسی حیثیت سے ہے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہشت میں تشریف لے گئے ۱۲۔

[1] اسے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر استقبالیہ نعروں سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے ۱۲۔ (اویسی)

حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں پہنچا تو وہ ایسے تر و تازہ اور جوان معلوم ہوتے تھے گویا اللہ تعالےٰ نے انھیں ابھی پیدا فرمایا ہے یہے نہایت ہی حسین وجمیل نظر آئے۔ ان کی تسبیح یہ تھی :

سبحان الجلیل الاجل سبحان الواسع الغنی — جلیل و اجل کی پاکی واسع غنی کی پاکی اللہ عظیم کی حمد کے ساتھ

سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ — پاکی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جب کفار کی ارواح پیش کی جاتی ہیں تو فرماتے ہیں کہ یہ ارواح خبیثہ اجسامِ خبیثہ میں رہیں انھیں سجین میں دھکیل دو۔

سوال : کفار کی ارواح کے لئے تو آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے توپھر وہ آدم علیہ السلام کے ہاں کیسے پیش ہوتی ہیں ؟۔

جواب : چونکہ آسمان شیشے کی طرح صاف وشفاف ہے اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اپنی مسند سے ہی انھیں آسمان کے اندر سے دیکھ لیتے ہیں۔

سوال : ایک روایت میں ہے کہ مومنین کی ارواح علیین میں ہوتی ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ بعض گنہگاروں کی ارواح آسمان وزمین کے درمیان لٹکی ہوتی ہے ان دونوں روایتوں میں تطبیق کیسی ؟

جواب : سعادتمندوں کی ارواح کا مبدأ آسمان دنیا ہے پھر اعلےٰ علیین تک مختلف درجات و مراتب ہوتے چلے جاتے ہیں اور اشقیاء کے مراتب آسمان دنیا کے اندر سے شروع ہوکر سجین تک پہنچتا ہے اس کے درمیانی درجات و مراتب مختلف ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ سجین جہنم کے طبقات کے نیچے ہے وہی ابلیس اور اس کی ذریت کا مسکن ہے کافروں کی ارواح گنہگاروں کی ارواح سے نیچے ہیں۔ اس معنے پر بعض گنہگاروں کی روحیں فی الحال آسمان و زمین کے درمیان لٹکی ہوئی ہیں انھیں سزا کے بعد صاف ستھرا کر کے دوسری ارواح کے ساتھ علیین پر پہنچائی جائیں گی۔

آدم علیہ السلام نے خوش آمدید کہا

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر آدم علیہ السلام کو السلام علیکم کہا۔ انھوں نے سلام کے جواب میں کہا :

مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح — جی آئے میرے صاحبزادے اور نبی نیک بخت۔

ف : مرحبًا مصدر ہے اس کا عامل محذوف ہے دراصل لقیت رحبًا وسعۃ " تھا یعنے آپ نے بہت بڑی فراخی اور وسعت کو پالیا۔

نکتہ : حضرت آدم علیہ السلام کی مسند فلکِ قمر میں ہے۔

ف : حضرت آدم علیہ السلام کو چاند سے سرعت کی وجہ سے مناسبت ہے اسی لئے آپ کی مسند وہاں مقرر ہوئی اس لئے کہ چاند ایک مہینے میں وہ تمام بروج طے کر لیتا ہے جو سورج ایک سال کے بعد طے کرتا ہے اور آدم علیہ السلام کی حرکات ذہنیہ اور انتقالات

باطنیہ میں بہت بڑی تیزی رکھتے ہیں۔

نکتہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف آدم علیہ السلام سے پہلے آسمان کی ملاقات کی ایک وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو حضور علیہ السلام سے صفاتیہ یا فعلیہ اور حالیہ مناسبت ہے اگرچہ بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام سے بھی ملاقات ہوئی ہوگی تو وہ اس طرح کی مخصوص ملاقات نہیں ہوگی اور نہ انھیں اس طرح کی مناسبت ہے اسی طرح آنے والے مقامات پہ مخصوص انبیاء علیہم السلام کی ملاقات کا حال ہے۔

نکتہ تفسیر المناسبات فی سورۂ نجم میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اس لئے کہ وہ امن وجوار الٰہی میں ہیں اور چونکہ انھیں ان کے دشمن ابلیس نے بہشت سے نکالا تھا اس لئے انھیں اللہ تعالےٰ نے اپنے امن وجوار میں لے لیا اسی طرح حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے ہجرت پر مجبور کر دیا تو آپ کو اللہ تعالےٰ نے امن وسلامتی بخشی ان دونوں قصوں کو آپس میں مشابہت کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے ملاقات کا موقعہ بخشا گیا۔

نکتہ چونکہ آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے ہر نیک اور بد کے روح کو دیکھنا تھا اور اس کے لئے پہلا آسمان موزوں تھا اس لئے کہ کفار کی روح کو آسمان کے اوپر جانے کی اجازت نہیں اسی لئے وہ پہلے آسمان میں مسند نشین ہوتے تاکہ نیکوں کی روحوں کے ساتھ کفار کی روح آسمان کے اندر سے دیکھ سکیں اس کی تشریح گزشتہ اوراق میں ہم نے بیان کی ہے۔

یتامےٰ کے اموال کھانے والے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح ہیں۔ ہر ایک کے دونوں ہاتھ جہنم کے انگاروں سے پُر ہیں وہ اپنے منہ میں ڈالتے ہیں تو وہی انگارے ان کی دبروں سے نکل آتے ہیں میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم کر کے اور ناحق یتامیٰ کا مال کھاتے تھے۔

ف: پہلے مختلف عذاب میں مبتلا ہونے والے مثالی طور پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے ان میں یہ لوگ نہیں تھے اور حدیث شریف میں آیا ہے اشخاص مراد ہیں اور اس سے بھی یتیموں کے وہ متولی مراد ہیں جو یتامیٰ کے اموال کے متولی ہو کر ناجائز طور پر ان پر ہاتھ صاف کرتے تھے[1]

سود خوار حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بعض ایسے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ بہت موٹے ہیں دور سے ان میں سے ہر ایک کا پیٹ بہت بڑا کمرہ (کسی کا گھر معلوم ہوتا ہے) اور ان کے اندر بڑے بڑے سانپ نظر آتے ہیں وہ فرعون والوں کے راستوں پر پیاسے اونٹ کی طرح پڑے ہیں انھیں بجائے پانی کے آگ کے انگارے پیش کئے جاتے ہیں وہ اس جگہ سے بھاگنے کی بہت کوشش کرتے ہیں لیکن وہ سے بھاگ نہیں سکتے۔

---

[1]: یہاں پر مدارس عربیہ اور یتیم خانوں کے منتظمین توجہ دیں کہ یتامےٰ کے نام پر چندے جمع کر کے خُرد بُرد کر جاتے ہیں ۱۲۔

ف: انھیں فرعون والوں کے راستوں پر اس لئے ڈالا جائے گا کہ ان پر آمد و رفت بکثرت ہے سود خوار اس آمد و رفت سے پیسے جاتے ہیں جس سے انھیں سخت عذاب ہوتا ہے۔

حل لغات: حدیث شریف میں الابل المنھومة واقع ہوا ہے یعنے ہر وہ اونٹ جنھیں الہیام کی بیماری ہو اور اسے ہودا کی بیماری گھیر لیتی ہے یا المیھود بمعنے پیاسہ اونٹ۔

ایک روایت میں ہے کہ مذکورہ بالا لوگ جونہی اٹھنے کی جرأت کرتے ہیں تو گر جاتے ہیں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ سود خوار ہیں۔

ف: سود خواروں کو پہلے بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر شب معراج دیکھا تھا لیکن اس میں یہ تھا کہ ان میں سے ایک دریا میں تیرتا تھا اور اس پر پتھر پڑتے تھے ان میں مطابقت یہی ہے کہ زمین میں انھیں ایسے ہی دریا میں ڈال کر دوسری طرف نکال لیا جاتا ہو اور ان کی وہی کیفیت ہو جو مذکور ہوئی اور اسی طرح انھیں دائمی عذاب میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔

حرام خور

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسی قوم گزرا جن کے لئے بہترین اور لذیذ گوشت کے دسترخوان پڑے ہیں اور وہ بدبودار اور گندے گوشت کے خوانچوں سے گوشت کھا رہے ہیں میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا، یہ وہ لوگ ہیں جو حلال چھوڑ کر حرام کھاتے تھے یہ اعم ہے یتامے کا مال ہے یا کسی اور کا! اور ان کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔

زانی عورتیں

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سی عورتیں پستانوں سے بندھی ہوئی دیکھیں میں نے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی یہ وہ عورتیں ہیں جو ایسے مردوں کے پاس جاتی تھیں جو ان کی اولاد سے نہیں تھے یعنے زنا کی مرتکب ہوتی تھیں۔

دریائے نیل و فرات

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے آسمان پر میں نے نیل و فرات کو دیکھا وہ اس لئے کہ ان دونوں کا سرچشمہ سدرۃ المنتھٰی کے نچلے حصے سے ہے اور وہ دونوں تمام بہشتوں سے گزرے ہوئے پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں وہاں سے زمین پر ان کا پانی گرتا ہے تو یہ دونوں نہریں جاری ہوئی ہیں۔

ف: الجامع الصغیر کے زوائد میں ہے کہ دریائے نیل جنت سے نکلتا ہے اگر اس میں تیر کر بہشت کے پتوں سے کچھ تلاش کرو تو اس میں سے بہشت کا کوئی ایک پتہ پا لوگے۔

دوسرے آسمان کی سیر

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں دوسرے آسمان پر لے جایا گیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا آسمان کے نگران فرشتے نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: میرے ساتھ حضور تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نگران فرشتے نے کہا، کیا حضور علیہ السلام مبعوث ہو چکے ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، ہاں۔ یہ سن کر آسمان کے نگران فرشتے نے دروازہ کھول دیا

اور ہم اندر چلے گئے دیکھا تو وہ وہاں دو خالہ زاد بھائی یعنے حضرت عیسٰے بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام تشریف فرما ہیں اور ہر دونوں آپس میں ہم شکل ہیں اور لباس کے علاوہ بال بھی ایک جیسے ہیں اور ان کے ساتھ ان کی امت کے افراد بھی تھے انھوں نے مجھے خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر فرمائی۔

ف : عیسٰے و یحییٰ علیہما السلام دونوں خالہ زاد بھائی بایں معنٰی ہیں کہ ان کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں اس کی تفصیل ہم نے سورہ آل عمران کی تفسیر میں عرض کر دی ہے

ف : تفسیر المناسبات میں ہے کہ حضرت عیسٰے و یحییٰ یہودیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈالے گئے یعنے عیسٰے علیہ السلام کی تکذیب کر کے انھیں ایذا دی اور انھیں قتل کرنے کی سازشیں کیں لیکن اللہ تعالٰے نے انھیں آسمان پر اٹھالیا اور یحیٰے علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کر ڈالا۔

مثنوی شریف : ؎

چوں سفیہا نراست ایں کار و کیا
لازم آمد یقتلون الانبیاء

ترجمہ : ان پاگلوں کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ انبیاء کو قتل کرنا لازم ہے۔

نکتہ یہودیوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی جب مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے اس معنے پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دوسرے امتحان سے گزرنا پڑا اس لحاظ سے آپ سے عیسٰے علیہ السلام کو مناسبت ہوئی اس اعتبار سے ان کی آپ کے ساتھ دوسرے آسمان پر ملاقات ہوئی۔

یہودیوں کی ایذا کی تفصیل حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں نے سخت ترین مظالم کئے۔ ایک دفعہ بہت بڑا پتھر اٹھا کر آپ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا لیکن اللہ تعالٰے نے آپ کو محفوظ فرمالیا جیسے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو نجات بخش کر انھیں آسمان پر اٹھالیا ایسے ہی انھوں نے سرکار کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری کے گوشت میں زہر ملادی اس زہریلے لقمے کا اثر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر زندگی بھر رہا یہاں تک کہ وصال شریف کا ایک سبب یہی زہریلا لقمہ بھی تھا چنانچہ آپ نے بوقت وصال فرمایا کہ یہودیوں نے جیسے عیسٰے و یحیٰے علیہما السلام سے کیا میرے ساتھ بھی وہی کیا۔

حل لغات : حدیث شریف میں لفظ تعادہ وارد ہوا ہے یہ عادۃ اللسعۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ شے اپنے وقت معین پر دورہ کرے۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ما زالت اكلة خيبر تعادنی فهذا اوان قطعت ابهری
خیبر کا لقمہ میرے اوپر دورہ کرتا ہے اب وقت آگیا ہے کہ اس نے میری کمر توڑ ڈالی ہے۔

ف : ابہر وہ رگ جو قلب سے متصل انسان کی پیٹھ میں واقع ہے اس کے متعلق قانون قدرت ہے کہ جب وہ ٹوٹ جائے تو انسان مرجاتا ہے۔

یہودیہ کا زہر کھلانا اور حضور علیہ السلام کا علم غیب

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودی عورت بکری کے گوشت میں زہر ملا کر طعام لے آئی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے کچھ کھایا ہی تھا کہ آپ نے تمام صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

ارفعوا ايديكم فانها اخبرتني انها مسمومة
کھانے سے ہاتھ اٹھالو اس لئے کہ بکری نے مجھے عرض کیا ہے کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔

اسی زہریلے طعام سے بشر بن البراء شہید ہوئے۔ اسی یہودیہ عورت کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ نے اس سے طعام میں زہر ملانے کا سبب پوچھا اس نے عرض کی کہ میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے میرے قتل کرنے پر کسی کو مسلط نہیں کیا۔

نکتہ صوفیانہ وصال کے وقت تک زہر کا اثر نہ کرنے کا موجب یہ ہوا کہ آپ اگرچہ ارشاد و تبلیغ کے لئے عالم سفلی میں تشریف رکھتے تھے لیکن آپ کی روح کا تعلق بدستور عالم بالا میں رہا اور اسی اعلیٰ المراتب میں زہر کا اثر کیسا پھر موت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے ادنٰے المراتب کی طرف رجوع فرمایا اس لئے کہ موت نے صرف بشریت پر اثر ڈالنا تھا آپ جب عالم سفلی کی طرف گئے تو زہر نے اثر ڈال لیا۔

تیسرے آسمان کی سیر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم تیسرے آسمان پر پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو اندر سے آواز آئی کہ آپ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا۔ آواز آئی آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا، حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم، ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ مبعوث ہو چکے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا، ہاں۔ دروازہ کھولا گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ ان کے اُمتی تھے۔ یوسف علیہ السلام کو آدھا حُسن دیا گیا یعنے انھیں دنیائے عالم کا آدھا حُسن یوسف علیہ السلام کو اور باقی آدھا حُسن تمام لوگوں پر تقسیم ہوا۔

ف : اس سے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم مستثنٰی ہیں اس لئے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہر فضل و کمال میں علی الاطلاق تمام کائنات سے افضل ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حسن سے آدھا حسن دیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام املح (ملیح تر) ہیں اور یوسف علیہ السلام ابیض سفید رنگ والے تھے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا :

دبیر صنع نوشت کرد عارض تو
بمشک ناب کہ الحسن والملاحۃ لک

ترجمہ : کاریگر حقیقی کے قلم نے تمہارے چہرے اقدس پر مشک خالص سے لکھا کہ حسن آپ کے لئے اور ملاحہ یوسف علیہ السلام کے لئے ہے۔

نکتہ حسن و ملاحہ عالم صفات سے ہیں اور یہ کمال صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اس لئے کہ آپ تجلیات الصفات علے الکمال جامع ہیں صورۃً اور معنےً بھی اس لئے کہ آپ افضل من الکل ہے۔ اس لئے کہ آپ کی ہر تجلی اکمل تھی اور اس میں کسی کو شک وشبہ نہیں۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے مجھے ملتے ہی خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر فرمائی۔

ف : تفسیر المناسبات میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی ملاقات میں مناسبت یہ تھی کہ جس طرح یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے گھر سے نکالا لیکن یوسف علیہ السلام بر سر اقتدار تو انھیں فرمایا :

لا تثریب علیکم الیوم — اے بھائیو! تمھارے اوپر کوئی ملامت نہیں۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ کے رشتہ داروں نے کعبہ معظمہ سے ہجرت کرائی پھر جب وہ بدر میں قیدی ہو کر آئے تو ان میں آپ کے رشتہ دار بھی تھے مثلاً حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے عقیل وغیرہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں معاف فرما دیا ان سے فدیہ وغیرہ لیا لیکن یوم فتح (فتح مکہ کے دن) آپ نے سب کو جمع کر کے فرمایا :

لا تثریب علیکم الیوم

یعنے اے میرے رشتہ دارو! آج میں وہی کہہ رہا ہوں جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا۔

چوتھا آسمان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : ہم چوتھے آسمان پر پہنچے اس کے دروازے پر بھی وہی سوال و جواب ہوئے جیسے پہلے آسمانوں پر ہوئے تھے۔ اس آسمان میں مجھے حضرت ادریس علیہ السلام ملے۔ انھوں نے مجھے دیکھ کر مرحبا کہا اور دعائے خیر فرمائی! انھیں کے حق میں اللہ تعالٰی نے فرمایا :

ورفعناہ مکانا علیا — اور ہم نے ادریس علیہ السلام کا مکان بلند کیا۔

یعنے انھیں چوتھے آسمان پر زندہ اٹھا لیا جیسا کہ اس طرح کی ایک اور روایت ہے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ اس وقت بہشت میں ہیں، اس روایت کے مطابق آپ کا چوتھے آسمان پر پہنچ جانا بھی ان کے بہشت میں ہونے کے منافی نہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ آپ جب مصر سے باہر تشریف لے گئے تو آپ کو

ن پر لے جایا گیا اس کے بعد آپ نے روئے زمین کی سیر کی اور اللہ تعالےٰ کی مخلوق کو دعوت دی آپ بتیس لغات جانتے تھے اور مختلف اقوام کو مختلف لغات میں وعظ و تبلیغ فرمائی اور انھیں بہت زیادہ علوم سکھائے۔

علم نجوم سب سے پہلے عالم دنیا میں علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام نے ظاہر فرمایا یعنے وہ علم جو آنے والے واقعات سے تعلق رکھتا ہے اور انھیں ستاروں کے حساب سے معلوم کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: علم نجوم حق ہے بشرطیکہ اس کے حساب میں غلطی اور خطا واقع نہ ہو ورنہ بہت سے لوگ اس میں بہت بڑی بڑی غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سب سے پہلا قلم سے لکھنے والا تفسیر المناسبات میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی وجہ یہ ہے کہ ادریس علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے قلم سے لکھا اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لئے قلم سے کام لیا اور یہ آپ کے لئے چوتھا امر ہے۔ چنانچہ آپ نے بادشاہوں کو خطوط و مراسلات سے خوف خداوندی سنایا اور اسی ذریعہ سے انھیں دعوت اسلام بھجوائی یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا جب والا نامہ ابوسفیان کے سامنے ہرقل کے ہاں پہنچا تو ابوسفیان نے کہا مجھے اس خط سے ہرقل کا خطرہ ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کا خط پڑھ کر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول نہ کرے اور ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں اس وقت حیران ہو گیا کہ ابن ابی کبشہ (یعنے حضور علیہ السلام) کا اتنا بڑا اثر کہ ابن ابی الاصفر (ہرقل) بھی ان کا نام سُن کر گھبرایا ہوا ہے۔ بہرحال آپ نے دعوت اسلام قلم کے ذریعہ سے بھی فرمائی ہے جو اس وقت کے مشاہیر بادشاہوں کو خطوط لکھے۔

اس وقت کے جن بادشاہوں نے آپ کی اتباع قبول فرمائی وہ یہ ہیں:

① نجاشی

② عمان کا بادشاہ

بعض وہ ہیں جنھوں نے آپ سے نیازمندی وعقیدت مندی کا ثبوت دیا اور آپ کے ہاں ہدایا و تحائف بھیجے جیسے المقوقس بعض وہ ہیں جنھوں نے آپ کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ان پر فتح و نصرت دی اسی کو مقام عَلیّ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ادریس علیہ السلام کی طرح قلم سے لکھ لیتے تھے۔

پانچواں آسمان حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی وہی گفتگو ہوئی جو گذشتہ آسمانوں میں ہوئی وہیں پر آپ کو ہارون علیہ السلام ملے انھوں نے آپ کو خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر کی چونکہ ہارون علیہ السلام سے ان کی قوم محبت کرتی تھی اس لئے کہ آپ ان سے نرمی کرتے تھے بخلاف موسےٰ علیہ السلام کے کہ وہ ان سے سختی کرتے تھے اس لئے قوم نے آپ کو سخت ایذائیں بھی پہنچائیں۔ ہارون علیہ السلام کی نرمی کی وجہ سے آسمان پر ان کی قوم ان کے ساتھ تھی اور آپ انھیں قصہ سنا رہے تھے اور ہارون علیہ السلام جب آسمان پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ان کی آدھی ریش مبارک سفید

اور آدھی سیاہ تھی اور لمبی اتنی تھی کہ ناف تک پہنچتی تھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کی مناسبت یہی ہے کہ جیسے ہارون علیہ السلام اپنی قوم کو محبوب تھے حضور علیہ السلام بھی اپنی قوم قریش کے محبوب تھے یعنے اسلام کے غلبہ کے بعد ورنہ اس سے قبل تو آپ سے سخت بغض و عداوت رکھتے تھے۔ (کذا فی مناسبات التفسیر)

عقل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت کا بیان

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے اکہتر کتابوں میں دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے ابتدائے دنیا سے تا انتہائے دنیا جتنا عقول لوگوں کو عطا فرمائے ہیں وہ حضور علیہ السلام کے مقابلے میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو ریت کے ایک ذرہ کو دنیائے عالم کے تمام ریت کے ٹیلوں سے۔

دیوبندیوں اور مودودیوں و دیگر مذاہب کے اوہام کا ازالہ!

ظاہر ہے کہ انسان عقل کے ذریعے ہی فضائل حاصل اور رذائل سے اجتناب کرتا ہے اور اصابۃ الرائی اور جودت فطنت وحسن سیاست اور بہتر تدبیر عقل سے ہوتی ہے اور ان امور میں جتنا کمال حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا دوسروں کو ذرہ برابر بھی نصیب نہ ہوا[1] مثلاً عرب کے وحشی وحشت میں ضرب المثل تھے لیکن سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر سے وہ ایسے بہت بڑے کمالات کو پہنچے کہ جنھیں بہت بڑے فلاسفر اور بڑے بڑے بادشاہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اگرچہ ابتداء میں انھوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ کو سخت اذیتیں دیں لیکن آپ نے ان کی تکالیف پر صبر فرمایا اور ان کو ایسی حکمتِ عملی سے ایسا گرویدہ بنایا کہ بعد میں آپ پر سو جان قربان تھے بلکہ صرف آپ کی خاطر اپنے اہل و عیال بلکہ ماں باپ اور آل اولاد کی گردن اڑانے کو اپنی سمجھتے جب دیکھتے کہ وہ حضور علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں اور تمام دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب کے ان وحشیوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا بلکہ آپ کی خاطر پیارے وطن (مکہ معظمہ) کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے وغیرہ وغیرہ۔

چھٹا آسمان

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم چھٹے آسمان پر پہنچے حسب دستور سابق جبریل علیہ السلام نے آسمان کے نگران فرشتے سے گفتگو کرکے دروازہ کھلوایا تو میری ملاقات حضرت موسےٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ انھوں نے مجھے خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر فرمائی۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کا تعارف

موسےٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور لمبے قد اور بہت زیادہ بالوں والے تھے اور آپ کے بال تھے بھی بہت سخت یہاں تک کہ دو قمیص پہننے کے باوجود ان کے بال

---

[1] اس سے دیوبندیوں و دیگر مذاہب کی غلط فہمی کا اندازہ لگائیے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے دنیوی امور اور سیاسی معاملات میں گاؤں میں بعض لوگ فائق ہو جاتے ہیں ملاحظہ ہو: الافاضات الیومیہ تھانوی وغیرہ۔

کپڑوں سے باہر نکل آتے۔ آپ کو جب سخت غصہ ہوتا تو آپ کے سر کے بال آپ کی ٹوپی سے باہر نکل آتے بلکہ شدت غضب سے ٹوپی اوپر کو اٹھ جاتی۔ ایک دفعہ آپ کے کپڑے پتھر اٹھا کر بھاگا تو آپ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے جا کر چھ یا سات درّے مارے یہ ان کے شدتِ غضب کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ پتھر ایک جماد ہے لیکن آپ کا غصہ اس سے بھی نہ روک سکا۔

لطیفہ: جب پتھر موسےٰ علیہ السلام کے کپڑے اٹھائے بھاگا تو وہ ایک سواری کے مشابہ ہوگیا! اور قاعدہ ہے کہ سواری اگر بے قاعدگی کرے تو اسے سوار ڈنڈے سے سیدھا کرتا ہے۔

جمادات میں بھی ایک روح ہے

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ پتھر اس لئے کپڑے اٹھا کر بھاگا تھا کہ عند المحققین جمادات میں بھی حقیقی روح ہے یہی اہل اللہ (اولیاء اللہ) کا مذہب ہے اور لبسا اوقات ان کے حقیقی روح کی علامات مشاہدہ میں آجاتی ہیں۔ چنانچہ مثنوی شریف میں ہے:

ے

باد را بے چشم اگر بینش نداد
فرق چون می کرد اندر قوم عاد
گر نبودے نیل را آن نور دید
از چہ قبطی را ز سبطی می گزید
گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد
پس چرا داؤد را یار شد!
این زمین را گر نبودے چشم و جان
از چہ قارون را فرا خوردے چنان

ترجمہ: ۱۔ ہوا کو اگر عقل نہ ہوتی تو وہ عاد کی قوم میں کیسے فرق کرتی۔

۲۔ اگر دریائے نیل کو آنکھ نصیب نہ ہوتی تو وہ قبطی و سبطی کے درمیان کیسے امتیاز کرتا۔

۳۔ اگر پہاڑ و پتھر میں عقل نہ ہوتی تو وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں کیسے شریک ہوتے۔

۴۔ زمین کو چشم و جان نہ ہوتی تو وہ قارون کو کیسے نگل جاتی۔

موسےٰ علیہ السلام کا گریہ اور اس کا موجب

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب چھٹے آسمان کو عبور کر کے اوپر کو جانے لگا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے اور کہا کہ یہ نوجوان میرے بعد تشریف لایا لیکن میری امت سے ان کی امت بدرجہا زائد بہشت میں جائے گی۔ نہ صرف میری امت سے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے ان کی امت گنتی میں بڑھ جائے گی۔ اس لئے بہشت کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں حضور سرِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی امتی اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی صرف چالیس صفیں ہوں گی ۔

ازالہ وہم: بعض لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس رونے کو موسیٰ علیہ السلام پر بدگمانی کرتے ہوئے ایک غلط تصویر پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے رد میں فقیر (حقی) کہتا ہے کہ:

قال ابن الملك انما بكى موسى اشفاقا على امته حيث قصر عددها عن عدد امة محمد صلى الله عليه وسلم لاحسدا عليه لانه لا يليق به[1]

ابن الملک نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی امت پر شفقت کرتے ہوئے روتے تھے جب کہ ان کی امت کی تعداد امت محمدیہ کی تعداد سے بہت کم دکھائی دی۔ یہ حسد نہ تھا نہ حسد آپ کی شان کے لائق ہے۔

سوال: اگر (معاذ اللہ) موسیٰ علیہ السلام کا رونا حسد پر مبنی نہیں تھا تو ان غلاما یبعث بعدی جیسے حقیر الفاظ استعمال نہ کرتے؟

جواب (۱): فقیر (صاحب روح البیان اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ کلمہ تحقیراً نہیں تھا بلکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر رب تعالیٰ کے فضل و احسان کا اظہار تھا کہ باوجودیکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی عمر رکھتے ہیں لیکن بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے برگزیدہ اور افضل ہیں اور بہت سے تھوڑے عرصے میں اتنے بڑے فضائل و کمالات حاصل کر لئے ۔

جواب (۲): فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کا رونا مناسب مقام کے مطابق صحیح تھا اور واقعی یہ مبنی بر غیرت تھا جو آپ پر بوجہ غلبہ غیرت ایسا کلمہ منہ سے نکلا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو محبوبانہ عتاب فرمایا جب حضور علیہ السلام کا ان کے مزار سے گزر ہوا تو زور زور سے پکارنے لگے: "اکرمته فضلته" میں نے انھیں مکرم و افضل بنایا ہے جیسا کہ ابتداء میں ہم نے یہ روایت لکھی اور اس کا مناسب جواب بھی عرض کر دیا لیکن اس سے بھی موسےٰ علیہ السلام کا حسد ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی تحقیر پر محمول کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ یہ تو بفضلہ تعالیٰ جلیل القدر اور اولو العزم پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں ان سے درجات و فضائل میں کم شان والے حضرات اولیاء کرام سے بھی حسد اور دوسرے کو حقارت سے دیکھنے کا مادہ ختم کر دیا جاتا ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے لئے یہ گندہ مادہ کیسا۔

جواب (۳): پہلے ہم نے تفصیل سے لکھا ہے کہ اہل جنت کو ایک دوسرے کے بلند اور کم درجات کا احساس نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی یہ آرزو کریں گے کہ ہم اپنے سے بلند درجات نصیب ہوں بلکہ وہ اپنے ہر دیئے ہوئے درجہ و کمال پر راضی ہوں گے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو سمجھئے کہ انھیں بلند درجات کی نہ آرزو ہوتی ہے اور نہ ہی دوسرے کے بلند درجات کا احساس کرتے ہیں اسی طرح اولیاء کرام کا حال ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر انھیں اطمینان قلب کیسا حالانکہ وہ اطمینان قلبی کے بلند مراتب کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر مخالف کے قول کو مان لیا جائے تو پھر ان کے لئے اطمینان قلبی کی بجائے بیقراری اور بے چینی ثابت کی جائے اور اس کا ثبوت کسی بے دین کے ہاں ملے گا۔ ورنہ قرآن مجید کے نصوص اس کے مخالف ہیں (مثلاً) الا بذكر الله تطمئن القلوب۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس پر مقام

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۱۸ ۔

یہ ملاقات کی مناسبت یوں ہے کہ جیسے موسٰے علیہ السلام کو غزوۂ شام کا حکم ہوا اور آپ ان جبابرہ پر غالب ہوئے پھر جس شہر سے نکالے گئے تھے اس شہر میں انھیں حکم ہوا کہ اپنی قوم کو لے جاؤ جب کہ آپ کے دشمن تباہ و برباد ہو گئے ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علاقہ شام کے لئے غزوہ تبوک کا حکم ہوا تاکہ آپ دومۃ الجندل سے جنگ کریں چنانچہ آپ اس پر غالب آئے اور اسے قید کر کے لایا گیا تو اسے جزیہ پر صلح کرنی پڑی اسی طرح فتح مکہ کے موقعہ پر آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاں (مکہ) سے نکالے گئے آپ انھیں لے گئے۔

ساتواں آسمان

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ساتوں آسمان پر پہنچے وہاں پر جبریل علیہ السلام سے وہی گفتگو ہوئی جو پہلے آسمانوں پر ہوتی دروازہ کھلا تو وہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا، یہی آپ کے جدامجد ہیں آپ انھیں السلام علیکم کیجئے۔ میں نے انھیں السلام علیکم کہا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دے کر فرمایا، جی آئے! میرے صاحبزادے اور نبی صالح۔

نکتہ امام تورپشتی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام پر السلام علیکم کی سبقت کا حکم اس لئے ہوا کہ آپ ان سے گزر کرنے والے تھے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ قائم قاعد پر السلام علکم کہے۔

قاعدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام کی ارواح متشکل ہو کر تشریف لائے سوائے حضرت عیسٰے علیہ السلام کے کہ وہ اپنی اصلی جسمانی شکل میں ملے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف

حضرت ابراہیم علیہ السلام گھنگرالے بالوں والے تھے اور بہشت کے دروازے پر بیٹھے تھے یعنے بہشت کی جہت سے اس لئے کہ بہشت تو ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کرسی نشین تھے اور بیت المعمور سے سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور عقیق کا ہے اور عین کعبہ معظمہ کے عین اوپر ہے کہ اگر وہ گرے تو عین کعبہ معظمہ کے اوپر گرے گا۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس کے اندر ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے خارج ہوتے ہیں جو ایک بار داخل ہوتے ہیں انھیں قیامت تک دوبارہ باری نہیں ملے گی جیسے انسان کی سانس ایک بار نکل جائے تو دوبارہ اس کے اندر داخل نہیں ہوتی ملائکہ کرام کا بیت المعمور ستاروں کے مطالع سے داخل ہوتے ہیں اور ان کے غروب ہونے کے مقام سے نکلتے ہیں۔

اُمّتِ مصطفویہ علٰے صاحبہا التحیہ

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کے بعد مجھے میری امت دو گروہوں میں ملی ایک گروہ پر سفید کاغذ کی طرح بہترین سفید پوشاکیں دوسرے گروہ کے کپڑے میلے کچیلے تھے جب میں بیت المعمور میں داخل ہوا تو سفید کپڑوں والے میرے ساتھ چلے اور میلے کچیلے لباس والوں کو بیت المعمور کے داخلے سے روک دیا گیا۔ میں نے بیت المعمور میں دوگانہ پڑھا میرے ساتھ سفید کپڑے والوں نے بھی دوگانہ پڑھا۔

ف : حدیث شریف مذکورہ میں دو گروہوں کے لئے لفظ شطرین کہا گیا ہے اس سے نصف ونصف مُراد نہیں یہاں تک کہ یہ سمجھا جائے کہ عاصی اور نیک برابر تھے بلکہ فقیر (حقی) کے نزدیک شطرین سے دو گروہ مراد ہیں جیسے فقیر اویسی غفرلہ نے ترجمہ کیا ہے۔ باین معنی کہ سفید کپڑوں والے ایک گروہ علیٰحدہ تھا اور میلے کپڑوں والے ایک اور علیٰحدہ گروہ تھا۔

نکتہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہے کہ اہلِ عصیان نیکوں سے زائد ہوں اس لئے کہ مقصود تھا انسانِ کامل کا ظہور وہ تو ہو چکا یعنے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی) وہ اگرچہ ایک ہیں لیکن یہی سوادِ اعظم ہیں اس معنے پر اہلِ طاعۃ اگرچہ تھوڑے سہی لیکن اہلِ عصیان کے مقابلہ کا ایک گروہ تھا۔

اللہ تعالےٰ ہمیں بیت القلب کے داخل ہونے والوں سے بنائے اور اپنے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمارے وجود سے میل کچیل دور فرمائے۔ (آمین)

ف : سُہیلی نے فرمایا کہ اہلِ ایمان اور کفار کے بچے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیر بالغ لڑکوں کو ابراہیم علیہ السلام کے ہاں دیکھ کر جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ عرض کی کہ یہ اہلِ ایمان کی وہ اولاد ہے جو صغرسنی میں فوت ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ کفار کی اولاد۔ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ کفار کی اولاد بھی ان میں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ کفار کی اولاد بہشت میں اہلِ جنت کے خدام ہوں گے۔

ابراہیم علیہ السلام کا امّتِ نبویؐ کو سلام مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور انہیں فرمانا کہ بہشت کی مٹی اور پانی بہترین ہے اور اس کے باغات سبحان اللہ والحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔

حضرت عارف جامی نے لکھا : ؎

یاد کن آنکہ در شب اسرا
با حبیب خدا خلیل خدا
گفت گوئے از من اے رسول کرام
امتِ خویش را ز بعد سلام
کہ بود پاک و خوش زمین بہشت
لیک آنجا کسے درخت نکشت
خاک او پاک و طیب افتادہ
لیک ہست از درخت ہا سادہ!

غرس اشجاران بسی جمیل !

بسملہ حمدلہ است پس تہلیل

ہست تکبیر نیز ازان اشجار

خوش کسے کش جزین نباید کار

باغِ جنات تحتہا الانہار !

سبز و خرم شود ازان اشجار

ترجمہ : اے حبیب من ! یاد کیجئے کہ شب اسرا میرے اور آپ کے درمیان گفتگو ہوئی ۔ اور بہشت کی زمین خوش اور پاک ہے لیکن اس میں درخت نہیں ہیں اس کے درخت یہی عمل صالح ہیں یعنے بسملہ و حمدلہ و تہلیل ہے

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی نامزد حور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ایک نوجوان عورت ملی جو ہونٹوں پر سرخی لگائے ہوئے تھی وہ مجھے بہت خوش لگ رہی تھی میں نے اس سے پوچھا تو کس کے لئے ہے ؟ عرض کی کہ حضرت زید بن حارثہ کے لئے ۔

ف : حدیث شریف میں جاریۃ لعساء وارد ہوا ہے لعساء لعس سے مشتق ہے یعنے ہونٹوں کی سرخی جس میں تھوڑی سی سیاہی کی ملاوٹ ہو یہ حسن کی ملاحت پہ دلالت کرتی ہے ۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا تعارف یہ وہی حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں جنھیں حضور علیہ السلام نے متبنّٰی (پرورده) بنا رکھا تھا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پہلے ان سے نکاح ہوا تھا۔ انھوں نے طلاق دی تو ان کو حضور علیہ السلام نے نکاح کا شرف بخشا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ان کے بدلہ میں حسین و جمیل اور ملیح حوران کو عطا فرمائی ۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ ہر فنا اور ترکِ مشروع پر معنوی اثر مرتب ہوتا ہے جتنا ظاہر میں کمی ہو اتنا اس کا حصہ باطن میں منتقل ہو جاتا ہے اور آخرت بہ نسبت دنیا کے باطن ہے۔ جو شخص دنیا میں مشروعات کے حظوظ کا ترک کرتا ہے اسے اتنا بلکہ بہت زائد آخرت میں بہتر حصہ نصیب ہوتا ہے۔

عجیب و غریب فرشتے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ساتویں آسمان میں فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو دیکھا کہ جن کا آدھا حصہ (بدن کا) ناری ہے اور آدھا برف کا ، نہ برف نار پر اثر انداز ہوتی ہے اور نہ آگ برف پر ! وہ مندرجہ ذیل دعا پڑھ رہے تھے :

اللھم کما الفت بین النار و الثلج فالف بین قلوب عبادک المومنین

اے اللہ ! جیسے آگ و برف کو آپس میں اتفاق بخشا ایسے ہی اہلِ ایمان کو آپس میں اتفاق عطا فرما ۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ان ملائکہ کا نصف نار اور نصف برف کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو ایک جسم میں رکھا تو اگرچہ بظاہر ذو اضداد ہیں لیکن اس نے اپنی قدرت کاملہ سے انھیں ایک مزاج بنا دیا۔ لیکن پہلی تعبیر زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ قدرت کاملہ پر وہی تعبیر زیادہ دلالت کرتی ہے ذو اضداد اپنی تاثیر کے ساتھ جمع ہوں یہی قدرت الٰہی کا کمال ہے ورنہ جو بعض بزرگوں نے تعبیر فرمائی ہے وہ تو اکثر مرکبات میں موجود ہے جیسے ہم میں اربع عناصر موجود ہیں لیکن ان کا مزاج ایک بنا دیا گیا ہے۔ یہ گویا عادۃً جاریہ ہو کر عام ہو گیا حالانکہ مقصود یہ ہے کہ ایسی صورت پیدا کی جائے جس میں انوکھا پن ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کی حکمتیں

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی دو حکمتیں ہیں :

(۱) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے سہارے لگاتے ہوئے بیٹھا دیکھا اور بیت المعمور کعبہ معظمہ کے عین بالمقابل ہے اور ملائکہ کرام یہیں پر حج ادا کرتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بنیاد ڈالی اور اس کے لئے حج کی لوگوں کو دعوت دی انہی دو کعبوں کی مناسبت پر اسی مقام پر ملاقات موزوں تھی۔

(۲) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری سال بیت اللہ کا حج تھا اور حجۃ الوداع کے موقع پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی تھے اس ملاقات سے وہی راز مضمر تھا کہ جس دعوت کا اعلان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سینکڑوں سال قبل فرمایا تھا اسے آج حضور نبی علیہ السلام نے پورا کر دکھایا۔ اس طرح معراج کی شب ملاقات کی مناسبت پوری ہوتی کہ حضور علیہ السلام اور داعیٔ حج و بانیٔ کعبہ معظمہ کی ملاقات ہو گئی۔

سدرۃ المنتہیٰ

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر لے گئے سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر بہشت کے انتہائی مقام پر واقع ہے یہاں پر ملائکہ کرام سعادتمندوں کے اعمال پہنچاتے ہیں اور عرش والوں سے یہیں پر احکام نازل ہوتے ہیں اور انوار رحمانیہ کا مورد بھی یہی ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کے اوراق ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں۔ "الفیلۃ" ، فیل کی جمع ہے یعنے ہاتھی کے کانوں کی ہم شکل ہیں یعنے ان کا گھیرا ہاتھی کے کانوں جیسا تھا۔ اس سے کانوں کی وسعت مُراد نہیں ورنہ سدرہ المنتہیٰ کا صرف ایک پتہ تمام مخلوق کو محیط ہو سکتا ہے۔ (کذا فی بعض الروایات) اور سدرہ المنتہیٰ کے ثمرات مٹکوں کی طرح ہیں۔

ف : القلال، القلۃ کی جمع بمعنے بڑا گھڑا سدرہ المنتہیٰ دارین (دار دنیا اور دار آخرت) کے لئے بمنزلہ برزخ کے ہے اس کی ٹہنیاں اہل جنت کی نعمتیں اور اس کی جڑیں اہل نار کی زقوم ہیں اور ان سے تسبیحات و تحمیدات و ترجیعات (انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا) کی ایک عجیب خوش آواز سنائی دیتی ہے کہ جسے سن کر روح میں ایک عجیب و غریب سرور و کیف پیدا ہوتا ہے اور ان سے بہتر احوال ظاہر ہوتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ پر ملائکہ کی امامت

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر آسمان کے ملائکہ کو ایک رکعت نماز

پڑھائی بیت المقدس میں امام الانبیاء اور سدرۃ المنتہیٰ پر امام الملائکہ ہوئے۔

عقیدہ : اس سے واضح ہوا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اہل السماء والارض سے افضل ہیں۔

چار نہریں : سدرۃ المنتہیٰ سے چار نہریں جاری ہوتی ہیں دو باطنی اور دو ظاہری۔ دو باطنی بہشتی ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ سے نکل کر بہشت میں چلی جاتی ہیں وہ (مندرجہ ذیل ہیں) :

1. نہر کوثر
2. نہر الرحمہ

اور دو ظاہری نہریں جو سدرہ المنتہیٰ سے نکل کر بہشت سے بہتی ہوئی زمین پر اترتی ہیں وہ (مندرجہ ذیل ہیں) :

1. نہر مصر یعنے دریائے نیل
2. نہر الکوفہ یعنے دریائے فرات

اعجوبہ : بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اگر دریائے نیل دریائے ملح (جسے بحر اخضر کہا جاتا ہے) میں داخل نہ ہوتا یعنے بحیرۃ الزنج سے پہنچنے سے پہلے اگر بحر اخضر سے نہ گزرتا تو اسے کوئی نہ پی سکتا اس لئے کہ وہ بہت ہی زیادہ میٹھا ہے اس کی مٹھاس میں بحر اخضر کی نمکینی ملی تو پینے کے لائق بنا۔

اعجوبہ : دریائے فرات میں ایک مرتبہ انار اونٹ کے برابر پائے گئے بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ وہ انار بہشت کے تھے۔

ف : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ وہ انار ان باغات کے تھے جو زمین کی بہشت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ انار فاسد ہو جاتے تھے اور بہشت کے ثمرات میں فساد ناممکن ہے۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ فرات میں بہشت کے اناروں کا ہونا بعید از قیاس نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ وہ واقعی انار بہشت تھے اس لئے کہ عقل والوں کو عبرت کے طور پر انار بھجوائے گئے تاکہ انھیں اللہ تعالٰے کی قدرت پہ زیادہ سے زیادہ یقین ہو۔

بہشت میں تشریف لے جانا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بہشت میں گیا تو وہاں موتیوں کے قبے نظر آئے نظر جن کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کے انار بوکے کی شکل میں محسوس ہوتے تھے اور اس کے پرندے عربی اونٹوں کے برابر تھے۔ ہم بہشت کی سیر کرتے کرتے حوضِ کوثر پہ پہنچے اس کے برتن سونے چاندی کے تھے اس سے میں نے تھوڑا سا پانی پیا وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبوناک تھا۔

حدیث شریف دنیا میں جو میوے کڑوے تھے وہ بہشت میں میٹھے ہو جائیں گے یہاں تک حنظل (اندرائن) بھی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ بہشت کا کوئی مرد توڑے گا تو وہ ثمر ٹوٹتے ہی فوراً توڑنے والے کے منہ میں آجائے گا۔ یہاں تک کہ اسے اس جیسا اور کوئی ثمر میٹھا محسوس نہ ہوگا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ بہشت کا ہر میوہ میٹھا ہوگا اور بہشت کا ہر میوہ کھانے کے قابل ہوگا ان کی ظاہری شکل ان دنیوی ثمرات و میوہ جات کے مشابہ ہوگی سدرۃ المنتہیٰ کو نور الٰہی نے گھیرا ہوا ہے اس نور الٰہی کی چمک سے سدرۃ المنتہیٰ کے حسن و جمال میں اضافہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنی نظیر آپ ہوگا۔ علاوہ ازیں اس کے عجائب و غرائب ایسے بے مثال ہیں جن کی نظیر پیش نہیں جا سکتی اسی لئے اسے دیکھنے کے بعد اس کی دہشت چھا جاتی ہے جسے کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت سدرۃ المنتہیٰ پر حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر ہیں ان کا ایک پر مشرق و مغرب میں ڈھانپ لیتا ہے ان کے ہر ایک پر میں موتی اور یاقوت جڑتے ہیں۔

جبریل علیہ السلام از و باز ماند حضرت جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پہ ٹھہر گئے اور عرض کی اس سے آگے میں نہیں چل سکتا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انی هذا المقام یترك الخلیل خلیله کیا ایسے مقام پہ دوست دوست کو چھوڑ سکتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی :

لو تجاوزت لاحرقت بالنور اگر میں اس سے آگے بڑھوں تو نور الٰہی کے جلووں سے جل جاؤں گا

ایک اور روایت میں ہے :

لو دنوت انملة لاحرقت اگر میں انگلی کے برابر اوپر جاؤں تو جل جاؤں۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا : ؎

چنان گرم در تیہ قربت براند
که در سدره جبریل از و باز ماند
بدو گفت سالار بیت الحرام
که اے حامل وحی برتر خرام
چون در دوستی مخلصم یافتی
عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فرا تر مجالم نماند
بماندم که نیروی بالم نماند
اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ : قربت کے جنگل میں ایسے تیز تر تشریف لے گئے کہ جبریل علیہ السلام عاجز ہو کر رہ گئے۔ انھیں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے وحی لانے والے! اوپر چلئے کیونکہ دوستی میں مجھے تو نے مخلص پایا ہے تو پھر میری رفاقت سے کیوں گریز کر رہا ہے۔ عرض کی کہ اگر ایک بال کے برابر بھی اوپر اڑوں تو تجلی مجھے جلا کر راکھ بنا دے۔

جبریل علیہ السلام کے حاجت روا

نبی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر فرمایا :

یا جبریل ھل لك حاجۃ الی ربك — اے جبریل علیہ السلام! کوئی ضرورت ہو تو بتایئے۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کی :

یا محمد سل اللہ لی ان ابسط جناحی علی الصراط لامتك حتی یجوزوا علیہ — اے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم! اللہ سے میرے لئے سوال کیجئے کہ قیامت میں مجھے اپنے پر بچھانے دے جس پر آپ کی امت کا گزر ہو۔

نورانی حجابات حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد مجھے نور میں ڈھانپ لیا گیا جس کے ستر ہزار حجابات تھے ہر ایک حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت تھی۔ اس کے بعد مجھ سے ملائکہ کے نام و نشانات بھی نظر نہیں آتے تھے اس پر مجھے وحشت ہوئی۔

ابوبکر کی آواز ان حجابات سے مجھے ابوبکر صدیق کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ

قف یا محمد فان ربك یصلی — اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ٹھہرئیے تمہارا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے۔

جیسے سبحانی فرما رہا ہے آواز آتی تھی :

سبقت رحمتی علی غضبی — میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

ادن منی کی آواز : اور وہاں سے میں نے سنا کہ مجھے کہا جا رہا تھا :

ادن منی یا خیر البریۃ ادن یا احمد ادن یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) — اے خیر البریہ! اے احمد! اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم قریب آجاؤ۔

قاب قوسین اس کے بعد مجھے میرے رب تعالےٰ نے اپنے قریب تر کر دیا چنانچہ فرمایا :

ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی — پھر وہ قریب ہوئے ایسے جیسے قاب قوسین۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کے پروں پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اس کے بعد رفرف کے ذریعے تشریف لے گئے۔

ف: رفرف ایک بہت بڑا بچھونا ہے حضرت شیخ عبدالوہاب امام شعرانی قدس سرہٗ نے فرمایا وہ ایک کجاوے کی شکل میں ہے۔

ثنائے حق بر نبی حق صلے اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ کی مدح وثنا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اسے سنئے اور اس کی اطاعت کیجئے اور ان کے کلام فیض ترجمان سے گھبرانا نہیں۔

تشہد: اس کے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھا:

التحیات للہ والصلوات والطیبات — عبادات قولیہ، بدنیہ اور مالیہ اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں۔

اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — اے نبی علیہ السلام آپ پر اللہ تعالےٰ کے سلام اور رحمت و برکات ہوں۔

حضور علیہ السلام نے اپنی تمام امت کو اپنے ساتھ ملایا:

السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین — ہم پر اور اللہ تعالےٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔

جبریل علیہ السلام نے کہا:

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ — میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کے پیارے بندے اور محبوب رسول ہیں۔

جبریل علیہ السلام کی متابعت میں تمام ملائکہ نے بھی یہی مل کر کہا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے راستے کھولے گئے تو آسمان بدستور متحرک بھی رہا اور اس سے عبور بھی فرمایا جیسے ہوا اور پانی میں چلنے والا چلے تو راستہ خود بخود کھلتا جاتا ہے اسی طریق سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر رفرف پر بیٹھے اور اس کے ذریعے تمام عوالم الانوار کو طے فرمایا یہاں تک کہ آپ عرش معلےٰ پر پہنچے یعنے اس اعلےٰ مقام پر جسے: الرحمن علی العرش استویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ تمام سفر جسم مبارک سے طے فرمایا۔

ف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب عالم خلق اور عالم تدبیر سے گزرے تو آپ کا کوئی ساتھی نہ تھا اسی لئے آپ کو وحشت ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز میں آپ کو ندا دی گئی۔

قف یا محمد ان ربک یصلی — ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے۔

یہاں پر آپ ٹھہرے بسکون پاکر پڑھا:

هو الذی یصلی علیکم وملئکته لیخرجکم — وہ اللہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے ہیں تاکہ تمھیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جائیں۔

ف: اسی طرح احباء واصدقاء آپس میں گفتگو کرتے ہیں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم عالم ظواہر سے نکل کر عالم معنوی میں یہیں سے قدم رکھ رہے تھے یعنے اس مقام سے بحر الاشارات والمعانی میں غوطہ زن ہوئے اسی سے اسرائے بسیط کا آغاز ہوا۔

رفرف کا مقام ختم

یہاں سے مقامات مشاہدہ کا آغاز ہوا جسے بصر جسمانی سے نہیں بلکہ روحانی بصیرت سے دیکھا جاتا ہے اسی لئے رفرف کی ضرورت نہ تھی اس لئے رفرف کو چھوڑ دیا اور جسمانی طور پر مشاہدہ ترک کر دیا اب ہٗ نہ اَینٌ رہا نہ کیفَ نہ این نہ آن نہ زمان نہ مکان نہ دایاں نہ بایاں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حجاب عزت کے وراء پہنچا وہ ایسے پردے تھے کہ جنھیں اٹھایا جا سکتا تھا جس ترکیب کو عرش الٰہی پر چھوڑا وہاں سے واپس لوٹا چنانچہ مذکورہ بالا ترتیب قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے:

دنی یہ عروج ووصول کی طرف فتدلی میں نزول ورجوع کی طرف اشارہ ہے۔ فکان قاب قوسین یہ بمنزلہ نتیجہ کے ہے اور مرتبۂ ذات واحدیہ یعنے عالم صفات جس کا اشارہ الله الصمد میں ہے کے وصول کی طرف او ادنیٰ مرتبہ ذات احدیہ یعنے عالم ذات جس کا اشارہ الله احد میں ہے کی طرح اشارہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ معراج صعوداً بھی تھا اور نزولاً بھی، اور یہ ہر دونوں الروح مع الجسد ہوا ورنہ عالم ملک وملکوت ہر دونوں وجود انسانی میں موجود ہیں اور حضرت انسان کو جو تجلی بھی نصیب ہوتی ہے وہ داخل سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ خارج سے۔

علم غیب کلی کا ثبوت از حدیث شریف مع شرح الحدیث

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سألنی ربی فلم استطع ان اجیبه فوضع یده بین کتفی بلا تکییف وتحدید — میرے رب نے مجھ سے پوچھا تو میں جواب نہ دے سکا پھر اس نے اپنا مبارک ہاتھ رکھا میرے دونوں کاندھوں کے درمیان جسے نہ کیف سے تعبیر کر سکتے ہیں نہ حد سے۔

یعنے اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کاندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا، اس سے ہاتھ مراد نہیں بلکہ اس کی قدرت کاملہ مراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہاتھوں سے پاک اور منزہ ہے۔

فوجدت بردها فاورثنی علم الاولین والآخرین وعلمنی علوما شتی فعلم اخذ — میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اس کی برکت سے مجھے اولین وآخرین کے علوم کا وارث بنایا اور مختلف علوم سکھائے

علی کتمانہ اذ علم انہ لا یقدر علی حملہ غیری وعلم خیرنی فیہ وعلم امرنی بتبلیغہ الی العام والخاص من امتی[1]

(۱) وہ علم جس پر مجھے مخفی رکھنے کا وعدہ لیا جب کہ اسے معلوم ہے کہ میرے سوا کوئی اس کا حامل نہیں ہو سکتا۔

(۲) وہ جس کی مجھے اجازت بخشی کہ میں چاہوں تو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔

(۳) امت کے ہر عام و خاص تک پہنچانے کا امر فرمایا۔

حدیث مذکورہ میں عام و خاص جن و انسان مراد ہیں۔ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ علوم شتی سے یہی تینوں علوم مراد ہیں جیسا کہ فار سے بھی واضح ہوتا ہے۔

ردِّ وہابیہ و دیوبندیہ اولاً دیوبندی وہابی اس تقسیم مذکور کے قائل نہیں اگرچہ یہی روایت متعدد محدثین و مفسرین نے سند کے ساتھ بیان کی ہے اور اصول حدیث کے مطابق یہ روایت معناً صحیح تر ہے[2] اگر دیوبندی فرقہ کچھ قائل ہوتے ہیں تو صرف اتنا کہ اس سے صرف علوم شرعیہ مراد ہیں اور ان کے نزدیک اولین و آخرین سے یہی علوم شرعیہ مراد ہیں۔ صاحب روح البیان ان ہر دونوں فرقوں کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وھی زائد علی علوم الاولین والاخرین[3] وہ علوم اولین و آخرین کے علاوہ دیگر کوئی اور علوم ہیں۔

[یعنی علوم اولین و آخرین اور ہیں اور حدیث شریف میں جو تین علوم مذکور ہیں ان سے کوئی دیگر علوم مراد ہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل خود صاحب روح البیان نے بیان فرمائی کہ]

فالعلم الاول من باب الحقیقۃ الصرفۃ و الثانی من باب المعرفۃ والثالث من باب الشریعۃ

پہلا علم باب حقیقت خالصہ سے ہے دوسرا معرفت۔ تیسرا شریعت۔

شبِ معراج بعض قرآنی آیات کا نزول

اسی مقام دنی فتدلی پر قرآنی آیات و سور وحی کے طور پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں وہ آیات و سور یہ ہیں:

① خواتیم سورۃ البقرۃ

② سورہ والضحیٰ کے بعض آیات

---

[1] :- روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۲۔

[2] :- تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے ۱۲۔

[3] :- روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۲۔

(۳) سورۂ الم نشرح کے بعض آیات

(۴) آیت: و ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور۔

کلام واسطہ کے بغیر یہ وحی بلا واسطۂ ملائکہ تھی اور بلا واسطہ کلام خطاب کا مقتضی ہے اس معنے پر اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلا واسطہ کلام فرمایا جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر بلا کیف اور از ہر طرف کلام سنی ایسے ہی حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا کیف اور از ہر جانب کلام سنا:

ے

کلام سرمدی بے نقل بشنید

خداوند جہان را بے جہت دید

بدید آنچہ ز حد دیدن برون بود

مپرس اما ز کیفیت کہ چون بود

(ترجمہ: سرمدی کلام کو بلا نقل سنا۔ اللہ تعالےٰ کو جہت کے بغیر دیکھا۔ اسے دیکھا جو دیکھنے کی حد سے باہر ہے مجھ سے وہ کیفیت مت پوچھ کہ وہ کیسی تھی؟)

حضور علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کو سر کی آنکھوں مبارکہ سے دیکھا امام نووی نے لکھا کہ

الراجح عند اکثر العلماء انہ رأی ربہ یعنی رأسہ[1]	اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب تعالےٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

(صاحب روح البیان اپنی تحقیق لکھتے ہیں کہ)

یقول الفقیر یعنے بسرہ وروحہ فی صورتہ الجسم بان کل جزء منہ سمعا واتحد البصر والبصیرۃ فھی رؤیۃ بھما معاً من غیر تکییف فافھم فانہ جملۃ ماینفصل	فقیر (اسماعیل حقی) کے نزدیک اس سر وروح سے دیکھا جو حضور علیہ السلام کے جسم اقدس میں ہے اس لئے کہ آپ کے جسم کا ہر جز سمع تھا آپ کی بصر و بصیرت ایک تھی اسی لئے بلا کیف آپ نے ہر دونوں (بصر و بصیرت) سے دیکھا۔

سوال: باب الرؤیۃ یعنے دیدار الٰہی کے متعلق حضور علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مابین کیا فرق ہے جب کہ

---

[1]: روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۲

[2]: روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۲

تم نے پہلے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے سے انسلاخ کلی یعنے فنار کے بعد اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ فرمایا اسی طرح دیگر انبیار علیہم السلام بھی انسلاخ کلی سے مشاہدہ کرتے ہیں پھر فرق کیا رہا حالانکہ حضور سید الانبیار علیہم السلام کا شان بلند و بالا ہونا لازمی ہے بالخصوص شبِ معراج کے بارے میں۔

جواب : انسلاخ یعنے فنا کلی میں دیدار صرف بصیرت سے ہوتا ہے اور ہماری مراد حضور علیہ السلام کے لئے انسلاخ کلی سے یہ ہے کہ آپ نے دیدار صرف بصیرت سے نہیں بلکہ انسلاخ کلی سے جس طرح بصیرت سے دیدار کیا ایسے ہی سر مبارک کی آنکھوں سے بھی اور یہی امتیاز ہے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیار علیہم السلام کے مابین

مسئلہ جنت میں دیدار الٰہی ملائکہ کو ہوگا یا نہ، بعض علماء ملائکہ کے لئے دیدار الٰہی کے قائل ہیں اور بعض منکر ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف جبریل علیہ السلام کو نصیب ہوگا وہ بھی صرف ایک بار۔

ف : جن لوگوں نے ملائکہ کے دیدار الٰہی کا انکار کیا ہے انھوں نے ملائکہ کو جنّات پر قیاس کیا ہے اس لئے کہ جنات کے لئے دیدار الٰہی کی نفی میں حدیث وارد ہوئی ہے۔

ف : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اختلاف مذکورہ کی وجہ یہ ہے کہ ملائکہ اور جنات کو صرف ایک جلوہ نصیب ہوگا یعنے جمال کا جلوہ اور انسان دونوں تجلیوں یعنے جلال وجمال کا جامع ہے ان ہر دونوں کو کمال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ملائکہ وجنات انسان کے مرتبۂ کمال کو نہ پہنچنے کی وجہ سے بہشت میں اسی مرتبہ کی حیثیت سے دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے ورنہ انھیں اپنے مرتبہ کے مطابق مشاہدہ حق ضرور نصیب ہوگا۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لو)۔

ف : جو لوگ ملائکہ وجنات کے لئے بالکلیہ مشاہدۂ حق کے منکر ہیں وہ غلطی پر ہیں اہل حق سے کسی نے ان کے اس قول کا اعتبار نہیں کیا۔

مسئلہ : تمام علمار کرام متفق ہیں کہ خواب میں دیدار الٰہی نہ صرف جائز بلکہ واقعتاً ہوگا اور بہت سے خوش بختوں کو خواب میں دیدار الٰہی نصیب ہوا اس لئے کہ خواب میں ذات نہیں دیکھی جاتی بلکہ وہ صفۃ من صفاتہ تعالیٰ ہوتی ہے۔

حکایت : حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ تیرے تک پہنچنے کا کونسا راستہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نفس کو گم کر کے میرے ہاں آجایئے یعنے فنار کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے۔

حکایت : حضرت حمزہ قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو تمام قرآن مجید خواب میں سنایا جب آیت " وھوالقاھر فوق عبادہٖ " پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حمزہ اب چونکہ تم مجھے دیکھ کر پڑھ رہے ہو اس لئے ھوالقاھر کے بجائے انت القاھر کہو۔

حکایت : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ و مرشد قدس سرہ سے فرماتے سنا کہ میرے شیخ (جن کا اسم گرامی عبداللہ

ذاکر زادہ قدس سرہ ہے) نے چاہا کہ مجھے اپنا خلیفہ بنائیں لیکن میں نے از راہ ادب انکار کر دیا۔ اسی رات اللہ تعالےٰ کی زیارت ہوئی اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید دے کر فرمایا کہ یہ قرآن مجید لے کر میرے بندوں کو دعوت حق دو۔

ف: یہ اسی خواب کی صداقت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے پیرو مرشد کو احیاء علوم کی توفیق بخشی اور ہر چہار سلاسل میں آپ کو اجازت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام میں ان کے اپنے دور میں ایک سو پچاس خلفاً تھے اور بفضلہٖ تعالےٰ تمام صاحبان مفسرین قرآن تھے اور بحمدہٖ تعالےٰ یہ مرتبہ صرف ہمارے شیخ کامل کو نصیب ہوا ان کے ہمعصر مشائخ اس مرتبہ کو نہ پہنچ سکے۔

پچاس نمازیں

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اللہ تعالےٰ نے دن رات کی پچاس نماز فرض فرمائیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہر نماز کا ایک ایک دوگانہ فرض تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص منت مانے کہ للہ علی صلوٰۃ یعنے میں منت مانتا ہوں کہ میں اللہ تعالےٰ کے لئے نماز پڑھوں گا تو اس پہ دوگانہ پڑھنا ضروری ہے لیکن یہ اس قول کے خلاف ہے۔ منقول ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم شب و روز پچاس رکعت پڑھتے تھے۔ آپ کی یہی نماز معراج کی پچاس نماز کے حکم کے مطابق ہے اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج پچاس رکعات کا حکم ہوا تھا جس کی ایک رکعت کو متصل نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی قول زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم شب و روز فرائض و نوافل نمازیں پچاس رکعتوں پر مشتمل تھیں۔

ف: بعض لوگوں نے ان اوقات کی بھی تصریح کی ہے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز دوگانہ ہو اس لئے ایک وقت میں صرف ایک رکعت تو نہیں پڑھی جاتی بلکہ دوگانہ پڑھا جاتا ہے اس کی تائید اس قاعدہ سے بھی ہوتی ہے کہ ابتدائے اسلام میں صرف دو دو[2] دو رکعت فرض تھی بعد میں حکم ہوا کہ حضر میں چار رکعتیں پڑھی جائیں اور سفر میں دو۔

پچاس نمازوں سے پانچ رہ گئیں

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب تعالےٰ سے پچاس نمازوں کا تحفہ لے کر واپس لوٹا تو اولاً ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انھوں نے تو کچھ نہ فرمایا لیکن جونہی چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کی امت پر کل کتنی نمازیں فرض ہوئی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ پچاس۔ موسےٰ علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ آپ اللہ تعالےٰ سے تخفیف کا سوال کریں اس لئے کہ آپ کی امت اتنی نمازیں برداشت نہیں کر سکے گی۔ بخدا میں اپنی امت کو آزما چکا ہوں اور مجھے بنی اسرائیل سے بہت بڑا تجربہ حاصل ہوا ہے یعنے میں نے ان سے بہت بڑی تکلیفیں دیکھی ہیں یہ لوگ طاعت الٰہی کے بارے میں بہت بڑی غفلت کرتے ہیں۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں موسےٰ علیہ السلام کے مشورہ سے اپنے رب تعالےٰ کے ہاں حاضر ہوا یعنے اسی مقام پر پہنچا جہاں اللہ تعالےٰ کے ساتھ گفتگو کی یعنے سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر پہنچ کر میں نے بارگاہ حق میں سجدہ کیا اور عرض کی

اے الہ العالمین میری امت کی نمازوں میں تخفیف فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں معاف فرما دیں۔ واپسی پر موسیٰ علیہ السلام سے پھر ملاقات ہوئی، انھیں پانچ نمازوں کی تخفیف کی خبر دی تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کی امت ان کی بھی حامل نہیں پھر میں واپس لوٹا اسی طرح پانچ پانچ نمازیں معاف ہوتی رہیں اور مجھے موسیٰ علیہ السلام وہی مشورہ دیتے رہے یہاں تک کہ باقی پانچ رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، پھر جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیجئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اب مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے سے حیا آتی ہے اب جو کچھ عطا ہوا ہے اس پر میں راضی ہوں اور اسی پر میرا سر تسلیم خم ہے۔

پانچ نمازوں پر پچاس کا ثواب

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے الوداع ہو کر نیچے والے آسمانوں کی طرف روانہ ہوا تو ندا آئی کہ امضیت فریضتی یعنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے میرے پیارے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کی امت پانچ نمازیں پڑھے گی تو میں انھیں پچاس نمازوں کا ثواب عطا فرماؤں گا۔

کما قال:

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها — جو ایک نیکی کرے گا اسے ایک کے بدلے میں دس نیکیاں عطا ہوں گی۔

نکتہ: ان پانچ نمازوں پر ثواب پچاس کا ملے گا بشرطیکہ وہ حضور قلب سے ادا کی جائیں۔

مسئلہ جو شخص نیکی کا صرف ارادہ کرے تو اس کے اعمال نامے میں ایک ثواب لکھا جائے گا پھر جب اسے عمل میں لاتا ہے تو اسے ایک کی بجائے دس کا ثواب عطا ہوتا ہے اگر برائی کا ارادہ کرے تو کچھ نہیں لکھا جاتا ہاں جب اس پر عمل کرتا ہے تو اس کے اعمال نامے میں ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

لطیفہ جیسے پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں ایسے ہی جنابت کا غسل سات بار اور کپڑے کو پیشاب کی نجاست سے پاک کرنا سات بار دھونا۔ رحمۃ العالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کرتے کرتے پچاس نمازوں سے پانچ نمازیں اور سات بار کے غسل سے ایک بار اور سات بار نجاست کو دھونا ایک بار کی اجازت منظور کرائی۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا احسان

حدیث شریف (۱) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
موسیٰ علیہ السلام کو بہت دعائیں دو کہ انبیاء علیہم السلام میں سے انہی کو میں نے اپنی امت کے لئے محتاط پایا۔

حدیث شریف (۲) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شبِ معراج موسٰے علیہ السلام سے جب میں گزرا تو میرے لئے سب انبیاء علیہم السلام سے سختی سے پیش آئے لیکن جب واپس لوٹا تو سب سے بہت زیادہ خیر خواہ تھے۔ اے میرے اُمتیو! موسٰے علیہ السلام تمہارے لئے بہترین سفارشی ہیں۔

ف: موسٰے علیہ السلام کی سختی سے وہ واقعہ مُراد ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم شبِ معراج موسٰے علیہ السلام سے گزرے تو وہ رو پڑے اللہ تعالٰے نے فرمایا: اے موسٰے علیہ السلام! کیوں روتے ہو؟ عرض کی:

رب ھذا غلام بعثتہ بعدی یدخل الجنۃ — یہ نوجوان میرے بعد تشریف لائے لیکن ان کی امت بہ نسبت

من امتہ اکثر فمن یدخل من امتی — میری امت کے بہشت میں بہت زیادہ داخل ہوگی۔

ف: حضرت موسٰے علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو آج صغر سنی کے غلام کہا ہے اس لئے کہ اس وقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے۔ اس کے متعلق سوال وجواب ہم نے گذشتہ اوراق میں تفصیل سے لکھے ہیں۔

سوال: پچاس سے پانچ نمازوں کا نسخ قبل از بلاغ واقع ہوا ہے اور قاعدہ ہے کہ حکم قبل از بلاغ منسوخ نہیں ہو سکتا اس قاعدہ پر معتزلہ کے ساتھ اہلِ سنت کا بھی اتفاق ہے۔

جواب: چونکہ یہ حکم حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا اور بلاغ کے لئے اتنا کافی ہے اگرچہ امت تک بلاغ نہیں ہوا لیکن اُمت کے سربراہ تک پہنچا ہے اور بلاغ کے لئے اتنا کافی ہے اس لئے کہ اگرچہ آپ حقیقتًا کسی فعل کے مکلف نہیں لیکن مکلفانہ احکام آپ کے لئے صادر ہوتے تھے اسی لئے آپ کے لئے احکام کی منسوخی گویا تمام امت کے لئے ہے اسی طرح ہر نبی علیہ السلام کی امت کے لئے یہی قانون تھا۔ ہاں، اگر خصوصیت کی تصریح ہو تو وہ حکم مستثنٰی ہوگا۔

جمعہ کی فضیلت کی بہترین حدیث

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج عرش کے نیچے ستر شہر دیکھے ہر شہر تمہاری تمام دنیا سے ستر گنا بڑا تھا اور وہ تمام ملائکہ کرام سے پُر تھے جو ہر ایک تسبیح وتقدیس میں ہے اور اپنی تسبیح میں عرض کرتے ہیں:

اللھم اغفر لمن شھد الجمعۃ — اے اللہ تعالٰے! انھیں بخش دے جو جمعہ پر حاضر ہوتے ہیں۔

اللھم اغفر لمن اغسل یوم الجمعۃ — اے اللہ! اسے بخش دے جو نمازِ جمعہ کا غسل کرتے ہیں۔

کسی کو قرض دینے کی فضیلت

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ پر دس گنا اور قرض اٹھارہ گنا زیادہ ثواب ہے میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ قرض کا صدقہ سے زیادہ ثواب ہے انھوں نے فرمایا کہ سائل سوال کرتا ہے تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہوتا ہے اور قرض لینے والا خالی ہاتھ ہو کر اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے قرض اٹھاتا ہے! اسی لئے اس کا صدقہ سے ثواب زیادہ ہے۔

نکتہ: اس کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ قرض کے طور پر ایک دام دینا صدقہ کے دو دام کے برابر ہوگا اور ایک دام کا

ثواب دس گنا اس معنے پر قرض دینے کا ثواب بیس گنا ہو گیا اور قرض والے کو دو دام کا ثواب لوٹا اس اعتبار سے اسے اٹھارہ نیکیاں باقی رہ گئیں۔

رضوان جنت حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت کے رضوان کو دیکھا کہ وہ مجھے دیکھ کر بہت مسرور ہوا بلکہ مرحبا کہتے ہوئے مجھے بہشت میں لے گیا اور بہشت کے وہ عجائبات دکھائے جن کا اللہ تعالٰے نے اپنے اولیا کے لئے وعدہ فرمایا ہے وہ ایسی نعمتیں تھیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا! اس میں میں نے اپنے ساتھیوں کے درجات بھی دیکھے اور اس کی نہریں اور چشمے بھی۔ بہشت سے مجھے ایک خوش آواز سنائی دی جو کہنے والا کہہ رہا تھا: امنا برب العلمین۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ فرعون کے جادوگر ہیں جو بعد میں موسٰے علیہ السلام پر ایمان لائے اور ساتھ ہی ان کی ازواج ہیں۔ اس کے بعد مجھے ایک اور آواز سنائی دی جو کہنے والا کہہ رہا ہے: لبیک اللھم۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ حج پڑھنے والوں کی آواز ہے۔ پھر میں نے تکبیر کی آواز سنی میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ غازی ہیں۔ پھر میں نے تسبیح کی آواز سنی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں اس کے بعد میں نے نیک لوگوں کے محلات کا معائنہ کیا۔

دوزخ کا داروغہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میرے سامنے پیش کی گئی اگرچہ وہ اس وقت ساتوں زمینوں کے نیچے ہے لیکن صورت مثالی میں میرے سامنے پیش ہوتی میں نے اس کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ:

و ان جھنم لموعدھم اجمعین — کافروں کی قیام گاہ جہنم ہے۔

میں نے دوزخ میں ایسا فرشتہ دیکھا کہ مجھے دیکھ کر نہ ہنسا۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کون ہے؟ کہا کہ دوزخ کا داروغہ ہے اسے جب سے اللہ تعالٰے نے پیدا فرمایا ہے کبھی نہیں ہنسا اگر ہنستا تو آپ کو دیکھ کر ہنستا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ اے خازن النار یہ ہیں محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم انہیں سلام عرض کیجئے۔ اس نے مجھے السلام علیکم کہہ کر مبارکباد پیش کی کہ آپ اللہ تعالٰے کے بہت بڑے برگزیدہ اور معزز ترین رسول ہیں۔

نکتہ: خازن نار سے السلام علیکم اس لئے کہوایا گیا تاکہ آپ سے دوزخ کے دہشت ناک منظر دور ہوں نیز اس طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ پر ایمان لانے والے نیک بخت لوگ دوزخ سے نجات پائیں گے۔

دوزخ کا منظر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے دوزخ کے مالک سے کہا کہ دوزخ کے مناظر دکھائیے چنانچہ میرے کہنے پر دوزخ کے اندرونی حصے کو مکمل طور پر کھولا گیا تو اس سے اللہ تعالٰی کے غضب و قہر کی جھانک دکھائی دی گر دوزخ میں دنیا بھر کے پتھر اور لوہے ڈالے جائیں تو وہ ایک سکینڈ میں ان سب کو راکھ بنا

غیبت کرنے والے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایک قوم کو دیکھا جو بد بو دار مردار کھا رہی ہے۔ پوچھنے پر جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ غیبت کرنے والے لوگ ہیں جو لوگوں کی عزت وآبرو پر حملہ کرتے تھے۔

جھوٹی قسمیں کھانے والے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں ایک ایسی قوم کو دیکھا جن کی زبانیں گدّی سے نکالی جا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ جواب ملا یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔

پردہ نہ کرنے والی عورتیں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایسی عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بالوں سے جہنم میں لٹکائی گئی ہیں میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو غیر محرم سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

بین کرنے والی عورتیں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایسی عورتیں دیکھیں جنھیں سیاہ اور گرم تیل کا لباس پہنایا جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو میت پر میّت کے مبالغہ کے طور پر محاسن ومناقب بیان کر کے بین کرتی ہیں۔

مسئلہ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ دوزخ اور جنّت اب بھی موجود ہیں اور یہ عقل کے بھی عین مطابق ہے کہ انسان جب سنے گا کہ اسے نیکی پر ثواب اور برائی پر سزا ملے گی تو نیک اعمال کے لئے جد وجہد اور برائی سے اجتناب کرے گا۔

اعجوبہ: منقول ہے کہ بہشت ایک صاف میدان ہے اس کے مکانات بندوں کے اعمال سے تیار ہوتے ہیں جیسا کہ اس پر حدیث الفراس دلالت کرتی ہے یعنے اعمال سے باغات تیار ہوتے ہیں وہ حدیث ہم نے مختصراً پہلے لکھ دی ہے۔

فائدہ عجیبہ اور اجمال برائے معراج حضور نبی کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک براق پر تشریف لے گئے اور بیت المقدس سے آسمان دنیا تک سیڑھی پر۔ آسمان دنیا سے ساتویں آسمان تک ملائکہ کرام کے پروں پر ساتوں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک جبریل علیہ السلام کے پروں پر سدرۃ المنتہیٰ سے عرش معلّی تک رفرف پر اور ظاہری روایات کے مطابق نزول (واپسی) بھی اسی ترتیب سے ہوئی۔

ف: بعض اکابر مشائخ فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ تک براق پہ تشریف لے گئے۔

شیطانوں کی انسان دشمنی حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جونہی واپس تشریف لاتے تو آسمان دنیا سے نیچے دیکھا تو [illegible] دھواں اور سخت آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے [illegible] نے عرض کی کہ یہ شیاطین کی شرارت ہے صرف اس غرض پر کہ انسان (آپ) ملکوت السموات کو نہ دیکھ سکیں اور [illegible] دیکھ کر عبرت حاصل کریں اگر ان کی مذکورہ بالا شرارت نہ ہوتی تو انسان آسمانوں کے عجائبات کو دیکھ لیتے۔

آنکھ جھپکنے سے پہلے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا دُور دراز سفر صرف ایک لمحہ میں طے فرمایا چنانچہ آسمانوں سے پہلے آپ بیت المقدس میں تشریف لائے وہاں سے پھر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے جوکہ وہ بھی حرم شریف کے اندر کعبہ معظمہ کے حجرِ اسود کے قریب تھا یا پھر بی بی اُمِّ ہانی کے گھر جیسا کہ ابھی ہم نے قصہ کی تفصیل میں عرض کی! اور یہ واپسی بھی براق کے ذریعہ ہوئی۔

ازالۂ وہم حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اتنا طویل سفر طے کرنا جلد تر تشریف لانا ممکن ہے بایں معنی کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں وہ قادر کریم اپنے محبوب رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے کم لحظہ میں لے جاکر واپس پہنچائے تو ممکن ہے۔

حکایت: حضرت ابو مدین قدس سرہٗ کے خلفاء سے ایک شیخ موسیٰ سدرانی قدس سرہٗ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ ایک دن اور رات میں ستّر ہزار قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

صاحب روح البیان کی دلیل بقول شیخ خویش فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ کامل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رات اور دن کے کل چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ بارہ گھنٹوں میں پینتیس ہزار قرآن مجید ختم ہو سکتے ہیں وہ اس طرح کہ ہر بارہ گھنٹے تینتالیس سال نو ماہ ہوں یا اس سے بھی زیادہ بر تقدیر اول ہر دن اور رات ساڑھے ستاسی سال ہوئے اس تقدیر پر مذکورہ وجہ صحیح ہوئی کہ آپ کا دن اور رات میں ایک ایک قرآن مجید ختم ہوا۔ نیز اس سے کم مدت کی بات ہو تو بھی روا ہے کہ قاری کو اللہ تعالےٰ ایسی قدرت بخشے کہ صرف ایک آن میں متعدد قرآن مجید ختم کرے۔ اس تقریر پر شیخ مذکور کا قول مبنی بر صدق ہے اور مجھے کشف سے معلوم ہوا تو میں نے شیخ مذکورہ کی تصدیق فرمائی (اویسی یہ ایک راز ہے جسے صرف راز شناس قبول کریں گے عوام نہیں مانیں گے۔ (بلکہ میں کہتا ہوں وہابی غیر مقلد، کمیونسٹ اور نیچری وغیرہ تو مذاق اڑائیں گے۔ ہاں! دیوبندی فرقہ ممکن ہے کہہ دے:

ع

نہ انکار می کنم نہ این کار می کنم [1]

معراجِ جسمانی اور ایک لمحہ کے متعلق عقلی دلیل علم ہندسہ کا مسلّم قاعدہ ہے کہ سورج کے قرص کی دونوں طرفوں کے مابین کی عظمت و وسعت روئے زمین کے کرّہ سے ایک سو ساٹھ سے کچھ اوپر زائد ہے۔ سورج کی ایک طرف سے دوسری طرف تک ثانیہ سے کم وقت میں پہنچ جاتی ہے۔ ثانیہ دقیقہ کے ساٹھوں اجزاء کو کہتے ہیں اور دقیقہ درجہ کے ساٹھوں اجزاء کے ایک جز کا نام ہے اور درجہ ساعت کی پندرہ اجزاء سے ایک جز کو کہا جاتا

---

[1] :- اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

جب یہ سرعت ایک جماد کے لئے ممکن ہے تو افضل الکائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کیونکر ممکن نہ ہو حالانکہ سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰے جملہ ممکنات پر قدرر کھتا ہے اس معنے پر اللہ تعالٰے نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر میں یا اس سواری میں جو آپ کو عرش تک لے گئی قدرت پیدا فرما دی۔

پانی جاری تھا

حضرت شیخ الشہیر بآفتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر آپ کے لوٹے سے پانی ویسے ہی بہ رہا تھا جیسے آپ اسے چھوڑ گئے تھے۔ معراج کے اس واقعہ کا انکار مؤمن تو نہیں کر سکتا البتہ جو عقل کی قید میں گرفتار ہے اس کو مشکل نظر آئے گا لیکن محققین کے نزدیک کوئی مشکل نہیں اور نہ ہی انھوں نے انکار کیا اس لئے کہ شئے لطیف آن واحد میں جمیع عوالم میں سیر کر لیتی ہے مثلاً انسان میں قلب لطیف ہے وہ آن واحد میں مشرق و مغرب بلکہ جمیع عوالم میں دورہ کرتا ہے اور یہ بدیہی امر ہے۔ ادنےٰ تمیز رکھنے والا بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا بلکہ بے عقل اور چھوٹے بچے تک اس کا اقرار رکھتے ہیں۔ اور حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم تو لطیف ترین ہیں ان کے لئے انکار کیوں : ؎

رہ ز اندازہ برون رفتہ
پے نتواں بردکہ بچون رفتہ
عقل درین واقعہ حاشا کند
عقل نہ حاشا کہ تمنا کند

ترجمہ: آپ اندازے سے باہر نکل گئے ہم اس کے درپے نہیں کہ آپ کیسے تشریف لے گئے۔ اس واقعہ میں عقل پاکی بیان کرتی ہے عقل کی کیا مجال کہ وہ اس قسم کی آرزو کرے۔

سب سے پہلے معراج کا انکار ابوجہل کی پارٹی نے کیا

مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس لوٹے تو ام ہانی سے واقعہ بیان کیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا واقعۂ معراج اہلِ مکّہ (کفار) کو سناؤں۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ میں آپ کو اپنے خدا کی قسم دیتی ہوں یہ واقعہ کفار کو نہ سنایئے اس لئے کہ وہ آپ کی بات کو نہیں مانیں گے بلکہ الٹا مذاق کریں گے اور نہ صرف وہی بلکہ آپ کی نبوت کے مصدقین بھی بگڑ جائیں گے۔ جب صبح ہوئی تو بی بی صاحبہ آپ کی چادر مضبوطی سے پکڑ کر بیٹھ گئی اور عرض کی کہ میں آپ کو باہر نہیں جانے دیتی لیکن آپ چادر کو جھٹکا دے کر بی بی صاحبہ سے چادر کا حصہ چھڑا کر وہاں پہنچ گئے جہاں کفار مکہ کا مجمع تھا۔ ان میں مطعم بن عدی، ابوجہل بن ہشام اور ولید بن مغیرہ تھا۔ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عشاء کی نماز یہاں مسجد حرام میں ادا کی اور مسجد اقصیٰ و دیگر مقامات کی سیر کر کے پھر صبح کی نماز یہاں مسجد حرام میں پڑھی یعنے عشاء کے وقت یہاں تھا پھر درمیانی حصہ میں سیر کر کے پھر صبح کو یہیں پہنچ گیا یہ توجیہہ ہم نے اس لئے کی ہے کہ اس وقت نہ عشاء کی نماز

فرض ہوئی تھی اور نہ صبح کی۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام واقعات وعجائبات کفار مکہ کو سنائے جو آپ نے شب معراج مشاہدہ فرمائے مثلاً انبیاء علیہم السلام کی ملاقات اور بیت المعمور اور سدرۃ المنتہٰی پر پہنچنا وغیرہ وغیرہ۔

عاشقان مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ سنتے ہی بلا تردد مان لیا

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں شب معراج واپس تشریف لائے تو دل میں محسوس فرمایا کہ اگر میں یہ واقعہ لوگوں کو سناؤں گا تو لوگ انکار کریں گے لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت کا اظہار بھی ضروری تھا اور یہ بھی ظاہر کرنا لازمی تھا کہ میں نے حق تعالیٰ کی اتباع کی ہے تو کتنا بلند مرتبہ نصیب ہوا۔ اس وجہ سے آپ غمگین بیٹھے تھے کہ وہاں سے اللہ کے دشمن ابوجہل کا گذر ہوا اور حضور علیہ السلام کو غمگین دیکھ کر آپ کے قریب بیٹھ گیا اور از راہ مزاح آپ سے پوچھا کہ اے بھتیجے کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا! آج رات مجھے معراج کرایا گیا۔ ابوجہل نے پوچھا کہاں تک؟ آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس تک۔ ابوجہل نے کہا، کیا رات کو جا کر پھر صبح کو واپس بھی آگئے؟ آپ نے فرمایا؛ ہاں! ایسے ہی ہے۔ ابوجہل نے کہا کیا میں تیرے ماننے والوں کو یہی بات بتادوں آپ نے فرمایا؛ ہاں، ضرور سنائیے۔ ابوجہل نے بہ بانگ دہل پکارا؛ اے کعب بن لوی والو! ابوجہل کی آواز سن کر بہت بڑا مجمع جمع ہوگیا ابوجہل نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ انھیں وہی سنائیے جو مجھے آپ نے بتایا ہے۔ آپ نے فرمایا؛ آج رات مجھے معراج ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا، کہاں تک؟ آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس تک اور وہاں پر میرے ہاں انبیاء علیہم السلام حاضر ہوئے اور میں نے انھیں دوگانہ پڑھایا اور ان سے گفتگو بھی ہوئی۔ ابوجہل نے بطور مذاق کہا کہ ان حضرات کی صفات بتادیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درمیانے قد والے اور چوڑے سینے والے اور گھنگرالے بالوں تھے آپ کے بال اور چہرہ سرخی مائل تھے گویا ابھی غسل جانے سے نکلے ہیں۔

ف؛ دیماس بمعنے حمام۔ دیماس در اصل ایسے پوشیدہ مقام کو کہتے ہیں جہاں سے انسان ننگا ہو کر نکلے اور اس کا حقیقی معنے ظلمت ہے مثلاً کہا جاتا ہے؛ لَیْلٌ دَامِسٌ یعنے اندھیری رات۔ اور حمام عربی لفظ ہے۔ منقول ہے کہ سب سے پہلے حمام کی بنیاد جنات نے رکھی تاکہ سلیمان علیہ السلام پوشیدہ ہو کر غسل فرمائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حمام کا پہلا واضع بقراط حکیم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلا واضع حمام کا وہ شخص ہے جس نے کسی دوسرے سے اس کا استفادہ کیا اس کی صورت یوں ہوئی کہ اسے ایک بیماری تھی وہ گرم پانی کے مٹکے میں نہایا تو اسے شفا نصیب ہوئی۔ اس سے بار بار نہانے سے اسے سکون ملا۔ اسی طرح سے حمام کی عادت گئی جسے عوام نے استعمال کیا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ اس گھر سے بچو جسے حمام سے تعبیر کرتے ہیں اگر کوئی اس میں داخل بھی ہو تو اسے چاہئیے کہ کپڑا باندھ لے۔

یاد رہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود کبھی حمام میں داخل نہیں ہوئے اس لئے کہ ارض حجاز میں حمام کی رسم نہیں تھی بلکہ

یہ یمن اور شام میں ہوتا ہے۔

حضرت موسٰے علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ میں نے موسٰی علیہ السلام کو دیکھا کہ ضخیم اور گندمی رنگ والے تھے گندمی رنگ کے مخالف رنگ میں یدِ بیضا کا ظہور ہوا جس سے فرعونی گھبرائے اور اہلِ حق کے لئے معجزہ بن گیا وہ لمبے قد کے تھے گویا وہ شنوۃ قبیلہ کے لوگوں سے ہیں۔

شنوۃ ایک قبیلے کا نام ہے جو یمن میں واقع ہے شنوۃ کی طرف منسوب ہیں جس کا عبد المطلب بن کعب نام تھا یہ ازد کی اولاد سے تھے اور اس قبیلہ کے لوگ طویل القامت تھے۔ حضرت موسٰے علیہ السلام کثیر بالوں والے اور نیچی آنکھوں والے اور ملے ہوئے دانتوں والے اور سکڑے ہوئے ہونٹوں والے تھے جن کے مسوڑھوں کے اوپر کا گوشت بھرا ہوا مکمل تھا۔

کافروں کو معراج سے تعجب اور انکار کے عقلی دلائل جب حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے کفار مکہ نے شب معراج کے واقعات سنے تو زور و شور سے چیخے اور اسے مشکل ترین بات سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کو سیٹی بجا کر ہنسی کرتے ہوئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اسی تعجب میں اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو گھور گھور کر دیکھ کر کہتے کہ ہم اپنے اونٹوں کو دوڑا بھگا کر بڑی مشکل سے ایک مہینے کے بعد بیت المقدس تک پہنچتے ہیں اسی طرح پھر واپسی کا حال ہے لیکن تعجب ہے کہ تم ایک رات میں گئے اور پھر آئے۔ ہم آپ کی اس کہانی کو ایک افسانہ سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) اور ہم کبھی ایسی بات ماننے کو تیار نہیں۔ نہ صرف کفار نے تکذیب کی بلکہ بہت سے بدقسمت اسلام کا دم بھرنے والے مرتد ہو گئے۔

عاشق صادق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ کفار مکہ نے جب دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات کہہ ڈالی ہے جو بالکل بعید از قیاس ہے جسے عقل لمحہ بھر بھی ماننے کے لئے تیار نہیں تو سمجھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ کہانی سنائی جائے اس لئے کہ وہ حضور علیہ السلام کی ہر بات کی تصدیق کر کے دوسروں کو دلائل سے منوانے پر مجبور کر دیتے اسی لئے کفار مکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں بھاگے اور معراج کا واقعہ متعجبانہ طور پر سنایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان کان قد قال ذالک فلقد صدق — اگر حضور علیہ السلام نے ایسے فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔

کافروں نے کہا۔

اتصدقہ علٰے ذالک — کیا آپ ان کی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انی اصدقہ علٰے ابعد من ذالک — میں تو ان کی اس سے بھی بڑھ کر تصدیق کرتا ہوں۔

فـ اگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بیت المقدس تک آن واحد میں جا کر واپس آیا ہوں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں

میں تو اس سے اور بعید از قیاس کی تصدیق کر چکا ہوں جو فرمایا کرتے ہیں کہ میرے ہاں آسمان کی خبریں صبح اور شام کو پہنچتی ہیں۔

ف: الغدوۃ بمعنے صلوٰۃ صبح اور طلوع شمس کا درمیانی وقت الروحۃ ھی اسم للوقت من الزوال الی اللیل یعنے روحۃ زوال سے رات تک کے لمحات کا نام ہے۔

اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ بیت المقدس تک لمحہ بھر میں بعید آنا جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے بڑی بات یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں ایک لمحہ میں آسمان سے زمین پر خبر پہنچتی ہے۔ اگرچہ ان کی یہ باتیں بھی بعید از قیاس ہیں لیکن ہم ان کی ان باتوں پر ہر وقت تصدیق کرتے ہیں اور یہی ہمارا ایمان ہے۔ پھر تم اسے کافرو! معمولی سی بات پر کیوں تعجب کرتے ہو تمھیں یقین کرنا چاہیئے کہ ہم ان کی تصدیق میں سر کی بازی لگانے کو تیار ہیں جب وہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں فرشتہ ایک لمحہ میں آسمان سے زمین پہ خبر لایا ہے۔

حضرت ابوبکر کا نام "صدیق" اللہ تعالےٰ نے رکھا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کفار مکہ کو دندان شکن جواب دیئے جس سے وہ تو لاجواب ہوگئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا نام صدیق رکھا بمعنے کثیر الصدق یہ مبالغہ کا صیغہ ہے یعنے اللہ تعالےٰ نے ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا صدیق اس لئے نام رکھا کہ انھوں نے ایک انوکھے اور عجیب واقعہ کو ایک ایسے لہجہ میں بیان فرمایا کہ جس سے کفار مکہ کو لاجواب ہونا پڑا دراصل صدق کامل وہی ہے کہ جس کی اکثر لوگ تکذیب کریں تو تحقیقی سچا وہی ہے جو حق واضح کرنے کے لئے مخالف کو منہ توڑ جواب دے۔ (اور یہ شان صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو نصیب ہوئی)۔

شیعوں کا منہ کالا

حضرت علے المرتضےٰ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفعت شان کو دیکھ کر قسم کھاتے تو اپنی قسم میں اکثر یہ الفاظ کہتے:

باللہ ان اللہ انزل اسم ابی بکر من السماء الصدیق[1] — مجھے اس خدا کی قسم جس نے ابوبکر کا نام صدیق آسمان سے اتارا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کا اسم گرامی "صدیق" اللہ تعالےٰ کا منتخب کردہ ہے نہ مخلوق کا۔ [لیکن شیعوں نے کہا وہی تو ان کی شومئ قسمت کا موجب بنا۔]

بیت المقدس کو اٹھا کے سامنے لایا گیا

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کفار مکہ کو معراج شریف کے حالات سنائے تو ان میں سے بعض نے بیت المقدس کو دیکھا ہوا تھا تو وہ بولے کہ

---

[1]: روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۶

یامحمد صف لنا بیت المقدس کم لہ باب — اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم! ہمیں بتائیے کہ بیت المقدس کے دروازے کتنے ہیں۔

اس سے انھوں نے سمجھا کہ آپ بتا نہیں سکیں گے اس سے ان کی خفت ہوگی۔ اور انھیں یقین تھا کہ حضور علیہ السلام نے زندگی بھر بیت المقدس کو دیکھا اور نہ ہی کسی سے اس کے تفصیلی حالات سنے ہیں۔ اس لئے سوال کے جواب میں یوں ہوا کہ

فکربت کربا شدیدا لم اکرب مثلہ قط لانھم سألونی عن اشیاء لم اثبتھا وکنت دخلۃ لیلا وخرجت منہ لیلا فقمت فی الحجر فجلی للہ لی بیت المقدس

اس سے میں ایسا غمگین ہوا کہ زندگی بھر ایسا غم نہ دیکھا کیونکہ مجھ سے انھوں نے ایسا سوال کیا جو مجھے اس وقت خیال میں نہ تھا اور بیت المقدس میں رات کو داخل کیا اور رات کو آیا جب حجر اسود کے قریب کھڑا تو بیت المقدس کا نقشہ میرے سامنے کر دیا گیا۔

یعنے اللہ تعالٰے نے بیت المقدس کو اصلی یا مثالی صورت میں میرے سامنے منکشف فرمایا جسے جبریل علیہ السلام بیت المقدس کو اپنے پر اٹھا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے آئے یا اللہ تعالٰے نے آپ سے بیت المقدس تک حجابات اٹھا دیئے جسے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بتایا۔ اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو بیت المقدس اپنے مقام پر موجود رکھ کر اس کا نقشہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں منقش فرما دیا یا ایک آن کے لئے اللہ تعالٰے نے بیت المقدس کا وجود اپنے اصلی مقام سے مٹا کر بیت اللہ میں ظاہر فرمایا پھر حضور علیہ السلام کے مشاہدہ کے بعد فوراً اسی مقام پر پہنچا دیا جیسے اللہ تعالٰے کی قدرت کاملہ کا تقاضا ہے کہ وہ شے کی جدید تخلیق میں دیر نہیں کرتا ایسے ہی یہاں پر۔

مسئلہ: اسی قاعدہ پر ہم اہلِ سنت کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ بعض اولیاء اللہ کی زیارت کے لئے اپنے اصلی مقام سے چلا جاتا ہے[۲]

مثنوی شریف میں ہے:

ہر نفس نو می شود دنیا و ما
بے خبر از نو شدن اندر بقا
عمر ہمچوں جوئے نو نو می رسد!
مستمری می نماید در جسد

---

[۱] اس حدیث کو لے کر وہابی دیوبندی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر حملہ کرتے ہیں۔ (اویسی)

[۲] اس مسئلہ پر فقیر کی تحریر "القول الجلی فی ان الکعبۃ تذہب الی زیادۃ الولی" کا مطالعہ کیجئے (اویسی غفرلہ)

آں ز تیزی مستمر شکل آمدہ است
چوں شرر کش تیز جنبانی بدست
ایں درازی مدت از تیزی صنع
می نماید سرعت انگیزی صنع

ترجمہ: دنیا اور ہماری ہر آن نئے سانس پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کی بقاء کی وجہ سے ان کے جدید ہونے کا علم نہیں ہوتا ہماری زندگی ایسی ہے جیسے نہر کا پانی جو ہر وقت چل رہا ہے لیکن ہر آن نیا ہے وہ ہمیشگی تیزی کی وجہ ہے جسے بار بار کی جنبش سے پتہ نہیں چلتا۔ اور وہ کاریگر کی کاریگری ہے جس کاریگر نے اسے ایسا تیز چلایا ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔

بیت المقدس کا مشاہدہ

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفار کے سوال پر میں بیت المقدس کو دیکھ کر جوابات دیتا رہا۔

سوال: مواہب لدنیہ شریف میں ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کفار مکہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے آسمانوں کے متعلق سوالات کیوں نہ کئے صرف بیت المقدس پر کیوں اکتفا کیا؟

جواب: چونکہ انھوں نے آسمانوں کو نہیں دیکھا تھا اس لئے ان سے کیا سوالات کرتے اور بیت المقدس چونکہ انھوں نے بارہا دیکھا تھا اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی انھیں یقین تھا کہ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس کبھی نہیں گئے اسی لئے اس کے متعلق سوالات کئے۔

حضور علیہ السلام نے قافلوں کے حالات بھی بتا دیئے

چونکہ معترض کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے خصم کو نیچا دکھائے اسی لئے اگر ایک بات سے لاجواب ہوتا ہے تو دوسرا اعتراض کھڑا کر دیتا ہے اسی طرح کفار مکہ نے جب دیکھا کہ آپ نے بیت المقدس کے پورے پورے حالات بتا دیئے تو کہا کہ آپ نے بیت المقدس کے حالات کسی سے سن کر یاد کرکے ہمیں بتا دیئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ وہاں گئے نہیں۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے وہاں جانے کی ایک اور ٹھوس دلیل یہ ہے:

انی مررت بعیر بنی فلان بوادی کذا میں فلاں وادی پر فلاں قافلے سے گزرا۔

یعنے میرا روحا سے گزر ہوا یہ وادی مدینہ طیبہ کے قریب ہے جس کے سفر کے لئے مدینہ طیبہ سے دو راتیں صرف ہوتی ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ کی نشانی بتائی کہ قد اضلوا ناقۃ لھم یعنے میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا تو تمہارے قافلے والوں کو دیکھا کہ وہ اپنی ایک اونٹنی کو گم کئے ہوئے تھے۔ اور انتھیت الی رحالھم واذ قدح ماء فشربت منہ

میں ان کے سامان کے قریب گیا اور وہاں پانی کا پیالہ بھرا ہوا رکھا تھا اسے میں نے پی لیا۔

اے کافرو! اگر میری بات پہ اعتبار نہیں آتا تو قافلے والوں سے پیالے کے بارے میں پوچھ لینا۔

سوال: پانی کا پیالہ غیر کا تھا اور غیر کا حق کسی عام آدمی کے لئے ناجائز ہے چہ جائیکہ نبی علیہ السلام کے لئے ایسی حرکت (معاذ اللہ)

جواب: مسائل شرعیہ کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے اور اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ دودھ کا پیالہ ہو تو بھی ہر ایک کو پی جانا مباح تھا بالخصوص مسافروں کے لئے اور جب دودھ جیسی قیمتی شے ان کے ہاں مباح تھی اور پانی بطریق اولے جائز تھا۔ اور ہر مباح فعل ہر عام آدمی کے لئے جائز ہے تو نبی علیہ السلام کے لئے تو بطریق اولیٰ جائز ہو۔

ف: نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عمداً پیا ہوگا تاکہ منکرین کو نشانی دے سکیں۔

کفار کے قافلے کی آمد کی غیبی خبر

جب کفار کو یقین ہو گیا کہ نبی علیہ السلام نے بیت المقدس کو دیکھا۔ لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج۔ ڈوبے کو تنکے کا سہارا، بالآخر ایک اور اعتراض مل گیا کہ اے نبی علیہ السلام اگر آپ واقعی ہمارے قافلے کو دیکھ کر چلے ہیں تو فاخبرنا عن عیرنا (ہمارے قافلے کی خبر دیجئے کہ وہ کہاں ہے)، حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مررت بها في التنعيم — میں ان کو تنعیم پر چھوڑ آیا ہوں۔

تنعیم ایک مقام ہے جو کہ مکہ کے قریب ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بیت المقدس سے واپس آ رہا تھا تو میں نے تمہارے قافلے کو تنعیم کے مقام پہ دیکھا اور آپ نے انھیں قافلے کے اونٹوں کی گنتی اور ان کی چند علامات بھی بتائیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

انها تقدم مع طلوع الشمس يتقدمها جمل اورق[1] — وہ طلوع شمس کے وقت آجائے گا ان کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے۔

ف: اورق وہ اونٹ جس کے بعض سفید اور بعض سیاہ بال ہوں۔

اور:

عليه غرارتان احدهما سوداء والاخرى برقاء — یعنے اس اونٹ پر دو بوریاں ہیں ایک سیاہ ہے اور دوسری دھاری دار یعنے اس کے بعض دھاگے سفید اور بعض سیاہ ہیں۔

---

[1] دیوبندی وہابی حضور علیہ السلام کے تنقیصی پہلو کوے کر خوش ہوتے ہیں ذرا رفعت شان کے پہلو کو بھی دیکھ لیا کریں اس روایت میں واضح ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبل از وقت قافلے کی آمد کی خبر دے دی ۱۲۔

دشمن عیب کا متلاشی یہ سن کر کفار مکہ پہاڑوں پر چڑھ گئے کہ دیکھیں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کہاں تک صحیح ہے چنانچہ جونہی سورج نکلا تو ایک کافر چیخا :

هذه و الله الشمس قد اشرقت — بخدا وہ دیکھو سورج نکل آیا ہے ۔

دوسرا کافر بے ساختہ ہو کر بولا :

هذه و الله العير قد اقبلت يتقدمها جمل — بخدا یہ ہے قافلہ جس کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ آرہا ہے

اورق كما قال محمد عليه الغرارتان ۔ — اور اس پر دو بوریاں بھی ہیں ۔

یہ معجزہ دیکھ کر جو لوگ معراج کا واقعہ سن کر مرتد ہو گئے تھے وہ شرمسار ہو کر تجدید اسلام کرنے لگے اور مشرکین نے نہ مانا بلکہ کہا کہ یہ تو جادوگر ہے۔ (معاذ اللہ)۔

معجزہ ردّ الشمس بعض روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سورج کو روک لیا تھا جب تک کہ قافلہ وہاں تک نہ پہنچا جہاں حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا یعنے سورج کو حرکت کرنے سے بالکل روک دیا گیا یا اس کی رفتار کم کر دی گئی یا اسے وہاں سے دوسرے علاقے میں پھیر دیا گیا ۔

سوال : سورج کو روکنا یا کسی اور جگہ پر منتقل کرنا ناممکن ہے اس لئے کہ علم الفلکیات کا قاعدہ ہے کہ سورج کو کسی مختلف علاقے میں بدلا جائے یا اسے رد کر جائے تو افلاک میں رد و بدل ہوگا اور ان میں اگر ذرہ برابر رد و بدل ہو تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا :

جواب : ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ رد شمس یا حبس شمس حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور وہ امور جو خرق عادت کے طور پر ہوا ہو اس میں قیاس آرائی گمراہی ہے ۔

ردّ الشمس کے دلائل (۱) داؤد و سلیمان و یوشع و موسےٰ علیہم السلام جیسے انبیاء کے لئے سورج روک دیا گیا ان کے واقعات تفاسیر میں موجود ہیں ۔

(۲) سورج ڈوب کر پھر نکل آیا یہ تو ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی خیبر کے موقعہ پر ہوا چنانچہ بی بی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور آپ کا سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بیدار کرنا بھی مناسب نہ سمجھا جب حضور علیہ السلام بیدار ہوتے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے نماز پڑھی ہے ؟ انھوں نے عرض کی کہ نہیں یہ حضور علیہ السلام نے دعا مانگی کہ

اللهم انه كان فى طاعتك وطاعة رسولك — اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی طاعت میں تھا فلہٰذا

فاردد عليه الشمس — سورج کو واپس لوٹا دیجیے ۔

بی بی اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

فرأيتها طلعت بعد ما غربت — میں نے سورج کو ڈوبنے کے بعد طلوع ہوتا ہوا دیکھا۔

سبق: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے اسے خوب یاد رکھنا چاہیئے۔

حکایت فضائل اہل بیت مروی ہے کہ بغداد میں ایک واعظ تقریر کر رہا تھا اور عصر کے بعد اہل بیت کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کر دیئے اچانک ایک ایسا بادل اٹھا جس نے سورج کو گھیر لیا لوگوں نے سمجھا کہ سورج ڈوب گیا اس لئے واعظ کی تقریر سے اٹھنے لگے اس سے واعظ کا وعظ پھیکا پڑنے لگا اس نے چاہا کہ یہ جانے والے واپس آئیں اور سننے والے مطمئن ہو جائیں چنانچہ اسی وقت وہ سورج سے مخاطب ہوا:

ے

لا تغربی یا شمس حتی ینتهی
مدحی لآل المصطفیٰ ولنجله
ان کان للمولی وقوفک فلیکن
هذا الوقوف لولده و لنسله

ترجمہ: اے سورج! نہ ڈوب جب تک کہ میں اہلِ بیت کی تعریف پوری نہ کروں اگر تیرا ٹھہرنا اللہ کے حکم سے ہے تو ٹھہر جا۔ کیونکہ رسول اللہ کی آل کی مدح سرائی ہے۔

واعظ نے اشعار ختم کئے تو سورج بادل سے باہر آگیا، پھر تو واعظ کی پانچوں انگلیاں گھی میں والا معاملہ تھا کہ اسی وقت سامعین نے اس پر اپنے کپڑے اور عورتیں کے زیورات نچھاور کئے۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا:)

وهو من الاتفاقات الغريبة — عجب اتفاق سے ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔

حکایت ایک نوجوان بدرالدین نامی پر کوئی شخص عاشق تھا۔ سوئے اتفاق سے وہی نوجوان چودھویں شب کو فوت ہوا جب اس کے عاشق نے چودھویں شب کے چاند کو مکمل دیکھا اور وہ اس کے محبوب کے نام سے مشابہ تھا اس لئے محبت و عشق میں نہایت غمگین و حزیں ہو کر چودھویں شب کے چاند سے مخاطب ہو کر یہ اشعار پڑھے: ے

شقيقك غيب فی لحده
و تطلع یا بدر من بعده

ف: اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سورج بعد غروب لوٹ آیا بلکہ اہلِ بیت کے فضائل میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ بادل کے ہٹنے سے عوام پریشانی سے محفوظ ہو گئے اور یہ بھی ایک کمال ہے جو واعظ کے مرتبہ کے لئے اتنی کرامت کافی ہے ۱۲۔

فهلا خسفت وكان الخسوف

لباس الحداد على فقده

ترجمہ: تیری مثل تو قبر میں چھپا ہوا ہے اے چودھویں کے چاند تو کیوں طلوع ہو رہا ہے کیا تو اپنا نور چھپا نہیں لیتا اس لئے کہ کالا لباس سوگواروں کا ہوتا ہے۔

اس کے ان اشعار پڑھنے پر چاند فوراً بے نور ہو گیا۔

[صاحب روح البیانؒ نے فرمایا:]

یہ اس کی سچی محبت کی دلیل ہے کہ اس کے جوش محبت نے چاند پر اثر ڈالا۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا:

ان المحبة مقناطيس القلوب محبت قلوب کے لئے مقناطیس ہے۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا: ؎

بچشم اہل نظر کم بود ز پروانہ
دلے کہ سوختۂ آتش محبت نیست

ترجمہ: اہل نظر کی نگاہ میں وہ شخص محبت میں پروانے سے کم ہے جس کا دل عشق سے سوختہ نہ ہو۔

اے اللہ! ہمیں اہل محبت و عشق سے بنا دے (آمین)

نمازوں کے اوقات

شب معراج کی صبح والے دن جب سورج کا زوال ہوا تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز کی امامت سکھائی تاکہ آپ کو نماز کے اوقات معلوم ہوں اور ظاہر ہو کہ نماز کی ہیئت اور ان کی تعداد یوں ہے۔ اس پر آپ نے صحابہ کرام کو باآواز بلند کہا: الصلوٰة جامعة۔ اس لئے کہ اس وقت اقامت معروفہ مشروع نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کی مشروعیت مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلان پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی اس کا نام نماز ظہر پڑ گیا۔ اس لئے کہ وہ قیام الظہیرة یعنے سخت گرمی میں ادا کی گئی یا اس لئے کہ اس وقت زوال کے بعد سورج بہت اونچا تھا۔ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جبریل علیہ السلام کے نماز پڑھانے کے بعد نماز پڑھائی اور جبریل علیہ السلام حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں دو دن حاضر ہوتے رہے ایک دن اول وقت میں نماز پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت میں۔ جبریل علیہ السلام نے آپ کو صخرة اللہ کے نزدیک قبلہ کی جانب نماز پڑھائی تھی اور آخر میں عرض کی:

يا محمد هذا وقتك ووقت الانبياء من قبلك والوقت ما بين هذين الوقتين

اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا وقت ہے اور ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کے اوقات ہیں۔

سوال : نمازِ صبح سے اس کا آغاز کیوں نہ کیا گیا حالانکہ معراج کے بعد پہلے صبح کی نماز تھی ؟

جواب : جب تک نماز کی کیفیت معلوم نہ ہو اس کی ادائیگی نہیں اور کیفیت پر ہی وجوب معلق ہوتا ہے اور کیفیت کا بیان فجر کی نماز میں ناممکن تھا اس کے بعد ظہر کا وقت آتا ہے اسی لئے نماز ظہر سے اس کا آغاز ہوا گویا جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی :

اوجبت حيث ما تبين كيفيته فى وقته   کیفیت کے معلوم ہونے کے بعد آپ پر نماز واجب ہوئی ۔

سوال : جبرئیل علیہ السلام کا عرض کرنا کہ ھذا وقتك و وقت الانبياء من قبلك سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نماز بھی اسی طرح تھی حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے اس لئے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نمازیں اس طرح نہیں تھیں بلکہ نمازیں صرف حضور علیہ السلام کی امت کا خاصہ ہے ۔

جواب ① عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نمازیں ان دونوں اوقات کے درمیان ہے جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اوقات انہی دونوں طرفوں کے درمیان تھے ۔

جواب ② دوسرے انبیاء علیہم السلام سے مجموعی طور پر مراد نہیں بلکہ بعض حضرات کی طرف اشارہ ہے ۔ چنانچہ مروی ہے کہ فجر کی نماز بعض حضرات کی طرف منسوب ہے تو اس کے بعد والی نمازیں دوسرے بعض حضرات کی طرف اس معنے پر کلی طور پر خصوصیت اسی امت کے لئے ثابت نہ ہوئی بلکہ بعض حیثیت سے ۔

پانچ نمازیں اولعزم انبیاء علیہم السلام کی یادگار ہیں

مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو زمین پر اندھیرا چھا گیا اور رات کی تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے حضرت آدم علیہ السلام گھبرائے کہ ایسی شدت کی تاریکی آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی جب صبح کی روشنی پھیلی تو آپ نے شکرانہ کے طور پر دوگانہ پڑھا یا ظلمتِ لیل سے نجات پانے پر یا دن کی روشنی کے لوٹنے پر یا دوگانہ توبہ کی قبولیت پر پڑھا جب کہ ان کی توبہ صبح کے وقت قبول ہوئی اسی اعتبار سے کہ اللہ تعالےٰ راضی ہو گیا اور مخالفت کی ظلمت دور ہوئی اور توفیق کا نور روشن ہوا وغیرہ وغیرہ ۔

ظہر کی نماز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زوال شمس کے بعد چار رکعت پڑھیں اس خوشی میں ان کے صاحبزادے کا فدیہ قبول ہوا اور صاحبزادے کی جان بچ گئی اور اللہ تعالےٰ بھی راضی ہو گیا جب کہ آواز سنی : قد صدقت الرؤياء اور اس خوشی سے بھی کہ صاحبزادہ اگرچہ صغیر سن ہے لیکن قربان ہونے کے لئے تیار ہو گیا اور ذبح کی تکلیف سے نہ گھبرایا ۔

عصر کی نماز سب سے پہلے عصر کی نماز حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی جب انہیں ظلمت سے نجات ملی تو یہی وقت تھا چونکہ وہ ظلمات چار تھیں :

① ظلمة الزلة   ② ظلمة الليل

③ ظلمة الماء   ④ ظلمة بطن الحوت

اسی مناسبت سے آپ نے بھی شکرانہ کی چار رکعت ادا کیں۔

مغرب کی نماز سب سے پہلے مغرب کی نماز عیسٰے علیہ السلام نے پڑھی پہلی رکعت اپنے سے نفی الوہیت کے شکر میں دوسری رکعت والدہ سے نفی الوہیت کے لئے تیسری رکعت اللہ تعالےٰ کی الوہیت کے اثبات کے لئے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو مغفرت کا پیغام مغرب کے وقت ملا تو انھوں نے شکرانہ کے لئے چار رکعت کی نیت باندھی جب تیسری رکعت پر پہنچے تو تھک گئے اسی پر سلام پھیر دیا اسی لئے ہمارے لئے بھی تین رکعتیں مشروع ہیں۔

عشار کی نماز سب سے پہلے عشار کی نماز حضرت موسٰے علیہ السلام نے پڑھی جب وہ مدین سے چلے تھے تو راستہ بھول گئے آپ کو اپنی زوجہ اور بھائی ہارون علیہ السلام کی جدائی ہو فرعون کی دشمنی اور اولاد کی جدائی کا غم لاحق ہوا جب اللہ تعالےٰ نے انھیں ان تکالیف سے نجات بخشی یعنے راستہ مل گیا زوجہ، بھائی اور اولاد کی ملاقات ہوگئی اور دشمن پر فتح پائی تو چار رکعت شکرانے کی پڑھیں۔

وتر کی نماز سب سے پہلے وتر کی نماز ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھی چنانچہ تفسیر التیسیر میں ہے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہٰی پر ملائکہ کو نماز پڑھائی اس معنے پر سدرۃ المنتہٰی پر امام الملائکہ اور بیت المقدس میں امام الانبیار تھے اسی بنار پر ہم کو افضل الخلائق مانتے ہیں۔

اعجوبہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی تیسری رکعت پڑھ رہے تھے تو آپ کی نگاہ اپنے والدین پر پڑی کہ وہ جہنم میں ہیں (معاذ اللہ) اسس گھبراہٹ سے آپ کے دونوں ہاتھ چھوٹ گئے اس پر آپ نے اللہ اکبر کہہ کر دعائے قنوت پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے نار اور اہل نار سے پناہ چاہی اس کے بعد پوری رکعت مکمل کر لی۔ اسی بنا پر وتر تین رکعت مقرر ہوئے۔ (کذا فی المقدمہ شرح المقدمہ)۔

(یہ قول ضعیف ہے اسی لئے اسے کتاب مذکورہ میں قیل سے روایت کیا گیا ہے اور اصول حدیث و فقہ کا قاعدہ ہے کہ جو روایت لفظ قیل سے مروی ہو وہ ناقابل قبول ہوتی ہے۔ ۱۲)

ف: شب معراج پانچ نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئیں یہاں تک کہ مغرب کی نماز بھی پھر حضر میں دو سے چار کر دی گئیں ہر ظہر چار رکعت سوائے جمعہ کے کہ اس دن دو رکعت فرض ہیں عصر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت اور عشار کی چار رکعت اور فجر کی دو رکعت اصل پر برقرار رکھی گئیں۔

حدیث شریف بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابتداً سفر و حضر میں دو دو رکعت فرض تھیں پھر ہجرت کے ایک ماہ بعد یا ایک ماہ دس دنوں کے بعد دو دو رکعت کا اضافہ ہوا اور مغرب میں صرف ایک رکعت کا اور فجر کی نماز اصل حالت پہ رکھی گئی اس لئے کہ اس میں قرأت طویل پڑھنے کا حکم ہے۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ ابتداً ہی ہر نماز چار چار رکعت فرض ہوئی سوائے صبح اور جمعہ کی نماز کے کہ وہ دو دو رکعتیں ہیں اسی طرح مغرب کی نماز کہ وہ تین رکعات فرض ہوئیں۔ پھر سفر کے لئے قصر کا حکم ہوا کہ چار رکعت والی نمازوں کو دو دو رکعت پڑھا جائے اور سفر میں قصر نماز کا حکم ہجرت کے چوتھے سال نازل ہوا یہی حکم آیت

فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ

"یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نمازیں قصر کرو" سے مؤید ہے۔

لطیفہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازوں کا حکم اس لئے ہوا کہ انسان کے گناہوں میں مبتلا ہونے والے پانچ اعضاء ہیں انسان اگر ان کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرے تو پانچ نمازوں کے پڑھنے سے وہ گناہ دھل جائیں۔

حدیث شریف اس لطیفہ کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تمہارے کسی ایک کے گھر کے سامنے نہر جاری ہو اور وہ اس میں دن اور رات میں پانچ بار نہائے تو بتائیے کہ کیا اس کے جسم پر میل کچیل رہ سکتی ہے؟ سب صحابہ کرام نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہی حالت پانچوں وقت نماز ادا کرنے والے کی ہے کہ جب وہ پانچ نمازیں (پابندی اور تعدیل ارکان اور صحیح طریق سے) پڑھتا ہے تو اللہ تعالے اس کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔

نکتہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ پانچ نمازیں دس گنا نیکیوں کے عطیے کے اظہار کے لئے ہیں اسی لئے اللہ تعالے نے فرمایا:

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا — جو کوئی ایک نیکی کرتا ہے اُسے دس کا ثواب نصیب ہوتا ہے

اسی لئے جو پانچ نمازیں پڑھے گا تو وہ پچاس نمازوں کا ثواب پائے گا۔ یہی پچاس نمازیں شب معراج فرض ہوئیں پھر تخفیف کرکے پانچ پر اکتفا کیا گیا۔

نکتہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ کعبہ کی پانچ پہاڑوں سے بنیاد رکھی گئی ہے وہ پانچ پہاڑ یہ ہیں:

① طور سینا
② طور زیتا
③ الجودی
④ حراء
⑤ ابو قبیس

کعبہ کے گرد طواف کرنے کو نماز کا درجہ دیا جانا اسی راز کی وجہ سے ہے۔

نکتہ نماز طواف سے افضل ہے صرف حج کرنے والے کے لئے نماز نفل سے طواف افضل ہے اور یہ خصوصی شرف صرف محل ومقام کی شرافت کی وجہ سے ہے ورنہ علے الاطلاق نماز طواف سے افضل ہے۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ پانچ نمازیں انسان کو اربع عناصر اور جمعیتہ کے عطیہ کے شکرانہ پر واجب ہوئی ہیں۔ اسی لئے نماز کے چار ارکان مقرر کئے گئے:

① قیام
② رکوع
③ سجود
④ قعود یعنے قعدہ

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالے کی مخلوق چار قسم کی ہے:

① قائم جیسے اشجار
② راکع جیسے جانور
③ قاعدہ (بیٹھنے والے) جیسے پہاڑ پتھر وغیرہ
④ ساجد جیسے ہوام یعنے کیڑے مکوڑے وغیرہ

اللہ تعالے نے امت مصطفویہ کو ان تمام کی عبادت کا بیک وقت طریقہ نصیب ہو تو انھیں نماز کی ہئیت کذائیہ کا حکم فرمایا اس طرح گویا نمازی کو جمیع عوالم کی عبادت کا مجموعہ نصیب ہوا۔

نکتہ: نماز کی مختلف رکعات میں بھی یہی راز ہے کہ اللہ تعالے کے بعض فرشتے چار پروں والے ہیں بعض تین اور بعض دو والے۔ جب بندہ نماز ادا کرتا ہے تو اسے گویا کہا جارہا ہے کہ یہ رکعات تیرے نورانی پر ہیں تو ان کے ذریعے اڑ کر اللہ تعالے سے واصل ہو جائے گا۔

نکتہ صوفیانہ: حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صبح کی دو رکعتیں جسم و روح کے مقابلہ میں اور چار رکعت والی نمازیں مراتب اربعہ یعنے

① طبیعتہ ② نفس
③ قلب ④ روح

کے مقابلہ میں اور مغرب کی تین رکعتیں عیسٰے علیہ السلام کے لئے تھیں چونکہ وہ مادۂ طبعیہ سے پاک تھے اسی لئے ان کے باقی تین مراتب کے مقابلہ میں یہی تین رکعتیں مقرر ہوئیں۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہٗ فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد نے کتاب "اللائحات الباقیات" میں فرمایا کہ اللیل لاتعین کی طرف اشارہ ہے اور جلال اطلاقی ذاتی حقیقی وجودی برائے کمال اطلاقی ذاتی حقیقی وجودی کا مرتبہ ہے اور النہار مرتبہ تعین کی طرف اشارہ ہے اور یہی جمال اطلاقی ذاتی حقیقی وجودی برائے کمال مذکورہ بالا کا مرتبہ ہے چونکہ فجر کی نماز اللیل و النہار پر مشتمل ہے اسی لئے اس کی دو رکعتوں میں دوئی اور تمایز بین المرتبتین المذکورتین کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی رکعت اُولیٰ مرتبۂ جلال اور دوسری رکعت مرتبۂ جمال کی طرف اشارہ کرتی ہے ان دونوں کو ملا کر پڑھنے میں کمال اور اجتماع جلال و جمال کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر دونوں مراتب بیک وقت اسی مذکورہ بالا کمال میں جمع ہو گئے ہیں۔

صلوٰۃ المغرب کا صوفیانہ نکتہ صلوٰۃ المغرب صلوٰۃ الفجر کے برعکس ہے تاکہ جو کچھ مرتبۂ الاحدیۃ الجامعۃ میں پوشیدہ ہے وہ ظاہر ہو۔ اس کی رکعت اولیٰ میں جلال اور رکعت ثانیہ میں جمال اور رکعت ثالثہ میں کمال جو جامع الجلال والجمال ہے) کی طرف اشارہ ہے۔

ف: مرتبہ لاتعین قوۃ کا مرتبہ ہے اور مرتبۂ تعین فعل کا مرتبہ ہے اگر مرتبۂ قوت نہ ہوتا تو مرتبۂ فعل کا ظہور ناممکن تھا۔ یاد رہے کہ مرتبہ قوت اجمال ہے اس کی تفصیل مرتبۂ فعل ہے اور واضح رہے کہ اگر مرتبہ قوت کا خزانہ نہ ہوتا تو فعل کا کرم و فضل کے وجود کو ظاہر بھی نہ ہونے دیتا۔

صلوٰۃ العشاء کا صوفیانہ نکتہ عشاء کی نماز کی چاروں رکعتیں چاروں تعینات اربعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں وہ تعینات اربعہ یہ ہیں:

(۱) ذاتیہ
(۲) اسمائیہ
(۳) صفاتیہ
(۴) افعالیہ

یہ چاروں مراتب مرتبہ لاتعین اور جلال بالقوہ ہیں سے ہے۔

صلوٰۃ الظہر کا صوفیانہ نکتہ نماز ظہر کی چاروں رکعتیں بھی چاروں مراتب کی طرف اشارہ کرتی ہیں لیکن یہ مرتبہ جمال کو فی بالفعل ہیں سے منتصور ہیں۔

دیگر عجیب نکتے فرائض وجود حقانی الٰہی (جو اکوان پر مطلقاً پھیلا ہوا ہے) کی طرف واجبات وجودات خلقیہ کونیہ اخصیہ کی طرف اور سنن وجودات خلقیہ کونیہ خاصیہ کی طرف اور مستحبات وجودات خلقیہ عامیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اشارہ کرتے ہیں

(صاحب روح البیان کے شیخ اور پیرومرشد کی کتاب اللائحات الباقیات میں اس قسم کے لطیفے اور نکتے تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔)

ردِ پرویزی اور چکڑالوی[1] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا قرآن مجید میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آیت فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظھرون میں پانچوں نمازوں کا صاف اور واضح بیان موجود ہے۔ اس لئے کہ تمسون سے مغرب وعشاء ہر دونوں نمازیں اور حین تصبحون سے فجر اور عشیا سے عصر اور حین تظھرون سے ظہر کی نماز اور تسبیح سے صلوٰۃ مراد ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں تسبیح بمعنے صلوٰۃ وارد ہوا۔

کما قال:

فلولا انہ کان من المسبحین

قرطبی نے المسبحین بمعنے من المصلین لکھا ہے۔

قاعدہ: کشاف میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ تسبیح بمعنے صلوٰۃ ہے۔

فائدہ صوفیانہ: اصلی نماز طہارت باطنیہ اور حضور قلب ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

روئے ناشستہ نہ بیند روئے حور

لا صلوٰۃ گفت الا بالطہور

حل لغات: طہور بالفتح مصدر بمعنے التطہیر۔ حدیث شریف میں ہے، مفتاح الصلوۃ الطہور۔ اور طہور وہ ہے کہ جس سے طہارت حاصل ہو۔ (کذا فی المغرب)

ترجمہ: منہ نہ دھونے والا سورج کو نہیں دیکھ سکتا اسی لئے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طہارت کے بغیر نماز ناجائز ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

طہارت ار نہ بخون جگر کند عاشق

بقول مفتی عشقش درست نیست نماز

---

[1] یہ فرقہ صرف قرآن مجید کو مانتا ہے اور حدیث کا منکر ہے اسی لئے وہ صرف تین نمازوں کا قائل ہے۔

ترجمہ: اگر عاشق خونِ جگر سے وضو نہ کرے تو عشق کے مفتی کا فتوے ہے کہ اس کی نمازِ عشق جائز نہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ اور ہم نے موسے علیہ السلام کو کتاب دی۔ اس سے تورات مراد ہے۔
موسے علیہ السلام کو تورات کوہ طور کی واپسی کے بعد ملی۔

وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ بنی اسرائیل کے لئے ہدایت تھی یعنے یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو حق اور صواب کی ہدایت دینے والی تھی یعنے اس کے اندر جو احکام و خطابات تھے ان کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو ہدایت نصیب ہوتی تھی۔
اَلَّا تَتَّخِذُوْا یہ اَن مفسرہ ہے ان اوامر و نواہی کی تفسیر کے لئے واقع ہوا جنھیں کتاب متضمن ہے گویا یہ ان بمعنے (تفسیریہ) ہے جیسے کتبت الیہ ان افعل کذا۔ میں اَن تفسیریہ بمعنے ای تفسیریہ ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالے نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ نہ بناؤ:
مِنْ دُوْنِیْ میرے سوا وَکِیْلًا ایسے پروردگار جو تمھاری مشکلات حل کریں اور تم اپنی مشکلات ان کو پیش کرو۔ یہاں پر من دونی غیری ہے لاتتخذوا کا مفعول اول ہے اس میں من زائدہ ہے ذُرِّیَّةَ یہ دراصل یا ذریۃ تھا۔ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اے وہ اولادِ آدم جنھیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا یا ذریۃ اختصاص یعنے اعنی محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ذریۃ کا مادہ ذَرَأَ ہے بمعنے خلق اس کا اطلاق شئے کی کثرت پر ہوتا ہے اسی ذراء سے ذریۃ (مثلثہ) ہے بمعنے نسل الثقلین (جن و انس)۔ (کذا فی القاموس)

اس سے موجودہ بنی اسرائیل کو توحید کے عقیدہ پر برانگیختہ کرکے تاکید کرنا مطلوب ہے گویا اللہ تعالے نے انھیں فرمایا کہ ہم نے تمھارے آباؤ و اجداد کو طوفان کے غرق ہونے سے بچا کر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں بٹھایا اور یہ ان کے لئے اتنا بڑا انعام تھا کہ ان کے معاصرین کو نصیب نہ ہوا بلکہ ان کے معاصرین کو طوفان میں ڈبو دیا گیا فلہذا تمھیں چاہیئے کہ تم اپنے آباؤ و اجداد کی اس نعمت عظمیٰ کو یاد کرکے توحید کا اقرار کرو اور اسی پر مضبوط ہو جاؤ۔

ف: کواشی نے لکھا ہے کہ اس سے صرف بنی اسرائیل پر منت نہیں لگائی گئی بلکہ بنو آدم پر اس لئے کہ جو لوگ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان سے بچے وہ ان سب کے آباؤ و اجداد تھے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنے آباؤ و اجداد کی طرح مومن ہو جاؤ جیسے وہ ایمان میں کامل و مکمل تھے تم ان کی پیروی کرتے ہوئے سچے اور پکے مومن ہو جاؤ۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس سے سام بن نوح علیہ السلام مراد ہیں اس لئے کہ یہی ابراہیم علیہ السلام کے جد اعلیٰ ہیں اور ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل کے جد امجد ہیں گویا اللہ تعالے نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ ہم نے تمھارے جد کو طوفان سے نجات دی۔ یہ ایک بہت بڑی نعمت تھی تم اسے یاد کرکے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اِنَّهٗ بے شک نوح علیہ السلام كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا تھے بندے بہت بڑے شکر گذار یعنے اپنے تمام معاملات

ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے تھے مثلاً جب طعام تناول فرماتے تو کہتے :

الحمد للہ الذی اطعمنی ولو شاء اجاعنی۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے طعام کھلایا اور وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا۔

جب پانی پیتے تو کہتے :

الحمد للہ الذی سقانی ولو شاء اظمأنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے پانی سے نوازا اگر چاہتا تو مجھے پیاسا رکھتا۔

جب کپڑے پہنتے تو کہتے :

الحمد للہ الذی کسانی ولو شاء جردنی۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے لباس سے نوازا اگر چاہتا تو مجھے ننگا رکھتا۔

جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو پڑھتے :

الحمد للہ الذی اخرج عنی اذاہ فی عافیۃ ولو شاء حبسہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے پاخانہ کی ایذا سے بچایا اور تندرستی بخشی اگر چاہتا تو اسے پیٹ کے اندر محبوس رکھتا۔

سیرتِ نوح علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ شام کو روزے کے افطار کے وقت جب آپ کی خدمت میں طعام پیش کیا جاتا تو آپ دیکھتے کہ آپ کے ساتھی اہل ایمان کو ان سے زیادہ طعام کا محتاج ہے تو آپ اپنا طعام اسے دے دیتے اور خود بھوکے رہ کر بھی شکر خداوندی بجالاتے۔

سبق : اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل ایمان کو ان کی پیروی کرنی چاہیئے اس لئے کہ طوفان سے بھی نجات ان کے شکر کی برکت سے نصیب ہوئی اور آپ کی اولاد کو برانگیختہ کیا گیا ہے کہ اپنے جدِ امجد کی اقتدا کر کے شرک سے بچو اس لئے کہ جرائم و معاصی میں سب سے بڑا جرم شرک ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ انہ کان عبدا شکورا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دکھ تکالیف اور پریشانیوں کو بھی نعمتِ الٰہی سمجھ کر ایسے شکر بجالاتے جیسے انھیں نعمت نصیب ہو گویا وہ ہر دونوں حالتوں میں یکساں اور برابر طور پر شکر گزار رہتے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام شکور رکھا۔ پھر جیسے وہ شکرِ خداوندی میں بے نظیر ثابت ہوئے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتوں سے انھیں مالا مال فرمایا تاکہ ان کے شکر کا احسن بدلہ ہو بلکہ ان کے صدقے ان کی اولاد کو بھی نعمتوں سے نوازا مثلاً انھیں طوفان سے نجات دے کر کشتیٔ نوح میں جگہ دی اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کو بھی ان کے طفیل نعمتیں بخشیں مثلاً انھیں تورات جیسی معتبر کتاب عنایت فرمائی کہ جس سے وہ ہدایت و رہبری پا کر

توحید سے بہرہ ور ہوئے جس کی برکت سے شرک سے نجات پاکر بہشت کے مستحق ٹھہرے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اور ہم نے بنی اسرائیل کے لئے فیصلہ فرمایا۔ یہ قضا الیہ سے ہے بمعنے انہاہ وابلغہ یعنے ہم نے انھیں وحی کے ذریعہ جتلایا اور واضح کیا۔ فِى الْكِتٰبِ کتاب تورات میں۔

سوال: وحی موسٰے علیہ السلام کی طرف آئی نہ کہ بنی اسرائیل کی طرف۔ اور تم یہاں پر بنی اسرائیل کے لئے کہہ رہے ہو۔

جواب: نبی علیہ السلام کی طرف وحی گویا امت کی طرف ہوتی اس لئے ہم نے بنی اسرائیل کا نام لیا ورنہ حقیقی مُراد تو موسٰے علیہ السلام ہیں۔

لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ یہاں قسم محذوف ہے یعنے بخدا تم علاقہ شام اور بیت المقدس میں فساد پھیلاؤ گے۔

مَرَّتَيْنِ یہ مصدر (مفعول مطلق) ہے لیکن اس کا عامل اپنا لفظ (فعل) نہیں گویا اس کا معنے ہے، افساداً بعد افساد فسادین ان کا پہلا فساد وہی ہے جب انھوں نے تورات کی مخالفت کی اور شعیا علیہ السلام کو شہید کر ڈالا اور ارمیا علیہ السلام کو قید کر دیا جب انھوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ اور وعظ و نصیحت کر کے اللہ تعالٰے کے عذاب سے ڈرایا۔

ف: ارمیا بتشدید الیا مع ضم الهمزة علی روایة الزمخشری وبضم الهمزة وکسرها مخففا علی روایة غیره اور قاموس میں ہے کہ ارمیا بالکسر ایک نبی علیہ السلام کا اسم گرامی ہے۔ اور ان کا دوسرا فساد پھیلانا وہی تھا جب کہ زکریا و یحیٰے علیہما السلام کو شہید کر ڈالا اور عیسٰے علیہ السلام کو شہید کرنے کے لئے بھی منصوبے بنائے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا اور تم اللہ تعالٰے کی طاعت سے تکبر کرو گے یعنے تم سرکش اللہ تعالٰے کی طاعت سے سرکشی کرو گے۔

ف: العلو یعنے العتو علی اللہ الجراة علیہ یعنی اللہ تعالٰے کے سامنے سرکشی اور جرأت کرنا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس قصہ میں بہت بڑا اختلاف ہے جس مفسر کو جس طرح کی روایت پہنچی اسی طرح انھوں نے بیان فرمائی۔ زیادہ صحیح اور مشہور تر وہ روایت ہے جسے مختار القصص و دیگر سیر کی کتب میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق لکھا ہے کہ جب ولایت شام میں بنی اسرائیل کی سلطنت صدیقہ از اولاد سلما کو سپرد ہوئی چونکہ وہ ضعیف تھا اور اعرج بھی اسی لئے اطراف کے بادشاہوں کو ایلیا کی سلطنت کا طمع دامنگیر ہوا انھوں نے سب سے پہلے سنجاریب موصل کے علاقہ پر قبضہ جمایا اس کے بعد سلما بادشاہ نے آذربیجان پر قبضہ پالیا ان ہر دونوں کو ایلیا پر فتح کا بھوت سوار ہوا ہر دونوں آپس میں برسر پیکار ہوتے اور بہت خون ریز جنگ ہوئی۔

ع

سپہداران سپہ درہم فگندند
صلائے مرگ در عالم فگندند
ز ہیکاں عالمے را ژالہ بگرفت
ز خون روئے زمین را لالہ گرفت

ترجمہ: لڑنے والوں کی سپاہ لڑنے لگی موت کی صدا جہان میں پھیلی جنگیوں کی جنگ سے جہاں پڑا اور پڑا زمین پر خون نے لالہ پھیلایا۔

ان دونوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر دونوں کو شکست ہوئی اور تمام غنیمت بنی اسرائیل کو نصیب ہوئی اس کے بعد پھر بادشاہ روم اور صقالیہ اور سلطان اندلس بہت بڑا لشکر لے کر بیت المقدس پر چڑھ دوڑا لیکن ہر تینوں کو اپنا اپنا لالچ تھا اس لئے بجائے بیت المقدس کو فتح کرنے کے آپس میں لڑائی شروع کر دی:

در افتادند ہمچوں شیر غراں
بگرز و نیزہ شمشیر براں

ترجمہ: شیر مست کی طرح آپس میں لڑے گرز، نیزوں اور تلواروں سے۔

بنی اسرائیل ان کی آپس کی لڑائی کے وقت یہ دعا مانگتے تھے:

اللهم اشتغل الظالمين بالظالمين واخرجنا من بينهم سالمين غانمين۔ اے اللہ! ظالموں کو ظالموں سے مشغول رکھ اور ہمیں درمیان میں محفوظ و مامون فرما۔

ان تینوں بادشاہوں کی لڑائی بڑے زوروں پر رہی۔ بالآخر تینوں کو شکست ہوئی اور شکست کھا کر اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے:

نہ جائے قرار و نہ جائے ستیز
نہادند ناکام رو در گریز!

ترجمہ: نہ قرار و جنگ بالآخر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

ان ہر تینوں کے اموال غنیمت بھی بنی اسرائیل کو حاصل ہوئے۔

بنی اسرائیل کی سرکشی کا آغاز جب بنی اسرائیل کو ان پانچوں بادشاہوں کی ان گنت دولت حاصل ہوئی تو ان کے دماغوں میں سرکشی اور بغاوت نے جگہ لی جیسا کہ انسان کی فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الانسان ليطغى ان راٰه استغنى بے شک انسان سرکشی کرتا ہے جب دولت مند ہو جاتا ہے۔

اسی فطرت پر بنی اسرائیل پر سرکشی و بغاوت کا بھوت سوار ہوا تو انھوں نے تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ حضرت ارمیا علیہ السلام نے انھیں ہر چند سمجھایا اور خوف الٰہی یاد دلایا اور عذاب خداوندی سے ڈرایا لیکن انھوں نے ایک نہ مانی۔ پھر انھوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم نے تورات میں پڑھا ہے کہ تم لوگ دو بارہ فساد ڈالو گے۔ یاد رکھو ان دونوں فسادوں کا آغاز تم کر رہے ہو اگر تم اس سے باز نہ آئے تو عذاب الٰہی تمھاری بیخ کنی فرمائے گا لیکن چونکہ ان پر دولت کا بھوت سوار تھا اس لئے نہ مانے۔

بخت نصر سنجاریب کا کاتب تھا جب کہ سنجاریب فوت ہوا تو اسے وصیت کی کہ جہاں تک ہو سکے بیت المقدس پر ضرور حملہ کرنا اور اسے اپنے قبضہ میں لینا۔ سنجاریب کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کر دیا۔ بالآخر فتحیاب ہوا۔ اس نے بیت المقدس کو خراب کر دیا اور تورات کو آگ میں جلا دیا اور بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمیوں کو قید کر دیا۔ یہ بنی اسرائیل کی بربادی و تباہی کا پہلا واقعہ ہے۔

بیت المقدس دوبارہ آباد ہوا

کواشی ہمدانی نے بنی اسرائیل کی ایک عورت سے شادی کی ہوئی تھی اسے ایلیا (بیت المقدس) کی آبادی کا خیال ہوا تو اس نے اپنی ذاتی جائیداد سے اسے دوبارہ آباد کیا۔ یہاں تیس ہزار مکان بنوائے تیس سال تک اس کی تعمیر میں مشغول رہا یہاں تک کہ پہلے کی طرح بیت المقدس آباد ہوا اس طرح بنی اسرائیل کو دوبارہ خوشحالی کا موقع ملا۔ اور پہلے کی طرح ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرنے لگے لیکن انسان کو جب دولت ملتی ہے تو اپنی پچھلی حالت کو بھول جاتا ہے۔ بنا بریں انہیں پھر سرکشی اور بغاوت کا بھوت سوار ہوا تو زکریا و یحیٰے علیہما السلام کو شہید کر ڈالا۔ اور عیسٰے علیہ السلام کو بھی شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن ناکام رہے اللہ تعالٰے کو ناراضگی ہوئی تو ان پر دوبارہ طرطوس رومی کو مسلط کر دیا اس نے دوبارہ بیت المقدس کو ویران کرایا اور بنی اسرائیل کے تمام اموال و اسباب چھین لئے۔

کما قال تعالٰے :

فَاِذَا جَآءَ پس جب آیا وَعْدُ اُولٰىهُمَا ان کا پہلا وعدہ یعنے جب ان کے موعودہ عذاب کا وقت پہنچا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ تو ہم نے ان کی غلطیوں کے مواخذہ کے لئے کھڑا کیا۔ عِبَادًا لَّنَآ اپنے بندوں کو۔

ف : اکثر عباد کی اضافت اللہ تعالٰے کی طرف اور عبید کی مخلوق کی طرف آتی ہے۔

سوال : جنھوں نے بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کیا وہ تو اللہ تعالٰے کے باغی اور کافر و طاغی تھے اللہ تعالٰے نے انھیں بندے کیوں کہا ؟

جواب[1] : کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ اضافت تعظیم و تکریم کے لئے نہیں بلکہ یہ اضافت محض تخلیق کی وجہ سے ہے یعنے ہم نے اپنے وہ بندے ان پر مسلط کئے جنھیں ہم نے پیدا فرمایا مفسرین فرماتے ہیں اس سے بخت نصر مراد ہے یہی قول صحیح تر ہے۔

جواب[2] : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ اضافت اس لئے ہے کہ اللہ تعالٰے نے انھیں بتایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کا مواخذہ صفت قہاری سے لیا اور اس کا مظہر انھیں بنایا جو قہر و غضب کے مصداق ہیں اس لحاظ سے یہ اضافت صحیح ہوئی ورنہ کفار کے لئے تعظیم و تکریم کا کیا معنے اور وہ تعظیم و تکریم کے اہل کہاں۔

اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ وہ سخت گرفت والے تھے یہ ظل ظلیل کی طرح موصوف صفت ہیں او۔ باس بمعنے شدت بھی آتا ہے یعنے وہ بخت نصر وغیرہ جنگ وغیرہ میں سخت گرفت کرتے تھے۔

ف : ومیاطی نے لکھا کہ ان کی آواز رعد کی طرح گرجدار تھی۔ یاد رہے کہ بخت نصر بابل کے مجوسیوں میں سے تھا۔ بخت بالضم بہ

دراصل بوخت تھا بمعنے ابن اور نصر بفتح النون و الصاد المشدد والراء المہملہ بت کا نام ہے۔ چونکہ بخت نصر اسی بت کے قریب پایا گیا اس لئے اسے اسی نام سے موسوم کیا گیا اور اس کے متعلق کسی کو علم تک نہ ہو سکا کہ اس کا باپ کون ہے کہ جس کی طرف اسے منسوب کیا جا سکے (گویا وہ ولد الزنا تھا)۔

بخت نصر اس وقت ہراست بن کے اجواد کی طرف سے عراق کا گورنر تھا چونکہ ہراست بن کے اجواد ترک کی جنگ میں معروف تھا اس لئے اپنے اسی گورنر بخت نصر کو بنی اسرائیل کی سرکوبی کے لئے بیت المقدس کی طرف بھیجا اور بنی اسرائیل کی تباہی کا یہی پہلا واقعہ ہے۔

فَجَاسُوْا الجوس سے ہے بمعنے التردد خلال الدور والبیوت فی الغارۃ یعنے وہ تمہارے برباد و تباہ کرنے کے لئے بار بار تمہارے ہاں آئے۔ خِلٰلَ الدِّيَارِ قاموس میں ہے کہ (الخلال منفرج ما بین الشیئین) دو چیزوں کے مابین سوراخ کو خلال کہا جاتا ہے۔ اور بادل پر مستعمل ہو تو بمعنے مخارج الماء اور خلال الدار سے ان کے گھروں اور مکانات کے مخارج مراد ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ یہ مفرد ہو بمعنے الوسط اور اسے خلل کی جمع بھی کہا جاتا ہے بمعنے الاوساط جیسے جبل اور جبال بروزن خلل و جلال اور الدیار، الدار کی جمع ہے وہ جگہ جو مختلف عمارتوں کی جامع ہو اسی طرح خالی میدان کو بھی دیار کہا جاتا ہے اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ وہ تمہارے گھروں میں گھسے اور تمہارے بعض کو قتل اور بعض کو قیدی بنایا اور تمہارے اموال و اسباب لوٹے اور تمہارے علماء اور تمہارے لیڈروں کو مار مٹایا اور تورات کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا اور تمہارے ستر ہزار آدمیوں کو قید کیا یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ظالموں نے ایک دوسرے پر حملے نہیں کئے تھے اور یہی اللہ تعالٰے کا طریقہ رہا ہے کہ جس نے رعایا کو آرام پہنچایا اس کی سلطنت کو برقرار رکھا اور جس نے رعایا پر ظلم و ستم ڈھائے اس سے سلطنت چھین کر دوسرے کو دے دی۔ وَكَانَ اور ان کے عذاب کا تھا وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ایسا ضروری وعدہ کہ جس نے ہو کر رہنا تھا۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ پھر ہم نے تمہاری باری کو لوٹایا پھر ہم نے دولت و سلطنت عطا کی جنہوں نے تمہارے اوپر غلبہ پایا تھا تم نے ان پر غلبہ پا لیا جیسے انھوں نے تمہارے ساتھ سلوک کیا تم نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا یعنے جب تم نے گناہوں سے توبہ کی اور غلطیوں سے بالکل آزاد ہو گئے تو ہم نے تمہیں پہلے کی طرح خوشحال فرمایا خلاصہ یہ کہ ان کے غلبہ پا جانے کے بعد تمہیں غلبہ نصیب ہوا۔

ف: الکرۃ کا اصلی معنے الدورۃ ہے اور عَلَيْهِمْ اسی کے متعلق ہے مثلاً کہا جاتا ہے وکر علیہ ای عطف۔

حکایت کواشں ہمدانی نے ایک بنی اسرائیل عورت سے نکاح کیا ہوا تھا اس نے بابل والوں سے جنگ کی اور ان پر فتحیاب ہوا تو اس کی عورت نے کہا کہ بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں آباد کیجئے۔ چنانچہ اپنی عورت کے کہنے پر کواش ہمدانی نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس واپس دے دیا اور اس میں پھر دوسری بار یہ لوگ رہنے لگے۔

الکرۃ سے مراد یہ ہے کہ بخت نصر نے قتل و غارت کی اور بنی اسرائیل کے لوگوں کو مقید کیا۔ کواش ہمدانی نے قید سے چھڑا

کرانھیں بیت المقدس واپس دے دیا اور بنی اسرائیل پہلے کی طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگے۔

وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ اور ہم نے تمھاری مدد مال سے کی یہ امد الجیش سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب لشکر قوت اور کثرت پا جائے یعنے باوجویکہ تمھارے مال واسباب تم سے چھینے گئے لیکن ہم نے تمھیں بہت زیادہ مال عطا فرمایا۔ وَبَنِيْنَ اور بہت سے لڑکے باوجویکہ اس سے قبل وہ مقید ہو چکے تھے۔ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اور ہم نے تمھاری گنتی کو بڑھا دیا یعنے پھر تم پہلے سے زائد ہو گئے یا یہ معنےٰ ہے کہ تم اپنے اپنے دشمن کے لشکر سے بڑھ گئے۔ نفیرا ینفرا الرجل من قومہ سے ہے یعنے فلاں اپنی قوم کے ساتھ جاتا ہے۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ اگر تم نیکی کرو تو تمھارے فائدہ کے لئے اور اگر تم برائی کرو تو تمھارا نقصان ہے یعنے اعمال کا اچھا یا برا ہونا تمھارے ساتھ مخصوص ہے یعنے اس کا نفع یا نقصان صرف تمھیں ہوگا تمھارے سے متجاوز ہو کر دوسرے کو نہیں پہنچے گا۔ اعمال کا ثواب اور برائی کا وبال نیکی یا برائی کرنے والا خود پائے گا دوسرا اس کے ساتھ شریک نہ ہوگا۔ یہ لام اپنے اصل پر ہے یعنے بمعنے اختصاص ہے۔

ف: تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ اہل تصوف فرماتے ہیں کہ احسنتم کا تکرار اور اسأتم کو ایک بار لانے میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ احسنتم کا تکرار نہ ہو۔

فَاِذَا جَآءَ پس جب کہ آئے گا وَعْدُ الْاٰخِرَةِ آخری وعدہ یعنے بنی اسرائیل کو قبل ازیں فرمایا گیا کہ تم دو فساد پھیلاؤ گے تو تمھیں دوبارہ تباہ و برباد کیا جائے گا جب ان کے آخری فساد کا وقت آگیا تو ہماری طرف سے مقرر کردہ سزا کا وقت بھی آ گیا۔ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ تاکہ برائیاں پہنچائیں تمھارے چہروں پر یہ ساءہ مساءۃ سے ہے فعل بہ ما یکرہ کسی سے وہ کام کرنا جس سے کسی کو پریشانی ہو اور لیسوءا فعل محذوف کے متعلق ہے جیسا کہ سابق مضمون اس پر دلالت کرتا ہے یعنے جب اے اسرائیلو! تم نے فساد پھیلانے کی حد کر دی تو ہم نے بھی تمھارے لئے مخالف کھڑے کر دیئے تاکہ تمھارے چہروں میں حزن و ملال اور پریشانی ظاہر کر دکھلائیں یہاں پر وجوہ سے حقیقتاً چہرے مراد ہیں وہ اس لئے کہ جب کسی کو قلب پر درد و آلام گھیرتے ہیں تو ان کے علامات چہرہ پر نمایاں ہوتے ہیں۔

ف: الکواشی میں ہے کہ چہروں کا نام لے کر ان کے اہل مراد لئے ہیں چونکہ حزن و ملال کا اظہار سب سے پہلے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے اسی لئے وجوہ (چہرے) کا نام لیا گیا ہے۔

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ اور تاکہ مسجد یعنے بیت المقدس میں داخل ہو کر اسے خراب کریں۔ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ جیسے پہلی بار مسجد اقصےٰ میں داخل ہو کر اسے خراب اور ویران کر ڈالا۔ وَّلِيُتَبِّرُوْا اور تاکہ ہلاکت اور تباہی کر ڈالیں۔ مَا عَلَوْا ہر اس شے پر کہ وہ غلبہ پا کر انھیں اپنے قابو میں لے لیں یا جب تک وہ برسر اقتدار رہیں۔ تَتْبِيْرًا ایسی سخت تباہی و بربادی جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے طرطوس رومی اور اس کا لشکر وغیرہ مراد ہے جیسے تفصیل پہلے گذری ہے۔

واقعہ تباہی بنی اسرائیل

مروی ہے کہ بنی اسرائیل پر فارس کے لوگوں نے غلبہ پایا ملوک الطوائف میں ایک بادشاہ مسمی ہردوس نے ان سے جنگ کی اور اپنے جرنیل لشکر سے کہا کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ جب بنی اسرائیل پر غلبہ پاؤں گا تو انھیں قتل کر کے ان کا خون لشکر کے درمیان بہتا ہوا دیکھوں گا فلہٰذا انھیں پکڑ کر خوب قتل کرو یہاں تک کہ لشکر میں خون کی ندیاں بہتی ہوئیں نظر آئیں تاکہ میں قسم کو پورا کر سکوں چنانچہ بیت المقدس میں داخل ہو کر اس جگہ کے قریب کھڑا ہوا جہاں بنی اسرائیل اپنی قربانیاں ذبح کرتے تھے وہاں دیکھا کہ خون جوش مار رہا ہے۔ پوچھا یہ کیا؟ بنی اسرائیل نے جواب دیا کہ ہم نے اپنی قربانیاں بارگاہ حق میں پیش کی ہیں لیکن قبول نہیں ہوئیں۔ حالانکہ وہ ان کا صریح جھوٹ تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نے سچی بات نہیں کہی اس لئے میں تمھارے لیڈروں، جوانوں اور عورتوں کو چن چن کر قتل کراتا ہوں چنانچہ ستر ہزار افراد کو وہیں پر قتل کرا دیا۔ پھر ان سے کہا کہ اگر تم سچ نہیں کہو گے تو میں تمھارا ایک بچہ بھی نہیں چھوڑوں گا۔ ورنہ صاف بتا دو کہ یہ خون کیسا ہے انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی (علیہ السلام) کا خون ہے۔ ہم نے انھیں اس لئے قتل کر ڈالا ہے کہ وہ ہمیں برائیوں سے روکتا تھا اور کہتا کہ اگر باز نہ آؤ گے تو تمھارے اوپر فارس کا بادشاہ مسلط ہو جائے گا لیکن ہم نے ان کی بات سے غصہ منایا بجائے ان کی تصدیق کے ہم نے انھیں قتل کر ڈالا یہ خون انہی کا ہے۔ یہ شہید شدہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ اب تم نے سچ کہا اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے تم سے لے لیا کہ تمھارے ستر ہزار افراد تھے۔

ف: جس بادشاہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرایا اس کا نام لاخت تھا ان کے قتل پر اسے ایک عورت نے اکسایا جس کا نام اربیل تھا اور اس بدبخت عورت نے سات انبیاء علیہم السلام کو شہید کرایا تھا۔ یاد رہے کہ یحییٰ علیہ السلام کا قتل عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد واقع ہوا۔

بادشاہ فارس نے جب دیکھا کہ اب بنی اسرائیل نے سچ کہا ہے تو بادشاہ سربسجود ہو کر کہنے لگا کہ اے یحییٰ علیہ السلام آپ جانتے ہیں کہ میرے اور تیرے رب تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں سے آپ کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب اپنا خون باذن اللہ تعالیٰ کے حکم سے روک لیجئے ورنہ میں بنی اسرائیل کا ایک بچہ زمین پر باقی نہیں چھوڑوں گا سب کو قتل کر دوں گا۔ بادشاہ کا قول سن کر وہ خون زمین میں دب گیا۔

اس کے بعد جرنیل لشکر نے بنی اسرائیل کو کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم ہوا ہے کہ میں تمھارا خون ندی نالوں کی طرح بہاؤں بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم راضی ہیں لیکن جرنیل لشکر رحم دل تھا اس لئے بجائے انسانوں کے ان جانوروں کو ذبح کر دیا جس سے خوب خون کی نہریں جاری ہوئیں اس سے بادشاہ کی قسم بھی پوری ہوتی اور بنی اسرائیل بھی بچ گئے اسی لئے جب بادشاہ نے خون بہتا ہوا دیکھا تو جرنیل لشکر سے کہا کہ اب بنی اسرائیل کو قتل کرنا روک دو۔ اس وقت سے بنی اسرائیل سے نہ صرف بادشاہت اور سلطنت چھین لی گئی بلکہ ان پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی۔ بادشاہ ان سے فراغت پا کر واپس بابل چلا گیا یہی بنی اسرائیل کی ذلت و خواری کا آخری واقعہ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک بیت المقدس ویران و غیر آباد رہا ان کے حکم سے مسلمانوں نے بیت المقدس کو آباد کیا۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ تورات میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لکھا تھا کہ بنی اسرائیل آن دونوں سزاؤں کے بعد وعدہ فرمایا :
عَسٰی رَبُّکُمْ اے بنی اسرائیل شاید تمھارا رب تعالیٰ **اَنْ یَّرْحَمَکُمْ** یہ کہ تمھارے اوپر رحمت فرمائے یعنے اگر تم توبہ کرو اور گناہوں کو چھوڑ دو تو دوبارہ اللہ تعالیٰ تمھاری توبہ قبول کر کے تمھارے حال پر رحم فرمائے گا **وَاِنْ عُدْتُّمْ** اگر بار ثالث گناہوں کی طرف رجوع کرو ۔

ف : سعدی المفتی نے فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہاں دوبارہ مراد ہے اس لئے کہ عود دوبارہ فعل کو عمل میں لانے کو کہا جاتا ہے اور الاوّل . یعنے ابتداء اور عود اسی کو کہا جاتا ہے جہاں اوّل ہو اور یہ لوگ قبطیوں کے قبضے میں ایک عرصہ تک رہے ۔

عُدْنَا ہم بھی لوٹیں گے تمھاری سزا کی طرف یعنے انھوں نے جرائم ومعاصی کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ بھی انھیں عذاب اور سزا دے گا مثلاً ان پر ظالم لوگوں کو مسلط فرمائے گا پھر وہ ان کے ساتھ وہی کریں گے جو مظلوموں پر ظالم کرتے ہیں یا اس سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکذبین کی طرف اشارہ ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم میرے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ان کے شہید کرنے وغیرہ کا قصد کرو گے تو ہم تمھارے اوپر دوسروں کو مسلط کر دیں گے چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ جب یہود نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے تو اللہ تعالیٰ نے قریظہ کو قتل اور بنی نضیر کو شہر بدر کرایا اور ان کے باقیوں پر جزیہ قائم کرایا وہ نہایت ذلیل ہو کر جزیہ ادا کرتے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اہل ایمان سے مار کھاتے رہیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجیہ میں ہے : وان عدتم یعنے اے سالکو ! اگر تم جہل کی طرف لوٹو گے عدنا تو ہم عدل بلکہ فضل کی طرف لوٹیں گے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) چونکہ بد کردی تبرس ایمں مباش
زانکہ تخمست و برویاند خداش

(۲) چند گاہے او بپوشاند کہ تا
آید آخر زان پشیماں تو را

(۳) بارہا پوشد پے اظہار فضل
باز گیرد از پے اظہار عدل

(۴) تا کہ این ہر دو صفت ظاہر شود
آن مبشر گردد این منذر ایں

ترجمہ (۱) جب برائی کی تو بے غم نہ ہو اس لئے کہ جو تخم بوؤ گے وہی پیدا ہوگا ۔
(۲) کتنا گناہ کرو تب بھی پوشیدہ رکھتا ہے تاکہ تمھیں پریشانی نہ ہو ۔

(۳) گناہ چھپانا اس کا فضل ہے لیکن کبھی پکڑتا ہے تو وہ اس کا عدل ہے۔

(۴) تاکہ اس کی دونوں صفتوں کا اظہار ہو اس لئے اس کی صفت ستار بھی ہے اور منتقم بھی۔

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○ اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے جس میں وہ ہمیشہ تک بند رہیں گے اس سے کبھی انہیں باہر نہیں نکالا جائے گا۔ حصیدا بروزن فعیل بمعنے فاعل حاصر یعنے جہنم کافروں کو بند رکھنے والی ہے اور انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔

سوال: جہنم مؤنث سماعی ہے اس کے لئے حصیرۃ ہونا چاہیئے تھا حصیرا کیوں کہا گیا ہے۔

جواب(۱): یہ وزن نسبتی ہے جیسے لابن یعنے سلنبد اور تامر کھجور فروش میں وزن فاعل نسبتی ہے۔

جواب(۲): فعیل بمعنے مفعول ہے۔

جواب(۳): لفظ جہنم کی لفظی مناسبت سے مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے یعنے اگرچہ مؤنث سماعی ہے لیکن چونکہ بظاہر اس میں علامت تانیث نہیں اس لئے اس کے لفظ کو مذکر قرار دے کر اس کے لئے صیغہ حصیر بمعنے بساط یعنے بچھونا یعنے جہنم بچھونے کی طرح یا چٹائی کی طرح ہے کہ جیسے چٹائی کے اجزا ایک دوسرے سے مل کر مضبوط ہوتے ہیں جہنم کے دریچے وغیرہ بھی ایک دوسرے سے ایسے ہی مل کر مضبوط ہیں۔

ف: اللہ تعالے مجھے اور تمام اہل ایمان کو جہنم سے محفوظ فرمائے یہ اللہ تعالیٰ کا قید خانہ ہے اسے اللہ تعالے نے اپنے باغیوں سرکشوں اور اس کی ذات کے منکروں اور کافروں اور مشرکوں اور منافقین اور اہل کبائر مومنین کے لئے بنایا ہے

مسئلہ: اہل کبائر مومنین کو جہنم سے انبیاء و اولیاء اور صلحاء کی شفاعت سے نکالا جائے گا اور بعض کو محض اپنے فضل و کرم سے۔

ف: دوزخ کو چونکہ طالع ثور سے پیدا فرمایا ہے اسی لئے یہ بھینس کی شکل میں ہے اور اس کے اندر جتنا اللہ تعالے نے درد و آلام پیدا فرمایا ہے وہ تمام اس کی صفت غضب کے ظہور پر مبنی ہوگا۔ اور یہ اس وقت پیدا نہیں ہوگا جب انس و جن دوزخ میں داخل ہوں گے۔ بلکہ یہ صفت غضب قدیم ہے البتہ اس کا ظہور اس کے اہل کی تخلیق سے ہوگا۔

ف: جنھیں دوزخ میں کسی دوسری وجہ سے رکھا جائے گا یعنے سزا کے طور پر نہیں بلکہ ویسے ہی تو انھیں جہنم کے عذاب کا درد و الم نہیں ہوگا مثلاً دوزخ کے نگران فرشتے وغیرہ وغیرہ ان کے لئے جہنم میں اللہ تعالے کی رحمت ہی رحمت ہو گی اور رحمت میں غوطہ زن ہو کر اس سے تلذذ پاتے ہیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف ہیں۔

سبق سمجھدار انسان وہ ہے جو دوزخ کے ان اسباب سے بھی دور رہے جو اسے جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ ہر صبح و شام دوزخ کی سردی اور گرمی سے پناہ مانگتا ہوا اللہ تعالے کی رحمت سے پر اُمید رہے۔ لیکن ہمارا یہ سبق اسے فائدہ دے گا جسے تسلیم و رضا اور نبوت سے گہری عقیدت ہے اور کتاب و سنت کا گہرا مطالعہ یا کم از کم ان کے ارشادات کو اپنے لئے مشعل راہ سمجھتا ہے۔ اللہ تعالے ہم سب کو مخالفت اور معاصی و جرائم سے بچا کر ہر وقت اور ہر گھڑی شریعت کی

موافقت اور اپنی اور اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طاعت سے وافر حصہ نصیب فرمائے اور اپنی طرف متوجہ ہونے والوں، مخلصین اور اپنے عذاب سے بچنے والوں سے بنائے۔ (آمین)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ بے شک یہی قرآن جو اے پیارے حبیب محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ یَهْدِیْ یہ تمام لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے کسی مخصوص گروہ کی ہدایت کے لئے نازل نہیں ہوا۔ ہاں پہلی کتابوں کے لئے یہ طریقہ تھا کہ وہ مخصوص گروہ کے لئے نازل ہوتی تھیں مثلاً تورات صرف حضرت موسےٰ علیہ السلام کی امت کے لئے اور انجیل صرف حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی امت کے لئے۔ لِلَّتِیْ ایسے طریقہ کے لئے هِیَ اَقْوَمُ جو تمام راستوں سے اقوم اور زیادہ مضبوط اور صحیح ترین ہے اس لئے ملت اسلام اور توحید مراد ہے اور اس کے ہادی ہونے سے مُراد یہ ہے کہ جو بھی اس کا دامن تھام لیتا ہے تو لازماً وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ اور یہ صرف اہل ایمان کا خاصہ ہے۔ وَیُبَشِّرُ اور مژدہ بہار سناتا ہے۔ الْمُؤْمِنِیْنَ اہل ایمان کو کہ اے مسلمانو! تم نے قرآن مجید کے جن احکام اور شرائع پر عمل کیا ان کی جزا کی تمھیں خوشی ہو۔ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ یعنے وہ مومن جو نیکیوں پر عمل کرتے ہیں اور نیکیوں کی تفصیل خود قرآن پاک بتاتا ہے۔ اَنَّ لَهُمْ باین طور کہ انھیں ان کے اعمال کے بدلے میں اَجْرًا كَبِیْرًا ○ بہت بڑا اجر نصیب ہوگا یعنے اصل بھی اور ان پر دس گناہ بھی یا اس سے بھی اور زائد۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ بہت بڑی مزدوری سے بہشت مراد ہے۔

نکتہ: بہشت کو بہت اجر سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ بہشت میں دنیا و مافیہا کی تمام نعمتوں کو حقیر سمجھا جائے گا۔

وَّاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اور بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کے احکام بعث و نشر اور حساب و کتاب کو مانتے ہیں حالانکہ انھیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اَعْتَدْنَا لَهُمْ ان کے کفر اور آخرت کے وجود کے انکار کی وجہ سے ہم نے ان کے لئے تیار کیا ہے۔ عَذَابًا اَلِیْمًا ○ دردناک عذاب۔ اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔ اس جملہ کا عطف یبشر پر ہے اس سے قبل یخبر فعل محذوف ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف ان لهم اجرا کبیرا پر ہو۔ اب معنے یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ اہلِ ایمان کو دو بشارتیں دیتا ہے:

① ان کو ثواب

② ان کے دشمنوں کو عذاب

اس لئے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے دشمن کی ذلت و خواری سے خوش ہوتا ہے۔

ے

یا وصال یار یا مرگ عدو
بازیٔ چرخ زیں دو یک کارے کند

ترجمہ: یا وصال یار یا دشمن کی موت، آسمان کا کھیل ان دونوں سے خالی نہیں۔

ف: قرآن مجید اسم ہادی کا مظہر ہے قرآن مجید صامت یعنی خاموش کتاب اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ناطق یعنی بولنے والی کتاب ہیں۔ اسی طرح آپ کے وارثین کاملین اولیاء کرام بھی ناطق کتاب ہیں۔

ف: قرآن مجید ہر اس خوش بخت کے لئے نافع ہے جو اس کی رہبری و ارشاد کے مطابق عمل کرتا ہے اس لئے کہ قرآن مجید نے جملہ امور دین و دنیا کو بیان فرمایا ہے کہیں ان کا بیان تفصیل سے آیا ہے اور کہیں اجمال کے ساتھ۔

جمیع العلوم فی القرآن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا:

اگر تم دارین کی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو تو قرآن مجید کا گہری نظر سے مطالعہ کرو کیونکہ یہ اولین و آخرین علوم کا مجموعہ ہے۔

حکایت: کسی بزرگ کو خیال گذرا کہ قرآن مجید میں سے کوئی ایسی آیت مل جائے جس میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد کی (صراحۃً یا اشارۃً) تائید ہو۔

یخرج روح المومن جسدہٖ کما من یخرج الشعیر من العجین — مومن کی روح جسم سے ایسے نکالی جاتی ہے جیسے آٹے سے بال۔

چنانچہ اسی ارادہ پر قرآن مجید کو نہایت غور و فکر اور گہری نظر سے اول تا آخر پڑھا لیکن اسے اس قسم کی کوئی آیت نہ ملی۔ خواب میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ کی خدمت میں اپنا مقصد پیش کیا اور عرض کی قرآن مجید کا دعوےٰ ہے:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین — ہر خشک و تر قرآن مجید میں ہے۔

لیکن مجھے میرا مقصد حاصل نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے مسئلہ کا حل سورۂ یوسف میں ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں جب میں بیدار ہوا تو سورہ یوسف پڑھی اس میں یہ ملی:

فلما رأینہ اکبرنہ و قطعن ایدیھن — جب زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ایسی مدہوش ہوئیں کہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے لیکن اس کا انہیں احساس تک نہ ہوا۔

اسی طرح جب نزع روح کے وقت ملائکہ رحمت کو دیکھتا ہے اور پھر اسے بہشت کے انعامات سے نوازا جاتا ہے تو اسے نزع روح کی تکالیف محسوس نہیں ہوتیں۔

سبق: اس حکایت سے ہر وہ شخص عبرت حاصل کرے جسے خوف خدا ہے اسی وجہ سے تلاوت قرآن مجید کی برکات سے بہرہ ور ہوتا تھا۔

مسئلہ: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے پہلے قرآن مجید کو ختم کرنے سے روکا ہے بلکہ فرمایا:

لم یفقہ۔

یعنے جس نے تین دن سے پہلے قرآن مجید ختم کیا تو اس نے کچھ بھی نہیں سمجھا یعنے جلدی کی وجہ سے اسے تدبر و تفکر کا موقعہ نصیب نہ ہوگا۔

مسئلہ: حدیث شریف مذکورہ کے حکم کے مطابق قرآن مجید تین یا تین سے زائد دنوں میں ختم کرنا چاہیئے تاکہ تلاوت قرآن مجید سے جی خوش ہو اور اس کے اندر تدبر و تفکر کا موقعہ نصیب ہو۔ اسی وجہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ ہر جمعہ کو قرآن مجید ختم کرتے تھے یعنے ہفتہ میں ایک ختم پڑھا کرتے تھے۔ بعض بزرگ ایک مہینہ میں ایک ختم کرتے بعض سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ سال میں صرف ایک ختم کرتے تھے۔ یہ صرف تدبر و تفکر کی وجہ سے بعض زیادہ تدبر و تفکر میں لگے رہتے تو سارا سال گزر جاتا بعض اس پر ایک ماہ وقت خرچ کرتے۔

مسئلہ: ختم قرآن مجید کے بعد دعا مانگنے کو غنیمت سمجھے اور نہایت خلوص اور حضور قلب سے دعا مانگے اس وقت کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ختم قرآن مجید کے وقت موجود ہوتا ہے گویا وہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حاضر ہوا اور جو قرآن مجید کے افتتاح میں حاضر ہوا گویا وہ جنگ کی فتح و نصرت کے وقت حاضر ہوا۔

ف: افتتاح و اختتام کی حاضری سے دونوں سعادتیں نصیب ہوتی ہیں تیسرا شیطان کو ذلت و خواری میں ڈالنے کا موقعہ ملتا ہے

مسئلہ: جزری نے فرمایا کہ دعا میں نہایت عجز و انکساری کرنی چاہیئے اور دعا کے وقت اہم مقاصد کے لئے جامع الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ دنیوی مقاصد ہوں تو بھی کوئی حرج نہیں بہتر ہے کہ آخرت و اہل اسلام کی خیر خواہی اور بادشاہاں اور حکام اسلام کی اصلاح اور ان کے لئے طاعات و عبادات کی توفیق اور ان کی مخالفات سے بچے بلکہ ان کے تعاون علے البر و التقوی اور انہیں حق پر قائم رہنے اور اعدائے اسلام پر فتح و نصرت کی دعا مانگے۔

ختم القرآن کی دعا: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ ادعیہ میں سے ایک دعا یہ ہے:

اللهم ارحمني بالقرآن العظيم واجعله لي	اے اللہ قرآن مجید کے طفیل مجھ پر رحم فرما اور اسے میرا
اماما ونورا وهدى ورحمة اللهم ذكرني	امام اور نور اور ہدایت و رحمت بنا مجھے وہ یاد دلا جو میں اس
منه ما نسيت وعلمني منه ما جهلت وارزقني	سے بھولا اور مجھے سے بے خبر ہوا اور مجھے اس کی رات اور
تلاوته آناء الليل واطراف النهار واجعله	دن کی گھڑیوں میں تلاوت کی توفیق بخش۔ اے رب العالمین!
حجة لي يا رب العالمين	اسے میرے لئے حجت بنا۔

ف: حضرت ابو القاسم ہمیشہ ختم قرآن مجید کے بعد مندرج ذیل دعا مانگتے تھے۔

اللهم انا عبیدك و ابناء عبیدك و ابناء آمائك ماض فینا حکمك عدل فینا قضاؤك نسألك اللهم بکل اسم هو لك سمیت به نفسك او علمته احدا من خلقك او انزلته فی شیٔ من کتابك اواستاثرت به فی علم الغیب عندك ان تجعل القرآن ربیع قلوبنا و شفاء صدورنا و جلاؤ احزاننا وهمومنا و سائقنا و قائدنا الیك والی جناتك جنات النعیم و دارك و دارالسلام مع الذین انعمت علیهم من النبیین و الصدیقین والصالحین برحمتك۔ یا ارحم الراحمین۔

اے اللہ! ہم سب تیرے بندے اور تیرے بندوں اور تیری کنیزوں کی اولاد ہیں ہمارے اوپر تیرا فیصلہ نافذ اور تیرا ہر فیصلہ ہمارے لئے عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ ہم تجھ سے تیرے ان اسماء کی برکت سے سوال کرتے جنھیں تو نے اپنے لئے مقرر فرمایا یا کسی کو اس کا علم دیا اور کسی کتاب میں انھیں نازل فرمایا یا انھیں اپنے خاص علم میں پوشیدہ رکھا یہ قرآن ہمارے دلوں کی بہار اور ہمارے سینوں کی شفا اور ہمارے احزاں کی جلاء اور اسے ہمارا امام و قائدبنا اور اس کی برکت سے ہمیں بہشت اور جنات النعیم کا راستہ دکھا جو تیرا دار ہے وہ دارالسلام ہے ان حضرات کے ساتھ ہمارا حشر ہو جو انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین ہیں۔ اے رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

مسئلہ: قنیہ میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت سورۃ اخلاص کو جہراً مجتمع ہو کر پڑھنا جائز ہے۔ بہتر ہے کہ ان میں سے ایک پڑھے اور باقی سنتے رہیں۔ (یہ قول مفتیٰ بہ ہے)۔

شفا: اس صورت میں الوہیت کی وجہ یہ ہے کہ قرآت سے اہم غرض یہ ہے کہ حروف کی تصحیح ضرور ہوتا کہ ان کے معانی کا ظہور ہو پھر سن کر ان پر عمل ضروری ہے۔ علاوہ ازیں سب کی آوازیں مل جائیں تو خواطر تشوش ہوں گے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ پڑھتے وقت کوئی کوئی حرف پڑھے گا اور کوئی کوئی۔ تیسری خرابی یہ ہوگی کہ پڑھتے ہوئے حروف میں کمی و بیشی ہوگی پھر کوئی بعض حروف کو ساکن پڑھے گا تو دوسرا متحرک کوئی مد کھینچے گا تو کوئی اس کے برعکس۔ صرف اس لئے کہ وہ کوشش کریں گے کہ تمام الفاظ اکٹھے ظاہر ہوں۔ اس طرح کی غلطی کرنے والے گنہگار ہوں گے: ؎

عشقت رسد بفریاد گر بشان حافظ
قرآن ز بر بخوانی در چاردہ روایت

ترجمہ: اے حافظ قرآن کی چودہ قرات ہیں اگر تجھے عشق ہے تو تمھیں معلوم ہو جائے گا۔

ہم اللہ تعالے سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں قرآن کے حقائق و اسرار سے مطلع فرمائے اور ہمیں اس کی ان مصلحتوں اور ان سے آگاہی بخشے جو اس میں قصص و اخبار واقع ہوئے اور ہمیں اہل تحقیق سے بنائے اس لئے کہ وہی توفیق کا مالک ہے۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ

اور آدمی برائی کی دعا کرتا ہے جیسے بھلائی مانگتا ہے اور

وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

آدمی بڑا جلد باز ہے اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں

آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ

بنایا تو رات کی نشانی مٹی ہوئی رکھی اور دن کی نشانیاں دکھانے والی کہ اپنے رب کا فضل تلاش

رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ﴿١٢﴾

کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب جانو اور ہم نے ہر چیز خوب جدا جدا ظاہر فرما دی

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ

اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی اور اس کے لیے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے

مَنْشُورًا ﴿١٣﴾ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾ مَنِ اهْتَدَىٰ

جسے کھلا ہوا پائے گا فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے جو راہ پر آیا وہ اپنے

فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

ہی بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا تو اپنے ہی برے کو بہکا اور کوئی بوجھ اٹھانے

وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ

والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا

نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا

چاہتے ہیں اس کے خوشحالوں پر احکام بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں بے حکمی کرتے ہیں تو اس پر بات پوری ہو جاتی ہے تو ہم اسے تباہ

تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ

کر کے برباد کر دیتے ہیں اور ہم نے کتنی ہی سنگتیں نوح کے بعد ہلاک کر دیں اور تمہارا رب کافی ہے اپنے بندوں

عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿١٧﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ

کے گناہوں سے خبردار دیکھنے والا جو یہ جلدی والی چاہے ہم اسے اس میں جلد دے دیں جو چاہیں جسے چاہیں

لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ

پھر اس کے لیے جہنم کر دیں کہ اس میں جائے مذمت کیا ہوا دھکے کھاتا اور جو آخرت چاہے

الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿١٩﴾

اور اس کی سی کوشش کرے اور ہو ایمان والا تو انہیں کی کوشش ٹھکانے لگی

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰
ہم سب کو مدد دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی تمہارے رب کی عطا سے اور تمہارے رب کی عطا پر روک نہیں

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ
دیکھو ہم نے ان میں ایک کو ایک پر کیسی بڑائی دی اور بیشک آخرت درجوں میں سب سے بڑی اور فضل

تَفْضِيْلًا ۝۲۱ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝۲۲
میں سب سے اعلیٰ ہے اے سننے والے اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھہرا کہ تو بیٹھ رہے گا مذمت کیا جاتا بے کس

تفسیر عالمانہ

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ اور انسان شر کی دعا مانگتا ہے یعنے جب اسے غصہ آتا ہے تو شر کی دعا مانگتا ہے اور لعنت کرتا ہے اور مخالف کی تباہی و بربادی کے اللہ تعالےٰ سے سوال کرتا ہے بلکہ چاہتا ہے کہ مخالف کی ساتھ اس کے اہل و عیال اور مال و اسباب برباد ہو جائیں۔

ف: یہاں الانسان سے جنس انسان مراد ہے اور وہ بعض افراد اور وہ بھی اس کے احوال سے ایک حال کا ذکر ہے نہ جملہ انسان مراد ہو سکتے ہیں اور نہ ہی انسان کے جملہ احوال مراد ہیں۔

ف: یدع کی یا محذوف ہے جیسے یمح اور سندع میں یاء محذوف ہے۔ ایک مقام پر فرمایا: سوف یوت اللہ یہاں بھی یوت کی یاء محذوف ہے اسی طرح یناد المناد اور وما تغن النذر میں یاء محذوف ہے اجتماع الساکنین کی وجہ سے یعنے چونکہ ان آیات میں یاء الف و لام اسماء کے ساتھ متصل ہونے سے اجتماع ساکنین لازم آتا ہے اس لئے ان افعال کی یاء حذف کر دی گئی جیسے علمائے صرف کا قانون ہے یا بحیثیت وقف کے یاء محذوف ہوتی ہے لیکن جملہ آیات مذکورہ میں یاء مراد ہے حملاً للوقف علی الوصل۔

سوال: ان آیات میں وقف کی کوئی صورت نہیں پھر اسے وقفاً حذف کرنے کا کیا معنے؟

جواب: ہم ایسے مقام پر واؤ کو حذف کرنے پر مجبور ہیں تاکہ مصحف عثمانی کے خلاف نہ ہو۔ (کذا فی الکواشی)

ف: دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ یعنے شر کی دعا ایسے مانگتا ہے جیسے وہ خیر کی دعا مانگتا ہے یعنے جیسے اسے اپنی بھلائی مثلاً رزق و عافیت اور رحمت کے لئے دلچسپی سے دعا مانگتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی دعا جلد مستجاب ہو جائے ایسے ہی وہ شر کی دعا میں دلچسپی رکھتا ہے یا اس کا معنے یہ ہے کہ وہ اپنی دعائے شر کو خیر سمجھتا ہے حالانکہ درحقیقت وہ دعا اس کے لئے شر ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ اسے ایسی دعا مانگنی چاہیئے جو محض رضائے حق پر مبنی ہو اس میں اس کی نفسانی خواہش کو بالکل بھی دخل نہ ہو۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اور ہے انسان اپنی جبلی اور فطری عادت کے مطابق۔ عَجُوْلًا ۝ جلدباز ہے کہ جیسے جی آتا ہے اللہ تعالےٰ سے دعا مانگ لیتا ہے اس کے انجام پر اس کی نگاہ نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اتنا روادار ہوتا ہے کہ چند لمحات کے بعد

وہ جوش ختم ہو جائے یا جس کے لئے دعا مانگتا ہے وہ سرے سے مٹ جائے پھر الٹا کہے کہ کاش! میں دعا نہ مانگتا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ انسان اپنے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف عجلت باز ہے نہ وہ نعمتوں میں خوش اور نہ تکالیف سے۔ اور نہ وہ گرمی پر صبر کرتا ہے نہ سردی پر۔

ف: دعا حقیقی طور پر مانگے یا ایسا عمل کرے جو شر کا موجب ہو اس لئے کہ انسان عجلت باز ہے قولاً بھی فعلاً بھی عموماً ایسے امور کا ارتکاب کرتا ہے جو دوزخ میں دخول اور عذاب کے نزول کا سبب ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ مومن وقاف یعنے سوچ بچار سے کام لیتا ہے اور منافق وثاب یعنے جلد بازی سے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وصیت سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو لمحہ بھر۔ اس لئے کہ اگر میں سوچ سے کام لیتا تو مجھ سے خطا (خلاف اولی) سرزد نہ ہوتی۔

ایک اعرابی کا مقولہ مشہور ہے:

ایاکم والعجلۃ عجلت سے بچو۔

اس لئے کہ عرب والے اسے ام الندامات سے تعبیر کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

پیش سگ چون لقمہ نان افگنی
بو کند وانگہ خورد اے معتنی
او ببینی بو کند ما با خرد
ہم ببوئیمش بعقل منتقد

ترجمہ: کتے کو لقمہ ڈالو تو وہ پہلے اسے سونگھتا ہے پھر کھاتا ہے۔ وہ ناک سے بو سونگھتا ہے ہم عقل سے سوچتے ہیں تو پھر ہمیں اس میں فوقیت ہو۔

چھ امور میں عجلت ضروری ہے بزرگان اسلام کا فرمان ہے کہ اگرچہ عجلت شیطانی عمل ہے لیکن چھ امور میں عجلت ضروری ہے:

(۱) نماز کی ادائیگی میں جب اس کا وقت ہو جائے۔
(۲) جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے بیاہ میں جلدی کی جائے۔
(۳) قرض کو بھی جلد ادا کیا جائے جب ادائیگی کی طاقت حاصل ہو۔
(۴) جب مہمان تشریف لائے تو اسے کھانا جلد کھلایا جائے۔

(۵) جب گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا ارتکاب ہو جائے تو توبہ میں عجلت کی جائے۔

(۶) جب فوت ہو جائے تو دفن میں جلدی کی جائے۔

ربط : اب ان آیات تکوینیہ کو بیان کیا جاتا ہے جن سے بندے کو غور و فکر کرنے پر راہ ہدایت نصیب ہوتی ہے:

کما قال تعالیٰ :

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور ہم نے رات اور دن کو بنایا۔

نکتہ : رات کو دن کی تقدیم میں کا راز یہ ہے کہ چاند کی پہلی تاریخ رات سے معلوم ہوتی ہے اور اہل عرب دن کا آغاز اسی دن کی رات سے شروع کرتے ہیں یعنے رات اور دن کا ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا اور طویل و قصر میں مختلف ہونا :

اٰيَتَيْنِ دونوں آیتین یعنے صانع قدیر ہونے اور اس کی وحدت کی دلیل ہیں اس لئے کہ ان کا تغیر و تبدل بتاتا ہے کہ ان میں تغیر و تبدل پیدا کرنے والا کوئی ہے۔

یہاں رات و دن کو اپنی وحدت اور اپنے صانع و قدیر ہونے کی دلیل بنایا اور دوسرے مقام پر فرمایا :

وجعلنا ابن مریم و امہ آیۃ اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو دلیل بنایا۔

سوال : پہلی آیت میں تثنیہ اور اس آیت میں آیت کو واحد لایا گیا ہے حالانکہ دو علیحدہ علیحدہ آیات ہیں یہ بھی دو علیحدہ علیحدہ آیات ہیں اس کی وجہ کیا ہے ؟

جواب (۱) چونکہ رات اور دن آپس میں دو ضدیں ہیں اس لئے ان کے لئے تثنیہ کا صیغہ ضروری تھا اور ابن مریم و امہ آپس میں ضدیں نہیں اسی لئے ان کے لئے واحد کا صیغہ لایا گیا۔

جواب (۲) یعنے علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو بیک وقت دیکھا جا سکتا تھا اسی لئے آیۃ واحدۃ کہا گیا اور سورج و چاند یعنے دن اور رات اگرچہ یوم واحد کا مجموعہ ہیں لیکن انھیں بیک وقت نہیں دیکھا جا سکتا اسی لئے انھیں علیحدہ آیت قرار دے کر تثنیہ کا صیغہ لایا گیا۔

فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ۔ فاء تفسیریہ اور اضافت بیانیہ ہے جیسے عدد کی معدود کی طرف اضافت بیانیہ ہوتی ہے ایسے ہی یہاں سمجھئے۔ اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے آیت کو مٹایا اور وہ آیت یہی رات تھی۔

ف : المحو یعنے ازالۃ الشیٔ الثابت یعنے کسی ثابت اور قائم شئے کو مٹانا اور یہاں مراد یہ ہے کہ اللیل میں روشنی پیدا کر کے اس کے نشانات ختم کر دیئے گئے جیسے اللہ تعالیٰ کی شان میں کہا جاتا ہے :

صغر البعوض وکبر الفیل اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ جس نے مچھر کو صغیر اور ہاتھی کو کبیر بنایا۔

یعنے ابتداءً ان کی تخلیق ایسے ہی ہوئی ایسے رات کی تکوین ابتداءً ایسے ہی ہوئی جیسا کہ محو اللیل کے مقابلہ میں جعل النہار کو مضیئاً فرمایا۔

وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ اور ہم نے بنایا آیت کو جو کہ وہ نہار ہے۔ مُبْصِرَةً روشن کہ جس میں اشیاء دیکھی جاتی ہیں۔

ف : نہار کے اہل کی صفت سے نہار کو موصوف فرمانے میں مجاز ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایۃ اللیل و ایۃ النہار میں حقیقی اضافت مراد ہے اور لیل سے چاند اور نہار سے سورج مُراد ہے۔

چاند میں سیاہی کا نشان کیوں ؟

مروی ہے کہ ابتداءً سورج اور چاند کو ایک جیسا بنایا گیا یعنے ہر ایک کا نور ستر ستر اجزا تھا پھر جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ چاند پر تین بار اپنا پَر مار کر چاند کے نور کے انہتر اجزاء نکال کر سورج میں ڈالیں تاکہ رات اور دن کے درمیان امتیاز ہو ورنہ ابتداءً رات و دن میں کسی قسم کا امتیاز نہیں تھا رات چاند کی روشنی سے تاباں اور دن سورج کی روشنی سے۔ جب سے چاند کی روشنی سورج کو دی گئی اسی وقت سے رات میں تاریکی اور دن میں روشنی کا امتیاز ہوا اور یہ چاند کے منہ میں جو سیاہی نظر آتی ہے یہ جبریل علیہ السلام کے پروں کے مارنے کے نشانات ہیں۔

سیاہ رنگ کی خوبی

چونکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری سلطنت کے امور کا تعلق قمری سنین سے ہوتا تھا اسی لئے چاند کے اندر سیاہی کے باوجود اسے تمام ستاروں کا سردار اور سیاہ رنگ تمام رنگوں کا سردار بنایا گیا۔ اسی لئے عرب اسے سیدالالوان سے تعبیر کرتے ہیں اور حجر اسود کا سیاہ ہونے کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اگرچہ بہشت سے دنیا میں اسے لاتے وقت اس کا سفید رنگ تھا لیکن جونہی اسے انبیاء و اولیاء کرام علے نبینا و علیہم السلام نے ہاتھ مبارک لگا کر مشرف فرمایا تو اسے عالم دنیا کے تمام پتھروں کی سیادت نصیب ہوئی اسی سیادت کے اظہار کے لئے اسے سیاہ رنگ بخشا گیا وہ اسی بنا پر کہ سیاہ رنگ سیدالالوان ہے تو جس پتھر کو یہ رنگ ملا ہے اس کے لئے دلالت کر رہا ہے کہ سیدالاحجار ہے۔

نکتہ صوفیانہ

غیروں کو سنین کی گنتی سن شمسی اور ہم اہل اسلام کو سن قمری بخشا اس میں بھی یہی راز ہے جسے صرف عارفین جانتے ہیں وہ یہ کہ عارفین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی تمام روشنیاں مٹا دیتی ہے۔ ایسے ہی عارفین پر لازم ہے کہ وہ اپنے ظواہر کو کتنے بواطن میں گم کر دیں۔ اہل اسلام کی اسی خصوصیت کی وجہ سے صرف انھیں تجلیات خاصہ سے نوازا گیا ہے ورنہ ان سے قبل تمام اُمتیں ان تجلیات خاصہ سے بے خبر رہیں۔

ایک اور نکتہ

پہلی امتوں کے لئے فانسلخ کا حکم ہے یعنے ان سے ایمان چھین لینا نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ اور ایک حقیقت تھی چنانچہ بلعم باعوراء وغیرہ کے لئے ہوا اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے فرمایا :

كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ان لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالےٰ نے ایمان لکھ دیا۔

پھر جسے اللہ تعالےٰ لکھے اسے کون مٹا سکتا ہے۔

(شیعوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ انھوں نے بلا سوچے کہہ دیا کہ صحابہ کرام باستثنار (۳۳) افراد (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے۔ دیکھو اصول کافی وترجمہ مقبول وغیرہ وغیرہ[1]

اسی لئے اللہ تعالٰے نے فرمایا:

لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر — سورج کے لائق نہیں کہ وہ چاند کو پاسکے۔

اس سے صوفیار کرام نے الشمس سے امم سابقہ اور القمر سے امت مصطفٰے مراد لی ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ امم سابقہ کو کب ممکن ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کی شرافت کو پائیں۔

ف: میرے حضرت شیخ پیرو مرشد قدس سرہٗ نے کتاب البرقیات میں بہت بڑی بہترین اور عجیب وغریب تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

اٰیۃ اللیل فرعیہ وتبعیہ کا اور اٰیۃ النہار اصلیہ واستقلالیہ کا مرتبہ ہے اس لئے کہ چاند سورج سے نور حاصل کرتا ہے اس کے باوجود اٰیۃ اللیل کو محو اور اٰیۃ النہار کو مبصرۃ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں یعنے آیۃ اللیل اور آیۃ النہار میں استوار ہے بلکہ یہ آپس میں ایک دوسری سے امتیاز رکھتی ہیں اور ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ آیۃ اللیل کو آیۃ النہار سے استفادہ کی مقدار کیا ہے وہ اس طرح بحسب ضعف ونقصان آیۃ اللیل ایۃ النہار سے کم درجہ ہے اور آیۃ النہار بحسب قوۃ وکمال آیۃ اللیل سے ارفع واعلے ہے اور یہ دونوں آپس میں ایسے مرتبط ہیں کہ اپنی حدود طور سے متجاوز نہیں ہوتے مگر ہر ایک کا لزوم مقام وقدر معروف ہے اسی وجہ سے نظام کائنات قائم ہے اور ہمیشہ ایسے ہی رہے گا کسی قسم کا خلل یا نقصان نہیں ہوتا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مظاہر جلال کا مرتبہ فرعیہ وتبعیہ ہے اور مظاہر جمال کا مرتبہ استقلالیہ واصلیہ ہے اس لئے کہ وہ امداد جو مظاہر جلال کو نصیب ہوتا ہے وہ مظاہر جمال کے قیام پر مبنی ہے اور ان کا قیام وبقار مظاہر جمال سے متضاد ہے اس لئے صوفیار کا مقولہ مشہور ہے کہ:

لو لا الصلحاء لھلک الصلحاء — اگر صلحار نہ ہوتے تو طالح یعنے برُے لوگ تباہ وبرباد ہو جاتے۔

نیز مظاہر جلال کے افکار صواب سے ہٹ کر خطا کی طرف چلے جاتے ہیں لیکن مظاہر جمال کے افکار ہمیشہ مبصر اور مصیبت ہوتے ہیں اس سے بھی ان کے مابین امتیاز مطلوب ہے تاکہ مظاہر جلال وجمال میں مساوات نہ ہو اور واضح ہو جائے کہ اصل کے مرتبہ کو قوت وغلبہ وعزت حاصل ہے اور فرع کا مرتبہ ہمیشہ عجز وضعف اور ذلت میں رہتا ہے اور اس لحاظ میں بھی وہ آپس میں ایک دوسرے کی حد سے متجاوز نہیں ہوتے یعنے مظاہر جمال ہمیشہ مصیبت رہتے ہیں اور مظاہر جلال میں خطا ہوتی ہے۔ نہ مرتبۂ فرعیہ وتبعیہ مرتبہ اصالۃ اور استقلالیۃ میں آسکتا ہے اور نہ مرتبہ استقلالیۃ واصالۃ مرتبۂ تبعیہ وفرعیہ میں آسکتا ہے اور یہ معاملہ

---

[1]: اضافہ از فقیر اویسی۔

جاری و ساری رہے گا جہاں تک اللہ تعالٰے چاہے گا۔

ف: مرتبۂ قمر میں مراتب الٰہیہ سے مرتبۂ ربوبیت کی طرف اور مرتبۂ شمس میں مرتبہ مراتب الٰہیہ سے مرتبہ الوہیت کی طرف اشارہ ہے نیز مرتبۂ قمر کا مرتبۂ کرسی اور لوح کی طرف اور مرتبۂ شمس کا مرتبۂ عرش و قلم کی طرف اشارہ ہے نیز مراتب کونیہ النفسیہ یعنے مرتبۂ قمر مرتبۂ روح کی طرف اور مرتبۂ شمس مرتبہ سر کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح اور اشارات قرانیہ کا قیاس کیا جائے (یہ اصطلاحاتِ صوفیانہ ہیں ان کی مزید تشریح کتب تصوف میں موجود ہے)۔

لِّتَبْتَغُوْا۔ یہ جعلنا اٰیۃ النھار سے متعلق ہے یعنے تاکہ تم دن کی روشنی میں اپنے لئے طلب کرو۔ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ اپنے رب کا فضل یعنے رزق۔

سوال: رزق کو فضل سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ رزق دینا اللہ تعالٰے پر واجب نہیں بلکہ یہ تقاضائے ربوبیت اپنے فضل و کرم سے ہر ایک کو رزق عطا کرتا ہے اور ابتغاء میں اشارہ ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لئے سببِ کسب ضروری ہے کہ سوائے سبب کے اس کا حصول ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

وَلِتَعْلَمُوْا یہ ہر دونوں فعلوں کے متعلق ہے یعنے لیل و نہار کے اختلاف جدید یا ان کے ذاتی امتیاز کہ ایک میں تاریکی دوسرے میں روشنی اور ان دونوں کا ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا معلوم کرو۔ عَدَدَ السِّنِيْنَ سالوں کی گنتی کہ جن سے تمھاری علمی اغراض متعلق ہیں کہ جن سے اپنی دینی و دنیوی مصلحتیں معلوم کرتے ہو۔ وَالْحِسَابَ ؕ اور وہ حساب یعنے تمھاری مصلحتیں جو اوقات سے متعلق ہیں مثلاً بعض امور سالوں سے اور بعض امور مہینوں سے اور بعض دنوں سے اور بعض راتوں سے تعلق رکھتے ہیں کہ اگر لیل و نہار کا یہ حساب نہ ہوتا تو تمام نظامِ دین و دنیا معطل رہتا۔

ف: حساب ہر اس گنتی کو کہا جاتا ہے جو کیمت منفصلہ رکھتی ہو جو اپنے ہم مثل سے مکرر ہوتی رہتی ہے کہ جس کے ایک معین حصے سے حد معین حاصل ہو اسی معین حصے کا کوئی خاص نام مقرر ہوتا ہے اور وہ حکم بھی خاص رکھتا ہے اور گنتی ہر وہ شے جو اپنے ہم مثل سے مکرر ہو لیکن اس سے خاص حد یا حکم حاصل نہ ہو۔ السنۃ سالوں مہینوں کی گنتی سے اور الشھر (ماہ) دنوں کی گنتی سے اور الیوم (شب و روز) گھنٹوں کی گنتی سے مکمل ہوتا ہے۔ السنین۔ سنۃ کی جمع ہے یہ دو قسم کا ہے:

(۱) شمسی

(۲) قمری

سورج نے جس برج کے نقطے سے سفر شروع کیا تھا جب وہاں پہنچے گا تو شمسی سال مکمل ہوگا۔ سورج اس سفر کو تین سو پینسٹھ اور دن کے چہارم حصہ میں طے کرتا ہے (۳۶۵ ۱/۴) اور قمری سن بارہ چاندوں کے مکمل ہونے پر پورا ہوتا ہے اس کے تین سو پینتالیس اور دن کی تہائی ایام ہوتے ہیں۔

مسئلہ: عنین (نامرد) کو حاکم نے سال تک علاج کرانے کی مہلت دی تو یہ مدت بارہ ماہ قمری کے اختتام پر ہوگی اگرچہ عنین کہے کہ ابھی سال نامکمل ہے تو بھی اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

مسئلہ: نماز کے فدیہ کا حساب شمسی سال کے مطابق ہوگا ہاں چہارم حصہ کو اس میں نہیں ملایا جائے گا اس لئے کہ نماز کے مسئلہ میں احتیاط ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ سال کی نمازوں کا فدیہ پانچ سو بیس درہم ایک فرض نماز کے عوض دینا لازمی ہوں گے ایک وتر کے پانچ سو درہم علاوہ اس معنے پر شمسی سال کی کل نمازوں کا فدیہ قسطنطنیہ کے قول کے مطابق ایک سو بیالیس کیل اور سات اوقیے دینے ہوں گے اگر کوئی گندم کی بجائے نقد دے تو موجودہ نرخ کے مطابق گندم کی قیمت ادا کرنا بھی جائز ہے[1]۔

وَكُلَّ شَيْءٍ اور ان باتوں میں یعنے معاشی امور اور معاد کے متعلق تم محتاج ہو۔ یہ فعل محذوف سے منصوب ہے جس کی تفسیر فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ○ ہے۔ ہم نے اسے مفصل طور پر بیان کیا ہے یعنے ہم نے تمہارے جملہ امور ضروریہ قرآن مجید میں ایسے بلیغ طریق سے بیان کیا ہے کہ جس میں کسی قسم کا شک وشبہ اور التباس نہیں ہے اس میں ہم نے تمہارے جملہ اعتراضات کو دُور کیا ہے اور ایسے واضح طور پر بیان فرمایا کہ تمہارے لئے کسی قسم کی حجت بازی کا موقعہ بھی نہیں۔

سبق: عاقل وہ ہے جو قرآن کی اتباع کرتا ہے اس کی سمجھ میں آتا ہے تو بھی نہیں آتا تو بھی بلکہ جو سمجھ نہ آئے اس کا علم اللہ تعالے کے سپرد کرے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ عالم دین اگر قرآن مجید کو غور وفکر اور تدبّر وفکر سے پڑھے تو اسے تمام لاینحل مسائل کا جواب قرآن مجید سے حاصل ہوگا۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی ایسا دن خالی نہ جاتا جس میں وہ قرآن مجید کی زیارت (تلاوت) نہ کرتے ہوں اس لئے کہ صرف قرآن مجید کی زیارت بھی عبادت ہے۔

ف: قرآن مجید کی زیارت (تلاوت) سے لاینحل مسائل کا حل ہونا ہے بشرطیکہ غور وفکر وتدبر وتفکر سے اس کی تلاوت کی جائے گی بفضلہ تعالٰے اس کی زیارت سے کئی مخفی اور پوشیدہ اسرار کھلتے ہیں۔

حفظ القرآن کا واقعہ حضرت محمد بن الحسن تلمیذ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰے اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فقہ پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کہ بیٹے تم نے قرآن مجید پڑھا ہے؟ انھوں نے جواب نہیں میں دیا۔ آپ نے فرمایا: پہلے قرآن مجید حفظ کرلو پھر میرے ہاں حاضر ہونا۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰے سات دن گزار کر پھر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کہ جب تک قرآن مجید حفظ نہ

---

[1]: اس مسئلہ کی توضیح وتشریح فقیر کے رسالہ "الاقساط فی الحیلۃ والاسقاط" میں دیکھئے ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ

نہ کرو میرے ہاں حاضری کا نام نہ لو۔ امام محمد نے عرض کی میں نے قرآن مجید حفظ کر لیا ہے۔

حکایت امام محمدؒ

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ:

ایک رات میرا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں قیام ہوا میں نے انھیں دیکھا کہ ساری رات کپڑا تان کر سوتے رہے مجھے یہ بات سخت ناگوار گزری کہ اتنا بڑا امام ساری رات غفلت کی نیند سوتا رہا لیکن جونہی صبح کی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو تو آپ وضو کئے بغیر جماعت میں شامل ہو گئے۔ میں نے انھیں عرض کی کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ تمھارا گمان ہے کہ میں نیند میں تھا مجھے نیند نہیں تھی بلکہ اسی رات میں نے قرآن مجید سے فقہ کے ایک ہزار سے زائد مسائل استخراج کئے ہیں اگرچہ آپ نوافل میں مشغول رہے لیکن وہ آپ نے نفس کے لئے اعمال جمع کئے لیکن میں نے ساری رات امت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شرعی مسائل کے حصول میں گزار دی اور میں لیٹا اس لئے رہا کہ مجھے واردات اسی طور پر نصیب ہوتے ہیں۔

ف: حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا وحی کے وقت لیٹ جانے میں بھی یہی راز تھا کہ جب ان پر وحی یعنے وارداتِ الٰہیہ کا ورود ہوتا تو چونکہ صفت قیومیہ ہے اس لئے جب روح اس کے حصول میں مشغول ہوتی تو جسم کی طاقتِ قیام وقعود کمزور پڑ جاتی ہے اسی لئے وہ اپنی اصلی حالت زمین پر لیٹنے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

ف: قرآن مجید میں ہر گروہ کی تفصیل موجود ہے اہل عبارت یعنے ظاہرین مفسرین اپنے طور پر اور اہل اشارہ یعنے صوفیاء کرام اپنے طور پر تفصیلات کا اظہار کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

تو ز قرآں اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند غیر طین
ظاہر قرآں چو شخص آدمی ست
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی ست

ترجمہ: اے بیٹے! تو قرآن کے ظاہر کو دیکھو شیطان آدم کی صرف مٹی کو دیکھتا ہے قرآن کا ظاہر صرف آدمی کے ظاہر کی طرح ہے کہ اس کے نقوش ظاہر ہیں اور اس کی جان پوشیدہ ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اور ہر انسان مکلف کو کافر یا مؤمن مذکر یا مؤنث عالم یا جاہل بادشاہ یا گدا آزاد یا غلام۔ **اَلْزَمْنٰهُ** الالزام بمعنے لازم کرنا یعنے ہم نے لازم کیا۔ **طٰٓئِرَهٗ** اس کا وہ عمل جو اس سے اس کے اپنے اختیار سے صادر ہوا اور وہی اس کی تقدیر میں پہلے مقدر ہو چکا۔

ف: اسے طائر پرندے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جیسے پرندہ تقدیر کے گھونسلے سے اڑ کر اس کے ہاں آیا ہے۔

فِىْ عُنُقِهٖ اس کی گردن میں۔

ف: اسے گردن میں چمٹنے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شے کسی کو ضروری لازماً چمٹانا مقصود ہوتا ہے تو اس کی گردن میں ڈالا جاتا اس تقدیر پر اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم ان کے اعمال نامے ان کو ایسے لازم کر دیں گے کہ وہ کسی وقت بھی ان سے جدا نہیں ہوں گے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے گلے کا ہار کہ جس طرح گلے میں ڈالی ہوئی زنجیر یا ہار انسان کو چمٹ کر رہ جاتا ہے ایسے اس کا اعمال نامہ کہ کسی وقت بھی اس سے جدا نہ ہوگا ؎

کہ ہر نیک و بدی کان از من آید
مرا ناکام غل در گردن آید!

ترجمہ: ہر بُرا یا نیک کام مجھ سے صادر ہوگا وہ لازماً میرے گلے میں چپسایا جائے گا۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ اس اعمال نامے کے پرندے کو گلے میں ڈالنے کی تخصیص کیوں؟

جواب: گلا انسان کے لئے ایک ایسی جگہ ہے جہاں انسان کی زینت یا اس کی مذمت کے لئے کوئی شے ڈالی جاتی ہے اسی بناء پر بعض ضروری اشیاء کو گلے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مثلاً اہل عرب کہتے ہیں:

"فی عنقی وفی عنقک"

فلاں امر میرے گلے پڑ گیا یا فلاں امر تیرے گلے پڑ گیا۔

ف: حیوۃ الحیوان میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں کہ:

"تقلدھا طوق الحمامۃ"

اسی ھاء کا مرجع الخصلۃ القبیحۃ ہے یعنے فلاں نے فلاں گندی عادت اپنے گلے کا ہار بنایا ہے یعنے اس عادت قبیحہ پر التزام کر رکھا ہے اور وہ عادت اس سے کبھی نہیں جائے گی جیسے کبوتری کا طوق کبوتری کو مرتے دم رہے گا۔ ایسے ہی گندی عادت اس کو مرتے دم تک نہ چھوڑے گی۔ صاحب حیوۃ الحیوان نے اس کی مثال اسی آیت (والزمناہ طائرہ فی عنقہ یعنے اس کا عمل اس کے گلے کا ہار رہے گا اسے کسی وقت بھی نہیں چھوڑے گا) سے دی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ازل میں جس طرح حکمت ازلیہ کا تقاضا ہوا اسی طرح ہر ایک کی سعادت و شقاوت اور احکام مقدرہ اور احوال معلوم مقدّر ہوئے یعنے جس طرح قادر مطلق کا قلم جاری ہوا ایسے ہی انسان کی صورت و سیرت اور رزق و اجل اور صغائر و کبائر جو اس سے صادر ہوں گے ویسے ہی ہوگا اور عالم عدم کا معاملہ ہے یعنے جب کہ اس کے وجود کا پرندہ منتظر تھا کہ کب عالم عدم سے وجود کی طرف منہ نکالا تو اس کے وجود کا پرندہ اس کے گلے میں ڈال دیا گیا اور اس کے گلے کا ہار بنا کہ نہ صرف تاحیات بلکہ موت کے بعد بھی اس کے گلے کا ہار بنا رہے گا یہاں تک کہ جب وہ اپنی قبر سے حساب کے لئے نکلے گا تو بھی وجود اسے چمٹا ہوا ہوگا۔ اسی لئے فرمایا کہ

وَنُخْرِجُ لَهٗ اور ہم ہر انسان کے لئے نکالیں گے۔ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت کے دن یعنے حساب کے لئے کِتٰبًا

ایسی کتاب کہ جس میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوا ہوگا اور یہ نخرج کا مفعول بہ ہے۔ يَلْقٰهُ اسے انسان پائے گا اور دیکھے گا۔ مَنْشُوْرًا ○ کھلا ہوا جب کہ وہ اس سے قبل لپٹا ہوا اور بند تھا یہ دونوں کتابا کی صفت ہیں یلقٰہ صفت ہے اور منشورا حال ہے۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر انسان کے لئے ایک صحیفہ اور دائیں بائیں دو فرشتے مقرر ہیں جو فرشتہ دائیں جانب ہے وہ نیکیاں اور جو بائیں جانب ہے وہ برائیاں لکھتا ہے جب انسان مرتا ہے تو صحیفہ قبر میں اسے ساتھ دیا جاتا ہے اور قیامت تک اس کے ساتھ رہے گا۔ یعنے انسان کی موت کے وقت اس کا اعمال نامہ لپیٹ لیا جاتا ہے جب وہ قیامت میں حساب کے لئے اٹھے گا تو وہ اعمال نامہ کھول کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ اور کہا جائے گا کہ اسے پڑھ، یہ تیرا اعمال نامہ ہے۔

اعجوبہ: قیامت میں دنیا میں ان پڑھ انسان بھی اس وقت پڑھا ہوا ہوگا یہاں تک کہ اس وقت ہر بندہ اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا تجھے تیرا نفس آج کے دن خود حساب دان کافی ہے اس میں الباء کافی ہے اور الیوم، کفی کا مفعول فیہ (ظرف) ہے اور حسیبا تمیز ہے اور علی حسیبا کا صلہ ہے الحسیب بمعنے الحاسب۔

سوال: حسیب کے بجائے حسیبۃ لانا چاہیئے اس لئے کہ نفس سے تمیز ہے اور نفس مونث ہے؟

جواب: نفس تبادیل شخص ہے اور شخص مذکر ہے حسیبًا کو مذکر لایا گیا ہے یعنے اسے اعمال نامہ دکھا کر، پڑھا کر، کہا جائے گا کہ اب تو خود ہی اس کا جواب دے کہ تو کس سزا کا مستحق ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ بندے کو حساب اس لئے سپرد کر دے گا تاکہ اس کی طرف ظلم کی نسبت نہ ہو اور پھر بندہ جب خود اپنی غلطیوں کا اعتراف کرے گا تو اس پر خود بخود حجت قائم ہو جائے گی۔

ف: اس میں اہلِ انصاف کو غور کرنا چاہیئے کہ اس کریم نے اپنے بندے کو جرائم و قصور کا محاسب اسے خود بنایا ہے۔

ملفوظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرنے سے پہلے اپنا حساب بنالو اس لئے کہ آج تمہارے اِن اعمال کا دفتر موجود ہے اسی لئے آج اپنی نیکی اور برائی کو مدنظر رکھ کر فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے برائیوں سے توبہ اور نیکیوں کی توفیق پر خوشی کرنی چاہیئے۔

حکایت کسی نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ دن کو جتنی باتیں کسی سے سنو یا کوئی بات دیکھو تو اس کی رپورٹ مجھ تک پہنچاؤ اور اپنے تمام اعمال کی ڈائری بھی مجھے سناؤ۔ ایک دن کی تو تمام ڈائری سنائی لیکن دوسرے دن والد سے معذرت سنائی اور عرض کی کہ ابا جی! پہاڑ تو سر پر رکھ سکتا ہوں لیکن اعمال کی ڈائری سنانے کی مجھے طاقت نہیں اور نہ ہی ایسی ڈائری بیان کر سکتا ہوں۔ اس کے والد صاحب نے فرمایا میں بھی تجھے مجبور نہیں کرتا لیکن میری نصیحت یاد رکھنا کہ تا دم زیست ہوشیاری

سے کام لینا اور حساب وکتاب کی حاضری ہر وقت یاد رکھنا اور میرا اس ڈائری پہ تمھیں مامور کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب تم میرے سامنے ایک دن کے حساب وکتاب کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر ساری زندگی کا حساب وکتاب اللہ تعالےٰ کے ہاں کس طرح دے سکو گے۔

تو نمی دانی حساب روز و شام
پس حساب عمر چوں گوئی تمام
زیں عمل ہائے نہ بر نہج صواب
نیست جز شرمندگی وقت حساب

ترجمہ: تم صبح و شام کا حساب نہیں جانتے پھر تمام عمر کا حساب کس طرح کہہ سکوگے۔ اس دنیا میں اچھے اعمال کی بنیاد رکھ ورنہ قیامت میں حساب کے وقت سوائے رسوائی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

مَنِ اهْتَدٰى ہر وہ شخص سیدھے راستے پر چلے یعنے قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق چلے یعنے احکام شرعیہ کے مامورات پر گامزن ہو اور جن برائیوں سے قرآن مجید نے روکا ہے ان سے رک جائے۔ فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ تو بے شک وہ اپنے نفس کے لئے ہدایت پاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہدایت کا نفع اسی کی طرف لوٹے گا اور وہ نفع کسی دوسرے کو نہ ملے گا۔ وَمَنْ ضَلَّ اور جو اس راہ سے بھٹک گیا جو اسے حق تعالےٰ تک پہنچائے۔ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا بے شک گمراہی کا وبال اسی پر آئے گا اور وہ اس سے متجاوز ہو کر کسی دوسرے تک نہیں پہنچے گا کیونکہ گمراہی کا عمل اس نے کیا ہے تو سزا بھی بھگتے گا' اس کے بدلے میں کوئی اور دوسرا سزا نہ پائے گا۔

ف: قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ حکم آخرت کا ہے۔ کہ ہدایت پانے کی جزا کا نفع صرف اسی ہدایت پانے والے کو نصیب ہوگا اور گمراہی کا نقصان یا وبال اسی کو ہوگا جس نے گمراہی کا عمل کیا ہے ورنہ دنیا میں ہدایت کے فوائد نہ صرف ہدایت یافتہ کو بلکہ بیشمار خلق خدا اس کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اسی طرح گمراہی کا نقصان بھی نہ صرف اسی عامل تک محدود ہوتا ہے بلکہ جو بھی اس کی گمراہی کی تابعداری کرتا ہے سراسر نقصان اٹھاتا ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ قاموس میں ہے کہ

الوزر بالکسر الاثم۔ الثقل۔ الحمل الثقیل۔

یعنے الوزر کو واؤ مکسور سے پڑھا جائے بمعنے گناہ اور بوجھ' اور بوجھ بوجھل یعنے قیامت میں کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' یہاں تک کہ ایک کے بوجھ اٹھانے سے دوسرے کی نجات ہو جائے بلکہ ہر عمل اپنے عامل کے سر پہ رکھا جائے گا اور اسے ایسے لازم کر دیا جائے گا کہ سوا اس کے اسی گناہ کی وجہ سے اور کسی کو مواخذہ نہ ہوگا۔

سوال: آیت ہذا سے ثابت ہوا کہ کوئی کسی دوسرے کے کام نہ آسکے گا اور یہ آیت شفاعت:

کما قال تعالٰی :

من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها و من یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها -

جو کسی کی نیکی کی شفاعت کرے گا تو اس کا اسے حصہ نصیب ہو گا اور جو کسی کی برائی کی سفارش کرے گا تو اس کا اسے حصہ حاصل ہو گا -

اور فرمایا :

لیحملوا اوزارهم کاملة یوم القیمة ومن اوزار الذین یضلونهم بغیر علم -

تاکہ اٹھائیں اپنا بوجھ کامل قیامت میں اور ان لوگوں کا جنھیں بغیر علم کے انھیں گمراہ کرتے تھے -

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں غیر کا بوجھ اٹھایا جائے گا اور غیر کی نیکی کا نفع اور غیر کی برائی کا ضرر دوسرے کو پہنچے گا ؟

جواب : قانون اور ضابطہ تو یہ ہے کہ حقیقتاً ہر نیکی کا صلہ اور ہر برائی کی جزا و سزا ان کے عامل کو ملے اور یہ لازمی امر ہے . باقی رہا شفاعت کا معاملہ تو وہ اصل نیکی کی جزا نہیں بلکہ وہ ایک علیحدہ امر ہے جسے اصل نیکی سے کوئی تعلق نہیں اسی طرح گمراہی کی سزا بھی گمراہوں پر منحصر ہے . اگر کسی کو گمراہ کرنے کے سبب سے سزا ملے گی تو وہ اضلال (گمراہ کرنے) کی سزا ہے نہ کہ گمراہی کی ضلال و اضلال میں فرق ظاہر ہے -

ف : ولا تزر جملہ ثانیہ کی تاکید ہے تاکہ کفار کو ہر طرح کا طمع ختم ہو کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگرچہ ہم غلط کار ہیں لیکن ہم اسلاف کی وجہ سے نجات پا جائیں گے اس لئے کہ ہم ان کے تابعدار ہیں اور جو کچھ نفع و نقصان اصل کو پہنچتا ہے وہی اس کے تابع کو -

شان نزول کاشفی نے لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ کافروں سے کہا کرتا تھا کہ تم میری اتباع کرو قیامت میں تمھارے تمام گناہ میں اپنے سر پر رکھ لوں گا . اللہ تعالٰی نے اس کے رد میں فرمایا کہ ہر ایک اپنے عرق میں غرق ہو گا کوئی کسی کا گناہ نہیں اٹھائے گا -

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں کتاب سے بندے کا اپنا نفس مراد ہے اس لئے کہ ہر عمل ارتکاب کے بعد مرتکب کے اپنے نفس میں منقوش ہو جاتا ہے . اس کی تشریح یوں ہے کہ جب انسان سے کوئی عمل خیر یا شر صادر ہوتا ہے تو جو ہر روح میں ایک اثر مخصوص پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب تک روح جسم میں ہے اس وقت تک وہ اثر مخفی رہتا ہے اس لئے کہ اس وقت وہ حواس و قوائے انسانی میں مشغول رہتا ہے جب روح بدن سے جدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے کیونکہ روح بدن سے خارج ہوتے ہی عالم علوی کی طرف عروج کرتی ہے پھر جونہی اس نے عالم علوی کی طرف توجہ کی تو جسم سے پردے اٹھتے گئے اور احوال کھلتے گئے اس کے بعد زندگی بھر کے اعمال کے نقوش نفس پر ظاہر ہو جاتے ہیں یہ تقریر عقل کے مطابق ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نقل بھی اس کی تائید کرتی ہے جیسا کہ حضرت قتادہ نے فرمایا :

یقرا ءوا الك اليوم من لم يكن فى الدنيا قارئا۔ یعنے دنیا میں اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن اس روز وہ پڑھا ہوا ہوگا۔

مذکورہ بالا تقریر کے مطابق القیامۃ سے بھی قیامت صغریٰ مراد ہے لیکن اس تقریر کو فلاسفہ کے قواعد سے زیادہ مشابہت ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

صاحب روح البیان کی عجیب و غریب تقریر

[صاحب روح البیان] فقیر [اسماعیل حقی] کہتا ہے کہ یوم آخرت صورۃً و معناً ہر دونوں کا جامع ہے۔ اس معنے پر انسان کے دو صحیفے ہونے لازمی ہیں۔

۱۔ اعمال نامہ جسے کراماً کاتبین لکھتے ہیں۔

۲۔ وہ نقوش جو اس کے نفس پر منقوش ہوتے رہتے ہیں پھر قیامت میں اس کے یہ ہر دونوں صحیفے گواہی دیں گے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: آیت میں کتاب سے وہ صحیفہ مراد ہے جس کو کراماً کاتبین روزانہ اور ہر چھوٹی بڑی نیکی اور برائی لکھتے ہیں اور اس کا وہی اعمال نامہ اس کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ اسی کتاب کے متعلق انسان کو حکم ہوگا۔ اقرا کتابك۔ اے انسان! وہ کتاب پڑھ جو تیرے لئے لکھی گئی! اور وہ تیرے گلے میں ڈالی گئی ہے۔ کفى بنفسك اليوم عليك حسيبا۔ آج تیرا نفس تیرا محاسب کافی ہے اس لئے کہ تیرا نقش تیرے اعمال کے قلم سے مرقوم ہے سعادت ہے تو بھی شقاوت ہے تو بھی۔ جو اعمال صالحہ کی ہدایت پاتا ہے تو وہ اس کا اپنا فائدہ ہے اور وہ سعادت کے نقوش کو پالیتا ہے اور اگر اعمال فاسدہ کا ارتکاب کرتا ہے تو گمراہی حاصل کرتا ہے اور وہ گمراہی اسے نقصان پہنچائے گی اس لئے کہ وہ شقاوت کے منقوش کو حاصل کر رہا ہے۔ ولا تزر وازرة وزر اخرىٰ! اور کوئی بھی دوسرے کے گناہوں کے قلم کو ہاتھ نہیں لگاتا جو کچھ کرتا ہے وہ خود کرتا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ اور ہم عذاب دینے والے نہیں اور ہمارے لئے مناسب نہیں بلکہ ہماری عادات سے محال ہے اس لئے کہ ہمارا ہر حکم ہزاروں حکمتوں پر مشتمل ہوتا ہے اسی لئے ہم اہل ضلال اور اہل اوزار کو بتقاضائے عقل عذاب نہیں دیتے حَتّٰى نَبْعَثَ یہاں تک کہ ہم ان کے ہاں بھیجیں رَسُوْلًا ○ رسول علیہ السلام، جو انہیں حق کی ہدایت دے اور گمراہی سے روکے اور دلائل و حجج قاطعہ سے سمجھائے اور شرعی مسائل سے آگاہ فرمائے تاکہ پھر وہ معذرت اور حجت بازی نہ کریں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تشریف لانا واجب ہے لیکن نہ بایں معنی کہ اللہ تعالےٰ پر واجب ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ حکمتوں اور مصلحتوں کا تقاضا یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر بدبختوں کو راہ حق دکھلائیں۔

ف: یہاں پر عذاب سے دنیوی عذاب مراد ہے اس لئے کہ یہی عذاب آخروی عذاب کے مقدمات سے ہے۔ بعض بدبختوں کافروں کو ہر دونوں دنیا و آخرت بلکہ عذاب برزخ میں بھی مبتلا کیا

؛ بعث وقت مقدرہ میں عدم صحت وقوع کی غایت ہے نہ عدم وقوع مطلق کی، اس لئے کہ اخروی عذاب کا وقوع بعث کے بغیر ناممکن ہے اور دنیوی عذاب بھی فسق و فجور کے بعد واقع ہوتا ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اور جب ہم کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یعنے جب ہمارے ارادے کا تعلق کسی بستی کے برباد کرنے کا ہوتا ہے۔ اَمَرْنَا تو ہم اسی بستی کی طرف بھیجے ہوئے رسول علیہ السلام کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ مُتْرَفِيْهَا اس بستی کے دولت مندوں اور لیڈروں اور بادشاہوں کو۔

ف؛ المترف بروزن المکرم ابطرتہ النعمۃ وسعۃ العیش سے ہے یعنے فلاں کو نعمت اور وسعت عیش نے تکبر میں ڈالا ہے۔ الترفۃ بالضم بمعنے النعمۃ والطعام الطیب۔

سوال؛ آیت میں صرف دولت مندوں وغیرہ کی تخصیص کیونکہ؟ حالانکہ یہ سب کو شامل تھا۔

چونکہ عوام سرداروں کے پابند ہوتے ہیں۔ سردار بمنزلہ اصل اور عوام بمنزلہ فرع کے ہوتے ہیں اسی لئے اصل کے ذکر کے بعد فرع کی ضرورت نہیں رہی۔

فَفَسَقُوْا فِيْهَا پس وہ سردار لوگ انبیاء علیہم السلام کی طاقت سے خارج ہوئے اور ان بستیوں میں سرکشی کی۔ فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ پس ان پر قول ثابت ہوگیا یعنے جب ان سے طغیان وعصیان صادر ہوا تو پھر نزول عذاب کا موجب اور سبب ظاہر و ثابت ہوگیا۔

ف؛ کاشفی نے لکھا ہے کہ ان بستی والوں پر وہ کلمہ عذاب ہوگیا جو ازل میں ان کے لئے لکھا جا چکا تھا اسی بنا پر وہ عذاب کے مستحق ہوگئے۔

فَدَمَّرْنٰهَا پس ہم نے ان بستی والوں کی تباہی کے ساتھ اس بستی کو بھی تباہ و برباد کردیا۔ تَدْمِيْرًا بمعنی الاھلاک مع طمس الاثر وھدم البناء یعنے کسی مکانات کی بنا ختم کرکے اس کے نشانات مٹا کر اسے تباہ و برباد کرنا۔

ف؛ اس عبارت میں مجاز ہے اور واضح کرتا ہے کہ ان کے فسق و فجور کا سبب صرف ان کی دنیا و دولت بنی جس کی وجہ سے فسق و فجور کے مرتکب ہوئے تو اس کے بعد ان پر تباہی و بربادی ڈالی گئی۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ۔ کم اھلکنا کا مفعول و من القرون کم کے ابہام کو بیان کرتا ہے۔ جیسے اسماء عدد کو تمیز کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی لفظ کم کو بھی اور من القرون لفظ کم کی تمیز ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے بہت سے زمانہ کے لوگوں کو تباہ و برباد کیا۔

ف؛ القرن انسان کی زندگی کا وہ زمانہ جس میں وہ اپنی زندگی بسر کرکے فوت ہو۔ لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ ایک سو سال کی مدت کو قرن کہا جاتا ہے۔

کُنْ کی زبان نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو دعا دیتے ہوئے فرمایا؛

عِشْ قَرْنًا ایک قرن تک جیتے رہو۔ چنانچہ وہ ایک سو سال تک زندہ رہا۔ نیز قرن ہر اس دور کے لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے دور زندگی کا کوئی فرد بھی باقی نہ رہے ویسے ہر آنے والے لوگوں کے لئے پہلے لوگ قرون ہیں اس لئے کہ وہ ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔

مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ط نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد جیسے عاد و ثمود اور ان کے بعد والے۔

سوال: عقل کا تقاضا یہ ہے کہ من بعد آدم کہنا چاہیئے؟

جواب: اس لئے کہ نوح علیہ السلام وہ پہلے نبی ہیں جنھوں نے امت کی تبلیغ میں بہت بڑی جدو جہد فرمائی اور قوم نے بھی آپ کی تکذیب میں سرتوڑ کوشش کی۔ یہ وہی پہلی قوم ہے جس پر سب سے پہلے عذاب الٰہی کا نزول ہوا اور یہی قوم آیت ہذا کی صحیح مصداق ہے اس لئے کہ طوفان نے ان کا ایسا بیڑا غرق کیا کہ جب مٹے تو نہ صرف ان کا نام ونشان مٹ گیا بلکہ ان کے مکانات اور بستیوں کے نشانات بھی نیست و نابود ہو گئے۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ اور تیرا رب تعالٰی کافی ہے۔ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا اور وہ اپنے بندوں کے ظاہری و باطنی گناہوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے ان کے تمام گناہوں کی انھیں سزا دے گا۔

سوال: اسم خبیر کی بصیر پر تقدیم کیوں حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اسم بصیر پہلے ہو اس لئے کہ بصیر کو اسم شہید کی طرح امور ظاہرہ سے اور اسم خبیر کو امور غیبی اور اعمال باطنہ سے تعلق ہے اور ظاہر کو باطن پر تقدیم ضروری ہے۔

جواب: چونکہ امور غیبیہ اور اعمال باطنیہ کو اعتقادیات نیات سے تعلق ہے اور اعتقادیات و نیات اعمال ظاہرہ کے مبادی ہیں۔ اسی لئے ان اعتقادت و نیات کے متعلق کو مقدم کرنا ضروری ہوا۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعث اور امر اور ان کے جمیع متعلقات کفار کے فسق وفجور سے ہوئے نہ اس وجہ سے کہ جونہی ان کے گناہوں کے صدور کا علم ہوا تو پھر یہ امور واقع ہوئے اس لئے کہ گناہوں کا صدور بعد کو ہوا اور بعث و امر وغیرہ اس سے پہلے موجود ہو چکے تھے۔ اس آیت سے بھی کفار کو ہر طرح کے طمع ولالچ سے فارغ کر دیا گیا ہے یعنی انھیں یقین دلایا گیا ہے کہ تمھیں کسی طریق سے بخشش نصیب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: آیت میں اس امت کے گنہگاروں اور بالخصوص مکہ کے کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور ان کی ہر طرح کی نافرمانی سے بچیں ورنہ جیسے سابقہ امتوں پر عذاب نازل ہوتے اگر انھوں نے نافرمانی کی تو یہ بھی ان کی طرح عذاب کے مستحق ہیں۔ اگر اللہ تعالٰی انھیں مبتلا کریں تو وہ اس کا کرم ہے۔

لومڑی کی چالاکی شعبی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ شیر اور بھیڑیا اور لومڑی شکار کے لئے نکلے۔ چنانچہ انھیں تین شکار دستیاب ہوئے:

① حمار وحشی

② ہرن۔

⑷ خرگوش

شیر نے بھیڑیئے سے کہا کہ ان کی تقسیم کیجئے۔ بھیڑیئے نے کہا کہ حمار وحشی آپ کے لئے اور ہرن میرے لئے اور خرگوش لومڑی کے لئے۔ شیر نے بھیڑیئے کو تھپڑ رسید کیا جس سے بھیڑیا خون سے لتھڑ پتھڑ ہو گیا اس کے بعد شیر نے لومڑی سے تقسیم کا کہا لومڑی نے کہا حمار وحشی آپ کے لئے صبح کی خوراک ہو جائے اور ہرن عشاء کی اور خرگوش ان دونوں کے مابین کسی وقت تناول فرمائیں شیر نے ہنس کر فرمایا تجھے کس نے سمجھایا کہ اسی طرح کی تقسیم مناسب ہے لومڑی نے جواب دیا۔ بھیڑیئے پر جناب کے تھپڑ نے سبق دیا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے:

العاقل من وعظ بغیرہ

"دانا وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے"۔ ے

مرد در کارہا چو کرد نظر
بہرۂ اعتبار ازاں برداشت
ہر چہ آں سود مند بود گرفت
ہر چہ ناسودمند بود گذاشت

ترجمہ: مرد امور کو جب دیکھتا ہے تو اس سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ جو امر اس کے لئے مفید ہوتا ہے اسے لیتا ہے جو بُرا ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے:

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ ہوں سیئہ، وہ سعادت و شقاوت سے منقوش ہوتے ہیں اور ان کے اثرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنا پر باقی رہتے ہیں جو ان کی دعوت قبول کرتا ہے تو اس کے لئے نیک اثرات اگر وہ ان کی دعوت کو رد کرتا ہے تو اس کے لئے بُرے اثرات منقوش ہوتے ہیں اس لئے کہ سعادت و شقاوت، اوامر و نواہی کے اندر بطور امانت رکھے گئے ہیں۔

و اذا اردنا ان نہلک قریۃ اور جب ہم نفوس کی بستی کو تباہ و برباد کرتے ہیں امرنا مترفیھا تو ہم اس بستی کے نفوس امارہ بالسوء کو حکم دیتے ہیں۔ ففسقوا پس وہ شہوات کی اتباع اور خواہشات نفسانیہ کو پورا کرتے ہوئے قید شریعت اور اتباع انبیاء علیہم السلام سے نکل جاتے ہیں۔ فحق علیھا القول تو ان پر شریعت کی مخالفت کی نحوست سے ان پر بدبختی کا قول واجب ہو جاتا ہے۔ فدمرناھا تدمیرا جب ان کے نفوس رقوم شقاوت ابدیہ سے مرقومہ ہو جاتے ہیں تو ہم ان کی قبول سعادت کی استعداد ضائع کر دیتے ہیں۔

وکم اھلکنا من القرون من بعد نوح اور ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بہت سے قرون تباہ و برباد کئے یعنے جب انھوں

نے انبیا علیہم السلام کا امر دکیا تو ہم نے قبول سعادت کی استعداد کو ضائع کر دیا۔ وکفی بربک بذنوب عبادہ جب انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی۔ اسی بنا پر تیرے رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کے گناہوں کی کفالت کی۔ خبیرا بصیرا چونکہ ازل میں ہر شئے کو دائمی طور اپنے بندوں کی سعادت وشقاوت کے اسباب اسی نے مقدر کئے ہیں اسی لئے وہ خبیر وبصیر ہے۔

تفسیر عالمانہ

مَنْ كَانَ ہر وہ شخص جو اپنی خساست ہمت سے۔ يُرِيْدُ اپنے اعمال سے ارادہ کرتا ہے۔ الْعَاجِلَةَ جلدی والی یعنے صرف دار دنیا کا یعنے دنیا کے فنون مطالب کو چاہتا ہے اس سے فاسق اور کافر اور اہل ریاء و نفاق اور دنیا کی خاطر ہجرت کرنے والا اور وہ مجاہد جو صرف مال غنیمت وشہرت کے لئے جہاد کرتا ہے، مراد ہے۔ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا ہم بھی اس کے لئے اسی دنیا میں عجلت کریں گے۔ مَا نَشَآءُ جس کے لئے ہم جلدی چاہتے ہیں کہ اسے دنیا ودولت سے مالا مال کر دیا جائے ہر وہ جو خود ارادہ کرتا ہے اس لئے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر چاہنے والے کو اس کے ارادہ پر مالا مال نہیں کیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو طلب کے بغیر مطالب عنایت فرما کر اور بعض کو طلب کرنے کے باوجود مطالب سے اور شرائط سے مشروط کر کے آزماتا ہے اور بعض کے لئے مقدر فرماتا ہے کہ اگر اس نے فلاں مطلب کی طلب کی تو اسے مطلب میں کامیاب کر دیا جائے گا۔ اور بعض کے لئے یوں ہوتا ہے کہ بعد طلب تا فلاں مدت کامران وکامیاب فرمایا جاتا ہے یہ تمام آزمائش کے طریقے ہیں اس لئے کہ کبھی یوں ہوتا ہے کہ بندہ اپنا مطلب چاہتا ہے تو ایک عرصہ کے بعد اس کا مطلب پورا کیا جاتا ہے یعنے طلب کے وقت اور طلب کے حصول کے وقت میں وقفہ ہوتا ہے اور بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ انہیں طلب کے بغیر ہی ہر مقصد میں کامیاب فرمایا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام طریقوں کا خلاصہ یہ ہے کہ نعمتوں سے مالا مال ہونے والے اور محروم ہونے والے تین قسم کے ہیں:

1. طلب کے باوجود محروم
2. طلب پر مقصد میں کامیاب
3. طلب میں کامیاب باوجود اس سے طلب کا صدور بھی نہ ہو۔

لِمَنْ نُّرِيْدُ حرف جر کا اعادہ کر کے ضمیر لہٗ سے بدل البعض ہے اس سے اسم موصول مراد ہے جس کا مقصد کثرت ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ پھر ہم اس کے لئے بنائیں اس کے عوض جو اس کے لئے ہم نے دنیا میں مال ودولت وغیرہ دی۔ جَهَنَّمَ جہنم اور اس کے اندر قسم قسم کے عذاب۔ يَصْلٰهَا یہ ضمیر مجرور سے حال ہے یعنے درآنحالیکہ داخل ہوگا۔ مَذْمُوْمًا ملامت کیا ہوا ہے۔ یہاں مذمت بمعنے ملامت ہے مذمت وملامت بمعنے خلاف المدح والحمد مثلاً کہا جاتا ہے۔ ذممۃ دھوذمیم ای غیر حمید یعنے مذمت وملامت کیا ہوا۔ (کذا فی بحر العلوم)

مَدْحُوْرًا دھتکارا ہوا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، اس لئے کہ الدحر بمعنے الطرد والابعاد یعنے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا۔ وَمَنْ اور ہر وہ جو ازروئے علو ہمت۔ اَرَادَ اعمال سے ارادہ کرتا ہے۔ الْاٰخِرَةَ آخرت اور اس کے

اندر کی دائمی نعمتوں کا۔ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا اور پوری کوشش کرتا ہے جیسا کہ اس کے لائق ہے یعنے اوامرِ الٰہی بجالانا اور نواہی سے رکنا نہ اس طریق سے جیسا کہ اہل جاہلیت قرب الٰہی کے لئے عمل کرتے اور وہ ان کے اپنے من گھڑت تھے۔ لھا کی لام نیت واخلاص کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس لئے کہ لام اختصاص کے لئے مستعمل ہوتی ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ درانحالیکہ وہ مومن ہو یعنے اس کا ایمان صحیح ہو کہ جس میں شرک اور تکذیب کا شائبہ تک نہ ہو اس لئے کہ بہشت کے داخلہ کے لئے ایمان ضروری ہے۔ فَأُولٰٓئِكَ مذکورہ بالا سہ شرائط یعنے آخرت کا ارادہ رکھنے والے اور اس کے لئے سعیِ جمیل کرنے والے اور ایمان والے کے جامع ہیں پس وہی لوگ۔ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُورًا ہے ان کی سعی حسن قبول سے اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول ہے اس پر انھیں ثواب نصیب ہوگا اس لئے کہ جب شکر کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا اجر وثواب دینا مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ اس پر کوئی قرینہ نہ ہو کیونکہ شکر کا عمدہ نتیجہ ہے۔

لطیفہ عجیبہ انسان دنیا وآخرت سے مرکب ہے ہر دونوں دنیا وآخرت کے ہر جزء کو میل وارادہ ہے تاکہ ان ہر دونوں سے غذا پاکر قوت حاصل کرکے تکمیل پذیر ہو۔ انسان کا دنیوی جز نفس ہے اور اس کا راستہ جہنم کے درکات ہیں اور اس کا دوسرا جز اخروی روح ہے اور اس کا راستہ جنت کے درجات ہیں اور قلب ان ہر دونوں اجزاء سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کا راستہ رحمٰن کی دونوں انگلیوں کے درمیان ہے۔ رحمٰن کی ایک انگلی کا نام لطف اور دوسری کا نام قہر ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ وہ قہر کا مظہر ہو تو اس کا دل اور چہرہ دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی لئے عجلت کی چیزیں چاہتا ہے اور انہی عجلت کی چیزوں سے نفس کی تربیت کرتے ہوتے بعد وفراق کے درکات تک پہنچ کر اسی ہجر وفراق کی نار میں داخل رہتا ہے اور جس کے لئے ارادہ کرتا ہے کہ اسے اپنے لطف وکرم کا مظہر بنائے تو اس کے قلب اور چہرہ کو عالم علو کی طرف متوجہ کرتا ہے پھر وہ آخرت کے امور میں بڑھتا ہوا طلبِ حق میں بہت زیادہ جد وجہد کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو یعنے جو بھی حق کی طلب کرتا ہے تو اسے لازماً پالیتا ہے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی وجود میں موجد کے ہاں ازل سے مشکور ہے۔

كُلًّا یہ نُّمِدُّ کا منصوب ہے یعنے ہر ایک دنیا وآخرت کے ارادتمند۔ نمد ہم بار بار بڑھاتے ہیں کہ ہر آنے والے کے لئے پہلے کی مدد ثابت ہوگی ان کے درمیان میں انقطاع نہ ہو ان میں سے ایک کو دنیا کی نعمتیں دوسرے کو آخرت کی نعمتیں هٰٓؤُلَآءِ کلا سے بدل ہے وَهٰٓؤُلَآءِ پہلے ھولآء پر عطف ہے یہ اور وہ یعنے دنیوی نعمتوں والے ہوں یا اخروی نعمتوں والے۔ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ تیرے رب تعالےٰ کی طرف سے عطا ہے یعنے اس کی دی ہوئی وسیع نعمتوں کا کوئی ملتہی نہیں۔ عطا بمعنے معطیٰ یعنے وہ شے جو عطا کی جائے یہ نمد کے متعلق ہے۔ ما بہ الامداد اور منہ یعنے امداد کی مقدار اور امداد کی جانب کا ذکر نہیں کیا گیا اس لئے کہ یہی امداد نہ سعی پر موقوف ہے اور نہ ہی عمل کی وجہ سے بلکہ یہ اس کا فضل محض ہے۔ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ اور تیرے رب تعالےٰ کی عطا دنیوی واخروی مَحْظُوْرًا روکی ہوئی اس سے کہ جس کا وہ ارادہ کرے وہ نیک ہو یا برا بلکہ وہ اپنے ارادہ کریمہ سے دنیا وآخرت میں نیک کو عطا سے نوازتا ہے اور کافر اور فاجر کو دنیوی نعمتیں عنایت فرماتا ہے۔ اگرچہ

ں سے ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن کی وجہ سے عنایات کی روکاوٹ ہو جاتے۔
شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرمایا: ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست
پس پردہ بیند عملہائے بد
ہم او پردہ پوشد بالائے خود
وگر برجفا پیشہ بشتافتے
کہ از دست قہرش اماں یافتے

ترجمہ: (۱) زمین کا دسترخوان اللہ تعالٰی کا ہے یہ دشمن اور دوست کے لئے عام ہے۔
(۲) بڑے اعمال دیکھ کر بہت پردے ڈھانپتا ہے۔
(۳) اگر ظلم کا طریقہ اختیار کرتا تو اس کے قہر سے کوئی بھی نہ بچتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ دیکھئے ہم نے کیسے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ کیف فضلنا سے منصوب علی الحالیۃ ہے نہ انظر سے اس لئے کہ استفہام پر اس کا عامل مقدم نہیں ہوسکتا اس لئے کہ استفہام کو کلام کا ابتدا ضروری ہے۔ یعنے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم نظر عبرت سے دیکھئے کہ ہم بعض آدمیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے یعنے بعض کو دنیوی نعمتوں سے مالامال کیا ہے اور بعض ان میں مالی لحاظ سے نہایت کمزور ہیں، بعض ان میں شریف اور بعض ان میں رذیل کمینے ہیں، بعض ان میں مالک ہیں اور بعض مملوک اور بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے کہ بعض کے درجات و مراتب دوسروں سے افضل ہوں گے۔ ان کے حالات خود بخود ایک دوسرے کی فضیلت کے شاہد ہوں گے چنانچہ فرمایا: وَلَلْاٰخِرَةُ اور آخرت اور جو کچھ اس کے اندر ہے۔ اَكْبَرُ دنیا سے بہت بڑی۔ دَرَجٰتٍ درجات کے لحاظ سے اس کا منصوب ہونا علے التمیز ہے یہ درجۃ کی جمع ہے یعنے مرتبہ وطبقہ۔ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا اور تفضیل کے لحاظ سے بہت بڑا ہے وہ اس لئے کہ آخرت کا یہ تفاوت بہشت اور بلند درجات کی وجہ سے ہے۔ اس کے ہر درجہ کا فاصلہ آسمانوں و زمین کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض یعنے دنیوی ساز و سامان اور ان کے حصول مرادات کے لحاظ سے ہم نے اہل دنیا کو بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے تاکہ ثابت ہو کہ ہماری مہربانی سے ان کے مراتب و درجات کا فرق ہے۔ وللاخرۃ یعنے اہل آخرت۔ اکبر درجات و اکبر تفضیلا اہل دنیا سے درجات اور تفضیل کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں۔ اس لئے کہ درجات اُخرویہ کے مراتب اور آخرت والوں کے فضائل باقی اور غیر متناہی ہیں اور دنیا کی نعمتیں اور اہل دنیا کے فضائل متناہی

اور فانی ہیں حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

فی الجملہ اعتماد مکن بر ثبات دہر
کیں کارخانہ ایست کہ تغییر می کنند

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اُخرویہ باقیہ کے درجات کو حاصل کرے۔

حدیث شریف (۱): اہلِ دنیا کی نظروں میں بہشتی لوگ مجنوں محسوس ہوتے ہیں حالانکہ وہ اہلِ علم کے نزدیک بہت بڑے عالی مراتب ہیں۔

ف: اولوالالباب سے مراد علماءکرام ہیں۔ اولوالالباب حدیث شریف میں واقع ہوا ہے۔

حدیث شریف (۲): عالمِ دین کی عابد پر وہی فضیلت ہے جیسے میری فضیلت تمہارے اونیٰ درجہ والے پر۔

حدیث شریف (۳): ایک روایت میں ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت ہے۔

حدیث شریف (۴): حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے "والذین اوتوا العلم درجات" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عام مومن پر عالمِ دین کے سات سو درجات بلند ہوں گے ان ہر ایک کے درجہ کی مسافت ایسے ہے جیسے آسمان و زمین کی درمیانی مسافت۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ بہشت کے درجات کا تفاوت حسبِ معارف حقیقیہ علوم الٰہیہ کے مطابق ہوگا۔

حدیث شریف (۵): بہشت میں ایک نورانی شہر ہے اس کے اندر کے محلات اور دریچے ایسے ہیں جنھیں پہلے کبھی نہ کسی ملک مقرب نے دیکھا ہے اور نہ نبی مرسل نے، اور اس کے اندر رہنے والے خدام و ازواج نورانی ہیں۔ یہ تمام اللہ تعالےٰ نے عاقل لوگوں کے لئے تیار فرمائے ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ اہلِ جنّت کو اہلِ نار سے ممتاز فرمائے گا" ایسے ہی اہلِ عقل کو غیر عقل والوں سے ممتاز فرمائے گا۔ پھر ہر ایک کو عقل کے مطابق ان شہروں میں بسایا جائے گا۔ ان میں سے ہر ایک کے درجے کا فرق مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت، ہزار مرتبہ کے مطابق ہوگا۔

ف: عقل سے علم و معرفتِ الٰہی مُراد ہے۔

حدیث شریف (۶): بہشت کے بعض مخصوص درجات ہیں جو صرف اہلِ ہموم کو نصیب ہوں گے۔

ف: اصحاب ہموم سے وہ لوگ مراد ہیں جو طالبِ خیر اور حلال رزق کے متلاشی رہتے ہیں۔

حدیث شریف (۷): بہشت میں بعض مخصوص درجات ہیں جو صرف ان تین قسموں کے لوگوں کو نصیب ہوں گے:

① عادل

(۲) صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے والا ۔

(۳) صاحب عیال، صبر کرنے والا ۔

ف : حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ صاحب عیال، صبر کرنے والا کون ہے ؟ فرمایا : جو اپنے عیال پر خرچ کرکے ان پر احسان نہ جتلائے ۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے دروازے پر چند لوگ جمع ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا لیا۔ یہ بات حضرت ابوسفیان کو ناگوار گذری، اور فرمایا کہ ہمیں اجازت نہیں ملی اور انھیں اجازت مل گئی اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم سب کو دعوتِ اسلام دی گئی لیکن انھوں نے پہلے دعوتِ اسلام قبول فرمائی اور ہم نے دیر سے، یہی کیفیت آخرت میں ہوگی پھر رشک کیسا ۔

ف : بعض روایت میں واکثر تفضلا پڑھا گیا ہے ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ عالم دنیا میں فخر و مباہات پر ناز کرنے والو تمھیں چاہیئے کہ آخرت کی منازل و مراتب کے حصول کی جدوجہد کرو کہ دراصل فخر و مباہات کا وہی امر ضروری ہے۔ اس لئے کہ فضیلت کے لحاظ سے آخرت کے درجات و مراتب اکبر و اکثر ہیں ۔

حدیث شریف : جہاد کے تارک اور جہاد پہ جانے والے کے درمیان سو درجہ کا فرق ہوگا۔ ہر درجہ کے درمیان ستر سال تیز رفتار گھوڑے کے دوڑنے کا فاصلہ ہوگا ۔

حدیث شریف علم حاصل کرو اس لئے کہ قیامت میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام اٹھائے جائیں گے پھر علماء پھر شہداء اس کے بعد تمام مخلوق۔ ہر ایک کو اپنے درجات پر مراتب و فضائل نصیب ہوں گے۔ (کذا فی بحر العلوم)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

علم را دو پر گمان را یک پر است
ناقص آمد ظن بہ پرواز ابتر است

مرغ یک پر زود افتد سرنگون
باز بر پرد دو گامے یا فزون

اُفت و خیزاں میپرد مرغ گمان
با یک پر بر امید آشیان

چوں ز ظن وارست علمش رو نمود
سد دو پر آن مرغ یک پر بر کشود

بعد ازاں: عیشی سویا مستقیم
نے علی وجہ مکبا اوسقیم

ترجمہ: ① علم کے دو، اور گمان کا ایک پر ہے ناقص ظن کی وجہ سے ابتر ہے۔
② ایک پر والا پرندہ جلدی نیچے گرے گا، دو پروں والا اوپر کو تیز ہو کر جائے گا۔
③ مرغ گمان آفت زدہ اور گرتا ہوا جائے گا اسی پر سے اپنے آشیاں کو تلاش کرے گا۔
④ انسان کی مثال اسی پرندے کی ہے کہ ایک کو پر، دوسرے کو دو پر ملیں گے۔
⑤ علم والا نہایت سیدھا اور صحیح چلے گا اور گمان والا ٹیڑھا یا بیماروں کی طرح۔
اے اللہ! ہمیں اہلِ یقین و تمکین سے بنا۔ (آمین)

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ۔ اگرچہ یہ خطاب رسول اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے۔

قاعدہ عجیبہ اوامر میں اصل نبی علیہ السلام اور نواہی میں امت اسی قاعدہ پر بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں پر یہ خطاب امت کو ہے۔

فَتَقْعُدَ نہی کے جواب کی وجہ سے منصوب ہے یہاں پر قعود بمعنی صیرورۃ ہے یعنی تم ہو جاؤ گے یا بمعنی المکث ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ تم ٹھہرو گے لوگوں میں، یہ اس محاورہ سے ہے کہ جب ہر اس شخص کے متعلق حالات پوچھے جائیں جس کے حالات بگڑ چکے ہوں تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: قاعد فی اسوء حال یعنی وہ بہت بڑی ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہے اس کے بیٹھنے یا کھڑے ہونے سے غرض نہیں ہوتی بلکہ اس سے اس کے حالات کا اظہار مطلوب ہوتا ہے کبھی ایسے قعود سے اس کا حقیقی معنیٰ ہوتا ہے، اس لئے کہ جس کے حالات دگرگوں ہو جاتے ہیں تو اس کی اکثر حالت تفکر و تحیر میں بیٹھے گذرتی ہے اگرچہ وہ ہر وقت بیٹھا نہیں رہتا لیکن اس کی اکثری حالت کے پیشِ نظر اسے قعود سے تعبیر کرتے ہیں۔ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○ یہ دونوں خبریں یا حال ہیں یعنی تم مذمت و خذلان کے جامع ہو جاؤ گے کہ عند الملائکہ و عند الناس تمہاری بہت بڑی مذمت اور رسوائی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت ہے سو اس لئے کہ انہوں نے غیروں کو اس کا شریک ٹھہرایا اور اس وقت ان کے شریک بھی انہیں کام نہیں دیں گے اس بنا پر در در کے دھکے کھائیں گے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی بخشش کے دروازے بند کر دیئے ہوں گے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر مشرک جامع بین المذمۃ والخذلان، تو مومن کا جامع المدح والنصرۃ ہونا بطریق اولیٰ ہوا۔ نیز اس سے واضح ہوا کہ طالبِ حق اپنی طلب میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اسے دارین اور اس کی نعمتیں ناپسند ہوتی ہیں، اور وہ صرف حق کو چاہتا ہے اور بس۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے

عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ

سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان

لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝٢٣ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ

سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب تو ان

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝٢٤ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ

دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن میں پالا تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر

اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝٢٥ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى

تم لائق ہوئے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور رشتہ داروں کو ان کا

حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝٢٦ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا

حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور فضول نہ اڑا بے شک اڑانے والے شیطانوں

اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝٢٧ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ

کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور اگر تو ان سے منہ پھیرے اپنے

ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝٢٨ وَلَا تَجْعَلْ

رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہے تو ان سے آسان بات کہہ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن

يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا

سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا

مَّحْسُوْرًا ۝٢٩ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

تھکا ہوا بے شک تمہارا رب جسے چاہے رزق کشادہ دیتا اور کستا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کو

خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝٣٠

خوب جانتا دیکھتا ہے

تفسیر عالمانہ

وَقَضٰی رَبُّكَ اور تمہارے رب تعالے نے ہر مکلف کے لئے قطعی فیصلہ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قضیٰ امر کے معنے کو متضمن ہے اس کے بعد مضمن کو اصل اور مضمن فیہ کو اس کے لئے قید بنایا گیا ہے۔ یہ تاویل ہم نے اس لیئے کی ہے کہ جس کا فیصلہ منجانب اللہ ہو اس کا وقوع واجب ہوتا ہے لیکن یہاں

کلی طور پر فیصلہ مذکورہ کا وقوع نہیں ہوا اس لئے کہ بعض مخاطبین میں سے ایسے تھے جنھوں نے توحید سے صریحی طور پر انکار کر دیا۔

تفسیر صوفیانہ یہاں پر رب کی اضافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی لئے کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ تربیت میں اصل حضور علیہ السلام ہیں اور امت فرع۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا یہ کہ اللہ تعالٰے نے ازل سے فیصلہ فرمایا ہے یہ عبارت دراصل بان لا تعبدوا تھی اس معنے پر اَنْ مصدریہ لا نافیہ ہوگی۔ اِلَّآ اِیَّاہُ صرف اسی کی (عبادت کرو) اس لئے کہ عبادۃ غایۃ تعظیم کو کہتے ہیں اور غایت تعظیم صرف اسی کے لئے لائق ہے جو عظمت و انعام کا انتہا و غایت اسی پر ختم ہو۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ احسان کرو یعنے ان کی ہر طرح کی خدمتگاری کرو اس لئے کہ وہ تمھارے ظاہری وجود اور ظاہری تربیت کے سبب ہیں اگرچہ اس کا سبب حقیقی صرف اللہ تعالٰے ہے۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ آیت میں اشارہ ہے کہ سبب حقیقی اللہ تعالٰے ہے تو تعظیم حقیقی کے لائق بھی صرف وہی ہے اور والدین چونکہ سبب ظاہری ہیں اسی لئے تعظیم ظاہری کے وہی مستحق ہیں یعنے اللہ تعالٰے نے اپنی توحید کے ساتھ احسان الوالدین کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ انسان کے حقیقی وجود کا سبب اللہ تعالٰے ہے لیکن انسانی تربیت والدین کے ذمہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی صغر سنی اور ضعف کے وقت اللہ تعالٰے کی حقیقی تربیت کے مظہر والدین ہیں کہ اس میں ایجاد و ربوبیت و رحمت و رأفت کے آثار صفات پائے جاتے ہیں اللہ تعالٰے کسی کی خدمت کا محتاج نہیں اور انسان اپنی ضعف و کمزوری کی وجہ سے خدمت کا محتاج ہے اسی لئے اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ والدین کو ان کی خدمت کا صلہ دو یعنے ان کی خدمت گذاری کا حق ادا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ توحید کے بعد اہم الواجبات والدین کے ساتھ احسان کرنا ہے۔

حدیث شریف والدین کی خدمت نماز و روزہ اور حج وعمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا اگر تمھارے ہاں ان کا ایک بڑھاپے کو پہنچے یا ہر دونوں اور تمھاری خدمت کے محتاج ہوں تو تمھارے اوپر لازم ہے کہ ان کی خدمت کرو۔

ترکیب: لفظ اِمَّا اِن شرطیہ اور مَا زائدہ سے مرکب ہے اور لفظ مَا زائدہ ان شرطیہ کی تاکید کے لئے ہے۔ اسی لئے فعل مضارع پر نون ثقیلہ کا لانا جائز ہوا اور عندک بمعنے کنفک و کفالتک یعنے تمھاری نگرانی اور کفالت میں ہوں اور احدھما، یبلغن کا فاعل ہے اگرچہ سابقہ مضمون کے تقاضے پر ضمیر خطاب جمع کا ہونا موزوں تھا لیکن چونکہ جمع کی ضمیر سے معنے اور مقصود میں التباس پڑتا ہے بنابریں واحد کی ضمیر مخاطب لائی گئی ہے اس لئے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ والدین، ہر دونوں یا ان میں سے کسی کو جھڑکنا تو درکنار اُف تک نہ کیا جائے۔ اگر جمع کے صیغہ کے مقابلہ میں ضمیر جمع یا تثنیہ کے مقابلہ میں ضمیر تثنیہ کی لائی جاتی تو وہ مقصد حاصل نہ ہوتا جو مذکور ہوا ہے۔

سوال: والدین کی خدمت گذاری اوران کی عزت واحترام کو بڑھاپے سے کیوں مقید کیا گیا ہے حالانکہ ان کی خدمت گذاری وغیرہ ہر وقت فرض ہے خواہ جوان ہوں یا بوڑھے؟

جواب: جب انھیں خدمت گذاری کی شدید ضرورت ہو تو ان کی خدمت بجالانا فرض ہے اور چونکہ بڑھاپے میں عموماً خدمت کی شدید ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ بنابریں اسے بڑھاپے سے مقید کیا گیا ہے اگر انھیں خدمت گذاری کی شدید ضرورت نہ ہو تو پھر ان کی خدمت بجالانا مندوب ہے۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ)

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا پس انھیں نہ کہو۔ یہاں بھی مذکورہ بالا تقریر ہوگی یعنے ہر دونوں ہوں یا ان میں سے کوئی ایک۔ کسی کو نہ کہو۔ اُفٍّ یہ اس آواز کا نام ہے جو تضجر پر دلالت ہے۔ اور اس کے فعل یعنے اتضجر کا اسم ہے اور فا کو ہر تینوں حرکات سے پڑھنا جائز ہے اور اس پر صہٍ دمہٍ و سیہ وغاقٍ کی طرح تنوین ہو تو اس سے اس کی تنکیر مراد ہوگی اگر نہ ہو تو اس کی تعریف کا ارادہ ہوگا اور فاء کا مکسور ہونا اصل بنا کی وجہ سے ہے اگر اسے مبنی بر کسرہ پڑھا جائے اور اس کا مفتوح ہونا تخفیفاً ہے اور اس کا مضموم ہونا منذ (کی ذال مضموم) کی طرح اتباعاً ہوگا لیکن یہ شاذ ہے اب معنے یہ ہوا کہ لا تتضجر وہ باتیں جو تمھیں ناگوار ہوتی ہیں ان سے ملال نہ کیجئے اور نہ ہی ان کی ضروریات کی ادائیگی سے بوجھل ہوں۔

قاعدہ: اُف میں والدین کی ہر طرح کی ایذا سے روکا گیا ہے۔

ربط: اگرچہ اس میں ہر طرح کی ایذا مراد لی گئی ہے لیکن بعض مخصوص ایذاؤں کا ذکر کیا ہے صرف ان کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے:

وَلَا تَنْهَرْهُمَا اور انھیں نہ جھڑکئے یعنے ان سے سخت کلامی اور ترش روئی نہ کیجئے جب ان سے بعض باتیں ناگوار گذریں۔ وَقُلْ لَّهُمَا اور انھیں اف کے بجائے کہئے قَوْلًا كَرِيمًا ۝ کریما بمعنے ذاکرم یعنے قول جمیل جو حسن آداب کا مقتضی اور مروت واحسان کا داعی ہو مثلاً کہے، اباجی، امی جی، جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یا ابت۔ حالانکہ وہ کافر تھا اس کے باوجود بھی ابراہیم علیہ السلام نے ادب سے گفتگو کی۔

مسئلہ: والدین کو نام سے نہ بلائے اس لئے کہ یہ بھی مروت کے خلاف بلکہ کھلی گستاخی ہے ہاں اگر عام گفتگو میں ان کے اسماء بتانے کی ضرورت پڑے تو نام بتا سکتا ہے۔

مسئلہ: ان کی آواز پر اپنی آواز کو اونچا نہ کرے نہ ہی ان کے سامنے اونچا بولے بلکہ نہایت نرمی اور منکسرانہ لہجہ میں بات کرے ہاں اگر وہ بہرے ہوں یا افہام وتفہیم صرف اونچی آواز میں ہو سکتی ہے تو بوجہ ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ: کسی کے ماں باپ کو گالی نہ دے کیونکہ وہ جوابی حملہ کر کے اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔

مسئلہ: ماں باپ کو غیظ وغضب سے نہ دیکھے۔

جَنَاحَ الذُّلِّ استعارہ بالکنایہ ہے عجز و نیاز کو بمنزلہ پرندے کے قرار دے کر پھر اس کے لئے خیالی پر ثابت کئے اس سے مقصد یہ ہے کہ ماں باپ کے سامنے عجز و نیاز کرو اس لئے کہ جب پرندہ اڑتا ہوا نیچے اترنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے پروں کو ڈھیلا کر دیتا ہے اور جب اوپر کو اڑتا ہے تو پروں کو نرم کرتا ہے۔ اسے عجز و نیاز اور تواضع کے لئے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

ف: قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں کو ماں باپ کے ساتھ عجز و نیاز کا حکم فرمایا۔ یہ استعارہ ترشیحیہ ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ ایسے زندگی بسر کرے جیسے ایک ذلیل خطا کار غلام اپنے ترش رو اور سخت گیر آقا کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے یعنے جیسے غلام مذکور اپنے آقا مذکور کے سامنے چاپلوسی اور خوشامد کر کے وقت بسر کرتا ہے ایسے ہی اولاد کو ماں باپ کے سامنے زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

مِنَ الرَّحْمَةِ یہ من ابتدائیہ یا تعلیلیہ ہے یعنے بہت بڑی رحمت سے اس لئے کہ آج وہ تیرے ایسے محتاج ہیں جیسے تو بچپن میں ان کا محتاج تھا۔

مسئلہ: ماں باپ کی طرف محبت و شفقت اور نہایت ہی مہربانی سے دیکھے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص (مرد یا عورت) اپنی ماں یا باپ کو نظرِ شفقت سے صرف ایک بار دیکھے تو اسے حج وعمرہ کا ثواب نصیب ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ اگر دن میں ہزار بار دیکھے تو تب بھی حج وعمرہ کا ثواب نصیب ہوگا۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ دن میں لاکھ بار بھی دیکھے تب بھی اسے ایک نگاہ کے بدلے حج وعمرہ کا ثواب نصیب ہوگا۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

مسئلہ: بارادۂ تواضع اپنی ماں کے قدم چومنا جائز ہے۔

حکایت حضرت الاستاذ ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالٰی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک میں جواہر و یاقوت ہیں۔ آپ نے فرمایا: تیرا خواب سچا ہے اس لئے کہ میں نے کل اپنی ڈاڑھی والدہ ماجدہ کے قدموں کے تلووں کو لگائی تھی۔

مسئلہ: اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے کسی دوسرے کے سپرد نہ کرے۔

مسئلہ: انسان کو اپنے ماں باپ اور استاد (اور پیر و مرشد) کی خدمت سے عار نہ کرنی چاہیئے اسی طرح بادشاہ (حاکم وقت) اور مہمان کا حکم ہے۔

مسئلہ: باپ کے لئے نماز کا امام بھی نہ بنے اگرچہ اس سے وہ فقیہ تر ہے (اگر وہ حکم دین یا ان کو مسائل سے چنداں واقفیت نہیں تو جائز ہے)۔

مسئلہ : ماں باپ کے آگے بھی نہ چلے ہاں اگر راستہ صاف کرنے کی ضرورت درپیش ہو تو جائز ہے۔
مسئلہ : کسی ایسی جگہ پر نہ بیٹھے جہاں اس کے ماں باپ پیچھے بیٹھے ہوں جب کہ اس سے ماں باپ کی اہانت ہوتی ہو۔
مسئلہ : کسی معاملہ میں ماں باپ سے سبقت نہ کرے مثلاً کھانے پینے اور بیٹھنے اور گفتگو میں وغیرہ وغیرہ۔
مسئلہ : اگر باپ بدمذہب ہے وہ اسے اپنی عبادت گاہ میں لے جانا چاہتا ہے تو نہ جائے، ہاں اگر باپ اسے کسی مذہبی چیز کو اپنے ہاں اٹھا لانے کا حکم دے تو اسے بجا لائے۔
مسئلہ : باپ شراب لانے کا حکم دے تو نہ لائے اگر شراب پی کر برتن (گلاس۔ بوتل وغیرہ) اٹھانے کا حکم دے تو یہ حکم ماننا جائز ہے۔
مسئلہ : امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر اسے ماں باپ حکم فرمائے کہ ہانڈی کے نیچے آگ جلائے حالانکہ اس ہانڈی میں خنزیر کا گوشت پکایا جا رہا ہے تو آگ جلانے میں حرج نہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)
مسئلہ : ماں باپ سے عار کر کے اپنے آپ کو کسی دوسرے مشہور و معروف شخصیت کی طرف منسوب نہ کرے اس لئے کہ یہ لعنت کا موجب ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
اپنے آپ کو دوسری ذات میں منسوب کرنے والے پر اللہ تعالےٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کی نہ کوئی عبادت قبول ہوگی نہ نیکی۔ (عبادت سے مُراد فرائض اور نیکی سے مُراد نوافل ہیں) ۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ)

قاعدہ : احادیث کی کتابوں میں جہاں صرف واقع ہو اس سے توبہ اور جہاں عدل واقع ہو اس سے فدیہ یا صَرفٌ سے نوافل اور عَدلٌ سے فرائض یا عدل سے نوافل اور صرف سے فرائض مراد ہیں یا صَرفٌ سے وزن اور عدلٌ سے کیل اور اس کی ہر عبادت یا صرف سے ہر نیکی اور عدل سے فدیہ مُراد ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا اور دعا کیجئے کہ اے رب تعالےٰ! ان پر ایسی رحمت فرمائیے جو باقی رہنے والی ہے ان پر فانی رحمت پر اکتفا نہ کیجئے۔

مسئلہ : اگر ماں باپ ہر دونوں یا ان میں سے ایک کافر ہو تو ان کے لئے اسلام قبول کرنے کی دعا کیجئے۔
ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اولاد کو اپنے ماں باپ کے لئے دعا مانگنے کے مختلف طریقے ہیں اگر وہ مسلمان ہیں تو ان کے لئے بہشت کی اگر کافر ہیں تو ان کے لئے ایمان و اسلام کی دعا مانگے۔
ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ (چچا آزر) کے لئے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا اس کی فوتیدگی کے بعد کہا "یا اللہ! میں اس سے بیزار ہوں اس لئے کہ وہ تیرا دشمن ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے لئے دعا و استغفار ترک کر دی۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے جب کوئی شخص اپنے ماں باپ کیلئے دعاواستغفار ترک کر دیتا ہے تو دنیا میں اس کے رزق میں اللہ تعالٰے تنگی پیدا فرماتا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابن عینیہ سے سوال ہوا کہ مرنے کے بعد میت کو صدقہ پہنچتا ہے یا نہ۔ انھوں نے فرمایا کہ ہر صدقہ پہنچتا ہے لیکن اس کے لئے بہترین صدقہ استغفار ہے اگر اس سے کوئی اور شے نافع ترین ہوتی تو میں ماں باپ کے لئے اس کا حکم فرماتا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہشت میں انسان کے درجات بلند کئے جاتے ہیں تو بندہ پوچھتا ہے، یا اللہ! یہ درجات کس وجہ سے بلند ہوئے اللہ تعالٰے فرماتا ہے تیرے لئے فلاں شخص نے استغفار کی ہے اسی وجہ سے تیرے یہ درجات بلند ہوئے۔

حدیث شریف جو شخص ہر جمعہ اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرتا ہے تو اسے ماں باپ سے احسان کرنے والا لکھا جائے گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سالہا بر تو بگذرد کہ گذر
نکنی سوئے تربت پدرت
تو بجائے پدر چہ کردی خیر
تا ہماں چشم داری از پسرت

ترجمہ: بہت برس گذرنے پر بھی تو کبھی اپنے ماں باپ کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے نہیں گیا۔ بتائیے جب تُونے اپنے باپ سے بھلا نہیں کیا تو پھر اپنی اولاد سے کس منہ سے بھلائی کی امید کرتا ہے۔

كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: رحمۃ مثل رحمتہما علی وتربیتہما وارشادھما فی حال صغری وفا بوعدک للراحمین یعنے جیسے انھوں نے میرے اوپر رحم وکرم کر کے میرے بچپن میں میری تربیت اور بہتر رہبری فرمائی تو اے میرے رب! اب تو اپنے وعدے کو پورا فرما یعنے وہ وعدہ کہ میں رحم کرنے والوں کو بخش دوں گا۔

حکایت وروایت ایک شخص حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے ماں باپ بوڑھے ہوگئے ہیں میرے لئے ان کی ادائیگی حقوق کا کوئی طریقہ ہے تاکہ میں اپنی بچپن کی تربیت کا حق ادا کر سکوں۔ آپ نے فرمایا تم ان کا کوئی حق نہیں ادا کر سکتے اس لئے کہ انھوں نے تربیت تیری زندگی کی بقا کی خوشی میں کی تھی تو ان کی خدمت ان کی موت کی خوشی میں کرے گا۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ تمہارا رب تعالٰے تمہارے دل کے ارادے خوب جانتا ہے یعنے وہ

تمہارے تقویٰ اور والدین کے ساتھ مروت و احسان کو بھی جانتا ہے گو اس میں اس انسان کو تہدید ہے جو والدین کی زندگی سے کراہت اور ان کی خدمت کو بوجھ سمجھتا ہے۔ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ اگر تم نیک بخت ہو یعنے والدین کے لئے خدمت ومروت کا ارادہ رکھتے ہو۔ ان کی نافرمانی اور ان کی ناراضگی سے ڈرتے ہو۔ فَاِنَّهٗ تو بے شک اللہ تعالےٰ ۔ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ اس کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے یعنے جب ان سے کوتاہی ہو جاتی ہے جب کہ انسان فطرتاً قصور وار ہے تو وہ اپنے قصور سے توبہ کرکے اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ غَفُوْرًا ○ وہ کریم، بندوں کے قولیہ فعلیہ اذیتیہ یا تقصیر گناہ کو بخش دیتا ہے۔

مسئلہ: امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اکثر علماء کی رائے ہیں کہ شبہات میں بھی اطاعت والدین واجب ہے لیکن خالص حرام امر کی طاعت ضروری نہیں اس لئے کہ ترک شبہات اتقا ہے اور والدین کو راضی کرنا واجب ہے۔

مسئلہ اگر والدین میں سے ایک، دوسرے کی فرمانبرداری سے راضی نہیں تو والد کی رضا کو ترجیح دے لیکن ان امور جو تعظیم واحترام سے متعلق ہیں اس لئے کہ نسب کا انتساب والد سے ہے اور اگر ان امور کو خدمت واحترام کے لئے پہلے والد کا استقبال کرے۔ اگر کوئی شئے خدمت اور نذرانہ کے طور پر پیش کرنی ہو تو پہلے والدہ کو پیش کرے۔ (کذا فی طبع الادب)

مسئلہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ نفقہ میں والدہ کو ترجیح دے جب والد کے پاس ما بہ الکفایۃ موجود ہو اس لئے کہ بچپن میں پرورش کے لئے والدہ نے بہت زیادہ دکھ اٹھایا اور بہ نسبت والد کے والدہ کو اولاد سے زیادہ شفقت ہوتی ہے اور اولاد کے لئے دکھ درد اٹھانے میں بہ نسبت والد کے والدہ سبقت رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں پیٹ میں بوجھ اٹھایا پھر اسے دودھ پلایا جب تک سمجھ دار نہ ہوا، بچے کی تربیت وخدمت اور علاج ومعالجہ اور اسے نہلانا دھونا صاف ستھرا رکھنا اور اس کے کپڑے وغیرہ دھونا حفاظت کرنا وغیرہ۔ (کذا فی فتح القریب)

؎

جنت سرائے مادر آنست

زیر قدمات مادر آنست

روزے بکن اے خدائے مارا

چیزے کہ رضائے مادر آنست

ترجمہ: مائیں بہشت کی سرائیں ہیں بہشت ماں کے قدموں تلے ہے۔ اے اللہ! ہمیں وہ موقعہ عطا فرما جس سے ہم والدہ کو راضی کرسکیں۔

باپ کل جائیداد کا مالک ہے

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی کہ اس سے اس کا باپ اس کا مال اسباب چھین لیتا ہے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو بلایا تو وہ لاٹھی کے سہارے چلتے ہوا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے

ماجرا پوچھا تو اس نے عرض کی کہ جب یہ کمزور اور میں قوی تھا اور میں دولت منداور یہ فقیر تھا تو میں اسے مال اسباب سے نہیں روکتا تھا اب میں ضعیف اور یہ قوی اور یہ دولت منداور میں فقیر ہوں لیکن مجھ سے اپنے مال کے متعلق بخیلی کرتا ہے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بوڑھے کی بات سن کر رو پڑے اور فرمایا کہ تیری بات جس پتھر اور ڈھیلے نے سنی سب روئے۔ اس کے بعد اس شکایت کرنے والے نوجوان کو فرمایا:

انت و مالك لابيك (تو اور تیرا تمام مال تیرے باپ کا ہے۔

حدیث شریف حضور فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذلیل وخوار ہو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: آپ کس کے لئے فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہر اس شخص کے لئے جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بوڑھا پایا لیکن وہ ان کی خدمت کر کے اپنے آپ کو بہشت میں داخل نہ کر سکا۔

حدیث شریف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ فخر الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنے بعد اپنی امت کے حالات کے تغیر کا خوف نہ کرتا تو میں تمہیں حکم فرماتا کہ چار شخصوں کے لئے گواہی دو کہ وہ بہشتی ہیں:

۱۔ وہ عورت جس نے اپنے شوہر کو محض اللہ تعالے کی رضا کی خاطر مہر بخش دیا اور اس کا شوہر بھی اس پر راضی ہوا۔

۲۔ کثیر العیال جو حلال کمائی سے اپنے کنبے کا پیٹ پالتا ہے۔

۳۔ وہ تائب جو اپنے گناہوں کی طرف ایسے نہیں لوٹتا جیسے دودھ پستان سے واپس نہیں لوٹ سکتا۔

۴۔ والدین کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آنے والا۔

والدین کو نصیحت ماں باپ پر لازم ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا غلط برتاؤ نہ کرے کہ جس سے اولاد نافرمانی پر مجبور ہو جائے بلکہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جو فرمانبرداری میں مدد دے سکیں۔

حکایت: ایک بزرگ عارف کامل نے فرمایا کہ میں نے اپنے بیٹے کو تیس ۳۰ سال سے کوئی کام نہیں کہا اس خطرہ سے کہ شاید وہ میری نافرمانی کرے اور اس نحوست سے اس پر عذاب الٰہی نازل ہو جائے۔

افسوس صد افسوس فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ زمانہ نے پلٹا کھایا اور انسانوں کے حالات میں تغیر آگیا اور ہمیں اپنی بُری عادات پر رونا چاہیے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نفس کی بُری عادات کو دیکھ کر خون کے آنسو بہاتے اور ایک ہم ہیں کہ خطاؤں اور گناہوں میں غرق ہیں لیکن ہمیں اپنے نفوس کی ایسی شرارتوں کا خیال تک نہیں گزرتا۔ نفس امارہ کی ایسی شرارت کے متعلق حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد

ہیچ شوقے نہ پدر را بہ پسر می بینم

دختر انرا ہمہ جنگست و جدل با مادر

پسرانرا ہمہ بدخواہ پدر می بینم

جاہلاں را ہمہ شربت زگلابست عسل

قوت دانا ہمہ از قوت جگر می بینم

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں

طوق زرین بر گردن خر می بینم

ترجمہ: ۱۔ نہ بھائی کو بھائی پر رحم نہ بیٹے کو باپ سے انس ہے۔

۲۔ لڑکیوں کو ماؤں سے جھگڑا اور لڑکوں کو باپوں سے جنگ۔

۳۔ جاہل تو گلاب کا شربت اور شہد کے مزے اڑائیں اور دانا دن رات خون جگر پیتے۔

۴۔ عربی گھوڑے زخم در زخم کھا رہے ہیں لیکن زریں طوق گدھوں نے پہن رکھے ہیں۔

وَاٰتِ اور اے افضل المخلوق محبوب صلے اللہ علیہ وسلم اور یہ خطاب آپ کی تمام امت کو ہے۔ ذَاالْقُرْبٰی رشتہ داروں کو عطا فرمائیے۔ اس سے ذی رحم محرم مطلقاً مراد ہیں یہی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے وہ رشتہ دار ولادت سے متعلق ہو جیسے والدین یا نہ ہو جیسے بھائی، بہن۔ حَقَّہٗ اس کا حق اس سے نفقہ شرعی مراد ہے یہ اس وقت ہے جب وہ رشتہ دار فقراء تنگدست ہوں۔

مسئلہ: انسان پر اپنی چھوٹی اولاد بشرطیکہ وہ تنگدست ہوں اور زوجہ وہ دولت مند ہو یا تنگدست مسلمہ ہو یا کافرہ کا خرچہ واجب ہے۔

مسئلہ: غنی سے وہ شخص مراد ہے جس کے ہاں حوائج اصلیہ سے زائد مال (نصاب کے مطابق) موجود ہو مرد ہو یا عورت ایسے غنی پر ماں باپ کا نفقہ واجب ہے۔ اسی طرح اس پر ان لوگوں کا بھی نفقہ واجب ہے جو ماں باپ کے حکم میں ہیں جیسے دادے، نانے، دادیاں، نانیاں بشرطیکہ وہ فقیر (تنگدست) ہوں وہ مسلمان ہوں یا کافر، بشرطیکہ ذمی ہوں۔ اگر حربی ہوں تو اولاد کو ان کا خرچہ دینا واجب نہیں اگرچہ امان لے کر ہمارے ہاں ہوں۔

مسئلہ: ماں باپ کے سوا باقی ان رشتہ داروں کا خرچ دینا واجب ہے جو ذی محرم ہوں بشرطیکہ وہ فقیر (تنگدست) صغیر یا مؤنث یا لنگڑا لنجا اور نابینا ہو اور اپنی معذوری سے کمائی نہ کر سکتے ہوں۔ اگر وہ معذور کمانے کے قابل ہوں تو پھر ان کا خرچہ دینا بالاتفاق واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر معذوری کے باوجود وہ ذی عظمت و شرافت مثلاً عالم دین حافظ قرآن وغیرہ ہوں تو پھر انھیں خرچہ دینا چاہیئے۔

مسئلہ: ماں باپ اگرچہ روزی کمانے کے قابل ہیں لیکن تنگدست ہیں تو بھی خرچ دینا واجب ہے بلکہ باقی تمام رشتہ داروں پر ان کو فضیلت ہوگی۔

مسئلہ: اسلامی تعلیم کے طالب کا خرچہ والد پر واجب ہے بشرطیکہ وہ طالب علم روزی کمانے سے معذور ہو یعنے لنگڑا لُنجا اندھا وغیرہ ورنہ بعد بلوغ وہ اپنی روزی خود کما کر کھائے اور تعلیم بھی جاری رکھے۔ (آج کل کے طلبۂ اسلام اس مسئلہ پر عمل کرنے کا نام نہیں لیتے پھر یا تعلیم چھوڑ بیٹھتے ہیں یا والدین پر بوجھ بنتے ہیں)[1]

مسئلہ: لنگڑے بیٹے کا خرچ والد پر فرض ہے بشرطیکہ وہ لڑکا تنگدست ہو۔

مسئلہ: لڑکی اگرچہ بالغ ہو جب تک کسی کے نکاح میں نہ دی جائے اس کا خرچہ والد پر واجب ہے بشرطیکہ لڑکی تنگدست ہو۔

مسئلہ: کسی ایک تنگدست کا باپ اور بیٹا دولت مند ہوں تو اس تنگدست کا خرچہ اس کے والدین پر واجب ہے۔

مسئلہ: اختلاف دین کی وجہ سے کسی رشتہ دار کا خرچہ دینا واجب نہیں سوائے ولادت اور زوجیت کے رشتہ کے۔

قاعدہ: اصول (اب۔ جد وجد الجد الخ) کا نفقہ ان کے فروع (ابناء بنات وانبا الانبا الخ) پر واجب ہے بشرطیکہ وہ اصول مسلمان اور تنگدست ہوں اسی طرح برعکس یعنے فروع (ابناء و بنات و انباء الانباء) تنگدست مسلمانوں کا خرچ، اصول (یعنے اباء۔ اجداد) پر۔

مسئلہ: قاعدہ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ نصرانی کا خرچہ مسلمان بھائی پر واجب ہے اور نہ ہی نصرانی پر اپنے مسلمان بھائی پر خرچہ واجب، اس لئے کہ ان میں ولادت کا رشتہ نہیں بلکہ اخویت کا رشتہ ہے۔

مسئلہ: ولادت کے رشتہ میں اصول و فروع کو دیکھا جاتا ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر اقرب فالاقرب پر عمل کیا جائے۔

مسئلہ: ذوالارحام میں بھی اسی رشتہ کا نفقہ واجب ہے جو وراثت لینے کا مستحق ہے اگرچہ بالفعل اسے وراثت نہ بھی ملتی ہو۔

مسئلہ: وہ رشتہ دار جو ذی محرم نہ ہوں اس کا خرچہ دینا واجب نہیں جیسے ابناء العم (چچا کی اولاد)۔ ہاں اگر تنگدست ہوں تو احسان و مروت کے طور پر ان کی مدد کرنی چاہیئے اسی طرح ان کے ساتھ دوسرے طور پر صلہ رحمی اور ان کی ملاقات یعنے ان کے ہاں آنے جانے اور حسن معاشرہ میں ان کے ساتھ حتی الامکان کوتاہی نہ کرے۔ (نفقہ کے مسائل کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

حدیث شریف: صلہ رحمی سے عمر و مال و اسباب میں برکت ہوتی ہے اور گھر آباد رہتے ہیں۔ یہی حال والدین کی خدمت

---

[1] :- اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ

[2] :- ہم تنگدستی کی شرط اس لئے لگا رہے ہیں کہ بسا اوقات وہی صاحب وراثت یا کسی دوسری وجہ سے دولت مند ہوتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

کا ہے۔
مسئلہ: اگر کسی قوم کی حالت کمزور ہو لیکن وہ والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان و مروت کرتے ہیں تو قیامت کے دن ان کے حساب میں تخفیف ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں ذوالقربیٰ میں نفس کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ قلب کو یہی قریب تر ہے اور انسان پر نفس کا حق بھی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ان لنفسك عليك حقا یعنے تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے۔ اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ ریاضت کشی اور جہاد میں نفس پر اتنی سختی نہ کرو کہ وہ عبادت سے ملال کرے اور اعبائے شریعت کے اٹھانے سے تھکن محسوس کرے اور اس کے حقوق میں سے ہے کہ اسے ماکول و مشروب اور نکاح اور مسکن میں فضول خرچی نہ کرنے دی جائے اور اس کی حفاظت کا یہ معنے ہے کہ اسے افراط و تفریط سے بچایا جائے۔
(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ اور مسکین اور مسافر کا بھی حق ادا کرو۔ اور مکہ مکرمہ میں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی بمنزلہ زکوۃ کے فرض تھی پھر اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مسکین جس کی کوئی مالیت نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کی مالیت نصاب سے کم ہو، بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ وابن السبیل یعنے ہمیشہ راستہ طے کرنے والا اگرچہ اس کا گھر میں کتنا ہی مال ہو لیکن سفر میں خالی ہاتھ ہو تو اسے بھی بقدر ضرورت خرچ دینا ضروری ہے اسے ابن السبیل بھی وہ سفر میں اپنے مال سے دور ہے اس لئے وہ تمہاری خدمت کا مستحق ہے۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اور غیر مستحقین پر مال خرچ نہ کرو اس لئے کہ مال کو بے جا خرچ کرنے کا نام تبذیرا ہے [illegible] اسراف بمعنے مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اور یہ بھی شرعاً منع ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ولا تبسطها کل البسط۔
شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ؎

نہ ہر کس سزاوار باشد بمال
یکے مال خواہد یکے گوشمال

ترجمہ: ہر شخص مال کا مستحق نہیں اس لئے کہ بعض کو مال لائق ہے اور بعض کو سزا۔
اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ بے شک فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں یعنے ان کے نفوس کو تباہ کرنے میں شیاطین ان کے مددگار ہیں بلکہ کفرانِ نعمت و جرم و خطا کے ارتکاب میں شیاطین ان کے بہترین معاون ہیں۔ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ اور شیطان اپنے رب تعالےٰ کا بہت ہی ناشکر گزار ہے۔ کیونکہ نہ اس کے اوامر کو مانتا ہے اور نہ نواہی کو۔

شان نزول: قریش مکہ محض شہرت اور نامداری کی غرض سے بہت سا مال خرچ کرتے اور بیجا اور فضول ان گنت

اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو منت دیتے اسی طرح برائیوں اور کھیل تماشہ پر پانی کی طرح پیسہ بہاتے ۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ پہاڑ برابر بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو وہ فضول خرچی نہیں، ہاں! ایک رتی بے جا اور برائی پر خرچ کرنے کو اسراف کہا جائے گا ۔

لطیفہ : کسی نے راہِ حق میں کچھ خرچ کیا پھر بلا تاخیر دوبارہ خرچ کیا تو اس کے دوست نے کہا کہ اسراف مت کرو ۔ اس نے جواب دیا کہ لا سرف فی الخیر ۔ نیکی میں اسراف نہیں ہوتا ۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

کنوں بر کف دست نہ ہر چہ ہست
کہ فردا بدنداں گزی پشت دست

ترجمہ : آج ہی اپنے ہاتھ سے راہِ حق میں خرچ کرلو ورنہ مرنے کے بعد افسوس کے ہاتھ ملو گے ۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ اور اگر تم ان سے اعراض کرو جب کوئی ایسا عارض ہو جو رشتہ دار مستحقین سے اعراض پر مجبور کرتا ہے ۔ **ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ** اپنے رب تعالیٰ کی رحمت کی طلب کی وجہ سے، یعنے رزق کی کمی ہو جائے ۔

سوال : تم نے ابتغاء رحمۃ من ربك کا معنے، رزق کی کمی کہاں سے نکالا ؟

جواب : ہم نے یہاں اقامۃ المسبب مقام السبب کے قانون سے معنے سمجھا اس لئے کہ رزق کی کمی ہی ابتغاء رحمۃ من رب کا سبب ہے ۔

تَرْجُوْهَا جس کی تم امید رکھتے ہو ۔ یہ جملہ رحمۃ من ربك کی صفت ہے ۔

شانِ نزول : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ سے سائل سوال کرتا اور وہ شے آپ کے ہاں نہ ہوتی تو آپ حیا سے سر مبارک جھکا دیتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ خاموشی کی بجائے سائل کو کوئی اچھی بات سنا دیں تاکہ سائل آپ کی خاموشی کو دیکھ کر متوحش نہ ہو ۔ چنانچہ فرمایا :

فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ آپ ان سے نرم لہجہ سے بات کیجئے یعنے سائلین سے کوئی ایسا وعدہ کیجئے جس میں آسانی اور اسے راحت و سرور حاصل ہو ۔ بعض نے کہا کہ قول میسورا سے سائل کے لئے آسانی کی دعا مراد ہے اس معنے پر مفعول میسورا بمعنے مصدر یسر ہے ۔ مثلاً سائل کو کہے : اغناکم اللہ من فضلہ رزقنا اللہ و ایاکم ۔ یعنے تجھے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے اور ہمیں اور تمھیں رزق سے نوازے ۔

سبق : حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا : جو کسی سائل کا سوال (بلا وجہ) رد کرتا ہے سات دن تک اس کے گھر سے رحمت کے فرشتے نہیں گزرتے

فقیر و تنگدست کی فضیلت جو شخص فقیری و تنگدستی میں فوت ہوا اور وہ اپنی اس تنگدستی پر راضی تھا تو بہشت میں اس سے بڑھ کر کوئی اور دولت مند نہ ہوگا۔ (کذا فی الخالصہ)

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ اور اپنے ہاتھ کو باندھ کر گردن کو نہ لے جائیے اس سے بخل و امساک مراد ہے۔ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ اور نہ ہی اسے پورے طور پر کھول دیجئے اس سے اسراف مراد ہے۔

ف : اہلِ تفاسیر نے فرمایا کہ اس میں بخیل کے بخل اور فضول خرچ کے اسراف پر زجر و توبیخ کیا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں میانہ روی ضروری ہے اور امساک و اسراف میں میانہ روی سے کرم وجود مراد ہے۔ اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ راہ حق میں اپنا اثاثہ نہ روکئے کہ اسے دراز بھی نہ کر سکو جیسے گویا وہ ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے کہ پھر وہ کوئی شے کسی کو دینے پر قادر نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسا ہونا چاہیئے کہ گھر کا تمام اثاثہ راہِ حق میں لٹا دیجئے کہ گھر میں ذرہ برابر بھی باقی نہ رہے جیسے گویا ہاتھوں کو کھولنے سے تمام مال و متاع ہاتھ سے نکل جائے پھر ذرہ بھر بھی ہاتھ میں نہ ہو۔

فَتَقْعُدَ یہ دونوں افعال نہی مذکورہ کا جواب ہے یعنے جب کچھ نہ دے سکو گے یا خرچ کرنے کے بعد خالی ہاتھ ہو گے تو بیٹھ جاؤ گے۔ مَلُومًا اللہ تعالےٰ اور لوگوں کے ہاں ملامت کردہ شدہ اس کا اشارہ ولا تجعل یدك الخ کی طرف ہے مَّحْسُورًا ۝ نادم، وہ اس لئے کہ جب ہاتھ خالی ہو جائے گا تو پھر سوائے ندامت اور رسوائی کے اور کیا حاصل ہوگا۔ اس کا ولا تبسطها الخ کی طرف اشارہ ہے۔

ے

مبند از سر امساک دست در گردن
کہ خصلتیست نکوہیدہ پیش اہلِ بہا
مکن بجانب اسراف نیز چنداں میل
کہ ہر چہ ہست بیک دم کنی ز دست رہا
چو درمیانۂ این ہر دو راہ چندانی
تفاوتست کہ از آفتاب تا بسہا
پس اختیار وسط راست در جمیع امور
بدان دلیل کہ خیر الامور اوسطہا

ترجمہ : ۱۔ امساک کر کے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھو اہلِ حق کے ہاں یہ عادت بہت بُری ہے۔
۲۔ اسی طرح اسراف کی جانب بھی نہ جھکو۔ کیونکہ جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں ہوگا وہ سب چلا جائے گا۔
۳۔ جب اس کی درمیانی راہ چلے گا تیری رونق سورج کی روشنی سے زیادہ تابناک ہوگی۔

۴۔ اس سے ثابت ہوا کہ جملہ امور میں میانہ روی بہتر ہے چنانچہ مشہور ہے کہ خیر الامور اوسطہا یعنے درمیانے جملہ امور بہتر ہوتے ہیں۔

ف: الکواشی میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے کیونکہ آپ جیسا فراخ دل کوئی پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی آپ کل کے لئے کوئی شے ذخیرہ کے طور پر چھوڑتے تھے۔ اس کی مزید تحقیق آگے آئے گی۔ (انشاء اللہ تعالےٰ)

شان نزول کاشفی نے لکھا ہے کہ اسباب نزول میں ہے کہ مسلمان عورتیں یہود عورتوں سے بحث کرتی تھیں، یہود عورتیں کہتی تھیں ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے سخی تھے ان کی عادت تھی کہ وہ جو کچھ ہاتھ میں ہوتا فقیر کو دیتے ورنہ اس کا باتوں ہی باتوں سے جی خوش کر دیتے مسلمان عورتیں کہتی تھیں ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سخی تر ہیں۔ آزمائش کے طور پر ایک عورت نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی لڑکی کو بھیج کر عرض کی کہ آپ اپنا پیراہن عنایت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: کچھ دیر کر کے واپس آنا۔ لڑکی دوبارہ حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری ماں اسی پیراہن مبارک کا سوال کرتی ہے جو آپ نے خود زیب تن فرمایا ہوا ہے آپ حجرہ مقدس میں تشریف لے گئے اور پیراہن اتار کر لڑکی کو عنایت فرما دیا پھر بوجہ حیاء و شرم حجرہ مقدسہ سے باہر تشریف نہ لاتے کہ ننگے جسم کیسے باہر جائیں۔ نماز کا وقت ہو گیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے بعد جماعت کے لئے اقامت پڑھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منتظر تھے کہ آپ تشریف لائیں لیکن آپ تشریف نہ لاتے اس کیفیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پریشانی ہوئی تو حجرہ مقدسہ میں حاضر ہوئے۔ آپ کو ننگے جسم دیکھ کر کیفیت سے آگاہی کے بعد عرض کی کہ سرکار اتنی سخاوت بھی اچھی نہیں کہ پھر آپ گھر میں ہی بیٹھ جائیں اور ہم لوگ دیدار کے لئے ترستے رہیں۔ یہ اضافہ برہان القرآن کا ہے۔ اس واقعہ پر یہی آیت نازل ہوئی۔

ف: اس تقریر پر محسورا بمعنے مکشوفا ہو گا بحیثیت تفسیر کے یہی معنے زیادہ موزوں ہے۔ فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ وہ اس لئے کہ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مواخات پیش کئے تو آپ کو ملوماً کہا گیا اور آپ نے پیراہن عنایت فرمایا تو محسورا بمعنے مکشوف ہو گئے اس معنے پر فتقعد اپنے حقیقی معنے از قعود میں ہو گا۔

ف: الارشاد میں اس آیت کے شان نزول کا انکار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا۔ اور یہ سورہ مکیہ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ بے شک تیرا رب تعالےٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تو اس کی روزی تنگ کرتا ہے اور اس کی مشیت حکمت پر مبنی ہوتی ہے کسی کو اس پر اعتراض کی مجال نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اوطان بشریہ و طبعیہ انسانیہ سے نکل کر عبودیت کی فضا کی طرف توکل علی اللہ اور

جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرنے سے ہو سکتا ہے اگر بعض اوقات کسی کے لئے بسط النفس ہوتا ہے کہ وہ اپنی بعض مراد کو حاصل کرے تو وہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ وہ بسط کے فراش کشادہ کر سکے اور بعض اوقات اس کے مقصد پورے نہیں فرماتا تاکہ وہ مجامع قبض کے ساتھ نفس اپنے نفس کے احوال ضبط کر سکے خلاصہ یہ کہ جملہ امور اس کی حکمت بالغہ اور احکام ازلیہ کے سپرد ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا بے شک وہ اپنے بندوں سے خبیر و بصیر ہے۔ یعنی ان کے علانیہ اور پوشیدہ امور کو جانتا ہے اور جو اسرار ان پر مخفی ہیں اسے ان کی تمام مصلحتیں معلوم ہیں۔

قدسی حدیث شریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو اپنے ایمان کی اصلاح کا طریقہ نہیں آتا سوائے دولتمندی کے مثلاً اگر میں اسے تنگدست بنا دوں تو وہ اپنے ایمان کو خراب کر ڈالے گا ایسے ہی بعض بندے اپنی ایمانی اصلاح کو صرف تنگدستی سے مانتے ہوں اگر میں اسے دولت مند بنا دوں تو وہ اسے خراب کر دے گا ایسے ہی بعض بندے ہیں کہ وہ اپنی ایمانی اصلاح تندرست سے مانتے ہیں اگر میں اسے بیماری میں مبتلا کروں تو وہ اپنی ایمانی اصلاح کو خراب کر دے گا ایسے ہی بعض بندے بیماری کو اصلاح ایمانی سمجھتے ہیں اگر میں انھیں تندرست کروں تو وہ اپنے ایمان کو خراب کر ڈالے گا میں ہی اپنے بندوں کے امور کو جانتا ہوں مجھے ہی ان کے قلوب کا علم ہے میں ہی علیم و خبیر ہوں۔ (رواہ انس رضی اللہ عنہ ۔ کذا فی بحر العلوم)

اسی لئے اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو غنی اور بعض کو تنگدست رکھتا ہے اگر سب کے سب غنی ہوں تو وہ سرکش ہو جائیں گے اور اگر وہ سب کے سب تنگدست ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بھلا کر تباہ و برباد ہو جائیں۔

حدیث شریف پانچ باتوں سے پہلے اعمال میں سبقت کرو:

① غنا گمراہ کرنے والے سے۔
② فقر بھلانے والے سے۔
③ بڑھاپے ذلیل کرنے والے سے
④ مرض مفسد سے
⑤ موت تیار کرنے والی سے۔

شرح الحدیث جب کسی بندے کے لئے دولت مندی گمراہی کا سبب بنتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہی سے بچانے کے لئے تنگدستی میں مبتلا فرماتا ہے اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ تنگدستی میں میرا بندہ مجھے بھلائے گا نہیں، بلکہ زبان کو ذکر و حمد میں اور قلب کو توکل اور التجا میں مشغول رکھے گا اسی طرح بعض بندوں کے متعلق جانتا ہے کہ اسے تنگدستی سے دور کر دے گا تو اسے بچانے

کے لئے اس سے فقر کو دور کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

فقر ازیں رو فخر آمد جاودان
کہ بتقوی ماند دست نارسان

زاں غنا و زاں غنی مردود شد
کہ ز قدرت صبرہا بدرود شد

آدمی را عجز و فقر آمد آمان
از بلائے نفس پر حرص و غمان

ترجمہ: ① اسی لئے فقیر ہمیشہ فخر کا موجب ہے کہ بسا اوقات تقویٰ سے وہ مراتب نصیب نہیں ہوتے جو فقیر سے حاصل ہوتے ہیں۔

② دولت مندی اور دولت مند اسی لئے اللہ تعالیٰ کے مردود ہیں کہ وہ قدرت حق پر صبر کرتے ہیں۔

③ آدمی کی اماں عجز و فقر ہیں کیونکہ انسان کو ہر وقت نفس حرص و غم میں مبتلا رکھتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ امر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم رکھے اور اس کی قضاء و قدر پر راضی رہے اور موارد قبض پر صبر کرے اور مواقع بسط و انفاق پر شکر کرے۔

ملفوظ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ سید التابعین و سلطان الاولیاء عاشق رسول مقبول سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ صبح و شام ضرورت سے فارغ طعام، کپڑے وغیرہ فقراء پر تقسیم کر کے کہتے: اے اللہ تعالیٰ! جو شخص بھوک اور کپڑوں کی تنگی سے مر جائے تو مجھ سے مؤاخذہ نہ فرمانا۔

ملفوظ حضرت حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت منصور حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص بیس دن تک بھوکا بیٹھا ہے بیسویں دن اسے طعام حاصل ہو لیکن اسے معلوم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ ضرورتمند فلاں جگہ موجود ہے تو اگر اس نے اپنے آپ کو اس حاجت مند پر ترجیح دی تو وہ مرتبہ ولایت سے گر جائے گا۔

کسی نے کہا کہ اس سے واضح معلوم ہوا کہ حضرت حلاج کا مرتبہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بظاہر زیادہ ہے (لیکن یہ غلط ہے) کیونکہ حضرت اویس قرنی خیر التابعین ہیں اور حضرت حلاج صرف ولی اللہ ہیں۔ چنانچہ مزید سنئے:

موازنہ حلاج و اویس رضی اللہ عنہما حضرت الشیخ الکامل محمد بن علی العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا قول ان کے مرتبہ علیا اور قطبیۃ عظمٰی کی خبر دیتا ہے اس لئے کہ ایسا قول ولایت کے امامِ وقت سے صادر ہو سکتا ہے کیونکہ وہ امام فی الولایت ہوتا ہے جو اپنی تمام مملوکہ اشیاء راہ حق میں لٹا کر

پھر عجز و الحاح کا اظہار کرے ایسی توفیق اللہ تعالٰی اسے بخشتا ہے جو اس کا خلیفہ خاص ہو اور وہ اس کی نیابت میں اس کے بندوں پر رحم و کرم اور شفقت فرمائے چنانچہ خود اللہ تعالٰی نے اپنے اکمل خلیفہ اور سید الاقطاب صلے اللہ علیہ وسلم کے شان میں فرمایا کہ وما ارسلناك الا رحمة للعالمين اور حضرت حلاج رحمہ اللہ تعالٰی کا قول بھی عرفان و ولایت کے بہت بڑے بلند مرتبہ کی خبر دیتا ہے کیونکہ وہ عارف بہت بڑا بلند مرتبہ کا مالک ہوتا ہے جو اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دے بلکہ اپنے نفس پر تشدد اور وغیظ و غضب کرے اور دوسرے پر رحم و کرم اور شفقت کرے ایسا عارف صاحب حال ہوتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حلاج صاحب حال تھے لیکن سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ صاحب مقام و تمکین و قوت تھے اور صاحب مقام کا درجہ صاحب حال سے بہت بلند ہوتا ہے اس لئے صاحب مقام اپنے نفس کو بھی اپنا اجنبی سمجھتا ہے اس معنے پر وہ دوسروں کے لحاظ سے علوی ہوتا ہے اور اپنے نفس کو دوسرے سے سفلی سمجھتا ہے اس لئے وہ اپنے نفس پر بھی رحم و کرم اور شفقت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص صدقہ کر نکلے تو اسے چاہئے کہ سب سے پہلے جو بھی مسکین ملے وہ صدقہ اسے دے دے اس کی بجائے دوسرے مسکین کی تلاش میں نکلتا ہے تو وہ ہوائے نفس کا بندہ کہلائے گا ورنہ اسے چاہیئے تھا کہ اسے جو بھی ملا اسے ہی دے دیتا کیونکہ ولایت شانِ رسالت کی مظہر ہے اور رسالت کا طریقہ یہی ہے کہ جو بھی اسے ملا تو فوراً دے دی اور فرمایا کہو لا الہ الا اللہ یہ نہ دیکھا کہ یہ اپنا ہے یا پرایا۔ اور ولی رسول کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے پھر جب اللہ تعالٰی اس ولی کو ولایت بخشتا ہے جس کے متعلق اسے معلوم ہے کہ وہ اس کے بندوں کا تزکیہ نفس فرمائے گا ایسے شخص کو سب سے پہلے اسے اپنا نفس ملتا ہے تو وہ شخص کسی دوسرے کے تزکیہ کا انتظار نہیں کرتا بلکہ وہ فوراً اپنے نفس کی اصلاح میں لگ جاتا ہے کیونکہ پہلے اسے اپنی اصلاح ضروری ہے تاکہ دوسرے اس سے اصلاح پذیر ہوں[1] جب دوسرے اس کے ساتھ متعلق ہیں تو اسے پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہئے کیونکہ اس کا نفس کسی سے متعلق نہیں بلکہ وہ اس سے متعلق اور اسی کے در کا بھکاری ہے وہ تو صرف اسی کا دروازہ کھٹکھٹائے گا بلکہ اس سے اپنی امانت چاہے گا اسی لئے اس پر لازم ہے کہ وہ پہلے اپنے نفس کو دے کیونکہ اس کا سب سے پہلا سوالی اس کا اپنا نفس ہے۔

حدیث شریف کا صوفیانہ معنے ابدا بنفسك ثم بمن تعول پہلے اپنے نفس کو عطا کر پھر ان کو جو تیری عیال داری میں ہیں۔ اس میں ہماری مذکورہ بالا تقریر کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قریبی رشتہ دار بہ نسبت دوسروں کی اصلاح کے زیادہ مستحق ہیں خلاصہ یہ کہ انسان سب سے پہلے اپنی پھر اپنے قریبی رشتہ داروں کی اصلاح کرے اگر اس کے رشتہ دار اصلاح پذیر نہیں ہوتے تو پھر جو بھی اصلاح کا طالب ہو اس کی اصلاح کرے۔ پھر یہ نہ دیکھے یہ کون ہے اور کیا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب اللہ تعالٰی کے اسرار حق تعالٰی نے عالم دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں تو رحمت کے دروازے پر جس سوالی کو بھی عجز و نیاز سے آہ و فغان کرتا ہوا دیکھتے ہیں اسے اسرار و رموز سے نوازتے ہیں جتنا وہ اس کا اہل

---

[1] :- صوفیاء کے نزدیک "اوّل خویش بعد درویش" کا یہی مطلب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (اویسی غفرلہٗ)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ

اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے ہم انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ

بھی بے شک ان کا قتل بڑی خطا ہے اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی ہے اور بہت

سَبِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ

ہی بری راہ اور کوئی جان جس کی حرمت اللہ نے رکھی ہے ناحق نہ مارو اور جو ناحق نہ مارا جائے تو

مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿٣٣﴾

بے شک ہم نے اس کے وارث کو قابو دیا ہے تو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے ضرور اس کی مدد ہونی ہے

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس راہ سے جو سب سے بھلی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور عہد

بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿٣٤﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

پورا کرو بے شک عہد سے سوال ہونا ہے اور ماپو تو پورا ماپو اور برابر ترازو سے تولو

الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٣٥﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ

یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ

بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے اور زمین میں

فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿٣٧﴾

اتراتا نہ چل بے شک ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ

یہ جو کچھ گزرا ان میں کی بری بات تیرے رب کو ناپسند ہے یہ ان وحیوں میں سے ہے جو تمہارے رب نے

مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا

تمہاری طرف بھیجی حکمت کی باتیں اور اے سننے والے اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھہرا کہ تو جہنم میں پھینکا جائے گا طعنہ

مَّدْحُوْرًا ﴿٣٩﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ

پاتا دھکے کھاتا کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹے چن دیے اور اپنے لیے فرشتوں سے بیٹیاں بنائیں

اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ ع

بے شک تم بڑا بول بولتے ہو

۱۳۴
(بقیہ صفحہ گزشتہ)

ہوتا ہے یہ خواص اولیا ہوتے ہیں۔ اسی مقام کی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دلائی کہ اللہ تعالےٰ مخصوص اسرار کے حصول کے درپے رہو۔ اس سے جو پیچھے ہٹا وہ محروم رہا اور جو اس مقام کو بھول گیا وہ ہمیشہ بھولا رہا۔

خلاصۃ المرام ہماری اس تقریر سے اندازہ کیجئے کہ صاحب حال و صاحب مقام کے درمیان کتنا بہت بڑا فرق ہے اگرچہ بظاہر دونوں ایک ہیں لیکن گہرائی سے دیکھنے سے فرق واضح ہوتا ہے ورنہ عوام کی نظروں میں حضرت حلاج کا مرتبہ بہت بڑا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ انھوں نے بظاہر ایک مشقت بھری کیفیت کو اپنایا لیکن حضرت اویس رضی اللہ عنہ کی دقیق نظری اس طرف لے جاتی ہے کہ حقوق کی پاسداری بھی ضروری ہے اسی لئے کاملین و عارفین پہلے اپنی اصلاح پر زور دیتے ہیں پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن عوام بے چاروں کو ان کے احوال حقیقیہ کا کیا پتہ وہ تو اپنی جہالت و حماقت سے اسرار الٰہی کو نہیں جانتے اسی لئے ان اولیار کاملین پر طعن و تشنیع کرکے جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں یا پھر ایک کامل کو ایک اکمل پر ترجیح دیتے ہیں وہ ان کی کم عقلی کی دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے مراتب و مقامات کو نہ پہچانا وہ اپنی خفت عقلی سے حلاج رحمہ اللہ تعالےٰ رضی اللہ تعالےٰ کو ترجیح دے بیٹھے۔ اگرچہ ہم اس کے منکر نہیں کہ حضرت حلاج رحمہ اللہ تعالےٰ کا مرتبہ کچھ کم ہے (معاذ اللہ) وہ بھی بہت اونچے مرتبہ کے ولی تھے لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے درجہ سے کوسوں دُور۔

نکتہ: اسی طرح بعض بے وقوف حضرت شیخ اکبر ابن العربی قدس سرہٗ کے اسرار و کمالات اور ان کے کلام کی دقت اور ان کی تحریر کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

۱۳۵
(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ تنگدستی اور نہ ہی کسی دوسرے خطرے سے یہ املاق بمعنے افتقر سے ہے اس سے ان کے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لڑکیوں کے اخراجات سے ڈرتے تھے اللہ تعالےٰ ان کے اس خطرہ کو یوں ٹالا کہ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ ہم ہی انھیں اور تمھیں رزق دیں گے بنا بریں ان کی روزی سے مت ڈرو اس لئے کہ جو ذات جان دیتی ہے وہ رزق بھی عطا فرماتی ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

خداوندگار یکہ عبدے خرید
بدارد نکیف آنکہ عبد آفرید
ترانیست این تکیہ بر کردگار
کہ مملوک را بر خداوند گار!

ترجمہ: وہ آقا جس نے غلام خریدا اور اس کی ہر طرح کی سنبھال کرتا ہے تو پھر وہ کیوں اپنے عبد کا سنبھالا کرے گا جس نے اسے پیدا فرمایا۔

(۲) اے انسان تجھے اپنے خالق پر اتنا بھی بھروسہ نہیں جتنا ایک غلام مملوک کو اپنے آقا خریدنے والے پر۔

حکایت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ہرم رحمہ اللہ تعالٰی نے عرض کی کہ میں کہاں زندگی بسر کروں۔ آپ نے شام کے علاقہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ انھوں نے عرض کی کہ وہاں معاش کا کیا ہوگا۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، افسوس تو اسی بات کا ہے کہ اب لوگوں کے قلوب پر نصیحت کیسے اثر کرے جب ان کے قلوب میں شکوک و شبہات گھس گئے ہیں۔

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا اس لئے کہ ان کے قتل میں بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالٰی کی بنیاد کو اکھیڑنا اور نسل انسانی کو ختم کرنا ہے اور یہ ہر دونوں بہت بڑے گناہ ہیں۔ الخطی بروزن و بمعنے اثم کے ہے خطئ سے ہے اور خطاٗ بفتحتین بالقصر و بالمد ہر دونوں پڑھنا جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کے ساتھ پچھلی دس آیات میں دس مذموم عادتوں کو دس محمود عادتوں سے تبدیل کرنے کی طرف اشارہ ہے

۱۔ بخل

۲۔ دنیوی مشاغل کی طویل امیدیں

و لا تقتلوا اولادکم الخ میں ان دونوں مذموم عادتوں کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ بخل اور دنیا کی طویل امید نے انھیں اولاد قتل کرنے پر آمادہ کیا۔ ان ہر دونوں کو:

۱۔ سخاوت

۲۔ توکل (محمود عادتوں سے تبدیل کرنے کا)۔

نحن نرزقهم و ایاکم میں اشارہ ہے۔

حکایت حضرت یحیٰی علیہ السلام کو ابلیس اپنی اصلی صورت میں ملا تو آپ نے اسے فرمایا کہ اے ابلیس! مجھے اس شخص کی نشاندہی کر جو تیرا تمام لوگوں سے محبوب ترین اور مبغوض ترین ہو۔ ابلیس نے کہا: مجھے تمام لوگوں میں سے وہ مومن محبوب ترین ہے جو بخیل ترین ہو اور مبغوض ترین وہ ہے جو اگرچہ فاسق ہو لیکن سخی ہو اس لئے کہ مجھے خطرہ ہے کہ اللہ تعالٰی اس کی سخاوت کو دیکھ کر اس کے فسق سے درگذر فرما کر اسے بخش دے۔ یہ کہہ کر ابلیس چل پڑا اور عرض کی کہ اگر آپ یحیٰی پیغمبر علیہ السلام نہ ہوتے تو میں آپ کو کبھی اپنے اس راز سے آشنا نہ کرتا

مسئلہ: اپنے گھر والوں کو زہد پر مجبور نہ کرے بلکہ پہلے انھیں اس کی دعوت دے اگر وہ قبول کریں تو بہتر ہے ورنہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور خود زہد و تقوٰی میں جد و جہد رکھے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اس کے مقدمات مثلاً بوسہ دینا بُرے اشارے کرنے اور کبھی کو شہوت سے دیکھنے کے بھی قریب مت جاؤ چہ جائے کہ زنا کرو۔ زنا بالمد و بالقصر ہر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے یا یہ زانی کا مصدر ہے جیسے قتالاً قاتل کا مصدر ہے۔ (کذا فی الکواشی)

اِنَّهٗ بے شک وہ زنا کَانَ فَاحِشَةً ط وہ ایسا فعل ہے کہ جس کا قبح ظاہر ہے اور حد سے زیادہ قبیح ہے اور یہ بھی قتل کی طرح ہے اس لئے کہ اس میں انساب کو ضائع کرنا ہے اور جس کی نسب ثابت نہ ہو وہ حکمی مردہ ہے۔ وَسَآءَ سَبِيْلًا ○ اور بُرا راستہ ہے اس لئے کہ زنا زانی کو جہنم کی طرف کھینچتا اور نسل کو منقطع کرتا اور فتنوں کو ابھارتا ہے۔

حدیث شریف: جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل کر سر پر چھتری کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے جب زنا سے فارغ ہوتا ہے تو پھر ایمان واپس لوٹتا ہے۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ زنا سے بچو اس لئے کہ زنا سے چھ نقصان ہوتے ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ وہ تین جو دنیا میں ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

① رزق میں کمی واقع ہو جاتی ہے یعنے اس کی روزی سے برکت اٹھالی جاتی ہے اور وہ شخص ہر بھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔

② عمر میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

③ لوگوں کے دلوں میں اس کا بغض بھر جاتا ہے۔ اس لئے کہ زنا انسانی عزت کو چھین لیتا ہے۔

اور وہ تین نقصان جو آخرت میں ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

① غضبِ رب۔

② شدت حساب۔

③ جہنم میں داخل ہونا۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ دو آنکھیں اور دو ہاتھ زنا کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مرغ زان دانہ نظر خوش می کند
دانہ ہم از دو راہش می زند
ایں نظر از دور چوں تیرست وسم
عشقت افزوں می شود صبر تو کم

ترجمہ: ① پرندہ دانے کو غور سے دیکھتا ہے تو دانہ بھی دُور سے پرندے کی راہ تکتا ہے۔

۲ یہ نگاہ دور سے تیر اور زہر کا کام کر جاتی ہے نظر سے عشق بڑھتا ہے اور صبر کم ہوتا ہے ۔

ف : غلبۂ شہوت زنا کا موجب بنتی ہے اور یہی شہوت ان دسوں مذموم عادتوں میں سے تیسری عادت ہے اسے اللہ تعالیٰ عفت (پاک دامنی) سے تبدیل کرتا ہے اسی لئے اپنے بندوں کو زیب و زینت سے روکا ہے ۔

حکایت بصرہ میں ایک نوجوان رہتا تھا اسے مسکی کہا جاتا ۔ اس لئے کہ اس سے ہر وقت خوشبو مہکتی تھی اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ میں بہت زیادہ حسین وجمیل تھا ۔ لیکن حیاء و شرم بھی نصیب تھا مجھے والد گرامی نے فرمایا کہ بازار میں بیٹھو اس سے زمانہ حال کی رفتار معلوم اور تجربہ کاری حاصل ہوگی ۔ چنانچہ ایک بزاز کی دوکان پر نوکر مقرر کرا دیا ۔ ایک دن بزاز کی دوکان پر ایک بڑھیا آئی اور سامان خریدنا چاہا میں نے اسے اس کی مرضی کے کپڑے دکھائے ۔ اس نے کہا کہ اس کی قیمت میری مالکہ ادا کرے گی تم میرے ساتھ چلو ۔ میری مالکہ اپنے پسند کے کپڑے خریدے گی اور آپ کو رقم نقد ادا کرے گی میں اس بڑھیا کے ساتھ چلا گیا وہ مجھے ایک بہت بڑے مکان میں لے گئی اس مکان کے اندر ایک عظیم الشان قبہ تھا جس میں بہترین پلنگ بچھا ہوا تھا جس پر سنہری بستر بچھے ہوئے تھے اور اس پر ایک نوجوان لڑکی نہایت حسین وجمیل بیٹھی ہوئی تھی ۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی اپنے سینے سے لگا لیا اور بوڑھی وہاں سے فرار ہو گئی ۔ میں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا ۔ اس نے کہا کسی سے مت ڈرو ۔ میں نے کہا ، مجھے اس وقت قضاء حاجت کی ضرورت ہے میں بیت الخلاء میں جانا چاہتا ہوں ۔ اس نے بیت الخلاء کی طرف اشارہ کیا ۔ میں نے بیت الخلاء میں جاکر تمام گندگی اپنے چہرے اور جسم پر مل دی ۔ جب اس نوجوان لڑکی نے میری حالت کو دیکھا تو کہا کہ یہ پاگل ہے اسے باہر نکالو ۔ میں اس حیلہ بہانہ سے اس گھر سے باہر نکلا ۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی بزرگ فرما رہا ہے کہ تم یوسف علیہ السلام سے کچھ کم نہیں ہو میں نے کہا کہ آپ کون ہیں ؟ انھوں نے فرمایا کہ میں جبرئیل (علیہ السلام) ہوں ۔ اس کے بعد انھوں نے میرے چہرے اور جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس وقت سے میرے جسم سے خوشبو مہکتی ہے یہ دراصل جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ مبارک کی خوشبو ہے جو اس بندۂ خدا کو عفت و تقوٰے سے نصیب ہوئی ۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام کو ابلیس ملا اور عرض کی کہ جب آپ کو غصہ آئے تو مجھے یاد کیا کرو اس لئے کہ میں غضب کے وقت غضب والے کے قلب پر اپنا چہرہ اور اس کی آنکھ پر اپنی آنکھ رکھ دیتا ہوں اور پھر تمام جسم کے خون میں چکر لگاتا ہوں تاکہ غصہ اور تیز ہو جائے اور جنگ سے بھاگنے کے وقت بھی مجھے یاد کیا کرو اس لئے کہ میں اس وقت بھاگنے والے کو اولاد زوجہ اور جملہ خاندان کے خیالات دل میں ڈالتا ہوں یہاں تک کہ وہ جنگ سے پیٹھ دے کر بھاگ جاتا ہے ! ور غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے بھی بچو اس لئے کہ تنہائی میں غیر محرم عورت کے ساتھ بیٹھتے وقت مرد اور عورت ہر دونوں کے دل کا میں قاصد بن جاتا ہے تاکہ زنا کرنے میں ان کی شہوت میں اضافہ ہو ۔ (کذا فی آکام المرجان)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اور اس انسان کو قتل مت کرو جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس نے اسلام قبول کیا یا اس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے ۔ اس میں ذمی اور معاہد شامل ہیں ۔ اِلَّا بِالْحَقِّ

یہ استثنا مفرغ ہے یعنے اسے کسی سبب سے بھی قتل نہ کرو مگر حق کے سبب سے ضرور قتل کرو اور حق کے تین اسباب ہیں :

(۱) اسلام کے بعد کافر ہونا ۔
(۲) شادی شدہ ہو کر زنا کرنا ۔
(۳) عمداً نفس معصومہ کو قتل کرنا ۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا اور وہ جو کہ مظلوم ہو کر قتل کیا جائے یعنے تینوں مذکورہ امور کے ارتکاب کے بغیر فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ تو ہم نے بنایا اس کے ولی کے لئے اس کے وارثوں میں سے کسی ایک کو اگر وارث نہ ہو تو حکومت کی طرف سے تاکہ مقتول کے مرنے کے بعد مقتول کے جملہ معاملات کا متولی ہو اور حکومت کو ہم نے اس لئے متولی بنایا کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کی تولیۃ حکومت کے سپرد ہوتی ہے ۔ سُلْطٰنًا بمعنے تسلط و استیلا یعنے مقتول کے وارث کو قاتل پہ مسلط کرنا اور غلبہ دینا تاکہ وہ اسے مقتول کے بدلے میں چاہے قتل کرے چاہے اس سے فدیہ لے ۔ فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ پس مقتول کا متولی قتل کے بارے میں حد سے نہ بڑھے یعنے جتنی اس کے لئے شریعت مطہرہ نے حد مقرر کر دی ہے اس سے متجاوز نہ ہو مثلاً اس کی ناک وغیرہ نہ کاٹے یا قاتل کی بجائے قاتل کے کسی اور عزیز رشتہ دار کو قتل نہ کرے ۔ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ کبھی قاتل کے بجائے دوسرے کو قتل کرتے تھے جب دیکھتے کہ قاتل مقتول کا ہمسر نہیں ۔

بواء بمعنے سواء مثلاً کہا جاتا فلان بواء لام فلان بمعنے سواء ۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ جاہلیت کی رسم تھی کہ مقتول کا وارث قاتل کے بجائے برادری کے سردار کو قتل کرتا تھا اور قتل میں تجاوز کرنے کا ایک معنے یہ ہے کہ ایک کے بجائے دو کو قتل نہ کرے جیسا کہ جاہلیت والوں کی عادت تھی کہ اگر ان کا کوئی برگزیدہ اور محترم شخص قتل کیا جاتا تو اس کے عوض میں قاتل کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی بہت بڑی جماعت کو قتل کیا جاتا اور تجاوز کا ایک معنے یہ ہے کہ دیۃ لے کر پھر قاتل کو قتل کیا جائے ۔

اِنَّهٗ بے شک مقتول کا متولی کَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ہے مدد کیا ہوا اس کی شریعت مدد کرتی ہے یا حاکم وقت یعنے اللہ تعالےٰ متولی کی یوں مدد فرماتا ہے کہ متولی کو مقتول کی دیت یا قصاص دلاتا ہے یا حکام وقت کو حکم فرماتا ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں قاتل سے مقتول کے متولی کو حق دلوا دیں ۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ انہ کا مرجع قاتل ہو اب معنے یہ ہو گا کہ قاتل کو اس کے بجائے قتل کیا جائے اور مقتول کو قیامت میں اجر بھی منجانب اللہ نصیب ہو گا ۔

قاتل کی توبہ : اگر کوئی پوچھے کہ عمداً قتل کرنے والے کی توبہ کا کیا طریقہ ہے اس کا جواب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں دیا کہ قاتل کو مقتول کے بجائے قتل کیا جائے یا اس کے وارث مقتول کو معاف کر دیں یا مقتول کے لئے قاتل دیت ادا کرے ۔ (رواہ انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ)

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ چہ جائیکہ ذاتی ضروریات میں اسے خرچ کرو۔
اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ مگر ایسی خصلت اور ایسے طریقے سے جو تمام خصلتوں اور طریقوں سے احسن ہو یعنے اس کی حفاظت اور تجارتی کام میں لگا کر اس کا اصل مال بھی بچ جائے اور منافع یہ حاصل ہو۔ حَتّٰی یہ حسن الوجہ پر تصرف کرنے کے جواز کی غایۃ ہے جیسا کہ کلام کے مدلول سے ظاہر ہوتا ہے۔ یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ یہاں تک کہ وہ اپنی پوری قوت و طاقت کو پہنچ جائے۔ اٹھارہ اور تیس سال کی درمیانی عمر کو اشد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ آنک کی طرح واحد کا صیغہ جمع کے وزن پر آیا ہے اور کلام عرب میں ان دونوں لفظوں کے سوا اور کوئی ایسا لفظ نہیں جو واحد ہو کر جمع کے وزن پر آئے۔ (کذا فی القاموس)

اور بحر العلوم میں ہے کہ بلوغ الاشد ادراک سے معلوم ہوگا بعض نے کہا اس کی بلوغت کے بعد رُشد (عقلمندی) کے آثار پائے جائیں اس کی آخری عمر پینتیس سال ہے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ وعدہ کا ایفاء کرو۔ اس سے اللہ تعالٰے اور بندوں کے ہر دونوں کے وعدے مراد ہیں۔ ایفاءُ العہد کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مقتضیٰ کے مطابق اس کی محافظت کرنا اور اس ایفا کا صلہ باء آتا ہے تاکہ حسی ایفاء یعنے ایفاالکیل والوزن اور ایفا بالعہد کے درمیان فرق ہو۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ بے شک وعدہ کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا یعنے وعدہ کرنے والے سے عدم ایفاء پر باز پرس ہوگی کہ اس نے وعدہ کے خلاف کیوں کیا۔
یہ سألت الشئ سے یا سألت عن الشئ سے ہے یہ باب الحذف والایصال سے ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ ایسے مقامات پر مفعول کی ضمیر کو مرفوع بنا کر اسے صیغۂ مفعول میں مضمر کیا جاتا ہے اس کی مثال وذالک یوم مشہود ہے کہ یہ اصل مشہود فیہ تھا اور کواشی نے اسی معنے کو ترجیح دی ہے کہ قیامت میں اس بندے کو زجرا و توبیخا کہا جائے گا کہ تو نے ایفائے عہد کیوں نہ کیا۔ یہ اس زندہ در گور کرنے والے کے سوال کی طرح ہے کہ زندہ در گور کردہ سے سوال کر کے زندہ در گور کرنے والے کو زجر و توبیخ کی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ عہد اگرچہ قابلِ سوال نہیں لیکن اس سے سوال کر کے وعدہ خلاف کو زجر و توبیخ کرنا ہوگا یا یہ اگرچہ ذی شعور نہیں اور نہ ہی ذی جسد ہے لیکن قیامت میں اسے مثالی دے کر اس سے سوال ہوگا جیسے قیامت میں اعمال کو متمثل کر کے نتیجہ سامنے لایا جائے گا چنانچہ روایات میں ہے کہ اعمال صالحہ کی نورانی اور اعمال سیئہ کی ظلمانی صورتیں ہوں گی اور پھر انہی صورتوں کا وزن ہوگا۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی مرحوم)

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اور بھر تول کو مکمل کرو اور ان میں کمی بیشی نہ کرو۔ اِذَا كِلْتُمْ جب تم خریداروں کو بھر کر دو۔ اس کی قید اس لئے ہے کہ کمی بیشی کا وقت یہی ہے ورنہ لیتے وقت تو کسی قسم کی کمی کا سوال ہی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

واذا اکتالوا علی الناس یستوفون

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط القسطاس یعنے القرسطون جسے القبان کہتے ہیں یہ کپان کا معرب ہے یعنے بڑا ترازو یا وہ آلہ جس سے کسی شے کو تولا جائے وہ بڑا ہو یا چھوٹا بعض نے کہا کہ یہ رومی لفظ ہے اسے عربی میں استعمال کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ کا ہونا فصاحت کے خلاف نہیں جب کہ یہ الفاظ میں مل کر مستعمل ہوتے ہیں۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور القسط سے مشتق ہے بمعنے عدل، اور یہی صحیح تر اور جمہور کا مذہب ہے۔ اگر اسے قسط سے مشتق مانا جائے تو لام کا تکرار مانا جائے گا بروزن فعلال ورنہ یہ رباعی ہے بروزن فعلال۔ المستقیم اور ترازو برابر والی سے تولو۔ اور یہاں اوفوا کو نہیں لایا گیا کہ مستقیم کے کہنے کے بعد جور کا وہم و گمان بھی ختم ہو گیا۔ بخلاف کیل کے کہ وہاں آلہ کی استقامت کا معاملہ نہیں اسی لئے وہاں کمی بیشی کا خطرہ تھا اسی لئے وہاں اوفوا فرمایا۔

ذٰلِكَ اور وہ یعنے ایفاء الکیل اور وزن برابر۔ خَيْرٌ تمہارے لئے دنیا میں بہتر ہے کیونکہ یہ ایک ایسی امانت ہے کہ معاملات میں رغبت اور ذکر جمیل کا سبب بنتی ہے۔ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ اور انجام کے لحاظ سے احسن ہے تاویلا بمعنے عاقبت ہے یہ تفعیل آل سے مشتق ہے بمعنے رجع اور اس سے مایؤل الیہ مراد ہے۔

ف: یہ چوتھی مذمومہ صفات سے ایک غضب ہے جسے اللہ تعالٰی نے ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق میں بیان فرمایا ہے۔ اس لئے غضب کا غلبہ ناحق قتل کرنے پر مجبور کرتا ہے اسے اللہ تعالٰی نے حکم ومن قتل مظلوما الخ سے تبدیل فرمایا۔

حدیث شریف قیامت کے دن تمام مخلوق سے عرش الٰہی کو قریب تر وہ مومن ہوگا جو مظلوم ہو کر قتل کیا گیا ہوگا اس کا سر عرش الٰہی کی دائیں طرف اور اس کا قاتل بائیں طرف ہوگا اور مقتول کی رگوں کا خون بہہ رہا ہوگا اور مقتول عرض کرے گا کہ یا اللہ! میرے قاتل کو پوچھئے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔ اسے میری نماز کا خیال تک نہ آیا۔ اللہ تعالٰی فرمائے گا، قاتل ذلیل ہے۔ اس کے بعد قاتل کے لئے حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جائیں۔

نوشیرواں کی حکمت

نوشیرواں نے کہا کہ چار خصلتیں بعموماً قبیح ہیں لیکن چار شخصوں کو تو قبیح ترین ہیں:

۱ - بخل بادشاہوں میں
۲ - کذب قاضیوں (حاکموں) میں
۳ - تیزی شدت غضب علماء میں
۴ - وقاحت یعنے قلت حیاء عورتوں میں

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حوصلہ آفات کے لئے حجاب ہے۔ ان دس قبیح خصلتوں میں پانچویں خصلت اسراف ہے۔ اس لئے کہ ہر شئے کو ضرورت سے زائد خرچ کرنا اسراف کا سبب بنتی ہے اسے قوام یعنے میانہ روی سے درست کرنے کا حکم فرمایا،

کما قال تعالیٰ :

فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا ۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے قریب سے گذرے اور وہ وضو فرما رہے تھے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد ! یہ کیا اسراف ہے ۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کیا وضو میں بھی اسراف ہے آپ نے فرمایا : ہاں ، وضو میں پانی زائد از ضرورت خرچ کرنا بھی اسراف ہے اگرچہ نہر کے کنارے پر بھی ہو ۔

ان دس مذموم خصلتوں میں سے چھٹی خصلت ذمیمہ حرص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ولا تقربوا مال الیتیم الخ میں بیان فرمایا ۔ وہ اس لئے کہ یتیم کے مال میں تصرف بھی حرص کی وجہ سے ہوتا ہے اسے قناعت سے تبدیل کیا جاسکتا ہے چنانچہ الا بالتی ھی احسن میں اسی طرف اشارہ فرمایا ۔

ف : کسی دانا سے پوچھا گیا کہ دنیا کی لذتوں میں بوڑھے کو بہ نسبت نوجوان کے زیادہ حرص کیوں ہوتا ہے ۔ اس نے جواب دیا کہ بوڑھے نے دنیا کی لذتوں کو بہ نسبت نوجوان کے بہت زیادہ چکھا ہوتا ہے اسی لئے اسے لذتوں کا زیادہ حرص ہوتا ہے حضرت صائب نے فرمایا : ؎

ریشہ نخل کہن سال از جوان فزوں تر ست

بیشتر دلبستگی باشد بدنیا پیر را

ترجمہ : پرانی کھجور کو بہ نسبت نئی کے ریشہ بہت زیادہ ہوتا ہے جیسے بوڑھے کو دنیا سے زیادہ دلبستگی ہوتی ہے ۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص حرص بیچ کر قناعت خریدتا ہے وہ غنا کو بہت جلد حاصل کرے گا ۔

ان دس مذموم خصلتوں میں سے ساتویں خصلت مذمومہ عہد شکنی ہے اس کا بدل وفا ہے ۔ کما قال :

واوفوا بالعہد ان العہد کان مسؤلا ۔

ف : حضرت سلمی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اعضائے انسانی سے عہد لیا کہ وہ آدابِ الٰہی پر مداومت رکھیں ۔ مثلاً نفس کو حکم ہوا کہ وہ ادائیگی فرائض میں کمی نہ کرے اور دل کو حکم ہوا کہ وہ خوف و وحشت سے رہے اور روح کو حکم ہوا کہ وہ مقامِ قرب سے دور نہ ہو ، سر کو حکم ہوا کہ وہ مشاہدہ ماسوئے نہ کرے ۔ ان ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ سوال ہوگا ۔

؏ تا کے از عہدۂ آں عہد چوں آید بروں

ترجمہ : کون ہے جو اس کے عہد سے عہدہ برا ہو ۔

ف : یہ تو ظاہر ہے کہ اکثر دوستوں میں ایفائے عہد نہیں وہ حقوق اللہ کے پابند نہیں نہ حقوق العباد کے ۔ الا ماشاء اللہ

حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

وفا مجوی زکس ور سخن نمی شنوی
بہرہ زطالب سیمرغ وکیمیا می باش

ترجمہ : کسی سے وفا کی امید مت رکھو اگر ہماری بات نہیں سنتے ہو تو سیمرغ وکیمیا کے طالب سے پوچھ لے۔

ان دس مذموم خصلتوں میں سے اٹھویں مذموم خصلت خیانت ہے جسے اللہ تعالےٰ نے واوفوا الکیل اذاکلتم میں بیان فرمایا۔

حکایت : ایک شخص پر نزع طاری تھی اور وہ کہتا تھا کہ جہنم کے دو پہاڑ ہیں اس کے اہل وعیال سے اس کے عمل کے متعلق پوچھا گیا تو جواب ملا کہ بھرنے کے لئے اس کے دو برتن تھے لینے کا اور تھا دینے کا اور۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تاجروں کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا : اے تاجرو ! قیامت میں تمہیں اللہ تعالےٰ فاجر بنا کر اٹھائے گا سوائے اس کے جو سچ بولے اور صحیح تولے اور امانت کو ادا کرے۔

ف : نوابغ الکلم میں ہے کہ امین ، آمن ہے اور خائن حائن ہے۔ حائن از حین بمعنے ہلاکت وتباہی۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

امین مجو ومگو با کسے امانت عشق
دریں زمانہ مگر جبرائیل امیں باشد

ترجمہ : کسی کو امیں نہ کہو نہ امین کی تلاش کرو اور نہ ہی امانت کا کسی کو عشق ہے ہاں اس زمانہ میں اگر کوئی امین ہوگا تو وہ صرف جبریل علیہ السلام ہیں۔

وَلَا تَقْفُ بمعنے ولا تتبع یہ قفا اثرہ یقفو سے ہے بمعنے تبعہ اسی سے القافیہ کا لفظ لایا گیا ہے۔ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یعنے جس قول وفعل کا تمہیں علم نہیں اس کی تابعداری مت کیجئے۔ یہ ایسے ہے جیسے کسی راستے پر چل پڑے جس کے متعلق یقین نہ ہو کہ وہ مقصد تک پہنچاتے گا یا نہیں۔

ف : اجتہاد کے منکرین نے اسی سے استدلال کیا ہے لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے اس لئے کہ شریعت مطہرہ نے غالب گمان کو بھی علم کے قائم مقام مانا ہے اور اجتہاد میں ظن غالب ہوتا ہے۔ (کذا قال الزمخشری)

اس کی توضیح یہ ہے کہ اعتقاد راجح اعتقاد جازم کے حکم میں ہے اس لئے کہ اجماع امت ہے کہ اگر قبلہ کے متعلق پتہ نہ چلے تو شہادت اور اجتہاد پر عمل کرنا چاہئے۔ اسی طرح اور بھی مسائل ہیں اس سے نتیجہ نکلا کہ آیت سے ثابت نہیں اتباع ظن اور عمل القیاس بالکل جائز ہی نہیں جیسا کہ ظاہریہ فرقہ کا مذہب ہے۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ بے شک کان اور آنکھ اور دل كُلُّ أُولَٰئِكَ ان ہر ایک عضو سے۔ انھیں ذوی العقول قرار دے کر انسان کے اعمال کا سوال ہوگا اور یہ اعضاء انسان پر گواہی دیں گے۔ كَانَ عَنْهُ یہ ضمیر ان اعضا میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ کی طرف راجع ہے یا اس کی طرف جو ان اعضاء والے سے عمل سرزد ہوا۔ مَسْئُولًا ○ سوال کیا ہوا یعنے ان میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ سوال ہوگا کہ جس انسان کے ساتھ تم تھے اس نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا مثلاً کان سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا سنا اور آنکھ سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا دیکھا اور دل سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا جانا وغیرہ وغیرہ۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ آیت میں اعضا سے متعلق ہر اس فعل کی اتباع کی نہی ہے جو ان اعضاء کے تعلقات سے مجہول ہے۔ گویا اللہ تعالے نے فرمایا: اے انسان! تم وہ باتیں نہ سنو جو تمھارے لئے سننا ناجائز ہے اور وہ نہ دیکھو جو تمھارے لئے دیکھنا ناجائز ہیں اور اس کا ارادہ نہ کیجئے جس کے متعلق تمھیں ارادہ کرنا ناجائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ ان ہر ایک سے علیحدہ سوال کر کے ان کو ان کے اعمال کے مطابق سزا و جزا دے گا۔

سوال: آیت ہذا میں زبان کا ذکر نہیں حالانکہ یہ تمام اعضاء کا سردار عضو ہے؟

جواب: کیونکہ زبان کا معاملہ سمع پر موقوف ہے اس لئے کہ جب تک کان میں بات نہ جائے زبان اسے معلوم کر کے نہیں بول سکتی اور قیامت میں بھی زبان کے جتنے اعمال ہوں گے ان کے اسباب کان سے ہی ہوں گے۔

ازالۂ وہم: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے قلبی ارادوں پر بھی گرفت ہوگی۔ اس کی تائید دوسری آیت ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ان قلبی ارادوں پر گرفت ہوگی جو اس کے اپنے اختیار سے ہوں مثلاً قلب اعمال خبیثہ، حب دنیا اور ریا و عجب و حسد و کبر و نفاق وغیرہا انسان کے اپنے اختیار سے ہوتے ہیں اسی لئے ان پر گرفت ہوگی بخلاف ان ارادوں کے جو اس کے اختیار میں نہیں ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ نے میری امت سے وہ خطائیں معاف فرمائی ہیں جو ان کے دلوں میں بطور وسوسہ وغیرہ واقع ہوتی ہیں۔

مسئلہ: الاشباہ والنظائر میں ہے کہ جو خیالات دل سے گذرتے ہیں ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں جب تک ان کو زبان پر نہ لایا جائے یا ان پر عمل نہ کیا جائے۔

خیالات کے پانچ مراتب ہیں وہ خیالات جو انسان کے دل پر گذرتے ہیں کل پانچ ہیں:

۱ - ہواجس، وہ جو صرف دل پر واقع ہوں۔

۲ - خواطر، ان خیالات کو کہا جاتا ہے جو وقوع کے بعد جاری ہوں۔

۳ - حدیث النفس، وہ خیالات جن پر عمل کرنے میں تردد ہو کہ ان پر عمل کیا جائے یا نہ۔

۴ - ہم، وہ خیالات کہ جن پر عمل کرنے پر ترجیح کا قصد ہو جائے۔
۵ - عزم، اس قصد راجح کو مضبوط تر کیا جائے۔

مسائل فقہیہ

مسئلہ : ہواجس پر بالاجماع مؤاخذہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بندے کے اختیار سے نہیں ہوتے اس لئے کہ وہ ایسی شے ہے کہ جس کے دل پر وارد ہو اسے دفع کرنے کی اسے قدرت حاصل نہیں اور نہ اس کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔
مسئلہ : خواطر کو دفع کر سکتا ہے جب کہ ہواجس کا ورود ہو تو فوراً وہ اسے دور کرنے کی کوشش کرے تو وہ دور ہو سکتے ہیں۔ مرفوع صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حدیث النفس انسان کو معاف ہے جب حدیث النفس معاف ہے تو اس سے پہلے والے ہواجس و خواطر بھی معاف ہیں۔
اعجوبہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہر خواطر انسان سے معاف ہیں لیکن مکہ مکرمہ میں اس طرح کے خیالات دل میں آئیں گے تو معاف نہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مکہ معظمہ کی بجائے طائف میں سکونت پذیر رہے یہ ان کی احتیاط تھی کہ نفس پر بھروسہ نہیں کہ وہ اس طرح کے خیالات کا مرتکب ہوگا۔
مسئلہ : اسی قسم کے نیک ارادوں کا ثواب نہیں لکھا جاتا۔
مسئلہ : ہم یعنے جس ارادے میں عمل کرنے کی ترجیح ہو وہ اگر نیکی سے ہو تو اس کا ثواب لکھا جاتا ہے چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ بے شک نیکی کے ارادہ پر ثواب لکھا جاتا ہے اور برائی نہیں لکھی جاتی لیکن فرشتہ منتظر رہتا ہے کہ اگر وہ بندہ ارادہ کو ترک کرتا ہے تو ترک ارادہ کی بھی نیکی لکھی جاتی ہے اگر اس ارادہ کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کے اعمال نامہ میں ایک برائی لکھی جاتی ہے۔
ف : یہ ایک برائی بھی اس کے ارادہ کے مطابق ارتکاب کی وجہ سے لکھی گئی۔ ورنہ ہموم تو امت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو معاف فرمائے گئے ہیں۔
مسئلہ : عزم یعنے فعل کے ارتکاب کا پختہ ارادہ کر لینے پر مواخذہ ہوگا۔ بعض نے فرمایا ہے کہ اس پر مواخذہ نہیں اس لئے کہ یہ بھی منجملہ ان ارادوں سے ہے جو امت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو معاف ہیں۔ پہلا مذہب محققین کا ہے۔
مسئلہ : البزازیہ کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ برائی کے عزم پر گناہ نہیں بشرطیکہ اس پر پختہ ارادہ نہ کرے اور پختہ ارادہ کرے گا تو اس عزم کا گناہ ہوگا جوارح کے ارتکاب جیسا گناہ نہ ہوگا کیونکہ یہ عمل جوارح کا نہیں بلکہ قلب کا ہے۔
مسئلہ : بعض ایسے عزائم ہیں کہ محض پختہ ارادہ سے لکھے جاتے ہیں جیسے کفر کا عزم بالجزم۔ (معاذاللہ)
ان دس مذموم خصلتوں میں سے نویں مذموم خصلت کو اسی آیت ان السمع و البصر الخ میں بیان کیا گیا ہے

اور اس سے ظلم مُراد ہے اس لئے کہ ظلم کا معنے اس پر صادق آتا ہے کہ بندے نے اپنے اعضاء و جوارح کو غیر موضوع میں استعمال کیا ہے اس کا بدل عدل ہے۔ کما قال:

ان السمع و البصر الی ان قال کل اولئک عنہ مسؤلا

مثلاً سمع کا ظلم یہ ہے کہ کان کو غیبت و لغو و آفت و بہتان و قذف ملاہی و فواحش کے استماع میں استعمال کیا جائے اس کا عدل یہ ہے کہ اسے استماع قرآن و احادیث و علوم اور حکمتوں اور مواعظ و نصیحت اور نیکی اور قول حق میں استعمال کیا جائے۔

؎

گذر گاہ قرآن و پندست گوش

بہ بہتان و باطل شنیدن می کوش

ترجمہ: کان قرآن و پند و نصیحت کی گذر گاہ ہے اسے بہتان و باطل کے سننے میں مت لگائیے۔

اور آنکھ کا ظلم یہ ہے کہ اسے محرمات و شہوات اور اپنے سے اوپر والے مراتب کے دنیوی جاہ و حشم کے لوگوں اور اسباب دنیا اور اس کی زیب و زینت اور نقش و نگار کے دیکھنے میں لگایا جائے اور اس کا عدل یہ ہے کہ اسے قرآن و علوم اور با عمل علماء (اہلسنت) اور صلحاء اولیاء کے چہروں اور آثار رحمت الٰہی کے دیکھنے میں مصروف رکھا جاتے آثار رحمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے زمین کو ویرانی کے بعد کیسے آباد فرمایا۔ اور جن اشیاء کو دیکھے تو عبرت کی نگاہ سے دیکھے۔ اسی طرح دنیوی مرتبہ کے لحاظ سے اپنے سے نیچے کے مرتبہ والے کو اور دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے ؎

دو چشم از پے صنع باری نکوست

نہ عیب برادر فرو گیرد دوست

ترجمہ: دو آنکھیں اللہ تعالےٰ کی نیک صنعت کو دیکھنے کے لئے ہیں، دوست اور بھائی کے عیب دیکھنے کے لئے نہیں ہیں۔

عشق علی بہ محمد نبی صلے اللہ علیہ وسلم احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب سے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اس کے بعد اپنی شرمگاہ کو دیکھنا چھوڑ دیا۔ اس لئے جو آنکھ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھے پھر وہ بُری جگہ کے دیکھنے کے لائق نہیں۔

سبق: بے ادب و گستاخ نبوت قسم کے لوگ حضرت علی اللہ رضی اللہ عنہ کے ادب کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

عثمان غنی کا عشق بہ محمد نبی صلے اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے اور جب سے اپنا ہاتھ بیعت کے لئے سرور کائنات فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر رکھا اس وقت سے پھر اپنا ہاتھ اپنی

شرمگاہ کو نہیں لگا اور جب سے قرآن مجید کی تلاوت نصیب ہوئی کچے پیاز وغیرہ نہیں کھائے۔

دل کا ظلم یہ ہے کہ وہ کینہ، حسد، عداوت، حب دنیا اور تعلق ماسوی اللہ کو قبول کرے اور اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان اوصاف ذمیمہ سے پاک وصاف رکھے اور اوصاف حمیدہ اور تخلق باخلاق اللہ سے مزین ہو ے

پیاپے بیفشاں از آئینہ گرد
کہ صیقل نگیرد چو زنگار خورد

ترجمہ: آئینۂ دل کو بار بار گرد سے پاک وصاف کرو ورنہ جب اس پر گرد وغبار چڑھ جائے گا پھر اسے صاف کرنا مشکل ہو جائے گا۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ

سوال: مشی ویسے بھی زمین پر چلنے کا نام ہے پھر اسے الارض سے مقید کرنے کا فائدہ؟

جواب: محض تاکید وتقریر مطلوب ہے۔

مَرَحًا بمعنے ذا مرح اس لئے کہ مرحا مصدر ہے اور حال کے قائم مقام واقع ہوا ہے بمعنے تکبر وتبختر۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ مرحا بمعنے متکبر کا چلنا۔

اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے انسان زمین پر متکبر کی طرح مت چل۔

مسئلہ: آیت میں تکبر اور اپنے آپ کو بہت بڑا اونچا سمجھ کے چلنے سے روکا گیا ہے۔

إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ بے شک تو زمین کو اپنے چلنے سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرسکتا۔ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ○ اور نہ ہی اپنی طاقت اور بلندئ مراتب دنیوی سے طویل پہاڑوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ طول متکلف مراد ہے جو متکبر اپنے خیال سے اس پر پہنچنے کا پروگرام بناتے اس میں متکبر کو تہکم اور نہی کی علت بتائی گئی ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ تکبر حماقت ہے اس لئے کہ انسان محض اپنی طاقت اور بڑائی کے بل بوتے پر کسی فائدہ کو حاصل نہیں کرسکتا جب تک کے فضل الٰہی شامل حال نہ ہو۔ یہ تکبر ان دس مذموم خصلتوں میں سے دسویں خصلت ہے اس لئے کہ اکڑ کے چلنا بھی تکبر سے ہوتا ہے اس کا بدل تواضع ہے جسے اللہ تعالٰے نے انك لن تخرق الجبال طولا میں بیان فرمایا ہے۔

ے

ز خاک آفریدت خداوند پاک
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

ترجمہ: اے بندہ! تجھے اللہ تعالٰے نے مٹی سے پیدا کیا فلہٰذا تجھے بھی مٹی کی طرح انکساری کرنی چاہئے۔

حدیث شریف: جو شخص اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ کر اکڑ کے چلتا ہے تو وہ قیامت میں اللہ تعالٰے کو اس حال میں ملے گا

کہ اللہ تعالےٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔ ؎

وجود تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد
ہمانا کہ دونان گردن فراز
دریں شہر کبرست و سودا و آز
چو سلطان عنایت کند بابدان
کجا ماند آسائش بخردان

ترجمہ: ۱۔ تیرا وجود نیک اور بد کا ایک مستقل شہر ہے تو اس کا بادشاہ اور تیرا عقل تیرا وزیر ہے۔
۲۔ تیرے شہر میں گردن بلند کرنے والے اور اکڑ کے چلنے والے تیرا تکبر اور غلط خیالی اور حرص ہیں۔
۳۔ جب بادشاہ بُرون سے احسان و مروت کرے تو رعایا آرام و آسائش سے زندگی نہیں بسر کر سکتی۔

مُحَمَّدٌ نور صلے اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حسین ترین کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ کے دیدار پر انوار کے وقت ہم چہرہ اقدس کو دیکھتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ گویا آپ کے چہرۂ اقدس میں سورج چل رہا ہے اور میں نے آپ سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا، جب آپ چلتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ زمین آپ کے قدموں میں لپٹی جا رہی ہے اور ہم دوڑ کر آپ کے ساتھ چلتے لیکن آپ آرام سے چلتے تھے۔

کُلُّ ذٰلِكَ یہ اشارہ سابقہ پچیس صفات مذکور کی طرف ہے جو کہ لا تجعل مع اللہ الٰہ اٰخر سے شروع ہوئیں۔ اس پہلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا اعتقاد مت رکھو اس کے بعد دوسری تیسری صفت کو وقضٰی ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ میں بیان کیا گیا اور اس میں حکم فرمایا کہ صرف اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا کی عبادت سے نہی فرمائی اسی طرح باقی آیات کو سمجھئے کہ کسی میں امر ہے کسی میں نہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

كَانَ سَيِّئُهٗ اس سے افعال منہیہ مراد ہیں اور وہ چودہ خصلتیں مذموم ہیں اور اللہ تعالےٰ جس امر کا حکم فرماتا ہے وہ حسن ہوتا ہے اور مذکورہ بالا آیات میں کل گیارہ ہیں ان میں تین پوشیدہ یعنے اشارہ سے بیان کی گئی ہیں اور باقی کو ظاہر کر کے بتایا گیا ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○ تیرے رب تعالےٰ کے ہاں مکروہ ہیں۔ یہاں پر مکروہ بمعنے مبغوض ہے جو کہ پسندیدہ الٰہی کے بالمقابل ہے۔

ف: یہ مکروہ مراد الٰہی کے بالمقابل نہیں اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کا ارادہ جمیع حوادث کو شامل ہے۔

ردمعتـــزلہ : ہماری تقریر بالا سے معتزلہ کا رد ہوگیا وہ کہتے ہیں کہ جملہ نتائج اللہ تعالےٰ کے ارادہ سے متعلق نہیں ورنہ اجتماع النقیضین لازم آئے گا یعنے ارادہ وکراہت ۔

خلاصہ یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ کسی فعل کا اگر اللہ تعالےٰ ارادہ کرتا ہے تو وہ فعل اچھا ہے تو وہ اس کی شان کے لائق ہے اگر معاذاللہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی شان پر حرف آتا ہے پھر ظاہر ہے کہ وہ برائی کا ارادہ ہی نہیں کرتا اگر کہو برائی کا ارادہ نہیں کرتا تو اس کی پوری تفصیل علم کلام میں ہے ۔ ہم اہلسنت تعلق ارادہ کے قائل ہیں اور شے کا تعلق بالارادہ قبیح نہیں ، ہاں بندے کو اللہ تعالےٰ کی رد کی ہوئی شے کا ارتکاب بھی نہیں چاہیئے ۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کراہت کو بھی حرام کا درجہ دے کر کراہت کا ارتکاب نہیں کرتے ۔ لیکن افسوس ہے اباحیہ (جاہل صوفیوں) کا کہ وہ کراہت کے ساتھ ساتھ حرام کے ارتکاب کو بھی جائز سمجھتے ہیں ۔

سبق اولیا اللہ اور جہال صوفیوں کے درمیان فرق معلوم کر کے جاہل صوفیوں سے بچنا لازم ہے اس میں عوام اولیاء اللہ کے عشاق کو غور و فکر کرنا لازمی اور اللہ تعالےٰ کے حقوق کی پابندی ضروری اور بارگاہ حق اور اولیاء کرام کی اقتدار کا ادب ملحوظ خاطر ہونا چاہیئے ۔

ذَالِكَ یہ اشارہ مذکورہ بالا احکام یعنے اوصاف مذمومہ ومحمودہ کی طرف اشارہ ہے ۔ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ ان امور سے ہیں جو رب تعالےٰ نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجے ہیں یہ مِنْ بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے اور مِنَ الْحِكْمَةِ حال ہے وہ حکمت ہے جیسے علم شرائع اور معرفۃ حق لذاتہ کہا جاتا ہے یہی حکمت نظریہ کا مقصود اعظم اور تمام سے عمدہ اور اس پر عمل کرنا فلاح وبہبودی ہے اور یہی حکمت عملیہ ہے یا یہ ان احکام محکمہ سے ہے کہ اس کے بعد اس کا بدلنا اور منسوخ ہونا ناممکن ہے وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ یہ خطاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مراد آپ کی امت کے وہ افراد ہیں جن سے منہی کے خلاف کا صدور ممکن ہے اس کا تکرار محض تنبیہ کے لئے ہے اس لئے توحید انسان کے جملہ امور کا مبدا و منتہیٰ ہے اس لئے کہ جو توحید سے محروم ہے اس کے جملہ اعمال بے کار اور اس کی تمام مساعی ضائع ہیں اس لئے کہ توحید ہی جملہ اعمال کی سرتاج ہے ۔ جو توحید کا قائل نہیں اسے نہ علوم نفع دیں گے نہ حکمت ۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے حکماء نے علوم وحکمت میں پرواز کی اور اپنے فنون کے بل بوتے پر آسمانوں پر چھلانگیں لگائیں لیکن بے سود جب کہ ان کے ہاں توحید کی دولت نہیں تھی تو انھیں حکمتوں اور فلسفوں کی کتابیں کام نہ دے سکیں اور وہ دین حق سے بھٹکے اور گمراہ ہو کر دائمی نعمتوں یعنے بہشت سے محروم رہے ۔

ربط : شرک کی مذمت کے بعد اب اس کا دنیوی نتیجہ بتایا کہ فتقعد مذموما مخذولا ۔ پس اے مخاطب ! شرک کر کے تم مذموم ومخذول ٹھہرے ۔

اور یہاں پر اس دنیوی انجام کا نتیجہ اُخروی یوں واضح فرمایا کہ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا پس اے مخاطب ! تم قیامت میں جہنم میں ڈالے جاؤ گے تو تم اپنے نفس پر ملامت اور اس کی مذمت کرتے ہو گے اور تمام لوگ اور فرشتے بھی

تمہیں ملامت کریں گے ۔ مَدْحُوْرًا مطرود و مطروح یعنے رحمتِ الٰہی سے دور پھینکے جاؤ گے بلکہ تمہیں ہر خیر و برکت سے محروم رکھا جائے گا ۔

ف : اللہ تعالٰے نے مشرک کو اس لکڑی سے مثال دی ہے جسے انسان اٹھا کر تنور میں پھینک دیتا ہے ۔

ف : توحید جملہ حسنات کی جڑ اور شرک جملہ سیئات کا اصل ہے ۔

تفسیر صوفیانہ کلمہ لا الہ الا اللہ جب کافر کہتا ہے تو اس کے دل سے کفر کی تاریکیاں دُور ہو کر نورِ توحید آ جاتا ہے اور جب مومن کہتا ہے تو اس کے دل سے نفس کی ظلمات دور ہو کر نور واحدنیت ثابت ہو جاتا ہے جو اس کلمہ کو دن میں ہزار دفعہ پڑھتا ہے اس کے دل سے پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ محسوس کرتا ہے جو پردے ہزارویں دفعہ کہنے سے اٹھے وہ پہلی دفعہ کہنے سے نہیں اٹھے تھے اور اللہ تعالٰے کی معرفت کا مقام بہت بلند اور غیر منتہٰی ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالٰے نے فرمایا :

قل رب زدنی علما

یہ محققین اولیاء کرام کا فرمودہ ہے جسے ہم نے اوپر نقل کیا ہے

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر کجا کہ مے رسی باللہ مائست

ترجمہ : اے بھائی وہ درگاہ بے نہایت ہے جہاں جاؤ گے اسی کی ذات ہوگی فلہٰذا آگے بڑھے چلو، ٹھہریو مت ۔

ملفوظ ولی اللہ : حضرت یحیٰے ابن معاذ رحمہ اللہ تعالٰے عنہ نے اللہ تعالٰے سے عرض کی کہ اے اللہ! ہمیں تیرے ذکر سے دنیا سلامت اور تیری عفو سے آخرت بھلی اور تیرے دیدار سے ہی بہشت مبارک ۔

حدیث شریف : دنیا و ما فیہا ملعون ہے سوائے ذکر الٰہی اور وہ عمل جو اس کے موافق ہے یا عالم دین اور طالب علوم اسلامی ۔

نکتہ صوفیانہ : توحید بمعنے اثبات الوحدت اور موحد وہ صاحبِ کمال ہوتا ہے جو کثرت سے نکل کر دائرۂ وحدت میں پہنچ جائے ۔

ولی اللہ کی آرزو حضرت شیخ ابو الحسن رحمہ اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک بندۂ خدا فلاں پہاڑ کی غار میں برسوں عبادت الٰہی میں مشغول ہے میں اُن کی زیارت کے لئے وہاں چلا گیا جونہی اس کے دروازے کے قریب پہنچا تو میں نے سنا کہ وہ دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ! تیرے بعض بندوں نے تجھ سے تسخیرِ خلق مانگی تو نے انھیں اپنے فضل و کرم سے ان کی مراد پوری فرمائی اور میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ اپنی مخلوق کو میرے تعلقات سے دور فرما دے تاکہ میں

فراغت سے تیری بارگاہ میں التجا کر سکوں۔

ہم سب کو اللہ تعالٰے اس مقام کے حقائق عطا فرماتے اور ہر لحظہ اپنے حضور میں حاضری کی توفیق بخشے۔ (آمین)

حکایت ایک بادشاہ اپنے وزرا میں سے ایک وزیر کے ساتھ بہت بڑی محبت کرتا تھا دوسرے وزرا اس کے ساتھ حسد کرتے اور طرح طرح کے الزام لگا کر اسے بادشاہ کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتے۔ ایک دن بادشاہ کو خیال ہوا کہ وزرا کو اپنے مخصوص وزیر کی محبت و عشق کا ثبوت پیش کرے چنانچہ حکم فرمایا کہ محل شاہی خوب سجا کر اس کے اندر خزانہ کا دروازہ کھول دیا جائے۔ بادشاہ نے شاہی محل میں تمام وزرا کو بلا کر فرمایا کہ خزانہ شاہی سے جس کا جو جی چاہے لے جائے۔ اس سے کسی نے جواہر اٹھائے کسی نے موتی، کسی نے کچھ کسی نے کچھ۔ وہ وزیر جس پر دوسرے وزرا حسد کرتے تھے اس نے اٹھ کر بادشاہ کے ہاتھ تھام لئے اور عرض کی مجھے تو زر و دولت جواہر موتی کی ضرورت نہیں مجھے تو صرف آپ کی ذات چاہئے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی ست

اسیر عشق تو از ہر دو کون آزاد ست

ترجمہ: تیرے در کا گدا تو بہشت سے نالاں ہے تیرے عشق کا اسیر دونوں جہانوں سے آزاد ہے۔

یعنے عاشق صادق صرف محبوب کو چاہتا ہے اسی لئے وہ ہر حالت میں محبوب کے سوا ہر شے سے فارغ ہوتا ہے۔ (اسی لئے ہمارے دور کے ایک شاعر نے کہا ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق کے لئے خدا کا رسول بس) [1]

اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ط یہ ان قائلین کو خطاب ہے جو کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالٰے کی لڑکیاں ہیں اور خود لڑکیوں سے نفرت اور لڑکوں کو پسند کرتے تھے باوجود ایں ہمہ لڑکیوں کو اللہ تعالٰے کی طرف منسوب کرتے تھے اللہ تعالٰے نے ان کے رد میں فرمایا؛ الاصفاء بالشیٔ بمعنے کسی شے کو خالص اپنے لئے مقرر کرنا یہ ہمزہ انکار کا اور فاء عاطفہ ہے اس کا معطوف علیہ محذوف ہے جس کی تفسیر اس کا ما بعد کرتا ہے اور بنات کو اناث سے تعبیر کرنے میں ان کی خساست کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ انوثت حیوان کی خسیس ترین جنس ہے۔ اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے کافرو! کیا اللہ تعالٰے نے تمہیں اپنے اوپر فضیلت دی ہے کہ تمہیں افضل الاولاد سے نوازا ہے اور انہیں خالص تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے اور اپنے لئے خسیس اور ادنٰی اولاد کو اختیار فرمایا۔ اسی طرح کا مضمون الکم الذکر ولہ الانثٰی میں ہے۔

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان فرمایا کہ وہ

وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا

سمجھیں اور اس سے انہیں نہیں بڑھتی مگر نفرت تم فرماؤ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا یہ بکتے ہیں جب تو وہ عرش

اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے اسے پاکی اور برتری ان کی باتوں سے بڑی برتری

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ

اس کی پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی

بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا

اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بے شک وہ علم والا بخشنے والا ہے اور اے

قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا

محبوب تم نے قرآن پڑھا ہم نے تم پر اور ان میں کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کر

مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا

دیا اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف ڈال دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ٹینٹ

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ

اور جب تم قرآن میں اپنے اکیلے رب کی یاد کرتے ہو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں نفرت کرتے ہم خوب

اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ

جانتے ہیں جس لیے وہ سنتے ہیں جب تمہاری طرف کان لگاتے ہیں اور جب آپس میں مشورہ کرتے ہیں جب کہ

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا

ظالم کہتے ہیں تم پیچھے نہیں چلے مگر ایک ایسے مرد کے جس پر جادو ہوا دیکھو انہوں نے تمہیں کیسی تشبیہیں دیں تو گمراہ

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ

ہوئے کہ راہ نہیں پاسکتے اور بولے کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیا سچ مچ نئے بن

خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ

کر اٹھیں گے تم فرماؤ کہ پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا اور کوئی مخلوق جو تمہارے خیال

صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ

میں بڑی ہو تو اب کہیں گے ہمیں کون پھر پیدا کرے گا تم فرماؤ وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تو اب

فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ
تمہاری صرف مسخرگی سے سر ہلا کر کہیں گے یہ کب ہے تم فرماؤ شاید نزدیک ہی ہو
قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾
جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے اور سمجھو گے کہ نہ رہے تھے مگر تھوڑا

(بقیہ صفحہ ۱۵۳)

اس طرح کا ہونا حکمت کے بھی خلاف ہے اور نہ ہی اس کے متعلق تمہارے عقول گواہی دیتے ہیں اور نہ ہی اس کی عادت ہے کہ آقا کے لئے ردی اور خسیس چیزیں اور غلاموں کے لئے اعلیٰ اور بہتر اور برتر چیزیں ہوں۔

ف: کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ کیا اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے لڑکے منتخب فرمائے اور اپنے لئے فرشتوں کو لڑکیاں مقرر فرمائیں اور یہ عادت کے خلاف ہے کہ جب لڑکیوں سے تنگ ہو اور لڑکوں پر نازاں ہو پھر تنگی والی چیزیں اللہ تعالےٰ کے لئے اور فخر و ناز والی چیزیں تمہارے لئے۔

اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ بے شک اولاد کی نسبت کا تمہارا قول۔ قَوْلًا عَظِيْمًا بہت بڑا بھاری قول ہے۔ ایسے قول کی کوئی بھی جرات نہیں کر سکتا اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کو اجسام متجانسہ اور سریع الزوال اشیاء کے قبیل سے بناتے ہو اور پھر اولاد میں سے خسیس ترین کو اللہ تعالےٰ کی اور اعلےٰ قسم کی اولاد یعنے لڑکوں کو اپنے لئے خاص کرتے ہو اور پھر وہ جو اشرف المخلوق ملائکہ ہیں انہیں انوثت سے موصوف ہو حالانکہ انوثت حیوان کے اوصاف سے خسیس ترین وصف ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں انسان کی ظلومیت و جہولیت کے کمال کی طرف اشارہ ہے اس کا کمال جہولیت تو یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالےٰ کو جنس حیوانات سے سمجھا اور حیوانات کا خاصہ توالد و تناسل ہے اور اللہ تعالےٰ ایسے اوصاف سے منزہ اور پاک ہے اور اس کا کمال ظلومیت یہ ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ توالد و تناسل کی ضرورت بقائے نسل کے لئے ہوتی ہے اور اللہ تعالےٰ کو تو بالذات بقاء اور وہ ابدی سرمدی ہے اسے بقائے جنس کے لئے توالد و تناسل کی کیا ضرورت ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ جنس سے پاک اور منزہ ہے اور ملائکہ اس کی جنس نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ ازلی و ابدی خالق ہے اور فرشتے مخلوق اور اسی کی پیدا کردہ ہیں اور اس کے کمال ظلومیت و جہولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے گمان کیا کہ اللہ تعالےٰ انہیں لڑکے بخشے اور خود اپنے لئے لڑکیاں منتخب فرمائیں یہ قول (معاذ اللہ) اللہ تعالےٰ کی جہالت کی طرف نسبت کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالےٰ کو لڑکوں کی لڑکیوں پر فضیلت کا علم نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: انکم لتقولون قولا عظیما یعنے تمہارا یہ قول تمہارے کمال ظلومیت و جہولیت پر دلالت کرتا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ ۱۵۴)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اور بے شک ہم نے یہ معنے بیان کیا اور بار بار بتایا۔

کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ ہم نے بار بار دلائل دے کر سمجھایا ہے کہ میں اولاد سے منزہ اور پاک ہوں۔ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس قسم کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ لِيَذَّكَّرُوْا تاکہ قرآن مجید کے دلائل پڑھ کر نصیحت حاصل کریں اور اپنے غلط اقوال اور گندے عقائد سے باز آجائیں۔ وَمَا يَزِيْدُهُمْ حالانکہ انھیں ہمارے دلائل وغیرہ نے نہ بڑھایا۔ اِلَّا نُفُوْرًا۝ مگر نفرت کو یعنے وہ دلائل سن کر بجائے حق کی طرف رجوع کرنے کے الٹا حق سے دور ہوگئے۔ قُلْ اے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم انھیں حق کے اظہار اور باطل کے ابطال کے لئے دوسرے طریقے سے فرمایئے۔ لَوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ اگر اللہ تعالٰے کے ساتھ اور معبود ہوتے۔ كَمَا يَقُوْلُوْنَ جیسے تم کہتے ہو اور اے کافرو! تمعارا یہی پختہ عقیدہ ہے اور یہ کاف محلا منصوب ہے اس لئے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے دراصل عبارت یوں تھی، کونا مشابھا لما یقولون الخ یہاں پر مشابہت بمعنے موافقت و مطابقت ہے۔ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ اس وقت وہ معبودانِ باطلہ طلب کرتے صاحب عرش یعنے وہ جو علی الاطلاق اس کا ملک اور ربوبیت کی طرف سَبِيْلًا۝ راستہ، غلبہ پانے اور اسے روکنے کے لئے یعنے تاکہ وہ رب حقیقی پر غلبہ پائیں اور اس پر غلبہ کرکے اپنے سے عیب وعجز کو دور کریں جیسا کہ بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر برتری کے طور پر غلبہ اور حملہ کیا کرتے ہیں اس دلیل سے کافروں کا منہ بند کیا ہے وہ اس طرح کہ ان کے معبودانِ باطلہ یا معبود حق سے بڑے ہیں یا اس کے برابر یا اس سے درجہ میں کم ہیں۔ اگر وہ معبود حقیقی سے بڑے ہیں تو انھیں چاہیئے کہ وہ اس کا مقابلہ کرکے اس پر غلبہ پائیں اور ربوبیت اور عرش کی شاہی اس سے چھین لیں جیسا کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے سے کمزوروں پر غلبہ پاکر ان سے شاہی چھین لیتے ہیں۔ آیت میں برہان تمانع کی طرف اشارہ ہے پہلے اس آیت کو قیاس استثنائی بناکر پھر اس سے نقیض تالی کا استثنا کیا گیا۔ اور اگر وہ معبودان باطلہ کے برابر ہیں تو بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ ان کے برابر کا ایک کیسے حکومت و سلطنت کر رہا ہے جب کہ وہ اس کی طرح بہت بڑی جماعت موجود ہیں اسی لحاظ سے وہ اس سے جھگڑیں اور اس سے شاہی و سلطنت چھین لیں اگر وہ اس سے درجہ میں کم ہیں تو ناقص الوہیت کے قابل نہیں۔ اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا اس وقت طلب کریں عرش کامل کے مالک فی الالوہیۃ کی طرف راستہ خدمت و عبودیت قربت کے لئے۔ آیت میں اقترانی کی طرف اشارہ ہے اس کی صورت یوں ہوگی۔ لو فرض معہ الھۃ لتقربوا الیہ بالطاعۃ وکل من تقربوا الیہ بھا لا یکونون الھۃ فما فرض الھۃ لا یکون الھۃ۔ یہاں پر لو امتناعیہ نہیں بلکہ شرطیہ ہے۔

ف: یہاں پر معبود سے ان کے وہ جز ذوی العقول معبود مراد ہیں جنھیں انھوں نے اپنے زعم فاسد سے معبود مقرر کر رکھے تھے۔ جیسے عیسٰی وعزیر و ملائکہ علیہم السلام۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ مع حواشی سعدی المفتی)

سُبْحٰنَہٗ اس کی ذات کے لئے وہ تنزیہ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ وَتَعَالٰی اور بلند یعنے دور ہے۔
عَمَّا یَقُوْلُوْنَ اس سے جو وہ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ اور معبود ہیں اور اس کی لڑکیاں ہیں۔

بحرالعلوم میں ہے کہ اس میں تنزیہ اور تعجب ہے۔ ان کے اقوال سے دراصل عبارت یوں ہوگی؛ ما ابعد من لہ الملک الخ ملک اور ربوبیت والے کی شان سے بعید ہے اور اس کی شان بہت بلند ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔

عُلُوًّا یہ مجرد مصدر مزید یعنے تعالیا کے قائم مقام ہے جیسے واللہ انبتکم من الارض نباتا میں مصدر مجرد نباتا انباتا مزید کے قائم مقام ہے۔

کَبِیْرًا ○ بہت بڑا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بڑا نہیں کیوں نہ ہو جب کہ وہ وجود کے غایۃ کے انتہائی درجہ یعنے وجوب ذاتی پر ہے کہ جس کے بعد اور کوئی درجہ نہیں اور وہ جو کہتے ہیں کہ اس کے لئے شریک اور اس کی اولاد ہے یہ بھی عدم کے انتہائی یعنے درجۂ امتناع میں ہے۔

جیسے مشرکین کے وہمی معبود ہیں ایسے ہی کمزور اہلِ ایمان کا حال ہے کہ وہ اپنی جہالت وغفلت سے نفس کی خواہشات کو معبود بنایا ہے کما قال:

ارایت من اتخذ الھہ ھواہ

اسی طرح بعض بدبخت وہ ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی زوجہ کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے یعنے عورتوں کی اطاعت میں ایسے سرمست ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالے کی اطاعت کی جاتی ہے اور بعض ایسے بدقسمت ہیں جو اپنی تجارت کو اپنا معبود سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالے کی طاعت ترک کر کے رات دن اس کے مشغلہ میں مصروف رہتے ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا طریقہ تھا کہ نماز پڑھتے وقت جب ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتے تو فوراً بے ہوش ہو جاتے۔ آپ سے وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا وہ اس لئے کہ ادھر تو میں اللہ تعالے سے ایاک نعبد عرض کرتا ہوں ادھر نفس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہوں اور ادھر ایاک نستعین کہتا ہوں اور پھر غیروں کے دروازے کھٹکھٹاتا ہوں ؎

اے تو بندہ این جہاں محبوس جان
چند گوئی خویش را خواجہ جہان
خدمت دیگر کنی ہر صبح و شام
واگہی گوئی کہ من حق را غلام
بندۂ حق در درش باشد مقیم
با خلوص و اعتقاد مستقیم

ترجمہ: ① اے فلاں تو اسی جہان کی چیزوں کی محبت میں پھنسا ہوا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس جہان میں سردار ہوں۔

② دنیا میں خدمت تو غیروں کی کرتا ہے اور دعویدار ہے کہ میں اللہ تعالٰے کا بندہ ہوں۔

③ حق تعالٰے کا بندہ وہی ہے جو صرف اللہ تعالٰے کے دروازہ پر اخلاص اور اعتقاد مستقیم کے ساتھ پڑا رہتا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ ہر وقت ذکر توحید میں مصروف رہے اور ہر وقت اس عہد کی تجدید کرے جو اس کے اور اللہ تعالٰے کے درمیان میں روز ازل ہوا تھا اس لئے کہ مغفرت اور ابرار و متقین کے درجات کی طرف ترقی کا سبب یہی عمل ہے جیسا کہ یقین والوں پر مخفی نہیں۔

اعجوبہ کلمہ طیبہ مروی ہے کہ جب اللہ تعالٰے نے عرش کو پیدا فرمایا تو وہ چونکہ اس کی تمام مخلوقات سے بڑا ہے اسی لئے پیدا ہوتے ہی ہلنے لگا اور چوبیس ہزار سال تک ہلتا رہا۔ اللہ تعالٰے نے اسے حرکت سے باز رکھنے کے لئے چوبیس حروف یعنے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) عرش کے سامنے ظاہر فرمائے تو عرش ہلنے سے رک گیا اور چوبیس ہزار سال تک رکا رہا۔ چوبیس ہزار سال گذرنے کے بعد اللہ تعالٰے نے جسے سب سے پہلے پیدا فرمایا تو اسے اس کلمہ کے پڑھنے کا حکم فرمایا تو جونہی اس نے یہ کلمہ پڑھا تو عرش ہلنے لگا۔ اللہ تعالٰے نے اسے فرمایا: تھم جا۔ اس نے عرض کی: یا اللہ تعالٰے! میں کیسے تھم جاؤں جب تک تو اس کلمہ کے پڑھنے والے کو نہیں بخشے گا، میں ہلتا رہوں گا۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا: تھم جا، میں نے تیری پیدائش سے ہزار سال پہلے قسم کھائی تھی کہ کلمہ توحید پڑھنے والے کو ضرور بخشوں گا۔

ہم اللہ تعالٰے سے عفو و مغفرت کا سوال کرتے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط آسمان اور زمین اور ان کے اندر رہنے والے سب کے سب اللہ تعالٰے کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

ف والتسبیح یعنے نقائص امکان و حدوث سے اللہ تعالٰے کی تنزیہ اور تمام نقائص امکان و حدوث سے اس کی تبعید اور آسمانوں اور زمینوں کی تسبیح سے حالی مراد ہے گویا یہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ صانع و خالق کا وجود اور وہ بہت بڑی قدرت اور حکمت والا ہے اور من فیھن سے ملائکہ اور جن اور انسان مراد ہیں اور ان کی سے مقالی تسبیح مراد ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی تسبیح کرنے والا تسبیح کہتا ہے تو سننے والا اسے سن لیتا ہے یا بطریق عموم المجاز مطلق تسبیح مراد ہے جو زبان حال و زبان مقال ہر دونوں کو شامل ہے یعنے ایسے قول و عمل کا صدور جو ذات حق کی تنزیہ پر دلالت کرے اس تقریر پر لفظ تسبیح مشترک لفظ ہے کہ ہر وہ شے جو اللہ تعالٰے سے نقائص حدوث و امکان کا دفعیہ کرے اسے تسبیح کہا جائے گا خواہ وہ مقال سے متعلق ہو یا حال سے۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ۔ اس سے تمام اشیاء (حیوانات ہوں یا نباتات) مراد ہیں یعنے یہ تمام اشیاء اللہ تعالےٰ کی صنعت وقدرت وحکمت پر دلالت کرتی ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یہ اشیاء اللہ تعالےٰ سے نقصان وعیوب کی تنزیہ اور اس کے صفات کمال کا اظہار کرتی ہیں۔

ف: یہ اِنْ نافیہ ہے۔

اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ الفقہ بمعنے متکلم کی غرض اس کے بولنے سے سمجھنا۔ اب معنے یہ ہوگا کہ ہر شے اللہ تعالےٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن اے مشرکو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، اس لئے کہ وہ نظر صحیح کہ جس سے ایسی تسبیحات سمجھی جاتی ہے تمہارے ہاں وہ نظر نہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کہا کہ اگر ان سے پوچھا جاتا کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق کون ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ان سب کا خالق اللہ تعالےٰ ہے لیکن اس کے باوجود کہ وہ اللہ تعالےٰ کی خالقیت اور اس کی اتنی بہت بڑی قدرت کے قائل بھی ہیں تو پھر بھی اس ذات کے ساتھ اور معبودان باطلہ کو شریک ٹھہراتے ہیں اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ گویا وہ صنعت باری تعالےٰ اور قدرت حق تعالےٰ کو دیکھتے ہی نہیں اسی لئے اس کی توحید کا اقرار نہیں کرتے ورنہ جس کی نظر صحیح ہوتی ہے وہ لازماً اللہ تعالےٰ کی توحید کا اقرار کرتا ہے اور یہ ہر دونوں باتوں کے خلاف ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ وہ تسبیح اشیاء نہیں سنتے۔ اسی لئے انہیں ذات حق تعالےٰ کی صنعت اور اس کی قدرت کے دلائل محسوس نہیں ہوتے۔ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا بے شک وہ اللہ تعالےٰ حلیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم باوجودیکہ تدبر فی الدلائل سے اعراض اور شرک کرنے میں منہمک ہو لیکن پھر بھی تم پر عذاب نازل کرنے کی عجلت نہیں فرماتا اور الحلم اگر اس کا اطلاق اللہ تعالےٰ پر ہو تو اس کا معنےٰ ہوگا کہ ظالم سے ظلم کے بدلہ لینے میں تاخیر کرنا اور اگر اس کا اطلاق مخلوق پر ہو تو اس کا معنے ہوگا غضب کے وقت جوش میں قلب کو مطمئن کرنا۔ غَفُوْرًا ○ جو تم میں سے توبہ کرے اور توحید کی طرف رجوع کرے اس کے لئے غفور ہے۔ یہ تقریر دربارہ تسبیح اشیاء زمخشری اور بیضاوی و ابو السعود و دیگر ان کے اہل ظواہر ہم نوا کا مذہب ہے۔

تسبیح اشیاء کی تحقیق

حضرت الشیخ علی السمرقندی قدس سرہٗ نے بحر العلوم میں لکھا ہے کہ سلف صالحین کا مذہب ہے کہ آیت میں ہر دونوں جگہ پر تسبیح حقیقی مراد ہے اور یہی صحیح تر ہے وہ اس لئے کہ جب ہم مانتے ہیں کہ جمادات بھی گفتگو کرتے ہیں تو ان کی تسبیح بھی مقالی ماننی چاہئے۔ اس کے دلائل شاہد ہیں۔

حجر اسود بھی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ معظمہ کے اس پتھر (حجر اسود) کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتا تھا۔ اسے اب بھی میں جانتا ہوں۔

تسبیح الطعام: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جس طعام کو کھاتے تھے تو ہم اس کی تسبیح اپنے کانوں

سے سنتے تھے۔

دلیل ③: قرآن مجید کے صریح نصوص موجود ہیں کہ قیامت میں انسان پر اس کے اعضاء اور اس کا چمڑا اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ (اس سے جمادات کی حقیقی گفتگو کا ثبوت ملتا ہے)

④ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشی والاشراق، کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح پڑھتے تو ان کے جواب میں پہاڑ بھی تسبیح پڑھتے تھے۔

⑤ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ہر شے خواہ وہ ذی حیات ہو یا جماد وہ اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتی ہے اور ان کی تسبیح یہ ہے، سبحان الله وبحمده۔

⑥ حضرت مقداد بن معدیکرب نے فرمایا کہ خشک مٹی جب تک تر نہ ہو وہ اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتی ہے اسی طرح خربوزہ کو بھی جب تک اپنی جگہ سے توڑا نہ جائے وہ اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتا ہے اسی طرح پتے جب تک درخت سے نہیں توڑے جاتے اور پانی جب تک جاری رہتا ہے اور کپڑا جب تک جدید رہتا ہے جب وہ میلا ہو جاتا ہے تو تسبیح ترک کر دیتا ہے۔ اسی طرح وحشی اور پرندے جب بولتے ہیں تو تسبیح پڑھتے ہیں جب خاموش ہوتے ہیں تو تسبیح ترک کر دیتے ہیں۔

⑦ حدیث شریف میں ہے کہ مچھلی دریا سے اس وقت پکڑی جا سکتی ہے اور پرندہ بھی اس وقت گرفتار کیا جا سکتا ہے جب وہ تسبیح الٰہی سے غافل ہوتے ہیں۔ (کذا فی المدارک)

⑧ امام نخعی نے فرمایا کہ ہر شے ذی حیات ہو یا جماد، اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتی ہے یہاں تک کہ جب دروازہ بند یا کھولا جاتا ہے اور اس سے جو آواز نکلتی ہے وہ اس کی تسبیح کی آواز ہوتی ہے اسی طرح چھت کے ٹوٹتے وقت جو آواز نکلتی ہے وہ بھی اس کی تسبیح کی آواز ہوتی ہے۔

⑨ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ درخت اور ستون تسبیح پڑھتے اور درخت اور انگوری تسبیح پڑھتی ہے جب تک اسے کاٹا نہ جائے یا وہ خشک نہ ہو۔

⑩ الکواشی میں ہے کہ ان کا ذکر و تسبیح کرنا عقلاً و نقلاً ممکن ہے۔

⑪ خبائز الخلاصہ میں ہے کہ قبرستان کے درختوں اور اس کی گھاس کو بلا ضرورت کاٹنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ ذکر الٰہی اور تسبیح حق میں مشغول ہوتے ہیں۔

⑫ الملتقط میں ہے کہ پرانے گورستان کہ جس کے نشانات بھی مٹ گئے ہوں لوگوں کو اسے اپنے کام میں نہ لانا چاہئے یعنے نہ وہ اس میں مکانات تعمیر کریں نہ اس میں جانوروں کو باندھیں اور نہ اس کا گھاس اور نہ درخت وغیرہ کاٹیں۔

⑬ ردِ وہابیہ و دیوبندیہ: فتح القریب میں ہے کہ جب جمادات کی تسبیح سے برکات حاصل ہوتے ہیں تو قرآن مجید سے حصول برکات تو بطریق اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ یہ اشرف الاذکار (تمام

ذکروں سے برگزیدہ ذکر) ہے بالخصوص مرد صالح سے قرآن مجید سننے سے مزید فیوض و برکات نصیب ہوتے ہیں اسی لئے علماء کرام و فقہائے عظام نے فرمایا:

استحب العلماء قراۃ القرآن عند القبر[1] قبر کے نزدیک قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے۔

[اویسی غفرلہٗ اہل اسلام کو عرض رسا ہے کہ ہمارے دور کے معتزلہ قبر کے نزدیک قرآن مجید پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں اور طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے ہیں اگر ان کو پیسے دے کر ہزاروں قبروں پر قرآن پڑھاؤ تو اہلسنت بن جاتے ہیں اور پیسے کی وجہ سے بدعت بھول جاتے ہیں بلکہ اپنی خباثت طبعی پر آجائیں تو پھر ہندوؤں کی تصویر کے سامنے بھی قرآن مجید پڑھنے سے نہیں ہوکتے[2]

[حافظ بعیت اللہ (دیوبندی) رکن جمیعۃ العلمائے ہند اور حضرت بابا خضر محمد (دیوبندی) سابق سرپرست جمیعۃ العلمائے ہند، کانپوری نے مہاتما گاندھی (ہندو) کی روح کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیتیں اس (گاندھی ہندو) کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں اور ان کی روح کو بخش دیں۔الخ[3]]

[اہل اسلام، بھائیو! غور کر کے اسے پڑھئے پھر ان لوگوں کی چالوں سے بچنے کی کوشش کیجئے۔

وما علینا الا البلاغ]

کیا قبر کے سامنے یا لحد کے کونے پر ریحان یا اسی طرح کا کوئی اور خوشبودار پودا لگانا جائز ہے یا نہیں؟

حدیث شریف کے مطابق تر چیز کو قبر پر رکھنے کا مطلقاً جواز ہے تو پھر قبر کے جس مقام پہ پودا لگایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۴) استن حنانہ کا واقعہ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک خشک ستون سے ٹیک لگا کر جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ ایک کاریگر نے تین سیڑھیوں والا منبر تیار کیا اور بارگاہ نبوت میں پیش کیا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اس جدید منبر پہ رونق افروز ہو کر خطبہ دیں جونہی آپ نے جدید منبر پہ قدم رکھا تو خشک ستون (پرانا منبر) چیخا۔ حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم جدید منبر کو چھوڑ کر خشک ستون پہ تسلی کا ہاتھ رکھ کر فرمایا: تم چاہو تو میں تمہیں اس جگہ پر دوبارہ لگا دوں جہاں تو پہلے تھا اور پھر پہلے کی طرح سرسبز ہو جائے گا اور چاہو تو میں تمہیں بہشت میں لگا دوں تاکہ تو بہشت کے چشموں اور نہروں سے سیراب ہو کر پھلے پھولے اور تیرے پھل اولیاء اللہ کھائیں اس ستون نے بہشت اور دار دنیا کے بجائے آخرت کو پسند فرمایا۔ جونہی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اسے

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۶۳، مطبوعہ جدید

[2] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

[3] اخبار سیاست کانپور (انڈیا) یکم فروری ۱۹۵۲ء (اویسی)

ایک جگہ پر رکھا گیا جسے دیمک کھا گئی اور وہ مٹ گیا لیکن بعض روایت میں ہے کہ اسے منبر نبوی کے نیچے دفن کیا گیا۔[1]
مثنوی شریف میں ہے ؎

استن حنانہ از ہجر رسول
نالہ می زد چو ارباب عقول

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون
گفت جانم از فراقت گشت خون

مسندت من بودم از من تاختی
بر سر منبر تو مسند ساختی

گفت خواہی کہ ترا نخلے کنند
شرقی و غربی از تو میوہ چنند

یا در آں عالم ترا سروے کنند
تا تر و تازہ بمانی بے گزند

گفت آں خواہم کہ دائم شد بقاش
بشنو اے غافل کم از چوبے مباش

آں ستون را دفن کرد اندر زمین
تا چو مردم حشر گردد یوم دین

آں کہ او را نبود از اسرار داد
کے کند تصدیق او نالۂ جماد[2]

(۱۹) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کسی ایک جگہ پر رونق افروز تھے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی تھے آپ نے سات کنکریاں اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھیں تو ان سے تسبیح کی آواز شہد کی مکھی کی آواز جیسی سنی گئی پھر آپ نے انہیں نیچے رکھا تو وہ خاموش ہوگئیں اس کے بعد آپ نے پھر اٹھائیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں تو ان سے بھی اسی طرح شہد کی مکھی

---

[1] مزید تفصیل فقیر کی کتاب صدائے نوی شرح مثنوی معنوی یا تقاریر اویسی ریڈیو میں دیکھئے۔ (اویسی)

[2] ترجمہ و تشریح کے لئے فقیر اویسی کی کتاب شرح مثنوی پڑھئے۔

جیسی تسبیح کی آواز سنی گئی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی اسی طرح ہوا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسی طرح شہد کی مکھی کی آواز کی طرح ان سے تسبیح کی آواز میں نے سنی۔

(۱۶) حضرت عبد اللہ القرطبی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ایک رات کہا کہ میں آج رات ایسی تسبیح پڑھوں گا کہ میرے سوا اور کسی نے نہ پڑھی ہوگی۔ میرے اس کہنے پر ایک مینڈک (جو کہ ان کے گھر کے ایک کونہ میں تھا) نے پکار کر کہا کہ اے داؤد علیہ السلام! آپ اللہ تعالےٰ کی تسبیح پڑھنے پر صرف آج رات فخر کر رہے ہیں حالانکہ میں چالیس سال سے مسلسل اللہ تعالےٰ کا ذکر رہا ہوں یہاں تک کہ اس ذکر سے مَیں نے ایک لمحہ بھر بھی زبان کو نہیں روکا اور دس رات دن سے مجھے کھانا پینا نصیب نہیں اور ان دو کلموں کی لذت سے مجھے کھانے پینے کا خیال تک نہیں۔ داؤد علیہ السلام نے مینڈک سے پوچھا، وہ دو کلمات کون سے ہیں؟ اس نے عرض کی وہ کلمات یہ ہیں:

یا مسبحا بکل لسان و یا مذکورا بکل مکان	اے وہ ذات جس کی تسبیح ہر زبان پر ہے اور وہ ذات جس کا ذکر ہر مکاں میں ہے۔

داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس کی تسبیح مجھ سے زائد، بلیغ تر نہ ہو سکے گی۔

(۱۷) الشیخ ابو عمر نے اپنی توبہ کا سبب بتایا کہ ایک رات میں پیٹھ کے بل سو رہا تھا اور میرا چہرہ آسمان کی طرف تھا میں نے آسمان پر پانچ کبوتروں کو اڑتا ہوا دیکھا، ان میں سے ایک کہہ رہا تھا:

سبحان من عندہٗ خزائن کل شی ما ینزلہ الا بقدر معلوم	پاک ہے وہ ذات جس کے ہاں ہر شے کے خزانے ہیں اور وہ اپنے اندازہ کے مطابق ہی نازل فرماتا ہے۔

دوسرا کہہ رہا تھا:

سبحان من اعطیٰ کل شی خلقہ ثم ھدیٰ	پاک ہے وہ ذات جس نے ہر شے کو پیدا فرمایا اور اسے اس کی شان کے لائق ہدایت بخشی۔

تیسرا کہہ رہا تھا:

سبحان من بعث الانبیاء حجۃ علی خلقہ و فضل علیھم محمد صلے اللہ علیہ وسلم	پاک ہے وہ ذات جس نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مخلوق کے ہاں حجت کے طور پر مبعوث فرمایا اور ان سب پر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بخشی۔

چوتھا کہہ رہا تھا:

کل فی الدنیا باطل الا ما کان للہ و لرسولہ۔	دنیا کی ہر شے باطل ہے سوائے اس کے جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

اور پانچواں کہہ رہا تھا :

یا اھل الغفلۃ قوموا الی ربکم رب کریم یعطی الجزیل ویغفر الذنب العظیم۔ — اے غفلت والو! اٹھو! اپنے رب کریم کی طرف وہ تمھیں بہت کچھ عطا فرمائے گا اور تمھارے بہت بڑے گناہ بخشے گا۔

شیخ فرماتے ہیں جب میں نے ان کبوتروں کی تسبیح سنی تو میرے دل پر گہرا اثر ہوا یہاں تک کہ میرے اوپر بیہوشی طاری ہوگئی جب ہوش میں آیا تو میں نے دنیا کے خیالات کو دل سے محو پایا اور پختہ ارادہ کیا کہ صبح کسی شیخ کامل کی خدمت میں جاکر اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دوں گا۔ چنانچہ صبح میں ایک ایسے بزرگ کے ہاں حاضر ہوا جو نہایت وقار اور پُرہیبت تھے میں نے دل میں خیال کیا کہ کاش کوئی مجھے اس بزرگ سے متعارف کراتا۔ میرے خیال کو وہ بھانپ گئے اور خود ہی فرمایا کہ میں خضر (علیہ السلام) ہوں۔ اور فرمایا کہ اس وقت میں حضور محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی (قدس سرہٗ) کے ہاں بغداد میں بیٹھا تھا اور تجھے معلوم ہے کہ محبوب سبحانی قدس سرہٗ تمام عارفین کے امام ہیں انھوں نے مجھے فرمایا: اے ابوالعباس! (یہ حضرت خضر علیہ السلام کی کنیت ہے) ایک بندۂ خدا کو ابھی جذبہ الٰہیہ نصیب ہوا ہے اسے آسمان سے جواب ملا ہے :

مرحبا بك عبدی — مرحبا اے میرا بندہ۔

اور اس بندۂ خدا نے تہیہ کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی شیخ کامل کے سپرد کر دے آپ تشریف لے جاکر اسے میرے ہاں لے آئیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ واقعہ بتا کر مجھے فرمایا کہ بغداد شریف چل کر محبوب سبحانی قدس سرہٗ کی بیعت ہو جائیے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیجیے۔ یہ کہہ کر غائب ہوگئے۔ میں نے اپنے آپ کو بغداد میں پایا اور حضرت خضر علیہ السلام کے حکم سے میں سیدنا غوث اعظم رحمہ اللہ تعالٰے علیہ کے حضور میں چلا گیا، آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا :

مرحبا بمن جذبہ مولاہ بالسنۃ الطیر وجمع لہ کثیرا من الخیر — مرحبا اس بندۂ خدا کو جسے اپنے مولٰے تعالٰے نے پرندوں کے ذریعے اپنا قرب اور اسے خیر کثیر سے نوازا۔

ف : خلاصہ یہ کہ اس قسم کے بے شمار دلائل موجود ہیں کہ جمادات کی تسبیح ممتنع نہیں بلکہ کائنات میں کئی ایسے واقعات ہو گذرے ہیں اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو کرامات اور خرق عادات کا منکر ہے۔

(۱۸) فتوحات مکیہ شریف میں مذکور ہے کہ اگر بقول منکر جمادات کی تسبیح حالی مراد ہوتی تو پھر ولکن لا تفقھون تسبیحھم کا اضافہ کیوں؟ اللہ تعالٰے کے کلام کے ہر جملہ میں ہزاروں حکمتیں ہوتیں ہیں۔

ف : ان جملہ دلائل سے ثابت ہوا کہ جمادات وغیرہ کی تسبیح سے تسبیح حقیقی مراد ہے اس کا مطلب یہ لینا غلط ہے کہ ان جمادات کا حال اللہ تعالٰے کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے۔

ف : لا تفقھون تسبیحھم کا خطاب عام ہے اس میں مشرکین اور اہل اسلام ہر دونوں شامل ہیں۔ اب معنے یہ ہوا کہ نہ تم ان کی تسبیح سن سکتے ہو اور نہ ہی تم ان کی تسبیح کو پڑھتے ہو اس لئے کہ اس سے صرف ان کے الفاظ سمجھنا مطلوب نہیں

بلکہ اس سے تدبر مقصود ہے تاکہ بولنے والے کے کلام کا ادراک کر کے اسی کی طرح تسبیح کرے۔

ف: الکواشی میں لکھا ہے کہ ولکن لا تفقھون الخ کا معنے یہ ہے کہ تم اس لئے نہیں سمجھتے کہ وہ تمہاری بولی نہیں بولتے ہاں اللہ تعالےٰ جسے چاہے ان کی بولی سمجھادے جیسے داؤد اور سلیمان علیہما السلام بعض جمادات وحیوانات کی بولیاں سمجھتے تھے۔

صاحبِ رُوح البیان کا تبصرہ

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ تقریر مذکور لا تفقھون الخ کی تعلیل مذکورہ مقام ہٰذا کے لحاظ سے غیر مناسب ہے اس لئے کہ آیت میں عموم ہے اور ضروری نہیں کہ جسے ہم سن سکیں تو اسے سمجھ سکیں اس لئے کہ بہت سے لغات کو ہم سنتے ہیں لیکن ہم انھیں سمجھ نہیں سکتے اس لئے کہ ہر لغت کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں علاوہ ازیں بہت سی ایسی اشیاء ہیں جن کی کوئی آواز مسموع نہیں لیکن ان کی تسبیح سنی گئی۔ اس تقریر کو غور کر کے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

(۱۹) حضرت امام سلمی حضرت ابو عثمان مغربی قدس سرہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ تمام کائنات باختلاف لغات تسبیح حق کرتی ہے لیکن صرف وہ عالم ربّانی ہی سن سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے جس کے دل کے کان کھلے ہوں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا:

؎

بذکرش ہر چہ بینی در خروشست
دلے داند درین معنے کہ گوشست
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانست
کہ ہر خارے بتسبیحش زبانست

ترجمہ: جس شئے کو دیکھو وہی تسبیح حق میں ہے یہ اس دل کو معلوم ہوگا جس کے کان اس معنے کے لئے کھلے ہیں۔ نہ صرف بلبل پھول پر تسبیح پڑھ رہی ہے بلکہ بوٹی کا ہر کانٹا تسبیح میں شاغل ہے۔

(۲۰) خصائص صغریٰ میں ہے کہ یہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے کہ آپ کو حجر و شجر سلام عرض کرتے اور آپ کی نبوت کی گواہی دیتے بلکہ آپ کی دعوت کو بھی قبول کرتے تھے۔

احجار و اشجار کی حیات کی تحقیق

امام سہیلی نے فرمایا کہ نامعلوم کہ اشجار و احجار کا بولنا حیات وعلم سے تھا یا ویسے خالی آواز تھی جو حیات کو مستلزم ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ اکثر بلکہ کل عقلاء کا خیال ہے کہ جمادات لایعقل ہیں لیکن جب ہمارے مذکورہ بالا دلائل دیکھتے ہیں تو توقف کرتے ہیں حالانکہ تحقیق یہ ہے جب واضح ثبوت موجود ہے کہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے ساتھ احجار و اشجار ہم کلام ہوئے تو پھر ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالےٰ نے ان میں حیات وعلم پیدا فرمایا ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ عالم کے ذرہ ذرہ میں اس کی شان کے لائق حیات ہے چنانچہ حدیث اذان سے واضح ہوتا ہے کہ جب مؤذن اذان پڑھتا ہے تو مؤذن کی آواز کو ہر

ہر خشک وتر سنتا ہے اور قیامت میں مؤذن کے لئے گواہی دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ گواہی کے لائق وہ شے ہو سکتی ہے جس کے اندر علم وحیات ہو یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر انس وجن کی نظروں سے ان کا علم وحیات اوجھل رکھا ہے سوائے ان حضرات کے جن پر اس کا فضل وکرم ہے جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام، ایسے حضرات کو دلیل سے سمجھانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ انھیں جمادات وغیرہ کے علم وحیات کا مشاہدہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جمادات وغیرہ کی حیات و علم کو اوجھل رکھا ہی نہیں وہ ان اشیاء کے علم وحیوٰۃ کو بلا تکلف آنکھوں سے دیکھتے، اور ان کا کلام کانوں سے سنتے ہیں۔

حیات جماد کی ایک قرآنی دلیل

جب موسےٰ علیہ السلام نے رب ارنی کہا تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی تجلی پہاڑ پر پڑی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا یہ بھی حضرت ابن العربی قدس سرہٗ کے نزدیک پہاڑ کی حیات کی دلیل ہے کہ اگر اسے معرفت الٰہی حاصل نہ ہوتی تو وہ ریزہ ریزہ نہ ہوتا۔

سبق

حضرت ابن العربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب ثابت ہو گیا کہ عالم کائنات کا ذرہ ذرہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے جو جمادات کے ذکر سے صرف خیالی طور پر سبق حاصل کرتا ہے تو وہ ابھی سلوک میں ادھورا ہے اسے اس وقت کامل ومکمل سمجھا جائے گا جس وقت وہ جمادات کے ذکر کو اپنے کانوں سے سنے اور سر کی آنکھوں سے دیکھے۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ حقیقی زندہ وہ ہے جسے ہر جماد دیکھ کر زندہ ہو جائے اس کی مثال سورج کی ہے کہ سورج کو دیکھتے ہی ہر ایک روشنی پاتا ہے اسی طرح حقیقی زندہ (ولی اللہ) کے دیکھنے سے بھی مردہ دلوں کو روحانی زندگی نصیب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمادات، نباتات (اشجار، احجار) کے ذرہ ذرہ میں ان کی شان کے لائق علم وحیات ہے اور وہ بولتے بھی ہیں جنھیں وہ صرف سنتا اور دیکھتا ہے جسے کشفِ حقیقی اور قلبِ سلیم حاصل ہے۔

ف: حضرت الشیخ افتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حقیقی سالک اپنے اثنائے سلوک آسمان کی حرکات کو سنتا ہے وہ اس لئے کہ اس کی ریاضت میں ایک قسم کا جذب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اتنی دور کی حرکات کو سن سکتا ہے اور ان کے خلیفہ مجاز حضرت الہدائی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک رات تہجد کے وضو کے لئے گھر سے باہر نکلا تو میں نے جاری پانی کے قطرات سے سنا کہ وہ پڑھ رہے تھے:

یا دائم، یا دائم، یا دائم، یا دائم — اے ہمیشہ رہنے والے، اے ہمیشہ رہنے والے . . .

اس قسم کے نظائر وامثلہ ان گنت ہیں۔

صاحبِ روح البیان کے پیر ومرشد کا قصہ

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میرے پیر ومرشد رضی اللہ نے کسی صوفی بزرگ کو اپنے پاس روزہ کے افطار کے لئے بلایا اس وقت میرے شیخ قدس سرہٗ پانی اور روٹی کے سوکھے ٹکڑوں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد تو آپ نے آٹھویں پہر کچھ کھانے پر اکتفا فرمایا۔

جب روزہ کے افطار کا وقت ہوا تو میرے شیخ قدس سرہ نے اس صوفی بزرگ سے فرمایا کہ اس روٹی کے ٹکڑوں میں حقانی روح ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے ظاہری اجزا جسم کو اور اس کے روحانی اجزا روح کو تقویت بخشتے ہیں اس معنے پر روٹی سے جس طرح جسم کو تقویت ہوتی ہے ایسے ہی روح کو بھی اور یاد رکھئے کہ ہر موجود ذی روح کسی کو روح حیوانی نصیب ہوتا ہے کسی کو روح حقانی، مردے کے جسم کو روح حقانی عطا ہوتا ہے اس لئے کہ مرنے کے بعد تو اسے روح حیوانی چھوڑ گیا ہے۔

اب وہ مردہ روح حقانی سے زندہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مردہ اللہ تعالٰے کے بلانے پر بولتا ہے اس کا اس وقت بولنا روح حقانی کی وجہ سے ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شے اللہ تعالٰے کی تسبیح پڑھتی ہے اور ظاہر ہے کہ تسبیح وہ پڑھتا ہے جس کی روح ہو اور روح کے بغیر تسبیح وغیرہ پڑھنا محال ہے نتیجہ نکلا کہ ہر شے ذی روح ہے وہ حجر ہوں یا شجر۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چون شما سوئے جمادے مے روید
محرم جان جمادان چون شوید
از جمادے عالمے جانہا روید
غلغل اجزائے عالم بشنوید
فاش تسبیح جمادات آیدت
وسوسہ تاویلہا نہ بایدت
چون ندارد جان تو قندیلہا
بہر بینش کردۂ تاویلہا
کہ غرض تاویل ظاہر کے بود
دعوئے دیدن خیال و غیّ بود
بلکہ ہر بینندہ را دیدار آن!
وقت عبرت مے کند تسبیح خوان
پس جواز تسبیح یادت می دہد
آن دلالت ہمچو گفتن می بود
این بود تاویل اہل اعتزال
وائے آنکس کو ندارد نور حال

چون ز حس بیرون نیامد آدمی
باشد از تصویر غیبی اعجمی

ترجمہ : ١ - جب تم جماد کی طرف جاتے ہو جمادوں کے ساتھ تم محرم راز کیسے ہو سکتے ہو۔

٢- عالم جماد سے عالم ارواح کی طرف جاؤ اجزائے عالم سے تسبیح کا غلغلہ سنو ۔

٣ - جمادات کی تسبیح صاف سنائی دے گی، تاویلات کے وسوسے نہیں چاہئے ۔

٤ - چونکہ تیری جان میں روشنی نہیں اسی لئے تم ایسی تاویلات گھڑتے ہو ۔

٥ - غرضیکہ اس کی تاویل کیسے ظاہر ہوتی ہے اس کے دیکھنے کا دعوٰے کرنا خام خیالی اور گمراہی ہے۔

٦ - بلکہ ہر دیکھنے والے کو اس کے دیکھنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ تسبیح کرنے لگتا ہے ۔

٧ - اس کی تسبیح کا جواز تجھے تسبیح یاد دلائے گی! اس کی یہ دلالت کہنے کی طرح ہے ۔

٨ - معتزلہ کی تاویل یہی ہے اس شخص پر افسوس ہے جو حال کا نور نہیں رکھتا ۔

٩ - جب آدمی حس سے باہر نہ آئے ایسا شخص غیبی احکام پر عجمی ہے ۔

خلاصہ یہ کہ جسے عالم بالا سے تعلق نہیں وہ کیا جانے کہ اس عالم میں کیا ہو رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ یسبح لہ السموات السبع والارض ومن فیھن یعنے کائنات کا ذرہ ذرہ اور مخلوقات کا ہر جز اللہ تعالٰے کی تنزیہ و تقدیس کرتا ہے جسے روح حاصل ہے وہ زبان اور اپنی بولی میں جسے عقلاً سمجھتے ہیں اور جمادات لسان ملکوتی سے تقدیس کرتے ہیں. چنانچہ فرمایا : و ان من شئ الا یسبح بحمدہ یعنے ہر شئے اللہ تعالٰے کی حمد کرتی ہے کہ اسے عدم سے وجود بخشا اور تربیت سے نوازا ۔ ولکن لا تفقھون تسبیحھم اور ان کی تسبیح کو اس لئے نہیں سمجھتے کہ تمہاری تسبیح ان کی تسبیح کی جنس سے نہیں. یاد رہے کہ عالم کائنات کے ذرہ کے لئے اللہ تعالٰے نے علیحدہ علیحدہ ملکوت پیدا فرمایا؛ کما قال :

فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئ پاک ہے وہ ذات کہ جس کے قبضہ قدرت میں ہر شئے کی ملکوت ہے۔

اور ملکوت موجود شئے کے باطن کا نام ہے اور وہ آخرت ہے اور آخرت جماد نہیں بلکہ وہ صاحب حیات ہے، کما قال :

وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان

اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کے ہر ذرہ کی ملکوتی لسان ہے جو اسی سے اللہ تعالٰے کی تسبیح و تنزیہ بیان کرتی ہے اور اپنی بولی میں اللہ تعالٰے کی دی ہوئی نعمتوں پر حمد و ثنا کرتی ہے. ان کنکریوں کو یہی زبان حاصل تھی جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اللہ تعالٰے کی تسبیح پڑھتی تھیں اسی ملکوتی لسان سے قیامت میں زمین بولے گی، کما قال :

یو مئذ تحدث اخبارھا۔

اسی ملکوتی لسان سے قیامت کے دن انسان کے اعضاء و اجزاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے اور کہیں گے ،

انطقنا اللہ الذی انطق کل شئ

اسی زبانِ ملکوتی سے زمین و آسمان نے کہا :

اتینا طائعین

ہماری اس تقریر کو غنیمت سمجھ کر یاد کر لیجئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا ۔ ازل سے ہی وہ حلیم ہے اس لئے کہ جو پیدا ہونے کے بعد اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے ۔ غَفُوْرًا ان کے لئے غفور ہے جو ایسے قبائح اور گندے مقامات سے تائب ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ قاشانی نے لکھا ہے کہ ہر شے کی اپنی خصوصیت ہے اس کی خصوصیت میں کوئی اور اس کا شریک نہیں ہوسکتا جیسے وہ کسی اور کی خصوصیت میں داخل نہیں ہوسکتا پھر وہ اپنی خصوصیت سے اللہ تعالٰے سے محبت اور اس کی طلب کی مشتاق ہوتی ہے جب تک وہ مرتبہ اسے حاصل نہ ہو تو اس وقت تک وہ اس کی حفاظت اور اس سے محبت کرتی ہے جب اسے وہ مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے تو پھر وہ اپنی خصوصیت اور اس میں اپنے منفرد کے اظہار کے لئے اللہ تعالٰے کی تنزیہ بیان کرتی ہے گویا وہ زبانِ حال سے کہتی ہے۔ اے وہ ذات ! جو اپنی ذات میں واحد ہے تیری حمد ہے کہ تو نے مجھے اپنی خصوصیت میں واحد بنایا۔ اگر وہ اپنی خصوصیت میں منفرد نہیں تو پھر وہ شے اپنے کمال کے حصول میں اللہ تعالٰے کی صفات نقص میں تنزیہ کرتے ہوئے گویا یوں کہتی ہے ؛ یاکامل کملنی اے کامل ذات ! مجھے بھی کامل بنا دے۔ اور پھر وہ اپنے کمال کے اظہار میں اللہ تعالٰے کی حمد کرتے ہوئے یوں کہتی ہے کہ میں اس کی حمد کرتی ہوں جس نے مجھے کمال بخشا یہاں تک کہ ہر حیوان طلب رزق میں کہتا ہے ؛

یا رزاق ارزقنی   اے رزاق مجھے رزق عطا فرما۔

پھر رزق کے حصول کے بعد کہتا ہے : "میں اس کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے رزق سے نوازا" اور وہ اپنی اولاد پر شفقت کرنے پر کہتا ہے ؛

ارافنی الرؤف وارحمنی الرحیم   مجھے رؤف نے رافت اور رحیم نے رحمت بخشی۔

اس معنے پر ساتوں آسمان اللہ تعالٰے کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کی عجز و فنا کی تنزیہ بیان کرتے ہیں اور اس کے دوام و بقا اور علو و تاثیر و قدرت اور ملک و ربوبیت پر حمد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر آن تیری نئی شان ہے اور زمین اللہ تعالٰے کے دوام و ثبات اور خلاقیہ و رزاقیہ و قبول تو بہ وغیرہ پر حمد کرتی ہے اور ملائکہ اس کی حیات و علم و قدرت پر اور مجرات اس کے تعلق بالمادہ سے

اس کی تنزیہ اور اس کے وجوب پر حمد کرتے ہیں اور یہ سب کے سب تسبیح کے ساتھ اس کی تقدیس و حمد کرتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جو اس کی صفت کمالیہ کی حمد کرتا ہے تو اس کی تقدیس و تسبیح بھی کرتا ہے اور جو اس کی نقص وعیب سے تقدیس کرتا ہے تو وہ اس کی حمد بھی کرتا ہے یوں سمجھے کہ تسبیح میں حمد ہے اور حمد میں تسبیح ولکن لا تفقھون اور نہ سمجھنے کی وجہ ملکوت الاشیاء میں قلت نظر اور غفلت کی وجہ سے ہے ورنہ جس کا قلب نور توحید سے منور ہے اسے ان کی تسبیح معلوم ہو جاتی ہے اس لئے کہ قلب عالم ملکوت سے ہے اور جب وہ نور توحید سے منور ہو جاتی ہے تو اسے اشیاء کی تسبیح سمجھ میں آجاتی ہے اس لئے کہ وہ اس کے اپنے ملک کی شے ہے۔

انہ کان حلیماً وہ حلیم ہے۔ تمہارے کمالات کی طلب میں تسبیح کا ترک کرنا اور فہم تسبیح کے خواص کے عدم اظہار پر حوصلہ کرتا ہے اسی طرح ان کی طرح توحید بیان کے ترک پر تم پر حلیم ہے۔ غفوراً تمہاری غفلت اور سستی سے درگذر فرماتا ہے اور ہر سالک اور ارادتمند کو کل اشیاء کی تسبیح پر وہی ہدایت دینے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں۔ جَعَلْنَا بَیْنَكَ تو ہم کرتے ہیں آپ کے۔ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یعنی کفار مکہ جو قیامت میں اٹھنے کے منکر تھے حِجَابًا ایسی آڑ جو انہیں آپ کی نبوت اور آپ کی قدر و منزلت کی معرفت تک پہنچنے نہیں دے گی اسی وجہ سے وہ جرأت کر کے کہہ دیتے ہیں:

ان تتبعون الا رجلا مسحورا — تم تو ایک جادو کئے ہوتے آدمی کی تابعداری کر رہے ہو۔

مَّسْتُوْرًا ۝ ان کی حس سے پوشیدہ ہے۔ یعنے وہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ الاسناء اس معنے پر یہ اپنے حقیقی معنے پر مشتمل ہوگا۔ یہاں یہ صیغہ مفعول سیل مفعم کے قبیل سے ہے یعنے منعم بمعنے ذوانعام یہ افعمت الانا سے ہے بمعنے ملاتہ۔ یہ ابو السعود کی تقریر ہے۔

شان نزول

الکواشی میں ہے کہ مشرکین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے تھے یہاں تک کہ ام لہب یعنے ابولہب کی اہلیہ ایک پتھر لائی تاکہ (معاذ اللہ) آپ کا سر مبارک پھوڑ دے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس تقریر پر اب معنے یہ ہوگا کہ جب آپ نماز پڑھنے کا ارادہ فرمائیں، اس معنے پر اذا قرات القران بمعنے اذا صلیت ہوگا اور اسے قرأت القرآن سے اس لئے تعبیر کیا کہ نماز میں قرآن مجید بھی پڑھا جاتا ہے۔ اسی مناسب سے کہا گیا؛ اذا قرات القران، یہی توجیہ ہے۔ واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا الخ میں ہے کہ وہاں پر بھی خطبہ مراد ہے لیکن چونکہ خطبہ میں بعض آیات پڑھی جاتی ہیں اسی لئے خطبہ کو قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تقریر پر آیت کو خصوصی مادہ پر محمول کیا گیا کیونکہ جب وہ حجاب کو نہیں دیکھتے تھے تو محجوب کو کیسے دیکھ سکتے۔ اسی لئے آپ ان کے ایذا سے محفوظ رہتے ہیں لیکن یہ معاملہ دائمی نہیں تھا جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا شانِ نزول سعدی المفتی نے فرمایا کہ بہتر ہے کہ اسے اس روایت پر محمول کیا جائے کہ ابوسفیان و نضیر و ابوجہل یعنے ابولہب کی زوجہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے جب آپ قرآن مجید پڑھتے تھے پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید پڑھنے کے وقت آڑ مقرر فرمائی جس کی وجہ سے آپ کو وہ لوگ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگرچہ آپ کے قریب ہو کر گزرتے تھے کیونکہ ان کی نگاہوں سے آپ محجوب ہوتے تھے۔

تردید فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ سعدی مفتی کو ذہول ہوا ہے انھوں نے آنے والے جملہ اذ یستمعون پر غور نہیں فرمایا۔ اس کی مزید تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اور دل بھی تسلیم کرتا ہے اور سعدی مفتی کے قول سے تسلی نہیں ہوتی۔

مسئلہ: جس نے قرآن مجید کی تلاوت کا حق ادا کیا یعنے اسے پورے خشوع و خضوع سے پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اسے قربِ الٰہی کے اعلیٰ مراتب سے نوازا جائے گا۔

حدیث شریف: قرآن مجید کی آیات کی گنتی کے مطابق بہشت کے درجات ہیں[1] جس نے قرآن مجید کی جملہ آیات کی تلاوت کا حق ادا کیا تو وہ تمام درجات کے اوپر والے درجہ پر فائز ہوگا۔

ف: قرآن مجید کی جملہ آیات کا حق ادا کرنا درحقیقت قرآن مجید کے اخلاق سے متخلق ہونا ہے اور قرآن اچھے اخلاق و نیک صفات کا نام ہے اور قرآنی اخلاق سے متخلق ہونا گویا اللہ تعالےٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا ہے۔

پندِ صوفیانہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ مرتبہ اس خوش بخت کو نصیب ہوتا ہے جو حجب ظلمانیہ و نورانیہ کو عبور کر کے مقعد صدق عند ملیک مقتدر کی منزل میں پہنچ جائے پھر یہ بھی اس مرتبہ میں ہوگا کہ اس کے اور کافروں کے درمیان آڑ بنائی جائے گی۔

ف: مستوراً کی بجائے ساتراً اس لئے نہیں فرمایا کہ حجاب واصل کو منقطع سے چھپاتا ہے نہ بالعکس یعنے حجاب منقطع کو واصل سے نہیں چھپاتا اس معنے پر حجاب واصل کو منقطع سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی کتاب اللہ سے پناہ مانگتا ہے (یعنے پناہ میں آتا ہے) وہ ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے اور جو شخص اس سے محروم ہے یعنے قرآن کے وجود سے پناہ لیتا ہے نہ اس کے علم سے تو وہ امن کے باوجود بھی تباہ و برباد ہوگا۔

---

[1] قرآن مجید کی ۶۶۶۶ آیات ہیں۔

ہر کہ او بیرون شد از حصن خدا
جان او آخر شد از جسمش جدا
مرد حق بین کے کند تکیہ بغیر
ہر قضا چون از خدا آید بسیرا

ترجمہ: (۱) جو اللہ تعالٰی کے مضبوط قلعہ سے باہر گیا یوں سمجھو کہ اس کی جان جسم سے جدا ہو گئی۔

(۲) مرد حق بین غیر پر تکیہ نہیں کرتا۔ جب وہ اللہ تعالٰی کی قضاء و قدر کو حق مانتا ہے۔ تو پھر غیر کا تکیہ کیسا۔

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً یہ کنان کی جمع ہے، بمعنے الغطاء یعنے پردہ۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے۔ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ یہ وجعلنا کا مفعول بہ ہے یعنے اس کراہت سے کہ کہیں قرآن کی کنہ کو سمجھیں اور انھیں یقین ہو کہ یہ اللہ تعالٰی کے ہاں سے آیا ہے، یہ کوفیوں کا مذہب ہے اور بصری کثیر الحذف کے قائل نہیں۔

ف: اس میں ان کے قلوب کی حق سے اور اسے قبول کرنے سے اور اس کے ساتھ اعتقاد رکھنے سے دُوری کی علامت ہے گویا ان کے قلوب پر ایسے پردے لٹکا دیئے گئے ہیں جو کہ قرآن اور ان کے قلوب کے درمیان حائل ہے جن کی وجہ سے قرآن کا ان کے دلوں پر اثر نہیں پڑتا۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ان کے قلوب کی خشکی اور حق سے دُوری ان حجب معنویہ کی وجہ سے ہے جو قلب اور فطرت اصلیہ پر ہجوم کئے ہوئے ہیں اگرچہ ان کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے کہ وہ قرآن کو سمجھیں اور اس کا ادراک کر کے نور علم تک پہنچیں لیکن حجب مذکورہ انھیں ایسے تقاضا کو پورا کرنے سے روکتے ہیں اگرچہ اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا اصلی حال اسی طرح ہے جیسے مذکور ہوا۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ اور جب آپ قرآن میں اپنے صرف ایک رب کو یاد فرماتے ہیں اور اس کے کافروں کے معبودوں کا ذکر نہیں ہوتا مثلاً آپ کہتے ہیں: لا الٰہ الا اللہ۔

ف: وحدہٗ مصدر حال کے قائم مقام واقع ہے دراصل تحدہ وحدہ تھا بمعنے واحدا وحدہٗ، یعنے وہ ذات منفرد ہے وہ فعل جو حال واقع ہوا تھا اسے حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔

وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ تو وہ الٹے پاؤں لوٹتے یعنے بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔ نُفُوْرًا ۝ یہ قعود کی طرح مصدر ہے یا نافر کی جمع ہے یعنے وہ روگردانی کرتے ہیں اور لوٹتے ہیں دراں حالانکہ وہ نفرت کرنے والے ہیں النفور بمعنے بھاگنا۔ (کذا فی التہذیب)۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ ہم خوب جانتے ہیں انھیں جو وہ کان لگا کر سنتے ہیں مثلاً لغویات بکتے اور

آپ کی تحقیر اور آپ کے اور قرآن کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اس معنے پر لفظ بہٖ محلاً حال ہے اور باء ملابستہ کی ہو ہے اور باء سببیہ بھی ہوسکتی ہے بمعنے بسببہٖ ولاجلہٖ ۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے تھے تو آپ کے دائیں بائیں عبدالدار کے دو دو مرد کھڑے ہو کر تالیاں اور سیٹیاں بجاتے اور آپ کو بھلانے کے لئے زور زور سے اشعار پڑھتے تھے ۔

اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ یہ اعلم کا ظرف ہے اور اس سے وعید کی تاکید مطلوب ہے یعنے جیسے اللہ تعالے ان کی دیگر حرکتوں کو جانتا ہے، ایسے ہی ان کی اس حرکتِ شنیعہ کا بھی اسے علم ہے اسی طرح وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى بھی ظرف ہے لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ اس کا تعلق استماع سے ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ باہم مناجات کرتے ہیں اور نجوٰی مرفوع علی الخبر ہے اس کا مضاف محذوف ہے یہ دراصل ذو نجوٰی تھا ۔ اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ یہ اذ ھم سے بدل ہے اور عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں اسم ظاہر الظالمون کے بجائے ضمیر ہونی چاہیئے لیکن اسم ظاہر لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا اس طرح کتنا ظلم اور تجاوز عن الحد ہے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے یہ ایک دوسرے سے سرگوشی والے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سن کر شور مچانے والے اور تھے ۔

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ بفرض محال اگر تم سے اتباع صادر ہو تو تم اتباع نہیں کرتے ۔ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ مگر مرد جادو کئے ہوتے یعنے وہ مرد جس پر جادو ہو تو وہ مجنون ہو گیا ہو، ان ظالموں کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے موصوف ماننے کے بجائے سحر سے موصوف کہا ۔

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ انہیں دیکھئے کہ آپ کی کیسی مثالیں دی ہیں کبھی شاعر کہا اور کبھی ساحر اور کبھی مجنون ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ انھوں نے آپ کے متعلق عجیب مثالیں دیں کہ کبھی آپ کو مجنوں سے موصوف کیا تو کبھی ساحر سے اور کبھی کاہن سے اور کبھی شاعر سے ۔

فَضَلُّوْا توجیہ صحیحہ کے طریقہ سے ہٹ کر اپنی مثالیں بیان کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوتے ۔ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا پس وہ کوئی راہ نہیں پا سکتے کہ جس سے وہ آپ پر طعن و تشنیع کر سکیں کہ جسے کوئی بھی ان کی باتوں کے ماننے کے لئے تیار نہیں اسی لئے وہ حیران و سرگرداں رہتے ہیں بلکہ جب چلتے ہیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں سخت پریشان ہیں اور ان کی پریشانی کا یہ عالم ہے کہ اب انھیں اپنے معاملہ کو سر کرنے کا کوئی چارہ نظر نہیں آتا بلکہ ان سے ایسے امور سرزد ہو جاتے ہیں کہ جن کے بطلان میں کسی کو شک اور وہم و گمان نہیں ۔

ف : یا اس کا معنے یہ ہے کہ وہ لوگ حق و ارشاد سے ایسے بھٹک گئے ہیں کہ اب انھیں حق کی طرف لوٹنے کی راہ نہیں ملتی کیونکہ وہ انکار و گمراہی کی حد کو پہنچ چکے ہیں اس کی دراصل وجہ یہ تھی کہ وہ خواہشات نفسانی میں سخت گھرے ہوئے تھے اسی لئے

وہ بناوٹی قصوں کے سننے کے شوقین تھے بلکہ ان کو سوائے سحر و شعر کے سننے کے اور کوئی کلام اچھا نہ لگتا۔ اگر وہ خواہشاتِ نفسانی سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مطابق سنتے تو لازماً انہیں کلامِ الٰہی سنائی دیتا اور صفاتِ حق کو بڑے ذوق سے سنتے۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے فطری مزاج بگڑ چکے تھے اور ان کی دلوں میں برائی کا مرض گھر کر چکا تھا اسی لئے وہ ذکر واحد احد کی وحدانیت و وحدت کے ساتھ سننے سے متنفر تھے اور وہ توحید کی حلاوت پا بھی نہیں سکتے تھے بلکہ وہ ذکرِ الٰہی سننے میں اپنی بدمزاجی کی وجہ سے کڑواہٹ پاتے تھے۔

عوامِ زمانہ کا حال

ایسے ہی ہر زمانہ کے اہلِ ہوا کا حال ہے کہ وہ قصّے کہانیاں سننے کے خوگر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ مالک الملک کے کلام سے روگردانی کرتے ہیں بلکہ ان سے اکثر کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سوائے دنیوی باتوں اور اپنے معاملات کے اور کچھ سننا گوارا ہی نہیں کرتے اور ان کا کام ہی یہی ہے کہ وہ لوگوں کی عزتوں پر حملہ کریں اور وہ باتیں کریں جو شیطانی ہوں اور اہلِ حق پر انہیں طعن و تشنیع کرنا آتا ہے یعنے وہ حضرات جو انہیں نیکی بتائیں اور برائی سے روکیں، ان کے جانی دشمن ہوتے ہیں۔

تورات کا مضمون

اللہ تعالیٰ اہلِ کتاب سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ تو راستہ پر چل رہا ہوتا ہے تو تجھے کسی دوست کا خط ملتا ہے تو تُو راستہ چھوڑ کر دوست کے خط کو حرف بحرف اور بڑے غور سے پڑھتا ہے لیکن افسوس! کہ میری نازل کردہ کتاب تک کی پرواہ نہیں کرتا حالانکہ اس میں میری طرف سے ہر حکم تفصیل کے ساتھ درج ہے اور صرف تمہارے سمجھانے کے لئے اسے بار بار لکھا گیا ہے۔ اے میرے بندے! تیرے دل میں میری قدر و منزلت اپنے دوست سے بھی کم ہے۔

دوسری تنبیہ

اللہ تعالیٰ اس کے بعد دوسری تنبیہ فرماتا ہے:

اے میرے بندہ! جب تو اپنے کسی دوست سے ہم کلام ہوتا ہے تو اس کی طرف پورے طور پر متوجہ ہوتا ہے نہ صرف جسمانی طور پر اس کی طرف تیری توجہ ہوتی ہے بلکہ تیرا دل بھی اسی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر اس وقت تجھے کوئی اور بلاتے یا تجھ سے کوئی سوال کرے تو تُو سب سے منہ پھیر کر اپنے دوست کے ساتھ محوِ گفتگو ہوتا ہے لیکن افسوس! کہ میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تیرے ساتھ ہم کلام ہوں تو تیرا قلب معمولی طور پر بھی میری طرف متوجہ نہیں اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ میری قدر و منزلت تیرے ہاں ایک دوست جیسی بھی نہیں۔ (کذا فی الاخبار)

ہر کہ تعظیم حق کند دائم
شود از دل بامراد قائم

ترجمہ: جو بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتا ہے تو وہ بدل و جان اس کے اوامر کا پابند ہو جاتا ہے۔

وَقَالُوْٓا مکہ کے ان کافروں نے کہا جو قیامت میں اٹھنے کے منکر تھے اور وہ اپنی ابتدائی تخلیق کو بھول گئے اور انھیں یاد نہ رہا کہ وہ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں بلکہ عدم سے وجود میں لائے گئے ہیں۔ اس معنے پر گویا وہ لاشے سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

خلقتك ولم تك شيأ   میں نے تجھے پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔

اور ان کا یہ کہنا بطریق انکار اور بعید از قیاس کے طور پر تھا۔ ءَاِذَا كُنَّا اتنا بہت بڑا عرصہ گذر جانے کے باوجود کیا موت کے بعد ہم ہوں گے۔ عِظَامًا ہڈیاں۔ وَّرُفَاتًا ہر وہ شے جسے خوب کوٹ کر ریزہ ریزہ کیا جائے۔ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ کیا ہم اٹھائے جائیں گے؟ خَلْقًا جَدِيْدًا ○ نئی مخلوق بنا کر۔ اس کا منصوب ہونا علےٰ المصدریۃ یعنے بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے اور اس کا فعل عامل اس کے لفظوں میں سے نہیں یا حال ہے اور خلق بمعنے مخلوق ہے اور اذا خالص ظرفیہ ہے یہی زیادہ قوی ہے اور اس کا عامل مبعوثون کا مدلول ہے اور خود عامل نہیں اس لئے کہ اسم مفعول سے پہلے ہمزہ اور ان اور 'لام' واقع ہیں اور ان کے ہوتے اسم مفعول عمل کے قابل نہیں رہتا اور مبعوثون کا مدلول نبعث اور نبعد ہے۔ اس سے کفار کا مقصد مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرنا ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ کافر کہتے ہیں کہ ہمارا مرنے کے بعد زندہ ہونا محال ہے اور اسے عقل بھی نہیں مانتی اس لئے کہ مرنے کے بعد انسانی ڈھانچہ بیکار اور اس کی ہڈیاں چور چور ہو جاتی ہیں اور یہ دونوں چیزیں حیات کے منافی ہیں اور اسے قیامت میں مقید کرنا صرف نبی علیہ السلام کے قیامت سے ڈرانے کی وجہ سے تھا ورنہ وہ مطلقاً مرنے کے بعد زندہ ہونے کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اگرچہ بدن صحیح وسالم ہو تب بھی تو وہ زندہ نہیں ہو سکے گا۔ اسی لئے انھوں نے قیامت میں اٹھنے کے لئے وہ امور بیان کئے جو زندگی کے سراسر منافی ہیں۔

قُلْ پیارے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں فرمایئے۔ كُوْنُوْا حِجَارَةً پتھر ہو جاؤ۔ اَوْ حَدِيْدًا ○ یا لوہا۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ یا ایسی مخلوق جو تمھارے دل میں بہت بڑی معلوم ہوتی ہو یعنی تم اس مخلوق کے لئے زندگی سخت محال سمجھتے ہو تب بھی تم قیامت میں ضرور اٹھائے جاؤ گے اس لئے کہ اللہ تعالٰے کو تمھارے زندہ کرنے پر بہت بڑی قدرت ہے اور اس کے سامنے تمام اجسام برابر ہیں وہ جس میں چاہے حیات پیدا فرما دے اور ہڈیاں اور ان کا چور چور ہونا تو معمولی بات ہے اس نے تو ہم سب کو اس وقت زندگی بخشی جب وہ سب بالکل معدوم اور محض لاشے تھے اور عقلاً وہ شے زیادہ آسان ہوتی ہے جس کا کچھ وجود ہو۔ اور اس شے کا موجود کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے جس کا کوئی وجود بھی نہ ہو لیکن اللہ تعالٰے کے لئے ہر دونوں کو حیات بخشنا برابر ہے۔

ف: یہ امر بطریق تمثیل کے ہے اب مطلب یہ ہوا کہ اگر تم اپنے جسم کو پتھر اور لوہے کی ہیئت میں بدل لو تب بھی اللہ تعالٰے

تمھیں قیامت میں ضرور زندہ کرے گا۔ (کذا فی التفسیر الکاشفی)

اور الکاشفی میں ہے کہ یہ امر تعجیز و توبیخ کا ہے اس لئے کہ یہ الزام کا امر نہیں بن سکتا۔ اور بحر العلوم میں ہے لکھا ہے کہ یہ امر حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے اور اس سے ان کی اہانت اور ان کے حال کی بیکاری کا اظہار مطلوب ہے ان سے پتھر یا لوہا بننے کی طلب نہیں کیونکہ انھیں اس کی کوئی قدرت حاصل نہیں اور ان کے دلوں میں سب سے بڑی شے آسمان اور زمین ہے لیکن وہ بھی قیامت کے دن حاضر کئے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے موت مراد ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اگر تم بعینہ موت ہو جاؤ تب بھی تمھیں اللہ تعالےٰ مارنے کے بعد پھر زندہ فرمائے گا۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ پس عنقریب کہیں گے۔ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ ہمیں مرنے کے بعد کون زندہ کرے گا۔ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ فرمایئے وہی ذات قادر مطلق جس نے تمھیں پیدا فرمایا۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ پہلی بار کہ پہلے اس کی مثال بھی نہ تھی تم محض خاک تھے تجھ سے حیات کی بو بھی نہیں آتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہی سب کو پیدا کرنے والا اور قیامت میں وہی سب کو اٹھانے والا ہے یعنے وہ ذات جو ابتدا مشت خاک کو جان بخشنے والی ہے وہی سب کو قیامت میں مٹی سے زندہ کرنیوالی ہے۔ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ۔ النغض بمعنے حرکت یعنے تعجب و انکار کے طور پر تمھاری طرف سر ہلائیں گے۔ وَيَقُوْلُوْنَ اور استہزا کرتے ہوئے کہیں گے۔ مَتٰى هُوَ ؕ وہ جو آپ قیامت میں واپس لوٹنے کی بات کرتے ہیں وہ کب ہے اس میں اٹھانے والے کی تعیین کے بعد اب ان کا قیامت کے قائم ہونے کے وقت کی تعیین کا سوال ہے۔ قُلْ انھیں فرما دیجئے۔ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ وہ واقع ہونے والا قَرِيْبًا ۝ قریب ہے۔

ف: دراصل لفظ عسیٰ طمع کے لئے مستعمل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے لئے یقین کا معنے دیتا ہے یعنے قیامت کا وقت قریب ہے اسی لئے اس کا حساب اور سزا بھی قریب ہے۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ اس دن کہ قبروں سے تمھیں بلائے گا جیسے اس نے تمھیں عدم سے وجود کی طرف بلایا۔ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ تو تم اسے زندوں کی طرح جواب دو گے یعنے یاد کرو اس وقت کو جب کہ تمھیں اللہ تعالےٰ قبروں سے اٹھائے گا تو تم اٹھ کھڑے ہو گے، اس معنے کے لئے دعا و استجاب کو اس لئے استعارہ کیا گیا ہے تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ قیامت میں ان کا زندہ کرنا اللہ تعالےٰ کے لئے اتنا آسان ہے اور تمھارے زندہ کرنے میں تو معمولی وقت لگے گا۔

ف: ابو حیان نے فرمایا کہ یہاں پر دعا اپنے حقیقی معنے میں ہے یعنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا کرنے والا بلائے گا تو اسے ہم سب اپنے کانوں سے سنیں گے۔ اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے چنانچہ فرمایا:

یوم ینادی المناد من مکان قریب — اس وقت قریبی جگہ سے منادی پکارے گا۔

اب فتستجیبون کا معنے ہو گا کہ تم بلانے والے کے بلاوے کی موافقت کرو گے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ تم کو قیامت میں اسرافیل علیہ السلام بلائیں گے تو تم قبروں سے اٹھ کر ان کے بلانے کی طرف چلو گے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے حساب وکتاب اور جزا و سزا کی حاضری مراد ہے ۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ قیامت میں متعدد بار بلاوا ہوگا مثلاً بعث ونشر کا بلاوا اور حشر کا بلاوا، چنانچہ فرمایا :

مھطعین الی الداع — داعی کی طرف دوڑنے والے اور حساب وکتاب کا بلاوا ۔

چنانچہ فرمایا :

وتری کل امة جاثیة کل امة تدعیٰ الی کتابھا الیوم ۔ — گھٹنے کے بل گرنے والی جماعت کو دیکھوگے اور اس دن جماعت اپنے حساب وکتاب کی طرف بلائی جاتی گی ۔

یہاں پر وہی پہلا بلاوا مراد ہے کیونکہ آیت میں بعث ونشر کی گفتگو چل رہی ہے ۔

بِحَمْدِہٖ یہ تستجیبون سے حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو جواب دوگے درآں حالیکہ تم اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہوگے اور قیامت میں اٹھانے پر اس کی قدرت کا اعتراف کرتے ہوگے ۔ چنانچہ حضرت سعید ابن جبیر نے فرمایا کہ قیامت میں کفار کر سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہیں گے :

سبحانک اللھم وبحمدک — اے اللہ تعالیٰ! تو پاک ہے اور ہم تیری حمد کرتے ہیں ۔

اگرچہ وہ اس کی تقدیس وتحمید بیان کریں گے لیکن اس وقت انھیں تقدیس وتحمید کوئی فائدہ نہ دے گی ۔

ف : الکواشی میں ہے بحمدہ بمعنے بارادتہ وامرہ ۔

ف : کاشفی نے فرمایا ہے کہ بصائر میں لکھا ہے کہ حمد بمعنے امر ہے ۔ چنانچہ آیت فسبح بحمد ربک میں بھی حمد بمعنے امر ہے یعنے اللہ تعالیٰ کے امر پر نماز پڑھئے ۔ اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے حکم سے بلائے گا اور تم اس کے امر کا جواب دوگے ۔

وَتَظُنُّوْنَ جب تم بہت بڑے ہولناک امور کو دیکھوگے تو تم گمان کروگے کہ اِنْ لَّبِثْتُمْ تم نہیں ٹھہرے دنیا یا قبور میں ۔ اِلَّا قَلِیْلًا ○ مگر تھوڑی مدت بہ نسبت اس کے جو تم زندہ ہونے کے بعد دائمی طور پر ٹھہروگے ۔

سوال : دنیا میں انسان کو خواہ کتنی ہی طویل عمر نصیب ہو تب بھی وہ اپنے آپ کو تھوڑی عمر گذارنے کا تصور کرتا ہے کیوں؟

جواب : دنیا میں مختلف آرزوں سے طویل وقت قلیل محسوس ہوگا لیکن وہاں قیامت میں ہولناک امور کی وجہ سے دنیوی زندگی کے اوقات ذہن سے اتر جائیں گے ۔

سبق : کاشفی نے لکھا ہے کہ دنیا کی زندگی کو معمولی سمجھو کیونکہ آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو کوئی نسبت نہیں ۔ دانا وہی ہے جو فانی اور قلیل زندگی کو باقی اور دائمی زندگی میں صرف کرے تاکہ آخرت میں حسرت اور ندامت نہ ہو ۔

ف : شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا :

بدنی توانی کہ عقبے خری ا
بخر جان من ورنہ حسرت خوری
کسے گوئے دولت ز دنیا ببرد
کہ با خود نصیبے بعقبی ببرد

ترجمہ: دنیا کے عوض تم آخرت خرید سکتے ہو تو اے میری جان! خرید لو ورنہ حسرت کھاؤ گے۔ وہ شخص دولت کی گیند دنیا سے لے جائے گا جو اپنے ساتھ آخرت کا سامان لے گیا۔

سبق: لازم ہے کہ اعمال صالح کا ارتکاب اور برائیوں سے اجتناب کر کے قیامت کے دن کی تیاری کی جائے کیونکہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جس کا مرتبہ عین الیقین میں بدل جائے گا۔

ف: انسان جب مرتا ہے تو اس کے لئے قیامت ہو جاتی ہے کیونکہ انسان مرتے وقت قیامت اور فرشتوں کو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور بہشت اور دوزخ اس کے سامنے ہوتی ہیں لیکن اسے اس وقت کسی نیک عمل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لئے وہ گویا قیامت میں حاضر ہی ہو گیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جس عمل پر کسی کی موت واقع ہوتی ہے وہ اسی عمل پر قیامت میں اٹھے گا۔ اسی لئے اہلِ اللہ کہتے ہیں کہ بڑا خوش بخت ہے وہ انسان جس کا خاتمہ ایمان پہ ہوا۔

ے

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول
من و دست و درمان آلِ رسول[1]

ف: حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ انسان کو تین دولتیں نصیب ہوں تو وہ بہت خوش قسمت ہے:

① زندگی طاعتِ الٰہی میں بسر ہو۔
② موت کلمۂ شہادت پہ ہو۔
③ آخرت میں قبر سے اٹھتے ہی اسے بہشت کی خوشخبری سنائی جائے۔

اور ظاہر ہے کہ عاصی اور منکر کو قیامت میں اٹھتے ہی دوزخ کی خبر سنائی جائے گی۔

سبق: انسان پر طاعت الٰہی اور اقرار قیامت لازمی ہے کیونکہ جب وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالٰے ویران زمین کو آباد کرتا

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی برائے خویش وجملہ اقارب وتمام اہلِ اسلام ۱۲۔

ہے تو اسے قدرت ہے کہ وہ قیامت میں تمام کو زندہ کرے ۔

مثنوی شریف میں ہے :

خاک را و نطفہ را و مضغہ را
پیش چشم ماہمی دارد خدا

کز کجا آوردمت اے بدنیت
کہ ازان آید ہمی خفریقیت

تو بداں عاشق بدی در دور آن
منکر این فضل بودی آن زمان

این کرم چون دفع آن انکارتست
کہ میان خاک می کردی نخست

حجت انکار شد انشار تو
از دوا بدتر شد این بیمار تو

خاک را تصویر این کار از کجا
نطفہ را خصمے و انکار از کجا

چون دراں دم بے دل وبے سر بدی
فکرت و انکار را منکر بدی

از جمادی چونکہ انکارت برست
ہم ازیں انکار حشرت شد درست

پس مثال تو چون حلقہ زنیست
کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست

حلقہ زن زیں نیست دریابد کہ ہست
پس ز حلقہ بر ندارد ہیچ دست

پس ہم انکارت مبین مے کند
کز جماد او حشر صدفن مے کند

ترجمہ : خاک و نطفہ و مضغہ کو اللہ تعالے نگاہ میں رکھتا ہے ۔

(بقیہ صفحہ ۱۸۰

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ

اور میرے بندوں سے فرماؤ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو بیشک شیطان ان کے آپس میں فساد ڈال دیتا ہے

الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ

بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرے

اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ

چاہے تو تمہیں عذاب کرے اور ہم نے تم کو ان پر کروڑا بنا کر نہ بھیجا اور تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کوئی آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

اور زمین میں ہیں اور بیشک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا

تم فرماؤ پکارو انہیں جن کو اللہ کے سوا گمان کرتے ہو تو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے اور نہ

تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ

پھیر دینے کا وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان

وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

میں کون زیادہ مقرب ہے اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تمہارے رب کا عذاب

وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا

ڈر کی چیز ہے اور کوئی بستی نہیں مگر یہ کہ ہم اسے روز قیامت سے پہلے نیست کردیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے

شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ

یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور ہم ایسی نشانیاں بھیجنے سے یوں ہی باز رہے

اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا

کہ انہیں اگلوں نے جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو ناقہ دیا آنکھیں کھولنے کو تو انہوں نے اس پر ظلم کیا

نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا

اور ہم ایسی نشانیاں نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو اور جب ہم نے تم سے فرمایا کہ سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں اور

جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ

ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو اور وہ پیڑ جس پر قرآن میں لعنت ہے

وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ﴿۶۰﴾

اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو انہیں نہیں بڑھتی مگر بڑی سرکشی

(بقیہ صفحہ گذشتہ ۱۷۸)

۲۔ اے بدنیت انسان میں نے تجھے کہاں سے پیدا کیا جو تجھے اس سے فخر اور ناز ہے۔

۳۔ اس وقت تو اس کا عاشق تھا آج تو اللہ تعالٰی کے فضل کا منکر ہے۔

۴۔ اس کرم کا جب تجھے انکار ہے وہی جو تم نے خاک کے درمیان انکار کیا تھا۔

۵۔ تیرے انکار سے دنیا میں آنا ہوا دوا سے الٹا تیرا مرض بڑھ گیا۔

۶۔ مٹی سے ایسی شکل کہاں، نطفے سے جھگڑا اور انکار کیسا۔

۷۔ اس وقت جب کہ نہ تیرا سر تھا نہ دل نہ تجھے انکار کی خبر نہ شکر کی۔

۸۔ ڈھیلے سے تیرا وجود ہوا اس سے تجھے انکار نہیں ایسے ہی مرنے کے بعد اٹھنے کا بھی انکار نہ ہو۔

۹۔ تیری مثال اس حلقہ مارنے والے کی ہے جس کے اندر سے خواجہ خود کہے کہ خواجہ نہیں۔

۱۰۔ حلقہ زن نے اس نیست سے ہستی پائی اس کا منکر ہے تو اسے حلقہ سے کوئی فائدہ نہیں۔

۱۱۔ ایسے ہی تیرا انکار ظاہر ہوگا جیسے جماد سے وجود ظاہر ہوا۔ قیامت میں اس کی خوب وضاحت ہوگی۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ ۱۷۹)

تفسیر عالمانہ وَقُلْ اور اے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم فرمایئے۔ لِّعِبَادِیْ میرے ایمان والے بندوں کو۔ یَقُوْلُوْا مشرکین کے ساتھ گفتگو کرتے وقت کہیں۔ یہ مضارع مبنی ہے اور اس کے نون کو حذف کرنا یعنے امر کی وجہ سے ہے یہ ایسے ہے جیسے اسم متمکن نداء کے وقت مبنی علی الضم ہوتا ہے جیسے یا زید' اسے قبل اور بعد سے مشابہت کی وجہ سے مبنی کیا گیا اور اسے یعنے امر کی وجہ سے مبنی پڑھا گیا ہے۔

الَّتِیْ وہ کلمہ جو کہ ھِیَ اَحْسَنُ ط وہی احسن ہے اور ان سے خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا نہ کرو اور یہ ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن کی طرح ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے چند مخصوص ایسے بندے بھی ہیں جنہیں وہ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے اس سے ان پر اس کی خصوصیت سے نظر کرم کا پتہ چلتا ہے اسی وجہ سے ان کا ہر قول وفعل اور خلق احسن سے احسن تر ہوتا ہے۔

ان کے قول احسن سے ان کی لا الٰہ الا اللہ کی دعوت مخلصانہ مراد ہے اور ان کے فعل احسن سے مراد یہ ہے کہ وہ قانون شریعت وآداب طریقت پر چلتے اور عالم حقیقت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کا خلق احسن یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالٰی کی معیت نصیب ہوتی ہے یعنے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالٰی کے سپرد کرتا ہے اور اسے ہر وقت طلب الٰہی کا شغل ہوتا ہے اور خلق خدا

سے احسان کرتا ہے تو اس میں اسے کسی قسم کا طمع اور لالچ نہیں ہوتی اور نہ ہی ان سے شکریہ کا طلب گار ہوتا ہے بلکہ ان کی برائیوں سے درگذر کرتا ہے اور ہر وقت ان کی خیر خواہی کے تصور میں رہتا ہے اور ان کو بلا تکلف امر بالمعروف کرتا ہے اور رسوا کئے بغیر ان کو برائیوں سے روکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ

حلِ لغات: نزغ بینهم بمعنے افسد و اغری و وسوس، یعنے شیطان ان کے مابین فساد ڈالتا اور شر کو ابھارتا اور ان کا آپس میں جھگڑا برپا کرتا ہے اسی وجہ سے ان کی ایک دوسرے سے ناراضگی و عناد، ازدیاد فساد کا موجب بن جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان ان کے مابین اس وقت فساد برپا کرتا ہے جب وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی ترک کر دیں۔ اس لئے عاقل وہ ہے جو صحابہ کرام کی طرح وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ہر وقت خیر خواہی سے پیش آتا ہے وہ زمانے کے فرق کا قائل نہیں وہ ہر زمانہ کو وہی زمانہ سمجھتا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ بے شک شیطان قدیم سے ہے۔ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ○ انسان کے لئے کھلا دشمن ہے اس کی دشمنی ظاہر ہے، اور وہ انسان کی صلاح کے بجائے تباہی و بربادی چاہتا ہے اور اس کی دشمنی تو اس وقت سے کھل کر سامنے آگئی ہے جب کہ آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالا گیا اور ان سے نورانی اور بہشتی پوشاک اتروائی۔

رَبُّکُمْ اے مشرکو! تمہارا رب تعالے، اَعْلَمُ بِکُمْ تمہیں بہ نسبت ہمارے خوب جانتا ہے۔ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اگر وہ چاہے تو تمہارے حال پر رحم فرما کر تمہیں ایمان کی توفیق بخشے۔ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ یا چاہے تو تمہیں عذاب دے یعنے تمہیں کفر پر موت دے۔ یہ التی ھی احسن کی تفسیر اور اس کے مابین کا جملہ معترضہ ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ انہیں یہ، اور ان جیسے اور کلمات کہو اور صاف صاف نہ کہو کہ وہ اہلِ نار ہیں۔ اس لئے کہ ایسے کلمات شر و فساد کو ابھارتے ہیں، علاوہ ازیں کسی کے انجام کا کیا پتہ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے اللہ تعالے مرنے سے پہلے دولت ایمان سے نوازے۔ یہی صاحب کشاف کا مذہب ہے اور اسی کو قاضی بیضاوی اور ابوالسعود رحمہ اللہ تعالے نے لیا ہے۔

ف: جمہور نے فرمایا ہے التی ھی احسن سے بحسب المعنے گفتگو اور رحمت، اور کفار اور ان کی ایذاء سے نجات دلانا اور تعذیب سے اہل اسلام کو کفار پر مسلط کرنا مراد ہے اس معنے پر ربکم کا خطاب اہلِ اسلام کو ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ھو اعلم یعنے اللہ تعالے اسے خوب جانتا ہے جسے وہ اپنے لطف اور رحمت کی صفت کا مظہر بناتا ہے۔ اسی وجہ سے اس پر رحم فرما کر اسے شیطان کے اضلال و اغواء سے بچاتا ہے اور اسے بھی خوب جانتا ہے جسے وہ اپنے قہر اور عذاب کی صفت کا مظہر بناتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے اضلال و اغوا

کے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ○ اور ہم نے آپ کو ان کا وکیل نہیں بنایا یعنے اے محبوب مدنی صلے اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے وکیل نہیں کہ جس کے ہاں ان کے جملہ امور سپرد کئے گئے ہوں تاکہ ان کو ایمان کے لئے جبر کریں۔ کما قال:

لیس لك من الامر شیٔ

بلکہ ہم نے تو آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ بنا برین آپ بھی کافروں سے نرمی سے پیش آئیں اور اپنے صحابہ کرام کو بھی فرمایئے کہ وہ نرمی سے کام لیں اور ان کی اذیتیں اور تکالیف برداشت کریں اور ان سے خصومت اور جھگڑے بند رکھیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اللہ تعالےٰ نے مجھے لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنے کا ویسے ہی حکم فرمایا ہے جیسے فرائض کی پابندی کا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

آسائشِ دوگیتی تفسیر ایں دو حرفست
با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

ترجمہ: دونوں جہانوں کی آسائش کی تفسیر دو لفظوں میں ہے کہ دوستوں سے لطف و کرم اور دشمنوں سے نرمی۔

ف: بعض بزرگوں نے دارین کی عیش کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ سے صدق اور خلقِ خدا کے ساتھ انصاف اور نفس پر قہر اور غرباء و مساکین سے شفقت اور بزرگوں کی عزت و احترام اور درویشوں کی خیر خواہی اور دشمنوں کے ساتھ نرمی اور علماء کے ساتھ تواضع اور درویشوں کے ساتھ سخاوت اور جاہلوں کے ساتھ خاموشی چاہیئے۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اور تمہارا رب تعالےٰ خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے یعنے ان کے ظاہری و باطنی تفصیلی احوال کو جانتا ہے کہ کون اصطفار و اجتباء کا اہل ہے اور کون نہیں۔ انہیں سے بعض نبوت و ولایت کے لئے اختیار فرماتا ہے وہ واقعی اس کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس میں کفار مکہ کا رد ہے، وہ کہتے تھے کہ یتیم ابی طالب نبوت کا کس طرح مستحق ہو سکتا ہے جس کے ساتھی نہایت کنگال اور بھوکے لوگ ہیں جیسے حضرت صہیب و بلال و خباب وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ ان کا خیال تھا کہ نبوت کفار مکہ کے کسی بڑے سرمایہ دار کو دی جاتی۔

ف: من فی السموات فرما کر کفار مکہ کے قول "لولا انزل علینا الملائکۃ" کا رد فرمایا۔ اور "من فی الارض" فرما کر "لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم" کا رد فرمایا۔ القریتین سے مکہ و طائف کی کوئی ایک بستی اور رجل عظیم سے ولید بن مغیرہ مخزومی اور عروہ بن مسعود ثقفی جیسے سرمایہ دار لیڈر مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے اس کا جسے اس نے اپنے لطف و کرم کا مظہر بنایا جیسے آسمان میں ملائکہ اور زمین پر مومنین اور اسے اس کا بھی علم ہے جسے اس نے اپنے قہر کا مظہر بنایا جیسے آسمان پر ابلیس اور زمین پر کافریں۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ بیضاوی اور اس کی اتباع میں ابوالسعود نے فرمایا کہ ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضائل نفسانیہ اور تبری از علائق نفسانیہ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے ان کی فضیلت کثرت اموال و اولاد وغیرہ سے نہیں یہی وجہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کو اگر کوئی فضیلت حاصل تھی تو بوجہ کتاب زبور کے، نہ کہ ملک اور شاہی کی وجہ سے۔

تردید از صاحب روح البیان فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک دوسرے پر افضل ہیں تو صرف اسی وجہ سے کہ وہ علائق جسمانیہ کے لحاظ سے پاک ہیں حالانکہ فضیلت کی صرف یہی وجہ بتانا سراسر غلط ہے اس لئے کہ یہ تو انھیں امت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہے نہ بحیثیت نبوت، ایک دوسرے سے افضل ہونے کی وجہ ہے۔

تحقیقی قول اس مسئلہ کی تحقیق یوں ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں علائق روحانیہ ہوتے ہیں کیونکہ جس میں روحانی علائق ہوں اس کا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محال ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عالم قدس سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اہلِ حق نے فرمایا کہ معرفتِ الٰہی کا دوازہ، اس پر نہیں کھلتا جس کے دل میں معمولی سا تعلق ملک و ملکوت سے ہو اور علائق جسمانیہ ملائکہ کی طرح ضرر رساں نہیں اموال کی کثرت اور ازدواجی رشتہ کے تعلقات اور آل و اولاد کی ضروریات ہوں یا نہ ہوں انھیں تعلقات باللہ کے لئے حائل نہیں ہوتے، مثلاً یحییٰ و عیسیٰ علیہ السلام ہر دونوں تجرد اور زاہد تھے اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کثیر الاموال والاولاد تھے ان ہر چاروں کے مراتب میں بحیثیت نبوت کے کسی قسم کا فرق نہ تھا باوجودیکہ وہ متجرد و زاہد اور یہ مالدار اور سرمایہ دار تھے اور انھیں دنیوی امور نے سخت گھیر رکھا تھا لیکن یہ صرف ظاہری طور پر تھا ورنہ عرفان حق میں ہر دونوں یکساں تھے ہاں انھیں ایک دوسرے پر فضیلت نزول کتاب آسمانی اور رسالہ و خلۃ اور کلام و معراج رویۃ و شفاعت وغیرہ وغیرہ کی وجہ سے تھی، کما قال تعالیٰ:

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض من هم من
كلم الله - (الآیۃ)

اور قاعدہ ہے کہ قرآنی آیات ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں۔

افضلیت انبیاء کی تفصیل سیدنا شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام کو فضیلت بوجہ مجموعی طور ملک کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے اور عیسیٰ علیہ السلام کو گھوارہ میں کلام کرنے اور

روح القدس سے مؤید ہونے اور احیاء الموتی اور گارے سے باذن الٰہی پرندہ بنانے کی وجہ سے، اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے اور ہاتھ کے نورانی، اور لکڑی کے سانپ ہونے اور دریا کے خشک ہونے اور پتھروں سے پانی بہنے کی وجہ سے اور صالح علیہ السلام کی فضیلت ناقہ کے پتھر سے نکلنے کی وجہ سے اور ہود علیہ السلام کی فضیلت ریح عقیم اور ابراہیم علیہ السلام آگ سے نجات پانے اور یوسف علیہ السلام جمال اور تاویل رؤیا سے فضیلت پا گئے۔

خلاصہ یہ کہ انہیں تجلیات حق سے بحیثیت نبوت وافر نصیبہ حاصل ہوا۔ اس لئے وہ دوسروں سے افضل ٹھہرے۔ عالم میں ہر ایک کو اللہ تعالیٰ سے عطا نصیب ہوتی ہے اور رزق میں بندوں کو ایک دوسرے سے افضل بنایا ہے۔ رزق دو قسم کا ہے:

① حسی، یہ اجسام کے لئے ہوتا ہے۔

② عقلی، یہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے۔ اور ارواح کا رزق علوم ہیں۔

ہاں بایں معنے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے اور اس کی ولایت سے نوازے گئے ہیں تو پھر وہ بمنزلہ ایک نفس کے ہیں ان میں فرق و امتیاز روا نہ رکھا جائے گا اسی حیثیت کو مدنظر رکھ کر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام سے افضل نہ سمجھو۔

وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو فضیلت بخشتے ہوئے زبور دی اور اس کی ڈیڑھ سو، سورتیں تھیں اس میں حرام و حلال کے مسائل اور فرائض و حدود کا بیان نہیں بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی تحمید و تمجید اور دعا پر مشتمل تھی، اور یہاں پر نکرہ اور سورۂ انبیاء میں اسے معرفہ مثلاً: ولقد کتبنا فی الزبور الخ" لانے میں کوئی خاص فرق نہیں یہ ایسے ہے جیسے کبھی عباس اور کبھی العباس لکھا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولقد فضلنا الخ میں اشارہ ہے کہ حکمت ازلیہ کا تقاضا یونہی تھا کہ مقبولان حق کے ایک دوسرے پر درجات بلند ہوں اور مردوں کے مرتبے کم، اس لئے کہ یہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات لطف و قہر کے مظاہر ہیں اور ان ہر دو نوں کو لطف و قہر سے جسے جتنا جس قدر حصہ ملا اسی قدر اپنے مرتبہ میں ظاہر ہوا۔ اس میں ایک حکمت یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کا ازل تا ابد اظہار ہو۔ اور انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ جسے قربِ الٰہی اور امت کو سنوارنے میں جتنا کمال حاصل ہوگا اسی قدر وہ دوسروں سے افضل ہو گا۔ اسی وجہ سے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور آپ کی امت جملہ امم سے افضل اور آپ کی کتاب یعنے قرآن مجید تمام کتابوں سے افضل ہے، اور واتینا داؤد زبورا میں اشارہ ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد علیہ السلام سے افضل ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کی کتاب یعنے قرآن مجید زبور سے افضل ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی کتاب کے مناقب و کمالات گذشتہ تمام آسمانی کتب میں بیان فرمائے۔

اے وصف تو در کتاب موسیٰ
وے نعت تو در زبور داؤد
مقصود توئی ز آفرینش
باقی بطفیل تست موجود

ترجمہ: اے محبوب مدنی صلے اللہ علیہ وسلم! آپ کے اوصاف موسےٰ علیہ السلام کی کتاب میں اور آپ کی نعت پاک داؤد علیہ السلام کی زبور میں مذکور ہے۔ تخلیق میں اصل آپ ہیں باقی جملہ عالم آپ کے طفیل پیدا ہوا۔

ف: حضور علیہ السلام کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کے متبعین کثرت ہیں چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بہشت میں اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔

انا حبیب اللہ

جامع الاصول میں بروایت زہری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ اقدس کے باہر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف کے منتظر بیٹھے تھے اور آپس میں گفتگو فرما رہے تھے، اور حضور علیہ السلام حجرۂ اقدس میں ان کی تمام باتیں سنتے رہے، ان میں سے کوئی تعجب کے طور پر کہتا کہ سبحان اللہ! اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا، واہ! واہ! اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا۔ تیسرے نے کہا، عیسےٰ علیہ السلام کا کیا کہنا کہ انہیں اللہ تعالےٰ نے روح اللہ، وکلمۃ اللہ بنایا۔ چوتھے نے کہا، حضرت آدم علیہ السلام کی عجب شان تھی کہ انہیں اللہ تعالےٰ نے اپنی خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ بات یہاں تک پہنچی تو حضور علیہ السلام حجرۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور انہیں السلام علیکم کہنے کے بعد فرمایا: میں نے تمہارا کلام سنا تم نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، واقعی وہ اسی طرح تھے۔ اور تم نے کہا، عیسےٰ علیہ السلام روح اللہ تھے ہاں، وہ واقعی ایسے تھے، اور تم نے کہا، آدم علیہ السلام صفی اللہ تھے ہاں، وہ واقعی ایسے ہی تھے۔ لیکن یاد رکھو کہ میں حبیب اللہ ہوں اور میں یہ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا اور یاد رکھو! قیامت میں لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ میں فخریہ نہیں کہہ رہا اور یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں میں اولین و آخرین سے مکرم ترین ہوں اور میں یہ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا۔ اور بہشت کا دروازہ سب سے پہلے میں ہی کھٹکھٹاؤں گا میرے دروازہ کھٹکھٹانے پر ہی اللہ تعالےٰ بہشت کا دروازہ کھولا جائے گا تو میں سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ مہاجرین کے فقراء صحابی (رضی اللہ عنہم) ہوں گے اور میں یہ فخریہ نہیں کہہ رہا۔

چار یار افضل ہیں

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر افضل بنایا اور میرے یاروں کو تمام عالمین پر سوائے انبیاء و مرسلین (علیہم السلام) کے فضیلت بخشی اور میرے تمام یاروں سے میرے چار یار:

(۱) ابوبکر (۲) عمر (۳) عثمان (۴) علی (رضی اللہ عنہم) افضل ہیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

خدا بر سروراں سرواریش داد

زخیل انبیار سالاریش داد

پے دیوار ایمان بود کارش

شد او را چار رکن از چار یارش

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام کائنات کا سردار بنایا اور تمام انبیا علیہم السلام پر بھی آپ کو سرداری بخشی ۔ آپ کا کام ایمان کی چار دیواری کو مضبوط کرنا ہے اور ایمان کی چار دیواری کے رکن آپ کے چار یار ہیں (رضی اللہ عنہم) ۔

ف : جیسے گھر چار دیواری کے بغیر گھر نہیں ہو سکتا ایسے ہی دین اسلام چار یاروں کی عقیدت و محبت کے بغیر نامکمل ہے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

میرے بعد میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خلفاء راشدین بہ نسبت باقی جملہ اہلِ اسلام کے اصول دین ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَقُلِ ادْعُوا اور اے محبوب مدنی (صلے اللہ علیہ وسلم) فرمائیے کہ اے مشرکین مکہ بلاؤ ۔ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ انہیں جن کو تم معبود سمجھتے ہو ۔ مِّنْ دُوْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ سے متجاوز ہو کر دوسروں کو معبود بناتے ہو مثلاً ، ملائکہ علیہم السلام اور مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ بی بی مریم ، اور عزیر علی نبینا علیہما السلام کو معبود مانا ۔ فَلَا يَمْلِكُوْنَ پس وہ طاقت نہیں رکھتے ۔ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ تمہارے دکھ درد ٹالنے کی مثلاً مرض اور فقر و قحط دور کرنا وغیرہ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اور نہ ہی ان چیزوں کو تم سے منتقل کر کے دوسروں کو چمٹا سکتے ہیں ۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ، اولئک مبتدا اور الذین اس کی صفت ہے ۔ يَبْتَغُوْنَ اس کی خبر ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ معبودانِ باطلہ جنھیں مشرکین مکہ پوجتے ہیں انہیں اپنے لئے طلب کرتے ہیں ۔ اِلٰى رَبِّهِمُ اپنے رب تعالیٰ یعنے اپنے جملہ امور کے مالک کی طرف ۔ الْوَسِيْلَةَ یعنے قربۃ بالطاعۃ والعبادہ ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ کفار مکہ اپنے بتوں کو وسیلہ اور دستاویزی اپنی طاعت و عبادت کے لئے بارگاہ حق میں بتوں کو قربت کا سبب سمجھتے ۔

اَيُّهُمْ اَقْرَبُ یہ یبتغون سے بدل ہے اور ای موصولہ ہے یعنے جو اللہ تعالیٰ کو قریب تر ہیں وہ بھی اس کی بارگاہ میں وسیلہ طلب کرتے ہیں اور جو غیر اقرب ہیں وہ کیوں نہ وسیلہ طلب کریں اور مقرب بارگاہ سے ملائکہ کرام و دیگر مقربین مراد ہیں یعنے جب مقرب لوگ بارگاہ حق میں وسیلہ لاتے ہیں پھر غیر مقرب کے لئے تو بطریق اولیٰ وسیلہ ضروری ہے ۔

ف : الکواشی میں ہے : ایھم استفہام مبتدا ہے اس کی خبر اقرب ہے اور اس کا منصوب ہونا یدعون کی وجہ سے

ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالٰی کی طرف قرب ڈھونڈتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ ان کے معبودوں میں سے کون زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہے تو اپنی رہائی کے لئے اللہ تعالٰی کے حضور میں اسے وسیلہ بنائیں نیز اللہ تعالٰی کے ہاں قرب کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ اور وسیلہ کے بعد اللہ تعالٰی کی رحمت کے امیدوار بنتے ہیں۔ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اور اللہ تعالٰی کے عذاب سے ڈرتے ہیں بایں معنے کہ اگر وہ اپنے معبودوں کو خداوند تعالٰی کو وسیلہ بنائیں گے تو عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے اس معنے پر یہ بھی منجملہ دوسرے بندوں میں شامل ہو گئے اگرچہ بارگاہ حق میں وسیلہ بننے کے لائق نہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو پھر وہ معبود کس طرح ہو سکتے ہیں اور پھر ان سے دکھ درد ٹالنے کی امید رکھنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا○ بے شک تیرا رب تعالٰی اس لائق ہے کہ اس سے ڈر کیا جائے اور تمام مخلوق اس سے ڈرتی ہے یہاں تک کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام بھی اس سے خوفزدہ ہیں۔ اگرچہ مجرم و خطاکار لوگ اپنی کمال غفلت سے نہیں ڈرتے بلکہ الٹا اس سے روگردانی کرتے ہیں اللہ تعالٰی کے ڈر کو عذاب سے تعبیر کرنا صرف اسی لئے ہے کہ تحذیر من اللہ کا سبب یہی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالٰی سے معذرت کی بجائے اس کے قہر و عذاب سے ڈرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خوف خداوندی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت کہا جب کہ انہیں شہادت کے وقت خنجر مارا گیا کہ اے عمر! امیرالمومنین رضی اللہ عنہ آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جبکہ دوسرے بہت سے لوگ کفر میں گرفتار تھے اور آپ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس وقت مدد کی جب دوسرے لوگوں نے آپ کو سخت اذیتیں پہنچائیں اور وصال کے وقت حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے راضی تھے اور آپ نے اپنی حکومت میں سب کا صحیح فیصلہ فرمایا کہ کوئی بھی آپ کے فیصلے سے ناخوش نہیں تھا اور پھر آپ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مغرور وہ ہے جسے تم اپنے خیال سے اس کا دل بہلاؤ، میں سمجھتا ہوں کہ قیامت کے ہولناک امور کے عوض میں اگر میں ساری دنیا کی اشیاء فدیہ کے طور پر دے دوں تب بھی نجات ناممکن معلوم ہوتی ہے۔

ف: والمطلع سے قیامت مراد ہے یعنے موت کے بعد کے اوقات۔ اور اسے مطلع سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس وقت انسان اعمال کو جھانک کر دیکھتا ہے اور اسے اس وقت بہت بڑے ہولناک امور در پیش ہوتے ہیں۔

ف: بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ حزن طعام نہیں کھانے دیتا اور خوف گناہ نہیں کرنے دیتا اور امید بر رحمت حق طاعات کے لیے قوت بخشتی ہے اور موت کا ذکر فضول باتوں سے بچاتا ہے اور خوف و رجا منجانب اللہ مخصوص بندوں کو نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہی مفیض الخیر والجود ہے۔

رد وہابیہ و دیوبندیہ: ہمارے دور کے معتزلہ انبیاء و اولیاء علی نبینا علیہم السلام کے وسیلہ بارگاہ حق کو شرک کہتے اور

اور انھیں بتوں سے تشبیہ دے کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسی آیت کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں، حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ آیت میں کافروں کے بتوں کو وسیلہ بنانے کی مذمت ہے نہ، انبیاء و اولیاء کو، وسیلہ بنانے سے رد کا گیا ہے لیکن تعصب کا بیڑا غرق ہو کہ اس نے وہابیوں، نجدیوں، دیوبندیوں اور مودودیوں وغیرہم کو ایسی پٹی پڑھائی کہ آیت کو خواہ مخواہ انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرا دیا حالانکہ جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کرام کو بارگاہ حق میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور اس آیت کو بتوں پر محمول کرتے ہیں۔

(چنانچہ اس کی مزید تشریح فقیر نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ سردست صاحب روح البیان کا حوالہ لیجئے جو دیوبندی بریلوی اختلاف سے دو صدی پہلے کی لکھی ہوئی ہے وہ حوالہ یہ ہے:۔

واما الانبیاء ورثتھم الکمل فوسائط بین اللہ تعالٰی وبین الخلق ولابد من طاعتھم من حیث نبوتھم وورا ثتھم ومن التقرب الیھم لتحصیل الزلفی۔	بہرحال انبیاء اور ان کے وارثین کاملین تو اللہ تعالٰی اور اس کی مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں اسی لئے ان کی طاعت بحیثیت نبوت وولایت ضروری ہے اور ان کا تقرب قرب الٰہی کا بہترین وسیلہ ہے۔

از انس فرزند مالک آمدہ است
کہ بمہانی او شخصی شدہ است
او حکایت کرد کز بعد طعام
دید انس دستار خوان را زرد فام
چرکن آلودہ گفت اے خادمہ
اندر افگن در تنورش یک دمہ
در تنور پر ز آتش در فگند
آں زمان دستر خوان را ہوشمند
جملہ مہمانان دران حیران شدند
انتظار دود کندوری بدند

۱؎:۔ اویسی غفرلہ، کی تفسیر اویسی۔

۲؎:۔ روح البیان جلد ۵، صفحہ ۱۷۵۔

بعد یک ساعت بر آور از تنور
پاک و اسپید و ازاں او ساخ دور
قوم گفتند اے صحابیٔ عزیز
چون نہ سوزید و منقیٰ گشت نیز
گفت زانکہ مصطفیٰ دست و دہان
پس بمالید اندرین دستار خوان
اے دل ترسندہ از نار و عذاب
با چنان دست و لبے کن اقتراب
چون جمادی را چنین تشریف داد
جانِ عاشق را چہا خواہد کشاد
مرکلوخ کعبہ را چوں قبلہ کرد
خاک مرداں باش اے جان دونبرد

ترجمہ: ۱۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ آپ کے ہاں ایک مہمان آیا۔

۲۔ اس مہمان نے بیان کیا کہ حضرت انس نے کھانے کے لیے دستر خوان طلب فرمایا تو وہ دستر خوان میلا تھا۔

۳۔ حضرت انس نے دستر خوان کو میلا دیکھا تو خادمہ سے فرمایا کہ اس دستر خوان کو ایک ساعت کے لیے تنور میں ڈال دے۔

۴۔ عقلمند خادمہ نے آگ سے جلتے ہوئے تنور میں دستر خوان کو ڈال دیا۔

۵۔ خادمہ نے اسے تنور میں ڈالا تو تمام مہمان حیران رہ گئے۔ دستر خوان جلنے اور تنور سے دھواں اٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔

۶۔ خادمہ نے تھوڑی دیر بعد اسے تنور سے نکالا تو وہ دستر خوان نہایت صاف وشفاف تھا۔

۷۔ لوگوں نے پوچھا اے صحابی! بتائیے کہ یہ دستر خوان جلنے کے بجائے صاف ستھرا ہو گیا ہے (اس کی وجہ کیا ہے)

۸۔ انس نے فرمایا کہ اس دستر خوان سے حضور علیہ السلام نے ہاتھ مبارک اور چہرہ پاک کو لگایا تھا۔

۹۔ اے جہنم کی آگ اور عذاب سے ڈرنے والے دل! ایسے مقدس ہاتھ اور مبارک ہونٹ والے سے تو وابستگی پیدا کر

۱۰۔ (کیونکہ) جب اس نے ایسے جماد کو شرف بخشا تو اپنے عاشق پر کیوں نہ لطف وکرم فرمائے گا۔

۱۱۔ جب وہ ڈھیلوں کو کعبہ وقبلہ بناتا ہے تو تم بھی اللہ والوں کی خاک پا ہو جاؤ مرتبہ پاؤ گے۔

وَاِنْ یہ ان نافیہ، مِّنْ استغراقیہ ہے۔ قَرْیَۃٍ سے بستی یا شہر مراد ہے۔ حضرت ابو السعود رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس سے وہ بستی مراد ہے جہاں کفار رہتے ہوں یعنے کافروں کی کوئی ایسی بستی نہیں۔ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا مگر ہم اسے ضرور تباہ و برباد کرنے والے ہیں خسف سے، یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے مکینوں کو تباہ و برباد کریں گے۔ جب وہ ان بڑے بڑے جرائم و معاصی کا ارتکاب کریں گے جو اُن کی تباہی و بربادی کا موجب ہوں گے۔ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن سے پہلے۔ اور قبل قیامت کی تخصیص اسی لئے ہے کہ قیامت کے وقت تو ہر بستی اور ہر شہر تباہ و برباد ہوگا وہاں کے مکین کافر ہوں گے یا نہ اور نہ ہی انھیں اس وقت سزا اور عذاب کے طور پر تباہ کیا جائے گا بلکہ دنیا کی عمر ختم ہو جانے کی وجہ سے۔ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا یا اس بستی کے مکینوں کو عذاب دیا جائے گا اور عذاب و ہلاکت کا اسناد بستی کی طرف مجازاً ہے۔ عَذَابًا شَدِيْدًا سخت عذاب، یا تو انھیں قتل کیا جائے یا انھیں قحط اور زلزلوں میں مبتلا کیا جائے گا، یا دنیوی بلائیں یا اُخروی عذاب کا ابتلاء مراد ہے۔ اس لئے یہاں پر عذاب کو قبلیتہ یوم القیامۃ سے مقید نہیں کیا گیا اور یہ بھی ہے کہ بہت سے نافرماں لوگوں کی بستیوں کو قیامت تک تباہی و بربادی سے محفوظ رکھا جائے گا یہی ابو السعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تردید

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اس کو عام اور شق اول کو خاص کرنا آیت کے سیاق کے خلاف ہے کیونکہ قبلیتہ یوم القیامہ جیسے شق اوّل میں مراد ہے ایسے ہی شق ثانی میں اور یہ یوم القیامہ کے بعد کے عذاب شدید کے بھی منافی نہیں جیسا کہ نصوص کے مضامین سے ظاہر ہے نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قبل یوم القیامہ کے عذاب شدید سے کفار کی جڑ اکھیڑنا اور بعد یوم القیامہ کے عذاب شدید سے انھیں مختلف عذاب میں مبتلا کرنا مراد ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد کفار کو مختلف عذابوں میں مبتلا کیا جائے گا۔

ف: بحر العلوم میں القریۃ کو عام بتایا ہے۔ انھوں نے حدیث شریف ذیل سے استدلال فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر اللہ تعالٰی کا بہت زیادہ رحم و کرم ہے۔ اسے اگر عذاب میں مبتلا فرمائے گا تو اس کا عذاب قتل و زلازل و فتن میں ہے۔

نیز فرمایا کہ میری امت کی جہنم کی سزا یہ ہے کہ اسے مٹی کے نیچے دبا کر مٹایا جائے گا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ لفظ ہلاک نیک اور عذاب بُری بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔

ممالک دنیا کی تباہی کی علامات

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ کو حبشی، اور مدینہ طیبہ کو بھوک، اور بصرہ کو غرقابہ، اور ابلہ کو عراق اور جزیرہ کو جبل، اور شام کو روم، اور فارس کو زلزلے، اور اصفہان کو دجال اور نہاوند کو پہاڑ، اور مصر کو دریائے نیل کا انقطاع، اور اسکندریہ کو بربر اور اندلس کو روم، اور خراسان کو گھوڑوں کے کُھر، اور ری کو دیلم، اور دیلم کو ارمن، اور ارمن کو خزر، اور خزر کو ترک، اور ترک کو آسمانی کڑک، اور سندھ کو ہند، اور ہند کو سد سکندری کے مکین؛ اور انھیں یاجوج ماجوج تباہ و برباد کریں گے۔

حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ جزیرہ تباہی سے امن میں رہے گا یہاں تک کہ ارمینیہ تباہ ہوگا اور ارمینیہ امن میں رہے گا یہاں تک کہ مصر تباہ ہوگا اور مصر امن میں رہے گا یہاں تک کہ کوفہ تباہ ہو جائے گا اور کوفہ ایک بہت بڑی خونریز جنگ سے تباہ ہوگا اور جب خونریز جنگ ہوگی تو قسطنطنیہ بنی ہاشم کے ایک فرد کے ہاتھوں تباہ ہوگا۔

كَانَ ذٰلِكَ وہ جو ہلاک وتعذیب مذکور ہوا ہے۔ **فِي الْكِتَابِ** وہ لوح محفوظ میں ہے۔ **مَسْطُوْرًا ۝** لکھا ہوا کہ اس سے بال برابر کمی وبیشی نہ ہوگی اس لئے کہ ان تمام باتوں کا ذکر اور ان کے کوائف وحالات اور ان کے اسباب موجبہ اور وقت مقررہ تفصیل کے ساتھ لوح محفوظ میں مذکور ومسطور ہے۔

قضا وقدر لوح محفوظ میں مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو نور سے پیدا فرمایا تو اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیا اور اس کے ہر دونوں ہاتھ سیدھے ہیں اور قلم کی لمبائی پانچ سو سال کے برابر ہے اسی طرح لوح محفوظ کی مسافت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قلم کو فرمایا کہ چل، وہ چلی تو لوحِ محفوظ پر آنے والے تمام واقعات کو لکھا نیکوں اور بروں کو اور ہر رطب ویابس کے ذرہ ذرہ کو لکھا۔ اب اللہ تعالیٰ سے جو حکم یا خبر پہنچے تو تم اس کی تصدیق کیا کرو اور اس کی بہت بڑی قدرت کا اعتراف کرو۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو اپنے ہاتھ سے، پھر نون یعنے دوات کو پیدا فرما کر اسے فرمایا کہ لکھ۔ اس نے عرض کی: یا اللہ! کیا لکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کچھ ہوا اور کچھ قیامت تک ہوگا سب کچھ لکھ دے اس کے بعد قلم کے منہ پر مہر لگا دی۔ اسی لئے اب قیامت تک قلم نہیں بولے گی یعنے کچھ نہیں لکھے گی۔ (رواہ ابن عباس رضی اللہ عنہما)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قریۃ سے انسانی ڈھانچہ اور اس کی ہلاکت سے قلب وروح کی موت مراد ہے یعنے ہم ہر انسانی ڈھانچہ کو روح وقلب کی موت کے ساتھ ماریں گے۔ قبل یوم القیمۃ ڈھانچہ کی موت سے پہلے اس لئے کہ جو بھی مرتا ہے اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ او معذبوھا یا اسے بلاؤں اور امراض وعلل ومصائب اور نقص فی الاموال والانفس اور دوسرے عجیب وغریب ریاضات ومجاہدات (اختیاراً یا اضطراراً مخالفات ہوئی) میں مبتلا کریں گے۔ عذابا شدیدا، اور وہ عذاب شدید اس معنے پر ہیں کہ مالوفات کا ترک نفس کے لئے عذابِ شدید ہے۔ کان ذلك فی الکتاب مسطورا یہ ازل سے اللہ تعالیٰ کی عزت وعظمت اور اس کی کبریائی جبروتی طاقت کتاب میں لکھا ہوا ہے کوئی عاشق صادق بھی اس کے جمال کے شوق میں اس کے جلال کے خیموں تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ دکھ درد کے عقبہ کو عبور نہ کرے۔

کما قال تعالیٰ:۔

فلا اقتحم العقبۃ العقبۃ وما ادراك ما العقبۃ

جب اس کے گھر تک پہنچنے والوں کا یہ حال ہے۔

لم تکونوا بالغیہ الابشق الانفس   تم اس کے ہاں نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنے نفوس کو دکھ درد میں نہ ڈالو۔

تو پھر واصلین باللہ کی کیا کیفیت ہوگی، اسی لئے حضور تاجدار انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرح کسی نبی کو ایذا نہیں دیا گیا یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو کوئی نہیں پہنچا تو اسی لئے سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور سیر باللہ میں ان کی طرح کسی نے اذیتیں اور مشقتیں نہیں جھیلیں اس لئے کہ سیر میں جسم کو گھلانا ضروری ہے کیونکہ سیر الی اللہ میں افعال گھل جاتے ہیں اور سیر فی اللہ میں صفات اور سیر باللہ میں ذات۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا :ـــــ

جفا نبردہ چہ دانی تو قدر یار
تحصیل کام دل بتگاپوی نوشتر است

ترجمہ : اے دکھ نہ دیکھنے والے تمہیں دوست کی قدر وقیمت کا کیا پتہ، دلی مراد حاصل کرنے کے لئے سخت تر دوڑ دھوپ ضروری اور اسی میں مزہ بھی ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا :ـــــ

مکن ز غصہ شکایت کہ در طریق طلب
براحتے نرسیدہ آنکہ زحمتے نکشید

ترجمہ : غصہ محبوب سے شکایت مت کر اسی لئے کہ راہ طریقت میں راحت نصیب نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں دکھ درد نہ ہو۔

نیز فرمایا :ـــــ

خام را طاقت پروانۂ پر سوختہ نیست
نازکانرا نرسد شیوۂ جان افشانی

ترجمہ : کچے عاشق کو پروانہ پرسوختہ والی طاقت کہاں نازک وجود لوگوں کو جان قربان کرنے کا طریقہ ہی نہیں۔

اے اللہ ! ہمیں بلاؤں پر صبر کی توفیق بخش اپنے اولیاء کرام کی غنیمتوں سے کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرما۔

تفسیر عالمانہ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ۔ باء زائد ہے یعنے وہ آیات جو کفار مکہ نے طلب کئے مثلاً احیاء الموتٰی اور صفا پہاڑی کو سونا بنا دینا اور مکہ کے پہاڑوں کو کہیں دور پھینکنا تاکہ مکہ کی زمین صاف ستھری ہو کر کھیتی کے قابل ہو جائے اور اس پر نہروں کا اجراء ہو اور وہ اس باغ ہو سکیں۔ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ یہ اعم الاشیاء سے استثنا مفرغ ہے۔ یعنے ان آیات مذکورہ کے بھیجنے پر ہمیں کسی شے نے نہیں روکا مگر ان کے پہلے لوگوں کی تکذیب

نے اور یہ لوگ بھی ان کی عادات پر ہیں اسی لئے ان کے کہنے پر ہم نے آیات مذکورہ نہیں بھیجیں اور الاولون سے عاد و ثمود جیسے کفار مراد ہیں وہ اس لئے کہ اگر آیات مذکورہ بھیجی بھی جاتیں تو ان کافروں کی طرح یہ بھی تکذیب کرتے اور پھر جیسے ان کے انکار پر ان کو جڑ سے اکھیڑ لیا گیا اور تباہ و برباد ہوئے یہ بھی ان کی طرح تباہ و برباد ہو جاتے کیونکہ تکذیب پر ہم مکذبین کو نہیں چھوڑتے بلکہ انھیں فوراً تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور ان کی تباہی و بربادی موقوف کر دی گئی ہے اور نہ ہی ان کو تباہ و برباد کرنے کا ہمارا ارادہ ہے کیونکہ ان میں بہت سے اہل ایمان موجود ہیں اور آئندہ بھی اہل ایمان پیدا ہوں گے ۔

ربط : اجمالی ذکر کے بعد اب مکذبین کے بعض گروہ کی تکذیب کی تفصیل بتاتے ہیں کہ :۔

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ اس کا عطف ما قبل کے مضمون پر ہے جو نظم کلام سے ثابت ہو رہا ہے گویا عبارت یوں تھی،

وما منعنا ان نرسل بالایات الا ان کذب بھا الاولون حیث اٰتیناھم ما اقترحوا من الآیات الباھرۃ فکذبوھا واٰتینا ثمود الخ

اور ہمیں کوئی روک ٹوک نہیں کہ ہم آیات بھیجیں مگر ان کے اولین کی تکذیب نے ہمیں روکا کہ انھوں نے بھی یہی آیات طلب کئے اور ہم نے ان کے مطالبہ پر آیات باہرہ بھیجے تو انھوں نے ان کی تکذیب کی اور ہم نے ثمود کو ناقہ دی یہ بھی ان کی طلب پر ۔

مُبْصِرَةً در آں حالیکہ واضح برہان اور ذو ابصار تھی اس معنے پر یہ باب نسبتی ہوگا اور تاء مبالغہ کی ہے یا فعل کا اسناد ناقہ کی طرف ہے اور حال مشاہدہ کرنے والے سے ہوگا یہ معنے مجازی ہوگا ۔ فَظَلَمُوْا بِهَا تو ان لوگوں نے ناقہ پر ظلم کیا یعنے انھوں نے ناقہ کے معجزہ ہونے کا انکار کیا ۔ در آں حالیکہ وہ ظالم تھے یعنے انھوں نے صرف کفر پر اکتفا نہ کیا بلکہ کفر کے ساتھ انھوں نے ناقہ کے ساتھ وہی کیا جو کرنا تھا مثلاً اس کی کوچیں کاٹیں اور اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی میں ڈالا بسبب ناقہ کی کوچیں کاٹنے کے ۔

ف : یہاں پر ناقہ اور ثمود کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ بھی ان کی طرح عربی تھے اور اہل عرب کو ثمود کے حالات بہت زیادہ معلوم تھے اور ان کے برباد ہونے کو انھوں نے آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اب بھی ان کے سامنے آثار ظاہر اور واضح تھے ۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اور ہم ان کے مطالبہ کے مطابق آیات کو نہیں بھیجتے ۔ تَخْوِيْفًا ۝ مگر ڈرانے کے لئے یعنے ہم ان کی طلب پر آیات نازل کرتے ہیں پھر جب وہ تکذیب کر دیتے ہیں تو پھر ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں یا بعض آیات ان کی طلب کے بغیر آتے جیسے معجزات امام الانبیاء علیہ وعلیہم السلام اور نزول قرآن ۔ ان کے انکار پر اہل مکہ کو عذاب آخرت میں مبتلا کیا جائے گا کیونکہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا معاملہ قیامت کے دن میں مؤخر کیا گیا ہے یہ صرف آپ کی تکریم و تعظیم کے پیش نظر کیا گیا ۔

رحمت، رحمت دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک آپ کی امت کے لئے بہت بڑی اماں تھی ۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی سنت مبارکہ امت

کے لئے امان ہے جو لوگ سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو مٹاتے ہیں تو اللہ تعالے ان لوگوں کو تباہ و برباد کرتا ہے اس لئے کہ اس امت کو بھی اعمال قبیحہ کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے لیکن یہ قرب قیامت میں ہوگا جیسے ہم نے ابھی چند سطور پہلے اس کو لکھا ہے مثلاً ان پر زلزلے آئیں گے اور انھیں مختلف عبرتوں میں مبتلا کیا جائے گا اور ان پر طاعون آئے گا یہ صرف اہل فسق کو سمجھانے کے لئے ہوگا اسی طرح ان پر ظالم لوگوں کو مسلط کیا جائے گا اس سے بڑھ کر اور عذاب کیا ہوگا کہ ظالم لوگوں کا تسلط ہو۔

سبق: اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ طریقۂ تقویٰ و احیار سنت خیر الوریٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں جدوجہد کریں۔

حدیث شریف: (حضور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا:) جو بھی میری سنت کو زندہ کرتا ہے تو گویا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی تو وہ میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

حدیث شریف (حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا):-

جو میری سنت کی محافظت کرتا ہے اللہ تعالے اسے چار خصلتوں سے سرفراز فرماتا ہے:-

① اولیاء اللہ کے دل میں اس کی محبت ہوگی۔

② فاسقوں فاجروں کے دلوں پر اس کی ہیبت ہوگی۔

③ رزق میں وسعت ہوگی۔

④ دین میں وثوق نصیب ہوگا۔

اولیاء اللہ کی شان جیسے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ امت کے لئے بہت بڑی اماں ہے ایسے ہی اولیاً کرام جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے وارث کامل ہیں ان کی حیات بھی امت کے لئے اماں ہے اس لئے کہ وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے والے ہیں اور ان کا اعتقاد حضور علیہ السلام کے اعتقاد پر ہے مثلاً رسول اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل ہیں اور آپ کے طریقہ کی اتباع کرتے ہیں اور آپ کی شریعت کو زندہ رکھتے ہیں۔ اسی معنے پر اولیاء اللہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت سے عذاب الٰہی سے بچاؤ نصیب ہوتا ہے۔

استمداد از اولیاء

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باھل القبور[1] — جب تم امور میں متحیر ہو تو اہل قبور سے مدد مانگو۔

---

[1] روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۱۷۸

اور کاشفی نے رسالہ العلیہ، اور ابن الکمال فی اربعینہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

شرح الحدیث اہلِ قبور سے مراد وہ اولیاء کرام ہیں جو اضطراری موت سے پہلے موت اختیاری سے فوت ہوئے یعنے موتوا قبل ان تموتوا پر عمل کرنے والے اولیاء کرام سے مدد مانگنا حدیث نبوی سے ثابت ہے۔

[لیکن ایسی احادیث کو دورِ حاضر کے معتزلہ نہیں مانتے۔ یہ ان کی شومِ بختی ہے کیونکہ ایسی احادیث ان کے مذہب کے خلاف ہیں اور ان کا قاعدہ ہے کہ جو احادیث ان کے مذہب کے خلاف ہوں تو وہ ان کا انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے نہ ماننے سے حدیث شریف کی رفعت شان میں کمی نہیں آتی بلکہ ان کا اپنا نقصان ہے۔ مگر ہم بحمد اللہ تعالےٰ احادیث مبارکہ کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ان احادیث مبارکہ کے ماننے والے اولیاء کرام ہیں اسی حدیث پاک کے مطابق[1]]۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا :؎

مدد از خاطر رندان طلب اے دل ورنے
کار صعب است مبادا کہ خطائے بکنیم

ترجمہ : اہل اللہ سے مدد طلب کرو ورنہ کام مشکل میں پڑجائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے مدد نہ کرنے میں ہم خطا میں مبتلا نہ ہوجائیں۔

شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عجیب نکتہ وہ مومن جو ایمان میں صادق و خالص و مخلص ہے اسے قیامت میں اللہ تعالےٰ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اس لئے کہ وہاں ہم سب کے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم موجود ہوں گے اور اللہ تعالےٰ کا قانون ہے کہ جہاں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود ہوں وہاں اللہ تعالےٰ عذاب نہیں بھیجتا۔ یہی وجہ ہے کہ کل قیامت میں دوزخ ایسے مومن سے کہے گی :۔

جزیا مومن فان نورك قد اطفاء ناری اے مومن مجھ سے جلد گزر کر جا اس لئے کہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا ہے۔

باقی رہے فاسق و فاجر، انھیں بھی جہنم میں ڈالا جائے گا تو بھی اسے خالص و مخلص بنانے کے لئے نہیں بھیجا جائے گا۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یاد کیجئے جب کہ ہم نے آپ کو کہا یعنے جب ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ط بے شک تیرا رب علم و قدرت کے لحاظ سے لوگوں پر محیط ہے اس لئے کہ وہ سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اسی بنا پر آپ میرے احکام ان پر جاری فرمائیے اور آپ کسی سے خوف نہ کیجئے۔

صوفیانہ معنے : بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا لوگوں پر محیط ہونے کا معنےٰ یہ ہے کہ وہ صور موجودات میں تجلی فرماتا ہے اس

---

[1] :۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

معنے پر وہ پاک ذات اپنے جمیع اسماء کی احدیت کی بنا پر موجودات کے ذرہ ذرہ میں ذاتاً وحیاۃً وعلماً وقدرۃً و دیگر صفات کے ساتھ ساری ہے اور اسی احاطہ بالسرایۃ کی بنا پر زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں اور جو شے اس سے پوشیدہ ہو تو وہ معدوم ہے وہ موجود نہ ہوگی۔ یاد رہے کہ یہ احاطہ ظرف بالمظروف اور احاطہ الکل بالاجزاء اور احاطۃ الکلی بالجزئیات کے قبیل سے ہے کیونکہ تمام تعینات لاحقہ لذاتہ المطلقہ کو لازم ہیں، بالواسطہ یا بلا واسطہ، بالشرط یا بلا شرط اور یاد رہے کہ کثرۃ اللوازم وحدۃ ملزوم کو نہ قادح ہیں اور نہ منافی۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْٓ۔ رویاء سے یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ مشاہدات مراد ہیں جو آپ نے شب معراج زمین و آسمان کے عجائبات معائنہ فرماتے اور اسے رؤیا سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ رؤیا اور رؤیت ایک شے ہے۔ (کذا فی الکواشی)

رؤیا کبھی خواب میں ہوتا ہے اور کبھی جاگتے؛ یا اس معنے پر کہ آپ نے یہ واقعات رات کو دیکھے تھے اور ایسے جلدی جیسے خواب میں دیکھے جاتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا کہ ان عجائبات کو 'رؤیا' سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معراج کو منامی (خواب) سے تعبیر کرتے تھے جسمانی طور پر ماننے کے لئے وہ ہرگز تیار نہیں تھے۔ اور الحواشی السعدیہ میں لکھا ہے کہ معائنہ جسمانی کو تشبیہ و استعارہ کے طور پر رؤیا کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ وہ عجائبات جو بطور خرق عادات نظر آئے وہ ایسے تھے جیسے انسان عادتاً خواب میں دیکھتا ہے۔

اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے وہ عجائبات جو آپ کو شب معراج مشاہدہ کرائے۔ وہ باوجودیکہ ایک بہت بڑا معجزہ تھے کہ جسے ماننے کے لئے ادنیٰ درجہ کا آدمی تیار نہیں ہوتا۔ وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لئے تھا کہ ان میں کون آپ کی تصدیق کرتا ہے اور کون انکار۔ چنانچہ واقعہ معراج کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہوگئے۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ط اس کا عطف الرؤیا پر ہے اور درخت پر لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے والے ملعون ہیں۔ یہ مجازی ہے یا اس کا معنٰے یہ ہے کہ وہ درخت رحمت ربانی سے دور ہے اور اس سے زقوم کا درخت مراد ہے اور یہ جہنم کی جڑ سے پیدا ہوا اور ایسی جگہ پر ہوتا ہے جو رحمت حق سے بہت دور ہوتی ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ درخت جسے ملعون کہا گیا ہے وہ بھی لوگوں کے لئے آزمائش ہے بایں معنی کہ کافر کہتے ہیں کہ ادھر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنم میں آگ ہے اور وہ جلا کر راکھ بنا دیتی ہے، ادھر فرماتے ہیں کہ یہ زقوم کا درخت جہنم کی جڑ سے پیدا ہوا ہے یہ تو عقلاً محال ہے۔ چنانچہ اسی بات کو سن کر کافر گمراہی کے گڑھے میں گر گئے! ورعقل کو اپنا پیشوا بنایا تو مارے گئے۔ حالانکہ وہ خود دیکھتے تھے کہ شترمرغ آگ کے انگاروں کو نگل جاتا ہے اور آگ سے گرم شدہ لوہے کو کاٹ دیتا ہے لیکن ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہوتا اسی طرح وہ گرم لوہے کو بھی کاٹ لیتا ہے اور یہ بھی انہیں معلوم ہے کہ سمندل کے بالوں سے تیار کردہ رومال کو آگ نہیں جلاتی بلکہ اس پر معمولی اثر بھی نہیں ہوتا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس سے عجیب تر وہ معاملہ ہے کہ اہل عرب سبز درخت سے آگ حاصل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالٰی

نے فرمایا :

جعل لکم من الشجر الاخضر نارًا ۔ (اللہ تعالے نے تمھارے لئے سبز درخت سے آگ بنائی ۔

اس سے ان نالائقوں کو سمجھ نہ آئی تھی کہ وہ ذات جو درخت کے اندر آگ امانت رکھ سکتی ہے وہ درخت کو آگ میں سے اگا سکتی ہے ۔

ف : المرخ اور العفار دو درخت ہیں جو عرب کی وادیوں میں پیدا ہوتے ہیں جس سے لوگ مسواک تیار کرتے ہیں اور وہ سبز رنگ کے دو درخت ہیں جن سے پانی گرتا رہتا ہے ۔ المرخ پیس کر اس پانی پڑالا جاتا ہے جس سے اللہ تعالے کے حکم سے آگ پیدا ہوتی ہے ۔

وَنُخَوِّفُهُمْ اور ہم انھیں ان سے اور ان جیسی اور آیات سے ڈراتے ہیں اس لئے کہ یہ تمام آیات ڈرانے کے لئے ہیں ۔

فَمَا يَزِيدُهُمْ پس انھیں ڈرانا نہیں بڑھاتا ۔ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝ بہت بڑی سرکشی کو ، ایسی سرکشی جو حد سے بڑھی ہو اگر ہم ان کے مطالبہ پر وہ آیات جو طلب کرتے ہیں بھیجدیں تو ان کے ساتھ وہی کریں گے جو انھوں نے پہلی آیات سے کیا اور پھر ہم ان کی جزا و سزا میں وہی کریں گے جو ہم نے ان جیسوں سے کیا حالانکہ ہم نے ان کے عذاب کی تاخیر قیامت تک مقرر کر رکھی ہے ۔

ف : اللہ تعالے نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بہت سے حسین چہرے اور فصیح زبان اور تندرست بدن والے جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جاتے ہیں ۔ اسی لئے ہر انسان پر خوف الٰہی لازم ہے یہاں تک کہ عرفاء ہر وقت خوف خدا سے سرشار رہتے ہیں تو پھر عوام کا کیا کہنا ۔ انھیں ہر وقت خوف خدا سے سرشار ہونا لازمی اور ضروری ہے ۔

حکایت حضرت مزنی نے فرمایا کہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالے کی مرض الموت کے وقت حاضر ہوا میں نے عرض کی کہ حضرت استاذ مکرم کیسا حال ہے ؟ آپ نے فرمایا : میں دنیا سے کوچ اور دوستوں سے جدا اور اعمال سے ملاقات اور موت کا گھونٹ پی کر بارگاہِ حق میں پیش ہونے والا ہوں پھر نا معلوم میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے واللہ میری روح بہشت کو جاتے یا دوزخ میں ۔ اور میں کہہ رہا ہوں : ؎

ولم ادرای الحالتین تنوبنی

وانک لا تدری متی انت میت

ترجمہ : مجھے معلوم نہیں کہ مجھے دو جگہوں سے کونسی جگہ نصیب ہوتی ہے اور تجھے کیا معلوم کہ تم کہاں اور کب مروگے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

لاتخافوا ہست نزل خائفان

ہست درخور از برائے خائفان

ہر کہ ترسد مرورا ایمن کنند

مردل ترسندہ را ساکن کنند

(بقیہ صفحہ ۱۹۹)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ

کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے بولا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا بولا دیکھ تو جو

هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ

یہ تو نے مجھ سے معزز رکھا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو ضرور میں اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا مگر تھوڑا

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾

فرمایا دور ہو تو ان میں جو تیری پیروی کرے گا تو بیشک تم سب کا بدلہ جہنم ہے بھرپور سزا

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ

اور ڈگا دے ان میں سے جس پر قدرت پائے اپنی آواز سے اور ان پر لام باندھ لا اپنے سواروں اور اپنے

وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾

پیادوں کا اور ان کا ساجھی ہو مالوں اور بچوں میں اور انہیں وعدہ دے اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر فریب

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ

بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارے

يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾ وَاِذَا

لیے دریا میں کشتی رواں کرتا ہے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو بے شک وہ تم پر مہربان ہے اور جب

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ

تمہیں دریا میں مصیبت پہنچتی ہے تو اس کے سوا جنہیں پوجتے ہیں سب گم ہو جاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں خشکی کی

اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ

طرف نجات دیتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہو اور آدمی بڑا ناشکرا ہے کیا تم اس سے نڈر ہوئے کہ وہ خشکی ہی کا کوئی کنارہ تمہارے

اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿٦٨﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ

ساتھ دھنسا دے یا تم پر پتھراؤ بھیجے پھر اپنا کوئی حمایتی نہ پاؤ یا اس سے نڈر ہوئے کہ تمہیں دوبارہ

فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ

دریا میں لے جائے پھر تم پر جہاز توڑنے والی آندھی بھیجے تو تم کو تمہارے کفر کے سبب ڈبو دے

ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي

پھر اپنے لیے کوئی ایسا نہ پاؤ کہ اس پر ہمارا پیچھا کرے اور بیشک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خش

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۠
اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۹۶) آنکہ خوفش نیست چون گوئے مترس

درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ: جسے خوف خدا نہیں اسے کیوں کہتے ہو کہ ڈر، ایسے کو درس کیوں دیتے ہو اسے درس کی ضرورت نہیں ۔

اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھنے سننے سے ایمان کی رونق بڑھتی ہے اور باب یقین میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے کہ اچھی مٹی سے صاف خراب نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اسے اپنی اصلی طبع سے نکالتی ہے اور خراب مٹی سے بیج پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ خبیث میں استعداد ہے ہی نہیں بلکہ بانجھ عورت کی طرح اس میں سے انگوری کی پیدائش ناممکن ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں علوم و فہوم سے نوازے ۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ۔ یاد کیجئے جب کہ ہم نے تمام ملائکہ سے فرمایا۔

ف: اس سے وہ ملائکہ کرام مستثنیٰ ہیں جنھیں حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں اتنا استغراق ہے کہ انھیں تخلیق آدم علیہ السلام بلکہ جملہ عالم کے کسی امر کا بھی شعور نہیں ۔

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام تحیہ و اکرام کے طور پر سجدہ کرو اس لئے کہ ان میں ایسے فضائل و کمالات پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ سجدے کے مستحق تھے ۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے انھیں اپنی خصوصی تجلی سے نوازا۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ حقیقتًہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا۔ آدم علیہ السلام درمیان میں ایسے تھے جیسے ہمارے کعبہ معظمہ ہمارے سجدوں کا مرکز ہے ۔

فَسَجَدُوْا تمام ملائکہ کرام نے آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کا اعتراف کر کے بلا انکار سجدہ کیا، ایک طرف اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کے حق کی ادائیگی ہوئی، دوسری طرف حق تعالیٰ کے امر کی فرمانبرداری۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کرام کو اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے سے سعادت ابدی نصیب ہوتی ہے ۔ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اس نے تکبر کر کے سجدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کا یہ انکار اور استکبار اس کی شقاوت ازلی پر دلالت کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ابد ازل کا شیشہ ہے اس میں ہی سعادت و شقاوت کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں ۔

بحر العلوم میں لکھا ہے کہ ابلیس کو ملائکہ سے استثنار جائز ہے اگرچہ وہ جنی تھا وہ از قبیل تغلیبیت ہے کہ جیسے مردوں میں عورت کا شمول بظاہر نہیں مثلاً کہا جاتا ہے :" خرجوا الا فلا نة "لیکن استثنار کیا گیا ہے اور یہ استثنا منفصل ہے ۔

قَالَ. ابلیس نے اعتراض و تعجب اور تکبر و انکار کے طور پر کہا جب کہ اسے اللہ تعالیٰ نے توبیخاً فرمایا ۔ یا ابلیس مالک ان لا تکون مع الساجدین ۔ تو اس نے جواباً : ءَاَسْجُدُ کیا میں سجدہ کروں جب کہ میں اعلیٰ سے یعنی نار سے پیدا کردہ ہوں یہ استفہام انکاری ہے ۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں سجدہ نہیں کرتا اور نہ ہی یہ میرے شایان شان ہے بلکہ یہ محال ہے کہ میں اعلیٰ ہو کر سجدہ کروں ۔

خلاصہ یہ کہ اس استفہام سے انکار مُراد ہے جس سے نفی کا معنے مطلوب ہے ۔

لِمَنْ خَلَقْتَ اس کا منصوب ہونا از قبیل نزع الخافض ہے ۔ یہ دراصل من طین تھا یہ نزع الخافض واختار موسیٰ قومہ کے طریق پر ہے ۔ یہ دراصل من قومہ تھا یعنے شیطان نے آدم علیہ السلام کی تحقیر کرتے ہوئے کہا کہ میں اسے سجدہ نہیں کرتا جسے تو نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے ۔ اسی وجہ سے ابلیس کو لعین اور درگاہ حق سے راندہ اور بعید رکھا گیا ۔ قَالَ ملعون اور درگاہ حق سے راندگی اور بعید گی کے بعد آدم علیہ السلام سے عداوت ظاہر کی اور حسد پر اقدام کرتے ہوئے کہا ۔ (کذا قال فی الارشاد) ۔

اور یہ بھی اس میں ہے کہ ابلیس نے یہ اس وقت کہا جب اسے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت مل گئی ۔ اور اسے ملاء اعلیٰ کی جماعت سے طوق لعنت پہنا کر اور راندۂ درگاہ بنا کر نکالا گیا ۔ اور اس کی تصریح یہاں اس لئے نہیں کی گئی کہ اس کا ذکر دوسرے مقام پر آگیا ہے اسی لئے اس کے دو کلاموں میں شیطان کے قال کو درمیان میں لایا گیا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ کلام ثانی، کلام اوّل سے متصل نہیں اور اس کلام کا دارومدار پہلے کلام پر نہیں بلکہ کسی اور کلام پر ہے ۔ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ کاف ضمیر خطاب کا ہے اور اسے ار أیت فاعل کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اسے مستقل اسم نہیں قرار دیا جا سکتا تاکہ کہا جائے کہ یہ محلاً منصوب ارأیت کا مفعول بہ ہے ۔ اور اسے ارایت کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے تاکہ اسناد زیادہ سے زیادہ موکد ہو ۔ اس معنے پر کاف کا یہاں پر اپنا ذاتی اعراب نہیں ۔ ھذا مفعول اوّل اور اسم موصول اس کی صفت اور ارأیت کا مفعول ثانی محذوف ہے جیسا کہ صفت اس کے محذوف ہونے پر دلالت کرتی ہے اور ارأیت یہاں پر بمعنے اخبرنی ہے ۔ اس لئے کہ رؤیت بمعنے علم اخبار کا سبب ہے اسی اعتبار سے سبب الاخبار بول کر اخبار مراد لیا گیا ہے اور استفہام امر سے مجاز ہے اس اعتبار سے استفہام بول کر امر مراد لیا گیا ہے کیونکہ استفہام جامع الطلب ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے اللہ ! مجھے اس شخص کی خبر دیجئے جسے تو نے مجھ پر مکرم تر بنایا اور مجھے اس کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا ۔ اسے تو نے مکرم و معزز اور خلافت و سجدہ کا حقدار کیوں بنایا ؟ حالانکہ میں تو اس سے بہتر ہوں اس لئے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا ہے اور مجھے آگ سے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

① آنکہ آدم را بدن دید او رمید
وآنکہ نور مؤتمن دید او خمید

② تو ز قرآں اے پسر ظاہر مبین
دیو را نہ بیند جز کہ طین

ترجمہ: ① جس نے آدم علیہ السلام کے صرف بشری صورت کو دیکھا وہ مردود وملعون ہوا اور جس نے نور (محمدی) امانت رکھے ہوتے دیکھا وہ ساجد ہوا۔

② اے بھائی! تو بھی قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھ اس لئے کہ صرف دیوار سے مٹی نظر آتی ہے۔ (حقیقت اندر پوشیدہ ہے)

لَئِنْ اَخَّرْتَنِ البتہ اگر تو مجھے زندگی دے کر کچھ مہلت دے دے جیسے دوسروں کو وعدۂ موعود کے بعد موت دی جاتی ہے میرے لئے کچھ وقت مؤخر کیا جائے۔ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ قیامت تک، اور مجھ میں اغوار واضلال کی صفت بھی بحال ہے اور یہ جملہ نیا ہے اور لام قسم پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا جواب ہے۔ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗٓ البتہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد پر غلبہ پا جاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر کہا:

فبعزتك لاغوينهم اجمعين مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔

حل لغات: احتنکہ بمعنے استولیٰ علیہ (کذا فی القاموس)

الارشاد میں ہے کہ احنکت الدابۃ و احتنکتھا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب سواری کو رسی سے مضبوط باندھ کر کہیں لے جایا جائے۔ یا اس کا معنے ہے کہ میں انھیں گمراہ کرکے ان کی جڑ کاٹ دوں گا۔ اب معنے یہ ہوگا کہ اولاد آدم کو ایسا گمراہ کروں گا کہ وہ تیرے عذاب کا نشانہ ہو کر جڑ سے کٹ جائیں گے یہ، احتنك الجراد الارض اس وقت بولتے ہیں جب ٹڈی زمین پر کھڑے ہوئے کھیتوں کو ایسا کھا جائے کہ اس کا نام ونشان بھی ظاہر نہ ہو صرف خالی زمین باقی رہ جائے۔

نکتہ: یہ جرأت شیطان کو اس لئے ہوئی کہ اس نے دیکھا کہ آدم علیہ السلام کو میں نے معمولی جھانسہ سے بہشت سے نکلوایا تو ان کی اولاد تو ویسے ہی شہوات سے پُر ہے اسی لئے انھیں حق سے دور کرکے باطل کی طرف لے جانے میں کیا دیر لگے گی۔ اسی لئے ایسے لمبے چوڑے دعوے کئے وغیرہ وغیرہ۔

اِلَّا قَلِیْلًا ○ مگر ان میں سے بہت تھوڑے اور وہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے معصوم بنایا یعنے انبیاء علیہم السلام۔

قَالَ اذْهَبْ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے شیطان! تو اپنے بُرے طریقے پر چل اور انھیں جیسے چاہے گمراہ کر لے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہ ذھاب۔ مجیٔ کی نقیض نہیں بلکہ اس کا معنے یہ ہے کہ اے ابلیس! جس کا تجھے ارادہ ہے تو بے شک

پورا کر لے اور جس طرح تجھ سے ہو سکتا ہے تو اسے مجھ سے دور کر لے اور اسے نفس کی جملہ خواہشات کے باوجود اپنی طرف مائل کر لے یا یہ امر تہدیداً اور اہانتہً ہے جیسے جو تمہارا کہنا نہیں مانتا تم اسے کہتے جاؤ اور جو تیرا جی چاہے کر لے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ امر اہانت و ابعاد کا ہے یعنے شیطان کو اللہ تعالے نے اپنی درگاہ کے قرب سے ہٹا کر فرمایا، جا تو اپنے مشن کے لئے جتنا جی چاہے زور لگالے۔

فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ پس وہ جو ان میں سے تیری تابعداری کرے گا۔

فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ تو بے شک تمہاری جزا جہنم ہے۔ یہاں مخاطب کا صیغہ تغلیباً ہے اور متبوعیۃ کے حق کی رعایت کی گئی ہے۔ مَوْفُوْرًا ۝ یہ وفر الشئ سے ہے بمعنے کمل یعنے تم مکمل جزا دیئے جاؤ گے۔ اس کا منصوب ہونا فعل مضمر کی وجہ سے ہے۔

ف : کاشفی نے اس کا معنے لکھا ہے کہ موفورا بمعنے جزاء تمام یعنے عذاب بر دوام۔

وَاسْتَفْزِزْ اور جلدی کر اور دوڑ۔ اسی سے ہے : استفزہ الغضب بمعنے استخفہ اور الاستفزاز بمعنے سبک کردن یعنے جلدی کرنا۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ استفز بمعنے استزل وحرك بمعنے یہاں سے ہٹ کر پوری دوڑ دھوپ کر۔

مَنِ اسْتَطَعْتَ اولاد آدم سے جسے تو گمراہ کرنا چاہتا ہے گمراہ کرلے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اولاد آدم میں سے جسے تو ڈگمگانا چاہتا ہے، ڈگمگا دے۔

بِصَوْتِكَ اپنی آواز یعنے وسوسہ کے شر اور گناہ کی طرف دعوت دینے سے۔

ف : ہر وہ جو اللہ تعالے کی نافرمانی کی طرف بلائے وہ ابلیس کے گروہ اور اس کے لشکر میں داخل ہے۔

مسئلہ : امام زاہدی نے لکھا ہے کہ وہ آواز جو انسان کے منہ سے رضائے حق کے خلاف نکلے وہی ابلیس کی آواز ہے۔

مسئلہ : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ راگ و مزامیر ہی شیطان کی آوازیں ہیں۔ اس معنے پر فحش گانے بجانے والے ابلیس کا لشکر ہوں گے۔

حدیث شریف : میں فحش گانے بجانے والوں کے لئے سخت وعیدیں وارد ہوئیں ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ میں مزامیر کے توڑنے اور خنزیر کو قتل کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

ف : المزامیر، مزمار کی جمع ہے۔ وہ ایک آلہ ہے جسے گانا گانے کے وقت بجایا جاتا ہے۔

مسئلہ : اس سے گانے بجانے کے تمام آلات مراد ہیں اور کسر سے حقیقی معنے مراد نہیں بلکہ اس سے مبالغہ مطلوب ہے۔

سوال : حدیث شریف میں مزامیر کی مذمت ہے حالانکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت اشعری کی تلاوتِ قرآن مجید

کی آواز سن کر فرمایا کہ انھیں داؤد علیہ السلام کے مزامیر سے کچھ حصہ عطا ہوا ہے۔ اس سے مزامیر کا جواز ثابت ہوتا ہے؟
جواب: مزامیر داؤد علیہ السلام سے حقیقی مزامیر مراد نہیں بلکہ ان کی آواز کو مزامیر سے صرف تشبیہ دی گئی ہے اور وہ بھی بایں معنی کہ داؤد علیہ السلام کے حلق میں گویا مزامیر تھے۔
ف: حدیث شریف میں لفظ آل داؤد واقع ہوا ہے اس میں لفظ 'آل' زائد ہے۔ اس سے صرف داؤد علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔ (کذا فی شرح الاربعین لابن کمال)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے ابلیس اولاد آدم علیہ السلام کو فلاسفہ کی تمویہات اور تشبیہات اہل الھوا و البدع اور خرافات دہریہ وطاعات اباحیہ سے جتنا تیرا جی چاہے گمراہ کرلے اسی طرح ان کے اور مناسب امور جو خلاف شرع ہیں انھیں مبتلا کرلے۔

تفسیر عالمانہ وَاجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ اور سواروں اور پیدلوں کو اپنی طرف کھینچ لے یعنے انھیں اپنے زمرہ میں ملالو جو تیرے معاون و مددگار ہیں اور تو ان پر وسوسہ وغیرہ ڈال کر اپنا تسلط جمالے۔
ف: الکواشی میں ہے کہ جلب اور اجلب ایک ہے بمعنے الحث والصیاح یعنے اے ابلیس اپنے اعوان وانصار کو جو ان میں سوار اور پیدل ہیں سب کو آواز دے کر اپنے پاس بلالے تاکہ فتنہ وفساد میں وہ تیرا ساتھ دیں۔
ف: الخیل الخیالۃ بتشدید الیاء بمعنے گھوڑ سوار اسی سے ہے۔

حدیث شریف:

یا خیل اللہ ارکبی — اے اللہ تعالٰی کے گھوڑ سوارو! میری مدد کو پہنچو۔

اور الرجل بالسکون بمعنے 'الراجل' یعنے وہ شخص جس کی کوئی سواری نہ ہو کہ جس پر وہ سوار ہو جسے ہم پیدل کہتے ہیں۔
ف: حضرت ابن عباس وقتادہ ومجاہد رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ خیل و رجل انس وجن سے ہوتے ہیں۔ اس معنے پر ہر وہ جو معصیہ حق میں سوار ہو کر جنگ میں شامل ہو وہ شیطان کا سوار ہے اور وہ جو معصیۃ حق میں پیدل ہو کر جنگ میں شمولیت کرے وہ شیطان کا پیدل مددگار ہے نیز اس کا یہ معنے بھی ہے کہ استفزازہ بخیلک ورجلک کو شیطان گمراہ کرنے پر مسلط ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے گویا شیطان نے ایسے لوگوں کو اپنے پاس بلا کر گمراہ کرنے پر تسلط رکھتا ہے پھر وہ اپنے مراکز کو چھوڑ کر شیطان کے تابع فرمان ہو جاتے ہیں پھر جیسے ہی شیطان چاہتا ہے انھیں اپنے کام میں لگا سکتا ہے یہاں تک کہ وہ ان بیچاروں کی جڑ ہی کاٹ ڈالتا ہے۔
وَشَارِكْهُمْ اور انھیں شرکت دے۔ فِي الْأَمْوَالِ ان کے اموال میں یعنے اموال کے حاصل اور جمع کرنے میں برانگیختہ کرنے میں کہ وہ حرام طریقوں سے مال جمع کریں اور پھر غیر مشروع میں انھیں خرچ کریں مثلاً ریا کے طور پر اور فضول خرچی سے اور

زکوٰۃ کو روک کر وغیرہ وغیرہ۔ وَالْاَوْلَادِ اور اولاد کو حرام طریق سے حاصل کرنے میں، ایسے ہی انھیں زندہ درگور کرنا یا ان کے متعلق شرک کا ارتکاب کرنا مثلاً، ان کے عبدالعزیٰ وعبدالحارث وعبدالشمس وعبدالدار وغیرہ نام رکھنا۔ اسی طرح انھیں باطل ادیان میں داخل ہونے پر برانگیختہ کر کے گمراہ کرنا اور ان سے غلط اور غیر مشروع صنعتوں میں لگا دینا اور ان سے بُرے اعمال کرانا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان کو عام اجازت دی گئی ہے کہ اولادِ آدم کو طلبِ دنیا اور اس کی حکومت کے حصول میں ان کی استعداد اور ان کے اوقات ضائع کرائے اور انھیں نفوس کی تہذیب وتزکیہ اور ان کی تادیب سے غافل کر دے اور نہ ہی انھیں صفات مذمومہ سے بچنے کا موقعہ دے اور نہ ہی صفات محمودہ سے موصوف ہونے دے اور نہ ہی فرائض وسنن اور علوم دینیہ حاصل کرنے دے اور نہ ہی انھیں طلب آخرت اور درجات علیا اور نجات نار اور درکات سفلی کا شوق پیدا کرنے دے۔

جماع میں شرکت حضرت امام جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:
جماع کے وقت شیطان مرد کے ذکر پر بیٹھتا ہے جب مرد اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو جونہی مرد جماع کرتا ہے تو شیطان بھی اس کا شریک رہتا ہے یہاں تک کہ جب مرد کو انزال ہوتا ہے تو شیطان بھی اپنی منی عورت کی فرج میں گرا دیتا ہے اسی طرح شیطان انسان کے اکثر امور میں شرکت کرتا ہے[1]

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ جب ابلیس زمین پر اترا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ! مجھے زمین پر رجیم بنا کر اُتارا لیکن کم از کم کوئی میرا گھر تو ہوتا جس میں مَیں بسر اوقات کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حمام تیرا گھر ہے۔ پھر عرض کی کہ میرے لئے مجلس بھی مقرر فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بازار اور راستوں کے چوک، تیری مجلسیں ہیں۔ پھر عرض کی کہ میرا طعام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب انسان طعام کھائے اور کھانے میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو اس میں شریک ہو جایا کر، وہی تمھارا کھانا ہے۔ پھر عرض کی کہ میرے پینے کی کیا شے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نشہ والی اشیاء، تیرے پینے کی چیزیں ہیں۔ عرض کی کہ میرا مؤذن کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمام مزامیر تیرے مؤذن ہیں۔ عرض کی کہ میرے لئے قرآن بھی ہو جسے میں پڑھتا رہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اشعار (قبیحہ) تیرا قرآن ہیں۔ عرض کی کہ میری مطالعہ کی کوئی کتاب بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داغ لگانا تیری کتاب ہے۔ عرض کی کہ

---

[1] اسی لئے حکم ہے کہ جماع کے وقت زن وشوہر یہ دعا پڑھتے ہیں۔

"جنب الشیطان و جنبا الشیطان عما رزقتنا"

ورنہ اولاد پر شیطان کا اثر ضرور رہتا ہے۔ مرگی اور ام الصبیان وغیرہ اسی وجہ سے رہتے ہیں۔ (اویسی)

میری باتیں کیا ہیں۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جھوٹیں باتیں تیری ہی باتیں ہیں۔ عرض کی میرے قاصد کون ہیں؟ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ تمام کاہن اور جادوگر وغیرہ تیرے قاصد ہیں۔ عرض کی میری شکار گاہیں کیا ہیں۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ عورتیں تیری شکار گاہیں ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم للسمرقندی)

وَعِدْهُمْ ط اور انھیں مواعید باطلہ کا وعدہ دے مثلاً یہ بتادے کہ معبودانِ باطلہ بھی شفاعت کریں گے اور انھیں غلط فہمی میں مبتلا کرے کہ ان کے آباؤ اجداد بہت بڑی بزرگی کے مالک تھے اور انھیں توبہ سے ہٹادے اور بتائے کہ ابھی بہت وقت ہے اور دنیا میں کھاپی لے اور مزے لوٹ لے پھر کسی وقت توبہ کرلینا اور انھیں غلط خیالی میں ڈال دے کہ نہ بہشت ہے نہ دوزخ وغیرہ وغیرہ۔ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ یہ لام عہد کی ہے یا جنس کی۔ اور انھیں شیطان وعدہ نہیں دیتا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے ایک کے ساتھ ایک شیطان ضرور رہتا ہے۔

اِلَّا غُرُوْرًا ○ مگر دھوکہ کا یعنی اسے ثواب دکھا کر گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ غرور بمعنے خطا کو ایسے رنگ میں دکھانا کہ جس سے ثواب محسوس ہو۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ اوامر بطریق تہدید وارد ہیں جیسے اپنے نافرماں آدمیوں کو کہیں کہ جو چاہو کرتے رہو۔ بعض نے کہا کہ یہ اوامر خذلان وتخلیہ کے ہیں۔

اِنَّ عِبَادِيْ یہ اضافت تشریفی ہے۔ اس سے اللہ تعالٰی کے مخلص بندے مراد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخلصین کے متبعین ان میں شامل نہیں۔

ف: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ بندہ مخلص وہ ہے جو غیر کی قید وبند سے آزاد ہو۔

شیخ عطار رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: ؎

چون تو در بند صد چیزی خدا بندہ چوں باشی
کہ تو در بند ہر چیزی کہ باشی کہ بندہ آئی

ترجمہ: جب تو سینکڑوں چیزوں کی قید وبند میں ہے پھر تو اللہ تعالٰی کا بندہ کیسے ہوسکتا ہے اس لئے کہ تو ہر شے کی قید وبند میں ہوگیا ہے پھر اس کی بندگی سے تجھے کیا ملے گا۔

لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ط تیرا ان پر کوئی تسلط نہیں اور نہ ہی تو انھیں گمراہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا:

انہ لیس لہ سلطان علی الذین اٰمنوا وعلی ربھم یتوکلون۔ بے شک شیطان کا اہل ایمان اور اہل تقویٰ اور اپنے رب تعالٰی پر توکل کرنے والوں پر کوئی تسلط نہیں۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○ اور تیرا رب تعالٰی سازگار کافی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالٰی پر توکل کرتے ہیں

اور اللہ تعالےٰ سے استمداد کرتے ہیں اسی لئے اے ابلیس تو انھیں گمراہ نہیں کر سکے گا۔

فائدہ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے بندے کونین کی غلامی سے ہیں اور نہ ہی انھیں کونین کے تعلقات یادِ حق سے پھر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی معاملہ میں شیطان کی تابعداری کر سکتے ہیں اور نہ ہی شیطان انھیں اپنے داؤ میں لا سکتا ہے نہ ہی شیطان انھیں گمراہ کر کے ماسویٰ اللہ کے اشغال میں مشغول رکھ سکتا ہے۔ وکفی بربک وکیلا۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ ان کا سازگار کافی ہے کیونکہ وہی سعادت کے اسباب ان کے لئے مرتب کرتا اور ان سے شقاوت کے اسباب دُور فرماتا اور شیطان سے وہی ان کی حفاظت فرماتا ہے اور وہی انھیں اپنی طرف راہ دیتا ہے۔

ازالۂ وہم: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ان پر شیطان کے عدم تسلط سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انھیں اپنی شرارتوں کا نشانہ بھی نہیں بناتا بلکہ وہ اپنی شرارت کے لئے ہر طرح کی جدو جہد قائم رکھتا ہے۔ کما قال:

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون

آیت میں لفظ اذا تحقیق و وقوع کے لئے آتا ہے لیکن وہ حضرات شیطان کی شرارتوں سے محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ انھیں تائید ایزدی حاصل ہوتی ہے۔

یہودی کا سوال اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جواب

مروی ہے کہ ایک یہودی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہم اللہ تعالےٰ کی عبادت حضورِ قلب سے کرتے ہیں ہمیں ذرہ بھر بھی شیطان کے وسوسوں کا خطرہ نہیں ہوتا اور ہم نے سنا ہے کہ آپ کے صحابہ نماز میں ہزاروں وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا کہ یہودی کے سوال کا جواب دیجئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: اے یہودی! تمھیں معلوم ہے کہ کسی جگہ پر دو گھر ہوں، ایک سونے چاندی، جواہرات اور موتی اور یاقوت و مرجان سے پُر ہو اور اس میں نفیس اور قیمتی سامان موجود ہو اور دوسرا بالکل خالی جس میں مذکورہ اشیاء کا نام و نشان تک نہ ہو۔ اب بتایئے! چور کس گھر میں آئے گا اس قیمتی اشیاء سے پُر شدہ میں یا خالی میں؟ یہودی نے کہا کہ چوری ان قیمتی اشیاء کی ہوگی اور وہ پُر شدہ گھر میں جائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہمارے قلوب چونکہ توحید و معرفت و ایمان و یقین اور تقوےٰ و احسان وغیرہا سے پُر ہیں اور تمہارے دل ان فضائل و کمالات سے خالی ہیں اسی لئے ابلیس خالی قلوب میں جا کر کیا کرے گا۔ یہودی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تقریر سن کر اسلام قبول کر لیا۔

سبق: اس سے یہ ثابت ہوا کہ شیطان مردود اولیاء اللہ کو بہکانے کی کوشش تو کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا۔ اسی لئے ان کا محافظ و نگہبان خود اللہ تعالےٰ ہے۔

رَبُّکُمُ تمہارا پروردگار، یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر الَّذِیْ ہے۔ یعنے وہ قادر حکیم ہے جو کہ یُزْجِیْ۔ الازجاء سے ہے بمعنے چلانا مثلاً کہا جاتا ہے: ازجاہ و ازجاء بمعنے ساقہ یعنی اسے چلایا۔ دیسوق بمعنے یجری یعنی وہ

اللہ تعالٰی اپنی قدرتِ کاملہ سے چلاتا ہے۔

لَکُمْ تمہارے منافع کے لئے الْفُلْکَ کشتیوں کو فِی الْبَحْرِ دریا میں۔

ف: القاموس میں ہے کہ البحر ہر وہ دریا جس کا پانی بہت ہو۔

لِتَبْتَغُوْا تاکہ تم طلب کرو۔ مِنْ فَضْلِهٖ اس کے فضل و کرم سے رزق کو۔ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ۔ بے شک وہ ازلاً ابداً تمہارے لئے رَحِیْمًا ○ رحیم ہے۔ اس لئے کہ اس نے تمہارے لئے وہ اشیاء تیار فرمائیں جن کے تم محتاج ہو اور پھر ان کے حصول کے اسباب تمہارے لئے آسان فرمائے حالانکہ وہ اگر آسان نہ فرماتا تو ان کا حصول تمہارے لئے دشوار ہوتا اور الرحمۃ سے یہاں پر دنیوی اور جلد حاصل ہونے والی ہر چھوٹی بڑی نعمت مراد ہے۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ اور جب تمہیں پہنچتی ہے۔ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ دریا میں کوئی تکلیف مثلاً غرق ہو جانے کا خطرہ۔ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ جنہیں تم پکارتے رہے وہ تم سے دُور ہو گئے یعنے تمہارے دلوں سے ان کا خیال و تصور بھی ختم ہو گیا۔ اِلَّآ اِيَّاهُ پھر سوائے اللہ تعالٰی کے تم اور کسی کو نہیں پکارتے یعنے اس وقت صرف تمہیں (اللہ تعالٰی کو) ہی واحد لاشریک جانتے ہو اور سمجھتے ہو کہ اس وقت سوائے اس کے اور کوئی مشکل حل نہیں فرمائے گا۔ اور یہ بھی ہے کہ یہ استثنا منقطع ہو۔ اب معنٰے یہ ہو گا کہ جن کو سمجھتے تھے کہ وہ تمہاری مدد کو پہنچیں گے اور تمہاری فریاد رسی کریں گے جیسے عیسٰے بن مریم اور ملائکہ کرام علیہم السلام وہ سب تم سے دور ہو گئے اب تمہاری مشکل کشائی کرنے والا اللہ تعالٰی ہی ہے جس کے متعلق تم بالآخر ماننے پر مجبور ہو کہ وہی مشکلات کے وقت کام آتا ہے۔ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ پس جب کہ تمہیں اللہ تعالٰی غرق ہونے سے بچا کر اِلَى الْبَرِّ جنگلوں میں پہنچا دیتا ہے اَعْرَضْتُمْ تو تم توحید سے روگردانی کرتے اور بت پرستی میں لگ جاتے ہو پھر تمہیں اللہ تعالٰی کی نعمتیں بھول جاتی ہیں اور تم کفرانِ نعمت کرتے ہو۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ اور انسان بہت بڑا ناشکرا ہے۔

نکتہ: وکنتم کفورا کے بجائے وکان الانسان کفورا لانے میں اشارہ ہے کہ انسان من حیث الانسان کفرانِ نعمت کرتا ہے۔

اَفَاَمِنْتُمْ۔ ہمزہ انکاری اور فاء عاطفہ ہے اس کا عطف فعل محذوف پر ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: انجوتم فامنتم کیا نجات پانے کے بعد بے خوف و خطر ہو گئے ہو؟ یہ کہ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اللہ تعالٰی تم کو جنگلوں کے کناروں میں دھنسا دے اگرچہ تم جنگلوں کو اپنی امن کی جگہ سمجھتے ہو لیکن اللہ تعالٰی قادر ہے کہ تمہیں یہاں بھی عذاب میں مبتلا کر دے جیسے قارون کو جیتے جی زمین میں دھنسا دیا۔

ف: وبکم الخ محلاً منصوب حال ہے اور جانب البر مفعول بہ ہے یعنے اللہ تعالٰی جنگل کی طرف کو الٹا دے۔ درانحالیکہ تم اسی پر ہو اور یہ بھی ہے کہ باسببیہ ہو۔ اب معنے یہ ہو گا کہ جنگل کے کنارے کو تمہارے سبب سے بدل دے کہ تم اسی میں ہو۔ سعدی مفتی نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی جنگل کی اسی طرف کو الٹ دے جس پر تم ہو تاکہ اس کے دھنس جانے سے تم تباہ و برباد

ہو جاؤ۔ یہ اس لئے ہے کہ ان کی وجہ سے جنگل کے کنارے کے لٹنے سے ضروری نہیں کہ وہ تباہ و برباد ہو جائیں۔

کاشفی نے اس کا معنےٰ یوں کیا ہے کہ اے کافرو! کیا تم دریا سے نکل کر زمین پر پہنچنے سے اللہ تعالٰی کے عذاب سے بے خوف و خطر ہو گئے ہو، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ اللہ تعالٰی قادر ہے کہ تمھیں جیتے جی زمین میں دھنسا دے اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔

قاموس میں ہے کہ خسف المکان یخسف خسوفا بمعنے فلاں زمین میں دھنس گیا۔

اور کہا جاتا ہے:

خسف اللہ بفلان الارض یعنے فلاں کو اللہ تعالٰی نے زمین میں دھنسا دیا۔ یہ فعل لازم و متعدی ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔

اور التہذیب میں ہے کہ الخسف بمعنے کسی چیز کو زمین میں دھنسا دینا۔ اسی سے ہے فخسفنا بہ وبدارہ الارض۔

اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ یا بھیج دے تمھارے اوپر حَاصِبًا پتھراؤ یعنے ایسی ہوا چلاتے جو تم پر کنکریاں برسائے۔ جو تمھیں سنگسار کر کے تباہ و برباد کرے اور یہ عذاب دریا میں غرق ہونے سے سخت تر ہے۔ یا اس کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالٰی تمھارے اوپر پتھر برسائے جیسے قوم لوط اور اصحاب فیل پر برسائے گئے۔ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ وَکِیْلًا پھر تم نہ پاؤ اپنے لئے کوئی کارساز جو عذاب الٰہی سے تمھاری حفاظت فرمائے یا تجھ سے یہ عذاب دور فرما دے اس لئے اللہ تعالٰی کا امر غالب ہے اور اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ یا تم بے خوف و خطر ہو کہ تمھیں اللہ تعالٰی دریا میں دوبارہ لوٹا دے اگرچہ تم سمجھتے ہو کہ اب تم دریا سے نکل کر جنگلوں میں صحیح و سالم پہنچ گئے ہو۔ تَارَۃً باری۔ اُخْرٰی دوسری۔ وہ اس طرح اللہ تعالٰی تمھارے لئے ایسے اسباب پیدا کر دے کہ جن سے تم دوبارہ کشتیوں پر سوار ہو کر دریائی سفر کے لئے مجبور ہو جاؤ۔ اس طرح جب تم کشتیوں پر سوار ہو تو وہ تمھیں دریا میں ڈبو دے۔

سوال: لوٹانے کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف کی گئی ہے حالانکہ ان کا لوٹنا اپنے اختیار سے ہوگا اسی لئے اس کا اسناد بندوں کی طرف ہونا زیادہ موزوں تھا؟

جواب: چونکہ ان کے لوٹنے کے اسباب کی تخلیق اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے اسی مناسبت سے اس کا اسناد اللہ تعالٰی کی طرف کیا گیا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ انھیں دریائی سفر سے بہت سخت تکلیفیں پہنچیں اسی لئے اسے اعادہ سے تعبیر کیا گیا کہ اگر قدرتی طور پر لوٹائے نہ جائیں تو وہ از خود دریائی سفر کے نام لینے تک کے بھی روادار نہیں۔

سوال: یہاں پر لفظ الیٰ کو کیوں اختیار کیا گیا ہے حالانکہ عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں پر لفظ فی ہو؟

جواب: تاکہ اشارہ ہو کہ ان کا استقرار طبعی جنگلوں میں ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ تو تمہارے اوپر بھیجی درانحالیکہ تم دریا میں ہو۔ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ زوردار آندھی۔ قاصف ایسی آندھی کہ جہاں سے گزرے وہاں کی ہر شئے کو نہ صرف جڑ سے کاٹ دے بلکہ اسے تہس نہس کر دے۔

سوال: یہاں پر قاصفۃ کہنا چاہیئے تھا اس لئے کہ ریح مونث ہے۔

جواب: چونکہ اس کا بالمقابل مذکر نہیں اور قاعدہ ہے کہ جس صفت کا بالمقابل مذکر نہ ہو اسے مونث کے بجائے مذکر کے صیغہ میں لانا جائز ہے جیسے حائضۃ کے بجائے حائض عام مستعمل ہے۔ (کذا فی الکواشی)

فَيُغْرِقَكُمْ پھر تمہیں غرق کر دے یعنے ایسی آندھی کہ جب تم پر آئے اور تمہیں چورہ چورہ کر کے دریا میں ڈبو دے جیسا کہ ریح، قاصف کا تقاضا ہے۔ بِمَا كَفَرْتُمْ بوجہ تمہارے کفر کے یعنے تمہارے شرک کرنے اور نجات پا جانے کی نعمت کے کفران کی وجہ سے۔ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ پھر تم نہ پاؤ اپنے لئے ہمارے اوپر اس غرق کرنے پر۔ تَبِيعًا ۝ کوئی پیچھا کرنے والا تاکہ تمہارے لئے ہم سے بدلہ لے یا تمہارے سے ہمارا عذاب ٹالے۔

ف: القاموس میں ہے کہ التبیع بروزن الامیر بمعنے التابع اسی سے ہے۔ ثم لا تجدوا لکم علینا بہ تبیعا ثائرا وطالبا۔ حملہ اور طلب کرنے والا۔

تفسیر صوفیانہ

آیات میں مندرجہ ذیل اشارات ہیں:

① شریعت بحر حقیقت میں کشتی کی طرح ہے اس لئے کہ جس کے پاس شریعت کی کشتی نہ ہو گی وہ بحر حقیقت کو عبور نہیں کر سکتا۔ (لیکن ہمارے دور میں جو لوگ حقیقت و معرفت کے مدعی ہیں وہ الٹا شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔[1] اور انسان کا مقصود اعظم جذبہ عنایۃ الٰہی ہے اور یہ انسان کے بس سے باہر ہے اور نہ ہی اس کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ جذبہ عنایۃ الٰہی کو حاصل کر لے بلکہ یہ فضل الٰہی سے ہے جس پر چاہے فرما دے۔ اللہ تعالیٰ جسے اس جذبہ عنایت سے نوازتا ہے اسے علم و عمل کے وافر حصہ سے نوازتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

رہرو راہ طریقت این بود
کاو باحکام شریعت می رود

ترجمہ: سالک راہ طریقت کا یہی صاف راستہ ہے جو احکام شریعت کے مطابق راستہ طے کرتا ہے۔

② کفران نعمت کر کے حق سے اعراض کرنے کا نتیجہ دائمی خسارہ اور نقصان ہے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

جو شخص ہزار برس متوجہ الی اللہ رہے لیکن ایک لحظہ حق سے روگردانی کرے تو اس کی ہزار برس کی حاصل کردہ نعمت ضائع ہو جاتی ہے بلکہ نقصان و خسران مزید براں ۔

زیارت مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم وقت کے شیخ کامل حضرت ابو عبداللہ شیرازی رحمہ اللہ تعالےٰ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور انھوں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اللہ تعالےٰ تک پہنچنے کا راستہ معلوم کر کے چل پڑا لیکن چلتے چلتے واپس لوٹا تو اسے اللہ تعالےٰ ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ عالم دنیا میں اور کسی کو عذاب نہ ملا ہو گا ۔

ے

دریں راہ دائما ثابت قدم باش
بر واز رہزن غم بے الم باش
ز بازار توجہ رو مگردان !
ہمہ سودے کہ خواہی اندریں دان

ترجمہ : اس راہ پر دائمی طور پر ثابت قدم رہ اور رہزن غم سے بے خوف ہو جا ۔ لیکن توجہ کو یہاں سے نہ ہٹانا اس لئے کہ تمام منافع اس میں ہے ۔

(۳) جمع جوانب اللہ تعالےٰ کی قدرت و قہر و سلطنت کے سلئے برابر ہیں اور اس کے سوا کہیں پناہ نہیں اور نہ اس کے سوا اور کوئی کسی کو دکھ درد سے بچا سکتا ہے ۔ اسی لئے سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ ہر جانب سے خوف الٰہی کو دل پر مسلط رکھے کیونکہ ہر آن ہر لحظہ ، جمال و جلال الٰہی کے جلوے موجود ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرات جو اہل مشاہدہ اور حضوری دلی ہیں وہ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالےٰ کے محیط ہونے کے تصور میں رہتے ہیں اور انھیں یقین ہے کہ وہ مستغنی ذات ہے وہ جسے چاہے آنکھ جھپکنے سے پہلے تباہ و برباد کر دے مثلاً نمرود کو ایک چھوٹے سے مچھر سے تباہ و برباد کر دیا اور اس کی قدرت نے مچھر سے شیر کا کام لیا اور یہ تو عام مشاہدہ ہے کہ بہت سے انسانوں کا لقمہ ابھی منہ میں ہوتا ہے کہ اسے نگلنے نہیں پاتے اور موت کا شکار ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ لقمہ جو انسانی زندگی کے زندہ رکھنے کا ایک سبب تھا لیکن وہ موت کا سبب بن گیا اور اس کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ حیات کے اسباب کو موت کے اسباب بنا دے اور غور سے دیکھو تو دنیا میں اللہ تعالےٰ کی شانیں مختلف طور طریق سے ظاہر ہوتی ہیں ۔ ے

ہر کہ خواہد خدا آرد بجنگ
نیست کس را قوت بازوے جنگ

ترجمہ : جسے اللہ تعالےٰ اپنی گرفت میں لاتا ہے پھر کس کو طاقت ہے کہ وہ جنگ کے لئے دست دراز کر سکے ۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اکرام والاکرام کا ایک معنے ہے اسی سے الکرامتہ ہے اب معنے یہ ہوگا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو برگزیدہ بنایا۔

مولانا السعود مفسر رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ تکریم اولاد آدم علیہ السلام کے ہر فرد کو شامل ہے وہ نیک ہو یا بُرا مومن ہو یا کافر وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ ہم نے اسے اشتراک کی علیحدگی کی کرامت سے بنی آدم کو مخصوص فرمایا اور یہ کرامت دو قسم کی ہے :

① جسمانیہ

② روحانیہ

جسمانیہ کرامت عام ہے جو ہر مومن و کافر کو شامل ہے مثلاً انسانی ڈھانچہ کا اپنے دست قدرت سے چالیس روز گارا گوندھنا اور بلاواسطہ ماں کے پیٹ میں اس کا نقشۂ انسانی تیار فرمانا وہ اس لئے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ نے صورت بخشی اور احسن ترین شکل بنائی اور اسے صحیح وسالم اور مکمل و کامل تیار فرمایا کہ چلے تو سیدھا ہو کر اور کسی شئے کو پکڑے تو دونوں ہاتھوں سے اور کھائے تو انگلیوں کی طاقت کو استعمال کرکے اور پھر اسے ڈاڑھی سے مزین فرمایا اور اس کے سر کی زلفیں تیار فرمائیں تو بہترین اسلوب کے ساتھ۔ اور کرامت روحانیہ بھی دو قسم کی ہے :۔

① خاصہ

② عامہ

اس عامہ کرامت میں مؤمن و کافر برابر ہیں وہ اس لئے کہ ان ہر ایک میں مخصوص روح پھونکی اور اسے کل اسمار سکھائے اور تخلیق سے پہلے میثاق میں الست بربکم کہہ کر ہمکلامی کا شرف بخشا اور اسے اپنے خطاب سے نوازا اور اسے اس وقت بولنے کی طاقت عطا فرمائی۔ چنانچہ میثاق میں انسان نے کہا تھا : بلیٰ اسی وقت انسان نے عبودیت کا معاہدہ کیا پھر اسے فطرت انسانی پر پیدا فرمایا اور اس کے لئے رُسل کرام بھیجے اور اپنی کتب اس کے لئے نازل فرمائیں اور اسے حضرت الٰہیہ کی دعوت دی اور اس کے ساتھ بہشت کا وعدہ فرمایا اور اسے جہنم سے ڈرایا۔ اس کے لئے اپنی آیات ، دلالات ، معجزات ظاہر فرمائے۔

کرامت روحانیہ خاصہ صرف انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام اور مخصوص بندوں کو بخشی مثلاً انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کو نبوت و رسالت سے اور اولیاء کرام کو ولایت سے اور ایمان واسلام سے اہل ایمان کو نوازا اور پھر ان جملہ حضرات کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشی اور صراط مستقیم سے صراط اللہ وسیر الی اللہ و فی اللہ و باللہ مراد ہے کہ ان حضرات نے مقامات حقیقت کو عبور فرمایا اور جذبات لاہوتیہ اور متخلق باخلاق الٰہیہ کی برکت سے ناسوتیہ سے عبور کرکے اور انانیت کو مٹا کر بقار ہویت میں پہنچے۔

ف : حضرت امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آیت ہٰذا میں بنی آدم سے صرف اہلِ ایمان مراد ہیں کافر اس میں شامل نہیں، اس لئے کہ کافر کو نص صریح میں ذلیل و خوار کہا گیا۔ کما قال :

و من یھن اللہ فمالہ من مکرم

اس معنے پر کافر کو تکریم کا کوئی حصہ بھی نصیب نہیں ہے۔ اور اہلِ ایمان کی تکریم کا معنےٰ یہ ہے کہ ان کے ظاہر کو اللہ تعالےٰ نے توفیق و مجاہدات سے آراستہ اور ان کے باطن کو تحقیق و مشاہدات سے منور فرمایا ہے۔

ولی اللہ کی شان آسمانوں میں

بحر العلوم میں ہے کہ ہمارے نزدیک بظاہر آیت کا معنے یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو اللہ تعالےٰ نے ایمان اور عمل صالح سے برگزیدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

ان المومن یعرف فی السماء کما یعرف الرجل اھلہ وولدہ و انہ اکرم علی اللہ من ملک مقرب[1]

مومن آسمان میں ایسے مشہور ہے جیسے انسان اپنے گھر میں، گھر والوں میں معروف ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ملک مقرب سے زیادہ برگزیدہ ہے۔

ساری کائنات حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی طفیلی ہے

حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو صرف اسی لئے اعزاز و اکرام سے نوازا کہ ان میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا ؎

(۱) اے شرف دادۂ آدم بتو
روشنیٔ دیدۂ عالم بتو

(۲) کیست دریں خانہ کہ خیل تو نیست
کیست بریں خوان کہ طفیل تو نیست

(۳) از تو صلائے بالست آمدہ
نیست بمہمانی ہست آمدہ

ترجمہ : (۱) آدم علیہ السلام کے خاندان کا شرف آپ سے ہے عالم کائنات کی روشنی آپ سے ہے۔
(۲) وہ کون ہے جو اس دنیا میں آپ کا حلقہ بگوش نہ ہوا ہو۔
(۳) آپ ہی سے اَلست کی آواز آئی جسے بھی وجود نصیب ہوا اسے لازماً آپ کی مہمانی سے حصہ لینا ضروری ہوا۔

---

[1] روح البیان جلد ۵، صفحہ ۱۸۵، جدید

وَحَمَلْنٰهُمْ اور ہم نے انھیں اٹھایا یعنے سوار کیا۔ فِی الْبَرِّ جنگلوں میں یعنے جانوروں کی سواریوں سے نوازا۔ وَالْبَحْرِ اور دریاؤں میں کشتیوں کے ذریعے۔ یہ حملتہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی کسی کے لئے سواری کا انتظام کرے اور مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو ہر ایک پر ایسا احسان فرماتے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ ہم نے اپنے بندوں کو جسمانیۃؐ کے جنگلوں اور روحانیۃ کے دریاؤں سے عبور کر کے انھیں ساحل ربانیہ تک پہنچایا۔

ف: حقائق سلمی میں ہے کہ ہم نے بنی آدم کو معرفت و توحید سے برگزیدہ بنایا اور انھیں نفس کے جنگل اور قلب کے دریا کی سواریاں دیں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بَر سے صفات ظاہرہ اور بحر سے ذات کے پوشیدہ حقائق مُراد ہیں۔

وَرَزَقْنٰهُمْ اور ہم نے انھیں رزق بخشا۔ مِنَ الطَّیِّبٰتِ پاکیزہ چیزوں سے یعنے مختلف اور لذیذ نعمتوں سے جو تمھاری صنعت سے حاصل ہوتی ہیں اور بعض ایسی نعمتیں ہیں جن میں تمھاری صنعت کو کوئی دخل نہیں ہے جیسے گھی، مکھن اور کھجور و شہد، ایسے ہی ان کی طرح دیگر میٹھی چیزیں۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان سے اللہ تعالےٰ کے وہ عطیات مراد ہیں جو حدوث کی آلائش سے پاک ہیں انھیں وہ کھاتا پیتا ہے جو اللہ تعالےٰ کے ہاں گذارتا ہے یہی مشاہدات کے طعام اور مکاشفات کی پینے کی چیزیں ہیں جن سے ملائکہ مقربین کو ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے خسیس ترین بندوں کو معرفت کے برتنوں میں مشاہدات کے طعام کھلائے اور محبت کے پیالوں میں مکاشفات کی شربت پلائی اور یہ مشاہدات و مکاشفات صرف اپنے انہی بندوں سے مخصوص فرماتے اسی وجہ سے ملائکہ مقربین کو ان کے سجدے کا حکم فرمایا۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ملائکہ را چہ سود از حسن طاعت
چوں فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ: حُسن طاعت سے ملائکہ کو کیا فائدہ جب کہ اللہ تعالےٰ نے عشق کا فیض آدم کو عطا فرمایا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخوان
بخواہ جام گلابے بخاک ریز

ترجمہ: فرشتے کو عشق کا کیا پتہ اور اس کے سامنے عشق کا قصہ مت چھیڑ۔ عشق کے پیالے میں گلاب کا پانی ملا کر مٹی پر گرا دے یعنے آدم علیہ السلام کو عشق کی دولت سے نوازا گیا اور ملائکہ اس دولت سے ناآشنا رہے۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں علوم و ادراکات میں فضیلت بخشی مثلاً انہیں قوائے مدرکہ سے مرکب کیا جن کی وجہ سے یہ حق و باطل اور حسن و قبح کے درمیان امتیاز کرتا ہے ۔ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا بہت سی مخلوقات پر سوائے ملائکہ کرام علیہم السلام کے ہم آدم و بنو آدم کو فضیلت بخشی ہے ۔ تَفْضِيْلًا بہت بڑی فضیلت ۔ اس معنے پر بنو آدم پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور کفران نعمت سے دور ہوں اور اپنے قوائے مدرکہ کو عقائد حقہ میں استعمال کریں اور باطل عقائد جیسے کفر و شرک وغیرہ کو اپنے سے دور کریں اور ایسے گندے عقائد کہ ادنیٰ عقل کو تمیز عطا ہوتی ہے ۔

مسئلہ بنو آدم کی فضیلت ماسویٰ ملأ الاعلیٰ کے لئے ہے اس لئے کہ وہ عقول محضہ ہیں اور انہیں جنس ملائکہ سے اس لئے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ ان کے علوم دائمی اور وہ خطا و خلل سے خالی ہیں ۔

مسئلہ: اس سے وہ افضلیت ثابت نہیں ہوتی جو متنازع فیہ ہے اس لئے کہ یہاں مطلقاً وہ فضیلت مراد ہے جو جمیع افراد بشر میں مشترک ہے جس میں ہر نیک اور ہر بُرا شامل ہے ۔ اور یہی فضیلت عظم درجہ و زیادہ قربت عند اللہ کا موجب نہیں ہوتی ۔ (کذا فی الارشاد)

مسئلہ بحر العلوم میں ہے کہ آیت سے معلوم ہوا کہ بنی آدم کو بہت سی مخلوق پر افضل بنایا گیا لیکن بہت تھوڑے ہیں جن کو ان سے افضل بنایا گیا ہو ان میں ان کے ماں باپ یعنے آدم و حوا علی نبینا علیہما السلام اس لئے کہ انہیں بحیثیت اصالۃ کے تمام اولاد پر فضیلت ہے ۔

تردید معتزلہ معتزلہ کا خیال ہے نیز اسی طرح کلبی اور ابو بکر باقلانی کا گمان ہے کہ علی الاطلاق ملائکہ، آدم اور بنو آدم سے افضل ہیں حالانکہ ان کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ یہ عقیدہ سجود ملائکہ کے منافی ہے کیونکہ جب آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے سجدہ کیا تو لازماً آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل ٹھہرتے ہیں کیونکہ ادنیٰ اعلیٰ کو سجدہ کرتا ہے نہ کہ اعلیٰ ادنیٰ کو ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا ہے:

وعلم آدم الاسماء کلها

ان دونوں دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل ہیں کیونکہ ملائکہ کو سجدہ کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ سجدہ گذاروں سے مسجود افضل ہے اور پھر آدم علیہ السلام کا علمی حیثیت سے ان کے مسجود ہونے کا استحقاق ظاہر فرمایا۔

اس دعوے کی تیسری دلیل یہ آیت ہے:

ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ۔

العالمین میں ملائکہ بھی شامل ہے ۔ اس سے ان کے غلط عقیدہ کی واضح تردید ہے جب کہ انھوں نے کہہ دیا کہ ملائکہ علی الاطلاق بشر سے افضل ہیں ۔ چوتھی دلیل بھی ہمارے دعویٰ کو ثابت کرتی ہے وہ یہ کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت بخشی ہے ۔

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی پر فرشتے کو سزا

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں شبِ معراج ساتویں آسمان پر پہنچا تو مجھے ایک (نوری) فرشتہ ملا جو نور کے تخت پر رونق افروز تھا میں نے اسے السلام علیکم کہا تو اس نے مجھے سلام کا جواب دیا (لیکن تعظیم وتکریم کے لئے نہ اٹھا) اللہ تعالےٰ نے اس کے ہاں پیغام بھیجا کہ میرے محبوب نبی اور پیارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو السلام علیکم کہا اور تُو نے ان کی تعظیم وتکریم نہیں کی اور نہ ہی تو نے ان کا استقبال کیا۔ اس لئے تجھے سزا دی جاتی ہے کہ تو قیامت تک کھڑا رہ اور تجھے تا قیامت بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

(اس سے وہابیہ، دیوبندیہ، نجدیہ اپنے نظریہ پر نظرِ ثانی کریں جب کہ وہ بزرگانِ دین کے لئے اٹھنے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں تو قیامِ تعظیمی کے ترک پر نوری فرشتے کو سخت سزا میں مبتلا کیا گیا ہے۔[1])

مسئلہ:۔ الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔

مسئلہ: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس فضیلت کے متعلق علماء کرام کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔ جمہور اہلِ سنت کا مذہب ہے کہ رسل البشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ اولیائے بنی آدم سے افضل ہیں۔[2]

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وفضلناھم علٰی کثیر ممن خلق تفضیلا۔ میں ممن خلق سے ملائکہ کرام مراد ہیں اسی لئے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی دوسری مخلوق سے زیادہ ہیں اور انسانِ کامل ملائکہ سے افضل ہے اس لئے کہ وہ احسن تقویم کا مالک ہے اور احسن تقویم سے بلاواسطہ نورِ الٰہی کے فیض کو قبول کرنے کی حُسنِ استعداد مراد ہے اور یہ دولت صرف اور صرف انسان کو نصیب ہوئی ہے۔ کما قال تعالےٰ :۔

انا عرضنا الامانۃ ـــــ الی قولہ :۔

وحملھا الانسان اور امانۃ سے نورِ الٰہی مراد ہے۔ کما صرحہ تعالےٰ :۔

اللہ نور السمٰوات والارض۔

الی ان قال :

نور علٰی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء۔

---

[1] :۔ اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ

[2] :۔ ہمارے دور ۷۲، ۷۳، ۱۳۷۴ھ میں ایک اور اختلاف رونما ہوا وہ یہ کہ جو رسل ملائکہ کو اولیائے بنی آدم مثلاً صدیق اکبر وعمر رضی اللہ عنہما وغیرہما سے افضل نہ مانے تو وہ کافر ہے یا نہیں؟ جمہور اہلسنت نے کہا کہ اس عقیدہ کا منکر کافر ہے اور بعض بزرگوں نے لکھا کہ ایسے عقیدے کا منکر کافر نہیں۔ اس موضوع پر طرفین نے متعدد رسائل لکھے گئے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ (اویسی)

اسے اچھی طرح سمجھ لے اور میری تقریر کو کبریت احمر سے عزیز تر سمجھو بلکہ یہ عنقا سے بھی نایاب ہے ۔
ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ آیت انسان کی فضیلت اور اس کی جامعیت پر دلالت کرتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ بہ نسبت دوسری مخلوق کے انسان کا آئینہ ازبرائے انعکاسی صفات الٰہی ہمہ اوست میں صاف تر ہے ۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اشعار سے اس حقیقت کو سمجھئے ؎

آمد آئینہ جملہ کون ولی
ہیچ آئینہ نکردہ جلی
بہ نمودند بوجہ کمال
صورت ذوالجلال والافضال
زانکہ بود این تفرق عددے
مانع از سر جامع واحدی
گشت آدم جلائے این مرآت
شد عیاں ذات او بجملہ صفات
مظہرے گشت کلی وجامع
سر ذات از صفات از لامع
شد تفاصیل کون را مجمل
بر مثال تعین اول
بوئے این دائرہ مکمل شد
آخر این نقطہ عین اول شد

ترجمہ : تمام کائنات کا آئینہ ولی اللہ ہے اور اس جیسا آئینہ اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہی نہیں ۔ اسی میں بدرجۂ کمال ہر شئے کو ظاہر فرمایا بلکہ ذوالجلال و الافضال کی صورت بھی اس سے نظر آتی ہے صرف بات اتنی ہے کہ تفرق عددی سر جامع واحدی سے مانع ہے آدم ہی اس کا جلا اور روشنی بنا ہے کہ اسی سے ہی ذات وجملہ صفات ظاہر ہوئیں ۔ آدم کلی طور پر اور جامع طریق سے مظہر بنا ہے ۔ اسی سے تو ذات وصفات کے اسرار چمکے ہیں ۔ یوں کہئے کہ یہی تفاصیل کل کا اجمال ہے اور تعین اول یہی ہے اسی سے ہی دائرہ ذات وصفات مکمل ہوا ہے بعینہٖ اول و آخر کا نقطہ یہی ہے ۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ
جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے تو جو اپنا نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا یہ لوگ اپنا نامہ
يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ
پڑھیں گے اور تاگے بھر ان کا حق نہ دبایا جائے گا اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ
فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي
آخرت میں اندھا ہے اور اور بھی زیادہ گمراہ اور وہ تو قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری وحی سے جو
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَنْ
ہم نے تم کو بھیجی کہ تم ہماری طرف کچھ اور نسبت کردو اور ایسا ہوتا تو وہ تم کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے اور اگر ہم تمہیں
ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَ
ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دوچند موت کا
ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ
مزہ دیتے پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پاتے اور بے شک قریب تھا کہ وہ تمہیں اس
مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾
زمین سے ڈگا دیں کہ تمہیں اس سے باہر کر دیں اور ایسا ہوتا تو وہ تمہارے پیچھے نہ ٹھہرتے مگر تھوڑا

تفسیر عالمانہ يَوْمَ نَدْعُوا۔ اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب اور مفعول بہ ہے۔ كُلَّ أُنَاسٍ اس دن کو یاد کرو کہ تمام گروہ از بنی آدم اناس، الناس کی جمع ہے۔ (کذا فی القاموس)

بِإِمَامِهِمْ اپنے اس مقتدا کے ساتھ ہو گا جس کی اس نے اقتدار کی ہو گی۔ یہاں پر امام سے ہر امت کا نبی مراد ہے مثلاً کہا جائے گا یا امت موسٰے و یا امت عیسٰے وغیرہ یا مقتدار دینی مراد ہے مثلاً کہا جائے گا یا حنفی یا شافعی وغیرہ یا اس سے کتاب آسمانی مراد ہے مثلاً کہا جائے گا، یا اھل القرآن، یا اھل الانجیل یا اس سے دین مراد ہے مثلاً کہا جائیگا یا مسلم، یا یہودی، یا نصرانی اور یا مجوسی وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں ہر شخص اس گروہ سے اٹھایا جائے گا جس کی اس نے اتباع کی ہو گی مثلاً، دنیا میں جو لوگ دنیا اور اس کے شہوات اور اس کی زینت میں مشغول رہیں گے انھیں کہا جائے گا، یا اھل الدنیا۔ اور جو لوگ آخرت اور اس کی نعمتوں اور اس کے درجات کے لئے

کوشاں رہیں گے۔ انھیں پکارا جائے گا، یا اھل الاخرۃ۔ اور جو لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کی اتباع اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کے لئے کی ہوگی تو انھیں پکارا جائے گا: یا اھل اللہ۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر امام، ام کی جمع ہے جیسے خفّ کی جمع خفاف بروزن فعال آتا ہے اور قیامت میں ماں سے منسوب ہوکر پکارے جائیں گے۔ اس سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا اجلال و اکرام مطلوب ہے کیونکہ ان کی نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو ماں کی طرف منسوب کرنے میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا اجلال و اکرام مقصود ہے کیونکہ ان کے ماسوا باقی تمام لوگوں کو آبار کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ قیامت میں اولاد الزنی کی پردہ پوشی ہو، اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے بی بی عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یدعو الناس یوم القیامۃ بامھاتھم ستراً منہ علی عبادہٖ۔ — بے شک اللہ تعالےٰ قیامت میں لوگوں کو ماں سے منسوب کرکے بلائے گا تاکہ اپنے بندوں کے عیوب کی ستاری ہو۔

(کذافی بحر العلوم)

دوسری حدیث شریف جو تلقین کے متعلق وارد ہے، سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضور سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی مسلم بھائی فوت ہو تو اس پر مٹی ڈالنے کے بعد یعنے قبر کو مکمل کرنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے بیٹھ کر کہے:

"یا فلان بن فلانۃ"

قبر میں میّت اس کی آواز کو سنتی ہے[1] لیکن اسے جواب نہیں دیتی۔

اس کے بعد کہے:

"یا فلان بن فلانۃ"

وہ شخص یہ آواز سن کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد تیسری بار کہے:

"یا فلان بن فلانۃ"

یہ سن کر میّت کہتی ہے کہ اے بھائی! اللہ تعالےٰ تمھیں راہ ہدایت بخشے اور تم پر اللہ تعالےٰ رحم فرمائے۔ میّت کے اس جواب کو تم نہیں سمجھتے اس کے بعد کہے، اے قبر والے بھائی! تم کلمہ "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ" کو یاد کرو جسے تم دنیا میں پڑھا کرتے تھے اور یاد کرو تم اللہ تعالےٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے، قرآن کے کتاب ہونے اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر راضی تھے۔ اب تمھارے ہاں منکر نکیر

---

[1] اس سے وہابیوں نجدیوں کا رد ہے جو کہ وہ سماع موتیٰ کے منکر ہیں ۱۲۔ (اویسی)

آئیں گے وہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں اٹھو چلئے اب یہاں کیسے بیٹھیں جب کہ اسے باہر سے ہمارے سوال کے جواب سکھائے جارہے ہیں یہی تلقین منکر نکیر کے سوالات سے حائل ہوجاتی ہے لے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلے اللہ علیہ وسلم) جس میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ماں کے نام پر اماں حوا کا نام لینا چاہیے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی رحمہ اللہ تعالےٰ) اور اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ صحیح لکھا ہے۔ (و کذا فی التذکرہ للامام القرطبی)

مسئلہ: اس حدیث شریف سے دو مسئلے ثابت ہوئے:

(۱) تلقین کھڑے ہو کر کرنا مستحب ہے۔

(۲) انسان کو مرنے کے بعد باپ کی بجائے ماں سے منسوب کرکے پکارا جاتا ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ اپنے نام اچھے رکھا کرو اس لئے کہ قیامت میں تمھارے اور تمھارے آباء کے اسماء سے تمھیں پکارا جائے گا۔ یہ حدیث تمھارے مذکورہ بالا بیان کے خلاف ہے؟

جواب: دراصل اس حدیث شریف میں صرف اچھے نام رکھنے کی ترغیب ہے اور ترغیبات میں ایسے بیانات واقع ہوتے ہیں۔ اسی لئے اسے بیان سابق کے منافی نہیں کہا جا سکتا۔ اور زمانۂ جاہلیت میں بہت بڑے گندے اور قبیح نام رکھے جاتے مثلاً کسی کا نام المضطجع اور کسی کا نام اصرم اور کسی کا نام عاصیہ ہوتا وغیرہ! درحضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایسے اسماء قبیحہ کو اچھے نام سے تبدیل فرما دیتے تھے مثلاً، اصرم جو کہ صَرمٌ سے مشتق ہے بمعنے القطع کو زرعۃ سے تبدیل کیا اور زرعۃ بالضم والسکون کھیتی کے ایک حصہ کو کہا جاتا ہے گویا الصرم کو سمجھایا کہ تو مقطوع نہیں بلکہ منبت اور متصل بالاصل ہے۔ اور المضطجع کو المنبت سے اور عاصیہ کو جمیلہ سے تبدیل فرمایا۔

فَمَنْ اُوْتِیَ ان پکارے ہوتے لوگوں میں سے جسے دیا جائے کِتٰبَهٗ اس کا اعمال نامہ۔ بِیَمِیْنِهٖ دائیں ہاتھ میں اس سے سعادت مند لوگ مراد ہیں اور دائیں ہاتھ سے اس کی جانب مراد ہے کہ اس طرح اس کی شرافت اور اسے بشارت دینا مطلوب ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ یہ جمع لفظ مَنْ کی وجہ سے ہے وہ معنی جمع ہے۔ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ پس وہ لوگ اعمالنامے پڑھیں گے۔ اس سے ان کی قرأۃ ظاہرہ مراد ہے اس لئے کہ وہ اپنے اعمال نامے پڑھ کر خوش ہوں گے، اور اپنی نیکیوں سے منافع حاصل کریں گے۔

سوال: اشقیاء کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی تو اپنے اعمال نامے پڑھیں گے؟

جواب: وہ پڑھ کر بولیں گے نہیں، بوجہ خوف و حیاء اور ان کے لئے نیکیاں بھی نہیں ہوں گی جن سے وہ منافع حاصل کریں اسی بنا پر ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

لے: ہم اہلسنت اس تلقین کو "اذان قبر" سے موسوم کرتے ہیں ۱۲۔ (اویسی)

وَلَا يُظْلَمُوْنَ اور ان کے اعمال نامے پر لکھے ہوئے اعمال صالحہ کی جزا گھٹائی نہیں جائے گی بلکہ ان میں اضافہ کیا جائے گا۔ فَتِيْلًا ۝ فتیل کی مقدار میں الفتیل ہر وہ جو دو انگلیوں کے درمیان میل کچیل جیسی شے مُراد ہے اور وہ چھلکا مُراد ہے جو کھجور کی گٹھلی کے درمیان واقع ہوتا ہے یا اس سے مطلق معمولی شے مراد ہے۔ کیونکہ اہلِ عرب قلت وحقارت کے وقت لفظ فتیل بولتے ہیں۔

وَمَنْ كَانَ اور ان بلائے ہوئے لوگوں میں سے جو ہوگا۔ فِیْ هٰذِهٖۤ اسی دنیا میں اَعْمٰى اس سے قلب کا اندھا مراد ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اس کا دل راہ صواب نہیں دیکھتا تھا۔ فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى پس وہ آخرت میں اندھا ہوگا یعنے اسے راہ نجات نصیب نہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ جسے راہ ہدایت نصیب نہ ہوگی اسے نجات کب نصیب ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ کافر کو قیامت میں بہشت کا راستہ نہ ملے گا اور نہ ہی عاصی کو مطیع کا مرتبہ ملے گا بلکہ وہ ایسے مقامات پر پہنچنے سے قاصر ہے۔ وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ اور وہ دنیوی نابینا کی بہ نسبت راہ نہ پانے سے بھی زیادہ گمراہ ہوگا اس لئے کہ اس کی استعداد زائل ہو جائے گی اور اسباب وآلات بھی مفقود ہو جائیں گے اور نہ ہی اس کو انکے حصول کی مہلت نصیب ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فمن اوتی کتابہ سے اہل سعادت مراد ہیں جنھیں قرآن مجید نے اصحاب الیمین سے موسوم کیا ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ السابقین یعنے اہلِ اللہ کو کتاب عمل نامے کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ ہی ان سے حساب لیا جائے گا۔ فاولئك يقرءون كتابهم پس وہ لوگ اپنی کتاب پڑھیں گے اس لئے کہ یہی اصحابِ بصیرت وارباب قرآت و درایت ہیں۔ ولا يظلمون فتيلا۔ اور ان لوگوں پر اعمال صالحہ کی جزا دینے پر بال برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اصحاب الشمال ہی شقاوت والے ہیں اور یہ اعمال نامہ کی کتاب نہیں پڑھیں گے کیونکہ یہی اصحاب العمی والجہالۃ ہیں۔

ومن كان فی هذه اعمى اور جو شخص دنیا میں اس قرآت و درایت بالبصیرت سے اندھا رہا اس لئے کہ اللہ تعالے نے فرمایا:

فانها لا تعمى الابصار۔

فهو فی الاخرة اعمى تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اس لئے کہ اس دن راز کھل جائے گا اور اس وقت تمام پوشیدہ باتیں سامنے آجائیں گی۔ آج دنیا میں جس کا دل اللہ تعالے کی معرفت سے اندھا ہوگا وہ قیامت میں بھی رویتِ حق سے محروم رہے گا اور اس دنیا میں ظاہری آنکھیں ختم ہو جائیں تو ان کی صحت وتندرستی ممکن ہے لیکن قیامت میں پہنچنے کے بعد ایسے تدارک ہاتھ سے نکل جائیں گے اسی لئے جو یہاں باطنی آنکھوں سے نابینا رہا تو مرنے کے بعد بھی محروم رہے گا۔

واضل سبیلا - اور وہی بہت زیادہ گمراہ ہے یعنے وہ واصل باللہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کی استعداد ختم ہو چکی ہوگی اسی لئے اس کی استعداد کے فساد کا تدارک نہیں ہو سکے گا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کیا ظاہری موت کے بعد کسی کو ترقی فی المعرفۃ اور سلوک کی بیداری نصیب ہو سکتی ہے۔

سالک صادق فی طلبہ جب اپنے مقام طبیعت اور نفس سے سفر کرتا ہوا موت کا شکار ہوا یعنے اختیاری موت کے مرتبہ تک پہنچنے سے پہلے ہی موت اضطراری مرا تو اسے واصلین میں شامل کر لیا جائے گا چنانچہ آیتِ ذیل میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

ومن یخرج من بیتہ مہاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ۔

ف: اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو سالک تکمیل سے پہلے مر گیا تو اسے موت کے بعد بھی منزل مقصود تک پہنچایا جاتا ہے چنانچہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ جو شخص کعبۃ اللہ کو جاتے ہوئے مر جاتے تو اس کے لئے دو حجوں کا ثواب ملتا ہے۔ اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے کی قدرت میں ہے کہ وہ جو چاہے کرے اسی معنے پر اگر وہ چاہے کہ تو عالم برزخ میں بھی کسی غیر مکمل سالک کو کسی کامل کی روح سے تکمیل کرا دے یا براہ راست بلاواسطہ کے اس کی تکمیل فرمائی تاکہ اس کا نقصان موہوم کمال معلوم سے بدل جاتے۔

قبر میں قرآن کی تعلیم شرع میں ثابت ہے کہ اللہ تعالٰے اپنے بعض بندوں کی ادھوری تعلیم قرآن کی تکمیل کے لئے اس کی قبر میں ایک فرشتہ بھیجتا ہے تاکہ اسے قرآن مجید پڑھا کر اس کی تعلیم کی تکمیل فرمائے۔ یہ بعض اُن بندوں کے متعلق ہے جو تحصیل علوم عربیہ کے دوران فوت ہو جائیں۔ اس سے بھی ہمارے دعوئے مذکورہ کی تائید ہوتی ہے۔

ف: مرنے کے بعد غیر سالک کو کسی قسم کی ترقی الی المعرفۃ الحق نصیب نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ قاعدہ شریعت میں مسلم ہے اور اس کی عقلاً وکشفاً بھی تائید ہوتی ہے کہ جسے اس عالم دنیا میں کسی قسم کا کمال نہیں ملا اور نہ ہی وہ اس کے حصول کے درپے تھا تو اسے مرنے کے بعد کسی قسم کی ترقی نصیب نہیں ہوتی۔ (کذا فی الفلوک)

نیز اسی میں ہے کہ اس کی واضح دلیل یہ آیت ہے:

ومن کان فی ہذہ اعمٰی فہو فی الاخرۃ اعمٰی

یاد رہے کہ اس کا حکم عام نہیں بلکہ یہ صرف اس بدبخت کے لئے ہے جس نے دنیا میں معرفتِ الٰہی سے منہ موڑا۔ ورنہ قیامت میں عوام سے حجابات دُور کئے جائیں گے۔ جن کی وجہ سے دار آخرت میں سب کچھ دیکھے گا یہاں تک کہ دار آخرت کی نعمتیں اور جہنم کا عذاب اور ان کے جملہ حالات آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا اگرچہ دنیا میں عوام کو یہ امور حاصل نہیں تھے لیکن آخرت میں

کو دیکھیں گی ۔

⑨ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی اور دل بیدار ہوتا ہے ۔

⑩ تیرا دل بیدار ہے تو اسے یوں سمجھئے کہ شہنشاہ جاگ رہا ہے لیکن پہرے دار نیند میں ہے اور میری جان ان لوگوں پر قربان جن کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ

شانِ نزول : اس آیت کے شانِ نزول میں اختلاف ہے ۔ صحیح ترین وہ ہے جو تفسیر الکواشی میں ہے وہ یہ کہ مشرکین نے حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ انھیں آیت رحمت کی بجائے آیت عذاب اور آیت عذاب کے بجائے آیت رحمت دیں اور حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت ان کے بتوں کو بھی (تعظیماً) ہاتھ لگا دیا کریں اور اپنے سے ضعفاء و مساکین (غرباء) کو ہٹا دیں وغیرہ وغیرہ، اس سے آپ کو انھوں نے اپنے مسلمان ہونے پر پُر امید کیا ۔ آپ کے متعلق بعض کو گمان ہوا کہ آپ ان کی اِن شرائط سے کچھ مائل ہیں کہ ان کے مطالبہ کو پورا کرنا چاہیئے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

ترکیب : یہ اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور ضمیر شان محذوف ہے اور وہی ضمیر اسی اِنْ کا اسم ہے اور لام تاکید کی ہے اس فرق کے لئے لائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اِنْ نافیہ نہیں بلکہ تاکیدیہ ہے ۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ وہ ڈگمگا کر تمھیں فتنہ میں ڈالنا چاہتے اور تمھارے ساتھ دھوکہ کرنا چاہتے ہیں ۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ وہ تمھیں پھیرنا چاہتے تھے ۔

عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اس سے جو ہم نے تمھاری طرف وحی کی یعنے امر و نہی اور وعدہ وعید سے ۔ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا تاکہ تم ہمارے اوپر بہتان تراشی کرو وغیرہ ۔ غَیْرَهٗ اس کے غیر معنے کا جو ہم نے تم پر اتارا یعنے امر و نہی وغیرہا کے ۔ وَاِذًا اور اگر تم ان کی اتباع کر دیا ان کے مطالبہ کو مانو تو " اس وقت ، لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا ۝ تو تمھیں دوست بنالیں گے یعنے وہ تمھارے دوست بن جائیں گے اور تم ان کے لیکن تم میری دوستی سے دور ہو جاؤ گے ۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ اور اگر ہم تمھارے دل کو ثابت یعنے مضبوط نہ کرتے ۔ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۝ الرکون بمعنے معمولی طور پر کسی طرف جھکنا اور قلیلا کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے یعنے قریب ہے کہ آپ ان کی مراد کے مطابق تھوڑے سے جھک جاؤ کیونکہ ان کا دھوکہ بہت زیادہ سخت اور ان کا حیلہ، مکر اور فریب بہت زیادہ تیز ہے، لیکن چونکہ ہماری عصمت نے آپ کی مدد فرمائی اسی نے آپ کو ان کے مطالبہ کی طرف جھکنا تو درکنار آپ کو اس کے قریب بھی بھٹکنے نہ دیا ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے مطالبہ کو پورا کرنے کا ارادہ بھی نہ فرمایا اگرچہ انھوں نے

اس پر بہت بڑا زور لگایا اور یہ اپنی طرف جھکانے کا سخت ترین حملہ تھا۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ عصمت توفیق الٰہی اور عنایت حق پر موقوف ہے۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اسے 'قلیل' سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ اصل خلقت کے لحاظ سے آپ کی روحانیت آپ کی بشریت پر غالب تھی اس لئے کہ آپ کی روحانیت کے آگے کوئی ایسی شے نہیں ہوتی جو آپ کو ذاتِ حق کے مشاہدہ سے حاجب ہو۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اگر منجانب اللہ تثبیت اور قوتِ نبوت اور نورِ ہدایت اور نظر عنایت حق کا اثر نہ ہوتا تو آپ اہلِ ہوٰی کی خواہش کے مطابق اپنی انسانیت کے منافع حاصل کرنے کے لئے بھولے سے جھک جاتے لیکن آپ بچ گئے اس لئے کہ آپ کی روحانیت کا نور آپ کی بشریت کے نور پر غالب ہے۔

اِذًا اگر آپ تھوڑے سے بھی ان کے مطالبہ کی طرف جھکتے تو، لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ہم آپ کو ضعفِ حیات وضعفِ ممات یعنے دنیا وآخرت کا عذاب چکھاتے۔ ضعف کا یہ معنٰے بھی ہے کہ دارین میں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے کہ اس جیسا عذاب اور کسی کو نہ ہو۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ بڑوں کی خطا بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہے اور یہ عبارت دراصل یوں تھی:

"عذابا ضعفا فی الحیٰوۃ وعذابا ضعفا فی الممات" یعنے مضاعفاً اس کے بعد موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ضعف صفت کو اپنے موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اگر آپ ان کی طرف جھک گئے تو دنیا اور آخرت کے کسی درد میں ہم آپ کو مبتلا کریں گے۔

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ پھر اپنے لئے کوئی حامی ومددگار نہیں پاؤ گے جو تمہیں ہمارے عذاب سے بچا سکے۔

ف: امام ثعلبی نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور علیہ السلام نے یہ دعا مانگی:

اللھم لا تکلنی الی نفسی ولو طرفۃ عین۔ اے اللہ تعالٰی! ہمیں لمحہ بھر نفس کے سپرد نہ کرنا۔

الٰہی برہ خود دار ما را

دمی با نفس ما مگذار ما را

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنے راستہ پر ثابت قدم رکھ، لمحہ بھر بھی ہمیں نفس کے سپرد نہ فرما۔

وَاِنْ كَادُوْا اہلِ مکہ کی شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ وہ آپ کو لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ۔ یہ استفزہ بمعنے ازعجہ سے ہے یعنے وہ مکر وفریب سے آپ کو بہت جلد نکال دیتے بعض نے اس کا ڈگمگا دینا معنٰے کیا ہے یعنے آپ کو وہ ڈگمگا دیتے۔ مِنَ الْاَرْضِ اس زمین سے جس میں آپ سکونت پذیر ہیں یعنے مکہ پاک کی دھرتی سے۔ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾
دستور ان کا جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور تم ہمارا قانون بدلتا نہ پاؤ گے

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ
نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک اور صبح کا قرآن بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے

كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ
ہیں اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے قریب ہی کہ تمہیں تمہارا

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ
رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں اور یوں عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ
سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے اور فرماؤ کہ حق آیا

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ
اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں

شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى
کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے اور جب ہم آدمی پر احسان

الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ
کرتے ہیں منہ پھیر لیتا ہے اور اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے اور جب اسے برائی پہنچے تو ناامید ہو جاتا ہے تم فرماؤ

يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾
سب اپنے کینڈے پر کام کرتے ہیں تو تمہارا رب خوب جانتا ہے کون زیادہ راہ پر ہے

۲۲۵
(بقیہ صفحہ گذشتہ)

تاکہ وہ تمہیں نکال دیں۔

سوال: یہ مضمون تحقیق کے خلاف ہے جب کہ سب کو یقین ہے کہ حضور علیہ السلام مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تھے اس کا سبب کفارِ مکہ کا اخراج تھا چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وکاین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتك التی اخرجتك — اور بہت سے علاقے زیادہ قوت والے ہوتے ہیں بہ نسبت اس علاقہ کے کہ جس سے آپ کو نکالا ان بستی والوں نے

اور حدیث شریف ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کے لئے نکلے تو فرمایا کہ اے مکہ! بخدا میں تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ تو اللہ تعالے کے ہاں محبوب ترین شہر ہے لیکن میں کیا کروں کہ اگر مجھے تیری

قوم نکلنے پر مجبور نہ کرتی تو میں تجھے چھوڑ کر ہرگز ہرگز باہر نہ جاتا۔
جواب اس آیت کے نزول کے بعد فوراً حضور علیہ السلام نے ہجرت نہیں کی اور نہ ہی کوئی آپ کا نزول آیت کے فوراً بعد ہجرت کا قائل ہے بلکہ سب کو معلوم ہے کہ نزول آیت ہٰذا کے عرصہ بعد آپ نے ہجرت فرمائی جب کہ اللہ تعالےٰ کا حکم ہوا اور وہ بھی اسس وقت جب کہ کفار مکہ نے آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔
چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ اہل مکہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکالنے کے لئے باہم مشورہ کیا کہ کسی طرح انھیں مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ ہجرت سے قبل کفار مکہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر ظلم وستم کی حد کر دی۔ اسی لئے آپ ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے تو یہی آیت اتری تو لَا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ وہ بھی آپ کے بعد نہیں ٹھہریں گے یعنے آپ کو نکالنے کے بعد وہ بھی ہمیشہ مکہ معظمہ میں نہیں رہیں گے۔ اِلَّا قَلِیْلًا ○ مگر تھوڑی مدت۔
چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد غزوۂ بدر میں یہ لوگ تباہ وبرباد ہوئے۔

۱۲۶
(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا۔ السنة بمعنے العادة اور اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے دراصل عبارت یوں تھی؛ سن اللہ سنۃ الخ۔ اور اللہ تعالےٰ کی عادتِ کریمہ یہی رہی ہے کہ جس امت کے ہاں رسول بھیجا اور اس امت نے نافرمانی کی تو اسے تباہ وبرباد کر دیا۔
سوال؛ تم نے اللہ تعالےٰ کی عادت کہا اور آیت میں سنۃ کی اضافت رسل کرام علیہم السلام کی طرف ہے؟
جواب؛ یہ اضافت مجازی ہے وہ اسی لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی خاطر ہی اللہ تعالےٰ نے وہی عادت کریمہ اختیار کر رکھی تھی چنانچہ ہمارے ترجمہ کا قرینہ اگلا مضمون ہے کہ؛
وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا اور نہیں پاؤ گے ہمارے اسی طریقہ میں کہ جو امت رسول اللہ صلے علیہ وسلم کی نافرمانی کرتی ہے ہم اسے تباہ وبرباد کرتے ہیں)۔ تَحْوِیْلًا ○ کوئی تبدل وتغیر۔
آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی حکمت بالغہ اسی میں ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو دشمنوں کی تکالیف ومشقات میں مبتلا کر کے آزمائے تاکہ اس طرح سے ان کی تعلیم وتربیت میں اضافہ ہو اسی طرح سے ان کے جواہر روحانیہ ربانیہ کا اوصاف نفسانیہ کا تصفیہ وتزکیہ ہوتا ہے اور یہ طریقہ کار دوبارہ انبیاء علیہم السلام ہرگز تبدیل نہ ہوا۔ اس لئے کہ یہ طریقہ کار مبنی پر حکمت ومصلحت و ارادۂ قدیمہ ہے اور جس طریقہ کار میں حکمت ومصلحت وارادۂ قدیمہ ہو اس میں تبدل وتغیر ناممکن ہے۔
نسخہ روحانی بزرگان دین نے فرمایا کہ لوگوں کی بھلائی سے دُور بھاگنے میں خیر وبرکت ہے اور اسی میں انسان کو جدوجہد کرنی چاہئے بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کے شر سے بھاگے اس لئے کہ لوگوں کی بھلائی قلب اور روح کو

نقصان پہنچاتی ہے اور ان کا شر بدن کو دکھ دیتا ہے اور انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ بدن کا دکھ درد سر پر رکھ لے لیکن قلب و روح تک تکلیف اور برائی نہ پہنچنے دے۔

وہ دشمن جو تجھے اپنے مولیٰ سے ملائے اس دوست سے بہتر ہے جو تجھے مولیٰ سے دور کرے۔

ہر آزمائش اللہ تعالےٰ کا چابک ہے جس سے بندے کو حقیقت توحید کی طرف لے جاتا اور اسباب علاقات دارین سے منقطع کرتا ہے بظاہر تو درد ہے لیکن درحقیقت یہ بہت بڑی اور عجیب و غریب اور لذیذ نعمت ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ ہر چہ ساقی ما کرد عین الطافست

ترجمہ: اللہ تعالےٰ کی کسی تقدیر کے سامنے تجھے انکار نہ کرنا چاہئے بلکہ یوں سمجھ کہ مالک جو کرتا ہے عین لطف و کرم ہے۔

ازالہ وہم اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا اس سے لازم نہیں آتا کہ (معاذ اللہ) آپ میں کوئی خامی ہوگی بلکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا لازمی ہے کہ آپ سے نہ کبھی ظاہرًا کوئی خامی ہوئی اور نہ باطنًا بلکہ آپ کا ہر قول و فعل اللہ تعالےٰ کی نگرانی سے ہوتا تھا۔ اسی لئے آپ پر اگرچہ مخالفین کے کئی طرح کے حربے ہوتے لیکن آپ سے معمولی طور پر بھی لغزش نہ ہوتی۔ اس طرح اللہ تعالےٰ کے مضامین میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ آپ کو ہر طرح تحفظ اور جملہ امور میں احتیاط کے حکم سے امت کو تنبیہ ہوگی کہ جب اللہ تعالےٰ اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو ان امور کے متعلق تحفظ کا حکم فرما رہا ہے تو پھر ہم کون ہیں، ان میں کوتاہی کرنے والے۔

سبق اس سے انسان کو سبق دیا گیا ہے کہ تیرے ظاہری اور باطنی بہت بڑے دشمن ہیں اس لئے تمھیں ہر وقت چوکس رہنا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صبر میں خیر و برکت ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان کے صبر سے آزمائش اور ابتلا ہٹ جاتا ہے اور دوسرا دشمن تباہ و برباد ہو جاتا ہے کما قال تعالےٰ:۔

و اذا لا یلبثون خلافک الا قلیلا۔

قدسی حدیث شریف اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جو کوئی میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے مقابلہ کے لئے میدان کارزار میں اترتا ہے یعنے جو ولی اللہ کو ناراض کرتا ہے اور اسے اذیت و تکلیف پہنچاتا ہے اور ولی اللہ سے اہلِ تقویٰ مراد ہیں اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ جنگ کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے ولی کی مدد فرماتا ہے اور جس کی مدد اللہ تعالےٰ فرمائے اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ اگر کرے گا بھی تو تباہ و برباد ہوگا۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ نماز پر مداومت کیجئے۔ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ سورج کے زوال یا غروب کے وقت۔

حلِ لغات: کہا جاتا ہے: دلکت الشمس دلوکا بمعنے غربت یا بمعنے اصفرت یا بمعنے زالت عن کبد السماء (کذا فی القاموس)

اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ رات کی تاریکی تک غسق بمعنے رات کی تاریکی اس سے دوسری عشاء[1] کی نماز کا وقت مراد ہے اور الغاسق اللیل اس وقت بولتے ہیں جب شفق غائب ہو جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی نماز کا وقت ہو جائے تو اسے اس کے معیّن وقت میں ادا کیا جائے اس سے اسے دو وقتوں کے درمیان علی الدوام قائم کرنا مُراد نہیں۔ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اور فجر کی نماز کے وقت اس کا منصوب ہونا اَقِمِ کے مفعول پر معطوف ہونے کی وجہ سے ہے یا اغراءً منصوب ہے اور اس کا عامل (اَلزَم) محذوف ہے اور یہاں قرآن سے نماز مراد ہے اس لئے کہ قرآن یعنے قرات نماز کا ایک رکن ہے اور جز بول کر کل مراد لینا بھی عام قاعدہ ہے اور نماز کے ارکان میں سے کسی ایک رکن کو بول کر نماز مُراد لینا بھی عام ہے مثلاً کبھی رکوع یا سجود بول کر نماز مراد لی جاتی ہے۔

پرویزی قول کا رَدّ: دلوک سے زوال مراد ہو تو آیت سے پانچ نمازوں کا ثبوت ملا۔[2]

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا بے شک فجر کی نماز مشہود ہے یعنے یہ وہ وقت ہے جس میں رات اور دن والے فرشتے حاضر و موجود ہوتے ہیں یعنے دن والے آجاتے ہیں اور رات والے آسمان پر چڑھتے ہیں خلاصہ یہ کہ یہ وہ وقت ہے کہ اس میں رات کے ڈائری نویس فرشتوں کی آخری اور دن والوں کی آخری گھڑی ہے۔

ف: فجر کی نماز کے وقت رات والے صبح کی نماز کا مشاہدہ کرکے اسے رات کے اعمال میں لکھتے ہیں اور دن والے فرشتے اسے دیکھ کر دن کی ڈائری کی ابتداء میں درج کرتے ہیں۔

نکتہ: یہ وقت قدرتِ الٰہی کے شواہد سے ہے بایں معنی کہ اس وقت رات کی تاریکی جاتی ہے اور دن کی روشنی پھیلتی ہے اور نیند سے فراغت ہوتی ہے جو کہ وہ موت کی مانند ہے۔

وَمِنَ الَّیْلِ اور اس کا محلاً منصوب ہونا علی الظرفیۃ ہے اب معنے یہ ہوگا کہ آپ رات کے بعض حصے میں اٹھئے۔ فَتَهَجَّدْ بِهٖ اور نیند کو ہٹایئے۔ تہجد۔ ھجود سے مشتق ہے بمعنے النوم یعنے نیند اور صیغۂ تفعل کبھی ازالہ کے لئے بھی آتا ہے جیسے تاثم بمعنے جانب الاثم و ازالہ یعنے اس نے گناہ سے کنارہ کیا اور گناہ کو زائل کیا اور التھجد بمعنے نوم قبیل اضداد سے ہے اور بہٖ کا ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور یہاں مطلق قرأت القرآن مراد ہے نہ وہ جس کا ابھی ذکر ہوا یعنے صبح کے وقت کا قرآن پڑھنا یا یہ ضمیر بعض کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال: بعض کا لفظ عبارتِ قرآن میں موجود نہیں ہے پھر لفظ بعض کی طرف ضمیر کا لوٹانا کیسا؟

---

[1] اہلِ عرب مغرب کو عشاء اولیٰ اور عشاء کو عشاء اخیرہ کہتے ہیں ۱۲۔
[2] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

جواب: ومن اللیل سے لفظ بعض سمجھا گیا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ آپ رات کے بعض حصہ میں تہجد کے لئے اٹھئے۔ اس تقریر پر با بمعنے فی ہے۔

نَافِلَةً لَّكَ۔ نفل بمعنے المزیادۃ یعنے یہ تہجد فرائض نماز سے ایک زائد عبادت ہے، اور یہ صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے کسی امتی پر تہجد فرض نہیں۔ چنانچہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین امور مجھ پر فرض ہیں اور تمھارے لئے سنت ہیں:

① وتر

② مسواک

③ قیام اللیل (تہجد)

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہ تہجد نفل ہے لیکن چونکہ آپ کے درجات کے کمال کو کوئی نہیں پہنچ سکتا اس لئے امت کے لئے تہجد بھی نفل ہے لیکن امت کے نفل تہجد ان کے گناہوں کا کفارہ اور وہ خلل جو ان کے فرائض میں واقع ہوا ان کے تدارک کے لئے ہے۔

مسئلہ: حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالٰے عنہا نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تہجد کا وجوب منسوخ ہے ایسے ہی آپ کی امت کے لئے۔

اس تقریر پر تہجد سب کے لئے مستحب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالٰے نے نافلۃ لک فرمایا۔ اگر تہجد واجب ہوتی تو لک کی بجائے علیك فرماتا اور نافلۃ کا منصوب ہونا علے المصدریۃ ہے اور اس کا عامل تنفل ہے۔

عَسٰی لغت میں اس کا استعمال طمع کے لئے آتا ہے اور قاعدہ ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالٰے کی جانب سے طمع واشفاق ولیب کی مانند ہوتا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس کا معنے ہے، شاید اور البتہ ایسے ہی ہوگا۔

اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ آپ کو آپ کا رب تعالٰے روضۂ اطہر سے اٹھائے گا۔ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝ ایسے مقام پر جو آپ کے ہاں اور تمام لوگوں کے نزدیک محمود ہوگا۔ اس سے اہلِ حشر کے لئے وہ مقام شفاعت عامہ مراد ہے جسے دیکھ کر جملہ اولین وآخرین رشک کریں گے۔ اس لئے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام کے ہاں تمام مخلوق حاضری دے گی تو ہر ایک شفاعت سے انکار فرما دیں گے بلکہ ہر ایک اپنے بجائے دوسرے پیغمبر علیہ السلام کے حوالے کر دیں گے، یہاں تک کہ تمام لوگ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوں گے تو آپ فرمائیں گے کہ میں تو تمھاری شفاعت کے لئے پہلے سے منتظر ہوں اور صرف میں ہی اس کا مستحق ہوں۔ اس کے بعد آپ شفاعت فرمائیں گے جو اس کا اہل ہوگا۔

ف: صاحب فتوحاتِ مکیہ رحمۃ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ مقام محمود ایک ایسا مقام ہے جو تمام مقامات کا مرکز ہے بلکہ تمام

اسمائے الٰہیہ کا نظارہ گاہ ہے اور وہ صرف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے اور بابِ شفاعت اسی جگہ سے کھلے گا۔ ؎

اے ذات در دو کون مقصود وجود
نام تو محمدؐ و مقامات محمود

ترجمہ: اے محبوب، مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم! دونوں جہانوں اور جملہ وجود کا مقصود ہے آپ کا نام نامی اسم گرامی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کا مقام محمود ہے۔

معتزلہ اور وہابیہ نجدیہ وغیرہا کا رد آیت میں منکرین شفاعت معتزلہ (اور وہابیہ نجدیہ اور فرقہ نیچری وغیرہا) کا رد ہے جب کہ وہ کہتے ہیں کہ شفاعت کے عقیدہ سے نا اہل کو ثواب کا مستحق بنانا لازم آتا ہے اور یہ ظلم ہے۔ ان کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ یہی اعتراض تو اللہ تعالےٰ پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل اور لطف و کرم سے جسے چاہے بخش دے اور اپنے عدل و الطاف سے عذاب کے مستحق کو عذاب میں مبتلا کرے اور یہ بھی عقیدہ اپنے مقام پر حق ہے کہ اللہ تعالےٰ پر کوئی شے واجب نہیں بلکہ وہ مالک و مختار ہے اپنے بندوں میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

سوال: اگر معتزلہ سے سوال وارد ہو کہ تمہاری کتب روایات میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی — میری امت کے اہل کبائر کے لئے میری شفاعت حق ہے۔

اس حدیث شریف سے لازم آتا ہے کہ بُرے کو برائی کے ارتکاب کی کھلی چھٹی ہے وہ جس طرح چاہے کرتا رہے جب کہ اس کے دل میں عقیدہ راسخ ہوگا کہ مجھے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم چھڑالیں گے۔ اس سے الٹا بڑے بڑے گناہ مثلاً زنا، قتل اور شراب وغیرہ کی اشاعت ہوگی اور یہ بات روح اسلام کے خلاف ہے اور بعثت انبیاء علیہم السلام کے بھی منافی ہے۔[1]

جواب: اس سے برائی کی اجازت و اشاعت لازم نہیں آتی بلکہ اظہارِ شانِ رسالت و کمال نبوت مقصود ہے کہ بارگاہِ حق میں ان کی اتنی رسائی ہے کہ باوجودیکہ اللہ تعالےٰ کا مجرم جہنم کا مستحق ہے اور عذاب اس کے لئے لازم ہو چکا ہے لیکن محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایسے بندے کی نجات کے لئے عرض کرتے ہیں تو ذوالجلال والاکرام اپنے مجرم بندے کو بخش دیتا ہے اور احکم الحاکمین خود اس شان کو ظاہر فرماتا ہے کہ میرے ہاں اس شفیع المذنبین کا وہ مرتبہ ہے کہ میں اپنے قانون عدل و انصاف کو توڑ سکتا ہوں لیکن اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی نہیں کرتا۔

---

[1]: یہی تقریر ہمارے دور کے معتزلہ یعنے وہابی، دیوبندی، نجدی اور تبلیغی وغیرہ عوام میں بیان کرتے ہیں۔ جب کہ ہم اہلسنت آقائے کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات بیان کرتے ہیں ۱۲۔ (اویسی)

تازیانۂ عبرت [صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالٰی نے معتزلہ کے رد میں مذکورہ بالا جواب لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں]:

ففیہ مدح الرسول صلے اللہ علیہ وسلم نفسہ بمالہ عند اللہ تعالٰی من الدرجۃ الرفیعۃ والوسیلۃ یلے

اس میں حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالٰی کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور آپ ہی اللہ تعالٰی کے ہاں سب کے وسیلہ جلیلہ ہیں۔

مسئلہ: جب ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا کبائر کی شفاعت فرمانا حق ہے تو صغائر کی شفاعت بطریق اولیٰ ثابت ہوئی۔

ازالۂ وہم معتزلہ کا یہ کہنا کہ شفاعت کبائر ظلم ہے یہ ان کا وہم اور گمان ہے ورنہ ان کا اللہ تعالٰی کے متعلق کیا خیال ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالٰی نے پیدا فرمایا اور اس کے لئے ارتکاب کبائر کی قدرت اور طاقت پیدا فرمائی اللہ تعالٰی کے اس فعل کو نہ کوئی برائی کی اشاعت و اجازت سے تعبیر کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی ظلم سے موسوم کر سکتا ہے جب ذات حق پر اس قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیوں ہے حالانکہ نبوت الوہیت کے تجلیات کا مظہر ہے (یہی جواب وہابیہ، دیوبندیہ کے جملہ اعتراضات کا دفعیہ بن سکتا ہے جب کہ وہ اپنے بہت سے عقائد و مسائل میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدفِ نشانہ بناتے ہیں۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گفت پیغمبر کہ روز رستخیز
کے گذارم مجرمان را اشک ریز
من شفیع عاصیاں باشم بجان
تا رہانم شان ز اشکنجہ گران
عاصیان و اہل کبائر را بجہد
وا رہانم از عتاب و نقض عہد
صالحان امتم خود فارغند
از شفاعتہائے من روز گزند
بلکہ ایشاں را شفاعتہا بود!
گفت شان ہچوں حکم نافذ می رود

ترجمہ: ① حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں مجرموں کو آنسو بہاتے ہوئے کیسے چھوڑوں گا۔

② بدل و جان میں ہی مجرموں کا شفیع ہوں تا کہ میں انھیں شکنجہ گراں سے نجات دلاؤں۔

۳ عاصیوں اور اہلِ کبائر کو کوشش کر کے عذاب اور عتاب سے بچا لوں گا۔

۴ میری امت کے نیک بخت فارغ ہوں گے انھیں قیامت میں میری شفاعت کبریٰ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

۵ بلکہ انھیں بھی میری خاص شفاعت نصیب ہوگی۔ اور ان پر بھی حکم الٰہی نافذ ہوگا تو بھی میری شفاعت سے ضرور بہرہ ور ہوں گے۔

رکعات تہجد آیت میں تہجد کی ترغیب ہے اور اس کی آٹھ رکعتیں ہیں۔ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم زندگی بھر رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے رہے۔ چار رکعت پڑھتے ان کے حسن وطول کا کیا پوچھنا۔ اسی طرح چار رکعت دیگر پڑھتے تھے ان کا حسن وطول بھی پہلی چار رکعت کی طرح ہوتا تھا۔ اس کے بعد تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے۔

وقتِ تہجد حضرت شیخ عبدالرحمٰن بسطامی رحمہ اللہ تعالےٰ "ترویح القلوب" میں لکھتے ہیں کہ جب رات کی آخری تہائی باقی بچ رہے تو نیند سے اٹھ کھڑا ہونا چاہیئے اور وضو کر کے تہجد کی بارہ رکعت پڑھنی چاہئیں اس میں فاتحہ کے بعد جتنا چاہے قرآن مجید پڑھے اور فراغت کے بعد اوراد و وظائف پڑھے اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت پڑھا کرتے ان میں آٹھ تہجد اور تین رکعت وتر اور دو رکعت نفل دیگر لیکن ان کے درمیان سلام نہیں پھیرتے تھے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے برگزیدہ حفاظ القرآن اور رات کو تہجد پڑھنے والے ہیں۔

ے

دلا برخیز و طاعت کن کہ طاعت بہ ز ہر کار است

سعادت آں کسے وارد کہ وقتِ صبح بیدار است

خروساں در سحر گویندہ قم یا ایہا الغافل

تو از مستی نمی دانی کسے داند کہ ہشیار است

ترجمہ: اے دل اٹھ اور طاعت کر اس لئے کہ طاعت ہر کام سے بہتر ہے سعادت اس شخص کی ہے جو صبح کے وقت بیدار ہو کر عبادت کرتا ہے۔ مرغ صبح کو اٹھ کر بار بار پکارتے ہیں کہ اے غافل! اٹھ کھڑا ہو غفلت کی مستی سے تو اسے نہیں پہچان سکتا اس کا علم اسے ہے جو ہوشیار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ے

اذا کثر الطعام فحذرونی

فان القلب یفسدہ الطعام

اذا کثر المنام فنبھونی

فان العمر ینقصہ المنام

اذا کثر الکلام فسکتونی

فان الدین یھدمہ الکلام

اذا کثر المشیب فحرکونی

فان الشیب یتبعہ الحمام

ترجمہ: (۱) جب طعام زیادہ ہو تو مجھے ڈراؤ اس لئے کہ قلب طعام سے خراب ہوتا ہے۔

(۲) جب نیند زیادہ ہو تو مجھے بیدار کرو اس لئے کہ نیند عمر کو گھٹاتی ہے۔

(۳) جب میرا بولنا زیادہ ہو تو مجھے خاموش کراؤ اس لئے کہ کثرتِ کلام دین کو ڈھا دیتی ہے۔

(۴) جب بڑھاپا بڑھ جائے تو مجھے متحرک کرو اس لئے کہ بڑھاپا کے پیچھے موت چل رہی ہے۔

شیطان کی شرارت حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان سوتا ہے تو شیطان اس کے سر پر تین گرہیں لگاتا ہے، تو جب وہ نیند سے اٹھ کر ذکر الٰہی کرتا ہے تو ان میں سے ایک گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد جب بندہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد اگر دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو اس کے بعد تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اس سے بندہ صبح کو ہشاش بشاش اور خوش خوش اٹھتا ہے ورنہ وہ سست اور خبیث النفس ہو کر اٹھتا ہے۔

ف: شب بیدار آدمی کی رات نورِ عبادت کی وجہ سے اس کے چہرے کی طرح نورانی ہوتی ہے۔

حکایت ایک نوجوان عابد فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنے ورد و وظیفہ سے غفلت کر کے سوگیا، خواب میں دیکھا کہ میری عبادت گاہ (حجرہ) پھٹ گئی اس سے چند حسین عورتیں نکلیں کہ جن کے حسن و جمال کے سامنے سورج بھی شرمسار ہوتا لیکن ان میں ایک نہایت قبیح تھی کہ دنیا میں اس جیسی گویا کوئی قبیح نہ ہوگی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو، اور کس کے لئے ہو اور یہ قبیح عورت کس کے لئے؟ انھوں نے کہا، ہم سب تیری وہ راتیں ہیں جنھیں تو عبادت کے لئے بیدار رکھتا ہے اور یہ تیری وہ رات ہے جس میں تو غفلت کر کے سوگیا۔ اگر تو اسی رات مرجاتا تو تجھے یہی نصیب ہوتا جسے تو نے قبیح کیفیت میں دیکھا۔

ف: بعض بزرگوں کی عادت تھی کہ وہ عشار کی نماز سے صبح کی نماز تک بیدار رہتے، جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ اور ان کی طرح اور اکابر و اولیا رحمہم اللہ تعالےٰ۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ مجھے شیطان گھر میں نظر آجائے تو مجھے اتنی کوفت نہیں ہوتی جتنی کوفت مجھے گھر میں سرہانے سے دیکھنے

سے ہوتی ہے اس لئے کہ سرہانہ نیند کی دعوت دیتا ہے۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ سحر کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قلوب کو دیکھتا ہے ان میں جو بیدار ہوتا ہے تو اس کے دل کو نور سے بھرپور فرما دیتا ہے جس سے روحانی فوائد سے وہ دل نورانی ہوجاتا ہے پھر ان کے قلوب کے انوار کی غافل دلوں کو منور فرماتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ اور فرمائیے کہ اے میرے رب تعالیٰ! مجھے قبر میں داخل فرما۔ مُدْخَلَ صِدْقٍ۔ صدق کا داخلہ یعنی طہارت سے اور گناہوں سے پاک صاف کرکے۔ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ قیامت میں مجھے قبر سے نکالئے یعنی پسندیدہ طریقہ سے مجھے قبر سے اٹھائیے تو باکرامت اور تجھے ملوں تو امن وسلامتی کے ساتھ۔

سوال: تم نے آیت میں یہ قیدیں کہاں سے نکال لیں؟

جواب: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بعث علے مقام محمود کے ذکر کے بعد سے یہی معنی ثابت ہوتا ہے۔

ف: مُدْخَلْ و مخرج یعنے ادخال واخراج ہے اور انھیں صدق کی طرف مضاف بنانے میں مبالغہ مطلوب ہے جیسے حاتم الجود میں مبالغہ ہے یعنے ایسا ادخال جسے ادخال کہنا حق ہے اور ایسا اوخال کہ جس میں کسی قسم کی کراہت نہ ہو اس لئے کہ یہ مدخل ومخرج سوا کے مقابلہ میں مستعمل ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ادخال مدینہ طیبہ میں داخل کرنا اور اخراج سے مکہ معظمہ سے نکالنا مراد ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہ آیت ہجرت کے حکم کے وقت نازل ہوئی چنانچہ اس آیت پر یہ آیت "وان کادوا یستفزونک الخ" دلالت کرتی ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دعا عام ہے جس مکان میں داخل ہو یا جس کام کو شروع کرے اسی طرح مکان سے نکلنے اور کام سے فراغت کے بعد یہی دعا پڑھے۔ اکثر مفسرین نے اسی قول کو راجح بتایا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے اللہ تعالیٰ جس کام میں مجھے داخل یا فارغ کرے تو مجھ سے صداقت کا ظہور ہو اور مجھے ذوالوجہین نہ بنانا اس لئے کہ ذوالوجہین امین نہیں ہوتا۔

وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ اور اپنی نصرت ورحمت کے خزانوں سے میرے لئے بنا۔ سُلْطٰنًا برہان وغلبہ نَّصِیْرًا مددگار، جو اعدائے دین پر میری مدد کرے یا اس سے کوئی بادشاہ مراد ہے یا طاقت مطلق مراد ہے یعنے طاقت عطا فرما جو اسلام کی مدد کرے اور اسے کفر پر غالب فرمائے۔ آپ کی یہ دعا، واللہ یعصمک من الناس اور فان حزب اللہ ھم الغالبون۔ سے مستجاب ہوئی اور آپ نے یہ دعا اس لئے مانگی تاکہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو تاکہ آپ کے ماننے والے تمام روئے زمین کی شاہی کریں اور اللہ تعالیٰ نے بھی ابتداً آپ سے وعدہ فرمایا کہ فارس وروم بے دینوں سے چھین کر آپ کے قبضہ میں دے گا۔

عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا حاکم بنا کر فرمایا کہ جائیے! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاکم بنایا ہے اور حضرت

اسید رضی اللہ عنہ منافق کے لئے سخت اور مؤمن کے لئے نہایت نرم تھے آپ نے مکہ معظمہ میں جاتے ہی اعلان کر دیا کہ اگر کوئی نماز با جماعت سے رہ گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا کیونکہ مجھے علم ہے کہ نماز با جماعت کا تارک منافق ہوتا ہے[1] اہل مکہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ نے اہل اللہ پر ایک خشک مزاج اعرابی کو مسلط فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے بہشت کے دروازے پر حاضر ہو کر اسے کھٹکھٹایا بہشت کا دروازہ کھل گیا تو اس میں حضرت عتاب بن اسید ہوئے۔

اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالے نے اسلام کو اہلِ اسلام کے ذریعے سے مدد فرمائی اور جو بھی اہلِ اسلام پر ظلم کرے اور پھر جو بھی ان کی مدد کرے وہی اللہ تعالے کے نزدیک سلطانا نصیرا ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ اور فرمایئے کہ حق یعنے اسلام و قرآن آیا۔ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ یہ زھق (دحعہ) سے ہے بمعنے خرج و ذھب وھلک الشرک والشیطان یعنے شرک و شیطان ہلاک ہوگیا۔

ع

دیو بگریزد ازان قوم کہ قرآن خوانند

ترجمہ: شیطان ان لوگوں سے بھاگتا ہے جو قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ حق سے مراد وہ شے ہے جو اللہ تعالے کے لئے ہو اور اس کا غیر باطل ہے اور تاویلات کے مصنف نے فرمایا کہ حق سے وجود ثابت حق تعالے اور باطل سے وجود بشری امکانی مراد ہے کہ یہ قابل زوال و فنا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب لمعات وجود حقانی کی شعاعیں ظاہر ہوتی ہیں تو وجود موہوم ممکن اس کے بالمقابل لاشے و مضمحل ہو جاتا ہے: ؎

ہمہ ہرچہ ہستند ازان کمتر اند
کہ با ہستیش نام ہستی برند
چو سلطان عزت علم برکشد
جہان سر بجیب عدم درکشد

ترجمہ: تمام موجودات اس کے بالمقابل کمتر ہیں انھیں لائق نہیں کہ اس کے وجود کے بالمقابل اپنی ہستی کا دم ماریں۔

---

[1] دیوبندیوں، وہابیوں اور دیگر بدمذاہب کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ اس پر فقیر کی کتاب "التحقیق الکامل فی امتیاز الحق والباطل" یعنے دیوبندی و بریلوی کا فرق۔ کا مطالعہ کیجئے۔ جب کوئی سنی کسی بدمذہب مثلاً دیوبندی وہابی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تو اسے تارک جماعت کا طعنہ دیا جاتا ہے حالانکہ انھیں معلوم نہیں کہ جب ہم تمہاری نماز ہی نہیں سمجھتے تو پھر ترک کیسا؟ ۱۲ (اویسی)

جب سلطانِ عزت جھنڈا لہراتا ہے تو تمام جہاں جیب عدم میں اپنا سر چھپاتا ہے۔

اِنَّ الْبَاطِلَ بے شک باطل کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ كَانَ زَهُوْقًا۝ اس کی شان یہ ہے کہ وہ مٹنے والا اور غیر ثابت ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یوم فتح مکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں داخل ہو کر دیکھا کہ بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے آپ اپنے تیر کو ایک ایک بت کی آنکھ میں ڈال کر فرماتے تھے: جاء الحق وزھق الباطل۔

اسی طرح بتوں کو گرا دیا صرف ایک بت خزاعہ جو بیت اللہ کی چھت پر رہ گیا اور وہ پیتل کا تھا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن سیدہ زینب (آپ کی بڑی نواسے) سے فرمایا کہ اسے تیر ماریئے حضرت علی نے بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اسے تیر مار کر توڑ دیا۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ اور ہم قرآن مجید میں ایسی آیات نازل کرتے ہیں جو تمہارے سینوں کے شکوک و شبہات اور اوہام کی بیماریوں کو شفا بخشے۔ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور اہلِ ایمان کے لئے رحمت ہے۔

ف: اہلِ ایمان کا نام اس لئے لیا ہے کہ صرف وہی اس سے نفع پاتے ہیں اور یہ مِنَ بیانیہ ہے اس کے فہم بالشان ہونے کی وجہ سے اسے مبیّن سے پہلے لایا گیا ہے اس لئے کہ قرآن مجید کا ہر حرف اہلِ ایمان کے دین اور ان کی اصلاح نفوس میں بمنزلۂ دوا رشافی ہے۔

وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۝ اور قرآن ظالموں کو نہیں بڑھاتا مگر ہلاکت وتباہی میں۔ کافروں کو ظالمین سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ کافروں نے قرآن مجید جیسی شفاء کو اپنے لئے ضرر اور نقصان کا موجب سمجھا اسی لئے وہ کفر وتکذیب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہوئے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اہلِ ایمان کو اہتداء وارشاد کے درمیان جو شکوک وشبہات طاری ہوتے ہیں اور ان کے لئے بمنزلۂ امراض واسقام کے ہیں اور کافروں کو جو جہل وعناد نصیب ہوا ہے وہ ان کے لئے موت وتباہی وبربادی ہے۔

ف: اس سے قرآن مجید کو عجیب الشان ثابت کرنا مطلوب ہے کہ جیسے بعض بارشیں تیز اور سخت ہوں تو اگے زمین میں استعداد قبولیت نہ ہو تو وہی بارش تباہی وبربادی کا موجب بن جاتی ہے۔ ایسے ہی قرآن مجید کی رحمت وشفاء ہونے میں تو شک وشبہ الٹا یہی قرآن مجید ان کے لئے تباہی و بربادی کا موجب بن جاتا ہے۔

حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ: جو ہر پاک چاہئے اس سے ہی وہ فیض کو قبول کرتا ہے ورنہ ہر پتھر اور گل تو لؤلؤ مرجان نہیں ہوتے۔

تعویذات کا ثبوت قرآن مجید جیسے امراض روحانی کے لئے شفا ہے ایسے ہی امراض جسمانی کو بھی شفا بخشتا ہے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت الاستاذ ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ کا صاحبزادہ سخت علیل ہوگیا کہ اس کی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس سے استاذ موصوف کو سخت پریشانی تھی اسی اثنا میں خواب میں انھیں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی تو شکایت عرض کردی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیات شفا مجموعی طور پر مریض پر پڑھئے اور اسے لکھ کر برتن میں دھو کر پلائیے۔ چنانچہ ایسے کیا تو ان کا صاحبزادہ شفایاب ہوگیا۔

آیات شفا آیات شفا چھ ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ویشف صدور قوم مومنین

(۲) شفاء لما فی الصدور

(۳) فیہ شفاء للناس

(۴) وننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمۃ للمومنین

(۵) واذا مرضت فھو یشفین

(۶) قل ھو للذین اٰمنوا ھدی وشفاء

حضرت تاج الدین سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے بزرگوں کو آیاتِ شفا کا عامل دیکھا۔ چنانچہ بے شمار بیماروں کو شفا نصیب ہوئی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آیات شفا برتن پر یا کاغذ پر لکھ کر دھو کر پلایا جائے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من لم یستشف بالقرآن فلا شفاہ اللہ[1] جو قرآن مجید سے شفا حاصل نہیں کرتا، خدا کرے اسے شفا نصیب نہ ہو۔

ف: [اس حدیث شریف سے وہابی نجدی عبرت حاصل کریں جو تعویذات لکھنے اور جھاڑ پھونک کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں[2]]

ف: یاد رہے کہ آیت و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی شفا بخشی جسمانی و روحانی ہر قسم کی بیماری کے لئے (اس سے وہابیہ نجدیہ کا وہم دور ہوا کہ وہ قرآن مجید کو صرف امراض روحانی میں منحصر کرتے ہیں)

نسخہ ہر مرض حضرت شیخ تمیمی قدس سرہٗ "خواص القرآن" میں لکھتے ہیں: سورۃ فاتحہ کو پاک برتن پر لکھ کر پاک پانی سے دھو لیا جائے پھر اس پانی سے مریض اپنا منہ دھوئے تو شفایاب

---

[1] :۔ روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۱۹۴۔

[2] :۔ اضافہ از فقیر اویسی۔

ہوگا۔ (انشاءاللہ)

دیگر: وہ شخص کہ جس کے دل میں بے چینی، گھبراہٹ اور خفقان یا کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو سورۃ فاتحہ کو لکھ کر دھو کر پئے شفا ہوگی۔ (انشاءاللہ)

قوتِ حافظہ: سورۃ فاتحہ کو مشک سے شیشہ کے برتن پر لکھ کر اسے گلاب کے پانی سے دھو کر کند ذہن کو سات دن مسلسل پلایا جائے تو اس کا حافظہ تیز ہوگا اور جو کچھ سنے گا وہ کبھی نہ بھولے گا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ قرآن مجید کا دامن مضبوط پکڑے اور اسی سے ہی اپنے بیماروں اور بیماریوں کا علاج کرے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ قرآن مجید تمہاری بیماری اور اس کا علاج بھی بتاتا ہے۔ تمہاری بیماری تمہارے گناہ، اور علاج استغفار ہے۔

ف: سب سے پہلے بیماری کا پہچاننا لازمی ہے اس لئے کہ جب تک بیماری کی تشخیص نہ ہوگی اس کا علاج کیسا؟ اور قرآن مجید کو سمجھنے والے اور اس کے عارفین ایسی باتوں کو خوب جانتے ہیں اور اسی کو وسیلہ بنا کر اپنے حصول مطالب میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا اور جب ہم انعام کرتے ہیں۔ **عَلَى الْاِنْسَانِ** انسان پر یعنے اسے صحت بدنی اور وسعت مالی سے نوازتے ہیں۔ **اَعْرَضَ** تو ہماری شکر گذاری سے روگردانی کرتا ہے۔ **وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ** اور بنفس خود دور ہوتا ہے اور کنارہ کشی کرتا ہے یعنے تکبر و غرور کرتا اور طریق حق سے دور بھاگتا ہے۔ اس سے اس کا تکبر و غرور مراد ہے کیونکہ خلق خدا سے دوری اور روگردانی متکبرین کی عادات میں شامل ہے۔

حل لغات: ونابہ وعنہ بمعنے بعدت اسی طرح ناء وعنہ بمعنے بعد۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ اور جب اسے فقر یا مرض یا حادثہ آسمانی پہنچتا ہے۔

نکتہ: انعام کا اسناد اللہ تعالٰے کی طرف اور مس کا شر کی طرف اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰے کا منشا بندوں پر انعام و اکرام فائق ہے اور اسے دکھ اور درد میں مبتلا کرنا عارضی ہے یعنے ان کے کردار کی سزا کی وجہ سے۔

كَانَ يَئُوْسًا ۝ تو وہ سخت ناامید ہوتا ہے اور ذرہ بھر بھی اسے اللہ تعالٰے کی اور یکسر اس کے فضل و کرم کو بھلا بیٹھتا ہے اور یہ وصف انسان من حیث الانسان ہے کہ ان کے اکثر کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسی معنے پر آیت فاذا مسہ الشر فذو دعاء عریض۔ سے ہم پر اعتراض نہیں اس لئے کہ ہم نے اکثر کو ناامیدی سے موصوف کیا ہے ورنہ اس کے بعض افراد ایسے ہیں جن کا اسی دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ دکھ اور درد کے وقت اللہ تعالٰے کے حضور میں دعائیں مانگتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

قُلْ كُلٌّ فرمایئے کہ ہر ایک مومن و کافر **يَّعْمَلُ** عمل کرتا ہے۔ **عَلٰى شَاكِلَتِهٖ** اپنے اس طریقہ پر جو اسے لائق ہے یعنے ہدایت یا گمراہی پر۔

ع ہر کہ آن کند کہ ازو سزد

ترجمہ: ہر شخص وہی کرتا ہے جو اس کے لائق ہے۔

حل لغات: یہ "ذ دشواکل" کے محاورہ سے ہے یعنے وہ بڑا راستہ جس سے چھوٹے راستے نکلتے ہوں۔

القاموس میں ہے کہ الشاکلۃ بمعنے الشکل والناحیۃ والنیۃ والطریقۃ والمذھب ہے۔

فَرَبُّكُمْ پس تمہارا رب جس نے تمہیں طبائع مختلف میں پیدا کیا۔ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا وہ سیدھے راستے والے کو خوب جانتا ہے وہ طریقہ حق کے لحاظ سے زیادہ ظاہر اور امین ہے یعنے وہ ہدایت یافتہ اور گمراہ کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

آیت میں اشارہ ہے کہ اعمال احوال کی نشانیاں ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

در زمین گر نیشکر ور خود نیست
ترجمان ہر زمین نبت ویست

ترجمہ: زمین میں اگر گنا ہے یا نہیں ہر زمین کا ترجمان اس کی انگوری ہے۔

سبق: جو شخص اپنے اندر خیر و بھلائی اور طاعت و شکر پائے تو وہ اللہ تعالےٰ کا بے شمار شکر کرے کہ اس نے اس کی توفیق بخشی ہے اگر اپنے اندر فسق، شر، کفر اور نا امیدی پائے تو اس سے پہلے اپنے آپ کو سنبھال لے کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔

حکایت: ایک بادشاہ جو بہت بڑی زیب و زینت اور بہت بڑی بادشاہی اور خزانوں کا مالک تھا۔ اس نے اپنے ملک کے امراء کو دعوت دی اور اس میں قسم قسم کے بہترین کھانے پینے کی چیزیں مہمانی کے لئے تیار کیں۔ جب کھانے کا ارادہ کیا تو کسی نے باہر سے بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لوگوں نے کہا 'اے فقیر! یہ کیا حرص اور گستاخی ہے، ذرا دیر کیجئے مہمان کھانا کھالیں پھر آپ جی بھر کر کھانا کھانا۔ اس نے کہا کہ مجھے کھانے پینے کی ضرورت نہیں، مجھے صرف بادشاہ سے ملاقات کرنی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تیرا بادشاہ سے کیا کام؟ جب دروازہ نہ کھلا تو دوبارہ ایسے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا کہ محل ہل گیا۔ بادشاہ کے خدام کے ہتھیار سنبھالے اور ارادہ کیا کہ فقیر سے مقابلہ کیا جائے تو فقیر نے بڑے زور سے چیخ ماری اور کہا کہ خیال کر کے مقابلہ کرنا میں ملک الموت ہوں۔ میں تمہارے بادشاہ کی روح قبض کرنے اور اسے اس دار الفنار کی شاہی سے معزول کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہ سن کر تمام لوگوں کے حواس باختہ ہو گئے اور ایسے دم بسکوت ہوئے کہ گویا ان کے جسم میں جان ہی نہیں بادشاہ نے ملک الموت سے تھوڑی سی مہلت مانگی لیکن موت سے مہلت کیسی! بادشاہ کو سخت افسوس ہوا اور مال و دولت کی مذمت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے اسی نے دھوکہ میں رکھا لیکن افسوس کہ آج میں خالی ہاتھ جا رہا ہوں اور جو کچھ کمایا تھا وہ دشمنوں کے ہاتھ دے رہا ہوں

لیکن مجھے اس سے سوائے حساب دینے اور عذاب الٰہی کے کیا ہاتھ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے مال کو بولنے کی طاقت دی اور کہا، اے بادشاہ مجھ پر لعنت کیوں کرتا ہے بلکہ تجھے اپنے اوپر لعنت کرنی چاہیئے اس لئے کہ میں تو تیرے تابع تھا اور تُو پورے طور پر مالک و مختار تھا۔ دیکھئے اب تُو مر رہا ہے تب بھی ظلم سے باز نہیں آ رہا کہ مجھ بے گناہ کو گالی دے رہا ہے حالانکہ اس میں گناہ تیرا ہے۔

ف: اس حکایت سے چند امور ثابت ہوئے:۔

(۱) بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے ملک و ملک اور مال و جاہ و جلال سے نوازا لیکن بادشاہ نے اس کے شکر سے روگردانی کی اور اسے اس سے کسی قسم کا فائدہ نہ ہوا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خردمند طبعان منت شناس
بدوزند نعمت بمیخ سپاس

ترجمہ: عقلمند منت و احسان شناس ہوتے ہیں اسی لئے وہ نعمتوں کو شکر کی میخ سے مضبوط کرتے ہیں۔

(۲) بادشاہ کو موت نے گھیرا تب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان سے ناامید تھا تبھی تو وہ لعن اور گالی میں مشغول تھا۔ حالانکہ اس پر لازم تھا کہ وہ اس وقت توبہ اور توجہ الی اللہ کرتا اور اللہ تعالیٰ ہر بندے کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جب اس کی روح حلقوم تک نہ پہنچے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

؎

طریقے بدست آر و صلحے بجوی
شفیعی برانگیز و عذرے بگوی
کہ یک لحظہ نہ بندد اماں
چوں پیمانہ پرشد بدور زماں

کوئی اچھا طریقہ اختیار کر کے صلح کرے اور کوئی سفارشی کھڑا کر کے عذر پیش کر دے وہاں اماں کی کوئی صورت نہیں جب دورِ زماں سے پیمانہ لبریز ہو جائے۔

(۳) بادشاہ نے اپنی عادت کے مطابق عمل کیا تو اسے شر کی سزا مل گئی۔ دراصل اس میں خیر و بھلائی کی استعداد تھی ہی نہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ

اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا اور اگر ہم

شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا

چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے پھر تم کوئی نہ پاتے کہ تمہارے لیے ہمارے حضور اس پر وکالت

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ

کرتا مگر تمہارے رب کی رحمت بے شک تم پر اس کا بڑا فضل ہے تم فرماؤ اگر آدمی اور جن

وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ

سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک

لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى

دوسرے کا مددگار ہو اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثل طرح طرح بیان فرمائی تو

اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ

اکثر آدمیوں نے نہ مانا مگر ناشکری کرنا اور بولے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین

يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾

سے کوئی چشمہ بہا دو یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر تم اس کے اندر بہتی نہریں رواں کرو

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ

یا تم ہم پر آسمان گرا دو جیسا تم نے کہا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لے آؤ یا

يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى

تمہارے لیے طلائی گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب

تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

تک ہم پر ایک کتاب نہ اتارو جو ہم پڑھیں تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا

تفسیر عالمانہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ

شان نزول: منقول ہے کہ کفار عرب نے نضر بن حارث و ابی بن خلف و عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ طیبہ بھیجا تاکہ یثرب (مدینہ طیبہ) کے یہود سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کریں جب یہ لوگ یہودیوں کو ملے اور حالات

سننے سے یہودی متعجب ہوتے اور کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب ہے اور جس شخص کی تم باتیں سناتے ہو ہمیں اس کے حالات سے نبوت کی خوشبو آتی ہے لیکن تم واپس جاؤ اور اس شخص سے چند سوالات دریافت کرو :

(۱) مشرق و مغرب کے کونہ کونہ کی سیر کس نے کی ؟
(۲) وہ نوجوان کون ہیں جو چند سال پہلے زمین میں گم ہو گئے ہیں ؟
(۳) روح کیا ہے ؟

اگر وہ پہلے دو سوالوں کا جواب دیں اور تیسرے کے متعلق فرمائیں کہ مجھے اس کا علم نہیں تو یقین کر لینا کہ وہی آخر الزماں نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نضر بن حارث وغیرہ واپس مکہ معظمہ پہنچے اور ایک بہت بڑے جلسے میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہر تینوں سوال کئے۔ آپ نے دو سوالوں کے جواب دیئے اور تیسرے کے بارے میں آیت ہٰذا نازل ہوئی : ویسئلونک اور آپ سے یہود سوال کرتے ہیں"؛

عَنِ الرُّوْحِ ط اس روح کے بارے میں جو بدن انسانی میں ہے اور اسی پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے۔ اور یہودیوں نے آپ سے روح کی حقیقت کا سوال کیا، انھیں جواب میں کہا گیا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ روح کی حقیقت کا علم ان علوم سے ہے جنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کے لئے مخصوص فرمایا ہے اور وہ ان اسرار مخفیہ اور رموز پوشیدہ سے ہے جس کی گرد کو عقول بشر نہیں پہنچ سکتیں۔ امر کی جمع امور ہے بمعنے شان اور اضافت اختصاص علمی کی وجہ سے ہے اسے امر تخلیقی سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ امر کو ان ہر دونوں سے تعلق ہے۔

ف : بیضاوی نے کہا کہ اللہ تعالےٰ کے کن سے جملہ موجودات پیدا ہوئیں ان کا پہلے کسی قسم کا مادہ نہ تھا اور نہ ہی انھیں کسی اصل سے پیدا کیا گیا جیسے اجساد میں اعضاء کو پیدا کیا گیا ہے۔

ف : جملہ موجودات کئی قسم کی ہیں :

(۱) بعض وہ جو نہ کسی مادہ سے تعلق رکھتی ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی مدت معین ہے انھیں مبدعات سے تعبیر کرتے ہیں جیسے مجردات۔ یہ ہر وجہ سے بالفعل موجود ہیں اس کی حالت کسی وجود کی منتظر نہیں اور یہ ان اسماء کے مظاہر ہیں جن کی بعض حرکت سے زمان مقدر ہوتا ہے۔

(۲) بعض وہ جو کسی مادہ اور معین مدت سے متعلق ہیں انھیں محدثات سے موسوم کیا جاتا جیسے عناصر اور وہ مخلوق جو ان سے مرکب ہوئیں۔

(۳) بعض وہ ہیں جن کا کسی مادہ سے کوئی تعلق نہیں لیکن معین مدت میں پیدا ہوئیں اس قسم کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس قسم کی مخلوق کا کوئی وجود نہیں اس لئے کہ ہر وہ شے جو کسی مدت میں موجود ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مادہ میں

ظاہر ہو یہ اس کا مذہب ہے جو قائل ہے کہ نفس ناطقہ بدن کے حدوث کے وقت حادث ہوا ہے۔ یہ اقسام باقیہ اسمائے متغیرۃ احکام کے مظاہر ہیں۔ یہ وہ تحقیق ہے جس پر صرف اہل اللہ مطلع ہوئے ہیں (ذکرہ داؤد القیصری قدس سرہٗ)

ف: میرے شیخ و پیرومرشد روح اللہ روحہ الطاہر نے تفسیر الفاتحہ للشیخ صدرالدین القنوی قدس سرہٗ کی شرح میں لکھا کہ خلق یعنے عالم عین وکون وحدوث روح اور جسم سے مرکب ہے اور امر عالم علم اصل اور اس کا مبدا قل الروح من امر ربی الخ ہے۔ اس پر مزید تبصرہ اور تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے

وَمَا أُوْتِيْتُمْ اور اے مومنو! اور کافرو! تم نہیں دیئے گئے۔ (کذا فی تفسیر الکواشی)

مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا۝ علم سے مگر تھوڑا یعنے اس جیسے امور علم کا تعلق ممکن مگر تھوڑا کہ جس کے لئے تم طرق حواس سے استفادہ کر سکو اس لئے کہ عقل کا اکتساب معارف نظریہ کو اس وقت ہو سکتا ہے جب احساس جزئیات سے ضروری بات کا استفادہ ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے جس کی حس مفقود ہو وہ علم سے بے بہرہ ہوتا ہے اور بہت سی ایسی اشیاء بھی ہیں جن کا حس کو ادراک نہیں ہوتا اور نہ ہی لذات احوال کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ روح کی لذات معرفہ حاصل نہیں ہو سکتی ہاں عوارض سے اس کا امتیاز اور عوارض سے اسے التباس سے دور کیا جا سکتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ وما اوتیتم الخ میں خطاب عام ہے اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہودیوں نے سوال کیا کہ کیا روح کے متعلق قلت علمی سے صرف ہم مراد ہیں یا آپ لوگ اس میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ بھی اس میں شامل ہیں یہودیوں نے کہا کہ کیا حال بھی عجیب ہے کہ کبھی تو دعویٰ کرتے ہیں :-

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا

اور کبھی فرماتے ہیں :-

قلت علمی دربارہ روح ہم اور تم برابر ہیں۔ ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی :-

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ۔

ازالۂ وہم یہود اور ردِ عقیدۂ وہابیہ و دیوبندیہ یہود کا قول مردود ہے اس لئے کہ قلت لفظی کے اشتراک سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک بھی قلیل ہے بلکہ آپ کی قوتِ علمی بمقابلۂ علم خداوندی قلیل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مخلوق ہیں اور اللہ تعالے خالق ہیں مخلوق کا علم حادث ہے اور خالق کا علم قدیم اور مخلوق کا علم متناہی ہے اور اللہ تعالے کا علم غیر متناہی اور متناہی کو غیر متناہی سے

وہی نسبت ہے جو قطرہ کو سمندر سے [1]

علم غیب مصطفٰی صلے اللہ علیہ وسلم ہم اور ہمارے مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالٰے کا عقیدہ یہی ہے جو صاحبِ

تردید وہابیہ اور دیوبندیہ روح البیان دو صدیاں پہلے لکھ گئے ہیں۔ لکھتے ہیں :

قال بعض الکبار علم الاولیاء من علم الانبیاء بمنزلة قطرة من سبعة اکبر وعلم الانبیاء من علم نبینا (صلی اللہ علیہ وسلم) بھذہ المثابة وعلم نبینا من علم الحق بھذہ المنزلة فالعلم الذی اوتیہ العباد وان کان کثیرا فی نفسہ ولکنہ قلیل بالنسبة الی علم الحق [2]

بعض بزرگوں نے فرمایا اولیاء کا علم انبیاء کے علوم کے سامنے ایسے ہے جیسے قطرہ کو دریا سے نسبت اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے علوم حضور علیہ السلام کے علم مبارک کے سامنے ایسے ہی ہے اور ایسے ہی حضور علیہ السلام کے علم اللہ کے علوم کے سامنے۔ اگرچہ بندوں کے علوم کتنے ہی کثیر ہوں لیکن علم حق تعالٰے کے سامنے قلیل ہیں۔

[ف : اسے ہم کہتے ہیں علم کلی، اور وہ بھی اپنے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے، اور وہ بھی بایں معنی کہ مخلوق اور کل کائنات کے علوم کے اعتبار سے۔ ورنہ اللہ تعالٰے کے علوم سے علم نبوی کو کیا نسبت۔ اور وہابیوں دیوبندیوں کو نامعلوم کس لئے ضد ہے کہ وہ علمِ کلی اللہ تعالٰے کی صفت بتاتے ہیں حالانکہ علم کلی سے عالم کائنات کے ابتداء و انتہا مراد ہے اور یہ علم حادث اور مخلوق ہے اللہ تعالٰے کا علم غیر مخلوق اور قدیم ہے۔ اس سے اہل علم سوچیں کہ وہ اللہ تعالٰے کی توحید کی آڑ میں ذاتِ باری تعالٰے کی توہین تو نہیں کر رہے۔ [3]]

ف : حضرت شیخ ابومدین مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ علم جو اللہ تعالٰے نے ہمیں بخشا ہے یہ ہمارا ذاتی نہیں بلکہ یہ عاریت کے طور پر ہمیں ملا ہے اور وہ بھی معمولی طور پر اور وہ بھی گاہے گاہے۔ ورنہ ہم اپنے آقا کے سامنے جاہل ہیں اور جاہل کا علم و دانش کا دعوٰے کیسا؟

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

---

[1] : یہی ہمارا عقیدہ ہے جسے ہم بار بار اپنی کتابوں میں اور تحریروں اور تقریروں میں دہراتے ہیں لیکن پھر بھی وہابی دیوبندی ہمیں مشرک کہتے نہیں تھکتے۔ ہم اس کے جواب میں صرف اتنا کہیں گے : انما یفتری الکذب الذین لا یومنون۔

[2] : روح البیان جلد ۵ صـ ۱۹۷۔

[3] : اضافہ از فقیر اویسی۔

سبحانک لا علم لنا الا ما

علمت و الھمت لنا الھا ما

ترجمہ: تو پاک ذات ہے ہمیں کوئی علم نہیں سوائے اس کے کہ تونے ہمیں سکھایا اور ہمارے دل پر القاء فرمایا۔

روح کی حقیقت کواشی میں لکھا ہے کہ روح اور اس کی ماہیت میں علماء کا اختلاف ہے کسی نے بھی اپنے دعوٰی پر دلیل قطعی پیش نہیں کی صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ روح ایک ایسی چیز ہے جس کے جسم سے جدا ہونے سے موت واقع ہوجاتی ہے اگر روح جسم میں رہے تو بقا رہتی ہے۔

روح دو قسم کی ہے فقیر (حقی) کہتا ہے کہ روح دو قسم کی ہیں:۔

① سلطانی

② حیوانی

پہلی قسم عالم امر سے ہے اسے مفارق بھی کہتے ہیں اس لئے کہ یہ روح سے جدا ہوجاتی ہے اور اسے تدبر و تفکر سے تعلق ہے اور یہ بدن کے خراب ہوجانے سے فنا پذیر نہیں ہوتا البتہ اس میں تصرف نہیں کرتا۔ اس کا محل تعین قلب صنوبری ہے اور قلب عالم ملکوت سے ہے اور دوسرا عالم خلق سے ہے اسے قلب و عقل و نفس بھی کہتے ہیں اور یہ تمام اعضاء میں سرایت کرتا ہے لیکن اس کا زیادہ غلبہ خون میں ہوتا ہے اور یہی اس کا سب سے زیادہ قوی مظہر اور اس کے تعین کا محل دماغ ہے یہ رُوح اس وقت پیدا ہوتا ہے جب روح سلطانی اس انسانی ڈھانچہ سے متعلق ہوتا ہے اور روح حیوانی درحقیقت روح سلطانی کے انوار کا ایک عکس ہے اور یہی تمام افعال و حرکات کا مبدأ ہے اور حیات ایک غیبی اور پوشیدہ امر ہے جو زندہ شے کے آثار سے ہی پتہ چلتا ہے کہ واقعی اس میں حیات ہے مثلاً زندہ کی حس و حرکت اور علم و ارادہ وغیرہ سے معلوم ہوگا کہ اس میں حیات ہے اور ظاہر ہے کہ انسان وغیرہ میں اگر روح نہ ہوتی تو اس سے آثار مختلفہ صادر نہ ہوتے۔ اس لئے کہ یہ امور ایسے ہیں جیسے ذاتِ حق کے لئے صفات۔ جیسے افعال الٰہیہ کے صدور کا دار و مدار صفت کے ساتھ ذات کے اجتماع پر ہے ایسے ہی افعال انسانیہ روح سلطانی کے روح حیوانی کے ساتھ اجتماع سے صادر ہوتے ہیں جیسے ان افعال و آثار کے وجود سے پہلے صفات الٰہیہ کمالیہ باطن غیب ذات احدیہ میں پوشیدہ تھے ایسے ہی روح حیوانی اس بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے روح سلطانی میں بالقوت موجود تھی۔

رد وہابیہ: ہماری اس مختصر سی تقریر سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اولیا اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار[1]	اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ وہ ایک دار سے دوسرے دار میں منتقل ہوجاتے ہیں۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کون کہتا ہے کہ ولی مرگئے۔ بلکہ وہ تو قید سے چھوٹے اور اپنے گھر گئے۔ (از اویسی)

ف: وہ اس لئے کہ انتقال فنائے تام کے وقت انسلاخ کی طرح ہے۔

روح کے احوال: روح پانچ احوال پر مشتمل ہے:۔

① حالۃ العدم۔ کما قال:۔

هل اتی علی الانسان حین من الدهر۔ الآیۃ

حالۃ الوجود فی عالم الارواح۔ کما قال تعالٰی:۔

② خلقت الارواح قبل الاجساد بالفی سنۃ

ترجمہ: میں نے ارواح کو دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔[1]

③ حالۃ التعلق۔ قال تعالٰی:۔

ونفخت فیہ من روحی۔

④ حالۃ المفارقۃ۔ قال تعالٰی:۔

کل نفس ذائقۃ الموت۔

⑤ حالۃ الاعادۃ۔ قال تعالٰی:۔

سنعیدھا سیرتھا الاولٰی

ف: ① حالۃ العدم کی معرفت سے یہ فائدہ ہوگا کہ انسان اپنے آپ کو حادث اور ذاتِ حق کو قدیم ماننے کے عقیدہ پر راسخ ہو جائے گا۔

② حالۃ الوجود فی عالم الارواح کی معرفت سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہم اللہ تعالٰی کے صفات ذاتیہ کے قائل ہو جائیں گے کہ وہ واقعی قدرت، حیات، علم، وجود، سمع، بصر، کلام، ارادہ اس کی ذاتی صفات ہیں۔

---

[1] یہ اسی روایت اور مسئلہ کو وہابیہ سرے سے ہی نہیں مانتے۔ (اویسی)

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ے:۔ اس حدیث شریف کو وہابی دیوبندی نہیں مانتے تو یہ ان کی بدقسمتی ہے اور منکرین حدیث اور ان میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ منکرینِ حدیث چند روایات کو نہیں مانتے اور یہ شانِ رسالت و ولایت کی روایات کو نہیں مانتے ۱۲۔ (اویسی)

③ تعلق الروح بالجسد کی معرفت سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہم یقین کریں گے کہ ہمارا رب تعالےٰ عالم غیب و شہادت کی کلیات وجزئیات کے ذرہ ذرہ کو جانتا ہے۔

④ نفخ الروح فی البدن کی معرفت سے ہمیں یہ ہوگا کہ ہم اپنے عقیدہ میں پختہ ہوجائیں گے کہ واقعی ہمارا رب تعالےٰ رزاق، تواب، غفار، رحمٰن، رحیم، منعم، محسن اور وہاب ہے۔

⑤ حالۃ مفارقہ کی معرفت سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ ہمارے روح کو جسم کے ساتھ رہنے سے جتنا خبائث غلاظتین چمٹ گئی تھیں وہ اس حالت میں دور ہوں گی اور مقام عندیت کے ذوق سے ہم بہرہ مند ہوں گے۔

⑥ اعادۂ روح سے یہ فائدہ ہوگا کہ ہم تنعمات اخرویہ سے نوازے جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

تلاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بیشمار عوالم پیدا فرمائے بعض روایات میں تین سو ساٹھ ہزار عالم مذکور ہیں لیکن یہ تمام صرف دو عالم میں محصور ہیں:-

① عالم خلق

② عالم امر

چنانچہ فرمایا: الا لہ الخلق والامر۔ عالم دنیا اور وہ اشیاء کہ جن کا حواس خمسہ یعنے سمع، بصر، شم و ذوق لمس سے ادراک ہوسکتا ہے انھیں عالم خلق اور عالم آخرت اور وہ امور جن کا حواس باطنہ یعنے عقل، قلب، سر، روح، خفی سے ادراک کیا جاتا ہے انھیں عالم امر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عالم امر اولیات عظائم ہیں یعنے وہ اشیاء جنھیں بقائے عوالم کے لئے پیدا فرمایا جیسے روح، عقل، قلم، لوح، عرش، کرسی، جنت اور نار۔

ف: عالم امر کو امر سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اسے بلاواسطہ لفظ کن سے پیدا فرمایا۔ کما قال تعالےٰ:

خلقتك ولم تك شيئا

اور چونکہ اس کا امر قدیم ہے اور وہ شے جو اس امر سے پیدا ہوگی اسے (مدتِ دراز تک) بقا ہوگی۔ اگرچہ ہم اس کے متعلق حدوث کا عقیدہ رکھیں گے اور عالم خلق کو اس لئے اس نام سے تعبیر کرتے ہیں کہ اسے اللہ تعالےٰ نے شے کے وسائط و وسائل سے پیدا فرمایا۔ کما قال:-

وما خلق الله من شيء

پھر چونکہ وہ ایک مخلوق شے کے وسیلے سے پیدا کی گئی ہے۔ اسی لئے اسے خلق سے تعبیر فرمایا اور اسے جلد ترفنا کے لئے پیدا فرمایا۔

روح کی حقیقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی اور ردِ وہابیہ دیوبندیہ

اس سے ثابت ہوا کہ قل الروح من امر ربی۔ روح کی

تعریف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ روح عالم امر اور عالم بقار سے ہے اسے عالم خلق و عالم فنا سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کی حقیقت کا علم ایسے علوم سے ہے کہ جنہیں اللہ تعالےٰ نے صرف اپنی ذات کے ساتھ مخصوص رکھا اور کسی کو اس کا علم نہ دیا۔ جن جاہلوں کا خیال ہے کہ اس کا علم اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو نہیں دیا (معاذ اللہ) حالانکہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو خدا کی ذات کو خوب جانتے ہیں پھر باقی اشیار کے نہ جاننے کا کیا معنے؟ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا،

وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما

یقیناً علم روح ایسا مخفی علم نہیں جو اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو نہ دیا ہو۔

ازالہ وہم وہابی آپ کے علم روح کی خبر نہ دینا یا اس کے لئے وحی کا انتظار کرنا جب آپ سے یہودیوں نے سوال کیا سو وہ بھی رازداری کا ایک طریقہ تھا جسے یہودیوں نے نہ سمجھا کیونکہ وہ کم عقل تھے پھر وہ قلبی طور پر ٹیڑھے بھی تھے اور ان کے عقائد بھی خراب تھے اور راز و رموز کو وہی جانتے ہیں جو محرم راز ہوں اور محرم راز وہی ارباب سلوک اور اصحاب سیر الی اللہ ہیں کیونکہ جب وہ نفس اور نفسانیت سے گذر کر واصل الی عالم الارواح ہوتے تو نور روح سے سر کو جانا اور عالم روح سے گذرے تو شواہد حق سے روح کو معلوم کیا اور منزل حق کو عبور کیا تو انوار صفات سے مشاہدات جمیل خفی کو پہچانا اور جب انانیت وجود سے تجلی صفات جلال کے سطوات کے ذریعہ فانی ہوتے اور بحر حقیقت کی گہرائی میں پہنچے تو ان پر ہویت حق منکشف ہوئی اور جب بحر ہویت میں غرق ہوئے اور بقار الوہیت کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کو اللہ کی ذات سے پہچانتے ہیں۔

سبق: جب یہ ایک ولی اللہ کا حال ہے تو پھر اس ذات کا کیا کہنا جو عالم ما کان و ما یکون ہیں، صلے اللہ علیہ وسلم۔

[جو کچھ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا ہے وہی حق ہے اور یہی جمہور اہلسنت کا مذہب ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے دور میں ایک گروہ پیدا ہوا ہے جو قائل ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت کا علم نہ تھا۔ یہ ان کا کہنا جلی پر جہالت ہے ورنہ صاحب روح البیان کے علاوہ دوسرے علمار محققین بھی تصریح فرما چکے ہیں کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت معلوم تھی چنانچہ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) علامہ علاؤالدین رحمہ اللہ تعالےٰ تفسیر خازن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علم معنی الروح ولکن لم یخبر بہ لان ترك الاخبار بہ کان علما النبوتہ۔

یعنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقت روح معلوم تھی۔ لیکن آپ نے اس کی خبر نہ دی کیونکہ اس کی خبر نہ دینا، یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اس سے آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

وما اوتیتم الا قلیلا ھو خطاب للیہود۔

یعنے اور نہ دیا گیا تمھیں مگر تھوڑا علم ، یہ خطاب یہود کو ہے ۔

ف : اس آیت کی تفسیر سے صاف واضح ہوگیا کہ روح کی حقیقت حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک میں تھی ۔ لیکن اس کا اظہار نہیں فرمایا ۔

(۲) شیخ محقق علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ ، مدارج النبوت میں علم روح کے متعلق فرماتے ہیں :-

چہ گونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین صلے اللہ علیہ وسلم کند دادہ است او را حق سبحانہ تعالےٰ علم ذات و صفات خود و فتح کردہ بروئے فتح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت و قطرہ ایست از دریا و ذرہ ایست از بیدار ۔

(مدارج النبوت جز ثانی صہ ۶۵)

یعنے مومن عارف یہ ہمت کس طرح کرسکتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سید المرسلین و امام العارفین سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے ۔ حالانکہ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا ہے اور ان کے لئے علوم اولین و آخرین کھول دیئے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے ۔ وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ ہے اور اس جنگل کا ذرّہ ہے ۔

ف : خلاصہ یہ کہ شیخ محقق علیہ الرحمہ کے کلام سے واضح ہوگیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے آگے روح کی کیا حقیقت ہے اس لئے کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات و صفات اولین و آخرین کے علوم عطا فرما دیئے ہیں ۔ روح تو آپ کے دریا کا ایک قطرہ اور جنگل کا ایک ذرّہ ہے ۔

(۳) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں علم روح کے متعلق فرماتے ہیں :-

و لا تظن ان ذالك لم يكن مكشوفا لرسول الله صلى الله عليه وسلم فان من لم يعرف الروح فكانه لم يعرف نفسه ومن لم يعرف نفسه فكيف يعرف الله سبحانه و لا يبعد ان يكون ذالك مكشوفا لبعض الاولياء و العلماء ۔

(احیاء العلوم ، غزالی)

یعنے گمان نہ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم ظاہر نہ تھا ۔ اس لئے کہ جو شخص روح کو نہیں جانتا وہ اپنے نفس کو نہیں پہچانتا وہ اللہ سبحانہٗ کو کیونکر پہچان سکتا ہے اور بعید نہیں ہے کہ بعض اولیاء اور علماء کو بھی اس کا علم ہو ۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم ہے نیز قرآن مجید کی کسی آیت میں علم روح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمانے کی نفی تو ہے ہی نہیں۔ یہ محض قیاس باطل ہے آیت روح کو عدم علم نبی کے لئے سند بنانا اول درجہ کی سفاہت ہے [1]
مزید تشریح کے لئے فقیر کی کتاب "الفتوح فی حقیقۃ الروح" پڑھئے۔]

روح نور ہے روح انسانی وہی پہلی ہے جس سے قدرت کا تعلق ہوتا ہے :۔

جوھرۃ نورانیۃ ولطیفۃ ربانیۃ من عالم الامر ھو الملکوت الذی خلق من لاشی [2]	روح ایک نورانیہ جوہر اور ربانی لطیفہ ہے عالم امر سے متعلق ہے اور عالم امر عالم ملکوت سے اور عالم ملکوت وہ ہے جو کسی شے کے واسطہ سے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔

اور عالم خلق وہ ملک ہے جو کسی شے کے واسطے سے پیدا کیا گیا۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے :۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض

اس سے ثابت ہوا کہ عالم دو ہے جنھیں دنیا و آخرت اور ملک و ملکوت اور غیب و شہادۃ اور صورت و معنے اور خلق و امر اور ظاہر و باطن اور اجساد و ارواح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جب اس قسم کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو عالم کا ظاہر و باطن مراد ہوتا ہے۔ اور آیت سے یہی ثابت ہوا کہ ملکوت سے عالم کا باطن کہ جو کسی واسطہ کے بغیر پیدا کیا گیا اور اس کے ماسوا کا نام ملک ہے یعنے وہ جو کسی شے کے واسطہ سے پیدا کیا گیا۔

اوّل کائنات حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اول ما خلق اللہ جوھرۃ۔

اور فرمایا :۔

اول ما خلق اللہ روحی۔

اور فرمایا :۔

اول ما خلق اللہ العقل۔

---

[1]: [.....] اضافہ از فقیر اویسی۔

[2]: روح البیان، جلد ۵ ص ۱۹۹۔

اور فرمایا :

اول ما خلق الله القلم

(ان چاروں سے ایک ہی شے مراد ہے صرف اس کے مختلف اوصاف کی وجہ سے مختلف اسماء سے تعبیر کیا گیا ہے[1])۔

چنانچہ مشائخ کبار نے فرمایا کہ اول المخلوقات علی الاطلاق ملک کروبی ہے جسے عقل کہا جاتا ہے اور وہی صاحب القلم ہے اور صاف قلم کو قلم سے تعبیر کیا گیا جیسے صاحب سیف کو سیف سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کہا جاتا اور یہی پہلا اسلامی لقب ہے جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔ اور قرآن مجید میں ہے :

یوم یقوم الروح و الملائکۃ صفاً

اس آیت کی تفسیر میں حدیث شریف میں وارد ہوا کہ روح سے فرشتہ مراد ہے جو صف باندھ کر بارگاہ حق میں کھڑا ہوتا ہے۔

شانِ رسالت ممکن ہے کہ اس ملک سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس مراد ہو۔ اس لئے مختلف روایات و مختلف صفات سے جس مخلوق اول کو موصوف کیا ہے وہ ایک ذات ہے اس میں مختلف صفات موجود ہیں انہی مختلف صفات کی وجہ سے اسے مختلف اسمار سے موسوم کیا گیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے اصل کائنات حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

لولاک لما خلقت الکون[2] آپ نہ ہوتے تو کائنات کو پیدا نہ کرتا۔

ف : اس سے واضح ہوا کہ اصل کائنات ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی کل کائنات آپ کی فرع۔ اس لئے کہ روح کے اندر کل کائنات کا بیج موجود تھا جب وہ اپنی قوت کو پہنچا اور اسے چالیس سال گذرے تو جسم و روح سے موجودات کے شجرہ سے ثمرہ خارج ہوا جسے سدرۃ المنتہیٰ سے تعبیر کرتے ہیں! اور قاعدہ ہے کہ ثمرہ درخت کی ٹہنیوں سے نکلتا ہے اسی لئے آپ قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر تشریف لے گئے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا :

نحن الاخرون السابقون یعنے ثمرہ کی طرح سب کے بعد آئے اور تخلیق میں بیج کی طرح سب سے پہلے ہیں۔

خلاصہ کلام اس تقریر سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلی مخلوق حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس ہے جس کے ساتھ سب سے پہلے قدرتِ حق کا تعلق ہوا۔ آپ کے مختلف صفات کی وجہ سے آپ کے مختلف اسماء ہیں مثلاً چونکہ آپ جملہ کائنات کے جوہر ہیں اسی لئے آپ کو درّۃ و جوہرۃ سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا :

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] روح البیان، ج ۵ صفحہ ۱۹۹

اول ما خلق اللہ جوھرۃ

اور دوسری روایت میں ہے:

درۃ فنظر الیھا فذابت فخلق منھا کذا وکذا

اور بوجہ آپ کی نورانیت کے آپ کو نور کہا گیا اور آپ کے عقل کی وفرت سے آپ کو عقل سے موسوم کیا گیا اور آپ میں ملکی صفات کا غلبہ تھا اسی لئے آپ کو ملک (فرشتہ) سے تعبیر کیا گیا اور آپ چونکہ صاحب قلم تھے اسی لئے آپ کو قلم کہا گیا۔

[صاحب روح البیان مذکورہ بالا دلائل لکھ کر آخر میں ان لوگوں کا رد لکھتے ہیں جو قائل تھے

رد وہابیہ و دیوبندیہ کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت معلوم نہیں اور یہی عقیدہ ہمارے دور میں مودودی اور پرویزی جیسے بدقسمتوں کے علاوہ دیوبندیوں اور وہابیوں کا ہے[1]]

فقیر (اسماعیل حقی) کی عبارت ملاحظہ ہو، فرمایا:

وکیف یظن بہ علیہ السلام انہ لم یکن عارفا بالروح والروح ھو نفسہ وقد قال "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ"[2]

اور حضور علیہ السلام پر کیسے بدگمانی ہو سکتی ہے کہ کہا جائے کہ آپ کو روح کا علم نہ تھا حالانکہ وہ خود روح تھے اور قاعدہ ہے جو اپنے آپ کو جانتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو جانتا ہے۔

تو اصل وجود آمدی از نخست تمام ارواح حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے روح پاک سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسی معنے پر آپ اصل الارواح ہیں، اسی معنے پر آپ کا اسم گرامی "اُمّی" ہے بمعنے ام الارواح یعنے ارواح کا اصل۔ اسی لئے آپ ابو الارواح ہیں اور آدم علیہ السلام ابو البشر اور حوا ام البشر۔ اس سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کو سمجھ لیجئے کہ جب اللہ تعالٰے نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس کو پیدا فرمایا تو اس کے بعد صرف اللہ تعالیٰ تھا یا رسول اللہ، اور کوئی شے نہ تھی۔ جب اور کوئی شے نہ تھی تو حضور علیہ السلام کو کس طرف منسوب کیا جاتا سوائے ذاتِ حق کے اسی معنے پر آپ کو نور اللہ وغیرہ کہا جاتا ہے اور چونکہ آپ سب سے پہلے ہیں اسی لئے شجرۃ الوجود سے آپ کو ثمرہ وار بنایا اور آپ وہی مقدس ذات ہیں جس سے سب سے پہلے قدرت حق کا تعلق ہوا اور سب سے پہلے آپ ہی کی روح تھی جسے اللہ تعالٰے نے ونفخت فیہ من روحی کہہ کر آپ کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ اس تقریر پر یہ اضافت تشریفی ہے جیسے بیت اللہ میں اضافت تشریفی ہے اور اسے بھی اللہ تعالٰے نے ہبتی فرما کر اپنی

---

[1]: اضافہ از فقیر اویسی

[2]: روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۱۹۹۔

طرف منسوب فرمایا اور آیت میں روح سے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں یعنے جب اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کی تخلیق فرما کر ان کے اندر روح پھونکا اور اس روح کو اپنی طرف منسوب فرمایا تو کہا:

و نفخت فیہ من روحی

اس آیت میں روح سے حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام کی روح حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح کا جلوہ ہے اس کی دلیل ہماری مذکورہ بالا تقریر ہے۔ اسی طرح آپ کی اولاد کی ارواح بھی حضور علیہ السلام کی روح کی ایک جھلک ہے چنانچہ آیت ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین، ثم سواہ ونفخ فیہ من روحی سے بھی معلوم ہوتا ہے اور عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

ونفخنا فیہ من روحنا

اس سے بھی یہی کہا جائے گا کہ پھونک تو جبریل علیہ السلام کی تھی لیکن روح سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جسے اللہ تعالٰے نے اپنی طرف مضاف فرمایا۔ حدیث شریف "ادم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ" میں ایک نکتہ یہی ہے کہ آپ تمام کائنات کے باپ ہیں اسی لئے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد آپ کی پناہ میں ہوں گے۔

ازالہ وہم وما اوتیتم من العلم الا قلیلا سے وہم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہیں اس کے ازالہ میں صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ خطاب ان یہود کی طرف راجع ہے جنھوں نے حضور علیہ السلام سے روح کے متعلق سوال کیا تھا۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ تم نے اسے یہودیو! مجھ سے روح کے متعلق سوال کیا اور اس سے تمھیں جواب ملا کہ وہ من امر ربی سے متعلق ہے اور تم میرے کلام کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے کہ میں تمھیں عالم آخرت کی خبر دے رہا ہوں اور میرا کلام عالم غیب سے متعلق ہے اور تم عالم دنیا کے لوگ ہو اور تم صرف عالم محسوس کی باتیں سمجھ سکتے ہو اور تمھیں عالم آخرت سے تھوڑا علم نہیں دیا گیا کیونکہ تم عالم آخرت سے غافل ہو۔

کما قال تعالٰے:

یعلمون ظاھرًا من الحیوۃ الدنیا وھم من الاخرۃ غافلون۔

تفسیر عالمانہ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اور البتہ اگر ہم لے جائیں وہ جو ہم نے آپ کے ہاں وحی کی۔ پہلی لام توطئہ کی ہے اس قسم کے لئے جو محذوف ہے اور دوسری لام جواب کے لئے اور یہی جواب قسم اور شرط کے جواب کے قائم مقام ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ بخدا اگر ہم قرآن کو لے جائیں اور صدور ومصاحف سے مٹانا چاہیں تو ہم اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رکھیں اور اگر باقی ہو تو آپ اسے نہ جانیں جیسے پہلے آپ کو ذاتی طور پر علم نہیں تھا کہ کتاب وغیرہ کیا ہے۔

ازالہ وہم: یہ جملہ بالفرض والتقدیر کے قبیل سے ہے اور بالفرض والتقدیر کا اجرا محالات میں بھی ہوتا ہے اور یہ تو محال

بھی نہیں لیکن پھر بھی ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب کے پیش نظر اسے محالات میں داخل کرتے ہیں۔ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ قرآن مجید کے چلے جانے کے بعد پھر تم نہیں پاؤ گے یہی معنے کاشفی نے لکھا ہے۔ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ ایسا وکیل جو ہمیں مجبور کر کے قرآن مجید واپس لوٹائے اور علینا وکیلا کے متعلق ہے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ہاں اگر تمہارے اوپر تمہارا رب تعالٰے رحم فرما کر قرآن مجید واپس لوٹائے وہ ایک علیحدہ بات ہے گو بارحمت الٰہی سے ہی قرآن آپ کے سپرد کیا جا سکتا ہے اس معنے پر یہ استثنا متصل ہے۔ اور کاشفی نے لکھا ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ لیکن یہ رب تعالٰے کی رحمت ہے کہ یہ قرآن مجید تمہارے ہاں باقی ہے اور وہ محو نہیں ہوتا اس معنے پر یہ استثنا منقطع ہے۔

ف: الکواشی میں ہے کہ الا رحمۃ من ربك مفعول لہ ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے اسے محفوظ فرمایا رحمت کی وجہ سے۔

قاعدہ: یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے مراد آپ کے غیر ہیں۔ یہ قاعدہ تمام مفسرین کو مسلم ہے۔

[لیکن افسوس! کہ دورِ حاضر کے بے ادب اور گستاخ نبوت اس قاعدہ کے خلاف اس قسم کی آیات کو ظاہر پر محمول کر کے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جی بھر کر گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں][1]

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ بے شک آپ پر اللہ تعالٰے کا بہت بڑا فضل ہے کہ آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور آپ کے ہاں کتاب بھیجی اور اسے آپ کی خاطر محفوظ رکھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ پر اللہ تعالٰے کا بہت بڑا افضل ہے کہ آپ کو تمام اولاد آدم کا سردار اور خاتم پیغمبراں بنایا اور لواء الحمد اور مقام محمود عطا فرمایا اور قرآن مجید جیسی بلند مرتبہ کتاب بخشی اور پھر اسے آپ کی امت میں باقی رکھا۔ اسے محو نہیں فرمایا۔

قُلْ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم! فرمایئے۔ ان لوگوں سے جو قرآن کی بزرگی سے بے خبر ہو کر کہتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ انسان کا کلام ہے۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ اور تمام انس و جن متفق ہوں۔ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ بلاغت، کمال، معنے، حسن نظم، اخبار عن الغیب، عربی خالص، ارباب بیان اور اہل تحقیق کی فہم کے مطابق اس جیسا قرآن لاؤ۔

ازالۂ وہم آیت میں صرف جن و انس کی قید اس لئے ہے کہ مقابلہ انہی سے تھا۔ ملائکہ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ قرآن کا انکار انس و جن سے صادر ہوا۔ اور فرشتوں کو اس کا انکار تھا ہی نہیں۔ اسی لئے انس و جن کی تخصیص کی گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انس و جن آیات قرآنی نہیں لا سکتے، باقی مخلوق لا سکتی ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ مسلم ہے کہ قرآن مجید جیسا

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی

کلام سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں لا سکتا۔

ف: عین الحیوٰۃ میں ہے کہ یہاں جن میں ملائکہ بھی شامل ہیں۔ اس لئے کہ لغت میں جن ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس کا ادراک نہ ہو سکے مثلاً کہا جاتا ہے۔ "جن بترسد" یہ اس شخص کے لئے بولتے ہیں جو اپنی ڈھال کے ساتھ چھپ جاتے۔ اسی لئے ڈھال کو عربی میں مجن کہا جاتا ہے اس معنے پر ملائکہ بھی ہم سے اوجھل ہیں اس لئے اگر انہیں جن کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نکتہ: بحر العلوم میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انس و جن صرف محال پر مجتمع ہوتے ہیں اور یہ صرف انہی کا خاصہ ہے۔ ملائکہ کی یہ شان نہیں کہ وہ محال پر مجتمع ہوں۔

لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ اس جیسا قرآن نہیں لائیں گے جو صفات بدیعہ میں اس کا مماثل ہو۔ یہ قسم محذوف کا جواب ہے جیسا کہ اس پر لام توطئہ کی دلالت کرتی ہے اور یہ شرط کی جزا کے بھی قائم مقام ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا جواب جزم کے بغیر ہوتا اس لئے کہ شرط فعل ماضی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اس جیسا اس لئے نہیں لا سکتے کہ وہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے پھر یہ عقیدہ ہے کہ جیسے اس کی ذات کی کوئی مثل نہیں ہو سکتی کیونکہ صفات قدیمہ ہیں اور اس کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہیں ہاں مخلوق کی صفات متغیر و فنا پذیر ہیں اور وہ یہاں مراد نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں یعنی اس جیسے کلام کے لانے کے لئے ایک دوسرے کے معاون اور حامی بنیں تب بھی اس جیسا کلام نہیں لا سکیں گے

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اور بخدا ہم نے ایسے مختلف وجوہ سے بار بار بالتکرار بیان کیا ہے جو مزید تقریر و بیان اور رسوخ و اطمینان کا موجب ہے۔ لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لوگوں کے لئے اسی قرآن میں جو کئی طریقوں اور بہترین اوصاف سے موصوف ہے۔ مِن كُلِّ مَثَلٍ ہر طرح کے عجیب و غریب معنے سے یہ لفظ اس کلام کے لئے جو عجیب و غریب اور پرکشش حسین ترین ہو۔ قرآن کو اس طریقہ سے اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ سننے والے اسے قبول کریں۔ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝ پس لوگوں نے انکار کیا سوائے ناشکری اور سوائے حق کے انکار کے۔

سوال: کلام موجب سے استثناء ناجائز ہے مثلاً ضربت الا زیداً کہنا جائز نہیں؟

جواب: یہ کلام متاول ہے یعنے فابیٰ میں نفی کا معنے ہے اسی لئے استثناء جائز ہے یعنے ابی بمعنے لم یرد ولم یرض وما قبل وما اختار کا ہے۔

آیت سے چند فوائد حاصل ہوئے:

① قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور عظیم ترین نعمتوں سے ہے اسی لئے ہر عالم دین اور حافظ قرآن پر لازم ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کے حقوق اس سے قبل پورے کریں جب کہ امر ہاتھ سے نکل جائے یعنے موت سے پہلے۔

حدیث شریف (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دینی امور میں سب سے پہلے عالم دنیا سے امانت اور سب سے آخر میں نماز اٹھ جائے گی بہت سے لوگ نمازی تو ہوں گے لیکن دیندار نہیں ہوں گے اور ایسا زمانہ آئے گا کہ دنیا میں قرآن تو ہوگا لیکن اس کے احکام میں سے کسی ایک پر بھی پابندی کرنے والا نہ ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ حضرت یہ کیسے ہوگا جب کہ ہم نے اسے اپنے قلوب میں خوب مضبوط کرلیا ہے اور پھر اسے اپنے مصاحف میں لکھ کر تصحیح کا پورا اہتمام کیا ہے پھر ہم نے اپنی اولاد کو بھی حافظ بنایا اور انھیں وصیت کی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قرآن مجید یاد کرائیں اسی طرح یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہیگا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ قرآن سے منہ موڑیں گے تو ان سے قرآن مجید اٹھا لیا جائے گا تو وہ ہماری اصطلاح میں ان جیسا فقیر و تنگدست کوئی نہ ہوگا اس لئے کہ اس وقت قرآن مجید نہ ان کے دلوں میں محفوظ ہوگا نہ ان کے صحیفوں میں۔

حدیث شریف (۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ قرآن کو آسمان کی طرف اٹھا' اور اسے وہاں رکھا نہ جائے گا جہاں سے اتارا گیا اور اس کی عرش کے گرد شہد کی مکھیوں کی سی آواز ہوگی۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ اے قرآن مجید! کیا کہتے ہو؟ قرآن مجید فرمائے گا یا اللہ! لوگ مجھے پڑھتے تھے لیکن مجھ پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حدیث شریف (۳) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ نے فرمایا:
تین اشخاص دنیا میں غریب ہوں گے:-

(۱) قرآن مجید ظالم کے دل میں۔

(۲) نیک مرد بدعمل قوم میں۔

(۳) قرآن مجید ایسے گھر میں جہاں اس کی تلاوت نہ کی جائے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

علم چندانکہ بیشتر خوانی
چون عمل نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پائے و بروکتابے چند
آن تہی مغز را چہ علم و خبر
کہ بروہیزمست و یا دفتر

ترجمہ: (۱) علم جتنا پڑھو لیکن اس پر عمل نہ کرو تو تم نادان ہو۔

۲۔ وہ نہ محقق ہے نہ دانش مند بلکہ وہ ایک جانور ہے جس پر چند کتابیں لدی ہوئی ہیں۔

۳۔ اس خالی دماغ کو کیا پتہ کہ اس پر لکڑیاں ہیں یا کتابیں۔

اور فرمایا:۔

عالم اندر میان جاہل را

مثلے گفتہ اند صدیقاں

شاہدے درمیاں کوراںست

مصحفے درمیان زندیقاں

ترجمہ: عالم دین جاہلوں میں ہو تو اس کی مثال بزرگوں نے دی ہے کہ محبوب حسین وجمیل اندھوں میں ہے یا قرآن مجید بے دینوں میں۔

(۲) نہ انسان میں استعداد ہے نہ کسی دوسری مخلوق میں کہ قرآن مجید جیسا کلام تیار کر سکے کہ جس میں قرآن مجید کی طرح غایت درجہ کا اختصار و فصاحت اور دقت و حداقت اور لطائف غایت لطف و نظامت اور حقائق غایت حقیقت و نزاہت ہو۔

ف: جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت عوام کے لئے اور اشارہ خواص کے لئے اور لطائف اولیاء کے لئے اور حقائق انبیاء علیہم السلام کے لئے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

خوش بیان کرد آں حکیم غزنوی

بہر محجوبان مثال معنوی

کہ ز قرآں گر نہ بیند غیر قال

این عجب نبود ز اصحاب ضلال

کز شعاع آفتاب پر ز نور

غیر گرمی می نیابد چشم کور

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین

دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین

ظاہر قرآن چو شخص آدمیست

کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیست

[ترجمہ اور شرح فقیر کی کتاب "صدائے نوی" میں ہے]

مسئلہ: قرآن مجید غیر مخلوق ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات غیر مخلوق اور ازلی ہیں۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو مخلوق کہے یا ان کے قدیم ہونے میں توقف کرے یا شک کرے تو وہ کافر باللہ ہے اور وہ وجوہ جو حدوث لفظ پر دلالت کرتے ہیں ان میں اشعریہ اور منصوریہ مختلف فیہ نہیں ہیں مثلاً کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حرف اور صوت ہے اور وہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور وہ باوجود این ہمہ قدیم ہیں اور اس سے عجیب تر ان کا یہ قول ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی جلد اور اس کے گتے اور غلاف وغیرہ بھی قدیم ہیں (یہ ان کی جہالت ہے)۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ ان کا کہنا کہ قرآن مجید کے حروف ہیں اس کے دو معنے ہیں۔ ایک معنے یہ کہ وہ یعنے قرآن مجید مرکب اور کلام ملفوظ ہے اور دوسرا معنے یہ کہ وہ لکھا ہوا اور مرقوم و مخطوط ہے اور اسے لکھا جاتا ہے اور اس کے لکھنے میں حروف ہیں اور ان کے ساتھ گفتگو بھی کی جاتی ہے اسی معنے پر اس کے الفاظ کے حروف ہیں۔ ان دونوں معنوں پر کیا کہا جائے گا کہ یہی حروف کہ جس سے کلام بولا جا رہا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے کلام کی صفت ہے یا مترجم عنہ کی۔

ف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ مختلف صورتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگا جسے حقیقت نصیب ہوگی تو وہ جلووں کو قبول کرے گا اس معنے پر وہ کلام جس کو ہم بولتے ہیں وہ کلام الٰہی بھی ان بعض حروف میں متلفظ کی صورتوں میں ہو تو کیا حرج ہے جیسے وہ بے صورت قیامت میں کسی صورت میں جلوہ گر ہوگا، ایسے ہی اس کے کلام کو سمجھئے۔ حضرت شیخ اکبر نے یہاں پر طویل گفتگو کے بعد لکھا ہے کہ جب ہماری تقریر سے ثابت ہوگیا کہ بے صورت صورت میں جلوہ گر ہوگا تو اسی طرح کہا جائے کہ یہی کلام الٰہی ہے جسے ہم تلاوت کرتے اور اسے سنتے اور بولتے ہیں جسے ہم قرآن تورات اور انجیل سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: بعض نے لکھا کہ کلام رتبہ میں متکلم کا عین ہوتا ہے اور اس کا معنے اس کے ساتھ دوسرے رتبہ میں قائم ہوتا ہے جیسے کلام نفسی کا حال ہے کہ وہ حروف سے مرکب ہے اور انہی حروف سے عالم مثال و حس میں متعین ہوا جسے تعین کے بعد محسوس کیا گیا۔

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کو اکثر لوگ نہیں جانتے اور نہ ہی وہ تنبیہات ربانیہ سے متنبہ ہوتے ہیں اسی لئے ہزاروں میں ایک ہوتا ہے جسے بہشت نصیب ہوتی ہے ورنہ ان کے اکثر دوزخ میں جاتے ہیں۔ ان سے وہ جاہل مراد ہیں جو حق تعالیٰ سے اعراض کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ع ف: فقیر اویسی غفرلہ

پند گفتن با جہول خوابناک
تخم افگندن بود در شورہ خاک
چاک حمق و جہل نپذیرد رفو
تخم حکمت کم دہش اے پند گو

ترجمہ: جاہل غافل کو نصیحت ایسے ہے جیسے شور زمین میں بیج ڈالا جائے۔ اور حماقت و جہالت کا چاک سلائی قبول نہیں کرتا اسی لئے اسے حکمت کا بیج مت دے اور نہ ہی اسے نصیحت کہہ۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْا

شانِ نزول: امام واحدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اسباب نزول میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ عتبہ وشیبہ و ابوسفیان و نضر بن حارث و ابا البختری اور ولید بن مغیرہ و ابوجہل و عبداللہ بن ابی امیہ و امیہ بن خلف اور دیگر قریش و بڑے بڑے لیڈر کعبہ معظمہ میں جمع ہوئے اور طے کیا کہ حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذہبی گفتگو کر کے ان سے آج کے دن فیصلہ کی بات کی جائے تاکہ روزانہ کی غلفشار نہ ہو چنانچہ انھوں نے اپنا ایلچی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھیجا اور کہلوا بھیجا کہ آج کعبہ معظمہ میں آپ کی قوم کے جملہ سردار جمع ہیں اور آپ سے کوئی بات کہنا چاہتے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سنتے ہی تشریف لائے کیونکہ آپ کو ہر وقت ان کے اسلام قبول کرنے کی خواہش رہتی تھی اور خیال فرمایا کہ شاید انھوں نے میری تبلیغ کو مان لیا ہے۔ جب آقائے نامدار محمد صلے اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لا کر بیٹھ گئے تو

کافروں کا مکالمہ کافروں نے کہا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم اپنی برادری (عرب) میں آپ جیسے کسی کے متعلق یاد نہیں رکھتے جس طرح آپ نے اپنی قوم میں پھوٹ ڈالی ہے کہ آپ نے اپنے آبا کو گالی دیں اور ان کے دین پر عیب لگایا اور عقلمندوں کو بیوقوف کہا اور ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا اور ہماری برادری میں پھوٹ ڈالی غرضیکہ کوئی بُرا کام نہیں جسے آپ نے نہ کیا ہو۔ اب ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ یہ کام آپ نے اگر حصول مال کے لئے کیا ہے تو ہم آپ کو ایسا مالا مال کر دیں گے کہ آپ جیسا مالدار اور کوئی نہ ہوگا۔ اگر آپ لیڈری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنی تمام برادری (عرب) کا لیڈر منتخب کر لیتے ہیں۔ اگر آپ ہمارے اوپر شاہی کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر آپ پر جنوں کا اثر ہے تو ہم آپ کا طبی علاج کرائیں اگرچہ اس علاج پر ہماری جائداد کام آ جائے تب بھی ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا جواب مجھے تمہاری بیان کردہ تمام باتوں سے اتفاق نہیں، میں نے تمھیں تبلیغ اسلام نہ تو حصول مال کے لئے کی ہے نہ ہی لیڈری کے لئے اور نہ ہی بادشاہ بننے کے لئے بلکہ مجھے میرے اللہ تعالےٰ نے

تمھارے ہاں رسول بنا کر بھیجا اور مجھے تمھاری تبلیغ کے لئے کتاب دی ہے اور مجھے حکم فرمایا کہ میں اہل ایمان کو بہشت کی خوشخبری دوں اور کافروں کو دوزخ کا ڈر سناؤں اور الحمدللہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کیا اور جتنا مجھ سے ہو سکا میں نے تمھیں نصیحت دی ہے اگر تم میرے مواعظ کو مانو تو دنیا و آخرت میں عیش و آرام میں رہو گے اگر نہیں مانتے تو میں اس وقت تک صبر کروں گا جب تک میرا رب تعالےٰ تمھارے متعلق مجھے کوئی نیا فیصلہ کن حکم نہیں سناتا۔

کافروں کی تقریر کافروں نے کہا کہ اگر آپ ہماری باتوں سے اتفاق نہیں کرتے تو ایک کام اور کیجئے وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم پسماندہ لوگ ہیں اور علاقہ بھی پسماندہ ہے نہ یہاں مال کی فراوانی ہے اور عیش و عشرت بھی ہم میں نہیں کیونکہ ہمارے ہاں اسباب نہیں۔ اگر آپ اللہ تعالےٰ کے نبی ہیں تو اپنے اللہ تعالےٰ سے سوال کیجئے تاکہ وہ ہمارے ان پہاڑوں کو دور پھینکے جنھوں نے ہماری معیشت کو تنگ کیا ہوا ہے پھر ہمیں مالی وسعت عطا فرمائے اور ہمارے علاقوں میں نہریں جاری فرمائے جیسے شام و عراق میں نہروں کا جال بچھایا ہے اور ہمارے اسلاف کو زندہ کرے ان میں قصی بن کلاب کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ وہ ہمارے مشائخ سے تھے اور بہت بڑے صدق گو تھے ہم ان سے آپ کے بارے میں پوچھیں گے کہ کیا آپ سچ فرماتے ہیں یا جھوٹ (معاذاللہ) اگر آپ ہمارے سوالات کا حل فرما دیں تو ہم آپ کے دین کی تصدیق کریں گے ورنہ ہم معذور ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تقریر دلپذیر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان امور کے لئے مامور ہو کر مبعوث نہیں ہوا۔ میں جن احکام کے لئے بھیجا گیا ہوں وہ میں نے تمھیں پہنچا دیئے ہیں اب تم مانو تو تمھارے لئے دارین کی بھلائی ہے ورنہ میں اللہ تعالےٰ کے حکم کا منتظر ہوں۔

کفار کے دیگر سوالات کافروں نے کہا کہ اگر آپ وہ نہیں کر سکتے تو یوں کیجئے کہ اپنے رب تعالےٰ سے سوال کیجئے کہ وہ آپ کے ساتھ ایک فرشتے کو بھیج دے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور دعا کیجئے کہ آپ کا رب آپ کو باغات اور خزانے اور سونے اور چاندی کے محلات دے تاکہ آپ اپنے کاروبار میں کسی کے محتاج نہ ہوں کیونکہ اپنے معاش کے حصول کے لئے بازاروں کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔ اس سے آپ کو آرام مل جائے گا۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا جواب باصواب حضور اکرم صلے اللہ نے فرمایا کہ میں اس طرح کے سوالات اللہ تعالےٰ سے نہیں کرتا اور نہ ہی اس نے مجھے ایسے سوالات کے لئے بھیجا ہے بلکہ مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور جس کام کے لئے مجھے بھیجا ہے میں بفضلہ تعالےٰ اسے بخوبی سرانجام دے چکا ہوں۔

کفار کا دیگر سوال کافروں نے کہا کہ پھر تو اپنے رب تعالےٰ سے سوال کیجئے تاکہ وہ ہماری ہٹ دھرمی پر ہمارے اوپر آسمان کا کچھ حصہ گرا دے جیسے تم خود بھی کہتے ہو کہ میرا رب تعالےٰ چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

نبی علیہ السلام کا جواب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرے رب تعالےٰ کی مرضی ہے کہ وہ چاہے تو

ایسا کر دے اگر نہ چاہے تو اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔

ایک اور کافر کا سوال ایک اور کافر نے کہا اور اس کی تائید میں عبداللہ بن امیہ بن المغیرۃ المخزومی اٹھ کھڑے ہوئے جو اس وقت کافر تھے یہ حضرت عبداللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمزاد سے یعنی بی بی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بہت بڑے شیدائی تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں آپ کی تصدیق نہیں کرتا یہاں تک کہ آپ آسمان کی طرف سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور میں آپ کو دیکھتا رہوں اور یقین کر سکوں کہ واقعی آپ آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور پھر اسی طرح آپ نیچے اتر آئیں اور وہاں سے آپ ایک ایسا نسخہ لے آئیں جو مضامین سے پُر ہو اور وہ کھلا ہوا ہو جسے ہم پڑھ سکیں اور آپ کی واپسی پر آپ کے ساتھ فرشتے ہوں اور وہ گواہی دیں۔

حضور علیہ السلام کی آخری کارروائی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ان سے مایوس اور نہایت غمزدہ ہو کر واپس تشریف لائے اور کفار کی تابعداری سے ناامیدی دیکھی اور سمجھا کہ یہ لوگ مجھ سے بہت دور ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے آپ پر یہی آیت اتاری کہ وقالوا الخ اور مشرکین مکہ اور ان کے سرداروں نے کہا کہ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کی نبوت و رسالت کا ہرگز اعتراف نہیں کریں گے۔

حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے بہائیں مِنَ الْاَرْضِ مکہ کی زمین سے يَنْۢبُوْعًا ○ پانی کا ایسا چشمہ کہ وہ کبھی کم نہ ہو۔ ینبوع ہر اس کثیر الماء چشمہ کو کہتے ہیں جس سے جوش سے پانی نکلتا ہو اس کا پانی نہ دھنستا ہو اور نہ کم ہوتا ہو۔

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ یا ہو تمہارے لئے باغیچہ کہ جس کے درخت اپنے نیچے والی تمام چیزوں کو چھپا دیں۔

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ کھجوروں اور انگوروں کے درختوں سے۔ نخیل۔ نخلۃ کی اور عنب۔ عنبۃ کی جمع ہے۔

فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ پس تم زوردار نہریں جاری کرو۔ خِلٰلَهَا ان باغات کے درمیان۔

ف: القاموس میں ہے خلال الدار یعنے ہر وہ جو دار کی دیواروں کے ارد گرد اور گھروں کے مابین واقع ہو اور خلال السحاب بمعنے مخارج الماء۔

تَفْجِيْرًا ○ کثرت کے ساتھ یعنے پیدا کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس سے باغات کے درمیان پانی کے وقت نہروں کا اجراء مراد ہے یا ان کا دائمی اجراء مطلوب ہے جیسا کہ لفظ فاء سے معلوم ہوتا ہے اس سے ابتدائی اجراء مراد نہیں۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا یہ کسفۃ کی جمع ہے جیسے قطعۃ کی قطع جمع آتی ہے یہ دونوں لفظ و معنے ایک ہیں اور یہ السماء سے حال ہے کما کا کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ وہ مصدر محذوف کی صفت ہے اب عبارت یوں بنے گی کہ

اسقاطا مماثلاً لما زعمت۔ اس سے ان کی مراد "ان پہاڑوں کے ٹکڑے گرنا" ہے۔

اَوْ تَاْتِیَ یا آپ لائیں بِاللّٰہِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا ۝ قبیل بمعنے مقابل جیسے عشیر بمعنے معاشر آتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ آپ اللہ تعالٰے اور ملائکہ کو سامنے لائیے یا قبیل بمعنے کفیل ہے یعنے ایسا ضامن لائیے جو آپ کے دعوٰی کی گواہی دے اور یہ لفظ " اللہ" سے حال ہے اور " الملائکہ " کا حال محذوف ہے اور اس کا قرینہ یہی لفظ قبیلاً ہے اور وہ محذوف بھی قبیلا ہے ۔

اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ یا ہو تمہارا گھر سونے کا۔ اس سے ان کی مراد زیب و زینت ہے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ اپنا سونے کا گھر بنوائیے جس میں اپنی زندگی بسر کریں اور اس فقر و تنگدستی سے نجات پائیں ۔

اَوْ تَرْقٰی یا تم چڑھ جاؤ ۔ فِی السَّمَآءِ آسمان میں یعنے اس کے معارج میں ۔یہاں مضاف محذوف ہے ۔

رقی فی السلم وفی الدرجۃ از باب علم رضی کی طرح ہے بمعنے صعد اور کہا جاتا ہے ، علا صعوداً علواً

وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ اور ہم تیرے چڑھنے کی وجہ سے ہم اعتراف نہیں کریں گے ۔ لام تعلیل کی ہے اگر لن نؤمن بمعنے لن نصدق کریں تو لام صلہ کی ہے ۔ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے آسمان سے ایسی کتاب اتاریں جس میں تمہاری تصدیق ہو نَّقْرَؤُہٗ جسے ہم خود پڑھیں اور تم سے سمجھنے کی ضرورت نہ ہو ۔

ف : ایسے مطالبات سے ان کا مقصد صرف عناد تھا اور بس ۔ اگر وہ اس سے رہبری چاہتے تو انھیں معجزاتِ نبوی کے دیکھنے سے ہدایت نصیب ہو جاتی ۔ قُلْ تعجب کے طور پر انھیں فرمائیے جب کہ وہ سختی سے مطالبہ اور بار بار لایعنی سوال کر رہے ہیں اس سے تنزیہ مقصود ہے ۔ سُبْحَانَ رَبِّیْ میرا رب پاک ہے اس سے کہ اس پر کوئی حکم کرے یا اس کی قدرت میں اس کا کوئی شریک ہو ۔ هَلْ کُنْتُ میں نہیں ہوں ۔ اِلَّا بَشَرًا مگر بشر ہوں اور میں فرشتہ بھی نہیں ہوں کہ آسمان پر چڑھ جاؤں اسی طرح دوسرے مطالبات کو پورا کروں ۔ رَّسُوْلًا ۝ اور اللہ تعالٰے کی طرف سے مامور ہوں کہ اس کے پیغامات تم تک پہنچاؤں ۔ مجھ میں دوسرے رسولوں کی طرح ذاتی طور پر ایسے اختیار نہیں جو میں تمھیں تمھارے مطالبات پورا کردوں[1] اس لئے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اپنی امتوں کے سامنے وہی ظاہر فرماتے جو ان کے حالات کے مناسب ہوتا اور نہ انھیں اور نہ مجھے طاقت ہے کہ ہم جبراً اللہ تعالٰے سے اسے امور منوائیں ۔

ترکیب : بشرا ۔ کنت کی خبر اور رسولا ۔ بشرا کی صفت ہے ۔

---

[1] : یہ صرف کفار کی ہٹ دھرمی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ورنہ مذکورہ بالا جملہ امور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور معجزات کے ظاہر فرمائیے بلکہ ان سے بھی مزید برآں ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس حیوانی ظاہری محسوسات سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ایسی بصیرت نہیں ہوتی جس سے وہ شواہدِ حق اور دلائل نبوت کو دیکھ سکیں اور اعجاز عالم معانی کا اعجاز ولایت روحانیہ اور قوت ربانیہ سے نصیب ہوتا ہے اسی سے تزکیۂ نفوس و تصفیہ قلوب و تحلیۃ الارواح حاصل ہوتا ہے اور حکمت کے چشمے ارض قلوب سے بہ نکلتے ہیں تاکہ اس سے مواصلات کے باغات میں مشاہدات کی کھجوریں اور مکاشفات کے انگور پیدا ہوں۔

سبق صادق سالک پر لازم ہے کہ وہ عالم معنے تک پہنچنے کی طلب رکھے۔ اس لئے انسان کا حقیقی مطلب یہی ہے اور وہاں علم و عمل اور تواضع سے حالۂ تراب کی طرف رجوع کے بغیر پہنچنا ناممکن ہے۔

حکایت حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حوارین سے پوچھا کہ دانہ کہاں اگتا ہے۔ سب نے عرض کی زمین سے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسے ہی حکمت قلب سے پیدا ہوتی ہے جیسے دانہ زمین سے اس میں عیسٰی علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ حکمت تواضع اور رفع تکبر سے نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد عالی ہے کہ

"بندے کے قلب کی حکمت کے چشمے زبان سے ظاہر ہوتے ہیں"

اور چشمے زمین سے ہی ابلتے ہیں کیونکہ پانی کے چشموں کے ابلنے کی جگہ زمین ہی ہے لیکن یہ مقام ترک جاہ و جلال سے نصیب ہوتا ہے اور معرفت نفس اور اس کی عبودیت یعنے اس کا عبد ہونا اس کا دوسرا نام ہے اور قاعدہ ہے عبودیت اور ریاست یعنے جاہ و جلال ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے کیونکہ ایک ہی بندہ بادشاہ ہو اور وہی رعایا ہو، یہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح عارف جامی قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا: ؎

بالباسِ فقر باید خلعتِ شاہی درست
زشت باشد جامہ نیمے اطلس و نیمے پلاس

ترجمہ: فقیر کے لباس سے ہی شاہی خلعت درست ہے ورنہ وہ لباس خراب لگتا ہے جس میں ادھا اطلس ہو اور آدھا ٹاٹ ہو۔

ف: آیت میں کافروں کے مطالبات سے ان کی گستاخی اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا کمال ادب اور فنار فی اللہ ہونا اور ترک اعتراض قابل غور ہے۔

حکایت: جب لیلٰے نے مجنوں کا پیالہ توڑا تھا تو مجنوں تین دن شوق سے رقص کرتا رہا۔ لوگوں نے کہا کہ اسے مجنوں! تو کس

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۶۵)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

تم فرماؤ اللہ بس ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان بیشک وہ اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا ہے

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

اور جسے اللہ راہ دے وہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو ان کے لیے اس کے سوا کوئی حمایت والے نہ پاؤ گے اور ہم انہیں قیامت کے دن ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے اندھے اور گونگے اور بہرے ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب کبھی بجھنے پر آئے گی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

یہ ان کی سزا ہے اس پر کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور بولے کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا سچ مچ ہم نئے بن کر اٹھائے جائیں گے

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے ان لوگوں کی مثل بنا سکتا ہے اور اس نے ان کے لیے ایک میعاد ٹھہرا رکھی ہے جس میں کچھ شبہ نہیں تو ظالم نہیں مانتے بے ناشکری کیے

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّىْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

تم فرماؤ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو انہیں بھی روک رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور آدمی بڑا کنجوس ہے

۲۶۴
(بقیہ صفحہ گذشتہ)

لئے رقصاں ہے کیا تو نے اس سے یہی سمجھا ہے کہ لیلیٰ تجھ سے محبت کرتی ہے۔ مجنوں نے کہا کہ تم نے اس راز کو نہیں سمجھا۔ دراصل لیلیٰ نے پیالہ توڑ کر بتایا ہے کہ جب تک فنا کامل نہ ہوگی مقصد کو نہیں پاؤ گے۔ مجنوں کی سمجھ کتنی قابل داد ہے کہ صوفیاء کرام نے فرمایا کہ واقعی سالک صادق اپنے مقصود کو نہیں پا سکتا جب تک کہ اسے فناء کلی نصیب نہ ہو۔

خمیر مایۂ ہر نیک و بد توئی جامی
خلاص از ہمہ می بایدت زخود بگریز

ترجمہ: ہر نیک و بد کا خمیر اے جامی! تو ہے تمام امور سے خلاص پانا چاہتے ہو بلکہ خودی سے فارغ ہو جا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو وجود کو فانی اور شہود کو حاصل اور قلب کو ماسویٰ اللہ کی گرد و غبار سے پاک کرتا ہے بلکہ اسے رب تعالےٰ کے ذکر کے سوا اور کسی شے سے انس ہوتا ہی نہیں۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ موت کے وقت انسان کے ساتھ تین صفات باقی رہتی ہیں:

① صفا القلب یعنے قلب کا دنیا کی ہر شے سے پاک ہونا۔
② ذکر الٰہی سے انس۔
③ اللہ تعالےٰ کی محبت۔

اور قلب کی طہارت اور صفائی معرفت سے اور معرفت دائمی ذکر و فکر اور یہی تینوں صفات ہی منجیات یعنے نجات دہندگان ہیں۔

۲۶۵
(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اور قریش مکہ یعنے کفار کو کس چیز نے روکا ہے۔ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اس سے کہ ایمان لائیں قرآن و نبوت پر۔ اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى جب کہ ان کے ہاں آئی ہے ہدایت یعنے وحی کے نزول کے وقت۔ منع یا ان یومنوا کا ظرف زمان ہے۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا مگر ان کا کہنا۔ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۝ سے حال ہے یعنے وہ انکار کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کا رسول جنس بشر سے نہیں ہوتا۔

(یہی ہم اہلسنت بریلوی کہتے ہیں۔ مخالفین ہمارے اوپر بہتان تراشتے ہیں کہ اہلسنت بریلوی انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے منکر ہیں۔ تشریح آیت قل انما انا بشر مثلکم میں آئے گی۔ انشاء اللہ[1])

ف: ان کو ایمان کی دولت سے یہی اعتقاد مانع تھا جیسا کہ آیت میں ان کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔

قُلْ آپ ان کے شبہ کے جواب میں فرمایئے لَوْ كَانَ اگر پایا جائے اور ثابت ہو جائے فِي الْاَرْضِ زمین میں بشر کی بجائے مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ فرشتے لوگوں کی طرح وہ قدموں پر چلتے ہوئے نظر آئیں وہ آسمان پر پروں کی

---

[1] از اویسی غفرلہٗ۔

طرف نہیں اُتریں گے کہ آسمان والوں سے کچھ سن کر اہلِ زمین کو پیغام الٰہی بتائیں۔ مُطْمَئِنِّیْنَ زمین کے ساکن اور اسی میں قرار پانے والے۔ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ سے حال ہے یعنے ہم ان پر آسمان سے فرشتہ نازل کرتے۔ رَّسُوْلًا ۝ تاکہ انھیں دنیا و دین کے وہ ضروری امور جن کے وہ محتاج ہیں کے احکام بتائیں اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جنس جنس کی طرف میلان رکھتی ہے اور چونکہ زمین کے مکین بشر ہیں اسی لئے لازم ہے کہ ان کے ہاں جو بھی رسول بن کر تشریف لائے وہ بشر ہو تاکہ افادہ و استفادہ ممکن ہو اور کفار اس کفار سے بے خبر تھے کہ جنسیت انس پیدا کرتا ہے اور غیر جنسیت سے نفرت۔

او بشر فرمودہ و خود را مشکلم
تا بجنس آیند و گم گردند گم
زانکہ جنسیت عجائب جاذبیست
جاذب جنست ہر جا طالبیست

ترجمہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو بشر اور مشکلم فرمایا تاکہ جنس سمجھ کر لوگ آپ کے ہاں حاضر ہوں اور محویت حاصل کریں اس لئے کہ جنسیت عجیب جاذب شے ہے اور جہاں طلب ہو تو جنس جنس کی جاذب ہوتی ہے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ فرمایئے، اللہ تعالےٰ واحد لاشریک کافی ہے۔ شَهِيْدًا گواہ اس بات پر کہ میں نے تمھارے ہاں اس کے احکامات پہنچائے اور تم نے تکذیب کی اور سخت سے سخت سے مخالفت کی۔ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ میرے اور تمھارے درمیان۔ بیننا نہیں فرمایا تاکہ فرق معلوم ہو، اسی طرح؛ انك میت و انھم میتون، فرمایا، تاکہ عوام اور نبی علیہ السلام کی موت میں فرق ہو۔ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ بے شک وہ اپنے بندوں (رسل اور امتی) خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ہے باخبر اور ان کے ظاہری اور باطنی احوال کو دیکھتا یعنے محیط ہے۔ تو انھیں ان کے اعمال کی جزاؤ سزا دے گا۔ اس میں حضور علیہ السلام کو تسلی اور کفار کو تہدید ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جاہلوں کو اسی سے انکار ہے کہ وہ انسان کامل کو ان کے ہم جنسوں کی طرف راز و نیاز سکھانے کے لئے بھیجے اور ان کا خیال ہے کہ ملائکہ بشر[1] سے افضل ہیں حالانکہ ملائکہ ساجد

---

[1] یہاں بشر من حیث البشر کی فضیلت کا بیان ہے ورنہ کفار کی بشریت ملائکہ سے افضل نہیں ایسے ہی حضور علیہ السلام کی بشریت کائنات سے افضل ہے۔ یہ ہے نسبت کی شان ۱۲۔

اور بشر سمجھو تھا علاوہ ازیں بشر میں اسرار خلافت مخفی رکھے اگر ان اسرار کے اہل ملائکہ کرام ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی نوازتا اسی وجہ سے اسے زمین پر رسول بنا کر نہیں بھیجا اس سے ثابت ہوا کہ رسالت و خلافت اور ملوکیت کا اہل صرف حضرت انسان ہے

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ یہ جدید کلام ہے اسے امر میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اب معنے یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے ہدایت پیدا کرے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت کا راہ دکھاتے یعنے اس کے لئے ہدایت اور توفیق کا حکم کرے۔

فَهُوَ الْمُهْتَدِ ط پس وہی ہے ہدایت یافتہ۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ اور جس میں اللہ تعالیٰ ہدایت پیدا کرے لیکن یہ تخلیق اس کے برے اختیار کے بعد ہوتی ہے۔

ف : کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی کا حکم فرمائے اور اسے مراتب علیا سے گرائے۔

فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ تو تم ان کے لئے ہرگز نہیں پاؤگے۔

نکتہ : ہدایت میں صیغہ واحد اور ضلال میں صیغہ جمع میں اشارہ ہے کہ طریق حق واحد ہے اور اس پر چلنے والے بہت تھوڑے ہیں اور گمراہی میں جمع کے صیغہ میں اشارہ ہے کہ گمراہی کے راستے بے شمار اور اس پر چلنے والے بھی بہت ہیں۔

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ط معین و مددگار اللہ تعالیٰ کے سوا۔

ف : من دونہ محلاً منصوب اور صفت ہے اور حال ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

اور اولیاء بمعنے انصار ہے یعنے ایسے مددگار جو انہیں حق کا راستہ دکھائیں اور تم سے گمراہی دور کریں۔

حدیث شریف میں صرف رسول ہوں اور ہدایت (تخلیقی) میرے ہاتھ میں نہیں اگر میرے ہاتھ میں (ہدایت تخلیقی) ہوتی تو تمام روئے زمین پر کوئی بھی گمراہ نہ ہوتا۔ سب کے سب میرے اوپر ایمان لاتے۔

ابلیس بھی صرف گمراہی کو اچھا کر کے دکھاتا۔ اگر اس کے ہاتھ میں کچھ ہوتا تو روئے زمین پر سب کو گمراہ کر لیتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اسے ہدایت بخشتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

مکن بچشم حقارت نگاہ بر من مست
کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت او

ترجمہ : چشم حقارت سے مجھے مت دیکھ اس لئے کہ معصیت و زہد اسی کی مشیت کے بغیر نہیں۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور ہم انہیں اٹھائیں قیامت کے دن۔ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ان کے چہروں پر یعنے انہیں قیامت میں گھسیٹ کر یا پیدل لے جائیں گے اور اسے قدرت ہے کہ وہ مجرموں کو چہرہ کے بل چلائے کیونکہ جب

اسی نے قدموں سے چلنے کی طاقت بخشی ہے وہ سر کے بل چلنے کی بھی قدرت بخش سکتا ہے۔ عُمْیًا۔ یہ وجوھھم کی ضمیر جمع غائب سے حال ہے اور عمی ، اعمی کی جمع ہے۔ وَّبُکْمًا یہ ابکم کی جمع بمعنے اخرس یعنے گونگا۔ وَّصُمًّا اصم کی جمع اور صمم (محرکۃ) سے ہے بمعنے کان کی قوت شنوائی کا بند ہو جانا یا قوت سماع کا بوجھ ہو جانا کہ جس سے اونچا سنا جا سکے۔

سوال : یہ آیت مندرجہ آیات کے خلاف ہے :

(۱) سمعوا لها تغيظا و زفيرا

(۲) ورای المجرمون النار

(۳) دعوهنالك ثبورا

جواب : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کا معنے یہ ہے کہ وہ قیامت میں ایسا امر نہیں دیکھیں گے جو انہیں مسرور کرے اور ایسا کلام نہیں بولیں گے جو بارگاہ حق میں قبول ہو اور نہ ہی ایسی کوئی بات سنیں گے جس سے وہ محظوظ ہوں اور اس سے لذت پا سکیں یہ اس کا بدلہ ہے کہ دنیا میں آیات و عبرتوں سے عبرت نہیں پکڑتے تھے اور نہ ہی حق بولتے اور نہ ہی حق کو سنتے تھے۔

ف : مقاتل نے فرمایا کہ یہ اس وقت کہا جائے گا جب انھیں حکم ہوگا : اخسئوا فیها ولا تکلمون ، اس کے بعد تمام کفار بہرے گونگے اندھے ہو جائیں گے۔ (نعوذ باللہ من سخطہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ونحشرهم الخ یعنے انھیں اندھا گونگا اس لئے اٹھایا جائے گا کہ وہ دنیا کی عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ علیٰ وجوھھم یعنے دنیا کی کم درجہ اشیاء اور اس کی منقش اور شہوات کی چیزوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ عمیا رؤیت حق سے اندھے دبکما قول حق سے گونگے۔ وصما استماع حق سے بہرے ہوں گے وہ اس لئے کہ وہ ازلی نور کے چھینٹوں سے محروم رہے تھے۔ اسی لئے فرمایا :

ومن کان فی هذہ اعمٰی الخ

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جس حالت میں زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے اسی حالت پر موت آئے گی اور وہ اسی حالت میں قیامت میں اٹھے گا۔

تفسیر عالمانہ مَاْوٰهُمْ ان کا مسکن اور منزل۔ الماویٰ ہر وہ جگہ جہاں کوئی شے رات بسر کرنے کے لئے یا دن کو رہنے کے لئے تیار کرے۔ جَهَنَّمُ ط دوزخ ہے۔ یہ ماواھم کی خبر ہے اور جملہ کُلَّمَا خَبَتْ مستانفہ ہے۔

حل لغات : خبت النار۔ الحرب والحدۃ خبوا وخبوا سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب آگ اور جنگ

وغیرہ بجھ جائے اور ان کا جوش ختم ہو جاتے۔ (کذا فی القاموس)

وَزِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ اور ہم ان کے لئے جلانے والی آگ بڑھائیں گے یا اس کا معنے یہ ہے کہ ہم ان کے لئے آگ روشن کریں گے یعنے جب آگ ان کے چمڑے اور گوشت کھا جائے گی تو پھر ہم ان کے چمڑے اور گوشت پیدا کریں گے تو آگ کا جوش اس سے اور بڑھ جائے گا۔

سوال: آیت "کلما نضجت جلودھم جلودا غیرھا" سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے چمڑے صرف پک جائیں گے اور تم کہتے ہو کہ آگ ان کے چمڑوں اور گوشت کو کھا جائے گی اور وہ جل کر اور راکھ ہو کر مٹ جائیں گے؟

جواب: آیت مذکورہ میں نضج سے مجازی معنے مراد ہے وہ یہ کہ ان کے چمڑوں اور گوشت میں آگ اثر کر جائے گی اس کے بعد چمڑے کچے رہیں یا جل کر راکھ ہو جائیں۔

ف: اس کے بعد اللہ تعالٰی انھیں نئے بنا دے گا تاکہ وہ اپنی سزا کو دیکھیں اور انھیں معلوم ہو کہ ان کا مرنے کے بعد کا انکار غلط تھا۔ اسی لئے انھیں بار بار مارنا اور اٹھانا سزا کے ساتھ ساتھ عبرت دلانا مقصود تھا۔

چنانچہ فرمایا: ذٰلِكَ یہ مبتدا اور اس کی خبر جَزَآؤُهُمْ ہے یعنے یہ ان کی سزا بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا اس سبب سے ہے کہ انھوں نے ہمارے ان آیات عقلیہ ونقلیہ سے انکار کیا جو ان کے مرنے کے بعد اٹھنے پر واضح طور پر دلالت کرتی تھیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ لوگ حرص وشہوت کی آگ میں ہیں پھر ان کے مقصد پورے ہونے پر جب شہوت وحرص کی آگ بجھ جاتی ہے تو پھر دوسرے مطالب کے حصول کے لئے ان کی خواہش اور حرص کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اگر یہ ایمان دار ہوتے تو دنیا کی حرص اور اس کے شہوات پر ٹوٹ نہ پڑتے اور نہ ہی ان آیات بینات کا انکار کرتے جن کی طرف انبیاء علیہم السلام نے ہدایت بخشی۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

کوزۂ چشم حریصاں پر نشد
تا صدف قانع نشد پر در نشد

ترجمہ: حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پر نہ ہوا۔ صدف بھی جب تک قانع نہ ہوئی اس وقت تک پُر نہ ہوئی۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْٓا اور جب منکرین نے بہت سخت انکار کرتے ہوئے کہا کہ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا۔ کیا جب کہ ہم ہو جائیں ہڈیاں۔ وَّرُفَاتًا۔ الرفات بمعنے الحکام بمعنے چورہ چورہ اور مجاہد نے فرمایا رفات بمعنے مٹی۔ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ یہ یا تو مصدر ہے یعنے اپنے غیر فعل سے مفعول مطلق ہے دراصل لمبعوثون بعثنا جدیدا تھا۔ یا حال ہے بمعنے مخلوقین مستانفین۔ اس آیت کی تفسیر اسی سورت

ہیں پہلے بیان ہو چکی ہے ۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا یا انھوں نے تفکر نہیں کیا یا انھوں نے نہیں جانا کہ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بے شک اللہ تعالےٰ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو مادہ کے بغیر بنایا باوجودیکہ یہ چودہ طبق اللہ تعالےٰ کی سب سے بڑی مخلوق ہے ۔ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ قادر ہے اوپر اس کے کہ وہ ان جیسے اور بنائے یعنے صغر میں ان کے مثل ہوں یا یہ کہا جائے کہ لفظ مثل زائد ہے اور ، خلق ، سے اعادہ مُراد ہے ۔ اسی لئے کاشفی نے لکھا کہ لفظ مثل سے شے کی ذات مراد ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے :

مثلك لا يفعل كذا (تیرے جیسے ایسے نہیں کرتے یعنے تم ایسا نہیں کرتے)

وَجَعَلَ لَهُمۡ اَجَلًا لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ اور ان کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا کہ جس میں کوئی شک نہیں ۔ اس کا عطف اولم یروا پر ہے اس لئے کہ یہ قدروا کے معنے میں ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ انھیں معلوم ہے کہ وہ ذات جو آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق پر قادر ہے اور اسے یہ بھی قدرت ہے کہ قیامت میں انھیں اٹھائے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے فنا کرنے کا ایک دن مقرر کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اس وقت سے ان کی موت یا ان کے قیامت کے دن اٹھنے کا دن مراد ہے ۔

فَاَبَى الظّٰلِمُوۡنَ پس ظالموں نے انکار کیا کہ حق کے سامنے سر جھکانے سے رک گئے اور نہ سر تسلیم خم کرنے سے وہ راضی تھے ۔ اِلَّا كُفُوۡرًا ○ سوائے اس سے انکار کرنے کے ۔

قُلۡ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! کافروں سے فرمایئے ۔ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِكُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّىۡۤ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے یعنے اس کے رزق کے وہ تمام خزانے جو تمام مخلوق کے لئے ہر وقت کھلے ہیں اور انتم مرفوع ہے بوجہ فعل کہ جس کی فعل مذکور تفسیر کرتا ہے اور یہ مبتدا نہیں اس لئے کہ انتم ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے ۔ دراصل عبارت یوں تھی :

لو تملكون انتم تملكون ۔

اِذًا لَّاَمۡسَكۡتُمۡ اس وقت تم بخل کرتے یعنے امسکتم بمعنے بخلتم ہے اس لئے کہ بخیل کو ممسک کہا جاتا ہے اسی لئے اس کے لئے مفعول محذوف نہیں مانا گیا ۔ خَشۡيَةَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ اس کے ختم ہونے کے خطرے سے ۔ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ○ اور انسان فطرتاً تنگدل ہے ۔ قتورا ۔ قتر بمعنے ضیق سے ہے یعنے انسان فطری طور پر سخت سے سخت بخیل مزاج ہے ۔ اس لئے کہ انسان ہر وقت ضروریات میں گھرا رہتا ہے اور اسے اپنی ضروریات پورا کرنے کا ہر وقت خیال رہتا ہے اور جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کے عوض لینے کے درپے رہتا ہے ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بنی سلمہ قبیلہ سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے ؟ انھوں نے

عرض کی کہ جد بن قیس۔ اور ساتھ یہ بھی شکایت کی کہ وہ بخیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بخل سے بڑھ کر اور کون سی بیماری ہو سکتی ہے آج کے بعد تمہارا سردار عمر بن الجموح ہے۔

تفسیر صوفیانہ بخل اور حرص انسان کی صفات مذمومہ سے ہیں انسان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو ان دونوں صفات سے پاک اور منزہ رکھے بلکہ اپنے آپ کو سخاوت اور قناعت سے آراستہ پیراستہ کرے بلکہ اپنے سے طول امل (یعنے دل کی تمنائیں) دور رکھے اس لئے کہ شیطان بخیل کے ساتھ رہتا ہے اگرچہ وہ عبادت گذار ہو اور سخی سے دور بھاگتا ہو اگرچہ وہ فاسق ہو۔

ازالۂ وہم بعض لوگ ہر بات میں انبیاء و اولیاء کو اپنے جیسا سمجھ کر عمومی حکم میں ان حضرات پر عام حکم لگاتے ہیں حالانکہ یہی غلطی انہیں گستاخی اور بے ادبی کی طرف لے جاتی ہے۔ وہابی، دیوبندی اور ان کے ہم نوا اسی قاعدہ اور ضابطہ میں مبتلا ہیں مثلاً یہی بخل اگرچہ انسانی فطرت میں داخل ہے اس لئے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہونے کی وجہ سے قبض و یبوست (بخل وغیرہ) میں مبتلا ہو لیکن اللہ والے (انبیاء و اولیاء) اس سے مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالٰے کے خواص بندے اور اس کی صفات سے متخلق اور اس کی ذات کے اسرار کے متحقق ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا:

شعر

لہ راحۃ لو ان معشار جودھا

علی البرکان البر اندی من البحر

ترجمہ: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی ایسی ہے کہ اگر اس کی سخاوت کا دسواں حصہ جنگل کو نصیب ہو جائے تو وہ دریا سے بھی زیادہ سخی ہے۔

ف: الراحۃ بمعنے الکف یعنے ہاتھ کی ہتھیلی۔ المشعار بمعنے العشر یعنے دسواں حصہ۔

حکایت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کو گالی دینا شروع کر دیں۔ اسے مارنے کے لئے ہر آزاد اور غلام دوڑ پڑے آپ نے فرمایا کہ اسے مت مارو بلکہ میرے ہاں لے آؤ۔ جب حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی! تو نے میری مذمت کی اس سے مجھے ناراضگی نہیں اس لئے کہ جتنا تو نے میرے عیوب گنائے ہیں اس سے کئی گناہ زیادہ میرے عیوب پوشیدہ ہیں (یہ انکساری سے فرمایا)، بتائیے تجھے کیا شے چاہیئے تاکہ تیری خدمت کروں۔ حضرت کی ان کریمانہ باتوں سے اس شخص کا شرمساری سے سر جھک گیا۔ آپ نے اپنا قیمتی کمبل اسے عنایت فرما دیا اور فرمایا کہ اس شخص کو ہزار درہم دے دیا جائے۔ وہ شخص یہ انعام لے کر کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اولادِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

؎ ۔ اضافہ از اویسی غفرلہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے پوچھو جب وہ ان کے پاس آیا تو اس سے فرعون

فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ

نے کہا اے موسیٰ میرے خیال میں تو تم پر جادو ہوا کہا یقیناً تو خوب جانتا ہے کہ انہیں نہ اتارا مگر

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ

آسمانوں اور زمین کے مالک نے دل کی آنکھیں کھولنے والیاں اور میرے گمان میں تو اے فرعون تو ضرور ہلاک

اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ

ہونے والا ہے تو اس نے چاہا کہ ان کو زمین سے نکال دے تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو سب کو ڈبو دیا اور

لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ

اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا اس زمین میں بسو پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم سب کو گھال میل لے آئیں گے

اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ

اور ہم نے قرآن کو حق ہی کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے لیے اترا اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر خوشی اور ڈر سناتا اور قرآن ہم نے

عَلَى النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ

جدا جدا کر کے اتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا تم فرماؤ کہ تم لوگ اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾

بیشک وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے علم ملا جب ان پر پڑھا جاتا ہے ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو بیشک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا اور ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں روتے

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ ۩ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا

ہوئے اور یہ قرآن ان کے دل کا جھکنا بڑھاتا ہے تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی

فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ

کے اچھے نام ہیں اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں

سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ

راستہ چاہو اور یوں کہو سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے لیے بچہ اختیار نہ فرمایا اور بادشاہی میں کوئی اس

فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

کا شریک نہیں اور کمزوری سے کوئی اس کا حمایتی نہیں اور اس کی بڑائی بولنے کو تکبیر کہو

بقیہ صفحہ نمبر ۲۷۲

ف : اس سے یہ وہم نہ ہو کہ اہلِ بیت نبوی دنیادار تھے بلکہ وہ فطرۃً سخی تھے۔
کسی نے کیا خوب کہا : ؎

وھم ینفقون المال فی اول الغنی

ویستانفون الصبر فی اٰخر الفقر

اذا نزل الحی الغریب تقارعوا

علیہ فلم تدد المقل من المثری

ترجمہ : وہ حضرات بہت زیادہ مال خرچ کرتے ہیں اور صبر کو ترجیح دیتے ہیں جب کسی قبیلہ میں کوئی مسافر آتا ہے تو یہی حضرات ان کی خبر گیری کرتے ہیں۔
شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اگر گنج قارون بچنگ آوری

نماند مگر آنکہ بخشی بری

بخیل توانگر بدینار و سیم

طلسمت بالائے گنجی مقیم

ترجمہ : اگرچہ قارون کا خزانہ تمہارے ہاتھ لگ جائے۔ تیرے ہاں وہی رہے گا جو اللہ تعالٰی کی راہ میں تونے لٹا دیا۔ اور بخیل کو دینار و زر کا طلسم سمجھے جو اس پر پہرہ دے رہا ہے وہ زر سالہا سال ایسے ہی رہتی ہے کہ گویا طلسم اس کے سر پر لہرا رہا ہے جب اچانک اس کے سر کو اجل کے پتھر سے پھوڑیں گے تو اس کے خزانہ کو آرام سے لوگ آپس میں تقسیم کریں گے۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ ۲۷۳)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ اور بے شک ہم نے موسٰے علیہ والسلام کو عنایت فرمائے نو معجزات۔ بَيِّنٰتٍ جو ان کی نبوت پر واضح طور پر دلالت کرتے تھے اور وہ احکام جو اللہ تعالٰی کی طرف سے لائے ان کے لئے روشن دلائل تھے اور وہ نو معجزات یہ ہیں :-

① عصا
② ید بیضا
③ ٹڈی
④ جوئیں
⑤ مینڈک
⑥ خون
⑦ طوفان
⑧ قحط کے سال
⑨ نقص ثمرات

فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ تو بنی اسرائیل سے سوال کیجئے یعنے ہم نے انھیں کہا کہ اِذْ جَآءَهُمْ جب ان کے ہاں تشریف لائیں تو اے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے بارے میں فرعون کو کہنا کہ وہ بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے۔ یہاں بنی اسرائیل سے یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل یعنے ان کے علماء سے پوچھیئے کہ یہ معجزات موسےٰ علیہ السلام کے تھے یا نہیں، تاکہ مشرکین کو آپ کی نبوت کی تصدیق ہو، تاکہ ان کے ہاں آپ کی صداقت ظاہر ہو۔ جب کہ انھوں نے آپ سے ان معجزات کے متعلق امتحان لینا چاہا اور ان کے سوالات پر آپ نے جوابات دیئے جو سو فیصد صحیح نکلے۔

اور دوسرا معنے یہ ہے کہ جب موسےٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں آئے تو آپ بنی اسرائیل سے سوال کیجئے کہ وہ بتائیں کہ موسےٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین کیا گفتگو ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے ہاں یہ معجزات لے کر آئے۔ بنی اسرائیل سے پوچھیئے کہ کیا موسیٰ علیہ السلام کی برادری نے دیکھ کر ان سے استدلال کیا یا نہ۔ اور وہ بھی اہل حق کی طرح ان پر ایمان لاتے یا نہ اور اہل حق سے وہ حضرات مراد ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل سے امام بنائے اور وہ انھیں راہ ہدایت بتاتے اور اللہ تعالےٰ کی آیات پر یقین رکھتے۔

تفسیر عالمانہ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

ف: الارشاد میں ہے کہ فا فصیحہ ہے یعنے موسےٰ علیہ السلام نے ارشاد ربانی کے مطابق فرعون کے ہاں آیات بینات

ظاہر فرمائے اور پیغام الٰہی پہنچایا تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا، اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ۝
بے شک میں نے تمھیں اے موسیٰ علیہ السلام جادو سے متاثر خیال کیا ہے یعنے تم پر کسی نے جادو کیا ہے اسی وجہ سے تیری عقل میں خبط ہے کیونکہ تم ایسی غیر معقول باتیں کرتے ہو جن سے واضح ہوتا ہے کہ تم پر کسی نے جادو کیا ہے۔ اسی طرح کا ملتا جلتا طعنہ کفار مکہ نے بھی حضور علیہ السلام پر مارا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون ۔

ف: ممکن ہے یہ صیغہ نسبت ہو یعنے مسحور یعنے ذی سحر۔ چنانچہ تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ فرعون اہل یقین سے تو تھا نہیں بلکہ وہ اہلِ گمان سے تھا۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور آپ کے معجزات کو جادو تصور کیا۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون بے شک تو نے معلوم کیا یعنے تو نے دل سے مان لیا مگر تو زبان سے اقرار نہیں کرتا۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون! تو نے انھیں اگر عقل سے سمجھا ہوتا تو ضرور تو انھیں مان جاتا۔

مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ ان معجزات کو نہیں نازل کیا ۔ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مگر آسمانوں اور زمینوں کا رب یعنے خالق و مدبر نے۔ بَصَآئِرَ یہ الآیات سے حال ہے یعنے یہ معجزات بالکل روشن اور واضح ہیں جو کہ میری نبوت کی صداقت پر راہ دکھاتی ہیں لیکن تو ان کے مقابلہ میں ضد کرتا بلکہ تکبر کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان معجزات میں ہر معجزہ فرداً فرداً میری نبوت و رسالت پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو نور بصیرت و عقل سے دیکھنے کی دعوت دی۔ اور شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ علم سعادت کو کھینچ کے نہیں لاتا۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ جہالت کو اپنے صاحب سے دور بھگا دے پھر صاحبِ علم کی قسمت کہ وہ سعادت حاصل کرے تو اس کے لئے آسان ہے اگر سستی کرے تو نقصان ہے۔ اسی لئے مشائخ کرام نے فرمایا کہ اہلِ علم کو چاہیئے کہ وہ اپنے علم کو اپنے لئے حجاب نہ بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو، ابلیس نے آدم علیہ السلام کے حال کو اور یہود نے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم تھا لیکن بے چارے توفیق ایمان سے محروم رہے۔ اسی لئے بدبختوں کے سردار شمار ہوئے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

و جحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا

حضرت کمال خجندی نے فرمایا:

در علم محققاں جدل نیست
از علم مراد جز عمل نیست

ترجمہ: محققین کے نزدیک علم میں جدل نہیں اور علم سے بھی عمل مراد ہے۔

اور حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نہ من ز بے عمل در جہان ملولم و بس
ملالت علما ہم ز علم بے عمل ست

ترجمہ: میں بے عملی سے ملول نہیں ملال ان سے ہے جو علم کے ہوتے بے عمل ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ مثبور ابمعنے ہر خیر سے دور اور ہر برائی کا خوگر مثلاً کہا جاتا ہے: ما ثبرك عن ھذا یعنے تجھے اس سے کس چیز نے باز رکھا۔ یا مثبور بمعنے ھالك ہے از ثبور بمعنے ہلاک۔ اب معنے یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون مجھے یقین ہے کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ تو عقل و بصیرت کے بغیر تباہ و برباد ہونے والا ہے۔

ف: ظن دو قسم کی ہے:۔

(۱) جھوٹا
(۲) سچا

فرعون کا گمان جھوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کا گمان سچا تھا۔

فَاَرَادَ فرعون نے اپنے جھوٹے گمان کے نتیجہ سے ارادہ کیا کہ اَنْ یَّسْتَفِزَّھُمْ۔ الاستفز از بمعنے الازعاج فرعون موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو دور ہٹاتے۔ مِّنَ الْاَرْضِ زمین مصر سے یا تمام روئے زمین سے قتل کر کے یا جڑ سے کاٹ کر۔ فَاَغْرَقْنٰهُ تو ہم نے فرعون کو غرق کر دیا۔ وَمَنْ مَّعَهٗ اور وہ لوگوں کو جو فرعون کے ساتھ تھے یعنے قبطیوں کو۔ جَمِیْعًا ۝ سب کو۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو آپ کے سچے گمان کی وجہ سے ہم نے نجات بخشی۔

ف: الارشاد میں ہے کہ ہم نے فرعون کی تدبیر کو الٹ دیا کہ اسے اور اس کی قوم کو غرق کر کے سب کی جڑ کاٹ دی۔

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد ہم نے کہا: لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو۔ اسْكُنُوا الْاَرْضَ ٹھہرو، اسی زمین میں جس سے تمہارے نکلوانے کا فرعون نے منصوبہ بنایا تھا یعنے مصر کے علاقہ میں یا مطلقاً کوئی اور زمین مصر کی زمین اس وقت مراد ہو سکتی ہے جب ثابت ہو جائے کہ بنی اسرائیل دوبارہ مصر میں واپس لوٹ آئے تھے۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ آخرت کے وعدہ کا وقت آئے گا یعنے قیامت

قائم ہوگی۔ جِئۡنَا بِکُمۡ ہم تمہیں اور انھیں حشر گاہ میں لائیں گے۔ لَفِیۡفًا ○ جماعت ملی جلی یعنے تم تمام لوگوں میں ملے جلے ہوگے پھر ہم حکم کریں گے کہ نیک بخت علیحدہ ہو جائیں اور بد بخت علیحدہ۔

ف: اللفیف بمعنے وہ مختلف قبیلے اور مختلف جماعتیں جو کہ بعض نے بعض کو لپیٹ رکھا ہو۔

القاموس میں ہے کہ جئنا بکم لفیفا بمعنے درآنحالیکہ تمھیں جمع کرکے مختلف قبیلوں میں ملاکر ہم تمھیں لائیں گے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ کفار مومنین کو چمٹ جائیں گے تاکہ ان کی بھی نجات ہو لیکن وامتازوا الیوم ایھا المجرمون کے خطاب کی وجہ سے ان کا چمٹنا بے سود ثابت ہوگا بلکہ حکم ہوگا:۔

فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر۔

صاحب روح البیان کا بیان فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ کفار کو اہل ایمان کو ظاہری طور پر چمٹنا اور صورۃً ان کے ساتھ رابطہ قائم کرنا اس لئے مفید نہ ہوگا کہ ان کے آپس کے اعتقادات اور اعمال صالحہ میں بہت بڑا فرق ہوگا۔ ان کی مثال اس کشتی کی ہے جو دریا کی موج کے درمیان دریا میں ٹوٹ جائے تو غیر تیراک تیراک کا سہارا لے لیکن یہ سہارا غیر تیراک کو اس لئے فائدہ نہ دے گا کہ جب دریا کی طغیانی سے تیراک کو خطرہ ہے تو پھر غیر تیراک کو کیسے پار لگائے گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در آبے کہ پیدا نباشد کنار
غرور شناور نباید بکار

ترجمہ: جہاں دریا کے پانی کا کنارہ ہی نہ ہو اس سے تیراک کو غرور کرنے کا کیا فائدہ۔

حدیث شریف جس کے اعمال صالحہ نہ ہوں اسے نسب نہ دے گا یعنے جس کے برے اعمال بہت زیادہ ہوں تو اسے دنیا کے شریف خاندان میں پیدا ہونا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ درخت کی ٹہنی جب سوکھ جاتی ہے تو اسے درخت سے کاٹنا پڑتا ہے اگرچہ وہ ٹہنی اسی درخت کی ہے لیکن چونکہ خشک ہوگئی ہے اسی لئے اسے درخت سے جدا کرنا پڑا۔ ایسے ہی شریف خاندان سے تعلق رکھنے والا بندہ اعمال صالحہ نہ ہونے کی وجہ سے خاندان سے کٹ جاتا ہے۔

[اس سے ہمارے دور کے بے عمل گدی نشین اور پیرزادے اور مولوی زادے سوچیں کہ کیا وہ اپنی بدعملی سے اپنے بزرگوں سے سوکھی ٹہنی کی طرح تو نہیں۔ اگر ہیں تو پھر کچھ موت کے بعد کے متعلق سوچا ہے یا نہیں۔ اور ہمارے عوام اندھے مقلد بھی غور فرمائیں کہ یہ بے عمل پیر اور سجادہ نشین جب سوکھی لکڑی کی طرح اپنے مشائخ کے خاندان سے کٹ کر جہنم کا ایندھن بنیں گے تو پھر تمھارا کیا حشر ہوگا۔ جب کہ تم ان کے دامن میں لپٹ کر انھیں اپنا رہبر اور مرشد مانا ہوا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے سچ فرمایا: ؎

آں خود گم است کرا رہبری کند[1]

سبق: اس ثابت ہوا کہ نسب کی بجائے نسبتِ تقویٰ فائدہ دے گی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ہر پرہیزگار اور پاک عمل والا میری آل ہے"

قاعدہ: جس کے اعمال اور عقائد صحیح نہ ہوں وہ حضور علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اگرچہ آپ کے خاندان کا ہو جیسے ابولہب وغیرہ باوجودیکہ وہ حضور علیہ السلام کا چچا تھا لیکن جہنم میں گیا (اس سے ہمارے عوام کو جواب مل گیا کہ حضور علیہ السلام کے خاندان کے لوگ شیعہ، وہابی ہوتے ہیں تو ان کا کیا بنے گا۔ اس کا جواب اوپر گذرا۔ اور فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ ایسے لوگ اولاً تو صحیح النسب نہیں ہوتے۔ عرصہ دراز گذر جانے پر عوام میں وہ خاندان نبوت میں مشہور ہوتے ہیں۔ اگر کسی کا واقعی خاندان صحیح سے تعلق ہے تو پھر اس کے ابتدائی (جہاں سے بد مذہبی پھیلی) نطفہ میں غلطی ہوئی یعنے والد گرامی نے جماع بر جماع طہارت (وضو وغسل) کے بغیر کیا ہوگا اور وہ نطفہ پلید ٹھہرا تو بد مذہب اولاد پیدا ہوئی یا اس کے بد مذہب ہونے کا سبب اس کی گستاخیٔ نبوت ہوگی یا کسی ولی اللہ کی بے ادبی[2]۔

اس قسم کے خاندانی بے عمل پیر فقیر اور بد مذہب لوگ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگانِ دین سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے۔ اگرچہ وہ دن میں کروڑوں بار اپنے دعوے پہ کروڑوں دلائل پیش کریں اور اپنے خاندان کے فخر کی تسبیح پڑھیں۔

سبق: افسوس کہ اس طرح کے غلط اصول کے باوجود پھر بھی عوام ایسے بے عمل پیروں کو خدا رسیدہ مانتے ہیں بلکہ ہمارے خوشامدی بھی ان میں شامل ہو کر اپنا اور عوام کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں۔

وہابی بے وسیلہ کا رد: وہابی ہمیشہ وسیلہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں سمجھتے۔ فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ ہمارے بعض بزرگوں کو اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر کچھ دینا چاہا تو بزرگوں نے اس لئے لینے سے انکار کر دیا کہ یہ عطیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر ہے۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ تک پہنچنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر ناممکن ہے اور معلوم ہوا کہ آپ کی شریعت محک (کسوٹی) ہے یعنے اس سے عطیات الٰہی کی پرکھ کی جاتی ہے۔ اگر شریعت کے موافق ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ واقعی منجانب اللہ ہیں ورنہ وہ منجانب شیطان ونفس ہے جو لباس حق میں ملبوس ہو کر اسے حاصل ہو رہا ہے۔

---

[1]: اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

[2]: ایضاً

اسی لئے حق وباطل کی تمیز ضروری ہے اور یہ معاملہ بہت زیادہ سخت ہے ۔ اسی لئے اے میرے دوست ثابت قدمی وقار شرعی پر التزام کرنا چاہئے کہیں تمھیں دشمنی ڈگمگا نہ دے تاکہ تباہی وبربادی نہ ہو ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

در راہِ عشق وسوسہ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بپیام سروش کن

ترجمہ : عشق کے راستہ میں شیطان کا وسوسہ نقصان نہیں دیتا ہوش کرکے دل کے کان غیبی فرشتے کی طرف متوجہ کر دے ، وہی نجات دہندہ اور توفیق بخشنے والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ اور ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا درآنحالیکہ وہ حق کے ساتھ متلبس ہے اور وہی حق اس کے انزال کا متقاضی ہے اور وہ بھی حق سے متلبس ہو کر نازل ہوا ہے اور اس سے حق مقصود ہے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ حق دو جگہ واقع ہوا ہے اور وہ ایک دوسرے کے مغایر ہے ۔ اس سے وہ سوال اٹھ گیا کہ یہاں پر دوسرا پہلے کی کس طرح تاکید کر سکتا ہے ۔

شانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

کاشفی نے لکھا ہے کہ تبیان میں وارد ہے کہ آیت میں با بمعنے علٰی اور حق سے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں ۔ اب عبارت یوں ہوگی : وبالحق انزلناہ وعلے محمد نزل ۔

حکایت باغیرت ولی اور ہر درد کا وظیفہ

مدارک میں ہے کہ احمد بن ابی الحواری نے فرمایا کہ محمد بن سماک بیمار ہوئے تو ان کا قارورہ ایک ہندو طبیب کے ہاں لے گئے تاکہ قارورہ دیکھ کر اس کا علاج کر سکے ۔

احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک نیک انسان جس سے خوشبو مہکتی تھی اور بہترین پوشاک پہنے ہوئے ملا ۔ اس نے فرمایا کہ کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے صورت حال بتائی تو انھوں نے فرمایا کہ سبحان اللہ ! تم عجیب آدمی ہو کہ ولی اللہ کا علاج اللہ کے دشمن سے کراتے ہو ۔ واپس جاؤ اور ابن سماک کو کہو کہ اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھ کر پڑھو :

وبالحق انزلناہ وبالحق نزل ۔

وہ بزرگ فرما کر چلے گئے اور آنکھوں سے غائب ہو گئے ۔ ہم نے واپس پہنچ کر شیخ محمد بن سماک کو عرض کر دیا ۔ شیخ نے اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھ کر مذکورہ بالا کلمات پڑھے اور انھیں فوراً آرام ہو گیا ۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا یہ وظیفہ بتانے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے اور طبیبانِ الٰہی کی کارروائیاں یونہی ہوتی ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قرآن مجید کا باطل سے نہیں بلکہ حق کے ساتھ تعلق ہے وہ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارواح مقدسہ کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا پھر اسے نفخہ حق سے نوازا تو اسے اسفل سافلین کی طرف بھیجا یعنے اسے انسانی ڈھانچہ میں بند کر دیا اس کے بعد روح اعلیٰ علیین کی طرف جانے کا محتاج ہوا یعنے اسے وصال حق کی طلب ہوئی تو اسے ایک رسی عطا ہوئی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچ جائے۔ اور وہ رسی قرآن مجید ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

واعتصموا بحبل الله جميعا۔

وبالحق نزل اور حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ اہل شقاوت کو اسی قرآن مجید کے ذریعے گمراہ کرے اور انکار وجحود وامتناع سے انھیں اعتصام حق سے محروم رکھے اور اسے اسفل یعنے قالب جسم میں باقی رکھے یہ بھی اس کی حکمت ہے اور اس قرآن سے اہل سعادت کو قرآن مجید کے احکام قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے اور اس کے ساتھ معتصم ہونے کی ہدایت بخشے اور اسے اپنے اخلاق سے متخلق کر کے اپنی طرف پہنچنے اور کمال قرب کی توفیق بخشنے۔ چنانچہ فرمایا:۔ واعتصموا بالله هو مولاكم۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور اہل اطاعت کو ڈرانے والا عذاب سے اہل عصیان کو۔ آپ کا کام صرف بشارت اور نذارت ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مبشراً اہل سعادت وصول سعادت کو خوشخبری دینے والے ہیں کہ اگر وہ قرآن سے تمسک پکڑیں تو واصل باللہ اور عارف باللہ ہو سکتے ہیں۔ ونذیراً۔ اور اہل شقاوت کو شقاوت بعد و ہجراں اور جہنم کے سے ڈرانے والے ہیں اور انھیں بتائیں گے کہ اگر قرآن مجید سے تمسک نہیں پکڑو گے اور اس کی رسی سے دور ہو گے تو تمھارا حشر برباد ہوگا۔

ف: سلمی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اسے مژدۂ بہار سناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرے اور اسے حق سے ڈراتے ہیں تو متوجہ الی اللہ ہوتا ہے اور روگردانی کرنے والے کو خوشخبری اس لئے سناتے ہیں تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کا علم ہوگا تو پھر رحمت حق سے امید کر کے اس کی طرف توجہ کرے گا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

حافظ رحمت او بہر گنہگاراں ست
ناامیدی مکن اے دوست! کہ فاسق باشی

ترجمہ: اے حافظ! رحمت حق گنہگاروں کے لئے ہے اور اے دوست! اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو کہ فاسق ہوگا

اور نیکوں کو ڈراتے اس لئے ہیں تاکہ اللہ تعالےٰ کے جلال کی ہیبت سے اپنے اعمال پر اعتماد نہ کریں۔

ے

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ
رندہ از رہ نیاز بدارالسلام رفت

ترجمہ: زاہد غرور میں رہا اسی لئے سلامتی سے راہ طے نہ کر سکا رند نیاز کر کے بہشت میں چلا گیا۔

تفسیر عالمانہ وَقُرْاٰنًا۔ یہ فعل مقدر سے منصوب ہے جس کی تفسیر فَرَقْنٰهُ کرتا ہے یعنے اور ہم نے قرآن مجید کو متفرق یعنے آیت آیت اور سورت سورت کر کے اتارا ہے۔ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ تاکہ لوگوں کے سامنے آپ وقفوں کے ساتھ پڑھیں اس لئے کہ اس طرح سے قرآن مجید کو یاد کرنا آسان ہے اور سمجھنے میں بھی سہولت ہوتی ہے۔ وَنَزَّلْنٰهُ اور اسے تئیس سال کی عمر میں نازل کیا۔ تَنْزِيْلًا ○ جیسا حکمت کے قانون کا تقاضا تھا یعنے اسے حوادث کے مطابق اور سائلین کے جواب کے موافق اتارا گیا۔

قُلْ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کافروں کو فرمائیے کہ اٰمِنُوْا بِهٖۤ قرآن مجید پر ایمان لاؤ۔ اَوْلَا تُؤْمِنُوْا یا ایمان نہ لاؤ۔ قرآن مجید کی شان وعظمت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ نہ تمہارا ایمان لانا قرآن مجید کے کمال میں اضافہ کرے گا اور نہ ہی تمہارا انکار کرنا اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

ے

حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را

یہ امر تہدیدی ہے (کذافی تفسیر الکاشفی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ بے شک وہ لوگ جو آپ سے پہلے اہل علم تھے یعنے وہ علمائے اہل کتاب جو آپ کی تشریف آوری سے پہلے آسمانی کتابیں پڑھتے اور حقیقتِ وحی کے عارف اور نبوت کی علامات سے واقف تھے اور انہیں حق وباطل میں امتیاز کرنے پر قدرت حاصل تھی اور سمجھ سکتے ہیں کہ ان میں اہل حق کون تھے اور اہل باطل کون۔ جیسے یہود میں (حضرت) عبداللہ بن سلام اور ان کے تابعین، نصاریٰ میں نجاشی اور ان کے ساتھی۔ (رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین) اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں یعنے چہروں پر گرتے ہیں۔ اس معنے پر یہ لام بمعنے علی اور الاذقان بمعنے وجوہ یعنے چہرہ ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ جزبول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔ سُجَّدًا ○ درآنحالیکہ وہ امر الٰہی کی تعظیم کی خاطر سجدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ امنوا بہ اولا تومنوا سے تعظیم کا معنے نکلتا ہے یہ اس کی تعلیل ہے یعنے اس قرآن کو تمہارے ایمان لانے یا نہ لانے کی اس لئے پرواہ نہیں کہ اس کو تم سے بلکہ کل کائنات سے بہتر اور افضل شخصیت حضرت

محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم مان چکے ہیں ۔

ف : قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ ذقن کو خصوصیت سے اس لئے ذکر فرمایا کہ سجدہ کرتے وقت زمین کو قریب تر یہی ہوتی ہے لام خرور کے معنے میں اختصاص پیدا کرنے کے لئے واقع ہوتی ہے ۔

قاضی بیضاوی کے قول پر اعتراض اور اس کے جوابات

سعدی المفتی نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ قاضی بیضاوی کا یہ کہنا کہ سجدہ کرتے وقت ٹھوڑی زمین کے قریب تر ہوتی ہے یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ سجدہ کے وقت زمین کو ناک اور پیشانی قریب تر ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اس کی توجیہ یوں کی جائے کہ ان کے سجدے ہمارے سجدوں کے برعکس ہوتے ہیں، تو قاضی بیضاوی کا قول صحیح بنتا ۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ قاضی بیضاوی نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے۔ بایں معنی ہے کہ سجدہ کرنے کے لئے جھکتے وقت واقعی ٹھوڑی زمین کو قریب تر ہوتی ہے مثلاً سجدہ کو جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں کو پھر دونوں ہاتھوں کو اور پھر سر کو جھکایا جاتا ہے اور سر کو جھکاتے وقت زمین کو قریب تر ٹھوڑی اور آسمان کے قریب تر سر ہوتا ہے ۔

[صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے یہ لکھ کر اس کے سمجھنے کے متعلق لفظ فافہم سے تنبیہ فرمائی ہے]

وَیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اور وہ لوگ اپنے سجدے میں کہتے ہیں کہ ہمارا رب تعالےٰ پاک ہے ان افعال سے جن کا کفار ارتکاب اور تکذیب کرتے ہیں یا پاک ہے اس سے کہ جو اس نے وعدہ کیا اس کے خلاف کرے مثلاً کتب آسمانی میں لکھا تھا کہ حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوگا ۔ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ بے شک شان یہ ہے کہ ہمارے رب تعالےٰ کا وعدہ ضرور واقع ہوگا کیونکہ وعدہ خلافی نقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ومنزہ ہے اور وہ اس پر محال بھی ہے ۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے آخرت کا وعدہ مراد ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس سے قبل قریش کے انکار بعث ونشر سے بھی واضح ہوتا ہے (واللہ اعلم)

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر کر خوف الہٰی سے روتے ہیں۔

سوال : یخرون کا تکرار کیوں ؟

جواب : دونوں کے اسباب مختلف ہیں مثلاً خرور تعظیم امر الہٰی کی وجہ سے ہے اور دوسرا قرآن مجید کے مواعظ کا قلب پر اثر کی وجہ سے اور قاعدہ ہے کہ سبب مختلف ہو تو تکرار الفاظ موجب کراہت نہیں بنتا ۔

حدیث شریف : حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گریہ کرو اور گڑگڑاؤ اس لئے کہ آسمان اور زمین اور سورج اور چاند اور ستارے خوف الہٰی سے روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ اور قرآن ان کے خشوع کو بڑھاتا ہے یعنے جیسے وہ سننے کے بعد ان کے علم اور

یقین باللہ میں اضافہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے خشوع میں بھی اور الخشوع بمعنے عاجزی و تضرع ۔

تواضع وسجود دراصل ارواح کی شان ہے اور بکاد خشوع اجساد کا کام ہے اور ارواح کو اجساد میں اسی لئے بھیجا گیا تاکہ ارواح اجساد کو ایسے منافع فی العبودیۃ حاصل ہوں ۔

سجدۃ علما اور اس کا نکتہ صوفیانہ کاشفی نے لکھا ہے کہ قرآنی سجدات میں سے یہ چوتھا سجدہ ہے اور حضرت شیخ قدس سرہٗ نے اسے سجود العلماء کے نام سے موسوم فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ سجدہ جلوہ گاہ حق ہے اس لئے کہ خشوع تجلی سے پیدا ہوتا ہے اور وہ تجلی صرف ظاہر پر ہوتی ہے یا ظاہر پر بھی اور باطن پر بھی پھر اس میں خبر دی ہے اس سے ان کے خشوع میں اضافہ ہوتا ہے اور خشوع تجلی الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا نتیجہ نکلا کہ خشوع کا اضافہ تجلی حق کی زیادتی کی وجہ سے ہے ۔ اس معنے پر یہ سجدہ تجلی حق ثابت ہوا ۔ اسی لئے لازم ہے کہ سجدہ کرنے والا اس سجدہ کے برکات سے تجلی کے فیض سے بہرہ ور ہو اور اس کے خضوع میں اضافہ ہو ۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے جس کو تجلی حق نوازتی ہے تو اسے خضوع نصیب ہوتا ہے : ؎

لمعۂ نور تجلّی از قدم

بر حدوث افتد فرو ریزد زہم

پس خضوع ایں جا زوال ہستی است

وز بلندی موجب ایں پستی است

ترجمہ : قدم کے نور کی تجلی کی چمک حدوث پر پڑتی ہے تو حدوث کو عاجزی نصیب ہوتی ہے اور یہاں پر عاجزی زوال ہستی مراد ہے اس لئے کہ جو بھی بلندی کا خواہاں ہوتا ہے اسے پستی نصیب ہوتی ہے ۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ اپنے وجود کو ذات حق کے راہ میں خرچ کر کے اسے فانی فی اللہ بنا دے اس لئے کہ اللہ تعالٰی کے تجلیات صرف اہل فناء کو نصیب ہوتے ہیں اور یہ فناء بھی تجلی حق ہے جیسا کہ خبر مذکور سے معلوم ہوتا ہے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

چون تجلّی کرد اوصاف قدیم

پس بسوزد وصف محدث را کلیم

ترجمہ : اوصاف قدیم کے تجلیات پڑتے ہیں تو حدوث اپنے اوصاف کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے ۔

تفسیر عالمانہ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ

شانِ نزول : یہودیوں نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ بار بار رحمٰن کا ذکر فرماتے ہیں حالانکہ تورات میں لفظ 'اللہ' کا ذکر بکثرت ہے ان کے سوال پر یہی آیت نازل ہوئی ۔

ف : یہاں پر دعا سے نام لینا مراد ہے ۔ ندا کے معنے میں نہیں اور اللہ اور رحمٰن سے بھی اسماء مراد ہیں مسمّی مراد نہیں او تخیر کے لئے ہے بمقصد یہ کہ حسنِ اطلاق اور مقصود تک پہنچانے میں ہر دونوں مراد ہیں اور معنے یہ ہے کہ اس نام سے اللہ تعالےٰ کو موسوم کرو یا اس نام سے اسے اللہ کا نام لے کر پکارو یا رحمٰن کا نام لے کر ۔

اَیًّا مَّا تَدْعُوْا جس نام سے بھی اسے پکارو اسی سے ہی حق کو پکارنا ثابت ہوگا ۔ لفظ ما ای کے ابہام کے معنے کی تاکید کے لئے ہے یعنے اے لوگو! ان دونوں اسموں سے جس اسم مبارک سے اللہ تعالےٰ کو موسوم یا یاد کرو ۔ **فَلَهُ** تو مسمّیٰ کے لئے وہ کیونکہ وہ ذات ان دونوں اسماء سے موسوم ہے اسے کسی ایک اسم سے موسوم نہیں کیا جاتا ۔ **الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی** اسماء اچھے ہیں یعنے اس کے جمیع اسماء حسن ہیں ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسے ان دونوں اسماء سے موسوم کرنا بھی حسن ہے اور الحسنیٰ احسن کی تانیث ہے اس لئے کہ اسماء مؤنث کے حکم میں ہے مثلاً کہا جاتا ہے ۔ الجماعۃ الحسنیٰ اور اس کے جمیع اسماء حسن اس لئے ہیں کہ اس کے جملہ اسماء جلال و جمال پر دلالت ہیں ۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس کے اسماء حسن اس معنے پر ہیں کہ ہر ایک میں تقدیس و تحمید و تعظیم و ربوبیت کے معانی مستقل ہیں اور اس کے افعال بھی حسن میں یکتا ہیں ۔

دوسرا شانِ نزول بعض نے فرمایا کہ جب مشرکین نے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی وقت یا اللہ کہتے ہیں کسی وقت یا رحمٰن پکارتے ہیں تو کہا کہ ہمیں تو کہتے ہیں کہ دو معبودوں کی پرستش نہ کرو اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں اس پر یہی آیت نازل ہوئی ۔

ف : ان اسماء کے للغات الواحدۃ کا معنے یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک پر علیٰ طریق السویہ اطلاق کیا جا سکتا ہے ورنہ معنے کے لحاظ سے تو ہر دونوں ایک دونوں سے مختلف ہیں یعنے اطلاق و توحید کے اعتبار سے وہی ایک ذات ہے کہ جس کی پرستش اور عبادت کی جاتی ہے اور لفظ او اباحت کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان ہر دونوں فعلوں کا ایک جا جمع کرنا جائز ہے اس معنے پر یہ 'او' تخییر یہ نہ ہوگا ۔ (واللہ اعلم)

ف : مولانا فناری رحمہ اللہ الباری نے فرمایا کہ اسم اللہ میں اختصاص وضعی و استعمالی ہے اور اسم الرحمٰن میں اختصاص استعمالی ہے ۔

سوال : اختصاص استعمالی تو پھر اہلِ یمن مسیلمۃ الکذاب کو رحمٰن الیمامہ نہ کہتے ۔

جواب : یہ ان کے تعنت (سرکشی) سے تھا وہ اگر اسے اللہ سے موسوم کرتے تو انہیں پوچھتا ۔

ف : امام سہیلی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ مسیلمۃ بہت پرانا آدمی تھا اور قدیم الایام سے ہی دینِ حق کا مخالف تھا اسی منافقت کی وجہ سے اپنے آپ کو رحمٰن کہلاتا! اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ

رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پہلے رحمٰن کے نام سے اسی مسیلمۃ الکذاب کو پکارا جاتا تھا۔ اس نے طویل عمر پائی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت وحشی نے اسے مار ڈالا۔

گستاخیِ الٰہی کی سزا ایک سرکش بادشاہ نے اپنا نام "اللہ" رکھا تو فوراً اس کی دبر کی طرف سے پیٹ کا اندر کا تمام حصہ باہر آگیا اسی وجہ سے وہ اسی وقت مرگیا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ذاتِ حق کا ذاتی نام سوائے اس کے اور کسی کے لائق نہیں اور نہ ہی اس کے نام کا کوئی شریک ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ھل تعلم لہ سمیا۔ سمی بمعنے مشارک فی اسمہ کیا اس کا نام شریک کوئی تمہیں معلوم ہے۔

نکتہ: یہی وجہ ہے کہ فرعونِ مصر قبطیوں کو "انا ربکم الاعلےٰ" کو کہتا رہا لیکن اسے انا اللہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

صوفیانہ نکتہ: اللہ تعالےٰ کے جمیع اسمأ اسمِ رحمٰن سے استمداد کرتے ہیں اور یہ اسم خاتم النبوت اور شفاعت عامہ کے قائم مقام ہے جملہ اسمار کی اسی پر انتہا ہوتی ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ بعض اسمار کے مراتب میں عبادت کی کمی نہ کرے تاکہ اسے مسمّی تک پہنچنے کا شرف نصیب ہو اور وہ جمیع اسمأ کو جمع کرکے تمام لوگوں سے اعلیٰ و بالا ہو۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

دست شد بالائے دست این تا کجا
تا بیزداں کہ الیہ المنتہٰے
کان یکے دریاست بے غور و کراں
جملہ دریاہا چو سیلے پیش آن

ترجمہ: ہاتھ پر ہاتھ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ تک پہنچا پھر وہ بے کنار دریا ہے اور تمام دریا اس کے سامنے ایک قطرہ سے بھی کم ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ آپ مسجد الحرام میں نماز کی قرأت اتنا بلند نہ کیجئے کہ مشرکین آپ کی آواز سن پائیں اس لئے کہ جب وہ آپ کی تلاوتِ قرآن سنتے ہیں تو وہ قرآن اور اس کے نازل کرنے والے اور لانے والے کو گالی بکتے ہیں اور قرآنِ مجید کے متعلق لغویات تراشتے ہیں۔

ف: یہاں مضاف محذوف ہے اس لئے کہ جہر اور مخافتہ دونوں ایسی صفتیں ہیں جو آواز کے بعد ہی مستعمل ہوتے ہیں اور نماز افعال و اذکار کا نام ہے یا کل بول کر مجازاً جزء مراد لیا گیا ہے۔

وَلَا تُخَافِتْ بِهَا اور نماز کی قرأت کو اتنا بھی آہستہ نہ پڑھئے کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو کچھ سنائی ہی نہ دے یعنے قرآت نماز کو آہستہ آواز میں نہ پڑھئے۔ وَابْتَغِ طلب کیجئے۔ بَيْنَ ذٰلِكَ جہر و مخافت کے

درمیان میں جیسا کہ اوپر ہم نے بیان کیا۔ سَبِيْلًا ۝ درمیانہ معاملہ اس لئے کہ امور میں سے بہتر متوسط امر ہے۔ اور اسے سبیل سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ توجہ کرنے والے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اقتدار کرنے والے اس کی طرف قصد کرتے ہیں تو اپنے مقصود و مطلوب کو پاتے ہیں

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ نے نماز میں آہستہ قرات پڑھی۔ آپ سے وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں رب تعالٰے کی مناجات کرتا ہوں اور وہ میری ضرورت کو جانتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ زور زور سے پڑھ رہے تھے۔ آپ سے وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ شیطان کو بھگاتا ہوں اور غافلوں کو جگاتا ہوں۔ جب یہی آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھوڑا سا اونچا پڑھا کرو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تھوڑا سا آہستہ پڑھا کرو۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا اور فرمایئے جملہ تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے لئے اولاد نہیں بنائی اس لئے کہ اولاد کی ضرورت اُسے ہوتی ہے جو جسمانیت رکھتا ہے اور اللہ تعالٰے جسمانیت سے پاک اور منزہ ہے اس میں یہود و نصاریٰ اور قبیلہ بنی مدلج کا رد ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالٰے کے بیٹے اور ملائکہ اللہ تعالٰے کی لڑکیاں ہیں (معاذ اللہ)۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ اور ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں یعنے الوہیت میں وہ واحد لا شریک ہے اس لئے کہ تمام عالم اس کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقا کا کسی معاملہ میں شریک نہیں ہوسکتا۔ اس میں ثنویہ کا رد ہے کہ وہ متعدد معبودوں کے قائل ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے :

واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے
نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوے کند جز ہالکے

ترجمہ: وہ اپنے ملک میں واحد ہے اس کا کوئی مددگار نہیں اس کے بندوں کا آقا بھی سوائے اسی کے اور کوئی نہیں۔ اس کی مخلوق کا کوئی اور مالک نہیں جو اس کے ساتھ شریک ہونے کا دعویٰ کرے اسے سوائے ہلاکت کے کچھ نصیب نہ ہوگا۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ اور ذلۃ کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار نہیں یعنے نہ اسے کوئی ذلۃ (کمزوری) ہے اور نہ ہی اس کی اس ذلت کے دفع کرنے کا کوئی مددگار ہے یعنے نہ اسے کمزوری لاحق ہوتی ہے نہ اسے

کسی مددگار کی ضرورت پڑتی ہے اس میں مجوسی اور صابئین کا رد ہے وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالےٰ کے ساتھ اور حمایتی نہ ہوں تو اللہ تعالےٰ کو ذلت کا سامنا کرنا پڑے۔

سوال: عدل اولاد کو وجوب حمد کی علت کیوں بنایا گیا؟

جواب: اس میں اولاد نہ ہونے کو علت نہیں بنایا گیا بلکہ بتایا گیا ہے کہ وہی حمد کا مستحق ہے کہ جو اولاد والا نہیں ہے ایسے ہے جیسے اس کی صفات گن کر اس کی حمد کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں: الحمد للہ الاول والاخر اور الحمد للہ رب العالمین وغیرہ وغیرہ۔ (کذا فی اسئلۃ المقحمہ)

ف: کشاف میں سوال لکھا ہے کہ حمد کو نفی الولد والشرک والذل پر کیوں مرتب کیا گیا ہے حالانکہ حمد کے لئے ان کی نفی ضروری نہیں اس لئے کہ حمد اس کی صفت اختیاری ہے۔

جواب: اس میں اشارہ مطلوب ہے کہ وہ ذات کہ جس کی یہی شان ہے وہ ہر نعمت کے عطا کرنے پر قادر ہے اور وہ اسی معنے پر حمد کا مستحق بھی ہے۔

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝ اور اس کی عظمت بیان کرو، یا جب کوئی اس کی اولاد یا شریک یا مددگار کی بات کرے تو تم اللہ اکبر کہہ کر اس تنزیہ و تقدیس بیان کرو۔

عارفانہ ترجمہ: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو وصف واصفان اور معرفت عارفان سے بزرگ تر جانیئے: ؎

فکرہا عاجز است ز اوصافش
عقلہا ہرزہ میزنند لافش
عقل عقلست جان جانست او
آن کز و برترست آنست او

ترجمہ: فکر اس کے اوصاف سے عاجز ہے عقل بھی اس کی رسائی تک عجز کا اظہار کرتی ہے۔ عقل بے شک عقل ہے لیکن وہ بھی جان جاناں ہے جسے برتر سمجھا جاتا ہے وہ اس سے بھی برتر ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ بنو عبدالمطلب کا کوئی بچہ جب بولنے لگتا تو آپ سب سے پہلے اسے یہی آیت سکھاتے اور فرماتے کہ آیۃ العزۃ یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قل ادعوا اللہ الخ میں اشارہ ہے کہ اللہ اسم ذات اور رحمن اسم الصفۃ ہے۔ ایاما تدعوا۔ اسے اسم ذات سے یاد کرو یا اسم صفت سے۔ فلہ الاسماء الحسنی اس کا ہر اسم حسن ہے اسی لئے اسے حسن یعنے اخلاص کے ساتھ یاد کرو۔ ولا تخافت بہا۔ اور اسے بالکل بھول نہ جاؤ ورنہ متابعت اور اسوہ حسنہ

سے محروم ہو جاؤ گے۔ وابتغ بین ذالک سبیلا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ فرائض کو ظاہر کر کے مسجدوں میں ادا کرو اور نوافل کو چھپا کر گھروں میں پڑھو۔

وقل الحمد الله الذی لم یتخذ ولدا یعنے اس کی اولاد نہیں تاکہ وہ اپنی تمام مہربانیاں اسی پر کرے اور بندوں کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہ دے۔ ولم یکن لہ شریک فی الملک اور ملک میں اس کا شریک بھی ہو کیسے؟ جب وہ خود بڑی طاقت کا مالک ہے پھر اسے کیا ضرورت ہے کہ اپنے ساتھ شریک کرے تاکہ وہ اس کی بھلائیاں اس کے بندوں اور ولیوں تک نہ پہنچنے دے۔ ولم یکن لہ ولی من الذل۔ اور اسے مددگار کی ضرورت ہی کیا ہے کہ جس کی طرف محتاج ہو کہ صرف اسی کو انعام و اکرام سے نوازے اور باقیوں کو محروم رکھے۔ ہاں اس کے ایمان والے اور مجاہد فی سبیل اللہ اور اس کی کبریائی بیان کرنے والے اور اس کی محبت و طلب صادق اور عبودیت سے عظمت بیان کرنے والے اس کے دوست ہیں۔ اسی لئے فرمایا: وکبرہ تکبیرا۔

ف: حضرت علم الہدیٰ نے فرمایا کہ حق سبحانہ و تعالےٰ کسی کو اس معنے پر دوست نہیں بناتا کہ وہ کریم ذلت سے نکل کر عزت پاتے بلکہ وہ کسی سے دوستی اس معنے پر کرتا ہے کہ اپنے لطف و کرم سے اس بندے کو ذلت سے نکال کر اوجِ عزت پر ترقی بخشتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: الله ولی الذین امنوا یخرجهم من الظلمات الی النور۔ اور یہ ولایت عامہ ہے کہ جملہ اہلِ ایمان کو نصیب ہوتی ہے اور انھیں جہل سے علم کی طرف ترقی نصیب ہوتی ہے۔ اور فرمایا: الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون۔ یہ ولایت خاصہ ہے جو صرف اہلِ سلوک کے ان حضرات کو نصیب ہوتی ہے جو واصل باللہ ہوتے ہیں اور ان کے علم سے عین کی طرف اور عین سے حق تعالیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے۔

اللہ کے بندوں کی دو قسمیں

الحکم العطائیہ کی شرح میں ہے کہ اللہ تعالےٰ کے مخلص بندے دو قسم کے ہیں:

① جنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی خدمت کے لئے خود مقرر فرمایا ہے۔ وہ عبّاد، زہّاد اور اہلِ اعمال و اوراد ہیں۔

② وہ جنھیں صرف اپنی محبت کے لئے مخصوص فرمایا ہے وہ اہلِ محبت و وداد اور اہلِ صفا و اتباع المراد ہیں۔ یاد رہے کہ اس کے ہر دونوں قسم کے بندے اس کی خدمت اور اس کے تحت طاعت و حرمت میں کیونکہ تمام کا مقصود اور توجہ کا مرکز وہی ذات ہے۔ چنانچہ فرمایا: کلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربک اور یہ آیت عام ہے جو ہر طریق کو شامل ہے اور ہر فریق اس میں داخل ہے۔ وما کان عطاء ربک محظورا۔ اور اس کی عطا روکی ہوئی بھی نہیں اور نہ ہی وہ صرف ایک نوع میں محصور یا کسی صفت خاص میں محدود ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں حق کا شکار زاہد اور بہشت کا عارف۔ اور حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے قلوب کو دیکھا تو بعض ایسے تھے جو معرفت کے حامل نہیں تھے

تو انھیں عبادت میں لگا دیا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا :؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روی
چنانکہ پرورشم میدہند می رویم

ترجمہ : میں خود رو کو ملامت نہیں کرتا۔ اسی لئے کہ ہماری جس طرح پرورش ہوتی ہے ہم اسی طرح چلتے ہیں۔ (پھر ملامت کیوں)۔

[صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے] اس سورت اسراء کی تفسیر سے ۱۵ رجمادی الاولیٰ ۱۱۰۵ھ میں فراغت پائی۔

[فقیر اویسی غفرلہٗ ۱۰ ر رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ بمطابق ۲۶ ر اگست ۱۹۷۷ء بروز جمعہ، تقریباً دس بجے صبح اس سورہ اسراء کی تفسیر کے ترجمہ سے فارغ ہوا۔]

ولہ الحمد والمنۃ وصلی اللہ علی حبیبہ الاکرم وعلی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

ھذا آخر مارقمہ قلم الفقیر القادری الی الصالح محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ ربہ القوی۔ غریبکدہ، بہاولپور، پاکستان۔

۱۰/۹/۹۷ھ مطابق ۲۶/۸/۷۷ء

سورۃ کہف

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ۱۱۰ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲

سورت کہف مکی ہے اس میں ایک سو دس آیات اور بارہ رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞۱ قَیِّمًا

سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اصلا کجی نہ رکھی عدل والی

لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ

کتاب کہ اللہ کے سخت عذاب سے ڈرائے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کریں بشارت دے کہ ان کے

اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۞۲

لیے اچھا ثواب ہے۔

تفسیر عالمانہ (ف) سورۃ الکہف مکیہ ہے اس کی ایک سو گیارہ آیات ہیں بعض مفسرین نے فرمایا: واصبر نفسک (الآیۃ) مدنیہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا، لام استحقاق کی ہے یعنی ہر مدح وثناء اور شکر کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ ہر شئے کا وجود ایک نعمت ہے تمام نعمتوں کا مالک صرف وہی ہے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی اور منعم ہے۔

ف قیصری نے فرمایا کہ الحمد کی تین اقسام ہیں۔ (۱) قولی (۲) فعلی (۳) حالی؛ قولی زبان سے ہوتی ہے یعنی اس کی تعریف اسی

طریقہ سے بیان کرنا جیسے حضرات انبیاء علیہ السلام نے کی اور بدنی حمدیہ ہے کہ صرف اسی کی رضا جوئی کی نیت سے بدن کے ساتھ عبادات بجا لانا اور اس سے مقصد صرف یہی ہو کہ عبادت کرنے سے اس کی نظرِ عنایت نصیب ہو اس لیے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریف زبان سے ہوتی ہے ایسے ہی بدن کے ہر عضو کے مقابلہ میں شکرِ الٰہی بجا لانا ضروری ہے گویا اس طرح بندہ اپنے آقا و مولیٰ کی ہر نعمت کے شکر کی ادائیگی کرتا ہے اور بندے پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اپنے آقا و مولیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کرے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ فرمایا کرتے: الحمد للہ علی کل حال ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کرنا چاہیے۔

ف ظاہر ہے کہ بدنی حمد اس طرح سے ادا ہو سکتی ہے کہ ہر عضو کو اس کے مناسب عبادتِ الٰہی میں مصروف رکھا جائے تاکہ شکر حق کے ساتھ بندے کا اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم ہونے کا ثبوت ہو۔

سبق حمد و شکر کی ادائیگی میں حظوظِ نفسانیہ کو دخیل نہ بنائے اور نہ ہی نفس کو خوش کرنے کے درپے ہو حالی حمدیہ ہے کہ روح و قلب کے مقتضیات سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ روح و قلب کو کمالاتِ علمیہ و عملیہ سے آراستہ کیا جائے بلکہ انہیں اخلاقِ الٰہیہ سے سنوارا جائے اس لیے کہ تمام مخلوق مامور من اللہ ہے کہ ہر ایک متخلق باخلاق اللہ ہو چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمانے کی اصلی غرض یہی ہے کہ آدم زاد ان کے نفوس کے عادات کمالات کو پہنچیں۔

ف حق یہ ہے کہ حقیقی حمد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے لیے مقامِ تفصیلی میں اس طرح اپنی حمد فرمائی ہے اس لئے مقامِ تفصیلی اس کی حمد کے مظاہر نہیں اور مقامِ تفصیلی سے مظاہرِ حق مراد ہیں۔

ف وہ حمد جو اللہ تعالیٰ نے مقامِ جمعی الٰہی نے اپنی قولی حمد فرمائی ہے وہ اس کی نازل کردہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں ہے جسے اس نے خود اپنی صفاتِ کمالیہ ظاہر فرما کر اپنی ذاتی کی تعریف کی ہے اور اس کی وہ حمد جسے حمد فعلی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے اجمالی کمالات ہیں جنہیں اس نے عالمِ غیب سے عالمِ شہادت یا عالمِ بطون سے عالمِ ظہور میں یا علم سے عین میں صفات و اسماء کے رنگ میں ظاہر فرمائے ہیں اور اس کی حمد حالی اس کے وہ تجلیات ہیں جو فیضِ قدس اوّلی اور ظہورِ نورِ ازلی کے ساتھ اس کی ذات میں ہیں اس سے نتیجہ نکلا کہ جمعاً و تفصیلاً حامد بھی خود ہے اور محمود بھی۔ خود حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

آنجا کہ کمالِ کبریائی تو بود
عالم نمی از بحرِ عطائے تو بود
مارا چہ حد حمد و ثنائے تو بود
ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

؎ دونوں صوفیاء کے اصطلاحی الفاظ ہیں ان کی تشریح فقیر اویسی غفرلہٗ نے شرح لوائح جامی میں عرض کر دی ہے ۱۲۔

ترجمہ تیری کبریائی کے کمال کے سامنے یہ جہان کیا ہے تیری عطا کے بحرِ بیکنار کی صرف ایک بوند ہیں ہم تیری حمد وثنا کی حد کیا جانیں تو خود ہی اپنی حمد وثنا کو جانتا ہے

یعنی امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم اس لیے کہ عبدِ مطلق اور جمیع ماسوی اللہ سے درحقیقت صرف آپ ہی آزاد ہیں آپ کے سوا باقی تمام مخلوق کسی نہ کسی تصور میں معلق ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں صرف آپ ہی "اُمتی اُمتی" پکاریں گے بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح) نفسی نفسی کہیں گے۔

ردِ نصاریٰ اس سے معلوم ہوا کہ ہر رسول اپنے مُرسل یعنی اللہ تعالیٰ کا عبد (بندہ) ہوتا ہے اس سے نصاریٰ کی تردید ہو گئی جب کہ ان کا عقیدہ ہے عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) "الکتاب" اس سے قرآن مجید مراد ہے اور درحقیقت کتاب کا اسم صرف قرآن پر ہی آنا چاہیئے اس لیے کہ صرف یہی اسم با مسمّیٰ ہے لغت میں الکتاب بمعنے جمع الحروف یعنی حروف کا مجموعہ

سوال اللہ تعالیٰ نے اپنے حمد کے مستحق ہونے کے لیے انزال الکتاب کو کیوں علت بنایا ہے۔

جواب تاکہ بندوں کو تنبیہہ ہو کہ انزال کتاب اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ قرآن مجید میں دارین کی سعادت ہے۔

وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ میں لہٗ کی ضمیر مجرور قرآن پاک کی طرف راجع ہے **عِوَجًا** چیزے از کجی یعنی نہ اس کی نظم و ترتیب میں کسی قسم کا خلل ہے اور نہ ہی اس کے معانی میں منافات ہے اور نہ ہی اسے حق سے عدول اور باطل کی جانب میلان کا کوئی شائبہ ہے

قاعدہ تجوید حضرت امام حفص نے فرمایا کہ حضرت عاصم کا مختار مذہب یہ ہے کہ عوجا پر سکتہ کیا جائے اور اصطلاح تجوید میں سکتہ کہتے ہیں دم توڑے بغیر معمولی وقفہ کرنا تاکہ کسی کو وہم نہ ہو کہ قیماً عوجاً کی صفت ہے اسی طرح سورہ یٰسین کے لفظ من مرقدنا میں حضرت عاصم سکتہ کو مختار بتاتے ہیں اس لیے کہ وہاں اہل ایمان کے مقولے سے نہ تو من مرقدنا کو پورے طور منقطع کرنا مطلوب ہے اور نہ ہی اسے لفظ ھذا جو اس کے بعد واقع ہے سے ملانا مقصود ہے تاکہ وہاں بھی کسی کو وہم نہ ہو کہ ھذا کا مشار الیہ مرقدنا ہے قیماً کا منصوب ہونا فعل مقدر کی وجہ سے ہے دراصل عبارت یوں تھی وجعلہ قیما اور قیما بمعنے مستقیم ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں نہ افراط (زیادتی) ہے نہ تفریط (کمی) اور قیما کا دوسرا معنے بھی ممکن ہے وہ یہ کہ قرآن مجید دینی اور دنیوی مصلحتوں کی صحیح رہبری کرتا ہے اس کا دوسرا معنے لطافت آمیز ہے اس لیے کہ اس میں اشارہ ہو جائے گا کہ پہلی صفت میں اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کا کمال بیان فرمایا اس دوسری صفت میں بتایا کہ یہ مکمل ترین کتاب ہے اس میں بندوں کا ضابطہ حیات کامل طور بیان کیا گیا ہے اپنے دنیوی امور کی رہبری چاہیں تو بھی اس سے حاصل کر سکتے ہیں اور[1] اُخروی معاملات کی ہدایت بھی انہیں صرف اسی سے نصیب ہو گی۔

---

[1] بد بخت ہیں جو اس مکمل ترین کتاب کو فرسودہ نظام کا مجموعہ کہتے ہیں ۱۲

مَّاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا ۝ وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ

جس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنا کوئی بچہ

اللَّهُ وَلَدًا ۝ مَّا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ ۚ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ

بنایا اس بارے میں نہ وہ کچھ علم رکھتے ہیں نہ ان کے باپ دادا کتنا بڑا بول ہے کہ ان کے منہ سے

أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝

نکلتا ہے نرا جھوٹ کہہ رہے ہیں

۲۹۳

تفسیر آیات صفحہ گزشتہ

ف قیم، قیوم، قیام، قائم کے مبالغے کے صیغے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ ولم یجعل لہ کی ضمیر مجرور عبدہ کی طرف راجع ہے اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مقدس حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے سوا کسی دوسری شئے کی طرف مائل نہیں فرمایا اور انہیں ان کے اپنے جمیع احوال میں مستقیم دراہِ راست پہ رکھا ہے۔

یعنے عذاب شدیدا یعنے عذاب ایسا سخت جو صادر ہوگا من لدنہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اور وہی اسے نازل فرمائے گا۔ ان کے کفر اور تکذیب کی وجہ سے۔

ف اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان پر ایسا عذاب نازل فرمائے کہ ان کا نام ونشان مٹا کر رکھ دے یا اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے یا دنیا وآخرت ہر دونوں مراد ہیں۔

سوال اللہ تعالےٰ نے اس عذاب کو اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا ہے

جواب اس لیے کہ عذاب نازل کرنے والا صرف وہی ہے

ویبشر اور خوشخبری دے المومنین ان لوگوں کو جو بدل وجان حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کو جانتے ہیں الذین یعملون الصلحت اصطلاح شریعت میں اعمال صالحہ وہ ہیں جو محض بوجہ اللہ ہوں ان لھم یہاں باحرف جارہ محذوف ہے دراصل بان لھم تھا یعنی اہل ایمان کو تصدیق اور اعمال صالحہ کے عوض نصیب ہوگا اجرا حسنا اچھا اجر۔ اس سے بہشت اور اس کی تمام نعمتیں مراد ہیں

تفسیر عالمانہ مَّاكِثِينَ ان لھم کی ضمیر ھم سے حال ہے فِيهِ اس کی ضمیر اجرا حسنا کی طرف راجع ہے أَبَدًا ۝ یعنے غیر منقطع اور ہر وہ شئے جس کا منتہیٰ نہ ہو اور نہ وہ کسی حال میں تغیر پذیر ہو سکے ابدا کا مفعول فیہ ہے اسی لیے اسے منصوب پڑھا گیا ہے

سوال آیت انذار کی تقدیم اور تبشیر کی تاخیر کیوں

جواب انذار انسان کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور تبشیر سے اسے جلا نصیب ہوتا ہے اسی معنے پر انذار کی تقدیم ضروری ہوئی۔

وَّيُنْذِرَ اور خصوصیت سے ڈرسائے الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ہ اس سے یہود و انصاری اور کفار عرب بنی مدلج کے لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشا کہ اس کی بھی اولاد ہے مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ نہیں اس کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے منزہ ہے وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ان سے ان کے صرف آباؤ اجداد مراد نہیں بلکہ ان کے وہ مقتدا مراد ہیں جن کی تقلید میں انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشا یعنی علم کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اولاد سے منزہ مانا جائے کیونکہ کہ اس کے لیے اولاد کا ہونا ممتنع لذاتہ ہے اور ان بیوقوفوں نے محض اپنی جہالت و حماقت سے سوچے سمجھے بغیر اللہ تعالیٰ کے لیے وہ فعل جائز سمجھا جو اس کے لیے بالکل ممتنع ہے۔

ترکیب من علم مرفوع علی الابتدا ہے اس کا مِنْ نفی کی تاکید کی وجہ سے زائد ہے كَبُرَتْ بمعنے عظمت كَلِمَةً ربه رجلاً کی طرح کبرت کی ضمیر مبہم ذہنی سے تمیز اور اس کی تفسیر ہے

کلمۃً کی صفت ہے اس لیے واضح کرنا ہے کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ پر اولاد کا عظیم بہتان تراشنے کے معاملہ میں بہت بڑی جرأت کی ہے

ف ان کے منہ سے کلمۃ خروج کا معنے یہ ہے کہ ان کے منہ سے ایک ہوا خارج ہوئی جو کلمہ کی حامل تھی چونکہ اس ہوا کو انہی حروف سے والبستہ ہوئی اسی مناسبت سے مجازاً اس نکلنے والی ہوا کو مجازاً کلمہ سے تعبیر کیا گیا ہے

سوال قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ جب ہر کفر کا کلمہ عظیم تر ہوتا ہے تو پھر اس کلمہ کی عظمت کی تخصیص کیوں۔

جواب چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کے افتراء میں متعدد قباحتیں (مثلاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی تشبیہ اور غیروں کو اس کی ذات میں شریک ٹھہرانا جن کو اس نے اولاد بنایا ان کی محتاجی کا ایہام پھر اولاد کا باپ کی جانشینی کا لازمہ وغیرہ) لازم آتی ہیں جو بندوں کے قلوب کے ٹیڑھے پن کا موجب بن سکتی ہیں

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کلمۃ سے کفر و کذاب مراد ہے جسے بندے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط نسبت کی جائے اور اس پر جھوٹا بہتان تراشا جائے اور اس کے احکام کی تکذیب کی جائے۔ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اس معاملہ میں نہیں کہتے اِلَّا كَذِبًا۝ مگر جھوٹ یعنی اللہ تعالیٰ کے حق میں کفار جو کچھ کہتے ہیں یہ ایک ایسا قول ہے جس کا دائرہ صدق میں داخل ہونا ممکن ہی نہیں۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ

تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے اگر وہ اس

لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ

بات پر ایمان نہ لائیں غم سے بے شک ہم نے زمین کا سنگار کیا جو کچھ اس پر ہے کہ

اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ

انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں اور بیشک جو کچھ اس پر ہے ایک دن ہم اسے پٹ پر میدان کر چھوڑیں گے

اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹

کیا تمہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی کھوہ اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے

تفسیر عالمانہ

حل لغات فَلَعَلَّكَ پس شاید تم بَاخِعٌ بمعنی مہلک یعنی ہلاک کر دو گے نَفْسَكَ اپنی جان کو تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس جملہ سے نہی مراد ہے لعلك باخع نفسك بمعنی تبخع نفسك اپنی جان نہ نکالو جیسے اہل عرب کا قول مشہور ہے "لعلك ترید ان تفعل کذا" بمعنے لا تفعل کذا یا یہ وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون کے محاورہ سے ہے یہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے لیے فرمایا یعنی اے قوم عاد تم مضبوط محل بناتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے یعنی اس محاورہ میں "لعل" ترجی کا معنے دیتا ہے۔ قاموس میں ہے "بخع نفسه" بروزن منع بمعنے قتلها غما یعنی اسے غم سے قتل کر ڈالا اور کہا جاتا ہے بخع بالشاة یہ اس وقت بولتے ہیں جب بکری کو ذبح کرنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ اس کی بخاع درگ تک چھرا پہنچا دیا یہی اس کا حقیقی معنے ہے پھر تمام مبالغہ بھرے امور میں مستعمل ہوتا ہے اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کے ایمان لانے کے حرص میں اپنی جان کی بازی لگا رہے ہیں۔

ف البخاع بروزن کتاب سینہ کی ایک رگ کا نام ہے جو گردن کی ہڈیوں میں جاری وساری ہوتی ہے یہ نخاع دبالنون رگ کا نام ہے) کی غیر ہے یہی زمخشری کا خیال ہے۔

اٰثَارِهِمْ ان کی جدائی وغم وحزن کی وجہ سے ان کے پیچھے۔

ف کاشفی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ آپ سے ان کے برگشتہ ہونے یا آپ کے احکام سے انکار کے بعد آپ اپنے آپ کو مشقت میں اور اپنے قلب اطہر کو غم میں مت ڈالیے ان لم تومنوا بهذا الحديث میں الحدیث سے قرآن مجید مراد ہے

سوال قرآن مجید کو حدیث شریف سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید حادث ہے یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے۔

جواب قرآن مجید کو حدیث سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کے سنتے ہی اس کا معنے حادث ہوتا جاتا ہے کیونکہ یہ معنے ن حروف کی طرف عائد ہے جسے ہم قرآن مجید سے تعبیر کرتے ہیں

ف صحاح (لغت کی کتاب کا نام ہے) میں لکھا ہے کہ الحدیث "ضد القدیم" قدیم کی نقیض حدیث آتی ہے اور

کلام کو بھی حدیث کہا جاتا ہے وہ کلام قلیل ہو یا کثیر۔

اَسَفًا باخعٌ کا مفعول لہ ہے الاسف بمعنے سخت ترین حزن (کذا فی القاموس) اسی حزن وغضب وحسرت کی شدت کہ کفار نے جب ایمان بالقرآن سے اعراض کیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہر اس شخص جیسا ہو گیا جیسے ایک دوست کی جدائی سے دوسرے دوست کا حال ہوتا ہے یعنی دوست کی جدائی سے اس کی جان لبوں پر آجاتی ہے۔

شفقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت سے بہت بڑا پیار تھا ان پر رحمت و شفقت کرنے میں آپ کی مثال نہیں ملتی اور اللہ تعالٰے کے احکام کی تبلیغ اور عبودیت کی ادائیگی میں مافوق الامکان امور سرانجام دیتے تھے یہاں تک کہ خود اللہ تعالٰے کو روکنا پڑتا چنانچہ بارہا ایسا اتفاق ہوا۔ مثلاً آپ کو اللہ تعالٰی نے مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا تو آپ نے گھر کا تمام اثاثہ راہِ خدا میں لٹا دیا یہاں تک کہ جسم اطہر سے قمیص اتار کر کسی مسکین کو عنایت فرما دیا اور خود ننگے جسم (یعنی قمیص سے ننگے) ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اللہ تعالٰے نے آپ کو آئندہ ایسا کرنے سے روکا۔ کما قال "ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا"۔ اور نہ پورا کھول دو کہ تم بیٹھ رہو ملامت کیے ہوئے اور تھکے ہوئے۔

حزن وملال کے فضائل بعض مشائخ طریقت نے حُزن کے فضائل میں فرمایا کہ حُزن ادیبوں کا زیور ہے بڑا خوش قسمت وہ انسان ہے کہ جس کا اوڑھنا بچھونا حُزن ہو بلکہ حزن وملال اس کے اندر گھر کر چکا ہو یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا بھی حزن ہو اسی سے چوٹی کے کاملین اور انبیاء مرسلین لذت پاتے ہیں بلکہ جب اللہ تعالٰے کسی بندے سے پیار کرتا ہے تو اس کے دل کو حزون وملول بنا دیتا ہے خلاصہ یہ کہ جسے حزن وملال نصیب نہیں وہ عبادت کے ہر ذوق سے محروم ہے۔

سوال بعض بزرگوں سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ حزن گھٹیا درجے کے سالک کو نصیب ہوتا ہے۔

جواب ان کا ارشاد حق ہے لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ حزن محزون کے تابع ہوتا ہے جیسے کسی کا علم اس کے معلوم تک خلاصہ جواب یہ ہے کہ بلند ہمت انسان کے لیے حزن وملال ترقی درجات کا سبب بنتا ہے اور پست ہمت سالک کو ڈبو دیتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ابراہیم بن بشار (رحمۃ اللہ تعالٰے) عرصہ دراز رہے فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو طویل الحزن پایا اور وہ ہمیشہ متفکر رہتے تھے اور ہر وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ایسے معلوم ہوتا کہ ان پر ہر وقت حزن وملال وارد ہو رہے ہیں

حکایت حضرت سفیان رضی اللہ عنہ بی بی رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کے پاس بیٹھے تھے ان کے منہ سے نکل گیا۔ "واحزناہ" ہائے غم بی بی نے فرمایا: الیسامت کہو بلکہ کہو "واقلۃ حزناہ" ہائے ہمارے غم قلیل ہوں اس لیے کہ غم وحُزن کی کثرت سے انسان کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔

اہل اوصاف کے لئے دوا الاعمل حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ دل کس عمل سے پاک ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا غم اور حزن کی کثرت سے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

روئے زردست وآہ دردآلود

عاشقا نرا دوائے رنجوری

ترجمہ عشاق کی بیماری کا علاج آہ دردآلود اور روئے زرد سے ہوتا ہے۔

اے اللہ ہمیں اپنے دردوالم سے ہمارے قلوب کو منور ومزین فرما۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ ہم نے زمین کو حیوانات ونباتات اور معدنیات سے زِیْنَۃً سنگار بخشا لَّهَا زمین کو اور اس کے مکینوں کو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے دنیا اور اس کی شہوات کو بندوں کے لیے ایسا سنگار کہ وہی شہوات انہی کے طبائع کے موافق تو ہیں لیکن ہیں ان کے لیے آزمائش لِنَبْلُوَهُمْ یعنی ہم اپنے بندوں کے ساتھ ممتحن جیسا معاملہ کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہو اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ ان میں کون ہیں وہ جو رضائے الٰہی میں دنیا اور اس کی خواہشات کو ترک کرتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ اور باقیات صالحات سے روگردانی کر کے دنیا اور اس کی شہوات جو بالکل فانی اور خراب ہیں میں منہمک ہوتا ہے۔

ترکیب الارشاد میں لکھا ہے کہ اتی استفہامیہ مرفوع بالابتدا ہے اور احسن اس کی خبر ہے اور عملاً احسن کی تمیز ہے اور مبتدا وخبر اپنے متعلقات سے مل کر جملہ اسمیہ محلاً منصوب اور لنبلوھم کا مفعول بہ ہے لنبلوھم تمیز کے لحاظ سے علم کے معنیٰ کو متضمن ہے

اولیاء اللہ کی شان کاشفی نے لکھا کہ ما علی الارض میں ما بمعنے مَن ہے اسی سے انبیا علیہم السلام یا اولیاء کرام یا قرآن مجید کے حفاظ مراد ہیں اس لیے کہ یہی حضرات زمین کے سنگار ہیں۔

ف بعض بزرگوں نے فرمایا کہ زمین کی زینت اولیاء کرام ہیں اس لیے کہ عام دنیا کا قیام انہی کے وجود شریف سے وابستہ ہے

روئے زمین بطلعت ایشان منور است

چوں آسمان بزہرہ وخورشید ومشتری

ترجمہ زمین اولیاء کرام کی شکل نورانی سے منور ہے جیسے آسمان زہرہ وخورشید اور مشتری سے تاباں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ یعنی دنیا کے خاتمہ پر ہم بنا دیں گے مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جو کچھ زمین پر ہے مٹی جُرُزًا چٹیل میدان جرز ہر وہ زمین جس پر انگوری وغیرہ پیدا نہ ہوتی ہو اور ہر وہ سال جس میں بارش نہ ہوئی ہو اسے بھی "سنۃ جرز" سے تعبیر کرتے ہیں۔

پند کاشفی نے فرمایا کہ صعیداً جرزاً بمعنے جنگل اور وہ زمین جو بے آب و گیاہ ہو اس میں اشارہ ہے کہ تمہاری تمام عمارتیں تباہ و برباد کر دیں گے پھر اے بندگانِ خدا دنیا میں دل بستگی کیسی اور اس کی زیب و زینت پر فریفتگی کیوں؟

جہاں از رنگ و بو ساز د اسیرت
و لے نزدیک ارباب بصیرت
نہ رنگ دلکشش را اعتباریست
نہ بوئے دلفریبش را مداریست

ترجمہ: اے بندۂ خدا تجھے جہان اپنے رنگ و بُو سے اپنا قیدی بنانا چاہتا ہے اس کے متعلق اہل بصیرت کا فتویٰ تو یہ ہے کہ نہ اس کے دل کش رنگ کا اعتبار ہے اور نہ ہی اس کی دلفریب خوشبُو کا۔

تفسیر صُوفیانہ صُوفیاکرام کے نزدیک "صعیداً جرزاً" کا فیصلہ ہے کہ دنیا کے طالب کو سوائے ندامت اور نقصان برداری کے اور کچھ نصیب نہ ہوگا اسی لیے سالک طالب حق عبادت گزار عاشق باللہ پر لازم ہے کہ وہ دنیا اور اس کی زیب و زینت اور جُملہ شہوات حرام و حلال کو طلاق دے دے۔ اور دُنیا کی زیب و زینت کا معنےٰ قرآن مجید نے متعین کر دیا ہے کما قال تعالےٰ۔

"زین للناس حب الشهوات الی ان قال ذلك متاع الحیوٰة الدنیا"[له]

نکتہ اللہ تعالےٰ کی محبت کے ساتھ دنیا اور اس کی زیب و زینت کی محبت بلکہ آخرت اور اس کے درجات کی محبت جمع نہیں ہوسکتی۔

حکایت ہارون الرشید کا ایک سولہ سالہ لڑکا تھا جس نے شاہی چھوڑ کر زہد و عبادت اختیار کیا شاہانہ لباس اتار پھینکا اور اس کی بجائے پھٹے پرانے کپڑے اور گدڑی پہنی ایک دن اپنے والد ہارون الرشید کے ہاں گزرا تمام وزراء اور جملہ ارکان دولت اس کے پاس بیٹھے تھے بادشاہ سے سب نے کہا کہ آپ کے اس لڑکے نے آپ کو بادشاہوں کے سامنے رُسوا کیا کہ امیری چھوڑ کر فقیری مفلسی تنگدستی اختیار کی ہے۔ ہارون الرشید نے اپنے اسی بیٹے کو اپنے پاس بُلایا اور کہا۔ بیٹا تو نے مجھے عالم دنیا میں رُسوا کیا کہ شہزادہ ہو کر در در کے دھکے کھا رہا ہے شہزادے نے سُن کر کچھ نہ کہا پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک پرندہ درخت پر تھا اس پرندے سے فرمایا تجھے قسم ہے پیدا کرنے والے کی تم اپنی جگہ چھوڑ کر میرے ہاتھ پر آ بیٹھو چنانچہ پرندے نے ان کی بات سُن کر فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی اور شہزادے کے ہاتھ پر بیٹھ گیا پھر شہزادے نے اسے فرمایا کہ جہاں سے آئے

له پارہ ۳ سورت آل عمران رکوع ۲۔ اس کا ترجمہ یہ ہے "لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان لگے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی اور یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے"۔ (کنز الایمان)

ہو وہاں چلے جاؤ چنانچہ پرندہ فوراً واپس اڑ کر درخت پر جا بیٹھا پھر شہزادے نے پرندے کو فرمایا کہ اس بادشاہ ہارون الرشید کے ہاتھ پر آکر بیٹھو لیکن پرندہ بادشاہ کے پاس آنے کا روادار نہ ہوا۔ اس پر شہزادے نے اپنے باپ ہارون الرشید سے فرمایا کہ آپ نے مجھے اولیاء کرام کے سامنے شرمسار کیا وہ مجھے بات بات پر طعنہ دیتے ہیں کہ تیرا والد دنیا کا عاشق ہے۔ یہ کہہ کر والد سے فرمایا کہ آج کے بعد آپ سے میں ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا اس کے بعد اپنے شہر سے کوچ کر گیا اور صرف ایک انگشتری اور قرآن مجید ساتھ لے گیا اور شہر بصرہ میں اقامت پذیر ہو گیا۔

شہزادہ مزدوروں کی صف میں

اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے صرف ہفتہ کے دن مزدوری کرتا تھا سوا درہم لے کر سارا دن گارا اٹھاتا تھا اسی کو ہفتہ بھر کھاتا ابو عامر بصری ایک دن انہیں مزدوری کے لیے لے گئے دیکھا کہ اس ایک مزدور کا کام دس مزدوروں کے برابر ہے میں نے یقین کیا کہ وہ ولی اللہ ہے جو مزدوروں کے بھیس میں ہے اس لیے کہ اتنا بڑا کام اولیاء ہی سے ہو سکتا ہے ایک دن پھر مجھے مزدور کی ضرورت ہوئی تو میں اسی درویش کی تلاش میں نکلا معلوم ہوا کہ وہ درویش بیمار ہے میں اسے ملنے گیا تو دیکھا وہ ایک ویرانے میں پڑا ہے اور مندرجہ ذیل اشعار عربیہ پڑھ رہا ہے ؎

یا صاحبی لا تغتر ر تینعم

فالعمر ینفد والنعیم یزدل

واذا حملت الی القبور جنازۃ

فاعلم بانک بعدھا محمول

ترجمہ اے دوست دنیا کی نعمتوں سے دھوکہ نہ کھا اس لیے کہ زندگی بالآخر ختم ہوگی اور یہ دنیوی نعمتیں بھی جب تم کسی کا جنازہ اٹھا کر چلتے ہو تو اس سے عبرت پکڑو کہ ایک دن تمہارا جنازہ اسی طرح اٹھایا جائے گا۔

شہزادے کی آخری وصیت

شہزادے نے ابو عامر بصری سے فرمایا کہ اب میری زندگی کے لمحات ختم ہو رہے ہیں فلہذا براہ کرم آپ مجھے غسل دے کر اسی ٹوٹی کمبل میں کفنانا ابو عامر نے کہا اگر اجازت ہو تو میں اپنی طرف سے آپ کو نئے کپڑوں میں کفناؤں۔ شہزادے نے فرمایا۔ اے ابو عامر نئے کپڑے زندوں کو چاہئے اس لیے کہ قبر میں جانے کے بعد مردے کے کپڑے گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے البتہ نیک اعمال باقی رہیں گے اس کے بعد شہزادے نے ابو عامر کو قرآن مجید اور انگشتری سپرد کر کے کہا یہ دونوں چیزیں ہارون الرشید بادشاہ کو دے کر کہہ دینا کہ تیرا مسافر بیٹا کہتا تھا کہ غفلت میں نہ رہنا۔

ابو عامر ہارون الرشید کی خدمت میں : شہزادے کو دفنا کر ابو عامر ہارون الرشید کے ہاں پہنچا اور شہزادے کی وصیت کے مطابق قرآن مجید اور انگشتری ہارون الرشید بادشاہ کو پیش کر کے شہزادے کا تمام ماجرا سنایا اور اس کی نصیحت بھی۔ ہارون الرشید

شہزادے کا حال سن کر پہلے تو خوب رویا پھر ابوعامر سے پوچھا کہ اسے کہاں دفنایا ہے ابوعامر نے کہا عام گورستان میں۔ ہارون الرشید نے کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کا خیال بھی نہ آیا اسے کسی معزز مقبرہ میں دفناتے ابوعامر نے کہا کہ میں ان کی اسی قرابت سے بے خبر تھا ورنہ ضرور اسے کسی معزز مقبرہ میں دفن کرتا اس کے بعد ہارون الرشید نے مجھ سے پوچھا کہ میرے لخت جگر اور آنکھوں کی ٹھنڈک کو کس نے نہلایا ابوعامر نے کہا میں نے خود اسے نہلایا تھا یہ سن کر ہارون الرشید نے ابوعامر کے دونوں ہاتھ چوم لیے اور اسے گلے سے لگایا اور ابوعامر کے ساتھ چل کر بیٹے کے مزار کی زیارت کی۔

ابوعامر کو خواب میں شہزادہ کی زیارت

ابوعامر فرماتے ہیں کہ میں نے شہزادے کی موت کے بعد انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہترین محل میں ایک اعلیٰ تخت پر تشریف فرما ہیں میں نے ان سے حال پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر کیا گیا تو اسے اپنے اوپر بہت راضی پایا اور مجھے وہ انعام و کرام عطا فرمایا جسے نہ کبھی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں اس جیسی نعمتوں کا تصور آسکتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے اپنے لطف و کرم سے قسم کھائی ہے کہ جو بھی میری طرح دنیا میں زندگی بسر کر کے قبر میں داخل ہوتا ہے[1] اسے ایسے ہی انعام و کرام سے نوازا جاتا ہے جیسے تم مجھے دیکھ رہے ہو۔ ؎

نگہدار فرصت کہ عالم دمیست
دمے پیش دانا بہ از عالمیست
برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت
نماند بجز نام نیکو و زشت
دل اندر دلارام دنیا مبند
کہ نہ نشست باکس کہ دل برنکند

ترجمہ: فرصت کو غنیمت جانو اس لیے کہ عالم دنیا آنکھ جھپکتے ہی ختم ہو جائے گی اور دانا آدمی تو پل بھر کو تمام عالم سے بہتر سمجھتا ہے اس محبوب دنیا سے دل نہ لگاؤ اس لیے کہ یہ دنیا بے وفا ہے یہ جس کے پاس جاتی ہے اسے بہت جلد چھوڑ کر چلی جاتی ہے

اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو صرف تیرے ہیں

اَمْ حَسِبْتَ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے مراد آپ کی اُمت ہے اس لیے کہ ایسے خطابات حضور علیہ السلام کے لائق نہیں بلکہ اُمت ہی کے لائق ہیں

---

[1] یہ ایک قانون ہے جو قرآن مجید کے متعدد مقامات پر کام دیتا ہے تفصیل فقیر کی تصنیف "احسن البیان جلد دوم" میں ہے۔

ترکیب ام منقطعہ ہے اور اس جملہ میں لفظ بَلْ مقدر ہے اور یہاں انتقال من الحدیث الی حدیث آخَر ہے یہ بل ابطالیہ نہیں یعنی ایک گفتگو سے دوسری کو باطل کرنا مقصود نہیں بلکہ ایک گفتگو سے دوسری کی طرف منتقل ہونا مطلوب ہے اور یہاں پر ہمزہ استفہام بھی مقدر ہے یہ جمہور کا مذہب ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر صرف بَلْ مقدر ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مخاطب تم نے سمجھا اور گمان کیا ایسے معاملہ کا کہ جس کے متعلق تمہیں گمان کرنا لائق نہ تھا لہٰذا تمھارے سے سوال ہے کہ تو نے کیوں گمان کیا۔

شانِ نزول کاشفی نے لکھا کہ یہودیوں نے قریش کو چند سوالات سکھا کر حضور سرورِ عالم شفیع معظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ سے سوال کریں اس کے بعد خود گفتگو میں مشغول ہو ہو گئے اور کہتے تھے کہ اصحاب کہف بھی عجیب انسان تھے لیکن وہ انسان بھی عجیب ہے جو ان کے حالات سے واقف ہے اس پر یہی آیت اتری: "اَن اصحاب الکھف" پہاڑ کے اندر اگر باوسعت گہرائی ہو تو اسے "کہف" کہتے ہیں اگر باوسعت نہ ہو تو اسے غار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سے ان کا کُتا مراد ہے۔ رومی لوگ الرقیم کُتے کو کہتے ہیں۔

حکایت صاحب بن عباد فرماتے ہیں کہ الرقیم اور تبارک والمتاع کے معنیٰ میں مجھے سخت تردّد تھا اور میں نے عرب کے تمام قبائل چھان ڈالے کہیں سے تسلی بخش جواب نہ ملا۔ ایک دن میں نے کسی عورت سے کہتے سنا کہ اس نے اپنے چھوٹے بچے سے پوچھا این المتاع اس کے چھوٹے بچے نے جواب دیا جاء الرقیم "واخذ المتاع وتبارك الجبل" میں نے اس جملہ کے متعلق سوال کیا کہ واضح طور بتاؤ کہ الرقیم سے کیا مراد ہے اور المتاع سے کیا اور تبارک کسے کہتے ہو اس نے جواب دیا کہ الرقیم بمعنے کُتا المتاع ہر وہ شے جسے پانی میں بھگو کر منہ کو صاف کیا جائے اور تبارک بمعنے صعد یعنی اوپر چڑھا۔

الرقیم کے معنی قاموس میں ہے کہ الرقیم بر وزن امیر مندرجہ ذیل معانی میں مستعمل ہوتا ہے۔

۱ اصحاب کہف کی بستی کا نام

۲ ان کے پہاڑ کا نام

۳ ان کے کُتے کا نام

۴ ایک وادی

۵ صحرا (جنگل)

۶ تانبے یا پتھر کا ایک تختہ جس پر اصحاب کہف کے اسماء اور ان کے انساب اور ان کے دین کا نام لکھا ہے جس کے ڈر سے وہ حضرات بھاگ نکلے تھے اس تختہ کو غار کے دروازہ پر لٹکایا گیا ہے اس معنے پر الرقیم فعیل بمعنے مفعول ہے۔

ف طبری میں ہے کہ بادشاہ کے گھر میں دو مومن مرد رہتے تھے ایک کا نام بیندروس اور دوسرے کو لُدوناس کہا جاتا ہے انھوں نے ہی دو تانبے کی تختیوں پر اصحاب کہف کے اسماء اور ان کا قصہ اور نسب نامہ لکھ کر انھیں پیتل کے صندوق میں رکھ دیا اور اسے غار کے سامنے ایک محفوظ کمرے میں رکھ دیا اس نیت پر کہ قُربِ قیامت سے پہلے اہلِ ایمان کا غلبہ ہوگا اور جب وہ اس مقام پر تشریف لائیں تو انہیں اصحاب کہف کے حالات معلوم ہوں گے۔

کَانُوْا اصحاب کہف عالمِ دنیا میں عرصہ دراز تک زندہ رہے یعنی تین سو نو سال خواب میں آرام فرما رہے۔

مِنْ اٰیٰتِنَا یعنی اصحاب کہف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل سے ایک دلیل اور اس کی آیات میں سے ایک آیت تھے

عَجَبًا یہ دراصل ذو عجب تھا یعنی اصحاب کہف قدرت کی ایک عجیب ترین دلیل تھے۔

قاعدہ مضاف کو محذوف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کھڑا کر دیا گیا ہے یا مصدر ہے بطور مبالغہ کے مستعمل ہوا اور عجیب ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو اپنی ہم شکل اور اپنے نظائر سے نرالی ہو اور اعجب کانوا کی خبر ہے خلاصہ یہ کہ اصحاب کہف کا قصہ اگر خرقِ عادت کے طور عجیب تر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے دیگر آیات کے بالمقابل اتنا عجیب تر نہیں ہے اس لیے کہ اس کے بہت بڑے آیات کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں۔

ف کاشفی نے لکھا کہ اصحاب کہف کا قصہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق السماء والارض کے سامنے چنداں عجیب وغریب نہیں۔

ف کہف سے مراد وہ غار ہے جسے جیرم کہا جاتا ہے وہ شہر کے گرد ونواح کے ایک پہاڑ تباخلوس میں واقع تھی اور اسی شہر میں دقیانوس نامی بادشاہ کا دارالخلافہ تھا۔

واقعہ اصحاب کہف مروی ہے کہ دقیانوس نے جب روم کے ممالک پر قبضہ کیا تو اس نے یہاں پر اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے ایک مذبح تیار کیا اور شہر والوں کو حکم فرمایا کہ اس کے معبودوں کی پرستش کریں جو شخص اس کے حکم پر بتوں کی پرستش کرتا نجات پا جاتا اور جو انکار کرتا اسے قتل کرا دیتا اسی شہر کے چھ بزرگ زادے نوجوان گوشۂ تنہائی میں بیٹھے خدا تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو گئے اور ہر وقت بارگاہ حق میں اپنے ظالم بادشاہ کی شرارت سے پناہ مانگتے تھے لیکن جب ان کا معاملہ بادشاہ تک پہنچا تو اس نے انھیں گرفتار کر لیا اور سختی سے غیر اللہ کی پرستش پر مجبور کیا لیکن یہ حضرات توحیدِ حق پر ڈٹ گئے بادشاہ کے غلط حکم کی ذرا برابر پرواہ نہ کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کا تمام مال ومتاع چھین لیا جائے اور انہیں کہا کہ تم نوجوان ہو ابھی تم دنیا سے نفع اندوز نہیں ہوئے مجھے تمہارے حال پر رحم آتا ہے میں تمھیں تین دن مہلت دیتا ہوں تم اپنے متعلق سوچ لو میرا حکم مانو گے تو زندگی آرام سے بسر ہوگی ورنہ نقصان اٹھاؤ گے انھوں نے ان تینوں دنوں کو غنیمت سمجھا بادشاہ سے مہلت پا کر وہاں سے بھاگ نکلے اور بقدر ضرورت زادِ راہ اپنے گھروں سے اٹھا کر رختِ سفر باندھکر شہر کے کسی نزدیکی غار میں چھپ گئے۔

سگ اصحاب کہف مروی ہے کہ جب رختِ سفر باندھکر روانہ ہوئے تو راستہ میں چرواہا ملا اس نے بھی ان

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا
جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی
رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ
پھر بولے اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کے سامان کر تو ہم نے اس غار
فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿١١﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا
میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپکا پھر ہم نے انہیں جگایا کہ دیکھیں دو گروہوں میں کون ان کے ٹھہرنے کی مدت
اَمَدًا ﴿١٢﴾
زیادہ ٹھیک بتاتا ہے

کی رفاقت اختیار کی چرواہے کا ایک کتا تھا وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا ہر چند اسے بھگایا اس نے ان کا دامن نہ چھوڑا اللہ تعالی نے اسے بولنے کی طاقت بخشی اور ان سے گویا ہوا کہ بزرگو! مجھے اللہ والوں سے پیار اور عقیدت ہے فلہذا مجھے بھی ساتھ لے چلو بلکہ جہاں تم آرام فرماؤ گے میں تمہاری نگرانی کرتا رہوں گا چرواہے نے کہا اس پہاڑ میں ایک غار ہے جو ہمارے مقصد کے لیے موزوں ہے چنانچہ چرواہے کے مشورے پر اسی غار میں پہنچے جس کا ذکر اللہ تعالے نے قرآن مجید میں فرمایا

تفسیر عالمانہ اذ عجبا کے لیے ظرف ہے یا اذکر محذوف کا مفعول یعنی اے حبیب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجیے جب کہ اَوٰى بمعنے صار یعنی ہوئے یا بمعنے اتی یعنی آئے یا بمعنے انضم بمعنے ملے یا بمعنی التجا یعنی پناہ لی) اَلْفِتْيَةُ روم کے بزرگ زادے جنہیں دقیانوس نے شرک پر مجبور کیا تو شرک سے انکار کر کے گھروں سے بھاگ نکلے تھے۔ اِلَى الْكَهْفِ اس سے جیرم نامی غار مراد ہے جو ان کے پہاڑ تباغلوس میں واقع تھی ان حضرات نے اسی غار کو اپنے رہنے سہنے کا مرکز مقرر کیا۔

ف الفتیۃ فتی کی جمع ہے اٹھتی جوانی والے قوی نوجوانوں کو عربی میں فتی کہا جاتا ہے کبھی استعارہ کر کے مملوک (غلام) کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے اگرچہ سن کے لحاظ سے بوڑھا ہو جیسے لفظ غلام مملوک کو کہتے ہیں بوڑھا ہو یا جوان۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی کسی مرد کو میرا عبد اور کسی عورت کو میری اَمَۃ نہ کہے بلکہ مرد کو میرا فتی (غلام) اور عورت کو میری فتاۃ (لونڈی) کہے۔

مسئلہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کے لیے کہے "انا فتی فلان" میں فلاں شخص کا فتی (غلام) ہوں اس سے ثابت ہوگا کہ وہ اس شخص کے لیے اپنے غلام ہونے کا اقرار کر رہا ہے

فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ غار میں داخل ہوئے تو بارگاہ حق میں التجا کی اے ہمارے رب ہمیں اپنے ان پوشیدہ خزانوں سے خصوصی رحمت سے نواز جسے تو نے اہل دنیا کی آنکھوں سے اوجھل رکھا ہے اس معنے پر من لدنک

اس کا من ابتدائیہ ہے رَحْمَةً تنوین خاص رحمت جو مغفرت اور رزق اور دشمن سے سلامت رہنے کا موجب ہو وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا یہ دونوں حروف جارہ هيئ کے متعلق ہے چونکہ ہر دونوں کے معنی مختلف ہیں اسی لیے اس فعل کے متعلق ہونا جائز ہے ۔

حل لغات تهيئة بمعنے اظہار هيئة الشئ یعنی شئے کی اصل ہیئت کا اظہار اور صحاح (لغت کی کتاب کا نام ہے) میں ہے "هيئات الشئ" اصلحته میں نے اس کی اصلاح کی اور اصلاح افساد کی نقیض ہے۔ (الاصلاح) بمعنے شئے کو مستقیم نافع حالت پہ لے جانا اور الافساد شئے کو حد اعتدال سے خارج کرنا اب "هيئ لنا" کا معنی ہوا "اصلح ورتب واتمم لنا" یعنی اصلاح فرما اور مرتب فرما اور ہمارے لیے مکمل فرما اور "امرنا" سے ان کا کافروں سے علیحدہ رہنا اور طاعتِ الٰہی پر قوت پانا مراد ہے رَشَدًا بمعنے طریق الی المطلوب پر عین مطابق ہونا اور مطلوب راستے کی جانب ہدایت پانا ۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسا حجاب لٹکا دیا جو ان کے کانوں کے اندر ہر قسم کی آواز کو روکتا تھا ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انھیں سلا دیا ان کی سخت نیند میں سو جانے کو حجاب سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے حجاب باہر کی اشیا کو اندر جانے سے روکتا ہے ایسے ہی ان کی نیند کانوں پر حجاب کی مانند تھی کہ باہر کی آوازیں اندر جانے سے روکتی تھی۔

سوال یہاں پر صرف کانوں کی کیا تخصیص ہے جب کہ نیند جمیع مشاعر (حواس) کے لیے حاجب و مانع ہوتی ہے؟

جواب اس لیے کہ عادۃً کانوں کو ہی حجاب کی ضرورت ہوتی ہے اور بیدار کرنے کے لیے عموماً کانوں تک آواز پہنچائی جاتی ہے بالخصوص وہ انسان جو لوگوں سے علیحدگی اختیار کرکے تنہائی میں نیند کرے

ف فضربنا کی فاء ایسے ہے جیسے اذ نادیٰ کے بعد فاستجبنا لہٗ میں ہے اس لیے کہ ان پر نیند کا غلبہ اور ان کے لواحقات جیسے ان کی نیند میں دائیں بائیں کروٹیں بدلنا وغیرہ ان پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتیں ہیں جو خصوصیت سے انھیں عطا ہوئیں جو دیکھنے والوں سے اوجھل بھی تھیں اور خرق عادت کے طور تھیں یعنے اسباب عادیہ کے تحت نہیں تھیں تاکہ ظاہر ہو کہ ان اللہ والوں کی دعا مستجاب ہوئی ۔

فِى الْكَهْفِ یہ ظرف مکان ضربنا کے متعلق ہے سِنِيْنَ یہ ظرف زماں اسی ضربنا کے متعلق ہے عَدَدًا ۝ گنتی والے یعنی تین سو نو سال اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آرہی ہے

سوال "سنین" خود متعدد ہے پھر عدداً کو اس کی صفت بنا کر کیوں لایا گیا

جواب کثرت کے اظہار کے لیے ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ اس کی قدرت کا کمال اسی سے واضح تر ظاہر ہوتا ہے قلت کے لیے بھی ہو سکتا ہے یہ اس معنیٰ کے لیے زیادہ اچھا ہے جب کہ پہلے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے دوسرے کرشموں کے بالمقابل اصحاب کہف کا عرصہ دراز تک سوتے رہنا عجیب ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں ان کا عرصہ دراز تک سونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک یوم کی مقدار کے برابر ہے ۔

ثُمَّ بَعَثْنٰھُمْ پھر ہم نے انھیں جگایا ان کی بھاری اور سخت نیند کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے اس میں دلیل ہے کہ نیند موت کی بہن (ہم جنس ہے) آپس کے لوازمات کی وجہ سے ہے کہ ہر دونوں کا اٹھنا (۲) حیاۃ کا معطل ہوجانا (۳) ہر دونوں کی جمادات جیسی حالت کا ہوجانا لِنَعْلَمَ یہاں علم مجازاً بمعنے اختیار آزمائش ہے سبب بولکر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

سوال امتحان میں ممتحن عنہ سے فعل کا صدور ضروری ہے

جواب ممتحن عنہ سے فعل کا صدور ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات ممتحن کا صرف اظہار عجز مطلوب ہوتا ہے جیسے افعال تعجیزیہ میں عموماً ہوا چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو فرمایا کہ "فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ"[۱] اس میں بھی نمرود سے صرف اظہار عجز مطلوب ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اصحاب کہف کو ایک عرصہ کے بعد جگایا تاکہ ہم ان لوگوں سے وہی معاملہ کریں جو عام طور آزمائش کیے ہوئے لوگوں سے کیا جاتا ہے۔

اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اس سے وہ دو گروہ مراد ہیں جنھوں نے اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف کیا تھا

ف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان دو فریقوں یعنی نوجوانوں اور بادشاہوں سے صرف وہی بادشاہ مراد ہیں جو اسی مدت تک ایک دوسرے کے جانشین ہوئے وہ اس لیے کہ الحزبین میں لام عہد کی ہے اور معہود سوائے ان بادشاہوں کے اور کوئی نہیں ہوسکتا

ترکیب ای مبتدا اور اس کی خبر احصیٰ الخ یعنی یہ فعل ماضی ہے بمعنے ضبط۔

لِمَا لَبِثُوْا ما مصدریہ ہے بمعنی لبثهم "اَمَدًا" ۞ (حل لغات) اہل عرب کہتے ہیں "ما امرك ای منتھی عمرك" یعنی تیری عمر کی انتہاء و غایت کیا ہے یہ آزمائش ان سے اس لیے ہوئی کہ جب وہ ان کی بعث و مدت کی صحیح گنتی سے عاجز ہوں گے تو اقرار کرنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ اس کے متعلق یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ علیم خبیر کو ہے اور یقین کریں گے کہ وہی ان کے حالات کو بہتر جانتا ہے اور اسی کو علم ہے کہ اس نے ان کے ساتھ کیا کیا اور ان کے ابدان کو کس طرح محفوظ رکھا اور ان کا دین کیا تھا جب اس طرح کا اعتراف کریں گے تو انھیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کی وسعت علمی۔ کا یقین ہوجائے گا اور وہ مرنے کے بعد اٹھنے کے عقیدے کو مان لیں گے اس سے دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ اصحاب کہف کے واقعہ سے اہل ایمان کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایمان داروں سے لطف و کرم فرماتا ہے اس سے تیسرا فائدہ یہ بعث و نشر پر حجت قائم ہوگی۔

حل لغات امدا سے مراد المدیٰ یعنی مدت جیسے ابتداء الغایۃ میں النھایۃ سے مجازاً غایۃ الشئ عنہ مراد ہے جیسے غایۃ بمعنے مسافت مجازاً مستعمل ہوتی ہے ایسے ہی لفظ المدیٰ بمعنے مدت مجازاً مستعمل ہوا۔

ف احصیٰ یہاں پر فعل ماضی ہے نہ افعل التفضیل اس لیے کہ یہاں پر تمام لوگوں کی آزمائش مقصود ہے نہ یہ کہ ان سب میں سے کسی ایک کی افضلیت اور اس دوسرے کا ادنیٰ ہونا ظاہر کرنا ہے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "ام حسبت" کے مخاطب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی محبوب نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کا خیال ہے کہ "ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایاتنا" اصحاب کہف اور رقیم ہماری عجیب آیات سے ہیں لیکن اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت کے بعض افراد افعال باطنیہ کے لحاظ سے ان سے عجیب تر ہیں آپ کی امت کے بعض افراد وہ اصحاب خلوات جن کی کہف ان کا خلوت خانہ ہے۔ جس میں وہ مقیم ہو کر یاد الٰہی میں زندگی بسر کرتے ہیں اور رقیم ان کے وہ قلوب ہیں جن پر حب الٰہی مرقوم ہے وہی صاحبان میرے محب بھی ہیں اور محبوب بھی اور ان کے قلوب کی تختیوں پر علوم لدنیہ منقوش ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خاطرت کے رقم فیض پذیرد ہیہات
مگر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

ترجمہ تمہارا دل فیض کے لکھے کو کب قبول کر سکتا ہے اور یہ ناممکن ہے البتہ پراگندہ نقوش سے اسے سیاہ کرنا تمہارا کام ہے۔

اصحاب کہف دقیانوس کے خوف سے بھاگ کر غار میں چھپے تھے اور اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت کے اولیاء کرام کہف خلوۃ میں تیرے دیدار کے شوق میں بھاگ کر آتے ہیں حضرت حافظ نے فرمایا ؎

شکر کمال حلاوت پس از ریاضت یافت
نخست در شکن تنگ ازان مکان گیرد

ترجمہ کمال میں حلاوت ریاضت کے بعد حاصل ہوتی ہے

ربنا آتنا الخ سے اصحاب کہف کی مراد یہی تھی کہ انھیں دقیانوس کے شہر سے نجات اور غار سے بسلامت باہر جانا نصیب ہو لیکن آپ کے اولیاء کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ نفوس کے شرور سے محفوظ ہو جائیں اور غار وجود کی تاریکیوں سے نکل کر انوار جمالی و جلالی کی طرف پہنچ جائیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مددے گر بچراغی نکند آتش طور
چارۂ تیرہ شب وادی ایمن چہ کنم

ترجمہ چراغ کی آتش کی اگر طور مدد نہ کرے تو وادی ایمن کی تاریکی شب کیا کر سکتی ہے۔

فضربنا الخ سے مراد یہ ہے کہ اصحاب خلوات یعنی اولیاء امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اور باطنی کان محفوظ کر لیے گئے تاکہ ان کے مسامع کو کلام خلق نہ سنی جائے کہ اسی کلام کے نقوش ان کے قلوب پر منقش نہ ہو جائیں اسی طرح ان کے جمیع حواس کو ان کے قلوب سے دور رکھا جاتا ہے بلکہ ان کے قلوب پر جتنے غلط نقوش منقوش ہوتے ہیں وہ سب کے سب

کلمۂ صفائی یعنی لاالہ الااللہ لغٰ سے مٹا دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ لاالہ الااللہ سے انکے قلوب ماسوی اللہ کی نفی اور الااللہ کے اثبات سے نورالٰہی سے منوّر بلکہ علوم لدنیّہ کے انوار ان کے قلوب پر منقش ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں فانی فی اللہ ہو کر انھیں بقا باللہ کا مرتبہ نصیب ہوا اسی لیے فرمایا ثمہ بعثنٰھم یعنی انہیں ہم نے اپنی بقا کی زندگی بخشی لنعلم ای الحزبین تاکہ واضح ہو کہ ان دو گروہوں یعنی اصحاب کہف اور اصحاب خلوات میں سے احصٰی خطا پر کون ہے اور صواب پر کون -

لما لبثوا امداً کہ ان میں بعض صرف غار میں عرصہ دراز تک ٹھہرے رہے اور بعض خلوات کے بیوت ہیں -

قصّہ اصحاب کہف

ایک شہر کا بادشاہ تھا ظالم جو اس کے بتوں کو نہ پوجتا اس کو عذاب سے مارتا یا بُت پوجتا اصحاب کہف کے متعلق کسی نے بادشاہ سے چغلی کی اس نے رُوبرو بلا کر پوچھا اس وقت حق تعالےٰ نے ان کے دل پر گرہ کر دی۔ یعنی ثابت رکھا اور بت پرستی سے انکار کر دیا اور اپنی بات صاف کہہ دی اس وقت بادشاہ نے موقوف رکھا کہ اور شہر پھر کر آؤں تو ان سے بُت پوجنا قبول کراؤں یا عذاب کروں وہ گیا اور یہ چھپ کر نکل گئے شہر سے نکل کر پاس ایک پہاڑ میں کھوہ تھی آپس میں مشورہ کر کے وہاں جا بیٹھے نیند غالب ہوئی سو گئے کسی کو معلوم نہ ہوا تب سے اب تک سوتے ہیں۔ بیچ میں ایک بار اللہ تعالےٰ نے جگا دیا تھا جس سے لوگوں پر خبر کُھلی پھر سو رہے

افسُس کی بُت پرستی

افسُس ایک قدیم شہر کا نام ہے جو بلاد یونیا میں واقع تھا آج کل وہاں سوائے کھنڈرات کے اور کچھ نہیں ہے کے باشندے اپنی عید کے دن نکلے تاکہ اپنی مورتیوں اور بتوں کو آراستہ کریں اور ان پر بھینٹ چڑھائیں لیکن ان کے شرفائیں ایک شخص جو بڑے مغز زگھرانے کا تھا وہ ان کی یہ حرکتیں دیکھ کر مطمئن نہ تھا اس کی عقل ان پتھر کے معبودوں کو دیکھ کر چین نہ پاتی وہ ان کی طرف سے شک اور شبہ میں مصروف رہتا اور پریشان و فکر مند رہا کرتا پھر وہ ان کے درمیان سے چپکے سے کھسک کر نکل جاتا اور چھپتا ہوا ایک درخت کے نیچے حیران و پریشان بیٹھا رہتا -

اس کے بعد ایک اور شخص جو اسی حیرت اور پس و پیش میں مبتلا تھا اس کے پاس جا پہنچا یہ بھی شرافت اور حسب و نسب میں پہلے سے مشابہ تھا اور بت پرستی کے معاملہ میں ویسا ہی فکر مند تھا اس طرح اس خیال کے لوگوں کی تعداد سات تک پہنچ گئی بہت جلد ان لوگوں کے دل آپس میں مل گئے اور یہ باہم بالکل ہم خیال اور متحد ہو گئے اگرچہ ان کے درمیان کوئی نسبی یا رحمی تعلق نہ تھا۔

ان لوگوں نے اپنی شکوک اور معبودان باطل سے انکار کا حال لوگوں پر ظاہر کر دیا پھر انھوں نے کائنات کی وسعت میں قدم بڑھایا اور اپنی فطرتِ سلیمہ اور دُوررس نگاہوں کی بدولت اشیاء پر غور و خوض کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کے دل توحید کے نور سے روشن ہو گئے انہیں خالقِ کائنات کی راہ مل گئی اور وجود اور ہستی کا بھید معلوم ہو گیا وہ اس دین سے خوش اور مطمئن ہو گئے اور

لے اضافہ اویسی غفرلہٗ

انھوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ اس دین کو اپنے دلوں کی گہرائی میں چھپائے رکھیں گے کیونکہ اس زمانہ کا بادشاہ بُت پرست اور مشرک تھا اور مشرکوں کا حامی و مددگار تھا۔

اصحاب کہف کا اجتماع اب ان میں سے ہر ایک وہی کچھ سوچتا تھا جو ان کے باقی رفیق سوچتے تھے اور انھیں کی طرح بے قرار رہتا تھا جب ان میں سے کوئی تنہا ہوتا اور دل کو یکسو پاتا تو اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عبادت اور نماز میں مشغول ہو جاتا اور اس کی پاکیزگی اور تقدس کا اقرار کرتا اسی حالت میں یہ لوگ ایک رات کو جمع ہوئے اور اس اجتماع میں ان میں سے ایک نے پست آواز میں ڈرتے ڈرتے کہا۔

دوستو! کل میں نے ایک خبر سُنی اگر اس کا راوی سچا ہے اور میں اسے سچا ہی سمجھتا ہوں تو اس خبر میں ہمارے دین کی تباہی اور جانوروں کی بربادی کا خطرہ ہے میں نے سنا کہ بادشاہ کو ہمارا حال معلوم ہو گیا ہے اس پر ہمارے دین اور عقیدے کا بھید کھُل چکا ہے اس کی اطلاع پا کر اس کا غضب بھڑک اٹھا ہے اور اس نے برہم ہو کر دھمکی دی ہے کہ اگر ہم لوگ اس دین سے جو ہمارے دلوں میں خوب رچ گیا ہے باز نہ آئے تو ہمیں نقصان پہنچائے گا اندیشہ ہے کہ کل ہی ہم اس کے حضور میں پیش کئے جائیں اور اس کے وعدہ اور وعید کی درمیانی حالت سے دوچار ہوں جس میں ہمیں اس کی تلوار اور جلاد چرمی فرش کا سامنا کرنا پڑے۔ اس لیے اس بات پر غور کر لو اور سوچ سمجھ کر رائے قائم کرو۔

دوسرے ساتھی کی اولوالعزمی دوسرے نے کہا میں یہ خبر پہلے ہی سن چکا ہوں میں نے اسے افواہ پھیلانے والوں کی دہشت انگیز خبر اور جاہلوں کی تاویل خیال کیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے اب یہ خوب پھیل گئی ہے یہاں تک کہ اب اس کے سچ ہونے اور واقع ہونے کا امکان ہے مگر ہماری رائے تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں گے اور ہمیں لوگ جس طرح بھی دبانا چاہیں برداشت کریں گے مگر یہ محال ہے کہ ہم ان بتوں کی طرف پھر لوٹیں جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اور جن کے فاسد و باطل ہونے کا علم ہمیں ہو چکا ہے ہم تو اللہ کی عبادت سے نہ پلٹیں گے آفتاب جو ہر روز طلوع ہوتا ہے اپنے طلوع کے ساتھ خدا کے وجود کی دلیل رکھتا ہے اور فکر و خیال کی ہر تسبیح اس کی عظمت کی شہادت دیتی ہے "۔

آخر جو خبریں پھیل رہی تھیں صحیح ثابت ہوئیں، ان بزرگوں کو ان کے گھروں سے باہر نکالا گیا اور بادشاہِ وقت کے سامنے پیش کیا گیا۔

بادشاہ کا خطاب بادشاہ نے ان سے کہا ——— " تم نے اس بات کو چھپانے کا ارادہ کیا اپنے دین کو مخفی رکھنے کی کوشش کی۔ مگر تم اس میں کامیاب نہیں ہوئے تم نے جو کچھ چھپایا یا ظاہر کیا اور تم جو کچھ علم و اعتقاد رکھتے ہو اس کی اطلاع مجھے پہلے ہی ہو چکی ہے مجھے معلوم ہوا کہ تم بادشاہ اور رعیت کے دین سے پھر چکے ہو اور تم نے ایسا دین اختیار کیا ہے جو میں نہیں جانتا تم پر کہاں سے اتر پڑا تمھیں اس کا علم کیسے ہوا؟

میرے لیے یہ بات تو آسان تھی کہ میں تمھیں اپنے دین میں سرگردان رہنے کے لیے چھوڑ دوں اور آزاد رہنے دوں لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ اپنی قوم کے اشراف اور قبیلوں کے معززین میں سے ہو اور اگر عوام کو تمھاری باتوں کا علم ہوا تو تمھاری شریعت اور دین کے اندر داخل ہو جائیں گے اور تمھارے طریقہ پر چلنے لگیں گے اور اس صورت میں ملک کی تباہی اور امن وامان کی خرابی ہے؛

میں تمھیں سزا و تعزیر دینے میں جلدی نہ کروں گا اور اس کا موقع دوں گا کہ جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو اس پر غور کر لو اور سوچ کر جواب دو اب تمھارے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو تمھیں پھر ہماری ملت کی طرف لوٹ آنا اور لوگوں کے مذہب کی اطاعت کرنا ہے یا پھر دیکھنے والا یہ منظر دیکھے گا کہ اس کے سامنے چند سر اور اعضا رکٹے ہوئے ڈھیر ہیں اور تمھارے اجسام سے خون بہہ رہا ہے

اصحابِ کہف کی قوتِ ایمانی مگر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے دل مضبوط کر دیے تھے اور ان کے ایمان کو قوت عطا کی تھی اس لیے وہ بادشاہ کی دھمکیوں میں نہ آئے انھوں نے جواب دیا اے بادشاہ! ہم اس دین میں دوسروں کی تقلید داخل نہیں ہوئے ہیں نہ ہم نے اسے کسی کی زبردستی سے قبول کیا ہے ہم اس پر جاہلوں اور ناواقفوں کی طرح عمل نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہمیں ہماری فطرت نے اس طرف بلایا اور ہم نے اسے اپنی عقل و فہم کی روشنی میں درست پا کر اختیار کیا ہے بلاشبہ وہ اللہ ایک ہے ہم اسے چھوڑ کر کسی اور معبود کو نہ پکاریں گے رہی ہماری قوم تو اس کا حال یہ ہے کہ اس نے بے جانے بوجھے اوروں کی پیروی کر کے ان بتوں کو پوجنا شروع کر دیا وہ نہ اس کے درست ہونے کی دلیل رکھتے ہیں نہ ان کے پاس کوئی حجت اور ثبوت ہے ہماری معلومات اور رائے اسی حد تک ہیں اور ہم اس پر قائم ہیں اس لیے اب آپ کو جو حکم دینا ہو اور جو کچھ کرنا چاہیں کریں"

بادشاہ نے کہا! آج تم لوگ جاؤ! کل میرے حضور میں آنا پھر میں تمھارے معاملہ پر غور کروں گا اور تمھارا فیصلہ کروں گا

ہجرت کا فیصلہ اس کے بعد یہ لوگ تنہائی میں جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کریں ان میں سے ایک نے کہا بادشاہ ہمارے نقطۂ نگاہ اور عقائد سے تقریباً واقف ہو چکا ہے اس لیے اب اس کے وعدے اور وعید کے درمیان ٹھہرے رہنے اور اس کی امیدوں اور دھمکیوں میں آنے کا کوئی موقع نہیں مناسب ہو گا کہ ہم اپنے دین سلامت لے کر پہاڑ کی اس کھوہ میں جا چھپیں یہ مقام اپنی تاریکی اور تنگی کے باوجود اتنی وسیع سرزمین میں ہمارے لیے سب سے زیادہ کشادہ اور فراخ ہو گا کیونکہ ہم اس زمین میں اپنی خواہش کے مطابق اللہ کی بندگی نہیں کر سکے اور اپنے اعتقاد کے موافق اپنے دین کا اعلان نہیں کر سکتے ایسے امکان میں اقرار کی کیا صورت ہو سکتی ہے جہاں ہم سے ایسا دین منوایا جاتا ہے جس سے ہم مطمئن نہیں ہیں اور اس وطن میں کیا عزت ہو سکتی ہے جس میں ہمارے عقیدے کے برخلاف زبردستی رائے منوائی جاتی ہے۔

کتے کی رفاقت

اس کے بعد ان سب لوگوں نے وطن چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اپنی اپنی زادِ راہ لادی اور دین کو دنیا پر ترجیح دے کر یہاں سے چل دیے اس موقع پر ایک کتے نے انھیں دیکھا تو وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا انھوں نے بھی اس کے ساتھ ہونے یا ان کی پاسبانی کرنے میں کوئی مضائقہ نہ جانا۔

غار کے اندر

یہ لوگ برابر چلتے رہے یہاں تک کہ ایک غار میں پہنچے یہاں انھوں نے پھل پائے اور پانی بھی کھایا پیا اور لیٹ گئے تاکہ تھوڑی دیر تھکے ماندہ پیروں کو آرام پہنچائیں اور اتنی مسافت طے کرنے کے بعد جو تکان ہوئی ہے اسے رفع کریں چند ہی لمحات کے بعد انھیں خفیف سی اونگھ محسوس ہوئی آنکھیں بند ہونے لگیں ان کے سر زمین پر جھک گئے اور ان پر گہری نیند طاری ہوگئی۔

برسوں کی گہری نیند

رات کے بعد دن اور برس کے بعد برس گزرتے رہے اور یہ لوگ سوتے رہے یہ بڑی گہری نیند سوتے رہے تھے نہ ہوا کے جھونکے ان کی نیند میں خلل ڈالتے، نہ تیز آندھی کے تھپیڑے انھیں بیدار کرتے سورج طلوع ہوتا سوراخوں سے گزر کر اس کی شعاعیں غار میں پہنچتیں اس طرح آفتاب کی روشنی اور حرارت تو اس میں جاتی مگر اس کی شعاعیں اصحابِ کہف تک نہ پہنچتیں اس کے بعد آفتاب غروب ہوتے وقت ہٹ جاتا اور ان سے دور ہی رہتا یہ سب کچھ اس لیے ہوتا کہ اللہ تعالٰے نے ان کے اجسام کو محفوظ رکھنے کا جو ارادہ فرمایا تھا پورا ہو۔ اگر کوئی دیکھنے والا انھیں دیکھتا تو اسی حال میں دیکھتا کہ کبھی وہ دائیں جانب کروٹ بدلتے ہیں اور کبھی بائیں طرف ان کی حالت اتنی متغیر ہو چکی تھی کہ جو دیکھے اس پر رُعب طاری ہو جائے اور خوفزدہ ہو جائے انھیں اس طویل نیند سوتے تین سو نواں ۳۰۹ سال شروع ہوگیا تین سو آٹھ برس سوتے گزر گئے اس کے بعد یہ موحدین بیدار ہوئے تو بھوک کی شدت سے بے چین ہوئے جان کو سنبھالنا اور تھکے ہوئے اعضا پر قابو پانا مشکل ہوگیا یہ حضرات اپنے دل میں یہی سمجھے کہ انہیں اس حال میں کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا اور گویا تاریخ کا پہیہ ان کی غار کے نزدیک آکر ٹھہر گیا ہے۔

آپس میں اظہارِ خیال

ان میں سے ایک نے ان سے پوچھا "مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ ہم بہت دیر سوتے رہے ہیں۔ دوستو! تمھارا کیا خیال ہے۔ دوسرا بولا" شاید ہم دن بھر سوئے ہیں کیونکہ یہ جو نیند اور تھکن محسوس ہو رہی ہے اس سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے تیسرے نے کہا۔ "ہم تو صبح ہی کو سوئے تھے اور ابھی یہ سورج غروب بھی نہیں ہوا اس لیے میرا خیال تو یہی ہے کہ ہم دن کے کچھ حصہ میں سوتے رہے ہیں۔ چوتھا بولا اپنے اس سوال و جواب کو رہنے بھی دو یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تم کتنے سوتے رہے ہو مگر مجھے تو سخت بھوک لگی ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے کئی راتوں سے کچھ نہیں کھایا اب چاہیے کہ تم میں سے کوئی شہر کو جائے اور ہمارے لیے کھانا تلاش کر کے لائے مگر یہ شخص عقلمند اور سمجھدار ہو اس بات کا خیال رکھے کہ ہمیں نہ کوئی پہچانے اور نہ کوئی انسان اس کا پیچھا کرے اگر یہ لوگ ہم پر آپڑے اور انھوں نے ہمارا مقام جان لیا تو وہ ہمیں قتل کر ڈالیں گے یا ہمارے دین کے معاملہ میں ہمیں فتنہ میں ڈال دیں گے اب ان میں سے ایک شخص شہر کی طرف چلا اور بہت احتیاط اور خوف کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا شہر افسس میں داخل ہوا مگر یہاں پہنچ کر اسے کسی چیز سے خوف محسوس نہ ہوا البتہ یہ

دیکھ کر اسے تعجب ضرور ہوا کہ آثار اور عمارات میں تغیرات پیدا ہو چکے ہیں کھنڈر محل بن گئے ہیں اور جو محل تھے وہ کھنڈرات اور ٹیلوں کی صورت میں تبدیل ہو چکے ہیں چہرے اور صورتیں انجانی اور غیر مانوس معلوم ہو رہی ہیں

لوگوں کی پوچھ گچھ

اس شخص کی نظریں حیران تھیں چال سے گھبراہٹ اور بے چینی ظاہر ہو رہی تھی حیرت نے منہ پر مُہرِ سکوت لگا رکھی تھی پریشانی بڑھتی جاتی تھی یہ دیکھ کر لوگ اس کے آس پاس جمع ہو گئے۔

ان میں سے ایک نے اس سے پوچھا کیا تم اس شہر میں پردیسی ہو، کیا سوچ رہے ہو کسے ڈھونڈتے ہو؟ اس نے جواب دیا میں پردیسی تو نہیں ہوں، کھانا خریدنا چاہتا ہوں، اس کی تلاش ہے۔ مجھے وہ مکان نظر نہیں آتا جہاں کھانا فروخت ہوتا ہے وہ اس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر کھانا فروخت کرنے والے کی دکان پر لے گیا اب اس غار والے نے اپنے درہم نکال کر دیے وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ یہ سکے تین سو برس سے زیادہ مدت کے ڈھلے ہوئے ہیں اس نے سوچا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو کسی خزانے کا سراغ لگا ہے اس کے پاس ان درہموں کے علاوہ اور بھی بہت سے درہم ہوں گے بلکہ ایک بڑا خزانہ ہوگا اب اس کے پاس بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور آہستہ آہستہ مجمع زیادہ ہونے لگا۔

غار والے شخص کا بیان

غار والے نے کہا ـــــ لوگو! تم جیسا خیال کر رہے ہو ویسا نہیں ہے نہ یہ نقدی اس قسم کی ہے جس قسم کی تم سمجھ رہے ہو یہ درہم تو وہی ہیں جو کل ہی ایک معاملے میں لوگوں سے میرے پاس آئے آج میں ان سے اپنا کھانا خرید رہا ہوں اس میں تمھاری حیرانی کی کیا بات ہے؟ تم مجھ پر ایسے الزام کیوں لگا رہے ہو پھر اس شخص نے اس ڈر سے کہ بھید نہ کھل جائے اور ان کی حقیقتِ حال معلوم نہ ہو پلٹنے کا ارادہ کیا لیکن اب وہی لوگ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور سلیقے سے گفتگو کرنے لگے پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ شخص ان شریف بزرگوں میں سے ہے جو تین سو برس پہلے ان کے ظالم و کافر بادشاہ کے ظلم سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور پھر بادشاہ انھیں طلب کرنے کے باوجود نہ پا سکا اور تلاش کرانے پر بھی انہیں پکڑنے سے قاصر رہا تو ان لوگوں کو نہایت حیرت ہوئی ادھر اس آدمی نے جب یہ جان لیا کہ یہ لوگ اس قصے سے واقف ہو گئے ہیں تو وہ بہت ڈرا اور اسے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان خطرے میں نظر آنے لگی اس نے بھاگ جانے کا ارادہ کیا یہ دیکھ کر ان لوگوں میں سے ایک نے کہا:۔

ارے میاں خوف نہ کرو جس بادشاہ سے تم ڈر رہے ہو وہ کوئی تین سو برس پہلے مرچکا ہے اور اب جو بادشاہ تخت نشین ہے وہ اللہ پر اس طرح ایمان رکھتا ہے جس طرح تم ایمان رکھتے ہو مگر ہاں تم تو ہمارے سامنے موجود ہو تمھارے باقی ساتھی کہاں ہیں؟

اب اس غار والے شخص کو اپنی صحیح حالت معلوم ہوئی اور تاریخ کے وسیع باب کا پتا چلا جو اس درمیان میں گزر چکا تھا۔ اور جس کی بدولت اس کے اور ان لوگوں کے درمیان اتنا فاصلہ واقع ہو گیا تھا اب اس کی حالت چلتے پھرتے بے جان جسم اور متحرک سائے کی سی تھی وہ حیران کھڑا تھا پھر اس نے بات کرنے والے سے کہا مجھے جانے دو تاکہ میں غار میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچوں اور ان سے یہ سب کچھ بیان کروں غالباً ان کا انتظار بہت بڑھ گیا ہوگا اور وہ سخت بے چین ہوں گے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

ہم ان کا ٹھیک ٹھیک حال تمہیں سناتے ہیں وہ کچھ جوان تھے کہ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا

کو ہدایت بڑھائی اور ہم نے ان کی ڈھارس بندھائی جب کھڑے ہو کر بولے کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے ہم

مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

اس کے سوا کسی معبود کو نہ پوجیں گے ایسا ہو تو ہم نے ضرور حد سے گزری ہوئی بات کہی

بقیہ صفحہ ۳۱۲

بادشاہ کی غارنشینوں سے ملاقات

بادشاہ نے ان کا حال سُنا تو وہ عجلت کے ساتھ ان سے ملنے کے لیے ان کے غار کی طرف چلا وہاں ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے چہرے زندگی سے چمک رہے تھے اور خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا تھا اس نے ان سے مصافحہ و معانقہ کیا اور انھیں اپنے قصر میں آنے اور اپنے پاس ٹھہرنے کی دعوت دی اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا :

"اب ہم زندگی نہیں چاہتے، ہمارے بیٹے پوتے مر چکے، گھر اور مکان مٹ گئے، ہمارے اور زندگی کے درمیان جو علاقے تھے منقطع ہو گئے"

اللہ سے ملنے کی دعا اور خاتمہ

اس کے بعد ان لوگوں نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان پر رحمت نازل فرمائے۔ پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ یہ لوگ جسم بے جان ہو کر گر پڑے جن میں زندگی کا نام تک نہ رہا۔ رہی قوم تو ان لوگوں نے دیکھ کر کہا :

"شاید اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے حال سے اس لیے مطلع فرمایا کہ ہم یہ بات جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے موت کے بعد حشر میں دوبارہ زندگی برحق ہے اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے پھر ان کے اس معاملہ پر آپس میں نزاع ہونے لگا۔

فقالوا ابنوا علیھم بنیانا ربھم اعلم	انہوں نے کہا ان پر ایک عمارت بنا دو ان کا رب
بھم قال الذین غلبوا علی امر ھم	ہی انہیں زیادہ بہتر جانتا ہے جو لوگ غالب تھے
لنتخذن علیھم مسجدا۔	انہوں نے کہا ہم ان کے پاس ایک عبادت خانہ بنا دیں گے۔

تفسیر عالمانہ

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ بمعنے یعنی ہم آپ کو خبر دیتے ہیں اور ان کا حال بیان کرتے ہیں۔ نقص کے اشتقاق کی بحث سورت یوسف میں ہم نے بیان کر دی ہے

نَبَاَهُمْ یعنی اصحاب کہف والرقیم کا حال۔ بِالْحَقِّ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے دراصل عبارت یوں تھی۔ "نقص قصا ملتبساً بالحق" یعنی وہ قصہ جو سراسر حق مبنی بر صدق ہے۔

ف اس میں اشارہ ہے کہ بہت سے قصہ خواں غلط اور جھوٹے قصے سناتے ہیں پھر اپنی مرضی سے اس میں گھٹاتے بڑھاتے ہیں بلکہ اپنی رائے پر تغیر و تبدل کرتے ہیں جس میں ان کی اپنی خواہش نفسانی کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے اور سچا اور حق قصہ صرف اللہ بیان فرماتا ہے۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ بے شک وہ چند نوجوان تھے اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے

اصحابِ کہف کے ایمان کا سبب

تکملہ میں لکھا ہے کہ ان کے ایمان لانے کا سبب یوں ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ایک حواری نے ان کے شہر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں کسی نے کہا کہ اس شہر کے دروازے پر ایک بت رکھا ہے جو بھی اس شہر میں داخل ہوتا ہے اس پر ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس بت کو سجدہ کرے ورنہ شہر میں داخل نہیں ہونے دیتے اس بندۂ خدا نے صرف غیر اللہ کی پرستش کی وجہ سے شہر میں جانے سے انکار کر دیا شہر کے باہر ایک حمام کرایہ پر لے کر اپنا کاروبار شروع کر دیا کسی وجہ سے ان نوجوانوں کا اس کے ہاں آنا جانا ہوا تو وہ بزرگ انہیں اللہ تعالیٰ اور آخرت کے متعلق واقعات سناتا رہتا اس کی باتوں سے متاثر ہو کر نوجوان اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور حواری کی تمام سچی باتوں کی تصدیق کی۔

حواری بھاگ گیا

ایک دن حواری کے حمام میں وقت کے بادشاہ کے بیٹے نے ایک عورت سے زنا کرنے کی اجازت چاہی اس حواری نے اسے سختی سے روکا لیکن وہ چونکہ بادشاہ کا بیٹا تھا اس لیے جبراً اس عورت کو لے کر اس کے حمام میں داخل ہوا شومئی قسمت بادشاہ کا بیٹا اور وہ عورت ہر دونوں اسی کے حمام میں مر گئے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ حمام میں اس کے بیٹے کو حواری نے قتل کر دیا ہے بادشاہ نے حواری کی گرفتاری کا حکم کیا تو وہ حواری بھاگ گیا جب وہ نہ ملا تو بادشاہ نے کہا اس کے مصاحبین کو پکڑو اور اس کے مصاحبین وہی نوجوان تھے جب ان نوجوانوں نے اپنی گرفتاری کا سنا تو وہ بھی بھاگ کر غار میں چھپ گئے۔

صاحب روح البیان کا بہترین فیصلہ

صاحب روح البیان یہاں پر لکھتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ اصحابِ کہف کو ایمان کی تلقین الہام ملکوتی اور انجذاب لاہوتی سے نصیب ہوئی انہیں کسی کی رہبری کی حاجت نہیں تھی اس تقریر کی تائید "تاویلات نجمیہ" سے بھی ہوتی ہے چنانچہ اس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

اصحابِ کہف کس زمانہ میں تھے؟

اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو ان کے

حالات بتائے لیکن ان کا خواب سے بیدار ہونا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد زمانہ فترۃ[1] میں ہوا۔ دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے بعد ہوئے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے۔

ف طبری نے کہا کہ یہی اکثر علماء کرام کا مذہب ہے۔

وَزِدْنَاهُمْ هُدًى۝ یعنی ہم نے انہیں دینِ حق پر ثابت قدم رکھا اور ان پر اچھے محاسن ظاہر کیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھم فتیۃ سے انھیں اس لیے یاد فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ انھیں تقلیدی ایمان کی بجائے تحقیقی ایمان نصیب ہوا اور انہوں نے بلا واسطہ غیر الی اللہ ہدایت حاصل کی۔ یاد رہے کہ انہوں نے اپنے ابتدائی دور میں بقدرِ ہمت ہدایت طلب کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے بوعدہٗ من تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعاً۔ جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں اسے ایک ہاتھ کے برابر قریب ہو جاتا ہوں انہیں ہدایت میں بڑھا دیا یہ اس کی نظرِ عنایت اور لطف و کرم ہے چنانچہ خود فرمایا و زدنٰھم ھدًی۔ یعنی ہم نے ان کی آرزو کے مطابق ان کی ہدایت میں اضافہ کیا اس لیے کہ ان کی تمنا تھی کہ انھیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور ان احکام کی ہدایت عطا فرمائے جو انبیاء علیہم السلام لے آئے اور انھیں بعث و نشر کی راہ یابی بھی نصیب ہو۔ ان کی یہ تمنا ایمان بالغیب کے قبیل سے تھی اللہ تعالیٰ نے ان پر لطف و کرم فرمایا کہ ان کی ہدایت کی تمنا میں یوں اضافہ فرمایا کہ انہیں تین سو نو سال کی طویل نیند سے بیدار فرمایا اور باوجود اتنا طویل عرصہ مٹی پر پڑے رہے نہ ان کے اجسام متغیر ہوئے اور نہ ہی ان کے کپڑے پرانے ہوئے اسی کیفیت سے ان کے ایمان ایقان سے اور غیب عین و عیان سے بدل گئے۔ ؎

میوہ باشد آخر از بار تو
کعبہ باشد آخر اسفار تو

ترجمہ: میوہ بعد میں نصیب ہوتا ہے جب کہ پہلے صرف وہی سبز پتے تھے ایسے ہی کعبہ کی زیارت طویل سفر طے کرنے کے بعد ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ یعنی ہم نے انھیں قوی بنایا یہاں تک کہ وہ اپنے اہل و عیال اور وطن اور نعمتوں اور بھائیوں کے ہجر کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کے اہل ہو گئے اور بلا خوف و خطرہ حق کے اظہار پر جرأت مند ہوئے اور دقیانوس جیسے ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے حق گوئی پر بے باک ہو گئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے حق گوئی بہت بڑا اور افضل جہاد ہے

---

[1] جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آسمان پر اٹھائے گئے تو درمیان میں ایک عرصہ گزرا اس کے بعد حضور علیہ السّلام کی نبوّت کا دور شروع ہوا اس درمیانی دور کو فترہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

نکتہ ایسا مجاہد خوف ورجاء کے درمیان ہوتا ہے اور بادشاہ ایسے شخص کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو ایسے وقت میں حق گوئی میں خوف کا غلبہ ہوتا ہے بنابریں اس کی حق گوئی سے اسے افضل جہاد کا مرتبہ نصیب ہوا۔

حل لغات اساس (لغت کی کتاب کا نام ہے) میں ہے کہ (ربطت الدابۃ) اَی ربطتھا برباط،، اسی لیے المربط گھوڑے کو بھی کہا جاتا ہے اور مجازاً ربط اللہ علی قلبہ بمعنے صبرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے صبر کی توفیق بخشی چونکہ خوف اور قلق سے قلب کو سکون نہیں رہتا۔ کما قال تعالیٰ:

بلغت القلوب الحناجر پہنچ گئے قلوب حنجروں تک، بنابریں اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تقویت بخشی جانوروں کو سخت باندھنے کے ساتھ قلوب کی تثبیت کو تشبیہ دی گئی ہے

اِذْ قَامُوْا۔ ربطنا کی وجہ سے منصوب ہے اور قیام سے ان کا شعار دین کو قائم رکھنا مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کا یہاں وہ قیام مراد ہے جب کہ دقیانوس جیسے ظالم وجابر حکمران کے سامنے گرفتار ہو کر آئے تو اس نے انھیں بت پرستی پر مجبور کیا اور اس پر دھمکیاں بھی دیں لیکن انہوں نے اس کی ان دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی اس تقریر پر ھؤلاء کو ماقبل کی عبارت سے کسی قسم کا تعلق نہ ہوگا بلکہ یہ انہوں نے از خود کہا جب کہ وہ اپنی قوم سے نکل کر غار کی طرف جانے لگے تھے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وربطنا علی قلوبھم اذ قاموا یعنی ہم نے ان کے دل مضبوط کیے تاکہ وہ دنیا اور اس کے نقش و نگار کی طرف ملتفت نہ ہوں بلکہ پورے طور ماسوی اللہ سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں یہی وجہ ہے کہ جب وہ بیدار ہوئے تو پھر انہیں حیوٰۃ دنیا سے عدم رغبتی کا اظہار کرتے ہوئے جوار الٰہی میں زندگی بسر کرنے کی آرزو کی چنانچہ عرض کی۔ فقالوا ربنا رب السموات والارض یعنی انہوں نے کہا کہ ہمارا رب جمیع عالم کا پروردگار و مالک اور ان کا خالق ہے اور بت بھی عالم کا ایک جزو ہیں بنابریں وہ بھی ایک مخلوق ٹھہرے پھر مخلوق کی پرستش کیسی اور نہ ہی وہ پرستش کے لائق ہے۔

لن ندعوا ہم ہمیشہ تک پرستش نہیں کریں گے من دونہ الٰھا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کی نہ مستقل طور اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا کر۔

سوال جیسے پہلے لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر ہو رہا تھا تو اب بھی الٰھاً کے بجائے رباً لانا چاہیے تھا۔

جواب چونکہ کفار اپنے معبودوں کو الٰہ سے تعبیر کرتے تھے اسی لیے انہوں نے اسی لفظ کی تصریح کی تاکہ منکرین کا پورے طور رد ہو جائے۔

لقد قلنا یعنی بفرض محال اگر ہم غیر اللہ کی پرستش کریں تو پھر ہم نے کہا ایسا قول اذا شططاً اس وقت حد سے متجاوز شططاً سے پہلے لفظ ذا محذوف ہے تجاوز عن الحد یہ صفت ہے مصدر محذوف

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ

یہ جو ہماری قوم ہے اس نے اللہ کے سوا خدا بنا رکھے ہیں

لَوْ لَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ﴿۱۵﴾

کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی روشن سند تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے

وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

اور جب تم ان سے اور جو کچھ وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں سب سے الگ ہو جاؤ تو غار میں پناہ لو تمہارا رب تمہارے لیے

رَّحْمَتِهٖ وَ یُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں آسانی کے سامان بنا دے گا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ۳۱۶

ای ذا شططا سے پہلے مضاف محذوف ہے یا یہ مصدر ہے بطور مبالغہ کے قولاً کی صفت ہے

حل لغات قاموس میں ہے کہ شط فی سلعتہ شططاً (محرکتہ) بمعنے جاوز القدر والحد وتباعد عن الحق" یعنی قدر اور حد سے متجاوز ہوا اور حق سے دور ہوا۔

سوال غیر اللہ کی پرستش کے بعد قلنا کو کیا مناسبت ہے

جواب عبادت قول کو بایں معنی مستلزم ہے کہ جس کی پرستش کرے گا اس کے معبود ہونے کا اعتراف لازماً کرے گا اور اس کی طرف عبادت میں تضرع بھی اور یہ ہر دونوں قول کو مستلزم ہیں۔

ف بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جزاء و جواب ہے شرط محذوف کی در اصل عبارت یوں تھی "لو دعونا من دونہ واللہ لقد قلنا قولاً الخ" اسی کو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا۔

تفسیر عالمانہ هٰۤؤُلَآءِ یہ مبتدا ہے اسم اشارہ کی تعبیر سے ان کی تحقیر مطلوب ہے قَوْمُنَا هؤلاء کا عطف بیان ہے یعنی یہی گروہ جو ہماری نسبت کے لوگ ہیں یعنی اہل افسس (شہر) کے لوگ۔

نکتہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اصحاب کہف کے قومنا کہنے میں ایک لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ اس میں وہ اپنی سابق غلطی کا اعتراف کر رہے ہیں کہ یہی قوم جس میں ہم پہلے انہی کی طرح تھے جیسے یہ گمراہی کے گڑھے میں پھنسے ہوئے ہیں ہم بھی ایسے ہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت و معرفت سے نوازا اور اپنی خاص رحمت و عنایت سے ہمیں ان سے نکالا اور خواہشات اور دنیا اور اس کے شہوات سے ہمیں بچایا۔

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً یہ هؤلاء کی خبر ہے یہ جملہ خبریہ انکار کا معنی دیتا ہے یعنی ہماری بیوقوف قوم یہی ہے

جنہوں نے جہالت و حماقت سے پتھروں کو پوجا اور انہیں معبود بنا رکھا ہے۔

ف ابوحیان نے فرمایا کہ اتخذوا یا عملوا کے معنی میں ہے اس لیے کہ انھوں نے اپنے معبود خود پتھروں سے تیار کیے تھے یا اتخذوا بمعنے صیّروا ہے

مثنوی شریف میں ہے ؎

پیش چوب و پیش سنگ نقشے کنند

اے بسا کولان کہ سرہا می نہند

دیو الحاح غوایت می کنند

شیخ الحاح ہدایت می کنند

ترجمہ شیطان گمراہی کی آرزو کرتے ہیں اور شیخ ہدایت کے لیے۔ لکڑی اور پتھر پر نقش کرتے ہیں

لَوْلَا یَاْتُوْنَ کیوں نہیں لاتے وہی کافر عَلَیْهِمْ اپنے معبودوں کی الوہیت پر بِسُلْطٰنٍ بَیِّنٍ کوئی ایسی واضح دلیل جوان کے مدّعا پر دلالت کرے یعنی وہ ان معبود باطلہ کی پرستش تو کرتے ہیں لیکن ان کے ہاں اس لیے کوئی روشن دلیل نہیں نہ آسمانی کہ بذریعہ وحی انہیں معلوم ہوا اور نہ سمعی یعنی کوئی اور نقلی دلیل اور نہ بدیہیات سے انہیں کوئی علم ہے اور نہ ہی ان کے پاس عقلی دلائل ہیں۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ پر کوئی دلیل نہ ہو وہ قابل قبول نہیں۔

ف آیت میں کفار کو بتوں کی پرستش کے فعل سے اظہارِ انکار اور اس پر دلیل پیش نہ کرنے پر ان کے اظہار عجز اور چیلنج کے باوجود ان کی خاموشی کو واضح کیا گیا ہے اس لیے کہ بت پرستی پر کوئی واضح دلیل نہ صرف غیر موجود بلکہ محال بھی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ پس ظالم تر اور کون ہے مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اس سے جس نے شرک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر کے اس پر بہتان تراشا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات شرک کی نسبت سے منزہ اور پاک ہے اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ایسا شخص ظالم ترین ہے اسی لیے اسے سخت تر عذاب میں مبتلا کیا جائے گا کیونکہ کہ ظلم عذاب کا موجب ہے بنابریں اظلم اعظم تر عذاب کا مستحق ہے

وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ الاعتزال بمعنے جدا ہونا یعنی جب تم ان سے اعتقاداً علیحدہ ہو چکے اور ارادہ رکھتے ہو کہ ان سے جسمانی لحاظ سے بھی علیحدگی اختیار کرو یہ خطاب اصحاب کہف آپس میں اس وقت ایک دوسرے سے کر رہے تھے جب اپنے شہر سے بھاگ نکلنے کا عزم بالجزم کر چکے تھے۔۔

ف کاشفی نے لکھا کہ پہلے ہم لکھ آئے کہ دقیانوس نے ان حضرات کو چند روز سوچنے کی مہلت دی تھی اس مہلت کو غنیمت سمجھ کر اپنے شہر سے نکلے تو راستہ میں انہیں ان سب کے سردار یملیخا نے فرمایا واذ اعتزلتموھم اور جب تم نے ال

شرک سے علیحدہ ہوئے اور گھر بار چھوڑا۔

وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ اس کا ھُم غیر منصوب پر عطف ہے یہ مَا مصدریہ یا موصولہ ہے یعنی تم مشرکین اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبود باطلہ اوران کی پرستش سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو۔

ف مامصدریہ ہو یا موصولہ ہر دونوں اعتبار سے استثنا متصل ہو تو معنےٰ ہوگا کہ یہ حضرات اہل مکہ کی طرح پہلے مشرک تھے پھر دولتِ ایمان سے نوازے گئے۔ اگر استثنا منقطع ہو تو مطلب ہوگا کہ تم صرف بتوں کی پرستش سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو نہ معبودِ برحق اور مسجودِ مطلق کی عبادت سے۔

فَأْوٗٓا پس تم پناہ لو اِلَى الْكَهْفِ غار میں۔

ف فرّا نحوی نے فرمایا کہ یہ واذا اعتزلتموھم کا اذا کا جواب ہے جیسے نحوی نے فرمایا اذ فعلت فافعل کذا جب تم کوئی کام کرو تو اسے یوں کرنا۔ بعض نحویوں نے کہا کہ یہ خود تو اذ کا جواب نہیں البتہ یہ اس کے جواب پر دلالت ضرور کرتا ہے اب معنیٰ یوں ہوگا کہ اے اصحابِ کہف والے بھائیو جب تم ان سے اعتقاداً علیحدہ ہو چکے ہو تو پھر ان سے جسمانی جدائی بھی اختیار کرو پھر اسے اگر جسمانی مفارقت چاہتے ہو تو چلو غار کو جائے پناہ بنالو

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ اعتقادی اختلاف جسمانی مفارقت پر مجبور کر دیتا ہے [1]

مسئلہ مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ امام استغفنی سے پوچھا گیا کہ سنی اور معتزلہ [2] آپس میں بیاہ اور نکاح کر سکتے ہیں یا نہ انہوں نے فرمایا ان کا بیاہ و نکاح ناجائز ہے

يَنْشُرْ لَكُمْ پھیلائے گا اور فراوان فرمائے گا رَبُّكُمْ یعنی وہ تمہارے جملہ امور کا مالک ہے مِّنْ رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت اور اس فضل و کرم سے جو دارین میں اپنے بندوں پر انعام فرماتا ہے وَيُهَيِّئْ لَكُمْ اور تیار فرمائے گا۔

مِّنْ اَمْرِكُمْ تمہارے اس امر میں جس کے لیے تم جا رہے ہو یعنی دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہو

مِّرْفَقًا آسانی یعنی وہ اسباب جن سے آسانی پاؤ اور نفع یاب ہو گے۔

ف یملیخا نے انھیں اس لیے ابھارا کہ ان کے یقین میں خلوص تھا اور شک و شبہ سے بالکل فارغ ہو چکے تھے اور اپنی قوتِ ایمانی پر پورا بھروسہ رکھتے تھے۔

---

[1] الحمد للہ اس سے ہمارا طریقِ کار قرآن مجید کے مطابق ہے کہ ھم۔ مرزائی، شیعہ، وہابی، دیوبندی سے ہم اعتقادی اختلاف سے جسمانی طور بھی دور رہتے ہیں اس سے صُلح کلی قسم کے لوگ کچھ تو سوچیں کہ وہ ہمارے اس طریق کار کو سراہنے کی بجائے کوستے ہیں۔ ۱۲

[2] وہابیہ کا اصل یہی فرقہ ہے اب نام بدلا ہے ۱۲

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت پورا وثوق ہو کہ وہ ضرور تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بندہ توبہ کر کے طالب صادق کہلانے کا حقدار وہ ہے جو اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کرے اور بری صحبت سے ہر طرح کی کنارا کشی کرے اور پختہ اعتقاد پیدا کر لے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور ماسوی اللہ سے بالکل فارغ ہو جائے صرف اللہ تعالےٰ کو اپنا معین و مددگار سمجھے اسی پر ہی اس کا توکل ہو اور غیر اللہ سے بھاگ کر صرف اللہ تعالیٰ کو اپنی جائے پناہ بنائے۔

حضرت خجندی نے فرمایا ؎

وصل میسر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ ببریدنست

ترجمہ وصال الٰہی انقطاع عن ماسوی اللہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور انقطاع کا معنیٰ یہی ہے کہ ماسوا اللہ کا تصور ہی دل سے ہٹا لے۔

اس کے بعد سالک پر لازم ہے کہ وہ خلوت کی غار میں پناہ لے حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

از ابنائے دہر وقت کسے خوش نمی شود
خوش وقت آنکہ معتکف کنج عزلت است

ترجمہ زمانہ کے تمام لوگوں سے کوئی بھی خوش نہیں ہو سکتا بہت خوش قسمت ہے وہ جو تنہائی کے گوشہ میں بیٹھا ہے

ضرورتِ مرشد لیکن سالک کے لیے ضروری ہے کہ کسی شیخ کامل اکمل کا دامن تھامے لیکن وہ بھی رسمی پیر نہ ہو بلکہ وہ خود واصل اور دوسروں کو ذات حق تک پہنچانے والا ہو تاکہ ایسے شیخ کامل کی تربیت سے کامیابی سے نوازا جائے اور اس کی ولایت کے نور سے اس کا دل تقویت حاصل کرے اور اسی کی نگرانی سے منزلِ مقصود پر پہنچے جیسے اصحابِ کہف کو منزلِ مقصود نصیب ہوئی مثنوی شریف میں ہے ؎

گرچہ شیری چوں روی راہ بے دلیل
خویش بینی در ضلالی و ذلیل
ہین مپرا لا کہ با پر ہائے شیخ
تا بینی عون لشکر ہائے شیخ

ترجمہ اگرچہ تم راہ سلوک میں جانے کے شیر ہو لیکن رہبر کے بغیر چلو گے تو تم شتر بے مہار ہو کر ذلت و خواری سے بے پناہ ضلالت میں گرو گے شیخ کامل کی وساطت کے بغیر مقصد تک نہیں پہنچ سکو گے تمہارے شیخ کے لشکر سے ہی تمہارا کام بنے گا۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ
اور اے محبوب تم سورج کو دیکھو گے کہ جب نکلتا ہے
كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِىْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ
تو ان کے غار سے دہنی طرف بچ جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے حالانکہ وہ اس غار کے کھلے
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ
میدان میں ہیں یہ اللہ کی نشانیوں سے ہے جسے اللہ راہ دے تو وہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو ہرگز اس کا کوئی
لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾
حمایتی راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے

بقیہ صفحہ ۳۲

سوال اصحاب کہف نے کون سے پیرو مرشد پکڑے تھے جب وہ بغیر مرشد کے منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں تو دوسرے ولی کے لیے کیا مشکل ہے

جواب وہ حضرات مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ وہ براہِ راست تربیت ایزدی سے نوازے گئے اسے صوفیۂ کرام نے نوادر سے گنا ہے اور اس کی نادر پر دوسروں کا قیاس نہیں کیا جا سکتا ارشادِ نبوی ہے:

"ان اللّٰہ ادبنی فاحسن تادیبی" بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے آداب سکھلائے اور بہترین آداب سے نوازا سے تائید ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ جسے چاہے رسول و نبی کے واسطہ کے بغیر ایمان سے نوازے اور جسے چاہے اپنی عین عنایت سے مقامات قرب عطا فرمائے اسی وجہ سے بہت سے اولیاء کرام مرشد کے بغیر ہی منزل مقصود پر پہنچے ورنہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ عام بندوں کو رسل کرام و انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ہدایت دیتا ہے پیران کی نیابت و خلافت میں اولیاء کاملین و علماء راسخین واسطۂ ہدایت الٰہی ہوتے ہیں۔

فاو دالی الکھف میں اشارہ ہے کہ سالک کے لیے لازم ہے کہ وہ خلوۃ اختیار کرے اور کسی شیخ کامل مرشد ہادی کا دامن پکڑے اسی طریقہ والوں کے لیے وعدۂ ایزدی ہے کہ ینشر لکم من رحمتہ تمہیں اس رحمت خاص سے نوازے گا جسے اس نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے اور رحمت خاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو جذبات عنایت سے نواز کر انہیں عالمِ صفات میں داخل فرمائے تاکہ اخلاق الٰہی سے متخلق ہونا اور اس کے صفات سے موصوف ہونا نصیب ہو کما قال۔ یدخل من یشاء فی رحمتہ اپنی رحمت خاصہ میں جسے چاہتا ہے داخل فرماتا ہے

فائدہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ وہ ہے جو مومن و کافر کے مابین مشترک ہے وہی بر جن وانس اور جملہ حیوانات کو نصیب ہوتی ہے۔

ویھیئی لکم من امرکم رشدا یعنی تمھارے لیے وصول وصال کے دروازے کھول دے گا۔ کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر اس بندے کو جو اس خطاب کا اہل ہے اور اسے ایسی رویت حاصل بھی ہو جو آیت میں مذکور ہے وقوع رُویت تحقیقاً کی خبر دینا مراد نہیں بلکہ یہ خبر دینا مطلوب ہے کہ غار ایسے محل وقوع پر ہے کہ اگر دیکھنے کا موقعہ ملے تو دیکھو گے سورج کو طلوع کرتے وقت۔ الخ

غار میں پہنچنے کے بعد کاشفی نے لکھا کہ مروی ہے کہ ان نوجوانوں کو جو باہم متفق ہو کر پہاڑ کے قریب پہنچے تو چرواہا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے انہیں اسی غار میں لے آیا ابھی غار میں قرار پکڑا تو ان پر اللہ تعالیٰ نے نیند طاری فرما دی اور وہیں عرصۂ معلومہ تک سو گئے دقیانوس چند روز کے بعد واپس شہر افسس میں آیا تو نوجوانوں کا حال پوچھا تو کہا گیا کہ وہ تو شہر چھوڑ کر کہیں بھاگ گئے ہیں اس نے ان کے آباء کو گرفتار کر لیا انہوں نے کہا کہ وہ بھگوڑے تو الٹا ہمارے مال و اسباب بھی لے گئے اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی سامنے والے پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں دقیانوس نے چند آدمیوں کو ان کی تلاش میں بھیجا وہ جب ان کی آرام گاہ میں پہنچے تو انہیں دیکھا کہ وہ نہایت اطمینان سے آرام کر رہے ہیں لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ گویا جاگ رہے ہیں بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کی غار کے دروازوں کو پتھروں سے بھر دیا جائے تاکہ یہ لوگ جیتے جی یہاں غار میں مر جائیں چنانچہ بادشاہ کے حکم سے غار کے دروازوں کو پتھروں سے پُر کر دیا گیا بادشاہ کے مقربین میں دو نیک مومن تھے انہوں نے غار کے دروازے پر تختیاں لکھوا کر لٹکا دیں جس میں اصحابِ کہف کے اسماء اور نسب اور مذہب اور مختصر سا تعارف لکھ دیا گیا تاکہ آنے والی نسلیں ان سے متعارف ہو سکیں۔

ف صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں جو سورج کے طلوع و غروب کی کیفیت بیان کی گئی ہے غالباً یہ بادشاہ کے غار کو پتھروں سے بند کرانے سے پہلے کی ہے اس لیے کہ سوراخ کی بندش کے بعد سورج کی شعاعوں کا ہونا غیر ممکن ہوتا ہے

اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ یہ دراصل تتزاور تھا بمعنے تنحی و تمیل یعنے ہٹ جاتا ایک تاء حذف کر دی گئی ہے اس کا مادہ زورٌ (بفتح الواو) بمعنے المیل ہٹنا ہے عَنْ كَهْفِهِمْ ان کی اسی غار سے جس میں وہ پناہ گزیں ہوئے۔

ف معمولی سی مناسبت کی وجہ سے کہف کو اصحاب کہف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔

ذَاتَ الْيَمِيْنِ یعنی کہ اس کے اندر داخل ہونے والے کی توجہ کے وقت وہ جہت دائیں جانب ہو یعنی وہ جانب جو جانب مغرب کے متصل ہو اس معنیٰ پر ان پر سورج کی شعاعیں نہیں پڑتی تھیں کہ جن سے ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا اس لیے کہ اس غار کا صحن جنوبی جانب تھا یعنی غار کا صحن جنوبی جانب میں داخل تھا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور سورج کو وہاں سے ہٹا دیتا تھا تاکہ اصحابِ کہف (اولیاء) کی کرامت ظاہر ہو

ف ذات الیمین کا حقیقی معنےٰ ہے وہ جہت جس پر اسم یمین کا اطلاق ہو سکے یعنی وہ جہت جسے یمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

گذشتہ

وَاِذَا غَرَبَتْ یعنی سورج کو غروب کے وقت دیکھو گے تَّقْرِضُهُمْ القرض سے ہے بمعنے القطع یعنی کاٹنا اسی سے المقراض بمعنے قینچی مشتق ہے اب معنی یہ ہوا کہ ان سے کترا کر گزرتا ان کے قریب نہیں جاتا تھا ذَاتَ الشِّمَالِ یعنی کہف کی بائیں جانب یعنی وہ طرف جو مشرق کے قریب ہے

ف قاموس میں ہے کہ تقرضهم ذات الشمال ای تخلفهم شمالاً یعنی انھیں غار کی شمال کی جانب چھوڑ جاتا یعنی ان سے تجاوز کرتے وقت غار کی شمال کی جانب سے کترا کر راستہ طے کرجاتا وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط الفجوة بمعنے الفرجة یعنی سوراخ اور زمین کے وسیع میدان اور گھر کے صحن کو بھی فجوة کہا جاتا ہے۔

ف یہ جملہ حالیہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا معاملہ ایک عجیب سا تھا یعنی باوجودیکہ وہ ایک کھلے اور وسیع میدان پر آرام فرما تھے لیکن طلوع و غروب کے وقت سورج کی معمولی سی کرن بھی ان پر نہ پڑتی تھی ورنہ ایسے میدان میں ہونے والوں پر سورج کی کرن کا پہنچنا لازمی امر تھا اس سے واضح طور ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر الٰہی سے ان پر سورج کی کرن نہ پڑتی تھی اسے ہم اہل اسلام کرامات اولیا سے تعبیر کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ گزشتہ مضمون کی طرف ہے یعنی طلوع و غروب کے وقت ان پر سورج کی کرن کا پڑنا باوجودیکہ ان پر سورج کی شعاعوں کا پڑنا لازمی امر تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان سے سورج کو دائیں بائیں جانب ہٹالیا یہ واقعہ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ان عجیب و غریب آیات سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کے علم واسع اور حقیقۃً توحید پر دلالت کرتی اور واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اولیائے کرام کی عزت و وقار بہت بلند ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ جسے اللہ تعالیٰ حق کی طرف ہدایت دینے کی توفیق بخشتا ہے فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وہی ہدایت یافتہ ہو کر فلاح (کامیابی) حاصل کرتا ہے بلکہ جملہ سعادات کی اسے راہ نصیب ہو جاتی ہے ایسے بندے کو پھر کوئی گمراہ کرسکتا ہی نہیں۔

فائدہ آیت میں یا تو اصحاب کہف و اولیاء کرام کی مدح و ثنا مطلوب ہے یا متنبہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قسم کے آیات بے شمار ہیں لیکن ان سے نفع وہی حاصل کرسکتا ہے جسے توفیق ایزدی نصیب ہو۔

وَمَنْ يُّضْلِلْ اور جس کے اندر اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا کرتا ہے جب اس کے اختیار کا میلان اس گمراہی کی طرف ہوتا ہے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ تو اس کے لیے ڈھونڈنے اور تلاش کرتے پر بھی ہرگز نہ پاؤ گے وَلِيًّا حامی کا مُرْشِدًا راہبر جو اسے فلاح (کامیابی) کی ہدایت دے سکے یعنی سرے سے ایسے بدبخت کے لیے رہبری پیدا ہی نہیں کی گئی اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسے شوم بخت کے لیے رہبر پیدا تو کیا گیا ہے لیکن وہ اسے نہیں ملے گا۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ

اور تم انہیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں اور ہم ان کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے

الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ

ہیں اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے غار کی چوکھٹ پر اے سننے والے اگر تو انہیں جھانک کر دیکھے تو ان

فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ان سے ہیبت میں بھر جائے

تفسیر عالمانہ وَتَحْسَبُهُمْ یہ خطاب عام ہر دیکھنے والے کو ہے یعنی اے مخاطب تم انہیں دیکھ کر گمان کرو گے۔ اَيْقَاظًا بیدار - یہ یقظ (بفتح القاف وکسرہا) کی جمع ہے بمعنی جاگنے والا - ان کے متعلق یہ گمان اس لیے پڑتا ہے کہ وہ جاگنے والوں کی طرح آنکھیں کھولے ہوئے ہیں۔

وَهُمْ رُقُوْدٌ نیند کرنے والے

حل لغات رقودٌ بمعنے نیام۔ راقدٌ کی جمع ہے جیسے سورت مریم میں لفظ بکیًا جثیًا باکٍ وجاثٍ کی جمع ہے یہ دراصل بکویٌ دجثویٌ تھے بروزن رقودٌ

تفسیر صوفیانہ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ یہی حال درحقیقت طریقت والوں کا ہے (یعنی اولیائے کرام کے ظاہر حال کو دیکھو گے تو کاروبار دینی و دنیوی میں مشغول نظر آئیں گے لیکن ان کے باطن پر نگاہ ڈالو تو ازہمہ فارغ ہوں گے یعنی لطف ذوالجلال کے باغ میں باطنی طور مست اور ظاہر بینوں کو ہوشیار محسوس ہوتے ہیں یا یوں کہو کہ عالم حقیقت میں ماسوی اللہ سے بے سروکار اور لوگوں کی نگاہوں میں مصروف بکار ؎

ظاہرے با ایں و آں در ساختہ
باطنے از جملہ پر واختہ

ترجمہ ظاہری طور ادھر ادھر مشغول اور باطن میں ازہمہ فارغ۔

تفسیر عالمانہ وَنُقَلِّبُهُمْ یعنی ان کی نیند میں فرشتوں کے ذریعے سے کروٹیں تبدیل کرتے ہیں ذَاتَ الْيَمِيْنِ اس کا منصوب ہونا بوجہ ظرفیت یعنی مفعول فیہ ہونے کے ہے یعنی اس جہت کی طرف ان کی کروٹ تبدیل کی جاتی ہے جو ان کی داہنی جانب کے قریب ہے وَذَاتَ الشِّمَالِ یعنی اس جانب کی طرف جو ان کی بائیں طرف کے قریب ہے

ف کروٹ بدلنے میں حکمت یہی ہے کہ ان کے اجسام طاہرہ کو مٹی اپنی لپیٹ میں نہ لے جب کہ اتنا عرصہ دراز تک ویسے ہی پڑے رہیں گے۔

حدیث شریف نمبر ۱ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سال بھر میں ان کی دو کروٹیں بدلی جاتی ہیں
حدیث شریف نمبر ۲ - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سال میں ان کی صرف ایک کروٹ بدلی جاتی ہے۔

نالہ ان کے اجسام طاہرہ کو زمین نہ کھا جائے اور یہ سال کے عاشورہ کے دن ہوتا ہے

سوال امام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ انہیں کروٹ بدلے بغیر بھی محفوظ فرما سکتا ہے پھر کروٹ بدلنے کا کیا معنیٰ۔

جواب سعدی المفتی نے فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس نے ہر کام سبب سے معلق فرمایا ہے اور اکثر امور اسباب کے تحت صلور فرماتا ہے۔ یعنی ہم اہلسنت کا مذہب ہے کہ انبیاء اولیاء بھی امور الٰہی کے اسباب ہیں جسے ہم وسیلہ یا شفاعت یا اذن الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں اس کے بعد پھر شرک کا فتویٰ کیوں۔

قاعدۂ تصوف بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے "لا الٰہ" کی ضرب بجانب یمین اور "الا اللہ" کی ضرب بجانب یسار کا قاعدہ اسی آیت سے لیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر وہ ولی اللہ جس کی اللہ تعالیٰ بلا واسطہ مشائخ تربیت و اصلاح فرماتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ایسے سپرد کر دے جیسے میت غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اسے ایسی اصلاح کے لیے تین سو نو سال ضروری ہیں پھر وہ اولیاء کاملین کی صف میں بیٹھنے کا اہل ہوجاتا ہے اور ہر وہ مرید جو مشائخ کے واسطہ سے تربیت و اصلاح پاتا ہے تو اولیاء کاملین کے مراتب کو کبھی ایک چلہ میں پہنچتا ہے کبھی صرف دو دو خلوتوں میں کبھی اسے زائد خلوات کی ضرورت پڑتی ہے

نکتہ جیسے اللہ تعالیٰ بلا واسطہ اصلاح فرماتا ہے اس میں بڑی مدت درکار ہے اور جو مشائخ کے وسیلہ سے اصلاح پاتے ہیں ان کے لیے جلد تر کامیابی کا راز یہ ہے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے اسباب بنائے ہیں اور انہی اسباب کے ذریعہ سے جو کام ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کا ہوگا یہ مشائخ چونکہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء و نائبین بلکہ یوں کہو کہ اس کے اسرار و رموز کے مظہر ہیں اسی لیے ان کے واسطہ سے تربیت و اصلاح کا کام جلد تر ترقی پاتا ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ پہاڑوں پر جو درخت پیدا ہوتے ہیں ان کے پھل بہت کم اور نہ ہونے کے برابر لیکن وہی درخت جو باغات میں ہوتے ہیں ان کے پھل بہت زیادہ وہ صرف اسی لیے کہ باغات کے درختوں کی اصلاح باغبان سے ہوتی ہے اسی لیے ان کے پھل زائد ہوئے اور پہاڑوں کے درخت اگرچہ اسی خالق کائنات کے پیدا کردہ تھے لیکن ان کا مصلح کوئی نہیں تھا اسی لیے ان کے پھل پہلے تو ہوتے نہیں اگر ہوتے ہیں تو نہ ہونے کے برابر ہے

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
بروفتر اک صاحب دولتے بگیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیابد
نگردد گوہر روشن نتابد

ترجمہ اے دوست میرے سے ایک نصیحت قبول کر لے وہ یہ کہ بزرگوں کے دامن کو مضبوطی سے تھام لے اس لیے کہ پانی کا قطرہ جب تک صدف کے اندر جا کر کچھ عرصہ نہیں گزارتا وہ ہرگز روشن اور چمکیلا موتی نہیں بن سکتا۔

وَكَلْبُهُمْ اور وہ کتا جسے چرواہے نے ساتھ لیا اس کا نام قطیر تھا۔ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ اپنی کلائی پھیلائے ہوئے تھا۔ حال ماضی کی حکایت ہے اسی وجہ سے اسم فاعل کو ذراعیہ کا عامل مانا گیا ہے کسائی اور ہشام وابوجعفر بصریوں نے کہا کہ اسم فاعل بلا شرط مطلقاً عمل کرتا ہے۔ کہنی سے درمیانی انگلی کے سرے تک کو عربی میں ذراع کہا جاتا ہے جسے ہمارے عرف میں ہاتھ کہتے ہیں بِالْوَصِيْدِ چوکھٹ پر یعنی غار کی اس جگہ پر جہاں دروازہ ہوتا ہے قاموس میں لکھا ہے الوصید بمعنے الفنا یعنی صحن العتبہ بمعنے چوکھٹ۔

ف سعدی نے فرمایا کہ کہف غار کا نہ کوئی دروازہ ہوتا ہے نہ چوکھٹ لیکن یہاں پر وہی جگہ مراد لی گئی ہے جہاں گھر کا دروازہ ہوتا ہے

بہشتی جانور مقاتل نے فرمایا کہ اہل ایمان کی طرح دس جانور بہشت میں داخل ہوں گے وہ دس جانور یہ ہیں۔

۱۔ ناقہ صالح علیہ السلام

۲۔ ابراہیم علیہ السلام کا بچھڑا جسے مہمانوں کے لیے ذبح فرمایا۔

۳ اسماعیل علیہ السلام کا دُنبہ

۴ موسیٰ علیہ السلام کی گائے

۵ یُونس علیہ السلام کی مچھلی

۶ عزیز علیہ السلام کا گدھا

۷ سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی

۸ بلقیس کا ہدہد

۹ اصحابِ کہف کا کُتا

۱۰ حضور سرورِ عالم شفیع معظم صلے اللہ علیہ وسلم کی ناقہ مبارکہ

ف یہ سب دُنبے کی شکل میں ہوکر بہشت میں داخل ہوں گے۔ (ذکرہ فی مشکاۃ الانوار)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سگ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت و مردم شُد

ف یعنی انسانوں کے ساتھ دُنبے کی شکل میں داخلِ بہشت ہوگا۔

بچھو سے حفاظت امام ثعلبی کی تفسیر میں مذکور ہے کہ جو شخص ہر روز حضرت نوح علیہ السلام پر درود وسلام عرض کرتا ہے تو بچھو کے ضرر سے بچ جائے گا۔

کُتے کی شرارت سے حفاظت جو شخص "وکلبھم باسط ذراعیہ" لکھ کر اپنے پاس رکھے تو کُتے کی ضرر رسانی سے محفوظ رہے گا

ف حیوٰۃ الحیوان (دمیری) میں لکھا ہے کہ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ اصحاب کہف کا کُتّا انہی کُتوں کی جنس سے تھا لیکن ابن جریح سے مروی ہے کہ وہ شیر تھا اس لیے کہ عرب والے شیر کو بھی کلب کہتے ہیں چنانچہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی لہب کے بیٹے کے لیے دعا میں فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما آپ کی دعا مستجاب ہوئی تو عتبہ کو شیر نے کھا لیا

ف کُتّے کی دو اقسام ہیں (۱) اہلی (۲) سلوقی ۔ یہ سلوق کی طرف منسوب ہوتا ہے سلوق یمن کا ایک شہر ہے سلُوقی کتے بہت شرارتی ہوتے ہیں ان کی طبع میں شرارت بھرپور ہوتی ہے اور معاملات میں بھی بہت گندے ہوتے ہیں اس شہر کے کتے بہت قدر والے ہوتے ہیں ان کے ذریعے لوگ شکار کھیلتے ہیں خلاصہ یہ کہ کتا اہلی ہو یا سلوقی ہر دونوں کی طبع میں شرارت کا مادہ ہوتا ہے کسی میں زیادہ کسی میں کم ۔

اعجوبہ کُتّے کو احتلام ہوتا ہے اور ان کی مادینوں کو حیض آتا ہے ۔

نکتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ کتا امین خیانتی دوست سے بہتر ہے

حکایت حارث بن صمعہ کے چند دوست تھے وہ ان سے کبھی جدائی گوارا نہیں کرتا تھا ان کی محبّت میں جان دینے کو تیار ہو جاتا تھا ۔ ایک دفعہ انہیں کہیں سیر و تفریح کے لیے لے گیا اس کا ایک دوست رات کو چوری چھپے اس کے گھر پہنچ کر اس کی عورت کے ہاں پہنچ گیا اس کی عورت نے اسے کھلایا پلایا پھر دونوں ایک بستر پر لیٹ گئے حارث کے گھر ایک کتا تھا اس نے غیرت سے دونوں پر حملہ کر کے دونوں کو مار ڈالا جب حارث واپس گھر لوٹا تو دونوں کو مرا ہوا دیکھ کر یہ شعر پڑھا ۔

و ما زال یرعی ذمتی و یحوطنی

و یحفظ عرسی والخلیل یخون

فیاعجبا للخلیل تحلیل حُرمتی

و یا عجبا للکلب کیف یصون

ترجمہ میرا کتا میری نگرانی کرتا ہے اور ہر وقت مجھے گھیرے رہتا اور میری زوجہ کی بھی حفاظت کرتا لیکن افسوس کہ میرا دوست میری خیانت کرتا رہا ایسے بدبخت دوست کا افسوس کہ جس نے میری عزت پر حملہ کیا اور کُتّے کو شاباش کہ وہ میری عزّت کا محافظ ہُوا ۔

حکایت عجیبہ عجائب المخلوقات میں ہے کہ اصفہان میں کسی نے کسی کو قتل کر کے کنوئیں میں ڈال کر اسے مٹی سے پُر کر دیا مقتول کا ایک کتا تھا وہ اس کیفیت کو دیکھتا رہا پھر روزانہ اسی کنوئیں پر آ کر مٹی کو ہٹاتا اور لوگوں کو اندر والے کی طرف اشارہ کرتا اور جونہی قاتل کو دیکھتا تو اس پر حملہ آور ہو جاتا لوگوں نے جب اس کی بار بار یہی حرکت دیکھی تو لوگوں نے کنوئیں کو کھودا اس سے مقتول ملا کُتّے کے اشارہ پر اسی قاتل کو گرفتار کیا گیا اس سے پوچھا گیا تو اس نے قتل کا

اعتراف کیا اسے بدلہ کے طور قتل کیا گیا۔ ایسے بدبختوں کے بارے میں مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ے

در لباس دوستی سازند دشمنی
حسب الامکان واجبست از کید ایشاں اجتناب
شکل ایشاں شکل انساں فعل ایشاں فعل سباع
ہم ذئاب فی ثیاب او ثیاب فی ذئاب

ترجمہ دوستی کے رنگ میں دشمنی کرتے ہیں حتی الامکان ایسے لوگوں سے دور رہنا ضروری ہے ان کی ظاہری شکل تو انسانو کی ہوتی ہے لیکن وہ درحقیقت بھیڑیے ہوتے ہیں سچ ہے کہ ایسے لوگ بھیڑیے ہیں کپڑوں میں چھپے ہوئے یا کپڑے ہیں بھیڑیوں میں

کُتے کی دس خصلتیں

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کُتے میں دس نیک عادات ہوتی ہیں اہلِ ایمان پر واجب ہے کہ وہ بھی ان عادات کو اپنائیں۔

۱۔ بھوکا رہنا یہی نیک بختوں کی عادت ہے
۲ اس کا کوئی مخصوص ٹھکانا نہیں ہوتا یہی متوکلین کا طریقہ ہے۔
۳ رات کو بہت تھوڑا سوتا ہے یہی عشاق کی خصلت ہے
۴ جب مرتا ہے تو اس کی کوئی میراث نہیں ہوتی یہی زاہدین کا طریقہ ہے
۵ اپنے مالک کا وفادار ہوتا ہے اسے مارے یا اس پر ظلم کرے تب بھی اس کا تعلق نہیں توڑتا یہی سچے مریدین کا طریقہ ہے
۶ جہاں جگہ مل جائے گزارا کر لیتا ہے یہی تواضع گزیں کی عادت ہے
۷ اگرچہ کسی جگہ پر قبضہ کر سکتا ہے تب بھی اسے چھوڑ کر دوسری جگہ قبول کر لیتا ہے یہی راضی برضاء اللہ لوگوں کا کام ہے
۸ اسے مار بھگاؤ لیکن تھوڑا سا روٹی کا ٹکڑا دکھاؤ واپس آجاتا ہے اسے مار بھگانے سے کینہ اور بغض نہیں ہوتا خاشعین کا طریقہ ہے
۹ جب کھانا لایا جاتا ہے تو آرام سے بیٹھ کر اسے دیکھتا رہتا ہے چھیننے کی جرأت بہت کم کرتا ہے یہی مسکینوں کا کام ہے
۱۰ جس جگہ کو چھوڑ کر چلا جائے اس کے لیے واپس لوٹنے کا نام نہیں لیتا یہی محزون لوگوں کا طریقہ ہے۔ کذا فی روض الریاحین امام الیافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ اگر تم ان کا آنکھوں سے مشاہدہ کرو اطلاع بمعنے الاشراف علی الشئی بالمعاینہ والمشاہدہ معائنہ و مشاہدہ سے کسی سے جھانکنا لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ تم ان سے بھاگو گے فِرَارًا اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے اس کا عامل لولیت ہے اس لیے کہ اس میں بھی فرار کا معنیٰ پایا جاتا ہے اسی لیے اہل عرب نے کہا ولیت تولیۃً اور فررت فراراً کا ایک معنیٰ ہے وَلَمُلِئْتَ اور تم پر ہو جاؤ گے مِنْهُمْ رُعْبًا ان سے ایسا خوف جو سینہ کو بھر دے رعباً مفعول ثانی یا تمیز ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے طریقے سے سُلایا

تھا کہ ان کی آنکھیں بیدار آدمی کی طرح کھلی ہوئی تھیں اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی سے بولنے کے لیے تیار ہیں۔

ف کاشفی نے لکھا کہ مطلب یہ ہے کہ کسی کو ان حضرات کے دیکھنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اگرچہ وہ سوتے تھے لیکن آنکھیں کھلی ہوئی اور بال اور ناخن بہت زیادہ بڑھ چکے تھے اور جہاں آرام فرما ہیں وہ مکان نہایت تاریک اور وحشت ناک ہے۔

حضرت معاویہ کی فوج کے چند افراد اصحاب کہف کی ہیبت سے مر گئے مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ روم میں جنگ کے لیے تشریف لے گئے آپ کا اسی کہف سے گزر ہوا تو کہنے لگے کاش ان حضرات سے حجاب اٹھ جاتا تو ہم ان کی زیارت کر لیتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کون لگتے ہو ان کو دیکھنے والے تمھارے سے افضل و اعلیٰ ذات یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے دیکھنے سے روکا گیا تھا کما قال اطلعت علیهم لولیت منهم فرارا حضرت امیر معاویہ ان کے روکنے سے نہ رکے اور کہا کہ میں ان کے حالات سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں چنانچہ چند آدمی اس غار میں داخل کیے گئے اور انھیں حکم دیا کہ ان کی کیفیت دیکھ کر ہمیں بتلاؤ جب وہ اس غار میں داخل ہوئے تو ایسی زوردار ہوا چلی جس سے اندر داخل ہونے والے سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے بعض نے کہا ہوا نے انھیں جلانے کی بجائے غار سے باہر پھینک مارا۔

سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غار میں داخل ہونے کی ممانعت کا حکم کہاں سے لیا حالانکہ صریح ممانعت تو آیت میں نہیں ہے۔

جواب آیت سے یہ معنیٰ دلالۃً ثابت ہوا وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی ہیبت رکھی ہے کہ دیکھنے والا پورے طور نہیں دیکھ سکتا یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے روکنے پر نہ رکے کیونکہ صریح ممانعت تو تھی نہیں اور دلالۃً جو معنیٰ ثابت ہوا ہے اس سے انھوں نے یہ سمجھا کہ اطلاع کی ممانعت صرف ان کے اس زمانہ تک تھی جب وہ تین سو سال کے بعد اٹھے اور لوگ ان کے حالات سے آگاہ ہوئے اور پھر ان کے دوبارہ آرام فرمانے پر ان کے اوپر مسجد بنائی لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے تاقیامت پر محمول فرمایا اور یہی قول مبنی بر صواب اور حق ہے ہکذا فی حواشی سعدی المفتی)

صاحب روح البیان کی تحقیق صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ خطاب حضور سرور عالم کو ہے لیکن تبعاً آپ کی تمام امت کو یہ خطاب شامل ہے اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں اسی لیے اس کے متعلق تفتیش و تحقیق بے سود ہے

عقلی دلیل جو شے خرق عادت کے طور پر عجیب و غریب ہو وہ اپنی ہم شکل اور ہم مثل کی حد سے باہر ہو جاتی ہے اسی لیے اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا اور اس میں غور و خوض کرنا بے عقلی اور اپنی حماقت کا ثبوت دینا ہے مثلاً حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ آپ میں ملکی صورت کا غلبہ بھی تھا لیکن جب جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل دیکھی کہ انھوں نے مشرق و مغرب کو اپنے گھیرے میں لیا ہے تو آپ پر غشی طاری ہو گئی۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ
اور یونہی ہم نے ان کو جگایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے احوال پوچھیں
مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ
ان میں ایک کہنے والا بولا تم یہاں کتنی دیر رہے کچھ بولے کہ ایک دن رہے یا دن سے کم دوسرے بولے تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنا
فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا
تم ٹھہرے تو اپنے میں ایک کو یہ چاندی لے کر شہر میں بھیجو پھر وہ غور کرے کہ وہاں کون سا کھانا زیادہ ستھرا ہے کہ تمہارے
فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا
لیے اس میں سے کھانے کو لائے اور چاہیئے کہ نرمی کرے اور ہرگز کسی کو تمہاری اطلاع نہ دے بیشک اگر وہ تمہیں جان
عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾
لیں گے تو تمہیں پتھراؤ کریں گے یا اپنے دین میں پھیر لیں گے اور ایسا ہوا تو تمہارا کبھی بھلا نہ ہوگا

بقیہ صفحہ گذشتہ ۳۲۹

دوسری عقلی دلیل علاوہ ازیں اصحاب کہف کو دنیا میں ایسے اشخاص کا دیکھنا جوان کے دیکھنے کے اہل نہیں ایک شے کو غیر محل میں استعمال کرنے کے مترادف ہے

قاعدہ اللہ تعالےٰ نے عالم دنیا کو عالم معنی سے اور صور کو عالم برزخ سے پوشیدہ رکھا ہے مثلاً روح عالم برزخ میں ہے چونکہ عالم برزخ آخرت کے لیے بمنزلہ مقدمہ کے ہے اسی لیے اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا صرف اس لیے کہ دیکھنے والا دنیا میں ہے اور دنیا کی ہر شے کو عالم برزخ و عالم آخرت سے اوجھل رکھا گیا ہے

ولی کامل کے اجساد طاہرہ کے برکات چونکہ اولیاء کرام کے اجسام ظاہرہ طیبہ مقام روح تک پہنچے ہوئے تھے اسی لیے انہیں عالم برزخ میں مٹی نہیں کھا سکتی۔

حکایت کسی صوفی نے ایک ولی کامل کو دیکھا کہ وہ شیر پر سوار اور سانپ سے ڈنڈے کا کام لے رہے ہیں جب صوفی نے ولی اللہ کی یہ حالت دیکھی تو دہشت کے مارے مر گیا۔

خام را طاقت پروانہ پر سوختہ نیست

ترجمہ کچے کو پر سوختہ پروانے والی طاقت نصیب نہیں۔

تفسیر عالمانہ کاشفی نے فرمایا کہ جب دقیانوس اصحاب کہف کی غار کو پتھروں سے مضبوط بند کر کے اپنے شہر کے دارلسلطنت کو واپس لوٹا تو چند دنوں کے بعد فوت ہوا اس کے بعد ایسا ملیامیٹ ہوا کہ اس کا نام

نشان تک ختم ہوگیا۔ ؎

دمی چند بشمر وو ناچیز شد
زمانہ نجدید کو نیز شد

ترجمہ چند دن گذار کر فنا ہوگیا اس پر دورِ زمانہ ہنستا کہ جب اس کا معاملہ دگرگوں ہوا۔
دقیانوس کے مرنے کے بعد چند بادشاہوں نے اس ملک کی شاہی چلائی یہاں تک کہ ایک نیک بخت بادشاہ تندروس نامی کی باری آئی منقول ہے کہ تندروس نہایت نیک بخت اور مومن بادشاہ تھا خداترسی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کے زمانہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ مرنے کے بعد اٹھنے کا عقیدہ غلط ہے بادشاہ نے بحیثیت مومن ہونے کے منکرین کو بہت سمجھایا اور اپنے طور عقلی نقلی دلائل بھی سنائے لیکن وہ ہمارے دور کے ہٹ دھرمیوں اور ضدیوں کی طرح نہ مانے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اہل ایمان کو مشاہدہ کرائے کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے چنانچہ بطور کرامت "اصحابِ کہف" عرصہ دراز مرجانے کے باوجود زندہ ہو گئے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے ہم نے اتنا عرصہ دراز تک اصحابِ کہف کو سلا دیا اور اتنا عرصہ تک ان کے اجسام مبارکہ کو گلنے سڑنے اور مٹی میں مٹی ہو جانے سے محفوظ رکھا یہاں تک ان کے کپڑے نہ گلے سڑے اور نہ پھٹے بلکہ ان کے اجسام مبارکہ سے ویسے لپٹے ہوئے تھے جیسے پہلے تھے یہ ہماری قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ وَبَعَثْنٰهُمْ ہم نے انہیں نیند سے جگایا لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ تاکہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں تاکہ باری تعالےٰ کی کامل حکمتوں کی تفصیل کھل کر سامنے آجائے قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور لیتساءلوا کے بیان کے لیے ہے قَآئِلٌ مِّنْهُمْ ان کے سردار یعنی مکسلمینا نے فرمایا۔ بحرالعلوم میں ہے کہ اس کا نام مکسلمینا تھا كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ کتنا مدت نیند میں رہے ہو اس نے ان سے اس لیے پوچھا کہ ان کی صورتیں اور شکلیں پہلی ہیئت سے متغیر تھیں مثلاً بال اور ناخن بڑھے ہوئے تھے وغیرہ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ اس سے ان کے بعض مراد ہیں یعنی جب مکسلمینا نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہم یہاں پر ایک دن سوئے ہیں یا اس سے بھی کم انہوں نے یہ جواب اس اعتبار پر دیا کہ جب وہ سوئے تھے تو صبح کا وقت تھا جب جاگے تو شام کا وقت تھا اسی لیے کہہ دیا کہ ہم ایک دن سوئے ہیں لیکن جونہی سورج کو دیکھا کہ ابھی خاصہ وقت رہتا ہے تو پھر کہا کہ ایک دن سے بھی کم۔

سوال وہ اولیاء اللہ تھے انہوں نے جھوٹ کیوں کہا کہ پہلے ایک دن کہا پھر اس سے کم
جواب چونکہ پہلے انہوں نے صرف ایک دن اپنے گمان سے کہہ دیا پھر جب سورج کو آنکھوں سے دیکھا تو دن سے کم وقت کا یقین ہوگیا اسے نہ شرعاً جھوٹ کہا جاسکتا ہے نہ عرفاً فلہذا اعتراض نہ رہا
ف کاشفی نے لکھا ہے کہ اصحابِ کہف نیند سے چاشت کے وقت جاگے تو کہا کہ اگر ہم کل صبح سے سوئے اور ابھی دوسرے روز جاگے ہیں تو کامل دن ہمیں سوتے گزرا اگر آج سوئے اور آج ہی چاشت کے وقت جاگ ہوئی ہے تو ہمیں دن کا بعض

حصہ نیند میں گزارا صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے قول سے کاشفی کا قول زیادہ صحیح ہے اس لیے
فابعثوا احدکم بورقکم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جاگنا چاشت کے وقت ہوا کیونکہ شہر تک جاکر سودے وغیرہ لے کر غار کو
واپس لوٹنا خاصہ وقت چاہتا ہے اور اگر قبل غروب کا مانا جائے تو سودے لینے والی آیت کے ساتھ مطابقت نہیں ہو سکتی
اس لیے کہ غار شہر سے خاصی دور تھی قَالُوْا ان میں بعض حضرات وہ تھے جنھیں حقیقت حال بذریعہ الہام یا کسی اور دلائل
سے معلوم ہو گیا تھا۔ انہوں نے کہا لیکن کاشفی نے لکھا کہ انہوں نے اپنے بال اور ناخن بڑھے دیکھ کر کہا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ
یعنی اے ساتھیو ہماری یہ کیفیت بتاتی ہے کہ ہمارا معاملہ کچھ ٹیڑھا سا ہے جس کی مدت کا تعین ہمارے معلومات سے متعلق
نہیں یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے تمہارے ٹھہرنے کو خوب جانتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مدت کے تعین کے بارے میں
اصحاب کہف کے دو گروہ ہو گئے جس کی تفصیل اوپر واضح ہے فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ اپنے میں سے ایک کو بھیجو تفاسیر میں لکھا
ہے کہ جسے بھیجا گیا تھا اس کا نام یملیخا تھا بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ یعنی یملیخا یہی چاندی لے کر شہر میں جائے۔

ف یملیخا کے انتخاب کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے سابقہ گفتگو میں حصہ نہیں لیا بلکہ ان کی بحث و تمحیص کے وقت علیحدہ بیٹھ کر ان سب
کی باتیں سنتا رہا اور انھیں عملاً بتا دیا کہ یہ گتھی تمہارے سلجھانے کی نہیں اور نہ ہی اپنے طور اسے سمجھ سکتے ہو یہ تقریر اشارۃً فاء
سے سمجھی گئی ہے۔

ف الورق چاندی کو کہتے ہیں اس پر سرکاری مہر ثبت ہو یا نہ یعنی کسی متعین مقدار رقم کے لیے سرکاری طور متقرر ہو چکی ہو جیسے
دراہم وغیرہ دسابق دور یا بعض ممالک میں ہیں یا ویسے ہی ٹکڑا بہت تھوڑا۔

ف هٰذِهٖ کے اشارہ محسوسہ سے معلوم ہوا کہ وہ چاندی گھر سے چلتے وقت زادِ راہ کے ارادہ پر اٹھا کر لائی گئی تھی۔

سوال وہ اولیاء اللہ تھے انہیں متوکل علی اللہ ہونا لازمی تھا پھر گھر سے زادِ راہ اٹھا کر چلنے کا کیا معنےٰ

جواب زادِ رہ راہ اٹھا کر سفر کو جانا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہی عمل صالحین اولیاء کے طریقہ کے عین مطابق ہے بلکہ سالکین راہِ
خدا کا کام بھی یہی ہے کہ وہ زندگی کے اسباب مقررہ کے مطابق زندگی بسر کریں اسے متوکل نہیں کہا جا سکتا جو اسباب کو ضروریاتِ
زندگی سے خارج سمجھتا ہو اور صوفیۂ کرام کے نزدیک اسباب کے استعمال کا نام ہی توکل ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

گر توکل میکنی در کار کن
کشت کن پس تکیہ بر جبار کن
رمز الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب کاہل مشو

ترجمہ اگر تمہیں توکل سیکھنا ہے تو جملہ کاروبار میں توکل یوں ہے کہ کھیتی باڑی کر کے پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر والکاسب
حبیب اللہ کی رمز پہچانو۔ سبب کو توکل سمجھو اس معاملہ میں سستی مت کرو نیز ان کا متوکل ہونا۔

ینشر لکم ربکم من رحمتہ ویھیئ لکم من امرکم رشداً تمھارا رب تمھارے اوپر رحمت پھیلائے گا اور تمھارے معاملات میں آسانی تیار کریگا۔

ف اس شہر سے طرسوس کا مراد ہے جاہلیت میں اس نام افسوس تھا

ف قاموس میں ہے کہ طرسوس بروزن حلزون ارمن کا ایک زرخیز شہر تھا ہمارے دور میں اسلام کے قبضہ میں آیا تو اس کا نام افسوس پڑگیا

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ یہاں لفظ اہل مضاف محذوف ہے جیسے واسئل القریۃ میں اہل محذوف ہے کہ وہ بھی دراصل واسئل اہل القریۃ تھا ایسے فلینظر ای اھل المدینۃ پھر شہر والوں میں کون ہے اَزْكٰى طَعَامًا احل واطیب واکثر و ارخص ازکی کے معانی ہیں یعنی زیادہ پاکیزہ طعام والا ہو فَلْيَاْتِكُمْ پس چاہیے لائے تمھارے ہاں بِرِزْقٍ قوت یعنی ہر وہ شے جس پر انسان کے بدن کا قوام ہے مِنْهُ اس کی ضمیر ازکیٰ طعاماً کی طرف راجع ہے

ف کاشفی نے لکھا کہ ازکیٰ طعاما میں اشارہ ہے کہ ان کے زمانہ میں شہر میں ایسے نیک لوگ رہتے تھے جو باطن مؤمن تھے۔ لیکن دقیانوس کے خوف سے ایمان ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے اسی لیے اصحاب کہف نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ ان لوگوں کو تلاش کر کے ان سے کھانے کی چیزیں خریدنا کیونکہ انھوں نے گوشت وغیرہ دین حق کے مطابق حاصل کر کے پکایا ہوگا۔

وَلْيَتَلَطَّفْ یعنے ولیتکلف بہ اللطف فی المعاملۃ سے ہے یعنی سوچ سمجھ کر سودا خریدے تاکہ لین دین میں کسی کو نقصان نہ ہو ایسی حرکت نہ کر بیٹھے کہ جس سے ہم گرفتار ہو جائیں

ف قرآن مجید کے کل حروف کا نصف اسی سورت کہف کے حرف وَلْيَتَلَطَّفْ کی لام اوّل پر پڑتا ہے اور طاء اور فاء نصف ثانی میں ۔ (کذا فی البستان)

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝ اور تمھارے بارے میں کسی کو باخبر نہ کرے یعنی شہر والوں کو تمھارے متعلق کوئی بات نہ بتائے اس لیے کہ ان سے آگے ہماری خبر پھیل جائے گی جس سے ہم گرفتار ہو جائیں گے یعنے بلا قصد بھی کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے شہر والوں کو ہمارے متعلق شک و شبہ پڑ جائے اور اشعار کی نسبت اپنے قاصد کی طرف اس لیے کی ہے کہ وہی ان کی خبر پھیلانے کا سبب بنے گا پہلے معنیٰ پر نہی تاسیس کے لیے دوسرے معنےٰ پر ولیتلطف کے امر سے تاکید کے لیے ہے اِنَّهُمْ تلطف و عدم اشعار کی تاکید اس لیے کی جا رہی ہے کہ بیشک بادشاہ اور اس کے حامیوں نے اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ اگر تمھارے متعلق آگاہ ہوئے اور تمھیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے يَرْجُمُوْكُمْ تو تمھیں پتھراؤ کریں گے الرجم بمعنے الرمی بالحجارۃ یعنی پتھراؤ کو عربی میں رجم کہتے ہیں اور یہ کسی کو قتل کرنے کا سب سے خبیث ترین طریقہ ہے یعنی اگر تم اپنے دین حق پر ڈٹے رہے تو شہر والے اپنی خبیث ترین عادت کے مطابق تمھیں پتھروں سے ماریں گے۔

اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ یا تم ملت کفر کو لوٹو گے یا وہ تمھیں مجبور کر کے کفر پہ لے جائیں گے یہ العود سے بمعنے الصیرورۃ

جیسے او لتعودن فی ملتنا (پارہ نہم رکوع اوّل) میں عود بمعنے صیرورۃ ہے یا عودُا اپنے حقیقی معنیٰ پر ہے اس لیے کہ پہلے اصحاب کہف انہی کے دین (کفر) پر تھے پھر دین حق کے لیے نوازے گئے

ف صاحب روح البیان نے فرمایا یہی دوسرا حقیقی معنیٰ یہاں مبنی برصواب ہے جیساکہ آمنو بربھم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے مؤمن نہیں تھے بلکہ بعدمیں دولت ایمان سے نوازے گئے وہ اس لیے کہ اگر ان کا ایمان حادث کی بجائے قدیم ہوتا تو امنو ابربھم کے بجائے ان ھم فتیۃ مؤمنون بربھم ہوتا۔

سوال قانون کا تقاضا ہے کہ یہاں فی ملتھم کے بجائے الی ملتہم ہوتا یعنی یہاں فی کے بجائے لفظ الی ہوتا۔

جواب تاکہ معلوم ہو کہ وہ ان کے دین کی طرف لوٹنے سے سخت کراہت کرتے تھے

وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ○ یعنی اگر تم ان کے دین کفر میں واپس لوٹ جاؤ گے خود بخود یا اجبار واکراہ سے تو یقین کرلو کہ تم پھر کامیاب نہیں ہوسکے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اس لیے کہ مانا تم اجبار واکراہ کے وقت صرف زبان سے کفر کو مانو گے لیکن تم جانتے ہو کہ شیطان ہمارا سخت اور بدترین دشمن ہے وہ تمہارے اس ظاہری کفر سے فائدہ اٹھائے کہ تمھیں ایسے گندے وسوسے ڈال کر تمہارے دلوں میں حقیقی کفر راسخ کر دے اور پھر تم اسی پر مداومت کر کے اسی جہالت میں مرجاؤ اس اعتبار سے تم دونوں جہانوں میں مارے گئے اسی لیے اپنے فرستادہ کی سب ل کر منت کرو کہ وہ تمہارے متعلق کوئی بات نہ کرے نہ اشارۃً و کنایۃً۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب وہ حضرات یعنی اصحاب کہف تین سو نو سال مقام عندیت حق میں تھے اور اپنی عندیت سے بالکل فارغ ہوچکے تھے اسی لیے انھیں اتنا طویل عرصہ تک نہ کھانے کی ضرورت تھی نہ پینے کی اس لیے کہ جسمانی غذا کی بجائے انہیں روحانی نصیب ہورہی تھی جیسے ہمارے نبی اکرم شفیع معظم کی کیفیت تھی کہ آپ بھی کئی دنوں تک کھانے پینے سے فارغ رہتے اور فرماتے:

میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں گذارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے جب وہ حضرات اپنے حال کی طرف متوجہ ہوئے تو انھیں جسمانی غذا کی خواہش پیدا ہوئی اسی لیے کہا فابعثوا الخ

نکتہ لطیف اور پاکیزہ غذا کی طلب میں ایک راز ہے وہ یہ کہ وصل وصال والے اولیائے کرام جب محبوب حقیقی کے جمال باکمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں اسی وصال سے انس و ملاطفت حبیب کا ذوق نصیب ہوتا ہے جب وہ وصال سے فراغت پاتے ہیں تو ان کے ارواح وقلوب روحانی غذا کا مطالبہ کرتے ہیں اسی لیے اپنے ارواح اور قلوب کو اسی مشاہدہ محبوب کے لیے سعی کے طور انہیں ہر حسین سے حسین ترین شے پیش کرتے ہیں اس لیے کہ ہر جمال اللہ تعالیٰ کے جمال باکمال کا جلوہ ہے اسی وجہ سے انہیں محبوب حقیقی کی ملاطفت کی یاد کی تازگی کی وجہ سے لطیف غذائیں استعمال کرنی پڑتی ہیں اسی لیے کہا فلیاتکم برزق منہ ولیتلطف ولا یشعرن بکم احدًا" میں اشارہ ہے کہ اہل غفلت کو ارباب محبۃ و عشق کے حالات سے باخبر نہ کیا جائے اس لیے کہ عشاق کے منتہیانہ بعض ایسے احوال بھی آتے ہیں جو مبتدیوں کے نزدیک

کفر متصور ہوتے ہیں چنانچہ ابو عثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عارفین کو رفیق بناؤ نرمی سے اور مریدین کو اپنے قریب لاؤ تو سختی سے انھم ان یظھروا علیکم یعنی اگر اہل غفلت تمھارے احوال سے مطلع ہو گئے تو بر جموکم اے اہل معرفت بزرگو تمھیں اہل غفلت ملامت کریں گے جب کہ تمھارے سے ایسے امور مشاہدہ کریں گے جو ان کی استعداد کے غیر موافق ہوں گے۔

اس لیے کہ اہل معرفت میں ولایت کی وسعت اور قوت معرفت بھرپور ہوتی ہے اور انھیں ہر دونوں کے تصرّف کا حق حاصل ہوتا ہے اور اہل غفلت نہ تصرّف کر سکتے ہیں اور نہ ہی انھیں عالم باطن کی بصیرت حاصل ہوتی ہے اسی لیے جو کچھ بھی اہل معرفت سے دیکھتے ہیں اس کا انکار کر دیتے ہیں بلکہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے اہل معرفت پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ع

عشق در ہر دل کہ سازد بہر درد خانہ

اوّل از سنگ ملامت افگند بنیاد او

ترجمہ جس دل میں عشق اپنا گھر بناتا ہے تو اسے درد سے بھر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی ابتدائی بنیاد کے وقت اس پر ملامت کا پتھراؤ کرتا ہے۔

او یعیدوکم فی ملتھم یا ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ تمھیں اپنی ملّت یعنی خواہشات نفسانی کے بتوں اور شہوات دنیا اور اس کی زینت کے طاغوتوں کی پرستش میں مبتلا کریں اے عارفو! اگر تم ان کی موافقت کرو گے تو ہمیشہ کے لیے ناکام رہو گے۔

صاحب روح البیان کی روحانی تقریر

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر زمانے میں صورۃً و معنًی دقیانوس جیسے سرکش بادشاہ ہوتے ہیں جو شخص چاہتا ہے کہ اسے ظاہری باطنی جسمانی، روحانی، عملی اور اعتقادی سلامتی نصیب ہو تو وہ تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرے اور اپنے گھر کے اندر ایک ایسے مقام کو عبادت کے لیے پسند کرے کہ جہاں اس کے سوا نہ کوئی آئے نہ جائے بلکہ عالم دنیا کی مکینوں کے تصوّرات دل سے ہٹا دے نہ کسی بڑے سے دوستی نہ کسی چھوٹے سے یاری نہ اونچے طبقے والوں سے واسطہ نہ نچلے درجے کے لوگوں سے تعلق اپنے آپ کو نیند والے کی طرح بنا دے کہ جیسے نیند والے کے حواس عالم دنیا سے کسی دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ایسے ہی اس کی حالت ہو کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ دنیا کیا اور دنیا والے کون ہیں اس لیے کہ جب نیند والا آنکھ بند کرتا ہے تو اس کی آنکھوں کی سفیدی اور سیاہی کا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔

ازالۂ وہم

اگر کوئی مدعی ہو کہ میں زہ کر دنیا میں عارف اللہ بھی ہوں وہ اس کا سراسر دھوکہ اور فریب ہے اس لیے کہ منتہا سالک کو اگرچہ ایسا مرتبہ نصیب ہوتا ہے لیکن ہر ایک کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوتا قاعدہ ہے کہ جو بھی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو دنیا کے ضرر اور نقصان سے نہیں بچ سکتا جیسے دودھ پینے والا بچہ ماں کے پستان کو منہ میں لگائے اور پھر ہم کہیں کہ وہ دودھ نہیں پیئے گا بفرض محال اگر ہم مان بھی لیں تب بھی اسے اتنا نقصان تو سلوک کے لیے ماننا پڑے گا کہ لوگوں کے میل جول سے طوعاً کرھاً ان کی چند باتوں کی موافقت کرنی پڑے گی۔

وَكَذٰلِكَ
اور اسی طرح ہم نے ان

اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ
کی اطلاع کردی کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں جب

يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ
وہ لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑنے لگے تو بولے ان کے غار پر کوئی عمارت بناؤ۔ ان کا رب انہیں خوب

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱
جانتا ہے وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے

تفسیر عالمانہ

چونکہ یملیخا سمجھدار آدمی تھا اس لیے ان کی وصیت سن کر فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کروں گا ساتھیوں کو الوداع کہہ کر شہر کو روانہ ہوا جونہی شہر میں قدم رکھا تو دیکھا کہ شہر کا نقشہ ہی تبدیل ہے اور شہر کے اندر داخل ہوا تو نہ وہ انسان اور نہ شہر کے پہلے جیسے دکان۔ مکانات کے طور طریقے بھی تبدیل تھے حیران تھا اور کہتا کہ یارب یہ کیا معاملہ ہے بالآخر ایک نانبائی کی دکان پر گیا اس کو پیسے دے کر روٹی سالن مانگا نانبائی نے پیسے دیکھ کر سمجھا کہ اس شخص کو کہیں سے کوئی خزانہ ملا ہے اس لیے کہ اس کے پیسوں پر دقیانوس کی مُہر ثبت تھی اس کے وہی پیسے بازار میں لے گیا جو بھی دیکھتا حیران ہو جاتا ایسے ہی خبر پھیلتی گئی یہاں تک کہ شہر کے کوتوال کو خبر پہنچی اس نے یملیخا کو گرفتار کر لیا اور سختی سے استفسار کیا اور کہا بقایا خزانہ بتائیے ورنہ تمھیں سخت سزا دی جائے گی یملیخا نے کہا نہ میرے پاس خزانہ ہے اور نہ میں چور ہوں میں نے تو یہی رقم اپنے والد کے گھر سے کل اٹھائی اور آج تمھارے ہاں لایا ہوں انہوں نے پوچھا تیرے باپ کا نام کیا ہے اس نے بتایا تو لوگوں نے کہا ہم اسے نہیں جانتے اور نہ ہی اس نام کا کوئی شخص اس شہر میں ہے لوگوں نے اسے جھوٹا سمجھ کر ستانا شروع کر دیا یملیخا نے تنگ آکر کہا اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے دقیانوس بادشاہ کے ہاں لے جائیے وہ ہمارے حال اور معاملہ کو خوب جانتا ہے لوگ ہنس پڑے اور کہا کہ بندۂ خدا اسے مرے ہوئے تو تین سو سال گذر گئے ہیں تم کیسے اس کا نام کہہ رہے ہو ایسے ہی ٹال مٹول سے کام نہیں چلے گا تجھے خزانہ بتانا پڑے گا اس نے کہا خدا کے بندو! میرے ساتھ ہنسی مذاق چھوڑو۔ کل تو ہم چند دوستوں نے اسی شہر سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں پناہ لی آج تمھارے ہاں کھانا لینے آیا ہوں تم مجھے پاگل نہ بناؤ یہی حقیقت اور سچی بات ہے جو میں نے تمھیں عرض کر دی ہے لوگوں نے سمجھا کہ یہ نیک انسان معلوم ہوتا ہے یہ جھوٹ نہیں بولتا اس کے معاملہ میں پیچیدگی ہے فلہذا اسے وقت کے بادشاہ کے ہاں لے جانا چاہیے جونہی بادشاہ نے یملیخا کی گفتگو سُنی تو بادشاہ اپنے وزراء اور ارکان دولت کو لیکر غار میں پہنچا یملیخا نے پہلے پہنچکر اصحابِ کہف کو صورت حال سے آگاہ کیا اِدھر بادشاہ بھی لشکر لے کر پہنچ گیا غار کے دروازہ پر ایک تختی لگی ہوئی دیکھی اس پر ان حضرات یعنی اصحاب کہف کا پورا حال لکھا ہوا تھا ان کے

اسماء انساب وغیرہ تفصیل سے حالات درج تھے بادشاہ نے آتے ہی ان کو سلام عرض کیا اور ان کے حالات بتائے کہ انہیں یہاں عرصہ دراز گزرا ہے اور ان کے چہرے کی تروتازگی اور کپڑوں کی چمک دمک کو دیکھ کر حیران ہوا اور انھیں سلام عرض کیا تو انھوں نے اس کے سلام کا جواب بھی دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی خبر دیتے ہوئے فرمایا وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا ۔

حل لغات اعثرنا یعنی اطلعنا اور علیھم کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف لوٹتی ہے دراصل جب کوئی غافل عن شی کو دیکھ کر اسے معلوم کرے تو اس کے لیے اہل عرب کہتے ہیں عثر بہ چونکہ العثار یعنی اطلاع چونکہ علم کا سبب ہے اسی لیے مسبب پر سبب کا اطلاق ہوا ہے اور تاج المصادر میں ہے الاعثار یعنے کسی کو کسی شے پر پہنچانا اس نے نظیر میں یہی آیت لکھی کہ وکذٰلک اعثرنا اور الاطلاع بمعنی کسی کو پوشیدہ امر پر پہنچانا اہل عرب کہتے ہیں اطلع فلان علی القوم فلاں نے فلاں قوم کو پوشیدہ معاملہ پر پہنچایا یہاں تک کہ وہ ان کے سامنے ایسے ظاہر ہوا کہ انہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور جب کہتے ہیں اطلع عنھم تو اس کا معنیٰ ہوگا فلاں ان لوگوں سے ایسا غائب ہوگیا یہاں تک کہ وہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگیا کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتے تھے اب مطلب یہ ہوا کہ ہم نے انھیں عرصہ دراز کے بعد اصحاب کہف کو بیدار کر کے تمھیں ان کے حالات سے مطلع کر کے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے تاکہ تمھاری بصیرت اور یقین میں اضافہ ہو۔ کما قال۔

لِيَعْلَمُوْٓا ان سے تندروس کی قوم مراد ہے جنہوں نے بعث ونشر یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اصحاب کہف کے حالات سے انہیں مطلع فرمایا تاکہ وہ جانیں اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یعنی اس نے جو وعدہ فرمایا ہے کہ مرنے کے بعد روح کو جسم میں لوٹا کر اٹھایا جائے گا وہ وعدہ حق ہے حق بمعنے صدق ہے یعنی اس کے وعدہ میں سچائی ہی سچائی ہے اس لیے کہ اصحابِ کہف کا نیند کے بعد جاگ اٹھنا مردے کے حال کی طرح ہے کیونکہ نوم اور موت دونوں ہم جنس ہیں۔ وَاَنَّ السَّاعَةَ یعنی قیامت اس سے وہ گھڑی مراد ہے جب لوگ حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ لَا رَيْبَ فِيْهَا یعنی قیامت کے وقوع اور اس کے اندر سب کی حاضری کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں اس لیے کہ جس نے آنکھوں سے دیکھا کہ جس خالق کائنات نے اصحابِ کہف کے ارواح کو تین سو سے زائد سالوں تک روکے رکھا اور ان کے ابدان واجسام کو گلنے سڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رکھا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ وہی خالقِ کائنات تمام مخلوق کو موت دینے کے بعد ان کے جملہ ارواح کو میدانِ حشر کے اٹھنے تک محفوظ رکھ سکتا ہے اور اسے قدرت ہے کہ انھیں اتنا عرصہ دراز تک محفوظ رکھ کر پھر ان کے ابدان واجسام میں حساب و کتاب کے لیے واپس لوٹائے۔ ع

پیش قدرت کارہا دشوار نیست
عجز ہا با قوت حق کار نیست

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے کوئی مشکل نہیں عاجزی کو تو اللہ تعالےٰ کے کاموں میں دخل ہی نہیں ہے

نکتہ صاحب روح البیان رحمۃ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی منجملہ مہربانیوں اور الطاف کریمانہ سے ایک کرم اور مہربانی ہے کہ ان میں رسول اور نبی علیہ السلام کے بھیجنے کے بغیر اصحاب کہف کی نیند اور پھر ان کے جاگنے کو ان کی ہدایت کا سبب بنا دیا

تفسیر صوفیانہ

وکذٰلک اعثرنا علیھم یعنی جیسے ہم نے بعض منکرین قیامت کو اصحابِ کہف کے حالات کا مشاہدہ کرایا تاکہ ان پر واضح اور انہیں یقین ہو جائے کہ مر اٹھنا اور مردوں کے زندہ ہونے کا وعدۂ الٰہی حق اور ثابت ہے اور قیامت کے وقوع میں کوئی شک وشبہ نہیں ایسے ہی انہیں معلوم ہو کہ وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے اس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

فلنحیینّہ حیٰوۃ طیبۃً ہم اسے حیات طیبہ سے نوازتے ہیں اور فرمایا او من کان میتا فاحیینٰہ پس جو مردہ تھا پھر ہم نے انہیں زندہ کیا اور محبین، صادقین، عرفاء کے قلوب کا قیام ودوام بھی حق ہے اور ان میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے

اصحاب کہف مصطفیٰ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں

امام ثعلبی کی تفسیر میں مرقوم ہے کہ اصحابِ کہف کی ملاقات کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا انہوں نے عرض کی کہ آپ انہیں اس عالم دنیا میں نہیں دیکھیں گے البتہ آپ اپنے پسندیدہ اصحاب کو بھیجکر اپنی دعوتِ اسلام سے انہیں نواز سکتے ہیں آپ نے فرمایا میں اپنے اصحاب کو ان کے ہاں کس طرح اور کن کو بھیجوں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اپنی چادر مبارک بچھائیے اور صدیق وفاروق اور علی المرتضیٰ اور ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمائیے تاکہ وہ ہر ایک اسی کے ایک کونہ پر بیٹھ جائیں اور ہوا کو حکم فرمائیں تاکہ وہ انہیں اڑا کر غار تک پہنچا دے اور ہوا آپ کی فرمانبردار ہے جیسے تخت سلیمانی کو اڑا کر چلتی تھی آپ کے غلاموں کو بھی لے جائے گی حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی چنانچہ ہوا اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اڑا کر غار تک لے گئی انہوں نے غار سے ایک پتھر ہٹایا، کتّے نے جونہی روشنی دیکھی اول تو شور مچاتے ہوئے حملہ آور ہونے کی کوشش کی اس کے بعد جب صحابہ کرام کی شخصیت پر نگاہ ڈالی تو دم ہلا کر اصحاب کہف کے ہاں جانے کا اشارہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اصحابِ کہف کے قریب ہوئے اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی ارواح کو ان کے اجسام میں واپس لوٹایا تو انہوں نے ان کے سلام کا جواب دیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ حضرات کو سلام بھیجا ہے اور اسلام کی دعوت بھی۔ ان حضرات نے دعوت اسلام قبول کی اور عرض کی ہمارا بھی بارگاہ رسالت میں سلام عرض کر دینا یہ کہہ کر پھر آرام گاہ میں چلے گئے حضرت امام مہدی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت سے ہوں گے کے ظہور کے وقت زندہ ہوں گے اور امام مہدی ان پر سلام کہیں گے وہ ان کو سلام کا جواب دیں گے اس کے بعد بدستور آرام گاہ میں آرام فرمائیں گے اور قیامت میں ہی اٹھیں گے۔

اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بعض مفسرین کے نزدیک کہ یہ اذکر محذوف کے متعلق ہے صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی قول انسب اور موزوں تر ہے اسی لیے کہ اس کے بعد والی قار کی ترتیب کا تقاضا یونہی ہے اس معنٰے پر یہ سابق کلام سے علیحدہ متصور ہوگا یعنی یاد کیجیے اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جب جھگڑے والوں نے جھگڑا کیا ان سے تندوسن کی قوم مراد ہے بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ اصحاب کہف جب دوبارہ فوت ہوئے تو تندروس کی قوم میں اختلاف ہوا کہ اب ان حضرات کو کس طرح عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا جائے کہ آنے والی نسلیں ان کے حالات سے آگاہ نہ ہوسکیں فَقَالُوْا اس شہر کے بعض افراد نے کہا کہ ابْنُوْا عَلَیْهِمْ ان کی غار کے دروازے پر عمارت کھڑی کردی جائے بُنْیَانًا ط یعنی ان کے اردگرد ایک ایسی دیوار کھینچ دی جائے کہ لوگ وہاں تک نہ پہنچ سکیں جیسے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کے اردگرد دیوار کھینچ کر اسے محفوظ کرلیا گیا ہے ایسے ہی ان لوگوں نے اصحابِ کہف کے اردگرد دیوار کھینچ کر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کرلیا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ط ان کا رب ہی ان کی آرام گاہ کو خوب جانتا ہے اور اسے ہی ان کے حالات معلوم ہیں دوسرے اگر نہ جانیں تو کیا حرج ہے قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤی اَمْرِهِمْ وہ جو ان کے معاملہ میں غالب ہوئے اس سے اس زمانہ کے مسلمان اور بادشاہ مراد ہیں لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا ہم ان کے غار کے دروازہ پر مسجد بنائیں گے اس میں نمازی نماز پڑھیں گے اور اس جگہ کو متبرک سمجھ کر تبرک حاصل کریں گے[1]

تندروس کی چلہ کشی

مروی ہے کہ تندروس کے دور میں جب لوگوں نے بعث و نشر کے متعلق اختلاف کیا اور کسی طرح بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو بادشاہ اپنے گھر کے اندر ایک حجرہ میں ذکر الٰہی میں مصروف ہوگیا اور اندر سے دروازہ بند کردیا۔ شاہی لباس کے بجائے ٹاٹ پہن لیے اور پلنگ اور قالین پر بیٹھنے کے بجائے راکھ پر بیٹھ گیا اور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں کہ حق و باطل ظاہر ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی شہر کے ایک چرواہے کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ غار جسے دقیانوس نے پتھروں سے بند کردیا تھا اس کے پتھروں کو ہٹا دے اس کے دروازہ کو توڑ کر غار کے اندر بکریوں کو بٹھائے جونہی چرواہے نے غار کو کھولا تو اندر سے اصحابِ کہف اٹھ کھڑے ہوئے ان کی یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی بادشاہ کو اطلاع دی گئی شہر والے تمام مومن کافر اس نظارہ کو دیکھنے آئے اور بادشاہ اپنے ارکان سمیت کافر و مسلم کو ساتھ لیکر اصحابِ غار سے ہم کلام ہوئے تو اصحابِ کہف نے ان کے سوالات کے جوابات دیے اور اپنا تمام ماجرا تفصیلی طور سنایا اس بیان لوگوں نے یقین کیا کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے اصحابِ کہف نے بادشاہ کو دعا دی کہ ہم تمھیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے اور دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمھیں جن و انس کے شروں سے محفوظ فرمائے یہ کہہ کر بدستور سابق نیند میں چلے گئے بادشاہ نے ان پر کپڑا ڈالا اور ہر ایک کے لیے سونے کے صندوق تیار کروائے خواب

---

[1] معلوم ہوا کہ مقدس لوگوں کے مقامات کو متبرک سمجھنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا اہل اسلام کا قدیمی شیوہ ہے ولکن الوھابیۃ قوم لایعقلون ۱۲

ہیں ان حضرات نے بادشاہ کو فرمایا کہ سونے کے صندوق ہمارے لائق نہیں اس کے بعد بادشاہ نے گوان کی لکڑی کے صندوق تیار فرمائے اور غار کے دروازہ پر مسجد بھی بنوادی۔

حضرت مولانا روم اور حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہما کے حال کا موازنہ

صاحب روح البیان قُدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اہل فنا کا یہی طریقہ ہے کہ وہ سادگی کو پسند کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ صدرالدین قونوی قُدس سرہٗ نے اپنے مزار شریف پر عمارت کو قبول نہیں فرمایا یہاں تک کہ ایک دفعہ آپ کے مزار شریف پر لکڑی کے تختے لگائے گئے تو آسمان سے بجلی گری جس سے وہ تختے جل گئے اس سے یہی تصور کیا گیا کہ حضرت قونوی قُدس سرہٗ نے اپنے مزار اقدس پر عمارت کو قبول نہ فرمایا اس کی وجہ میں نے اپنے شیخ او پیرو مرشد قُدس سرہٗ سے سُنی کہ حضرت شیخ صدرالدین قُدس سرہٗ بادشاہ کی اولاد سے ہیں ایسے ہی حضرت مولانا رُوم صاحبِ مثنوی بھی بادشاہوں کی اولاد سے ہیں حضرت مولانا روم قدس سرہٗ تارک الدنیا تھے اور حضرت شیخ صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ تعالےٰ بہت بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کے نوکر بھی امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے آپ کا وضو کا لوٹا اور تھال سونے کے تھے کسی نے آپ کے متعلق غلط تصور کیا کہ فقیر کو سونے سے کیا غرض حضرت شیخ کو اس کا خیال کشف سے معلوم ہوا تو آپ نے لوٹے کو اپنے ہاں حاضری کا اشارہ کیا تو لوٹا خود بخود حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اس پر تمام لوگ متحیر ہوئے لیکن وہ اعتراض کرنے والا شخص فوراً تائب ہو گیا۔

مکالمہ مولانا روم و شیخ صدرالدین قدس سرہما

ایک دفعہ حضرت شیخ صدرالدین قونوی نے مولانا روم قُدس سرہٗ سے فرمایا کہ ہم بظاہر شاہانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے ہیں لیکن ہم فقیر اور درویش ہو کر سوتے ہیں ان کے جواب میں حضرت مولانا روم قُدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم بظاہر درویشانہ اور فقیرانہ زندگی گزارتے ہیں لیکن بادشاہوں سے بھی بڑھ کر آرام سے سوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا روم قُدس سرہٗ کا مزار شریف نہایت شان شوکت سے سجایا ہوا ہے اور حضرت مولانا صدرالدین قدس سرہٗ کا مرقدِ انور نہایت ہی سادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں بزرگوں کی شفاعت نصیب کرے[1]

حضرت مولانا قدس سرہٗ نے فرمایا:

وصلش مجو در اطلسِ شاہی کہ دوخت عشق

ایں جامہ بر تنے کہ نہان زیر ژندہ بود

ترجمہ اس کا وصال اطلس شاہی میں تلاش نہ کریں اس لیے کہ یہ کپڑے عشق نے اسے بخشے ہیں جو گدڑی پوش ہو۔

---

[1] اولیاء کرام کی شفاعت کی امید رکھنا اہل اسلام کا طریقہ ہے جیسا کہ صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ نے مضمون ختم کرنے کے بعد لکھا۔ "رزقنا اللہ شفاعتھم" روح البیان صفحہ ۲۳۳ ج ۴

سَيَقُولُونَ
اب کہیں گے کہ وہ ہیں
ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ
تین چوتھا ان کا کتا اور کچھ کہیں گے پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا بے دیکھے الاؤ تکا بات اور کچھ کہیں گے
سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا
سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تم فرماؤ میرا رب ان کی گنتی خوب جانتا ہے انہیں نہیں جانتے مگر تھوڑے
تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿۲۲﴾
تو ان کے بارے میں بحث نہ کرو مگر اتنی ہی بحث جو ظاہر ہو چکی اور ان کے بارے میں کسی کتابی سے کچھ نہ پوچھو

تفسیر عالمانہ سَيَقُولُونَ ان تمام افعال کی ضمیریں ان لوگوں کی طرف راجع ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے زمانہ اقدس میں اصحاب کہف کے حالات میں غور و خوض کرنے والے لوگ موجود تھے ان میں بعض اہلِ اسلام تھے اور بعض اہل کتاب۔ لیکن اسناد فعل میں تصریح نہیں کی گئی

شان نزول ان لوگوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف کے متعلق سوال کیا تو آپ نے وحی کے نزول پر اس کے جواب کو مؤخر فرمایا یہی آیات نازل ہوئیں جن میں ان لوگوں کے اختلاف کو بھی بتایا گیا جو انہوں نے اصحابِ کہف کی گنتی کے متعلق کیا یا آئندہ ہونے والا تھا

ف ان میں سچ اور حق ان کے قول میں ہے جنھوں نے کہا کہ اصحابِ کہف کل سات افراد تھے۔ اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

سیقولون بعض قارئین یہودی کہیں گے کہ اصحابِ کہف ثَلٰثَةٌ تین افراد تھے رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ چوتھا ان کا کتا تھا یعنی ان کے ساتھ کتا ملا تو وہ کل چار ہو گئے وَيَقُولُونَ اور نصاریٰ کہیں گے۔

سوال اس کے قائلین بھی تو زمانہ مستقبل میں کہنے والے تھے ان کے صیغے میں سین استقبالیہ کیوں نہیں لایا گیا؟

جواب اس کا عطف پہلے سیقولون پر ہے اسی کے سہارے اور سین لانے کی ضرورت نہیں۔

خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ لوگ ایسی بات کہہ رہے تھے جو ان سے مخفی تھی رجما بالغیب۔ ویقذفون بالغیب کی طرح ہے یعنی غیبی باتیں اپنی طرف سے گھڑتے تھے یا رجما بالغیب بمعنے ظنا بالغیب ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے گمان سے بات کہہ دے۔

ترکیب: رجماً بالغیب حال ہے پہلے تمام افعال سے یعنی ان کا حال یہ تھا کہ وہ غیبی باتیں اپنی طرف سے گھڑتے تھے یا ان افعال سے مفعول مطلق ہے اس لیے کہ رجم اور قول ہم معنی ہیں یہ دراصل یرجمون رجماً بالغیب تھا۔

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ اور اہل اسلام کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اہلِ اسلام

نے یقین کر کے اس لیے کہا کہ انہیں وحی نبوی پر اعتماد اور یقین تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو رجماً بالغیب کے زمرہ میں شامل نہیں فرمایا اور اسے یہود و انصاری کے قول سے علیحدہ بیان فرمایا جیسا کہ لفظ واؤ عاطفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے قول کو اہل کتاب کے اقوال سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان کے قول کا اعتماد وحی پر تھا اور وحی ربانی اہل کتاب کی بناوٹی باتوں سے ہر طرح مقدم ہے قُلْ حق بات بتائیے اور اہل کتاب کی تردید کیجیے کہ رَبِّیْٓ اَعْلَمُ میرا رب تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے۔

ف سعدی المفتی نے فرمایا کہ اَعْلَمُ اقوی علما و ازید فی الکیفیۃ یعنی میرا رب تعالےٰ علم میں قوی تر اور کیفیت میں زائد تر ہے یہ اس لیے کہ یقین کے مراتب کے متفاوت ہیں یاد رہے کہ یہ تفضیل ان اہل کتاب کی وجہ سے نہیں اس لیے کہ انھیں باری تعالیٰ کے علم میں شرکت کیسی بلکہ اس سے فضیلت مطلقہ مراد ہے بِعِدَّتِہِمْ ان کی تعداد کو مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ انھیں بہت تھوڑے لوگ جانتے ہیں وہ بھی جنھیں اللہ تعالےٰ کی توفیق نصیب ہو جیسا کہ شواہد بتاتے ہیں۔

ف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آخری قول میں واؤ واقع ہوئی اور اس کے بعد گنتی کرنے والوں کا ذکر بھی نہیں اس سے واضح ہوا کہ ان کی تعداد یہی صحیح ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اسی پر جزم اور یقین ہے اور فرمایا کہ بفضلِ تعالےٰ میں بھی انہیں قلیل سے ہوں جنہیں ما یعلمھم الا قلیل میں بیان فرمایا

ف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سات حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱ یملیخا

۲ مکشلینیا

۳ مشلینیا یہ تین حضرات بادشاہ کے دائیں جانب بیٹھے تھے اور اس کی بائیں جانب یہ حضرات ہوتے تھے۔

۴ مرنوش

۵ دبرنوش

۶ شاذنوش۔ بادشاہ ان چھ حضرات سے اپنے خصوصی مشورے لیتا تھا اور ساتواں وہی چرواہا تھا جو فرار ہوئے ان کے ساتھ ہوا تھا اس کا نام کفشطیوش تھا کاشفی نے لکھا کہ اس کا صحیح نام مرطوش تھا۔

اصحابِ کہف کے اسماءِ گرامی کے برکات و خواص نیشاپوری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب کہف کے اسماء گرامی سے طلب و ہرب کے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔

۱ ان کے اسماء گرامی کو ایک کپڑے پر لکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو آگ بجھ جاتی ہے

۲ یہ اسماء لکھ کر بچے کے سرہانے رکھے جائیں تو بچہ نہیں روئے گا

۳ ان اسماء کو لکھ کر ایک لکڑی پر لٹکا دیا جائے اور کھیتی کے درمیان میں کھڑا کر دیا جائے تو کھیتی نقصان سے محفوظ رہے گی۔

۴ زخموں

۵ تیسرے دن کے بخار

۶ دردِ سر

۷ دولتمندی

۸ جاہ ومرتبہ

۹ بادشاہوں اور حکمرانوں کے ہاں جانے کے لیے سیدھی ران پر باندھا جائے

۱۰ ولادت کی آسانی کے لیے ان اسماء کو لکھ کر بائیں ران پر باندھا جائے

۱۱ مال کی حفاظت

۱۲ دریائی سفر

۱۳ قتل کی نجات کے لیے لکھ کر اپنے پاس رکھا جائے

فَلَا تُمَارِ المماراۃ سے ہے بمعنے جنگ کرنا ماقبل کے معاملہ سے نہی کی تصریح کے لیے فاء لائی گئی ہے یعنی جب تمھیں یہود و انصاری کا جہل معلوم ہوا تو جھگڑا نہ کیجیے فِيهِمْ اصحابِ کہف کے متعلق إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ہاں ظاہری طور معمولی جھگڑا جائز ہے اس میں غور وفکر کی اجازت نہیں یعنی انھیں صرف اتنا بیان کیجیے جتنا قرآن مجید میں ہے اس سے بڑھ کر بلا تصریح اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی بات نہ بتائیے اس لیے من گھڑت باتیں بتانا مکارم اخلاق کے منافی ہیں وَلَا تَسْتَفْتِ اور فتویٰ مت پوچھیے یعنی سوال نہ کیجیے فِيهِمْ ان کے بارے میں مِّنْهُمْ ان سے یعنی غور وفکر کرنے والوں سے أَحَدًا ۝ کسی ایک سے اس اس ارادہ پر کہ وہ ان کے متعلق کوئی حالات بتائے گا اور وہ بتائے گا کیسے جب انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا

ابدال کا آغاز کاشفی نے لکھا کہ اصحاب کہف کے بارے میں بہت بڑا اختلاف ہے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ابدال کے وجود کا آغاز انہی حضرات سے ہوا اور ابدال سات ہوتے ہیں ہفت اقلیم انہی کے دم قدم سے قائم ہیں دراصل کہف اولیاء کے خلوت خانہ کو کہا جاتا ہے اور کلب سے ان کا نفس حیوانیہ مراد ہے

اولیا کے اقسام خضر علیہ السلام سے مروی ہے کہ عالم دنیا میں ہر زمانہ میں سات سو اولیاء کا نام ہے اور ستر نجباء اور چالیس اوتاد الارض ہوتے ہیں اور دس نقباء اور سات عرفاء اور تین مختار اور ایک غوث ہوتا ہے وہ ان مراتب کو کثرت صوم وصلوٰۃ اور خشوع وخضوع اور اچھے لباس سے نہیں پاتے انھیں ایسے مراتب اتفاق حسن نیت اور سینہ کی صفائی اور جمیع اہل اسلام کے ساتھ شفقت ورحمت کی وجہ سے حاصل ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ برگزیدہ اور اپنی ذات کے لیے مخصوص فرمایا ہے وہ نہ کسی کو گالی دیتے ہیں اور نہ کسی کو لعنتی کہتے ہیں اور نہ ہی اپنے ماتحت کو ایذاء دیتے ہیں اور نہ کسی کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے سے بڑے مرتبہ سے حسد کرتے ہیں لوگوں کو اچھی

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ
اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل
ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى
یہ کردوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے اور یوں کہہ کہ قریب
اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾
ہے میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر راستی کی راہ دکھائے

۳۴۳ بقیہ صفحہ گذشتہ

خوشخبریاں سناتے اور طبیعت کے لحاظ سے نرم تر ہوتے اور بہت زیادہ سخت نہیں۔ (کذا فی روض الریاحین امام الیافعی رحمۃ اللہ علیہ)

تفسیر صوفیانہ بعض بزرگوں نے اس حصے میں روح قلب اور عقل فطری اور معیشت روحانی اور قوت قدس اور سر وخفی مراد لیے ہیں اور کہف سے بدن اور دقیانوس سے نفس امارہ مراد ہے

کند مرد را نفس اماره خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار
مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر است

ترجمہ نفس امارہ انسان کو خوار کرتا ہے اگر تو دانا ہے تو اس سے پیار نہ کر نفس شہوت پرست کی اطاعت نہ کر اس لیے کہ ہر گھڑی اس کا نیا قبلہ ہوتا ہے

تفسیر عالمانہ وَلَا تَقُولَنَّ یہ نہی تادیبی ہے لِشَایْءٍ اور نہ کہو ایسی شے جس کے متعلق پختہ ارادہ ہو۔ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ بے شک وہی شے ضرور عمل میں لاؤں گا غَدًا کل آئندہ۔ الغدا ہر اس گھڑی کو کہا جاتا ہے جو آنے والی ہو اسی معنی پر کل آنے والا دن تو لازماً اس میں داخل ہوگا

شان نزول یہودیوں نے قریشیوں کو کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو چنانچہ قریش نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کل آنا بتا دوں گا آپ نے اس وقت انشاء اللہ نہ کہا

سوال شرع میں انشاء اللہ کو استثناء سے کیوں تعبیر کرتے ہیں!

جواب اسے استثناء سے مشابہت ہے کہ جس طرح استثناء سے کسی چیز کی تخصیص کی جاتی ہے اسی طرح انشاء اللہ سے تخصیص کی جاتی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انشاء اللہ نہ کہنے پر چند روز وحی کا نزول نہ ہوا آپ پر وحی کے نزول کی تاخیر شاق گذری یعنی آپ کا قلب اطہر حزیں ملول ہوا اسی غم میں ایک دفعہ تشریف فرما تھے قریش نے آپ کی تکذیب

کی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ، اس کا رب چھوڑ گیا اور اس سے اس کا خدا ناراض ہو گیا۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے یہ لا تقولن کی نہی سے استثناء مفرغ ہے یعنی کوئی شے کسی حال میں نہ کہو مگر اس حال میں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ملابس ہو مثلاً کہا جائے ان شاء اللہ تعالےٰ،

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ اختیار اور مشیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے بندوں کے تمام افعال اللہ تعالےٰ کی مشیت پر مبنی ہیں کما قال تعالےٰ

وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ اور تمھاری کوئی مشیت نہیں مگر وہ جو اللہ تعالےٰ کی مشیت ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اور اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرو یعنی انشاء اللہ کہا کرو اِذَا نَسِيْتَ جب تم بھول جاؤ پھر بھولی ہوئی بات یاد آجائے گی

حدیث شریف مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا انشاء اللہ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا اور فرمائیے قریب ہے میرا رب تعالےٰ مجھے توفیق بخشے اس چیز کے لیے جو اس اصحاب کہف کی خبر سے ہدایت کے لحاظ سے زیادہ قریب ہو یعنی ایسے دلائل اور آیات مجھے نصیب ہوں جو میری نبوت پر دلالت کریں رَشَدًا یعنی ایسے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور ایسی رہبری جو انہیں راہ راست عطا فرمائے

ف اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب کہف سے افضل و اعلیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کے واقعات بھی بتائے وہ انبیاء علیہم السلام اصحاب کہف سے پہلے گزرے ان کے ساتھ قیامت تک آنے والے واقعات کا بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عطا فرمایا۔

ف سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر اصحاب کہف کے واقعہ کو دلیل بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اصحاب کہف کا واقعہ آسان فرمایا۔ کما قال،

قل عسیٰ الآیۃ ایسے ہی آپ پر حکایت کردہ بیان بھی آسان فرمایا چنانچہ سورۃ کے آغاز میں فرمایا ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم الآیۃ

ف سمرقندی نے بحر العلوم میں فرمایا اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ جب تم کوئی شے بھول جاؤ تو تم اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرو اور اپنے رب تعالیٰ کے یاد کرنے کا معنےٰ یہ ہے کہ بولتے وقت کہے عسیٰ ربی ان یھدین یعنی میرا رب تعالیٰ مجھے ایسی شے کی ہدایت بخشے جو اس بھولی ہوئی سے بہتر اور ہدایت کے لحاظ سے قریب تر اور منفعت و خیر کے اعتبار سے بہتر ہو۔

نکتہ ہر کام سے پہلے انشاء اللہ وغیرہ ضرور کہہ لے اس لیے کہ بسا اوقات انسان کہتا ہے کہ میں کل فلاں کام کروں گا ممکن ہے کہ وہ اس وقت سے پہلے فوت ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ بچ جائے لیکن کوئی ایسا امر مانع ہو جائے جس سے وہ عمل نہ کر سکے اگر انشاء اللہ نہ کہا ہو گا تو اس امر نہ کرنے سے جھوٹا ثابت ہو گا اور جھوٹ نفرت کا سبب ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو کذاب جیسی قباحت لائق نہیں اسی لیے فعل سے پہلے انشاء اللہ کہنا چاہیے تاکہ وہ فعل اس سے نہ بھی ہو سکے۔

تو وہ اپنے کیے ہوئے قول سے جھوٹا ثابت نہ ہوا اور نہ ہی وہ نفرت کا موجب بنے گا۔

واقعہ سیلمان علیہ السلام

ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیلمان علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میں اپنی ایک سو زوجہ سے وطی کروں گا اور ان میں ہر ایک سے ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور ان کا ہر لڑکا مجاہد فی سبیل ہوگا اس وقت حضرت سیلمان علیہ السلام کی کسی عورت کو کوئی بچہ پیدا نہ ہوا سوائے ایک بچّہ کے اور وہ بھی ایسا کہ جس کا ایک حصہ کٹا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سیلمان علیہ السلام انشاءاللّٰہ فرماتے تو ان کی تمام عورتوں سے بچے پیدا ہوتے۔

ف جو شخص اپنا کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ ہر وہ فعل جو اس کی مشیت سے معلق نہ ہو تو وہ فعل لا محالہ خلاف کرتا ہے تاکہ بندوں کو یقین ہو کہ کوئی فعل بھی مشیت الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا

حدیث شریف مومن کے کمال ایمان کی علامت ہے کہ جب وہ اپنے ہر عمل سے پہلے انشاءاللہ کہے۔

مسئلہ اس عمل کو بیک وقت زبان سے تعلق ہو یا قلب سے یا صرف قلب ہی سے اس لیے کہ زبان سے انشاءاللہ کہنا غیر مفید ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

ترک استثناء مرادم قسوتیست
نے ہمیں گفتن کہ عارض حالتیست
اے بسا ناوردہ استثناء بگفت
جان او با جان استثناست جفت

روضۃ الخطیب کے لطائف میں ایک لطیفہ مذکور ہے کہ ایک شخص گدھا خرید نے جا رہا تھا اس سے کسی نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو اس نے جواب دیا منڈی سے ایک گدھا خریدنے جا رہا ہوں اسے کسی نیک مرد نے کہا کہ "انشاءاللہ" کہہ لو برکت ہوگی اس نے کہا انشاءاللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے نقد رقم میرے پاس ہے اور گدھا منڈی میں موجود ہے جاتے ہی خرید لوں گا یہ کہہ کر چلا ابھی منڈی میں پہنچا نہیں کہ جیب تراش نے اس کے پیسے اڑا لیے۔ مایوس ہو کر واپس لوٹا تو وہی بزرگ کھڑے تھے پوچھا جناب خالی ہاتھ واپس کیوں لوٹ رہے ہو اس نے کہا گدھا منڈی میں پہنچا انشاءاللہ تو میرے پیسے چرا لئے گئے انشاءاللہ۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے دیر سے بھی انشاءاللہ کہنے پر جواز کا فتویٰ دیتے ہیں بخلاف دوسرے فقہاء کے وہ متصلاً کہنے کے قائل ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول صحیح مان لیا جائے تو کوئی شخص پہلے کسی کے لیے اقرار کرکے دیر کے بعد انشاءاللہ کہے اسی طرح طلاق دے کر پھر دیر سے کہے انشاءاللہ اسی طرح آزاد کرکے پھر دیر سے کہے انشاءاللہ اس طرح نہ

کا صدق معلوم ہو سکے گا نہ کذب اور امور مستقبلہ میں کوئی معاملہ میں صحیح نہ ہو سکے گا۔

سوال آیت قرآنی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تائید ہوتی ہے؟

جواب امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ گناہ سے خلاصی اور برأت کے تدارک میں تو استثناء منفصل جائز ہے لیکن وہ احکام جو استثناء سے متغیر ہوتے ہیں تو اس وقت استثناء (انشاء اللہ کہنا) متصلاً ضروری ہے

حکایت امام اعظم رض کے ایک حاسد کی

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ہے کہ محمد بن اسحاق صاحب یمنازی حضرت امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسد رکھتا تھا ایک دفعہ اس نے ابوجعفر المنصور (خلیفۂ وقت) کے سامنے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو قسم کھاکر خاموش ہو جائے پھر چند لمحات کے بعد کہے (انشاء اللہ) کیا ایسا شخص اپنی قسم سے بری سمجھا جائے گا آپ نے فرمایا نہیں اس لیے کہ اس نے انشاء اللہ دیر سے کہا ہے اگر متصلاً کہتا تو اپنی قسم سے بری الذمہ ہوتا۔ محمد بن اسحاق نے کہا آپ امیر المومنین (خلیفہ وقت یعنی منصور بادشاہ عباسی) کے دادا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی مخالفت فرما رہے ہیں کیونکہ ان کا فرمان ہے کہ اگرچہ ایک سال کے بعد بھی انشاء اللہ کہے تب بھی قسم سے بری الذمہ متصور ہوگا اور ان کی دلیل قرآن مجید میں ہے **واذکر ربك اذا نسيت** اس سے محمد بن اسحاق کا منصور خلیفہ کو امام اعظم رضی اللہ عنہ پر ناراض کرنا مقصود تھا چنانچہ منصور خلیفہ عباسی نے محمد بن اسحاق کی بات سن کر محمد بن اسحاق سے پوچھا کہ میرے دادا کا وہی مذہب ہے جو تم نے بیان کیا اس نے کہا بخدا وہی ان کا مذہب ہے جو میں نے بیان کیا اس پر خلیفہ منصور بادشاہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غضب ناک ہو کر سوال کیا کہ آپ میرے دادا کے مذہب کے خلاف کیوں فرماتے ہیں حالانکہ ان کے مذہب کا استدلال قرآنی آیت سے ہے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت قرآنی کا مفہوم تو اپنی جگہ پر صحیح ہے اور آپ کے دادا کے مذہب کا مرتبہ اپنے مرتبہ پر حق ہے لیکن مجھے افسوس کہ یہی محمد بن اسحاق اور اس کے اور ساتھی آپ کو خلافت کا اہل ہی نہیں سمجھتے اس لیے کہ آپ کی بیعت کر کے جب باہر جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انشاء اللہ اس طرح سے وہ تیری بیعت سے نکل جاتے ہیں کیونکہ ان کے لیے آپ کی بیعت کا حق رہتا ہی نہیں جب انہوں نے انشاء اللہ کہہ دیا خلیفہ منصور نے اپنے خدام کو فرمایا پکڑو محمد بن اسحاق کو چنانچہ محمد ابن اسحاق کی گردن میں چادر ڈال کر گرفتار کر لیا گیا بادشاہ نے فرمایا کہ اسے جیل میں ڈال دو چنانچہ عرصہ دراز تک جیل میں رہا ؎

ملزم آمد محمد اسحاق
مبتلا شد بنقیض اطلاق

ترجمہ محمد بن اسحاق ملزم ٹھہرا اور نقیض اطلاق یعنی قید میں مبتلا کیا گیا

ف اس واقعہ سے امام اعظم امام الملۃ رضی اللہ عنہ کی عظمت واضح ہوئی کہ آپ نے ملت حقہ کے مطابق حق بات کہی۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ
اور وہ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے نو
سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
اوپر تم فرماؤ اللہ خوب جانتا ہے وہ جتنا ٹھہرے اسی کے لیے ہیں آسمانوں
أَبْصِرْ بِهٖ وَأَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهٖ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖ أَحَدًا ﴿۲۶﴾
اور زمینوں کے سب غیب وہ کیا ہی دیکھتا اور کیا ہی سنتا ہے اُس کے سوا ان کا کوئی والی نہیں اور وہ اپنے حکم میں

تفسیر عالمانہ

وَلَبِثُوا یہ وضربنا علی اذانھم فی الکھف سنین عددا کے اجمال کی تفصیل ہے۔
فِي كَهْفِهِمْ اور وہ اصحاب کہف اپنی غار میں زندہ اور خواب میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔
ترکیب (ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ) سنین ثلث مِائَۃ کا عطف بیان ہے یہ اس کی تمیز نہیں ورنہ کم از کم ان کے ٹھہرنے کی مدت چھ سو سال ہونی لازمی ہے کیونکہ اس کے نزدیک جمع میں کم از کم دو کا ہونا ضروری ہے یہ خلیل کا مذہب ہے اور جمہور کے نزدیک کم از کم جمع میں تین کا ہونا چاہیے اس معنے پر اصحاب کہف کا غار میں کم از کم نو سو سال ٹھہرنا لازم ہے یہی وجہ ہے کہ جنہوں نے سنین کو عطف بیان مانا ہے تو ان کے نزدیک مأۃ کو منون پڑھنا واجب کہا ہے اور ایک قرأت میں مأۃ کو مضاف اور سنین کو مضاف الیہ پڑھنا کہا ہے۔

سوال مأۃ کا مضاف الیہ بھی اس کی تمیز ہوتا ہے اور مأۃ کی ضمیر مفرد آتی ہے نہ جمع؟

جواب ہم مانتے ہیں کہ مأۃ کی ضمیر مفرد آتی ہے لیکن کبھی مفرد جمع کے قائم مقام واقع ہوتی ہے اس لیے کہ مأۃ کی تمیز اگرچہ لفظاً مفرد ہوتی ہے لیکن معنے وہ بھی جمع ہوتی ہے مثلاً ثلثمأۃ درھم میں اگرچہ درہم لفظاً مفرد ہے لیکن معنے جمع ہے یہی وجہ ہے الاخسرین اعمالاً کی تمیز جمع قرآن مجید میں واقع ہے اور قرآن پاک سے بلیغ ترین اور کون سا کلام ہو سکتا ہے حالانکہ تمیز کو مفرد ہونا چاہیئے تھا اور یہ جواز صرف اسی لیے ہے کہ اس کے ممیز کی رعایت کی گئی ہے کہ وہ صیغہ جمع الاخسرین ہے تو اس کی تمیز بھی جمع اعمالاً ہونا چاہیے

وَازْدَادُوا تِسْعًا سے یہاں نو سو سال مراد ہیں اس میں اشارہ ہے کہ پہلا اہل کتاب کے اعتقاد کے مطابق تھا اس لیے کہ وہ اپنی گنتی شمسی سال کے موافق رکھتے ہیں اور چونکہ اہل عرب کا حساب قمری سال پر چلتا ہے اور قمری سال کے حساب سے نو سال کا اضافہ ضروری تھا اسی لیے وَازْدَادُوا تسعا فرمایا اور قمری سال میں اضافہ ضروری ہے اس لیے کہ ہر شمسی سالوں پر ایک صدی کے بعد تین سال قمری زائد بنتے ہیں اس معنے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَازْدَادُوا تسعاء اور تسعا ازدادوا کا مفعول بہ ہے

ف سال شمسی سورج کے برج سے نکل کر اسی برج میں پہنچنے پر مکمل ہوتا ہے وہ تین سو پینسٹھ دن کا ہوتا ہے اور سال

قمری بارہ ماہ کو کہتے ہیں اور اس کے تین سو پچپن اور تہائی یوم ہوتے ہیں

ف کاشفی نے کہا کہ شمسی کے پورے تین سو اور قمری کے تین سو دو ماہ اور انیس دن بنتے ہیں

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا بغوی نے فرمایا کہ اصحاب کہف کا غار میں ٹھہرنا اتنی مدت تک تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اگر کوئی ان کے متعلق جھگڑا کرے تو اسے کہو، اللہ ہی جانتا ہے اس مدت کو جتنا قدر وہ حضرات غار میں ٹھہرے اس لیے کہ مخفی امور کا جاننا اللہ تعالیٰ سے خاص ہے[1] اسی لیے فرمایا لَهٗ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ غیب جو اہلِ ارض سے زمینوں آسمانوں میں پوشیدہ ہے اَبْصِرْ بِهٖ کیا ہی جاننے والا ہے ہر موجود کو وَاَسْمِعْ اور ہر مسموع کو کیا ہی سننے والا ہے۔

ترکیب شیخ نے تفسیر میں لکھا کہ بہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور وہ محلاً مرفوع اور وہ فعل تعجب کا فاعل ہے اس کی با زائد ہے اور دونوں فعلوں کا ہمزہ صیرورۃ کا ہے دراصل یہ عبارت بصرہ اللہ وسمع تھی پھر انہیں صیغہ امر کی طرف لایا گیا اور یہ امر کا صیغہ بھی نہیں اس لیے کہ یہاں امر کا معنیٰ بن بھی نہیں سکتا اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ کیا ہی ہر موجود کو دیکھتا اور کیا ہی ہر مسموع کو سنتا ہے

مسئلہ یہاں تعجب کا معنیٰ بھی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تعجب محال ہے بلکہ اس میں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بالمبصرات والمسموعات مدرکین کے ادراک سے باہر ہے اس کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی اسے کوئی شے حائل ہو سکتی ہے اس کے آگے لطیف و کثیف اور صغیر و کبیر اور خفی و جلی برابر ہیں۔

ف فار کی تقدیم صرف اس لیے کہ انہی امور کو مسموعی امور کی بہ نسبت آسانی سے سمجھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ ہر موجود کے ساتھ بصیر اور ہر مسموع کے ساتھ سمیع ہے وہی ہر موجود میں بصیر اور ہر شے کا البصر ہے شیخ قیصری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سمع سے مراد اس کی وہ تجلی ہے جو علم سے متجلی ہو کر مقام جمع الجمع سے کلام ذاتی کی حقیقت سے اور مقام الجمع اور تفصیل میں ظاہراً باطناً کلام اعیانی کی حقیقت سے نہ بطریق شہود متعلق ہوئی اور بصر سے اس کی تجلی اور اس کے علم کا وہ تعلق مراد ہے جو علی طریق شہود حقائق سے متعلق ہوا اور کلام سے وہ تجلی مراد ہے جو اظہار و ایجاد ما فی الغیب کے لیے ارادہ قدرت کے تعلق سے حاصل ہوئی چنانچہ فرمایا وانما امرہ اذا اراد شیئاً الآیۃ۔

تفسیر عالمانہ مَا لَهُمْ یعنی اہل سمٰوات والارض کے لیے نہیں مِنْ دُوْنِهٖ اللہ کے ماسوا مِنْ وَّلِيٍّ کوئی حاکم جو ان کے جملہ امور کا متولی ہو اور مستقل بالذات ان کی مدد کرے۔

ترکیب اس آیت کا پہلا لفظ من ولی کے متعلق ہے اور دوسرا استغراق کے لیے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کا کوئی بھی کسی طرح کا

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام علوم غیبیہ جاننے کے بعد مامور من اللہ ہوتے ہیں کہ وہ غیروں کو یہی جواب دیں لیکن وہابیہ دیوبندیہ نے اس راز کو نہ سمجھتے ہوئے نبی کریم علیہ السلام پر لاعلمی کی تہمت لگا دی۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

مدد گار نہیں ۔

وَلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا اور اللہ تعالیٰ موجودات علویہ وسفلیہ میں کسی ایک کو بھی اپنے حکم یعنی قضا ازلی میں ہمیشہ تک اپنی ذات عالی کا شریک نہیں کرتا اس لیے کہ اس کی عزت کسی کی محتاج نہیں اور نہ ہی وہ اپنے غناؤ ذاتی میں کسی کی ضرورت رکھتا ہے ۔

ف امام نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدّت بتائی ہے اب کسی کے لائق نہیں کہ اس کے برعکس کلام کرے

تفسیر صوفیانہ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ یہ امور مدبرہ جو آسمان وزمین کے درمیان نازل ہو کر رات اور دن میں فی الواقع حادث اور جاری اور مظاہر کے ہاتھوں ظاہر ہوتے ہیں ان کے اسباب خارج میں ہیں یہ اتنا پختہ اور مضبوط ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں نہ کوئی تبدیل کر سکتا ہے اور نہ یہ تغیر پذیر ہیں اس لیے کہ یہ وہ مقادیر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مقدر و مدبر فرما کر ایسا مضبوط بنایا کہ کس کو طاقت نہیں کہ اس کے مثبت امر کو محو اور اس کے محو شدہ امر کو مثبت کر سکے کما قال تعالیٰ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت اس کے ماسوا کو سوائے رضاء و تسلیم کے کوئی چارۂ کار نہیں کیونکہ اس کی قضاء قدر میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ۔

حدیث قدسی میں نے جملہ مقادیر کو مقدر اور جملہ امور کو مدبر فرمایا اور میں نے اپنی جملہ مصنوعات کو محکم اور مضبوط فرمایا جو اس سے راضی ہے تو اسے میری رضا نصیب ہوگی یہاں تک کہ اسے میرا دیدار نصیب ہو اور اس سے راضی نہیں تو اسے میرا غضب نصیب ہو یہاں تک کہ قیامت میں میرے ہاں حاضر ہو

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ع

رضا بداده بده وز جبین گره بکشای
که بر من و تو درِ اختیار نکشاداست

ترجمہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پر راضی ہو اس سے چین بجبیں بھی نہ ہونا اس لیے کہ اس نے ہم پر اختیار کا دروازہ نہیں کھولا ۔

نیز فرمایا ؎

در دائرهٔ قسمت با نقطهٔ تسلیم
لطف آنچه تو اندیشی حکم آنچه تو فرمائی

ترجمہ تیری تقسیم ازل سے ہم تسلیم خم کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا وہ ہمارے لیے لطف ہے حکم تیرا ہی تو جس طرح چاہے

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے حکم و قضا پر اعتراض نہ کرے بلکہ اس کے ہر حکم پر راضی برضا ہو کر سر

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور تلاوت کرو جو تمہارے رب کی کتاب تمہیں وحی ہوئی اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور ہرگز تم اس کے سوا پناہ نہ پاؤ گے

بقیہ صفحہ ۳۴۸

تسلیم خم کرے اس کی تقدیر کے سامنے تدبیر کیسی

الہامی کلام کسی بزرگ نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے اپنے نفس کے غم میں مبتلا ہونے والا تو کون لگتا ہے ایسے فکر کرنے والا تجھے چاہیے کہ تو اپنے جملہ امور میری طرف سپرد کر دے اور اپنی تمام تدبیریں خاک میں ملا دے بلکہ ہماری ہر تدبیر کے سامنے سر جھکا دے اس میں کسی قسم کا معارضہ نہ کرے تو ہر طرح سے راحت و فرحت پائے گا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے اس طرح بنائے آمین۔

ف یہ مرتبہ بہت بڑا بلند قدر ہے اسے صرف افراد اولیاء حاصل کرتے ہیں جو اپنے سے نفس کے جھگڑے ختم کروا لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے ہر حالت میں تسلیم و رضا کی عادت بنائے رکھتے ہیں۔

سبق ایسے لوگ اگرچہ ناپید ہو گئے ہیں لیکن ہمیں ایسے مراتب حاصل کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے ممکن ہے ہمیں بھی ایسے مراتب نصیب یا ایسے کاملین کا دامن نصیب ہو جائے جن کی برکت سے ہمیں بھی رضائے الٰہی سے حصہ نصیب ہو جائے

تفسیر عالمانہ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے قرآن مجید کی تلاوت سے تقرب الٰہی اور اس کے مطابق عمل کرنا اور اس کے اسرار سے مطلع ہونا مطلوب ہے یعنی آپ اسی کتاب الٰہی کی تلاوت کیجیے جو آپ کو وحی کے ذریعے ملی کفار کے اس قول کو دھیان میں بھی نہ لائیے جو کہتے ہیں ائت بقرآن غیر ھذا او بدلہ یعنی اس کتاب کا کوئی غیر قرآن لائیے یا اسے تبدیل کیجیے

فرق مابین التلاوۃ والقراۃ قرآن مجید کو درست اصلہ اور لہجہ کے مطابق پڑھنے کو تلاوت اور قرأت اعم ہے اس لیے کہ قرأت جمع الحروف باللفظ کو کہا جاتا ہے اس میں اتباع ضروری نہیں۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ اس کو متبدیل اور متغیر کرنے پر کسی کو قدرت نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت کے عوض بدلتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آیت لا مبدل لکلمتہ عام مخصوص عنہ البعض ہے وَلَنْ تَجِدَ اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اگرچہ

عمر بھر تک جدوجہد کرو مِنْ دُوْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے سوا مُلْتَحَدًا ○ جائے پناہ یعنی ہر ایسا شخص جس کے ہاں مصائب و تکالیف کے نزول کے وقت پناہ لی جائے

ف شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اگر بفرض محال تم قرآن کی تبدیل و تغییر کا ارادہ کرو تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پاکر کوئی ایسی جائے پناہ نہیں پاؤگے جہاں پہنچ کر عذاب الٰہی سے بچ سکو

مسئلہ جیسے قرآن مجید کے الفاظ ہمیشہ ہمیشہ تک تغیر پذیر نہیں ایسے ہی ان کے احکام تبدیل نہیں ہوں گے لیکن افسوس ہے جدید روشنی (دورِ حاضرہ) کے ماڈرن مسلم پر جس نے انگریزوں کی بکواس کی تقلید میں کہا کہ قرآن اور اس کے احکام اور اس کا پیش کردہ نظام فرسودہ ہے حالانکہ قرآن کا اعلان ہے کہ اس کے احکام دائمی اور ہر زمانہ کے عین مطابق ہیں اس میں کسی دور میں نہ کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ اس لیے کہ قرآن مجید معانی سمیت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں محفوظ ہے نہ اس کے الفاظ میں تبدیلی آئی اور نہ آسکتی ہے اسی طرح معانی اور احکام کو سمجھئے لیکن اس کے حاملین (بعض مسلمان ماڈرن قسم) میں ضرور تبدیلی ہوئی ہے (جیسے ہمارے دور میں بہت سے بدقسمت اس کو فرسودہ نظام اور پرانی کتاب کہہ کر بعض صراحۃً اور بعض عملاً یعنی غیروں کے نظام کو ترجیح دے کر اس کے قواعد و ضوابط اور احکام سے منہ موڑ کر) اسی لیے قدرت نے قانون بنایا ہے کہ جب قرآن کے احکام اور اس کی تلاوت و قرأت وغیرہ سے بے پرواہی برتی جائے گی تو اسلام کے دعویٰ کے باوجود ان پر جہالت چھا جائے گی جیسے آج ہمارے دور کے مہذب انسانوں کا حال ہے کہ عوام کی نظروں میں پڑھا لکھا لیکن قرآن کی تعلیم سے ازسرتاپا جاہل۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

حکایت حضرت ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ایک پتھر سے گزر ہوا جس پر لکھا تھا کہ مجھے الٹ دے اس میں تیرا بھلا ہے میں نے اسے الٹا تو اس پر لکھا تھا کہ تم اپنے پڑھے ہوئے پر بھی عمل نہیں کرتے تو جس کا تمہیں علم نہیں اسے کیسے طلب کرتے ہو ؎

گر ہمہ علم عالمت باشد
بے عمل و مدعی و کذابی

ترجمہ اگرچہ جملہ علوم کے عالم بن جاؤ بے عمل ہو تو صرف علم کے مدعی کذاب ہو۔

جاہل صُوفیوں کا رَد مبتدع جاہل صوفیوں کا ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو الہامیہ کہتے ہیں وہ علم و عمل اور درس و تدریسِ علوم کو کچھ نہیں سمجھتے الٹا علم و قرآن کو حجاب اکبر کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے اشعار ہی قرآن ہیں اسی لیے قرآنی تعلیم کو چھوڑ کر اشعار پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں وہ خود بھی برباد ہوئے اور اپنے مقلدین کو بھی تباہ و برباد کرتے ہیں حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلاں ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ افسوس ہے کہ قرآن سننے سے تیرا جی گھبراتا ہے باطل لوگوں میں تو نے اپنا وقت گنوایا اس لیے کہ تجھے حق کے کلام سے ملال آتا ہے

یہی حال ہمارے دور کے تصوف کے بعض مدعیوں اور جاہل پیری مریدی کا دھندا کرنے والوں کا ہے کہ وہ علوم عربیہ اور قرآنی تعلیم سے خود بھی جاہل ہیں اور اپنے متعلقین اور مریدین کو علماء اسلام سے منحرف کرتے کراتے بلکہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور شرعی امور کو مولویت سے تعبیر کرتے ہیں (اویسی غفرلہ)

روحانی نسخے بیمار قلب کا زنگ اتارنے اور اسے تندرستی بخشنے والے پانچ نسخے یہ ہیں

۱ تدبر کے ساتھ قرآن کی قرأت

۲ باطن (پیٹ) کو خالی رکھنا

۳ قیام اللیل

۴ بوقت سحر تضرع الی اللہ

۵ نیک لوگوں کی صحبت جس نے ان امور سے شہوت نفسانی اور خواہش طبعی کے تحت روگردانی کی تو وہ مرض روحانی میں مبتلا رہے گا بلکہ ہلاکت وتباہی سے بچنے کے لیے اس کی کوئی جائے پناہ نہیں۔

سبق اے خدا تعالیٰ کے احکام کی توہین کرنے والو! ذرا سوچو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی تمہارا ماویٰ ملجا نہیں جب یہ کیفیت ہے تو پھر قرآنی تعلیم سے منہ موڑ کر لایعنی اشعار میں کیوں مشغول ہو رہے ہو بالخصوص ایسے اشعار جو شہوانی باتوں کو ابھارنے والے ہوں حالانکہ تیری روحانیت کی غذا قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ہاں بھیجا اور فرمایا کہ اس پر عمل کر اس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب مقربین بھی خوف الٰہی سے سر جھکائے ہوئے گھٹنوں کے بل چلیں گے شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

دراں روز کز فعل پرسند و قول
اولوالعزم راتن بلرزد زھول
بجائے کہ دہشت خورد انبیاء
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ اس دن کو فعل و قول کا سوال ہو گا اس وقت اولوالعزم پیغمبروں کو لرزہ ہو گا اس وقت انبیاء علیہم السلام بھی دہشت زدہ ہوں گے گناہوں کے لیے کوئی عذر بنا

سبق لازم ہے کہ اسی عالم دنیا میں کسی عالم دین سے قرآن مجید اور اس پر عمل کرنے کی کیفیت اور حقائق تک پہنچنے کے راستے سیکھ لیں اس لیے کہ قرآن مجید نسخہ الٰہیہ ہے اور یہ علوم اولیاء و انبیاء کا جامع ہے جو بھی کسی گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے نوجوان ہو یا بوڑھا اسے گھر کے دروازے سے داخل ہونا ضروری ہے چونکہ معرفت الٰہی کا

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ
اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی
وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
رضا چاہتے اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگار چاہو گے
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾
اور اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام

بقیہ صفحہ ۳۵۳

قرآن مجید دروازہ ہے اسی لیے یہ ہر انسان کو سیکھنا لازمی ہے

مسئلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کہ جو شخص قرآن مجید کو نماز میں کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اسے ایک لفظ کے عوض سو نیکی اور اگر نماز میں بیٹھ کر پڑھتا ہے تو اسے پچاس نیکی اور اگر نماز سے باہر باوضو ہو کر پڑھتا ہے تو اسے پچیس نیکیوں جو بے وضو ہو کر پڑھتا ہے تو اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

تلاوتِ قرآن مجید کا طریقہ افضل یہ ہے کہ قرآن مجید کو باوضو اور قبلہ رُو ہو کر پڑھے اور پالتی لگا اور سہارا لگا کر لیکن متکبرین کی طرح بیٹھ کر نہ پڑھے بلکہ ایسے بیٹھے جیسے کسی معزز و محترم شخصیت کے سامنے بیٹھا جاتا ہے۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ قرآن مجید کو پڑھنے کی بجائے سننے میں زیادہ ثواب ہے

مسئلہ عجیبہ بعض لوگوں کی عجیب عادت ہے کہ بعض مساجد و جامع میں نماز کے بعد آیۃ الکرسی آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں یہ اچھا نہیں کرتے اس لیے کہ ان میں بعض ان پڑھ ہوتے ہیں انہیں آیۃ الکرسی پڑھنے کے بجائے سننے کا ثواب تو مل جاتا ہے اگر کوئی ان میں اسے جہر سے پڑھتا مؤذنین پر لازم ہے کہ وہ نماز با جماعت کے بعد آیۃ الکرسی جہر سے پڑھیں تاکہ سننے والے زائد ثواب سے بہرہ ور ہوں صاحبِ انصاف میری اس تجویز سے اتفاق کرے گا البتہ غلط کار شخص بجائے اس تجویز سے اتفاق کے مذاق اڑائے گا

اویسی غفرلہٗ صاحبِ روح البیان کی تجویز نہ صرف موزوں بلکہ احسن ہے کہ اس طرح تمام نمازی بہت بڑے ثواب سے بہرہ ور ہوں گے لیکن مناع للخیر ٹولے اسے رائج نہیں ہونے دیں گے بلکہ حسبِ عادت عوام کو ڈرا دھمکا کر بدعت کے فتویٰ سے نوازیں گے۔ میرا خیال ہے کہ اسے صرف امام صاحب پڑھیں باقی خاموش رہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اور اپنے آپ کو مضبوط رکھیے اور دوستی پر ثابت رہیے مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب تعالیٰ کو صبح و شام الغداۃ دن کے پہلے حصہ کو اور العشی دن کے آخری حصہ کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں ہر دونوں سے دوام مراد ہے یعنی وہ لوگ ہر وقت اپنے رب سے دُعا میں مصروف رہتے ہیں یا الغداۃ توفیق و تیسیر اور العشی سے عفوِ تقصیر کی طلب مراد ہے

شانِ نزول کفار کے لیڈروں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپ کے ہاں اس وقت تک حاضر نہیں ہوں گے جب تک آپ صہیب عمار خباب رضی اللہ عنہم جیسوں کو اپنے سے نہ ہٹائیں اس لیے کہ ہمیں ان کے کپڑوں سے بھیڑوں کی سی بدبو آتی ہے اور ہم ان سے ایذا پاتے ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو بہت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے ہمیں آپ کے اسلام سے یہی لوگ رکاوٹ کا سبب ہیں اس لیے کہ یہ لوگ رذیل ترین ہیں اور ہم رذیلوں کے ساتھ نہیں گذار سکتے ہیں یاد رہے کہ ایسے ہی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے کافروں نے کہا۔ کما قال تعالیٰ۔ انؤمن لك واتبعك الارذلون کیا ہم ایمان لائیں حالانکہ آپ کے تابعدار رذیل ترین لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہ بخشی کہ فقراء آپ سے دور ہوں اگرچہ سارے کفار مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں

سوال اہم کو چھوڑ کر ایک معمولی امر کو کیوں ترجیح دی گئی اس لیے کہ فقراء کو ہٹا دینے سے زیادہ سے زیادہ غمگین ہو جاتے تو کیا ہوا اس سے بہت بڑے کفار مسلمان ہو جاتے اور ان کا مسلمان نہ ہونا اسلام کا ایک عظیم نقصان ہے۔

جواب غریب مسلمانوں کو ہٹا کر کافروں کو مجلس نبوی میں بٹھانا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے کہ ان کا ایمان خالص نہیں تھا بلکہ وہ منافقت سے داخل اسلام ہوتے اور منافقت کی قباحت اسلام کے لیے ضررِ عظیم تھا اسی لیے ان کے اسلام کو وقعت نہیں دی گئی (کذا فی تفسیر الامام)

نکتہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقراء مسلمانوں کا ایمان یقینی اور کفار کا ایمان موہومی تھا ایک ظنی امر کو یقینی معاملہ پر ترجیح دینا شانِ نبوت کے خلاف تھا اس لیے کہ اس میں گناہ کا بھی شائبہ تھا اور نبوت ایسے شائبوں سے بھی منزہ اور پاک ہے علاوہ ازیں فقراء کو ہٹا کر امیروں کو ترجیح دینا بادشاہوں کا شیوہ ہے اور یہ ظاہری ٹھاٹھ قسم کے لوگوں کا کام ہے اور بزرگوں کا یہ شیوہ نہیں بلکہ وہ ایسے طریقوں سے پناہ مانگتے ہیں اس لیے کہ ان کی نگاہ بواطن و اسرار قلبی پر ہوتی ہے

يُرِيْدُوْنَ وہ فقراء اپنی دعا میں ارادہ رکھتے ہیں وَجْهَهٗ اللہ تعالیٰ کی ذات کا یہ یدعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی دُعا سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں ان کا اس کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں دنیا کے اغراض تو انھیں ہیں نہیں۔

ف اس معنے پر مجازاً وجہٗ بمعنے رضائے الٰہی ہے اس کی مناسبت یہی ہے کہ رضا و خوشنودی چہرے سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح ناراضگی بھی۔ (کذا فی الحواشی الحسینیہ علے التلویح)

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ اور ان سے اپنی نظر عنایت ہٹا کر دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہو یہ عدا الامر وعنہ بمعنے جاوز سے مشتق ہے (کذا فی القاموس) یعنی عدا کا فعل عَنْ کے بغیر اور عن کے ساتھ مستعمل ہو تو بمعنی جاوز کے ہوتا ہے اسی معنے پر عیناکؐ۔ لاتعد کا فاعل ہے اس سے آنکھوں والا خود مراد ہے۔

مسئلہ اس میں حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو امراء کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر فقراء کے پھٹے پرانے لباس کی وجہ سے تحقیر سے روکا گیا ہے

ف حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ آپ ان غرباء کے ساتھ گذاریں کہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تکالیف برداشت کیں اور محبوبانہ انداز سے زجر فرمائی تاکہ مزید تنبیہ ہو کہ وہ حضرات خصوصی مقام کے حامل ہیں کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں زندگی بسر کرتے ہیں فلہٰذا ان کی دوستی سے جدا نہیں ہونا چاہئے۔ اسی لیے ان کے لیے واجب ہے کہ ان سے لمحہ بھر بھی توجہ نہ ہٹائی جائے یہ ان حضرات کی فقر و فاقہ میں گزارنے کی دنیوی جزا ہے۔

تُرِيْدُ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیا ارادہ کر رہے ہیں زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حیوٰۃ دُنیا کی زینت کا آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپ کو دولت مندوں کی صحبت اور دوستی میسر ہو اور فقراء کی مجلس سے دُوری اور یہ عیناکؐ کے کاف سے حال ہے زینت کو حیوٰۃ الدنیا کی طرف مضاف کرنے میں اس کی تحقیر اور اس سے تنفیر مطلوب ہے

ف کاشفی نے لکھا کہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حیوٰۃ دنیا کی زینت سے کوئی نسبت نہیں اور نہ ہی آپ کو اس طرف توجہ تھی اب مطلب یہ ہوا کہ آپ ایسے عمل نہ کیجیے جو مائل بہ زینت دنیا ہوں اور ایسے عمل نہ کیجیے جو فقراء سے روگردانی کرنے والے اور اغنیاء سے وابستگی پیدا کرنے والے ہوں۔

ف زبدۃ التفاسیر میں ہے کہ صیغہ حال بمعنے مستقبل ہے اس سے حضور علیہ السلام کی ذات اقدس کا ارادہ زینت حیوٰۃ الدنیا مطلوب نہیں اس لیے کہ آپ نے تو دنیا اور اس کی زینت سے نہ صرف پورے طور احتراز فرمایا بلکہ اپنی اُمت کو دنیا اور اہل دنیا سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ کما قال تعالیٰ

لا تجالسوا الموتیٰ یعنی مُردگان کے ساتھ نہ بیٹھو (الموتیٰ سے اغنیاء و اہلِ دنیا مراد ہیں)

وَلَا تُطِعْ اور اپنی مجلس سے فقراء کو ہٹا کر اطاعت نہ کیجیے من اغفلنا قلبہ عَنْ ذِكْرِنَا ان کی جن کے دل کو ہم اپنے ذکر سے خالی کر دیا ہے

ف جو شے امور کی حقیقت کی واقفیت حاصل کرنے سے انسان کو روکے اسے عربی میں غفلۃ کہتے ہیں یعنی میں نے

اس کے قلب کو فطرۃ اولیٰ میں ذکر سے غافل اور توحید سے محروم رکھا جیسے قریش عرب کے لیڈروں کو دیکھ لیجیے ان کا یہی حال تھا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ عربی میں الھویٰ بمعنے نفس کی آرزو یہ ھ و ا ھ کا مصدر ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے محبت کرے اور اسے چاہے پھر ہر اس شئے کو کہا گیا جس سے محبت اور اس کی نفس کی خواہش ہو خواہ وہ شئے محمود ہو یا مذموم لیکن اس کا استعمال مذموم پر ہوتا ہے فلان اتبع ھوىٰه یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی مذمت کرنا مطلوب ہو اسی محاورہ سے ہے جو کہا جاتا ہے فلان من اهل الهوىٰ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو عملاً سنّتِ نبوی کے خلاف دوسری راہ اختیار کرے خلاصہ یہ کہ جو بندہ شریعت مطہرہ کے خلاف جو چاہے عمل کرے اور اس کی پیروی کرے جو اس کے نفس کی خواہش ہو اور اسی سے اس کا نفس لذّت پائے۔

نکتہ کبھی فعل کا اسناد بندے کی طرف ہوتا ہے اس معنے پر کہ اس فعل کا اقتران اسی بندے سے ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے اتبع ھواہ اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی ایجاد و تخلیق کی وجہ سے فعل کا اسناد ہوتا ہے اسی سے ہے اغفلنا۔

وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا قاموس میں ہے کہ الفرط بضمتين بمعنے الظلم والاعتداء والامر المجاوز فيه عن الحد یعنی ظلم و اعتداء اور وہ امر جو حد سے متجاوز کیا گیا ہو اسے عربی میں فرط سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس کا معاملہ حق و صواب سے متجاوز ہوا یعنی اس نے حق اور صواب کو پسِ پشت ڈال دیا فرس فرط بھی اسی محاورہ سے ہے یہ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیز رفتاری میں دوسرے گھوڑوں کو اپنے پیچھے چھوڑ جائے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان کا معاملہ یعنی نفس کی تابعداری ہلاکت اور خسارے کی موجب ہوئی آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کے قلوب ذکر الٰہی سے غافل ہونے اور حق باقی سے روگردانی اور باطل فانی میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان میں یہ استعداد پیدا ہوئی اور تنبیہ کی گئی ہے کہ انسانوں کا وقار اور اس کی بزرگی نفس کو نیک اخلاق سے سنوارنے اور قلب کے جلاء اور روشنی اور باطن و سرائر کو پاکیزہ رکھنے میں ہے نہ جسم کو زیب و زینت دینے اور اچھی صورت بنانے اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ سنوارنے میں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرّہ نے فرمایا ؎

قلندران حقیقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ قلندر اس شخص سے جو کے عوض بھی قبائے اطلس نہیں لیتے جو شخص ہنر سے خالی ہے

حضرت جامی قدس سرّہ نے فرمایا ؎

چہ غم منفعت صورت اہل معنے را
چوں جان ز روم بود گو تن از حبش مے باش

ترجمہ اہل معنے کو ظاہری شکل کی کمی کا کوئی غم نہیں ہوتا جب روح رومی یعنی اعلیٰ ہو تو شکل حبشی یعنی بدصورت ہو تو کیا حرج۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ تمھارے احوال اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے یعنی اگر تمہیں اعمال صالحہ اور قلوب صحیحہ نصیب ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو گے تمھاری صورتیں اور اموال بہتر ہوں یا نہ اگر اعمال صالحہ اور قلوب صحیحہ نصیب نہیں تو تمھاری اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقار نہیں صورتیں کیسی حسین کیوں نہ ہوں اور اگرچہ اموال کو بھی فراوانی ہو یہی ظاہر و باطن کے احکام ہیں

حکایت خلیل با جبریل علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عہدۂ خُلّتہ بخشا یعنی انہیں اپنا خلیل بنایا تو فرشتوں نے عرض کی یا اللہ! تو نے انھیں اپنا خلیل کیسے چن لیا حالانکہ وہ تو شب و روز اپنی زندگی آل و اولاد اور مال و اسباب اور گھریلو معاملات میں مشغول رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بندے میں مال و اسباب اور اس کی شکل و صورت کو نہیں دیکھتا بلکہ میری نظر ان کے قلوب اور اعمال پر ہوتی ہے اور میرے خلیل علیہ السلام کو میرے سوا کسی شئے کی طرف توجہ ہی نہیں آزما کر دیکھ لو حضرت جبریل علیہ السلام بشری بھیس بدل کر حضرت خلیل علیہ السلام کے بارہ پالتو کتے تھے جو آپ نے انہیں شکار اور حفاظت کے لیے رکھا ہوا تھا ہر ایک کتے کے گلے میں سونے کے طوق تھے اس سے بتانا مطلوب تھا کہ ان کی نگاہ میں دنیا کی کوئی وقعت نہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام : السلام وعلیکم
حضرت خلیل علیہ السلام : وعلیکم السلام
جبریل علیہ السلام : جناب یہ مال و اسباب کس کا ہے
خلیل علیہ السلام : اللہ کا مال ہے میرے ہاں چند روز کے لیے ملکیت بنایا گیا ہے
جبریل علیہ السلام : کیا آپ انھیں بیچیں گے
خلیل علیہ السلام : آپ میرے مالک کا ایک بار نام لیجیے تہائی مال آپ کو پیش کروں گا
جبریل علیہ السلام نے پڑھا، سبوح قدوس رب الملائکة والروح۔

خلیل علیہ السلام نے فرمایا اس کا تہائی مال آپ کے قبضہ میں میں نے دے دیا اگر آپ دوبارہ میرے آقا کا نام لیں تو تہائی مال اور لے لیں اسی طرح سہ بارہ لیں تو سالم مال آپ کا اگر چوتھی بار نام لیں گے تو اپنے آقا کے نام پر میں آپ کا غلام بے دام ہوں گا۔ جبریل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا میرے خلیل علیہ السلام کو کیسے پایا عرض کی یا اللہ واقعی وہ تیرا خلیل ہے جب جبریل علیہ السلام جانے لگے تو خلیل علیہ السلام نے اپنے نوکروں سے فرمایا کہ تمام مال و اسباب اسی جانے والے کے پیچھے لگا دو جبریل علیہ السلام نے عرض کی میں آپ کی آزمائش کے لیے حاضر ہوا تھا میں جبریل علیہ السلام

ہوں خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ اب اس مال سے کیا کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے بیچکر زمین جاگیر وغیرہ خرید کر اسے وقف کردیجیے چنانچہ ایسے ہی کیا گیا آج تک وہی اوقاف حضرت خلیل علیہ السلام کے مزار مبارک پر چل رہے ہیں اور فقراء مساکین خلیل علیہ السلام کے لنگر سے پل رہے ہیں

ذکر الٰہی کے اسباب ذکر الٰہی کی قدر و قیمت اللہ والوں کو معلوم ہے دیکھئے خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر تمام مال والباب قربان کردیا

سبق عشاق پر لازم ہے کہ وہ قادر قدیر کے ذکر میں کوشش کریں اس لیے کہ علام الغیوب کا ذکر قلوب کا صیقل ہے۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش

چہ سود اگرچہ کہ داری ہمیشہ آئینہ تار

بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدا

غبار شرک کہ ناپاک گرد داز زنگار

ترجمہ اگر تو اپنا چہرہ دیکھنے کے بہترین آئینے گھر میں رکھتا ہے تو کیا فائدہ تمہیں چاہیے کہ دل کے زنگ کو توحید کے صیقل سے صاف کرو۔

کلمہ لا الٰہ الا اللہ روحانی صیقل ہے اہل تحقیق نے فرمایا کہ جب کافر لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو اس کے دل سے کفر و شرک کا زنگ اتر کر اس کے اندر توحید کا نور چمکتا ہے اور جب مومن کلمۂ توحید کہتا ہے تو اس کے قلب سے نفس کی ظلمات مٹ کر نور واحدیت جگمگاتا ہے اگر اسے ہزار بار روزانہ پڑھے تو ہر دوسری بار میں پہلی بار کی نسبت والی چمک میں اضافہ ہوگا اس لیے کہ علم باللہ کی کوئی انتہا نہیں۔

حدیث شریف حلقۂ ذکر میں ایک لمحہ بیٹھنا ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے (کذا فی مجالس حضرت الہدائی)

حلقۂ ذکر کی فضیلت ؛ ذکر الٰہی خود حضور یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے بلکہ اسے مقام نور کا مشاہدہ کراتا ہے

حضرت عارف رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

آدمی دید ست باقی پوست است

دید آں دید کہ دیدی دوست است

ترجمہ آدمی صرف دید کا نام ہے باقی اس کا سب کچھ پوست ہے دید بھی وہ جو دوست کو دیکھے۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے نور جمال کو دیکھتے اور وہ جو تیرے شرف جمال سے مشرف ہوتے ہیں۔

وَقُلِ
مدے گزر گیا

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ
اور فرما دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے بے شک ہم نے ظالموں کے

نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ
لیے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی اور اگر پانی کے لیے فریاد کریں تو انکی فریاد رسی ہو گی اس پانی سے

بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾
کہ چرخ دیئے ہوئے دھات کی طرح ہے

تفسیر عالمانہ وَقُلِ اور آپ غافلوں اور خواہش نفسانی کے پرستاروں سے فرمائیں الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ حق تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ وہ جو تمہارے نفسوں کے تقاضے ہیں اس لیے تمہارے نفس کے تقاضے مبنی بر باطل ہیں یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو کچھ میری طرف سے وحی کے ذریعہ آیا ہے یہی حق ہے اور تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے جب حق اللہ تعالیٰ سے آیا ہے اب تمہارا نال مٹول کرنا بے سود ہے البتہ اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے تمہاری مرضی نجات چاہو یا تباہی اور بربادی

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خوشخبری اور ڈراؤنی خبریں اور ارباب سعادۃ کو سلوک کے راستوں کا اظہار اور اہل شقاوت کو مہالک سے احتراز کا بیان منجانب اللہ ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ اہل سعادۃ میں جو چاہے ایمان لائے وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اور اہل شقاوت سے جو چاہے کفر کرے

تفسیر عالمانہ الارشاد میں ہے کہ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ یعنی اہل ایمان کی طرح ایمان لانے میں کسی قسم کی حجت بازی نہ کرو وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اگر اہل کفر کی طرح حجت بازی کرو گے تو مجھے کوئی ضرورت نہیں چاہے کوئی ایمان لائے یا کفر کرے اے کافرو! میں تمہاری وجہ سے مخلصین مؤمنین کو اپنے سے دور نہیں ہٹا سکتا صرف اسی خیال پر کہ تم ایمان لاؤ جب کہ حق کے واضح اور اس کے جملہ امور ظاہر ہو چکے ہیں

ازالۂ وہم: آیت ہذا میں کفر و ایمان کا اختیار نہیں بلکہ تہدید اور وعید سنائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تمہارا ایمان نفع دیتا ہے اور نہ کفر نقصان پہنچاتا ہے ایمان لاؤ یا کفر کرو یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے لیکن یاد رکھو کہ اگر کفر کرو گے تو تمہیں سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہو گا اور اگر ایمان لاؤ تو تمہیں بڑا بہترین ثواب نصیب ہو گا۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ)

دلیلِ دیگر: آیت مذکورہ کا مضمون آیت ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر و ان تشکروا یرضہ لکم سے مؤید ہے یعنی اگر تم کفر کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان سے مستغنی ہے اور وہ اپنے

بندوں کے کفر سے راضی نہیں اگرچہ بعض بندوں کے کفر کے ساتھ اس کا ارادہ متعلق ہو چکا ہے لیکن رحمت کی وجہ سے۔ ان کے کفر سے راضی نہیں اس لیے کہ کفران کے لیے ضرر رساں ہے اور اگر شکر گزاری کے طور ایمان لاؤ تو وہ تمہارے ایسے شکر کو پسند کرتا ہے

بحرالعلوم کا بیان بحرالعلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر تم میں کوئی ایمان لانا چاہتا ہے تو اسے لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت اور ارادے کو حصول ایمان کے لیے صرف کرے اور ایمان کا معنٰے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے جملہ احکام کو دل سے مانے اور کفر کرنا چاہتا ہے تو بڑی خوشی سے کرے مجھے کسی کی پرواہ نہیں

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنے ایمان و کفر کا خود مختار ہے وہ جس طرح چاہے کرے اس لیے کہ بندے کا ارادہ اور اختیار ہر دونوں ایسے افعال ہیں کہ وہ بیک وقت تخلیقاً اللہ تعالیٰ اور کسباً بندے سے متعلق ہیں اسی طرح بندے کے جملہ افعال اختیاریہ جیسے نماز، روزہ وغیرہ کو سمجھیے اس لیے کہ افعال اختیاریہ اللہ تعالےٰ کی تخلیق اور بندے کے کسب کے بغیر صادر نہیں ہو سکتے یہی مذہب حق اہلسنت کا ہے جو جبر و قدر کے درمیان ہے اگر ہم بندے کے اختیار کو درمیان میں دخل نہ دیں تو اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اس جیسی آیات کا معنی درست نہیں رہتا۔

اعتدنا بمعنے هيّأنا یعنی ہم نے تیار کر رکھی ہے نارًا بہت بڑی سخت پہنچانے والی آگ اَحَاطَ بِهِمْ جو انہیں گھیرے گی۔

سوال مستقبل کی بجائے ماضی کا صیغہ کیوں؟

جواب جس فعل کے وقوع میں تحقق ہوتا ہے وہاں فعل مستقبل کے بجائے فعل ماضی لایا جاتا ہے

سُرَادِقُهَا بمعنے فسطاط یعنی خیمہ آگ کو خیمہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے خیمہ شے کو گھیر لیتا ہے ایسے ہی آگ بندے کو قیامت میں گھیرے گی۔

ف بحرالعلوم میں ہے کہ سرادق ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو خیمے کے گرد ہوتی ہیں یعنی اس کے کنارے لیکن وہ نیچے چھت کے بغیر ہوں گے

حدیث شریف حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آگ کی بڑی موٹی چار دیواریں ہیں ہر دیوار کی مسافت چالیس سال کے برابر ہے

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا اور اگر وہ پیاس سے پانی کے لیے فریاد کریں گے يُغَاثُوْا تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ ایسے پانی سے جو آگ سے پگھلے ہوئے لوہے کی مانند ہوگا المهل پگھلے ہوئے لوہے کو کہا جاتا ہے اس کی مزید تفصیل قاموس میں ہے یہ انہیں تہکم کے طور عتاب ہوگا کہ بجائے پانی کے انہیں پگھلا ہوا لوہا پیش کیا جائے گا

جب وہ پانی مانگیں گے یہ اسی شاعر جیسی عتاب کی ایک صورت بتائی گئی ہے کہ اس نے بھی اپنے دوستوں کے درمیان عتاب ظاہر کیا تو انھیں کہہ دیا کہ میں تمھیں بجائے پانی کے پگھلا ہوا لوہا پلاؤں گا یَشْوِی الْوُجُوْہَ جو ان کے چہروں کو بھون دیگا جب ان کے سامنے ایسا گرم پگھلا ہوا لوہا پیش کیا جائے گا تو اس کی گرمی سے کافروں کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے گوشت کو بھونا جاتا ہے

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کول تار کی طرح سخت گاڑھا اور کالا سیاہ ہوگا جب کافروں کے چہروں کے قریب لایا جائے گا تو اس کی سوزش سے ان کے چہروں کی بوٹیاں جل کر نیچے گریں گی

بِئْسَ الشَّرَابُ جس پانی کا ذکر اوپر ہوا وہ برا پینا ہے اس لیے کہ پانی پینے سے پیاس بجھانا مطلوب ہے لیکن الٹا اس میں جلانا ہوگا اور وہ بھی معمولی طور نہیں بلکہ سخت ترین۔

وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا اور مرتفقاً بمعنے متکأ و منزلاً بمعنے ٹھہرنے کی جگہ اور یہ تمیز ہے دراصل ارتفاق بمعنے کہنی کو ٹھوڑی کے نیچے رکھنے کو کہا جاتا ہے اور اس سے آرام مطلوب ہوتا ہے لیکن جہنم میں آرام و آسائش کیسا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بہت برا ٹھہرنا ہے یہ۔ وحسنت مرتفقا بالمقابل واقع ہوا ہے اور اس کی تفسیر ابھی آتی ہے

ف سعدی مفتی نے فرمایا کہ کہنی کا سہارا ٹھوڑی کے نیچے جیسے آرام و آسائش کے طور ہوتا ہے ایسے تحیر اور تحزن کے لیے بھی ہوتا ہے پہلا یعنی آسانی اور آرام کی نفی مسلم ہے لیکن اس سے دوسرے معنے یعنی تحیر و تحزن کی نفی نہیں ہوسکتی اس لیے اب یہ عذر اٹھ گیا کہ اسے وحسنت مرتفقا کے بالمقابل لایا گیا ہے

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ المرتفق بمعنے تکیہ گاہ اور ہر جگہ اسے حقیقی معنیٰ میں نہیں لایا جاتا بلکہ مطلقاً منزل کے معنے میں بھی مستعمل ہوتا ہے اسی لیے اس سے استراحت کا معنیٰ ختم ہوگیا اسے تجرد کہا جاتا ہے اور تجرد کی ضرورت اس۔ لیے پیش آئی کہ جہنم میں استراحت و آرام نہیں وہاں عذاب ہی عذاب ہوگا (نعوذ باللہ منہا)

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ ظلم و معاصی اور آزار سے احتراز کرے اگر ایسی غلطی ہو بھی تو بہت جلد توبہ و استغفار کرے ندامت کے ساتھ توحید و اذکار میں مشغول رہے ورنہ اسے معلوم ہو آنے والا سفر طویل اور جہنم کی آگ سخت اور اس کا پانی کالا سیاہ اور گاڑھا تیل جیسے پگھلے ہوئے لوہے کی طرح اور پیپ ہے اور اس کی بیڑیاں لوہے کی ہیں ۔

حدیث شریف اہل نار میں ادنیٰ عذاب یہ ہے کہ جہنمی کو جوتا پہنایا جائے گا جس کی گرمی کے جوش سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا۔ (نعوذ باللہ منہا)

حکایت حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا ایک لڑکے پر گذر ہوا جو مٹی سے کھیل رہا تھا وہ اس حالت میں کبھی روتا اور کبھی ہنستا تھا اسے السلام وعلیکم کہنے کا ارادہ ہوا لیکن نفس نے روکا کہ بچے

کو کیا (السلام وعلیکم) کہنا ہے لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک یاد آگئی کہ آپ ہر چھوٹے بڑے کو السلام علیکم سے نوازتے تھے میں نے اسے کہا السلام علیکم، بچے نے جواب دیا وعلیکم السّلام اے مالک بن دینار میں نے کہا تو نے مجھے کیسے پہچانا اس نے کہا آپ کی اور علیلوی روح عالم ملکوت سے ایک دوسری سے واقف تھیں مجھے اللہ تعالیٰ حی لایموت نے بتایا ہے میں نے اس سے پوچھا نفس اور عقل میں کیا فرق ہے اس نے کہا نفس وہ ہے جس نے تجھے مجھ پر السلام علیکم کہنے سے روکا اور عقل وہ ہے جس نے تجھے مجھ پر السلام علیکم کہنے پر ابھارا میں نے پوچھا آپ مٹی سے کیوں کھیل رہے ہیں اس نے کہا مٹی سے ہم پیدا ہوئے اور اس میں لوٹائے جائیں گے میں نے پوچھا آپ روتے اور ہنستے کیوں ہیں اس نے کہا جب مجھے عذابِ الٰہی یاد آتا ہے تو روتا ہوں جب مجھے اس کی رحمت یاد آتی ہے تو ہنستا ہوں میں نے کہا بیٹا ابھی تو بچہ ہے تجھے گناہ سے عذابِ الٰہی کا ڈر ہے تو غیر مکلف ہے اس نے کہا ایسا مت فرمائیے اس لیے کہ میں اپنی امی کو دیکھتا ہوں کہ وہ آگ جلاتے وقت پہلے چھوٹی لکڑیوں کو آگ میں ڈالتی ہے پھر بڑی لکڑیوں کو مثنوی شریف میں ہے ؎

نے ترا از روئے ظاہر طاعتے

نے ترا در سر باطن نیتے

نے ترا شبہا مناجات وقیام

نے ترا در روز پرہیز وصیام

نے ترا حفظ زبان ز آزار کس

نے نظر کردن بصیرت پیش وپس

پیش چہ بود یاد مرگ ونزع خویش

پس چہ باشد مردن یاران زپیش

نے ترا بر ظلم توبہ پر خروش

اے دغا گندم نمائے جَو فروش

چونکہ ترازوئے تو کج بود و دغا

راست چوں جوبے ترازوے جزا

چونکہ پائے چپ بدی در غدر وکاست

نامہ چوں آید ترا در دست راست

چوں جزا سایہ است اے قد تو خم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا
بیشک جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ہم ان کے نیک

نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ
کام ضائع نہیں کرتے جن کے کام اچھے ہوں ان کے لیے بسنے کے باغ ہیں ان کے نیچے ندیاں

الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ
بہیں وہ اس میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز کپڑے

سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ
کریب اور قناویز کے پہنیں گے وہاں تختوں پر تکیہ لگائے کیا ہی اچھا ثواب اور جنت کیا ہی اچھی

مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾
آرام کی جگہ

سایۂ تو کج فتد و بیش ہم

بقیہ صفحہ

جہنم کیا ہے: مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے آپ کا رنگ متغیر تھا یعنی ایسے جیسے کوئی غمناک ہو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج غم ناک ہو کر کیوں آئے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ ابھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو جہنم کی آگ کو پھونکا جا رہا تھا اسے دیکھ کر میں گھبرا گیا ہوں آپ نے فرمایا کہ دوزخ کا مختصر تعارف کرایئے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے سات طبقات بنائے ہیں اس کے ہر طبقہ میں ستر لاکھ آگ کے پہاڑ ہیں ہر پہاڑ میں ستر لاکھ آگ کی وادی ہے ہر وادی میں ستر لاکھ آگ کے گھر ہیں ہر گھر میں ستر لاکھ آگ کی صندوقیں ہیں ہر صندوق میں ستر لاکھ قسم کا عذاب ہے۔ (نعوذ باللہ منہا کذا فی مشکوٰۃ الانوار

ف یہ مبالغہ پر محمول نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت ہے اس لیے کہ یہ بہشت کی نعمتوں کے بالمقابل ہے اور عذاب و نعمت کی کیفیت عقل کے دائرہ سے خارج ہے عاقل کو سرِ تسلیم خم کرنا ضروری ہے اور اسے سخت عذاب کے موجبات سے بچنا لازم۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان و عمل کے اعمال کے جامع ہیں یعنی وہ ایمان لا کر اعمال صالحہ کرتے ہیں صالحات صالحۃ کی جمع ہے دراصل یہ ایک صفت ہے لیکن شریعت کے ہر نیک عمل پر اس کا اطلاق غالب ہے اسی لیے اسے موصوف کی ضرورت نہیں اسی طرح الحسنۃ بھی صفت ہے جو عمل اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب بنے اس پر بھی اسمیت غالب ہے۔ إِنَّا لَا نُضِيعُ یہ الاضاعہ سے مشتق ہے بمعنے ضائع کرنا أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا۔ اجر عمل کی جزا کو کہتے ہیں اور

عملاً احسن کا مفعول بہ ہے اور اس کی تنوین تقلیل کی ہے

سوال نحوی قاعدہ پر احسنۃ ہونا چاہیے تھا عملاً کو ضمیر کے بجائے ظاہر کر کے کیوں لایا گیا ہے؟

جواب تاکہ واضح ہو کہ ہر انسان اپنے عمل کی وجہ سے اجر کا مستحق ہوتا ہے نہ صرف علم سے اس لیے کہ عمل سے ہی رفع درجات اور شرافت اور بزرگی اور مراتب علیا نصیب ہوتے ہیں

حدیث قدسی شریف اللہ تعالیٰ نے فرمایا بہشت میں میرے فضل و کرم سے داخل ہوں لیکن ان کی تقسیم اعمال کے مطابق ہوگی۔

فضیلت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک اعرابی حاضر ہوا اور آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ عضباء پر عرفات میں سوار تھے اس نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں طالب علم کی حیثیت سے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں آپ اس کی وضاحت فرمائیے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ان الذین آمنوا (الآیۃ) کے صحیح مصداق کون حضرات ہیں؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اعرابی تو ان سے دور نہیں اور نہ وہ تجھ سے دور ہیں اس آیت کے مصداق یہی حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہیں جو میرے ساتھ کھڑے ہیں ان کے متعلق اپنی قوم میں جاکر وضاحت کر دیجیے کہ یہی آیت انہی حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (ذکرہ الامام السہیلی فی کتاب التعریف والاعلام)

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ کہ جن کی ابھی بہت بڑی تعریف مذکور ہوئی ہے **لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ** امام صاحب نے فرمایا کہ عدن لغت میں بمعنی الاقامہ ہے اب معنٰی یہ ہوگا کہ وہی لوگ ہیں کہ جن کی باغات بہشت کے قیام گاہ ہے یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے "ہٰذہ دارالاقامۃ" اور یہ بھی ہے کہ عدن بہشت کی ایک مخصوص جگہ کا نام ہے جو بہشت کے وسط میں واقع ہے اور وہ بہشت کے تمام مقامات سے اعلیٰ و برتر ہے جنّات جنت کی جمع ہے اور یہ بھی ہے کہ ولمن خاف مقام ربہ جنتان میں جس جنتان کا ذکر ہے اسے یہاں جنّات سے تعبیر کیا گیا ہے اس آیت کے بعد فرمایا ومن دونھما جنتان اور یہ بھی ہے کہ وہاں ہر بہشتی کے لیے علیحدہ علیحدہ جنت دی جائے گی اسی اعتبار سے یہاں جنّات کہا گیا ہے **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** وہ چار نہریں دودھ، شراب طہور، شہد اور خالص پانی کی ہوں گی چونکہ دنیا میں ہر وہ باغ بہتر و اعلیٰ سمجھا جاتا ہے جس میں نہریں جاری ہوں اسی لیے بہشت کے باغات کو نہروں کے جریان سے موصوف کیا گیا ہے **یُحَلَّوْنَ فِیْهَا** بہشت میں پہنائے جائیں گے یہ حُلّیت المرأۃ سے مشتق ہیں یہ اس وقت بولتے ہیں جب عورت کو زیورات پہنائے جائیں اور زیورات سے سونے، چاندی و دیگر ہر قسم کے جواہرات مراد ہیں التحلیۃ بمعنے زیور پہنانا۔

ف کاشفی نے لکھا ہے کہ بہشت میں ہر بہشتی کو زیورات پہنائے جائیں گے

مِنْ أَسَاوِرَ یہ من ابتدائیہ ہے اور اساور۔ اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ سوارٌ کی جمع ہے بمعنے کنگن مِنْ ذَهَبٍ یہ من بیانیہ ہے اور اساور کی صفت اور اس کی تنوین تکثیر کی ہے تاکہ اس کے حسن کی عظمت معلوم ہو اور یہ وہم دور ہو کہ وہاں سونے کے کنگن پہنایا جانا ناممکن ہے

ف : بحر العلوم میں ہے کہ ذہب کی تنوین تکثیر و تعظیم کی ہے

بہشت کے کنگنوں کی تعداد حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بہشت میں ہر بہشتی کو تین قسم کے کنگن پہنائے جائیں گے

۱ سونے کا

۲ چاندی کا

۳ موتیوں یا یاقوت کا

یعنی دھات کے ان اعلیٰ تینوں قسم کے کنگن ہر بہشتی کے ہاتھ میں پہنائے جائیں گے ان تینوں کو اکٹھا پہنایا جائے گا یا باری باری جیسے بہشتیوں کی خوشی ہوگی ویسے ہی ہوگا جیسے دنیا میں عورتوں کو عادت ہے کہ مختلف انواع کے زیورات کبھی یکبارگی پہن لیتی ہیں اور کبھی باری باری

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ کا خیال ہے کہ یہاں پر زیورات سے حقائق توحید ذاتی اور معانی تجلیات عینیہ احدیہ اور سونے کے زیورات سے ذاتیات اور چاندی کے زیورات سے نوری صفات مراد ہیں

تفسیر عالمانہ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا اور سبز کپڑوں کی تخصیص اس لیے کہ یہی تمام رنگوں سے حسین ترین اور پر رونق اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین رنگ ہے مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ ریشم کا باریک اور گاڑھا ہر دونوں قسم کا قیمتی کپڑا اور ریشمی ہر وہ کپڑا ہے جو ریشم کے کیڑے سے حاصل کیا جاتا ہے اور استبرق بروزن استفعل از برق سے نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے بلکہ یہ استبرہ کا معرب ہے اور ریشم کے ہر دونوں قسموں کا بیان اسی لیے ہے کہ معلوم ہو کہ وہاں بہشتیوں کی جیسی خواہش ہوگی ویسا ہی انھیں لباس پہنایا جائے گا

ف دنیا میں لباس دو طرح کا ہوتا ہے (۱) سنگار یعنی زیب و زینت کی نیت سے۔ (۲) صرف ستر عورت کے ارادہ پر۔ اسی طرح بہشتیوں کے لیے یحلون (الآیۃ) میں پہلے اور یلبسون (الآیۃ) میں دوسرے کا بیان ہے

سوال یحلون میں فعل مجہول کیوں اور یلبسون میں فعل معروف کیوں ؟

جواب نمبر ۱ ۔ تاکہ معلوم ہو کہ ایک لباس تو انھیں وعدۂ الٰہی کے مطابق نصیب ہوگا اور اس کا انھیں علم بھی ہوگا دوسرا وہ لباس ہوگا جسے اللہ تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے عنایت فرمائے گا جسے وعدۂ الٰہی سے کسی قسم کا تعلق نہ ہوگا ۔

جواب نمبر ۲۔ اس میں ان کے شرف اور کرامت کی طرف اشارہ ہے بایں معنی کہ وہ خود اپنی مرضی سے تو عام معمولی لباس پہننے کے لیے تیار ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بہترین لباس سے مزین کیا جائے گا جیسے دنیا میں عادت ہے کہ انسان بسا اوقات جو مل گیا پہن لیا لیکن دوست اپنی محبت سے بہترین لباس پہناتے ہیں یہی کیفیت بہشت میں ہوگی صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ستر ڈھانپنے کے لیے تو انسان اپنی مرضی سے جس طرح کا لباس مل جاتا ہے پہن لیتا ہے اگرچہ وہ بادشاہ بھی کیوں نہ ہو لیکن اگر اسے سنگارنا مطلوب ہوتا ہے تو اس کے لیے دوسرے منتخب کر کے بہترین لباس بنواتے ہیں جیسے بادشاہوں اور دلہنوں کے لیے ہوتا ہے اسی لیے صیغہ کی تبدیلی ہوئی اس طرح سے ان کی تعظیم و تکریم کی طرف اشارہ ہے

مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ الارائک اریکۃ کی جمع ہے بمعنے حجلہ کے اندر مزین تخت تنہا حجلہ کے بغیر تخت کو اریکہ نہیں کہا جا سکتا الحجلۃ دلہن کے لیے آراستہ کیا ہوا کمرہ اور اسے اتکاء سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جسے نعمت ملتی ہے تو اس کی بیٹھک اس طرح کی ہو جاتی ہے اور عموماً بادشاہ بھی اپنے تختوں پر ایسے ہی بیٹھتے ہیں

فائدہ صوفیانہ ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حضرات ریاض قدس اور بہشت کے میدانوں میں انس کے تختوں پر سہارا لگانے والے ہیں اور وصال کے باغات میں ہر لحظہ اپنے محبوب حقیقی کا مشاہدہ کریں گے۔

نِعْمَ الثَّوَابُ یہ جنات عدن اور اس کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے اور ثواب سے طاعۃ کی جزا مراد ہے۔

وَحَسُنَتْ اور کیا ہی اچھے ہیں وہ تخت **مُرْتَفَقًا** آرام گاہ اور تکیہ گاہ

ف بہشت کے حسن اور بہترین نعمتوں میں کلام نہیں البتہ ان کے لیے استعداد ضروری ہے اعمال صالحہ اس کے اسباب ہیں اور اعمال صالحہ سے وہ اعمال مراد ہیں جو محض رضائے الٰہی کے لیے ادا کیے جائیں جیسے نماز اور روزہ اور دیگر جملہ اچھے امور حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قیامت کہ بازار مینو نہند
منازل باعمال نیکو نہند
کسے را کہ حسن عمل بیشتر
بدرگاہ حق منزلت بیشتر
بضاعت بچندانکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری
کہ بازار چندانکہ آگندہ تر
تہی دست را دل پراگندہ تر

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ ایمان اور اہلِ اعمال کو جز انصیب ہو گی لیکن اعمال کی صلاحیت اور ان کے حسن کے مطابق بعض اعمال ایسے ہیں جو جنات کی سیر اور ان کے بالاخانے کے موجب ہیں یہ طاعات وعبادات بدنیہ ہیں جو شریعت کی متابعت اور اس کے حکم مطابق نیت خالص سے ادا کیے جائیں اور بعض اعمال وہ ہیں جو سیرا لی اللہ کے موجب ہیں یہ وہ اعمال ہیں جو طلب حق میں صدق دل اور اخلاص فی التوحید اور ترک دنیا اور اغراض ماسوی اللہ اور توجہ الی اللہ سے ادا کیے جاتے ہیں لیکن اس میں شیخ کامل واصل باللہ اور کامل مکمل صالح بزرگ کا دامن تھامنا ضروری ہے تاکہ اس کی برکت سے یہ منازل طے ہوں اور خواہشات نفسانی کا حملہ نہ ہو سکے اس لیے کہ جَو بونے سے گندم حاصل نہیں ہو سکتی۔

حکایت ایک شخص بلخ کار ہنے والا تھا اس نے اپنے نوکر کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے کھیت میں گندم بوئے لیکن اس نے گندم کے بجائے جَو بیجے جب کھیتی کے اٹھانے کا وقت جَو کا غلّہ اٹھا رہا ہے اسے فرمایا اے بندۂ خدا تو نے یہی سمجھا تھا کہ جَو بونے سے گندم کا غلّہ اٹھایا جائے گا نوکر نے جواب دیا جناب جیسے جو بونے سے گندم نہیں اٹھائی جا سکتی ایسے ہی آپ بھی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کی رحمت کی امید نہیں رکھ سکتے۔ ع

ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت

ترجمہ جو کچھ بوئے گا غلّہ بھی اسی طرح کا اٹھے گا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرّہٗ نے فرمایا ؎

جملہ دانند ایں اگر تو نگروی

ہرچہ می کاریش روزے بدروی

ترجمہ سب کو معلوم ہے اگر تمھیں اعتبار نہ ہو تو اور بات ہے وہ یہ کہ جو کچھ بوئیں گے وہی غلّہ اٹھاؤ گے۔

نوکر کی یہ نصیحت سن کر وہ شخص تائب ہوا اور اس غلام کو بھی آزاد کر دیا

سبق اللہ تعالیٰ جسے خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے تو اس کے سامنے اس قسم کے واقعات پیش کرتا ہے اور اسے اپنی رضا کے حصول کے اسباب بنا دیتا ہے

ف عابد کے مراتب سے عارف کے مراتب بلند ہوتے ہیں اور کرامات کونیہ کی کوئی انتہا نہیں۔

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ اکرام سے افضل ہیں یہاں تک کہ مروی ہے کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ عام زیارت کرائے گا لیکن حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو مخصوص طریق سے زیارت سے مشرف فرمائے گا حالانکہ آپ کی اتنی بڑی کرامات بھی مشہور نہیں جیسے دوسرے صحابہ یا اولیاء کرام کی کرامات مشہور ہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ آپ کو ان کرامات علیہ سے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ
اور ان کے سامنے دو مردوں کا حال بیان کرو کہ ان میں ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ
اور ان کو کھجوروں سے ڈھانپ لیا اور ان کے بیچ بیچ میں کھیتی رکھی دونوں باغ اپنے پھل لائے اور اس میں کچھ

مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا
کمی نہ دی اور دونوں کے بیچ میں ہم نے نہر بہائی اور وہ پھل رکھتا تھا تو اپنے ساتھی سے بولا اور وہ اس سے ردو

اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ
بدل کرتا تھا میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں اپنے باغ میں گیا اور اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا

اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ
بولا مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھر گیا

لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾
بھی تو ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا

بقیہ صفحہ ۳۶۸

نوازا گیا جو دوسروں کو یہ مرتبہ نصیب نہ ہوا اس لیے کہ آپ حقائق عالیہ کی تحقیق سے مشرف تھے ایسے حضرات کو جنۃ القلبیہ نصیب ہوتی ہے یعنی دنیا میں ایسی جنت سے نوازے جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ یہ دونوں اضرب کے مفعول ہیں اس لیے کہ اضرب یہاں پر بمعنے بیّن وفصل کے ہے یعنی اے حبیب پاک حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کو جو نعمتوں سے سرشار ہیں اور ان مومنوں کو جو دکھ اور تکالیف فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں بنی اسرائیل کے ایک مومن اور دوسرے کافر کا واقعہ بیان فرمایئے یہ وہ مرد فرضی تھے یا واقعی دونوں تھے صاحب جلالین نے فرمایا یہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کے دو بیٹے تھے لیکن ابوحیان نے فرمایا کہ فقال بصاحبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں بھائی نہیں تھے لیکن دوست تھے

تردید از صاحب روح البیان صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے ابوحیان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ابوحیان کو غلط فہمی ہے اس لیے کہ بھائی کو صاحب بھی کہا جاتا ہے

قرآنی واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ کافر اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھ میں ہاتھ ملاکر اپنے باغ میں لے گیا جس کی تفصیل ابھی آتی ہے اس سے بھی ہمارے دعوٰی کی تائید ہوتی ہے اور بھائی کو صاحب کہنے سے ان کی اخوت میں

فرق نہیں آتا اور ہر دونوں کے چونکہ علیحدہ علیحدہ اوصاف ہیں اسی لیے اسے صاحبہ سے تعبیر کیا گیا ہے

دونوں بھائیوں کا قصہ: بضم القاف ان دونوں میں سے ایک کا نام یہودا تھا اور یہ مومن تھا دوسرے کا نام قطروس یہ کافر تھا یہ ہر دونوں اپنے والد سے آٹھ ہزار دینار کے وارث ہوئے کافر نے اپنے چار ہزار دینار سے جائداد بنائی مثلاً ایک ہزار دینار کی زمین خریدی اور ایک ہزار سے ایک ہزار دار بنوائی ایک ہزار سے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا اور ایک ہزار دینار سے خدام اور دیگر سامان خریدا اور دوسرے مومن وارث نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے مولا کریم میرے بھائی نے تو ایک ہزار دینار سے زمین خریدی لیکن میں تیرے نام پر ایک ہزار دینار فقراء میں تقسیم کر کے تیرے سے بہشت کی زمین خریدتا ہوں چنانچہ اسی وقت ایک ہزار درہم فقراء پر تقسیم کر دیا پھر کہا میرے بھائی نے ایک ہزار دینار سے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا ہے میں ایک ہزار تیرے راہ میں لٹا کر تیرے سے حوریں چاہتا ہوں یہ کہہ کر ایک ہزار فقراء کو دے دیا پھر کہا میرے بھائی نے ایک ہزار دینار سے ایک ہزار دار بنوائی ہیں میں تیرے نام پر ایک ہزار دینار خرچ کر کے تیرے سے بہشت کی ایک ہزار دار کا درخواست گار ہوں یہ کہا اور ایک ہزار دینار مساکین اور فقراء میں تقسیم کر دیا پھر عرض کی کہ میرے بھائی نے ایک ہزار دینار سے خدام اور دیگر اسباب خریدا میں ایک ہزار تیرے نام پر قربان کر کے تیرے سے غلمان وولدان چاہتا ہوں جو بہشت میں ہمیشہ بہشتیوں کی خدمت کے لیے نصیب ہوں گے یہ کہہ کر چوتھا ہزار دینار بھی فقراء کو دے دیا اس کے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگا ایک دفعہ راستہ میں بیٹھا تھا اس کا کافر بھائی بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے بہترین سواری پر سوار اس کے آگے ہزاروں نوکر چاکر کہیں جا رہا تھا بھائی کو دیکھ کر کہا کہ میں تو فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں میری امداد کیجیے اس نے کہا وہ مال جو تجھے ورثہ میں ملا تھا وہ کہاں گیا اس نے کہا وہ میں نے فی سبیل اللہ فقراء کو دے دیا کافر بھائی نے سن کر زجر و توبیخ کی اور کہا جاؤ اپنی راہ لو میرے ہاں تیرے لیے کچھ نہیں۔

جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا اس احدھما کا فرمراد ہے جَنَّتَيْنِ دو باغ مِنْ اَعْنَابٍ انگوروں کے مختلف اقسام صرف اعناب کہنا مجازاً ورنہ باغ میں انگوروں کے درخت ہوں گے یعنی اشجار اعناب یا یہاں اشجار مضاف محذوف ہے وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ اور ہم نے ان کے اردگرد کھجوریں کھڑی کر دیں جیسے لفافہ خط کو باہر سے لپیٹا ہوتا ہے ایسے ہی کھجوریں باغوں کو لپیٹی ہوئی تھیں یہ حفہ القوم سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ قوم اس شخص کے اردگرد گھومے اور اسے اپنے گھیرے میں لے لے اسی طرح کہا جاتا ہے حففتہ بھم یعنی میں نے انھیں اس کے اردگرد ٹھہرنے والا بنایا یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اگر اسے دوسرے مفعول کی طرف متعدی کرنا پڑے تو اس کے دوسرے مفعول پر باء لگائی جاتی ہے ایسے ہی غشیہ وغشیتہ بھم کا حال ہے وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا اور ہم نے پیدا کیا ان دونوں باغوں کے درمیان زَرْعًا کھیتی تاکہ دونوں باغ ہر دونوں کام دے سکیں یعنی میوہ جات بھی اور غلہ اور اناج بھی اور باغات کے حسن اور ترتیب بھی وہی احسن اور بہتر بھی جاتی ہے جس میں کھیتی باڑی بھی ہو سکے۔ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا ہر دونوں باغوں نے ایسے

ثمرات دیے جو کھانے کے لائق تھے ان کا کوئی پھل گلا سڑا نہ تھا

سوال آتت میں ضمیر واحد کیوں حالانکہ اس کا مرجع تو تثنیہ (کلتا الجنتین) ہے

جواب ہر دونوں کی ایک ہی حیثیت و کیفیت تھی بنابریں انہیں مفرد پر محمول کر کے آتت مفرد کا صیغہ لایا گیا۔

جواب حریری نے لکھا ہے کہ کلتا کی خبر ہوتی ہی واحد ہے اس لیے کہ وہ معنےٰ اگرچہ تثنیہ ہے لیکن لفظاً مفرد ہے ہاں جب اس کی خبر کو اس کے معنے پر محمول کیا جائے یا شعر کے لیے ضرورت محسوس ہو۔

وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا باغات نے پھل دینے میں کسی قسم کی کمی نہ کی جیسے عام طور باغات میں ہوتا ہے کہ انہیں ایک سال پھل بھرپور رہوتا ہے اور دوسرے سال کچھ کم اسی طرح بعض درختوں میں قدرت نے نظام رکھا ہے کہ ایک سال بہت پھل دیتے ہیں اور دوسرے سال سرے سے دیتے ہی نہیں **وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا** اور ہم نے ان دونوں کے بیچ میں ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ نہریں جاری کیں تاکہ پھل دینے اور رونق میں کمی نہ ہو

سوال نہر کے اجزا کے ذکر میں تاخیر کیوں حالانکہ عقل تقاضا یہ ہے کہ نہر کے اجزا کا ذکر پہلے ہو۔

جواب تاکہ واضح ہو کہ ان باغات کے محاسن کی تکمیل کے لیے ہر دونوں کی علیحدہ مستقل طور ضرورت تھی اور وہ بھی ہم نے پوری کی اگر نہر کا ذکر پہلے ہوتا تو ہر کوئی سمجھتا کہ چونکہ باغات کے پھل پانی کے محتاج ہوتے ہیں اسی لیے نہر کا ذکر پہلے ہوا اور وہ یہاں مقصود کے خلاف ہے اس لیے کہ یہاں مطلوب یہ تھا کہ اس کافر کے ہر معاملہ میں کسی قسم کی کمی نہیں برتی۔ ہاں جہاں یہ بات مطلوب نہیں ہوتی تو ایسے معاملات میں دو چیزوں کا ایک دوسری توقف لازم ہے جیسا کہ آیت یَكَادُ زَیتها ولولم تمسسة نار میں واضح کیا گیا ہے کہ تیل کی روشنی اگرچہ آگ کی محتاج ہے لیکن اسے آگ کی ضرورت نہیں ایسے ہی باغات کو اگرچہ پانی کی محتاجی ہوتی ہے لیکن وہاں پانی کے بغیر تیار کیا گیا اور نہر کو علیحدہ نعمت کے طور بیان فرمایا اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار مطلوب ہے کہ وہ پانی کے بغیر بھی باغات اور کھیتیاں سرسبز فرما سکتا ہے (اویسی غفرلہ)

وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ اور کافر باغ والے کے لیے باغات کے علاوہ اور بھی مال و اسباب کی وفرت تھی۔

ف شیخ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ ثمر بفتحتین ثمرۃ کی جمع ہے ہر وہ میوہ جو درخت سے کھانے کے لیے حاصل ہوتا ہے اسے عربی میں ثمرۃ کہتے ہیں

سوال باغات کے ذکر میں ثمرات تو ضمناً آجاتے ہیں پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب چونکہ اس کے لیے یہاں کثرت مال و اسباب کا اظہار مطلوب ہے اسی لیے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ کافر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح کے مال و اسباب سے نوازا گیا تھا اسی لیے کاشفی نے لکھا کہ اس کے باغات میں انگوروں کے علاوہ ہر قسم کے میوہ جات مثلاً کھجور، انار وغیرہ تھے انگور کا ذکر صرف اس کی اغلبیت کی وجہ سے ہے۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ اس نعمت وافرہ کے حصول کے باوجود اسے بدقسمتی سے غرور نے گھیر لیا اسی لیے اپنے مسلمان

غریب بھائی سے کہا وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی بھائی سے کلام کرتے ہوئے ادھر ادھر کی مار کر اپنے بھائی سے جھگڑے کے طور کہا یہی کاشفی نے محاورۃ کا معنے کیا۔

اس کے جھگڑے کا خلاصہ یہ تھا کہ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا میں تیرے سے مال میں بہت زیادہ ہوں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ المال ما یتملکہ من دراہم ودنانیر او ذھب الخ یعنی مال انسان کی ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس کا وہ مالک بن جائے جیسے دراہم دنانیر یا سونا چاندی یا گندم یا روٹی یا حیوان یا کپڑے یا ہتھیار وغیرہ اور المال العین کا اطلاق مہر شدہ دراہم و دنانیر کو کہا جاتا ہے وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۔ اور میں آدمیوں میں زوردار ہوں یعنی میرے نوکر چاکر آل و اولاد نرینہ کثیر التعداد ہے

سوال تم نے اولاد نرینہ کی قید کیوں لگائی

جواب اس لیے کہ انسان کو کاروبار میں جتنا حمایت مردوں سے حاصل ہوتی ہے عورتوں سے نہیں۔

النفر بفتحتیں کا تین تا دس مردوں پر اطلاق ہوتا ہے دس سے اوپر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مجھے یہاں اشکال محسوس ہوتا ہے وہ یہ کہ ہم پہلے ایک روایت لکھ چکے ہیں کہ مومن کے پاس کچھ بھی نہ رہا بالکل تنگدست کنگال ہوگیا تھا اور آیت کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے ہاں مال تھا اگرچہ کافر سے بہت کم علاوہ ازیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں فرضی انسان تھے اس کا جواب ظاہر ہے کہ وہ اگرچہ نقدی مال لٹا چکا تھا لیکن دیگر اسباب وغیرہ تو اس کے پاس باقی رہ چکا تھا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

وَدَخَلَ اور باغات والا یعنی قطروس داخل ہوا جَنَّتَهٗ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر اسے اپنے باغات دکھاتا پھرتا تھا اور اسے تعجب دلاتا اور اس پر فخر و مباہات کرتا تھا۔

سوال باغ دو تھے اب اس کا ایک ہوگیا کیا وجہ

جواب چونکہ وہ دونوں ایک تھے اسی لیے انہیں ایک کے حکم میں لاکر یہاں واحد جنتہ کہا گیا ہے

جواب۲ چونکہ اس کا داخل ہونا الگ الگ ایک میں ہوا اسی اعتبار سے جنتہ فرمایا ہے

جواب۳ ان دونوں کو تبادل (روضۃ) کے جنتہ (واحد) فرمایا یہی شیخ نے جواب لکھا ہے

وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا یعنے اپنے آپ کو ضرر پہنچانے والا تھا اس لیے کہ وہ اپنے مال و اسباب کے گھمنڈ سے اپنے خالق و مالک کے ساتھ کفر کر رہا تھا اور یہی سب سے بڑا ظلم ہے کہ انسان اپنے مالک حقیقی کے احسانات پس پشت ڈال کر اس سے کفر کرے اس کے بعد سوال پیدا ہوا کہ اس کے کفریہ کلمات کون سے تھے ان کے جواب میں فرمایا کہ اس وقت کافر نے کہا تھا قَالَ مَآ اَظُنُّ اس نے کہا میں نہیں جانتا ظن بمعنے علم کثیر الاستعمال ہے اس لیے کہ ظن غالب علم کا فائدہ دیتا ہے بلکہ عادات و احکام میں ظن علم کے قائم مقام مستعمل ہوتا ہے اسی سے مظنۃ العلم کا محاورہ مشہور ہے

اَنْ تَبِيْدَ فنا اور تباہ و برباد ہو جائے گا یہ (بیاد) یعنے ذھب وانقطع سے مشتق ہے هٰذِهٖٓ یہی باغ اَبَدًا اس

کا منصوب ہونا علی الظرفیۃ (مفعول فیہ) کی وجہ سے ہے یہاں پر مکث طویل یعنی اس کی اپنی زندگی تک کا عرصہ مراد ہے دائمی مدت الی غیر نہایۃ مراد نہیں اس لیے کہ یہ معنے نہ عقل مانتا ہے نہ نقل اور نہ ہی کسی کے وہم وگمان میں یہ معنے آئے گا اس لیے کہ دنیا کی عمر کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو لیکن بالآخر ختم ہو گی اس لیے بھائی نے جب اس سے ایسے کفریہ کلمات سُنے ہوں گے تو اس نے لازماً اسے سمجھایا ہو گا اور اسے کہا ہو گا کہ یہ باغ آخر فنا ہو گا اور تجھ پر بھی موت آئے گی فلہذا تیرے لیے لازم ہے کہ تو آخرت کا سامان اور سرمایہ جمع کر اس کے ذہن میں چونکہ دنیا و دولت اور سرمایہ دنیوی کا بھوت گھر کیے ہوئے تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ یہ میری دنیا و دولت میرے آرام و آسائش کا بہترین سامان ہے اور مجھے ہر آرزو پورا کرنے میں یہ دنیا و دولت کام دے گی اسی لیے اس نے ان کلمات کفریہ کے علاوہ یہ بھی کہا وَمَآ أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً " اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو الساعۃ سے قیامت کا وہ دن مراد ہے کہ جس دن بندے حساب وکتاب کے لیے اٹھیں گے وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي بخدا اگر میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں لوٹا بھی تو اولاً میرا دل نہیں مانتا کہ مرنے کے بعد اٹھنا بھی ہے بفرض محال اگر ہو گا تو بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے کہ وہ اس عبارت سے مرنے کے بعد اٹھنے کا اعتراف کر رہا تھا یہ صرف وہم ہے اس لیے کہ اگر وہ اسے مانتا تو پھر مشرک کیسا اس لیے کہ مشرکوں کو ایسے اعتراف کہاں اور قرآن کے الفاظ سے صاف ہے کہ وہ کافر و مشرک تھا اسی لیے اس کے ولئن رددت کو بفرض محال پر محمول کیا جائے گا

ف سورۂ حٰم میں ولئن رجعت الی ربی ہے وہاں کے مقام کے لیے یہی مناسب ہے اور یہاں ولئن رددت الخ موزوں ہے اس لیے کہ الرد عن الشیٔ شے مردود کی کراہت کو متضمن ہوتا ہے اور اس مقام پر اس شخص کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اپنے باغات جن کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ فنا نہ ہوگا کو چھوڑ کر رب تعالیٰ کے ہاں جاؤں اس اعتبار سے یہاں ولئن رددت زیادہ مناسب ہے اور سورۂ حٰم میں یہ مفہوم مطلوب نہیں اسی لیے وہاں ولئن رجعت موزوں ہے لَأَجِدَنَّ وہاں ضرور پاؤں گا خَيْرًا مِّنْهَا ان باغات سے بہتر مُنقَلَبًا تمیز ہے بمعنے مرجعاً و عاقبۃً یہ طمع اور جھوٹی قسم کھا کر اسے اعتماد اس لیے تھا جیسے وہ دنیا میں بہت بڑے کمالات کا مالک ہے اور سمجھتا تھا کہ اسے یہ مراتب اس کے ذاتی کمالات سے حاصل ہیں اور اس کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم اسے جیسے آج حاصل ہے کل قیامت میں بھی اسے ایسے ہی نصیب ہو گا حالانکہ یہ تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اسے استدراج مہلت کے طور تھا یعنی اس کا خیال تھا کہ کل قیامت میں بہشت میں بھی اسے ایسے ہی باغات نصیب ہوں گے جیسے اسے آج دنیا میں حاصل ہیں

سبق بہت سے مغرور و متکبر لوگ نافرمانی اور گناہوں میں غرق ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس نے دنیا میں جس طرح عنایات فرمائے ہیں آخرت میں اس سے بڑھ کر فرمائے گا ورنہ وہ رحیم و کریم کیسا یہ اس کا دھوکہ ہے اور اوامر و نواہی سے ہنسی و مذاق کرنے کے مترادف ہے ایسے لوگوں کے اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ہے: یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم اے انسان تجھے اپنے رب کریم کے ساتھ کس چیز نے دھوکہ دیا ہے۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ

اس کے ساتھی نے اس سے الٹ پھیر کرتے ہوئے جواب دیا کیا تو اس

خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ

کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر نتھرے پانی کی بوند سے پھر تجھے ٹھیک مرد کیا لیکن میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں

اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ

کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں کرتا ہوں اور کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں گیا تو کہا ہوتا جو چاہے اللہ ہمیں کچھ زور نہیں مگر اللہ

اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ

کی مدد کا اگر تو مجھے اپنے سے مال و اولاد میں کم دیکھتا تھا تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا

خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ ۙ

دے اور تیرے باغ پر آسمان سے بجلیاں اتارے تو وہ پٹ پر میدان ہو کر رہ جائے

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ

یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تو اسے ہرگز تلاش نہ کر سکے اور اس کے پھل گھیر لیے گئے تو اپنے ہاتھ ملتا

كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ

رہ گیا اس لاگت پر جو اس باغ میں خرچ کی تھی اور وہ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا اور کہہ رہا ہے اے کاش میں نے

بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ؕ

اپنے رب کا کسی کو شریک نہ کیا ہوتا اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے اس کی مدد کرتی نہ وہ بدلہ لینے

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ ع

کے قابل تھا یہاں کھلتا ہے کہ اختیار سچے اللہ کا ہے اس کا ثواب سب سے بہتر اور اسے ماننے کا انجام سب سے بھلا

بقیہ صفحہ ٣٧٣

آتشے خوش بر فروزیم از کرم

تا بماند جرم و زلت بیش و کم

ترجمہ دوزخ بھی کرم و رحم سے بنائی ہے تاکہ بندوں کے جرائم اپنے توازن پر رہیں۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ اس کے بھائی مؤمن نے کافر سے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے جیسے پہلے گزرا وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ یہ حال ہے یحاورہ بمعنے یخاطبہ ویجادلہ یعنی اس کا بھائی اس سے باتوں میں جھگڑتے ہوئے کہتا تھا۔

ف الارشاد میں ہے کہ اس جملہ کو حالیہ بنانے میں تنبیہ ہے کہ آنے والا کلام اہمیت کا حامل ہے اور اسے جھگڑے کے اظہار کے لیے لایا گیا

اَكَفَرْتَ تو نے ما اظن الساعة کہہ کر کفر کیا اس لیے کہ قیامت کے متعلق شک کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنا ہے اور قدرت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے صفات میں سے کسی ایک صفت کا انکار کفر ہے بِالَّذِیْ خَلَقَكَ اس ذات کے ساتھ جس نے تجھے تیرے باپ آدم علیہ السلام کے ضمن میں پیدا فرمایا مِنْ تُرَابٍ مٹی سے اگرچہ ایسی ابتدائی تخلیق آدم علیہ السلام سے مخصوص ہے لیکن ان کی اولاد چونکہ ان کی جنس ہے اسی لیے ان کے طریقۂ پیدائش کا ذکر گویا تمام اولاد کی تخلیق کا ذکر ہے اور وہ تمام انسانی مخلوق کا ایک نمونہ ہیں اسی لیے ہر انسان کی تخلیق کو اسی طرح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہمزہ تقریری استفہام کا ہے گویا اسے ساتھی تعریضاً کہہ رہا ہے کہ ایسی ذات سے کفر کرنا تیرے لیے ہرگز لائق نہیں اس لیے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے مٹی جیسی معمولی شے سے تجھ جیسا عالیشان انسان بنایا ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ یعنی منی کا وہ قطرہ جو ماں کے پیٹ میں قرار پکڑتا ہے اس میں دوسری تعریض ہے کہ انسان ایسے کریم سے کفر کیوں کرتا ہے جب کہ اس نے ایک گندے اور پلید پانی سے پیدا فرمانے کے باوجود اسے ذی عظمت انسان بنایا ثُمَّ سَوّٰىكَ یعنی معتدل الخلق اور مستقیم القامۃ رَجُلًا یہ کاف ضمیر سے حال ہے یعنی ایسی معمولی چیزوں کی ترکیب کے بعد بہترین اور صحیح سالم جوان بنایا

ف قاموس میں ہے، الرجل بضم الجیم و سکونہا بمعنے مرد بالغ ہو یا نہ یا انسان پر اس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب بالغ ہو اور جوانی چڑھے لٰكِنَّا۠ یہ دراصل لکن انا تھا انا کا ہمزہ حذف کر کے اس کی حرکت لکن کے نون کو دی گئی یا اسے علی خلاف القیاس حذف کر دیا گیا ہے دونوں جمع ہو کر مدغم ہوئے پھر جمیع قرّاء نے لکنا کا آخری الف وقف میں ثابت رکھا اور وصل میں گرا دیا سوائے ابن عامر کے کہ وہ وقف و وصل ہر دونوں حالتوں میں ثابت رکھتے ہیں اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ چونکہ یہ الف ہمزہ محذوف کا عوض ہے اسی لیے اسے حذف کرنا نامناسب ہے یا وہ وصل کو وقف پر محمول کرتے ہوئے حذف نہیں کرتے هُوَ یہ ضمیر شان اور مبتدا ہے اور اس کی خبر اللّٰهُ رَبِّیْ ہے یہ جملہ انا کی خبر ہے اور عائد (رَبِّی) کی یا ضمیر ہے یہ اکفرت، استدراک ہے گویا کافر کے مومن بھائی نے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے لیکن میں تو مومن موحد ہوں اس معنے پر لکن دو مختلف (اثبات و نفی) جملوں کے درمیان واقع ہوا ہے وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا۝ اور میں اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اس سے معلوم ہوا کہ اس کا کفر شرک کی وجہ سے تھا وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ یعنی تو نے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت کیوں نہ کہا مَا شَآءَ اللّٰهُ وہی ہو گا جو رب تعالیٰ چاہے گا یہ ما موصولہ ہے اس کا مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی وَ الامر ماشاءاللہ الامر کی لام استغراق کی ہے اس سے اسے برانگیختہ کرنا مطلوب ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ باغ اور اس کے جملہ پھل اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہیں وہ چاہے تو انہیں ان کے حال پر آباد رکھے چاہے تو فنا کر کے اسے ملیامیٹ

کردے لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تو نے کہا ہوتا کہ میں بالکل عاجز بندہ ہوں میری قوت اور میرا زور اللہ کی مدد سے ہے مجھے جو کچھ باغ کی آمدنی اور اس کی آبادی سے حاصل ہوتا ہے اسی کی قدرت اور مدد سے نصیب ہوتا ہے

نظر بد سے بچنے کا وظیفہ: حدیث شریف میں ہے کہ تم میں اگر کوئی اچھی چیز دیکھے تو فوراً کہہ دے "ماشاء اللہ" تو اسے بدنظر ضرر نہیں پہنچائے گی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کسی کو دیکھو کہ اسے اچھا مال یا نیک اولاد نصیب ہوئی ہے تو فوراً کہے "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" تو وہ بھی بدنظر سے محفوظ رہے گا اور اس میں اور طرح کا بھی کوئی نقصان نہ ہوگا۔

لَاحَوْلَ کا معنے: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کا معنے خود بیان فرمایا کہ ہماری طاقت نہیں کہ ہم گناہ سے بچ سکیں سوائے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نہ ہی طاعت پر ہمیں کوئی قوت ہے سوائے اللہ کی مہربانی کے

لَاحَوْلَ کی فضیلت: حدیث شریف میں ہے کہ "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" ننانوے بیماریوں کی دوا ہے ان ننانوے بیماریوں میں سے ادنیٰ کی بیماری غم ہے۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ ترن دراصل ترنی تھا اور رُویت اگر بصری مراد ہے تو اقل اس سے حال ہے اگر علمی ہے تو اقل اس کا دوسرا مفعول ہے اور اس کا پہلا مفعول یاء متکلم کی ہے جو ترن میں محذوف ہے اور ہر دونوں معانی میں لفظ انا یاء متکلم کی تاکید ہے فَعَسٰى بمعنے لعل ہے رَبِّىْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ یہ دراصل یوتینی تھا خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ جس بہتر باغ کی خبر دے رہا ہے اس سے عالم آخرت کا باغ مراد ہے وہ بہتر اسی معنے پر ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں اور آخرت کی باقی اور دائمی۔ یہ جملہ شرط کی جزا ہے وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا اور اسی دنیا میں تیرے باغ پر اللہ تعالیٰ نازل فرمائے حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ عذاب آسمانی یعنی اسے برباد کر ڈالے سردی آسمانی بجلی یا آگ سے قاموس میں ہے کہ الحسبان بالضم حساب کی جمع ہے اور بمعنے عذاب وبلاء اور شر اور آسمانی کڑک کے بھی آتا ہے صاحب روح البیان نے فرمایا کہ کافر کو مومن بھائی نے ایسے عذاب سے اس لیے ڈرایا کہ اسے یقین تھا کہ جو نعمت کی ناشکری کرتا ہے تو اسے ایسے گھاٹے نصیب ہوتے ہیں بلکہ عموماً اعجاب (تکبر) اور خودبینی، عموماً تباہی اور بربادی کا موجب بنتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم اور کافر کو اس کے مسلم بھائی نے اس کے اس قول مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا کے جواب میں یہی کہا جو اوپر مذکور ہوا فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اصباح یہاں پر بمعنے الصیرورۃ کے ہے یعنی ہو جائے گا تیرا باغ صاف میدان زلقاً مصدر بمعنے مفعول ہے یعنی وہ باغ زمین صاف کی طرح رہ جائے گا زلقا ہر ایسی زمین کہ جس کی صفائی ایسی ہو کہ اس پر پاؤں رکھنے سے ڈگمگا جائیں اس سے مقصود یہی ہے کہ تیرا باغ ملیامیٹ ہو کر باغ کی جگہ خالی زمین رہ جائے قرطبی نے فرمایا زلق بمعنے حلق راسہ بھی آتا ہے اس سے بھی یہی مراد ہے کہ تیرا باغ درختوں اور کھیتی سے ایسے خالی ہو جائے جیسے سر منڈے کے بال مونڈے جائیں تو وہ بالوں سے خالی رہ کر شلغم نما معلوم ہوتا ہے اس معنے پر بھی زلقا مصدر بمعنے مفعول (مزلوق) ہوگا اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا یا باغ کا پانی زمین میں ایسا دھنس

جائے کہ وہاں تک نہ ہاتھ پہنچ سکے اور نہ ڈول غوراً مصدر کا اطلاق بطور مبالغہ کے ہے فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا تو پانی کی ہمیشہ کے لیے جستجو بھی نہ رکھے گا یعنی پانی کا ملنا تو درکنار اس کے حصول کی طاقت بھی تیرے میں نہیں رہے گی جلالین میں لکھا ہے کہ پانی کا نشان نہ ہوگا جسے تو طلب کر سکے وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے گویا یوں کہا گیا کہ جس کا خطرہ محسوس کیا گیا وہ ہو کر رہا چنانچہ اس کے تمام اسباب اور باغات مٹ کر رہ گئے یہ احاط به العدو سے ماخوذ ہے اس لیے کہ جب دشمن کسی پر غلبہ کرتا ہے تو اسے پورے طور اپنے قابو میں لے لیتا ہے تو اسے ہلاک کے گھاٹ اتار دیتا ہے فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ پس وہ کافر افسوس کے ہاتھ ملتا رہ گیا یعنے افسوس اور حسرت سے اس کی ہتھیلیاں کھل گئیں جیسے عموماً ندامت اور افسوس زدہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے اس لیے کہ ندامت خوردہ انسان افسوس کے ہاتھ ایسے ہی ملتا ہے۔

ف بحر العلوم میں ہے تقلیب الکفین وعض الکف والانامل والیدین و اکل البنان وحرق الاسنان وغیرھا یہ تمام حسرت وندامت کے وقت بولتے ہیں اور ندامت وحسرت پر دلالت کرتے ہیں ان میں الفاظ رادفہ کو مردوفہ پر استعمال کیا گیا ہے جب یہ کیفیت ہو تو کلام کی مبالغہ کی سطح اونچی ہو جاتی ہے کلام کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اسے سامع دلچسپی سے سنتا ہے یا یہ بمعنی یندم کے ہے اسی طرح لفظ علی سے متعدی ہوا گویا کہا گیا ہے عَلٰى مَآ اَنْفَقَ باغ کی پہلی لاگت فِيْهَا جو اسی باغ کا مال واسباب وغیرہ تھا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

برگذشتہ حسرت آوردن خطاست
باز ناید رفتہ یاد آن ہباست

ترجمہ گئی گذری شے پر حسرت کرنا غلط ہے گئی ہوئی شے کب واپس آسکتی ہے پھر اس کی یاد خواہ مخواہ کیوں

سوال لاگت پر حسرت اور افسوس کیوں اور جو اس کے سامنے موجودہ پھل وغیرہ تباہ وبرباد ہوئے ان سے بھی افسوس ہوا ہوگا لیکن اس کا ذکر نہیں پہلے کی تخصیص کیوں؟

جواب چونکہ پہلے والے اسباب وغیرہ اس کے قبضہ اور اختیار میں تھے اور موجودہ پھل وغیرہ اس کے اختیار اور قبضہ سے باہر تھے پھر انسان کو زیادہ افسوس اسی کا ہوتا ہے جو اس کے قبضہ اختیار میں ہونے کے باوجود تباہ وبرباد ہو جائے

جواب۲ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ لاگت کا مال اپنے ملک اور اختیار سے خرچ ہوتا ہے اسی لیے اسے باغ پر خرچ کردہ مال اسباب کا زیادہ افسوس ہوا اور عموماً عادت ہے کہ انسان جس شے کے حصول کے لیے روپیہ پیسہ خرچ کرے اور وہ تباہ وبرباد ہو جائے تو زندگی بھر اسے یاد کرتا ہے۔

وَهِيَ اور وہ انگوروں کا باغ جس کے گرد اگرد کھجوریں تھیں خَاوِيَةٌ اکھڑ کر گرا پڑا تھا یہ خوت الدار خویًا سے ہے بمعنے تھدمت وخلت من اھلھا یعنی دار گر پڑی اور مکینوں سے خالی ہوگئی عَلٰى عُرُوْشِهَا اپنے

ٹینٹوں پر یعنی وہ انگور کی بیل کو جن ٹینٹوں پر چڑھایا جاتا ہے وہ زمین پر گری پڑی تھیں اور انگور کے درخت بھی جڑوں سے نکل کر ٹینٹوں پر پڑے تھے

سوال باغ میں انگوروں کے علاوہ کھجوریں اور کھیتی بھی تھی پھر صرف انگوروں کی تخصیص کیوں

جواب چونکہ باغ میں تمام چیزوں سے انگور عمدہ سمجھے جاتے ہیں ان کی عمدگی کی وجہ سے تخصیص کی گئی ہے

ف آسمان سے آگ اتری جس نے تمام باغ کو جلاکر راکھ کردیا اور اس کا پانی زمین کے اندر دھنس گیا

وَیَقُوْلُ اس کا یقلب پر عطف ہے یٰلَیْتَنِیْ کافر کہتا تھا کاش لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا ۝ میں اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا گویا اس وقت اسے اپنے مسلم بھائی کی نصیحت یاد آگئی اور اسے یقین ہوگیا کہ یہ تمام نقصان شرک کی وجہ سے ہوا۔ باغ کی تباہی کے بعد تمنا کی کہ کاش وہ بھی مومن ہوتا اور شرک سے بچتا لیکن اس وقت کی تمنا اسے کوئی فائدہ نہ دے سکی اس لیے کہ اسے ایمان کی رغبت دنیوی مفاد کے پیش نظر تھی اسے شرعاً توبہ نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ توحید کے لیے اخلاص ضروری ہے اسی لیے ابن شیخ نے سورت الانعام میں لکھا ہے کہ ایمان و طاعت میں نفسانی خواہش سے راغب ہونا غیر مفید ہے جب تک ان میں خلوص قلب سے رغبت نہ ہو یہی وجہ ہے کہ صوفیۂ کرام نے فرمایا کہ ایمان و طاعت میں ثواب کی طلب اور عذاب کا خوف ہو تو نہ وہ ایمان کام کا اور نہ طاعت۔

مثنوی شریف میں ہے ع

آن ندامت از نتیجہ رنج بود
نے زعقل روشن چو گنج بود
چونکہ شد رنج آن ندامت شد عدم
می نیرزد خاک آن توبہ ندم
میکند او توبہ و پیر خورد
بانگ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا می زند

ترجمہ ایسی ندامت رنج کی وجہ سے ہے خزانہ کی طرح عقل روشن سے نہیں جو ندامت رنج کی وجہ سے ہو وہ بیکار ہے ایسے تائب کی توبہ غیر قابل قبول ہے بوڑھا توبہ تو کرتا ہے لیکن لو ردوا لعادوا کا مصداق بھی ہے کہ اگر اسے جوانی مل جائے تو پھر گناہ کرنے سے نہیں رکے گا۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس کی کوئی ایسی جماعت نہیں تھی جو اس کی قدرت رکھتے ہوں اور اسے ہلاکت سے بچا سکے یا اسے اس کا ضائع شدہ مال و اسباب واپس لوٹا سکتے یا اس جیسا مال و اسباب اسے دلوا سکتے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی کیا طاقت ہے کہ کر سکے اس کے اس جیسی مدد وہی کر سکتا ہے لیکن اس نے اس کافر کی

مدد نہیں کرتی تھی وہ اس کی مدد کا مستحق نہیں تھا بلکہ وہ اپنے کفر و معاصی کی وجہ سے ذلت و خواری کا مستحق تھا وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا اور وہ اپنی قوت سے اللہ تعالیٰ سے بدلہ لینے والا بھی نہ تھا هُنَالِكَ اس مقام پر اور اس وقت میں یعنی اولاد و نعمت کے وقت الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ مدد دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس پر کسی کو کسی قسم بالذات قدرت نہیں یہ ولم تکن لہ فئۃ کی تقریر کے لیے لایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافروں پر اپنے مؤمن بندوں کی مدد کرتا ہے اور صرف اہل ایمان کے لیے کافروں سے بدلہ لیتا ہے جیسے مذکورہ بالا قصہ میں ہے کہ مومن کے خدشہ کو یقین کر دکھایا اور کافر کو اسی کے سامنے ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کر دیا چنانچہ فرمایا هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا وہی اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو بہتر ثواب اور اچھے اعمال سے نوازتا ہے عقبا بمعنے العاقبۃ یعنی اچھا انجام ۔ حضرت سعدی مفتی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ عقبا دنیوی اور اُخروی ہر دونوں نیک انجاموں پر مشتمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دنیا و آخرت ہر دونوں جہانوں میں نیک انجام بخشتا ہے ۔

ف جلالین میں ہے کہ بہترین ثواب وہ ہے کہ جس ثواب کی منجانب اللہ امید دلائی گئی ہے اور اس کی طاعت کا انجام نیک ہو بہ نسبت دوسرے کی طاعت کے انجام کے ۔

ف قصہ مذکورہ سے بہت سے مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں اور اس کا عظیم ترین فائدہ یہ ہے کہ توحید اور ترک دنیا دارین کی نجات کا موجب ہیں اور شرک اور حب دنیا دارین کی تباہی و بربادی کے اسباب ہیں ۔

حکایت حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک عالم دین نے علوم دین کی ستر صندوقیں جمع کیں ہر صندوق کی لمبائی ستر گز تھی اللہ تعالیٰ نے اسی زمانہ کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ آپ اسی عالم دین سے فرمائیے کہ تجھے یہ علوم و فنون کی کتابیں کوئی فائدہ نہیں دیں گی اگرچہ ان سے کئی گنا زائد اور بھی جمع کرلیں ۔ جب تک تم اپنے سے تین عادتیں دور نہیں کرو گے وہ تین عادات یہ ہیں (۱) حبِّ دنیا (۲) شیطان کی سنگت (۳) مسلم کا ایذاء اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فرعون بہت بڑا عالم تھا سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی علم تھا لیکن حب دنیا نے نبی علیہ السلام کا ادب نہ کرنے دیا اور نہ ہی ان کی اتباع سے بہرہ ور ہو سکا اس سے ثابت ہوا کہ صرف علم غیر مفید ہے جب تک اس پر عمل نہ ہو اسی طرح ابلیس سے بڑھ کر کون عالم ہو سکتا ہے لیکن اس کا حال آدم علیہ السلام کے ساتھ بغض رکھنے کا سب کو معلوم ہے اسی طرح یہودی بھی بہت بڑے علماء تھے لیکن ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی سے مارے گئے اگر صرف علم فائدہ دیتا تو وہ لوگ اچھی عاقبت اور سعادت ابدی سے محروم نہ ہوتے اگر اپنے علم کے مطابق عمل کرتے تو نجات پاتے ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

گرچہ ناصح را بود صد داعیہ

پند را اذنے بباید واعیہ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
اور ان کے سامنے زندگانی دنیا کی کہاوت بیان کرو جیسے
كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ
ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو
فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ
کر نکلا کہ سوکھی گھاس ہو گیا جسے ہوائیں اڑائیں اور اللہ ہر چیز پر قابو والا ہے مال
وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا
اور بیٹے یہ جیتی دنیا کا سنگار ہے اور باقی رہنے والی اچھی باتیں ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں
وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾
بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلی

بقیہ صفحہ ۳۷۹ تو بصد تلطیف پندش می دہی

از پندت میکند پہلو تہی

یک کس نامستمع ز استیز و رد

صد کس گوینده را عاجز کند

زانبیا ناصح تر و خوش لہجہ تر

کے بود کہ رفت دمشان در حجر

زانکہ کوہ و سنگ درکار آمدند

می نشد بدبخت رابکشاده بند

آنچنان دلہا کہ بدشان و ماو من

نعتشان شد بل اشد قسوہ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

تفسیر عالمانہ اے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو دنیا کی زیب و زینت اور رونق کو ایسی چیزوں سے مثال دے کر سمجھائیے جن کے ساتھ رونق اور زینت اور زوال میں دنیا کو مشابہت ہو تاکہ وہ آخرت سے منہ موڑ کر دنیاوی مشاغل کی طرف نہ ٹوٹ پڑیں كَمَآءٍ یہ جملہ مستانفہ ہے کہاوت کا بیان ہے اس کا مبتدا ھی محذوف ہے یہ دراصل ھی کما تھا اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ یعنی جیسے وہ پانی جسے ہم نے بادل سے یا آسمان کی جانب سے اتارا یاد رہے کہ یہ تشبیہ صرف پانی سے نہیں بلکہ اس کے جملہ بیان کے ساتھ دنیا کو تشبیہ دی گئی ہے۔

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ اختلط بمعنے التف وتکاثف یعنی انگوری قوت پاکر اپنے نشوونما میں کمال کو پہنچے اور زمین اس سے رونق پکڑے فَاَصْبَحَ پس ہو جائے رونق اور تروتازگی کے بعد وہی گھنی کھیتی هَشِيْمًا یعنے مهشوما مکسورا یعنی خشک ہوکر بھوسہ کی طرح یہ هشم سے ہے بمعنے نرم شے کو توڑنا تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ اسے ہوائیں اڑاکر ریزہ ریزہ کر کے اٹھائے پھریں اہل عرب کہتے ہیں ذات الریح و اذرته بمعنے اطارته واذهبة یعنی اسے ہوا اڑاکر لے گئی ذرا اور جو خود بخود اڑا اس کے بعد مفعول بھی واقع ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے ذرا الحنطة نقاها فی الریح یعنی فلاں نے گندم کو ہوا میں صاف کیا کذا فی القاموس، یہ آیت انما مثل الحیوة الدنیا کما کا خلاصہ ہے کاشفی نے لکھا ہے کہ یہی کیفیت انسانی زندگی کی ہے کہ جب وہ نوجوان ہوتا ہے تو اس کی زندگی کے لمحات کی چہل پہل ہوتی ہے جب جوانی گزری تو موت کے پیغامات آنے لگے زندگی کے پھول کملانے لگے یہاں تک کہ فنا ہو جاتا ہے تو اس کی تمام آرزوئیں اس کے جسم کے ساتھ خاک میں مل جاتی ہیں۔ ؎

بہار عمر بسے دلفریب و رنگینست

ولے چہ سود کہ دارد خزاں مرگ از پے

ترجمہ زندگی کی بہار بڑی دلفریب اور رنگین ہوتی ہے لیکن کیا فائدہ جب کہ اس کے پیچھے خزاں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا اور وہ تخلیق الاشیاء اور ان کے ابقاء وافناء پر قادر ہے اسے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی۔

سبق دانا وہ ہے جو حیٰوۃ الدنیا سے دھوکہ نہیں کھاتا اس لیے کہ دنیا فانی ہے وہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو بالآخر اسے ملیا میٹ ہونا ہے اگرچہ اس کی بہار کتنا ہی مزین ہو۔

حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ؎

چوں شبت در آمد بروئے شباب

شبت روز شد دیدہ برکن زخواب

دریغا کہ بگذشت عمر عزیز

بخواہد گذشت این دمی چند نیز

فرو رفت جم را یکے نازنین

کفن کرد چوں کرمش ابریشمین

بدخمہ در آمد پس از چند روز

کہ بروئے بگرید بزاری و سوز

چوں پوشید ویدش حریر کفن
بکثرت چنین گفت باخویشتن
من از کرم بر کندہ بودم بزور
بکند نداز و بار کرمان بود
دریغا کہ بے ما بے روز گار
بروید گل و بشگفد نو بہار

تفسیر صوفیانہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ازلی عنایت شامل حال ہو جائے وہ روح کے جسم سے متعلق ہوتے ہی اولیاء انبیاء علیہم السلام کی برکات وفیوضات سے مستفیض ہوتا ہے جیسے مٹی میں پانی مل کر اسے تازہ بہار بنا دیتا ہے اور وہ ایمان و توحید کا بیج اپنے ساتھ رکھتے ہیں وہ تبلیغ و دعوت کے ہاتھ سے نفوس کی زمین بیج بوتے ہیں وہ بیج جب اچھی زمین یعنی پاکیزہ قلوب میں پڑتا ہے اس کی مثال کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ میں بیان کی گئی ہے اور دوسرے مقام والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ میں بھی اس کی مثال مطلوب ہے اپنے قلوب میں توحید کے بیج یعنی (لاالٰہ الا اللہ) سے شریعت کے پانی سے شجرۂ ایمان اُگتا ہے اس کی روح اسفل سافلین انسانیت سے نکل کر اعلیٰ درجات روحانیہ تک پہنچتی ہے بلکہ اسے قربات ربانیہ کی قریب ترین منزل نصیب ہوگی۔ کما قال تعالےٰ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنے بندے کو رسوائی میں ڈالے یا اسے اسفل سافلین جسمانیہ حیوانیہ میں دھکیل دے تاکہ اس کی علوی روح جانوروں بلکہ ان سے بھی بدتر ہو جائے اور چاہے تو اپنے بندوں کو جذبات عنائیہ کے ساتھ اعلیٰ علیین کے مراتب کا قُرب عطا فرمائے تاکہ وہ ملائکہ مقربین کے مسجود ہوں حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوئے کنند

ترجمہ دوست کی کشش کے بغیر کوئی سالک منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اگرچہ ہزاروں سال اس میں جدوجہد کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے اپنی محبت سے مشرف فرمائے اور ہمیں اہل طاعت وقربت بنائے

دنیا کی مذمت حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ دنیا کمینہ لوگوں کے لئے غنیمت اور جاہلوں کے لیے غفلت کا سبب اور اولیاء وانبیاء علیہم السلام نے دنیا میں رہ کر بھی اس کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں کی اور نہ ہی انہیں اس کی کچھ رغبت تھی اور فرماتے کہ ضروری نہیں کہ قیدخانہ میں ہر داخل ہونے والا قیدی ہو بلکہ بہت سے لوگ قیدخانے سے قیدیوں کو رہائی بخشتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین دنیا میں صرف اسی لئے تشریف لائے کہ وہ نفوس کے قیدیوں کو دنیا کی قید سے نجات بخشیں جیسے قیدی قید سے چھوٹ جاتا ہے ایسے

ہی دنیا کے قیدخانے ہیں جو شخص بھی انبیا علیہم السلام اور ان کے متبعین کا اتباع کرتا ہے تو وہ نفوس کی شرارت اور دنیا کے فسادات سے نجات پا جاتا ہے

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ زینت مصدر ہے لیکن اکثر بمعنے مفعول مستعمل ہوتا ہے اور چونکہ اس سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے اس لیے اسے مصدر کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے گویا حیٰوۃ الدنیا زینت کا عین ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ عرب کے رئیس کفار مال و بنون پر فخر کرکے اپنے لیے حیٰوۃ دنیا کی زیب و زینت کا سامان جمع کرتے ہیں لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ حیوٰۃ دنیا کے تمام اسباب عنقریب فنا ہو جائیں گے خلاصہ یہ کہ حیٰوۃ الدنیا کے آرائش کے جملہ اسباب چند روزہ ہیں یہ صرف ایک لمحہ میں تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہمچنیں دنیا اگرچہ خوش شگفت
بانگ ہم زد بیوفائی خویش گفت
کون می گوید بیامن خوش پی ام
ان فسادش گفت رو من لاشی ام
ای ز خوبی بھاران لب کشران
بنگر آن سردی و زردی خزان
کودکی از حسن شد مولای خلق
بعد فردا شد خوف رسوای خلق

وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ جملہ امورِ خیر کو باقیات صالحات سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لیے کہ یہ لفظ موصوف کے بغیر مستعمل ہوتا ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اعمال خیر جن کے ثمرات تا ابدالآباد باقی رہیں گے جیسے نماز روزہ اور اعمال حج اور کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اسی طرح کی اور نیک دعائیں وغیرہ

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنے ہتھیار سنبھال لو صحابہ نے عرض کی کیا دشمن کے حملہ کی وجہ سے آپ نے فرمایا نہیں جہنم کے حملہ سے ہتھیار حاصل کرو عرض کی گئی اس کے لیے کون سے ہتھیار ہیں آپ نے فرمایا جہنم سے بچنے کے لیے بہترین ہتھیار "سبحان اللہ الخ" ہے

ف کاشفی نے لکھا کہ الباقیات الصالحات لڑکیاں مراد ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ هن ستر لكم لڑکیاں تمھارے لیے جہنم کا ستر اور والدین کے لیے جہنم سے نجات کا سبب ہیں۔

حدیث شریف مع شرح

حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من ابتلی الابتلا بمعنے امتحان ہے لیکن اس کا اطلاق اکثر دکھ درتکلیف میں ہوتا ہے اور لڑکیاں بھی انسان کے لیے ایک آزمائش ہیں اس لیے عموماً انسان کی خواہش لڑکوں کی ہوتی ہے من ھذہ البنات بشئی یہ من بیانیہ ہے یہ اپنے مجرور سے مل کر شئی سے حال ہے یعنی جو شخص تم میں سے لڑکیوں کے متعلق کسی امر میں مبتلا ہوا فاحسن الیہن پس وہ بجائے سے احسان کرے یہاں پر احسان بمعنے تزویج بالاکفار ہے یعنی لڑکیوں کا اپنی کفو میں نکاح کر دینا لیکن بہتر یہ ہے کہ یہاں سے ہر قسم کی خدمت مراد ہو کن لہ سترا من النار تو وہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم کا پردہ بن جائیں گی یعنی دوزخ سے نجات پانے کا سبب لڑکیوں کی پرورش ہے اس لیے کہ لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی والدین کی محتاج ہوتی ہیں اسی لیے کہ جو شخص ان کی بہتر طریقہ سے تربیت کرتا ہے تو وہ جہنم سے نجات پا جائے گا۔ (کذا فی شرح مشارق الانوار)

خَیْرٌ یعنی باقیات صالحات مال واسباب فانی سے بہتر ہیں عِنْدَ رَبِّكَ آخرت میں اللہ تعالے کے ہاں ثَوَابًا ثواب کے لحاظ سے یعنی وہ اجر وثواب جو نیک عمل کرنے والے کو آخرت میں نصیب ہوگا وَّخَیْرٌ اَمَلًا۝ اور امید ورجاء کے لحاظ سے بھی باقیات صالحات بہتر ہیں یعنی دنیا وآخرت کی تمام امیدوں سے وہ بہتر صلہ نصیب ہو گا۔ جو اسے آخرت میں نصیب ہوگا اور دنیا کے مال واسباب تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں آیت میں حیٰوۃ دنیا کی زینت سے اہل ایمان کو بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس پر فخر کرنے والوں کو زجر وتوبیخ کی گئی ہے

تفسیر صوفیانہ

بزرگوں کا فرمان ہے کہ حیاتِ دنیا کی زینت سے صرف وہی نجات پاسکتا ہے جس کا دل انوار معرفت رضائے محبت الٰہی اور لمعان شوق سے مزین اور اس کا ظاہر آداب خدمت شرف ہمت وعلو نفس سے آراستہ اور اس کے باطن کا سنگار حب دنیا کی زینت پر غالب ہو اور وہ ہر وقت طلب دیدار الٰہی کے شوق میں رہتا ہو ایسے لوگ اپنی زینت سے حیاتِ دنیا کی زینت پر غالب رہتی ہے اس لیے کہ ایسے حضرات کی زینت زیادہ مزین ہوتی ہے

حدیث شریف

حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا زاہد کون ہے آپ نے فرمایا جو یہ چیزیں ہر وقت سامنے رکھتا ہے

۱ مر کر قبر میں جانا ہے

۲ قبر میں جسم نے گل سڑ جانا ہے

۳ دنیا کی فضول زینتوں کو نظر میں نہیں لاتا۔

۴ فانی اشیاء کے بجائے باقی باتوں میں جی لگاتا ہے

۵ اپنے آپ کو کل کے لیے زندہ رہنے کی امید نہیں رکھتا۔

۶ اپنے آپ کو مردگان سے سمجھتا ہے۔

حدیث شریف قدسی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا مومن بندہ اس پر خوش ہوتا جب میں اسے دنیا کی ہر شے فراوانی سے بخشتا ہوں لیکن وہ فراوانی میرے سے اسے دور کر دیتی ہے اور میرا مومن بندہ اس وقت بہت گھبراتا ہے جب میں اسے دنیا کی قلت پیدا کر دوں حالانکہ وہ قلت اسے میرے قریب کر دیتی ہے اس کی تائید میں حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ یحسبون انما نمدھم بہ من مال و بنین نسارع لھم فی الخیرات بل لا یشعرون خلاصہ یہ کہ دنیا اور اس کی زینت بندے کے لیے فتنہ ہے

مثنوی شریف میں ہے ؎

یکی پارسا سیرت وحق پرست
فتادش یکی خشت زریں بدست
ہمہ شب درانديشہ کین گنج ومال
ورو تازیم رہ نیابد زوال
ذکر قامت بجزم از بھر خواست
نیابد بزکس دوبا کددو راست
سرامی کنم پائے بستش رخام
ودختاں سقفش ھمہ عودخام
یکی حجرہ خاص از پی دوستان
در حجرہ اندر سرابوستان
بغسر سودم از رقعہ بر رقعہ دوخت
تف دیگراں چشم ومغزم بسوخت
دیگر زیر دستان بر ندم خورش
براحت دھم روح را پرورش
بسختی بگشت ایں غد بسترم
روم زین سپس عبقری گسترم
خیالش خرف کرد وکالیوہ رنگ
بمغزش فرو بدہ خرچنگ چنگ

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھو گے اور ہم انہیں

نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

اٹھائیں گے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے اور سب تمہارے رب کے حضور پرا باندھے پیش ہوں گے بیشک تم ہمارے پاس ویسے ہی

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا بلکہ تمہارا گمان تھا کہ ہم ہرگز تمہارے لیے کوئی وعدہ کا وقت نہ رکھیں گے اور نامہ اعمال رکھا جائیگا تو تم

الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ

مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّا أَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ

چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا اور تمہارا رب کسی پر ظلم

أَحَدًا ﴿٤٩﴾

نہیں کرتا

بقیہ صفحہ ۳۸۵

فراغ مناجات و رازش نماند

خور و خواب و ذکر و نمازش نماند

بصحرا در آمد سر از عشوہ مست

کہ جائے نبودش فرا زنشست

یکی بر سر کوہ گل میسرشت

کہ حاصل کند زان گل کو وخشت

باندیشہ لختی فرو رفت پیر

کہ ای نفس کوتہ نظر پند گیر

چہ بندی درین خشت زرین دلت

کہ یک روز خشتی کنند از گلت

تو غافل در اندیشہ سود و مال

کہ سرمایہ عمر شد پامال

بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک

کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ اے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو یاد کیجیے کہ ہم ان پہاڑوں کو زمین سے اکھیڑ کر انھیں خلا میں اڑا دیں اسی ہیئت پر چلائیں گے یا ریزہ ریزہ کر کے خلا میں اڑائیں گے حضور سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکیر دلانے سے کفار و مشرکین کو ڈرانا مقصود ہے تاکہ وہ قیامت کے ایسے خوفناک معاملہ سے عبرت پکڑیں وَتَرَى یہ خطاب حضور سرورِ کائنات امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا اس کو جو اس رؤیت کا اہل ہے الْأَرْضَ اس سے اس کی تمام جانبیں مراد ہیں بَارِزَةً بمعنے ظاہرۃ یعنی قیامت میں زمین کو ایک کھلا میدان دیکھو گے یعنی اس پر ایسی چیزیں نہیں ہوں گی جو اسے چھپا دیں یعنی اس وقت نہ پہاڑ ہوں گے نہ درخت اور نہ انگوریاں وَحَشَرْنَاهُمْ اور ہم تمام مومنوں اور کافروں کو ایک جگہ جمع کریں گے فَلَمْ نُغَادِرْ نہیں چھوڑیں گے مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ زمین کے اندر والے کافروں اور مومنوں میں سے کسی ایک کو۔

حل لغات غادرۃ واغدرۃ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب کوئی کسی کو چھوڑ دے اسی سے ہے العذر بمعنے ترک الوفا اور حوض وغیرہ کو عربی میں الغدیر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سیلاب اپنا پانی اس کی گہرائی میں چھوڑ گئی ہے

وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا اور قیامت میں تمام مخلوق کو جمع کر کے تمہارے رب تعالٰی کے سامنے اس کے حکم سے صفوں میں پیش کیے جائیں گے صفا مفرد ہے اسے جمع کے قائم مقام استعمال کیا گیا ہے جیسے ثم یخرجکم طفلا میں طفلا اطفالاً کے قائم مقام ہے یعنی صف بمعنے مصفوف ہے یعنی قیامت میں لوگ ایک دوسرے کے آگے پیچھے صف باندھ کر حاضر ہوں گے متفرق اور منتشر ہو کر نہیں آئیں گے بلکہ مجتمع ہو کر حاضری دیں گے جیسے بادشاہ کے سامنے لشکر پیش کیا جاتا ہے قیامت میں حاضری دینے والوں کو بادشاہ کے حاضر کردہ لشکر سے تشبیہ دی گئی ہے اور وہ اس معنے پر نہیں ہو گی کہ اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو پہچانے بلکہ اس لیے ہو گی کہ وہ کریم اپنے بندوں کا جس طرح چاہے فیصلہ کرے لَقَدْ جِئْتُمُونَا یعنی قیامت میں انہیں کہا جائے گا کہ آج تم ہمارے ہاں ایسے حاضر ہوئے ہو كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پاؤں اور جسم سے ننگے پیدا کیا جیسے اس وقت نہ تمہارے ہاں مال تھا اور نہ اولاد ایسے ہی اب مر کر اٹھے ہو تو پاؤں اور جسم سے ننگے اور تمہارے ہاں نہ مال ہے نہ اولاد۔

حدیث شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت میں لوگ کیسے اٹھائے جائیں گے آپ نے فرمایا پاؤں اور جسم سے ننگے میں نے عرض کی عورتیں بھی آپ نے فرمایا ہاں عورتیں بھی میں نے عرض کی ہمیں شرم محسوس نہیں ہو گی آپ نے فرمایا اے عائشہ قیامت کا منظر سخت ہولناک

ہوگا کہ کسی کو دوسرے کے دیکھنے کی ہوش بھی نہ ہوگی

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وعرضوا علی ربك صفا یعنی درجہ وار صفیں ہوں گی مثلاً پہلے انبیاء پھر اولیاء پھر اہل ایمان پھر کفار اور منافقین کی صفیں ہوں گی انھیں فرمایا جائے گا لقد جئتمونا کما اوّل مرۃ کہ جیسے تم ابتدائے آفرینش میں پانچ صفوں (انبیاء، اولیاء، اہل ایمان، کفار، منافقین) میں منقسم تھے آج بھی اسی طرح پانچ صفوں میں ترتیب وار حاضر ہوئے ہو

تفسیر عالمانہ بَلْ زَعَمْتُمْ بلکہ اے قیامت کے منکر کافرو! تمھارا گمان تھا الزعم بمعنے الادعا بالکذب یعنی زعم بمعنے جھوٹا دعوٰی کرنا ان مخففہ من المثقلہ ہے لَّن نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا تمھارے لیے قیامت میں ہم حاضری کا پروگرام نہیں بنائیں گے

ف بل خروج سے اور ایک قصے سے دوسرے قصے کی جانب منتقل ہونے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس سے کفار کو زجر و توبیخ اور انھیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنا مطلوب ہے یعنی اے کافرو! تمھارا خیال تھا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام تمھیں آخرت میں اٹھنے کی نصیحتیں کر رہے ہیں یہ فضول ہیں اللہ تعالیٰ ہماری حاضری کا کوئی پروگرام نہیں بنائے گا

مسئلہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت اور اس کی صفت جلال و قہاریت اور آثار عدل کا اظہار ہے تاکہ غافل لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر قیامت کے دن کے حصول کی تیاری کر سکیں اور اپنے ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کے خطاب و جواب کے لائق بنائیں کیونکہ ہم سب کا رجوع اور انجام بکار اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔

ف یہ حاضری یوں نہ سمجھنا کہ جیسے ایک بادشاہ کے سامنے اس کا لشکر حاضر ہوتا ہے بلکہ یہ احکم الحاکمین کی ایک بہت بڑی حاضری ہے کہ جسے انبیاء اولیاء یاد کر کے لرزتے تھے

حکایت حضرت عتبۃ الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ عتبہ میرے ہاں شب باش ہوا جب لوگ سو گئے تو وہ اٹھ بیٹھا اور روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی جب ہوش میں آیا میں نے پوچھا بیٹا کیوں روتے ہو اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی حاضری جب یاد آتی ہے تو نہ صرف میں بلکہ تمام عشاق کا یہی حال ہے کہ ان کی جان لبوں پر آجاتی ہے

حکایت سلیمان بن عبدالملک یعنی مروانیہ کا ساتواں خلیفہ نے ابوحازم سے پوچھا کہ بتاؤ ہم لوگ آخرت سے کیوں گھبراتے ہیں اس نے جواب دیا وجہ ظاہر ہے کہ تم لوگوں نے اپنی دنیا سنواری اور آخرت کو ویران کیا اسی لیے تم اپنی آباد کردہ دنیا سے آخرت کے ویرانے سے گھبراتے ہو سلیمان بن عبدالملک نے کہا صدقت یا ابا حازم اے ابوحازم تو نے ٹھیک فرمایا لیکن یہ بتائیے کہ ہمیں کل قیامت میں کیا جزا و سزا ملے گی ابوحازم نے کہا وہ بھی ظاہر ہے جسے قرآن مجید میں واضح طور بیان فرمایا ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم۔ بے شک ابرار بہشت میں اور فجار دوزخ میں ہوں گے سلیمان نے پوچھا بتائیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری حاضری کیسے ہوگی ابوحازم نے فرمایا کہ نیک کی حاضری تو ایسے ہوگی

جیسے کوئی شخص ایک عرصہ گھر سے باہر رہا ہو پھر جب واپس گھر لوٹتا ہے تو وہ اور تمام گھر والے شادان وفرحان ہوتے ہیں اور برُے کی حاضری ایسے ہوگی جیسے بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر آقا کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ غمگین اور شرمسار ہوتا ہے۔ ابوحازم کی یہ باتیں سن کر سلیمان بن عبدالملک خوب رویا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نریزد آب روئے کسی
کہ ریزد گناہ چشمش بسی
کر آئینت از آہ گردد سیاہ
شود روشن آئینہ دل ز آہ
بترس از گناہاں خویش این نفس
کہ روز قیامت نترسی ز کس
پلیدی کند گر بہ درجائے پاک
چو زشتش نماید بپوشد بخاک
تو آزادی از ناپسندیدہا
نترس کہ بروئے فتد دیدہا
براندیش از بندۂ پرگناہ
کہ از خواجہ غائب شد چند گاہ
اگر باز گردد بصدق و نیاز
زنجیر و بندش نیارند باز

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھے نہ انبیاء علیہم السلام پر رشک آتا ہے اور نہ اولیاء کرام پر اور نہ ہی ملائکہ مقربین پر بلکہ مجھے تو اس بندے کی قسمت پر رشک ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا اس لیے کہ یہ حضرات قیامت کا ہولناک منظر دیکھیں گے لیکن جو ابھی پیدا نہیں ہوا اس کے لیے قیامت کیسی

نکتہ حضرت فضیل کا یہ ارشاد حق بجانب ہے اس لیے کہ جو شخص کسی ہولناک منظر کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ مقام و مرتبہ پر نظر نہیں رکھتا بلکہ اسے ہولناک منظر سے خطرہ ہوتا ہے اس لیے کہ بندے سے ایسے اسباب صادر ہوتے ہیں جو اسے نجات دہندہ بھی ہوتے ہیں اور مہلکہ بھی اس سے سمجھدار انسان عبرت پکڑتا ہے۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصال کے بیس سال بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے چہرہ سے پسینہ صاف کررہے تھے اور فرمایا ابھی حساب سے فراغت پائی ہے (اس لیے کہ آپ کی خلافت بیس سال پر مشتمل تھی) اور

فرمایا کہ میں ایک بکری کے بچے کی وجہ سے پکڑا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلاں علاقے کی پُل ٹوٹ گئی تھی تم نے انتظام نہ کیا اس شکستہ پل پر اسی بکری کے بچے کا گزر ہوا تو گرنے سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی لیکن اس کریم نے مجھے بخش بھی دیا صرف میرے ایک چڑیا کے خریدنے سے جسے میں نے ایک لڑکے سے خرید کر چھوڑ دیا۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ اس کا عطف وعرضوا پر ہے اور یہ بھی منجملہ ان امور سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی حاضری سے ڈرایا اور اس سے بندوں کو عبرت دلائی ہے یعنی اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ اعمال کے صحیفے دائیں بائیں ہاتھوں یا میزان میں رکھے جائیں گے فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ تو تمام مجرموں کو دیکھو گے مُشْفِقِيْنَ اس منظر کی ہولناکی کو دیکھ کر گھبرائے ہوں گے جب کہ انھیں اپنے گناہ یاد آئیں گے اور پھر تمام میدان محشر کے سامنے رسوا ہونے کا خطرہ ہوگا ے

شد سیہ چوں نامہائے تعزیہ
برمعاصی متن نامہ حاشیہ
جملہ فسق و معصیت بد یکسری
ہمچو دار الحرب پر از کافری
آنچناں نامہ پلید و پر وبال
در یمین ناید در آمد در شمال
خود ہمینجا نامۂ خود را ببین

حاشیہ صفحہ بقیہ گذشتہ

لے اس حکایت کو لے کر شیعہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز کرتے ہیں حالانکہ یہ الشان کے مقرب ہونے کی دلیل ہے جب کہ یار یار سے بات بات پوچھتا ہے جب وہ بچھڑا ہوا یار دور کے سفر سے آئے ورنہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کا حساب ہوا وہ مارا گیا اور یہاں حساب بھی ہوا اور بیڑا پار اس کے بعد کی کیفیت سے شیعہ جی چراتے ہیں کیا یہ فاروقی شان نہیں کہ اتنی بڑی سلطنت بیس سال ایسی ذمہ داری سے چلائی کہ اس طویل عرصہ میں صرف آپ کی ایک خامی نکلی اور وہ بھی دیانت کے تحت اسے خامی کہنا بھی غلطی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فاروقِ اعظم کو نہیں بلکہ آنے والے بادشاہوں کو بتایا کہ بادشاہی کرنا مذاق نہیں ذرا سنبھل کر قدم رکھنا پھر بخشش تو ہر ایک کی رحمتِ حق سے ہوتی ہے یہی معاملہ رب تعالیٰ نے فاروقِ اعظم سے کیا پھر اعتراض کیسا۔ تفصیل فقیر کی کتاب آئینہ شیعہ مذہب میں دیکھئے۔

دست چپ را شاید آن در یمین

چوں نباشی راست می دان کہ چپی

ہست پید العرہ شیر د

گرچہ با حضرت اوزاست باش

تا بینی دست برد لطفہاش

وَيَقُولُونَ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو باوجودیکہ ان گنت تھے لیکن اب مٹھی بھر اور اپنے آپ کو معمولی سی جماعت تصور کرتے ہوئے کہیں گے یَاوَيْلَتَنَا گویا وہ اپنی ہلاکت کو ہلاکتوں کے مجمع میں دیکھ کر اسے پکار کر کہیں گے تاکہ ہلاکت کے گڑھے میں پڑیں اس بڑی مصیبت کے سامنے انھیں پہلی تکالیف یاد تک نہیں رہیں گی وَيْلٌ اور وَيْلَةٌ بمعنے ہلاکت آتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ اے ہماری ہلاکت اور تباہی آجا حاضر ہو جا یہی تیرے آنے اور حاضر ہونے کا وقت ہے

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ بقاعی نے فرمایا کہ رسم الخط میں لِ جارہ کو علٰحدہ لکھتے ہیں یں اشارہ ہے کہ ان پر سخت رُعب چھا جائے گا اور بہت بڑی پریشانی کے عالم میں رُک رُک کر بولیں گے کہ ہمارے اعمال نامہ کو کیا ہو گیا ہے کہ اب اس کا یہ حال ہے کہ اس نے نہ ہماری چھوٹی غلطی کو چھوڑا ہے اور نہ بڑی کو وہ ہماری زندگی کا ہر چھوٹا بڑا معاملہ ظاہر کرتا جا رہا ہے۔ کما قال

اِلَّآ اَحْصٰهَا مگر اس کو گن رکھا ہے یعنی ہماری چھوٹے بڑے پر حاوی اور اس کو ضبط کر رکھا ہے۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا صغیرۃ سے تبسم اور کبیرۃ سے قہقہہ مراد ہے۔

مسئلہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ غیر محرم کو ہاتھ لگانا صغیرۃٌ اور زنا کبیرۃ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شہوت نفسانیہ کے تحت کوئی تصرف خواہ شرعاً جائز ہے تب بھی صوفیہ کرام کے نزدیک وہ صغیرہ گناہ ہے مثلاً اللہ تعالیٰ سے مناجات ایک بہتر عمل ہے لیکن اگر نفسانی خواہش کے پیشِ نظر ہو تب بھی عند الصوفیہ صغائر میں داخل ہے اور ہر وہ عمل جو جب دنیا میں کیا جائے اسے صوفیا کرام کبیرہ گناہ سمجھتے ہیں اگرچہ شرعاً حلال ہو اسی لیے حبِ دنیا ہر گناہ کی جڑ ہے

حدیث شریف نمبر۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن گناہوں کو تم معمولی سمجھتے ہو اس سے بھی بچو اس لیے کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایک قوم کی ہے جو کسی وادی میں اتریں تو ہر ایک شخص ایک ایک لکڑی لائے تو وہاں پر لکڑیوں کا بہت بڑا انبار لگ جائے گا اسی طرح معمولی اور چھوٹے چھوٹے گناہ جب جمع ہوتے جائیں تو دل کی سیاہی کا بہت بڑا سامان بن جاتے ہیں۔

حدیث شریف نمبر۲ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے گناہوں سے بچو اس لیے کہ یہی معمولی اور چھوٹے گناہ قیامت میں بہت بڑے پہاڑوں کی طرح ہو جائیں گے ان کا کفارہ صدقہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا اور وہ اعمال جو انھوں نے دنیا میں کیے یا دنیا کے کیے ہوئے اعمال کی جزا و سزا کو قیامت میں پائیں گے حَاضِرًا حاضر یعنی اپنی کتابوں میں ثبت شدہ

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وہ اپنے اعمال کو قیامت میں اس لیے پائیں گے کہ انھوں نے اپنے افعال کے قلموں سے اپنے قلوب کے صیفوں پر اعمال صالحہ اور بُرے افعال نفوس کے صیفوں پر لکھے کبھی ان صیفوں کے برعکس ارواح کے صفحات پر پایا جائے گا اس لیے کہ بعض ارواح نورانی ہوتے ہے اگرچہ ان کے افعال بُرے ہوتے ہیں اور بعض ارواح ظلمانی ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری طور ان کے اعمال نیک ہوتے ہیں

تفسیر عالمانہ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اللہ تعالیٰ کسی پر معمولی طور بھی ظلم نہیں کرے گا مثلاً کسی نے کوئی برائی بھی نہ کی ہو لیکن اس کے اعمال نامہ میں برائی لکھے یا کسی نے کوئی برائی کی ہو تو اس کی مقرر سزا سے اسے زیادہ سزا دے اس وقت تو ازلی قلم کے لکھے ہوئے عدل کا اظہار ہوگا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر اس کے صفحہ روح پر نور کا غلبہ ہوتا ہے تو اسے بہشتیوں میں لکھا جاتا ہے اگر اس پر ظلمت کا غلبہ ہو تو اسے تباہی و بربادی نصیب ہوگی اور جس خوش قسمت کی روح میں ظلمت کی ملاوٹ نہ ہو وہ اہل درجات اور مقربین سے ہے ہاں جسے جذبات الٰہی نصیب ہوتے ہیں اس کی برائی بھی نیکی سے تبدیل کی جاتی ہے اسے ظلمات سے نکال کر نور حقیقی سے واصل کیا جاتا ہے وہی مالک قدیر کی خصوصی درگاہ میں حاضر باش ہو جاتا ہے

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ نیکیوں کو حاصل کرے اور برائیوں سے بچے اس لیے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے ثمرات مرنے کے بعد مل جاتے ہیں

حکایت دربار فضیلت صدقہ

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک عورت حاضر ہوئی اس نے اپنا ایک ہاتھ کپڑے سے چھپایا ہوا تھا بی بی صاحبہ نے فرمایا اے فلانی تو نے اپنا ہاتھ کیوں چھپایا ہوا ہے اس نے عرض کی اے امّ المومنین اس کا عجیب قصہ ہے وہ یہ کہ میرے والدین کو زندگی میں دو مختلف اعمال کی عادت تھی میرا والد صدقہ و خیرات کا عاشق تھا اور میری والدہ پرلے درجہ کی بخیل تھی وہ الٹا میرے والد سے صدقہ خیرات کی وجہ سے لڑتی رہتی تھی میں نے اسے زندگی بھر صدقہ و خیرات دیتے نہیں دیکھا تھا صرف ایک فقیر کو چربی کا چھوٹا سا ٹکڑا دے دیا تھا اور پھٹا پرانا کپڑا بھی۔ جب وہ دونوں مرے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہوگئی تو میں نے اپنی والدہ کو دیکھا ہے جو لوگوں کے سامنے ننگی کھڑی ہے صرف اپنے اگلا پچھلا ننگ چھپانے کے لیے وہی پراناکپڑا رکھے ہوئے اور اسی چربی کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ پر رکھ کر چاٹ رہی ہے اور چیخ چیخ کر پکارتی ہے اور اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ وہ حوض کوثر پر بیٹھا ہے اور شرابًا طہورًا کے پیالے بھر بھر کر لوگوں کو پلاتا ہے اور اسے زندگی میں پانی پلانے سے بہت بڑی محبت تھی میں اپنے والد سے ایک پیالہ شراب طہور کا لے کر والدہ کے پاس لے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ
اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے قوم جن سے تھا
الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ
تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا بھلا کیا اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو اور وہ تمہارے
لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۞ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ
دشمن ہیں ظالموں کو کیا ہی برا بدل ملا نہ میں نے آسمانوں اور زمین کو بناتے وقت انہیں سامنے بٹھا لیا تھا
اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۞ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ
نہ خود ان کے بناتے وقت اور نہ میری شان کہ گمراہ کرنے والوں کو بازو بناؤں اور جس دن فرمائے گا کہ پکارو میرے شریکوں
الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۞ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ
کو جو تم گمان کرتے تھے تو انہیں پکاریں گے وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک ہلاکت کا میدان کر دیں گے اور
النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۞
مجرم دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ انہیں اس میں گرنا ہے اور اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے

بقیہ صفحہ گذشتہ ۳۹۲

گئی میری والدہ نے اس سے اپنی پیاس بجھائی لیکن مجھے یوں سزا ملی کہ اس وقت اعلان ہوا کہ جس نے اس بخیلہ کو پانی پلایا اس کا ہاتھ لنجہ ہو جب میں بیدار ہوئی تو دیکھا میرا ہاتھ شل تھا ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دہقان سال خوردہ چہ خوش گفت با پسر
اے نور چشم من بجز از کشتہ ندرای

ترجمہ دہقاں بوڑھے نے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹا جو کچھ بیجو گے وہی پیدا ہو گا

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کنوں وقت تخمست اگر پروری
گر امید واری کہ خرمن بری
بشہر قیامت مرو تنگدست
کہ وجہی ندارد بغفلت نشست

بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا یہ تمیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بجائے ظالمین نے شیطان ابلیس اور اس کی معنوی اولاد کو اپنا کارساز اور مطاع بنا کر بہت بُرا کیا ہے

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ میں نے انھیں یعنے ابلیس اور اس کی ذریت کو حاضر نہیں بلایا خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ اور نہ ہی ان کے پیدا کرنے میں اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالے نے تخلیقی معاملہ میں کسی کو شریک نہیں کیا اور نہ ہی اسے اس کی پرواہ ہے اسی لیے الوہیت اسی کے لائق ہے انفسھم کی اضافت میں اشارہ ہے کہ ان میں ایک دوسرے کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں یہ ولاتقتلوا انفسکم کی اضافت کی طرح ہے وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا اور نہ وہ گمراہی کرنے والوں کو تخلیقی امور میں اپنا حامی کار بناتا ہے یعنی وہ جو لوگوں کو دینی امور میں گمراہ کرتے ہیں اس سے شیاطین مراد ہیں اور عبارت کا تقاضا تھا متخذھم ہو لیکن اسم ظاہر لایا گیا تاکہ شیاطین کے گمراہ کرنے کا لوگوں کو پورا یقین ہو۔ مددگاری میں معاونت اور تخلیقی امور میں مشورہ مراد ہے یعنے اللہ تعالیٰ کا تخلیقِ آسمان و زمین و دیگر معاملات میں شیاطین سے اعانت یا مشورہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ آسمانوں و زمینوں کی تخلیق تو شیطان اور ان کی ذریات کی تخلیق سے عرصہ دراز بہت پہلے ہوئی جب تخلیقی امور میں ان کی شرکت کا وہم بھی نہیں ہو سکتا پھر ربوبیت کے دیگر امور میں ان کی شرکت کا وہم کیسا قاموس میں لکھا ہے العضد بمعنے ناصر و معین اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا مددگار و معین نہیں بناتا۔

مسئلہ اللہ تعالےٰ الوہیت میں لاشریک ہے تمام مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے ملائکہ جن اور انسان سب اسی نے پیدا کیے ہیں اسی لیے یہ آپس میں شکل و صورت اور احوال میں مختلف ہیں۔

مسئلہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ نہ مذکر ہیں نہ مؤنث نہ بچے جنتے ہیں اور نہ وہ کھاتے پیتے ہیں اور شیاطین بچے جنتے ہیں ان میں مذکر بھی ہیں اور مؤنث بھی وہ مرتے نہیں جب تک دنیا قائم ہے وہ زندہ رہیں گے ابلیس تمام جنات کا باپ ہے۔

اعجوبہ بعض کہتے ہیں کہ شیطان اپنی دبر میں دم دبا کر انڈے دیتا ہے اس انڈے کو توڑا جاتا ہے تو اس میں سے شیطان کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوتی ہے

ف امام سہیلی نے "کتاب التعریف والاعلام" میں لکھا ہے کہ ابلیس کی اولاد میں ایک دہام بن الاقلص ہے ان میں بعض کا نام بلزون ہے اور وہ بازاروں میں رہ کر فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں ان کی ماں کا نام طرطبتہ ہے بعض نے کہا کہ طرطبتہ نے ان کی پرورش کی۔

ف نقاش نے ذکر فرمایا کہ ابلیس نے تیس انڈے دیئے دس مشرق میں دس مغرب میں اور دس زمین کے وسط میں انہی انڈوں میں سے تمام عفاریت و غیلان قطاربہ اور جنات پیدا ہوئے ان ہر ایک کے مختلف اسماء ہیں

سب کے سب اولاد آدم علیہ السلام کے دشمن ہیں جیسا کہ اسی نص قرانی سے ثابت ہوتا ہے سوائے ان کے جو کسی پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لائے

ابلیس کی زوجہ کی تخلیق

کاشفی نے لکھا کہ جب اللہ تعالے نے ابلیس کی دائیں پسلی سے ابلیس کی زوجہ آدہ نامی کو پیدا فرمایا تو اسے زمین کی ریت کے ذرات برابر اولاد بخشی اسی کی اولاد سے ایک مرہ نامی شیطان جو اپنے والد کے نام کی کنیت رکھتا ہے اس کے ایک فرزند کا نام لاقیس ہے اس کا کام ہے نمازیوں کو نماز میں وسوسہ ڈالنا اور ولہان بفتحتین یہ وضو کے وسوسے ڈالتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ ولہان ایک شیطان ہے جو وضو میں پانی زیادہ خرچ کے لیے وسوسہ ڈالتا اور وضو میں ہنستا ہے

دوکانداروں اور تاجروں کا شیطان

حضرت احمد غزالی قدس سرہٗ نے اربعین میں لکھا کہ شیطان کی اولاد ہے ان میں ایک زلنبور نامی شیطان ہے وہ صاحب اسواق شیطان کی اولاد سے ہے اس کا کام ہے کہ وہ دکانداروں اور تاجروں کو جھوٹ اور کم تولنے وخیانت (دھوکہ) وغیرہ پر ابھارنا۔ ان میں ایک اعول نامی شیطان ہے جو زنا کاری کی مد میں کام کرتا ہے اس کا کام ہے زانی کو زنا پر اکسانا اور اس کے سامنے زنا کو عجیب لذیذ رنگ میں پیش کرنا ان میں ایک ثبر نامی شیطان ہے اسے صاحب مصائب کہا جاتا ہے وہ لوگوں کو ناجائز طریقوں سے رُلائے اور کپڑے پھڑوائے اور منہ پر طمانچے مارے اور وہی رسوم ادا کرائے جو زمانہ جاہلیت میں جاہل کفار کرتے تھے ان میں سے ایک میسوط نامی شیطان ہے اس کا کام ہے لوگوں کے ذہن میں وسوسہ ڈالنا یعنی جھوٹی خبر کو ایک سے سن کر دوسروں کو سنانا تاکہ وہ آپس میں لڑیں اور ان لوگوں کو عادت پڑجائے کہ ایک برادری میں جاکر قسم کھاجائیں اور کہیں وہ ایسی ویسی باتیں کر رہے تھے نام تو نہیں جانتا البتہ وہ تمہارے متعلق اس طرح کہہ رہا تھا ایسے شیطان کو صاحب اراجیں کہا جاتا ہے ان میں ایک داسم نامی شیطان ہے اس کا کام ہے جو شخص طعام سے پہلے بسم اللہ شریف نہ پڑھے وہ اس کے طعام میں شریک ہو جاتا ہے

ف اکام المرجان میں ہے کہ داسم وہ شیطان ہے جو مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے عیوب پر مطلع کر کے ایک دوسرے میں بغض وعداوت پیدا کرے ایک شیطان مدہیش نامی ہے وہ علما کو مختلف شہوات وخواہشات پر ابھارتا ہے

فوائد الآیات

(۱) ان دونوں آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ اپنے لطف اور قہر دونوں کو ظاہر فرمائے تو لطف کی صفت کا مظہر آدم علیہ السلام اور قہر کی صفت کا مظہر ابلیس کو بنایا اس سے پھر اپنی کمال قدرت اور اعلیٰ حکمت کا ظہور بھی مطلوب تھا اس لیے کہ آدم علیہ السلام کو ایک بدبودار کالی مٹی سے بنا کر ملائکہ جیسی نوری مخلوق سے ان کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا یہ بھی اس کے کمال لطف اور جود وسخا کا ایک نمونہ ہے اسی طرح ابلیس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اس نے انکار کیا تو اللہ تعالےٰ نے اسے لعنتی بنا دیا اگرچہ اسے رئیس الملائکہ کا خطاب حاصل تھا اور وہ تمام ملائکہ سے اعلیٰ بلکہ ان کا معلم تھا اور عبادت میں تو ضرب المثل تھا آسمانوں زمینوں کے چپہ چپہ پر عبادت

کی اسی وجہ سے اپنی عبادت پر نازاں ہوا اور اسے عجب وکبر نے گھیر لیا یہاں تک کہ اپنے سے اور کسی کو اعلیٰ نہ سمجھا اسی لیے تکبر کرتا ہوا سجدہ سے انکار کر دیا آدم علیہ السلام کی بزرگی کو کچھ نہ سمجھ کر تکبر کے طور کہا خیر منہ میں اس سے بہتر ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کی رعونت سے اس کے گلے میں لعنت کا طوق پہنایا اور اپنی درگاہ سے ہٹا دیا اس سے اس کی صفت قہاریت کا ظہور بھی ہوا اور کمال قدرت کا اظہار بھی کہ اپنی قدرت کاملہ سے مٹھی بھر مٹی کو جو سراسر ظلمانی تھا اور فطرت سفلی اور کثیف تھا ایسا مرتبہ بخشا کہ ملائکہ نوری اور مقربین بارگاہ جو نوری ہونے کے علاوہ علوی لطیف اور روحانی ہوکر اسے یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے۔

۲۔ جب اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ ہوا تو ان کے خمیر کو چالیس روز گوندھا گیا تو انہی ایام میں ان میں خلافت کا راز ڈالا گیا راز خلافت سے بلا واسطہ فیض الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد مراد ہے اور اسی راز کرامت سے صرف آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو مخصوص کیا گیا۔ کما قال تعالیٰ۔

"ولقد کرمنا بنی آدم" یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو تمام مخلوق سے مکرم ترین بنایا اسی راز کے پردے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کھولے ہیں۔ کما قال علیہ السلام۔

"ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ" اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان میں اپنی خصوصی تجلی ڈالی اسی راز کی وجہ سے انھیں ملائکہ کرام نے سجدہ کیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

فرشتہ عشق ندانند کہ چیست قصہ مخوان
بخواہ جام وگلابی بخاک آدم ریز

ترجمہ فرشتے کو عشق کی کیا خبر اور نہ ہی اس قصے کو ان کے سامنے چھیڑئیے ایک پیالا منگوا کر گلاب (عشق) اس میں ملا کر آدم علیہ السلام کی خاک میں ڈال لیئے۔

۳۔ ملائکہ کرام کی تخلیق نور روحانی علوی سے ہوئی اس معنے پر حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ان کی طبع میں داخل ہے طاعت وعبودیت گویا ان کی غذا تھی لیکن جب انھیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا اس سے انکا امتحان لینا مطلوب تھا اور یہی ان کے لیے سخت امتحان تھا کیونکہ سجدہ عبودیت اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اظہار تواضع وانکساری کا انتہائی درجہ ہے اور جب وہ غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنے پر مامور ہوئے تو چونکہ یہ امر ان کی طبع کے خلاف تھا اسی لیے طبعاً مضطرب تو ہوئے لیکن ملائکہ خود بخود اور رغبت سے فوراً سر بسجود ہو گئے اس سے نہ انہیں اضطراب رہا اور نہ ہی طبعی کراہت۔ اس لیے انھیں سمجھ آگئی کہ یہ حکم الٰہی ہے اور اسی کے امر سے ایک حکم ہے جسے ماننا ہمارا کام ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا ہے "لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما تؤمرون"۔

۴۔ چونکہ ابلیس کو ضلالۃ واضلال اور غوایۃ واغواء کے لیے پیدا کیا گیا تھا اسی لیے اس کی تخلیق بھی نار سے ہوئی۔

اور نار کی طبع استعلاء و استکبار رہے اگرچہ پیدا کرتے ہی اسے اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کے ساتھ ملا دیا بلکہ اسے ملائکہ کا لباس عنایت فرمایا اس لیے کہ اس کے افعال ملائکہ سے ملتے جلتے تھے لیکن وہ بھی تقلیداً نہ تحقیقاً اسی لیے یہ بھی ملائکہ میں شمار ہونے لگے پھر جب عبادت و اطاعت میں بڑا زور دکھایا تو فرشتوں نے اسے اپنا استاد مان لیا اور اپنے میں سے اسے سردار بنا یا لیکن چونکہ اس کی عبادت و اطاعت ارادۃً نہیں تھی بلکہ ریا رسے عبادت و اطاعت کرتا اسی لیے امتحان کے وقت فیل ہو گیا اور اللہ جو ملائکہ کا لباس تھا اتار لیا گیا تاکہ خبیث اور طیب کا امتیاز ہو اس کے بعد اس کی طبع کے عادات یعنی دھوکہ بازی، مکر و فریب اور شر و فساد ظاہر ہوئے اور اس کی بدبختی ہویدا ہو گئی اس کی عارضی ہدایت مٹ کر طبعی غوایت نمودار ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ ملائکہ اپنی طبع کے تحت آدم علیہ السلام کے سامنے جھکے اور ابلیس اپنی طبع کے مطابق تکبر کر کے سجدہ کا منکر ہوا تب ظاہر ہوا کہ یہ ظاہراً فرشتہ اور حقیقتاً جن تھا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زاہد ایمن مشو رز بازی غیرت زنہار
کہ وہ از صومعہ تا دیر مغان ایں ہمہ نیست

ترجمہ اے زاہد غیرت الٰہی کی گرفت سے غافل نہ ہو عبادت گاہ سے کافروں کی پرستش گاہ میں لے جانے میں اسے کوئی دیر نہیں لگتی۔

۵ وہ آدم زادے جن کی شکل و صورت تو آدم علیہ السلام جیسی ہو لیکن اس کے کردار ابلیس جیسے ہوں تو انھیں شیاطین الانس سمجھو ان کی علامت یہ ہے کہ وہ ابلیس اور اس کی معنوی اولاد کو اپنا حامی کار بنا کر شب و روز ان کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی عبادت و اطاعت سے منہ موڑتے ہیں وہ ذریۃ شیطان کے چیلے بننے پر فخر کرتے ہیں لیکن آدم علیہ السلام کی حقیقی اولاد یعنی انبیاء اولیاء کی اطاعت سے کتراتے ہیں انھیں اولیاء و اعداء کے مابین امتیاز نہیں رہتا اسی وجہ سے جہالت کی بنا پر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ سے ہٹ کر شیطان کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ وہ ان کا دشمن ہے اور اللہ والے اللہ تعالےٰ سے ہی دوستی کرتے اور شیطان سے دور بھاگتے ہیں بلکہ وہ ماسوی اللہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ قرآن مجید میں ہے چنانچہ فرمایا "فانھم عدو لی الا رب العلمین" اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ رب العلمین کے ساتھ دوستی کے لیے ماسوٰی کی دشمنی ضروری ہے

۶ **اولیاء کے تصرفات کی بہترین دلیل** "ما اشھدتھم خلق السمٰوات والارض ولا خلق انفسھم" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو اپنے معاملات میں دخیل بناتا ہے اگرچہ بحیثیت محتاجی کے نہیں بلکہ پیار و محبت کی حیثیت سے وہ اپنے نور ازلی سے ابتداءً دیکھتا ہے کہ بعض اشیاء معدومہ قدرت کا تعلق یوں ہوا اور عدم سے وجود کی جانب نکالنے کی کیفیت کیسی۔

سوال اہل نظر کہتے ہیں کہ وجود باری تعالےٰ اور کیفیۃ تعلق القدرۃ بالمعدومات وکیفیۃ العذاب بعد الموت وغیرہ سے گفتگو کرنا ناجائز ہے

جواب واقعی عقلیات کے ماہرین کے نزدیک ایسی گفتگو نامناسب ہے لیکن اہل کشف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ علم عقل کا محتاج نہیں بلکہ وہ ہر شئے کشف سے معلوم کرتے ہیں اور ہم نے بھی مذکورہ بالا مضمون اہل کشف کے لیے کہا ہے ۔ صائب نے فرمایا ے

سخن عشق باخرد گفتن

برگ مردہ نیشتر زدن است

ترجمہ عقل والوں کو عشق کی بات سنانا ایسے ہے جیسے مردہ کی رگ پر نشتر مارا جائے

مثنوی شریف میں ہے ے

ایکہ بردعقلی ہدیہ باالہ

عقل اینجا کمتر است از خاک راہ

ترجمہ عقل کا ہدیہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں لانا کسی کام کا اس لیے کہ یہاں عقل کو خاک راہ کے برابر بھی وقعت نہیں

وَيَوْمَ يَقُولُ اور قیامت کے دن اللہ تعالےٰ یا فرشتے کفار کو زجراً توبیخاً وتعجیزاً فرمائیں گے صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہاں موزوں یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود کافروں سے فرمائے گا اس لیے کہ شرعاً مسلم ہے کہ قیامت میں اللہ تعالےٰ ہر ایک کو جلوہ دکھائیں گے وہاں کافر و مسلم کی تخصیص نہیں ہوگی لیکن ہر ایک کو اپنے اعتقاد کے مطابق زیارت ہوگی یعنے وہ اعتقاد جو دنیا میں اللہ تعالےٰ کے متعلق تصور رکھتے ہوں گے اس معنے پر اگر اللہ تعالیٰ کافروں سے بلاواسطہ ملائکہ گفتگو فرمائے تو کیا حرج ہے اور یہ کلام بھی ان سے زجراً توبیخاً ہوگا نہ رضا وخوشی اور شرافت کا یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے ابلیس سے بلاواسطہ کلام فرمایا جب اسے حکم ہوا کہ "ان علیك لعنتی الی یوم الدین" اور فرمایا اخرج منھا اس کی مزید تشریح ہم نے سورت حجر میں بیان کردی ہے نَادُوْا شُرَكَآءِیَ میرے شریکوں کو بلاؤ ۔

سوال اللہ تعالےٰ نے کافروں کو بتوں کو اپنا شریک کہہ کر موقعہ دیا کہ واقعی وہ اللہ تعالےٰ کے شریک ہیں ؟!

جواب اپنی طرف بتوں کو مضاف فرمانا ان کے گمان کے مطابق ہے نہ فی الحقیقۃ اس سے تہکم اور انہیں متنبہ کرنا مطلوب ہے

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ جن کے لیے تم نے دعویٰ کیا کہ وہ ہمارے سفارشی ہیں اور کہتے تھے کہ وہ تمہاری سفارش کر کے تمہیں دائمی عذاب سے نجات دلوائیں گے یاد رہے کہ اس سے ان کے وہ معبود مراد ہیں جن کی اللہ تعالےٰ کے

ماسوی پرستش کی جائے فَدَعَوْهُمْ توانھیں بلاؤ تاکہ آج وہ تمھاری مدد کریں

سوال آیت میں ان کی دعوت کی کیفیت کیوں نہیں بیان کی گئی

جواب ان کی دعوت کی کیفیت دوسری آیت۔ "قالوا انا کنا تبعاً فھل انتم مغنون عنا" میں بیان فرمادی ہے۔

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ پس وہ بت انھیں کسی قسم کا جواب نہیں دیں گے ان کی فریادرسی کو نہیں پہنچیں گے تو ان سے ضرر دور کرسکیں گے نہ انھیں کسی قسم کا فائدہ پہنچاسکیں گے اس لیے کہ ان سے اس قسم کا امکان کا تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا۔

سوال اس آیت میں ان کی عدم اجابت کا بیان ہے حالانکہ دوسری آیت "کانوا ایانا یعبدون" میں بتوں سے حکایۃ کے طور کہا ہے کہ بت کہیں گے کہ ان لوگوں نے ہماری پرستش نہیں کی تھی۔

جواب چونکہ یہاں آیت میں بتوں سے کلی طور ناامیدی کا بیان ہے اور دوسری آیت میں ناامیدی کے بیان کے ساتھ اظہار قدرت بھی مطلوب ہے بنا بریں دونوں آتیں آپس میں متضاد نہیں۔

مسئلہ اوامر ونواہی پر عمل کرنے سے جزائے سزا کا دارومدار دنیوی زندگی پر ہے جس کا ثمرا ور نتیجہ آخرت میں نصیب ہوگا اور آخرت میں اوامر ونواہی پر عمل کیا جائے تب بھی کسی قسم کا ثواب نہیں ملے گا یہی وجہ ہے کہ قیامت میں ایمان کے اعتراف اور بعض اعمال کے اکتساب کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوگا

سوال قیامت میں اکتساب اعمال یا ایمان کا اظہار کیسا

جواب اسی آیت میں اس کا جواب موجود ہے مثلاً اللہ تعالے نادوا شرکاءی سے کفار کو امر فرمائے گا اور وہ کفار۔ فدعوھم پر عمل بھی کریں گے لیکن فائدہ خاک کا نہ ہوا اس لیے کہ انھیں بتوں نے کسی سوال کا جواب نہ دیا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا اور ہم ان پکارنے والوں کافروں اور ان کے بتوں کے درمیان آڑ کردیں گے

حل لغات موبقاً اسم مکان یا مصدر ہے وبق وبو قا وتب وثوبا کی طرح باب فرح فرحاً سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ہلاک ہوجائے۔

سوال وہ کفار ومشرکین تو لا تعداد ہوں گے اور موبقاً صیغہ واحد کیوں؛

جواب چونکہ ان کی ہلاکت گاہ یعنی جنہم ایک ہے اسی لیے واحد کا صیغہ لایاگیا ہے یا اس سے عداوت مراد ہے اور ایسی عداوت بہت سخت قسم کی ہلاکت ہوتی ہے۔

ف فراء نے لکھا کہ اس جملہ کا معنے یہ ہے کہ تمھارے دنیا کے ساتھ تعلق کو آخرت میں ہلاکت کا سبب بناؤں گا اس معنے پر لفظ بین بمعنے تعلق وتواصل ہے جیسے لقد تقطع بینکم میں بین بمعنے تواصل وتعلق ہے یہ اس قرأت پر جس میں بینکم مرفوع پڑھاگیا ہے فراء کے ترجمہ پر بینکم جعلنا کا مفعول اول اور جمہور کے ترجمہ پر یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ

اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیئے اس قرآن میں

كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ وَمَا مَنَعَ

ہر قسم کی مثل طرح طرح بیان فرمائی اور آدمی ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے اور آدمیوں کو

النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ

کسی چیز نے اس سے روکا کہ ایمان لاتے جب ہدایت ان کے پاس آئی اور اپنے رب سے معافی مانگتے مگر یہ کہ ان پر

الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ

اگلوں کا دستور آئے یا ان پر قسم قسم کا عذاب آئے اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشی اور ڈر سنانے والے

وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

اور جو کافر ہیں وہ باطل کے ساتھ جھگڑتے ہیں کہ اس سے حق کو ہٹا دیں

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

اور انہوں نے میری آیتوں کی اور جو ڈر انہیں سنائے گئے تھے انکی ہنسی بنالی اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جسے اس کے

فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں تو وہ ان سے منہ پھیر لے اور اس کے ہاتھ جو آگے بھیج چکے اسے بھول جائے ہم نے ان کے دلوں پر

يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٥٧﴾

غلاف کر دیئے ہیں کہ قرآن نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو جب بھی ہرگز کبھی راہ نہ پائیں گے

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ

اور تمہارا رب بخشنے والا مہر والا ہے اگر وہ انہیں ان کے کیئے پر پکڑتا تو جلد ان پر عذاب بھیجتا بلکہ ان کے

لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا

لیے ایک وعدہ کا وقت ہے جس کے سامنے کوئی پناہ نہ پائیں گے اور یہ بستیاں ہم نے تباہ کر دیں جب انہوں نے ظلم کیا

وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾

اور ہم نے انکی بربادی کا ایک وعدہ رکھا تھا

ف قاموس میں ہے کہ موبق بروزن مجلس بمعنے مہلک ہلاکت گاہ اور جہنم کی ایک وادی کا نام ہے اور ہر وہ شے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اگر موبقاً ایک وادی کا نام ہے تو آیت کا معنےٰ یوں ہوا کہ ہم نے ان کے لیے جہنم میں ایک وادی تیار فرمائی ہے جس میں انہیں سخت ترین عذاب میں بتلا کیا جائے گا اگر موبقاً بمعنے آڑ ہے تو اب معنےٰ یہ ہوگا کہ قیامت میں ہم ان کے درمیان آڑ کھڑی کر دیں گے جب وہ آپس میں جدا ہو جائیں گے اسی اعتبار سے ان کی شفاعت کوئی نہیں کرے گا اگر وہ ان کی پرستش بھی کرتے رہے۔ جیسے ملائکہ وعیسیٰ وعزیر علیہم السلام وغیرہ بلکہ ان سے ہر مومن بیزار ہو جائے گا۔

سوال اس آڑ سے معلوم ہوا کہ بعض کافر جہنم میں نہیں ہوں گے

جواب آڑ شے کے اندر ہونے سے نہیں روکتی اس معنے پر تمام کافر جہنم کے عذاب اور اس میں دخول کے اعتبار سے مشترک ہیں صرف ان کے درمیان آڑ کھڑی کر دی جائے گی جیسے ایک سرائے میں کئی کمرے ہوتے ہیں ہر ایک کمرے دیوار سے ایک دوسرے کو حائل ہوتے ہیں ایسے ہی وہاں وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ اور جب کافروں کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جائیں گے تو دُور سے کفار جہنم کو دیکھیں گے۔ کاشفی نے لکھا کہ چالیس سال کی راہ سے جہنم کو دیکھیں گے فَظَنُّوْٓا تو یقین کریں گے۔

اِنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا بے شک وہی اس میں گرائے جانے والے ہیں

ف جب کسی کو کسی داخل کرنے میں گرایا جانا مطلوب ہو تو اس کے لیے مواقعة استعمال کرتے ہیں

ف امام نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ اگرچہ وہ دوزخ کو بہت دور سے دیکھیں گے اور انہیں یقین ہوگا کہ وہ اس میں دھکیلے جائیں گے لیکن جب تک اس میں داخل نہیں ہوں گے اسے دیکھتے بھی رہیں گے یہ نہیں کہ دور سے دیکھیں تو پھر جہنم ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے بلکہ اس کے دیکھنے کے ساتھ شدت کی آواز بھی اس کے کان میں پہنچے گی چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا واذا رأیتهم من مکان بعید سمعوا لها تغیظا و زفیرا۔ المکان البعید سے پانچ سو سال کی مسافت مراد ہے وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ اور اس سے بھاگنا یا بھاگنے کی جگہ نہیں پائیں گے اس لیے کہ جہنم انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ (نعوذ باللہ منہا)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا مجھے قسم ہے کہ ہم نے قرآن مجید کے مضامین مختلف طریقوں سے مکرر بار بار بیان کیا ہے فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ اسی قرآن مجید میں لوگوں کی مصلحت و منفعت کے لیے ہر طرح کی کہاوتیں بیان کر کے مثلاً گزشتہ بیان میں دو بھائیوں کی کہاوت پھر حیوٰۃ دنیا کی کہاوت تاکہ لوگ نصیحت پائیں یا مثل سے وہ معنے و سبب مراد ہے جو ایمان کا داعی ہے اس معنے پر اس کے حسن و غرابت کی وجہ سے اسے مثل (کہاوت) سے تعبیر کیا گیا ہے کاشفی نے لکھا اس سے مراد ہے کہ ہم نے ہر طرح کے قصے کہانیاں سنائیں تاکہ انہیں عبرت ہو اور اس سے اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ کو پہچانیں یہی طریقہ ان کی بصیرت کے ازدیاد کا موجب ہے ۔

حق تعالےٰ بمحض فضل عمیم
درکتاب کریم و حکم قدیم
آنچہ مرجملہ را بکار آید
گفتہ است آنچنانکہ می آید

ترجمہ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل عمیم سے اپنی کتاب اور حکم قدیم میں وہ باتیں درج فرمائیں جو ہمارے لیے مفید ہوں جس طرح فرمایا یوں ہوگا وہ ضرور ہوگا۔

وَكَانَ الْإِنْسَانُ اور جنس انسان اپنی جبلت وفطرت کے تحت ہے اَكْثَرَ شَيْءٍ یہ تمیز ہے یعنی عالم دنیا میں جن چیزوں سے جھگڑے کا صدور ہوتا ہے جیسے جنات، ملک وغیرہ ان سب سے انسان سخت ترین جھگڑالو ہے یہاں پر اس کی باطل کی خصومت مراد ہے اس لیے کہ یہی اس کی فطرت کا تقاضا ہے ہم نے فطرت کا تقاضا اسی لیے کہا کہ ضروری نہیں کہ انسان کی ہر خصومت مبنی بر باطل ہو بلکہ اسکی بہت سے خصومات اور مجادلے حق کے لیے ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود حکم فرمایا کہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ جھگڑو اس لیے کہ یہی احسن معاملہ ہے

حل لغات الجدل بمعنے الفتل یعنی رسی بٹنا چونکہ جھگڑا والے جب آپس میں جھگڑتے ہیں تو گویا وہ ایک دوسرے پر پلٹتے ہیں اسی لیے اسے مجادلۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قوم جب ہدایت سے گمراہی کی طرف لوٹتی ہے تو پہلے جدل کے طریقوں کو اپناتی ہے (رواہ ابوامامہ کذا فی تفسیر ابی اللیث)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مجادلہ ومخاصمہ انسان کی فطرت ہے اسی بری فطرت سے سلوک کے منازل طے کرنے کے بجائے محرومی کا شکار ہو جاتا ہے کہ کبھی انبیاء علیہم السلام سے لڑ جھگڑ کر ان کی نبوت ورسالت کا انکار کر کے ان سے برسر پیکار ہوئے کبھی ان پر نازل شدہ کتب کا انکار کر بیٹھے چنانچہ کہہ دیا ما انزل علی بشر من شئی کبھی آیات محکمات کے منکر ہوئے اور کبھی متشابہات کے کبھی ناسخ منسوخ کا انکار کیا کبھی اس کی تفسیر وتاویل میں اپنی رائے کو دیا تو کبھی اس کے اسباب نزول میں کبھی اس کی قرأت میں اختلاف کیا تو کبھی اس کے قدیم وحادث ہونے پر لڑا ایسے ہی مجادلے لڑائیاں، مخاصمات، مناظرات، وغیرہ میں لگے رہے اسی لیے اللہ تعالے نے فرمایا وکان الانسان اکثر شئ جدلا ایسے لوگوں کے متعلق اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ؛ قل اللہ ثم ذرھم (الآیۃ)

حضرت مولانا قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد وخر رفت

ایں وقت عزیز است ازیں عمر بدہ بار آ

ترجمہ ہمیں اس سے کیا غرض کہ گائے آئی اور گدھا گیا۔ وقت کو غنیمت سمجھ کر مشغول بحق رہو جنگ سے دور رہو۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے جنگ وجدال سے کنارہ کش ہو کر زندگی بسر کرے اس لیے کہ جنگ وجدال کا انجام بُرا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ جدال وخصومت میں دوسرے کو دکھ اور درد سے دوچار کرنا ہے اور یہ درندوں کا کام ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کا ایمان نامکمل ہے جب تک جدال وخصومت کو ترک نہ کرے اگرچہ حق پر ہو۔

ف جب حق والے کے لیے جدال وخصومت مضر ہے پھر باطل پر لڑنے جھگڑنے والے کو خود سمجھ لیجیے۔ (اعاذنا اللہ تعالےٰ وایاکم الخ)
اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے جھگڑے لڑائیوں وغیرہ سے بچائے اور ان لوگوں سے بنائے جو نیک باتوں میں لگے رہتے اور بری باتوں سے احتراز کرتے بلکہ تمام لغویات سے بچتے ہیں چنانچہ ان کی تعریف میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:
واذا مروا باللغو مروا کراما (الآیۃ) اور فرمایا، واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما
وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اور اہل مکہ کو کس نے منع کیا ہے اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا یہ کہ ایمان لائیں اللہ تعالےٰ پر اور جس شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں اسے چھوڑ دیں اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰی جب ان کے ہاں ہدایت تشریف لائی۔ اس سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے اس لیے کہ آپ ہی ان کی ہدایت کے داعی تھے اور قرآن کریم بھی مراد ہے اس لیے کہ وہ بھی ہدایت کا سبب ہے وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّھُمْ اور انھیں کس نے روکا ہے کہ وہ اپنے جملہ گناہوں سے اللہ تعالےٰ سے استغفار کریں۔ اَوْ یَاْتِیَھُمُ العذاب قبلاً مگر انتظار کر رہے ہیں کہ ان پر کھلا عذاب آئے قبلا قبیل کی جمع ہے بمعنے آمنے سامنے یا بمعنے عیاناً ہے یعنی آنکھوں دیکھا معاملہ۔ جلالین میں ہے کہ اس میں بدر کی جنگ میں قتل کی طرف اشارہ ہے

سوال الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ آیت میں فرمایا گیا کہ اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو ان دو عذابوں سے کسی ایک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن بہت سے لوگ بدستور کافر بھی رہے اور کسی ایک عذاب میں مبتلا بھی نہ ہوئے۔

جواب آیت میں فرمایا گیا کہ اگر کل کافر ایمان نہ لائے تو انھیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا لیکن جب ان کے اکثر ایمان لائے
الا ان تاتیھم سنۃ الاولین۔ یہ کہ ان کے ہاں پہلے لوگوں کے طریقے آئیں۔
جیسے فتح مکہ میں ہوا تو اس بنا پر عذاب سے بچے اور قاعدہ ہے للاکثر حکم الکل اکثر کل کا حکم رکھتا ہے۔
وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اور ہم رسولوں (علیہم السلام) کو نہیں بھیجتے اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ مگر اس حال میں کہ اہل ایمان مطیعین کو درجات علیا کی خوشخبری سنانے والے ہوتے ہیں وَمُنْذِرِیْنَ اور کافروں اور مجرموں کو عذاب اور جہنم کی مختلف سزاؤں سے ڈرانے والے ہوتے ہیں۔

نکتہ انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے کا موجب یہی ہے کہ انسانی عقل اخروی عذاب اور ثواب سے مکمل سمجھ نہیں رکھ سکتی یہ بھی اللہ تعالےٰ کا لطف وکرم ہے کہ اس نے انبیاء ورسل کرام علیہ السلام بھیجے تاکہ ہمیں آخرت کے عذاب وثواب سے آگاہ کریں

علماء کی قدر وقیمت صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء واولیاء بھی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں اس لیے کہ ان کے بیانات سے شکوک وشبہات مٹ جاتے ہیں اور ان کی رہبری سے راہ ہدایت اور منزل سلوک نصیب ہوتی ہے۔

وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور کافر انبیاء علیہم السلام سے جھگڑتے رہتے ہیں بِالْبَاطِلِ بیہودہ باتوں سے یہاں تک کہ انھوں نے کہا "ما انتم الا بشر مثلنا" تم تو ہماری مثل ہو اور کہتے ہیں "ولو شاء اللہ لانزل ملائکۃ" اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو فرشتے بھیجتا اور معجزات دیکھ کر دیگر قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے محض ہٹ دھرمی اور ضد کی بنا پر لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

تاکہ جھگڑا کر کے حق کو مٹائیں یعنی وہ جسے انبیاء علیہم السّلام لائے اسے مرکز سے ہٹا کر نیست ونابود کر دیں۔

حل لغات ادحاض القدمؔ سے ہے بمعنے ازلاق القدم من موطنھا یعنی قدم کا اپنی جگہ سے ڈگمگانا الادحض بمعنے الزلق یعنے ڈگمگانا اور زمخشری کی بلاغات میں ہے کہ

موحدین کے دلائل کسی شبہ سے نہیں مٹتے ایسے ہی جسے ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا اسے ابرھہ کس طرح گرا سکتا تھا۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او

ترجمہ جو اللہ تعالیٰ کی روشن کردہ شمع کو پھونک مار کر بجھانا چاہے شمع نے تو بجھنا نہیں البتہ بجھانے والے کا خانہ خراب ہو گا

وَاتَّخَذُوْا اٰیَاتِیْ اور انھوں نے میری ان آیات کو جو میری وحدۃ و قدرت وغیرہ پر دلالت کرتی تھیں۔
وَمَا اُنْذِرُوْا اور وہ امور جن سے انھیں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا کو بنایا ھُزُوًا ہنسی مذاق یعنی ٹھٹھا مذاق کی جگہ اس معنے پر مصدر بطور مبالغہ لایا گیا وَمَنْ اَظْلَمُ یہ استفہام زجر و توبیخ کے طور ہے یعنی اس سے اور کون سخت ترین ظالم ہو گا مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ جسے آیات الٰہی یعنے قرآن مجید سے نصیحت دی جائے فَاَعْرَضَ عَنْھَا تو اس سے وہ منہ موڑے یعنی اس میں تدبر و تفکر نہ کرے وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰہُ اور بھول جائے اپنے کیے ہوئے کفر و معاصی کو اور نہ ہی ان کے بد انجام کی فکر کرے اور اسے خیال تک نہ رہے کہ نیک کو بہتر جزا اور بُرے کو سخت سزا ملے گی۔

سوال کفر و معاصی کے ارتکاب کو ہاتھوں سے عمل کرنے کے ساتھ کیوں تعبیر کیا گیا۔

جواب چونکہ عموماً انسان کے افعال ہاتھ سے ہوتے ہیں یہاں تک کہ قلب کے افعال کو بھی کسب ید سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لیے ہاتھوں کا نام لیا گیا

ف آیت میں ظالم سے مراد یعنے میں موزوں وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتا اور خیر کے راستے کھلے دیکھنے کے باوجود ان پر چلنے کی بجائے روگردانی کرتا ہے بلکہ شر و فساد کی راہوں کا خوگر ہے اور انھی پر چلنے کا شوق رکھتا ہے ایسے گندے راستوں سے اجتناب نہیں کرتا۔

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ بے شک ہم نے اعمال کو بنایا۔ (کذا فی تفسیر الشیخ) عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً ان کے دلوں پر پردے یہ کنان کی جمع ہے یہ ان کے اعراض ونسیان کی علت ہے کہ جب انھوں نے ہماری آیات سے اعراض کیا اور بھلایا تو ہم نے بھی ان کے دلوں پر مہر لگا دی اَنْ یَّفْقَھُوْہُ کہ اسے سمجھ سکیں یعنی ہمیں ان کی روش پسند نہ آئی۔ اسی لیے ہم نے ان کے کانوں پر مہر لگا دی تاکہ آیات کی کُنہ کی سمجھ سے محروم رہیں۔

سوال آیات جمع ہے اور ان ان یفقھوہ کی ہ ضمیر واحد کیوں ؟

جواب چونکہ ان آیات سے قرآن مجید مراد ہے اسی لیے یہ ضمیر اسی معنے پر واحد لائی گئی ہے

وَجَعَلْنَا فِیْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا اور ہم نے ان کے کانوں پر ثقل و بہرہ پن ڈالا تاکہ انھیں قرآنی آیات سننے یعنی ان کے قبول کرنے سے روکے

ف اس میں اشارہ ہے کہ اہل لغو وہذیان قرآن مجید کو پورے طور سنتے بھی نہیں ۔

حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دل زشنیدن قرآن بگیر در ہمہ وقت

چو باطلان زکلام حقت ملولی چیست

ترجمہ : ہر وقت قرآن مجید سننے میں مصروف ہو جا ۔ بدبختوں کی طرح تجھے قرآن مجید سننے سے ملال کیوں ہوتا ہے

اور طریق فلاح یعنی دین اسلام کی طرف اگر انھیں بلاؤ گے

تو وہ ہمیشہ یعنی مدت تکلیف مکلف ہونے پر ہرگز ہدایت نہیں پا سکیں گے اس لیے کہ ان کے دلوں پر ازل سے تالے لگ چکے ہیں

اسی لیے ان کا ہدایت پانا محال ہے

ف ان سے کفار مکہ کا ایک مخصوص گروہ مراد ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ انھوں نے زندگی بھر اسلام قبول نہیں کرنا ۔

وکذا قال الکاشفی، اور یہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب اور ایک شرط کی جزا ہے حضور علیہ السلام کے سوال کا جواب یوں ہے کہ انا جعلنا علی قلوبھم اکنۃ میں گویا اشارہ تھا کہ اے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم آپ ایسے بدبختوں کو دعوت اسلام پیش بھی نہ کریں لیکن چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے طبعی حرص تھا اسی لیے گویا آپ نے اللہ تعالےٰ سے پوچھا مالی لا ادعوھم میں انھیں دعوت اسلام کیوں پیش نہ کروں اللہ تعالے نے اس کے جواب میں فرمایا؛ وَاِنْ تَدْعُهُمْ الآیۃ، اور یہ شرط کی جزا یوں ہے کہ جب وہ ہدایت کے قابل ہی نہیں رہے تو پھر ہدایت کے سبب یعنی دعوت نبوی کے قابل کب ہو سکتے ہیں جب ان سے ابتدا کی نفی کی گئی تو گویا ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول نہ کرنے کی نفی کی گئی ہے

وَرَبُّكَ یہ مبتدا اور اس کی خبر الْغَفُوْرُ ہے یعنی تمھارا رب بہت بڑی مغفرت والا ہے اور مغفرت بمعنے بندے کو ایسے عذاب سے بچانا جن کا وہ اپنے عمل کی وجہ سے مستحق تھا یہ الغفر سے ہے بمعنے کسی شے کو کوئی ایسی شے پہنانا جو اسے گرد و غبار سے بچائے ۔

ذُو الرَّحْمَةِ وہ رحمت سے موصوف ہے رحمۃ بمعنے الانعام علی الخلق یعنی مخلوق کو انعام سے نوازنا یہ مبتدا کی دوسری خبر ہے

سوال پہلے صیغے کو مبالغہ پر اور دوسرے کو بغیر مبالغہ کے کیوں ؛

جواب متنبہ کرنا مطلوب ہے کہ بندوں کے گناہ ان گنت ہیں اور مغفرت میں ترک المضار یعنی کسی کو ضرر نہ دینے کی طرف اشارہ ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی عذاب کے ترک پر قادر ہے اور رحمت فعل و ایجاد سے متعلق ہے اس لیے کہ اس کا وجود صرف ان اشیأ سے متعلق ہوتا ہے جو متناہی ہوں غفران کی رحمت پر بھی تقدیم اسی لیے ہے کہ تخلیہ تحلیہ سے پہلے ہوتا ہے ۔

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا تمھاری بدکرداریوں کو دیکھ کر اگر وہ مواخذہ فرمائے لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ تو دنیا میں بلا مہلت تمھیں عذاب میں مبتلا کر دے اس لیے کہ تمھارے کردار کا تقاضا ہی ایسا ہے لیکن نہ اس کریم نے تمھاری گرفت میں جلدی کی اور نہ ہی تم پر اچانک عذاب نازل فرمایا بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ بلکہ ان کے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے مَوْعِدٌ اسم زمان ہے اس سے یوم بدر یا قیامت کا دن مراد ہے کہ جس میں انھیں سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا جب ان پر عذاب کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو جائے پناہ نہیں پائیں گے۔

حل لغات: موئلا۔ و۔ أ۔ل سے ہے بمعنے لجا الیہ بعض نے کہا کہ من دونہ کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے اور سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ یہی موزوں تر بلکہ بلیغ تر ہے اس لیے کہ جس کا ملجا و ماویٰ خود عذاب ہو تو پھر اس کے لیے خلاص اور نجات کیسی بعض نے کہا اس کا معنٰی یہ ہے کہ جب نزول عذاب کا وقت آ جائے گا تو پھر ان کو نہ کہیں پناہ ملے گی اور نہ ہی کسی طرف بھاگ سکیں گے یہ معنے بھی اچھا ہے۔ (واللہ اعلم)

وَتِلْكَ الْقُرٰى اس سے عاد ثمود اور ان جیسے اور کفار کی بستیاں مراد ہیں یہاں مضاف محذوف اور مبتدا ہے یہ دراصل واھل تلك القرىٰ تھا اس کی خبر اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ہے یعنی اور ہم نے ان بستیوں والوں کو اس وقت تباہ و برباد کیا جس وقت انھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا اور ان کا ظلم و کفر و شرک اہل مکہ جیسا تھا جیسے انھوں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور ان سے لڑے جھگڑے اور دیگر کئی طرح کے جرائم معاصی کے مرتکب ہوئے ایسے ہی وہ تھے

ف لفظ لَمَّا یا حرف ہے کما قال ابن عصفور یا ظرف ہے جو تعلیل کے لیے واقع ہوا ہے اس سے ان کے ظلم کا معین وقت مراد نہیں بلکہ ان کے ظلم کے ابتدا تا انتہا کا مجموعہ وقت مراد ہے۔

وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ اور ہم نے ان کی ہلاکت اور تباہ و بربادی کا وقت مقرر کیا المھلک بفتح اللام وکسرہا بمعنے الھلاک ہے مَّوْعِدًا مقرر شدہ یعنی ایسا مقرر کہ اس سے پس و پیش نہ ہو جب ایسا معاملہ ہے تو پھر قریش مکہ عبرت کیوں نہیں پکڑتے اور شرک و کفر اور دیگر نافرمانیوں سے کیوں باز نہیں آتے اس لیے کہ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے حضرت رشید الدین و طواط نے اس کے ترجمے میں فرمایا ؎

نیک بخت آں کسے بود کہ دلش
آنچہ نیکو تراست بپذیرد
دیگرا نرا چو پند داد دہ
او ز آن پند بہرہ برگیرد

ترجمہ نیک بخت وہ ہے جس کا دل دوسروں سے نصیحت حاصل کرے دوسروں کو جب نصیحت کی جائے تو وہی اس نصیحت سے فائدہ اٹھائے

فوائد الآیات (۱) ہدایت کے جملہ اسباب کسی کو میسر ہوں تو وہ یہ سمجھے کہ کسی کو ہدایت نصیب ہو سکتی ہے نہ دولت ایمان سے نوازا جاسکتا ہے جب تک جذبات عنایات الٰہیہ دستگیری نہ فرمائیں

حدیث شریف حضور سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم مدد نہ فرماتا تو نہ ہم ہدایت پاتے نہ صدقات دیتے نہ نمازی ہوتے۔ عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند

سالہا گرچہ درین راہ تگ و پوئے کنند

ترجمہ کوئی سالک دوست حقیقی کی کشش کے بغیر منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اگرچہ ہزاروں سال اس راہ میں دوڑ دھوپ کرے۔

ف یقین کیجیے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کا ایک سبب تلوار بھی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اسلام لائیں اور فرمایا میں تلوار اور جنگ کا حکم لے کر آیا ہوں۔

۲۔ اہل باطل کا طریقہ ہے کہ وہ حق کو باطل سمجھتے ہیں اور باطل کو حق اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب اندھے اور ان کے عقول کند ہو جاتے ہیں اسی لیے کہ وہ اپنی جہالت وضلالت سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے برسرپیکار رہتے ہیں اور حق کو مٹانے کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں اور اہل حق انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے نیاز مند ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بلاحیل وحجۃ ان کے ارشادات کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھیں اسلام کی نورانیت کی برکت سے حق کو حق سمجھ کر اس کی اتباع اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے اجتناب کرتے ہیں اسی لیے وہ آیات الٰہی کو حق سمجھتے ہیں ان سے ان کے ساتھ استہزاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں عام ہے ہر مومن وکافر کو نصیب ہو گی یہی وجہ ہے کہ کفر ومعاصی پر دنیا میں مواخذہ نہیں کرتا اور نہ ہی غلطیوں پر کسی کا رزق بند کرتا ہے البتہ آخرت میں صرف اہل ایمان سے اس کی رحمت خاص ہو گی اور عذاب صرف کفار کو نصیب ہو گا

سوال یہ تقریر آیت قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وتلک القری اھلکنٰھم لما ظلموا اس آیت میں ظالمین کی تباہی دنیا میں صرف ان کے ظلم سے ہوئی۔

جواب کافر ہونا اور بات ہے ظالم ہونا اور اگرچہ ہمارا وعدہ ہے کہ کافر کے کفر سے دنیا میں عذاب نہیں ہو گا لیکن جب انھوں نے کفر کے ساتھ ظلم کو شامل کیا تو انھیں ظلم کی وجہ سے سزا ملنی لازم تھی چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ملک کفر کی وجہ سے ہاتھ سے نہیں جاتا البتہ ظلم واستبداد سے چھین لیا جاتا ہے[1]

---

[1] اس سے ہمارے اسلامی ممالک کے سربراہ عبرت حاصل کریں ۱۲۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ

مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا

پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں یا قرنوں چلا جاؤں پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے اپنی مچھلی بھول گئے

فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا

اور اس نے سمندر میں اپنی راہ لی سرنگ بناتی پھر جب وہاں سے گزر گئے موسیٰ نے خادم سے کہا ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بیشک ہمیں

مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ

اپنے اس سفر میں بڑی مشقت کا سامنا ہوا بولا بھلا دیکھئے تو جب ہم نے اس چٹان کے پاس جگہ لی تھی تو بے شک

الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ

میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا مذکور کردں اور اس نے تو سمندر میں اپنی راہ لی اچنبھا ہے

عَجَبًا ﴿۶۳﴾

بقیہ صفحہ ۴۰۹

سوال ایک آیت میں ہے وکذالک نولی بعض الظالمین بعضاً اس آیت میں بھی ظالم کو دنیا میں عذاب دینے کی تصریح ہے

جواب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ظلم سے گرفت ضرور ہوتی ہے اس لیے مظلوم کی آہ کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے بلکہ اس کی دعا بہت جلد مستجاب ہوتی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اتقوا دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہا وبین اللہ حجاب

مظلوم کی دعا سے بچو اس لیے کہ اس کی دعا اور اللہ تعالے کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

نکتہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ولدت فی زمن الملک العادل میں عادل بادشاہ کے دور میں پیدا ہوا ہوں اگرچہ عادل کا اطلاق کافر پر نا جائز ہے اس لیے کہ نوشیرواں مجوسی آتش پرست تھا اور شرک نہ صرف ظلم ہے بلکہ اسے ظلم عظیم کہا گیا ہے لیکن چونکہ وہ خلق خدا پر ظلم کے بجائے آسائش و آرام پہنچاتا اسی لیے آقائے کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرما دی۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مہا زور مندی مکن بر کہاں
کہ بر یک نمط می نماند جہاں
پریشانی خاطر داد خواہ
بر اندازد از مملکت پادشاہ

نخک روز محشر تن داوگر
کہ درسایۂ عرش دار و مقر ۞

ترجمہ اے سردار غریبوں پر ظلم نہ کر اس لیے کہ جہان ایک طریقہ پر نہیں رہتا انصاف چاہنے والوں کی پریشانی کبھی بادشاہ کو تخت سے نیچے وہ مارتی ہے قیامت کے دن وہ عدل کرنے والا بہت زیادہ خوش ہوگا کہ اسے سایۂ عرش الٰہی کے نیچے بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔

تفسیر عالمانہ

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام قبطیوں کے مرٹنے کے بعد جب ملک مصر پر قابض ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے انہیں اپنی قوم کو وعظ سنانے کا فرمایا جس کا موضوع کہ اللہ تعالےٰ نے تمھیں کیسی اعلیٰ نعمتوں سے نوازا چنانچہ آپ نے اپنی قوم کو نہایت بہترین انداز میں وعظ فرمایا جس سے بنی اسرائیل خوب روئے اوران کے دلوں پر آپ کی وعظ کا بہت اچھا اثر ہوا بنی اسرائیل کے علماء میں سے کسی نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے آپ نے فرمایا میں اللہ تعالےٰ نے عتاب محبوبانہ فرماتے ہوئے حکم دیا کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا تھا آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ سے میرا ایک اور بندہ بڑا عالم جو دو دریاؤں کے مجمع میں رہتا ہے اس کا خضر نام ہے

ف خضر علیہ السلام افریدوں عادل عاقل بادشاہ کے زمانہ میں تھے یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے اور ذوالقرنین اکبر کے ابتدائی دور میں تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ نبوت تک زندہ تھے اب بھی زندہ ہیں ان کی نبوت کا دور گشتاسف بن لہراسب کے زمانہ میں تھا۔ کذا فی تاریخ ابن اثیر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ میں خضر کو کہاں تلاش کروں اور وہ مجھے کس طرح مل سکتے ہیں اس کا کوئی آسان طریقہ بتائیے تاکہ میں اسے آسانی سے مل سکوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ چٹان کے نزدیک مجمع البحرین میں اس کی ملاقات کر سکتے ہیں لیکن آپ اپنا زادِ راہ ساتھ لے جائیے یعنی مچھلی بھون کر ایک جھولے میں ڈال کر اپنے ساتھ رکھیں تاکہ بھوک ستائے تو بھیک نہ مانگنی پڑے لیکن جب یہ مچھلی دریا میں غوطہ لگائے تو سمجھنا کہ یہیں پر میرا بندہ ہوگا آپ نے مچھلی بھون کر جھولے میں رکھ دی اور اپنے خادم سے فرمایا کہ جہاں یہ مچھلی دریا میں غوطہ لگائے تو مجھے مطلع کرنا۔

ازالہ وہم یہود یہودی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس مقام جس میں موسیٰ کا ذکر ہے اس سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام مراد نہیں بلکہ یہ موسیٰ بن یشا بن یوسف نبی علیہ السلام تھے یہ بھی نبی تھے اور موسیٰ بن عمران سے پہلے تھے ان کا وہم اس لیے ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات باہرہ ہیں اور کلیم خدا بھی اور حضرت خضر علیہ السلام کا یہ مرتبہ کہاں اسی لیے وہ مفضول تھے اور افضل مفضول سے استفادہ نہیں کرتا یہ ان کا صرف وہم ہے ورنہ کامل عالم افضل ہو کر بہت سے امور سے بے خبر ہوتا ہے اور یہ کوئی عیب بھی نہیں اور فاضل کبھی مفضول بھی ہوتا ہے اگرچہ من وجہٍ سہی اس معنے پر یقیناً اس سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام مراد ہیں اگر وہ دوسرے

موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو اسے مقید بہ قید اضافی بیان کیا جاتا اس لیے کہ مشہور و معروف شخصیت کے ہم نام کو جب کسی وقت لکھنا یا کہنا پڑتا ہے تو اس کے ساتھ کسی دوسرے لفظ کا اضافہ ضروری ہوتا مثلاً سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہم نام ایک اور امام ابوحنیفہ گزرا ہے اب اس ثانی ابوحنیفہ کو جب لکھا جائے گا تو اس کے دینوری کا لفظ ضرور ہوگا مثلاً کہا جائے گا قال ابوحنیفہ الدینوری ورنہ مطلقاً ابوحنیفہ لکھا ہوگا تو وہاں امام صاحب کے سوا کوئی اور مراد نہ ہو سکے گا ایسے یہاں سمجھئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو مطلق کہا گیا ہے اگر ان کے علاوہ دوسرے موسیٰ علیہ السلام مراد ہوتے تو ان کے ساتھ موسیٰ بن یشا بن یوسف علیہ السلام لکھا جاتا۔[۱]

لِفَتٰىہُ اس سے یوشع بن نون بن افرایم بن یوسف علیہ السلام مراد ہیں یہ یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے تھے اور آپ کے اکبر خلفاء میں سے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہر وقت ساتھ رہتے یہاں تک کہ تا وصال آپ کے ساتھ رہے موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کی خلافت کا بوجھ ان کے کاندھوں پر رکھا گیا[۲] اور انھوں نے ہی شریعت موسوی کو چلایا بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہی یوشع بن نون کو معظم ترین شخصیت سمجھا جاتا تھا۔

سوال جب یوشع بن نون اتنا بڑی شخصیت کے مالک تھے تو پھر انھیں فتیٰ سے کیوں تعبیر کیا گیا۔!

جواب یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دیتے اور ان کی اتباع میں ضرب المثل اور ہر وقت ان سے استفادہ و استفاضہ میں لگے رہتے تھے

اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ شاگرد اور مرید و خادم کو فتیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ سن رسیدہ ہو چنانچہ قول مشہور تعلم یافتی فالجہل عار اے بچے علم حاصل کر اس لیے کہ جہالت ننگ و عار ہے۔ شاگرد[۳] اور خادم حکمی عبد ہیں۔

استاذ کا مقام

حضرت شعبہ نے فرمایا

جس سے میں نے صرف چار روایات و احادیث حاصل کیں میں اس کا تا دم زیست غلام بے دام ہوں

ف بعض مفسرین نے فرمایا کہ فتیٰ سے موسیٰ علیہ السلام کا عبد حقیقی مراد ہے اور فتیٰ سے اسے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ عوام سبق حاصل کریں کہ غلام کو عبد کہنا سوء ادب بایں معنی ہے کہ عبدیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔[۴]

---

[۱] توضیح از اویسی غفرلہ [۲] حاشیہ صفحہ یہی جواب سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے لیے دیا جائے کہ اگر جزوی فضائل علی المرتضیٰ میں پائے گئے تو کیا حرج ہے ۱۲ اویسی غفرلہ

[۳] لیکن آج کے دور میں عبدیت ایک طرف تو شرک کی زد میں آگیا دوسری طرف طلباء اور شاگردوں کے دماغ فرعون بن گئے ورنہ یہ رشتہ بھی ایک عظیم اسرار کا مرکز تھا۔ [۴] ہم بھی یہی کہتے ہیں لیکن اسے شرک کا فتویٰ جڑ دینا وہابیوں، دیوبندیوں کا کام ہے تفصیل فقیر کے تحفۃ الفحول فی تسمیۃ عبدالرسول میں ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کنیز اور غلام کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے تو کہا جائے فتای وفتاتی عبدی وامتی نہ کہا جائے

مسئلہ جو شخص کہے انا فتی فلان اس سے اس کے عبد ہونے کا اقرار ہو گا یہی امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے

فیصلہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے نزدیک پہلی وجہ زیادہ صحیح ہے[1] اس لیے کہ اتنا بہت بڑے اہم سفر میں کسی غلام کو نہیں لے گئے ہوں گے بلکہ کسی عظمت اور بلند مرتبت شخصیت کو ساتھ رکھا ہوگا جیسے عموماً قاعدہ ہے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ آپ نے بھی ایسے مہتم بالشان سفر کی رفاقت کے لیے حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا[2] اس لیے کہ آپ ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے معزز ترین شخصیت اور آپ کے وصال کے بعد خلیفہ ہوئے۔ لَآ اَبْرَحُ ....

حل لغات بَرَحَ افعال ناقصہ سے زال یزال کی طرح ہے یعنی لا ازال اسیر ہمیشہ چلتا رہوں گا قرینہ حال پر اعتماد کر کے خبر محذوف کر دی گئی ہے جب آپ سفر مذکور کی طرف متوجہ ہوئے اور لقد لقینا من سفرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے اس سے مفتی سعدی کے وہم کا ازالہ ہو گیا انھوں نے فرمایا نظم قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے سفر کی کوئی دلیل نہیں ملتی ممکن ہے انھوں نے کسی ضعیف خبر یا کسی تاریخی واقعہ سے غلطی کھائی ہو اور آیت مذکورہ ان کے ذہن سے اتر گئی ہو ورنہ نص قرآنی کو کس طرح ٹھکرایا جا سکتا ہے

حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ مجمع البحرین بحر فارس و روم کے ٹکرنے کی شرقی جانب والا مقام مراد ہے اور یہ وہی جگہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی ملاقات کا مقام بتایا

ف مفتی سعدی نے فرمایا کہ بحر فارس و روم محیط میں جمع ہوتے ہیں اس کی مزید تشریح سورت رحمٰن میں آئے گی انشاء اللہ

ف اس سے محیط غربی مراد ہے اس لیے دریاؤں کا ٹکراؤ یہیں پر ہے اور جسے دریاؤں کے ٹکرنے کا طریقہ معلوم ہے اس سے ہماری مراد مخفی نہیں اور ان کے ملنے کی جگہ وہی ہے جو شرقی جانب کو متصل ہے اور قاعدہ ہے جو شے کسی کو قریب تر ہو تو اس پر اسی قرب کا حکم لگایا جاتا ہے اور اسی قرب سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے

فائدہ صوفیانہ البحرین سے خود موسیٰ و خضر علیہم السلام مراد ہیں ان کی کثرت علمی کی وجہ سے انھیں بحرین سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم ظاہر کے دریا تھے

---

[1] یار غار ہونا شیعوں نے بھی مانا ملاحظہ ہو فقیر کا رسالہ "چشمہ نور افزا شرح آئینہ شیعہ نما" ۱۲۔

[2] یہی رفاقت سفر ہجرت خلافت بلا فصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کے لیے اہل سنّت کی بہترین دلیل ہے ملاحظہ ہو آئینہ شیعہ مذہب ۱۲

اگرچہ آپ میں بھی علم بطون کی کمی نہیں تھی لیکن چونکہ آپ شریعت کے پاسبان تھے اسی لیے آپ میں علم ظاہر کا غلبہ تھا اور خضر علیہ السلام علم باطن کے دریا تھے یعنی آپ پر علم بطون کا غلبہ تھا اور انبیاء علیہم السلام چونکہ صفت جمال و جلال کے مظاہر ہیں اسی لیے ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اس کی مزید تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے انشاءاللہ تعالیٰ

ف ان حضرات کے اجتماع کا مقام متعین نہیں تھا بلکہ اس سے ان کا مطلق اجتماع مراد ہے۔ اَوْ اَمْضِیَ۔ مضی فی الامر سے ہے بمعنے نفذ وامضاہ بمعنی انفذہ۔ حُقُبًا (بضم الکاف وسکونہ) اسی سال کا عرصہ۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ میں ایک لمبی مدت تک چلتا رہوں گا یہاں تک کہ یقین ہو گا کہ مطلب کا حصول ناممکن ہے خادم سے اپنے سفر کی انتہا دو باتوں پر موقوف فرمائی

۱۔ مجمع تک پہنچنا

۲۔ عرصہ دراز تک چلتے رہنا یہاں تک کہ یقین ہو گا کہ اب مطلب حاصل نہ ہو گا اور بعض تفاسیر میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ میں عرصہ دراز تک چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس عالم دین کو پا لوں

ف کاشفی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اگرچہ عرصہ دراز اسّی سال تک سفر کرنا پڑے تب بھی اس بندۂ خدا کو تلاش کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ ع

دست از طلب ندارم تا کام من برآید

ترجمہ اس کی تلاش سے باز نہیں آؤں گا جب تک مطلب پورا نہ ہو۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گر گراں و گر شتا بندہ بود
آنکہ جویندہ است یابندہ بود

در طلب زن دائما تو ہر دو است
کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

ترجمہ اگر آہستہ چلے یا دوڑے بالآخر تلاش کرنے پر مقصد حاصل ہو جاتا ہے مقصد کی طلب میں جد و جہد کیجیے اس لیے کہ طلب ہی بندے کی بہتر رہبر ہے

فائدہ طالبعلمانہ امام صاحب نے تفسیر میں لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو سفر کی کوفت اور اس کے دکھ اور تکلیف سے تسلی دلائی ہے تاکہ سفر کی تکالیف کو دیکھ کر نفس کو گھبراہٹ نہ ہو اور علم کی طلب میں ایسی مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اس میں طالب علم کو سبق دیا گیا ہے کہ اگر اسے صرف ایک مسئلہ کے حصول کے لیے مشرق سے مغرب تک جانا پڑے تو بھی علم کی شان میں معمولی امر ہے

حکایت: روضۃ الخطیب میں ہے کہ ایک بزرگ نے مدینہ طیبہ سے ملک مصر تک صرف ایک حدیث شریف سننے کے

لیے سفر کیا

قاعدہ صوفیانہ بندہ ولایت میں کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کسی کامل کے ہاں جاکر گھٹنے نہ ٹیکے اور منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا جب تک ہجرت نہ کرے

لطیفہ جو شخص استاد کے بغیر اپنی کارروائی سے مقصد کو پہنچنا چاہے یا پیرومرشد کے بغیر اپنے دل کے پردے ہٹانا چاہے وہ اگرچہ کامیاب بھی ہو تب بھی اسے اس بچے کی طرح سمجھو جو راستہ میں پڑا ہوا ملے لیکن اس کا باپ کوئی نہ ہو کہ جس سے اس کا نسب بیان کیا جا سکے[1]

بے پیر شیطان کا چیلہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس کا شیخ (پیرومرشد) نہ ہو اس کا شیخ شیطان ابلیس ہے[2]

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

پیر راگزیں کہ بے پیر ایں سفر

ہست بس پر آفت و خوف و خطر

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو

ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

ترجمہ پیر کا دامن پکڑ کر یہ سفر پیر کے بغیر بہت بڑا آفت اور خوف و خطرہ سے بھرپور ہے جب پیرومرشد کا دامن پکڑا ہے تو ان کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ مسافر پر لازم ہے کہ سفر سے پہلے رفیق سفر کی تلاش کرے

۲۔ سفر میں ایک کو امیر سفر مقرر کر لینا ضروری ہے تاکہ دوسرے اس کے ماتحت کام کریں اور اسی کے تبع رہیں البتہ مشورہ دیتے جائیں اور امیر پر لازم ہے کہ سفر میں ان کے مفید مشوروں کو ضائع نہ جانے دے۔

۳۔ رفیق سفر کو اپنے سفر کے مقاصد سے باخبر کرے اور اسے بتا دے کہ اس سفر میں اتنا عرصہ لگے گا تاکہ رفیق اس کے حالات سے آگاہ ہو کر اگر مناسب ہوگا تو وہ اس کے ساتھ چلے گا ورنہ معذرت کرے گا

۴۔ مرید پر لازم ہے کہ شیخ کامل کو تلاش کر کے اس کی بیعت کے بعد اس کی اقتداء میں سر کی بازی لگا دے یہاں

---

[1] افسوس ہے کہ استاد کی قدر و قیمت دور دنیا نے گھٹا دی ۱۲۔

[2] اسے ہمارے جاہل واعظ حدیث شریف سمجھ کر بیان کرتے ہیں اور اگر اس قول کو وہابی دیوبندی سمجھ جائیں تو میرے خیال میں بلیسی شرارتوں سے محفوظ ہو جائیں گے

تک کہ منزل مقصود تک پہنچ کر مقاصد میں کامیاب ہو اس لیے شیخ کامل کی تلاش درحقیقت حق تعالیٰ کی تلاش ہے

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا بَلَغَا ۔ کاشفی نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اس بندہ کامل کی تلاش میں میری موافقت کرو یوشع بن نون علیہ السلام نے عرض کی کہ میں آپ کے نہ صرف موافق ہوں بلکہ آپ کی رفاقت کو غنیمت سمجھتا ہوں ۔ ع

خوشت آوارگی آنرا کہ ہمراہی چنین باشد

جب ایسے رفیق کی رفاقت نصیب ہے تو اگر کوئی اسے آوارگی کہے تو مجھے ایسی آوارگی بھلی ۔

یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کشکول اور ان کا زاد راہ جس میں مچھلی بھنی ہوئی بھی تھی اٹھا کر موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے ہو لیے فلما بلغا کی فاء فصیحیہ ہے یعنی موسیٰ و یوشع علیہم السلام چل پڑے تو جب دونوں پہنچے مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا ۔ بینھما ظرف اور مجمع کا مضاف الیہ ہے اس کی وسعت کی وجہ سے اسے مضاف الیہ بنانا جائز ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ دونوں ایسی جگہ پہنچے جہاں دو دریاؤں کا طول میں جمع ہونے کا مقام تھا

چشمۂ آب حیات کاشفی نے لکھا کہ دریاؤں کے مجمع میں ایک پتھر چشمۂ آب حیات کے کنارے پر پڑا تھا وہاں آرام کرنے کے لیے اترے موسیٰ علیہ السلام آرام فرما ہوئے یوشع علیہ السلام نے وہاں سے وضو کیا آب حیات سے پانی کا قطرہ اسی بھونی ہوئی مچھلی پر پڑا تو مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چھلانگ لگا دی یوشع علیہ السلام حیران ہو کر دیکھتے رہے جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع علیہ السلام سے حال پوچھے بغیر جلدی سے چلا ئیے نَسِيَا حُوتَهُمَا بلکہ سفر میں مچھلی کو بھول گئے اور ان کا یہ بھولنا مطلوب کے حصول کی علامت تھی ۔

سوال مچھلی کا واقعہ تو یوشع بن نون علیہ السلام بھولے تھے لیکن آیت میں اس کا اسناد موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام ہر دونوں کی طرف کر دیا ؛

جواب موسیٰ علیہ السلام کا بھولنا بھی اس میں شامل ہے اس لیے کہ آپ چلتے وقت یوشع علیہ السلام کو بھنی ہوئی مچھلی و دیگر سامان اٹھانے کا نہ فرمایا اور یوشع علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کو بھنی ہوئی مچھلی کا عجیب کرشمہ نہ بتا سکے اس معنیٰ پر نسیان کی نسبت مجمع[illegible] ہر دونوں کی طرف ہو گئی ۔

جواب الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ زاد راہ ہر دونوں حضرات کا مشترک تھا اسی معنیٰ پر نسیان کا اطلاق ہر دونوں پر ہوا ۔ اگرچہ بظاہر نسیان حضرت یوشع کو ہوا اس کی مثال یوں سمجھئے کہ عربی کہتے ہیں خرج القوم وحملوا الزاد سامان اگرچہ ان کے بعض افراد اٹھاتے ہیں لیکن اس کی نسبت سب کی طرف کی گئی ہے ہماری ان دونوں تقریروں سے وہ سوال اٹھ گیا کہ صحیحین کی روایت میں نسیان کا اسناد صرف یوشع کی طرف کیوں اور قرآن مجید میں ہر دونوں کی طرف اسناد کا کیا معنیٰ ۔

سوال فاء تعقیب کے لیے آتی ہے یہاں اس کا لانا بے محل ہے اس لیے کہ مچھلی دریا میں پہلے گئی اور ان کو نسیان

بعد کو ہوا تھا

جواب یہ فاء فصیحہ ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جس معطوف علیہ پر فاء فصیحہ داخل ہے اس کا معطوف بھی جملہ ہو بلکہ اس کا معطوف اور فعل ہے اس لیے کہ یہ عبارت یوں تھی حی الحوت فسقط فی البحر فَاتَّخَذَ (سَبِیْلَهٗ) یعنی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں گری تو بنایا اس نے اپنا راستہ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا کا مفعول ثانی ہے اور فی البحر اسی سے حال ہے یعنی وہ راستہ سرنگ کی طرح بنایا سربٌ زمین کے اندر اس گھر کو کہتے ہیں جس کے نیچے سوراخ ہو یہ نفق کی نقیض ہے اس لیے کہ سرب میں کسی قسم کا سوراخ نہیں ہوتا اور جس میں سوراخ ہوا سے نفق کہتے ہیں

اعجوبہ جونہی مچھلی پانی میں داخل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اجزاء کو روک لیا اور اس کے ٹھہرنے کی جگہ طاق کی طرح ہوئی یعنی مکان کے اوپر ایسی جگہ بنانا جس کا اوپر کا حصہ مضبوط کر کے نیچے کی جگہ خالی رکھی جائے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مچھلی کی جگہ سے پانی روک دیا گیا اور پانی اس کے گرداگرد ایسے معلوم ہوتا تھا گویا وہ مچھلی ایک طاقچہ میں بیٹھی تھی اسی طرح حدیث شریف میں اس کی صورت بتائی گئی ہے

اعجوبہ وہ مچھلی جہاں سے گزرتی تھی اس جگہ سے پانی خشک ہو جاتا تھا اور وہ اسی زمین میں جا ٹھہری جس کے اوپر پانی اور نیچے خشک جگہ تھی بعض مفسرین جیسے قاضی اور اس کے متبعین نے لکھا ہے کہ سربًا ہر اس گھر کو کہا جاتا ہے جس میں آنے جانے کی جگہ ہو ان کی اس تفسیر کی کوئی دلیل نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں سارب بالنہار کا محاورہ ہمارا مؤید ہے یعنے سارِبٌ کا معنے ہے ذاهب علی وجهه فی الارض۔ فَلَمَّا جَاوَزَا جب مجمع البحرین سے گزر گئے حالانکہ وہی خضر علیہ السلام کی ملاقات کی جگہ تھی مروی ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام سو کر اٹھے تو اسی دن اور آنے والی رات کو مسلسل چلتے رہے جب صبح ہوئی اور حوائج ضروریہ سے فراغت پائی تو اللہ تعالےٰ نے ان کے ذہن میں حوت کا خیال ڈالا تا کہ واپس لوٹ کر اپنے مطلب کو حاصل کریں چنانچہ فرمایا: قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ صبح کا کھانا لائیے الغداء بالفتح ہر وہ کھانا جو دن کو بھوک کے وقت کھایا جائے اور العشاء ہر وہ کھانا جو رات کی بھوک ہٹانے کے لیے کھایا جائے لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا بخدا کہ ہم نے اس سفر میں جو کہ مجمع البحرین کے متجاوز ہو کر کہیں دور پہنچ کر واپس لوٹے نَصَبًا ۝ تھکان اور کوفت۔

سوال انبیاء علیہم السلام میں نورانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر انہیں تھکان اور بھوک کیوں؟

جواب چونکہ مقصد سے آگے متجاوز ہو چکے تھے اسی لیے انہیں واپس لوٹانا مطلوب تھا اسی لیے اب انہیں مچھلی بھنی یاد دلائی گئی جس سے وہ بشری تقاضوں کی طرف متوجہ ہوئے تو بھوک اور تھکان محسوس ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت بھوک محسوس ہوئی جب منزلِ مقصود سے متجاوز ہو چکے تھے کذا قال النووی۔

سوال یہاں بھوک محسوس فرمارہے ہیں حالانکہ صرف ایک دو دن میں سفر کیا اور کوہ طور کے سفر میں تیس دن رات گذار دئے

لیکن بھوک اور تھکان کا خیال تک نہ آیا حالانکہ اس وقت بھی بشری تقاضے موجود تھے

جواب: یہ سفر طلب علم اور تادیب کے طور تھا جس میں مشقت کا احساس لازمی امر تھا اور کوہ طور کا سفر ذات حق کی جانب تھا اسی لیے وہاں مشقت کا معاملہ نہیں تھا بلکہ راحت وسرور تھا (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ) خلاصہ یہ کہ اس سفر میں بشریت کا غلبہ تھا کہ من وجہ بشری معاملات کے لیے جار ہے تھے اب وہاں نورانیت کا غلبہ تھا اس لیے کہ وہاں ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا تھا

ف یہ جملہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بھوک کی علت سے کیسے اظہار فرمایا ہے کہ تھکان کیوں ہوئی اس لیے کہ بھوک میں کام نہیں ہوسکتا اگر سفر جاری ہو تو تھکان محسوس ہونے لگتی ہے کیونکہ بھوک سے ضعف اور کمزوری صادر ہوتی ہے اور طعام سے استراحت جسمانی بھی مطلوب تھی اسی لئے کاشفی نے لکھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت تھکان اتارنے کے لیے تھوڑی دیر کہیں ٹھہرے تو اپنے خادم سے فرمایا کہ صبح کا کھانا لائیے تاکہ بھوک بھی دور کریں اور تھوڑا سا آرام بھی کرلیں جب یوشع علیہ السلام نے دسترخوان پیش کیا تو مچھلی کا واقعہ یاد آگیا تو عرض کی قَالَ موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے عرض کی اَرَاَیْتَ ابن الملک نے کہا کہ یہ اخبرنی کے معنے میں آتا ہے لیکن یہاں تعجب کے معنے میں مستعمل ہوا ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے اور وہی محذوف اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَةِ کا عامل ہے اب معنے یہ ہوا کہ تعجب ہے کہ مجھے یہ واقعہ پیش آیا تھا جب ہم پتھر پر پہنچ کر اترے تھے فانی نسیت الحوت تو بھول گیا کہ میں آپ کو مچھلی کا معاملہ عرض کرتا اس وقت تو میں نے عجیب وغریب معاملہ دیکھا تھا اس کے بعد معذرت کے طور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ وہ بھول مجھے شیطان کی طرف طاری ہوئی اگر وہاں میں آپ کو عرض کردیتا تو نہ آپ وہاں سے چلتے اور نہ سفر کی مشقت اور تکلیف اٹھاتے چنانچہ کہا وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اور مجھے شیطان نے ہی اپنے وسوسہ سے مچھلی کی بات بتانے سے مشغول کردیا اَنْ اَذْكُرَهٗ ۔ وما انسانی کی ضمیر متکلم سے بدل الاشتمال ہے یعنی شیطان کے بھولانے سے میں آپ کو مچھلی کا ذکر نہ بتا سکا وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا ۝ اور مچھلی نے تو دریا میں عجیب راستہ لیا تھا جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا کہ مچھلی نے جونہی دریا میں چھلانگ لگائی تو دریا کا پانی ہٹ گیا تو اس کے اوپر پانی طاقچہ کی صورت اختیار کرگیا جس میں مچھلی آرام سے بیٹھ گئی اور یہی ایک عجیب منظر تھا جسے یوشع علیہ السلام نے آنکھوں سے دیکھا لیکن چلتے وقت موسیٰ علیہ السلام کو نہ بتا سکے تبھی تو انھیں معذرت کرنی پڑی

ترکیب عَجَبًا اتخذ کا مفعول ثانی اور فی البحر ظرف مفعول اوّل یا مفعول ثانی سے حال ہے مچھلی کا واقعہ سنانے میں یوشع علیہ السلام نے واقعہ کو دو طرفوں پر منقسم فرمادیا اور درمیان میں معذرت کے طور جملہ معترضہ لائے اور وہ وما انسانیہ الا الشیطٰن ہے تاکہ وہی جملہ معترضہ ان کے مچھلی کے یاد نہ دلانے کی علت بن جائے ورنہ دراصل قصہ یوں سنانا تھا کہ مچھلی زندہ ہوکر چھلانگ لگا کر دریا میں چلی گئی لیکن قصہ کے درمیان میں جملہ معترضہ پیش کردیا تاکہ غلطی کے ساتھ سبب کا اظہار تو موسیٰ علیہ السلام

لہ اس سے مسلک اہلسنت کو سمجھئے انبیاء علیہم السلام بشریت ونوریت کا جامع ہوتے ہیں ۱۲ -

کو ناراضگی پیدا نہ ہو اور یہی یہاں پر زیادہ موزوں تھا

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں مچھلی کا زندہ ہونا عجیب امر تو ہے لیکن چونکہ یہی حالت عجیبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حصول مقصد کی ایک نشانی تھی اس سے انھیں خوشی ہونی تھی یا کہ ناراضگی پھر یوشع علیہ السلام کی معذرت کا کیا معنٰے۔

جواب چونکہ یوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بڑے معجزات دیکھے ہوئے تھے اسی لیے اس مچھلی کو عجیب وغریب طریق سے زندہ ہونے کی خرق عادت ان کے معجزات کے بالمقابل لاشی نظر آئی اسی لیے انھیں اپنے لیے اظہار معذرت کرنا پڑا۔

جواب۲ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا اس کا جواب میرے نزدیک اور طریقہ سے دینا چاہیے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے علم کو عظیم تر سمجھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل سے ایک واضح علم مٹا دیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو کہ ہر علمی شان میں جب تک اللہ تعالیٰ کی عطا کو دخل نہ ہو وہ علم نہیں جہل ہے۔

صوفیانہ جواب۳ بعض مشائخ نے فرمایا کہ دراصل معاملہ کچھ اور تھا وہ یہ کہ یوشع بن نون علیہ السلام نے جب آیات باہرہ مثلاً بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہونا حالانکہ اس کا کچھ حصہ کھایا بھی جا چکا تھا پھر اس کے لیے پانی کا جاری نہ ہونا بلکہ طاقچہ کی صورت اختیار کرنا اور اس کا سرنگ لگا کر چلا جانا وغیرہ کا مشاہدہ فرمایا تو مستغرق فی جناب القدس ہو گئے

سوال تم اسے استغراق باللہ سے تعبیر کر رہے ہو اور وہ خود شیطان کی طرف منسوب فرما رہے ہم ان کی بات مانیں یا تمھاری

جواب انھوں نے تو کسر نفسی کے طور فرمایا ہے تاکہ نفس دھوکہ نہ کھائے اور اسے اپنے لیے موجب افتخار نہ سمجھے اور یہی طریقہ بزرگوں کا عام ہے

آیات میں چند لطیف اشارات ہیں

۱۔ طالب صادق جب ارادہ کرے کہ وہ اپنے شیخ کامل کی خدمت کرے تاکہ وہ اسے سلوک کے منازل طے کرائیں تو اسے لازم ہے کہ توفیق ایزدی کو اپنا رفیق بنائے اس لیے کہ اس کے پاس مردہ مچھلی یعنی قلب ہے جو شہوات نفسانیہ (جس میں حب دنیا اور اس کی زینت کی ملاوٹ ہے) کے حملوں سے مردہ ہو چکی ہے اور سے وہ ولایت مراد ہے جو مرید اور شیخ کامل کے مابین واقع ہے اس میں اشارہ ہے کہ مرید صادق شیخ کی صحبت سے اس وقت کامیابی کامرانی پا سکتا ہے جب مجمع ولایت تک پہنچے گا یاد رہے کہ مجمع ولایت کے قرب میں آبحیات کا چشمہ موجود ہے جسے حیات حقیقیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی سے ایک قطرہ مرید کے مردہ قلب پر پڑتا ہے تو وہ مرید کا قلب زندہ ہو کر ولایت کے دریا میں غوطہ زن ہو کر اپنا راستہ بنا لیتا ہے۔

لے ایسے تواضع کے مقامات ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار ظاہر فرمائے جسے وہابیوں، دیوبندیوں نے نقائص پر محمول کیا اور ہم نے استغراق پر۔ فرق خود سمجھ لیجیے۔ ۱۲۔

۲ - اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالٰے بندے کے دل پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اپنے قلب کو بھی بھلا دیتا ہے لیکن یہ اس وقت نصیب ہوتا ہے جب کسی شیخ کامل کی نظر عنایت سے سرشار ہو مثنوی شریف میں ہے ۔

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد

در وجود زندہ پیوستہ شد

وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست

مردہ گشت و زندگی از وے برست

ترجمہ خوش وہ مردہ ہے جو اپنی ہستی کو مٹا کر کسی زندہ سے جا ملا اور بد قسمتی ہے اس زندہ کی جو کسی مردہ دل کے ہاں بیٹھا تو وہ خود مر گیا اور زندگی سے نجات پا گیا ۔

۳ - بہت سے مریدین کو اثنائے طے راہ سلوک میں توہمات گزرتے ہیں کہ خواہ مخواہ ایک اپنے جیسے انسان کے احسانات اٹھا رہا ہوں اور اس کی وجہ سے بہت سے مصائب و تکالیف برداشت کرتا ہوں کیوں نہ ہو کہ اسے چھوڑ کر اللہ تعالٰے کی عبادت میں لگ جاؤں اور شب و روز اسی کی یاد میں مشغول رہوں اسی طرح سے منزل مقصود کو پہنچ جاؤں گا یہ خیال اس کا غلط اور سراسر غلط ہے اس راستہ کے لیے جب تک شیخ کامل کی نگاہ کرم نہ ہوگی منزل پر پہنچنا محال اور سخت محال ہے بلکہ الٹا زندگی ضائع ہوگی اور عبادت کی کلفت اور عبادت و ریاضت کی تکالیف و مشقت بے سود اور شیخ کی رہبری کے بغیر سیدھے راستے پر چلنے کا خطرہ اور راہ حق سے بہت دور ہونے کا یقین ہاں عنایات الٰہی کی دستگیری وہ علیحدہ بات ہے لیکن یہ کسی خوش قسمت کو نصیب ہوتا ہے عام قاعدہ یہی ہے کہ راہ سلوک میں مرشد کامل کی رہبری ضروری ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے ۔ ع

آں رہے کہ بارہا تو رفتۂ

بے قلاوز اندر ان آشفتۂ

پس رہے را کہ نرفتی تو ہیچ ۔ ہیں مرو تنہا ز رہبر میپچ

ہین مپر الا کہ باپر ہائے شیخ ۔ تا ببینی عون و لشکر ہائے شیخ

ترجمہ ایسے راستے کہ تو نے بارہا طے کیے رہبر کے بغیر پریشان نہ ہوگا ہاں وہ راستے جو تو نے کبھی دیکھے ہی نہیں ایسے راستوں میں رہبر کے بغیر اکیلا مت جا اور ایسے راستوں پر اپنے پروں نہ چل ہاں شیخ کے پروں سے اڑے گا تو کامیابی ہوگی ۔

۴ - شیخ کامل کی صحبت مرید کے لیے بمنزلہ صبح کے کھانے کے ہے اس لیے کہ شیخ کے ملفوظات سننا اور اس کے افعال و اعمال دیکھ کر پیروی کرنا اس کی روحانی غذا ہے اور صحبت سے محروم ہوگا تو حصول و مقصد سے محروم رہے گا الٹا نفس میں تھکاوٹ محسوس کرے گا اور شیطان کا کام ہے کہ وہ رسوائی کی طرف رغبت دلائے اسی لیے سالک پر لازم ہے

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا

موسیٰ نے کہا یہی تو ہم چاہتے تھے تو پیچھے پلٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے تو ہمارے بندوں میں

مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ

سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا اس سے

لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

موسیٰ نے کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی کہا

(بقیہ صفحہ ۴۲۰)

کہ صحبت شیخ کی طرف رجوع کرے اور شیخ کی خدمت کرتے ہوئے توفیق ایزدی کو اپنا رفیق بنائے جیسے موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام واپس لوٹے تو منزل مقصود کو پایا اللہ تعالٰی نے بھی فرمایا: "الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" یعنے سچے لوگوں کی صحبت حاصل کرو اور جھوٹے لوگوں سے دور بھاگو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر طرف غولے ہمی خواند ترا

کائے برادر راہ خواہی ہین بیا

راہنمایم ہم رہت باشم رفیق

من قلاوزم دریں را دقیق

نے قلاوزست نے راہ داند او

یوسفا کم رو سوئے آں گرگ خو

ترجمہ ہر طرف غول تمہیں بلائیں گے اے بھائی کہیں نہ جانا تجھے میری طرف آنا ضروری ہے میں تیرا رہبر ہوں اچھا ساتھی ہوں ایسے پیچیدہ راہ کا صرف میں ہی تیرا رہبر ہو سکتا ہے دوسرے لوگ نہ تیرے راہبر ہیں نہ دوست فلہٰذا اے میرے پیارے گرگ صفت لوگوں کو چھوڑ دے اور ہمارے پاس آ جا ہم اللہ تعالٰی سے عصمت توفیق کی التجا کرتے ہیں

تفسیر عالمانہ

قَالَ ذٰلِكَ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ جس واقعہ مچھلی کو تو نے بیان کیا ہے وہی تو تھا مَا كُنَّا نَبْغِ نبغ دراصل نبغی تھا اس کی ضمیر جو اس کے اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے وہ محذوف ہے یہ عبارت دراصل نبغیہ تھی یعنے جس کی ہمیں تلاش تھی اور جس کی طلب میں ہم گھر سے روانہ ہوئے تھے وہ وہی مقام تھا اس لیے کہ خضر علیہ السلام کی ملاقات کے موقعہ کی علامت یہی بتائی گئی تھی فَارْتَدَّا جہاں تک پہنچے وہاں سے واپس لوٹے

اور وہ ایک نہر تھی وہ اسی دریا سے نکلتی تھی جس میں مچھلی چھوڑ آئے تھے عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمَا یعنی اسی راستے سے واپسی ہوئی جسے طے کر کے گئے تھے الآثار بمعنے الاعلام نشانات اثر کی جمع ہے مثلاً کہا جاتا ہے خرج فی اثرہ و انثرہ یعنی وہ اس کے بعد یا اس کے پیچھے نکلا آثار بمعنے اقدام بھی آیا ہے فَوَجَدَا عَبْدًا اس کی تنوین تنکیر کی ہے مِّنْ عِبَادِنَآ یہ اضافت تشریفی ہے یعنی ہمارے نیک بندوں نے ایک عظیم الشان بندہ پالیا جو ایک کپڑے سے چھپے بیٹھے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے السلام علیکم کہہ کر اپنا تعارف کرایا اور فرمایا کہ میں آپ کے ہاں عرفانی علوم حاصل کرنے آیا ہوں اور ایک عرصہ رہ کر استفادہ کروں گا جمہور کا مذہب ہے کہ اس عبد من عبادنا سے حضرت خضر علیہ السلام مراد ہیں

ف خضر بفتح الخاء المعجمۃ وکسر الضاد یہ ان کا لقب ہے

وجہ تسمیہ خضر علیہ السلام خضر علیہ السلام کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ صحیحین میں ہے کہ آپ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ آپ خشک زمین پر بیٹھے تو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ خشک زمین سرسبز و شاداب ہوگئی ۔

ف الفروۃ خشک زمین کا اوپر کا حصہ بعض نے کہا فروہ وہ خشک گھاس جو گٹھڑی کی صورت میں پڑا ہوا اور بیضا وہ زمین جو خالی پڑی ہو جس پر نہ انگوری ہو نہ گھاس اور درخت وغیرہ اور اسے بیضا بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انڈے کی طرح صاف ستھری اور سفید ہوتی ہے اہتزاز النبات بمعنے انگوری کا متحرک یعنی تر و تازہ اور شاداب ہونا ۔

خضر علیہ السلام کا اسم گرامی خضر علیہ السلام کی کنیت ابو العباس اور اسم گرامی بلیا ہے بباء موحدہ مفتوحہ پھر لام ساکنہ اس کے بعد یا ابن ملکان دبفتح المیم واسکان اللام ، ابن فالع بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام ۔

ف ابو اللیث نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضر علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ کسی بادشاہ کے صاحبزادے تھے اس کا خیال ہوا کہ اسے اپنا جانشین بنائے لیکن خضر علیہ السلام نے ایسی جانشینی قبول نہ کی اور وہاں سے بھاگ کر کسی جزیرے میں ایسے چھپے کہ بادشاہ تلاش کرتا رہ گیا ۔

خضر علیہ السلام کا تعارف کتاب التعریف والاعلام للامام السہیلی میں ہے کہ خضر علیہ السلام کے والد بادشاہ اور والدہ فارس کی تھیں اور ان کا نام "الہا" تھا خضر علیہ السلام کو ایک غار میں جن کر کہیں چلی گئیں تو وہاں آپ کو ایک بکری دودھ پلاتی رہی کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو ایک مرد لے گیا اور اسی نے آپ کو پالا جب آپ نوجوان ہوگئے پھر بادشاہ یعنی آپ کے والد نے اعلان کیا کہ کاتبین جمع ہوں تاکہ ان سے ابراہیم و شیث علیہما السلام کے صحیفے لکھوائے جائیں جب کاتبیں جمع ہوئے تو ان میں خضر علیہ السلام بھی تھے آپ کے والد بادشاہ کو پہچان نہ تھی جب آپ نے کتابت کی تو آپ کے حسن خط اور بہتر عادت اور اچھی خصلت کو دیکھ کر بادشاہ متاثر ہوا اور پوچھا آپ کون ہیں آپ نے اپنا تعارف کرایا تب اسے معلوم ہوا کہ یہ تو اس کے صاحبزادے ہیں انہیں اپنے ساتھ لے گیا اور بادشاہی کے جملہ امور اس کے سپرد کر دیے لیکن خضر علیہ السلام کو یہ بات

پسند نہ آئی اسی لیے بادشاہ سے آنکھ چرا بھاگ نکلے اور دنیا کو طلاق دے کر سیر و سیاحت کو چلے یہاں تک کہ چشمہ آبحیات پر پہنچے تو وہاں سے پانی پی لیا ۔

خضر علیہ السلام بلا واسطہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خضر آدم علیہ السلام کے بلا واسطہ بیٹے ہیں انھیں اللہ تعالٰے نے طویل عمر بخشی ہے یہاں تک کہ آپ دجال کی سرکوبی کریں گے اس میں اشارہ ہے کہ ہر زمانے میں دجال ہوتا ہے اور ہر دجال کی سرکوبی کرنے والا پیدا ہوتا رہتا ہے

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کجا است صوفیٔ دجال فعل ملحد شکل
بگو بسوز کہ مہدیٔ دین پناہ رسید

ترجمہ دجال فعل اور ملحد شکل والا صوفی کہاں ہے اسے کہہ دو کہ جل مر تیری سرکوبی کے لیے مہدی دین پناہ تشریف لا چکا ہے

آدم علیہ السلام کی دعا اور خضر علیہ السلام کی درازیٔ عمر ابن عبا کرنے روایت کی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال قریب ہوا تو آپ نے اپنے صاحب زادوں کو وصیت فرمائی کہ ان کا جسم اطہر غار میں ساتھ لے جانا چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا جب نوح علیہ السلام کے طوفان کا غلبہ ہوا تو آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کو اپنی کشتی میں ساتھ لے گئے جب نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ جو انھیں دفنائے گا تو وہ قیامت تک زندہ رہے گا یہ سن کر آپ کی اولاد آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کو دفنانے کے لیے غار میں لے گئے ان میں خضر علیہ السلام بھی تھے اور یہ سعادت صرف انہیں نصیب ہوئی اس پر اللہ تعالٰے نے وعدہ پورا فرمایا کہ خضر علیہ السلام کو تا قیامت زندہ رکھا اور جب تک اللہ تعالٰی چاہے گا زندہ رہیں گے بعض کے نزدیک خضر علیہ السلام بلا واسطہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں لیکن بعض نے یہ بھی کہا کہ خضر علیہ السلام فرشتے ہیں لیکن یہ قول سراسر غلط ہے

الاعجوبہ عجیب و غریب قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام فرعون کا بیٹا ہے یعنی وہ فرعون جو موسٰی علیہ السلام کے ہم زمان تھے وکذا فی تواریخ مصر ، بعض روایت میں ہے کہ ذوالقرنین کے خالہ زاد ہیں اور وہ ان کے ہمسفر تھے اور آبحیات کا پانی پی لیا تھا اسی لیے اللہ تعالٰے نے ایک مدت معلوم انھیں زندہ رکھا ہے اور ان کا طویل العمر ہونا عقلاً بھی محال نہیں اس لیے کہ بہت سے آدم زادے تین ہزار سال سے زائد عمر پا کر فوت ہوئے ۔

خضر علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں بعض علما کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں ان کا نسب نامہ یوں ہے خضر بن عامیل بن شمالخین بن ارما بن علقما بن عیصو بن اسحاق النبی علیہ السلام اور عامیل خضر علیہ السلام کے والد بادشاہ تھے ۔

خضر نبی تھے یا ولی ؟ خضر علیہ السلام کے متعلق جمہور کی رائے ہے کہ وہ نبی تھے لیکن کسی قوم کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے اور صوفیا محققین کی رائے ہے کہ نبی نہیں تھے بلکہ ولی تھے ۔

خضر کے زندہ موجود ہونے پر دلائل اگرچہ آپ کے زندہ موجود ہونے میں اختلاف ہے لیکن اکثر علما کی رائے ہے کہ وہ زندہ موجود ہیں اور اسی دنیا میں زمین پر رہتے ہیں اور صوفیہ کرام کا تو اس میں اتفاق ہے کسی سے بھی اختلاف منقول نہیں بلکہ ان کی ملاقات کی حکایات بے شمار ہیں اور بے شمار بزرگوں نے ان کو دیکھنے اور ان سے گفتگو کرنے کا دعویٰ فرمایا ہے ایسی حکایات حضرت شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں اور حضرت ابوطالب مکی نے اپنی تصانیف میں اور حضرت حکیم ترمذی نے اپنی نوادر میں و دیگر مشائخ نے اپنی تصانیف میں نقل فرمائی ہیں اور ناقلین اور خضر علیہ السلام کی ملاقات کرنے والے اور ان کو دیکھنے والے محققین سادات مشائخ عظام قدست اسرارہم ہیں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ناممکن نہیں بلکہ محال ہے اور ان سے ایسی غلط نقل کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ان کے وجود و ثبوت کے دلائل تو ملتے ہیں لیکن ان کے مرنے کی ایک دلیل بھی کسی کے پاس موجود نہیں نہ قرآن میں نہ حدیث میں اور نہ اجماع امت میں اور نہ ہی کوئی ایسی نقل ملتی ہے کہ خضر علیہ السلام فلاں وقت فوت ہوئے اور فلاں جگہ مدفون ہیں اور نہ ہی پتہ چلتا ہے کہ وہ فلاں بادشاہ کی بادشاہی کے وقت فوت ہوئے تھے ۔

چار انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تفسیر بغوی میں ہے کہ چار انبیاء علیہم السلام تا قیامت زندہ رہیں گے دو زمین پر دو آسمان پر وہ جو زمین پر ہیں الیاس علیہ السلام جنگلوں میں اور خضر علیہ السلام دریاؤں میں وہ ہر رات ذوالقرنین کی سد سکندری (دیوار) میں جمع ہوتے اور ان کی نگرانی کرتے ہیں اور ان کی خوراک کرفس و کماہ اور جو دو آسمانوں پر ہیں وہ ادریس و عیسیٰ علیہم السلام ہیں

خضر علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کے لئے حاضر ہوتے امام الحدیث فی وقتہ حضرت ابو عمر کتاب التمہید میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے اور کفنانے کے بعد کسی سے سنا گیا وہ کہہ رہا تھا کہ السلام علیکم اے اہل بیت بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ لیتا ہے اس کے بدلے نیک نصیب بخشتا ہے اور جو شے ضائع کرتا ہے اس کا عوض عنایت فرماتا ہے ہر مصیبت پر صبر ضروری ہے فلہذا تم بھی صبر کرو اور اس صبر میں صرف رضائے الٰہی سامنے رکھو پھر ان سب کے لیے دعائے خیر فرمائی اہل بیت آواز تو سن رہے تھے لیکن بولنے والا نظر نہیں آتا تھا اس سے صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم نے دعویٰ کیا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے

حضرت خضر نے حضرت علی کو دعا سکھائی کتاب الواقف میں ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملے اور انہیں مندرجہ ذیل دعا سکھائی اور فرمایا کہ اس کے پڑھنے کا ثواب اور مغفرت و رحمت ہے اس شخص کے لیے جو اسے ہر نماز کے بعد پڑھتا ہے وہ دعا یہ ہے :

یامن لا یشغلہ سمع عن سمع ویامن لا تغلطہ المسائل ویامن لا یتبرم من الحاح الملحین اذقنی برد عفوک وحلاوۃ المغفرتک

ترجمہ اے وہ ذات کثرت آوازیں اس کے سننے کو حائل نہیں اور نہ اسے کثرت سوال غلطی میں ڈالتے ہیں اور وہ ذات زاری کرنے والوں کی زاری اسے نہیں اکتاتی مجھے معافی و مغفرت عطا فرما ۔

ف بروی نے فرمایا کہ خضر علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہا حاضر ہوئے۔

سوال حدیث شریف میں ہے لو کان حیا لزارنی اگر خضر زندہ ہوتے تو میرے پاس ضرور حاضر ہوتے اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں؛

جواب یہ حدیث شریف ان کے زندہ ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ حضور سرور عالم کا یہ ارشاد گرامی ان کی آپ سے ملاقات سے پہلے کا ہے[1]

خضر علیہ السلام ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے راوی ہیں فصل الخطاب میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہا حاضر ہوکر شرف صحبت سے مشرف ہوئے اور آپ نے متعدد احادیث بھی روایت کی ہیں منجملہ ان کے ایک انگوٹھے چومنے کی روایت بھی ہے تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ «انگوٹھے چومنے کا ثبوت» دیکھئے،

غزوۂ تبوک میں حضرت الیاسؑ کی حاضری الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں حضور نبی علیہ السلام کی خدمت میں حضرت الیاس علیہ السلام حاضر ہوئے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ پہ ساتھ تھے حجر کے نزدیک فج الناقہ کے مقام پر ایک غیبی آواز سنی کہنے والا کہہ رہا تھا

اللهم اجعلنی من امة محمد المرحومة المغفور لها المستجاب لها.

اے اللہ مجھے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے بنادے وہ امت ہے کہ جس کے گناہ معاف اور ہر دعا قبول ہوتی ہے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آواز کو دیکھئے کون بول رہا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میں آواز کی طرف بڑھا پہاڑ کے اندر ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھا جس کے کپڑے سفید ہیں اور سر اور داڑھی مبارک کے بال بھی سفید تھے ان کا قد مبارک تقریباً تین سو گز تھا جب مجھے دیکھا تو فرمایا آپ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں میں نے کہا ہاں جی انہوں نے فرمایا آپ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جاکر میرا سلام عرض کیجیے اور کہنا آپ کا بھائی الیاس پیغمبر علیہ السلام آپ کے دیدار کا مشتاق ہے حضرت انس نے فرمایا میں نے واپس جاکر بارگاہ رسالت میں الیاس علیہ السلام کا سلام و پیغام پہنچایا تو حضور علیہ السلام الیاس علیہ السلام کے ہاں تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ساتھ ہولیا جب آپ الیاس علیہ السلام کے قریب پہنچے تو آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور میں پیچھے ہٹ گیا دونوں حضرات کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے اسی اثنا میں کوئی دسترخوان آسمان سے اترا اس میں کھانے کی چند اشیا تھیں آپ نے مجھے کھانے کے لیے بلا لیا اس میں کمأۃ، انار، مچھلی، کھجوریں، اگر فہ تھا میں نے کھاکر اجازت مانگی اور پیچھے ہٹ گیا اس کے بعد آسمان سے بادل کی شکل میں کوئی شے اتری اور دسترخوان کو اٹھا کر لے گئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہ طعام کیسا تھا جو آسمان سے اترا آپ نے فرمایا

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ارشادات سابقہ سے بعد کے اثباتی ارشادات کے منافی نہیں ہوتے یہی قاعدہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے علم غیب و اختیار کلی کے اعتراضات میں بتایا ہے جسے وہابیہ نے نہ مانا۔ ۱۲

میں نے اس کے متعلق الیاس علیہ السلام سے پوچھا تھا انھوں نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام ہر چالیسویں روز اسی طرح کا طعام اور سال کے بعد آب زمزم لاتے ہیں اور بہت بار ایسے ہی ہوتا ہے کہ وہ بڑے مٹکے میں لاتے ہیں اور کبھی چھوٹے سے بوکے میں بھی مجھے پلاکر چلے جاتے ہیں

ف بعض محدثین قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا گئے ہیں (وفات خضر علیہ السلام کے دلائل)

امام بخاری سے سوال ہوا کہ حضرت الیاس اور خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا کیوں کر انھوں نے فرمایا کہ ان دونوں کی وفات قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے

۱۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ: وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد ہم نے کسی بشر کو ہمیشگی نہیں بخشی۔

۲۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد سو سال تک کوئی بھی زمین پر رہنے والا زندہ نہیں رہے گا اس میں خضر والیاس علیہم السلام بھی ضمناً شامل ہو گئے

جواب ۱۔ حدیث شریف میں کلی حکم نہیں بلکہ اکثری ہے اس لیے کہ نوادر ایسے کلمات سے مستثنیٰ ہوتے ہیں چنانچہ حضرت سلمان فارسی معدیکرب ابوطفیل سو سال کے بعد تک زندہ رہے حالانکہ جس وقت حضور سرور عالم نے یہ اشارہ گرامی فرمایا مذکورہ بالا حضرات اس وقت موجود تھے اگر حدیث شریف سے ان حضرات کو مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے تو حضرت خضر والیاس علیہم السلام کو بھی مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ آیت کا جواب بھی ظاہر ہے کہ آیت میں خلود سے تا ابد دائمی زندگی مراد ہے اور وہ حضرت الیاس و خضر علیہم السلام کے لیے ثابت ہے جب کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ نفخ صور سے پہلے ضرور فوت ہوں گے۔

سوال حضرت خضر کو نبی مانا گیا ہے اگر انہیں زندہ بھی مانا جائے تو ختم نبوت کے مسئلہ پر حرف آتا ہے حالانکہ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت ختم ہے۔

جواب یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے نبی کا آنا محال ہے اور وہ تو آپ کے ظہور سے پہلے کے نبی ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں لیکن زندہ بھی ہیں اور ان کی نبوت ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے متصادم نہیں اس لیے کہ یہ حضرات بحیثیت نبی کے حضور علیہ السلام کی امت میں زندہ موجود نہیں بلکہ بحیثیت امتی ہونے کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرب قیامت میں جب قرآن مجید زمین سے اٹھا لیا جائے گا تو ان حضرات کو پہلے موت دی جائے گی

عجائبات ۱۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام آخری زمانہ میں اصحاب کہف کے ساتھ ظاہر ہوں گے اور امام مہدی کے ساتھ تعاون کریں گے بلکہ ان کے لشکریوں میں سے یہی حضرات بہترین عسکری متصور ہوں گے۔

۲۔ مسلم شریف میں دجال کی احادیث کے آخر میں لکھا گیا ہے کہ دجال ایک عالم دین کو شہید کر کے زندہ کرے گا ابراہیم بن سفیان امام مسلم کے شاگرد بتاتے ہیں کہ یہ عالم دین یہی حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام موسم حج میں ہر سال ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ہر دونوں ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں اور یہ کلمات کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔ ماشاء اللہ لا یسوق الخیر الا اللہ ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ ماشاء اللہ ما کان من نعمۃ فمن اللہ ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ف جو ان کلمات کو تین تین بار صبح و شام پڑھے گا اسے اللہ تعالیٰ آگ کے جلانے اور پانی کے غرق ہونے اور مال کے چوری ہونے اور شیطان کے وسوسہ سے محفوظ فرمائے گا بلکہ سانپ اور بچھو کی ایذا رسانی سے بھی بچا رہے گا۔

۴۔ امام احمد کتاب الزہد میں لکھا ہے کہ وہ دونوں حضرات رمضان شریف کے روزے بیت المقدس میں رکھتے ہیں۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر کا مسکن بیت المقدس میں باب الرحمٰن و ارباب الاسباط کے درمیان رہتا ہے۔

صوفیانہ فائدہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خضر سے بسط اور الیاس سے قبض مراد ہے لوگوں کا خیال غلط ہے کہ خضر علیہ السلام کسی شخص کا نام ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے یا ان کی کوئی صورت مثالی تھی جس نے موسیٰ علیہ السلام کی رہبری کی یہ خیال غیر محقق ہے بلکہ یہ ایک خیالی مثالی معنیٰ تھا جو حضرت خضر کے نام سے ظاہر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کی رہبری کر کے پھر مٹ گیا اور یہ عموماً ایسے ہوتا رہتا ہے پھر وہ معنیٰ یا اسی شخص معین کی روح متمثل ہوتی ہے یا روح القدس[1]

مسئلہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ روح اپنی صفت غالبہ کے مطابق متمثل ہوتا ہے اور اس طرح اولیاء اللہ کے لیے ان گنت بزرگوں سے ہوا[2] لیکن یہ ضروری ہے کہ بیداری میں ہر صورت متمثل نہیں ہوتی ہے بلکہ اکثر اصلی اور حقیقی صورت بھی ہوتی ہے البتہ خواب میں کبھی خیالی صورت سامنے آتی ہے اور کبھی حقیقی اور اصلی اور اللہ تعالیٰ کے ہر معاملہ میں حکمت ہوتی ہے وہ قادر ہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے

اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اور ہم نے انہیں اپنی طرف سے رحمت عنایت فرمائی۔ اس رحمت سے نبوت و وحی مراد ہے جیسا کہ نون کی بحث سے معلوم ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا تو اس خصوصیت سے بھی صرف نبوت اور وحی مراد ہے امام مسلم نے فرمایا کہ رحمت بمعنے نبوت قرآن مجید میں مستعمل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اھم یقسمون رحمۃ ربک لیکن ضروری نہیں کہ ہر جگہ رحمت بمعنے نبوت ہو اور یہاں خضر علیہ السلام کے معاملہ میں طول العمر مراد ہے یہ اس مذہب پر جن بعض حضرت خضر

---

[1] یہ قاشانی صاحب کا اپنا خیال ہے جو جمہور کے خلاف ہے۔ ۱۲

[2] اس پر فقیر اویسی نے ایک کتاب لکھی ہے۔ "الانجلاء فی تطور الاولیاء" ۱۲۔

علیہ السلام کو نبی نہیں مانا بلکہ صرف ان کی ولایت کے قائل ہیں وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ؁ اور ہم نے انھیں علم لدنی عنایت فرمایا صاحب روح البیان نے یہاں پر علماً سے علم غیب مراد لیا ہے ان کی اصل عبارت یہ ہے ۔

عِلْماً۔ خاص ھو علم الغیوب والاخبار عنھا باذنہ تعالیٰ علی ماذھب الیہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما او علم الباطن۔	علم خاص یعنی علوم غیب اور غیوب کی خبریں دینا باذنہ تعالیٰ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے یا اس سے علم باطن مراد ہے ۔

روح البیان ص۲۷۰ ج۴ تحت آیت ہذا ۔

علم لدنی کا ثبوت اور اس کے دلائل

علم لدنی کے دیوبندی وہابی قائل ہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ علم لدنی کوئی شے نہیں اور یہ اصطلاح بدعت ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں صاحب روح البیان ان کے رد میں صدیوں پہلے لکھ گئے کہ

قال فی بحر العلوم انما قال من لدنا مع ان العلوم کلھا من لدنا ان بعضھا بواسطۃ تعلیم الخلق فلا یسمی ذالک علما لدنیا بل العلم اللدنی ھو الذی ینزلہ فی القلب من غیر واسطۃ احد ولا سبب مالوف من خارج کما کان لعمر وعلی وکثیر من اولیاء اللہ تعالیٰ المرتاضین الذین فاقوا بالشوق والزھد علی کل من سواھم	بحر العلوم میں لکھا ہے کہ من لدنا کیوں کہا باوجودیکہ تمام علوم اسی سے ہیں لیکن بعض علوم مخلوق کے واسطہ سے ہوتے ہیں۔ اسے علم لدنی نہیں کہا جائے گا بلکہ علم لدنی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی بندے کے قلب پر نازل فرمائے اور اس میں واسطہ نہ ہو اور نہ ہی کسی شخص کا وسیلہ ہو اور نہ ہی کسی دوسرے خارجی سبب کی احتیاج ہو جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے ہی بہت سے برگزیدہ اولیاء کرام کو نصیب ہوا ۔

سواہم د روح البیان ص۲۷۰ ج۴ تحت آیت ہذا ۔

ایسے لوگوں کے لیے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

نفس من انفاس المشتاقین خیر من عبادۃ الثقلین ۔	مشتاق انسان کی صرف ایک گھڑی ثقلین کی عبادت سے افضل ہے ۔

اور فرمایا :

رکعتان من رجل زاھد قلبہ خیر واحب الی اللہ	زاہد کا دوگانہ بہتر اور اللہ کے ہاں محبوب ترین ہے دوسرے

لہ اس سے دیوبندیوں وہابیوں کا رد اور اہلسنت بریلویوں کی تائید ہوئی دیوبندی وہابی کہتے ہیں علم غیب اولاً تو انبیاء علیہم السلام کو ملتا نہیں اگر کچھ دیا گیا ہے تو اس پر علم غیب کا اطلاق شرک ہے اور اہلسنت بریلوی ہر دونوں (باذنہ تعالیٰ) کے قائل ہیں الحمد للہ کئی صدیاں پہلے بھی اکابر علماء کا یہی عقیدہ تھا ۔ ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون ۔ اویسی غفرلہٗ

من عبادة المتعبدین الی اٰخر الدھر ۔ عبادت گزاروں کی تمام زندگی کی عبادت سے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا لیکن ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا، وقلیل من عبادی الشکور اور فرمایا: ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

صحابہ کرام کی شان اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے عنہم کی شان بہت بلند تھی اور وہ معرفت الٰہی میں اونچا مرتبہ رکھتے تھے اس لیے کہ وہ تمام اولیا مشتاقین وعشاق کے امام تھے بلکہ وہ ہدایت کے ستارے اور سرچشمہ تھے (لکن الشیعہ قوم لا یعقلون)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میرا وہ عبد جو عبودیت میں غیروں سے بالکل آزاد ہے اور ان آزاد بندوں سے ہے جنھیں ہم نے غیروں سے آزاد فرمایا اور پسندیدہ بندوں سے انھیں بنایا واتینٰہ رحمۃ من عندنا اور وہ بندے جنھیں ہم نے انوار صفات کے فیوض کی استعداد قبول کرنے کی صلاحیت رکھی اور اس میں انھیں کوئی واسطہ کی بھی ضرورت نہیں وعلمنٰہ من لدنا علماً اور انھیں ذات وصفات کی معرفت کے وہ علوم عنایت فرمائے جنھیں ہماری تعلیم سے صرف انہیں وہ علوم نصیب ہوئے

علم لدنی کی پہچان ہر وہ علم جو اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو عطا فرمائے لیکن وہ ایسا علم ہو کہ جو غیروں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہو اسے علم لدنی نہیں کہا جاتا جیسے اللہ تعالٰے نے فرمایا، وعلمنٰہ صنعۃ لبوس لکم زرہ بنانے کا علم اگرچہ اللہ تعالٰے نے داؤد علیہ السلام کو عنایت فرمایا بلکہ یہ ایسا علم ہے جسے بندوں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے فلہٰذا اسے علم لدنی نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ اس میں احتمال ہے کہ اسے بندوں سے سیکھا جا سکتا ہے ہاں علم معرفت ذات وصفات ایک ایسا علم ہے کہ اسے سوائے اللہ تعالٰے کے اور کسی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اسی لیے علم لدنی صرف ایسے علوم کو کہا جائے گا۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علم لدنی وہ ہے کہ اس کے حصول کے بعد پختہ یقین ہو اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو۔ اس میں کسی کو خلاف نہیں البتہ یہ مکنونات الغیب کے مکاشفات الانوار ہیں اور بس اور یہ ہر اس بندے کو نصیب ہوتے ہیں جو اپنے تمام اعضا کو مخلوق کے تعلقات سے فارغ کر دے بلکہ اپنے جمیع ارادات اور حرکات وسکنات کو فنا کر دے اور اپنے آپ کو ہر تمنا اور آرزو سے فارغ کر کے بارگاہ حق کے سپرد کر دے

ف حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ الملکوت والمعارف کا ایک ایسا دروازہ ہے کہ یہ کسی پر نہیں کھلتا (الا ماشاء اللہ) اور قلب میں اس دروازے کے کھلنے کی خواہش رہتی ہے اور مشاہدۂ حق بھی علم سے نہیں وہ کسی اور خصوصیت سے نصیب ہوتا ہے جب قلب پر ایسے واردات ہوتے ہیں تو ملک وملکوت میں سما جاتے ہیں۔

ف سلطان العارفین سے فتوحات میں لکھتے ہیں کہ عرفا فرماتے ہیں کہ تم علوم مردگان سے حاصل کرتے ہو اور ہم حی لا یموت سے لیتے ہیں۔

گلشنے کز نقل روید یکدمست

گلشنے کز عشق روید خرمست

گلشنے کز گل دمد گردد تباہ

گلشنے کز دل دمد وافرحتاہ

علم چوں بر دل زند یارے شود

علم چوں بر گل زند بارے شود

ترجمہ وہ باغ جو علم سے پیدا ہو وہ صرف ایک پل رہے گا اور وہ گلشن جو عشق سے پیدا ہوگا وہی ذخیرہ ہے وہ گلشن جو مٹی سے تیار ہو وہ جل بھن مٹ جائے گا اور وہ باغ جو دل سے پیدا ہوگا واہ، واہ وہ علم جسے دل پر مارا جائے وہ حامی و مددگار ہوگا وہ علم جو صرف جسم پر مارا جائے وہ ضرر رساں ہوگا۔

ف وہ علوم جو مکاشفات کے ذریعے حاصل ہوں اسے صوفیا کرام علم لدنی سے تعبیر کرتے ہیں اس کی تفصیل یوں ہے کہ امر یا حقیقت کو ادراک کا تصور مع الحکم ہو تو اس کا نام تصدیق ہے اگر بلا حکم ہو تو اسے تصور کہا جائے گا یہ ہر دونوں بلا کسب وطلب حاصل ہو تو اسے علم ضروری سے تعبیر کرتے ہیں اگر کسب وطلب سے حاصل ہو تو اسے کسبی کہا جائے گا اور علم ضروری اگر نفس وعقل میں کسب وطلب کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسے درد و لذت اور وجود و عدم یا ہم کہتے ہیں اثبات نفی کا نہ اجتماع ہو سکتا ہے نہ ارتفاع اور واحد دو کا نصف ہے اور کسبی علوم وہ ہیں جو ہر نفس میں ابتداءً موجود نہیں تھے بلکہ ان کے حصول کے لیے کوئی ذریعہ اور سبب بنایا جاتا ہے اگر بدیہیات کے ذریعے سے مجہولات کو معلوم کرنا ہو تو اسے نظر و فکر سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر قلب کو ماسوی اللہ سے فارغ کر کے مشغول باللہ بنایا جائے تو اسے کشف کہا جاتا ہے اور علوم کشفیہ کا اعلیٰ اور بہتر علم وہ ہے جو اسرار ذاتی و انوار صفات و آثار افعال الٰہی سے متعلق ہو اسے صوفیہ کرام علم الٰہی شرعی کہتے ہیں اور علم حقائق سے بھی تعبیر کرتے ہیں یعنی بندے اور مولیٰ کے تعلق و ارتباط سے یہ علم حاصل ہوتا ہے لیکن بندے کی طاقت بشریہ کے مطابق یہی وجہ ہے کاملین ورطہ حیرت میں مستغرق ہو کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت کما حقہا کسی کو نصیب نہیں ہوئی باقی علوم کو اس علم سے وہی نسبت ہے جو ذرات کو سورج سے یا قطرات کو سمندر سے۔ خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ کے علوم کشف وعیان پر مبنی ہیں اور دوسرے لوگوں کے علوم اذہان و خواطر فکریہ سے ہوتے ہیں اولیاء کرام کے علوم کا آغاز تقویٰ اور عمل صالح سے ہوتا ہے اور دوسروں کے علوم کا آغاز دنیوی جاہ و جلال اور مراتب مناصب کے جنہیں ذرہ برابر بھی بقا نہیں۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

جان زاہد ساحل وہم وخیال

جان عارف غرقۂ بحر شہود

ترجمہ زاہد کی روح وہم وخیال کے ساحل پر ہے اور عارف کی روح بحر شہود میں مستغرق ہوتی ہے۔

ف صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہ نے فرمایا آیت میں رحمت سے علم العبادۃ اور تعلیم وتدریس اور ظاہری علوم اور شریعت مراد ہے اور انہیں رحمت سے تعبیر کرنا محض ان کے عموم کی وجہ سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وسعت رحمتی کل شیٔ اور چونکہ اس علم کا مقام قرب تخفاقی ہے اسی لیے اس کے لیے وہ کلمہ ارشاد فرمایا جو اس کے لائق ہے چنانچہ فرمایا من عندنا یعنی ہمارے صفات مقام واحدیت اور اس کے مرتبۂ قرب سے ہے اور علم سے علم الوراثۃ والاشارۃ اور باطن وحقیقۃ مراد ہے اسی لیے اسے علم سے تعبیر کیا اس لیے کہ قاعدہ ہے جب شے کو مطلق بلا قید استعمال کیا جائے تو اس سے اس کا فرد کامل مراد ہے اور فرد کامل علم باطن کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کیونکہ علم ظاہری بمنزلہ جسم اور علم باطن بمنزلہٗ روح کے ہے یا یوں کہو کہ ظاہری علوم بمنزلہ چھلکے کے اور علوم باطنی بمنزلہ مغز کے ہیں یا یوں کہو کہ علم ظاہری شے کی صورت اور علوم باطن بمنزلہ معنے کے ہیں بہرحال علم باطن فرد کامل اور علم ظاہر فرد ناقص ہے یاد رہے کہ علم ظاہری کو ناقص نقصان عرفی کے لحاظ سے نہیں کہا جارہا بلکہ اس کی اس نسبت سے جو اسے علم باطن سے ہے گویا یہ اضافی نقصان ہے اور یہ شے کے لیے عیب نہیں ہوتا اس لیے کہ اعلیٰ وادنیٰ کے مابین مقام کے امتیاز کے طور صورۃً ایسا نقص نہ ہو تو پھر اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز کیسے ہو سکتا ہے اسی لیے علم ظاہری کا یہ نقص ذاتی نہیں بلکہ اضافی ہے اس لیے کہ اس کے یہی کمال کو سامنے رکھ کر اسے علم ظاہری کے مقام سے ممتاز کیا جاسکتا ہے اگر اس طرح نقص وکمال کا فرق نہ کیا جائے تو امتیاز کیسے کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرق بوجہ تعین کے ہے نہ صاحب کمال کا کمال ذاتی حقیقی ہے نہ ناقص کا نقص ذاتی وحقیقی ہے بلکہ بحیثیت اضافت ونسبت کے ہے اور ایسی حیثیات اشیاء کے مقامات وتعلقات کے لیے عموماً ہوتے ہیں اس اعتبار سے علم ظاہر کا نقصان عیب نہیں بلکہ یہ نقص بھی اس کا کمال ہے اسے یوں سمجھئے کہ جیسے جہل وغفلت میں نقصان حقیقی ہے ایسے ہی علم ظاہری یا باطنی یعنے معرفت میں کمال ہی کمال ہوتا ہے اور ان کا یہی کمال حقیقی کمال متصور ہوتا ہے ہم نے اعتباری لحاظ سے انہیں کمال اضافی کہا تھا اور احکام کے اجرا کے لیے اعتبارات کا اعتبار ہوتا ہے اگر اعتبارات نہ ہوں تو احکام باطل ہو جائیں چنانچہ اہل فن کا مقولہ مشہور ہے لولا الاعتبارات لبطلت الحقائق اعتبارات سے اضافات اور نسبتیں مراد ہیں اور ایسی اضافات اشیاء میں ضروری ہیں

ف چونکہ مقام باطنی قرب ذاتی کے مقام کا نام ہے اسی لیے اس مقام قرب ذاتی کو من لدنا سے تعبیر فرمایا ہے یعنی اس بندۂ محبوب کو ہم نے اپنی ذات احدیت کا مقام عطا فرمایا ہے یہی وجہ ہے صوفیہ کبار رحمۃ اللہ نے وہ علوم جو اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کسی کو عطا ہوں انہیں علم لدنی سے تعبیر کیا ہے اور یہی علم باطن ہے اسی لیے کسی صوفی شاعر نے کہا ہے

علمنا بلا حرف وصوت

قرأناہ بلا سہو وفوت

ترجمہ: ہم نے علوم وحرف وصوت کے بغیر پڑھا اور ایسا پڑھا کہ اس میں نہ سہو کا خطرہ ہے نہ فوت ہونے کا۔
یعنی ہمیں وہ علوم فیض الٰہی اور الہام ربانی سے نصیب ہوئے ہیں ہم نے انہیں تعلیم لفظی اور تدریس قولی سے حاصل نہیں کئے۔

ف علم ظاہری کو علم باطنی سے وہی تعلق ہے جو ظاہری کو باطن سے ہوتا ہے اسی لیے ظاہری امور کی پابندی کو علم شریعت سے تعبیر کرتا ہے اور علم شریعت علم باطن کے لیے ایسے ہے جیسے گھر سے دروازے کو تعلق ہوتا ہے اسی لیے صوفیۂ کرام کے نزدیک شریعت کی پابندی ضروری ہے اس لیے کہ جو گھر کے اندر آتا ہے تو اسے دروازہ سے جانا ہوتا ہے۔

نبی و علی صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ علوم الٰہیہ کا گھر بلکہ شہر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کا دروازہ حضرت علی رضی اللہ ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]

گر تشنۂ فیض حق بصدقی حافظ

سرچشمۂ آن زساقی کوثر پرس

ترجمہ اگر تم فیض حق کے پیاسے ہو اے حافظ تو اس کا سرچشمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھ

تحقیق انیق حضرت موسیٰ علیہ السلام جس علم کو حضرت خضر علیہ السلام کے ہاں حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے وہ اشارات کے طریق سے حاصل ہوتا تھا وہ علم باطن جو مکاشفہ کے طور حاصل ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں اور نہ ہی علم ظاہری جسے الفاظ کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اس کی دلیل ظاہر ہے کہ اگر وہ ظاہری باطنی علم ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ہاں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اس لیے کہ اسے اللہ تعالےٰ خود بلا واسطہ یا بواسطہ جبریل علیہ السلام ایسے علوم عطا فرماتا انھیں حضرت خضر علیہ السلام اس لیے بھیجا تھا تاکہ معلوم ہو کہ وہ خصوصی علم ہے جسے اشارہ کے طور سکھایا جاتا ہے اگرچہ وہ بھی وہی علوم مذکورہ تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل بھی تھے لیکن چونکہ ان پر علوم ظاہری غالب تھے اور وہ انھوں نے عبارات کے طریق سے حاصل کیے تھے اور یہاں اشارات کے طور سکھا جاتا تھا اسی لیے خضر علیہ السلام نے انھیں فرمایا:

انک لن تستطیع صبرا وکیف تصبر علی مالم تحط بہ خبرا اور خضر علیہ السلام پر اشارات کا غلبہ تھا اسی لیے عبارات کے علوم والے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رہنے کا عدم امکان کا اظہار فرمایا صدق اللہ تعالےٰ ولکل وجھۃ ھو مولیھا اور فرمایا، قل کل یعمل علی شاکلتہ۔

امام اعظم و حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا موازنہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو موسیٰ علیہ السلام

---

[1] اس حدیث شریف سے شیعہ دھوکہ دیتے ہیں اور جاہل سنی بھی حقیقت سے بے بہرہ ہیں حالانکہ حدیث شریف میں چاروں یاروں کے نام اسی ترتیب سے ہیں جیسے ہم مانتے ہیں اس کی تفصیل فقیر کی کتاب شرح آئینہ شیعہ نما میں ہے اویسی غفرلہ

[2] شریعت سے بے بہرگی اور طریقت کا دم بھرنے والو جاہلو سمجھو اور اے جاہل عوام بھائیو ایسے شکاریوں سے بچو جو شریعت پر عمل نہیں کرتے اور پھر بھی وہ تمہارے پیر و مرشد ہیں ہم اہلسنت بریلویوں کو بدنام نہ کرو پیر و مرشد صرف اسے مانتے ہیں جو عقائد حق کے بعد شریعت کا پابند ہو۔

کے طور اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بمنزلہ حضرت خضر علیہ السلام کے سمجھئے اور قاعدہ ہے کہ جس پر جس شے کا غلبہ ہوتا ہے اسی کا ظہور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا غلبہ پر ظاہری علم تھا اسی لیے ان سے علوم ظاہرہ اور شریعت مطہرہ کا ظہور رہا ورنہ ان میں علوم باطن اور طریقت و معرفت و حقیقت کی کمی نہیں تھی آپ نے زندگی بھر علوم شرعیہ کی خدمات سرانجام دیے اگرچہ گاہے گاہے آپ نے علم باطن بھی صادر ہو جاتا تھا اور حضرت حسن بصری پر علم بطون کا غلبہ تھا اسی لیے ان سے باطن کی باتیں ظاہر ہوئیں امام اعظم شمسی المشرب اور حضرت حسن بصری قمری المشرب ہیں یہی وجہ ہے کہ امام اعظم کا فلک حضرت حسن بصری کے فلک سے وسیع تر ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ عوام کی رحمت عامہ تھے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ خواص کے لیے رحمت خاصہ امام اعظم اسم رحمن کے مظہر تھے اور حضرت حسن بصری اسم رحیم کے مظہر اس سے خود اندازہ لگائیں کہ امام اعظم کا مشرب شرقاً غرباً شمالاً جنوباً کونے کونے میں پھیل گیا آپ کی مذہب مثال ایسے ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی نبوت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی جیسے ولایت کا خاتمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوگا ایسے ہی امام اعظم کا مذہب خاتم المذاہب ہے اس معنٰی پر آپ کا مذہب شمس المذاہب ہے اور آپ کو اسی لیے سراج الامہ کاشف الغمہ رافع الظلمہ دافع البدعہ، محی الدین حافظ الشریعۃ بالکتاب والسنۃ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کا مذہب و مشرب قمری تھا اسی لیے آپ کی برکت سے قلوب و نفوس طبائع کو ظلمت غفلت و ہوئی سے انوار و معرفت و اسرار الحقیقت والہدیٰ کے ساتھ نورانی بنایا سبحان اللہ کیا ہی وہ ذات برکت والی ہے جس نے آسمان میں بروج پیدا فرما کر اس میں سورج نورانی اور چاند چمکیلا بنایا آیت میں شمس کی تقدیم سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم کا مرتبہ حضرت حسن بصری سے بلند و بالا ہے اس لیے کہ امام اعظم اسم اوّل و ظاہر کے اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اسم آخر اور باطن کے مظہر ہیں اور آیت ھو الاول والآخر والظاھر والباطن میں اسم اوّل و ظاہر اسم آخر اور باطن سے مقدم ہیں یاد رہے کہ اس مرتبہ کا فرق ہم نے مراتب کی ترتیب کا اعتبار کیا ہے ورنہ ان کا اصلی کمال اور حقیقی فضل خدا جانے ہم ان کے متعلق انگشتری کے حلقہ کی مثال دے سکتے ہیں کہ جس طرح حلقہ کے لیے نہیں جانتے کہ اس کا اوّل کہاں اور آخر کہاں ایسے ہم ان حضرات کے متعلق کچھ نہیں جانتے کہ ان میں افضل و اکمل کون ہے ہاں ہماری اس بات کا اعتبار وہی کرے گا جو ان حضرات سے عقیدت رکھتا ہے اور جو ان کا مخالف ہے وہ تو ہے ہی مخالف۔

ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم احناف کے ذاکرین و شاغلین کے مقتدا۔ امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ اور شوافع کے امام شافعی اور مالکیوں کے امام مالک اور حنبلیوں کے امام احمد حنبل رضی اللہ تعالٰے عنہم ہیں۔

غیر مقلدین وہابیہ کا رد یہ ائمہ اربعہ خلفاء راشدین کی طرح ہیں جو بھی ان حضرات کی اقتدا کرے گا ہدایت پائے گا کیونکہ ہدایت کے ستارے بلکہ چاند بلکہ سورج ہیں وہ دین کے گھر کے چار ستون ہیں جیسے کوئی مکان ستونوں کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی طرح ان حضرات کی اقتدا کے بغیر دین سے بہرہ وری نصیب نہیں ہوگی

غلطی کا ازالہ بعض جہال سمجھتے ہیں کہ ائمہ شرع علم معرفت و حقیقت طریقت سے فارغ ہوتے ہیں (معاذ اللہ) بلکہ وہ تمام

مشائخ طریقت کے لیے بمنزلہ سورج کے ہیں چنانچہ صاحب روح البیان نے تصریح فرمائی ہے کہ

وھم ایض من سائر الاقطاب والاولیاء کالعرش والشمس من الافلاك والنجوم ولیس یفرھم ممن بعدھم الی یوم القیمۃ بدون الاقتداء بھم اھتدأ الی طریق الجنۃ والرؤیۃ ومن اقتدیٰ بھم فی الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ وتعلم علومھم وعمل اعمالھم وتأدب باداب علی مذھب ایھم کان بحسب وسعہ فلا شك انہ اقتفیٰ اثر رسول اللہ علیہ السلام ومن لم یقتد بھم فی ذالك فلا شك انہ ضل عن اثر الرسول وخرج عن دائرۃ القبول ھذا کلہ من کلام حضرت شیخی وسندی مع اختصار

وہ دوسرے اقطاب و اولیاء کی طرح عرش کی طرح اور ایسے ہیں جیسے آسمان پر سورج اور ستارے ہیں اور یہ شرف و مرتبہ قیامت تک آنے والے اولیاء کو حاصل نہ ہوگا جب تک ان کی اقتداء نہ کرے یعنی شریعت و طریقت و حقیقت اور علم و عمل اور ان کے آداب سے متادب ہو ۔ اس لیے کہ ان کی اتباع درحقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو ان کی اقتداء نہیں کرتا وہ رسول اللہ صلی اللہ کے راستہ سے دور بھٹک گیا اور دائرہ قبول سے محروم ہوگیا۔

سوال بعض مشائخ طریقت سے منقول ہے کہ

ان المجتھدین لم ینالوا العشق — مجتہدین کو منازل عشق کی کیا خبر

جواب صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اس عبارت کے متعدد جواب ہیں جنھیں میں نے اپنی تصنیف "تمام الفیض" میں بیان کیا ہے ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ جن مشائخ سے یہ کلمات صادر ہوئے ان سے وہ حالت سکر میں نکلے ہیں جب ان پر مستی کا غلبہ ہوتا ہے تو ان کے ایسے کلمات قابل اعتماد نہیں ہوتے جیسے بایزید قدس سرہٗ کے غلبۂ حال سے سبحانی ما اعظم شانی صادر ہوا۔

سبق ہر کلمہ گو مسلمان کا فرض ہے کہ ان حضرات ائمہ مجتہدین کے حق میں لب کشائی نہ کرے بلکہ ان کی مدح سرائی کرے تاکہ اسے دارین کی سعادت حاصل ہو۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى یہ جملہ مستانفہ اور سوال کا جواب ہے کلام سابق سے سوال پیدا ہوا گویا کسی نے پوچھا کہ ان دونوں حضرات کی آپس میں کیا گفتگو ہوئی تو جواب ملا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا هَلْ اَتَّبِعُكَ کیا میں آپ کی صحبت میں رہ سکتا ہوں عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ اس شرط پر کہ مجھے آپ سکھائیں یہ جملہ کاف سے حال ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے صحبت میں رہنے کی اجازت چاہی ہے اور کہا ہے کہ میں آپ کی صحبت میں صرف حصول تعلیم کے لیے رہنا چاہتا ہوں اس سے شرف صحبت کی دلیل ظاہر ہوئی مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ اس علم ذی رشد سے جو آپ کو عطا ہوا ہے تاکہ میں آپ سے وہی علم حاصل کرکے اپنے دینی معاملہ میں رشد حاصل کروں رشد بمعنے اصابۃ الخیر۔ کاشفی نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا کہ مجھے وہ علم سکھائیے جو مبنی بر رشد ہو خیر کی اصابت کا علم۔

ف موسیٰ علیہ السلام نے جلالت شان کے باوجود تواضع و انکسار سے بات کی اس سے شاگردوں اور مریدوں کو تنبیہ ہے کہ وہ ان سے استفادہ و استفاضہ یا اپنے سے بڑے عالم کے سامنے تواضع و انکسار سے پیش آئیں۔[1]

---

[1] لیکن ہمارے دور میں یہ طریقہ مفقود ہوتا جا رہا ہے افسوس بزرگوں اور اپنے سے بڑوں کی وقعت دلوں سے اٹھتی جا رہی ہے۔ اویسی غفرلہ

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تواضع وانکساری آپ نے کہاں سے سمجھی؛

جواب هَلْ أَتَّبِعُكَ میں موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو اپنا تابعدار ظاہر فرمایا ہے اور واضح کیا کہ جو علم آپ سے سیکھوں گا اس سے میں ناواقف ہوں آپ مجھے اپنے ساتھ رکھ کر وہی علم سکھائیے یہ بات انھوں نے مماعلمت سے ظاہر فرمائی یہ من تبعیضیہ ہے اس سے ایک اور بات ظاہر ہوئی وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو یقین دلایا کہ میں آپ کی مساوات کا دم نہیں بھرتا بلکہ مجھے آپ کے علوم سے بھی حصہ مل جائے تو غنیمت ہے گویا فرمایا کہ میری مثال اس فقیر جیسی ہے جو دولت مند کے مال سے تھوڑا سا حصہ طلب کرتا ہے مماعلمت میں تصریح فرمائی ہے کہ میرا عقیدہ[ف] ہے کہ آپ کا علم عطائے الٰہی ہے ہاشدا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واضح فرمایا ہے کہ اس کے بغیر انسان گمراہی کے گھاٹ اترتا ہے۔ اور خضر علیہ السلام سے استدعا کی کہ مجھے وہ علوم سکھائیے جو اللہ تعالیٰ سے آپ کو عطا ہوئے ہیں اسی طرح سے آپ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکرانہ کریں حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا

اے صاحب کرامت شکرانہ سلامت

روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ اے صاحب کرامت شکرانہ سے ہی سلامت نصیب ہوگی تم دولت کے موجود ہونے پر فقیر بے نوا کی مدد فرمائیے

علم کی فضیلت حضرت باقتادہ نے فرمایا کہ اگر علم ضروری نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم کے لیے اتنا مشقت نہ اٹھانی پڑتی تبھی تو خضر علیہ السلام سے تابعداری کی پیشکش کی کما قال

طالب علمی کی فضیلت زجاج نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے طریقۂ کار سے معلوم ہوا کہ باوجود اجلہ انبیاء علیہم السلام ہونے کے علم کی طلب میں دور دراز اور مشقت بھرا اختیار فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ انسان ظاہری طور کتنا ہی بلند قدر ہو جائے لیکن اس کے لیے لازم ہے علم دین کے حصول میں کوتاہی نہ کرے۔

حدیث شریف: اطلبوا العلم من المهد الى اللحد۔ گہوارے سے لے کر قبر کے اندر داخل ہونے تک علم حاصل کرتے رہو مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

خاتم ملک سلیمان است علم

جملہ عالم صورت وجانست علم

ترجمہ سلیمان علیہ السلام کے ملک کی انگشتری علم ہے جملہ عالم جسم اور اس کی روح علم ہے۔

ازالۂ وہم یہود: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور اس جلالت شان کے منافی نہیں کہ انھوں نے اپنے

ف الحمد للہ یہی عقیدہ ہم اہلسنت (بریلویوں) کو نصیب ہوا کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے علوم غیبیہ کو علم عطائی سے تعبیر کرتے ہیں جسے وہابی دیوبندی شرک کہتے ہیں۔ ۱۲

سے کم درجہ کے نبی سے کسب فیض فرمایا اس لیے کہ ان کے علوم کا تعلق علم شریعت اور ظاہری احکام پر تھا اور خضر علیہ السلام کے علم کا تعلق علم باطن سے تھا اور ایسے حصول فیوض کے منافی کی کوئی دلیل بھی نہیں علاوہ ازیں وہ مامور من اللہ تھے اور انبیاء علیہم السلام امر الٰہی نہ بجالائیں تو اور کون لائے گا۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر صاحب روح البیان نے لکھا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہ نے فرمایا کہ اکمل کامل سے تربیت و تعلیم پائیں تو اس میں حرج کیا ہے اس لیے کہ کبھی کامل کو اللہ تعالیٰ ایسے اسرار و رموز سے نوازتا ہے جو اکمل کو وہ نصیب نہیں ہوتے پھر اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کبھی اسرار و رموز اکمل کو عطا فرمائے تو کبھی بلاواسطہ عنایت فرماتا ہے اور کبھی اس سے کم درجہ کے کامل سے اور یہ کب ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اکمل کو اکمل سے یا اس کے ہمدرجہ کے واسطہ سے عنایات فرمائے وہ مالک ہے چاہے اکمل کے واسطہ سے عنایت فرمائے چاہے اس سے کم درجہ کے کامل سے اور ویسے کامل مطلقاً کامل ہے اس کے کمال علی الاطلاق کے لیے کاملیت و اکملیت کی قید کیسی اکملیت کسی کو حاصل ہے تو عارضی اصل میں تو وہ بھی کامل ہے اسی لیے یہودیوں کے ایسے وساوس و اوہام کو کسی شمار میں نہ رکھا جائے۔

ف خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ایسے علم پر ہیں جسے آپ نے اللہ تعالیٰ سے حاصل فرمایا ہے اور میرے ہاں بھی ایک علم ہے جو مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوا ہے اس سے خضر علیہ السلام کی امتیازی شان کا اظہار مطلوب تھا کہ آپ بھی اگرچہ عالم من اللہ ہیں لیکن آپ کی علمی حیثیت اور ہے اور میرے علم کی حیثیت دیگر۔

سوال تم اعتراف کر رہے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے اعلم تھے لیکن حدیث شریف اس کے خلاف ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مجمع البحرین کی طرف روانہ فرمایا تو ساتھ ہی یہ فرمایا هو اعلم منك وہ آپ سے زیادہ عالم ہیں۔

جواب ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ خضر علیہ السلام اسی علم خاص میں موسیٰ علیہ السلام سے اعلم تھے لیکن اس سے کب ثابت ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے من کل الوجوہ اعلم تھے یہ تو اجماع امت کے خلاف ہے کون نہیں مانتا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے اعلم ہیں لیکن اس کے آپ نے ایک موقعہ پر باغبانوں سے فرمایا: انتم اعلم بامور دینا کم تم میرے سے اپنے دنیوی امور میں زیادہ عالم ہو

---

[1] اس حدیث کو لے کر دیوبندی وہابی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر سخت چوٹ کرتے ہیں اور کلیہ کے طور کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دنیوی امور میں یکسر بے خبر تھے اسی قاعدہ پر براہین قاطعہ میں لکھا کہ حضور علیہ السلام سے شیطان و ملک الموت کا علم زائد ہے اسی قاعدہ پر اشرف علی تھانوی نے الافاضات الیومیہ میں لکھا کہ آپ سے سیاسی لوگ سیاست میں زائد علم رکھتے ہیں (معاذ اللہ) حالانکہ ادھر خود اقراری کہ حضور علیہ السلام علی الاطلاق جمیع مخلوق سے اعلم ہیں لیکن جب تفصیل کا موقعہ آتا ہے تو دنیوی معاملات میں حضور علیہ السلام یکسر بے خبر ثابت کرتے ہیں ان کا استدلال حدیث مذکور سے ہے واقعہ یوں ہے کہ مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نر درخت کی شاخ مادہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا (اس کام کو عربی میں تلقیح کہتے ہیں) انصار نے ←

ف قصص الانبیاءؑ میں ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہم السلام دریا کے کنارے پر بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ اڑتا ہوا دریا کے کنارے بیٹھ کر اپنی چونچ دریا میں ڈال کر چونچ کے پانی کو اپنے پروں پر مل دیا اس کے بعد پہلے مشرق اور پھر مغرب کی طرف اڑتا ہوا کچھ اپنی بولی میں کہتا چلا گیا حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کچھ معلوم ہے کہ یہ پرندہ کیا کہتا ہے آپ نے کہا مجھے معلوم نہیں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا وہ کہتا تھا کہ تمام بنو آدم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں یہی نسبت ہے جو میرے چونچ کے پانی کو سمندر سے ہے۔

تلقیح چھوڑ دی خدا کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرور عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم اپنے دنیاوی معاملات تم خوب جانتے ہو وہابی کہتے ہیں کہ آپ کو علم نہ تھا کہ تلقیح روکنے سے پھل گھٹ جاویں گے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا

جواب حضور علیہ السلام کا فرمانا انتم اعلم بامور دنیاکم اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان اس سے نفی علم مقصود نہیں شرح شفا ملا علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں

وخصه الله من الاطلاع على جميع مصالح الدنيا والدين واستشكل بانه عليه السلام وجد الانصار يلقحون النخل وقال لو تركتموه فتركوه فلم يخرج شيئا او خرج شقيصا فقال انتم اعلم بامور دنياكم قال الشيخ السنوسي اراد ان يحملهم على خرق العوائد في ذالك الى باب التوكل واما هنالك فلم يمتثلوا فقال انتم اعرف بدنياكم ولو امتثلوا وتحملوا في سنة او سنين تكفونوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلقیح کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انھوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچا دیں انھوں نے نہ مانا تو فرما دیا کہ تم جانو اگر وہ یہ مان جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر جاتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔ ملا علی قاری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۴۳۳ میں فرماتے ہیں ولو ثبتوا على كلامه فى الفن ولا ارتفع عنهم كلفة المعالجة اگر وہ حضرات حضور علیہ السلام کے فرمان پر ثابت قدم رہتے تو اس فن میں فوقیت لے جاتے اور ان سے تلقیح کی محنت دور ہو جاتی فصل الخطاب میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا: ولا يعزب عن علمه عليه السلام مثقال ذرة فى الارض ولا فى السماء من حيث مرتبته وان كان يقول انتم اعلم بامور الدنياكم حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔ اس کی مزید تشریح ہم نے "رد سیف یمانی" میں لکھی ہے اور کچھ تفصیل تفسیر اویسی میں کر دی ہے۔

از علم تو نکتہ ایست عالم

زان دائرہ نقطہ ایست آدم

ترجمہ : تمام عالم تیرے علم کا نکتہ ہے اسی دائرہ کا ایک نقطہ ہیں آدم۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید کو جب شیخ کامل کا دامن نصیب ہو تو اس پر لازم ہے کہ ان کی صحبت میں رہنے کی اجازت نہایت ادب اور عجز تواضع سے طلب کرے اور دل میں شیخ کی تعظیم و تکریم ہو اس میں اپنے جلیل القدر مراتب و کمالات کو دخیل نہ بنائے اور تصوّر تک دل سے ہٹا دے کہ میرے نوکر چاکر ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ کہ باوجود جلالت وشان اور کلیم خدا ہونے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے طفل مکتب بن کر رہے تھے ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشداً یعنی مجھے اسی طرح علوم سکھائے جیسے آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھائے ہیں جن میں نہ جبریل علیہ السلام کا واسطہ ہو نہ کسی کتاب کا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے سے کیوں اسی طرح کے علوم تو موسیٰ علیہ السلام کو پہلے حاصل تھے

سوال : کمالات کے تو صرف یہی تین طریقے ہیں اور وہ موسیٰ علیہ السلام کو پہلے حاصل تھے پھر خضر علیہ السلام سے حاصل کرنے کا کیا فائدہ

جواب : واقعی ایسے مراتب جلیلہ کچھ کم نہیں تھے لیکن ان میں پھر واسطہ تھا مثلاً جبریل علیہ السلام بھی ایک واسطہ تھے اور کتاب بھی اور مکالمہ الٰہی سے دوئی کی بو آتی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اس امر میں نور الٰہی کے فیض کے حصول کا وہ طریقہ نصیب ہو کہ جلال و جمال کے جلوے بلا واسطہ حاصل ہوں گویا محویت تامہ اور استغراق تام چاہتے تھے جیسے ارنی انظر الیک میں استدعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ درمیان میں میرے سے دوئی کو ہٹا دے اور وحدت کا وحدت عطا فرما دے یعنی وہ مرتبہ کہ جس میں نہ ملک ومقرب کو گنجائش ہو نہ نبی مرسل کو نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کسی کامل شیخ کا دامن نصیب ہو جائے اور ان کی خدمت وصحبت میں رہنے کی اجازت حاصل ہو تو پھر نہ حسب کو دیکھے نہ نسب کو نہ جاہ وجلال کو اور نہ منصب و کمال کو اور اپنے جمیع علوم وفضائل ایسے فراموش کردے کہ گویا وہ ایسا جاہل ہے کہ اسے نہ نیکی کا علم ہو نہ برائی کا نہ وہ دکھ کو جانتا ہے نہ سکھ کو نہ کراہت کا علم رکھتا ہے نہ عظمت کا حضرت حافظ نے فرمایا:

خاطرت کے رقم فیض پذیرد ہیہات

مگر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

تیرا دل فیض کو قبول کرسکتا ہے صرف یہی ہوگا کہ اوراق کو نقوش سے پراگندہ کریگا۔

مرید پر لازم ہے کہ وہ شیخ کے ہر اوامر و نواہی کے سامنے سر جھکا دے جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ کہ جب حضرت خضر علیہ السلام کے حلقہ بگوش ہوئے تو انھیں اپنی نبوت یاد رہی نہ رسالت کا خیال رہا کہ میرے ہاں جبریل علیہ السلام جیسا مقرب فرشتہ آتا ہے اور میں کلیم خدا ہوں اور میرے ہاں کتاب الٰہی تورات اتری اور بنی اسرائیل میرے تابعدار تھے یہ تمام کمالات بھول کر خضر علیہ السلام کی نیازمندی اور خدمت گزاری میں کمربستہ ہوگئے بلکہ اپنے تمام ارادات کو حضرت خضر علیہ السلام کے ارادہ میں گم کردیے۔

قَالَ اِنَّكَ
آپ میرے
لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ
ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر کیونکر صبر کریں گے جسے آپ کا علم محیط نہیں کہا عنقریب
سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ
اللہ چاہے تو تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا کہا تو اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ
فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾
سے کسی بات کو نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں
فَانْطَلَقَا ۟ وقفہ حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ
اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے اس
خَرَقَهَا ط قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ
بندہ نے اسے چیر ڈالا موسیٰ نے کہا کیا تم نے اسے اس لیے چیرا کہ اس کے سواروں کو ڈبا دو بیشک تم نے بری بات کی کہا
اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا
میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے کہا مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور
تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ۟ وقفہ حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ
مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا اس بندہ نے اسے
قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾
قتل کر دیا موسیٰ نے کہا کیا تم نے ایک ستھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کر دی بیشک تم نے بہت بری بات کی

تفسیر عالمانہ

قَالَ خضر علیہ السلام نے کہا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ آپ میرے ساتھ ہرگز نہیں گزار سکیں گے

اس میں موسیٰ علیہ السلام کے گزارہ نہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے گویا خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کا میرے ساتھ رہنا نامناسب اور نادرست ہوگا اور اس سے صرف صبر کی نفی مطلوب نہیں بلکہ اصل مقصد یہی ہے کہ آپ کو چونکہ اس علم سے تعلق نہیں اسی لیے آپ کا رہنا نہ رہنے کے برابر ہوگا ہم نے یہ معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ نفی النفی سے اثبات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ استطاعت مع الفعل کا ثبوت ملا یہی مذہب اہلسنت کا ہے (خلافاً للمعتزلہ)

ف موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کیوں صبر نہ کر سکوں گا اس کی کوئی وجہ بھی ہونی چاہیے اس کے جواب میں خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ چونکہ آپ پیغمبر ہیں آپ کے احکام مبنی برظاہر ہیں ممکن ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جو آپ کو خلاف نظر آئے حالانکہ وہ حقیقت مبنی برحق ہو آپ اپنی شریعت کے قانون کے مطابق میرے ساتھ معاوضہ پر مجبور ہو جائیں گے اس لیے آپ کا اور میرا اکٹھا رہنا محال ہو جائے گا

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا خبراً تمیز ہے از خبر کے باب کے وزن پر مستعمل ہوتا ہے اور علم بمعنے عرف ہے یعنی خضر علیہ السلام نے موسٰی علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ کیسے صبر کر سکتے ہیں جب کہ میرے علم کو آپ احاطہ نہیں کر سکیں گے اس میں خضر علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی کہ میرا علم ایسے امور مخفیہ پر مبنی ہے جس سے ظاہری علم کو برا لگے گا اور نیک آدمی بالخصوص صاحب شریعت ایسے امور کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکے گا اسی لیے آپ نے قبل از وقت موسٰی علیہ السلام سے فرما دیا۔

طالب علم دو قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ بعض تو کامل و مکمل اور اعلیٰ مہارت کے مالک ہوتے ہیں۔

۲۔ بعض علوم میں اتنا مہارت نہیں رکھتے۔

ایسے طالب علم جب اپنے سے بڑے علم سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ان کے علم سے اونچی ہوتی ہیں تو وہ اپنے استاذ اور بڑے علم والے پر اعتراض کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ نفرت پیدا ہو کر جس سے استاذ و شاگرد کی ناچاقی ہو جاتی ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے اس لیے کہ شاگرد اور تھوڑے علم والے کم علمی کی وجہ سے استاذ اور بڑے علم پر غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بسا اوقات نزاع اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے چنانچہ اس بات کو حضرت خضر علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ انك لن تستطيع معى صبرا۔ اے موسٰی علیہ السلام آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔

ف صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہ نے "اللائحات البرقيات" میں تحریر فرمایا کہ ہر دونوں علم یعنی ظاہر و باطن موسٰی و خضر علیہم السلام میں موجود تھے فرق صرف اتنا تھا کہ موسٰی علیہ السلام پر علم ظاہر کا غلبہ تھا چنانچہ اس کی نبوت و رسالت ان کے اس غلبہ پر دلالت کرتا ہے۔

سوال هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدا سے معلوم ہوتا ہے کہ موسٰی علیہ السلام علم باطن سے بے خبر تھے ورنہ وہ خضر علیہ السلام سے حصول علم کی استدعا نہ کرتے؟

جواب دراصل بات یہ ہے کہ وہ متعلم جو علوم ظاہری پڑھتا ہے تو وہ حروف والفاظ کا محتاج ہوتا ہے اور علم باطنی چونکہ اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوتا ہے اور اس کے علم میں حروف والفاظ نہیں بلکہ وہ ذوق اور وجدان و عیان حاصل ہوتا ہے وہاں دلائل براہین کو کوئی تعلق نہیں بلکہ اس علم کے لیے ذوق و کشف الٰہی اور القاء والہام سبحانی چاہیے اس لیے کہ جمیع علوم باطنہ ایسے ہی حاصل ہوتے ہیں اسی لیے انہیں ذوقیات سے تعبیر کیا جاتا ہے نظریات کو ان میں کسی قسم کا دخل نہیں کیوں کہ نظریات کا قانون ہے کہ معلومات سابقہ یا متعلق باللواحق سے مبادی و مقدمات کو مرتب کر کے حاصل کیا جاتا ہے یعنی ایک شے کو منتقل کر کے دوسری شے کو حاصل کرنا علم نظریات میں ضروری ہے اور علم باطن ذوق سے حاصل ہوتا ہے اس میں کسی شے کو واسطہ نہیں بنانا پڑتا اگرچہ موسٰی علیہ السلام کو بھی یہی ذوق حاصل تھا لیکن حکمت ربانی کا تقاضا ہوا کہ بندوں کو معلوم ہو کہ انسان کو ظاہری علم سے کتنا ہی وافر حصہ نصیب ہو تب بھی علم باطن کو حاصل کرے ورنہ وہ نامکمل رہے گا۔

ف خضر علیہ السلام پر علم باطن کا غلبہ تھا چنانچہ ان کی ولایت کے علاوہ اگر ان کی نبوت بھی ثابت ہے تب بھی ان پر غلبہ بطون تھا۔ اسی بنا پر موسٰی علیہ السلام سے فرمایا انك لن تستطيع معى صبرا وكيف تصبر على مالم تحط به خبرا کہ آپ پر علم ظاہر کا غلبہ ہے

اور آپ رسالت کے احکام کے پابند ہیں اور میرے احکام علم باطن سے متعلق ہیں اور میں ان کے مقتضیات کا پابند ہوں اور معاملات غلبہ پر مربوط ہے اسی لیے ہمارا اور آپ کا ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ ارادات میں پختہ ہو اگرچہ ان کو پیر و مرشد امتحان کے طور یا ویسے ہی اپنے سے بار بار ہٹائے تب بھی شیخ کا دروازہ نہ چھوڑے مکھی کی طرح ضدی بن جائے کہ اسے جتنی بار بھگاؤ بار بار واپس لوٹتی ہے اسے یہ سبق موسیٰ علیہ السلام سے سیکھنا چاہیے کہ انھیں جتنا بار خضر علیہ السلام نے اپنے ساتھ نہ رہنے کا فرمایا تب بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ایک نہ مانی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ انك لن تستطيع معي صبرا ۔ و كيف تصبر على مالم تحط به خبرا یعنی آپ میرے ساتھ کیسے گزار سکیں گے حالانکہ میرے اور آپ کے مذہب میں فرق ہے اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم ظاہر اور شرع کے احکام کا پابند فرمایا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے علم باطن اور احکام طریقت کا پابند فرمایا ہے[1] اور میں اسی کے مطابق عملدرآمد کروں گا اور علم لدنی و کشف حقائق کے اجرا کروں گا وہ اس لیے کہ میں ہویت حق میں محو و فنا ہوں اور اس کی الوہیت سے مجھے بقا نصیب ہوئی اسی سے میں دیکھتا اور سنتا اور بولتا ہوں اور اسی کی طاقت سے لیتا دیتا ہوں بلکہ میرا ہر کام اس میں فانی ہے میرا علم اسی کا علم ہے میں وہی جانتا ہوں جو اس کا علم ہے میرا اپنا کچھ نہیں

تفسیر عالمانہ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سَتَجِدُنِیْ آپ مجھے پائیں گے (انشاء الله صابرا) انشاء اللہ صبر کرنے والے یعنی میں آپ کی رفاقت میں صبر کروں گا آپ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کروں گا الصبر بمعنے الحبس یعنی نفس کو آپ کے تابع رکھوں گا مثلاً کہا جاتا ہے۔

انشاء اللہ کہنے کا نکتہ : موسیٰ علیہ السلام نے انشاء اللہ یا تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلبی یا توفیق کے لیے یا تبرک کے طور یا انھیں معلوم تھا کہ یہ کام بہت سخت مشکل ہے بالخصوص ایسے امور میں جہاں فساد کا ظہور ہو تو موسیٰ علیہ السلام کو خاموش رہنا اور زیادہ سخت تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ کی امداد ضروری امر تھا بعض نے کہا کہ انشاء اللہ اس لیے کہا کہ انھوں نے اپنے پر بھروسہ نہ کیا جیسا کہ صلحا کی عادت ہے

الجوبہ : تمام انبیاء علیہم السلام کے مزاج گرامی بلغمی تھے سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کا مزاج اقدس صفراوی تھا۔

سوال : موسیٰ علیہ السلام نے ستجدنی انشاء الله صابرا ۔ کہنے کے باوجود نہ صبر کیا اور اسماعیل علیہ السلام نے ستجدنی انشاء الله من الصابرین کہا اور صبر بھی کیا ۔

---

[1] بعض لوگ سمجھتے ہیں علم شریعت و طریقت علیحدہ علیحدہ ہیں یہ ان کی غلطی ہے اس لیے کہ وہ ایک شے ہیں امر الٰہی سے بندے مامور ہوتے ہیں ہم سب عوام علم ظاہر یعنے شرع پر چلنے پر مامور ہیں اس لیے جو لوگ شرع کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ جاہل ہیں - ۱۲ -

جواب ۱: موسیٰ علیہ السلام چونکہ طالب علم کی حیثیت سے خضر علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور طالب علموں کی فطرت ہے کہ جب تک اپنے استاذ سے کوئی شے سمجھ نہ لیں وہ صبر نہیں کرتے پوچھتے ہی رہتے ہیں اور اسماعیل بحیثیت متعلم ہونے کے نہیں تھے بلکہ ان کا مقام تسلیم و تفویض تھا اسی لیے ان کو صبر ضروری تھا ہر دونوں حضرات اپنے اپنے مقام پر حق پر تھے

جواب ۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام غیرت وحدت پہ تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حکم و صبر کے مقام پر اسی لیے انہوں نے اپنے اپنے مقام کا حق ادا کیا۔

لطیفہ: اسماعیل علیہ السلام نے اس لیے صبر کیا کہ انہوں نے یہ من الصابرین کہہ کر اپنے آپ کو صابرین میں داخل فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام صابراً کہہ کر اپنے آپ کو منفرد کر کے صابرین سے علیحدہ کر لیا اگرچہ تفویض الی اللہ منفرد ہونے سے احسن اور تحصیل مقام اور وصول مرام کے لیے اوفق ہے ولا اعصی لک امرا اس کا صابرا پر عطف ہے یعنی مجھے صابر اور غیر عاصی پاؤ گے یعنی میں آپ کے ہر حکم کا پابند رہوں گا اور آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

نکتہ: صرف انشاء اللہ کہہ دیتے اور وعدہ دینے سے خضر علیہ السلام کو اس طرح کا اعتماد پیش کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے کسی فعل و قول بلکہ ان کی جملہ حرکات و سکنات میں کسی شے پر معترض نہ ہو بلکہ ان کے ہر معاملہ میں پختہ اعتقاد رکھے اگر ان سے کوئی عمل غیر شرع و عقلاً پسندیدہ نہ دیکھے تو نہ ان پر اعتراض کرے اور نہ ہی ان سے بدگمانی کرے بلکہ یہ سمجھے کہ میری غلطی ہے ورنہ وہ اپنے معاملہ میں حق پر ہیں کیونکہ میرے علم و عقل میں کوتاہی ہو سکتی ہے ان کے معاملات میں کسی قسم کی خامی نہیں ہے قال فان اتبعتنی خضر علیہ السلام نے فرمایا اگر آپ میرے ہاں حصول علم کے لیے میری اتباع کریں گے فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ تو میرے سے کسی قسم کا سوال نہ کرنا اگرچہ آپ کو میرے سے کوئی معاملہ آپ کی شرع کے خلاف نظر آئے تو نہ میرے سے اس کا سوال کرنا اور نہ اس کی حکمت پوچھنا چہ جائے کہ معاوضہ یا مخالفت کریں۔

ف اس سے خضر علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو ساتھ رہنے کا اذن ثابت ہوا اور بعد از بحث و تمحیص اجازت بخشی۔ فان اتبعنی کی فا موسیٰ علیہ السلام کے صبر وغیرہ کے وعدہ سے متفرع ہے حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا یعنی آپ کو میرے امور سے سوال کرنے کی اجازت نہیں جب تک میں خود ان کا اظہار نہ کروں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا ہر امر مبنی بر حکمت اور راز مخفی تھا

مسئلہ: طالب علم کو اپنے استاذ گرامی اور مرید کو اپنے شیخ سے ایسے ہونا لازمی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا۔

مسئلہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید اور شاگرد پر لازم ہے کہ استاذ اور شیخ کے کسی معاملہ پر لب کشائی نہ کرے جب تک وہ خود نہ بتائیں خواہ زبان قال سے یا زبان حال سے۔

حکایت: حضرت لقمان داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت داؤد علیہ السلام زرہ بُن رہے تھے چونکہ لقمان نے زرہ نہیں دیکھی تھی اسی لیے متعجب ہوئے اور ارادہ کیا کہ داؤد علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھیں لیکن اپنی حکمت سے سوال مناسب نہ سمجھا خاموش رہے یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام نے زرہ بنا کر پہن لی اور فرمایا نعم الدرع للحرب یہ جنگی چولہ کیسا بہتر ہے بعض نے فرمایا کہ لقمان نے اس پر سال بھر سوچ بچار فرمائی اور داؤد علیہ السلام سے پوچھا بھی نہ۔

خاموشی کے فوائد ۱۔ حکماء کا فرمودہ ہے کہ بولنا چاندی اور خاموشی سونا

۲۔ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ خاموشی دو قسم ہے ۱۔ غیر اللہ کے ساتھ غیر اللہ کے کلام سے خاموش رہنا (۲) کونین کی باتوں کو قلب پر نہ آنے دینا۔

۳۔ کسی کی صرف زبان خاموش اور قلب کو خاموشی نہ ہو تو صرف اس کے گناہ ہلکے ہوتے ہیں۔

۴۔ جس کا دل خاموش ہو اور زبان خاموش نہ ہو تو اس کی زبان سے حکمت کی باتیں صادر ہوں گی

۵۔ جس کی زبان اور قلب دونوں خاموش ہوں تو اسے اسرار الٰہی نصیب ہوں گے اور تجلی حق سے نوازا جاتا ہے

۶۔ جس کا نہ دل خاموش ہو اور نہ زبان وہ شیطان کا کھلونا ہے

سبق عاقل کو چاہیے کہ قلب کو انقباض اور زبان کو اعتراض سے بچائے اور ماسوی اللہ کو بالکل فراموش کرنے کی کوشش کرے اور پریشان افکار سے ذہن اور قلب کو صاف رکھے صبر و استقامت کا دامن مضبوط پکڑے اور بارگاہ حق میں سر تسلیم خم رکھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں اگر کسی شے کو ضائع کرتا ہے تو اس کا اعلیٰ اور بہتر صلہ عطا فرماتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

لا نسلم و اعتراض از ما برفت
چوں عوض می آید از مفقود رفت
چونکہ بے آتش مرا گرمی رسد
راضیم گر آتش ما را کشد
بے چراغی چوں دہد از روشنی
گر چراغت شد چہ افغان میکنی
دانہ پر مغز با خاک دژم
خلوتی و صحبتی کرد از کرم
خویشتن در خاک کلی محو کرد
تا نماندش رنگ و بوی سرخ زرد

از پسی لذ مو قبض رونما ند

بر کشا دوبست شد مرکب براند

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے اہل خلوت سے بنائے ان حضرات کی صحبت عطا فرمائے جو صحبت کے لائق اور سر تسلیم خم کرتے ہیں

تفسیر عالمانہ: فَانْطَلَقَا پس وہ دونوں یعنی خضر و موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے چل پڑے انہیں کسی کشتی کی تلاش تھی۔

ف: یوشع علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف واپس بھیجا اور کاشفی نے لکھا کہ وہ ان دونوں کے پیچھے ہو لیے

سوال: کاشفی کا قول غیر صحیح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یوشع علیہ السلام ان دونوں حضرات کے ساتھ ہوتے تو قرآن مجید میں فانطلقوا جمع کا صیغہ ہوتا فانطلقا تثنیہ کا صیغہ بتاتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں تھے

جواب: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت کا قصہ اب خضر علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا ہے اسی لیے صیغہ تثنیہ لایا گیا ہے اور چونکہ یوشع علیہ السلام ان دونوں کے تابع ہو کر ان کے پیچھے پیچھے تھے اسی لیے تابع کے ذکر کو غیر معتبر قرار دے کر اصل کا ذکر کیا جاتا ہے

جواب۲: حدیث شریف میں ہے: مرت سفینۃ فکلموھم ان یحملوھم فعرفوا الخضر فحملوا بغیر نول۔

(کذا فی المشارق) یعنی ان کے قریب سے کشتی گزری تو انہوں نے اس میں سوار ہونے کا کہا تو ملاحوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا خضر علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو مفت سوار کر لیا اس حدیث شریف کی ضمیر جمع سے کاشفی کے قول کی تائید ملتی ہے اور جنھوں نے کہا ہے کہ یوشع علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ہاں واپس بھیجا گیا ہے یہ غیر معتبر بایں معنی ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے جب ہارون علیہ السلام موجود تھے تو یوشع علیہ السلام کی ضرورت کیوں۔ واللہ اعلم۔

اِذَا رَکِبَا یہاں تک کہ سوار ہوئے فِی السَّفِیْنَۃِ کشتی پر۔ بعض روایت میں ہے کہ یہ دونوں یعنی موسیٰ و خضر علیہم السلام جب کشتی تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچے تو کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان کر ان دونوں کو کشتی میں مفت سوار کر لیا۔

ف: حدیث شریف میں لفظ نول واقع ہوا بفتح انہوں بمعنے بلا اجرت۔

خَرَقَھَا کشتی پر بیٹھتے ہی خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر کشتی میں سوراخ کر دیا وہ بھی دریا کی موج میں مروی ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی سے کلہاڑا اٹھا کر لوگوں سے چشم چرا کر کشتی سے وہ دو تختے نکال یعنی پانی کی سطح کو قریب تر تھے موسیٰ علیہ السلام کشتی کے سوراخ کپڑے سے بند کرتے اور خضر علیہ السلام اسے وشیشے سے چیرتے بعض روایت میں ہے کہ اگرچہ خضر علیہ السلام نے کشتی کو چیر دیا تھا لیکن اس میں پانی داخل نہیں ہوا تھا بعض روایت میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کے کنارے سے چند ایسے تختے نکالے جو صرف کشتی کے لیے عیب تو بن سکتے تھے لیکن اس کے اندر پانی داخل نہیں ہو سکتا تھا اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے بطور انکار کہا قَالَ اَخَرَقْتَھَا لِتُغْرِقَ اَھْلَھَا ۚ اے خضر علیہ السلام آپ نے کشتی کو اس لیے چیرا تاکہ کشتی والے لوگ

غرق ہو جائیں اسی لیے کہ کشتی چرجائے گی تو اس میں لازماً پانی داخل ہوگا جب پانی داخل ہوگا تو کشتی والے لازماً غرق ہوں گے اور یہ انصاف کے خلاف بھی ہے کہ کشتی والوں نے بلا اجرت ہمیں کشتی میں بٹھایا اور ہم ان کی کشتی توڑیں اس معنٰی پر لتغرق کی لام عاقبت کی ہوگی۔

ف : سعدی مفتی نے فرمایا کہ یہ لام تعلیل کی ہونی چاہیئے اس لیے کہ یہ مقام انکار ہے اور انکار کے مقام پر لام تعلیل زیادہ موزوں ہے

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ۝ بے شک آپ نے ایک ایسا عجیب نا کام کیا ہے جس سے دل گھبراتا ہے قاموس میں ہے۔ امر (بکسر الہمزہ) امر منکر عجیب ہر کام جو اجنبی اور عجیب ہو زمخشری کے بلاغات میں ہے کم احدث بک الزمان امرا امرا کما لم یزل یضرب زید عمرا یعنی جتنا زید کی عمر کو مار کو دوام ہے ایسے ہی دنیا میں تیرے رہنے کا حال ہے

ف : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر لازم تھا کہ وہ خاموش رہتے اگرچہ ان کے ظاہری علم کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی شرع کے خلاف امر دیکھ کر انکار کرتے اس لیے کہ محبوب پر انکار نہ کرنا ضروری ہے حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

مزن زچون چرا دم کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجاں ہر سخن کہ جاناں گفت

ترجمہ: چوں وچرا نہ کرنا لازمی ہے اس لیے مقبول بندہ وہی ہے کہ محبوب کے سخن کو بدل وجان قبول کرے۔

قَالَ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اَلَمْ اَقُلْ کیا میں نے آپ کو کہا تھا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سابقہ انکار کی یاد دہانی کرائی کہ میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ تادیر نہیں رہ سکیں گے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے دل سے یہ بات اتر گئی کہ میں نے آپ سے کوئی وعدہ کیا تھا لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ فلہذا آپ میرے نسیان پر مواخذہ نہ فرمائیے اور یقین فرمائیے کہ مجھے آپ کی وصیت بھول گئی جب کہ آپ نے فرمایا تھا کہ قبل از بیان کسی بات پر اعتراض نہ کرنا۔ اب کی بار مجھ سے بھول ہوگئی اور بھول پر گرفت نہیں ہوتی۔

حدیث شریف پہلی بار موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہوگئی دوسری بار خطا ہوئی تیسری بار آپ نے عمداً کیا۔ (بخاری شریف)

وَلَا تُرْهِقْنِيْ۔ رھق بروزن فرح بمعنی غشی ارھق از ارھاق انسان پر ایسا بوجھ ڈالنا جس کا وہ متحمل نہ ہو اہل عرب کہتے ہیں ارھقتہ عسرا یعنی فلاں کو اس نے دکھ میں ڈالا اور قاموس میں لا ترھقنی بمعنے ولا تغشنی ولا تکلفنی و لا تحملنی لکھا ہے کاشفی نے ترجمہ کیا کہ "در مرسان مرا،، یعنی نہ پہنچایئے مِنْ اَمْرِيْ میرے معاملہ کو یعنی میرے ساتھ رہنے کو عُسْرًا دشواری میں لا ترھقنی کا مفعول ثانی ہے یعنی رفاقت کا معاملہ میرے اوپر مشکل نہ بنایئے بلکہ آسانی فرمائیے اور چونکہ مجھے آپ کے ساتھ رہنے کا ارادہ ہے فلہذا ایسے معاملات میں میرے ساتھ چشم پوشی فرمائیے بلکہ ایسی غلطیاں معاف فرماکر میرے ساتھ جھگڑا نہ فرمائیں۔

بپوشش دامن عفوے بروئی جرم مرا
مرید آب زخ بندہ بدین چوں وچرا

ترجمہ: میرے جرم پر پردہ ڈالیے غلام کے چوں چرا پر اس کی عزت نہ گھٹائیں

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیخ کے لیے ضروری ہے بلکہ اس کی شرائط میں داخل ہے کہ اپنی ہر بات مرید سے منوانے کی کوشش نہ کرے بلکہ پہلے اسے آزمائے پہلے اسے راہ سلوک کی صعوبتیں اور مقصود راہ کی فضیلتیں پھر اس کی مشقتیں بتائے اور وہ بھی بشارتوں والے رنگ نہ اسے ڈرائے اور نہ ایسے طور طریقے بتائے کہ جس سے اسے نفرت پیدا ہو جب یقین کرے کہ وہ اس راہ پر چلنے کا اہل ہے بلکہ حصول مقصد میں صادق ہے اور صرف ذات حق کی طرف متوجہ ہونے کے لائق ہے اور غیر اللہ کی طرف اس کا جی نہیں لگتا تو ایسے مرید کو اپنی خدمت وصحبت کے لیے قبول کرے بلکہ جتنا ہو سکے اس کی تربیت میں جد وجہد کرے اور اسے اپنے مولیٰ کی طرف راغب کرنے میں کوشاں ہو اور اس کی روحانی تربیت میں ویسے محنت کرے جیسے اپنی اولاد کی تربیت کی جاتی ہے غرضیکہ عبودیت کے بہترین طور اطوار جتنا اسے آتے ہیں مرید کو سکھائے نیز شیخ پر لازم کہ مرید پر شفقت ورحمت کے پیش نظر اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرے وہ غلطیاں اس سے عملاً سرزد ہوں یا خطاً یا نسیانہ خواہ اس کے اپنے متعلق ہوں یا شیخ کے عہد کے متعلق ہاں اوامر ونواہی الٰہیہ کی کوتاہی میں چشم پوشی کے بجائے اس کا حسن اسلوب سے مواخذہ کرے یا اپنے شیخ پر اعتراض وانکار کرتا پائے تو بھی چشم پوشی نہ کرے بلکہ اسے آداب شیخ سمجھائے اگر وہ ایسے امور یعنی اوامر ونواہی کی پابندی کرے اور شیخ کے اقوال احوال پر اعتراض وانکار سے باز آجائے تو بلکہ اس سے توبہ واستغفار کرائے اور نادم ہو کر آئندہ غلطیوں کے ارتکاب سے بچنے کا پختہ عہد کرائے تو اسے اپنے ساتھ رکھے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے معذرت طلب کرتے ہوئے کہا لا تؤاخذنی بما نسیت و لا ترھقنی یعنی آپ مجھے تنگی میں نہ ڈالیے اس لیے کہ مجھ سے ایسی تنگی اٹھائی نہیں جائے گی۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے ولیکن اسے عدم التفات سے تعبیر کیا جاتا ہے[1] تاکہ معلوم ہو کہ ہر عیب سے منزہ اور پاک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن ان کے نسیان کا عصیان انبیاء علیہم السلام کے اکثر معاف ہو جاتا ہے بالخصوص جب وہ خود اس پر اظہار معذرت فرمائیں کسی نے کہا ؎

اقبل معاذیر من یاتیک معتذرا
ان بر عندک فیما قال او فجرا

ترجمہ: جو تمہارے ہاں معذرت کرے اسے معاف کر دے وہ سچی معذرت کر رہا ہے یا جھوٹی۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ اور اولیاء کی آزمائش سخت تر ہوتی ہے اس میں سالک کو صبر اور تسلیم ورضا کو مدنظر رکھنا ضروری ہے

---

[1] اس کی تفصیل فقیر کے رسالہ فضل الرحمٰن فی نسیان سید الانس والجان میں دیکھئے ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

قفل زفقست وکشایند خدا

دست درتسلیم زن اندر رضا

ترجمہ: تالہ بند ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کھولتا ہے تمھارا کام ہے تسلیم ورضا

جناب خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

بجفا ودشدن ازتو بناشد محمود

ہرکجا پائے ایازست سرمحمود ست

ترجمہ: تجھے اپنے محبوب کی سختیوں سے اظہار غم نامناسب ہے اس لیے کہ جہاں یار کا قدم ہو تو وہاں عاشق کو سرپرستش کرنا لازمی ہے

حکایت حضرت شیخ ابی عبداللہ بن خفیف قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد میں پہنچا اس وقت مجھ پر صوفیت کا غلبہ تھا یعنی ارادات اور شدت مجاہدہ و ماسوی اللہ کے تصورات کی گمشدگی غالب تھی یہاں تک کہ چالیس روز تک کھانا نہیں کھایا اور حضرت جنید قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری بھی نہ دی بغداد سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہوا کئی دن سے پانی نہ پیا تھا اسی جنگل میں ایک کنواں دیکھا کہ اس سے ہرنی پانی پی رہی ہے اور پانی کنوئیں سے باہر نکل رہا ہے میں پیاس کے مارے کنوئیں کے قریب پہنچا تو ہرنی پانی سے سیر ہو کر روانہ ہو چکی تھی لیکن میں جونہی قریب پہنچا تو کنوئیں کا پانی بہت نیچے چلا گیا میں نے حیران ہو کر بارگاہ حق میں عرض کی کہ یا اللہ میرے سے اس ہرنی کی شان اونچی کیوں جواب ملا کہ وہ صرف میرے اوپر سہارا کر کے کنوئیں سے پانی پینے آئی تھی اور تو پانی پینے آیا تھا تو رسی اور لوٹا لے کر میں نے اپنی اس غلطی کا احساس کیا اور واپس لوٹا تو پھر کنواں پہلے کی طرح پر ہو گیا میں نے اپنا برتن پانی سے بھر لیا اور اسی سے پیا اور وضو کرتا رہا اور مدینہ طیبہ پہنچنے تک مجھے وہی پانی کام دیتا رہا ذرہ بھر بھی اس میں کمی نہ آئی جب میں حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تو بغداد سے گزرا حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اگر تم صبر کرتے تو پانی تمھارے پاؤں سے چشمہ کی طرح ابلتا تیرے صبر کا جام لبریز ہو کر چھلک پڑا کاش تم تھوڑی سی دیر صبر کرتے۔

اے اللہ ہمیں اہل عنایت سے بنا (آمین)

تفسیر عالمانہ فَانْطَلَقَا یہ فا فصیحہ ہے الانطلاق بمعنے الذہاب یعنی چلنا یعنی جب موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے معذرت قبول فرمائی تو کشتی سے اتر کر چل پڑے حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا یہاں تک کہ ایک بستی کے باہر غُلٰماً ایک لڑکا ملا جو نہایت حسین وجمیل اور بلند قامت تھا حضرت خضر علیہ السلام اسے ایک دیوار کی اوٹ میں لے گئے فَقَتَلَہٗ اور اس نوجوان کو قتل کر دیا اس کا عطف لقیا پر ہے یعنی اس نوجوان کو ملنے کے بعد اسے خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا اس نوجوان کا نام جیسور تھا بالجیم یا حیسور بالحاء یا حینون تھا۔ کذا فی قال السہیلی۔

اعجوبہ: حضرت خضر علیہ السلام نے اس نوجوان کو کسی چاقو یا چھرے وغیرہ سے قتل نہیں کیا بلکہ صرف تین انگلیوں سے ابہام نر انگوٹھے اور سبابہ یعنی شہادت کی انگلی اور وسطیٰ یعنی درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا تو نوجوان کا سر جسم سے علیحدہ ہو گیا۔ کذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

حدیث شریف خضر و موسیٰ علیہ السلام کشتی سے نکل کر دریا کے کنارے پر چل پڑے راستے میں ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اسے خضر علیہ السلام نے سر سے پکڑ کر ایک ہی جھٹکے سے اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیا۔ (کذا فی الصحیحین بروایت ابی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ)

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا یہ شرط مذکور کی جزا ہے اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً آپ نے ایسے بچے کو قتل کیا ہے جو گناہوں سے پاک ہے اس لیے یہ ابھی غیر بالغ ہے اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے زکیۃً سے گناہوں سے پاک مراد لیا ہے

ف: ابن کثیر و نافع و ابو عمرو نے ذاکیہ پڑھا باقی تمام قراء نے اسے زکیہ بروزن فعیلہ پڑھا ہے اس سے اس کی پاکی اور طہارت میں مبالغہ مراد ہے

ف: ابو عمرو نے فرمایا کہ زاکیۃ وہ جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو اور زکیۃ وہ جس نے گناہ کر کے توبہ کر لی ہو۔ بِغَيْرِ نَفْسٍ یعنی اس بچے کو کسی نقائص میں بھی نہیں قتل کیا گیا۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیوں فرمایا اس لیے کہ چھوٹے بچوں سے قصاص نہیں لیا جاتا؟

جواب: وہ اتنا چھوٹا نہیں تھا بلکہ وہ بالغ تھا لیکن چونکہ نئی جوانی چڑھا تھا اسی لیے اسے غلام سے تعبیر کیا گیا۔

جواب۲: مسائل شرعیہ میں امم میں اختلاف رہا ہے ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں غیر بالغوں سے قصاص لیا جاتا ہے اس جواب نمبر دو کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے جسے امام بیہقی نے کتاب المعرفت میں درج فرمایا کہ صرف بالغوں سے احکام کا تعلق ہجرت نبویہ کے بعد ہوا۔

ف: شیخ تقی الدین سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بلوغ سے احکام کا تعلق غزوۂ احد کے بعد ہوا۔

خارجیوں کا رد اسی قانون کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام قابل قبول ہے باوجودیکہ اجماع امت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب اسلام قبول فرمایا تو اس وقت آپ بالغ نہیں تھے چنانچہ آپ سے ایک شعر منقول ہے

سبقتکم الی الاسلام طرا
صغیرا ما بلغت اوان حلمی

ترجمہ: میں نے تم سب میں سے اسلام میں سبقت کی درانحالیکہ اس وقت میں بچہ تھا یعنی بلوغ کو نہیں پہنچا تھا

ف: اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی اس سے ثابت ہوا قبل از ہجرت چھوٹے بچے بھی احکام و عقائد اسلام کے مکلف تھے اس لیے کہ احکام شرعیہ سے بچوں کو خیبر کے بعد مرفوع القلم بنایا گیا۔

سوال: اس غلام کے لیے زکیۃ کی قید کا کیا فائدہ؟

جواب: چونکہ نوجوان جب جوانی چڑھتا ہے تو گناہوں کی طرف طبعاً زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔

حدیث شریف : جس غلام کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ طبعاً فطرۃً ہی کافر پیدا کیا گیا تھا۔

سوال : یہ حدیث شریف دوسری حدیث شریف مشہور کے خلاف ہے وہ کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے

جواب۱ : فطرت سے مراد یہ ہے کہ ہر نومولود بچے میں اسلام کے قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور ایسے بچے میں فطری کفر کا ہونا استعداد کے منافی نہیں۔

جواب۲ : فطرت سے مراد الست بربکم کا ابتدائی قول مراد ہے ؛

سوال : نووی نے فرمایا کہ مذکورہ بالا جوابات صحیح نہیں اس لیے کہ اس بچے کے والدین مؤمن تھے اس معنیٰ پر اس بچے کا مومن ہونا بھی لازمی امر ہے۔

جواب : اس کا یوں جواب دیا جائے کہ اگر وہ بچہ سن بلوغ کو پہنچتا تو لازماً کافر ہوتا۔ (واللہ علم)

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا اے خضر علیہ السلام آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جسے شرعاً کسی طریق سے بھی جائز نہیں کہا جا سکتا یہ فعل تو پہلے فعل یعنی کشتی کے توڑنے سے بھی زیادہ بُرا ہے اس لیے کہ کشتی کے توڑنے کے بعد توجوڑنا ممکن ہے لیکن اس بچے کو قتل کرنے کے بعد بظاہر نا ممکن ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ پہلا فعل یعنی کشتی کا توڑنا اس بچے کے قتل کرنے سے زیادہ بُرا تھا اس لیے کہ یہاں تو صرف ایک بچے کو قتل کیا گیا وہاں تو کشتی کے غرق ہونے پر تمام کشتی والوں کے مرجانے کا خطرہ تھا۔ (لیکن یہ قول غیر معتبر ہے اس کا غیر معتبر ہونا ظاہر ہے)

ف : بعض حفاظ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کا نصف اسی جملہ لقد جئت شیأ نکرا پر ختم ہوا آج کل اسی پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ بحمد اللہ فقیر اویسی غفرلہ کو یہاں تک تفسیر کے ترجمہ کی توفیق نصیب ہوئی یعنی ہفتہ کی شب قبل نماز عشاء ۲۷ ذیقعد ۱۳۹۶ھ کو اس پارہ نمبر ۱۵ کے ترجمہ سے فراغت نصیب ہوئی۔ و الحمد للہ علی ذالک۔

والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الاعلیٰ وعلی آلہٖ واصحابہ اجمعین۔

انا الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ دار التصنیف جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور پاکستان۔ ۲۷ــــ ۱۱ / ۹۶ھ

فہرست مضامین پارہ نمبر16

قَالَ اَلَمْ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ

کہا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے — کہا اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں

بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا

تو پھر میرے ساتھ نہ رہنا — بے شک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک

اَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ

گاؤں والوں کے پاس آئے ان دہقانوں سے کھانا مانگا انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی پھر دونوں نے اس گاؤں

اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ

میں ایک دیوار پائی کہ گرا چاہتی ہے اس بندہ نے اُسے سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے کہا یہ میری اور

بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ

آپ کی جدائی ہے اب میں آپ کو ان باتوں کا پھیر بتاؤں گا جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا — وہ جو کشتی تھی وہ کچھ

فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ

محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا

يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ

کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو

اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً

سرکشی اور کفر چڑھا دے تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر ستھرا اور اس

وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ

سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے رہی وہ دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا

تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا

خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ۗ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا

اور اپنا خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا یہ پھیر ہے ان

لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

باتوں کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا

تفسیر عالمانہ

قَالَ خضر علیہ السلام نے کہا، اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا۔ میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں گزار سکیں گے۔ یہ خضر علیہ السلام کا موسٰے علیہ السلام کو زجر و توبیخ ہے کہ آپ میری وصیت کو اور اپنے وعدہ کو بھول گئے لفظ لك کے اضافہ میں عتاب فرمایا کہ بار بار بھولنے کا کیا معنٰے ہے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِىْ اب کے بعد اگر آپ سے ایسے افعال غیر پسندیدہ کا صدور ہوا اور میں سوال کروں گا تو مجھے اپنی رفاقت میں نہ رکھنا۔ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ۝ آپ نے مجھ سے کوئی عذر پا یا۔ میں آپ کی تین بار مخالفت کر چکا ہوں فلہٰذا مجھے ترک صحبت میں معذور تصور فرمائیں۔

حل لغات: العذر (بضمتین والسکون) انسان کا اپنی غلطیوں کے ازالہ کی کوشش کرنا مثلاً کہنا کہ میں نے سرے سے یہ کام کیا ہی نہیں یا کہے کہ میں نے یہ کام کیا لیکن اس میں فلاں مصلحت تھی یا کہے اب تو مجھ سے غلطی ہو گئی لیکن آیندہ ایسا نہیں ہوگا۔

حضرت موسے علیہ السلام کا تیسری بار صرف معذرت نہیں بلکہ توبہ فرمائی اس لئے کہ ہر توبہ معذرت ہے لیکن ہر معذرت توبہ نہیں (الاعتذار) سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی غلطی کا اثر زائل ہو جائے دراصل الاعتذار

بمعنے القطع ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

اعتذرت الیہ ای قطعت ما فی قلبہ من الموجدۃ (میرے متعلق جو فلاں کے دل میں کچھ احساس تھا اسے میں نے مٹا دیا۔

حدیث شریف: حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالٰی نے موسٰے علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ حیاء کے پیش نظر ایسے فرما دیا ورنہ اگر وہ کچھ دیر صبر فرما کر خضر علیہ السلام کے ساتھ رہتے تو بڑے بڑے عجائبات دیکھتے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات صوریہ و معنویہ ہیں الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم شریعت و حقیقت کے جمیع کمالات کے جامع ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ان دونوں میں کسی ایک کا جامع بنایا گیا جیسا کہ موسٰے و خضر علیہما السلام کے قصے سے ظاہر ہے اس لئے کہ شریعت سے احکام ظاہری اور حقیقت سے احکام باطنی مراد ہیں اور تمام علماء کرام نے واضح طور پر فرمایا کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالٰے نے ظاہری احکام کی اشاعت کے لئے مبعوث فرمایا انہیں باطنی امور سے بظاہر واسطہ اور تعلق نہیں تھا اور نہ ہی وہ ان کے حقائق کی اطلاع کے درپے رہتے تھے (البتہ بطون اور ان کے حقائق کے معلومات ہوتے تھے وہ انہیں ظاہر کرنے پر مامور نہیں تھے) اسی لئے موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے باطنی امر کے اظہار پر انکار فرمایا بلکہ جب خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل کیا تو انہیں برملا کہا کہ لقد جئت شیئاً نکرا۔ خضر علیہ السلام نے انہیں جواباً فرمایا: وما فعلتہ عن امری۔ (اور میں نے یہ اپنی طرف سے نہیں کیا) پہلے ہم نے موسٰے علیہ السلام کا مکالمہ درج کیا ہے کہ خضر علیہ السلام نے موسٰے علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے ہاں ایسا علم ہے جس کے اظہار کا حکم نہیں اور نہ ہی آپ اس پر عمل کر سکتے ہیں اور آپ کے ہاں ایسا علم ہے جس کے عمل کا میں نہ مامور ہوں اور نہ ہی اس کے عمل کا پابند ہوں۔

خضر علیہ السلام کا باطنی علم[1] تفسیر ابن حبان میں ہے کہ جمہور امت کا اتفاق ہے کہ خضر علیہ السلام نبی تھے۔ اور ان پر بواطن امور کی وحی نازل ہوتی تھی اور وہ انہی علوم بواطن کے عارف تھے اور اسی پر عمل کرنے پر مامور تھے اور موسٰے علیہ السلام امور ظاہرہ پر عمل کرنے کے پابند تھے۔ اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم امور ظواہر کے بھی جامع تھے اور امور[2] بواطن کے بھی اگرچہ آپ کا اکثر عمل ظاہر پر ہوتا تھا اور امور باطن پر بھی عمل کر لیتے

---

[1]:۔ ایسے باطنی علوم کے وہابی اور اکثر دیوبندی اور مودودی اور خاکساری اور دیگر پارٹیاں منکر ہیں۔ ۱۲ (اویسی)

[2]:۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

تھے جیسے آپ نے ایک سارق (چور) کو قتل کرادیا اور ایک[1] باطن کے مریض اور بظاہر نمازی کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا جب اس کے دل پر دیکھا کہ اس کا دل بغض نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) سے لبریز ہے اگرچہ بظاہر شرعاً ان دونوں کو قتل کرنا جائز نہ تھا لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے باطن کی خباثتوں کے پیش نظر ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[2]:۔ دیوبندی وہابی اور سنی (بریلوی) اختلاف کا موجب اصلی یہی امر ہے۔ اہلسنت اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے باطنی کمالات کے جامع ہونے کے نہ صرف قائل بلکہ آپ کے ایسے امور کے اثبات میں بھرپور دلائل قائم کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے کمالات کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ ایسے کمالات باطنیہ کے قائل کو کافر و مشرک کہتے ہیں۔ اس حقیقت سے عوام کو بے بہرہ رکھ کر نزاعی مسائل کھڑے کرا دیئے۔ اہل اسلام خود انصاف فرمائیں کہ کون حق پر ہے؟۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[1]:۔ یہی ہمارے دور کے وہابیوں، دیوبندیوں اور تبلیغیوں کے معنوی اجداد سے ایک تھا۔ پہلے اس کا قصہ ملاحظہ ہو:

صاحب ابریز نے اپنی کتاب میں نقل کیا:

عن انس قال کان فینا شاب ذو عبادۃ و زھد و اجتھاد فسناہ الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یعرفہ ووصفناہ بصفۃ فلم یعرفہ فبینما نحن کذالک اذا قبل فقلنا یا رسول اللہ ھو ھذا فقال انی لاری علی وجھہ سعفۃ من الشیطان فجاء فسلم فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلت فی نفسك ان لیس فی القوم خیر منك فقال اللھم نعم ثم ولی فدخل المسجد فقال رسول اللہ صلی اللہ وسلم من یقتل الرجل فقال ابوبکر انا فدخل فاذا ھو قائم یصلی فقال ابوبکر کیف اقتل رجلاً

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ مدینے میں ایک بڑا ہی عابد و زاہد نوجوان تھا ہم نے ایک دن حضورؐ سے اس کا تذکرہ کیا حضور اسے نہیں جان سکے پھر اس کے حالات و اوصاف بیان کئے جب بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسے نہیں پہچان سکے یہاں تک کہ ایک دن وہ اچانک سامنے آگیا جیسے ہی اس پر نظر پڑی ہم نے حضورؐ کو خبر دی کہ یہ وہی نوجوان ہے۔ حضورؐ نے اس کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا میں اس کے چہرے پر شیطان کے دھبے دیکھتا ہوں پھر وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا اور سلام کیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تو ابھی اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ تجھ سے بہتر یہاں کوئی نہیں ہے؟[1]

الجوبہ : جو لوگ فجاۃ (اچانک) موت مرتے ہیں دراصل انھیں خضر علیہ السلام قتل کر دیتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

وھو یصلی وقد نہانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قتل المسلمین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل الرجل فقال عمر انا یا رسول اللہ فدخل المسجد فاذا ھو ساجد فقال مثل ما قال ابوبکر و اراد لا رجعن فقد رجع من ھو خیر منی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہ یا عمر فذکرلہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل الرجل فقال علی انا فقال انت تقتلوا ان رجدتہ فدخل المسجد فوجدہ قد خرج فقال اما و اللہ لو قتلہ لکان اولھم و اخرھم ولما اختلفا فی امتی اثنان اخرجہ ابن ابی شیبہ۔

(۱) ابریز شریف ص ۲۷۷

(۲) حجۃ اللہ علی العالمین ص ۵۵۵

(۳) خصائص کبری، جلد ۲، ص ۱۴۷

(۴) فتح الباری، جلد ۱۳، ص ۲۶۴

اس نے جواب دیا ہاں، اس کے بعد جیسے ہی وہ مسجد کے اندر داخل ہوا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ صرف ابوبکرؓ نے جواب دیا میں۔ جب اس ارادہ سے وہ مسجد کے اندر گئے تو اسے نماز پڑھتا دیکھا تو واپس لوٹ آئے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ایک نمازی کو کیسے قتل کروں جب کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازی کے قتل سے منع فرمایا ہے پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے نے جواب دیا: میں! وہ مسجد کے اندر گئے تو اس وقت نوجوان سجدہ کی حالت میں تھا۔ وہ بھی اسے نماز پڑھتا دیکھ کر، حضرت ابوبکر کی طرف لوٹ آئے۔ پھر حضورؐ نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے ضرور قتل کر دو گے بشرطیکہ وہ تمھیں مل جائے لیکن جب حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ مسجد کے اندر داخل ہوئے تو وہ جا چکا تھا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم اُسے قتل کر دیتے تو میری امت کے جملہ فتنہ پردازوں میں سے یہ پہلا اور آخری شخص ثابت ہوتا۔ اور میری امت کے دو فرد بھی آپس میں کبھی نہ لڑتے۔

ف : واقعہ مذکورہ پر غور کیجئے کہ شخص مذکور شرعی احکام کا کتنا بڑا پابند تھا لیکن حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم اور آپ کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوال : خضر علیہ السلام اگر نبی ہیں تو انھیں کیا حق ہے کہ وہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں احکام کا اجراء فرمائیں ؟

جواب : ان کا یہ فعل ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی حیثیت سے ہے یعنے وہ اس دنیا میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے زندہ موجود ہیں جیسے عیسٰے علیہ السلام جب دوبارہ اس عالم میں تشریف لائیں گے تو وہ احکام شرعیہ کا اجرا فرمائیں گے تو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور آپ کے امتی ہونے کی حیثیت سے نہ بحیثیت نبی و رسول ہونے کے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

عشق و پیار سے یکسر خالی تھا۔ اسی لئے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو بار بار متوجہ کرنے کے باوجود آپ نے اس کی جان پہچان سے انکار فرما دیا۔ اگرچہ باطنی طور پر آپ اس کے حالات سے پوری طرح واقف تھے۔ چنانچہ جب وہ شخص حاضر ہوا تو آپ نے فرما دیا : انی لاری علی وجھہ سفعۃ من الشیطان یعنی میں اس کے چہرے پر شیطانی دھبے دیکھتا ہوں اور اسے مخاطب ہو کر اس کے اندرونی مرض (بغض و دشمنی نبوت) کا پتہ بھی دے دیا۔ چنانچہ اس کے ساتھ خطاب کے الفاظ مبارک یہ ہیں کہ اجعلت فی نفسك ان لیس فی القوم خیر منك فقال اللھو نعم یعنے کیا تو نے ابھی دل میں یہی سوچا کہ تجھ سے بہتر و برتر کوئی نہیں۔ اس کے منہ سے نکلا ہاں، یہی خیال تھا۔

(۲) غور فرمائیں کہ ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کتنی ہے کہ نہ ہر بندے کے حالات سے باخبر ہیں بلکہ آپ ہر ایک کے اندرونی معاملات کو بھی خوب جانتے تھے اس کی مزید تفصیل فقیر کے رسالہ " علم غیب " میں ہے۔

(۳) پھر غور کیجئے کہ اس شخص کے اتنا بہت بڑے زہد و تقویٰ کے باوجود رحمۃ للعٰلمین امت کے غم میں ساری رات رونے والے کریم، رحیم اور شفیق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار اور وہ بھی جلیل القدر صحابہ اور خلفائے راشدین جیسی شخصیات کو پھر جب وہ قتل نہ ہو سکا تو افسوس فرماتے ہوئے فرمایا : اما واللہ لو قتلتہ لکان اولھم واخرھم ولما اختلفا امتی اثنان یعنے اگر وہ قتل کیا جاتا تو مُلائی بسبیل اللہ فساد کا یہی پہلا اور آخری مقتول ہوتا اور تاقیامت مذہبی جھگڑا اور اختلاف بھی دنیا سے اٹھ جاتا۔

(۴) ثابت ہوا کہ یہ جھگڑے اور فسادات مثلاً کبھی سُنی شیعہ فساد اور کبھی گیارہویں، عرس حرام اور کبھی میلاد و جلوس بارہ ربیع الاوّل شریف کے عدم جواز پر لڑائی غرضیکہ گھر گھر میں شرارتیں برپا کرنا اسی نیک انسان لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن کی معنوی اولاد سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الجواب: حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے دورِ زندگی (ظاہرہ) میں عیسٰے علیہ السلام نے بیت المقدس میں آپ کی زیارت کی تو اسی عالمِ دنیا کی زندگی کی حیثیت سے اس معنے پر عیسٰے علیہ السلام کو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جاسکتا ہے (کذا فی انسان العیون)

ف: اس اجماعیت سے صرف عیسٰے علیہ السلام کی صحابیت کے اثبات کی تخصیص کا کیا معنے جس حیثیت سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایسے ہی ادریس، الیاس، خضر علیہم السلام کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ اسی لئے یوں کہا جائے کہ یہ حضرات بھی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

رد وہابی، دیوبندی، نجدی اس سے اپنے نبی پاک شہ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کی شرافت کا اندازہ لگایئے کہ آپ کے اُمتی بننے کے لئے بڑے اولوالعزم پیغمبران عظام علیہم السلام نے اللہ تعالٰے سے مہلت مانگی۔ (پھر ہم اہلسنت کیوں نہ کہیں):

؎

سرخیلِ انبیاء و سپہ دارِ اتقیاء

سلطانِ بارگاہ دنیٰ قائدِ امم

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار اور تمام اتقیاء کے سپہ سالار اور بارگاہِ دنیٰ کے سلطان جمیع امتوں کے قائد ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فَانْطَلَقَا دوبارہ مشروط صحبت کے بعد دونوں پڑے **حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ** یہاں تک کہ ایک گاؤں میں تشریف لائے۔ اس بستی سے انطاکیہ (بالفتح و والکسر و سکون النون و کسر الکاف و فتح الیاء المخففۃ) یہ ایک بہت بڑا

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

ف: ہم نے اس شخص کو وہابیوں، نجدیوں، تبلیغیوں اور دیوبندیوں کا معنوی دادا اس لئے کہا کہ حدیث شریف میں اس کی اولادِ معنوی کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔ اور پھر ان کی مفصل نشانیاں بھی بتائی گئی ہیں۔ جو سب کی سب ان لوگوں پر فٹ آتی ہیں۔ اگر آپ اس کی تفصیل چاہتے ہیں تو میری تصنیف "وہابی دیوبندی کی نشانی" اور "تبلیغی جماعت کے کارنامے" پڑھئے۔ (فقیر اویسی غفرلہٗ)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

۱؎: اس میں مرزائی ٹولہ کے غلط تصورات کا رد ہے کہ وہ عیسٰے علیہ السلام کو مردہ خیال کرتے ہیں حالانکہ اسلاف صالحین کا عقیدہ ہے کہ وہ تاحال زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں بنفسِ نفیس تشریف لائیں گے۔ مزید فقیر کا رسالہ "القول الفصیح" دیکھئے۔

(فقیر اویسی غفرلہٗ)

مضبوط شہر ہے جس کے بہترین پانی کے چشمے اور پتھروں کی بڑی عظیم دیواریں پانچ پہاڑوں کے درمیان واقع ہیں جن کا گھیرا بارہ میل کا ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس شہر والوں کی عادت تھی کہ جب شام ہوتی تو شہر کے تمام دروازے بند کر دیتے۔ کوئی کتنا ہی پریشان حال کتنی ہی زاری کرتا کسی کے لئے دروازہ نہیں کھولتے۔

جب یہ دونوں حضرات شام کو پہنچے تو شہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ان حضرات نے جتنا دروازہ کھلوانے کی کوشش کی اور بار بار کہا کہ ہم دور کے مسافر ہیں دروازہ کیوں نہیں کھولتے ہو تو تم کم ازکم کھانا ہی بھیج دو۔ چنانچہ فرمایا: اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا اس گاؤں والوں سے ان دونوں حضرات نے مہمانی کے طور پر کھانا مانگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے طعام مانگا نہیں تھا لیکن چونکہ بحیثیت مہمان کے تشریف لے گئے تھے۔ بنا بریں ان کا تشریف لانا بمنزلہ طعام مانگنے کے تھا۔

سوال: یہاں موسیٰ علیہ السلام نے طعام مانگا تو انہیں طعام نہ ملا اور شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں سے بے مانگے طعام مل گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا واقعہ یوں لکھا ہے: ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا (ہمارا باپ پانی بھرنے کی مزدوری دینے کے لئے آپ کو بلا رہا ہے۔ ان دونوں قصوں میں فرق کیوں؟

جواب: خضر علیہ السلام کی رفاقت میں موسےٰ علیہ السلام نے مخلوق پر سہارا کر کے طعام کا سوال کیا تو آپ کو طعام نہ دیا گیا تاکہ نصیحت ہو کہ انسان کو اللہ تعالےٰ کے علم پر سہارا ضروری ہے اور یہاں شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت موسےٰ علیہ السلام نے صرف اللہ تعالےٰ پر توکل کیا، مخلوق میں کسی کو درمیان میں واسطہ نہ بنایا بلکہ بارگاہِ حق میں تسلیم و رضا کے گھٹنے ٹیک دیئے، کما قال:

انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دست آویز

ترجمہ: فقیر و عاجز ہو کر تیری درگاہ میں رحم و کرم کی درخواست کرتا ہوں اس لئے کہ تیری بارگاہ میں سوائے عاجزی اور دست بدعا ہونے کے اور کوئی بہتر دستاویز نہیں ہے۔

نیز فرمایا: ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با پادشہ بگوی کہ روزی مقدر ست

ترجمہ: ہم فقر و قناعت کا دامن نہیں چھوڑ سکتے بادشہ کو کہہ دو کہ روزی اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ترکیب: (استطعما) محلاً مجرور ہے اس لئے کہ یہ قریۃ کی صفت ہے۔

سوال: یہاں پر ھُوَ ضمیر کا ہونا ضروری تھا اسے کالعدم کرکے (استطعما) کو قریۃ کی صفت بنانے کا کیا فائدہ؟

جواب: اسی طرح سے بستی والوں کی زیادہ مذمت اور شناعت اور قباحت کا اظہار ہوگا کہ بستی والے چند ایک بخیل نہیں تھے بلکہ سارے کے سارے ایسے ہی تھے کہ طعام کھلانے میں قارون تھے۔

فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْھُمَا ان سب نے موسیٰ وخضر علیہما السلام کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔

حل لغات: یہ ضَافَۃٌ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ہاں کوئی مہمان آئے اور ضیّفہ بمعنے انزلہ وجعلہ ضیفاً یعنے اس نے فلاں کی مہمانی کی۔ یہ اس کا حقیقی معنے ہے پھر طعام کھلانے میں مجازاً عام مستعمل ہونے لگا۔ دراصل ضیافت بمعنے میلان ہے مثلاً کہا جاتا ہے: ضاف بمعنے مال الیہ (وہ اس کی طرف مائل ہوا) ضاف السھم عن الغرض سے لیا گیا ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب تیر نشانہ پر نہ لگے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت اسی بستی والے بہت بڑے بدبخیل تھے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بزرگان مسافر بجان پرورند
که نام نکوئی بعالم برند
غریب آشنا باش وسیاح دوست
که سیاح جلاب نام نکوست
تبه گردد آن مملکت عن قریب
کزو خاطر آزرده گردد غریب
نکو دار ضیف و مسافر عزیز
وز آسیب شان پُر حذر باش نیز

ترجمہ: (۱) بزرگ مسافروں کی دل سے خدمت کرتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں نیک نامی پھیلاتے ہیں۔

(۲) غریب الوطن کی پہچان پیدا کیجئے اور سیاح کا دوست اس لیے بن کہ سیاح دنیا میں نیک نامی کی مشہوری کرتا ہے۔

(۳) وہ شاہی عنقریب تباہ و برباد ہوگی جس سے مسافر دل شکستہ ہو جاتے ہیں۔

(۴) مہمان کا دل خوش کیجئے اور مسافر کو جان سے زیادہ پیارا رکھئے ان کے خطرات سے پرحذر رہئے۔

حکایت عجیب بروایت حدیث الحبیب صلے اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس بستی انطاکیہ والے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سونے کا ڈھیر لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمارے ساتھ اسی آیت کا سودہ کیجئے وہ یہ کہ ؛ فابوا ان یفیفوھما کے بجائے "فاتوا ان یفیفوھما" بار کی بجائے "تا" لکھ دیں صرف نیچے اوپر اور ایک نکتے کا فرق ہے تاکہ ہمارے آبا و اجداد سے بدبخلی کا سیاہ داغ مٹ جائے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما کر فرمایا کہ ایسی تبدیلی سے اللہ تعالٰے پر جھوٹ کا الزام آئیگا اور اس کی الوہیت پر سیہ دھبہ لگانا نبوت کا کام نہیں۔
(کذا فی التفسیر الکبیر)

فَوَجَدَا فِيهَا۔ کاشفی نے لکھا کہ یہ دونوں رات کو شہر کے باہر بھوکے پیاسے رہ کر صبح کو دروازہ کھلتے ہی شہر میں تشریف لے گئے تو وہاں پایا۔ **جِدَارًا**۔ ایک دیوار کو جس کا ایک طرف جھکاؤ تھا اور گرنے والی تھی۔ **يُرِيدُ اَنْ يَّنْقَضَّ** ارادہ بمعنے نزوع النفس الی شیٔ مع حکمۃ فیہ بالفعل او عدمہٖ۔ کسی شئے کے فعل و عدم فعل کے حکم کے لئے نفس کا رجوع اور اللہ تعالٰے کے لئے ارادہ بمعنے حکم مستعمل ہوتا ہے۔

سوال : دیوار ایک بے جان شئے ہے اس کے ارادہ کا کیا معنٰی ؟

جواب : اہلِ عرب کا دستور ہے کہ وہ مجازات کو بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ ارادۂ دیوار بھی اسی مجاز کے قبیل سے ہے یعنے ارادہ بمعنے قرب و دنی من السقوط ہے یعنے وہ دیوار گرنے کے قریب تھی مثلاً اہل عرب کہتے ہیں ؛ داری تنظر الی دار فلان میری دار فلان کی دار کو دیکھتی ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ میرا مکان فلان کے مکان کے بالمقابل ہے۔ اسی لئے الارشاد میں لکھا ہے :

یرید ان ینقض کا معنے یدانی ان یسقط ہے۔

اس سے دیوار کے بہت جلد گرنے کے لئے مبالغہ کے ارادہ پر یرید استعمال کیا گیا ہے۔ الانقضاض بمعنے الاسراع فی السقوط یعنے گرنے میں جلدی کرنا۔ یہ انقض باب انفعال ہے مثلاً کہا جاتا ہے ؛ قضضتہ فانقض، یعنے میں نے اسے توڑا تو وہ ٹوٹ گیا۔ اسی محاورہ سے ہے انقضاض الطیر والکواکب، جب پرندے بہت جلد تر گرتے ہیں تو اس وقت ان کے لئے یہی الفاظ بولتے ہیں۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ اِنْقَضَّ سے ہے جیسے الاحمرار، الحمرۃ سے ہے یہ گویا ان کے نزدیک یہ انفعال کا باب نہیں بلکہ افعلال کا باب ہے۔

فَاَقَامَهٗ۔ تو خضر علیہ السلام نے ہاتھوں کے اشارے سے اسے سیدھا کر دیا۔ (کذا المروی عن النبی علیہ السلام)۔

ف : اس دیوار کا طول آسمان کی طرف ایک سو گز تھا۔

قَالَ چونکہ طعام کی انھیں شدید ضرورت تھی اسی لئے موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم ان کے ہاں آئے انھوں نے نہ بیٹھنے کی جگہ دی اور نہ ہی طعام کھلایا کتنے بے مروت ہیں لیکن آپ نے ان کی دیوار سیدھی فرمادی۔ یہ جزا اس شرط کی ہے جو کہ فرمایا۔

لَوْشِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ اگر آپ ان سے دیوار کے سیدھے کرنے پر کچھ پیسے لے لیتے تو ہم اس سے طعام خریدتے۔

حل لغات: اتخذت از اتخاذ افعال کا باب ہے ہمچوں اتبع یہ اخذ سے نہیں، یہی بصریوں کا مذہب ہے۔

راز و رموز کی باتیں موسٰے علیہ السلام نے جب خضر علیہ السلام سے فرمایا: لتغرق اهلها۔ تو خضر علیہ السلام نے موسٰے علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ جب دریا میں تھے تو آپ غرق نہ ہوئے تو اب کشتی میں کیسے غرق ہو سکتے ہیں۔ پھر جب موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا: اقتلت نفسا زكية بغير نفس۔ تو خضر علیہ السلام کہ آپ نے بھی ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا اور وہ بھی بے چارہ بے گناہ تھا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا: لو شئت لتخذت عليه اجرا۔ تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اپنی بات بھول گئے جب کہ شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کو پانی بھر کر دیا تھا اور اس پر آپ نے کتنی مزدوری لی تھی۔ یہ عجیب اور لطیف باتیں راز و نیاز کی تھیں جو استاذ و شاگرد اور پیر و مرید کے درمیان ہوئیں۔

عجیب کہانی جناب قاسم نے کہا کہ جب موسٰے علیہ السلام کی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک کچے گوشت کی ہرنی موسٰے علیہ السلام کے قریب کھڑی کر دی گئی اور دوسری بھنی ہوئی ہرنی خضر علیہ السلام کے قریب کھڑی کر دی گئی حالانکہ بھوکے تو دونوں ہی تھے لیکن اس میں اشارہ تھا کہ خضر علیہ السلام طمع کے بغیر کام کر رہے ہیں تو جو طمع کے بغیر کام کرے اسے مقصد حاصل ہوتا ہے اور موسٰے علیہ السلام چونکہ خضر علیہ السلام کو طمع و لالچ کی بات بتا رہے تھے۔ اسی لئے انھیں کھانے کی چیز سے خالی رکھا گیا۔

مسئلہ روحانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نیکی کے کام میں کسی قسم کا طمع ہو تو وہ عمل ضائع جاتا ہے جیسے موسٰے علیہ السلام کے حال ہوا کہ جب انھوں نے ذرا سا طمع سامنے رکھا تو حضرت خضر علیہ السلام سے جدائی ہو گئی۔

طمع و لالچ کی مذمت حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب طمع و لالچ کسی دل پر اثر انداز ہو تو امور باطنہ کے دیکھنے سے وہ دل اندھا ہو جاتا ہے۔

سوال: موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو دیوار سیدھی کرنے کی مزدوری کا مطالبہ کیوں کیا حالانکہ اس دیوار کو سیدھے کرنے پر موسٰے علیہ السلام نے کوئی کام نہیں کیا بلکہ صرف اشارہ فرمایا تو دیوار سیدھی ہو گئی اس پر انھیں کوئی تکلیف تو نہیں

ہوئی تھی؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام نے دیوار کے بنانے کے اسباب کی وجہ سے سوال نہیں کیا بلکہ آپ نے دیوار والوں کو دیوار سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے کہا اور ایسے طریق سے بھی اجرت کی طلب جائز ہے۔ ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر بچھو کے ڈسنے آدمی پر دم کیا تو اسے آرام آگیا۔ اس سے اس صحابی نے اجرت مانگی۔ اس طرح کے اور واقعات بھی احادیث میں موجود ہیں[1]

سوال: تم کہتے ہو کہ انبیاء علیہم السلام دعوت و ارشاد پر مزدوری اور اجر طلب نہیں کرتے لیکن یہاں موسیٰ علیہ السلام نے مزدوری مانگ لی؟

جواب: یہ طلب اجرت دعوت و ارشاد کی وجہ سے نہیں تھی جیسا کہ قصہ کا قرینہ خود بتاتا ہے۔

قَالَ، خضر علیہ السلام نے فرمایا: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ " یہی میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ تیسرا اعتراض اس جدائی کا سبب بنا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے وعدہ کیا۔

(فلا تصاحبنی) بین کی طرف فراق کی اضافت، اضافۃ المصدر الی الظرف کے قبیل سے ہے اور یہ ظرف میں اتساع کی وجہ سے جائز ہے۔

سَأُنَبِّئُكَ ابھی میں آپ کو خبر دوں گا۔ یہ "سین" تراخی کا نہیں بلکہ تاکید کا ہے اس لئے کہ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے فوراً بلاتاخیر تمام باتیں بتا دیں۔ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ انجام ان امور کا جن میں آپ صبر نہ کر سکے۔

حل لغات التاویل۔ رجع الشئی الی مالہ۔ شے کا اپنے مال کی طرف لوٹنے کا نام تاویل ہے یہاں پر صرف مآل و عاقبت مراد ہے۔ اس لئے کہ یہاں مصدری معنٰی نہیں بن سکتا۔ اور ان امور کا انجام یہ تھا:

① کشتی ظالموں سے بچ جائے گی۔

② نوجوان کو قتل کیا گیا تاکہ اس کے والدین اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔

③ دیوار کو سیدھا کرنے سے یتامیٰ اپنے خزانے کو پالیں گے۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاش! حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر فرماتے تو خضر علیہ السلام کی باتیں ہمیں بتائی جاتیں۔ یاد رہے کہ اس بتانے سے مراد قرآن میں نزولِ وحی سے مندرج ہو جاتیں۔ ورنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] غیر مقلدین، نجدی ایسے دم درود کو شرک کہتے ہیں۔ افسوس کہ ایک طرف احادیث پر عمل کرنے کے مدعی ہیں تو دوسری طرف منکر ہیں منکرین لحدیث کا گروہ ان کی اس غلط پالیسی سے پیدا ہوا۔ ۱۲ (اویسی غفرلہٗ)

کو وحی خفی کے ذریعے بتائی گئیں تھیں تو ہم نے ان کی اوپر تفسیر لکھی ہے۔ اگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو علم نہ ہوتا تو ہمیں کیسے معلوم ہوتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیخ اپنے مرید سے یا استاذ اپنے شاگرد سے غلطی محسوس کرے تو اسے جلدی سے اپنے آپ سے جدا نہ کرے جب تک کہ اس سے تین بار غلطی نہ ہو۔ اس کی دو بار کی غلطیوں سے چشم پوشی کرے۔ تیسری بار جب اسے غلطی میں معذور پائے تو اسے خضر علیہ السلام کی طرح کہہ دے: ھٰذا فراق بینی و بینک۔ نیز پیر و مرشد اپنے مرید سے اور استاذ اپنے شاگرد سے جدائی کے وقت پہلے ان اعتراضات کے جوابات دے (جن امور سے جدائی ہو رہی ہے) اس کی علت اور موجب بتائے تاکہ مرید اور شاگرد کے دل میں شکوک و شبہات نہ رہیں جن کی وجہ سے اس کا خاتمہ برباد جائے (معاذ اللہ)

استاذ کی بددعا فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ استاذ کے نالائق شاگرد کا انجام کیسے برباد ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نامراد کو کہو کہ تو اللہ تعالٰے کی عین عنایت سے محروم ہوگیا چنانچہ اس کے بعد اسے ہیجڑوں میں دیکھا گیا پھر اس نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

استاذ کی شفقت کا نتیجہ[1] جیسے استاذ کی بددعا سے انجام بد ہوتا ہے ایسے ہی اس کی شفقت سے بیڑا پار ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہٗ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ اپنے آپ کو جلتے ہوئے

---

[1] فقیر نے اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف لکھی ہے۔ بعنوان "البحث اللذیذ فی حقوق الاستاذ علی التلمیذ" چند امور اس مقام پر عرض کئے دیتا ہوں ممکن ہے کہ کسی بندۂ خدا کو اس سے فائدہ نصیب ہو۔ ورنہ عموماً آج کل شاگرد اپنے اساتذہ کو اپنے عام دوست جیسا بھی تصور نہیں کرتے۔ مجھے ایک صاحب کے قول پر تعجب ہوا جسے ہم نے اسے اس کے استاذ صاحب کی تعظیم و تکریم کی تلقین کی تو کہا کہ دور حاضر میں ہمیں عزت نفس ضروری ہے۔ اگر ہم اساتذہ کی عوام کے سامنے تعظیم کرتے ہیں تو ہماری عزت عوام کی نظروں میں گر جاتی ہے۔ میں نے اسے عرض کیا کہ آپ نے بے غوری میں فرمایا ہے کیونکہ یہی عزت جس کے صدقے ملی ہے اگر اب بھی ان پر اسی عزت کو قربان کر دیں تو دارین میں کئی گنا اور عزت نصیب ملے گی اگر آپ اسی نظریہ پر مر گئے تو جہنم ہوگی اور یہی عزت ذلت سے بدل جائے گی۔

ذیل کا مضمون علیحدہ مختصر طور پر پمفلٹ میں چھاپ دیا جائے تو بھی۔

استاذ کے حقوق

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

تنور میں ڈال دیجئے۔ چنانچہ شاگرد نے فوراً آگ میں چھلانگ لگا دی تو وہ آگ کا تنور اس پر باغ بہار بن گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

امابعد، آج اساتذہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا حالانکہ اہلِ علم کو یہ عزت ان کے صدقے ملی ہے۔ اس کا حق ادا کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ فقیر احادیث مبارکہ سے چند باتیں عرض کرتا ہے۔

فرمانِ رسالت: (۱) ابو داؤد میں مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھے مسلمان اور عالم، حافظ قرآن، بادشاہِ عادل اور استاذ کی عزت و احترام تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ ایک بار زید بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ گھوڑے پر سوار مدینہ منورہ جا رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رکاب پکڑے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ دریافت کیا گیا کہ آپ ایسا برتاؤ کیوں کر رہے ہیں۔ فرمایا:

هكذا أمرنا

فرمانِ مرتضوی رضی اللہ عنہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے:

من علمني حرفا فهو مولاي۔ جس نے مجھے علم دین کا ایک حرف سکھایا میں اس کا غلام اور وہ میرا آقا ہے چاہے مجھے بیچ دے یا اپنے پاس رکھے خواہ آزاد کرے۔

قرآن اور حدیث کے سیکھنے کا نام "علم دین" ہے۔ دنیوی فن اپنی جگہ کتنا ضروری ہے وہ بہر حال روزی کمانے کا دھندا ہے۔ پیشہ ور کاری گر، انجینئر، ملازم اور عہدہ دار اپنے کسب اور فرائض کی ادائیگی کر کے روزی کماتا ہے۔ یہ سب کام موت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ قبر سے آگے کوئی چیز سوائے علم دین کے نہیں جاتی۔ علم دین ہی ایک ایسی چیز ہے جو قبر، حشر اور جنت میں ہمیشہ ساتھ رہے گا۔

اعلیٰ دولت علمِ دین یا دنیوی مراتب: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ دولت کا مقام بلند ہے یا علمِ دین کا؟ آپ نے فرمایا کہ علم دین کے مقابل دولت کوئی چیز نہیں۔

(۱) جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو۔ اس کے دشمن بہت زیادہ ہوتے ہیں جتنی دولت بڑھے گی اتنے ہی دشمن بڑھیں گے لیکن جس کے پاس جتنا زیادہ علم دین ہوگا اس کے دوست بھی اسی قدر کثرت سے ہوں گے۔

(۲) دولت کی حفاظت دولت مند کو خود کرنی پڑتی ہے لیکن علم دین "اہل علم" کا محافظ ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

جرعہ بر خاک وفا آں کس کہ ریخت
کے تواند صید دولت زو گریخت

جس نے وفا کا دامن تمام لیا اس سے دولت کا شکار کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۳ دولت خرچ کرنے سے گھٹتی ہے علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے جتنا زیادہ پڑھاؤ گے اتنا ہی اس میں اضافہ ہوگا۔

۴ دولت کا ہونا فخر کی بات نہیں کہ یہ فرعون و نمرود کی میراث ہے اور علم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے۔

۵ دولت عام طور پر انسان میں بغاوت اور سرکشی پیدا کرتی ہے اور علم دین انکساری اور تواضع سکھاتا ہے۔

۶ علم دین کو صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے تو بادشاہوں کے سر اہل علم کی چوکھٹ پر جھکتے ہیں ہم نے ہزاروں بادشاہوں اور بے شمار امیروں کو اہل علم کے سامنے جھکتے دیکھا۔ سرِ دست ایک واقعہ پڑھئے:

سلیمان بن عبد الملک، عطاء بن رباح کے حضور مؤرخین جانتے ہیں کہ سلیمان بن عبد الملک کیسا بارعب بادشاہ تھا اس کی سلطنت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی اوہ اپنے شاہزادگان کے ہمراہ حج پر گئے چونکہ حج کے مناسک سیکھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ انھوں نے کسی عالم دین کو اپنے پاس نہیں بلایا بلکہ شاہزادگان سمیت اس وقت کے جلیل القدر عالم عطاء ابن ابی رباح کی خدمت میں گئے۔ یہ سیاہ فام حبشی غلام تھے لیکن علمی مرتبہ کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے استاد ہیں۔ جب بادشاہ ان کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کی نماز کافی لمبی تھی۔ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کر کے فارغ ہوتے تو بادشاہ کی آمد کی خبر ہوئی لیکن کوئی خاص توجہ نہ کی۔ سلیمان نے خود مسائل دریافت کئے جن کے جوابات ملنے پر خود جانے لگا تو شاہزادوں کو ہدایت کی کہ تم ٹھہرو اور ادب و اخلاق کی تعلیم اس عالم دین سے حاصل کرو۔ ہمراہیوں میں سے کسی نے بادشاہ سے دریافت کیا انھوں نے آپ کی طرف توجہ تو نہیں دی آپ شاہزادوں کو چھوڑے جا رہے ہیں تو جواب دیا کہ اس حبشی غلام نے میرے ساتھ جو سلوک کیا اس سے مجھ کو بادشاہی کے مقابل میں عالم دین کی حیثیت کا علم ہوگیا۔

مظہر جانجاناں قدس سرہٗ کے حضور میں شاہ عالم کی حاضری: حضرت مظہر جان جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے کبار اولیاء

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیر عالمانہ اَمَّا السَّفِیْنَةُ وہ کشتی کہ جسے ہم نے چیر دیا تھا۔ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ وہ چند ایسے کمزور مسکینوں کی تھی جو اسے بزورِ بازو ظالموں سے محفوظ نہ رکھ سکتے تھے اور ان کی وجہِ معاش یہی کشتی تھی۔ وہ دس بھائی تھے ان میں پانچ تو لُنجے لنگڑے تھے۔ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ مزدوری کے طور پر دریا میں کشتی چلا کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں سے ہیں۔ شاہی خاندان سے تعلق کی بنا پر انتہائی نازک مزاج تھے۔ ایک بار شاہ عالم بادشاہ ان کے ہاں ملنے کے لئے آئے دورانِ ملاقات بادشاہ کو پیاس لگی وہاں ایک صراحی رکھی تھی جس پر کٹورہ تھا۔ آپ نے بادشاہ کو فرمایا کہ صراحی رکھی پانی پی لیں۔ بادشاہ نے پانی پی کر کٹورہ رکھ دیا لیکن وہ کچھ ٹیڑھا رکھا گیا۔ مظہر جان جاناں نے فرمایا کہ سر میں درد پڑ گیا کہ کٹورہ رکھنے کی بھی تمیز نہیں بادشاہی کیا کروگے۔

یہ واقعات ' علم و دولت کا فرق بتاتے ہیں کہ انسان علمی دولت کے حصول میں سر کی بازی لگا دے اگرچہ دنیا میں کوئی ظاہری عزت حاصل نہ بھی ہو تب بھی آخرت کی عزت اور اجر و ثواب سے مایوسی نہ ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ فوائد و خصائل و کمالات اس وقت نصیب ہوں گے جب استاذ کے متعلق عزت و احترام دل شاد ہو ورنہ بربادی و تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

باپ اور استاد سکندرِ اعظم سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ استاد کو باپ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں جواب دیا کہ میرا باپ تو مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور میرا استاد " ارسطو ،، مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا نیز باپ سببِ حیاتِ فانی ہے اور استاذ موجبِ حیاتِ جاودانی ہے۔

استاد کی عظمت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ نے جب حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ جب کتاب کا ورق پلٹنے کی نوبت آتی تو اس قدر احتیاط کرتے کہ آواز پیدا نہ ہو مبادا استاد کو تکلیف پہنچے۔

امامِ اعظم اور حماد حماد ابن سلیمان جو حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے استاد ہیں۔ ان کی بیوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوحنیفہؒ تیس برس تک ہمارے گھر کا سودا لاتے رہے ہم نے اس خیال سے روکا کہ اتنے بڑے امام سے معمولی کام کیوں لیں۔ جواب میں کہا کہ یہ تو میری خوش قسمتی ہے اسے کیوں چھوڑوں۔

سرتاج نقشبند حضرت مظہر جان جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے کبار اولیاء میں سے ہیں۔ آپ نے مولانا حاجی محمد افضل سے علم دین پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔

فرماتے ہیں بوقت رخصت مجھے استاد صاحب نے پگڑی کے نیچے کی ٹوپی عنایت فرمائی۔ پندرہ سال تک میں نے اُسے پگڑی کے نیچے رکھا۔ پھر اس کے بعد دھونے کا خیال آیا تو رات کے وقت گرم پانی میں بھگو رکھا۔ صبح اس کو رگڑ کر اور مل کر صاف

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کسب معاش کرتے۔
عمل کا اسناد کل کی طرف یا تو تغلیباً ہے یا وکیل کا کام مؤکل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ بنا بریں اگرچہ کام بعض کرتے ہیں لیکن فعل کی نسبت کل کی طرف کی گئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کیا اور پانی کو ضائع نہ ہونے دیا اس کا رنگ املتاس سے مشابہہ تھا، وہ پانی میں نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے پی لیا۔ جس کی برکت سے علم کے بے شمار دروازے میرے اوپر کھل گئے۔

استاذ کی معمولی بے ادبی تباہی کا موجب ہے

صاحب ہدایہ کے استاذ حضرت شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ تعالٰے ایک بار اپنے شہر سے دوسرے شہر کو جانے لگے تو سب لوگ حاضر ہوتے! امام زنجری رحمہ اللہ نہیں آئے۔ اپنی بوڑھی ماں کی خدمت کر رہے تھے۔ اس لئے استاد کی زیارت سے محروم رہے جب اس کے بعد ملاقات ہوئی تو استاذ نے شکایت کی۔ امام زنجری نے اپنا عذر پیش کیا۔ حضرت حلوائیؒ نے فرمایا کہ ماں کی خدمت کو استاذ کی ملاقات پر ترجیح دی۔ اس لئے تمھاری عمر بڑھے گی لیکن علم دین کی درس و تدریس نہ کر سکو گے۔ تعلیم المتعلم میں ہے کہ جیساکہ استاد نے کہا تھا ویسے ہی ہوا علم سینے میں ہی قبر میں لے گئے لیکن کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکے۔

استاذ کے لڑکے کی تعظیم

ایک بزرگ اپنے حلقۂ درس میں درس دے رہے تھے کہ خلاف معمول آپ اثنار درس میں کئی بار کھڑے ہوئے اور بیٹھتے رہے۔ اختتام درس پر اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میرے استاد کا صاحبزادہ گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے کھیلتے کھیلتے جب وہ مسجد کے دروازے کے سامنے آجاتا ہے تو اس کی تعظیم میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ استاد کی عزت میں اس کی اولاد کی توقیر بھی شامل ہے۔

استاذ کی خدمت کی برکت

رئیس الائمہ قاضی فخر الدین کے علو مرتبت کا کیا کہنا، شاہ وقت بھی ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ انھوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ میرا منصب جلیلہ صرف استاد کی خدمت کا مرہون منت ہے۔ علاوہ اور خدمات کے تیس (۳۰) برس تک میں اپنے استاد ابوزید دبوسی کا کھانا پکایا کرتا تھا اور بپاس ادب اس میں کبھی خود نہ کھایا تھا۔

شہزادے استاذ کے قدموں پر

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے لڑکے مامون کو علم و ادب کی تعلیم کے لئے امام اصمعی کے سپرد کر دیا تھا ایک دن ہارون الرشید درس گاہ میں جا پہنچے دیکھا کہ امام اصمعی اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شاہزادگان پاؤں پر پانی ڈال رہے ہیں۔ ہارون نے امام سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مسئلہ: شریعت میں فقیر ہر شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس مال تو ہو لیکن نصاب زکوٰۃ کی مقدار سے کم ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

نے شہزادے کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اسے ادب سکھائیں۔ آپ نے شہزادے کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے اور دوسرے سے پانی ڈالے۔

استاد کے حضور میں امام ربیع فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کی نظر کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جرأت نہ ہوئی۔

اساتذہ کو ہدایات

خلاصہ: (۱) استاذ کا مقام ہر اعتبار سے عزت اور قدر و منزلت کا مستحق ہے استاذ کے اوصاف و اطوار ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کا مکمل و مجسم نمونہ ہو اور اس کی زیارت ہی سے تعلیم کے مقدس فیض کا عکس شاگرد کے دل میں کھنچ جائے۔

(۲) جو استاذ اخلاقی برائیوں کو حسن اخلاق کے ذریعے رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ استاذ کہلانے کا مستحق نہیں۔ استاذ کا کام ذہن کو ترقی دینا اور نیک عادات کا پیدا کرنا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ علم کے سمندر میں تیرنے والے بچوں کو کشتی نہ بناؤ کہ وہ تمہارے دھکیلنے سے ہی چلیں۔ بلکہ انھیں اپنی ذاتی صلاحیت سے تیرنا سکھاؤ۔

(۳) شاگرد کا فرض ہے کہ انتہائی انکسار اور تواضع اختیار کرے اور اپنی اطاعت شعاری اور خدمت گذاری سے استاد کی سختی کو بھی نرمی میں بدل دے تاکہ استاد سے فیض حاصل کر سکے۔

استاذ کی ناز برداری ابن عیینہ رحمہ اللہ تعالےٰ سخت مزاج تھے۔ کسی نے کہا کہ طالب علم دُور دُور سے آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ ان سے خفا ہوتے ہیں کہیں وہ آپ کو چھوڑ کر چل نہ دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ تمہاری طرح احمق ہوں گے کہ وہ میری سخت روی کی وجہ سے اپنا فائدہ ترک کر دیں۔

شاگردوں کو ہدایات (۱) امام ابو یوسف رح کا قول ہے کہ استاد کا احترام یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نکتہ بیان کرے اور وہ شاگرد کو معلوم ہو تو استاد پر یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ ہمیں پہلے اس کا علم ہے۔

(۲) بزرگوں کا فرمان ہے کہ استاد کے پہلو بہ پہلو نہ بیٹھنا چاہئیے۔ اگر وہ فرمائیں تب بھی احتراز کرے ہاں اگر اس کے خلاف ان کو دل پر صدمہ پہنچتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ "الامر فوق الادب"۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

مسئلہ : دوسو درہم یا اس کی قیمت کے مطابق مال کو نصاب زکوٰۃ کہتے ہیں ۔
مسئلہ : دوسو درہم یا اس کی قیمت حاجت اصلیہ سے زاید ہو ۔
مسئلہ : دوسو درہم یا اس کی قیمت کا مال نامی ہو یا نہ ۔
مسئلہ : مسکین وہ ہے جس کا کچھ بھی نہ ہو ۔
یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور شوافع فقیر و مسکین کی تعریف برعکس مانتے ہیں ۔
مسئلہ : قاضی نے کہا کہ آیت سے ثابت ہوا ہے کہ مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ مال ہو اگرچہ اس کی معاش کو غیر مکتفی ہو اسی لئے یہ ' لام ' تملیک پر محمول ہوگی ۔
ف : مولانا سعدی مفتی نے فرمایا کہ ' لام ' تملیک کی اس وقت مانی جائے جب ثابت ہو جائے کہ وہ کشتی ان کی اپنی تھی ۔ لیکن اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضروری نہیں کہ ' لام ' تملیک ہو بلکہ ممکن ہے یہ تخصیص کی ہو اور وہ اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ کشتی بطور عاریۃً یا اُجرت پر لے کر کام کر رہے تھے ۔ اسی مناسبت سے کشتی کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے ۔ چنانچہ بعض روایات میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے ۔
ف : عاریۃً یا مزدوری کے مفہوم کی ۔ کفایہ نے شرح ہدایہ میں تصریح فرمائی ہے ۔ نیز یہ بھی ہے کہ یہاں پر فقرا کے بجائے مساکین کہنے میں اشارہ ہو کہ وہ بادشاہ ظالم کی دستبرد سے کشتی کو بچانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ۔ علاوہ ازیں ان میں چند لنجے لنگڑے بھی تھے اور مسکین عرف عام میں ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی وجہ سے ذلت و خواری کا شکار ہو خواہ اس کے پاس مال ہو یا نہ ۔ اس معنے پر فقہی مسکین اور ہوگا اور عرف عام کے اعتبار سے اور ۔ یہاں پر وہی عرف عام والا مسکین مراد ہے نہ کہ عرف خاص یعنے فقیہانہ مسکین (یہ تحقیق صرف شوافع کے مفہوم کے رد میں لکھی گئی ہے جب کہ ان کے مسکین کے معنے کی تائید اسی آیت سے ہوتی تھی ۔ ہم نے اوپر اس کے متعلق تفصیل عرض کر دی ہے ۔
فَأَرَدْتُّ میں نے اللہ تعالےٰ کے ارادہ و مشیت اور اس کے حکم سے ارادہ کیا ۔ اَنْ اَعِيْبَهَا کہ اسے عیب دار کر ڈالوں ۔ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ حالانکہ ان کے آگے تھا ۔ یہاں پر وراء بمعنے امام بمعنے آگے کے لیا گیا ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

بہرحال استاد کا ادب و احترام ہر لحاظ سے لازم ہے اور جتنا جلیل القدر مشائخ عظام اور علماء کرام گذرے ہیں سب نے علوم تبت اور فیوض و برکات اساتذہ کی خدمات اور ان کی کفش برداری کے طفیل حاصل کئے ہیں ۔
استاذ اور ماں باپ اور پیرو مرشد کا بے ادب اور انھیں رنجیدہ کرنے والا کبھی سرفرازی نہ پائے گا اگرچہ دنیا میں کسی طریقے سے بچ گیا تو آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا ۔

جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن وراءہ برزخ

یہاں پر بھی وراء بمعنے آگے ہے۔ یہ لفظ فوق کی طرح ذواضداد سے ہے یعنے جیسے فوق میں اوپر نیچے ہر دونوں ہوتے ہیں ایسے ہی وراء میں ہر دونوں آگے پیچھے کے معانی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ قصص میں اس پر مزید بحث آئے گی (انشاء اللہ)۔

مَلِكٌ بادشاہ کا نام جلندی ابن کرکرد تھا وہ شہر قرطبہ کے جزیرۂ اندلس رہتا تھا۔ دریائی فسادات ڈالنے والا یہی پہلا شخص تھا جیسے زمین پر پہلا فساد ہابیل کو قابیل کا قتل ہے۔ (کذا ذکرہ ابو اللیث فی تفسیرہ تحت آیت ظہر الفساد)۔

يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ وہ ہر صحیح وسالم اور اچھی کشتی کو چھین لیتا تھا۔ یہ ایجاز الحذف کے قبیل سے ہے۔

غَصْبًا ○ یعنے کشتی والوں سے جبراً کشتیاں چھین لیتا تھا۔ اس کا منصوب ہونا یا تو علے المصدریت (مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے)، ہے جو کہ کشتی چھیننے کی نوعیت کو بیان کرتا ہے یا علی الحالیۃ غصبا بمعنے غاصبا ہے۔ "الغصب اخذ الشیء ظلما وقہراً"، یعنے ظلم وقہر کے طور پر کسی سے کوئی شے لینے کو عربی میں "غصب"، کہتے ہیں اور شے مغصوب کو بھی غصب کہا جاتا ہے۔

ف: یعنے خضر علیہ السلام نے کشتی کو غصب کے خوف سے عیب دار فرمایا۔

نکتہ: وجہ بتانے کی تاخیر مہتم بالشان ہونے کے لحاظ سے ہے اور باقی وجوہ سے اسے مقدم کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ خضر وموسٰے علیہما السلام کو سب سے پہلے یہی واقعہ پیش آیا اور انھوں نے بھی سوال اسی کے متعلق فرمایا کہ اخرقتها لتغرق اهلها۔ اب اس کی وجہ بتائی کہ ہم نے کشتی کو عیب دار کشتی والوں کو غرق کرنے کے لئے نہیں کیا بلکہ اس لئے کہ وہ ظالموں کی دستبرد سے بچ جائے۔ چنانچہ مروی ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ اکھاڑنے کے بعد کشتی والوں کو بتایا کہ تمھارے آگے ایک ظالم بادشاہ ہے جو جبراً کشتیاں چھین لیتا ہے لیکن جو کشتی عیب دار ہوگی اسے نہیں چھینے گا۔ میں نے تمھاری کشتی کو اسی لئے عیب دار بنایا ہے تاکہ ظالم بادشاہ تم سے کشتی نہ چھین سکے۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ کشتی تھوڑی دیر آگے کو چلی تو بادشاہ کے کارندے آگئے اور کہا کہ بادشاہ نے کشتی لانے کا حکم فرمایا ہے بشرطیکہ اس میں عیب نہ ہو۔ یہ کہہ کر کشتی کی دیکھ بھال کو لگ گئے کشتی تو عیب دار تھی ہی، چنانچہ کشتی کا عیب دیکھ کر کشتی والوں کو چھوڑ کر چلے گئے جب دور نکل گئے تو خضر علیہ السلام نے اکھڑے ہوئے تختے کو اپنی جگہ پر چسپاں کر دیا جس سے کشتی بدستور صحیح سالم ہوگئی۔

مثنوی شریف میں ہے:

گر خضر در بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکست خضر ہست

ترجمہ: اگر خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی توڑی تھا تو ہزاروں فائدے اس کے اندر مضمر تھے۔ ظاہراً تخریب تھی تو باطناً تعمیر مطلوب تھی۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) آن یکے آمد زمیں را می شگافت
ابلہی فریاد کرد و برنتافت

(۲) کیں زمین را از چہ ویران می کنی
می شگافی و پریشان می کنی

(۳) گفت اے ابلہ برو برمن مران
تو عمارت از خرابی باز دان

(۴) کی شود گلزار و گندم زار ایں
تا نگردد زشت و ویران ایں زمین

(۵) کی شود بستان و کشت و برگ بر
تا نگردد نظم او زیر و زبر

(۶) تا نشگافی بنشتر ریش پیغز
کی شود نیکو و کی گردید نغز

(۷) تا نفوزد خلطهایت از دوا
کی رود شورش کجا آید شفا

(۸) پارہ پارہ کرد درزی جامہ را
کس زند آن درزی علامہ را

(۹) کہ چرا ایں اطلس بگزیدہ را!
بر دریدی چہ کنم بدریدہ را

(۱۰) ہر بنای کہنہ کآبادان کنند
نے کہ اول کہنہ را ویران کنند

(۱۱) ہمچنین نجار و حداد و قصاب
ہستشان پیش از عمارتہا خراب

(۱۲) آن ہلیلہ واں بلیلہ کوفتن
زان تلف کردند معموریٔ تن

(۱۳) تا نکوبی گندم اندر آسیا !
کی شود آراستہ زان خوان ما

ترجمہ : (۱) ایک شخص زمین کو چیرتا یعنے ہل چلا رہا تھا۔ ایک بے وقوف نے شور مچایا کہ زمین کو خراب کر رہے ہو۔

(۲) زمین کو کیوں ویران کرتا ہے اسے چیر کر برباد کر رہا ہے۔

(۳) اس نے کہا، اے بے وقوف! چل تجھے کیا خبر کہ میں اس زمین کو آباد کر رہا ہوں، تجھے تعمیر و تخریب کی تمیز نہیں۔

(۴) اگر میں ایسا نہ کروں تو اس سے باغات اور گندم کیسے پیدا ہوگی اگر ایسا نہ کروں تو الٹا زمین خراب اور ویران ہو جائے گی۔

(۵) اگر ایسا نہ کروں تو اس سے پھول، کھیتیاں، سبزیاں کہاں سے آئیں گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین کا نظم و نسق برباد ہو جائے گا۔

(۶) اگر انگور کا ریشہ نہ کاٹا جائے تو وہ خود بھی اچھا نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے میوے پیدا ہوں گے۔

(۷) اگر تیری فاسد خلطیں دور سے باہر نہ پھینکی جائیں تو تیری طبیعت کی شورش نہ جائے گی اور شفایاب نہ ہوگا۔

(۸) درزی نے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جسے مالک نے ٹوکا کہ اس کا نقصان کیوں کر دیا۔

(۹) کہ تو نے اطلس جیسے قیمتی کپڑے کو کاٹ ڈالا۔ اب میں اس کٹے ہوئے کپڑے کو کیا کروں۔

(۱۰) جو کوئی ویران زمین کو آباد کرتا ہے تو وہ پہلے اسے ویران کرتا ہے۔

(۱۱) ایسے ہی ترکھان، لوہار اور قصاب کا حال ہے کہ وہ پہلے اپنے معاملات میں ویرانی کرتے ہیں۔

(۱۲) ہلیلہ و بلیلہ کو کوٹا جاتا ہے تو پھر بدن کی تعمیر ہوتی ہے۔

(۱۳) جب تک گندم کو چکی میں پیسا نہیں جاتا اس وقت تک وہ روٹی ہمارے دستر خوان کی زینت نہیں بن سکتی۔

نسخہ روحانی: وجودِ مجازی کی فنا وجودِ حقیقی کے حصول کا سبب ہے جب تک بشریت اور اس کے اوصاف باقی ہوں اس وقت تک اخلاق الٰہیہ کا ظہور نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں چند اشارات ہیں :

① کشتی کا چیرنا اور اسے عیب دار کرنا اس غرض پر کہ اسے ظالم نہ لے جائے۔ اگرچہ بظاہر شرعاً ناجائز ہے لیکن اندرونی طور پر اس میں کشتی والوں کا فائدہ تھا۔ اسی لئے شرع کے باطنی امور کے اعتبار سے جائز ہو گیا اور ایسے ہی امور شرعاً بھی جائز ہوتے ہیں جب مجتہد کو معلوم ہو کہ اس کے ظاہر پر عمل کرنے سے باطناً بہت بڑا فساد ہو گا جب یہ حقیقت کے مطابق ہو چنانچہ خضر علیہ السلام نے اس کی وجہ خود بتائی : وکان ورآءھم - الآیۃ۔

② جب اللہ عام مسکین بندوں پر ایسی نظرِ عنایت رکھتا ہے کہ ان کی بے خبری میں دشمنوں ظالموں کا حملہ ہوتا تھا لیکن انھیں اپنے فضل وکرم سے بچا لیا تو پھر اپنے انبیاء علیہم السلام پر اس کی کتنی عنایات بے غایات ہوں گی۔ اور ان سے کتنی بلائیں اور مضرتیں دفع فرماتا ہو گا ۔

③ بظاہر کبھی سالکین یعنے غیر انبیاء کی مصلحت کو انبیاء علیہم السلام کی مصلحت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اگرچہ درحقیقت باطناً اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کی مصلحت کو ترجیح ہوتی ہے مثلاً موسےٰ علیہ السلام کی مصلحت کو کشتی والوں کی مصلحت پر ترجیح دی گئی جو بظاہر موسےٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے جدائی کا موجب بنا اور جدائی رسالت و نبوت کے امور کی سرانجامی کا سبب بنا کہ وہ یہاں سے جدا ہو کر بنی اسرائیل کی تربیت میں لگ گئے اور یہی بات حضرت موسےٰ علیہ السلام کے حق میں افضل و اولیٰ تھی بہ نسبت اس کے کہ آپ خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہتے ۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اس میں ایک اور اشارہ لطیف ہے وہ یہ کہ کشتی والوں نے خضر و موسےٰ علیہما السلام کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی تعظیم و تکریم میں ان سے کرایہ بھی نہ لیا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے عوض میں انھیں بہتر صلہ عطاً فرمایا کہ بہت بڑے ظالم سے ان کی کشتی کو بچا لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی تعظیم و تکریم اور ان کے آداب بجا لانے میں دارین کی فلاح و بہبودی ہے (ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)[1]

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الْغُلٰمُ۔ بہرحال اس نوجوان جیسور نامی کے قتل کر دینے میں مصلحت یہ کہ فَکَانَ اَبَوٰهُ اس کا باپ کازبرا اور اس کی ماں سہوی تھی۔ (کذا فی التعریف)

مُؤْمِنَيْنِ۔ ہر دونوں مومن تھے یعنے اللہ تعالےٰ کی توحید کے اقراری تھے۔ فَخَشِيْنَا۔ پس خطرہ ہوا ہمیں۔ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا۔ یہ رھقہ بمعنے غشیہ و لحقہ سے مشتق ہے اس کی گردن ارھقہ طغیاناً بمعنے اغشاہ

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی ۔

اباء والحق ذالك بہ (کذافی القاموس)۔

شیخ نے اس کا ترجمہ یکلفھما کیا ہے۔

طُغْیَانًا بمعنے ضلالۃ ہے۔ وَّکُفْرًا ۝ یعنے وہ نوجوان اپنے ماں باپ کو گمراہی اور کفر کے گھاٹ اتار دیتا۔ اور وہ بھی لڑکے کی محبت میں مبتلا ہو کر بطیب خاطر ایمان سے ہاتھ دھو کر گمراہ ہو جاتے اور خضر علیہ السلام کو چونکہ اللہ تعالےٰ نے بتلا دیا تھا کہ یہ لڑکا جبلی کافر ہے اس لئے اسے قتل کر دینا مناسب ہے۔

فَاَرَدْنَا۔ پس ہم نے چاہا۔ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَکٰوةً۔ کہ ان کا رب تعالےٰ انہیں نعم البدل عطا فرمائے جو اس مقتول سے بہتر ہو اور گناہوں اور اخلاقِ ردیئہ سے پاک ہو۔ وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ اور شفقت اور خدمت گذاری کے لحاظ سے اس سے بہتر ہو۔

اعجوبہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ ان اللہ تعالےٰ نے ان دونوں کو ایک بچی بخشی جس کے ساتھ کسی نبی علیہ السلام نے نکاح کیا۔ جس کی نسل سے ستر انبیاء علیہم السلام پیدا ہوتے۔

ف: جب وہ نوجوان پیدا ہوا تو اس کے ماں باپ بہت زیادہ خوش ہوئے اور جب مارا گیا تو بہت غمگین ہوئے۔ اگر زندہ رہتا تو ان کو بھی جہنم میں لے ڈوبتا۔

مسئلہ: انسان کو اللہ تعالےٰ کی قضاء و قدر پر راضی رہنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کی ہر تقدیر انسان کے لئے بہتر ہوتی ہے۔

ے

(۱) ان بشر را کش خضر ببرید حلق
سر آنرا در نیابد بد عام خلق

(۲) آنکہ جان بخشد اگر بکشد رواست
نائب است و دست او دست خداست

---

(۳) بس عداوتہا کہ آن یارے بود
بس خرابیہا کہ معماری بود

ترجمہ: (۱) جس لڑکے کی (خضر علیہ السلام) نے گردن کاٹی اس کا راز عام انسانوں کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

(۲) جو ذات جان بخشتی ہے اور اگر وہ جان لے لے تو کون سا حرج ہے اور یہ ولی اللہ بھی اس کا نائب ہے۔ اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔

(۳) بہت سی عداوتوں میں بہتری ہوتی ہے اور بہت سے خرابیوں میں آبادی ہوتی ہے۔
بہت سے بظاہر دشمن نظر آتے ہیں درحقیقت وہ دوست ہوتے ہیں اور بہت سے بظاہر دوست ہیں درحقیقت وہ دشمن ہوتے ہیں۔

ف: دشمن سے بھی عقلمند انسان بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے مثلاً دشمن عیوب گنتا ہے تو اسے اپنے عیوب کا علم ہو جاتا ہے ورنہ دوست کو عیوب کو محاسن سمجھتا یا انھیں محاسن بنا کر سناتا ہے یا چشم پوشی کرتا ہے۔ اسی لئے دوست سے عیوب کا پتہ نہیں چلتا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

درحقیقت دوستانت دشمنند
کہ ز حضرت دور و مشغولیت کنند
درحقیقت ہر عدو داروئے تست
کیمیا و نافع و دلجوئے تست
کہ ازو اندر گریزی در خلا
استعانت جوئی از لطف خدا

ترجمہ: (۱) درحقیقت تیرے یہ دوست، دشمن ہیں جو تجھے درگاہِ حق سے دور اور مشغول کرتے ہیں۔
(۲) درحقیقت ہر دشمن تیرا دوا ہے بلکہ کیمیا، نافع اور دل جُو ہے۔
(۳) تاکہ تم برائی سے بھاگو اور اللہ تعالیٰ کے لطف سے مدد مانگو۔

حکایت ایک واعظ بزرگ تھے وہ اپنی دعا میں ڈاکوں کو شامل کرتا تھا۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے راہ سلوک انھی ڈاکوؤں کی وجہ سے نصیب ہوا۔ صورت یوں ہوئی کہ میں بہت بڑا تاجر تھا۔ تجارت کا مال کہیں لے جا رہا تھا راستہ میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا، مال بھی لوٹا اور میری بھی خوب مرمت کی۔ اس دن کے بعد جب بھی مجھے تجارت کا خیال آتا تو ڈاکوں کے ڈنڈے یاد آ جاتے۔ اسی لئے تجارت کو خیر باد کہہ کر سالکین راہِ خدا کی صحبت اختیار کر لی۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں چند اشارات ہیں:
(۱) نفس زکیہ کو بلا جرم قتل کرنا شرعاً حرام ہے اگرچہ اس میں دوسرے کا فائدہ مطلوب ہے لیکن شرع کے باطن میں جائز ہے۔ بشرطیکہ قتل کرنے والا امور کے انجام کا عارف ہو اور اسے یقین ہو کہ واقعی اس کی

زندگی دوسرے کے دین وایمان کے فساد کا سبب بنے گا جیسے خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل کر کے اس کی مصلحت بتادی۔ واما الغلام الآیۃ۔ اس لئے کہ اگر وہ نوجوان ایک مدت تک زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کے دین وفساد کا سبب بنتا۔ اس وقت بھی اگرچہ اس کے اندر شقاوت طبعی موجود تھی لیکن اپنی شقاوت سے دوسرے کو شقی بنانے کے لئے کچھ وقت چاہئے! اور وہ نوجوان ابھی خود شقاوت کے کمال کو نہیں پہنچا تھا کہ ابھی اس کی عمر چھوٹی تھی اور نہ ہی اعمال کفر اس سے سرزد ہوئے تھے اس لئے ابھی ماں باپ کے اعمال کے زیر اثر تھا۔

(۲) بہت سے امور سے ہم محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے لئے مضر ہوتے ہیں اور بہت سے امور سے ہم کراہت کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے لئے مفید ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

عسی ان تکرھوا شیا وھو خیر لکم الآیہ

جیسے اس نوجوان کے والدین نے بلا جرم اپنے بیٹے کے قتل کو برا محسوس کیا اس لئے کہ وہی لڑکا ان کے دل کا ٹکڑا تھا اور حسین بھی تھا۔ اسی طرح لڑکا خود بھی اپنا قتل نہیں چاہتا تھا لیکن اس میں سب کا فائدہ تھا۔ ماں باپ کا تو اس لئے کہ وہ شقاوت اور کفر سے بچ گئے اور لڑکا بھی کہ اگر وہ بڑا ہوتا تو شقاوت و کفر کے ارتکاب سے جہنم میں جاتا۔ خضر علیہ السلام کی کارروائی سے سب کا بھلا ہو گیا۔

(۳) اللہ تعالٰے کی عادت کریمہ ہے کہ جب کسی بندے سے محبوب ترین شے چھین لیتا ہے تو اسے بہتر و برتر شے عنایت فرماتا ہے۔ بشرطیکہ چھینی ہوئی شے پر وہ صبر و شکر کرے تو بظاہر اگر وہ چھینی ہوئی شے اسے محبوب محسوس ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ ہزاروں مضرتوں کا مجموعہ تھی۔ اس کو اللہ تعالٰے کے ارشاد گرامی سے سمجھئے۔ کما قال فی ہذا المقام:

فاردنا ان یبدلھما ربھما (الآیۃ) (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ہم اللہ تعالٰے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شریعت و طریقت کے صابرین و شاکرین سے بنائے اور ہمارے لئے وہی کرے جس میں ہماری بہتری ہو اور جو ہمیں حقیقت کے کمال تک پہنچا دے۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الْجِدَارُ بہرحال وہ دیوار جسے خضر علیہ السلام نے سیدھا کر دیا تھا۔ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ تو وہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ ان یتیموں میں سے ایک کا نام 'اصرم' دوسرے کا نام 'صریم'، اور ان کے والد کا نام کاشح تھا۔ یہ سیاح اور نہایت متقی انسان تھا۔ ان دونوں یتیموں کی والدہ کا نام دینا تھا۔ (کذا ذکرہ النقاش)

فِي الْمَدِيْنَةِ. اس بستی میں جس کا نام انطاکیہ تھا جس کا پہلے ذکر گذرا ہے۔ وَكَانَ تَحْتَهٗ. اور اس دیوار کے نیچے تھا۔ كَنْزٌ لَّهُمَا. ان دونوں کا خزانہ۔ کنز، ہر اس مال کو کہتے ہیں جسے کوئی انسان زمین میں دفن کرے اس کی گردان کنز یکنز آتی ہے بمعنے (دفن یدفن) یعنے ان بچوں کا سونے اور چاندی کا مال اسی دیوار کے نیچے مدفون تھا۔ اسی طرح مرفوع حدیث میں مروی ہے۔ اور یہی مطلب راجح ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں سونے اور چاندی کو خزانہ کرنے کی مذمت آئی ہے؛

کما قال؛

والذین یکنزون الذھب والفضۃ

جو لوگ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور دیگر حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس خزانے میں سونے یا سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس کی ایک طرف کندہ تھا؛

ترجمہ مع شرح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

عجبت لمن یومن بالقدر و کیف یحزن

مجھے اس پر تعجب ہے جسے تقدیر پر ایمان ہے یعنے یقین رکھتا ہے کہ تمام امور اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر سے ہیں باوجود ایں ہمہ پھر بھی وہ غمگین ہوتا ہے جب کہ نعمت چھن جاتی ہے یا اس پر شدت کا حملہ ہوتا ہے

وعجبت لمن یومن بالرزق کیف ینصب

اور مجھے تعجب ہے اس پر جو رزق پر ایمان رکھتا ہے یعنے سمجھتا ہے کہ رزق کی تقسیم منجانب اللہ ہے اور جانتا ہے اللہ تعالےٰ ہر ایک کو رزق بخشے گا اس کے باوجود پھر بھی وہ رزق کے حصول میں جان کی بازی لگاتا ہے

عجبت لمن یومن بالموت کیف یفرح

اور مجھے تعجب ہے اس پر جسے موت پر ایمان ہے یعنے مانتا ہے کہ وہ عنقریب مرے گا اور موت کی حقانیت پر یقین کرکے کے باوجود پھر بھی دنیا میں خوش ہے اور چھوٹی عمر پر خواہ مخواہ خوش رہتا ہے۔

و عجبت لمن یومن بالحساب کیف یغفل

اور مجھے تعجب ہے اس پر جو حساب پر ایمان رکھتا ہے یعنے ایمان رکھتا ہے کہ قیامت میں ہر چھوٹی بڑی شے کا

وعجبت لمن یعرف الدنیا وتقلبھا باھلھا کیف یطمئن الیھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وعجبت لمن یومن بالنار کیف یضحک

حساب لیا جائے گا اس کے باوجود پھر بھی غافل رہتا ہے اور دنیوی امور میں مشغول رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو دنیا اور دنیاداروں کو پریشاں حال دیکھ کر پھر بھی دنیوی کاموں پر مطمئن ہے۔ درمیان میں لکھا تھا:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مجھے تعجب ہے اس پر جو نارِ جہنم کا اقرار کرتا ہے اور پھر بھی ہنستا رہتا ہے۔

اس کی دوسری جانب عبارتِ ذیل لکھی تھی:

انا اللہ لا الہ الا انا وحدی لا شریک لی خلقت الخیر و الشر فطوبی لمن خلقتہ للخیر و اجرتیہ علی یدیہ والویل لمن خلقتہ الشر و اجرتیہ علی یدیہ۔

میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ایک ہوں میرا کوئی شریک نہیں ہے میں نے خیر و شر کو پیدا فرمایا اسے مبارک ہے جس نے خیر پیدا فرمائی اور اسے اس کے آگے چلاتی ہے اور شر کو میں نے پیدا فرمایا اور اس کے

یہی جمہور کا قول ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ان دونوں کا باپ نیک تھا اس کے پاس لوگ امانتیں رکھتے تھے تو ان کی امانتوں میں خیانت نہیں کرتا تھا بلکہ انھیں امانتیں صحیح سالم ادا کرتا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالٰے نے ان کے مال کو محفوظ فرمایا؛

اعجوبہ: جعفر بن محمد نے فرمایا کہ ان دونوں اور اس صالح نیک بخت بزرگ کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا۔ اس معنے پر اب مطلب یہ ہوا کہ ان کے دادا کا مال تھا جس کی اللہ تعالٰے نے اتنا عرصہ تک حفاظت فرمائی۔

کما قال:

فَاَرَادَ رَبُّكَ پس تیرے رب تعالٰے نے ارادہ فرمایا یعنے خضر علیہ السلام کو دیوار کے سیدھا کرنے کا حکم فرمایا۔ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں بچے اپنے سن بلوغ اور کمال عقل مندی اور ہوشمندی کو پہنچ جائیں۔

حل لغات: بحر العلوم میں ہے کہ الاشد میں قوت کا معنے ہے اور یہ شدۃ کی جمع ہے جیسے نعمت کی جمع انعم

آتی ہے لیکن شدت کی تا جمع کے وقت محذوف کر دی گئی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ایسی جمع ہے کہ جس کا واحد نہیں اور اشد کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ہر طرح کی عقلی تکمیل حاصل ہو۔ بعض نے کہا کہ بالغ ہونے کے بعد جس سے سمجھداری محسوس ہو اس کے سن کا آخری حصہ تینتیس (۳۳) یا اٹھائیس (۲۸) سال پرختم ہوتا ہے۔

سوال: خضر علیہ السلام نے کشتی پھیرتے وقت فعل کا اسناد صرف اپنی طرف فرمایا اور نوجوان کو قتل کے وقت (خشینا) جمع کا صیغہ کیوں، اور پھر دیوار کو سیدھا کرنے کے بعد فعل کا اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں؟ کما قال: فاراد ربك ان یبلغا۔

جواب (۱): چونکہ پہلا کام قبیح تھا اسی لئے اس کا اسناد اپنی طرف کیا تاکہ تنزہ الٰہی کے خلاف نہ ہو دوسرے فعل میں چونکہ خشیۃ کفر تھا اسی لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی تائید شامل رکھی تاکہ اس کی مدد سے کفر کی خرابی سے حفاظت ہو۔ تیسرے فعل میں خیر محض تھی اسی لئے اس کا اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کیا گیا۔

جواب (۲): بعض نے کہا کہ جب خضر علیہ السلام نے فعل کا اسناد پہلی دفعہ اپنی طرف کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے الہام ہوا کہ آپ کون ہیں کہ فعل کا اسناد اپنی طرف کر رہے ہیں؛

(یہ بین العاشق والمعشوق کا بھید ہے اسے عتاب پر محمول نہ کیا جائے[1])

اس الہام کے بعد خضر علیہ السلام نے دوسرے فعل کے اسناد میں جمع کا صیغہ ملا دیا۔ کما قال: فاردنا، اس کے بعد پھر الہام ہوا کہ اس میں تمہاری اور موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ فلہٰذا تم کون ہو کہ میرے نام کے بغیر اپنا نام لے رہے ہو۔ اسی لئے آخر میں خضر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا۔

کما قال تعالیٰ:

فاراد ربك ان یبلغا اشدھما۔

وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا اور وہ دونوں بچے اپنا خزانہ اٹھائیں گے جب بڑے ہوں گے اگر میں اس دیوار کو سیدھا نہ کرتا تو دیوار گر جاتی اور خزانہ کھلا رہ جاتا جسے لوگ اٹھا لے جاتے اور بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ہی خزانہ لٹ جاتا۔

سوال: اس خزانے کو اگر یتیم یا ان کے متولی جانتے تھے تو وہ خود دیوار کو سیدھا کرتے اور اگر انھیں اس کا علم نہیں تھا تو پھر بچوں کے بڑے ہونے کے بعد انھیں کیسے معلوم ہوتا؟

جواب: اگر بچوں کو خزانے کا علم نہ تھا لیکن ان کے متولی کو معلوم تھا مگر وہ شہر سے باہر کسی کام کے لئے چلا گیا تھا، جس وقت وہ باہر گیا تھا اس وقت دیوار کی حالت اچھی تھی لیکن جب خضر علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے تو متولی موجود نہ تھا۔ (کذا

---

[1] از فقیر اویسی غفرلہ۔

فی بحر العلوم)۔

ف : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ خزانے کے لئے بچوں کی لاعلمی کا قول غیر مسلم ہے اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالٰی نے ان کے خزانے کو محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا اسی طرح اس کی قدرت وحکمت میں شامل ہے کہ وہ ان یتیموں کو وقت پر خزانے کا علم دے دے۔ اور ہر زمانے میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ بہت سے لوگوں کو بے خبری میں بے شمار خزانے ملے اور کنز لہما میں لام اختصاص کی ہے کہ وہ خزانہ صرف انہی دونوں بچوں کے لئے مخصوص تھا۔

نیز یہ قول بھی غیر معتبر ہے کہ وہ خزانہ ساتویں پشت کے بعد کی اولاد کو ملے اور پہلی چھ پشتوں والوں سے مخفی رکھا جاتے۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ یعنے ان بچوں پر تیرے رب کی رحمت سے خزانے کی حفاظت کی گئی۔

ف : رحمۃ مصدر حال کے قائم مقام ہے بمعنے مرحومین یعنے وہ دونوں رحمت الٰہی کے مستحق تھے نیز یہ بھی ہے کہ یہ ایک محذوف امر کی علت کے لئے ہو۔ دراصل عبارت یوں ہے کہ رحمهما الله بذالك رحمة۔

وَمَا فَعَلْتُهٗ اے موسٰی علیہ السلام! آپ نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا کہ کشتی توڑی گئی اور نوجوان کو قتل کیا گیا اور دیوار کھڑی ہوگئی یہ تمام امور عَنْ اَمْرِیْ میں نے از خود نہیں کئے اور نہ ہی میرا اجتہادی معاملہ ہے بلکہ اللہ تعالٰی کے حکم اور اس کی وحی خفی سے کیا ہے۔ اس سے موسٰی علیہ السلام کے اشکال کی توضیح اور بظاہر جو امور شرع کے خلاف کے لئے ان کی معذرت کے اظہار کی تمہید مطلوب ہے۔

فائدہ روحانی مرید اور مرشد کے مابین جو شکوک وشبہات پیدا ہوں ان کے ازالہ کا یہی طریقہ ہے اس لئے کہ مرید اور مرشد کے درمیان شفقت ضروری ہے۔

ذٰلِكَ امور مذکورہ کے متعلق۔ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝ یہی تاویل ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تسطع دراصل تستطیع تھا "تاء" کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے۔ اس سے خضر علیہ السلام کا ایفائے عہد ہے جس کے متعلق موسٰی علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ ان امور کے متعلق وضاحت کروں گا۔

موسٰی علیہ السلام نے گریہ فرمایا مروی ہے کہ جب خضر علیہ السلام نے موسٰی علیہ السلام سے مفارقت کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ خاموشی سے چلتے رہتے تو میں آپ کو اس قسم کے ہزاروں عجائبات دکھاتا جو ہر ایک ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتا۔ موسٰی علیہ السلام خضر علیہ السلام کی جدائی کے وقت روتے! اور عرض کی کہ اے اللہ کے نبی! مجھے وصیت فرمایئے۔

خضر علیہ السلام کی موسٰی علیہ السلام کو وصیتیں حضرت خضر علیہ السلام نے موسٰی علیہ السلام کو الوداع کرتے وقت

مندرجہ ذیل وصیتیں فرمائیں :

① علم اس لئے نہ پڑھنا کہ دوسروں کو بتاؤں گا بلکہ اس لئے پڑھنا کہ اس پر عمل کروں گا۔ اس لئے کہ جس نے علم پڑھ کر عمل نہ کیا بلکہ دوسروں کو نصیحت کرتا رہا تو اس علم سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ دوسروں کو فائدہ پہنچا۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

جوع یوسف بود آن یعقوب را
بوئے نانش می رسید از دور جا

آنکہ بستد پیرہن را می شتافت
بوئے پیراہاں یوسف می نیافت

و آنکہ صد فرسنگ ز آن سو بوئے او
چونکہ بد یعقوب می بویید بو

اے بسا عالم ز دانش بے نصیب
حافظ علمست آنس نے حبیب

مستمع از وے ہمی یابد مشام
گرچہ باشد مستمع از جنس عام

ز آنکہ پیراہان بدستش عاریہ است
چون بدست آن نخاسی جاریہ است

جاریہ پیش نخاسی سر سریست
در کف او از برائے مشتریست

ترجمہ : ۱۔ چونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی بھوک تھی اسی لئے انھیں دور سے ان کی خوشبو آتی۔

۱ لیکن جو یوسف کا پیراہن لا رہا تھا اس نے خوشبو نہ پائی۔

۳ ۔ اور تین سو میل دور خوشبو تھی جسے یعقوب علیہ السلام نے سونگھا۔

۴ ۔ بہت سے عالم اپنے علم سے بے نصیب ہیں علم کا حافظ تو ہے لیکن ۔۔ بوب خدا نہیں۔

۵ ۔ اس سے علم حاصل کرنا چاہتے اگرچہ اس سے علم حاصل کرنا والا عام آدمی ہے۔

۶ ۔ اس پیراہن لانے والے کے ہاتھ میں پیراہن عاریت کا تھا جیسے بردہ فروش کے ہاں دوسرے کی

لونڈی عاریۃً کی ہوتی ہے۔

۷۔ عاریت کی لونڈی بردہ فروش کے ہاں چند روز ہے اس لئے کہ در اصل وہ ہاں خریدنے والے کے لئے ہوتی ہے۔

(۲) خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ دوسروں کو نفع دینا نقصان نہ پہنچانا۔

(۳) ہر ملاقاتی سے بشاشت سے ملنا اس کے سامنے تیور نہ بدلنا نہ کسی سے غضب ناک ہو کر ملنا۔

(۴) کسی کے سامنے ناجائز خوشامد اور چاپلوسی نہ کرنا۔

(۵) کسی کے ہاں بلا ضرورت نہ جانا۔

(۶) بلا وجہ نہ ہنسنا۔

(۷) جب کوئی شخص اپنے گناہوں پر اظہار ندامت کرے تو پھر اسے وہی گناہ یاد دلا کر رسوا نہ کرنا۔

(۸) کوئی غلطی ہو جائے تو تا دمِ زیست آنسو بہاتے رہنا۔

(۹) آج کا کام کل پر نہ چھوڑنا۔

(۱۰) آخرت کی فکر میں رہنا۔

(۱۱) جو تمھاری پرواہ نہیں کرتا اس کے آگے خواہ مخواہ اظہار عجز نہ کرنا۔

(۱۲) جو تم سے نہیں ڈرتا اس سے بے خوف نہ رہنا۔

(۱۳) خوف الٰہی کے وقت اس سے نا امید بھی نہ ہونا۔

(۱۴) اپنے امور کی تدبیر علانیہ طور پر کرنا۔

(۱۵) کسی پر احسان کرنے میں حتے الامکان کمی نہ کرنا۔

یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ بس کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو نعمتوں سے نوازے اور آپ کو اپنی رحمت میں ڈھانپے اور آپ کو دشمنوں سے محفوظ فرمائے۔ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ بھی مجھے کچھ نصیحت فرمائیے:

موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام کو وصیتیں موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا:

(۱) اگر کسی پر ناراضگی ہو تو اللہ کے لئے۔

(۲) دنیا سے محبت نہ کرنا اس لئے کہ اس کی محبت بندے کو ایمان سے خارج کر کے کفر میں داخل کر دیتی ہے۔

خضر علیہ السلام نے موسٰے علیہ السلام سے فرمایا کہ اب بس کیجئے، اللہ تعالٰے طاعات میں آپ کی مدد فرمائے اور آپ کو ہر معاملہ میں مسرور فرمائے اور مخلوق کی نظروں میں آپ کو محبوب بنائے اور اپنے فضل و کرم سے نوازے موسٰی علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی دعا پر کہا: آمین۔ (کذافی التعریف والاعلام للامام السہیلی رحمہ اللہ تعالٰے)

فائدہ تصوف موسٰے علیہ السلام کے اس واقعہ قرآنی سے ثابت ہوا کہ علم ظاہری شرعی کو کمال اور ترقی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اس کے ساتھ علم باطنی حاصل کر کے حقائق امور پر آگاہی حاصل کی جائے (کذافی تفسیر الامام)

تصوف یعنے علم باطنی کے منکر کو کوڑا

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے:

قال بعض العارفین من لم یکن له نصیب من هذا العلم ای العلم الوهبی۔ الکشفی اخاف علیه سوء الخاتمة	بعض عارفین کا فرمان ہے کہ جسے علم باطنی سے حصہ نصیب نہیں اس کے خاتمہ خراب ہونے کا خطرہ ہے[1]

ف: اس کا ادنٰی مرتبہ یہ ہے کہ کم از کم اس علم باطنی (کشفی) کو مانے اور یقین رکھے کہ یہ علم حق ہے۔ (الحمد للہ ہم اہل سنت عوام کو یہ مرتبہ نصیب ہے) (اویسی)۔ اور اس کے منکرین کی ادنٰی سزا یہ ہے کہ وہ اس علم سے یکسر محروم ہوتے ہیں حالانکہ یہی علم مقربین و صدیقین و عارفین کا ہے۔ (کذافی احیاء العلوم)
[ناظرین! اس حوالہ کو خوب غور سے پڑھ کر حق و باطل کا امتیاز کریں][2]۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں مندرجہ ذیل چند اشارات ہیں:

① اس میں اللہ تعالٰے کی کمال شفقت اور حکمت کا اظہار ہے کہ اس نے اپنے دو نبیوں کو بالخصوص موسٰی و خضر علیہما السلام جیسے پیارے پیغمبروں کو دو چھوٹے بچوں کے کام میں لگایا۔

② اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام دنیوی امور میں جد و جہد کرتے ہیں جب کہ ان امور میں ان کا

---

[1]: روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۲۷۸۔

[2]: اس سے ان منکرین کو سبق لینا چاہئے جو کہتے ہیں علم باطنی اور علم تصوف کوئی چیز نہیں۔ یاد رہے کہ تصوف کو لفظاً دیوبندی مودودی بھی مانتے ہیں لیکن اس باطنی تصوف کے وہ بھی نہ صرف منکر ہیں بلکہ تقریباً اس کے اکثر مسائل کو شرک گردانتے ہیں اور وہابیوں، پرویزیوں اور نیچریوں کی تو بات ہی کیا۔ (اویسی)

مقصد صرف اللہ تعالےٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے بالخصوص جب دیکھے کہ ان امور میں ایسے بندوں کا فائدہ ہے جو اللہ تعالےٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ولی کامل کے صدقے سے اللہ تعالےٰ اس کی پوری قوم کی حفاظت فرماتا ہے اور کئی قبیلے اس کی وجہ سے دکھ درد سے بچتے ہیں اور کامل کے برکات کئی پشتوں تک پہنچتے ہیں۔ کما قال؛ وابوھما صالحا۔

حضرت محمد بن المنکدر رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ایک کامل صالح کے طفیل اللہ تعالےٰ اس کی اولاد کی کئی پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے اور اس کے قبیلے اور ہمسائیگاں اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نماز پڑھتے وقت اپنی دعا میں اپنی اولاد کے لئے بھی دعا[1] کرتا ہوں۔

④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا؛ وکان ابوھما صالحا؛ صرف ان دو بچوں کے نیک والد کی وجہ سے فرمایا ہے۔ جب یہ ایک نیک بخت بندے کی اولاد کا حال ہے کہ ساتویں پشت تک اس کے برکات پہنچے۔ اس سے حضور پاک سید الانبیاء والمرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا حال کیا ہوگا؟

نبوت کے ادب کا اعزاز: حرم کے کبوتروں کو یہ اعزاز اس کبوتر کی وجہ سے نصیب ہوا جس نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت غار کے منہ پر انڈے دیئے۔ (کذا فی الصواق لابن حجرؒ)

حکایت ہارون الرشید نے ایک علوی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب وہ ہارون الرشید کے ہاں حاضر ہوا تو اس کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کر کے اسے معاف فرما دیا۔ لوگوں نے قاتل سے پوچھا کہ آپ کو ہارون الرشید نے قتل کرنے کی بجائے آپ کی تعظیم وتکریم بھی کی اور معاف بھی فرما دیا؟ قاتل نے کہا کہ جب میں ہارون الرشید کے ہاں حاضر ہوا تو میں نے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں عرض کی:

یا من حفظ الکنز اصلاح ابیھما احفظنی — اے وہ ذات! جس نے دو بچوں کے والد کی نیکی وجہ سے

---

[1] فقیر بھی نماز کی آخری دعا پڑھ کر بارگاہ حق میں عرض کرتا ہے:
ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔
فقیر امید کرتا ہے کہ فقیر کی اولاد مصطفےٰ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی خادم بنے گی۔

اصلہ ۳ اٰبائیٓ۔ (کذافی العرائس) خزانے کی حفاظت فرمائی براہ کرم میرے آبار کا صدقہ میری بھی حفاظت فرما۔

⑤ مرید پر لازم ہے کہ اس کو اپنا شیخ جس کام پر لگائے اسے رضاالٰہی سمجھ کر انجام دے۔ اس میں دنیوی لالچ اور طمع کو مدنظر نہ رکھے اور نہ ہی نفسانی غرض سامنے ہو بلکہ سرِ تسلیم خم کر کے تعمیل فرمان کرے، خلاف کرے گا تو اس کے اعمال بھی اکارت جائیں گے اور شیخ کی صحبت سے بھی محروم ہو جائے گا۔

⑥ نیک بخت کے لئے اللہ تعالےٰ حلال مال کی حفاظت کرتا ہے جب کہ اس کے مال میں اس کا فائدہ ہوتا ہے

⑦ نبی علیہ السلام اور ولی اللہ جو کام کرتا ہے اس میں انھیں امرالٰہی ہوتا ہے، ظاہراً یا باطناً۔ ظاہراً کو حضرت خضر علیہ السلام نے واضح فرمایا۔ کما قال:

وما فعلته عن امری۔

اور باطناً موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض سے ظاہر ہوا اس لئے کہ ان کا اعتراض بھی باطناً منجانب اللہ تھا کیونکہ ان کا اعتراض شریعت کی وجہ سے تھا۔

⑧ مشائخ کے معاملات پر صبر کرنا ایک سخت امر ہے۔ اگر کسی وقت مرید صادق کا قدم ڈگمگا جائے یا کسی معاملہ میں اپنے شیخ پر اعتراض کر بیٹھے یا کسی وقت وہ کام بتائے اور وہ بجا نہ لا سکے یا تعمیل کرتے ہوئے گھبرا کر صبر نہ کر سکے تو اپنے شیخ سے معذرت کرتے ہوئے معافی طلب کرے اور استاد یا شیخ اپنے مرید یا شیخ کو تین بار تو معافی دے اگر پھر بھی وہ غلطی کرے تو اسے اپنے سے جدا کر دے اور جن باتوں میں شاگرد و مرید کو استاد و شیخ پر غلط فہمی ہوتی ہے ان کی تسلی دے کر رخصت کر دے۔

ف: مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے بلکہ اسے وہ امور جو اپنے شیخ سے غلط دیکھتا ہے اس کے تصور کو بھی ختم کر دے اس لئے کہ شیخ پر غلط تصور مرید کے لئے سم قاتل ہے۔ وہ مرید کبھی باطنی طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا جو اپنے شیخ پر اعتراض کرتا ہے۔ جب بھی اسے اپنے شیخ کے متعلق کوئی غلط تصور ذہن میں آئے تو فوراً موسےٰ و خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرے۔ اولاً تو موسےٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض کرتے رہے لیکن جب خضر علیہ السلام نے ان امور کے متعلق انکشاف فرمایا تو پھر خود پشیماں ہوتے۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

نصیحتے کنمت بشنو و بہانہ مگیر
ہر آن کہ ناصح مشفق بگویدت بپذیر

ترجمہ: میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں اسے اچھی طرح سنئے اور بہانہ مت کیجئے اس لئے کہ تجھے مشفق ناصح نصیحت

کرے تو اسے دل وجان سے قبول کرو۔

ف: مرشد (استاذ) کے لئے ضروری ہے کہ وہ محقق ومشفق ہو دوسرے کسی کے امور کا پابند نہ ہو اور نہ ہی مریدین وتلامذہ کے لئے ترش رو ہو تاکہ اس غریب کی کوشش ضائع نہ ہو جو اس کی پیروی اور تابعداری کرتا ہے۔

اسی لئے کسی نے فرمایا: ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیھدیھم الی ارض الجیاف

ترجمہ: جب کسی قوم کا رہبر کوا ہو تو وہ انہیں ایسے علاقہ کی طرف رہبری کرے گا جہاں مردار ہوں۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

دردم نہفتہ بہ ز طبیباں مدعی
باشد از خزانۂ غیبش دوا کنند

ترجمہ: میرا درد پوشیدہ ہے اور مجھے وہی اچھا ہے۔ ان طبیبوں سے علاج کی ضرورت نہیں ممکن ہے کہ میرا معالج غیب سے ہی میرا علاج کرے۔

حضرت صائب نے فرمایا: ؎

ز بے درداں علاج درد خود جستن بآں ماند
کہ خار از پا برون آرد کسے با نیش عقربہا

ترجمہ: بے دردوں سے علاج کرانا ایسے ہے جیسے بچھو کے نیش سے پاؤں سے کانٹا نکالا جائے۔

⑨ اگر دو ضرر در پیش ہوں تو لازم ہے کہ ان میں اسے قبول کرے جو آسان تر ہو، یہ ایک شرعی قاعدہ ہے مثلاً ایک شخص کا زخم ایسا ہے کہ سجدہ کرنے سے بہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے اور اسی حالت میں رکوع وسجود کے لئے اشارے کرے۔ دیکھئے اس میں دو ضرر پیش ہوئے:

(۱) زخم بہا کر نماز پڑھنا، اس میں بے وضو ہونے کی خرابی لازم آئی۔

(۲) نماز تو باوضو پڑھی لیکن صرف قیام اور رکوع اور سجدہ نہ ہوا اور یہ پہلے ضرر سے آسان ہے۔ اسی لئے اسی کو اختیار کیا گیا۔

اسی طرح ایک بوڑھا مرد یا سخت بیمار انسان کھڑا ہو کر قرأت نہیں کر سکتا لیکن بیٹھ کر قرأت کر سکتا ہے تو اسے بیٹھ کر قرأت سے نماز پڑھنی چاہیئے۔ اس میں اسے دو ضرر پیش ہوتے ہیں یعنے نماز نہ پڑھنا اور نماز بیٹھ کر پڑھنے سے صرف ترک قیام۔ ان میں سے اسے آسان طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

اسی طرح ایک شخص نماز با جماعت پڑھنے کے لئے جاتا ہے تو اسے قیام نصیب نہیں ہوتا اگر گھر میں پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے لیکن نماز کا قیام نصیب ہوتا ہے تو خلاصہ میں پہلے مسئلہ کو ترجیح دی ہے یعنے ایسے شخص تو نماز با جماعت پڑھنی چاہئے لیکن شرح منیۃ میں ہے کہ اسے ترک جماعت لازم ہے کہ گھر میں نماز پڑھے جب کہ جماعت میں نماز پڑھنے سے قیام جاتا ہے۔ حضرت ابن نجیم نے فرمایا: "وھو الاظھر"[1] یعنے یہی قول قوی تر ہے۔ اس میں ترک جماعت اس لئے آسان ہے کہ ترک جماعت میں قیام فرض نصیب ہوا اور ترک جماعت میں صرف سنت کا ترک ہوا۔

(ایسے ہی بدمذہب کے پیچھے نماز پڑھنے سے سرے سے نماز گئی اور تنہا پڑھنے سے نماز کا ثواب تو مل گیا)[2]

---

[1] یہی ہم کہتے ہیں کہ نماز با جماعت پڑھنے میں خرابی یہ ہے کہ امام بدمذہب ہے مثلاً دیوبندی عقیدہ رکھتا ہے یا مرزائیوں کے عقائد کو صحیح سمجھتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے اکیلا نماز پڑھنا لازمی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ترکِ جماعت ہوئی، میں کہتا ہوں ایسی ترک جماعت لازم ہے جس کا امام گندے عقیدے رکھتا ہے جب سرے سے امام کی نماز نہ ہوئی تو مقتدی کی کیسے ہوگی تفصیل فقیر کی کتاب "التحقیق الکامل فی امتیاز الحق والباطل" میں دیکھئے۔ ۱۲ (اویسی)

[2]:

ازالۂ وہم فقیر (اویسی) ۱۳۹۹ھ میں زیارت حرمین شریفین، طیبین کی زیارت سے مشرف ہوا۔ لیکن نجدی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھی نہ مکہ معظمہ میں نہ مدینہ طیبہ میں، لیکن بفضلہ تعالٰی اکثر نمازیں با جماعت نصیب ہوئیں۔ کبھی خود امامت کرنے سے اور کبھی کسی اہلسنت متشرع امام کے پیچھے۔ فقیر کی واپسی پر مخالفین اہلسنت یعنے وہابیوں، دیوبندیوں نے شور مچایا کہ ایسا کیوں ہوا۔ فقیر نے ان کو خاموش کرانے کے لئے ایک رسالہ "انزال السکینۃ علی من لم یصل خلف امام مکۃ والمدینۃ" المعروف، امام حرم کے پیچھے نماز کیوں ناجائز" کے نام سے لکھا۔ اس سے چند ضروری باتیں حاضر ہیں تاکہ ناظرین تفسیر بھی مستفید ہوں۔

ہم ان کے پیچھے نجدی عقائد کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد زندیقانہ ہیں جس کی زندیقیت پر عالم اسلام کے جملہ علماء و مشائخ کا اتفاق ہے یہاں تک کہ دیوبندی فرقہ کے شیخ الاسلام حسین احمد ٹانڈوی المعروف مدنی نے بھی اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں نہ صرف اعتراف کیا بلکہ سب سے بڑھ چڑھ کر نجدی کی مذمت کی۔ ہم اس کے چند عقائد اس کتاب سے نقل کرتے ہیں۔

چونکہ نجدی عقائد سے متعارف کرانا مطلوب ہے اسی لئے ہم "الشہاب الثاقب" کے علاوہ نجدی کی اصل کتاب "التوحید" اور اس کی سوانحعمری "محمد عبدالوہاب" سے چند حوالے درج کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسی طرح ایک شخص سخت بھوک میں مبتلا ہو یہاں تک کہ موت کا خطرہ ہے اس وقت اسے مردار کا گوشت بھی ملا اور حلال شے بھی، غیر کی، کھانے کے لئے ملی، اس پر لازم ہے کہ غیر کی حلال شے کھائے اس لئے کہ اسے دو حرام درپیش ہیں۔ یہاں

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

وہابی یعنے نجدی عقائد

تمام مسلمان کافر جو شخص مُردوں (انبیا و اولیا) کو پکارتا، یا رسول اللہ، یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہتا) ہے ان سے ضرورتوں کو پورا کرنے اور مصیبتوں کو دور کرنے کی درخواست کرتا ہے تو وہ کافر و مشرک ہے اس کا خون بہانا اور مال لوٹنا حلال ہے۔ اگرچہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا، نماز پڑھتا روزے رکھتا اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے۔ (محمد عبدالوہاب ص-۱۶۲)

روضے گرانا مذہب نامہذب وہابیت کے بانی اور نام نہاد توحید، تحریک جہاد کے علمبردار محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اُس کے متبعین نے نہ کبھی کافروں، مشرکوں کے ساتھ جہاد کیا نہ کسی بت خانہ کو پاش پاش کیا۔ ان کے جہاد کی حقیقت صرف یہی کہ محبوبانِ خدا، انبیاء و اولیاء کی عظمت و شان پر حملے کرنا، ان کے مزارات شریفہ کو شہید کرنا اور مسلمانوں کو بلاوجہ کافر و مشرک بنا کر ان کو تہ تیغ کرنا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (جو یوم یمامہ میں شہید ہوتے تھے) کے نام سے مقام جبلیلہ میں جو قبر مبارک تھی، محمد بن عبدالوہاب نے ہتھوڑا لے کر اپنے ہاتھ سے اس کے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ ص ۴۹

کربلا معلیٰ پر حملہ ۱۲۱۶ھ کو سعود بن عبدالعزیز نجدی تمام نجد جنوب، حجاز اور تہامہ سے ایک لشکر جرار لے کر کربلا کے ارادہ سے چلا اور "بلد الحسین" کے باشندوں پر حملہ کیا اور نجدیوں وہابیوں نے اس پر دھاوا بول دیا۔ اس کی دیواروں پر چڑھ گئے اور زبردستی (گھروں میں) داخل ہو گئے اور اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا اور اس قبہ کو جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قبر مبارک پر بنایا گیا تھا، منہدم کر دیا۔ قبہ اور اس کے آس پاس اور چڑھاوے کی تمام چیزیں لے لیں۔ قبہ زمرد، یاقوت اور جواہر سے آراستہ تھا اور اس کے علاوہ شہر میں جو کچھ (مال و متاع، ہتھیار، لباس، سونا، چاندی، مصاحب اور بے شمار چیزیں)، ملا سب کچھ لوٹ لیا۔ اور کربلا کے باشندوں میں سے تقریباً دو ہزار آدمی قتل کئے گئے (محمد بن عبدالوہاب ص-۶۹)

مکہ مکرمہ ۱۸۰۳ء کو سعود بن عبدالعزیز (نجدی بادشاہ)، ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ تا آنکہ مکہ کے تمام مشاہد اور قبے زمین کے برابر کر دیئے گئے کعبہ کے جواہر اور قیمتی ذخیرے فاتحین (نجدی مجاہدین) میں تقسیم کر دیئے گئے اور بعض مجاور قتل بھی کئے گئے۔ (محمد بن عبدالوہاب ص-۷۳)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسے مردار کے گوشت سے غیر کی حلال شے کا کھانا موزوں ہے ۔

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

مدینہ منورہ پر حملہ : ۱۸۰۴ء میں مدینہ منورہ فتح ہوا حسب دستور مدینہ منورہ میں عام قبروں کے قبے اور زیارت گاہیں منہدم کر دی گئیں بسود و قبہ (روضۂ نبوی) کھول کر جو کچھ ملا اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ (محمد بن عبدالوہاب ص ۲۷)

تمام اہلسنت مشائخ و علماء کافر ویسے تو نجدی وہابی اپنے مختصر فرقہ کے سوا تمام اہل اسلام کی تکفیر کرتے ہی ہیں مگر جو اکابر اولیائے امت ہیں اتنے زبردست معاملے میں وہابی ان کا بھی کچھ لحاظ نہیں کرتے۔ چنانچہ مذکور ہے کہ :

قد کفر الشیخ ابن العربی وابن الفارض وامثالهما۔

بے شک ابن عبدالوہاب نے حضرت ابن العربی و ابن فارض اور ان جیسے دیگر اولیاء امت و بزرگان کی بھی تکفیر کی۔
(محمد بن عبدالوہاب ص ۱۵۴)

خود محمد بن عبدالوہاب کی کتاب 'التوحید' کے متعدد مقامات پر مسلمانوں کو کافر، مشرک اور بدعتی اور خدا جانے کیا کیا بنایا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک عبارت مع ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے :

ان اعداء الله لهم اعتراضات كثيرة على دين الرسل يصدون بها الناس منها قولهم نحن لا نشرك بالله بل نشهد ان لا يخلق ولا ينفع ولا يضر الا الله وحده لا شريك له وان محمدا صلى الله عليه وسلم لا يملك لنفسه نفعا ولا ضرا فضلا من عبد القادر او غيره ولكن انا مذنب والصالحون لهم جاه عند الله واطلب من الله بهم فاتجاب به بما تقدم وهو ان الذين قاتلهم رسول الله صلى الله عليه وسلم مقرون بما ذكرت ومقرون اوثانهم لا تدبر شيئا وانما ارادو الجاه و

دشمنانِ خدا کے بہت سے اعتراضات ہیں جن سے وہ لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم خدا کے ساتھ شرک نہیں کرتے بلکہ گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا پیدا کرنے، نفع اور نقصان پہنچانے والا کوئی نہیں۔ اس کا شریک نہیں اور کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں چہ جائیکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ کے لئے یہ وصف ثابت ہو لیکن چونکہ میں گنہگار ہوں اور اللہ کے نزدیک صلحاء کا بڑا مرتبہ ہے اس لئے میں ان کے طفیل سے خدا سے حاجات طلب کرتا ہوں۔ پس تو اس اعتراض کا جواب یہ دے کہ گذر چکا کہ اے معترض جس کا تو نے ذکر کیا اس کا وہ لوگ (مشرک بھی اقرار کرتے ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اسی ایک شخص کو کہا جائے کہ یا تو اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے یا خود کو قتل کر دے یا تجھے قتل کر دیا جائے۔ آگ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

الشفاعۃ"

(مجموعۃ التوحید ص ۵۶، مطبوعہ ام القری مکۃ معظمہ، ۱۳۲۳ھ بحکم ابن سعود)

نے جہاد کیا تھا وہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کے بت کسی چیز کے مدبر نہیں ہیں اور وہ (تیری طرح) جاہ اور شفاعت ہی کا ارادہ رکھتے تھے۔

اس عبارت میں اس مسلمان کو مشرکین عرب سے شمار کیا گیا ہے۔

کتب درود شریف کا تلف کیا جانا

ابن سعود مذکور کے حکم سے ایک اور کتاب چھپ کر مفت تقسیم ہوئی جس کا نام الہدیۃ السنیہ ہے اس میں ہے:

و لا نامر باتلاف شیٔ من المؤلفات اصلاً الا ما اشتمل علی ما یرفع الناس فی الشرک کروض الریاحین و ما یحصل بسببہ خلل فی العقائد کعلم المنطق فانہ قد حرمہ جمع من العلماء علی انا لا نفحص عن مثل ذالک و کالدلائل۔

(خلاصہ مطلب) ہم کسی کتاب کے تلف کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتے مگر ہاں ہم اس کتاب کو تلف کرا دیتے ہیں جن میں ایسے مضامین ہوں جو لوگوں کو شرک میں مبتلا کریں یا ان کے سبب سے عقائد میں خلل آتا ہو۔ جیسے روض الریاحین اور دلائل الخیرات (یعنی ان کو تلف کرا دیا جاتا ہے)۔

(الہدیۃ السنیہ ص ۴۵، ۴۶ مطبوعہ المنار مصر ۱۳۴۲ھ)

دیکھئے دلائل شریف کو تلف کرنے کا صاف اعتراف ہے اس بہانہ سے کہ اس میں اوّل سے آخر تک کلماتِ درود شریف کے علاوہ توحید، عشق الٰہی اور محبت سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ولولہ انگیز درس موجود ہے اسی وجہ سے ہزاروں علماء صلحاء اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اس مقدس کتاب کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔

اسلام کا چھٹا رکن

حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان مکی قدس سرہ الملکی (جن کی بزرگی وعلم و فضل کے خود دیوبندی وہابی بھی معترف ہیں۔ اپنی کتاب مستطاب دُررِ سنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں فرماتے ہیں؛

گروہ وہابیہ اپنے پیرؤں کے سوا کسی کو موحد نہیں جانتے۔ محمد بن عبدالوہاب نے یہ نیا مذہب نکالا۔ اس کے بھائی شیخ سلیمان رحمہ اللہ تعالٰے علیہ تھے اس پر فعل و قول میں سخت انکار فرماتے۔ ایک دن اس سے کہا اسلام کے کتنے رکن ہیں؟ بولا پانچ۔ فرمایا، تو نے چھ کر دیئے۔ چھٹا یہ کہ جو تیری پیروی نہ کرے (وہابی نہ بنے) وہ مسلمان نہیں، یہ تیرے لئے اسلام کا رکن ششم ہے۔

ڈالنا یا خود کو قتل کرنا بھی موت ہے لیکن اسے چاہئے کہ ان تینوں میں سے وہ اختیار کرے جو اسے آسان محسوس ہو۔ یہی امام

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

درود و سلام سے انکار اس کی خباثتوں سے ایک یہ ہے کہ ایک نابینا متقی مؤذن خوش آواز کو منع کیا کہ منارہ پر اذان کے بعد صلوٰۃ نہ پڑھا کرو۔ انھوں نے نہ مانا اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھی اس پر اُس نے ان کے قتل کا حکم دے کر شہید کرا دیا۔ پھر بولا کہ رنڈی کی چھوکری اس کے گھر ستار بجانے والی اتنی گنہگار نہیں جتنا کہ منارہ پر بآوازِ بلند نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والا۔

فقہ شرعی سے منع کرنا محمد بن عبدالوہاب اپنے پیروؤں کو کتب فقہ دیکھنے سے منع کرتا تھا۔ اس نے فقہ کی بہت سی کتابیں جلا دیں اور وہابیوں کو اجازت دے دی کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کے معنی گھڑ لیا کرے۔

کلمہ دوبارہ پڑھوانا جب کوئی مسلمان خوشی سے یا جبراً وہابیوں کے مذہب میں آنا چاہتا اس سے پہلے کلمہ پڑھواتے پھر کہتے خود اپنے اوپر گواہی دے کہ اب تک تو کافر تھا اور اپنے ماں باپ پر گواہی دے کہ وہ کافر مرے اور اکابر ائمہ سلف سے ایک جماعت کا نام لے کر کہتے کہ ان پر گواہی دے کہ یہ سب کافر تھے۔ پھر اگر اس نے گواہیاں دے دیں جب تو قبول، ورنہ مقتول۔ اگر ذرا انکار کیا مروا ڈالتے اور صاف کہتے کہ چھ سو برس سے ساری امت (اکابر، ائمہ وعلمار اولیار کرام و عوام المسلمین) کافر تھی۔

سر منڈوانا ابن عبدالوہاب نجدی کو سر منڈوانے میں اتنا غلو تھا کہ اگر کوئی عورت بھی اس کے دین ناپاک میں داخل ہوتی تو اس کا سر بھی منڈوا دیتا کہ زمانۂ کفر کے بال ہیں، انھیں دور کرو۔ یہاں تک کہ ایک عورت نے اس کی یہ روش دیکھ کر کہا کہ جو مرد تیرے دین میں آتے ہیں ان کی ڈاڑھیاں بھی منڈوایا کرو کہ وہ بھی تو زمانہ کفر کے بال ہیں۔

تقیہ کرنا ابن عبدالوہاب ائمہ کے مذہب اور علمار کے اقوال پر طعن کرتا اور براہ تقیہ جھوٹ فریب سے حنبلی ہونے کا ادعا رکھتا حالانکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالےٰ اس سے بیزار ہیں۔ اس کی یہ چال ڈھال دیکھ کر جمیع مذاہب کے علمارِ شرق وغرب اس کے رد پر کمربستہ ہوگئے۔

میلاد، درود شریف اور دعا کے بعد درود ناجائز حضور پرنور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف پڑھنے اور اذان کے بعد پُرنور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے اور نماز کے بعد دعا مانگنے کو ناجائز بتاتا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحب قدس سرہٗ کا مذہب ہے اور صاحبین فرماتے ہیں اسے لازم ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے۔ (کذا فی الاشباہ)۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

انبیاء و اولیاء کا وسیلہ انبیاء و اولیاء سے توسل کرنے والے کو صراحۃً کافر کہا۔ اور نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی زیارت سے منع کرنا۔ چنانچہ اس کے منع کرنے کے باوجود مقام احساء کے جو حضرات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے گئے تھے جب واپس آئے تو اس نے ان کی داڑھیاں منڈوا دیں اور انھیں الٹا سوار کر کے درعیہ سے احسا پہنچایا۔

بتوں والی آیات اہلِ اسلام پر پڑھنا مشرکین کے متعلق نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر کے کافر بنانا۔

شانِ رسالت کی تنقیص: دلائل الخیرات شریف، درود شریف کی مشہور و مقبول کتابوں کو جلانا۔ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرنا اور کہنا کہ وہ تو طارش (محض ایلچی، قاصد اور ڈاکیہ) ہیں۔

نبی کو کوئی اختیار نہیں یہ عصا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بہتر ہے کیونکہ اس سے سانپ مارنے اور دیگر ضروریات میں نفع حاصل کیا جاتا ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو مر چکے ہیں، ان میں اصلاً کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ (خاک بدہن گستاخ)۔ ۱۲۱۷ھ ذیقعدہ میں جب نجدی طائف کے مالک ہوئے تو انھوں نے چھوٹے بڑے حاکم روم سب کو قتل کر ڈالا۔ بچوں کو ماؤں کے سینے پر ذبح کیا۔ مال لوٹ لئے، عورتوں کو قید کر لیا۔ نیز اور بہت سی باتیں کیں جو باعث طوالت ہیں۔ (الدرالسنیہ، مطبوعہ مصر (ملخصاً))

ابن سعود کا کارنامہ نجدی وہابیوں کے شاہ سعود کے باپ عبد العزیز ابن سعود (علیہ ما علیہ) نے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے قبرستان جنت المعلٰے، جنت البقیع کے تمام مزارات و مقابر و مآثر کو گرایا، اور ان پر غلاظت ڈالی۔ حضرات اہلِ بیت و صحابہ کرام و بزرگانِ دین علیہم الرضوان کے روضہ ہائے مقدسہ کی سخت توہین و بے حرمتی کی۔ سیدہ آمنہ (والدہ محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مزارات کو توہیناً گرایا۔ قبہ مولد النبی صلے اللہ علیہ وسلم، قبہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو بہت بُری طرح مسمار کیا۔ سیدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مزار پاک کو سخت توہین کے ساتھ گرایا، اس پر بندوقیں چلائیں، غلاظت ڈالی اور کہا کہ اپنی پوجا کراتی رہی ہو، اب اٹھ کر ہمارا مقابلہ کر۔ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس منہدم کیا۔ حضرت شیر خدا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار شریف اور مسجد کو شہید کیا۔ اس کے علاوہ مسجد ابو قبیس، مسجد بلال وغیرہا بھی گرا دیں۔ انا للہ انا الیہ راجعون۔ (انوار آفتابِ صداقت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۹۴ پر)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ

اور تم سے ذو القرنین کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ میں تمہیں اس کا مذکور پڑھ کر

مِّنْهُ ذِكْرًا ۝٨٣ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝٨٤ فَاَتْبَعَ

سناتا ہوں بیشک ہم نے اسے زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا تو وہ ایک

سَبَبًا ۝٨٥ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ

سامان کے پیچھے چلا یہاں تک کہ جب سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا اسے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا پایا

وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۭ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ

اور وہاں ایک قوم ملی ہم نے فرمایا اے ذو القرنین یا تو انہیں عذاب دے یا ان کے ساتھ بھلائی اختیار

فِيْهِمْ حُسْنًا ۝٨٦ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ

کرے عرض کی کہ وہ جس نے ظلم کیا اسے تو ہم عنقریب سزا دیں گے پھر اپنے رب کی طرف

عَذَابًا نُّكْرًا ۝٨٧ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ

پھیرا جائے گا وہ اسے بری مار دیگا اور جو ایمان لایا اور نیک کام کیا تو اس کا بدلہ بھلائی ہے اور عنقریب ہم اسے

لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝٨٨ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝٨٩ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

آسان کام کہیں گے پھر ایک سامان کے پیچھے چلا یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ پہنچا اسے ایسی

تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝٩٠ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا

قوم پر نکلتا پایا جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں رکھی بات یہی ہے اور جو کچھ اس کے پاس

لَدَيْهِ خُبْرًا ۝٩١ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝٩٢ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا

تھا سب کو ہمارا علم محیط ہے پھر ایک سامان کے پیچھے چلا یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے بیچ پہنچا ان سے ادھر کچھ ایسے

قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝٩٣ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ

لوگ پائے کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے تھے انہوں نے کہا اے ذو القرنین بیشک یاجوج و ماجوج

مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓي اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا

زمین میں فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ مال مقرر کردیں اس پر کہ آپ ہم میں اور ان میں ایک دیوار

وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝٩٤ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ

بنا دیں کہا وہ جس پر مجھے میرے رب نے قابو دیا ہے بہتر ہے تو میری مدد طاقت سے کرو میں تم میں اور

وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝٩٥ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا

ان میں ایک مضبوط آڑ بنا دوں میرے پاس لوہے کے تختے لاؤ یہاں تک کہ وہ جب دیوار دونوں پہاڑوں کے کناروں سے

حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ

برابر کردی کہا دھونکو یہاں تک کہ جب اُسے آگ کر دیا کہا لاؤ میں اس پر گلا ہوا تانبہ اونڈیل دوں تو یاجوج وماجوج اس پر نہ چڑھ سکے

وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ

اور نہ اس میں سوراخ کر سکے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا اُسے پاش

دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَىٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ

پاش کر دیگا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے اور اس دن ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ ان کا ایک گروہ دوسرے پر ریلا آویگا

فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَىٕذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضَا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِیْنَ

اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر لائیں گے۔ اور ہم اس دن جہنم کافروں کے سامنے لائیں گے وہ جن کی

كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَ كَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا تھا اور حق بات سن نہ سکتے تھے

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ط اے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے ذو القرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

شانِ نزول: ذو القرنین کے متعلق سوال کرنے والے یہودی تھے انھوں نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ شخص کون تھا جس نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب تک دھرتی کے چپے چپے کی شاہی کی یا اس کے سائل قریش مکہ تھے اور صیغہ استقبال دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ اس کے متعلق بار بار سوال کرتے تھے جب تک انھیں جواب نہ ملا اور وہ اس سوال کا تکرار کرتے رہے۔

سلطان سکندر کا تعارف یہاں پر سکندر اکبر مراد ہے اس کا نام اسکندر بن فیلقوس یونان کا باشندہ تھا۔ دنیا کے چپہ چپہ کا بادشاہ بنا۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ساری دھرتی پر چار شخصوں نے شاہی کی ان میں دو مومن اور دو کافر ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۴۲)

نتیجہ: ان عقائد والوں کے پیچھے اگر نماز پڑھنا کسی کو گوارہ ہو تو پھر اسے چاہیئے کہ گاندھی، نہرو، پٹیل، جیسے بدبختوں سے رشتہ وابستہ کرے۔ ورنہ یہ ایسے گندے عقائد ہیں جنھیں سن کر ایک مسلمان کا کلیجہ پھٹنے کو آتا ہے اور ہم مجبور ہیں ان خبیث عقائد والوں کو امام بنانا تو درکنار ہم ان کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

سوال: ممکن ہے کہ موجودہ امام حرمین ان عقائد سے بیزار ہوں؟

جواب: ممکن ہے بیزار نہ ہوں بلکہ ہمارا پختہ یقین ہے کہ یہ ان عقائد سے سر مو پیچھے نہیں ہے بلکہ دو قدم آگے ہیں۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ میں دیکھئے۔ (اویسی)

دو مومن :

① سلطان سکندر

② حضرت سلیمان علیہ السلام

اور دو کافر :

① نمرود

② نصر بخت

اور مشکوۃ الانوار میں بخت نصر کے بجائے شداد بن عاد لکھا ہے۔

ف : ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے نمرود کے بعد پیدا ہوا تھا اس کی تفصیل آتی ہے لیکن اس نے عمر طویل پائی لکھا ہے اس کی عمر ایک ہزار چھ سو سال تھی۔

ف : تفسیر الشیخ میں ہے کہ وہ ثمود کے بعد ہو گذرا ہے حضرت خضر علیہ السلام اس کے مشیر خاص تھے اور وہ ان کی بادشاہی میں وہی کام کرتے تھے جیسے بادشاہوں کے وزیر اعلیٰ۔

سکندر نبی تھے یا صرف بادشاہ

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ صرف بادشاہ تھا لیکن تھا بہت بڑا نیک اور عادل۔ وہ نبی نہیں تھے۔ انھوں نے ہفت اقلیم کی شاہی کی تمام دنیا کے بادشاہ اس کے زیر نگین تھے شہر وزشہر میں فوت ہو کر وہیں مدفون ہوئے یہ اس وقت ہوا جب آپ ظلمات کے علاقے فتح کر کے واپس شہر وزشہر میں پہنچے۔

ف : تبیان میں لکھا ہے کہ سلطان سکندر نے صرف پانچ سو سال عمر پائی تھی اور جب وہ سدِّ سکندری کی تعمیر سے فارغ ہوتے تو اس کے بعد بیت المقدس میں تشریف لائے تو وہیں فوت ہوئے اور وہیں پر مدفون۔

سکندر ذوالقرنین کے وجوہ

انھیں ذوالقرنین اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے ہر دو نوں کونوں کے مالک ہوئے اسی مناسبت سے انھیں ذوالقرنین کہا گیا جیسے اردشیر نرد کے واضع کو کہا جاتا ہے وہ بھی اسی لیے کہ اس کے لمبے ہاتھ تھے کہ جو چاہتا وہی ہوتا۔

ف : قاموس میں ہے کہ جب لوگوں کو انھوں نے دعوت ایمان دی تو آپ کو لوگوں نے آپ کے دائیں کاندھوں پر شدید ضربیں لگائیں اسی سے ہی ان کی موت واقع ہوئی پھر انھیں اللہ تعالےٰ نے زندہ فرمایا پھر انھوں نے لوگوں کو دعوت ایمان دی تو لوگوں نے آپ کو بائیں بازو پہ مارا اس سے آپ کی موت واقع ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالقرنین ہیں

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی ذوالقرنین کہا جاتا ہے وہ بھی اسی مناسبت سے کہ آپ کے سر مبارک کے دونوں کناروں پر دو زخم

ہوئے تھے۔

① عمرو بن ود کے زخمی کرنے سے

② عبدالرحمٰن ابن ملجم لعنہ اللہ کے زخمی کرنے سے ۔

سکندر ذوالقرنین کے دوسرے وجوہ

قصص الانبیاء میں ہے کہ حضرت سکندر نے خواب میں دیکھا کہ وہ سورج کے ہاں پہنچ کر سورج کے شرقی و غربی کنارے ہاتھ میں لے لئے ہیں جب آپ نے معبرین کو اپنا خواب سنایا تو اس سے آپ کو ذوالقرنین کے نام سے مشہور کر دیا گیا۔

سلطان سکندر کے سر میں سینگ

حضرت علامہ سیوطی قدس سرہٗ نے "الاوائل" میں لکھا کہ سر پر پگڑی سب سے پہلے سلطان سکندر نے باندھی اس کی وجہ یہ ہوائی کہ ان کے سر میں دو سینگ پیدا ہو گئے تھے اور وہ جانوروں کے کھُروں کی طرح ملتے تھے ان دونوں کو چھپانے کے لیے آپ نے سر پر پگڑی کی شکل اختیار فرمائی۔ ایک دن وہ نہانے کے لیے غسل خانہ میں داخل ہوتے اس وقت آپ کا پرائیوٹ سیکرٹری ساتھ تھا وہ اس راز سے واقف ہو گیا اسے سلطان سکندر نے نہیں کہا کہ میرا یہ ایک ایسا راز ہے جو کسی کو تاحال معلوم نہیں اسی لیے تجھے خصوصی آرڈر ہے کہ میرا یہ راز کسی کو نہ بتانا اگر میں نے کسی سے سن لیا تو تجھے قتل کر دوں گا۔ حمام سے فارغ ہوتے ہی پرائیوٹ سیکرٹری پر نزع (موت) کی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ یہاں سے جنگل میں چلا گیا وہاں اس کا منہ زمین پر جا لگا اور اچانک اس کے منہ سے نکلا کہ: الا ان للملک قرنین۔ (خبردار ہو جاؤ کہ بادشاہ کے سر پر دو سینگ ہیں) وہ تو مر گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اسی جگہ سے دو کانے پیدا فرمائے ایک دن اسی جگہ سے ایک چرواہا گذرا اس نے وہی کانے کاٹ کر بانسری بنالی، جب وہ بجاتا تو اس کے منہ سے آواز آتی: الا ان للملک قرنین)

یہ آواز ایسی پھیلی کہ ملک کے بچے بچے کے منہ سے نکل رہا تھا کہ بادشاہ کے سر میں سینگ۔ سلطان سکندر نے سمجھا کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ میرا یہ راز ظاہر ہو اسی لیے وہ رضائے خدا پہ راضی ہوا۔ اس کے بعد ذوالقرنین کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ثانی ذوالقرنین

یہ دوسرا ذوالقرنین روم کا باشندہ تھا اسی وجہ سے رومی سن لکھا جاتا ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کی ہجرت کی وجہ سے سن ہجری لکھا جاتا ہے یہ پہلے ذوالقرنین سے بڑے عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوا ان کے مابین عرصہ دو ہزار سال سے بھی زائد کا فاصلہ ہے۔ یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے تین سو سال پہلے ہو گذرا ہے اس کے وزیر کا نام ارسطاطالیس (ارسطو) فلسفی تھا۔ دارا سے اس نے جنگ کی تھی اور فارس کے بادشاہوں پر بھی اس نے قبضہ جمایا تھا لیکن تھا وہ کافر۔ اس کی عمر صرف چھتیس سال تھی۔

ف: قرآن مجید میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے اس سے پہلا ذوالقرنین مراد ہے نہ کہ یہی جو کافر تھا بہت سے لوگ بلکہ بڑے علماء

نے ان دونوں میں فرق نہ کرتے ہوئے بہت بڑی غلطیاں کھائی ہیں اور بعض نے تو یہ کہہ دیا کہ قرآن مجید میں اسی دوسرے ذوالقرنین کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرماتے جو قرآن مجید کی تفسیر میں ایسی فاش غلطی کے مرتکب ہوئے۔

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ○ اے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کافروں، یہودیوں کے جواب میں فرما دو کہ میں تمھیں ذوالقرنین کے متعلق واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بتا دوں گا اگر ذکر سے قرآن مراد ہے تو اب مطلب یہ ہوگا کہ میں تمھیں منجانب اللہ ذوالقرنین کے متعلق قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں۔

ف: آیت میں سین تاکید کا اور تحقق کے لیے ہے یعنے میں قرآن مجید کی تلاوت کسی صورت کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ۔ یہاں سے ذوالقرنین کا قصہ بیان کرنا مطلوب ہے جیسے وعدہ کیا اب اس کا ایفا ہوا۔ یہاں تمکین بمعنے کسی دوسرے کو قدرت دینا اور اس کام کے لیے اسباب تیار فرمانا اسی لیے اب اس کے لیے مفعول بہ کی ضرورت نہیں۔

ف: مکنہ اور مکن لہ کے استعمال میں فرق ہے وہ اس طرح کہ جب مکنہ بولتے ہیں تو اس وقت معنٰی ہوتا ہے (جعلہ قادرًا قویًا) اس نے فلاں کو قادر اور قوی بنایا اور مکن لہ سے مطلوب یہ ہوتا ہے کہ اس نے فلاں کو کام کی قدرت و قوت بخشی۔

تلازم فی الوجود اور تقارب فی المعنی کی وجہ سے ایک دوسرے کی جگہ پر مستعمل ہوتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ:

مکناھم فی الارض مالم نمکن لکم یعنے ہم نے قوٰی و اسباب و آلات دے کر مختلف تصرفات پر انھیں قادر بنایا اور تمھارے لیے اس طرح کی قوت اور وسعت فی المال اور عدد کا استظہار اور اسباب نہیں بنایا۔ گویا کہا گیا کہ مالم نمکن لکم فیھا (ای مالم نجعلکم قادرین علیٰ ذالک فیھا) یہ اس وقت ہے جب کہ اس کا ماخذ مکان ہو یہ بنائے توہم کہ اس کا میم اصلی ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ (انا جعلنا لہ مکنۃ وقدرۃ علی التصرف من حیث التدبیر والرای والاسباب۔ یعنے ہم نے سکندر کو تصرف کی طرح کی تدبیر و رائی اور اسباب پر تصرف کرنے کی قدرت بخشی یہاں تک کہ بادل بھی اس کے تابع کر دیتے اور اسباب کی فراوانی دی اور اسے ایسا نور بخشا کہ وہ رات اور دن کو برابر دیکھتا تھا اور زمین کے سفر اس کے لیے آسان کر دیتے گئے اور راستے اس کے ہموار تھے وغیرہ وغیرہ۔

سکندر کو نبی کے ادب کا لحاظ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سلطان سکندر ایک دفعہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوئے کسی نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہیں پر تشریف فرما ہیں تو سکندر سواری سے اتر پڑا اور کہا کہ جس دھرتی پر نبی علیہ السلام تشریف فرما ہوں وہاں سواری پر سوار ہو کر جانا ناموزوں ہے اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دولت کدہ تک پیدل گیا اور ملاقات کا عرض کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام باہر تشریف لائے اور سکندر کو سلام کہہ کر گلے لگایا۔

ف: ملاقات کے وقت (معانقہ) گلے لگانے کی سنت ابراہیم علیہ السلام سے جاری ہوئی (کذا فی انسان العیون و دار الفرر)

نبوت کے ادب کا فائدہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سکندر نے ادب کیا تو اللہ تعالٰے نے اس کے صلے میں بادل کو حکم دیا کہ سکندر کے اشاروں پر چلیں وہ جہاں چاہیں اور قانون بنا دیا :

"من تواضع رفعہ اللہ"

اسی دن سے بادل کا کام بن گیا کہ وہ سکندر اعظم کے لشکر اور ان کے جنگی آلات اور دیگر اسباب اٹھا کر پہنچاتا اور وہاں پہنچاتا جہاں وہ چاہتے تھے اور اسی وقت سے یہ بھی ہوگیا کہ نور و ظلمت سکندر کے قبضے میں ہوگئے کہ جہاں وہ جانا چاہتے تھے تو نور آگے ہوتا اور پھر انھیں اور ان کے لشکر کو ظلمات ڈھانپ لیتی تھی ؎

چون نہد در تو صفات جبرئیل
ہمچو فرخے بر ہوا جوئی سبیل
چون نہند در تو صفتہائے خرے
صد پرت گرہست در آخور پری

چونکہ چشم دل شدہ محرم بنور !
ظلمت کون و مکان شد از تو دور
ہر کہ نابینا شود اندر جہاں
روز او با شب برابر بے گمان

ترجمہ : جب اللہ تعالٰے تیرے اندر جبرائیلی صفات رکھتا ہے تو تم آسمانوں کی طرح اڑتے نظر آو گے ۔
اگر تمھارے اندر گدھے کے صفات ہوں گے اگر تجھے سو پر دیئے جائیں تب بھی تو صرف گھاس تک اڑے گا اور بس ۔

جب تیرا دل نور کا محرم راز ہو جاتے تو کونین کی ظلمات تیرے سے دور ہو جائے گی ۔
جو دنیا میں نابینا ہو جاتا ہے تو اس غریب کے لیے رات اور دن برابر ہوتے ہیں ۔

وَاٰتَیْنٰہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ○ اور شاہی امور کو سر کرنے اور جمیع متعلقات (جو شاہی کے لیے ضروری ہیں) ہم نے ہر قسم کے اسباب اسے عنایت فرمائے ، سببا سے وہ طریقہ کار مراد ہے جس سے مقصود حاصل ہوسکے علم یا قدرت یا آلات جنگی وغیرہ یعنے ایسے دستاویز دیئے گئے جس سے وہ اپنے مقصد پر آسانی سے کامیاب ہو جاتا تھا ۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ○ اس کا ہمزہ قطعی ہے یعنے کوئی مغرب تک اگر وہ پہنچنے کا ارادہ کرتا تو اُسے ایسے اسباب حاصل تھے کہ وہ انھیں کے ذریعے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ۔ اتبع بمعنے لحق و تبع وسلک وسار ہے ۔

قاموس میں ہے کہ واتبعتھم و متبعتھم کا ایک معنٰے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے آگے چلا

حلِ لغات جائے تو وہ دوسرا جلدی کرکے اسے پہنچ جائے جیسے واتبعتھم ایض غیری اسی محاورہ پر ہے قولِ باری تعالٰے ہے :

فاتبعھم فرعون

بمعنٰے لحقھم خلاصہ یہ کہ اتباع از باب افعال بمعنے ادراک واسراع ہے۔ ابن الکمال نے فرمایا کہ اہل عرب کہتے ہیں :

تبعہ اتباعا

یہ اس وقت بولتے ہیں جب دوسرا پہلے آدمی تک پہنچنے کو چاہے اور کہا جاتا ہے ' تبعہ تبعاً ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے گذرے ۔

آبِ حیات کی تلاش سلطان سکندر کا کونۂ مغرب تک کا ارادہ ہوا تو حرکت شمسیہ اس کے لیے آسان کر دی گئی تاکہ وہ نہایت آسانی سے اور جلد تر وہاں پہنچے اور کونۂ مغرب میں چشمۂ آبِ حیات کی تلاش کے لیے تشریف لے گئے۔

صاحب تبیان نے فرمایا کہ انہیں کسی نے کہا کہ وہاں کونۂ مغرب کے ظلمات کے قریب چشمۂ آبِ حیات ہے جو شخص اس سے قطرۂ آب پیتا ہے وہ قیامت تک نہیں مرے گا اسی لیے تشریف لے گئے کہ شاید وہ چشمہ مل جائے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویسئلونك الآیۃ میں اشارہ ہے کہ سائل کو ٹھکرانا اچھا نہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قصے کہانیوں سے قلوب کو عبرت اور تقویت اور تثبیت حاصل ہوتا ہے ۔ انا مکنا لہ فی الارض الآیۃ میں اشارہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالٰے اپنی خلافت و نیابت بخشتا ہے یعنے ہم نے انسان کو زمین کی خلافت بخشی اور خلافت کے لیے عالم مقدورات میں جتنا مقدورات تھے تمام اسے بخشے یہاں تک کہ اسے قلب الاعیان کی بھی اسے قدرت دی گئی اور تمام دنیا اس کے تابع کر دی گئی[1] یہی وجہ ہے کہ اگر وہ کہیں دور جانا چاہتا ہے تو زمین اس کے لیے لپیٹ دی جاتی ہے (اسے اہلِ سنت طے الارض سے تعبیر کرتے ہیں) اور اگر وہ دریائی سفر پہ ہوتا ہے تو پانی پہ چلا جاتا ہے ۔ اگر وہ چاہے تو وہ ہوا پہ اڑتا ہے اور چاہے تو آگ میں چلا جاتا ہے اس پر نار گلزار ہو جاتی ہے ۔

فاتبع سببًا کا یہی مطلب ہے کہ وہ ہر مقدر پہ قادر ہوتا ہے (مندرج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیے جسے وہابیہ نجدیہ

ف

[1] : یہی ہم اہلسنت کا مسلک ہے کہ جب بندہ نبوت وولایت سے نوازا جاتا ہے تو ہر طرح کی قدرت واختیار اللہ تعالٰے سے اسے نصیب ہوتے ہیں اسے وہابی اور دیوبندی اور ان کے تمام ہم نوا فرقے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

(اویسی غفرلہٗ)

دیوبندیہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں)۔

فصار مقدوراله بالخلافة فی الارض و کان مقدارا لنا بالاصالة فی السماء و الارض [1]

اسے (یعنے ولی ونبی کو) خلافۃ فی الارض کی وجہ سے ان تمام مقدورات کی قدرت حاصل ہوتی ہے ہماری وہ قدرت بالاصالۃ ہے ہم زمین و آسمان کا تصرف کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ یہاں تک کہ وہ سورج کے غروب کی جگہ پر پہنچا۔ مغرب سے زمین کا منتہا مُراد ہے جو بجانب مغرب ہے کہ اس کے بعد کسی کو امکان نہیں کہ وہاں سے متجاوز ہو سکے چنانچہ حضرت سکندر وہاں پہنچ کر دریائے محیط کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ حضرت سکندر ایسی قوم کے ہاں پہنچے کہ ان کے علاقہ کے حدود کے آگے کسی کو جانے کی طاقت نہ تھی اس لیے کہ جہاں سورج ڈوب رہا ہے وہاں جانے کی کسی کو ہمت نہ ہو سکی۔

خضر علیہ السلام کو چشمہ آب حیات تبیان میں ہے کہ جب حضرت سکندر ذوالقرنین کونۂ مغرب تک پہنچے تو انھیں کسی شیخ نے کہا کہ ظلمۃ الارض کو طے کر لو اُس کے آخری کونہ پر چشمۂ آب حیات ہے۔ حضرت سکندر نے اپنے مشیروں سے پوچھا کہ رات کو کون سے جانور کی بینائی تیز ہوتی ہے۔ مشیروں نے کہا گھوڑے کی پھر پوچھا گھوڑوں میں نر یا مادہ کی۔ مشیروں نے کہا، مادہ کی۔ اس مقصد کے لیے لشکر سے چھ ہزار گھوڑیاں منتخب کر لی گئیں اور گھوڑیاں بھی باکرہ، اسی لیے کہ یہ دوسری گھوڑیوں کی بہ نسبت تیز تر دیکھتی ہیں۔ چھ ہزار سواریوں کے مطابق چھ ہزار سوار بہادر جنگی لے کر علاقہ ظلمۃ الارض میں چل پڑے اور باقی لشکر وہیں پر چھوڑ دیا۔ صرف آٹھ پہر چلتے رہے وہ چشمۂ آب حیات حضرت خضر علیہ السلام کو ملا کیونکہ آپ ہی امیر لشکر اور سب سے آگے آگے تھے اور سکندری جھنڈا بھی آپ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے نہ صرف آب حیات (کا پانی) پیا بلکہ اس سے غسل فرمایا لیکن سکندر خالی ہاتھ لوٹا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

فیض ازل بزور زر ار آمدی بدست
آب خضر نصیبۂ سکندر آمدے

ترجمہ: فیض ازل اگر زور بازو سے نصیب ہوتا تو آبِ حیات حضرت خضر علیہ السلام کے بجائے سکندر کو حاصل ہوتا۔

---

[1] : روح البیان جلد ۴ صفحہ ۲۹۲ ، مطبوعہ جدید

زمرد کا حصول ایسے ہی چلتے چلتے پتھریلی زمین پر گذرے لیکن اس کے پتھر ایسے طریقہ کے تھے کہ جس کی حقیقت کو عوام نہیں جانتے تھے اس کی سکندر کو دی گئی تو اس نے کہا کہ تم جتنا اٹھا سکتے ہو اٹھا لو اس لیے کہ اگر زیادہ اٹھاؤ گے تو بھی پریشان اور اگر تھوڑے اٹھاؤ گے تو بھی پریشان۔ وہ دراصل زمرد اخضر تھا۔ سب نے وہاں سے اپنی ہمت کے مطابق اٹھا لیے لیکن ظلمۃ الارض کے علاقے سے باہر آئے تو سخت پریشان ہوتے اور کہا کہ کاش! ہم اور اٹھاتے۔

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ سکندر نے سورج کو کالی سیاہ مٹی میں ڈوبتے دیکھا۔ حمئۃ بمعنے ذات حمئۃ یعنے کالی سیاہ مٹی۔

حل لغات: حمئت البیر سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے میں جب مٹی پر گارے کا غلبہ ہو۔

ف: جب سکندر دریا کے کنارے پر پہنچے تو سورج کو ڈوبتے دیکھا اس لیے کہ پانی میں ان کا مطمح نظر پانی کے سوا کچھ نہ تھا جیسے دریائی سفر کرنے والوں کو معلوم ہے کہ دریا میں کشتی جارہی ہے اور پانی کی انتہا معلوم نہ ہو تو غروب کے وقت ایسے معلوم ہوتا ہے گویا سورج پانی میں ڈوب رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا: وجدھا تغرب ورنہ صرف تغرب فرماتے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب سکندر مرحوم ایسے مقام پر پہنچے جہاں جانب مغرب میں کوئی عمارت نہیں تھی تو سورج کو غروب کے وقت دیکھا تو ایسے معلوم ہوا کہ گویا وہ ظلمۃ الارض کی کیچڑ میں ڈوب رہا ہے جیسے دریا میں کشتی کا سوار دیکھتا ہے کہ گویا سورج دریا میں ڈوب رہا ہے یہ اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ دریا کا کوئی کنارہ نہیں حالانکہ سورج دریا میں نہیں ڈوبتا بلکہ دریا کے پار اوپر کہیں جا کر ڈوبتا ہے۔ ورنہ خود سکندر کو بھی معلوم تھا کہ زمین کروی شکل میں ہے اور آسمان اس کو محیط ہے اور سورج اپنے فلک میں چلتا ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جہاں سورج غروب کرتا ہے وہاں کوئی قوم موجود نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ سورج کا کرہ زمین کے کرے سے کئی گنا بڑا ہے پھر سورج کا زمین کے کسی چشمہ میں داخل ہونے کا کیا مطلب؟

سوال: بحر العلوم سمرقندی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص سوال کرے کہ حدیث شریف میں ہے کہ سورج چوتھے آسمان میں سے نکل کر زمین پر اپنی کرنیں ڈال رہا ہے اور اس کا نورانی چہرہ اہل سموٰات کی طرف ہے اور اس کا عظم زمین کے عظم سے تین سو گنا زائد ہے۔ یا اس سے کم و بیش (واللہ اعلم) پھر کیسے کہا گیا ہے کہ وہ زمین کے ایک چشمہ کے اندر ڈوب رہا ہے؟

جواب: اللہ تعالٰے بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور ان گنت حکمتیں اس کی قدرت میں ہیں صرف ایک سورج کو ایک چشمہ میں داخل کرنے کی کیا بات ہے وہ اگر چاہے تو ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو چھوٹی سے چھوٹی اور ذلیل سے ذلیل ترین شے میں داخل کر دے تو ہمارا ایمان ہے اور اس کی قدرت کے لیے ہم اس سے بھی زائد عقیدہ رکھتے ہیں۔

سوال: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر کوئی سائل سوال کرے کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے اور وہ بھی ایک خاص فلک میں دورہ کرتا ہے پھر اس آیت کا کیا مطلب کہ وہ زمین کے ایک کیچڑ بھرے چشمہ میں غروب کرتا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں یہ کہاں ہے کہ واقعی سورج ایک کیچڑ بھرے چشمہ میں ڈوبتا ہے البتہ اس آیت میں اللہ تعالٰے نے سکندر

ذوالقرنین کے وجدان کی خبر دی ہے کہ اس کے وجدان میں ایسے ہوا۔ کما قال :

وجدھا تغرب فی عین حمئۃ ۔

ان کی وجدا کے متعلق بھی ایک وجہ تھی وہ اس طرح کہ ذوالقرنین بحرالغرب میں کشتی لے گئے اور دریائے محیط کا کنارہ کہاں ! البتہ ذوالقرنین کی کشتی ایک ایسے مقام پہ پہنچی جہاں پانی کا زور کشتی کو آگے نہیں جانے دیتا تھا اس وقت دیکھا کہ سورج ڈوب رہا ہے لیکن انھیں سورج ایک چشمہ میں ڈوبتا ہوا نظر آیا۔

ف : اگر ذوالقرنین نبی تھا تو نبوت کے لیے ضروری ہے کہ شے کو حقیقت کے عین مطابق دیکھے جیسے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو دور سے دیکھا اور اس کے لیے دعا بھی فرمائی یا نماز جنازہ پڑھی اور اگر وہ نبی نہیں تھا تو پھر اس کا خیالی وجدان تھا جسے کسی لحاظ سے قابلِ قبول نہیں سمجھا جاتا۔

وَّوَجَدَ عِنْدَھَا اور اسی چشمہ کے نزدیک پایا یعنے عمارت کے انتہا کے آگے یعنے دریائے محیط غربی کے کنارہ پر پایا۔

قَوْمًاؕ ناسک میں لکھا ہے کہ وہ لوگ بت پرست تھے ان کی آنکھیں سبز اور سرخ تھیں اور ان کا لباس حیوانات کے چمڑے اور ان کی خوراک آبی حیوانات کا گوشت تھا۔ بعض نے فرمایا ہے کہ وہ ایسی قوم تھی کہ جن کے شہر کے بارہ ہزار دروازے تھے اگر ان کا شور وغل نہ ہوتا تو سورج کے غروب کا دھماکہ دنیا کا بچہ بچہ سنتا۔

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم ہے

امام سہیلی رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ اس قوم سے اہل جابلص (بالفتح) مراد ہے اور جابلص ایک شہر کا نام ہے جسے سریانی بولی میں جرجیسا کہا جاتا ہے اس شہر کے دس ہزار دروازے ہیں ہر دروازے کے درمیان ایک فرسخ (تین میل) کا فاصلہ ہے وہ قوم ثمود کی نسل سے تعلق رکھتی ہے یعنے وہ حضرات جنھوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور عذابِ الٰہی سے بچ گئے تھے ورنہ صالح علیہ السلام کے منکرین تو سب کے سب عذاب میں ایسے تباہ و برباد ہو گئے تھے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا تھا اور یہ قوم ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے جب آپ شبِ معراج تشریف لے گئے تو آپ کا اس شہر ، جابلص ، سے گذر ہوا اور وہاں کے تمام باشندے حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے نوازے گئے۔

ف : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ لیلۃ المعراج کی حدیث میں جابلصا و جابلقا کا ذکر آیا ہے اور ان کے رہنے والوں کے متعلق ایمان لانے کا قصہ ہے یہ حدیث مشہور ہے ۔

قُلْنَا ہم نے فرمایا بطریق الہام کے ۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نبی تھے اور آپ اسی قوم کے لیے جہاد پر مامور من اللہ ہوئے اور جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مامور من اللہ ہوں جب تک کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا اقرار اور تصدیق نہ کریں۔ ایسے ہی سکندر نے جب ایسی قوم سے دینِ حق کے لیے جنگ لڑی

تو معلوم ہوا کہ وہ نبی تھے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

جواب: نبوت کے اثبات کے لیے نص قطعی چاہیے اور سکندر کی نبوت کے لیے نص قطعی نہیں بلکہ صرف ایک ظنی معاملہ ہے جیسے قلناسے سمجھا جا رہا ہے۔ اسی لیے اس کی نبوت کا اثبات نہیں ہو سکتا[1]

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ○ اے ذوالقرنین! یا تم انھیں عذاب دو یا ان سے کسی نیک کا معاہدہ لیں۔ یہاں اصل عبارت "امرا ذا حسن" تھی۔ مضاف محذوف کر دیا گیا اس میں ذوالقرنین کو اختیار دیا گیا کہ وہ دعوتِ دینی دینے کے بعد اگر وہ قوم انکار کرے تو چاہیں تو انھیں قتل کے عذاب میں مبتلا کریں چاہیں تو ان کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آئیں۔ یا یہ اما توزیع و تقسیم کے لیے ہے تخییر کا نہیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے سکندر! آپ انھیں قتل کر دیں اگر دین حق سے انکار کریں اگر وہ دین کو قبول کریں تو آپ اُن کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آئیں۔

قَالَ ذوالقرنین نے فرمایا: اَمَّا مَنْ ظَلَمَ بہرحال تم میں سے جس نے ظلم کیا یعنے دین سے انکار کر کے کفر پر اصرار سے جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اس لیے کہ میری دعوتِ دینی کو اس نے قبول نہ کیا۔ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ تو میں اور میرے ساتھی انھیں دنیا میں قتل کر کے عذاب میں مبتلا کریں گے۔

ف: حضرت قتادہ نے فرمایا کہ سلطان سکندر کافروں کو دین حق کی دعوت کرتے اگر کوئی انکار کرتا تو اسے آگ کی دیگ میں ڈال دیتے اور اگر کوئی دینِ حق کو قبول کر لیتا تو اسے انعام و اکرام سے نوازتے۔

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ○ پھر وہ منکر کافر مرنے کے بعد آخرت میں اللہ تعالٰے کے ہاں حاضر ہوگا تو اسے اللہ تعالٰے عجیب و غریب عذاب میں مبتلا فرمائے گا جو انھوں نے سنا دیکھا نہ ہوگا۔ اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى اور جس نے میری دعوت قبول کی اور ایمان لے آیا اور ایمان کے مقتضا پر نیک عمل کیا تو اسے دارین میں نیک اجر نصیب ہوگا۔ یہ عبارت حال ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ نیک کو نیکی کا اجر ملے گا در آنحالیکہ وہ پورا پورا ہوگا۔ یا مفعول فیہ ہے بمعنے نیک کو دار آخرت میں بہشت نصیب ہوگی۔ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ○ اور ہم اسے اپنے تمام اوامر آسان کر کے بتائیں گے یعنے ان پر ہمارے امر کردہ احکام آسان ہوں گے۔ امر آسان ہر وہ کام جس کے ادا کرنے میں انسان کو تکلیف نہ ہو۔

---

[1] یہی جواب شیعوں کو دیا جاتا ہے جب وہ خلافت علی بلافصل اور دوسرے ائمہ کے لیے امامت و خلافت کا دعوٰے کرتے ہیں اور ادھر عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت و خلافت نبوت سے بھی اعلٰے ہے اب انھیں کہو کہ اس کے لیے نص قطعی دکھاؤ۔ تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں ہے۔ ۱۲ (اویسی)

یسرا دراصل ذا یسر تھا مبالغہ کے طور پر مصدر لایا گیا ہے یعنے ہم اپنے وہ احکام جو ان پر اتاریں گے وہ آسان ہوں گے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین نے ظلمت یعنے تاریکی کا لشکر قوم ناسک پر متعین کیا یہاں تک کہ وہ لشکر اس قوم کی آنکھوں اور کانوں میں گھس گیا اور وہ قوم پناہ مانگ کر سکندر کے حکم کے موافق دین حق کو مان گئی ۔

قصص الانبیاء میں ہے کہ ذوالقرنین جب بجانب مغرب روانہ ہوتے تو جس قوم سے گذرتے انھیں دین حق کی دعوت دیتے اگر وہ قبول کر لیتے تو انھیں امن اور چین دیتے اگر وہ نہ مانتے تو ان پر ظلمت چھا جاتی یہاں تک کہ وہ علاقہ تاریکی سے بھر جاتا تمام شہر اور بستیاں تاریک ہو جاتیں ان کے گھروں اور قلعوں اور آنکھوں میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا یہاں تک کہ وہ تاریکی دھوئیں کی طرح ان کے مونہوں اور ناکوں اور کانوں اور پیٹوں میں گھس جاتی ۔ اس طرح سے ان لوگوں کو پریشانی لاحق ہوتی جب تک سکندر کی دعوت ایمانی کو قبول نہ کرتے ان کے ساتھ یہی کیفیت رہتی اس طریق سے حضرت ذوالقرنین سورج کے ڈوبنے کی جگہ تک پہنچے ۔ وہاں ان لوگوں کو پایا جن کا بیان آیت بالا میں ہے ۔ اور ان کے ساتھ وہی کیا جو مذکور ہوا ۔ اس کے بعد سکندر علاقہ ظلمت میں چلے گئے اور اس علاقہ میں پورے آٹھ دن رات چلتے رہے اور لشکر کو ظلمت کے علاقہ تک چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس پہاڑ کے قریب پہنچے جو تمام روئے زمین کو محیط ہے ۔ وہاں ایک فرشتے کو دیکھا جو اسی پہاڑ پر قبضہ جمائے ہوئے ہے ۔

جبل قاف کے مؤکل فرشتے کی تسبیح

جس فرشتے کو کوہ قاف پر مقرر کیا گیا ہے اسے سکندر اعظم نے دیکھا وہ مندرج ذیل تسبیح پڑھ رہا تھا جو پڑھتے پڑھتے تھکتا بھی نہیں :

سبحان ربی من الازل الی منتھی الدھر	پاکی میرے رب کی ازل سے منتھی الامر تک
وسبحان ربی من اول الدنیا الی اٰخرھا	پاکی میرے رب کی تسبیح کی اول دنیا سے آخر تک
وسبحان ربی من موضع کفی الی عرش ربی	پاکی میرے رب کی میری ہتھیلی سے عرش تک
وسبحان ربی من منتھی الظلمۃ الی النور ۔	پاکی میرے رب کی یانی منتھی ظلمت سے نور تک

یہ تسبیح وہ فرشتہ بڑے زوردار الفاظ یعنے جہر سے پڑھ رہا تھا ۔

کوہ قاف پر فرشتے اور سکندر اعظم کا مکالمہ

جب سلطان سکندر نے اس فرشتے کو دیکھا تو سجدہ میں گر گئے اور اس وقت تک سر سجدے سے نہ اٹھایا جب تک کہ اللہ تعالٰے نے اسی پہاڑ کو دیکھنے کی طاقت نہ بخشی اور اس فرشتے کو بھی آنکھوں سے دیکھ لیا ۔

فرشتے نے سلطان سکندر کو دیکھ کر کہا کہ آپ اس مقام پر کیسے پہنچے جب کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے یہاں پر آپ سے پہلے اور کوئی نہیں پہنچا ۔ سلطان سکندر نے فرشتے کو جواب دیا جس ذات نے آپ کو اس پہاڑ پر قبضہ جمانے کی طاقت بخشی ہے مجھے بھی اسی نے یہاں تک پہنچنے کی طاقت عنایت فرمائی ہے لیکن آپ فرمائیں کہ آپ اس پر کیسے قابض ہیں اس نے فرمایا

کہ میں اسی جبل قاف کا مؤکل فرشتہ ہوں اور یہ وہی جبل ہے جو تمام زمین کو محیط ہے اگر یہ نہ ہوتا تو زمین اپنے مکینوں سمیت الٹی ہو جاتی اور اس سے بڑھ کر اور کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ جب ذوالقرنین واپس لوٹنے لگے تو فرشتے سے عرض کی کہ آپ مجھے وصیت فرمایئے۔ فرشتے نے فرمایا کہ اے ذوالقرنین! آپ کل کے رزق کے لیے پریشان نہ ہونا اور آج کا کام کل پر مت چھوڑنا اور جو شئے چوک جاتے اس پر غم نہ کرنا اپنے ہر معاملہ میں نرمی کو مدِ نظر رکھنا کسی پر نہ سرکشی کرنا اور نہ ہی تکبر کرنا ؎

تکبر کند مرد حشمت پرست
نداند کہ حشمت بحلم اندرست

وجود تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد

ہمانا کہ دونان گردن فراز!
دریں شہر کبرست وسود و آز

چو سلطان عنایت کند بابدان
کجا ماند آسایش بخردان

تو خود را چو کودک ادب کن بچوب
بگرز گران مغز مردم مکوب

ترجمہ: (۱) حشمت والا تکبر نہیں کرتا۔ اسے علم نہیں کہ حوصلہ میں ہی حشمت ہے۔

(۲) تیرا وجود خود نیک و بد کا ایک شہر ہے اس کا تو بادشاہ اور عقل اس کی وزیر ہے۔

(۳) بے شک اس شہر کے کمینے سرکش تکبر۔ سودا حرص ہیں۔

(۴) جب بادشاہ بُروں سے مہربانی کرنے لگے تو پھر غریبوں کو آرام کہاں۔

(۵) تو اپنے آپ کو بچوں کی طرح ڈنڈے سے سیدھا کر۔ بھاری گرز سے سرکش لوگوں کا مغز ٹھیک کر۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ پھر وہ راستہ چلا جو مغرب سے مشرق تک پہنچنے والا تھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ قوم ناسک کو اپنے ساتھ لے کر نور کا لشکر آگے روانہ کیا اور ظلمت کا لشکر پیچھے رکھا اور دکھن کی طرف متوجہ ہو کر قوم ہادیل کو جو قطر ایمن میں تھی مسخر کیا اور پھر جس طرح قصہ قوم ناسک مذکور ہوا اسی طرح مشرق کی طرف توجہ کی۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ یہاں تک کہ مطلع آفتاب تک پہنچا یعنے زمین کی آبادی کی اس جگہ تک پہنچے جہاں سورج کے طلوع کے بعد سب سے پہلے اسی جگہ پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں یعنے از جانب مشرق کی وہ جگہ جو عمارات زمین کا مبدا ہے۔

سوال: قرآن مجید میں مطلع الشمس، کہا گیا ہے اور تم نے اس کے خلاف مطلب بیان کیا ہے؟

جواب : شمس کے اصلی مطلع پر پہنچنا تو مشکل ہے اسی لیے ہم نے مجازاً وہی مطلب بیان کیا ہے جو عقلاً اور نقلاً صحیح ہے ۔

ف : بعض روایات میں ہے کہ مغرب الشمس سے مطلع الشمس تک بارہ سال اور بعض روایات میں اس سے بھی کم مدت میں پہنچنا مذکور ہے ۔ اتنی بڑی مسافت کو بشری امکانات سے نہیں طے فرمایا تھا بلکہ ربانی طاقت کے ذریعے ، جو اسے اللہ تعالٰے نے بخشی کہ بادلوں کو آپ کے تابع کر دیا گیا اور دوسرے اسباب بھی آپ کو عنایت ہوئے تھے ۔

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ سورج کو پایا ایسی قوم پر طلوع کرتا ہوا جو بالکل ننگ دھڑنگ تھے ۔ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ جن کے لیے سورج اور ان کے درمیان ہم نے کوئی آڑ نہ پائی یعنے نہ ان پر لباس تھا اور نہ وہ کسی مکان میں چھپ کر رہتے تھے ۔ اس لیے کہ ان کی زمین اتنی نرم ہے کہ اس پر مکان نہیں بنائے جا سکتے ۔ جب سورج نکلتا ہے تو وہ غاروں میں چھپ جاتے ہیں جب تک سورج ان سے دُور نہیں ہوتا وہ غاروں میں سے نہیں نکلتے جب نکلتے ہیں تو مچھلی کا شکار کر کے سورج کی گرمی سے بھون کر کھاتے ہیں ۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ ان کے سروں اور جسم پر کوئی بال نہیں تھے اور نہ ہی ان کے ابرو پر بال ہیں ۔ ایسے معلوم ہوتا ہے گویا ان کی کھال اتاری گئی ہے ۔ بالوں نہ ہونا سورج کی گرمی کی وجہ سے ہے ۔

حکایت ایک سیّاح کا واقعہ ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے چین کے ملک سے آگے نکل کر پوچھا کہ ان لوگوں تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا ۔ کہا گیا کہ صرف آٹھ پہر کی مسافت ہے جب میں وہاں پہنچا تو انھیں دیکھا کہ ان کے کان لمبے ہیں یہاں تک کہ ایک کان کو نیچے بچھا لیتے ہیں اور دوسرے کو اوپر اوڑھ لیتے ہیں میرے ساتھ ایک رفیق تھا جو ان کی بولی جانتا تھا ، ان سے کہا کہ ہم سورج کو طلوع کرتا ہوا دیکھنے آئے ہیں ۔ یہی بات ہو رہی تھی کہ ہم نے گھنٹی کی آواز سنی اس سے میں تو بے ہوش ہو گیا جب ہوش آیا تو انھیں دیکھا کہ وہ مجھے تیل کی مالش کر رہے تھے ۔ جس وقت سورج پانی پر طلوع ہوا تو وہ پانی زیتون کے تیل کی طرح کھولنے لگا اس کیفیت سے یہ لوگ غاروں میں چھپ گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے جب سورج ان کے حدود سے آگے نکل گیا تو انھوں نے دریا کی مچھلیاں پکڑ کر سورج کی گرمی سے پکائیں ۔

ف : حضرت مجاہد کی روایت ہے کہ یہی اطوار قوم زنگی کے ہیں اور وہ باقی روئے زمین کے انسانوں سے کئی گنا زائد ہیں ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یہ قوم منسک (نامی) تھی ۔

ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کا بیان

سہیلی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ یہ اہل جابلق (بالفتح) ہیں جابلق ایک شہر ہے جس کے دس ہزار دروازے ہیں ایک دروازہ سے دوسرے دروازے تک کی مسافت ایک فرسخ (تین میل) ہے ۔ انھیں سریانیہ میں مرقیسیا کہا جاتا ہے ۔ عاد کی بقایا قوم جنھوں نے ہود علیہ السلام پر ایمان لایا تھا یہ لوگ انہی کی اولاد سے تھے اور اہل جابلق شب اسریٰ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے ان کے آگے بھی بہت بڑی قومیں ہیں وہ وتاقیل اور فارس کی نسل سے ہیں لیکن وہ ہمارے نبی اکرم

صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔
ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ یہ اسباب کا عالم ہے کوئی بھی کسی شے اور مقصد کو نہیں پا سکتا جب تک اللہ تعالٰی نہ پہنچاتے یا اس کے لیے اسباب نہ بنائے۔ حضرت ذوالقرنین کے لیے بھی اللہ تعالٰی نے اسباب بنائے جن کی وجہ سے وہ مغرب و مشرق تک پہنچے۔

كَذٰلِكَ ؕ یعنے ذوالقرنین کا معاملہ مذکور جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ وہ بلند مرتبہ کو پہنچا اور بادشاہی کے جملہ امور اسے حاصل ہوئے یا جیسے ہم نے اسے اہل غرب کے لیے اختیار بخشا ایسے ہی آنے والا معاملہ۔
ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ بھی سکندر نے ویسا ہی کیا جیسا کہ مغرب والوں کے ساتھ کیا تھا یا اسی طرح سبب کی اتباع کی اور بائیں قطر کی طرف چلا ایک قوم میں پہنچا کہ ان کو تاویل کہتے تھے اور ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو قوم ہاویل کے ساتھ کیا تھا۔

وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ اور بے شک ہم نے گھیر رکھا ساتھ اس کے جو اس کے پاس تھا اسباب اور لشکر از روئے علم کے۔ خبرا تمیز ہے بمعنے علماً یعنے ہمیں اس کے ظواہر و خفایا کا علم ہے یعنے اس کے اسباب و لشکر اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ اس کا احاطہ سوائے اللہ تعالٰی لطیف و خبیر کے اور کسی کو نہیں۔
ف: یہ اللہ تعالٰی کی مہربانی اور لطف و کرم ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عطا فرمائے۔

سکندر اعظم ایک بڑھیا کے صاحبزادے تھے

وہب بن منبہ نے فرمایا کہ ذوالقرنین اسکندریہ کے باشندوں سے تھے اور ایک بڑھیا کے صاحبزادے تھے اور اس بڑھیا کے آپ اکلوتے بیٹے تھے اور اپنی قوم سے علیحدہ ہو کر زندگی بسر کرتے تھے اور اتنے بڑے حسب و نسب والے نہیں تھے البتہ حسن و جمال میں یکتا تھے اور علم و مروت و عفت میں ضرب المثل تھے بچپن سے چڑھتی جوانی تک نیک اور صاف اور حسن اخلاق میں مشہور رہے بڑے بڑے معاملات سر کرنے کے لیے بڑے لوگ حضرت سکندر کو جب تک شامل نہ کرتے وہ کام سرانجام نہ ہوتا اسی بنا پر آپ نے اپنے ملک میں بہت زیادہ شہرت پائی اور خلق خدا میں معزز ترین انسان سمجھے جاتے۔ خدا تعالٰی نے بھی بہت زیادہ ہیبت بخشی اس طرح میں عوام میں مقبول عام ہوتے۔ اس دور میں صرف آپ کی شخصیت تھی جس کے دل میں دین حق کی محبت جاگزیں ہوتی۔ اسی لیے آپ نے عوام کو اللہ تعالٰی کے دین کی دعوت دینی شروع کی۔ آپ کی پُروقار شخصیت کے اثر سے بہت سے لوگ دینِ حق میں داخل ہوئے اور بہتوں کو قہر و غلبہ سے دینِ حق منوایا اس کے بعد مستقل بادشاہی کے مالک بن گئے اور یہاں تک ترقی پائی کہ قرآن مجید نے رہتی دنیا تک اس کی داستان کو زندہ فرما دیا۔

سکندر اعظم نے زمین کے چپّے چپّے پر شاہی کس طرح کی اور کیوں؟

سکندر اعظم سے کسی نے پوچھا کہ آپ

مشرق و مغرب تک کس طرح چھا گئے حالانکہ آپ سے بہت بڑے بڑے خزانوں والے اور بڑی طاقتوں والے بادشاہ گذرے ہیں ان کے لشکر بھی تھے اور دنیا و دولت بھی، لیکن انھیں آپ جیسی فتح و نصرت نصیب نہ ہوئی۔ سکندر اعظم نے جواب دیا کہ میرے اللہ تعالےٰ نے میری مدد فرمائی اور ہمیشہ میری عادت تھی کہ میں جس شاہی کو فتح کرتا اس کی رعایا کو رنج نہ پہنچاتا بلکہ انھیں عیش و آرام سے نوازتا اور اگلے بادشاہوں کے نام بھی نیکی سے لیتا یعنے ان کی بدگوئی نہیں کرتا سے

بزرگش نخوانند اہل خرد
کہ نام بزرگان بزشتی برد

ترجمہ: عقل مند لوگ اسے بزرگ نہیں کہتے جو بزرگوں کا نام برائی سے لیتا ہے۔

کسی اور شاعر نے کہا سے

۱۔ فلم ار مثل العدل للمرء رافعا
ولم ار مثل الجور للمرء واضعا

۲۔ کنت الصحیح وکنا منك فی سقم
فان سقمت فانا السالمون غدا

۳۔ دعت علیك اکفت طالما ظلمت
ولن ترديد مظلومة ابدا

ترجمہ: ۱۔ عدل سے بڑھ کر میں نے اونچا کرنے والا کسی شے کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ظلم سے بڑھ کر گرانے والا۔
۲۔ ظالم کو کہتے ہیں کہ تو تندرست ہے تو ہم تیری وجہ سے بیمار ہیں اگر تو بیمار رہے تو تندرست ہیں۔
۳۔ جب تک تو ظلم کرے گا تو تیری بددعا کے لیے ہاتھ اٹھے رہیں گے اور مظلوم کا ہاتھ کبھی رد نہیں ہوتا۔

سلطان سکندر کی توبہ کا عجیب واقعہ

تفسیر البیان میں ہے کہ ذوالقرنین ایک ظالم جابر بادشاہ تھا جب اس کا والد فوت ہوا تھا تو اسے ذوالقرنین اپنی بادشاہی کا مالک بنا کر دنیا سے رخصت ہوا۔ اس سے بادشاہ کا تجبر و تکبر اور بڑھا اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس کا ایک دوست نیک صالح اس کا رفیق حال تھا۔ ایک دن اس نے اسے بطور نصیحت فرمایا کہ اے بادشاہ! اس تجبر و تکبر کو چھوڑیئے اور مرنے سے پہلے اپنی تمام کوتاہیوں سے توبہ کیجئے۔ اس پر سلطان سکندر ناراض ہوا اور اسے قید کرا دیا۔ اس کا ساتھی تین دن تک قید رہا۔ تین دن کے بعد اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے قید خانے کی چھت چیر کر اسے وہاں سے نکال کر اسے اپنے گھر پہنچا دیا۔ صبح کو سلطان سکندر کو معلوم ہوا کہ قیدی قید خانہ سے نکل گیا ہے تو خود جیل کا معائنہ کرنے گیا جیل خانے کی چھت چیری ہوئی دیکھ کر سمجھا کہ یہ واقعہ عجیب سا ہے اس سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور یقین کیا کہ میری شاہی کمزور ہے اور حقیقی شاہی صرف اللہ تعالےٰ ہی کی ہے لیکن دل

سے غصہ نہ گیا فوراً آرڈر جاری کیا کہ اس قیدی کو میرے ہاں حاضر کرو۔ جب سپاہی گرفتار کرنے کے لیے اس نیک بخت کے گھر گیا تو وہ نیک بخت جبل طالس پر نماز پڑھ رہا تھا۔ جب اس نیک بخت نے سلطان سکندر کو دیکھا تو کہا کہ اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جا اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگ۔ بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ اسے دوبارہ گرفتار کر کے جیل میں بھجوا دے اور لشکر کو حکم دیا کہ اسے پکڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیک بخت کی امداد فرمائی کہ ایک غیبی آگ آئی جس نے تمام لشکر کو جلا دیا اور سکندر بھی بیہوش ہو کر گرا۔ جب ہوش میں آیا تو سچے دل سے توبہ کی اور اس نیک بخت بندے کے قدموں پر گر کر معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ بقایا زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بسر کرے گا اور اپنی عادت کو احکام الٰہی میں ڈھالے گا۔ اس کے بعد ظالم بادشاہوں کی سرکوبی کرنی شروع کر دی۔

سب سے پہلے مسجد سکندر اعظم نے بنائی اس کے بعد حکم فرمایا کہ ایک مسجد تیار کی جائے جس کا طول چار سو گز اور عرض بائیس گز اور اس کی بلندی ایک سو گز تھی۔

سبق: اس میں اشارہ ہے کہ دولت کے لیے ضروری ہے کہ دولت ملے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے ایسا نہ ہو کہ دولت کے حصول کے بعد نفسانی خواہشات میں لگ جائے۔ ایسے ہی مفتی کے لیے لازم ہے کہ سب سے پہلے توحید کے متعلق فتوے صادر کرے، اسی طرح کپڑے پہننے والے پر لازم ہے کہ وہ نیا کپڑا پہن کر مسجد میں نوافلِ شکرانہ ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نیا کپڑا پہنے ایسا نہ ہو کہ نیا کپڑا پہن کر بازار کے چکر لگاتا پھرے یا بیت الخلاء یا ایسے ہی گندی جگہوں میں جائے۔

ف: فتح ظاہری یعنے کفار اور مخالفین پر غلبہ لشکر کی کثرت سے ہوتا ہے، ہاں فتح معنوی یعنے بقاء باللہ کا مقام فنائے نفس کے بعد حاصل ہوتا ہے بلکہ جملہ اسباب کے تصورات ختم کر کے صرف مسبب الاسباب سے وابستگی کرنے کے بعد بقاء نصیب ہو گئی ہے۔ جناب صائب نے فرمایا: ؎

ہر کس کشید سر بگریبان نیستی
تسخیر کرد مملکت بے زوال را

ترجمہ: جو نیستی یعنے فنا حاصل کرتا ہے تو اسے بقا کی مملکت پر قبضہ نصیب ہوتا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ سکندر[1] حقیقی وہ ہے جس کا ملک دائمی اور اس کی سلطنت کے امور، احاطہ، صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے اور بس۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے جس کا ظاہر تو طاعات الٰہی سے معمور اور معاملات عبودیت سے سرشار اور اس کا باطن انوار، مشاہدات و تجلیاتِ ربوبیت سے مزین ہو، ایسے انسان کا نفس امارہ مٹ جاتا ہے اور اس کے قلب کے قلعے اللہ تعالیٰ کے ایسے

---

[1] یعنے اولیاء اللہ لیکن آج کل کے دور میں اہلسنت عوام میں اولیاء اللہ کے ساتھ عقیدت کے باوجود سچے اور جھوٹے اولیاء اللہ کی پہچان نہیں رہی۔ عزیزو! سنئے! سچا ولی اللہ وہ ہے جو عقائد بھی سچے رکھتا ہو اور اعمال شریعت کے مطابق ڈھالتا ہے یہ دونوں نہ ہوں تو سمجھنا کہ وہ جھوٹا ہے۔ (مترجم)

لشکر کی تائید حاصل ہوتی ہے جس کی گنتی صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جنھیں انوار ملکوتیہ اور امداد لاہوتیہ نصیب ہے، اسے اللہ تعالےٰ جو کچھ چاہتا ہے وہی دیتا ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ پھر ایک تیسرا راستہ اختیار فرمایا جو جنوب سے شمال کو جاتا۔ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ۔ یہاں تک کہ جب پہنچے بَيْنَ السَّدَّيْنِ دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ پر جس نے دونوں پہاڑوں کو روک رکھا ہے یہ دو بلند پہاڑ ہیں۔ ارض ترک کے اختتام پر مشرق کی جانب واقع ہیں اور ان کے پیچھے یاجوج وماجوج کا بسیرا ہے۔

حل لغات السد بالفتح والضم بمعنے الجبل والحاجز یا بالفتح ہر اس دیوار کو کہا جاتا ہے جسے مخلوق نے تیار کیا ہو۔ اور بالضم وہ دیوار جو قدرتی طور پر ہو اس لیے کہ فعل (بالضم) بمعنے مفعول ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جسے دست قدرت نے بلاواسطہ بنایا اور بَيْنَ کا منصوب ہونا بوجہ مفعولیت کے ہے اس لیے کہ وہ (مبلغ) کا مفعول یہ ہے اور بین ان اسماء سے ہے کہ اسم ہو کر بھی مستعمل ہوتا ہے اور ظرف ہو کر بھی اس کی ظرفیت تو مشہور ہے اور اس کی اسمیت کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مرفوع بھی مستعمل ہوا ہے چنانچہ لقد تقطع بینکم میں بعض قرأتوں میں مرفوع پڑھا گیا ہے اور ھذا فراق بینی و بینکم میں بعض قرأتوں میں مجرور پڑھا گیا ہے۔

وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا جب سکندر اعظم ان دونوں پہاڑوں سے گذرے تو ان کے پیچھے پایا۔ یہی مفہوم کاشفی نے اور صاحب تفسیر الجلالین نے فرمایا ہے۔ قَوْمًا ایک ایسی قوم تھی۔ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ ۝ جو کسی کی بات نہیں سمجھتے تھے اگر کچھ سمجھتے تو بڑی تکلیف سے یا کنایوں اشاروں سے جیسے گونگے کو بات سمجھائی جاتی ہے ایسے ہی ان کو۔ یہ بھی ترکی تھے۔

اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے تین صاحبزادے تھے:

۱ - سام
۲ - حام
۳ - یافث

سام ابوالعرب والعجم والروم اور حام ابوالحبش والزنج والنوبہ اور یافث ابوالترک والخزر والصقالبۃ و یاجوج وماجوج تھے۔

ف: انوار المشارق میں ہے کہ ترک قنطورا کی اولاد ہے اور قنطورا ابراہیم علیہ السلام کی خادمہ تھیں اس کی بہت اولاد ہوئی جو ترک کے علاقوں میں پھیلی۔

قَالُوْا اپنے ترجمان کے ذریعے شکایۃً کہا۔ بعض کہتے ہیں کہ سکندر اعظم تمام لغات جانتا تھا اسی لیے انھیں براہ راست شکایت پیش کی۔

سوال: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ پہلے فیصلہ فرمایا کہ لا یکادون یفقھون قولا پھر فرمایا (قالوا) ان دونوں کو آپس میں تضاد ہے؟

جواب: فعل کادَ میں فعل کا وقوع ضروری نہیں ہوتا چنانچہ فرمایا:

تکاد السموات یتفطرن ظاہر ہے کہ آسمان پھٹنے کے قریب تو ہوئے لیکن پھٹے نہیں تھے علاوہ ازیں کادَ کا ایک قاعدہ ہے وہ یہ کہ جب اس پر لا و ما نافیہ داخل ہوں تو اس سے اثبات مطلوب ہوتا ہے مثلاً فذبحوھا وما کادوا یفعلون یعنے قریب تھے کہ گائے کو ذبح نہ کرتے لیکن مجبوراً انھیں ذبح کرنا پڑا اسی طرح لا یکادون یفقھون قولا کو سمجھئے کہ اس میں ان کے سمجھنے کی علی الاطلاق نفی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی بات کا علم نہیں رکھتے تھے جو بول کر ذوالقرنین کے دل پر اثر ڈالیں تاکہ وہ ان کی دلی تمنا کے مطابق دیوار کھینچ کر انھیں یاجوج ماجوج سے نجات دلائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم فرمایا کہ ان کے دلوں میں ایک بات کا القا ہوا کہ جونہی ذوالقرنین کو کہی تو فوراً اس کے دل پر اثر ہوگیا اور اس کے بعد سدِ سکندری کی کارروائی شروع فرمائی۔ چنانچہ عرض کی:

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ۔ یاجوج و ماجوج دونوں عجمی اسم ہیں دلیل ظاہر ہے کہ یہ دونوں غیر منصرف ہیں یا عربی ہیں تو ان کا غیر منصرف ہونا علمیت و تانیث کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یاجوج ماجوج دونوں دو قبیلوں کے علم ہیں اور ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کے صاحبزادے یافث کی اولاد سے ہیں۔

آدم علیہ السلام کا احتلام: مروی ہے کہ ایک دن آدم علیہ السلام کو احتلام ہوا تو ان کا نطفہ مٹی پر جا گرا۔ اسی نطفے میں سے یاجوج و ماجوج کو پیدا کیا گیا اس معنے پر وہ باپ کی جانب سے ہمارے بھائی ہیں۔ (کذا فی عین المعانی)

غلطی کا ازالہ: انوار المشارق میں لکھا ہے کہ قول مذکور بالکل غلط ہے اور روایت کی کوئی اصل نہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

نیز یہ حدیث شریف کے بھی مخالف ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

وما احتلم نبی قط — کسی نبی کو احتلام نہیں ہوا۔

تحقیقی قول فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ احتلام میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام مبتلا ہوئے اگرچہ یہ بظاہر شان نبوت کے منافی ہے لیکن قاعدہ الٰہی ہے کہ بتقاضائے حکمت ایسے امور انبیا علیہم السلام سے کرا دیتا ہے جیسے سہو سے انبیا علیہم السلام پاک ہوتے ہیں لیکن بہ بنائے حکمت حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اور حدیث شریف میں ہے حضرت آدم علیہ السلام کو مستثنیٰ کرکے دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے قاعدہ مقرر فرمایا گیا ہے۔ اور بوجہ ادب کے آدم علیہ السلام کے لیے احتلام کا اطلاق مناسب بھی نہیں۔

مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ یعنے وہ یاجوج ماجوج ہمارے علاقہ میں قتل و غارت اور تخریب اور کھیتی وغیرہ کو ضائع کرکے بڑا فساد ڈالتے ہیں۔

ف: یاجوج ماجوج کا طریقہ تھا کہ موسم ربیع میں اپنی غاروں سے نکل کر سبز کھیتوں کو کھا جاتے اور خشک کو روند کر تباہ و برباد کر ڈالتے بسا اوقات انسانوں کو بھی کھا جاتے اور جانوروں کو تو بالکل نہ چھوڑتے۔ جب جانوروں کو کھا جاتے تو پھر انسانوں کو کھانے لگ جاتے

تمام ہتھیاروں سے لیس ہو کر باہر نکلتے اور ان کی لمبی لمبی عمریں ہوتیں جب تک ان کا ایک اپنی اولاد کی اولاد سے کامل ایک ہزار پورا نہ کرتا۔ اس پر موت نہ آتی۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے دس گنا زائد ہیں۔

ے

چو بوزنیکاں آمدہ در وجود
مژہ زرد و رخ سرخ و دیدہ کبود
ندارند جز خواب و خور ہیچ کار
نمیرد یکے تا نزاند ھزار

ترجمہ: وہ بندروں کی طرح ہیں ان کی پلکیں زرد اور چہرے سرخ اور آنکھیں نیلی ہیں۔ خواب و خور کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں وہ نہیں مرتے جب تک ہزار نرینہ اولاد نہ دیکھیں۔

یاجوج و ماجوج کا تعارف

وہ کئی قسم کے ہیں ان سے کسی کا قد تو ایک سو بیس گز ہوتا ہے اور بعض کے قد صرف ایک بالشت ہیں۔ ان کے اجسام عرضاً طولاً برابر ہیں بعض ان میں بڑے کانوں والے ہیں یہاں تک کہ ایک نیچے دوسرا اوپر کر کے سو جاتے ہیں۔ ان کے بال اتنے لمبے ہیں کہ ان سے اپنے جسموں کو ڈھانپ لیتے ہیں انہی بالوں کی وجہ سے نہ انھیں گرمی محسوس ہوتی اور نہ ہی سردی، ان بالوں کو بکھرے ہوئے رکھتے ہیں نہ انھیں گوندھتے ہیں اور نہ ہی باندھتے ہیں۔ بھیڑیوں کی طرح آوازیں مارتے ہیں اور جانوروں کی طرح وطی کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں چنگل ہیں اور درندوں کی طرح ان کی داڑھیں ہیں ان سے جو آواز نکلتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے جیسے اونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں۔ ان کے آگے ہاتھی، خنزیر، شیر وغیرہ اسی طرح کے زور دار جانور جو بھی آئے سب کو کھا جاتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی مر جائے اُسے بھی کھا جاتے ہیں، حشرات، سانپ اور بچھو سب کو کھا جاتے ہیں۔

ف: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ اژدہا ایک بہت بڑا سانپ ہے اس کے منہ میں بڑے بڑے تیروں کی طرح داڑھیں ہیں وہ بہت بڑی کھجور جتنا لمبا ہوتا ہے اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہوتی ہیں۔ اس کا منہ اور پیٹ بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس کی بہت زیادہ چمکیلی آنکھیں ہیں بہت بڑے بڑے جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے اس سے تمام دریائی جانور ڈرتے ہیں جب وہ دریا میں متحرک ہوتا ہے تو دریا کو بڑی موجیں لگتی ہیں۔ پہلے تو وہ بھی ایک زہریلا سانپ ہوتا ہے جنگل کے جانور کھانے لگتا ہے۔ جب اس کا فتنہ و فساد زمین پر بڑھنے لگتا ہے تو فرشتہ اسے اٹھا کر دریا میں ڈال دیتا ہے، وہاں دریائی جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے جب اس کا فساد دریا میں بڑھنے لگتا ہے اور اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر ایک بڑے ٹیلے کے برابر ہو جاتا ہے تو پھر اسے فرشتہ اٹھا کر یاجوج و ماجوج میں پھینک دیتا ہے جسے وہ کھاتے ہیں۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ جب یاجوج و ماجوج میں یہ اژدہا ڈالا جاتا ہے تو انھیں خوشحالی ہوتی ہے ورنہ قحط زدہ ہوتے ہیں۔

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا تو کیا ہم آپ کے لیے اپنے مالوں سے چندہ جمع کریں یعنے وہ مال جو ہم آپ کے لیے نکالیں گے وہ آپ مزدوروں کو دیں۔ خرج اور خراج، نول اور نوال ایک شے ہے۔

بعض نے کہا ہے خراج وہ ہے جو زمین کا ٹھیکہ وغیرہ وصول کیا جاتا ہے اور کسی کے ذمہ واجب ہو اور خرج اس کا مصدر ہے یا خرج وہ ہے جو گورنمنٹ کو سال کے بعد (محصول وغیرہ) ادا کیا جائے۔ اور خراج وہ ہے جو شہریوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے یا خرج، جو خود بخود اپنی خوشی سے چندہ دیا جائے اور خراج واجب کردہ چندہ، جس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہو۔

عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ○ اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے مابین دیوار تیار فرمائیں جو انھیں ہم تک پہنچنے میں آڑ بن جائے۔

قَالَ ذوالقرنین نے کہا، مَا مَكَّنِّيْ۔ بالادغام اور بلاادغام بھی پڑھا گیا ہے یعنے جو کچھ مجھے قدرت بخشی ہے۔ فِيْهِ رَبِّيْ میرے رب کریم نے مجھے قدرت بخشی ہے یعنے بہت بڑا ملک اور وافر مال اور بے شمار اسباب عنایت فرمائے۔ خَيْرٌ اس سے کئی گنا بہتر ہے جو مجھے تم دیوار کے لیے جمع چندہ کر کے دو گے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

فما اٰتانی اللہ خیر مما اٰتاکم جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے وہ تمھارے پیش کردہ تحفہ سے بہتر ہے۔

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ پس تم میری قوت کے ساتھ مدد کرو یعنے دیوار بنانے میں ساتھ دو اور اس کے لیے جتنے آلات اور مزدور دے سکتے ہو اس میں کمی نہ کرو، اس کے لیے بڑھ چڑھ کر میری مدد کرو۔ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ○ تمھارے اور ان کے مابین بہت زیادہ مضبوط قلعہ تیار کروں گا۔ یہ امر کا جواب ہے یعنے ایسی مضبوط دیوار ہو گی اور اس کا ایک دوسرے کے ساتھ اتنا سخت جڑاؤ ہو گا کہ اس کا توڑنا آسان نہ ہو گا۔ ردم سد سے مضبوط تر ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے: ثوب مردم، ہر وہ کپڑا جس میں ٹکڑے پر ٹکڑے پیوند کیے جائیں۔ ان کے ارادہ سے بڑھ کر انھیں توقع کا اظہار کیا گیا۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ط تم میرے ہاں لوہے کی تختیاں جمع کرو۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ جملہ (بقوۃ) کی تفسیر ہے یعنے قوت سے ترتیب الآلات مراد ہیں اور زبر۔ زبرۃ کی جمع ہے جیسے غرف۔ غرفۃ کی جمع ہے یعنے لوہے کے بڑے بڑے تختے۔

سوال: پہلے تو حضرت سکندر نے ان سے چندہ لینے کا انکار کیا پھر ان سے لوہے کے تختے وغیرہ مانگنا شروع کر دیا۔ یہ ہر دونوں آپس میں متضاد ہیں؟

جواب: ان کا چندہ دینے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس دیوار کی مزدوری دیں گے اور حضرت سکندر نے مزدوری لینے سے انکار فرمایا اور دیوار کی تیاری کے لیے آلات اور دوسری ضروریات مانگنا مزدوری نہیں بلکہ ایک دوسرے کی معاونت ہے۔

ف: قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت سکندر سے عرض کی کہ ہم لوہا وغیرہ کہاں سے لائیں ہمارے ہاں اس کے خریدنے کی وسعت بھی نہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا کہ فلاں مقام پہ لوہے کی کان ہے اور ساتھ ہی تانبے کی کان بھی بتائی۔

سوال: حضرت سکندر نے صرف ان کی تخصیص کیوں فرمائی حالانکہ اس دیوار کے لیے پتھر وغیرہ بھی ضروری تھے؟

جواب : چونکہ دیوار کو تیار کرنے کے لیے لوہے کی تختیاں ضروری ہوتی ہیں کیونکہ انہی سے کسیاں وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ حضرت سکندر نے انھیں فرمایا کہ لوہے کی بڑی بڑی تختیاں بناؤ اور رات دن محنت سے کام کرو۔ انھوں نے حضرت سکندر کے حکم پر جان کی بازی لڑا دی اور لوہے کی بے شمار تختیاں تیار کرلیں پھر حضرت سکندر نے فرمایا کہ پہاڑ کے درمیان میں بیٹھ گز چوڑا گڑھا تہ تک کھود دو۔

ف : قصص الانبیاء میں ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کا فاصلہ تین میل تھا۔

ف : بعض کا قول ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کا درمیانی فاصلہ تین سو میل تھا اسے پانی کی تہ تک کھودا گیا۔ اس کی بنیادیں بجائے مٹی کے پتھر اور سیسہ پگھلا کر بھری گئیں اس کے اوپر کی بنیاد لوہے کی تختیوں سے پر کی گئی ہر دو نوں تختیوں کے درمیان لکڑیاں اور کوئلے ڈالے گئے۔

حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ - الصدف۔ پہاڑ کے آخری حصہ یا پہاڑ کے آخری گوشے کو کہا جاتا ہے اور بین۔ بین الصدفین کی طرح مفعول ہے یعنے حضرت سکندر کے ہاں وہ لوگ دیوار کا سامان جمع کر کے لائے تو انھوں نے دیوار کو بنانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کا درمیانی فاصلہ اوپر تک پہاڑوں کے برابر کر دیا یعنے پہاڑوں کے درمیانی فاصلہ کے خلا کو اوپر سے پانی کی تہ تک بھر دیا۔ اس کی دیوار کی بلندی دو سو گز اور اس کی چوڑائی پچاس گز تھی۔ دیوار کی تکمیل کے بعد درمیان والی لکڑیوں اور کوئلوں کو مضبوط کرنے کے لیے انھیں ایک طرف سے آگ لگا دی۔ قَالَ انْفُخُوْا حضرت سکندر نے تمام عملہ سے فرمایا کہ ان تختیوں کے درمیان کی آگ کو پھونکو۔ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا یہاں تک کہ جب اس آگ لگائی ہوئی تختیوں کو آگ بنا دیا یعنے وہ ان لوہے کی تختیوں کی گرمی اور ہیبت آگ کی طرح ہوگئی۔

سوال : یہ کام تو عملہ نے سرانجام دیا لیکن اللہ تعالٰے نے فعل کا اسناد حضرت سکندر کی طرف فرمایا ہے؟

جواب : چونکہ اس کام میں وہی اصل تھا اور باقی عملہ اس کے حکم کا پابند تھا۔ اسی لیے حضرت سکندر کا نام لینا اہمیت رکھتا ہے۔

قَالَ حضرت سکندر نے انھیں فرمایا جو اس سیسہ پگھلانے اور لوہے کے اندر کی لکڑیوں اور کوئلہ وغیرہ کے جلانے پر مامور تھے کہ : اٰتُوْنِیْۤ میرے پاس پگھلا ہوا سیسہ لے آؤ۔ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ الافراغ بمعنے اوپر سے نیچے پانی وغیرہ گرانا یعنے میں اس آگ لگائے ہوئے لوہے پر تیل ڈالتا ہوں۔

سوال : تم نے آگ لگائے ہوئے لوہے کو محذوف مانا ہے اس کے محذوف ہونے کی دلیل؟

جواب : چونکہ قطرا کا مفہوم اسی کے بغیر نامکمل ہوتا ہے اس کا اس طرح ہونا دلالت کرتا ہے کہ یہاں دوسرا لفظ محذوف ہے اور وہ محذوف شدہ لفظ ہم نے بیان کر دیا ہے۔

افراغ کے فعل کا اسناد حضرت سکندر نے اپنی طرف کیا ہے حالانکہ یہ کام عوام کرتے ہیں نہ کہ بادشاہ اس کا جواب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

بہر روئے فرشے بر انگیختند
برو روئے حل کردہ مے ریختند

ترجمہ: ہر جگہ انھوں نے فرش بچھائے اور اس پر تیل وغیرہ ملا کر ڈالے۔

فَمَا اسْطَاعُوْا۔ دراصل استطاعوا تھا تخفیفاً اور التقائے ساکنین کے خطرہ سے ایک تار کو حذف کر دیا گیا ہے۔

سوال: یہاں تو یہ دونوں عذر مسلم لیکن اسی آیت میں آگے وما استطاعوا میں تاء کو کیوں نہیں حذف کیا گیا؟

جواب: فما اسطاعوا کا مفعول ان یظہروہ ہے جس کا پہلا حرف اَنْ اس کے بعد فعل و فاعل اور مفعول بہ ہے۔ اس طرح سے کلام طویل ہو جاتا ہے اگر اس میں تاء حذف نہ کی جاتی تو ثقالت (جو موجب ملالت ہے) کا اندیشہ ہے اور دوسرے استطاعوا کا مفعول نقبا اسم ہے جس میں طوالت کا خطرہ نہیں۔ فما اسطاعوا کی فاء فصیحہ ہے یعنے جس طرح ان لوگوں کو حضرت سکندر نے فرمایا کہ تیل لاؤ تاکہ میں لوہے کی تختیوں پر ڈالوں، تو وہ اسے لاتے تو حضرت سکندر نے انھیں آپس میں ملانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ جب اسے ملایا گیا تو لوہے کی تختیاں اور درمیان کا کوئلہ اور سیسہ وغیرہ آپس میں مل کر سخت مضبوط پہاڑ کی طرح اور نرم ایسا ہو گیا کہ اس پر یاجوج و ماجوج کا چڑھنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ جب وہ آتے اور اسی دیوار میں نقب لگائی تو کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ فرمایا:

اَنْ يَّظْهَرُوْهُ یعنے انھیں کامیابی نہ ہو سکی کہ وہ اس پر چڑھ سکیں کیونکہ ایک تو وہ بہت اونچی تھی دوسرا وہ بہت نرم تھی کہ جس پر قدم وغیرہ نہیں جم سکتے تھے۔ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ○ اور نہ اس میں سوراخ کر سکے یعنے نیچے سے اس دیوار کو توڑنے اور اس میں سوراخ کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن کامیاب نہ ہو سکے اس لیے کہ ایک تو وہ سخت تھی دوسری ضخیم تھی۔ اتنے بڑے فاصلہ کو کس طرح نقب لگا سکتے تھے۔

حضرت سکندر کی کرامت آگ کا قاعدہ ہے کہ جب پورے جوش پہ ہوتی ہے تو دور دور تک اپنے قریب کسی کو نہیں بھڑکنے دیتی لیکن حضرت سکندر نے اس آگ کے قریب قریب پھونک لگانے والوں کو بٹھا دیا کسی کو بھی آگ کی گرمی نے تکلیف نہ پہنچائی لازماً ماننا پڑا کہ اللہ تعالےٰ نے اس آگ سے گرمی کی تاثیر کو ان کے کام کرنے تک سلب کر لیا۔ اور وہ قادر ہے اس سے زیادہ سخت گرمی کو بھی سلب کر سکتا ہے۔ (کذا فی الارشاد ناقلاً عن تفسیر الامام)

ف: فقیر (اسماعیل) کہتا ہے کہ یہ مانا کہ ایک کرامت ہو لیکن عقلاً بھی یہ کوئی محال امر نہیں اس لیے کہ حضرت سکندر نے کوئی ایسی کارروائی کی ہو جس سے ان لوگوں پر آگ کا اثر نہ ہو سکتا ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جب نمرود نے آگ سلگائی تو وہ بھی دور دور تک کسی کو اپنے قریب پھڑکنے نہ دیتی تھی۔ پھر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قلاخن میں رکھ کر دور سے آگ میں جھونکا تھا۔

سدِ سکندری زمانہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص نے عرض کی کہ میں سد سکندری کو دیکھ آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا

کہ اس کی کیفیت بیان کیجئے۔ اس نے عرض کی اس کی کیفیت دھاری دار چادر سی ہے کہ کوئی جگہ سرخ ہے اور کوئی سیاہ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واقعی تم نے دیکھی ہے اس لیے اس کی سرخ کے اثرات سیسہ کے اور سیاہ لوہے کے ہیں۔[1]

قَالَ۔ ذوالقرنین نے فرمایا: هٰذَا۔ یہ دیوار۔ رَحْمَةٌ بہت بڑی رحمت اور نعمت عظمیٰ ہے۔ مِّنْ رَّبِّیْ۔ میرے رب تعالیٰ سے تمام بندوں پر بالخصوص اس کی راہ میں جہاد کرنے والوں پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو اگرچہ بندوں کے عمل سے تیار ہو کر خلق خدا کو فائدہ پہنچائے تو وہ بھی احسان و کرم خداوندی ہے۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ۔ پس جب میرے رب تعالیٰ کا وعدہ آئے گا۔ وعد مصدر بمعنے موعود ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور اس کے آنے سے اس کے آثار مراد ہیں مثلاً یاجوج و ماجوج کا دیوار کو توڑنا اور دجال کا آنا اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا تشریف لانا وغیرہ وغیرہ۔ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ۔ اسے کر دے گا ٹکڑے ٹکڑے یعنے باوجودیکہ یہ دیوار اب بہت زیادہ مضبوط ہے لیکن وقت آنے پر یہ ریزہ ریزہ ہو کر چٹیل میدان ہو جائے گا۔ یہاں دكّا مصدر بمعنے مدکوکا ہے اور ایک قرأت میں ہے دکاء۔ ہر وہ جگہ جسے اونچا کر کے پھر سیدھا کیا جائے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کا بیان ہے اور اس سے پہلے اس کی وسعت رحمت کا بیان تھا۔ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا۝ اللہ تعالیٰ کا عہد معہود یا جو وعدہ کرے وہ ضرور پورا ہو گا۔

سلطان سکندر کی نبوت پر استدلال صاحب تاویلات نجمیہ نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سکندر نبی تھے اس لیے کہ اس طرح کے وعدۂ حق اور اس کے پورے ہونے کا دعوےٰ صرف انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے۔ اور اوپر مذکور ہوا ہے کہ ان سے دیوار کے تیار کرتے وقت خرق عادت کا ظہور بھی ہوا اور یہ انبیاء علیہم السلام کی شان ہے۔ واللہ اعلم۔

ف: یہاں تک سلطان سکندر کی قرآنی کہانی ختم ہوئی۔

یاجوج و ماجوج کا سدِّ سکندری کو توڑنا منقول ہے کہ یاجوج و ماجوج روزانہ سدِ سکندری کو کھودتے ہیں بڑی ہمت کر کے شام تک تمام دیوار توڑ لیتے ہیں یہاں تک کہ دیوار کا باقی تھوڑا حصہ رہ جاتا ہے یوں سمجھئے پیاز کے چھلکے برابر چھوڑ جاتے ہیں ان کا چیئرمین انھیں حکم دیتا کہ واپس چلو، کل صبح بقایا حصہ توڑ کر آگے نکل جائیں گے۔ چونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں اس لیے اپنی کل کی کارروائی پر "انشاء اللہ" نہیں کہتے۔ جب کل واپس آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس دیوار کو مکمل کر دیتا ہے۔ اسی طرح تا قیامت ہوتا رہے گا جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا کہ قیامت قائم ہو اور یاجوج و ماجوج سدِّ سکندری کو کاٹ لیں تو ان میں ایک مسلمان کو پیدا فرمائے گا جو سدِ سکندری کو حسب دستور شام کے وقت بقایا رکھنے پر کہے گا کہ

---

[1] غور کیجئے کہ جس امر کو صحابی نے دیکھا حضور علیہ السلام نے اس کے دیکھنے کی تصدیق فرمائی اور ساتھ ہی اس کی حقیقت بھی بتا دی اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بھی سامنے ہے کائنات ساری۔ اسی کو ہم حاضر و ناظر اور علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں (مترجم)

"انشاء اللہ تعالیٰ" اسے کل توڑیں گے ۔ چنانچہ اس لفظ "انشاء اللہ تعالیٰ" کی برکت سے دیوار کا توڑنا ان پر آسان ہو جائے گا جب وہ حسب دستور کل کے دن آئیں گے تو وہی مسلمان انہیں کہے گا کہو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کی برکت سے یاجوج و ماجوج دیوار کو توڑ کر انسانوں پر ملہ بول دیں گے ۔ جہاں سے گذریں گے ہر شے کو کھاتے جائیں گے ۔ انسان حیوان ، پرند ، چرند ، درخت ، کھیتیاں سب کو کھا کر ، نہریں ، دریا ، یہاں تک کہ دجلہ ، فرات اور ان کے اندر رہنے والے جانور مچھلیاں کچھوے وغیرہ سب کو کھا جائیں گے ۔ پھر بحیرۂ طبریہ یعنے شام کے علاقہ میں آئیں گے وہاں کے تمام دریا نہریں پی جائیں گے ۔ اگر کسی نے صبح کو ان دریاؤں کو دیکھا ہو گا کہ بہتے ہیں تو ان کے پھیرا لگانے کے بعد دیکھے گا تو ایک قطرہ پانی کا بھی نظر نہیں آئے گا ۔

چار مساجد یاجوج و ماجوج سے محفوظ

کرۂ ارض کے چپہ چپہ پر چکر لگا کر ہر شے کو ہڑپ کر جائیں گے صرف چار مسجدوں میں انہیں نہیں جانے دیا جائے گا :

(۱) مکہ معظمہ

(۲) مدینہ منورہ

(۳) بیت المقدس

(۴) طور سینا

عیسےٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے یاجوج و ماجوج کو فنا

کرۂ عرض پر گھومتے ہوئے آخر میں جبل الخمر کے قریب پہنچیں گے یہ پہاڑ بیت المقدس کے قریب واقع ہے ۔ یہاں پر آپس میں کہیں گے کہ ہم زمین والوں کو قتل کر چکے ۔ اب آسمان والوں کو تباہ و برباد کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ وہاں سے آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے ۔ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے گا کہ ان کے تیروں کو خون سے تر کر کے واپس لوٹاؤ تاکہ خوش ہو جائیں کہ واقعی انھوں نے آسمانی مخلوق کو تباہ و برباد کر ڈالا ۔

اسی دوران حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے ماننے والوں کے ساتھ کوہ طور میں چھپے ہوں گے ۔ اور قحط سے اس قدر کمی ہو گی کہ ان کے ہاں ایک بیل کا سر آج کے سینکڑوں روپے کے برابر ہو گا ۔ اتنی زیادہ تکلیف کو دیکھ کر عیسےٰ علیہ السلام یاجوج و ماجوج کو بد دعا کریں گے ۔ آپ کی دعا کی برکت سے وہ سب کے سب فوراً مر جائیں گے ۔

یاجوج و ماجوج کی موت کا منظر

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بد دعا سے اللہ تعالیٰ چند پرندے بھیجے گا جسے عربی میں "النغف" کہا جاتا ہے ، وہ آکر یاجوج و ماجوج کی گردن مروڑ دیں گے اور وہ اسی آن میں سب کے سب ڈھیر لگ جائیں گے ۔ اس پر عیسےٰ علیہ السلام کوہ طور سے نیچے زمین پر تشریف لائیں گے ۔

یاجوج وماجوج کی لاشیں کہاں

حضرت عیسٰے علیہ السلام اپنے یاروں سمیت جب زمین پر تشریف لائیں گے تو یاجوج وماجوج کی لاشیں زمین پر ڈھیر لگی پڑی ہوں گی جن کی بدبو سے دماغ ابلنے لگے گا۔
حضرت عیسٰے علیہ السلام دعا فرمائیں گے تو اللہ تعالٰے اونٹ کے برابر کے پرندے بھیجے گا جو یاجوج وماجوج کے ایک ایک فرد کو اٹھا کر کسی نامعلوم جگہ پرلے جائیں گے۔

یاجوج وماجوج کے لشکر کا اندازہ

حضرت عیسٰے علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جب زمین پر تشریف لائیں گے تو درخت اور لکڑیاں وغیرہ تو ہوں گے نہیں انھیں آگ جلانے کے لیے لکڑیوں کی ضرورت محسوس ہوگی تو یاجوج ماجوج کے تیر، کمان اور رسیاں جلانا شروع کریں گے۔ سات سال تک ان کو یاجوج ماجوج کا یہی سامان ایندھن کا کام دیتا رہے گا[1] (خلاصہ مصابیح اور تفسیر التبیان وغیرہما)

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے سدِ سکندری کے ٹوٹنے کی خبر

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دن بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں گھبراتے ہوئے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا:

لا الہ الا اللہ، ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہ وحلق باصبعیہ الابھام والتی تلیھا۔

اللہ تعالٰے کے سوا کوئی معبود نہیں، عرب کے لیے خطرہ ہے کیونکہ یاجوج وماجوج کی دیوار کا ٹوٹنا اتنا قریب ہوگیا ہے اس کے بعد آپ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو ملا کر دکھایا۔

بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

یا رسول اللہ افنھلک وفینا الصالحون۔

یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا ہم تباہ وبرباد ہو سکتے ہیں جبکہ ہمارے اندر نیک بخت لوگ ہوں گے[2]

---

[1] : یہ تمام حالات ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ہیں۔ اسے ہم اہلِ سنت غیب سے تعبیر کرتے ہیں لیکن دورِ حاضرہ کے معتزلہ اسے شرک کہتے ہیں۔ ۱۲۔

[2] : اس سے معلوم ہوا کہ ام المومنین اسی طرح جملہ صحابہ کا یہی عقیدہ تھا کہ جہاں اللہ والے ہوں وہاں سے عذاب الٰہی ٹل جاتا اور دکھ درد دور ہوتے ہیں۔ بفضلہ تعالٰے یہی عقیدہ ہم اہلسنت کو نصیب ہے۔ ۱۲۔

(مترجم)

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں، جب خباثت یعنے زنا کی کثرت ہو جائے تو پھر اللہ تعالےٰ کا عذاب آجاتا ہے۔

ف : اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس تک سد سکندری کو کسی قسم کا سوراخ نہیں پڑا تھا۔ اس وقت سد سکندری کو سوراخ شروع ہوا تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی[1] چنانچہ سد سکندری کا یہی سوراخ قربِ قیامت کی علامت تھا چنانچہ اس کے بعد وہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہی کیفیت ہوگی جو ہم نے پہلے بیان کر دی۔

ف : یاجوج و ماجوج کا سد سکندری سے خروج دجال کے بعد ہوگا۔

ف : فتح القریب میں ہے کہ حدیث شریف میں لفظ الویل سے مراد حزن و ملال ہے۔

ف : حضور علیہ السلام نے جیسے خبر دی ویسے واقع ہوا، اس لیے کہ آپ نے بتایا کہ ملک، مال و دولت اور شاہی تمہاری ہے بشرطیکہ تم صحیح مسلمان رہو، اگر بھٹکے تو یہ شاہی ملک، مال و دولت غیروں کے پاس چلا جائے گا اور غیروں سے ترک و عجم مراد ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ یہ عزت و دولت شاہی اہلِ عرب کی تھی۔ اور وہ صرف اسی لیے کہ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے انھیں ایسی شاہی بخشی لیکن جب اہلِ عرب نے اس نعمت کی ناشکری کی کہ ایک دوسرے کی قتل و غارت میں لگ گئے تو اللہ تعالےٰ نے وہ شاہی ان سے چھین کر غیروں کو بخشی دی۔ چنانچہ فرمایا :

وان تتولوا یستبدل غیرکم — اور اگر تم بدلو گے تو یہ ملک اللہ تعالےٰ تمہارے غیروں کو دے دے گا۔

تفسیر صوفیانہ

دانا پر لازم ہے کہ وہ یاجوج نفس و طبیعۃ اور شیطان کے فتنوں سے بچے ان سے محفوظ ہونے کے لیے شریعت و طریقت کا مضبوط قلعہ تیار کرے۔ اقلیم باطن و ملکوت و لاہوت کا سکندر اس کی مدد کرے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَتَرَكْنَا۔ قاموس میں ہے کہ ترک بمعنے جعل ہے گویا یہ بھی اضداد سے ہے یعنے ہم بنائیں گے۔ بَعْضَهُمْ۔ بعض مخلوق کو۔ يَوْمَئِذٍ اس دن کہ جب وعدہ پورا ہوا کہ اسی وعدے کے بعض مبادی۔ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ۔ الموج بمعنے الاضطراب ای یضطربون اضطراب امواج البحر الخ یعنے قیامت میں از روئے تحیر و اضطراب انس و جن ایک دوسرے پر گر پڑیں گے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ یہ نفخۂ اولیٰ سے پہلے واقع ہوگا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اور صور پھونکا جائے گا اس سے نفخ ثانی مراد ہے اسی کے بعد حشر برپا ہوگا جیسا کہ اس کے بعد کی فاء سے ظاہر ہے۔

---

[1] : معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اقدس خدائی کے ذرہ ذرہ پر ہے۔ تبھی تو آپ نے سد سکندری کے پھٹتے ہی فوراً خبر دے دی اہلسنت کی تائید کا کیا کہنا لیکن دیدۂ کور کا کیا علاج ؟ (اویسی)

سوال: یہاں پر نفخ اولیٰ کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب: تاکہ نشاۃ اولیٰ کے احوال و اہوال اور نشاۃ اخرہ کے امور کے درمیان فاصلہ واقع نہ ہو۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ اجساد کی صورتوں کے استعداد کے وقت اسرافیل علیہ السلام صور میں مخلوق کے ارواح کو پھونکیں گے۔ اجساد کو ارواح کے قبول کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ گھاس کو بڑھنے کی استعداد ہوتی ہے جب کہ اسے پانی وغیرہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح جب اجساد پر اسرافیل صور پھونکیں گے تو اجساد اپنی ارواح سے متحرک ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور ادھر اُدھر دیکھیں گے جیسے ہم نیند سے اٹھتے ہیں، ایسے ہی انھیں خیال ہوگا کہ گویا وہ اب نیند سے اٹھے ہیں۔ انسان جب مرتا ہے تو عالم برزخ میں چلا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ دُنیا میں خواب میں تھا تو اب عالم برزخ میں پہنچ کر بیدار ہوا ہے حالانکہ اس کا عالم برزخ میں جانا بھی ایک قسم کی نیند ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت میں اٹھے گا تو سمجھے گا کہ اب حقیقی طور پر بیدار ہوا ہے۔ عالم دنیا و برزخ ہر دونوں حالتوں کو اپنے لیے نیند تصور کرے گا اور آخرت ہی انسان کی حقیقی بیداری ہے اس لیے کہ وہ نیند نہیں۔

اسرافیل علیہ السلام کا نوری صور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ صور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ھو قرن من نور التقمہ اسرافیل۔ (وہ نورانی قرن ہے جسے اسرافیل علیہ السلام منہ میں لقمہ بنائے ہوتے ہیں)۔

ف: اسرافیل علیہ السلام کا قرن تمام اکوان سے وسیع تر ہے جب انسانوں کی ارواح قبض کی جاتی ہیں تو ہر روح کا ایک جسم مثالی تیار کر کے روح کو اسی جسم میں ڈال کر اسرافیل علیہ السلام کے قرن میں امانت کے طور پر رکھ دیا جاتا ہے موت کے بعد عالم برزخ میں جو کچھ انسان ادراک کرتا ہے اسی قرن کے نور سے حقیقی طور پر ادراک کرتا ہے۔

عالم برزخ میں انسانوں کے کوائف صور اسرافیل میں بعض ارواح تو بالکل مقید ہوتی ہیں انھیں عالم دنیا کے ہر قسم کے تصرف پر پابندی ہوتی ہے اور بعض ہر طرح سے آزاد ہوتی ہیں جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی ارواح اور بعض ارواح کو عالم برزخ میں عالم دنیا کو صرف دیکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔

فائدہ رویاء مردگان کو خواب میں جس حالت میں دیکھا جاتا ہے وہ صحیح اور سچ ہوتا ہے ایسے ہی ہر خواب سچا ہوتا ہے البتہ تعبیر کرنے والا اپنی غلطی سے غلط بتا دیتا ہے تو وہ غلطی معبّر کی ہوئی نہ کہ خواب غلط تھا۔

ف: فرعون اور اس کی قوم کفار ہر روز صبح و شام جہنم کی آگ میں پیش کیے جاتے ہیں یہ نہیں کہ وہ حقیقی عذاب ہوگا نہ خیالی۔ (کذا فی سورۃ الفاتحہ للفناری)۔

فَجَمَعْنٰهُمْ پس ہم تمام مخلوق (عوام) کو ان کے اجسام گلنے مرنے کے بعد حساب و کتاب کے لیے ایک جگہ پر جمع کریں گے۔
جَمْعًا ○ ایک عجیب طریقے سے جمع ہوں گے جن میں تمام فرشتے اور انس و جن اور حیوانات شامل ہوں گے۔ کسی کو بھی نہیں

چھوڑا جائے گا۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ نیک بخت وہ انسان ہوگا جو اس دن تھوڑی سی جگہ پاکر اپنے پاؤں کی انگلیاں رکھ سکے گا۔ (کذا فی ربیع الابرار)

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت سے تمام مخلوق کو مارتا ہے لیکن درمیان میں سبب بناتا ہے اسی طرح انھیں پھر زندہ کرے گا تو بھی سبب سے یعنے نفخۂ اولیٰ سے تمام کو فنا کرے گا۔

کما قال:

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموٰات ومن فی الارض۔	اور صور پھونکا جائے گا تو تمام زمین وآسمان والے فنا ہو جائیں گے۔

اسی طرح نفخۂ ثانیہ سے انھیں زندہ کرے گا۔ کما قال:

ونفخ فی الصور فجمعناھم جمعا۔

اہلِ سنت کے مسلک کی تائید ایزدی اس سے ثابت ہوا کہ مخلوق اپنے جملہ معاملات میں اسباب کی محتاج ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے جسے اسباب کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کسی شے کو سبب بناتا ہے تو وہ بھی مخلوق کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوق کو سبب موافق کا محتاج بنایا اور نقیض کو سبب نہیں بنایا۔ اور خود قادر مطلق ہو کر ایک شے کو ضدین یعنے دو نقیضوں کا سبب بنایا ہے مثلاً ایک ہی صور کو امانت کا سبب بنایا تو اسی کو احیار کا بھی۔

مثنوی شریف میں ہے:

سازد اسرافیل روزے نالہ را

جاں دھد پوشیدہ صد سالہ را

انبیار را در درون ہم نغمہاست

طالبان را زان حیات بی بہاست

نشنود آن نغمہا را گوش حس

کز ستم گوش حس باشد نجس

نشنود نغمہ پری را آدمی!

گو بود ز اسرار پریاں اعجمی

گرچہ ہم نغمہ پری زین عالمست

نغمہ دل برتر از ھر دو دمست

گر پری و آدمی زندانیسند !
هر دو در زندان این نادانیسند
نغمہائے اندرون اولیار !
اولا گوید کہ اسے اجزاسے لا
ہین زلاسے نفی سرہا بر زنید
این خیال و وہم یک سو افگنید
ای ہمہ پوشیدہ در کون و فساد
جان باقیتان نروید ونزاد
ہین کہ اسرافیل وقتند اولیار
مردہ را ذی شان حیات ست ونما
جان ہریک مردہ از گور تن !
بر جہد ز آواز شان اندر کفن
گوید این آواز ز آوازہا جداست
زندہ کردن کار آواز خداست
ما بمردیم و بکلی کاستیم !
بانگ حق آمد ہمہ برخاستیم
مطلق آن آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ترجمہ : ۱ - ایک دن اسرافیل علیہ السلام ساز بجائیں گے تو سو سالہ مردہ بھی جان حاصل کرے گا ۔

۲ - انبیار علیہم السلام کے باطن میں بھی ایسے نغمات ہیں جن کے سبب سے طالبانِ راہ ہدیٰ کو بے بہا جانیں نصیب ہوتی ہیں ۔

۳ - ان نغمات کی آوازیں اس ظاہری کان کو سنائی نہیں دیتیں اس لیے کہ گناہوں کی نجاست سے یہ کان پر ہیں ۔

۴ - جب پری کے نغمات انسان اپنے ظاہری کانوں سے نہیں سن سکتا کیونکہ پریوں کے اس سے ، اس لیے انسان بہرہ ہے ۔

۵ - اگرچہ پری کے نغمے اسی عالم دنیا کے ہیں لیکن قلب کے نغمے برتر و بالا ہیں ۔

۶ -

۷۔ اولیا کے باطنی نغمے ہی ہیں کہ سب سے پہلے ہر کام میں نفی کرتے ہیں۔

۸۔ انہی کی نفی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو اس خیال و وہم کو دور کرو۔

۹۔ کون و فساد میں یہ راز پوشیدہ ہے جان ان کی ہر وقت باقی اور زندہ ہے۔

۱۰۔ یہ اولیاء وقت کے اسرافیل ہیں ان سے ہر مردہ کو حیات و نشو و نما ملتی ہے۔

۱۱۔ ان کی آواز سے مردہ گور اور کفن سے جان لے کر باہر آجاتا ہے۔

۱۲۔ ان کی آواز ہماری آواز سے جدا ہے دراصل زندہ کرنا اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔

۱۳۔ ہم مرجائیں گے اور مٹ جائیں گے اللہ تعالےٰ کی آواز سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

۱۴۔ مطلق آواز شہ کی آواز ہے اگرچہ وہ عبداللہ کے حلقوم سے ہو۔

وَعَرَضْنَا اہلِ عرب کہتے ہیں:

عرض الشی لہ بمعنے اظہر، یعنے ہم ظاہر کریں گے۔

جَهَنَّمَ معرب ہے دراصل "چہنم" تھا۔ کذا قال البعض۔ **يَوْمَئِذٍ** اسی دن جب کہ حساب و کتاب کے لیے تمام مخلوق کو **لِّلْكٰفِرِيْنَ** ، کافروں کے لیے اس وقت وہ اسے دیکھیں گے اور اس کی سخت ترین آوازیں بھی سنیں گے۔ **عَرْضًا**ۨ ان کے سامنے آجائے گی اور وہ ایسی سخت عذاب والی ہے کہ اس کی حقیقت خدا جانے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں جہنم کو لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جسے وہ کھینچ رہیں گے۔

شرح الحدیث یعنے جہاں اسے اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ وہاں سے لاکر زمین تک پہنچائی جائے گی۔ بہشت تک پہنچنے کے تمام راستے روک دیئے جائیں گے صرف پُل صراط درمیان میں ہو گی جسے عبور کر کے بہشت میں جانا ہو گا۔

ف: لگاموں سے اسے نہ تھاما جاتے تو وہ اہلِ محشر پر ٹوٹ پڑے لیکن بعض بدقسمت لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ (کذا فی مشارق الانوار لابن الملک)۔

سوال: سوال کافروں کی تخصیص کیوں حالانکہ اس وقت جہنم کو اہلِ بہشت بھی دیکھیں گے؟

جواب: چونکہ اس میں صرف انھوں نے داخل ہونا ہو گا اسی لیے انھیں خصوصیت سے دور سے دکھائی جائے گی تاکہ وہ اسے دیکھ کر غم اور حزن و ملال کا شکار ہوں۔

ف: قیامت سے پہلے اگر کافروں کو جہنم دکھائی جاتی تو وہ اہلِ ایمان کی طرح ایمان لاتے لیکن چونکہ ان کی آنکھیں ذکر الٰہی سے اندھی تھیں۔ اسی لیے وہ محروم رہے اور اہلِ ایمان کے قلوب، کان کھلے تھے اسی لیے وہ کلام الٰہی سن پائے۔ بنا بریں انھیں نجات نصیب ہوئی۔

بِالَّذِيْنَ یہ موصول اپنے صلہ سے مل کر ان کافرین کی صفت یا اس سے بدل ہے اسی لیے قراء نے عرضا پر وقف جائز نہیں سمجھا (کذا فی الکواشی)

كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ ان کی آنکھیں دنیا میں تھیں۔ فِیْ غِطَآءٍ پردے میں یعنے ایسے سخت اور غلیظ پردے میں تھیں جنھیں اس نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا جس سے وہ حق کی باتوں کے دیکھنے اور سننے سے محروم رہے۔ الغطاء ہر وہ شے جو کسی شے کو محیط ہو کر ڈھانپ لے یعنے پردہ و پوشش۔ عَنْ ذِكْرِیْ میرے ذکر سے یعنے وہ آیات جو عقل والوں کو ذکرِ الٰہی اور توحید و تمجید باری تک پہنچا دیتی ہیں سہ

ففی کل شیء لہ آیۃ
تدل علی انہ واحد

ترجمہ: ہر شے میں دلیل ہے جو دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک ہے۔

سہ

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ترجمہ: دانا کی نظروں میں درختوں کا ایک ایک ورق اللہ تعالےٰ کی معرفت کا ایک مستقل دفتر ہے۔

وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝ ان بہت بڑے دلائل کے باوجود وہ نہیں سنتے اس لیے کہ ان کے کان حق سننے سے بہرے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بغض و عداوت میں اتنا بھرپور ہیں کہ انھیں اس طرف خیال نہیں آتا کہ کسی وقت ذکرِ الٰہی اور کلام نبوی سن لیں بلکہ یہ بہرے سے بھی گئے گزرے ہیں اس لیے کہ بہرہ کسی نہ کسی وقت کوئی بات سن لیتا ہے جب کہ اسے زور لگا کر کوئی بات سنائی جائے اور یہ بدبخت تو سرے سے کلامِ حق کو سننا گوارہ ہی نہیں کرتے سنتے ہیں تو اس طرف توجہ نہیں دیتے سہ

چون تو قرآن خوانی اے صدر امم
گوش شانرا پردہ سازم از صمم
چشمان را نیز سازم چشم بند
تا نہ بینند و کلامت نشنوند

ترجمہ: اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم! جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو ہم ان کے کان بہرے بنا دیتے ہیں ان کی آنکھیں بھی بند کر دیتے ہیں تاکہ وہ نہ تو حق کو دیکھ سکیں اور نہ تیرا کلام سن سکیں۔

(باقی صفحہ ۵۲۵)

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی بنالیں گے بیشک ہم نے کافروں کی مہمانی کو جہنم

لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ

تیار کر رکھی ہے تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا

دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں یہ لوگ جنہوں نے اپنے رب

بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ

کی آیتیں اور اس کا ملنا نہ مانا تو ان کا کیا دھرا سب اکارت ہے تو ہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول نہ قائم کرینگے یہ ان

جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

کا بدلہ ہے جہنم اس پر کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی بنائی بے شک جو ایمان لائے اور اچھے

الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾

کام کئے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ

تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی

جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود

فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾

ہے تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ف: الارشاد میں ہے کہ یہ دلائل سمعیہ سے اعراض کرنے کی تمثیل ہے کہ وہ دلائل سمعیہ کے سننے سے بہرے اور آیات و مشاہدات کے دیکھنے سے اندھے ہیں۔

تفسیر عالمانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ ان کے نفوس کی آنکھیں غفلت کے پردے میں ہیں۔ اسی وجہ سے وہ نظر عبرت سے نہیں دیکھ سکتے اور ان کے قلوب حب دنیا اور اس کی شہوات کے پردے میں ہیں اسی لیے وہ درجات آخرت کو نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی انھیں آخرت کی سزاؤں کا پتہ چل سکتا۔ اور ان کے اسرار کی آنکھیں التفات الی الکونین کی طرف متوجہ ہونے کے پردے میں ہیں۔ اسی وجہ سے شواہد مکون کا نظارہ نہیں کر سکتے اور ان کی ارواح کی آنکھیں ذکر ماسوائے اللہ میں مصروف ہیں اسی لیے وہ اللہ تعالٰی کی تجلیات سے محروم ہیں جب کسی بندۂ خدا کی مشاہدۂ حق سے باطنی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو ظاہر آنکھوں کو بھی عبرت حاصل کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے اسی طرح باطنی کان کھلتے ہیں تو ظاہری کانوں کو عبرت نصیب ہوتی ہے۔ اسی لیے کہ ظاہری کان باطنی کانوں کے تابع ہیں۔

تائید مسلکِ اہلسنت باطنی کان کھلے ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ انسان کے ظاہری کان کلام حق اور سنن مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرۃ اولیاء سننے سے خوش ہوتا ہے [1]

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا ۔ ہمزہ انکار و توبیخ کا ہے واقع کا انکار اور اس کی قباحت کے اظہار کے لیے ہے جیسے "اضربت اباك" میں واقع کے انکار کے لیے ہے تو اتضرب اباك میں وقوع کے انکار کے لیے ہے اور فاء کا عطف مقدر پر ہے جیسے کہ الذین کے صلہ سے واضح ہوتا ہے یہ اس وقت ہے جب ہم ہمزہ کو ہر دونوں معطوفوں میں انکار و توبیخ کے لیے بنائیں۔ اب عبارت یوں ہوگی :

اکفروا بی مع جلالۃ شانی فحسبوا وظنوا۔ یعنی میری بزرگی شان کے باوجود بھی میرے ساتھ کفر کرتے ہیں تو کیا انھیں وہم و گمان ہے کہ :

اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ وہ بناتے ہیں میرے بندوں کو یعنی ملائکہ کرام و عیسٰے و عزیر علیہما السلام کو، حالانکہ وہ تمام میرے قبضۂ قدرت اور زیر حکم ہیں۔ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ معبود کہ مدد دے کہ ان کو میرے عذاب سے بچائیں گے۔

سوال : یہاں پر اتخاذ کا مفہوم صحیح نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کا قاعدہ ہے کہ وہ جانبین سے ہوتا ہے حالانکہ یہاں انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کے لیے لانا ناممکن ہے کیونکہ وہ تو ہمیشہ کہتے رہے "سبحانك انت ولینا"

---

[1] : الحمد للہ یہ ہر سہ علامات اہلسنت کو نصیب ہیں اس لیے کہ یہ کلام اللہ سن کر خوش ہوتے اور بعض قسمت قرآن مجید کی آیات سننے سے گھبراتے ہیں ویسے وہ سارا دن رات گانے باجے سننے سے نہیں تھکتے۔ ایسے ہی احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے سننے کے بھی ہم عاشق ہیں اور سیرتِ اولیاء سننا بھی ہمارا شیوہ ہے لیکن بعض بدقسمت مدعی اسلام ہو کر سیرت اولیاء کو شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں

جواب (۱): یہاں اپنے معنے میں نہیں بلکہ جانب واحد سے مستعمل ہوا ہے یعنے کافروں نے ایسے کر رکھا تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کا کسی قسم کا دخل نہیں تھا۔

جواب (۲): اتخاذ کا مفعول ثانی محذوف ہے یعنے انھوں نے اپنے معبودوں کو نافع سمجھ کر معبود بنا رکھا تھا لیکن پہلا مطلب صحیح ہے اس لیے کہ اس معنے میں ماننا پڑتا ہے کہ اس میں جانب ثانی کا کچھ نہ کچھ دخل ثابت ہوتا ہے۔ (کذا فی الارشاد)

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا۝ ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو مہمانی کے طور پر تیار کر رکھا ہے۔ نزل ہر وہ شے جو آنے والے مہمان کے لیے تیار کی جائے۔ اس میں کفار کے ساتھ "فبشرھم بعذاب الیم" کی طرح تہکم ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جہنم کے علاوہ بھی انھیں اور عذاب ہوگا جو اس جہنم کا عذاب اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اور وہ عذاب یہ ہے کہ انھیں اللہ تعالٰے کے دیدار سے محروم رکھا جائے گا۔ کما قال تعالٰے:

کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون ثم لصالوا الجحیم۔ | خبردار! بے شک وہ کفار قیامت میں اللہ تعالٰے کے دیدار سے محروم ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

آیت ہذا میں جہنم کے داخلہ کا ذکر بعد کو اور اللہ تعالٰے کے دیدار سے محرومیت کو پہلے بیان کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ جہنم کا عذاب اللہ تعالٰے کے دیدار سے محرومی کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نزل یعنے منزل اور ٹھہرنے کی جگہ ہے اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ جہاں پر کافر کو لایا جائے گا وہ ایسی سخت ہوگی کہ دوزخ کا عذاب اس کے مقابلہ میں حقیر ترین ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالٰے کی محبت کا دم بھرتا ہے تو وہ غیر اللہ کو دوست نہیں بناتا اس لیے کہ اللہ تعالٰی اور غیر اللہ کی محبت مجتمع نہیں ہوتی۔ جو شخص اللہ تعالٰے کی نعمتوں کی ناشکری کر کے غیر اللہ کو اپنا دوست بناتا ہے تو وہ بعد و فراق از دیدار الٰہی کی جہنم میں داخل ہوگا۔ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ محبت الٰہی کو انکار ہے کہ اس کے ساتھ کسی غیر کی محبت ہو اس لیے کہ اللہ تعالٰے کی محبت قطب دائرہ ہے اسی کے گرد تمام خیر خیرات گھومتی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ یہ تمام کرامات کی اصل ہے تو بجا ہے اللہ تعالٰی کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے اوامر پر عمل اور اس کے نواہی سے احتراز کیا جائے، جیسا کہ بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالٰے کی تنزیہ و تقدیس بیان کی جاتے اور جن معاملات سے اس نے روکا ہے اس کی عظمت کے پیش نظر ان کا ارتکاب نہ کرنا چاہیے اور جن امور کا حکم فرمایا ہے اس کے جاہ و جلال کے تحت انھیں بجالایا جائے اور کافر وہ ہیں جنھوں نے غیر اللہ کی پرستش اور گناہوں میں زندگی ضائع کی بلکہ وہ تو ایک معدوم شے کی عبادت کرتے ہیں۔ معدوم سے مراد ماسوی اللہ ہے اور وہ لوگ جانوروں کی طرح خواب و خور میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالٰے نے ان کے ٹھہرنے کی جگہ جہنم بنائی اور وہ بہت برا مقام ہے۔

مومن وہ ہیں جو طاعاتِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور ریاضات و مجاہدات میں زندگی بسر کرتے ہیں اور موجودِ حقیقی کے سوا وہ اور کسی کی عبادت نہیں کرتے ۔ ان کا ہر وقت اسی کی عبادت میں گذرتا ہے اسی لیے اللہ تعالٰے نے بہت بڑے درجات اور خلاص و نجات توجہ الی اللہ کی برکات سے ان کے لیے اعلیٰ مقامات مقرر فرماتے ۔

حکایت ایک مشرک بادشاہ تھا اسے مسلمانوں نے گرفتار کر لیا، اسے شیشے میں بند کر کے آگ میں ڈال دیا۔ اس نے وہیں ہر اللہ تعالٰے کی طرف توجہ سے عجز و زاری کر کے اسلام کی حقانیت کا اقرار کر لیا۔ اس کی عجز و زاری بارگاہِ حق میں قبول ہو گئی۔ چنانچہ موسلا دھار بارش ہوئی جس سے وہ آگ بجھ گئی۔ اس کے بعد سخت آندھی چلی جس نے اس بادشاہ کو اڑا کر اپنی مملکت میں پہنچا دیا۔ اس کی رعایا نے دیکھ کر تعجب سے کہا کہ آپ کیسے بچ کر واپس آگئے؟ بادشاہ نے کہا میرا بچنا واقعی مشکل تھا لیکن میں نے اللہ تعالٰے کے حضور میں گڑگڑایا اور سچے دل سے تائب ہو کر صدقِ دل سے مسلمان ہو گیا۔ اسی لیے اللہ تعالٰے نے اپنے لطف و کرم سے مجھے ایسی سخت آگ سے بچایا۔ اس کی رعایا نے اس کا حال سنا اور مسلمان ہو گئے صرف اسی بنا پر کہ جب وہ کریم اپنے بندوں سے اتنا لطف و کرم رکھتا ہے تو پھر کیوں نہ اس کی توحید کا اقرار کیا جائے ۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ اے کافرو! کیا میں اور میرے تمام متبعین تمھیں خبر دیں۔ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اعمالاً تمیز ہے اور اس کا جمع ہونا عمل کے مختلف انواع کی وجہ سے ہے ۔ اس قوم کی جو عمل کے لحاظ سے تمام مخلوق سے بہت زیادہ خسارہ والے ہیں۔

ف: الارشاد میں ہے کہ یہ کافروں کے ان نیک اعمال کا بیان ہے جو ان سے صادر ہوتے اور وہ انھیں نیکی سمجھ کر کرتے تھے جیسے صلہ رحمی اور فقراء کو طعام کھلانا اور گردن آزاد کرنا وغیرہ وغیرہ اور وہ نہ صرف اپنی نیکیوں کے وہم و خیال میں تھے بلکہ وہ ان پر نازاں بھی تھے اور انھیں اپنے اعمال کے ثواب پر پورا یقین اور بھروسہ تھا اور سمجھتے تھے کہ ان کی جزاء لازمی ہے۔ اگرچہ فی نفسہٖ وہ اعمال نیک تھے لیکن ان کے برے عقائد کی نحوست سے انھیں ثواب کی بجائے عذاب نصیب ہو گا۔

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ ۔ یہ سوال کا جواب ہے ۔ سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام کیا ہو گا، تو ان کے جواب میں فرمایا کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی تمام جد و جہد بیکار اور ضائع ہو گی یعنے وہ اعمال اگرچہ فی نفسہٖ صالح تھے لیکن سارے کے سارے اکارت اور ضائع ہو گئے ۔ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ یہ ضل کے نہیں بلکہ سعی کے متعلق ہے اس لیے کہ سعی کا بطلان دنیا سے مخصوص نہیں بلکہ آخرت میں بھی ان کی سعی غیر معتبر ہے ۔ وَهُمْ ۔ یہ ضل سے حال واقع ہے ۔ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ ان کا گمان تھا کہ یہ اعمالِ صالحہ انھیں آخرت میں نفع دیں گے ۔ الاحسان علی وجہ لائق کے مطابق کا بجالانا یہ ایسا حسن وصفی ہے جو حسن ذاتی کو مستلزم ہے یعنے وجہ لائق کے مطابق اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور انھیں ان اعمال پر ناز بھی تھا اور ان کے لیے محنت بھی کرتے تھے ۔

ازالہ وہم: بعض لوگ مثلاً مرزائیوں، پرویزیوں، نیچریوں، نجدیوں، وہابیوں، دیوبندیوں و دیگر بد مذاہب کے اعمال صالحہ کو

دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اتنا بہت بڑے اچھے لوگوں کو برا سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے انھیں صاحب روح البیان کی تحقیق ذیل غور سے پڑھنی چاہیے۔[1]

آیت میں اشارہ ہے کہ اہل اہواء اور اہل بدعت[2] اور اہل ریاء کے اعمال بھی ضائع ہیں۔ اس لیے کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ریاء کی ملاوٹ عمل شرک خفی ہے اور شرک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔

کما قال تعالیٰ:

لئن اشرکت لیحبطن عملك۔ اگر تم شرک کرو گے تو تمھارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔

اہل بدعت سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اسلام میں نئے نئے عقائد گھڑ لیے ہیں ان کے اعمال صالحہ اسی لیے ضائع جائیں گے کہ وہ اپنے گندے عقائد کی وجہ سے اعمال کو ریاء کے طور پر بجا لاتے ہیں۔ اسی لیے ان کے گندے عقائد اور ریاء کا وبال انہی کی طرف لوٹے گا۔ خلاصہ کلام یہ کہ ہر وہ عمل جو کفر کو مستلزم ہو۔ اس سے وہ عمل ضائع ہوتا ہے اگرچہ وہ عمل فی نفسہٖ نیک ہو اور اگرچہ وہ عمل جو شرک خفی کو مستلزم ہو تو وہ عمل بھی ضائع ہو گا۔

سبق جس کی طاعت بھی قبول نہ ہو باوجودیکہ وہ طاعت ہے صرف اس استلزام کی وجہ سے جو طاعت کے منافی ہے تو پھر اس کا کیا حال ہو گا جس کا عمل فی نفسہٖ معصیت ہو اور وہ اپنے خیال سے اسے طاعت سمجھے۔ خلاصہ یہ کہ اہل ریاء وسمعۃ و اہل بدعت اور لوگوں کے ساتھ احسان و مروت کر کے اس پہ احسان منت وشکر کا طالب اسی طرح وہ راہب جو گرجوں میں بیٹھ کر عبادتِ الٰہی میں بیٹھے ہوئے اور ریاضات شاقہ سے طاعت الٰہی بجا لا رہے ہیں ان سب کے اعمال اکارت اور ضائع ہیں۔

گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
ازیں در کسے چون تو محروم نیست
کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ: اگر تیرے اعمال میں اخلاص نہیں تو یقین کر کہ تیرے جیسا اور کوئی محروم نہیں۔ جس کی ظاہری ٹھاٹھ باٹھ تو ہو لیکن کردار غلط ہوں تو اسے دوزخ میں جانے کے لیے چابی کی ضرورت نہیں۔

---

[1] ازالہ وہم از مترجم۔

[2] دور حاضرہ میں لوگوں نے اہل بدعت ہم اہلسنت کو سمجھ رکھا ہے حالانکہ درحقیقت وہی لوگ خود اہل بدعت ہیں۔ اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "العصمۃ عن البدعۃ" میں ہے۔ (اویسی)

خارجیوں کی مذمت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

خارجیوں کا بھی یہی حال ہے جیسے آیت میں مذکور ہوا۔ اور خارجیوں سے وہی حرورا والے مراد ہیں جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔ (کذا فی التکملہ)

خوارج وہی ہیں جو کوفہ میں رہتے تھے اور بہت بڑے عابد زاہد تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طاعت پر بغاوت کی جب انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے لیے حَکَم مقرر فرمایا تو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ صادر کیا کہ انھوں نے غیر اللہ کو حَکَم کیوں مانا۔ غیر اللہ کو حَکَم ماننا ان کے نزدیک کفر تھا اور دلیل میں یہی جملہ پیش کیا کہ ان الحکم الا للہ، فیصلہ صرف اللہ کا ہے۔

وہ بارہ ہزار آدمی تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کر کے اپنی حکومت کا جھنڈا اکھڑا کیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بے شمار افراد کو قتل کیا اور ان کے مال لوٹے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے تو انھیں اپنی جماعت میں واپس لوٹنے کی دعوت دی لیکن وہ نہ مانے بلکہ اعلان جنگ کر دیا۔ نہروان کے موقعہ پر حضرت علی سے جنگ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سب کو قتل کر دیا ان میں کچھ بچ گئے۔

ان کے متعلق حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یخرج قوم فی امتی یحقر احدکم صلاتہ فی جنب صلاتھم وصومہ فی جنب صومھم ولکن لا یجاوز ایمانھم تراقیھم۔

میری امت میں ایک قوم پیدا ہوگی جن کے مقابلے میں تم اپنی نماز روزے کو بہت حقیر سمجھو گے لیکن ان کے بہت بڑے عابد و متقی ہونے کے باوجود ان کا ایمان ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔

الخوارج کلاب النار[1] — خارجی جہنم کے کتے ہیں۔

(کذا فی شرح الطریقۃ)

---

[1]: خارجیوں نے ہر دور میں کئی روپ دھارے بالآخر ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ مل جائے گا۔ ان کے کئی گروہ ہیں۔ اور وہ ہمارے زمانے میں بھی موجود ہیں۔

نجدی، وہابی، دیوبندی، مودودی اور تبلیغی فرقے انہی خوارج کی شاخیں ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "وہابی دیوبندی کی نشانی مصطفٰے کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی" اور "ابلیس تا دیوبند" میں ہے۔

(اویسی غفرلہ)

أُولٰٓئِكَ وہ لوگ جن کے اوصاف مذکور ہوئے یعنے جن کے اعمالِ صالحہ اکارت گئے اگرچہ وہ اس گمان میں تھے کہ ان کے وہ اعمال انھیں آخرت میں بہت بڑا فائدہ دیں گے۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وہ ہیں جو اپنے رب کی آیات کے منکر ہیں۔ یہاں آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جن سے عقلاً و نقلاً توحید الٰہی کا ثبوت ملتا ہے۔ وَلِقَآئِهٖ اور اللہ تعالٰی کے دیدار کا بھی انکار کرتے ہیں اس سے قیامت اور آخرت کے جملہ امور مراد ہیں۔ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ تو ان کے جملہ اعمالِ صالحہ بالکل ضائع ہو گئے۔ ان پر انھیں قیامت میں کسی قسم کا ثواب نہ ملے گا۔ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ○ جن کافروں کے اعمال صالحہ حبط ہو جائیں گے ان کی قیامت میں ذرہ برابر بھی کسی قسم کی قدر و قیمت نہ ہو گی یعنے ان کو ایسا حقیر ترین سمجھا جائے گا کہ بال برابر بھی ان کو عزت نصیب نہ ہو گی بلکہ اس وقت ذلیل و خوار ہوں گے اس لیے قیامت میں عزت نصیب نہ ہو گی بلکہ اس وقت ذلیل و خوار ہوں گے اس لیے قیامت میں عزت و احترام کا دار و مدار اعمال صالحہ پر ہو گا اور وہ قیامت میں ضائع ہو جائیں گے پھر عزت و مرتبہ کیسا۔ یاد رہے کہ یہ ذلت و خواری تو اعمال صالحہ کے حبط پر ہو گی اور ان کے کفر کا "بدانجام" بیان آگے آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالٰی)

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں طویل القامۃ کافر اور خورد و نوش کا دھنی جس کی مکھی کے پر کے برابر بھی عزت نہ ہو گی یعنے اس کے کفر اور اپنے اعمال پر اترانے کی خساست کی وجہ سے اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا۔ اس کی دلیل میں آپ نے یہ آیت پڑھی:

فلا نقیم لهم یوم القیمة وزنا

یعنے ان کے اعمال کے وزن کے لیے ترازو رکھا بھی نہیں جائے گا اس لیے کہ ترازو تو اہل توحید کے اعمال صالحہ و سیئہ کے امتیاز کے لیے مقرر ہے تاکہ ظاہر کیا جا سکے کہ کفر و ایمان کے درمیان کیا فرق ہے اور اہل کفر کے اعمال کا وزن کیسا ان کے تو اعمال کفر کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ اس لیے ان کے وزن کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قیامت میں شخصیات اور ان کے اعمال کا ترازو صدق اخلاص کی وجہ سے رکھا جائے گا جس کا صدق و خلوص زائد ہو گا اس کے اعمال کا ثواب زیادہ ہو گا اور جس کے اعمال میں صدق و خلوص نہ ہو گا اسے کسی قسم کا ثواب نہ ہو گا بلکہ اس کے تمام اعمال بے کار جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا:

فجعلناه هباء منثورا

یعنے ہم اسے اڑتی ہوئی غبار کی طرح بنا دیں گے جیسے اڑتی ہوئی غبار کی کوئی قدر و منزلت نہیں ایسے ہی ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو گی۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ وہ امر یونہی ہے کہ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ ان کی جزا جہنم ہے۔ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ○ بسبب اس کے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیات

اور میرے رسل کرام سے ہنسی مذاق کی حالانکہ ان پر انھیں ایمان لانا ضروری تھا لیکن انھوں نے ایمان کے بجائے کفر کیا۔
سوال: یہاں پر هزوا کے بجائے مهزوا، ہونا تھا کیونکہ هزوا مصدر ہے؟
جواب: بطور مبالغہ کے کہا گیا ہے گویا ان کی مسخری اس حد تک پہنچی کہ گویا ان کا یہ فعل هزوا کا عین ہوگیا۔ یا یہاں پر لفظ مکان محذوف ہے یہ دراصل مکان هزوا تھا۔

علماء کرام کی عزت و احترام

علماء کرام رسل عظام صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ اس لیے کہ ان کے علوم حضرات انبیاء علیہم السلام کے علوم سے مستنبط ہیں۔ اس لیے ان کی عزت و احترام لازمی اور ضروری ہے اور ان کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرنے والا یوں سمجھے کہ اسے بھی ابوجہل وغیرہ کی وراثت نصیب ہوئی ہے کیونکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرنا ابوجہل کا کام تھا۔ چنانچہ دو حکایتیں ہم یہاں پر لکھ دیتے ہیں۔

کُنْ کَذَالِکَ کا معجزہ

ابوجہل حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل کر آپ کی نقل اتارتے ہوئے کسی وقت ناک چڑھاتا تو کسی وقت منہ بگاڑتا۔ ایک دفعہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھ کر فرمایا:

کن کذالك (اسی طرح ہو جا)۔

چنانچہ پھر وہ مرتے دم تک منہ بگڑا اور ناک چڑھا رہا۔

معجزہ جیسی کرنی ویسی بھرنی

ایک دفعہ ابوجہل نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی طرف تھوکا تو اس کی اپنی تھوک لوٹ کر اس کے چہرہ پر پڑی تو اس کی نحوست سے تادم زیست برص میں مبتلا رہا اور اسی کے حق میں نازل ہوا:

ویوم یعض الظالمین علے یدیہ

یعنے قیامت میں جہنم کے اندر ایک ہاتھ کو کھاتا ہوا کہنی تک پہنچے گا تو پھر دوسرے کو کھانے لگے گا تو پہلا صحیح ہو جائے گا۔ اسی طرح ذلت و خواری سے اس کا وقت بسر ہوگا۔ (کذا فی انسان العیون)

مذاق کرنے والوں کا حشر

حدیث شریف میں ہے کہ مذاق اڑانے والوں کو قیامت کے دن دوزخ سے نکال کر بہشت کے دروازے کی طرف لایا جائے گا جب وہ دروازۂ بہشت کے قریب آئیں گے تو ان سے بہشت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس سے ہنسی کے طور کہا جائے گا چلو بہشت میں۔ (کذا فی الطریقہ)

اے اللہ! ہمیں محبوب بندوں سے بنا ان سے بچا جو مذاق کرنے والے ہیں اور ہمیں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جن کی قرآن مجید میں تعریف کی گئی ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ بے شک وہ لوگ جو دنیا میں مومن اور نیک اعمال کرنے والے ہیں۔ ان سے وہ اعمال مراد ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کئے جائیں۔ كَانَتْ لَهُمْ۔ ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں۔ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ فردوس کے باغات۔ فردوس ہر اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں انگور کے درخت بہت زیادہ ہوں۔

ف: قاموس میں لکھا ہے کہ فردوس ہر وہ باغ جس میں ہر قسم کے درخت پائے جائیں۔ یہ عربی لفظ ہے یا رومی بولی سے منتقل ہو کر عربی میں مستعمل ہوا ہے یا سریانی لغت کا لفظ ہے۔

نُزُلًا یہ کانت کی خبر ہے اور لھم جار مجرور مل کر فعل محذوف کے متعلق اور نزلا سے حال ہے اور نزل یعنے منزل ہر وہ شے جو آنے والے مہمان کے لیے تیار کی جائے یعنے جنات الفردوس ایسی منزل ہے جو صرف اہل ایمان اور نیک لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے یا جنات الفردوس کے ثمرات ان لوگوں کے لیے تیار کئے گئے ہیں یا بطور مبالغہ وہی جنات الفردوس ان لوگوں کو مہمانی کے طور پر پیش کیے جائیں گے۔

حدیث قدسی شریف اسی کے مطابق حدیث قدسی میں وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی لسانِ اقدس سے فرمایا کہ میں نے نیک بختوں کے لیے وہ نعمتیں تیار فرمائی ہیں کہ جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے تصور میں آسکتی ہیں۔ یہ بھی بمنزلہ مہمانی کے دی جائیں گی۔ اس سے کاشفی نے دیدار الٰہی مراد لیا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نعمت فردوس زاہد را ما را روئے دوست

قیمت ہر کس بقدر ہمت والائے دوست

ترجمہ: زاہد کو نعمت فردوس سلامت ہمیں تو یار کا دیدار چاہئے اور ہر ایک وہی ملتا ہے جو اس کی ہمت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہست جنت ہفت دوزخ پیش من

ہست پیدا ہمچو بت پیش شمن

ترجمہ: آٹھ بہشتیں اور سات دوزخ میری نگاہ میں وہ بت ہے جیسے بت پرست پوجتا ہے۔

ملفوظ بایزید بسطامی قدس سرہٗ اسی مقام پر حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ مجھے بہشت اور اس کی نعمتیں عطا فرمائے گا تو میں سمجھوں گا کہ میں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔ دراصل میرے لیے جنت اعلےٰ صرف دیدار الٰہی اور وصال حق ہے اور ہجر و فراق سے بڑھ کر کوئی اور عذاب نہیں ؎

روز و شب غصہ و خون می خورم وچوں نخورم
چوں ز دیدار تو دوام بچہ باشم دل شاد

ترجمہ: رات دن میں غصہ سے خون پیتا ہوں اور خون کے گھونٹ کیوں نہ پیوں جب تیرے دیدار سے دور ہوں تو پھر مجھے خوشی کاہے کی۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا یہ حال مقدرہ ای مقدرین الخلود فی تلك الجنات یعنے وہ انہی باغات میں ہمیشہ رہیں گے۔ **لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا** ۝ یہ ضمیر کی طرف مصدر ہے اور خالدین کے ذوالحال سے حال ہے یعنے وہ لوگ بہشت کے باغات سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہونے کا نام تک نہ لیں گے جیسے انسان کسی جگہ سے اکتاکر دوسری جگہ منتقل ہونے کا پروگرام بناتا ہے لیکن اہل بہشت کو جنت الفردوس میں ایسا جی لگ جائے گا کہ وہاں سے منتقل ہونے کا خیال تک نہیں آئے گا اس لیے کہ وہاں انھیں مطلب کی ہر شے ملے گی اور ہر آن خوشی ہی خوشی ہوگی۔

ف: امام فخرالدین نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ جنت الفردوس کے بہترین اوصاف سے سمجھا جاتا ہے اس لیے کہ انسان دنیا میں سعادت کے جس مرتبے کو حاصل کرتا ہے وہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو وہ اس سے اور آگے بڑھنے کی جدوجہد کرتا ہے لیکن جنۃ الفردوس میں اس کی تمام امنگیں پوری کر دی جائیں گی جن کی وجہ سے بہشتی کو کوئی اور تمنا نہ ہوگی۔

ف: الشیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ جملہ خالدین فیھا کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے کہ انھیں بہشت میں ایسا خلود نصیب ہوگا کہ وہاں سے منتقل ہونے کا تصور تک بھی ختم کر بیٹھیں گے اور فرمایا کہ فردوس سے وہ بلند اور سبز محل مراد ہے کہ بہشت میں اس سے کوئی اور جگہ حسین تر ہے نہ بلند تر۔ اسے سرۃ الجنۃ (جنت کی ناف) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف (۱) بہشت میں ایک سو درجات ہیں ہر درجہ کے درمیان زمین و آسمان کے درمیانی خلا کے برابر مسافت ہے۔ الفردوس ان تمام درجات کے اوپر ہے اسی سے ہی بہشت کی چاروں نہریں چلتی ہیں اسی جنۃ الفردوس کے اوپر عرش معلّے ہے۔ اے مسلمانو! تم اگر اللہ تعالٰے سے بہشت کا سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس کی طلب کرو۔

حدیث شریف (۲) الفردوس کے چار باغات ہیں دو باغات چاندی کے ہیں یعنے ان کے برتن چاندی کے ہیں اور ان کی ساخت بھی چاندی کی ہے اور دو سونے کے یعنے ان کے برتن اور ان کی ساخت سونے کی ہے۔

ف: تبیان میں مرقوم ہے کہ جنۃ الفردوس کو اللہ تعالٰے نے بلاواسطہ اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور دنیوی دنوں کی مقدار کے مطابق روزانہ اسے نظر عنایت سے نوازتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے فردوس! میرے محبوب بندوں کے لیے حسن و جمال میں بڑھتی رہ اور خوشبو میں اضافہ کیجئے۔

حدیث شریف (۳) حدیث شریف میں ہے کہ اسے ہر روز پانچ بار کھولا جاتا ہے۔

ف: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ تبیان اور روایت ہذا میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی تناقض

نہیں اس لیے کہ تبیان کی روایت میں تفصیل اور روایت ہذا میں اجمال ہے وہ اس لیے کہ ہماری نمازیں اگرچہ پانچ ہیں لیکن دراصل تو شب معراج پچاس فرض ہوئیں تو اب ہمیں پچاس نمازوں کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ بحث معراج میں ہم نے بیان کیا ہے۔

حدیث شریف (۴) اللہ تعالیٰ نے جنۃ الفردوس کے باغات بلا واسطہ اپنے دست قدرت سے بوئے اور فرمایا کہ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم کہ اس میں شرابی اور دیوث (بے غیرت) داخل نہیں ہوگا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیوث کون ہے؟ آپ نے فرمایا: دیوث وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے زنا و فواحش پر راضی ہو۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

تفسیر بحر العلوم میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف (۵) اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ جنۃ الفردوس کا میدان بچھا کر اس پر محلات تیار فرمائے اس پر اینٹ خالص سونے کی لگائی گئی اور اس پر مشک خالص لگائی گئی اور اس میں پاکیزہ اور بہترین باغات لگائے گئے اور بہترین خوشبودار پھول تیار کیے گئے اور اس میں بہترین نہریں جاری کی گئیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عرش معلّٰے سے بہشت کو نظرِ عنایت سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ تجھ میں شرابی اور زانی داخل نہیں ہوں گے۔

سوال: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ جب جنۃ الفردوس مقربین حضرات کے لیے مخصوص کی گئی ہے تو پھر اعمال صالحہ کے مراتب خاصہ وعامہ کا امتیاز کس طرح ہوگا؟

جواب: اعمال صالحہ اور ایمان علے وجہ الکمال پر جنۃ الفردوس کے مراتب کا ترتب ہوگا مثلاً جس نے پہلے تو ایمان دلیل برہانی سے قبول کیا پھر اسے مشاہدہ نصیب ہوگیا اور باطن کو صاف کر کے ظاہری احکام کو شرائط کے مطابق بجالایا یعنے جس طرح شریعت کا حکم ہے ویسے ہی پابندی کر کے مخلصانہ طور پر عبادت کی اور قانون طریقت کو بھی مدنظر رکھا۔ ایسے لوگ جامع الایمان والاعمال الصالحہ کہلاتے ہیں انہی میں آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر بھی داخل ہیں۔ حضرت کعب نے اپنی تفسیر میں یونہی فرمایا ہے۔ اسی لیے کہ کسی کو نیک راہ پر لگانا اور برائی سے روکنا بھی بہت عمدہ عمل ہے اور اس کا عامل اونچے لوگوں سے شمار ہوتا ہے۔

ف: جیسے والئک الذین کفروا الخ میں کافروں کے سب سے بدترین گروہ کا بیان تھا۔ اب اہل ایمان کے اعلیٰ ترین لوگوں کا ذکر ہوا۔ تصرف الاشیاء باضدادھا کے مطابق متضاد امور سے شئے کی بلندی وپستی کا علم ہوتا ہے۔

ف: لقا سے مراد رؤیت ہے اس لیے کہ انسان پہلے آیات پر لاتا ہے اس کے بعد اسے علم اور غیب و آثار الی العین اور شہادت اور انوار سے ترقی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ اس کے بعد مضمون "فمن کان یرجوا الآیۃ" سے واضح ہوتا ہے۔ فافہم۔ (واللہ اعلم)

ہم اللہ تعالیٰ سے فردوس بلکہ اس کے تجلیات جمالیہ اور کاسات وصالیہ کی لذت کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنیست

اسیر عشق تو از ہر دو کون آزاد ست

ترجمہ: تیرے در کا گدا آٹھوں بہشتوں سے بے پرواہ ہے تیرے عشق کا قیدی دونوں جہانوں سے آزاد ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے کہ ہوجاتے دریا کا پانی۔

ف: کاشفی نے کہا کہ اس سے وہ دریا مراد ہے جو روئے زمین کو محیط ہے اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے تمام دریا مراد ہیں۔

مِدَادًا بمعنے نقش۔ جمع ہر وہ شے جس سے حروف لکھے جائیں یعنے سیاہی۔

شانِ نزول: حی بن اخطب نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ تمہارے قرآن کا دعوےٰ ہے:

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا — جسے حکمت عطا ہوتی ہے اسے خیر کثیر عطا ہوتی ہے۔

اس کے باوجود پھر کہتا ہے:

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا — تم تو تھوڑا سا علم دیئے گئے ہو۔

اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ تورات خیر کثیر ہے اور وہ ہم (یہودیوں) کو نصیب ہے۔ اس کے باوجود تم اے مسلمانو! ہمیں جاہل کہتے ہو۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ ہم اہل اسلام بہت کچھ خیر و بھلائی رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کے خیر و بھلائی اور علم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے ؎

علم ہا از بحر علمش قطرۂ

این چو خورشید است و آنہا ذرۂ

گر کسے در علم صد لقمان بود

پیش علم کاملش نادان بود

ترجمہ: جمیع علوم اللہ تعالےٰ کے علم کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہیں اس کے علوم کو سورج کی طرح سمجھئے باقی جملہ مخلوق کا علم ایک قطرہ۔

اگر کوئی سو لقمان کی طرح علم والا ہو تب بھی اللہ تعالےٰ کے سامنے نادان ہے۔

اس لیے کہ اگر تمام دریا سمندر سیاہی ہوجائیں۔ لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ میرے رب تعالےٰ کے علوم و حکمت کے کلمات کے لیے یعنے اس کے معلومات و حکمتوں کو لکھنے کے لیے دریاؤں کے پانی کو سیاہی بنا کر لکھے جائیں۔

ف: تفسیر الجلالین میں ہے کہ لکلمات ربی سے ان کی کتابت مراد ہے یعنے اس کی حکمتیں اور ان کے عجائبات لکھے جائیں۔ کلمات سے ان کی تعبیرات مراد ہیں۔

لَنَفِدَ الْبَحْرُ تو تمام دریاؤں کے پانی ختم ہوجائیں گے یعنے باوجودیکہ دریا بکثرت ہیں اور ان کا پانی بہت ہے لیکن کلمات

الٰہی کو لکھتے لکھتے ختم ہو جائیں گے اس لیے کہ دریا کا پانی اجسام ہیں اور ہر جسم متناہی ہے۔ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ پہلے اس کے کہ میرے رب کے کلمات یعنی اس کے معلومات و حکمتیں ختم ہوں اس لیے کہ اس کے علم کی طرح وہ بھی غیر متناہی ہیں۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلماتِ رب تعالیٰ متناہی ہیں حالانکہ وہ متناہی نہیں؟

جواب : اس کلام سے دریاؤں کے متناہی ہونے کا اظہار مطلوب ہے وہ ان کا متناہی ہونا کلماتِ ربی کے متناہی ہونے کو مستلزم نہیں۔

سوال : کلمات جمع قلت ہے حالانکہ یہاں جمع کثرت لانا چاہیئے تھا یعنے کلمہ ربی کہنا تھا؟

جواب : تاکہ تنبیہ ہو جاتے کہ جب دریاؤں کا پانی اس کے چند کلمات کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ان کا اس کے جملہ کلمات سے مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

سوال : ابو القاسم الفزاری نے الاسئلۃ المقحمہ میں فرمایا کہ کلمات، جمع کیوں کہا گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ تو ایک ہے یعنے اس کی صفتِ کلام جو قدیم ہے وہ احد ہے۔

جواب : اس سے اس کے معانی مراد ہیں اور ان کے کلام کے معانی لانہایۃ ہیں اور قاعدہ ہے کہ صفات قدیمہ کے متعلقات بھی قدیم ہیں اسی لیے فلاسفہ یہاں غلطی کھا گئے کہ ہر وہ کلمہ جو قرآن مجید میں واقع ہے اس سے روح مراد ہے اس معنے پر روحِ انسانی کو وہ قدیم مانتے ہیں اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ظاہر ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا۔

حالتِ زار

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میں نے اپنے بعض معاصرین کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو محققین کہلاتے ہیں اور کلامِ الٰہی کی تحقیق میں کئی طرح کے تیر پھینکے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے تحقیق کی انتہا کر دی کبھی اپنی تحقیق کو تعریفاً بیان کرتے ہیں کبھی تصریحاً میں اپنے ساتھیوں (اہلسنت) کو عرض کرتا ہوں کہ ایسے غلط قسم کے محققین سے بچ کر رہو اس لیے کہ یار لوگوں نے پرانے فلسفیوں کا مذہب زندہ کرنے کی ٹھانی ہے لیکن اسلام نے ان کی باتوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے اگرچہ ان کی بعض باتیں اچھی ہیں لیکن بحث میں الجھ کر، بندہ کبھی اپنا نقصان کر بیٹھتا ہے اور ایسی باتیں بھی رائج ہو جاتی ہیں جن سے ہمارا (اسلامی لحاظ) سے کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوتا۔

وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝ اگرچہ ہم ان دریاؤں کی مثل اور سو دریا لائیں۔

ف : کاشفی نے کہا ہے کہ اگر ہم مدد کے طور پر دریائے محیط اور لائیں۔ مددا تمیز ہے زیادہ کر کے بطور مدد کے تو بھی دریاؤں کی سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اس لیے کہ کلماتِ الٰہی غیر متناہی ہیں۔ اس معنے پر اس کی جزاء محذوف ہو گی اس لیے کہ حرف لَوْ اوّل کی جزاء اس پر دلالت کرے گی اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل عبارت یوں ہو کہ :

ولو جئنا بمثلہ مددا ما نفدت کلمات اللہ ۔

یہی موزوں ترین اور اوفق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت

کلمات اللہ[1]

نیز اس میں دریاؤں کے ختم ہونے اور اللہ تعالٰے کے کلمات کے غیر متناہی ہونے کی تصریح ہے اگرچہ اس میں کلام بڑھ جاتا ہے لیکن مقصد کے قریب تر ہی زیادہ مناسب ہے۔ (کذافی بحر العلوم)

ف: الارشاد میں ہے کہ قولہ تعالٰے لو جئنا الآیۃ کا جواب منجانب اللہ ہے یہ اس کلام میں داخل نہیں جسے تلقین کے طور پر کلام کے مضمون کو پختہ کرنے کے لیے بولا جاتا ہے، واؤ عاطفہ ہے۔ جملہ کا اپنے ہم مثل جملہ پر عطف ڈالا گیا ہے یعنے کلماتِ الٰہی بالکل ختم ہونے والے نہیں اگرچہ دریاؤں کے پانی کی مثل اور دریا بھی لائے جائیں یعنے اگرچہ ہم اپنی قدرت کاملہ سے ان دریاؤں کی مثل اور بھی لبطور مدد کے پیدا فرمادیں تو سب ختم ہو جائیں گے لیکن کلماتِ الٰہی غیر متناہی ہیں بلکہ جمیع عوالم میں جمیع اکوان ختم ہوں گے لیکن کلماتِ الٰہی کا انتہا محال، اس لیے کہ جمیع اکوان اجسام ہیں اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جملہ کائنات کو فنا ہے اور صفاتِ الٰہی کو بقا۔

سوال: ادھر تم کہتے ہو کہ اللہ قادر علے مقدورات غیر متناھیۃ پھر کہتے ہو: حدوث مالانہایۃ لہ محال یعنے پہلے کہتے ہو کہ اللہ تعالٰے مقدوراتِ غیر متناہیہ پر قادر ہے، پھر کہتے ہو' مالانہایہ شئے کا حدوث محال ہے۔ یہ دو متضاد عقیدے کیوں؟

جواب: قادریتِ حق کا معنے یہ ہے کہ اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں کہ جس کے لیے کہا جائے کہ اس کے بعد ایجاد ہوگی۔ (کذا قال الامام) یعنے اس سے ممکنات کی تناہی کا عدم لازم نہیں آتا۔

ف: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ اور پیرومرشد قدس سرہٗ نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا کہ کلمات سے اللہ تعالٰے کا علم و حکمت ظاہرہ مُراد ہے یعنے وہ کلمات جنھیں اللہ تعالٰے کی معلومات اور جن سے حکمت الٰہی کا تعلق ہو، سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آیت میں جو لفظ قبل" واقع ہے اس کا حقیقی معنے مراد نہیں۔ بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ دریاؤں کے پانیوں کا خاتمہ ممکن ہے لیکن کلماتِ الٰہی کا خاتمہ ممتنع ہے۔

سوال: یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ تم کہتے ہو کہ کلمات سے معلومات محکومہ و مقدورہ جیسے ممکنات مراد ہیں اور یہ تمھارے عقیدے کے خلاف ہے اس لیے مانا کہ ممکنات کو فنا ہے لیکن ممتنعات تو نہیں اور نہ معلومات میں داخل ہیں اس سے لازم آیا کہ وہ نہ اللہ تعالٰے کی معلومات میں ہیں اور نہ ان کو فنا ہے۔ اس سے (معاذ اللہ) اللہ تعالٰے پر جہل و غفلت کا الزام بھی آتا ہے اور وہ اس سے منزہ و مقدس ہے اور اس کے لیے ایسے تصورات دل میں لانا بھی کفر ہے۔

جواب: پہلے اس آیت کا مفہوم ذہن میں رکھئے۔ بارہا عرض کیا گیا ہے کہ دریاؤں کے پانی کو سیاہی بنا کر اگر کلماتِ ربّی کو لکھنا شروع کیا جائے تو دریا کے تمام قطرات ختم ہو جائیں گے یہاں تک کہ اس کے بعد ایک قطرہ بھی باقی نہ ہوگا کہ جس سے کچھ لکھا جا سکے اس لیے

---

[1]: سورہ لقمان، رکوع ۳۔

کہ دریاؤں کے قطرات متناہی ہیں اور معلومات باری تعالٰے غیر متناہی اگرچہ اس طرح کے سات اور دریا سے کہ کلمات الٰہی لکھے جائیں۔ تب بھی وہی نتیجہ نکلے گا کہ قطرات دریا ختم ہو جائیں گے اور معلومات باری تعالٰے غیر متناہی ہیں اسی لیے وہ ختم نہ ہوں گے اصلی مقصد سمجھنے کے بعد اب اصلی جواب سمجھئے وہ یہ کہ معلومات سے مطلق معلومات مراد لیئے جائیں یعنے وہ اشیاء کہ جن سے اللہ تعالٰے کے علم کا تعلق ہے خواہ وہ ذات باری تعالٰے ہو یا اس کے صفات و اسماء یا ان کے ماسوا موجودات ممکنہ ہوں یا معدومات ممتنعہ۔ اس طرح سے نفس سوال کا جواب حاصل ہوا۔ اگرچہ وہ اعتراض باقی رہا کہ ممتنعات اللہ تعالٰے کے علم میں نہیں اس سے نفس سوال کا طویل ہے جو علم کلام سے تعلق رکھتی ہے اور نفس سوال کا جواب یہی ہوا کہ معلومات باری تعالٰے غیر متناہی ہیں اور ہم نے بھی کلمات سے وہی معلومات مراد لیے ہیں کہ جنھیں اللہ تعالٰے کے علم سے تعلق ہے خواہ ان پر معلومات کا اطلاق ہو یا نہ ہو جیسے ذات و صفات باری تعالٰی باوجودیکہ وہ معلومات ہیں لیکن ان پر معلومات کے بجائے کلمات کا اطلاق ہوتا ہے ہماری اس تقریر سے معلوم ہوا کہ کلمات کی تفسیر معلومات کے بجائے محکومات و مقدورات سے کی جائے تو بہتر ہے تاکہ فلاسفہ کا مذکورہ بالا اعتراض وارد نہ ہو۔ ویسے کلمات کو جب رب تعالٰے کی طرف مضاف کیا گیا تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کلمات سے محکومات و مقدورات مراد ہوں۔

سوال: کلمات کو ممکنات سے تعبیر کرنا صحیح نہیں کیونکہ کلماتِ الٰہی ممکنات نہیں؟

جواب: ممکنات کو کلمات سے تعبیر کرنا تسمیۃ المسبب باسم السبب کے قبیل سے (مجازاً) ہے اس لیے کہ وہ کلمہ 'کُن' سے بنے ہیں۔ کما قال تعالٰے:

انما امرہ اذا اراد شیاء۔ الخ

خلاصہ یہ کہ دریاؤں کا پانی ختم ہونا امر واقعی یا فرضی ایک ذاتی امر اور مطلقاً غیر معلل ہے ان کے پانی کو سیاہی بنایا جائے یا نہ اس لیے کہ وہ اجسام ہیں اور اجسام کو یقیناً فنا ہونا ہے اور کلمات الٰہی نہ واقعہ فانی ہوں گے اور نہ فرضاً اور ان کا ایسے ہونا امر ذاتی اور ازل سے غیر معلل ہے کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے غیر متناہی ہیں اور ان کے لیے فانی ہونا ممتنع بالذات ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ صورت میں تمہاری طرح آدمی ہوں۔ اور بعض صفات بشریہ میں مَیں تمہارے مساوی ہوں۔ يُوحَىٰ إِلَيَّ میرے رب تعالٰے کی طرف سے میرے ہاں وحی اتاری جاتی ہے۔ إِنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ بے شک میرا اور تمہارا معبود ایک ہے اور وہ منفرد فی الالوہیۃ ہے نہ ذات میں اس کا کوئی ثانی ہے اور نہ صفات میں اس کا کوئی شریک ہے یعنے میں اپنی بشریت[1] کا معترف ہوں لیکن یہ بات بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالٰی

---

[1] ہمارا اور وہابیہ کا بشریت مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم میں اس لیے اختلاف نہیں کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام بشر ہی نہیں۔ یہ ان کا ہمارے اوپر بہتان ہے بلکہ اختلاف یہ ہے کہ بشریت حضور علیہ السلام کی حقیقت نہیں۔ اور وہابی، دیوبندی اور مودودی اور ان کے ہم نوا تمام فرقے کہتے ہیں کہ بشریت حضور علیہ السلام کی حقیقت ہے۔ ہمارے دلائل تفسیر اویسی میں ہیں۔ ۱۲۔ (اویسی غفرلہ)

نے مجھے نبوت ورسالت سے نوازا ہے اور اس معنے پر میں تم سے ممتاز ہوں ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بشریت اور استعداد انسانیت میں تمام بنو آدم برابر ہیں یعنے بشریت سب کی حق ہے نبی ہوں یا ولی یا مؤمن ہوں یا کافر، بایں معنے برابر ہیں کہ معبود سب کا ایک ہے الہ العالمین اور صمد لم یلد ولم یولد، ولم یکن لہ کفوًا احد اس کی شان ہے۔ اس برابری کے بعد فضائل کے لحاظ سے درجات اور بلندی ہر ایک مراتب پر ہے مؤمن کو کافر پر ایمان کی وجہ سے ولی کو غیر ولی پر ولایت کے لحاظ سے نبی کو نبوت ورسالت اور وحی ومعرفت کے لحاظ سے غیر نبی پر فضیلت ہے ۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

رہ راست باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ : رہ راست ہونا لازمی ہے نہ اور مراتب۔ اس لیے کہ کافر بھی تو ہمارے ہم شکل ہیں ۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا ۔ یہ شرط ہے فلیعمل اس کی جزاء ہے یعنے جو بھی امید رکھتا ہے ۔ **لِقَآءَ رَبِّهٖ** اپنے رب تعالےٰ کے دیدار کی ۔

ف : الارشاد میں ہے کہ کان استمرار کے لیے ہے توقع وصول الخیر فی المستقبل مستقبل میں خیر حصول کی توقع کو عربی میں الرجاء کہتے ہیں اور لقاء ربہ سے کرامت، حق مراد ہے ۔

مسئلہ : امام صاحب نے تفسیر میں فرمایا کہ اہل سنت کے نزدیک لقا الرب سے دیدار الٰہی مراد ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ دیدار الٰہی آخرت میں بھی نہ ہوگا اسی لیے یہاں لقاء سے مراد ثواب ہے اور لقاء بمعنے رضا مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے ۔ لقیہ۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو کسی پر خوش ہوجاتے ۔ (کذا فی القاموس)

فَلْيَعْمَلْ تو اپنے مطلوب عزیز کے حصول کے لیے عمل کرے ۔ **عَمَلًا صَالِحًا** ۔ وہ نیک عمل جن سے رب تعالےٰ راضی ہو ۔

ف : الانطاکی نے فرمایا کہ جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالےٰ کے ہاں آخرت میں حاضر ہونا ہے تو اس پر لازم ہے کہ ایسے نیک اعمال کرے جن سے اللہ تعالےٰ راضی ہوجاتے اور الرجاء بمعنے خوف وامید ہے ۔ (کذا فی البغوی)

ف : حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عمل صالح سے وہ نیک عمل مراد ہے جس میں ریاء کی ملاوٹ نہ ہو ۔ حضرت ابوعبداللہ قرشی نے فرمایا کہ عمل صالح وہ ہے جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہو، ظاہرًا بھی انہی کی سنت پر عمل کیا جائے اور باطنًا بھی ! اور باطنًا سے مراد یہ ہے کہ توجہ الی اللہ اور انقطاع عن سوی اللہ ہو، اس عمل میں ثواب کی طلب ہو نہ بہشت کی تمنا یعنی ماسوی اللہ سے آنکھیں بند کردے اس وقت کھولے جب مشاہدۂ حق نصیب ہو ۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے لیے فرمایا :

ما زاغ البصر وما طغیٰ۔

؎

روئے از ہمہ برتافتم و سوئے تو کردم
چشم از ہمہ بربستم و دیدار تو دیدم

ترجمہ: سب سے منہ موڑ کر صرف تیری طرف متوجہ ہوں۔ آنکھیں سب سے بند کر دی ہیں صرف تیرے دیدار کا عاشق ہوں۔

وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اور اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔

ف: ابوالبقاء نے بعبادۃ ربہ کا معنے فی عبادۃ ربہ کیا ہے یا باء سببیہ ہے یعنے اپنے رب تعالےٰ کی عبادت کے سبب سے کسی دوسرے کی پرستش نہیں کرتا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ نہ اشراک جلی کا مرتکب ہوتا ہے جیسے کفار مکہ نے کیا اور نہ ہی اشراک خفی جیسے اہلِ ریا کرتے ہیں یا جو عبادت الٰہی ثواب کے طمع پر کرتا ہے وہ بھی صوفیاء کے نزدیک مشرک ہے۔

نکتہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ولایشرك بہ کے بجائے لا یشرك بربہ میں اشارہ ہے کہ جو بندہ نیکی کر کے اس خیال میں ہوتا ہے کہ اس کی اس نیکی پر تعریف ہو تو وہ بھی شرک میں مبتلا ہے بلکہ نیکی کر کے رضائے الٰہی کا طالب ہو اور سمجھے کہ یہ میرے رب تعالےٰ کی عنایت کردہ توفیق سے ہوئی ہے ورنہ میں کون اور عبادتِ الٰہی کہاں!

شانِ نزول حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو عبادت میں رضائے الٰہی کے ساتھ لوگوں کو خوش کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت جندب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں نیک عمل تو صرف رضائے الٰہی پر کرتا ہوں لیکن جب کوئی میری نیکی پر مطلع ہو جاتا ہے تو میں خوش ہو جاتا ہوں۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس عبادت میں اللہ تعالےٰ کے غیر[1] کی خوشی کا خیال ہو جائے تو اس عبادت کو اللہ قبول نہیں فرماتا۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی کی تصدیق میں آیت ہٰذا نازل ہوئی۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ اس پر تجھے دو ثواب ہیں ایک چھپ کر کرنے کا دوسرا اس کے ظاہر ہو جانے کا۔

سوال: ایک ہی حدیث شریف میں دو متضاد اقوال کیوں؟

جواب: نیت کے مطابق حضور علیہ السلام نے فرمایا تاکہ پتہ چل جائے کہ عبادت میں غیر کی خوشنودی مطلوب تو نہیں تھی لیکن اچانک

---

[1]: اس سے خود حضور علیہ السلام مستثنیٰ ہیں جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت سی عبادات میں حضور علیہ السلام کی خوشنودی کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔ فافہم ولا تکن من الجاہلین۔ ۱۲۔

کسی کو معلوم ہو جائے اس سے خوشی حاصل ہو تو اس عبادت سے دو ثواب نصیب ہوں گے۔ اگر چھپ کر بھی عبادت کرے لیکن اس کا جی چاہے کہ اس کی عبادت پر کوئی مطلع ہو تو ایسی نیت کی وجہ سے وہ عبادت قابل قبول نہیں۔

ف: پہلی بات بفضلہٖ تعالٰی کاملین اولیاء مخلصین فی اللہ معرضین عن اللہ میں پائی جاتی ہے۔

مسئلہ اگر غیر دین کو عدم اطلاع تہمت کا موجب بن جائے مثلاً فرائض و واجبات کی چھپ کر لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ شخص فرائض و واجبات ادا نہیں کرتا تو اسے فرائض و واجبات علانیہ ادا کرنے چاہئیں[1] تاکہ اس طرح کی ادائیگی سے فرائض و واجبات کا دوہرا ثواب نصیب ہو۔

مسئلہ: جو شخص عبادات اس لیے کھلم کھلا ادا کرتا ہے تاکہ اس کی نیکی کا چرچا ہو تو یہی ریار اور شرک خفی ہے۔ لازم ہے کہ عبادات نافلہ چھپ کر ادا کی جائیں تاکہ ریار کے غلط ارادے سے عمل ضائع نہ ہو۔

حکایت حضرت عبداللہ بن غالب رحمہ اللہ تعالٰی کی عادت تھی کہ اپنے حلقہ احباب میں روزانہ بتاتے کہ آج میں نے اتنا عبادات نافلہ ادا کی ہے، قرآن مجید کی اتنی مقدار تلاوت کی ہے اور اتنے نوافل پڑھے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بعض احباب نے عرض کی یا ابا الفراس آپ جیسوں کے لائق نہیں کہ اپنے منہ میاں مٹھو بن کر اپنی تعریف کرے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالٰی فرماتا ہے:
واما بنعمۃ ربک فحدث (میں اللہ تعالٰی کی عطا کردہ توفیق کی نعمت کا اظہار کرتا ہوں۔ اور تم کہتے ہو کہ اللہ تعالٰی کی نعمت کا اظہار نہ ہو۔

مسئلہ اظہار لطف الٰہی کے لیے اور اس لیے کہ اس کی عبادات نافلہ کے مطابق دوسرے اقتدار کریں گے تو اظہار جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسے اپنے اوپر اعتماد ہو کہ اس کے اظہار سے ریار کا شائبہ نہ ہوگا تو جائز تو ہے لیکن اسے چھپانا افضل ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کو اہل ریار اہل شہرت سے تشبہ مطلوب ہے تو اس کی سزا اتنی کافی ہے کہ اسے اہل ریار سے تشبہ کا قصد ہے۔ (کذا فی الکشاف فی سورۃ والضحٰی)

ف: یہ آیت علم و عمل کا خلاصہ ہے یعنی انسان پر لازم ہے کہ اپنے عمل میں توحید الٰہی کا عقیدہ کے بعد اخلاص کا دامن نہ چھوڑے۔
شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز است

---

[1] : ہمارے دور کے بعض جہلا اپنے بے عمل اور بے نماز اور تارکین فرائض و واجبات پیروں کے متعلق تصور رکھتے ہیں کہ وہ چھپ کر عبادت بجا لاتے ہیں۔ یہ تصورات جاہلانہ ہیں بلکہ بہت سے جاہل پیر ایسی باتیں اپنے مریدین کو سمجھاتے ہیں اور اسی پر انھیں پختہ کرتے ہیں۔
(اویسی غفرلہٗ)

چہ زنار مغ درمیانت چہ دلق
کہ در پوشی از بہر پندار خلق
بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

ترجمہ: (۱) عبادت خالص نیت سے بہتر ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔
(۲) بت پرست کا زنار ہو یا اللہ والوں کی گودڑی برابر ہے جب کہ وہ پہناوا خلق خدا کے دکھاوے پر ہے۔
(۳) ریار کا کپڑا پہننا آسان ہے اگر اسے اللہ کے نام پر بیچنا چاہتا ہے تو اسے بیچ ڈال)

مسئلہ: بحرالعلوم میں ہے ریار ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس میں غیر اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو۔

احادیث مبارکہ در مذمت ریار

حدیث شریف (۱) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت سے شرک کے ارتکاب سے بہت بڑا خوفزدہ ہوں اس سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ سورج یا چاند یا کسی درخت یا بت کی پرستش کریں گے بلکہ عمل کریں گے تو اس میں غیر اللہ کی خوشنودی کو دخیل بنائیں گے۔

مسئلہ: الاشباہ و النظائر میں ہے کہ روزہ میں ریار کو کسی قسم کا دخل نہیں یہ اس وقت ہے کہ جب کہ اپنے آپ کو بھوکا مار کر لوگوں کو ظاہر نہ کرے کہ میں روزہ سے ہوں زبان حال سے یا زبان قال سے ورنہ اس میں بھی ریار کو دخل ہے۔

حدیث شریف (۲) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ریار کے طور پر نماز ادا کرے تو اس نے اللہ تعالےٰ سے شریک ٹھہرایا اور جس نے ریار کے طور پر روزہ رکھا تو وہ بھی مشرک ہوا۔ اس کی تصدیق میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی: فمن کان یرجوا لقآء ربہ الآیۃ (کذا فی الحدادی)

مسئلہ: حدیث شریف کی وعید صدقہ، حج اور تمام عبادات کے لیے ہے۔

~~~

مرائی ہر کسے معبود سازد
مرائی را ازان گفتند مشرک

ترجمہ: چونکہ ریار کار ہر شخص کو معبود بناتا ہے اسی لیے اسے صوفیار نے مشرک کا لقب دیا۔

حدیث شریف (۳) ہر ریار کار پر بہشت حرام کی گئی ہے۔

مسئلہ: نیکی اچھے لباس اور اچھی صورت بنانے کا نام نہیں بلکہ نیکی مسکینی اور پروقار رہنے کا نام ہے سے
~~~

کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید
بنزدیک من شب رو راہزن
بہ از فاسق پارسا پیرہن !

ترجمہ : جس کا لباس تو نہایت بہترین لیکن عادات گندے ہیں میرے نزدیک ڈاکو اور چور اس فاسق سے بدتر ہے جو ظاہر میں پارسا بنا ہوا ہے[1]

حدیث شریف (۴) قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اولین و آخرین کو جمع کر کے اعلان کرائے گا کہ جس نے نیک اعمال غیروں کو خوش کرنے کے لیے تھے انھیں اپنے اعمال کی جزا انہی سے جا کر طلب کرنی چاہیے مجھے کسی شریک کی ضرورت نہیں۔

ز عمرو اے پسر چشم اجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار !

ترجمہ : زعمرو سے مزدوری کی امید نہ رکھو جب تم زید کے گھر کا کام کرتے ہو۔

حدیث شریف (۵) جہنم میں ایک ایسی وادی ہے جس سے دوزخ کے دوسرے طبقات دن میں سو بار پناہ مانگتے ہیں وہ طبقہ ریاکاروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

حدیث شریف (۶) شرک اصغر سے بچو۔ عرض کی گئی شرک کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ریاکاری شرک اصغر ہے۔

حدیث شریف (۷) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کے لیے شرک خفی کا زیادہ خطرہ ہے اسی لیے اے میرے امتیو ! تم شرک خفی کے تمام امور سے بچو کیونکہ شرک خفی تمھارے اندر ایسے گھسا ہوا ہے جیسے چیونٹی اندھیری رات میں سفید پہاڑ پر چلے یہ بات لوگوں کو بہت سخت محسوس ہوئی ان کی اس پریشانی کو دیکھ کر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں ایک ایسی دعا سکھاتا ہوں جس کے پڑھنے سے نہ شرک خفی تمھارے اندر رہے گا نہ شرک جلی وہ دعا یہ ہے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ	الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی چیز کو
شَیْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِہٖ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَآ	تیرا شریک بناؤں اور مجھے اس کا علم ہو اور میں معافی مانگتا
اَعْلَمُ بِہٖ تُبْتُ عَنْہُ وَتَبَرَّاْتُ مِنَ الْکُفْرِ	ہوں تجھ سے اس (گناہ) سے جس کا مجھے علم نہیں۔ میں نے اس
وَالشِّرْکِ وَالْکِذْبِ وَالْغِیْبَۃِ وَالْبِدْعَۃِ	سے توبہ کی اور بیزار ہوا کفر سے اور شرک سے اور جھوٹ سے اور

---

[1] حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دور میں اس قسم کے بھیڑیے بہت ہیں جن کا ظاہر دیکھو حضر نظر آئیں گے لیکن باطن بھیڑیئے سے بھی بدتر۔ پناہ بخدا۔ ۱۲

وَالنَّمِیْمَۃِ وَالْفَوَاحِشِ وَالْبُہْتَانِ وَالْمَعَاصِیْ کُلِّہَا وَاَسْلَمْتُ وَاَقُوْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ۔ (کذا فی عین المعانی)

غیبت سے اور بدعت سے اور چغلی سے اور بے حیائی کے کاموں سے اور تہمت لگانے سے اور (باقی) ہر قسم کی نافرمانیوں سے اور اور میں نے اسلام قبول کیا اور کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں ۔

حکایت خلفاء راشدینؓ میں سے کسی ایک کا واقعہ ہے کہ وضو کرنے کے لیے اٹھے تو آپ کے کسی خادم نے لوٹا اٹھا کر وضو کرانے کا ارادہ کیا تو آپ نے روک کر فرمایا کہ مجھے شرک خفی کا خطرہ ہے اس کی دلیل میں یہی آیت پڑھی ۔ فقیر (حقی) کہتا ہے میرا گمان ہے کہ ان سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں ۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ لابی القاسم الفزاری رحمہ اللہ الباری) ۔

نکتہ : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تقوےٰ کا حال معلوم ہوا کہ آپ نے ریاء کی طرح وضو میں استعانت عن الغیر کو بھی شرک میں داخل فرمایا اور وہ آیت فمن کان یرجوا لقاء ربہ الخ کے عموم کے پیش نظر ۔ جیسے امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ نے "اولامستم النساء" میں عموم کے پیش نظر عورت کو صرف ہاتھ لگانے سے نقض وضو کا حکم صادر فرمایا ہے ۔

مسئلہ : ہم احناف کے نزدیک بھی عزیمت یہی ہے کہ عورت کو ہاتھ وغیرہ لگ جائے تو وضو کا اعادہ مستحب ہے اگر کوئی نہ کرے تو بھی جائز ہے اسے رخصت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وضو کر لینے کو عزیمت سے ۔ یہ فقہا کرام کی ایک اصطلاح ہے ۔

فضائل سورۃ کہف

(۱) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورہ کہف کے اوّل سے دس آیتیں یاد کیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا ۔ (رواہ مسلم فی صحیحہ والبوداؤد والنسائی)

ف : ابن ملک نے فرمایا کہ حدیث شریف میں الدجال کے لفظ میں الف، لام عہدی ہے اس سے وہی مخصوص دجال مراد ہے جو قرب قیامت میں آئے گا لیکن بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ یہ الف لام جنسی ہے اور اس سے تمام دجال مراد ہیں ۔ اور اصطلاح محدثین میں دجال وہ ہے جو جھوٹ اور تلبیس کا بکثرت ارتکاب کرے ۔

حدیث شریف میں ہے کہ آخری زمانہ میں متعدد دجال پیدا ہوں گے ۔

ف : تمام اہل ہوا اور اہل بدعت (پرویزی، چکڑالوی، نیچری، شیعہ، خاکساری، مرزائی، نجدی، وہابی، مودودی[۱]) اپنے زمانہ کے دجال ہیں ۔

نکتہ : ان دس آیات کو پڑھنے سے دجال کے فتنہ سے حفاظت اس لیے نصیب ہوگی کہ اس سورت میں اصحاب کہف (اولیاء کرام) کا ذکر ہے ۔ جیسے ان حضرت نے اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگی تو انہیں دقیانوس کے شر سے حفاظت نصیب ہوئی، اسی طرح اس

---

[۱] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ

سورت کے قاری کو دجال کے فتنے سے محافظت نصیب ہوگی اور ان (اولیاء) کی برکت سے دین متین پر اسے ثابت قدمی نصیب ہوگی۔

(۲) نسائی کی روایت میں ہے کہ جس نے سورۃ کہف کی آخری دس آیتیں حفظ کیں تو وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

(۳) جس نے سورۃ کہف کو ویسے پڑھا جیسے نازل ہوتی ہے تو اس کی قبر سے مکہ تک نور ہی نور ہوگا جس نے اس کی آخری دس آیات یاد کرلیں تو اس پر دجال کا تسلط نہیں ہو سکے گا۔ (عن ابی سعید الخدری عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم، رواہ الحاکم)۔

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھی تو قیامت میں اس کے قدم سے لے کر آسمان تک نور چمکے گا اور اس کے دو جمعوں کے درمیان کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(۵) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ کہف کو جمعہ کی شب پڑھتا ہے اور بیت العتیق کے درمیانی فاصلہ تک اس کے لیے نور ہی نور ہوگا۔ (رواہ الدارمی فی مسندہ موقوفا علے ابی سعید رضی اللہ عنہ، کذافی الترغیب والترہیب للامام المنذری)۔

(۶) تفسیر تبیان میں ہے کہ عبداللہ بن فروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں ایسی سورت سے کہ جب وہ نازل ہوئی تو جس کی عظمت نے زمین و آسمان کے درمیانی خلا کو بھر دیا ایسے ہی اس کی پڑھنے والے کو ثواب نصیب ہوگا سب نے عرض کی ہاں ! ہمیں اس سے آگاہ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا وہ سورۃ کہف ہے جو اسے جمعہ کے روز پڑھے گا اس کے آنے والے جمعہ تک کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور مزید براں اور تین روز کے گناہ بھی۔ اور قیامت میں اسے ایسا نور عطا ہوگا جس کی کرنیں آسمان تک پہنچیں گی اور وہ دجال سے بھی محفوظ رہے گا۔

خواص سورۃ کہف

(۱) تفسیر الحدادی میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ کہف کو پڑھتا ہے تو وہ آٹھ دن تک ہر فتنے سے محفوظ رہے گا۔

(۲) جو شخص سوتے وقت اس کی آخری آیت کو پڑھتا ہے تو جب تک بستر سے اٹھتا نہیں تب تک اس کے لیے وہاں سے تا مکہ نور ہی نور ہوتا ہے اور اسی نور کے برابر اللہ تعالٰے کے فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے لیے رحمت کے پھول برساتے رہتے ہیں اور جو مکہ معظمہ میں ہوتا ہے تو اس کے آرام کرنے کی جگہ سے بیت المعمور تک نور ہی نور ہوتا ہے اس کے برابر ملائکہ کرام اسی بندۂ خدا پر رحمت کے پھول برساتے ہوتے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ بستر سے جاگ اٹھتا ہے۔

(۳) تفسیر البیضاوی میں ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نیند سے پہلے قل انما انا بشر مثلکم .... پڑھ کر سوتا ہے تو اس کے بستر سے مکہ معظمہ تک نور چمکتا ہے۔ اسی نور کے برابر ملائکہ کرام اس کے بیدار ہونے تک اس بندے کے لیے رحمت کے پھول برساتے رہتے ہیں۔

رات کے کسی وقت میں بیدار ہونے کا وظیفہ

(۱) فتح القریب میں ہے کہ جو شخص سوتے وقت یہ آیت ان الذین امنوا وعملوا الصالحات..الخ پڑھ کر یہ دعا مانگے :

اللھم ایقظنی فی حب الاوقات واستعملنی باحب الاعمال الیك ۔
اے اللہ تعالیٰ! مجھے اپنے محبوب ترین اوقات میں بیدار فرما اور اپنے محبوب ترین اعمال کے عمل کی توفیق بخش ۔

اللہ تعالیٰ اس بندے کو اسی وقت بیدار فرمائے گا اور اسے قائم اللیل بزرگوں کی فہرست میں لکھے گا ۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص مخصوص وقت میں بیدار ہونا چاہے تو اسے چاہیے کہ سوتے وقت یہ آیت قل لو کان البحر مدادا... الخ پڑھ کر سوتے تو جس وقت چاہے اسے اللہ تعالیٰ بیدار فرمائے گا ۔

مسائل : فقہاء نے بستر میں قرآن مجید کی آیات پڑھنے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف فرمایا ہے ۔

مسئلہ : افضل یہی ہے کہ بستر میں سوتے ہوئے قرآنی آیات نہ پڑھے کیونکہ یہی اقرب التعظیم ہے ۔ (کذا فی شرح الشرعۃ لیحیی الفقیہ)

مسئلہ : ظہیر الدین المرغینانی نے فرمایا کہ بستر میں سوتے ہوتے قرآنی آیات پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ چہرہ لحاف وغیرہ سے باہر ہو۔ اس لیے کہ لحاف بھی انسان کے لباس میں داخل ہے۔ لحاف میں چہرہ کو چھپا کر قرآنی آیات پڑھنا مکروہ ہے ۔ (کذا نقلہ قاضیخان)

مسئلہ : محیط میں ہے کہ زمین پر سو کر قرآنی آیات پڑھنے میں حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ پاؤں سمیٹ سمیٹ کر پڑھے ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں مرنے سے پہلے خواب غفلت سے بیدار فرمائے اور ہمیں روز و شب قرآن مجید پڑھنے کی محبت عطا فرمائے ۔

تفسیر سورہ کہف بروز سوموار ۲۳ رمضان المبارک ۱۱۰۵ھ کو ختم ہوئی ۔

بفضلہ تعالیٰ فقیر اویسی غفرلہ نے بروز جمعہ ۱۹ ذوالحج ۱۳۹۶ھ کو سورہ کہف کے ترجمہ سے فراغت پائی ۔

فصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔
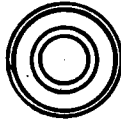
ف : فقیر کا تجربہ ہے کہ آیت ان الذین امنوا..الخ پڑھنے سے مطلوبہ وقت پر جاگ آجاتی ہے اور یہ تجربہ بھی ہے کہ سوتے وقت اپنے نام (ہمزاد) کو کہے کہ مجھے فلاں وقت بیدار کرنا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسی وقت آجاتے گی ایک سیکنڈ کا فرق نہ ہوگا ۔

سورۃ مریم

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ۹۸ رُكُوْعَاتُهَا ۶

سورت مریم مکی ہے اس میں اٹھانوے اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا آیات اور چھ رکوع ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝١ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣ قَالَ رَبِّ

یہ مذکور ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر کی جب اس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا عرض

اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝٤

کی اے میرے رب میری ہڈی کمزور ہو گئی اور سر سے بڑھاپے کا بھبھوکا پھوٹا اور اے میرے رب میں تجھے پکار کر کبھی نامراد نہ رہا

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ

اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے اور میری عورت بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام

وَلِيًّا ۝٥ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا

اٹھالے وہ میرا جانشین ہو اور اولاد یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب اسے پسندیدہ کر اے زکریا ہم تجھے

نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے اس کے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی نہ کیا عرض کی اے میرے رب

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ

میرے لڑکا کہاں سے ہو گا میری عورت تو بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا فرمایا ایسا

كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ
یہی ہے تیرے رب نے فرمایا وہ مجھے آسان ہے اور میں نے تو اس سے پہلے تجھے اس وقت بنایا جب تو کچھ بھی نہ
شَيْـًٔا ۝۹ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ
تھا عرض کی اے میرے رب مجھے کوئی نشانی دیدے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین رات دن لوگوں سے کلام نہ کرے بھلا
سَوِيًّا ۝۱۰ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً
چنگا ہو کر تو اپنی قوم پر مسجد سے باہر آیا تو انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہو
وَّعَشِـيًّا ۝۱۱ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝۱۲ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ
اے یحییٰ کتاب مضبوط تھام اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی اور اپنی طرف سے
لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴ وَسَلٰمٌ
مہربانی اور ستھرائی اور کمال ڈر والا تھا اور اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے والا تھا زبردست نافرمان نہ تھا اور سلامتی
عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵ۧ
ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن مردہ اٹھایا جائے گا

تفسیر سورۂ مریم اٹھانوے (۹۸) آیات ہیں یہ مکیہ ہے سوائے آیت سجدہ کے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحیم ہے

تفسیر عالمانہ کٓھٰیٰعٓصٓ ۝ یہ سورت کا نام ہے اور محلاً مرفوع ہے کیونکہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے دراصل ھذا کھیعص تھا۔ یہ وہ سورت ہے جس کا نام کھیعص ہے۔

سوال: ھذا کا اشارہ کہاں جب کہ وہ مذکور ہی نہیں؟

جواب: اگرچہ مذکور نہیں لیکن مذکور کے ہم مرتبہ ہے گویا وہ حاضر اور محسوس کے حکم میں ہے جیسے کہا جاتا ہے: ھذا ما اشتری فلان یہ وہ ہے جس نے فلاں سے خریدا۔ (کذا فی الارشاد)

تفسیر الشیخ میں ہے کہ یہ قسم ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے۔ اس کی تائید میں بعض دعاؤں میں منقول ہے: یا کھیعص یا حمعسق، یہ ان حروف سے مرکب ہے جن کا ہر ایک حرف اللہ تعالیٰ

کی صفت پر دلالت کرتا ہے مثلاً کاف، کریم وکبیر پر اور ہاء، الہادی سے اور یاء، رحیم پر اور عین علیم وعظیم پر اور صاد، صادق پر۔
یا اس کا معنٰے یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو کافی اور اپنے بندوں کا ہادی، اس کا ہاتھ تمام بندوں کے اوپر ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوق کو جانتا ہے اور اپنے وعدہ کا سچا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ مواہب صوفیاں مواہب الٰہی سے نقل کرتے ہیں یہ وہ کتاب ہے وہ مواہب جو حضرت شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی قدس سرہ پر وارد ہوا اس میں مذکور ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تین صورتیں ہیں:

(۱) بشری۔ کما قال تعالٰے:

انما انا بشر مثلکم

(۲) ملکی۔ کما قال تعالٰے:

لست کاحد ابیت عند ربی

(۳) حقی۔ کما قال تعالٰے:

لی مع الله وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل

اسی لیے من رانی فقد رانی الحق کا معنٰی ظاہر ہوا۔ اللہ تعالٰے نے آپ سے ان تین صورتوں میں علیحدہ علیحدہ طریقہ سے گفتگو فرمائی، صورت بشری میں کلمات مرکبہ سے جیسے قل ھو الله احد اور صورت ملکی کے مطابق حروف مفردہ سے، کما قال: کھیعص اسی طرح کے جملہ حروف مقطعات اور صورت حقی کے موافق کلام مبہم سے، کما قال: فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔

؎

در تنگنائے حرف نگنجد بیان ذوق
زاں سوئے حرف و نقطہ حکایات دیگر ست

ترجمہ: ایسے مقام پہ بیان ذوق میں رسمی حروف کی گنجائش نہیں وہاں کی گفتگو کے لیے حروف ونقطے نرالے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں، سورۃ بقرہ میں لکھا ہے کہ الٓمٓ اسی طرح تمام حروف مقطعات وہ مواضعات ومعمہ جات ہیں جو محب ومحبوب کے درمیان راز ونیاز کی باتیں ہیں جن پر سوائے ان کے اور کوئی مطلع نہیں ہوتا یہ حروف بھی اللہ تعالٰی نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے اس لیے وضع فرماتے ہیں کہ وہاں نہ کسی ملک مقرب کو گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کو۔ باوجودیکہ یہ حروف جبریل علیہ السلام لائے لیکن وہ بھی خود ان کے اسرار ورموز سے بے خبر تھے اور نہ ہی کوئی دوسرا ان پر مطلع ہو سکا۔

جبرئیل علیہ السلام بھی بے خبر تھے

تین علوم: اسئلۃ الحکم میں ہے کہ اللہ تعالٰے نے قرآن مجید میں تین علوم نازل فرمائے:

① ایسا علم جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا وہ ہے ذات حق کی کنہ اور اس کے اسماء وصفات کے حقائق کی معرفت اور اس کے خاص غیوب کے علوم کی تفاصیل انھیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

② اسرار و رموز قرآن کہ جن پر سوائے اپنے نبی علیہ السلام کے اور کسی کو مطلع نہیں فرمایا اور ایسے علوم صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں سوائے حضور علیہ السلام کے اور کسی کو گفتگو کرنے کی اجازت نہیں[1] سورتوں کے اوائل یعنے حروف مقطعات اسی قسم سے ہیں۔ بعض نے کہا اول قسم سے ہیں (اہل سنت کا ترجیحی قول اول ہے[2] دوسرا قول ضعیف اور مرجوح ہے۔

③ ایسے علوم ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں امانت رکھے ہیں اور اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم دے کر حکم فرمایا ہے کہ یہ سب کی سب اپنی اُمت کو بتا دیں۔ ان میں بعض امور جلی ہیں اور بعض خفی۔

تفسیر عالمانہ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝

ترکیب: ذکر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ عبدہ، رحمۃ کا مفعول ہے۔

زکریا بالمد والقصر ان کے والد کا نام آزر تھا۔

زکریا علیہ السلام کا نسب نامہ کاشفی نے لکھا ہے کہ رجیعم بن سلیمان بن داؤد علیہم السلام کی اولاد میں سے تھے۔ بہت بڑے عالیشان پیغمبر اور بیت المقدس کے علماء کے سردار اور صاحب قربان تھے۔

ف: امام صاحب نے فرمایا کہ زکریا علیہ السلام ہارون وموسٰے علیہما السلام کے بھائی کی اولاد سے تھے اور وہ لاوی بن یعقوب بن اسحاق علیہم السلام کی اولاد سے تھے۔

یعنے یہ ذکر ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ یہ رحمۃ ربک کی ظرف ہے یعنے جب کہ ندا اور پکار دی آہستہ سے اپنے کو بیت المقدس کی محراب میں یہ تقریب قربان کے بعد کا واقعہ ہے۔

نکتہ: حضرت زکریا علیہ السلام نے چند وجوہ سے آہستہ دعا مانگی:

① اپنی دعا میں حسن ادب کو ملحوظ رکھا ورنہ اللہ تعالیٰ کو جہر سے بھی معروضات پیش کر سکتے تھے دراصل آہستہ دُعا مانگنے میں اخلاص زائد

---

[1] : اسی لیے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ جہاں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی فرمائی ہے وہ ذاتی علم کی ہے کہ یہ جو شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے واقعات جانتے ہیں۔ تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا الخ ایک روایت میں ہے کہ جو سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل کے حوادثات نہ جانتے تھے تو بے شک وہ جھوٹا ہے (بخاری شریف جلد ۲ صـ ۲، مسلم شریف جلد ۱ صـ ۹۴) دیوبندی وہابی کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام المؤمنین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان وما یکون یعنی علم کلی کی قائل نہ تھیں۔ (حالانکہ بی بی کا عقیدہ وہی تھا جو ہم اہلسنت کہتے ہیں یعنے علم کلی۔ (تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے)۔

ہوتا ہے اور ریا سے بھی بعید تر۔

(۲) اپنے رشتہ داروں کی ملامت سے بھی بچنا مطلوب تھا اس لیے کہ جب پوشیدہ طور پر دعا مانگی تو وہ ان کے راز سے مطلع نہ ہو سکے۔

(۳) عوام کی ملامت سے بھی احتراز ضروری تھا کہ وہ کہتے کہ یہ بزرگ اب بچہ مانگ رہے ہیں جب کہ بچے کی پیدائش کے اسباب بھی ان میں ختم ہیں اس لیے کہ آپ بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ چکے ہیں یعنے اس وقت آپ نوے سال کے تھے جیسا کہ کاشفی نے کہا ہے

سوال: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ ضروری ہے کہ نداء جہر کے ساتھ ہو لیکن اس کے بعد خفیا کی قید کا کیا معنے؟

جواب[۱]: پہلے آپ نے اللہ تعالےٰ کو جہر سے پکارا پھر دعا کے الفاظ آہستگی سے کہے۔

جواب[۲]: فقیر (حقی) کہتا ہے ضروری نہیں کہ ندا میں جہر ہو اس لیے کہ کبھی جہر ضعیف آوازوں سے بھی ہو گا جسے عربی میں ھمس کہا جاتا ہے اور فقہا نے بھی یہی کہا ہے کہ بعض آہستہ آوازیں ادنیٰ جہر میں شمار ہوتی ہیں بتفصیل تفسیر الفاتحہ الفقاری میں دیکھئے۔

نکتہ عجیبہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے خیال میں ایک اور وجہ گذری اور وہ بھی تفسیروں کے مطالعہ سے واضح ہوئی وہ یہ کہ خواص (اولیاء وانبیاء علیہم السلام) کے بعض خفی آوازیں ایسی ہوتی ہیں جن سے حفظہ (کراماً کاتبین) بھی بے خبر ہوتے ہیں اور پھر عوام کی تو بات ہی کیا جیسے ان حضرات کے ذکر خفی میں محققین کی تحقیق ہے ایسے ہی ان کی دعا کو سمجھئے اور نداء سے لغوی معنے مراد نہیں بلکہ اس سے ان کی توجہ اور خصوصیت سے اللہ تعالےٰ کے ہاں الحاح و عجز مراد ہے جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور مخصوص اولیاء عظام علی نبینا و علیہم السلام کا طریقہ عالیہ ہے۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور نداء کے بیان کے لیے ہے یعنے زکریا علیہ السلام نے عرض کی۔ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ الوھن بمعنے کمزور۔ اے میرے رب! میرے ہڈی کمزور ہو گئی۔ کمزوری کا ہڈی کی طرف اسناد مجازاً ہے اور وہ اس لیے کہ تمام بدن کا قوام ہڈی پر ہے جب اس پر کسی بیرونی حادثہ کا اثر پڑتا ہے تو بدن کے باقی اجزاء بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔

ف: قتادہ نے فرمایا کہ آپ نے دانت ٹوٹنے کی وجہ سے بارگاہ حق میں عرض کیا۔ (کذا فی البغوی)

ف: العظم کو واحد کے لانے میں ہڈی کی تمام جنس مراد ہے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ میرے جسم کی ہر ہڈی بڑھاپے کی وجہ سے کمزور پڑ گئی ہے اگر جمع کا صیغہ لاتے تو ممکن ہے اس سے بعض ہڈیاں مقصد میں داخل نہ ہوتیں۔

ترکیب: مِنّی کا متعلق محذوف اور وہ العظم سے حال ہے اس میں اجمال کے بعد تفصیل ہے۔ تاکہ مضمون زیادہ پختہ ہو جائے اگرچہ ہڈی کی کمزوری کی نسبت بھی زکریا علیہ السلام کی طرف تھی لیکن اس میں اجمال تھا پھر جب منی فرمایا تو تفصیل سامنے آگئی۔

(وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ) اس کے بعد لفظ مِنّی محذوف ہے بوجہ پہلے مِنّی مذکور کے (شَيْبًا) اور سر نے بڑھاپے کا شعلہ مارا یعنے سر کے تمام بال سفید ہو گئے۔ بڑھاپے کی سفیدی کو آگ کے شعلوں سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ مبالغہ کے ساتھ واضح ہو کہ ان کے تمام سر کے تمام بال سفید ہو گئے کوئی ایک بال بھی سیاہ نہ تھا اور شیبا کو تمیز لانے میں بھی یہی مقصود ہے۔ گویا اصل عبارت تھی: اشتعل شیب راسی۔

اس اصل عبارت سے مجازی عبارت کا وہی مقام ہے جیسے اشتعل بیتہ نارا کہا جائے بجائے اشتعل النار فی بیتہ کے۔

اسی طرح سے صرف مبالغہ مقصد ہوتا ہے ورنہ مطلب تو ہر دونوں کا ایک ہے۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چو شیبت در آمد بروے شباب
شبت روز شد دیدہ بر کن ز خواب
من آں روز از خود بر بدم امید
کہ افتادم اندر سیاہی سفید
چو دوراں عمر از چہل در گذشت
مزن دست و پا کآب از سر گذشت
دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گذشت ایں دمے چند نیز

ترجمہ: ① جب بڑھاپا جوانی پر حملہ آور ہوا۔ تیری رات ختم اور دن آگیا فلہذا نیند سے آنکھیں کھول۔
② میں نے اسی دن سے اپنے سے امید منقطع کی ہے جب سے میرے سیاہ بال سفید ہو گئے۔
③ جب زندگانی کے چالیس سال گذرے اب ہاتھ پاؤں مارنا بے کار ہے اس لیے کہ پانی سر سے گذر گیا۔
④ افسوس کہ عمر عزیز گذر گئی۔ باقی چند لمحات بھی گذر جائیں گے۔

وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ یعنے میں اتنا طویل العمر ہو جانے کے باوجود تجھ ہی سے دعا مانگنے سے کسی وقت بھی مایوس نہیں ہوا بلکہ جب بھی دعا مانگی تجھ ہی سے مانگی اور تیرے فضل و کرم سے میری وہ دعائیں مستجاب بھی ہوئیں۔ اس دعا کی قبولیت کے لیے سابقہ مستجابہ دعاؤں کو وسیلہ بنا رہے ہیں جب کہ پہلے اپنے بڑھاپے کے اظہار سے رحمت و رافت کو جوش دلایا۔ اب اظہار عجز کے بعد اپنے مقصد کے حصول کے لیے عرض کر دیا کہ جب میں پہلے تیری رحمت سے بے مراد نہیں رہا تو اب کیسے مراد کو نہ پا سکوں گا جب کہ اب بہت سخت مضطرب اور شدید حاجتمند ہوں۔

حکایت مروی ہے کہ کسی محتاج نے کسی سے کہا کہ میں وہی ہوں جس پر آپ نے فلاں وقت احسان و کرم فرمایا تھا۔ اس نے کہا کہ تیرے فہم کے شاباش کہ تو نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے خود مجھے وسیلہ بنایا۔ یہ کہہ کر اس کی استدعا پوری کر دی۔

نکتہ: کسی کو پہلے انعام بخشا جائے پھر اسے رد کیا جائے تو انعام اول کی قدر نہیں رہتی گویا حضرت زکریا علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اے الٰہ العٰلمین جب مضبوط اور طاقتور تھا تو تو میری ہر بات مان لیتا تھا اب کمزور اور ضعیف ہو چکا ہوں، تو مجھے اپنے لطف و کرم سے ناامید

نہ فرمائیے۔ اگر لطف وکرم کے بعد اب ضعف بدنی کے باوجود مجھے ناامید کرے گا تو غم والم سے میرا دل کمزور پڑ جائے گا اور یہ میری ہلاکت کا موجب ہوگا۔ یہاں پر شقیاسے مراد، بے مراد ہے مثلاً جب کوئی اپنی مراد میں کامیاب ہو تو اس کے لیے کہتے ہیں ۔ ظفر بحاجتہ اس کے لیے کہتے ہیں جو اپنے مقصد میں ناکام ہو تو اس کے لیے کہتے ہیں ۔ شقی بھا۔ (کذا فی تفسیر اللامام)

ربط : اب بیان فرمایا کہ میں بیٹے کی طلب بھی صرف دین کے فائدے کے لیے کر رہا ہوں۔ کما قال :

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ اور مجھے اپنی موت کے بعد اپنے رشتہ داروں کا خطرہ ہے اسی لیے میرا جانشین ضروری ہے۔

ف : اس کا متعلق محذوف ہے جیسا کہ کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے اور وہ لفظ جور ہے۔ ای جور الموالی من ورای اور یہ خفت کے متعلق نہیں کیونکہ اس سے معنی بگڑتا ہے اور اس جملہ کا عطف وانی دھن العظم پر ہے اس سے ایک مضمون کو دوسرے مضمون پر مترتب کرنا مطلوب ہے یعنے ضعف وپیری کا خوف اپنے غلط جانشینوں کے خوف کی وجہ سے تھا اور موالی سے آپ کے چچیرے بھائی مراد ہیں کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں شریر ترین لوگ تھے اسی آپ کو خطرہ محسوس ہوا تھا کہ وہ آپ کی موت کے بعد آپ کی جانشینی کا حق ادا نہیں کرسکیں گے بلکہ الٹا دین حق کو بدل دیں گے۔

لفظ مولیٰ کے معانی

قاموس میں لکھا ہے کہ لفظ مولیٰ عربی میں مندرجہ ذیل معانی میں مستعمل ہے :

۱ - مالک
۲ - عبد
۳ - معتق، آزاد کرنے والا
۴ - متق، آزاد کردہ شدہ
۵ - دوست ۔ ساتھی
۶ - قریبی رشتہ دار جیسے چچازاد بھائی وغیرہ
۷ - ہمسایہ
۸ - حلیف
۹ - بیٹا
۱۰ - چچا
۱۱ - مہمان
۱۲ - شریک
۱۳ - بھانجہ
۱۴ - ولی، متولی
۱۵ - رب
۱۶ - ناصر
۱۷ - منعم
۱۸ - منعم علیہ
۱۹ - محب
۲۰ - تابع
۲۱ - داماد[۱]

ــــــــــــــــــــ

[۱] : حاشیہ اگلے صفحہ نمبر ۵۵۵ پر

وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ: زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام ایشا بنت فاقوذ بن قیل یہ حنتہ بنت فاقوذ کی بہن تھیں اور طبری میں ہے کہ حنۃ بی بی مریم کی والدہ کا نام ہے اور ؎ ر

قتیبی نے فرمایا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام ایشاع بنت عمران تھا۔ اس تحقیق سے یحیٰی علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد ہوئے اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یحیٰی علیہ السلام بی بی مریم کے خالہ زاد ہیں اور حدیث اسرا میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فلقیت ابنی الخالۃ یحیٰی وعیسٰی علیہما السلام — میری ملاقات دو خالہ زاد بھائیوں یحیٰے علیہ السلام اور عیسےٰ علیہ السلام سے ہوئی۔

یہ حدیث پہلے قول کی تائید کرتی ہے۔ (کذا قال الامام السہیلی فی کتاب التعریف والاعلام)

عَاقِرًا - میری عورت تو جوانی سے تا حال بانجھ ہے۔

ف: عاقر اس مرد اور عورت کو کہا جاتا ہے جو بچہ کی پیدائش کے اہل نہ ہوں۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ اٹھانوے سال کی تھیں۔

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ - یہ دونوں جار مجرور ھب کے متعلق ہیں چونکہ ان دونوں کے معانی مختلف ہیں۔ اسی لیے ان کا ایک متعلق جائز ہے اس لیے 'لام' صلہ کی اور 'من' ابتداء غایت کے لیے ہے اور لدن اصل میں ظرف ہے بمعنے اول غایتہ زماں یا مکاں یا ذوات میں سے کوئی اور اب مطلق جانب کے معنے میں ہے یعنی اسے اللہ تعالٰے مجھے محض اپنے کرم و فضل سے عطا فرما دے اور صرف اپنی قدرت سے مجھے بیٹا بخش دے میرے متعلق اسباب عادیہ کو عمل میں نہ لا اس لیے کہ میں اور میری زوجہ بچے کی ولادت کے اہل نہیں رہے۔

وَلِيًّا ۝ بچہ میری صلب سے جو میرے وصال کے بعد دین حق کے اجراء کے لیے میرا وارث ہو۔

کما قال تعالٰے:

يَّرِثُنِيْ یہ ولیا کی صفت ہے یعنے میرا وہ بچہ جو میرے علم و دین اور نبوت کا وارث بنے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام مال کے وارث نہیں چھوڑتے [۱] چنانچہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

[۱]:- من کنت مولاہ فعلی مولاہ ... والی حدیث شریف شیعہ پیش کرتے ہیں ان سے پہلے یہ متعین کرایا جاتے کہ ان اکیس معانی سے کون سا معنے مراد ہے ۱۲۰۔ مزید تحقیق فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں ہے (اویسی)

[۲]: حاشیہ صفحہ نمبر ۱۰۸ پر ملاحظہ ہو۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ[۱] ہم انبیاء علیہم السلام کسی کو مال کا وارث بنا کر نہیں چھوڑتے ہم جو مال و دولت چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتی ہے۔

سوال: حضرت زکریا علیہ السلام اپنے وارث تو نہ چھوڑ سکے اس لیے کہ یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام سے پہلے واصل باللہ ہوئے۔

جواب: ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی ہر دعا مستجاب[۲] ہے لیکن جو دعا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر و قضا کے منافی ہو تو اس سے انھیں حکمت ایزدی سے مطلع کر کے روک دیا جاتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی دعا اپنے (چچا) آزر کے لیے منظور نہ فرمائی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

سالته ان لا یذیق بعضهم باس بعض فمنعتها — میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت کے کسی (فرد) کو ایک دوسرے کے کشت و خون کی طاقت نہ دینا لیکن مجھے اس سے روکا گیا۔

چونکہ زکریا علیہ السلام کی دوسری دعا قضا و قدر کے خلاف تھی اسی لیے دوسری دعا سے روک دیا گیا اور پہلی دعا پوری کر دی گئی۔

وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ - حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام مرادہیں۔ ورثه و ورث منه دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے اور آل الرجل انسان کے وہ خاصے لوگ جن کے امور اسی کی طرف راجع ہوتے ہوں بوجہ قرابت یا صحبت یا موافقت فی الدین کے[۳]

ف: کلبی اور مقاتل نے فرمایا کہ یعقوب بن ماثان مراد ہیں۔ یہ عمران بن ماثان کے بھائی ہیں اور یہ عمران بن ماثان حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد اور بی بی مریم کے والد تھے اس معنے پر آل یعقوب یحییٰ علیہ السلام کے ننھیالی رشتہ دار مراد ہوں گے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[۱]: یہ آیت دلیل کے طور پر ہم شیعہ کو پیش کرتے ہیں کہ بی بی فاطمہ نے باغ فدک ورثہ کے طور پر مانگا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ مبنی بر صواب تھا۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ ''فدک'' میں دیکھئے۔ (اویسی)

(حاشیہ صفحہ ھذا)

[۱]: یہی روایت اصول کافی (کتاب شیعہ) میں بھی ہے۔

[۲]: خلافاً للوہابیۃ والدیوبندیۃ تردید تشریح تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

[۳]: اس سے شیعہ کا مذہب کھوکھلا ہو جاتا ہے جو آل کے لفظ کو صرف ان حضرات سے مخصوص کرے جو عبداللہ بن سبا نے بتایا۔ ورنہ لفظ آل کا دائرہ وسیع تر ہے۔

ف : کلبی نے کہا کہ بنو ماثان بنی اسرائیل کے رؤسا اور بادشاہ تھے اور زکریا علیہ السلام بنو اسرائیل کے علماء کے امام و پیشوا تھے جیسا کہ بنی اسرائیل کا قاعدہ چلا آ رہا تھا۔ اسی لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے چاہا کہ ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے جیسے ان کے دوسرے رشتہ داروں میں سلسلہ ملوکیت جاری تھا۔

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا اے میرے رب! میرے بچے کو قولاً فعلاً اپنی بارگاہ میں پسندیدہ بنا۔

ف : جعل کے دو مفعولوں کے درمیان لفظ رب (بین کا لفظ کان کے اسم و خبر کے درمیان کی طرح) لانا جائز ہے تاکہ سلسلہ اجابتِ دعا جاری رہے نیز اس سے زکریا علیہ السلام اپنے عجز و انکسار کا اظہار بھی فرمانا چاہتے ہیں۔

دعا کے مستجاب ہونے کا ایک طریقہ جو چاہے کہ اس کی دعا مستجاب ہو تو اسے چاہیے کہ اپنی دعا سے پہلے اللہ تعالے کے اسما و صفات میں سے کسی اسم و صفت کو لا کر دعا کرے۔

ف : اللہ تعالے اپنے بندے کی دعا کا سالم یا اس کا کچھ حصہ ضرور قبول فرماتا ہے جیسے زکریا علیہ السلام کے لیے ہوا ہے۔

ے

هم ز اول تو دہی میل دعا

تو دہی آخر دعاہا را جزا

ترس و عشق تو کمند لطف ماست

زیر ہر یا رب تو لبیک ہاست

ترجمہ : دعا مانگنے کی محبت بھی تو ہی بخشتا ہے اور اس دعا کی جزا بھی تو عطا فرماتا ہے تیرا خوف و عشق ہماری گردنوں کا کمند ہے ہم یارب ایک بار کہیں تو اس کے بعد سینکڑوں لبیک جواب ملتے ہیں۔

دعا مانگنے کی فضیلت (حدیث شریف) جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا یعنے اسے دعا مانگنے کی توفیق ہوئی تو سمجھو اس کے لیے رحمت کے بے شمار دروازے کھل گئے [1]

نکتہ : دعا مانگنے میں ذلت و مسکینی کا اظہار مطلوب ہوتا ہے اللہ تعالے کے ہاں عجز و انکسار کے اظہار سے اور کوئی شے محبوب تر نہیں۔

حکایت بایزید سیدنا بایزید بسطامی قدس فرماتے ہیں : میں نے تیس سال عبادت و ریاضت میں بہت بڑی جد و جہد کی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی کہنے والا فرما رہا ہے کہ اے بایزید عبادت سے اللہ تعالے کے خزانے پر ہیں اگر تم اس کا وصال چاہتے ہو تو اس کے سامنے عجز و نیاز

---

[1] : اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ پڑھنے کے بعد دعا مانگنے کی صرف ہمیں توفیق ہوئی تو رحمت بھی فراواں نصیب ہوئی لیکن بدقسمتوں کے لیے دروازے بند ہیں کہ وہ صرف دعا نہیں مانگتے بلکہ مانگنے والے کو مجرم (بدعتی) سمجھتے ہیں ۱۲۔ تحقیق فقیر کے رسالہ "دعا بعد نماز جنازہ" میں پڑھئے۔

زیادہ سے زیادہ کرو ۔ آپ بوقت وفات مندرجہ شعر کہتے سنے گئے ؎

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست
نیستی و حاجت و عجز و نیاز آوردہ ام

ترجمہ : اے شاہِ کون و مکان ! تیرے حضور میں چار ایسی چیزیں لایا ہوں جو تیرے خزانۂ کریمی میں نہیں - (۱) نیستی (۲) حاجت (۳) عجز (۴) نیاز ، کا تحفہ ، تیرے ہاں لے کر حاضر ہوا ہوں -

روحانی نسخے : اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ بہترین ہتھیار دعا اور بہترین سواری وفا اور بہترین سفارشی آہ و بکا ہے ۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

ف : دعا دو قسم کی ہوتی ہے :

(۱) دین کے لیے
(۲) دنیا کے لیے

کاملین اور عارفین صرف دین کی دعا مانگتے ہیں جیسے زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی کہ وہ بچہ عطا ہو جو میرے علم کا وارث ہو اور علم کا وارث دنیا کے وارث سے بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ عالم دنیا کا نظام علم و عمل اور صلاح و تقویٰ اور عدل و انصاف پر چل رہا ہے -

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے قلبی شیشہ کو صاف و شفاف رکھے تاکہ اس میں اس کے کمالات کا ظہور ہو - دیکھیے اللہ تعالےٰ نے جملہ عالم کو پیدا فرما کر اور جملہ عالمین کے ذرہ ذرہ کو اپنا مظہر بنایا لیکن ہر زمانہ میں انسان کو اپنے انوار کا مرکز اور اپنے اسرار کا مظہر مقرر فرمایا - اسی لیے ہم (اہلسنت) کہتے ہیں کہ جو وصالِ حق کا طالب ہے اسے لازم ہے کہ وہ کسی کامل درویش (ولی اللہ) کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے کوئی ایسا ورد طلب کرے جس سے اس کا ذکر تا قیامت بلند رہے جیسے زکریا علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام کی طلب میں غرض مذکور مدنظر رکھی ، دینے والا اللہ ہے وہ ضرور اپنے محبوب ولی کامل کے کہنے پر عطا فرمائے گا وہی سب کو مدد دیتا اور توفیق بخشتا ہے ۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے تک کے اسباب بھی وہی عطا فرماتا ہے -

تفسیر عالمانہ یٰزَکَرِیَّآ - یہاں پر قال محذوف ہے یعنے ملائکہ کی زبان سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا -

سوال : تم قال کو محذوف مان کر لسان ملائکہ کی قید کیوں لگاتے ہو ؟

جواب : سورہ آل عمران میں ملائکہ کی تصریح موجود ہے ۔ کما قال :

فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرك بیحیی -

اِنَّا نُبَشِّرُكَ - ہم آپ کو بشارت (خوشی) سناتے ہیں - البشارۃ بکسر الباء - اس خبر کو ظاہر کرنا جو مخبر (جسے خبر دی گئی ہے)

میں سرور و فرحت پیدا کر دے۔ يَحْلَى اسْمُهُ يَحْيَى لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا ۝ سمیا بمعنے ہم نام یعنے ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام (یعنے اس کے نام میں کسی کو شریک) نہیں بنایا یعنے یحییٰ نام والا تیرے بیٹے سے پہلے کوئی نہیں ہوا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اسمار کی عجیب و غریب ترکیب مسمّیٰ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے اہل عرب اس معاملہ میں جد و جہد کرتے ہیں کہ ان کے انبا و ذریات میں جدت ہو۔

ف: زاد المیسر میں لکھا ہے کہ وجہ فضیلت یہ نہیں کہ یحییٰ نام والا پہلے کوئی نہ تھا اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس نام والے پہلے کوئی اور گزرے ہوں جو جستجو کے بعد دستیاب ہو جائیں اگرچہ آج تک اس نام والا کوئی ہمیں معلوم نہیں بلکہ وجہ فضیلت اور ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ نے یحییٰ علیہ السلام کا نام خود مقرر فرمایا یہ تجویز والدین کے سپرد نہیں فرمائی۔ اس کی دلیل حضرت ام المومنین بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہے کہ ان کا نکاح اللہ تعالےٰ نے بلا واسطہ اپنے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ کما قال:

فلما قضی زید منها وطرا زوجنا[1]

اسی لیے بی بی رضی اللہ تعالےٰ عنہا فخراً فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے دیگر ازواج مطہرات پر اللہ تعالےٰ نے یہی شرف بخشا ہے کہ میرا نکاح اپنے حبیب علیہ السلام کے ساتھ خود بلا واسطہ کیا ہے۔

ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصی فضیلت

امام ثعلبی نے فرمایا کہ پہلی کتابوں میں اللہ تعالےٰ نے اعلان فرمایا کہ میرے محبوب محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم عنقریب تشریف لائیں گے۔ ان کے چند ایسے اسمار گرامی مخصوص ہوں گے کہ جنھیں اللہ تعالےٰ اپنے اسمار سے مشتق فرمائے گا جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وشق له من اسمه ليجله

فذو العرش محمود وهذا محمد

ترجمہ: اپنے نام انھیں مشتق فرمایا تاکہ اس کی بزرگی ظاہر ہو اسی لیے ذو العرش محمود ہے تو یہ محمدؐ ہیں۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

اے خواجہ کہ عاقبت کار امت است

محمود ازاں شدہ ست کہ نامت محمد است

ترجمہ: اے وہ سردار کہ جس کی امت کی عاقبت نیک اس لیے ہے کہ ان کے نبی علیہ السلام کا اسم گرامی محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

---

[1] پارہ ۲۲، رکوع ۲۔

اسم یحییٰ کی تحقیق ظاہر تر یہ ہے کہ یحییٰ عجمی اسم ہے اگر وہ عربی ہو تو وہ فعل سے منقول ہے جیسے اسم یعمر و یعیش۔ انھیں یحییٰ اسی لیے موسوم کیا گیا کہ انھوں نے ماں کے رحم کو زندہ کیا یعنے باوجودیکہ وہ بانجھ تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں بچہ جننے کے قابل بنایا۔ یا اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو زندہ کیا اپنی دعوت سے یا اس علم و حکمت سے جو انھیں بذریعہ وحی عطا ہوتے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے نور علم سے نہ نوازے وہ مردہ ہے۔

یا انھیں یحییٰ کے اسم سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان کی وجہ سے زکریا علیہ السلام کا نام روشن ہوا جیسے آدم علیہ السلام کا نام شیث علیہ السلام سے اور نوح علیہ السلام کا نام سام سے، اسی طرح دوسرے بعض انبیاء علیہم السلام۔ لیکن یہ صرف زکریا علیہ السلام کی خصوصیت ہے کہ انھیں ایسا صاحبزادہ عطا فرمایا کہ جن کا وہ نام تھا جو ان کی صفت کے مطابق تھا بخلاف بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ ان کے صاحبزادوں نے اگرچہ ان کا نام بلند کیا لیکن ان کے اسماء اس صفت سے موصوف نہیں۔ یہ صرف حضرت زکریا علیہ السلام کی خصوصیت تھی یہ بھی صرف اسی دعا کے اثر سے کہ جو انھوں نے عرض کی کہ:

فهب لی من لدنك ولیاً

یہ نوازش بھی انھیں اسی لیے ہوئی کہ بیٹے کی طلب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طلب کے موافق وہ صاحبزادہ عطا فرمایا جو ان کے ذکر کی بلندی کا سبب بنا۔ کذا قال الشیخ الاکبر قدس سرہٗ۔

اعجوبہ: الامام السہیلی نے کتاب التعریف والاعلام میں لکھا ہے کہ پہلی کتابوں میں ان کا نام حی تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کا نام لیسارہ تھا عربی میں اس کا ترجمہ ہے لا تلد یعنے بچہ نہیں جنے گی۔ جب بی بی صاحبہ سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کا نام سارہ رکھا گیا اور یہ نام حضرت جبریل علیہ السلام نے تجویز فرمایا جب بی بی صاحبہ نے اپنے نام میں ایک لفظ کی کمی پائی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرے نام میں ایک حرف کیوں کم کر دیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ آپ کے نام میں یہ کمی جبریل علیہ السلام نے کی ہے۔ انھوں نے عرض کی کہ ایسا تو نہ ہونا چاہیے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا گھبرائیے نہیں آپ کی اولاد میں ایک بچہ ہونے والا ہے، آپ کا وہی حرف انھیں دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر حیٰ کے بعد ان کا نام یحییٰ ہوا۔ (کذا ذکرہ النقاش)

قَالَ: یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے پوچھا کہ پھر زکریا علیہ السلام نے کیا کہا تو جواب ملا کہ انھوں نے کہا کہ رَبِّ۔

سوال: حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری تو ملائکہ نے سنائی جیسا کہ تم پہلے کہہ چکے ہو لیکن اب وہ ملائکہ سے کہنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے براہ راست کیوں عرض کرتے ہیں؟

جواب (۱): تضرع و زاری و انکسار کا اظہار مطلوب ہے اور بتانا چاہتے ہیں کہ مجھے غرض صرف تیری ذات سے ہے۔

جواب (۲): عوام کے وہم کو بھی دور کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا علم ملائکہ کا محتاج نہیں نہ ہی ہم ان کے محتاج ہیں وہ تو محض سفیر ہیں ورنہ ہمارا تعلق

توبراہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے۔

اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ - اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کہاں اور ہم سے بچہ کس طرح پیدا ہوگا۔ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا - حالانکہ میری عورت تو بانجھ ہے وہ تو شباب میں بھی بچہ نہ جن سکی۔ حالانکہ اس وقت میری جوانی تھی اب وہ بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ○ اور میں بھی بڑھاپے سے سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ چکا ہوں۔

حل لغات: عتی سوکھی ہوئی لکڑی کی طرح خشک اور سوکھا ہوا۔ یہ "عتا العود" سے ہے بمعنے لکڑی سوکھ گئی اور کہا جاتا ہے: عتا الشیخ یہ اس وقت بولتے ہیں جب انسان بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہو۔

سوال: زکریا علیہ السلام سے تعجب کا ہونا خود تعجب خیز ہے۔

جواب: انھوں نے تعجب کر کے اپنے قادر حقیقی کی قدرت کاملہ کا اعتراف کیا ہے کہ باوجود ہمارے اندر تمام اسباب عادیہ منتفی ہیں لیکن میرے قادر قدیر کی قدرت پہ قربان کہ اس نے اسباب کے بغیر ہی ہمیں بچہ عطا فرمایا ہے۔

سوال: طلب کے باوجود پھر تعجب کیوں؟

جواب[۱]: تعجب اس معنے سے ہوا کہ بچہ عطا تو ہوگا لیکن اب معاملہ کیسے ہوگا یا تو ہمیں نوجوان بنا کر بچہ جننے کی صلاحیت دینے کے بعد ہو گا یا ہم ایسے ہی بوڑھے رہیں اور بچہ پیدا ہوگا جیسا کہ "رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین فاستجنا لہ ووھبنا لہ یحیٰی واصلحنا لہ زوجہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بچہ جننے کی صلاحیت لوٹائی گئی پھر ان سے صاحبزادہ پیدا ہوا۔

جواب[۲]: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ انھوں نے اس سے ارادہ فرمایا کہ نامعلوم مجھے اسی بیوی سے بچہ پیدا ہوگا یا کسی اور عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم ہوگا یا کسی لونڈی سے پیدا ہوگا۔

قَالَ - زکریا علیہ السلام سے اس فرشتے نے کہا جو ان کے ہاں صاحبزادے کی بشارت سنانے کے لیے تشریف لاتے تھے کَذٰلِکَ ج معاملہ ایسے ہی ہے جیسے آپ فرما رہے ہیں کہ بڑھاپے سے بچے پیدا نہیں ہوتے لیکن قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ - آپ کے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ باوجودیکہ واقعتاً بڑھاپے میں بچے پیدا نہیں ہوتے مگر میرے لیے یہ کام آسان ہے کہ میں آپ کو قوت جماع بخشوں اور آپ کی عورت میں نطفہ ٹھہرنے کی قوت پیدا فرماؤں۔ (کذا فی تفسیر الجلالین والکاشفی)

ف: الارشاد میں ہے کہ کذلک کا کاف مثلک کے کاف کی طرح زائد ہے لیکن اس سے جدا نہیں ہوتا اور محلاً منصوب ہے اور وہ قال ثانی کے لیے مصدر تشبیہی ہے اور اس کا اشارہ مصدر کی طرف ہے یعنے وعدۂ سابق کی طرف اشارہ ہے نہ کہ کسی اور قول کی طرف جو اس کے مشابہ ہے۔ ھو علی ھین وعدۂ مذکور کی تقریر کرتا ہے اور وعدہ کے پورے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ قال

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لہ: جیسے آج کل بھی بعض وہمی کہہ دیتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام تو جبریل علیہ السلام کے بتانے کے محتاج تھے۔ (معاذ اللہ)

اول کی خبر میں ہے گویا یوں کہا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے اسی عجیب قول کی مثل فرمایا کہ میں نے وہ وعدہ جو خارقاً للعادۃ کہا گیا وہ میرے لیے آسان ہے اگرچہ عادۃً محال ہے۔

ف : کذالک کو محلاً مرفوع مبتدا محذوف کی خبر بھی بنانا جائز ہے اور یہ اشارہ وعدہ سابقہ کی طرف ہوگا یعنی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نے جو تمھارے لیے وعدہ کیا ہے وہ ضرور ہوگا۔ قال ربك جملہ مستانفہ ہوگا وہ جملہ سابقہ کی تقریر کے لیے ہوگا۔

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ اور میں نے تمھیں یحیٰے کی پیدائش سے پہلے پیدا فرمایا۔ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا اس وقت تم کچھ بھی نہ تھے بلکہ عدم محض تھے۔ اس کے بعد یحیٰے کو دو بشروں سے پیدا کرنا تو کوئی مشکل نہیں۔ اس میں تخلیق آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اسے نمونہ کے طور پر بیان کرنا گویا ان کی جمیع اولاد کی تخلیق ایسے ہے۔

ف : امام صاحب نے فرمایا کہ وقد خلقتك الخ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ عدم محض سے اس نے ذات وصفات پیدا فرمائے اور بوڑھوں سے بچے کو پیدا کرنے سے صرف صفات کی تبدیلی کرنی پڑے گی پھر جو قادر ذات وصفات کی تخلیق پہ قدرت رکھتا ہے۔ اس کا تبدیل صفات پہ قدرت رکھنا بطریق اولیٰ ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ شیئ کا اطلاق ہمارے نزدیک جملہ موجودات پر ہوتا ہے اسی طرح بالعکس یعنے جملہ موجودات کو شے کہا جاتے گا۔ قاعدہ یہ ہے کہ شے کی نفی سے عدم ہوگا اس سے نتیجہ نکلا کہ معدوم کوئی شے نہیں۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً یہ امر ابداعی ہے یعنے تخلیق کے معنے میں ہے بعض نے کہا کہ جعل بمعنے تعییر ہے یعنے ہمارے لیے بچے کے پیٹ میں پہنچ جانے کی کوئی علامت بتا دیجئے تاکہ اس سے میں تیرے دیئے ہوئے انعام کا شکر کر سکوں۔

ف : جب انھیں بچے کے لیے مژدہ سنایا گیا تو انھوں نے بھی یہی سوال کیا۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت یحیٰے حضرت عیسےٰ علیہما السلام سے چھ ماہ یا تین سال بڑے تھے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم کے طفولیت کے زمانہ میں بچہ کی دعا مانگی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

هنالك دعا زكريا ربه

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تھے تو اس وقت بی بی مریم کی عمر دس یا تیرہ سال تھی۔ دکذا فی الارشاد والاستدلالمعوہ)

قَالَ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ۔ تیری علامت یہ ہے کہ تم لوگوں سے بات نہ کرسکو گے لیکن اس کے باوجود ذکر و تسبیح پہ قدرت حاصل ہوگی۔

سوال : تم نے ذکر و تسبیح کی قدرت کہاں سے سمجھی ؟

جواب : الناس کی قید بتاتی ہے کہ وہ ذکر الٰہی پر قدرت رکھتے تھے لیکن لوگوں سے بات نہ کر سکتے تھے۔

ثَلٰثَ لَيَالٍ۔ تین راتیں اور تین دن۔ اگرچہ اس آیت میں دن کا ذکر نہیں لیکن سورہ آل عمران میں تصریح کی گئی ہے۔ سَوِيًّا

یہ متکلم سے حال ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کا نہ بولنا اضطراراً نہیں تھا یعنے لوگوں سے اس لیے کلام نہ کرتے تھے کہ ان کے کسی عضو کو کوئی تکلیف تھی بلکہ تمام اعضا صحیح سالم تھے لیکن حکم ربانی کے تحت کلام نہ کرتے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی زبان پر کنٹرول کر دیا گیا کہ بات کرتے تو زبان کام نہ کرتی۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ حکم سُن کر جب زکریا علیہ السلام، گھر واپس لوٹے تو رات کو بی بی صاحبہ سے جماع کیا تو اسی رات حضرت یحیٰے علیہ السلام والدہ کے شکم اطہر میں تشریف لاتے۔

فَخَرَجَ۔ جب بی بی صاحب حاملہ ہوئیں تو اسی صبح کو باہر تشریف لائے۔ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ۔ اپنی قوم کے ہاں، اپنی عبادت گاہ یا حجرے سے۔ اور آپ کے نام لیوا حجرے کے باہر آپ کے حجرے کے کھلنے کے منتظر کھڑے تھے تاکہ حجرے کا دروازہ کھلتے ہی آپ کے ساتھ نماز پڑھیں۔ جب آپ حجرے سے اچانک باہر تشریف لائے تو آپ کا چہرہ متغیر تھا اور بالکل خاموش تھے۔ لوگ آپ کی یہ حالت دیکھ کر گھبرائے فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ تو آپ نے انھیں سر کے اشارے سے فرمایا جیسے لفظ الا رمزاً سے معلوم ہوتا ہے۔ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ۝ ان مفسرہ فاوحی تفسیرہ کے لیے ہے یا مصدریہ ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ نماز پڑھو صبح اور شام۔ بکرۃ سے طلوع فجر سے ضحیٰ تک اور عشیا سے زوالِ شمس سے تا غروب کا وقت مراد ہے۔ یہ دونوں تسبیح کے ظرف زمان ہیں۔

ف: ابو العالیہ سے نماز فجر و عصر مراد ہیں۔ یا سبحوا یعنے دن کے دونوں ظرفوں میں اللہ تعالےٰ کی تنزیہ بیان کرو اور کہو: سبحان اللہ حضرت زکریا علیہ السلام کو شکر کے طور پر اللہ تعالےٰ کی تسبیح کے مامور تھے یہی حکم آپ نے اپنی قوم کو اشارۃً فرمایا۔ (کذا فی الارشاد)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہی صحیح ہے اس لیے کہ تسبیح کا معنے یہاں پر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی تنزیہ و تقدیس بیان کی جائے کہ وہ عاجز نہیں کہ دو بوڑھوں سے بچہ پیدا فرمائے، اگرچہ بظاہر ایسا ہونا مشکل ہے لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت سے بعید نہیں۔ اس لیے کہ وہ ہر شئے پہ قادر ہے۔ اذکار میں وارد ہے کہ لکل اعجوبۃ سبحان اللہ یعنے ہر اعجوبہ کے وقت سبحان اللہ کہنا چاہیئے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیات میں مندرجہ ذیل اشارات ہیں:

(۱) اللہ تعالےٰ نے زکریا علیہ السلام کو نام لے کر بلایا یہ بھی منجملہ اس کرامت و شرافت کے ہے جو اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو عنایت فرماتا ہے۔

(۲) آپ کے صاحبزادے کا یحیےٰ نام رکھا ایسا نام پہلے کسی کا نہیں تھا نہ صورۃً نہ معنےً۔ صورۃً تو ظاہر ہے اور معنےً یوں تھا کہ یحیےٰ علیہ السلام کو کوئی بیماری بھی نہیں تھی لیکن کبھی کسی وقت شہوت نہ ہوتی اور نہ ہی کبھی کسی گناہ کا ارادہ کیا بلکہ آپ کے دل میں کبھی اس قسم کا خیال تک بھی نہ گذرا ایسے ہی حضور علیہ السلام سے یحیےٰ علیہ السلام کے حالات مذکور ہوتے۔

(۳) لم نجعل لہ سمیا سے معلوم ہوا کہ تخلیق سے پہلے ہر ایک کا نام اللہ تعالےٰ خود نامزد فرماتا ہے اور ہر ایک کا نام

اللہ تعالیٰ کے الہام سے رکھا جاتا ہے جیسے حضور علیہ السلام کا اسم گرامی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو الہام کے ذریعے معلوم ہوا۔
کما قال :

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

(۴) قال رب انی یکون لی غلام میں اشارہ ہے کہ کبھی والدین میں بچہ نہ جننے کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً بانجھ ہونا اور بڑھاپا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ ایک شے کو دوسری شے پیدا فرماتا ہے۔ کما قال ؛

وما خلق اللہ من شیء

اور یہ اس کی قدرت ہے کہ شے کو لا شے سے پیدا فرمائے۔ اسی لیے زکریا علیہ السلام نے عرض کیا ؛

انی یکون لی غلام

یعنے مجھے بچہ عطا ہوگا، اسی طریقہ معروفہ سے یا قدرت کاملہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب عطا فرمایا ؛

قال کذالک۔

ہر دونوں سے خالی نہ ہوگا یعنے اس میں قدرت کاملہ کا کرشمہ بھی ہوگا اور قانون معروف کا اظہار بھی۔

(۵) قال ربک ھو علی ھین، میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر دونوں آسان ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے اندر حصول ولد کے اسباب پیدا کرے، مثلاً تمہیں جماع کی قدرت عطا کرے اور تمہاری زوجہ کی رحم کے اندر نطفہ ٹھہرنے کی طاقت بخشے۔ یہ قانون معروف ہے اور جاری رہے گا اور اگر چاہے تو اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہیں عدم سے پیدا کر دے جیسے تمہیں پہلے پیدا کیا حالانکہ اس وقت تم عدم محض تھے یعنے تمہاری روح تمہارے جسم سے پہلے پیدا فرمائی جب کہ اس وقت کوئی شے نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے کُن کہہ کر تمہاری ارواح پیدا فرمائی۔ اسی لیے فرمایا ؛

قل الروح من امر ربی۔ اور یہ روح وہی پہلی مقدر رہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت متعلق ہوئی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آب از جوشش ہمی گردد ہوا
واں ہوا گردد ز سردی آبہا
بلکہ بے اسباب بیرون زین حکم
آب رویانید تکوین از عدم
تو ز طفلی چوں سبب ہا دیدۂ
در سبب از جہل بر چفسیدۂ

ترجمہ؛ پانی اس کے حکم سے ہوا ہو جاتا ہے اور ہوا سردی کے غلبہ سے پانی بن جاتی ہے۔

(۲) اسباب کے بغیر اس کے حکم سے پانی پیدا ہوا جب امر تکوین نے عدم پانی کی تخلیق فرمائی۔

(۳) اگر تو نے بچپن (بیوقوفی) سے سبب کو دیکھا تو جہل کے جال میں پھنسا رہے گا۔

یٰیَحْییٰ یہاں بھی ایک عبارت محذوف ہے۔ دراصل یوں تھا: ووھبنا لہ یحیی وقلنا یا یحیی یعنے ہم نے زکریا علیہ السلام کو بچہ عطا کر کے کہا اے یحییٰ (علیہ السلام)

ف: حضرت زکریا علیہ السلام تین روز تو خاموشی سے ذکر الٰہی کرتے رہے۔ تین یوم کے بعد حسب دستور لوگوں سے گفتگو کرنی شروع کی اور یحییٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں مدت حمل کے مطابق پیدا ہوتے اور بچپن میں موٹے کپڑے پہننے کے عادی تھے اور بیت المقدس کے علماء سے نشست و برخاست شروع کر دی اور عبادت با ریاضت و مجاہدہ میں لگ گئے یہاں تک کہ وہ وقت آن پہنچا کہ منجانب اللہ وحی نصیب ہوئی اور فرمان ہوا:

خذ الکتاب، تورات لیجئے۔ **بقوۃ**، قوت کے ساتھ یعنے جد وجہد کیجئے اور توفیق ایزدی اور تائید خداوندی پر بھروسہ کیجئے۔ (کذا قال الکاشفی)

ف: تفسیر جلالین میں ہے کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ میں نے آپ کو تورات عطا کی اور اس کے حفظ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشی

عارف جامی قدس سرہ کی تصریح حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی نے فصوص الحکم کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر زکریا علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ کو غیبی امداد نہ ہوتی یعنے انھیں اسباب خارجیہ کے بغیر تائید ایزدی نہ ہوتی تو ان کی زوجہ نہ بچہ جننے کے قابل ہوتی اور نہ اس میں حمل ٹھہرتا وہی غیبی امداد حضرت زکریا اور ان کی زوجہ کو نصیب ہوتی تو ان سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہوئی۔ اسی لیے انھیں اللہ تعالٰے نے فرمایا:

یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔

معتزلہ کا رد الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ اس میں معتزلہ کا رد ہو گیا کہ وہ اسم و مسمّٰی کا غیر مانتے ہیں اور ہم عین اس آیت سے ہماری تائید ہے کہ پہلے اللہ تعالٰے نے فرمایا: اسمہ یحییٰ۔ اس کے بعد اسی یحییٰ کو خطاب فرمایا کہ یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ۔

وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ اور ہم نے انھیں حکم عطا فرمایا۔ دراں حالیکہ وہ **صَبِیًّا** بچے تھے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حکم سے نبوت مراد ہے۔ اس لیے کہ انھیں تین یا سات سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔

نکتہ: نبوت کو حکم سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کی بچپن سے ہی عقل پختہ اور مضبوط تھی۔ اسی لیے اللہ تعالٰے نے انھیں بچپن میں وحی سے نوازا۔

ف: بعض کے نزدیک حکم سے حکمت اور فہم تورات اور فقہ فی الدین مراد ہے۔ دراصل حکم یعنے المنع ہے اسی معنے پر حاکم کو حاکم کہا

جاتا ہے کہ وہ ظالم کو ظلم سے روکتا ہے اور حکمت انسان کو بے وقوفی سے روکتی ہے ۔

حکایت: بچوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کھیل کود کے لیے بلایا تو آپ نے جواب دیا کہ ہم کھیل کود اور تماشہ کے لیے نہیں پیدا ہوئے۔

سبق: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس میں ان لوگوں کو عبرت حاصل چاہیے جو زندگی بھر کھیل تماشہ میں وقت ضائع کرتے ہیں اور دنیا کے دام تزویر میں پھنسے رہتے ہیں ۔

عمر ببازیچہ بسر میبری

پائے باندازہ بدر مے بری

بہ کہ زبازئ جہان پا کشی!

طفل نہ چند ببازی خوشی

ترجمہ: زندگی کھیل تماشہ میں ضائع کر رہا ہے اپنے اندازہ سے باہر پاؤں پھیلا رہا ہے ۔ تاکہ کھیل تماشہ میں زندگی ضائع کرتا رہے گا ۔ تم بچے تو نہیں کہ کھیل تماشہ سے خوش ہو ۔

اولیائے امتِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی شان

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی ایسے حضرات گذرے ہیں جنھیں بچپن میں حضرت یحییٰ کی طرح کشف والہام ربانی نصیب ہوا ۔ ان میں حضرت سہل بن عبداللہ تستری قدس سرہٗ ہیں جن کی سلوک کی تمام منزلیں تین سال سے سات سال تک مکمل ہوگئیں ۔ میں نے یہ ارشاد گرامی اپنے شیخ پیر و مرشد قدس سرہ سے سنا ۔

(اسی طرح اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ کا حال تھا جیسا کہ ان کے حالات شاہد ہیں[1] ۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد مشائخ کے حالات اس طرح ملتے ہیں ۔)

ف: یہ ایسے حضرات کو نصیب ہوتا ہے جن کے قلوب پر معمولی حجابات ہوں تو پھر معمولی سی توجہ سے وہ حجابات دور ہو جاتے ہیں اور بہت سے کثیف الحجاب لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لیے مجاہدات شاقہ اور ریاضات شدیدہ کی ضرورت ہوتی ہے ان کے حجابات عرصہ کے بعد دور ہوتے ہیں ۔

ف: کامل کی روح بدن سے بہت جلد متعلق ہو جاتی ہے اسی لیے وہ مادہ روحانی والدین کی طرف جلد پہنچتا ہے جس سے احسن وصف سے اور اعدل زمان میں نطفہ ٹھہرتا ہے اور احسن وصف اور اعدل زمان میں ولادت ہوتی ہے ۔ اسی بنا پر وہ بچہ احکام الٰہی کی ادائیگی میں چوکس ہوتا ہے ۔

اے اللہ تعالےٰ ہم سے حجابات ظلمانیہ و نورانیہ دور فرما کر ہمیں ان لوگوں سے بنا جن کے قلوب پر انوار ربانیہ مکشوف ہوتے ہیں (آمین)

---

[1] حیات اعلحضرت جلد اول وغیرہ ۱۲ ۔ (اویسی غفرلہ)

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا۔ اس کا الحکم پر عطف ہے اور اس کی تنوین تفخیم کے لیے ہے۔ حنان بمعنے تحسن و اشتیاق مثلاً کہا جاتا ہے:

"حن ای ارتاح و اشتاق"

پھر عطوفت و رأفت کے معنے میں مستعمل ہونے لگا یعنے ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو بہت بڑی رحمت و شفقت عنایت فرمائی یا یہ معنے ہے کہ ہم نے ان کے دل میں رحمت اور والدین وغیرہما کے لیے شفقت پیدا فرمائی۔

وَزَكٰوةً بمعنے طہارۃ من الذنوب، یعنے انھیں گناہوں سے پاکدامنی بخشی۔

ف: حضرت امام نے فرمایا کہ انھیں ایسی شفقت نصیب ہوئی کہ ان کو ادائیگی وجوب میں خلل اندازی سے بچاتی تھی۔ اس لیے کہ بعض اوقات شفقت انسان کو ادائیگی وجوب سے روک لیتی ہے۔ کما قال تعالے:

ولا تاخذکم بہا رافۃ فی دین اللّٰہ

اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے انھیں والدین وغیرہما پر شفقت و رحمت کرنے کے ساتھ ایسی طبیعت بخشی جس سے وہ ادائیگی وجوب میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ زکوٰۃ سے صدقہ مراد ہے یعنے ہم نے ان کے والدین کو یحییٰ علیہ السلام بصورت صدقہ و عطیہ کے بخشا یا ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو لوگوں پر خیر و خیرات دینے کی توفیق بخشی۔

وَكَانَ تَقِيًّا ۝ اور تھے وہ پرہیزگار یعنے مطیع اور معاصی سے اجتناب کرنے والے، انھوں نے کبھی بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا اور نہ ہی کسی گناہ کا ارادہ فرمایا۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ اور اپنے والدین کے بے حد خدمت گذار اور ان کے سامنے تواضع اور انکسار سے پیش ہونے والے اور ہر طرح کی خدمت بجالانے والے۔ **وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا** ۝ اور نہ تھے اپنے والدین اور رب تعالےٰ کے بے فرمان۔

ف: بحرالعلوم میں ہے کہ الجبار بمعنے المتکبر۔

بعض نے کہا کہ جبار ہر وہ انسان ہے جو لوگوں کو بے دردی سے مارے اور غیظ و غضب سے لوگوں کو قتل کر دے اور اپنے انجام پر نگاہ نہ رکھے۔ بعض نے کہا جبار وہ انسان ہے جو متکبرانہ انداز میں اللہ تعالےٰ کے احکام سے روگردانی کرے۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے سلامتی اور امان ہو یحییٰ علیہ السلام پر۔ یہ عبارت دراصل وسلمنا علیہ فی ھذہ الاحوال یعنے ہم نے یحییٰ علیہ السلام پر ان احوال میں سلام بھیجے اس لیے کہ انسان کے یہی حالات زیادہ وحشت ناک ہوتے ہیں۔ پھر جملہ فعلیہ کو جملہ اسمیہ کی طرف منتقل کیا گیا ہے تاکہ سلام کے استقرار و ثبات پر دلالت ہو۔ اسی لیے وحشت کی دوری

لہ: سورہ نور، رکوع ۱ - ۱۲

صرف سلام کے ثبات ودوام سے ہوسکتی ہے اور بس۔ يَوْمَ وُلِدَ۔ اس وقت کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے مطلب یہ ہے کہ بچے کو پیدائش کے وقت شیطان ڈراتا ہے لیکن ہم نے سلامتی اور امان نازل فرما کر یحییٰ علیہ السلام کو محفوظ فرمالیا۔ وَيَوْمَ يَمُوْتُ۔ اور اس وقت جب کہ وہ طبعی موت سے واصل باللہ ہوں گے یہ وقت بھی اور اس کے بعد قبر کے اوقات وحشتناک ہوتے ہیں لیکن ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو امن وسلامتی سے نوازا۔ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا○ اور اس وقت جب کہ قیامت میں زندہ ہو کر اٹھیں گے تو انہیں قیامت اور عذاب نار سے سلامتی اور امن بخشیں گے۔

فائدہ صوفیانہ: آیت میں ام الطبیعۃ اور موت سے فنا اور بعث سے بقا، بعد الفناء کی طرف اشارہ ہے یعنے جب انسان مقتضیات طبعیہ سے ذات حق میں فنا پاتا ہے تو اسے مقام بقا نصیب ہوتا ہے۔

نکتہ: ولادت، موت، قبر سے محشر کے لیے اٹھنے کے مواقع اس لیے وحشت ناک ہیں کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اسے دنیا کا عالم ایک اجنبی ملک محسوس ہوتا ہے، اسی لیے پیدا ہوتے ہی دھاڑیں مارتا ہے، اور جب مرے گا تو قبر میں ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے جو دنیوی زندگی سے غیر مانوس ہوں گے اور محشر میں اٹھے گا تو اپنے آپ کو ایسے علاقہ میں پائے گا جسے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن یحییٰ علیہ السلام کو ان وحشت ناک مقامات سے امان اور سلامتی بخشی گئی۔

تفسیر صوفیانہ زکریا سے روح انسانی اور اس کی زوجہ سے انسانی جسم مراد ہے اس لیے کہ جسم روح کی زوجہ ہے اور یحییٰ سے قلب کی طرف اشارہ ہے۔ اب اس کا معنٰے یہ ہے کہ جب روح نے جسم میں عرصہ دراز تک وقت گذارا تو ناممکن سمجھا کہ اسے کوئی ایسا قلب نصیب ہو جو فیض الوہیت بلاواسطہ حاصل کرنے کی استعداد رکھے۔ اسی لیے اس کریم نے اعلان فرمایا:

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن۔ — میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمان میں لیکن میں مومن بندے کے قلب میں سماتا ہوں۔

اور اس سے وہ فیض ازلی مراد ہے جو حیوانات کو بھی نصیب نہ ہوا اور نہ ہی ملائکہ کرام کو۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت

چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ: ملائکہ کو حسن طاعت کی لذت کی کیا خبر جب کہ عشق کے فیض کی دولت حضرت آدم علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔

ف: جب روح کو موصوف بوصف مذکور قلب کی بشارت نصیب ہوئی تو اس نے مزید انکشاف چاہا کہ میری زوجہ یعنے جسم تو بانجھ (مردہ) ہو چکا ہے اب وہ اس قلب زندہ کو کیسے اپنے میں محفوظ رکھ سکے گا جو نور الٰہی سے منور ہو تو اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وایتك الا تكلم الناس — اور اس کی علامت یہ ہے کہ تم نہ غیروں سے کلام کرو اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ نہ رکھو۔

ثلث لیال، میں تین مراتب کی طرف اشارہ ہے:

① جمادات

② حیوانات

③ روحانیات

جب بندہ اللہ تعالٰی کے قرب کے حصول کے لیے ماسوی اللہ سے توجہ ہٹاتا ہے تو اسے وہ قلب نصیب ہوتا ہے جو نور الٰہی سے منور ہوتا ہے جسے آیت میں لفظ غلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فخرج علی قومہ یعنے روح جب اپنے خواہشات کے مرکز سے نکلا تو اپنی قوم یعنے صفات نفس و قلب اور انانیت سے فرمایا کہ سبحوا بکرۃ و عشیا، یعنے رات و دن صرف اللہ تعالٰی کی طرف توجہ رکھو اور غیروں سے دھیان بالکل ہٹالو۔ بکرۃ سے ازل اور عشی سے ابد مراد ہے یعنے ہمیشہ کے لیے جب ایسے خوش قسمت انسان کو یحییٰ یعنے نورانی قلب نصیب ہوا تو اللہ تعالٰی نے اسے فرمایا اخذ الکتاب، یعنے قوت انسانی بلکہ قوت ربانیہ سے فیض الٰہی کی کتاب کو لے لے۔ قوت انسانی کی نفی اس لیے کی گئی کہ انسان تخلیقاً ضعیف ہے۔ بلکہ اسے تو کوئی قوت ذاتی ہے ہی نہیں کہ بہت بڑی قوت و طاقت کا مالک صرف اللہ تعالٰی ہے اور وہی ہر ایک قوت اور رزق وغیرہ عطا کرنے والا ہے اسی وجہ سے وہ قلب نورانی صاحب علم و حکمت و رحمت اور طاہر عن المیلان عن ماسوی اللہ اور متقی ہوتا ہے۔

وبرا بوالدیہ ولم یکن جبارا عصیا اور وہ قلب نورانی نفس امارہ کی طرح نہیں بلکہ وہ باپ روح اور اپنی ماں جسم کے ساتھ احسان کنندہ ہے اور ان کے ساتھ رعونت اور سرکشی کے ساتھ پیش نہیں ہوتا۔ باپ یعنے روح سے احسان مندی کا معنے یہ ہے کہ اسے فیض الٰہی کے نور سے نورانی بناتا ہے اور فیض الٰہی کے نور کا مرکز بھی روح ہے اس لیے کہ فیض الٰہی کے نور کو صرف روح قبول کرتا ہے۔

سوال: روح نے فیض الٰہی کے نور کو قلب کے واسطے کے بغیر کیوں نہ قبول کیا؟

جواب: جواب چونکہ روح لطیف ہے اسی لیے وہ نور فیض الٰہی کو اپنے میں روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا قلب نے آکر نور فیض الٰہی کو اپنے میں جگہ دی اس میں چونکہ صفائی بھی ہے اور کثافت بھی۔ اسی لیے نور فیض الٰہی اس میں روکا گیا اس لیے کہ قلب نے صفائی سے نور کو قبول کیا تو کثافت سے اسے روکا۔ اس کے واسطے سے پھر وہی نور روح کو حاصل ہوا۔ اسے یوں سمجھئے کہ سورج کا نور ہوا پر بھی پڑتا ہے لیکن ہوا اپنی لطافت کی وجہ سے اپنے میں اس نور کو روک نہ سکی لیکن وہی نور آئینہ میں روکا گیا اس لیے کہ شیشہ میں لطافت تھی تو نور کو قبول کیا اس کے بعد اپنی کثافت سے اس نور کو محفوظ کر لیتا ہے ایسے ہی قلب کا معاملہ ہے۔

بارِ امانت کا راز: امانت ایزدی جسے اللہ تعالٰی نے کل کائنات کو پیش کیا تو سب نے انکار کیا لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا تو اس کا راز اسی میں مضمر تھا اور قلب کی ماں یعنے جسم سے احسان مندی کا معنے یہ ہے کہ اسے اور امر شرع پر لگایا اور اسے نواہی سے بچایا تاکہ احکام الٰہی کی تعمیل سے قبر کے عذاب سے بچ کر بہشت کا استحقاق ہو۔

ایک ولی کامل کا ذکر ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل میں تھا کہ ایک بزرگ میرے ساتھ اسی جنگل میں چل رہے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ

اور کتاب میں مریم کو یاد کرو۔ جب اپنے گھر والوں سے پورب کی طرف ایک جگہ الگ گئی تو ان سے ادھر ایک

دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

پردہ کر لیا تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ

میں ظاہر ہوا۔ بولی میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے خدا کا ڈر ہے بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں

رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ

کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں بولی میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہ لگایا

بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً

نہ میں بدکار ہوں کہا یونہی ہے تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لیے کہ ہم اسے لوگوں

لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا

کے واسطے نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ٹھہر چکا ہے اب مریم نے اسے پیٹ میں لیا پھر اسے لیے ہوئے

قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ

ایک دور جگہ چلی گئی پھر اسے جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا بولی ہائے کسی طرح میں اس سے پہلے

قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ

مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی تو اسے اس کے تلے سے پکارا کہ غم نہ کھا بے شک تیرے

رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا

رب نے تیرے نیچے ایک نہر بہادی ہے اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی

جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ

تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ دینا میں نے

اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا

آج رحمٰن کا روزہ مانا ہے تو آج ہرگز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی تو اسے گود میں لے اپنی قوم کے

تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ

پاس آئی بولے اے مریم بے شک تو نے بہت بری بات کی اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی

امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ

نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو

فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾

پالنے میں بچہ ہے بچہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾

اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک جیوں

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ

اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن

أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ

مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں یہ ہے عیسٰی مریم کا بیٹا سچی بات جس میں شک کرتے ہیں

يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا

اللہ کو لائق نہیں کہ کسی کو اپنا بچہ ٹھہرائے پاکی ہے اس کو جب کسی کام کا حکم فرماتا ہے تو یونہی کہ اس

يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ

سے فرماتا ہے ہوجا وہ فوراً ہوجاتا ہے اور عیسٰی نے کہا بیشک اللہ رب ہے میرا اور تمہارا تو اس کی بندگی کرو یہ راہ سیدھی

مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ

ہے پھر جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں تو خرابی ہے کافروں کے لیے ایک بڑے دن کی

يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ

حاضری سے کتنا سنیں گے اور کتنا دیکھیں گے جس دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے مگر آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں

مُبِينٍ ﴿٣٨﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا

اور انہیں ڈر سناؤ پچھتاوے کے دن کا جب کام ہو چکے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور

يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾

نہیں مانتے بے شک زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کے وارث ہم ہوں گے اور وہ ہماری ہی طرف پھریں گے

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۶۹)

حکایت تھے میں ان سے متعجب ہوا تو میرے دل میں الہام ہوا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں میں نے انھیں قسم دے کر عرض کی کہ بتایئے، آپ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ میں تیرا بھائی خضر ہوں۔ پھر ان سے میں نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ سے ایک سوال پوچھوں، انھوں نے فرمایا پوچھو۔ میں نے عرض کی کہ بتایئے مجھے آپ سے زیادہ شرف کیوں نصیب ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ صرف اس لیے کہ تم اپنی والدہ کے فرمانبردار اور ان کی خدمت کرتے ہو۔ (کذافی المقاصد الحسنہ)

سبق: عاقل وہ ہے جو مطلقاً اپنے والدین کا احسان ہو وہ جسمانی والدین ہوں یا روحانی اس لیے کہ احسان مند انسان کو بہشت

میں پہنچاتی ہے اور دار کرامت نصیب ہوتی ہے اور شدائد سے امن و سلامتی حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ ۔ اور اے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کتاب میں یاد کیجئے کتاب سے قرآن مجید یا سورۃ کریمہ مراد ہے اس لیے کہ سورۃ بھی قرآن مجید کا ایک حصہ ہے۔ اسی لیے اس پر بھی لفظ کتاب کا اطلاق جائز ہے۔

مَرْيَمَ ۔ یہاں لفظ خبر مضاف محذوف ہے یعنے مریم بنت عمران کا قصہ اور اس کی خبر۔

سوال: مضاف محذوف ماننے کا کیا فائدہ؟

جواب: چونکہ ذکر کا تعلق اعیان سے نہیں ہوتا بنا بریں مضاف محذوف مان کر ذکر کو اعیان کے تعلق سے بچایا گیا ہے اور مریم بمعنے عابدہ۔

نکتہ اور ردِ نصاریٰ قرآن مجید میں سوائے بی بی مریم کے اور کسی عورت کا نام نہیں اس میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ نصاریٰ نے گندا عقیدہ پھیلا رکھا تھا کہ عیسےٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا اور بی بی مریم اس کی جورو (معاذ اللہ) اور ساتھ یہ بھی انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالےٰ احکم الحاکمین ہے اور اہل عرب میں قاعدہ تھا کہ بڑے بادشاہ و امراء اپنی تصانیف و دیگر کتب و رسائل و خطوط میں اپنی عورتوں کا نام لینا گوارہ نہیں کرتے اور نہ ہی خود ان کا کہیں ذکر کرتے۔ البتہ کنیزوں کے نام لیتے رہتے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے جابجا بی بی مریم کا نام لیا تاکہ نصاریٰ کے گندے عقیدے کا رد ہو جائے اور انھیں معلوم ہو کہ اگر بی بی مریم خدا تعالےٰ کی جورو (معاذ اللہ) ہوتی تو اس کا نام قرآن مجید میں نہ لیتے اور اس کے بار بار نام لینے سے انھیں یقین ہو جانا چاہیئے کہ نہ بی بی صاحبہ خدا تعالےٰ کی جورو ہے نہ عیسےٰ علیہ السلام خدا تعالےٰ کے بیٹے اور وہ دونوں اس کے پاکباز بندے ہیں۔ اسی طرح بی بی صاحبہ کی پاکدامنی اور ان کی طہارت کے ذکر سے یہودیوں کی تردید کی گئی ہے جب کہ وہ بی بی صاحبہ پر بہت بُرے اور بڑے گندے الزام و بہتان تراشتے تھے۔ (کذا فی التعریف والاعلام للامام السہیلی قدس سرہٗ)

نکتہ (۲) اسئلۃ الحکم میں ہے کہ صرف بی بی مریم کا نام، قرآن مجید میں مذکور ہونے میں اشارہ ہے کہ اگرچہ وہ بی بی عورت تھی لیکن اس کے نیک اعمال کئی مردوں سے بڑھ کر ہیں اسی لیے وہ اس لائق ہے کہ اس کا نام قرآن مجید میں مردوں کی طرح مذکور ہو جیسے موسےٰ، عیسےٰ، ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے اسماء مذکور ہیں ایسے وہ بھی اور جیسے انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالےٰ نے خطاب سے نوازا اس کو بھی۔ کما قال تعالےٰ:

یا مریم اقنتی واسجدی وارکعی مع الراکعین[1]

---

[1] سورہ آل عمران

انہی کوائف کو دیکھ کر بعض لوگوں نے بی بی مریم کی نبوت کا قول کیا۔

إِذِ انْتَبَذَتْ۔ اذ افعل انتباذ کا ظرف ہے اور انتباذ ، بنذ سے ہے بمعنے طرح ۔ از باب افتعال ۔ مِنْ أَهْلِهَا۔ اس سے ان کی اپنی قوم مراد ہے ۔ یہ انتبذت کے متعلق ہے ۔ مَكَانًا شَرْقِيًّا ○ چونکہ انتباذ میں ایتان کے معنے کو متضمن ہے اس لیے کہ مکانا شرقیا اس کا مفعول لہ ہے اب معنے یہ ہوا کہ بی بی مریم اپنی قوم سے مشرق کی جانب ایک جگہ الگ گئی ۔ اس وجہ سے نصاریٰ مشرق کی سمت کو اپنا قبلہ بناتے ہیں اس کے برعکس یہود مغرب کی جانب کو ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تورات کا حصول اور میقات پہاڑ کی غربی جانب سے ہوا ۔

کما قال تعالےٰ :

وما كنت بجانب الغربي اذ قضينا الى موسى الامر

مطلب یہ ہے کہ بی بی مریم اپنی برادری سے بہت دور چلی گئیں اور بیت المقدس کے شرقی جانب بی بی ایشاع یعنے اپنی خالہ زوجہ زکریا علیہ السلام کے گھر میں چلی گئیں ۔

ف : بی بی مریم صاحبہ کی عبادت گاہ بیت المقدس کے اندر تھیں لیکن جب ایام ماہواری شروع ہوتے تو اپنی خالہ کے گھر جو مسجد کے قریب تھا، چلی جاتیں، فراغت کے بعد مسجد میں واپس تشریف لاتیں لیکن ایک دن سردی میں انھیں غسل کرنا پڑا تو سردی کی وجہ سے دھوپ میں نہانے کے لیے گھر کی جانب ایک اوٹ (حجاب) میں نہانے لگیں۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا۔ تو اپنے گھر والوں کے مکان کی جانب سے ایک پردہ لے لیا ۔ (کذا قال الکاشفی)

ف : حجاب سے وہ آڑ مراد ہے جو کسی کو چھپا لے اور اسے کوئی نہ دیکھ سکے ۔

غسل سے جب فارغ ہوئیں اور کپڑے پہن کر غسل خانہ سے باہر آنے کا ارادہ کیا تو آپ کے سامنے ایک فرشتہ انسانی شکل میں تشریف لایا جو بالکل نوجوان بے ریش حسین چہرہ اور گھنگرالے بالوں والا تھا ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا پس ہم نے اس کی طرف اپنا روحانی بھیجا ۔ اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں ۔ اس لیے کہ وہ روحانی ہیں اور انھیں ان کی لطافت کی وجہ سے روح کہا جاتا ہے یا اس لیے کہ ان کی وجہ سے دین زندہ ہوتا ہے ۔

ف : بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام اپنی حقیقت مجردہ کی وجہ سے حقیقۃً اور باعتبار صورت مثالی کے مجازاً روح ہیں ۔

قاعدہ برائے اہل سنت ارواح مجردہ کی خصوصیت ہے اور وہ ان کی ذاتی صفات سے ہے کہ وہ عین حیات ہیں اور ان کی شان ہے کہ مثالی صورتوں میں متمثل ہوں اسی لیے کہ وہ بحالت تمثل جس شے کو بھی مس کرتے

ہیں تو وہ شے زندگی پالیتی ہے اور انہی کی وجہ سے ان میں حیات سرایت کر جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت سامری نے جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے کی مٹی سے مٹھی بھر کر بچھڑے میں ڈالی باوجودیکہ وہ سونے چاندی کے زیورات سے تیار شدہ تھا لیکن مٹی پھونکنے سے وہ آواز دینے لگا اس لیے کہ اس میں جبریل علیہ السلام کے تاثرات سرایت کر گئے تھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انھیں روح محبت سے کہا گیا ہے۔ جیسے تم اپنے محبوب سے کہتے ہو:

انت روحی (تو میری روح ہے)

فَتَمَثَّلَ لَهَا۔ تو جبرئیل علیہ السلام بی بی مریم کے لیے متمثل ہوئے یعنے ہم شکل ہو گئے۔ یہاں پر تمثل بمعنے تشبیہ یعنے ہم شکل ہونا ہے اسی لیے بَشَرًا، اس کا مفعول بہ ہے۔ سَوِيًّا ۝ مکمل انسان کہ اس میں آدمیت کے تمام اوصاف پائے گئے۔ کسی وصف کی بھی ان میں کمی نہیں تھی۔

ف: جبرئیل علیہ السلام بشری لباس میں اس لیے تشریف لائے تاکہ بی بی مریم ان سے مانوس ہو کر ہمکلام ہو سکیں اور وہ حکم جو اللہ تعالٰے سے لائے اسے پورے طور پر حاصل کر سکیں۔ ورنہ اگر وہ ملکی صورت میں آتے تو بی بی مریم ان سے نفرت کر کے ان سے کلام الہٰی نہ سن سکتیں۔ علاوہ ازیں وہ بی بی مریم کے اندر حضرت عیسٰے علیہ السلام کی روح پھونکنے آئے تھے۔ اسی لیے بشری لباس میں آئے تاکہ عیسٰے علیہ السلام بشری صورت میں دنیا میں تشریف لا سکیں۔ اگر وہ ملکی صورت میں تشریف لاتے تو حضرت عیسٰے علیہ السلام روحانیین سے ہوتے (اور حکمت ایزدی پوری نہ ہو سکتی)۔[1]

فائدہ طیبہ: اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے ساتھ جماع کرنا اس وقت نہایت مفید ہوتا ہے جب حیض سے پاک ہو کر غسل کرے۔ اس طرح سے بچہ جسمانی طور پر کامل، اکمل پیدا ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ روح سے کلمۃ اللہ کا نور مراد ہے وہ کلمۃ اللہ جسے کن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کلمۃ اللہ کو نور سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کے سبب سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں۔ کما قال:

او من کان میتا فاحیناہ — کیا وہ مردہ نہیں تھا جسے ہم نے زندہ کیا۔

اور کبھی روح کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور کو روح سے۔ کما قال:

وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا۔ — اور اسی طرح ہم نے اپنا نور اپنی جانب سے آپ کے ہاں بھیجا۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے بی بی مریم کے پاس کلمہ کُن کا نور بھیجا تو وہ ایک تندرست آدمی کی شکل میں آیا جیسے ہمارے ہاں نورِ توحید کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی صورت میں آیا ہے اور عیسٰے علیہ السلام کلمہ 'کُن' کے نور ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالٰے کا یہ ارشاد ہے:

---

[1] : یہی حکمت ہم نبی علیہ السلام کی تشریف آوری کے لیے بیان کرتے ہیں۔ ۱۲

وکلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ — وہ کلمہ جو اللہ تعالٰے نے بی بی مریم کو عنایت فرمایا اور روح یعنے اپنے دیدار کا نور۔

جب وہ نوری بی مریم کے ہاں بشری لباس میں آیا تو اسے اجنبی سمجھ کر پہچان نہ سکیں، اسی لیے اس سے پناہ مانگی۔

تفسیر عالمانہ

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ ۔ بی بی مریم بولی کہ اسے نوجوان! میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔

ف: صفت رحمانیہ لانے میں مبالغہ مطلوب ہے تاکہ مکمل طور پر پناہ حاصل ہو۔ یعنے خصوصی رحمت کے طلب گار ہوئیں تاکہ جس سے خوفزدہ ہوئی ہیں اس سے مکمل طور پر عصمت نصیب ہو۔

ف: کشاف میں لکھا ہے کہ یہ بی بی صاحبہ کے کمال پرہیزگاری کی دلیل ہے کہ باوجود حسین وجمیل صورت کو دیکھنے کے اس سے مانگ پناہ رہی ہیں۔

اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا ۝ اگر تم خدا تعالٰے کا خوف دل میں رکھتے ہو اور تمھیں رب تعالٰے کی پناہ کی کچھ قدر ہے۔ شرط کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ سیاق کلام سے جواب خود بخود بن جاتا ہے اور وہ جواب " فانی عائذۃ بہ "، میں اللہ تعالٰی کی پناہ چاہتی ہوں۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ بی بی صاحبہ نے کہا کہ اگر تم متقی اور پرہیزگار ہو تو میں تجھ سے پرہیز کرتی ہوں اور تجھے اللہ تعالٰے کی پناہ کا واسطہ دیتی ہوں تاکہ تم میرے قریب نہ پھٹکو۔

ف: شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ بی بی صاحبہ نے یہ اس لیے فرمایا کہ پرہیزگار کو خدا کا اور فاسق کو حکومت کا اور منافق کو لوگوں کا ڈر ہوتا ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ اگر تم متقی ہو تو میں تمھیں خدا کی پناہ کا واسطہ دیتی ہوں، اگر تم فاسق ہو تو تمھیں رحمٰن کا کیا پتہ؟ پھر میں لوگوں سے ڈراتی ہوں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بی بی صاحبہ کی بات سن کر کہا:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ۔ فرمایا کہ میں وہ نہیں جس سے تمھیں خطرہ ہے اور تم اللہ تعالٰے کی پناہ کا واسطہ دے رہی ہو میں تو تیرے رب تعالٰے کا بھیجا ہوا ہوں۔ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا ۔ تاکہ میں تمھیں ایک بیٹا دوں۔ بایں طور کے تیرے دامن میں پھونک کر۔ زَکِیًّا ۝ ستھرا بیٹا پیدا ہونے کا سبب بنوں۔ زکیاً بمعنے گناہوں اور ظلمت نفسانیہ انسانیہ کی خرابیوں سے پاک۔

قَالَتْ ۔ ظاہری اسباب نہ ہونے سے متعجب ہو کر فرمایا کہ بی بی صاحبہ کو قدرت ایزدی سے بعید ہونے سے نہیں بلکہ اسباب عادیہ کے فقدان کی وجہ سے تعجب ہوا۔ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ ۔ مجھے ستھرا بیٹا کیسے؟ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ اور مجھے تو کسی آدمی نے آج تک ہاتھ نہیں لگایا یعنے میرے ساتھ کسی نے نکاح ہی نہیں کیا۔ اس سے حلال وطی کی طرف

اشارہ فرمایا یہاں پر بی بی نے زنا مراد نہیں لیا۔ اس لیے کہ آپ کی پاک دامنی کا اظہار تو پہلے ہوگیا اور وہ ایسے خبیث فعل سے نفرت کا اظہار پہلے فرما چکی تھیں اور بتا دیا تھا کہ یہ کام فاجروں کا ہے یا ممکن ہے کہ زنا بھی مراد ہو۔

ف : بشر کی قید اس لیے لگائی کہ وہ اسباب ولادت سے بالکل منزہ ہیں۔

وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ بغیا بروزن فعولا بمعنے فاعل دراصل بغویا تھا یعنے حالانکہ میں زنا کار بھی نہیں ہوں۔

سوال : بغیۃ مؤنث کا صیغہ لانا تھا، مذکر کا کیوں ؟

جواب : شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ لفظ حائض کی طرح مؤنث کے لیے مستعمل ہوتا ہے یعنے وہ عورت جو زنا کے لیے مردوں کی تلاش میں رہے، بمعنے زنا کار اور فسق و فجور کی طالبہ۔ اس سے بی بی صاحبہ نے مطلقاً وطی کی نفی کی ہے۔ اس لیے کہ بچے کی پیدائش یا نکاح حلال سے ہوتی ہے یا حرام فعل سے۔ اور نکاح حلال کی نفی پہلے فرمائی کہ مجھے کسی آدمی نے چھوا تک نہیں، اور حرام کی نفی میں فرمایا کہ میں زنا کار نہیں۔ جب یہ دونوں فعل مجھ میں نہیں تو بچہ کیسا ؟۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بی بی صاحبہ نے کہا کہ ولم یمسسنی بشر یعنے اس سے قبل مجھے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا اور ولم اك بغیا۔ اور اب اس کے بعد بھی میرے ساتھ زنا یا نکاح بھی کوئی نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ میں محررہ ہوں اور مردوں سے نکاح کرنے سے روکی ہوئی ہوں۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۔ فرمایا کہ معاملہ تو ایسے ہی ہے جیسے تم فرماتی ہو کہ تمھیں نکاح و زنا سے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا لیکن قَالَ رَبُّكِ ۔ تیرے رب تعالےٰ نے مجھے تیرے ہاں بھیج کر فرمایا ہے کہ ھُوَ ۔ جو کچھ میں نے کہا ہے کہ میں تمھیں بیٹا دینے آیا ہوں اگرچہ تمھیں کسی نے چھوا تک نہیں۔ لیکن عَلَیَّ هَیِّنٌ ۔ میرے لیے آسان ہے اس لیے کہ میں اسباب عادیہ و وسائط کا محتاج نہیں ہوں۔

ف : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ قال کذالك ۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے تم کہتی ہو، لیکن قال ربك ھو علی ھین، تیرے رب تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے کہ میں تیرا بیٹا کسی انسان کے نطفہ سے پیدا نہیں کروں گا بلکہ میں تو اسے کلمۂ 'کن' کے نور سے پیدا کروں گا[1]

کما قال تعالےٰ :

مثل عیسیٰ کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون ۔	عیسےٰ علیہ السلام کی مثل آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ انھیں مٹی سے بنا کر فرمایا : کن : تو پھر وہ ہوگئے۔

---

[1] : بعض بدفہم کہہ دیتے ہیں کہ ہم منی سے پیدا ہوتے ہیں تو نبی علیہ السلام بھی انسان ہیں۔ فلہذا وہ بھی (معاذ اللہ)۔۔۔ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ جس مفہوم کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لیے ماننا ضروری ہے اس سے بڑھ کر اپنے نبی کریم کے لیے ماننا ضروری ہے۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ اور اس لیے کہ ہم اسے یعنے عیسٰے علیہ السلام کو پیدا کر کے بنائیں لوگوں کے لیے برہان اور نشانی، اپنی قدرت پر تاکہ لوگ انھیں دیکھ کر ہماری کمال قدرت پر استدلال کریں۔ واوٗ اعتراضیہ ہے یا معنٰے یہ ہے کہ ہم اپنی قدرت کی عظمت کا بیان کریں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اٰیۃ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے اپنی قدرت کی علامت بنائیں تاکہ لوگ یقین کریں کہ ہم ماں باپ کے بغیر بھی بچہ پیدا کر سکتے ہیں جیسے آدم علیہ السلام ماں باپ کے بغیر اور حوّا کو ماں کے بغیر پیدا فرمایا۔

وَرَحْمَةً اور بہت بڑی رحمت ۔ مِّنَّا ۚ ہماری طرف سے ان پر تاکہ وہ لوگ اس سے ہماری ہدایت وارشاد کو پا سکیں۔

رحمۃ منا اور یدخل من یشاء فی رحمۃ میں بہت بڑا فرق ہے۔ جسے اپنی رحمت سے بہشت میں داخل کرے گا وہ کم درجہ ہے اس سے جسے عین رحمت بنا دے **رحمۃ للعٰلمین** پھر اس کا کیا کہنا پھر رحمۃ منا اور رحمۃ للعٰلمین میں فرق ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لیے رحمت ہیں۔ دنیا میں تو یہی ہے کہ آپ کا دین تا قیامت جاری ہے کسی دوسرے دین سے منسوخ نہ ہوگا اور آخرت میں کل مخلوق آپ کی شفاعت کی محتاج ہے، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی[1] (فافہم جدا) (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ اور عیسٰے علیہ السلام کی باپ کے بغیر تخلیق ہوئی اور یہ امر فیصلہ شدہ ہے یعنے میں نے اپنے علم میں سابقا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے وقوع کا حکم دے رکھا تھا کہ ضرور ایسے ہی ہوگا اب اس کے خلاف ہونا ممتنع ہے فلہذا اب حزن وملال کا کوئی فائدہ نہیں۔

من عرف سر اللہ فی القدر ھانت علیہ المصائب جو شخص اللہ تعالٰے کے اسرار سے واقف ہوتا ہے اس پر مصائب آسان ہو جاتے ہیں۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ علم معلوم کے تابع ہے جیسے ہی حالات کا تقاضا ہوتا ہے ایسے ہی اللہ تعالٰے انھیں اپنی حکمت سے ظاہر فرماتا ہے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی تخلیق صفت مذکورہ کے ساتھ ازل میں بتقضائے حکمتِ باری تعالٰے ایسے ہی مقدر تھی اسی طرح جمیع اعیان اور اس کے تمام متعلقات و حالات مختلفہ حکمت ایزدی کے تحت داخل ہیں جسے یہ راز مکشوف ہوا اس پر مصائب والآم آسان ہو جاتے ہیں اس لیے کہ جو کچھ وجود خارجی میں ظاہر ہو رہا ہے وہ حکم ازلی سے ہے ہر ایک کی استعدادات ایسے مختلف ہیں جیسے کھیتی میں اختلاف ہے وہ بیج کی وجہ سے اور اعیان واحوال مختلف ہیں تو استعدادات مختلف ہیں جو اپنے لیے

---

[1] اعلیٰحضرت قدس سرہ نے فرمایا ؎

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

خیراور بھلائی پائے تو اس پر حمد الٰہی بجالائے اور جو اس کے خلاف پائے تو اپنے آپ کو ملامت کرے۔
حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نمی کنم گلۂ لیکن ابر رحمت دوست
بکشت زار جگر تشنگان ندادنمی

ترجمہ: مجھے کوئی گلہ نہیں اس لیے کہ میرے مالک کی رحمت کی بارش نے میرے پیاسے جگر کو پانی ہی نہیں دیا۔اس کی شکایت کیسے ہوسکتی ہے جب کہ میرے احوال میرے ذاتی ہیں۔

اور فرمایا ؎

دریں چمن مکنم سرزنش بخود روئے
چنانچہ پرورشم می دہند می رویم

ترجمہ: اس چمن میں میں نے کبھی ملامت نہیں کی اس لیے کہ جیسے مجھے پرورش کرتے ہیں میں ویسے ہی ظاہر ہوتا ہوں یعنے مجھ پر ملامت کیوں؟ اس لیے کہ جو کچھ ہوا وہ قضاوقدر سے ہوا۔

حکایت حضرت امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں اپنے استاذ ابوعلی دقاق رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے سنا وہ آخری عمر میں فرماتے ہیں کہ اب میرے اوپر توحید کی حفاظت کے لیے تائید الٰہی کے واردات ہوتے ہیں۔ میری حالت مفسر کی سمجھو کہ جو کچھ مفسر میں ہوتا ہے وہی مفسر میں ہوتا ہے۔ اب ہمارا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی مقراض سے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تب بھی اس پر بجائے آہ وزاری کے حمد وشکر بجالاؤں گا۔

ف: بی بی مریم کا قصہ بھی اللہ تعالٰی کے احکام تقدیر ہی سے ہے اس لیے وہ اپنے حال کو پہچان گئیں۔اسی لیے انھیں اللہ تعالٰی نے صدیقہ کے لقب سے نوازا۔یہی وجہ ہے کہ بی بی کو اپنی قوم نے جتنی تکلیفیں اور اذیتیں دیں تو بجائے آہ و بکا کے صبر وشکر کیا۔

حدیث شریف جس بندے سے اللہ تعالٰی محبت کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اگر بندہ صبر کرے تو اسے برگزیدہ بنالیتا ہے اگر شکر کرے تو بہت بڑے مراتب وکمالات سے نوازتا ہے۔

سبق سالک پر حمد وشکر لازم ہے۔جب اللہ تعالٰی اسے اپنی نعمتوں میں مبتلا فرمائے تو اگر وہ نعمت چھن جائے تو صبر کرے ہر دونوں بندے عبودیت پر دلالت کرتے ہیں۔اگر کسی مصیبت کے وقت نفس کو خوش کرنے کے لیے جزع فزع کرتا ہے تو وہ غلبہ ہوائے نفس میں شامل ہوگا۔

سبق حضرت احمد بن حضرویہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ راستہ واضح اور دلیل روشن اور داعی بہت بڑا سننے والا ہے۔اسی لیے تحیر نہ ہونا چاہیے اگر کرے گا تو اندھا ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر تم کوئی نیک کام کرو تو اسے یقین کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرو ورنہ دکھ تکلیف پر صبر کرو تو اس میں بھی تمہارے لیے بہت بڑی بھلائی ہے۔

تفسیر صوفیانہ شرح الحکم العطائیہ میں ہے کہ بہت بڑے تامل کے بعد واضح ہوتا ہے کہ معرفت کے حصول کا راز مصائب و بلایا میں ہے۔ بندے کو معرفت نصیب نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ کے اوصاف اپنے میں پیدا نہ کرے اور وہ فنا کے بعد نصیب ہوتا ہے اور فنا بلا و مصیبت کو سر پر رکھنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عزت کے مقابلہ میں اپنی عزت اور اس کے غنا کے مقابلہ میں اپنے غنا اس کی قوت و قدرت کے مقابلہ میں اپنی قوت و قدرت کا دم بھرے اور ان باتوں کو مٹانے پر بہت زیادہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے اور اس پر صبر ضروری ہے۔ اس سے قہر ربوبیت کو اپنے اوپر غالب کرنا ہوگا اور اپنی عبودیت کا اظہار۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت حال کا تحقق اور جمیع احوال میں مقام صبر اور حمد کا تمکن نصیب فرمائے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائی ہمچو صبر آدم ندید

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بے شمار کیمیا پیدا فرمائے لیکن جو صبر کا کیمیا حضرت آدم علیہ السلام کو نصیب ہوا۔ ایسا کیمیا کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔

نکتہ: بلا و مصیبت سے انسان کے وہ اوصافِ ردی (جو اسے پیدائشی طور پر ملے تھے) جل جاتے ہیں اور اس پر صبر کرنے سے اخلاق الٰہیہ و صفات حقیہ نصیب ہوتے ہیں۔

فَحَمَلَتْهُ جبریل علیہ السلام کی باتوں سے جب بی بی مریم مطمئن ہوئیں تو جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کے قریب ہو کر ان کے گریبان میں پھونک ماری تو ان کی پھونک بی بی صاحبہ کے پیٹ تک چلی گئی۔ اس پر عیسےٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں حمل کی صورت میں تشریف لائے۔ (کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہا)

سوال: جبریل علیہ السلام کی پھونک بی بی مریم کے پیٹ کے اندر کیسے پہنچی ہوگی۔ درمیان میں حلقوم تک پیٹ کے منفذ کھلے تو نہیں ہیں؟

جواب: یہ روحانی معاملات ہیں انہیں منافذ کی ضرورت نہیں مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح داخل ہوئی تو کھوپری کے درمیان میں پھر آنکھوں میں پھر منہ میں پھر تمام اعضا میں پھیل گئی۔

نکتہ: عیسےٰ علیہ السلام میں تین جہان ہیں:

① جسمانیہ

② روحانیہ

③ حدیہ

جب انھیں جسمانیہ کی جہت سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بی بی مریم سے ہیں اور جب انھیں روحانیت سے دیکھا جاتا ہے تو ان میں روحانیت اور اس کے آثار پائے جاتے ہیں مثلاً احیاالموتی اور مٹی سے پرندہ تیار کر کے ذی روح بنا دینا تو یقین ہوتا ہے کہ وہ جبریل علیہ السلام کی پھونک سے ہیں اور جب دیکھا جاتا ہے کہ وہ دونوں جہتوں کے جامع ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہر دونوں ہیں۔

نکتہ: تحقیقی قول یہ ہے کہ جب جبریل علیہ السلام بشری صورت میں متمثل ہو کر بی بی مریم کے سامنے ہوئے تو لذت کی شدت کا اتنا غلبہ ہوا کہ جونہی جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کو دیکھا تو بی بی سے محض نگاہ کی لذت سے پانی ظاہر ہوا جو جبریل علیہ السلام کی پھونک سے مل کر عیسٰے علیہ السلام کی صورت میں شکم مریم علیہ السلام میں ٹھہرا۔ اس پر عیسٰے علیہ السلام اپنی ماں کے پانی سے ہوئے۔ اسے ہم اہل اسلام تو مانتے ہیں لیکن طبیعین عقلاً (فلاسفہ) منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں صرف احد الزوجین کے پانی سے بچے کا وجود محال ہے جب تک زوجین میں سے دونوں کا پانی جمع نہ ہو۔

سوال: اطبار کا اتفاق ہے کہ بچہ کی جسمانیت میں ماں باپ ہر دونوں کے پانیوں کو بہت زیادہ دخل ہے۔ چنانچہ باپ کے پانی سے ہڈیاں اور جوڑ وغیرہ تیار ہوتے ہیں اور ماں کے پانی سے گوشت، خون وغیرہ۔ اس معنے پر عیسٰے علیہ السلام کی تخلیق اگر صرف ماں کے پانی سے مانی جائے تو حقیقت کے خلاف ہے اس لیے کہ عیسٰے علیہ السلام کا جسم کامل مکمل تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں باپ کے پانی کا بھی دخل ضرور ہے۔

جواب نمبر ۱: حضرت عیسٰے علیہ السلام کی جسمانیت کا کامل مکمل ہونا بھی صرف ماں کے پانی کی وجہ سے تھا وہ اس لیے کہ بی بی مریم کا پانی عام عورتوں جیسا نہ تھا۔

جواب نمبر ۲: بی بی مریم کے پانی کے ساتھ جبریل علیہ السلام کا بشری لباس میں متمثل ہو کر ان کے روح پھونکنے کو بھی دخل تھا اس میں یہی راز تو تھا کہ عیسٰے علیہ السلام کی تخلیق دو شخصوں کے واسطہ سے ہوتی جیسے دوسرے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔

جواب نمبر ۳: اس نفخ میں پانی وہمی تھا اور اس وہم سے ہی دوسری قوت کام کر گئی اور بعض اشیاء کا وجود توہمات کے ذریعے سے بھی ہوتا ہے مثلاً جیسے شہتیر پر چلنے والا گرنے کے توہم سے کبھی گر جاتا ہے۔

جواب نمبر ۴: جبریل علیہ السلام کے نفخ نے ہی پانی کا کام دے دیا جب کہ وہ بشری لباس میں تھے اور روح تو تھے ہی اور ارواح میں بقا ہوتی ہے۔

عقیدۂ اہل سنت ردِ مرزائیت: حضرت عیسٰے علیہ السلام کی ولادت حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے

پانچ سوپچپن سال پہلے ہوئی لیکن وہ اس وقت سے تا حال زندہ ہیں اور قرب قیامت میں زمین پر تشریف لائیں گے اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی دعوت دیں گے۔

نکتے ہی نکتے : ① حضرت جبریل علیہ السلام اگر نفخ روح کے وقت بشری لباس میں بی بی کے پاس نہ آتے تو عیسےٰ علیہ السلام روحانیین کی صورت میں ظاہر ہوتے۔

② اگر حضرت جبریل علیہ السلام بی بی مریم کو استعاذہ کے وقت نفخ روح کرتے تو عیسےٰ علیہ السلام ایسی صورت میں ہوتے کہ ان سے کسی کو ملاقات یا دیکھنے کی طاقت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ اس وقت کی بنی ہوئی صورت نہایت ڈراؤنی ہوتی بلکہ جسمانی صورت نہایت ردی ہوتی۔

قاعدہ طبیہ طب کا قانون ہے کہ بوقت جماع دونوں پانیوں کے اجتماع کے وقت ماں باپ جیسے خیالات میں ہوں تو بچہ اسی شکل وصورت میں پیدا ہوتا ہے۔

چونکہ بی بی مریم استعاذہ کے وقت نہایت پریشان اور ان کے دل میں گھبراہٹ تھی کہ یہ اجنبی میرے ہاں ایسی حالت میں آیا ہے۔ خدانخواستہ کوئی ایسا معاملہ ہو جس کی شریعت نے اجازت نہیں بخشی تو پھر کیا ہوگا۔

حکایت بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ ایک عورت کو بچہ پیدا ہوا جس کی شکل وصورت تو انسانی تھی لیکن باقی جسم سانپ کی طرح تھا اس عورت سے سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جب میرے شوہر نے میرے ساتھ جماع کیا تو اس وقت میرے پیش نظر سانپ کی صورت تھی۔

حکایت ایک عورت کو ایک بچہ پیدا ہوا جس کی چار آنکھیں تھیں اور اس کے پاؤں ریچھ جیسے تھے اور قطبی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جب میرے شوہر نے میرے ساتھ جماع کیا تو اس وقت میرے سامنے دو ریچھ کھڑے تھے جنھیں میرے شوہر نے پال رکھا تھا۔

③ جب جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کو خوشخبری سنائی کہ انما انا رسول ربك لاهب لك غلما زكيا یعنے اسے بی بی مریم اگھبرا یئے مت، میں تو تیرے رب تعالےٰ کی طرف سے پیغام لایا ہوں تاکہ بچے کی پیدائش کا سبب بنوں۔ اس سے بی بی صاحبہ کی گھبراہت چلی گئی اور انھیں بے حد سرور وفرحت حاصل ہوئی۔ اس لیے کہ نہ صرف جبریل علیہ السلام نے عیسےٰ علیہ السلام کی خوشخبری سنائی بلکہ ملائکہ نے بھی۔

کما قال تعالےٰ :

واذ قالت الملٰئكة يا مريم ان الله
يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسى
بن مريم وجيهاً فى الدنيا والاخرة

د من المقربين۔

بی بی مریم کی اس فرحت وسرور کے اثنار میں عیسٰے علیہ السلام کی روح ان کے پیٹ میں تشریف لائی۔ اسی وجہ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام ہنس مکھ ہو کر دنیا میں تشریف لائے اس لیے کہ ماں کی جماعی حالت سے بچہ پر اثر خاص ہوتا ہے۔

فائدہ طبیہ : اطبار کہتے ہیں کہ بوقت جماع قوی تر اور حسین وجمیل صورتوں کو تصور میں رکھا جائے تاکہ اسی متصور صورت کے مطابق بچہ پیدا ہو۔

ف : بی بی کے شکم اطہر میں حضرت عیسٰی علیہ السلام جب تشریف لائے تو اس وقت بی بی صاحبہ تیرہ سال کی تھیں۔ حاملہ ہونے سے پہلے دو حیض آپ پر گزرے۔

ف : عیسٰے علیہ السلام کے بارے میں ماں کے پیٹ میں رہنے کا وہی اختلاف ہے جو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔

اعجوبہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جس وقت بی بی صاحبہ کو جبریل علیہ السلام نے پھونک ماری اسی وقت فوراً عیسٰے علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ بعض علماء نے اسی قول کو صحیح تر کہا ہے۔ اور دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ عیسٰے علیہ السلام کی ولادت چونکہ اعجوبۂ روزگار تھی۔ اسی لیے ان کا ماں کے پیٹ سے تشریف لانا اسی قبیل سے ہو تاکہ آپ کا ہر معاملہ اعجوبۂ روزگار ہو نیز فانتبذت کی فاء سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے اس لیے کہ فاء تعقیب بلا تاخیر کے لیے مستعمل ہوتی ہے۔

جوابات از صاحب روح البیان قدس سرہٗ ① فاء کی دلیل غلط ہے اس لیے کہ کبھی یہ ترتیب حکم کی وجہ سے بھی تعقیبیہ ہوتی ہے اور اس میں من کل الوجوہ تعقیب بلا تاخیر کا قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔ یہاں بھی ترتیب حکم کے لیے ہے۔

② ان کا کسی نطفہ سے نہ ہونا یہ بھی ظاہر البطلان ہے اس سے تخلیق انسانی کا قاعدہ غلط ہو جاتا ہے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ عیسٰے علیہ السلام کی ماں کے محقق اور متوہم پانی سے تخلیق ہوتی ہے۔

③ ان کا باپ کے بغیر پیدا ہونا ضروری نہیں کہ ان کے جمیع حالات بلا سبب ماننے جائیں جب کہ اس کے لیے کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

④ ایک روایت سے ثابت ہے کہ عیسٰی علیہ السلام ماں کے پیٹ میں نو ماہ ٹھہرے تھے۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خلاف ہے۔ (اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) اگر ان کا ماں کے پیٹ میں نہ ٹھہرنے والی اعجوبۂ روزگار بات ہوتی تو اسے قرآن مجید میں ضرور بیان کیا جاتا اس لیے کہ یہ بھی ان کے مدائح میں شامل ہے اور ان کے مدائح کو قرآن مجید نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح ماں کے پیٹ میں نو ماہ ٹھہرے تھے۔

معجزۂ عیسٰے علیہ السلام : بعض روایات میں ہے کہ عیسٰے علیہ السلام ماں کے پیٹ میں آٹھ ماہ ٹھہرے۔ یہ آپ کا ایک

معجزہ ہے ورنہ آٹھ ماہ کا بچہ پیدا ہوتے ہی مرجاتا ہے۔

قاعدہ کلیہ: اطباء کا قاعدہ کلیہ ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں ساتویں مہینے میں باہر نکلنے کے لیے بہت زیادہ زور لگاتا ہے اور اس کی یہ حرکت چھٹے ماہ کی حرکت سے قوی تر ہوتی ہے اگر اسی چھٹے مہینے میں پیدا ہو جائے تو اس کی زندگی کی اُمید ہے اگر چھٹے مہینے میں پیدا نہ ہوا اور ساتویں مہینہ کی حرکت سے بھی خاموش رہا تو اب آٹھویں مہینے میں آرام کرتا ہے معمولی سی حرکت بھی نہیں کرتا۔ اگر خدا نخواستہ پیدا بھی ہوگا تو مر جائے گا اس لیے کہ وہ پہلے دو ماہ کی حرکتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کا ارشاد حضرت الشیخ محی الدین بن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ ہم نے عالم دنیا میں آٹھ ماہ کے بعد پیدا شدہ کسی بچے کو نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ اگر آٹھویں مہینے میں پیدا ہو تو مرجاتا ہے اگر زندہ بھی رہے تو اکثر بیمار رہے گا، زندگی میں کبھی اسے تندرستی نصیب نہ ہوگی۔ اس لیے کہ آٹھواں مہینہ بچے پر سرد و خشک ہوتا ہے اور یہ دونوں موت کی طبع میں شامل ہیں۔

فانتبذت بہ کی باء ملابست کی ہے اور جار مجرور محلاً منصوب حال ہے اب عبارت یوں ہوگی:

فاعتزلت ملتبسۃ بہ۔

یعنی بی بی صاحبہ گھر والوں سے علیحدہ ہوئیں تو عیسٰی علیہ السلام ان کے پیٹ میں تھے اس کی نظیر تنبت بالدھن بمعنے تنبت ودھنہا فیہا ہے۔

مَكَانًا قَصِيًّا ۝ یہ انتبذت کا مفعول ہے اس لیے کہ انتبذت اتیان کے معنے کو متضمن ہے جیسے ہم نے پہلے بیان کیا یعنے ایسے مکان میں تشریف لائیں جو گھر والوں سے دور تھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ وہ مکان شہر کے باہر بجانب مشرق ایک کوس کے فاصلے پر تھا یا بیت لحم میں تشریف لے گئی تھیں جو شہر ایلیاء سے چھ میل دور تھا۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں شب معراج ایک مقام پر پہنچا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ یہاں اتر کر دوگانہ پڑھیے جب میں فارغ ہوا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وہی مقام ہے جہاں عیسٰے علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اسے بیت لحم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ حدیث صحیح یا حسن ہے اسے امام نسائی نے اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

ف: بی بی مریم صاحبہ اپنے گھر کے تنہائی حصہ میں تشریف لے گئیں۔ یہی قول انسب ہے اس لیے کہ وضع حمل کے وقت اتنا دور نہیں جایا جاسکتا۔ (کذا فی الارشاد)

ف: مروی ہے کہ جب وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے تو بی بی صاحبہ آدھی رات کو اٹھ کر چلی گئیں تاکہ اس مخفی راز سے زکریا علیہ السلام

کو آگاہی نہ ہو اور نہ اوروں کو۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ۔ ہمزہ تعدیہ کے لیے اور المخاض ولادت کے وقت کے درد کو کہا جاتا ہے۔ مخضت المرأۃ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب بچہ ماں کے پیٹ سے باہر نکلنے کے وقت متحرک ہو یعنے بی بی مریم کو درد زہ لے آیا۔ **اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ** کھجور کے سوکھے تنے کی طرف تاکہ بی بی اس میں چھپ کر بچہ جنے اور بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا سہارا لے۔ اس لیے کہ اس وقت آپ کے ساتھ کوئی دایہ نہ تھی جو آپ کو ولادت کے لیے اعانت کرتی۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ بی بی صاحبہ نے آدھی رات کو چلتے چلتے یہیں پر اسی کھجور کا سوکھا تنا دیکھا تو اس کے ساتھ سہارا لگا کر بیٹھ گئیں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بی بی صاحبہ کھجور کے سوکھے تنے کے ساتھ اس لیے بیٹھ گئیں تاکہ معجزے کا اظہار ہو سکے۔

حل لغات الجذع کھجور کا وہ خشک تنا جو سر کے نیچے سے لے کر جڑ تک صحیح سالم ہو یعنے اس کے ثمرات والے مقام کے اوپر کا حصہ کاٹ لیا جائے۔ اسی وجہ سے اس میں ثمر کی پیدائش کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور وہ بالکل جڑوں سمیت سوکھ جاتا ہے۔ بی بی صاحبہ کی ولادت کا وقت سرد موسم میں تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ کے دل پر القاء فرمایا کہ یہیں پر بیٹھیں تاکہ معجزے کے ظہور سے گھبراہٹ دور اور سکون قلبی نصیب ہو۔ اس لیے کہ اس خشک تنے سے موسم سرما میں پھل نکلا۔ اس سے دو معجزے ظاہر ہوئے ایک خشک تنے کا پھل دار ہونا دوسرا موسم سرما میں پھل کا پیدا ہونا۔ اس سے کہ موسم سرما میں اس کے پھل ہوں تو وہ ختم ہو جاتا ہے اس لیے کہ کھجور بالخصوص سردی کی برداشت نہیں کر سکتی اور کھجور کا ثمر جمار کے چھوٹنے سے پیدا ہوتا ہے اور جمار کھجور کے سر میں سفید رنگ کا ایک نرم و نازک مغز ہوتا ہے۔

ف: خشک تنا بی بی صاحبہ کے قریب بیٹھنے سے تر ہو گیا۔ اسی لیے وہ نرم و نازک بھی سرسبز ہو گیا اسے کھایا بھی جاتا ہے اور عورتوں کو بچہ جننے کے بعد نرم و نازک اور مرغن اور مرغوب غذا کی ضرورت پڑتی ہے، یہی نرم و نازک حصہ بی بی صاحبہ کو بچہ جننے کے بعد کھانے کے کام آیا۔

ف: الخرسۃ ہر وہ طعام جو بچہ جننے کے بعد عورتیں کھاتی ہیں، اگر یہ تاء کے بغیر ہو تو ولادت کے خصوصی طعام کا نام ہے۔

قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا ، بی بی بولی کاش میں اس سے پہلے مر جاتی۔

حل لغات: مت بکسر المیم از مات یمات خفت کی طرح ہے۔ اسے بضم المیم بھی پڑھا جاتا ہے ۔ از مات یموت) قبل ھذا سے قبل الیوم یا قبل ھذا الامر مراد ہے۔ (کذا فی الجلالین)

سوال: یہ قول بی بی صاحبہ نے کیوں کہا، حالانکہ انھیں جبریل علیہ السلام نے یقین دلایا کہ یہ معاملہ منجانب اللہ ہے اور ہو کر رہے گا پھر جزع فزع کا کیا معنے؟

جواب: لوگوں سے حیاء کی وجہ سے کہ لوگ کیا کہیں گے اور یہ فطرت انسانی کے تحت تھا اور یہ جرم کی بات نہیں اور نہ ہی حکم ربانی پر

جزع وفزع کا اظہار ہے۔ بلکہ لوگوں کی ملالت کا خطرہ محسوس کیا اس لیے کہہ دیا۔
سوال: بی بی صاحبہ ولیہ کاملہ تھیں انھیں ملامت کا خطرہ کیوں؟ (ولا یخافون خوف لومة لائم) کے خلاف ہے؟
جواب: لوگوں سے اپنے لیے نہیں بلکہ ان کے گناہ میں مبتلا ہونے سے خوفزدہ ہوئیں باوجودیکہ میں پاکدامن اور عنداللہ مجرم نہیں ہوں لیکن وہ میرے اوپر غلط اتہام اور گندے بہتان تراش کر جہنم کے مستحق بنیں گے[1] یہ تو الٹا بی بی کی شان کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بھی دراصل خوف خداوندی ہوتا ہے اور اللہ والوں کو عموماً اس طرح کے خوف ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ زمین سے ایک تنکا اٹھا کر ہاتھ میں لے کر کہتے کہ کاش! میں یہی تنکا ہوتا اور دنیا میں نہ ہوتا وغیرہ۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے، وہ فرماتے ہیں:

یالیت بلالًا لم تلدہ امہ (کاش! بلال کو ماں نہ جنتی۔

ے

فقولی تارة یارب زدنی
واخرٰی لیت امی لم تلدنی

ترجمہ: تم ہر وقت کہو اے اللہ! مجھے برکت دے اور کبھی کہو کاش! مجھے ماں نہ جنتی۔
ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قبل ھذا کا اشارہ حمل کی طرف ہے یعنے میں حاملہ ہونے اور بچہ جننے سے پہلے مرجاتی اس لیے کہ ہمارے اس معاملہ کی وجہ سے بہت سے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے اس لیے کہ بعض ہمیں زنا سے متہم کریں گے جیسے یہودیوں نے کیا اور بعض میرے بیٹے کو ابن اللہ کہیں گے جیسے نصارٰے نے کیا۔
وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ○ نسیا ہر وہ حقیر الشان شے جس کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے ذہن سے تارا جاتے۔
اور منسیا ہر وہ جو کسی کے خیال میں بھی نہ ہو۔ یہ مبالغہ کے طور پر نسیا کی صفت ہے۔
ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں معدوم رہتی مجھے اللہ تعالےٰ وجود کے لیے ظاہر نہ فرماتا۔
ف: کاشفی میں ہے کہ بی بی صاحبہ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ میں ایسے گوشۂ گمنامی میں ہوتی لیکن اب تو معاملہ برعکس ہے کہ نہ صرف عوام بلکہ بیت المقدس کے تمام علماء و احبار جانتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ میں ان کے امام (عمران) کی لڑکی اور حضرت زکریا علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیغمبر کی کفالت میں ہوں اور طرفہ یہ کہ باکرہ غیر شادی شدہ ہوں بچہ لے کر کس منہ سے ان کے پاس جاؤں گی۔

ے

---

[1] یہ قاعدہ ہر ولی و نبی کے لیے یاد رکھیں۔ بہت سے سوالات میں کام دے گا مثلاً ابراہیم علیہ السلام کا معاملوں سے اور موسےٰ علیہ السلام سانپ سے خوفزدہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ (مترجم)

ہر چند بروئی کار درمے نگرم
محنت زدۂ چو خود نمے بینم من

ترجمہ : میں نے اپنے معاملہ میں بہت بڑا غور کر کے دیکھا تو میرے جیسا اور کوئی دکھیا نہ ہوگا۔

فَنَادٰىهَا ، جب جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کی بجزع فزع سنی تو پکارا۔ یہاں عیسےٰ علیہ السلام مُراد نہیں اس لیے کہ ان کا بولنا تو قوم کے ساتھ ہوا جب بی بی ان کے پاس عیسےٰ علیہ السلام کو لائیں۔ مِنْ تَحْتِهَآ ان کے بیٹھنے کی جگہ سے یا کھجور کے نیچے سے۔

ف : الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ من کے میم کو فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں سے بولے :

"ان لا تحزنی"

ف : یہ ان مفسرہ ہے یعنے میری پیدائش یا قحط سے غم نہ کھائیے اور نہ ہی موت کی تمنا کیجئے یا ان مصدریہ ہے اور اس میں بأ مقدر ہے۔ عبارت دراصل بان لا تحزنی تھی۔

حل لغات : الحزن ، ہر وہ غم جو شئے نافع کے فوت ہونے یا کسی ضرر کے پہنچنے سے واقع ہو۔

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ بے شک تیرے رب تعالےٰ نے تیرے بیٹھنے کی جگہ کے نیچے نہر جاری فرمائی ہے۔ سریا۔ چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔ (کذا فسرہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم)

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے یہاں پر اپنا پاؤں مارا تو وہاں سے میٹھے پانی کی ایک چھوٹی نہر جاری ہوگئی۔

ف : ارباب الحقیقۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کی دو جگہ پر خبر دی :

① اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیا

ماں کے پیٹ میں فرمایا :

② لا تحزنی قد جعل ربك تحتك سریا

اس معنے پر سریا یعنے سیداً ہے یعنے نبوت کے لحاظ سے اپنی قوم کا سردار، اس پر سریا سرو سے سود دمشتق ہوگا۔

وَهُزِّيْٓ

حل لغات : ھز الشئی یعنے مسلسل اور سختی سے بہات متقابلہ کی طرف شئے کو متحرک کرنا لیکن یہاں پر مطلقاً بطریق جذب و دفع کے متحرک کرنا مراد ہے جیسا کہ لفظ اِلَيْكِ بتایا ہے۔ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ۔ باء صلہ کی ولا تلقوا بایدیکم میں بأ صلہ کی طرح تاء تاکید کے لیے ہے۔

ف : فراء نے فرمایا کہ اہل عرب ھزہ و ھزبہ ہر دونوں طرح استعمال کرتے ہیں۔

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ؕ یعنے جتنی بار مسلسل کھجور کو حرکت دو گی اتنے ہی میوے دے گی۔ رطبا کھجور کے تازہ میوے کو کہا جاتا ہے۔ جنیا فعیل بمعنے مفعول ہے یعنے رطبا مجنیا خشک ہونے سے پہلے جس میوہ کو کاٹا جائے، اسے جنی کہتے ہیں یعنے ہر وہ میوہ جو چننے کے قابل ہو یعنے پک جانے کے بعد چننے کے لائق میوہ کو جنی کہلاتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقومین ہے کہ یہاں پر کھجور کو جھونکا دینے کا کیوں حکم فرمایا حالانکہ اس سے قبل زکریا علیہ السلام نے آکر دیکھا تو بی بی کی عبادت گاہ میں تازے اور نایاب میوے موجود تھے۔

جواب (۱): بی بی کا وہ زمانہ طفولیت کا تھا جنھیں مشقت اور تکلیف کے بغیر ملنے چاہئیں۔

جواب (۲): اسئلۃ الحکم میں ہے کہ جب بی بی نے دیکھا کہ بچہ باپ کے بغیر پیدا ہوا ہے، تو متعجب ہوئیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے تعجب کے ازالہ کے لیے خشک تنے سے تازہ کھجوریں عنایت فرمائیں گویا اللہ تعالےٰ نے انھیں اپنی قدرت کاملہ کا کرشمہ دکھایا تاکہ بی بی صاحبہ کو مزید تسکین نصیب ہو۔

نکتہ: کھجور کے میوے عنایت فرمانے میں حکمت یہ تھی کہ کھجور آدم علیہ السلام کی بقایا مٹی سے پیدا ہوئی۔ اس معنے پر کھجور کو انسان سے معنوی نسبت ہے بخلاف دوسرے میوہ جات کہ انھیں انسان کے ساتھ ایسی نسبت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھجور، نر کے بیج ڈالے بغیر پھل نہیں دیتی، جسے عربی میں تابیر کہتے ہیں۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بی بی کو پانی کی نہر تو مشقت کے بغیر عطا فرمائی، کھجور کا میوہ عطا ہوا تو جھونکے دینے کی مشقت سے؟

جواب (۱): چونکہ کھجور کے میوہ میں لذت وشہوت ہے اور پانی دوسرے کاموں میں بھی کام آتا ہے مثلاً طہارت خدمت وغیرہ۔ اسی لیے شہوت ولذت والی شے مشقت کے بعد عطا فرمائی۔

جواب (۲): کھجور کے میوے میں صورت عمل وکسب کو دخل ہے اور پانی میں فیض الٰہی کا راز مضمر ہے اسی لیے ہر ایک کو اپنے مرتبہ میں رکھا گیا۔ یہ اشارہ ہے کہ انسان کو جس عمل میں مشقت کرنی پڑے تو وہ محقق ہو جاتا ہے اور اس کے حصول کے لیے انسان کو کام کی عادت پڑتی ہے۔

جواب (۳): اللہ تعالےٰ کا قانون ہے کہ میوہ جات میں عملی کام کو دخیل بنایا ہے مثلاً پودا بونا اسے پانی دینا پھر اس کے اندر نر کا بیج ڈالنا بخلاف پانی کے کہ اسے اسباب ارضی کی حاجت نہیں بلکہ وہ عطائی آسمانی ہے یہی وجہ تھی کہ نہر بغیر کسی سبب ارضی کے جاری ہوگئی۔

فَكُلِىْ۔ پس اس کھجور کے میوہ کو کھائیے۔ وَاشْرَبِىْ اور نہر کا پانی پیجئے۔

ف: یہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ارہاص اور بی بی مریم کی کرامت ہے۔ اور اسے معجزہ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ معجزہ میں تحدی شرط اور وہ یہاں نہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

یہاں سے معتزلہ کا رد مقصود ہے کہ وہ اولیاء کرام کی کرامات کے منکر ہیں اور اس واقعہ کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا معجزہ قرار

دیتے ہیں[1]

نکتہ: اکل کو شرب سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو طعام کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

سوال: کسی شے سے ضرر کا خوف خورد و نوش سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ خوف روح کا درد ہے اور بھوک پیاس جسم کا اور روحانی خوف جسمانی خوف سے فوقیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک بکری کو چند روز بھوکا رکھ کر اس کے آگے گھاس رکھا گیا اور ساتھ ہی ان کے قریب بھیڑیا بھی باندھا گیا لیکن بکری نے بھیڑیئے کے خوف سے، باوجود بھوک کے گھاس نہ کھائی۔ اس کے بعد بھیڑیئے اور گھاس کو ہٹا کر بکری کی اپنی ٹانگ اس کے آگے رکھی گئی تو بھوک کے مارے اپنی ٹانگ کھا گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوفِ روحانی شدید تر ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دفعِ ضرر کو بعد میں بیان کیا ہے؟

جواب: بی بی مریم علیہا السلام کو اگرچہ خوف تھا لیکن معمولی، وہ اس لیے کہ آپ کو جبریل علیہ السلام پہلے خوشخبری سنا چکے تھے اسی لیے اب دوبارہ اس کی ضرورت نہ ہوگی۔

گھٹی کی ابتدا: بچہ جننے کے بعد کھجوریں کھانے اور میٹھی شئے بالخصوص کھجور کو چبا کر نومولود کے منہ میں ڈالنا جسے عربی میں تحنیک کہا جاتا ہے، کی ابتدا یہاں سے شروع ہوئی۔

التحنیک۔ حنک الشی سے ہے بمعنے مضغ تمراً وغیرہ یعنے کھجور کو چبا کر نومولود کے منہ میں ڈالا۔

ف: بعض کہتے ہیں وہ عجوہ کھجور تھی جسے حجاز میں ام التمر کا لقب حاصل ہے۔ (کذا فی القاموس)

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اسے تازہ کھجور کھلاؤ تاکہ بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے رطب (تر کھجور) پہنچے اگر تازہ کھجور نہ ملے تو خشک کھجور چبا کر منہ میں ڈالی جائے اس لیے کہ گھٹی کے لیے اگر کوئی اور شئے افضل ہوتی تو عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت وہی شئے اللہ تعالیٰ بی بی مریم کو عطا فرماتا۔

طبی نسخہ: ربیع بن خیثم نے فرمایا کہ بچہ جننے والی کو تازہ کھجور اور بیمار کو شہد سے، اور کوئی شئے مفید تر نہیں۔

وَقَرِّيْ عَيْنًا اور آنکھیں ٹھنڈی کیجئے اور اپنا دل خوش کیجئے اور دل سے غم اور حزن کو ہٹا دیجئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر (مندرجہ ذیل) چند خرق عادات امور ظاہر فرمائے:

(۱) نہر کا اجرار

(۲) سوکھی کھجور کا سبز اور پھلدار ہونا۔

(۳) اس کا بے وقت پھل دینا تاکہ مخالفین بی بی کے ہاں باپ کے بغیر بچہ دیکھیں تو انھیں یہ ہو کہ یہ بی بی کرامت ہے جیسے مذکورہ بالا امور ان کی کرامت ہیں۔

---

[1] از اویسی غفرلہ

حل لغات : قری مشتق از قرار اس لیے ہے کہ جب آنکھ ایسی چیز کو دیکھے جس سے جی خوش ہو تو وہ غیر سے روگرداں ہو کر اسی سے سکون پکڑتی ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں :

"اقر الله عينك"

یعنے تیرا دل ایسی شے سے ملے جس سے تیری آنکھ روگرداں ہو کر اس کے ساتھ قرار پکڑے۔

ف : قاموس میں ہے کہ قرت عينه وتقر۔ بالکسر والفتح ۔قرة ۔ بالضم بمعنے البرد از باب ضرب وعلم وبضم از باب نصر اس مصدر قرور آتا ہے بمعنے برودت یعنے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور اس کے آنسو منقطع ہو گئے یا آنسو اس لیے منقطع ہوئے کہ جس شے کے دیکھنے کی وہ مشتاق تھی وہ اسے مل گئی ۔یا القر سے ہے بمعنے البرد وہ اس لیے کہ سرور کے آنسو ٹھنڈے اور غم کے گرم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ محبوب کو قرۃ العین اور مکروہ کو سخنۃ العین کہا جاتا ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اپنی آنکھ ٹھنڈی کر، بچے کی پیدائش سے یا کھجور کے خشک تنے کی سرسبزی سے اس کے پھل دینے سے یہ تیرے حال کے موافق ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کھجور کے خشک تنے کو سرسبز کر کے پھلدار کر سکتا ہے تو وہ باپ کے بغیر بھی بچہ دے سکتا ہے۔

ف : عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کرام کو بھیجا کہ وہ بی بی مریم کے گرد جمع ہوں۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں انھیں اٹھا کر ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر بی بی مریم کی گود میں ڈال دیں۔

ف : ہر بچہ پیدائش کے وقت چیختا ہے سوائے علیہ السلام کے۔

اس کے بعد بی بی مریم کو منجانب اللہ ندا آئی : فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ جب تم آدمیوں میں سے کسی کو دیکھو حرف ما ان شرط کی تاکید کے لیے ہے اور بمنزلہ قسم کے ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی فعل پر داخل ہو اور اس کے ساتھ نون مؤکدہ ہو تو وہ قسم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ فَقُولِي اگر تجھ سے پوچھے کہ یہ بچہ کہاں سے لائی ہے تو اسے کہہ دینا یا کوئی ملامت کرے تو کہنا، إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا میں نے اپنے اوپر منت مان کر واجب کر لیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے لیے خاموشی یا خاموشی اور روزہ۔

ف : بنی اسرائیل کے بہت بڑے عبادت گذار لوگوں کی عادت تھی کہ وہ صبح سے شام تک روزہ کے ساتھ لوگوں سے کلام بھی نہیں کرتے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت سے اس قسم کا روزہ منسوخ ہو گیا۔ اس لیے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

ف : ابکار الاذکار میں ہے کہ خاموشی کے وقت خاموش رہنا جوانمردی ہے اور بوقت ضرورت بولنا بہترین خصلت ہے ؎

اگرچہ پیش خردمند خامشی ادبست

بوقت مصلحت آن بہ کہ در سخن کوشی

دو چیز طیرہ عقلست دم فرو بستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

ترجمہ: اگرچہ دانا کے لیے خاموشی ادب ہے بوقت مصلحت اسی میں بہتری ہے کہ بولنے میں کوشش کریں۔ دو چیزیں عقل کی تاریکی ہیں کہ بولنے کے وقت نہ بولنا اور نہ بولنے کے وقت بولنا۔

سوال: بہت سے اہل مجاہدہ دائمی خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں؟[1]

جواب: یہ ہر اہل مجاہدہ کا طریقہ اور قاعدہ نہیں بلکہ خاص لوگوں کے لیے ہے مثلاً جن لوگوں کو بولنے میں حظ نفس اور صفات مدح کے اظہار اور اچھے بولنے کے میلان کا خطرہ ہے۔ (ممکن ہے جن بزرگوں نے ایسے کیا انھیں مذکورہ بالا خطرات کا خطرہ ہو)

مسئلہ: حدیث شریف میں زمانۂ جاہلیت کی خاموشی سے منع فرمایا گیا۔ اس لیے کہ اہل جاہلیت تھی۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ بلوغت کے بعد یتیمی نہیں اور نہ ہی دن بھر خاموش رہنا چاہیئے۔

ف: اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ اعتکاف بیٹھتے تو رات دن کسی سے نہ بولتے۔ (آج بھی بعض بے خبر اعتکاف میں اس قسم کا معاملہ کرتے ہیں) حالانکہ اسلام میں بحالت اعتکاف اس قسم کی خاموشی سے روکا گیا ہے۔

مسئلہ: اسلام نے اعتکاف میں حکم فرمایا کہ ذکر و فکر کے ساتھ نیک باتیں بھی کرو۔

مسئلہ: حدیث شریف میں مطلقاً سکوت سے روکا گیا ہے اگر کوئی شخص ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول ہو تو وہ عام لوگوں سے کلام نہ کرے۔ یہی افضل ہے بلکہ سالک کو اسی کا حکم ہے جیسا کہ سلوک کی منازل طے کرنے کی شرائط میں سے ایک شرط دائمی خاموشی بھی ہے اس لیے کہ سالک کو انقطاع عما سوا اللہ اور سلوک کا فائدہ دائمی خاموشی اور اس کے ساتھ باقی سات شرطوں کے بغیر حاصل نہ ہوگا۔

فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝ میں آج کسی فرد بشر سے کلام نہ کروں گی بلکہ فرشتوں سے بولوں گی یا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہوں گی۔

ف: بی بی مریم کو حکم تھا کہ وہ اپنی نذر کی خبر اشاروں سے دے، زبان سے کسی سے ہمکلام نہ ہو۔ اب معنے یہ ہوا کہ اپنی نذر کی خبر لفظوں سے نہیں اشاروں سے دیجئے۔

قاعدہ: فرّاء نے لکھا کہ ہر وہ کلام جو کسی کے ہاں پہنچے اگر وہ مؤکد بالمصدر ہو تو اس کلام سے حقیقی معنے مراد ہوتا ہے۔

نکتہ: بی بی صاحبہ کو کلام نہ کرنے سے اس لیے روکا گیا کہ جہلاء کو سوائے لاف گزاف کے اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ بی بی صاحبہ اگرچہ انھیں دلائل سے بھی سمجھاتیں تب بھی وہ نہ سمجھتے۔ ہاں! جب عیسٰی علیہ السلام کا کلام سنیں گے تو چونکہ وہ خرق عادت ہوگا۔ اسی لیے اس سے مطمئن نہیں ہوں گے تو لایعنی کلام نہ کریں گے اور نہ ہی بی بی صاحبہ کو پریشان کریں گے۔ اسی لیے عیسٰی علیہ السلام کو گہوارے میں بولنے کی قوت بخشی۔

---

[1] ملتان میں ایک درویش گذرے ہیں جنھوں نے زندگی بھر کلام نہ کی اسی لیے وہ چپ شاہ (رحمہ اللہ) کے نام سے مشہور تھے۔ (اویسی)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ

"جواب جاہلاں بود خاموشی"

کا مقولہ صحیح ہے یعنے جاہلوں سے کلام نہ کرنا واجب ہے اس لیے کہ بیوقوت سے ذلیل ترین اور کوئی انسان نہیں ۔
حضرت صائب نے فرمایا ؎

در جنگ میکند لب خاموش کار تیغ
داد جواب مردم ناداں چہ لا است

ترجمہ: جنگ میں لب خاموش تلوار کا کام دیتا ہے۔ بیوقوف آدمیوں کو جواب دینا لازم نہیں ۔
اور فرمایا ؎

جاگراں جاناں مگو حرف گراں تانشنوی
کوہ دارد صد بے اختیار افتادہ است

ترجمہ: سخت گیر انسان کو سخت بات نہ کہو اس لیے کہ پہاڑ میں بے اختیار صدا اٹھتی ہے۔

ف: بلاغات زمخشری سے ہے کہ بیوقوف کو روگردانی سے مارو، اگر وہ اپنا تیز تیر چھوڑے تو حوصلہ سے توڑو۔ اس لیے کہ آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے یعنے بیوقوف کا حملہ آگ کی طرح سمجھو اور اسے بجھانا ہے تو حوصلہ کرو۔ جیسے آگ کو پانی کے بغیر مٹانا مشکل ہے ایسے ہی ہو جیسے بیوقوف کے حملے کو حوصلے کے بغیر مٹانا مشکل ہے آگ کو اور کوئی شے نہ ملے تو وہ خود کو کھا جاتی ہے ایسے ہی بیوقوف کے سامنے حوصلہ کرو تو اس کا اثر اسی پر پڑتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں روزے سے اشارہ ہے کہ ماسوی اللہ سے بالکل توجہ ہٹالو۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ دنیا صرف ایک دن کی بہار ہے اس میں ہمیں روزہ رکھنا ہے اور اس کا افطار اللہ تعالے کے جمال کا مشاہدہ ہے سالک پر لازم ہے کہ وہ عالم ناسوت سے بالکل انقطاع کرے اور لاھوت کے ذکر کے سوا اور کوئی ذکر زبان پر نہ لائے۔ یہاں تک کہ اسے طریق اہل حق کا طے کرنا نصیب ہو اور اس سے منزل مقصود تک پہنچے پھر جیسے بی بی مریم نے کھجور کے خشک تنے کو جھونکا دیا تو اسے کھجور کے تازہ میوہ جات نصیب ہوئے۔ اسی طرح قلب کو جب سالک ذکر الٰہی کی ضربیں لگاتا ہے یعنے لا الہ الا اللہ کے ذکر سے دل کو بیدار کرتا ہے تو اس پر مشاہدات ربانی و مکاشفات الٰہی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اس سے اسے وہی تمتعات نصیب ہوں گے جو مردان راہ حق کو نصیب ہوتے ہیں جیسے حضور علیہ السلام نے خبر دی ہے:

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی۔

اے اللہ تعالے! ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی ہے اور وہ تجلیات جلال و جمال سے واصل ہوتے ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ فَاَتَتْ بِہٖ قَوْمَهَا ۔ یہ 'بار' بمعنے مع ہے یعنے بی بی مریم اپنی قوم کے ہاں اپنے بچے سمیت تشریف لائیں، جب کہ نفاس سے فارغ ہوئیں۔ اور کاشفی اسے 'بار' تعدیہ کی بنا بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اب معنے یہ ہوا کہ بی بی مریم عیسےٰ علیہ السلام کو لائیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ قوم سے طلوع سورج کے وقت گئیں، جب واپس آئیں تو ظہر کا وقت تھا اور صاحبزادہ، عیسےٰ علیہ السلام بھی ساتھ تھے۔

تَحْمِلُهٗ ط محلاً حال ہے یعنے حاملۃ ہے۔

حکایت حضرت زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم کو عبادت گاہ میں موجود نہ پایا تو تلاش کے لیے اپنے بھتیجے یوسف کو بھیجا۔ اس نے انھیں تلاش کرتے ہوتے کھجور کے نیچے پایا۔ جب وہ انھیں لے کر آئے تو ان کے ساتھ عیسےٰ علیہ السلام تھے۔ زکریا علیہ السلام اور دوسرے گھرانے والے بہت مغموم ہوئے اس لیے کہ تمام گھر والے نیک آدمی تھے، اپنی شرمساری کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ چنانچہ اسی پریشانی سے روئے اور غمگین ہو کر (قَالُوْا) زجر و توبیخ کرتے ہوئے بی بی صاحبہ سے کہا کہ یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا، سے پہلے بباء محذوف ہے یعنے مریم تو نے ایسا فعل کیا ہے جو بہت بُرا ہے اور ایسا مذموم ہے کہ جس کی مثال نہیں۔ فَرِیًّا فری الجلد سے مشتق بمعنے قطع اور فری بمعنے قطیع اور الفریۃ۔ بالکسر بمعنے الکذب دراصل الفری الامر المختلق المصنوع یعنے جعلی و مصنوعی معاملہ یا الفری بمعنے العظیم۔

اہل عرب کہتے ہیں:

یفری الفری بمعنے یاتی بالعجب فی عملہ یعنے وہ اپنے عمل کو عجیب طریق سے لاتا ہے۔ یہ ذوا ضداد سے ہے کہ اس کا استعمال صالح اور بُرے ہر دونوں امروں کے لیے مستعمل ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اے مریم! تو نے ایسا بُرا عمل کیا ہے کہ ہمارے خاندان میں آج تک کسی نے ایسا نہیں کیا۔

یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اس ہارون سے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام مراد ہیں۔ اس لیے کہ ان کا قاعدہ تھا کہ ان کی اولاد سے جتنے لوگ پیدا ہوتے اور وہ عملی لحاظ سے ان کے مرتبہ کو پہنچتے تو اسے ان کے بھائی، بہن سے تعبیر کرتے تھے حالانکہ بی بی مریم اور ہارون علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ تھا۔

ف: بعض روایتوں میں ہے کہ ہارون بی بی مریم کا علاتی بھائی تھا (یعنے باپ کی جانب سے) اور وہ بھی بہت زیادہ نیک اور صالح انسان تھا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہی ہارون علیہ السلام یعنے موسےٰ علیہ السلام کے بھائی مراد ہیں اور ان کی طرف اخوت کی نسبت اولاد ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ کبھی اولاد کو بھی اخوت سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے:

"یا اخا العرب یا واحدا منهم ما کان ابوك امرا سوء"

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ اور نہ تیرا باپ عمران بُرا تھا۔

ف: المرء، الف لام وصلی کے ساتھ بمعنے الانسان والرجل۔ اس کی جمع اس کے اپنے لفظ سے نہیں آتی۔ (کذا فی القاموس)۔

سوء بفتح السین اور یہ امرء کی طرف مضاف ہے اور یہ اکثر صفت ہو کر مستعمل ہوتا ہے یعنے حضرت عمران زانی نہیں تھے۔ (قال ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما)۔

ف: کاشفی نے کہا ہے کہ اسے مریم! تیرا باپ بُرا نہیں تھا بلکہ وہ مسجد اقصیٰ کے علماء و احبار کے سرتاج اور برگزیدہ تھے۔

وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ○ اور نہ تیری ماں (حنہ بن فاقوذ) زانیہ تھی۔ پھر یہ بیٹا تجھے باپ کے بغیر کیوں؟ یہ ماجاءت الہٰ کی تقریر ہے تاکہ بی بی صاحبہ کے ساتھ اظہار مذمت کی تاکید ہو اور مزید تنبیہ کے لیے کہ ایسا بُرا عمل اگرچہ ہر ایک سے قبیح ہے لیکن صالحین کی اولاد سے قبیح تر ہے۔

ولی و نبی کی ایک عجیب علامت

جب کسی ولی یا نبی علیہ السلام سے معجزے اور کرامت کے اظہار کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے معاصرین کی عادت ہے کہ ان کے معجزے اور کرامت کا انکار کر کے ان حضرت کو جنوں کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ بہت سے بدقسمت انھیں گمراہ، مفتری، کذاب اور ساحر وغیرہ جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ بہت سے تھوڑے خوش قسمت ایسے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اگرچہ ان کے طور طریق جمہور کے خلاف ہو گئے ہیں لیکن ایک وقت اسی سفر سے واپس آجائیں گے اس لیے کہ ان کے ہاں علوم غریبہ و احوال عجیبہ ہوتے ہیں۔ ان کے معاملات کو عقول سے نہیں پرکھا جاتا اور نہ ہی افکار و انظار معلوم کیے جاسکتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ صحیح اعتقاد رکھنے سے انھیں سمجھا جاسکتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مغز را خالی کن از انکار یار
تاکہ ریحان یابد از گلزار یار
تا بیابی بوئے خلد از یار من
چوں محمد بوئے رحمٰن از یمن

ترجمہ: انکار یار سے مغز خالی کیجئے تاکہ گلزار یار سے خوشبو نصیب ہو تاکہ یار سے بہشت کی خوشبو ہو جیسے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم یمن سے رحمٰن کی خوشبو پاتے تھے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۚ بی بی مریم نے عیسےٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے گفتگو کیجئے، وہی آپ کو جواب دے گا اس کا کلام میرے لیے حجت ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس وقت بی بی صاحبہ نے اپنی نذر کا بتایا اور اشارہ کیا کہ میں لوگوں سے گفتگو کرنے سے روکی گئی ہوں فلہٰذا عیسےٰ علیہ السلام سے پوچھو۔ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس کیسے گفتگو کریں جو گہوارے میں ابھی بچہ ہے اور ہم نے کبھی نہ سنا نہ دیکھا کہ شیر خوار

بچہ گود میں عاقلوں جیسی گفتگو کرے اس لیے ایسے بچوں کو بولنے کا کیا پتہ اور کسی کے جواب دینے کی کیا خبر؟

قاعدہ کَانَ کَانَ فعل زِر افعال ناقصہ کا قاعدہ ہے کہ وہ زمانۂ ماضی مبہم میں مضمون جملہ کے ایقاع کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ زمانہ ماضی قریب ہو یا بعید۔ یہاں پر ماضی قریب کے لیے ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہ کان تعجب کے بعد واقع ہوا ہے یا زائدہ ہے اور فی المھد۔ من موصولہ کا ہے اور صبیا اسی ظرف کے اندر ضمیر مستتر سے حال ہے یا کان تامہ ہے یا استمرار پر دلالت کرتا ہے جیسے وکان اللہ علیما حکیما میں کا استمرار یہ ہے۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ کان عیسٰے علیہ السلام کے صبی ہونے کی تحقیق کے لیے ہے۔ ماضی خود تحقیق پر دلالت کرتی ہے تو اسے کان کے ساتھ متحقق کرنے کا کیا معنے۔

قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا سوال ہوا کہ پھر انھوں نے کہا کیا اور ان کے سوال پر عیسٰے علیہ السلام نے کیا فرمایا۔ اس کے جواب میں فرمایا، قال یعنی عیسٰے علیہ السلام نے فصیح کلام سے کہا، اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ میں اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہوں۔

ردِّ نصرانیت عیسٰے علیہ السلام نے سب سے پہلے کلام نصرانیوں کے رد میں فرمایا جب کہ ان کا عقیدہ ہے کہ (معاذ اللہ) عیسٰی علیہ السلام خدا ہیں اور اللہ تعالٰے پر جو نصارٰی بہتان تراشتے ہیں کہ وہ عیسٰے علیہ السلام کا باپ ہے اس کا بھی ازالہ فرما دیا اور ساتھ ہی اپنی ماں کو بھی زنا کی تہمت سے بری فرمایا کہ زانیہ عورت کو ایسے بیٹے نصیب نہیں ہوتے۔

ف: حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نہ عبد زانی ہوں نہ لالچی اور نہ شہوت پرست۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ افضل الاسماء وہ ہیں جن میں عبودیت کا اظہار ہو۔

مسئلہ: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میں نے اپنے پیر و مرشد قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ عبداللہ نام عبدالرحمٰن سے افضل ہے، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم سے اور عبدالرحیم عبدالکریم سے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ و عبدالحی و عبدالحق جیسے اسمار کو اعلیٰ الاسمار بتایا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالٰے کے بعض اسمار ذات پر اور بعض صفات پر اور بعض افعال پر دلالت کرتے ہیں۔ اوّل سے ثانی اور ثانی ثالث سے اعلیٰ ہے

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ عیسٰے علیہ السلام کو بولنے کے لیے کہنے والے حضرت زکریا علیہ السلام تھے۔

ف: چار پیغمبروں کو بچپن میں چار صفات نصیب ہوتے:

1. یوسف علیہ السلام کو بچپن میں کنوئیں میں وحی سے نوازا گیا۔
2. عیسٰے علیہ السلام کو گہوارے میں بولنے کی طاقت بخشی گئی۔
3. سلیمان علیہ السلام کو معاملہ فہمی۔
4. یحیٰے علیہ السلام کو حکمت۔

افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم: ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو بوقت ولادت

سجدہ کی دولت بخشی گئی۔ اس سے آپ نے اپنی رسالت کا اظہار فرمایا اور آپ کو اسی وقت سے شرح صدر عطا ہوا اور ختم نبوت سے نوازے گئے اور ولادت کے وقت ملائکہ اور حوریں خدمت کے لیے مقرر ہوئیں بلکہ آپ کو ولادت سے پہلے عالم ارواح میں نبوت سے نوازا گیا اور ایسے اوصاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کو کہاں نصیب۔

شہ نہ مسند و ہفت اختران

ختم رسل خواجہ پیغمبران

ترجمہ: نو مسندوں اور سات ستاروں کے شہ رسل کرام کے خاتم تمام پیغمبروں کے سردار۔

اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ ۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے کتاب انجیل عطا فرمائی۔ **وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا** اور مجھے نبی اور بابرکت یعنی نفع رساں اور معلم للخیر بنایا۔ صیغہ ماضی سے مایکون کی خبر دی۔ جمہور کا مذہب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اور نبوت طفولیت میں ملی اور طفولیت میں بڑے عقل مندوں جیسی باتیں کرتے۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مشہور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر تینتیس[۳۳] سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی۔ اس معنے پر آپ کی نبوت، رسالت سے پہلے ہوگی۔ **اَیْنَ مَا كُنْتُ** جہاں بھی ہوں گا میرے لیے کوئی قید نہ ہوگی۔

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۔ اور مجھے میرے رب تعالیٰ نے صلوٰۃ وزکوٰۃ سے متعلق تاکید فرمائی ہے۔ زکوٰۃ سے مال ملکیتی کی زکوٰۃ ادا کرنا مراد ہے۔

ف: فقیر کہتا ہے (یعنے اسماعیل حقی) کہ زکوٰۃ کے حکم سے ضروری نہیں کہ وہ دولت مند ہی ہوں اس لیے کہ یہ حکم نبی عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے دولت مند امتیوں کے لیے ہوا۔ اس لیے کہ عام قاعدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف جو عمومی خطابات منسوب ہوتے ہیں وہ دراصل ان کی امت کے لیے ہوتے ہیں تاکہ وہ حضرات اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پابندی اور نواہی سے احتراز کرنے پر متنبہ کرسکیں۔

مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں۔

جہال صوفیوں کا رد[۱] بہت سے جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ اب ہم یا ہمارا (جاہل پیر) ایسے مراتب کو پہنچ چکا ہے کہ احکام تکالیف معاف ہو چکے ہیں۔ ان کی تردید میں صاحب روح البیان نے فرمایا:

"اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسان جب تک زندہ ہے اس سے ظاہری احکام تکلیفہ کبھی ساقط نہیں ہوتے تو اس کے بعد جہال صوفیہ کے متعلق فرمایا: "احکام تکلیفہ کے سقوط کا قول کفر و گمراہی ہے۔" (بحر العلوم)

---

[۱]: اضافہ از مترجم۔

فالقول بسقوطها کما نقل عن بعض الاباحیین کفر وضلال [1]

احکام تکالیف کے سقوط کا قول جو بعض جہال صوفیا کرتے ہیں وہ گمراہی اور کفر ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں واضح دلیل ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اسرار الٰہیہ پر مضبوطی سے قائم اور عبودیت و تزکیۂ نفس کے لیے کوشاں رہے۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اقامت تکالیف عبودیت کی علامت ہے۔ مبتدئین کو یہ اقامت تزکیۂ نفس کا فائدہ دیتی ہے اور منتہیوں کو ادائیگی شکر کا۔ اور یہ دونوں یعنے تزکیۂ نفس و ادائیگی شکر انسان کو زندگی بھر لازم ہیں، کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتے جب تک کہ کوئی شرعی عذر حائل نہ ہو، مثلاً جنون و بیہوشی وغیرہ۔

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ز اس کا عطف مبارکاً پر ہے یعنے اللہ تعالٰے نے مجھے اپنی ماں کا خدمت گزار، احسان کنندہ اور لطف کرنے والا بنایا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کی والدہ کا کوئی شوہر نہیں۔ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا، اور میرے رب تعالٰے نے مجھے متکبر نہیں بنایا یعنے میں وہ نہیں ہوں کہ سرکشی کروں اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھ کر تکبر کروں اور ان کا دل دکھاؤں۔ شَقِیًّا اور مجھے میرے رب نے اپنا نافرمان بندہ بھی نہیں بنایا۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ، اور مجھ پر اللہ تعالٰے کے سلام ہوں۔ یَوْمَ وُلِدْتُّ، جس وقت میں بغیر باپ کے پیدا ہوا اور مجھے شیطان کے ٹھونسنے سے محفوظ کر لیا گیا۔ وَیَوْمَ اَمُوْتُ، اور اس وقت مجھے موت آئے گی تو میں موت کی تکالیف اور اس کے بعد کے شدائد سے امن میں ہوں گا۔ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا یہ ابعث کی ضمیر متکلم سے حال ہے یعنے قیامت کے ہولناک عذابوں سے اور جہنم سے قبر سے اٹھتے ہی مجھے بچا لیا جائے گا جیسے یحیٰے علیہ السلام کو ان مقامات پہ سلامتی سے نوازا گیا ایسے ہی عیسٰی علیہ السلام کو بھی۔

ف : السلم کا حرف تعریف عہدی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جنسی ہے۔ اس سے اُن بدبختوں کا رد مطلوب ہے جو عیسٰے علیہ السلام پر لعن طعن کرتے ہیں۔ اس لیے کہ جب عیسٰے علیہ السلام نے اپنے لیے سلامتی کا اظہار فرمایا تو سلامتی کے تمام اضداد کا رد ہو گیا جیسے ہم کہتے ہیں :

والسلام علٰی من اتبع الھدٰی

یعنے جو بھی اللہ تعالٰے کے دین سے اعراض کرتا ہے اس پر عذاب اور جو اس کا اقرار کرتا ہے اس کے لیے امن و سلامتی ہے۔

ف : عیسٰے علیہ السلام سے یہ کلام سن کر تمام قوم مطمئن ہو گئی اور بی بی مریم کو محفوظ مان لیا اور ان سے تمام شکوک و شبہات ختم کر دیئے گئے اس کے بعد عیسٰے علیہ السلام سن تکلم طبعی تک خاموش رہے۔

---

[1] روح البیان صہ۳۳۱ جلد ۴ مطبوعہ جدید

سوال از دہری : الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ یوم ابعث حیا سے معلوم ہوا کہ قبر میں حیات نہیں ورنہ اس کا ذکر بھی فرماتے، یہاں پر ایک حیات کے ذکر سے ثابت ہوا کہ برزخ میں کسی قسم کی کسی کو حیات حاصل نہیں؟

جواب : چونکہ سلامتی کا تعلق عوام کی نظروں میں صرف دنیا سے متعلق ہوتا ہے۔ اسی لیے اسی کا نام لیا اور حیات برزخیہ میں جدید سلامتی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق بھی حیات دنیوی کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ عموماً برزخ بھی حیات روحانی اور دنیوی حیات الروح مع الجسد ہوتی اور پہلی دوسری کا نصف ہے اور روح کو دائمی حیات حاصل ہے نہ وہ فنا ہوا نہ ہوگا۔ جسم سے نکلنے کا نام اس کے لیے موت ہے۔ (کتاب الروح لابن القیم، اویسی غفرلہٗ)۔

نکتہ : یحییٰ علیہ السلام کے مضمون میں سلام کو نکرہ اور عیسٰے علیہ السلام کے ذکر میں معرفہ لانے میں حکمت یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کے ذکر میں سلام کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف ہے۔ وہ اگرچہ قلیل ہے لیکن بے شمار اور کثیر در کثیر ہے اور عیسٰے علیہ السلام میں سلام کی نسبت ان کی اپنی طرف ہے اور اس سے کثرت مطلوب ہے۔

ف : اللہ تعالےٰ کی طرف قلت کی نسبت ہو تو عند الصوفیہ وہی اولیٰ ہے۔ اسی لیے حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے " اھدنا صراطا مستقیما " پڑھا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم تیرے تھوڑے عطیہ پر راضی ہیں۔ (کذا فی برہان القرآن)

صوفیانہ نکتہ فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ و پیرو مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام کے مضمون میں صیغۂ غیب اور عیسٰے علیہ السلام کے کلام میں صیغۂ تکلم میں اشارہ ہے کہ دونوں حضرات اہلِ حقیقت اور اہل فنا و کمال اور جامع ہیں الجلال والجمال واہلِ شریعۃ والبقاء تھے اور قاعدہ ہے کہ جلال و جمال کمال کلی میں مندرج ہیں صرف فرق یہ ہے کہ استعدادی ازلی کا میلان حقیقت و کمال کی طرف ہے اور یحییٰ علیہ السلام پر بحسب فطرت الٰہیہ ازلیہ کی وجہ سے کمال الجلال کا غلبہ تھا اور یہ غلبہ اضطراری معاملہ ہے کسی کے اختیار میں نہیں۔ اس لیے کہ یہ غلبہ ازل ہی سے سلطنۃً حقیقۃ و فنا سے نصیب ہوتا ہے۔ اسی لیے ان کے قلب پر کمال جلال کا غلبہ تھا، اس کا میلان جانب شریعت ہوتا ہے اور بقا جمال ہے اور عیسٰے علیہ السلام کی جمعیت پر بحسب فطرت الٰہیہ ازلیہ جمال غالب تھا اور یہ بھی اختیاری نہیں بلکہ اضطراری تھا جو انہیں دولت شریعت و بقاء کے استیلاء، اور قلب پر جمال و کمال کی وجہ سے تھا۔ یحییٰ اور یہ غلبہ کا تقاضا سکوت و عدم نطق ہے۔ اسی لیے یحییٰ علیہ السلام کے احوال اللہ تعالےٰ نے خود بیان کیے اور ان کے 'سلام' میں صیغۂ غیب کو لایا۔ اس وجہ سے کہا گیا ہے :

"من عرف کل لسانہ"

جسے عرفان نصیب ہوا اس کی زبان گنگ ہوئی، اس لیے کہ ایسے شخص پر فنا ر البقاء کا غلبہ ہوتا ہے اور جس کی معرفت میں زبان گنگ ہو وہ عیسٰے علیہ السلام کے مشرب پر ہوتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کا تقاضا نطق و ترکِ سکوت ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنا حال خود بیان کیا درمیان میں اللہ تعالےٰ کا اسم گرامی نہیں لایا گیا۔ یہ " من عرف اللہ طال لسانہ " کے قبیل سے ہے یعنے جو اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے اس کی زبان متکلم ہو جاتی ہے اس لیے کہ ایسے شخص کی بقاء کو فنا پر غلبہ ہوتا ہے اور جو مرتبہ کو حاصل کرلے

شام سے مصر کی ہجرت

بی بی مریم حضرت عیسٰے علیہ السلام کو شام سے مصر کے علاقہ میں لے گئیں جب کہ آپ کو ہیرودوس بادشاہ سے خطرہ لاحق ہوا۔ وہ اس لیے کہ فارس کے بادشاہ کو نجوم کے ذریعہ عیسٰے علیہ السلام کی ولادت کا علم ہوا تو اس نے ہیرودوس کے بادشاہ کے ہاں تین تحفے بھیجے:

① سونا

② مُر

③ لوبان

ہیرودوس کے ہاں قاصد تحائف لے کر حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ سونے کا ہدیہ کس لیے انھوں نے کہا کہ سونا دنیوی اسباب کا سردار ہے۔ اور جس (عیسٰی علیہ السلام) کے لیے ہم نے ہدیہ بھیجا ہے وہ تمام سامان کا سردار ہے اور 'مُر' اس لیے کہ یہ زخموں کو درست کرتا اور شفا دیتا ہے اور جس کے لیے ہم ہدیہ لے کر آئے ہیں، وہ بھی بیماروں کو شفا دیں گے اور 'لوبان' اس لیے کہ اس کا دھواں آسمان کی طرف جاتا ہے اور ہمارا ممدوح بھی آسمان پہ اٹھایا جائے گا۔ ان تحائف کی خبر سے ہیرودوس کو اپنی شاہی کے چھن جانا کا خطرہ لاحق ہوا اس لیے انھیں کہا کہ جب تم اپنے ممدوح کو معلوم کرو تو مجھے بھی اس کا تعارف اور اس کے گھر کی خبر دیتے جانا۔ ان صاحبان نے عیسٰی علیہ السلام کو پا لیا اور اس کی خبر ہیرودوس کو بھی دے دی۔ لیکن اللہ تعالٰے نے بی بی مریم کے ہاں فرشتہ بھیجا کہ ہیرودوس عیسٰے علیہ السلام کو قتل کرانا چاہتا ہے۔ فلہٰذا تم یہاں سے مصر چلے جاؤ۔ چنانچہ بی بی مریم یوسف بن یعقوب نجار کے ساتھ مصر کی طرف چلی گئیں اور وہیں کافی عرصہ مقیم رہیں یہاں تک کہ عیسٰے علیہ السلام بارہ سال کے ہو گئے اور ادھر ہیرودوس بادشاہ بھی فوت ہو گیا۔ تب بی بی صاحبہ اپنے علاقہ شام میں واپس تشریف لائیں۔

عیسٰے علیہ السلام اور حروف ابجد

منقول ہے کہ بی بی مریم نے عیسٰی علیہ السلام کو ایک استاذ کے ہاں پڑھنے کے لیے بٹھایا جب استاذ نے عیسٰے علیہ السلام کو لفظ ابجد پڑھایا تو عیسٰی علیہ السلام نے استاذ صاحب سے پوچھا کہ ابجد کیا ہے؟ اس نے کہا، واللہ اعلم۔ آپ نے فرمایا کہ الف سے آلاءُ اللہ (اللہ تعالٰے کی نعمتیں) اور باء سے بہاء اللہ (اللہ تعالٰے کا دبدبہ) اور جیم سے جلالِ اللہ (اللہ تعالٰے کا جلال اور بزرگی اور دال سے دین اللہ مراد ہے۔ استاذ صاحب نے کہا: احسنت پھر اس نے پڑھایا: ھوز آپ نے پھر اسی طرح فرمایا کہ ھا سے ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ اور واؤ سے ویل للمکذبین۔ اور زاء سے زبانیۃ جھنم اعدت للکفرین مراد ہیں۔ استاذ نے کہا: احسنت۔ اس کے بعد فرمایا کہ حطی کی حاء سے حطۃ الخطایا عن المذنبین۔ اور طاء سے شجرہ طوبٰی۔ اور یاء سے ید اللہ علٰے خلقہ مراد ہے۔ استاذ صاحب نے کہا: احسنت۔ اس کے بعد فرمایا کہ کلمن میں کاف سے کلام اللہ۔ اور لام سے لقاء اھل الجنۃ بعضھم بعضا۔ اور میم سے ملک۔ اور نون سے نور اللہ مراد ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ سعفص میں سین سے سناء اللہ اور عین سے علم اللہ اور فاء سے فعلہ فی خلقہ اور ص سے صدقہ

فی اقوالہ مراد ہے۔ استاذ صاحب نے فرمایا: احسنت۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قرشت میں قاف سے قدرۃ اللہ اور راء سے ربوبیۃ اللہ اور شین سے مشیۃ اللہ اور تاء سے تعالیٰ اللہ عما یشرکون مراد ہے۔ استاذ صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے علم و دانش کی داد دی۔ استاذ صاحب نے بی بی سے کہا کہ صاحبزادہ کو لے جائیے اس نے الٹا مجھے وہ اسباق سمجھائے جو میں پہلے نہیں جانتا تھا۔ (کذا فی قصص الانبیاء)

اعجوبہ: مروی ہے کہ یہ آٹھ کلمات " ابجد۔ ھوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ تخذ۔ ضظغ "، آٹھ بادشاہوں کے نام ہیں۔

ف: بعض کے نزدیک یہ آٹھ کلمات یونانیوں کی ایجاد ہے انھوں نے اعداد کی ضبط اور ان کے مراتب کی تمیز کے لیے وضع کیے تھے۔ (کذا فی شرح التقویم)

ف: محمد بن طلحہ العقد الفرید میں لکھتے ہیں سب سے پہلے جن لوگوں نے عربی خط کی وضع کی اور اس کے حرف جوڑ کر اس کے اقسام بتائے، وہ چھ اشخاص تھے جو عدنان بن داؤد کے ہاں مہمان ہو کر ٹھہرے ان کے اسماء یہ ہیں:

① ابجد ② ہوز
③ حطی ④ کلمن
⑤ سعفص ⑥ قرشت

انھوں نے ہی کتابت کو وضع کیا اور خط کو اسماء پر مقرر کیا۔ بعض وہ حروف جو ان کے اسماء میں نہیں تھے۔ انھیں اپنے اسمائی حروف کو الحاقی بتایا اور انھیں روادف سے تعبیر کیا اور وہ یہ ہیں: ثاء۔ خاء۔ ذال۔ ضاد۔ ظاء۔ غین۔ یعنی وہی الحاق ہے جو ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے ملحق کیا جاتا ہے۔ ہم نے خلاصہ کے طور پر چند باتیں عرض کر دی ہیں ان کے علاوہ اور وجوہ بھی بتائے گئے ہیں۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ " جس کی صفات ابھی مذکور ہوئیں وہ عیسےٰ بن مریم ہیں وہ صفتیں نصاریٰ بیان کرتے ہیں وہ عیسےٰ نہیں اس سے نصاریٰ کی تکذیب ہے کہ ان کے عقیدے کے خلاف امر کو بیان کر کے ان کی نہ صرف تکذیب فرمائی بلکہ ابلغ طریق یعنے طریق برہانی سے ان کی تردید فرمائی اس لیے کہ جس کو وہ عقیدہ بتاتے تھے اس کی نقیض کو اللہ تعالےٰ نے حق بتایا۔ **قَوْلَ الْحَقِّ** یعنے وہ قول جو ثابت اور سراسر صدق ہے۔ یہ منصوب ہے بوجہ مفعول مطلق ہونے کے۔ قال انی عبد اللہ کی تاکید ہے اور ذالک عیسی بن مریم جملہ معترضہ ہے۔ **الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ** وہ کہ جس کے متعلق تم شک کرتے ہو اس لیے کہ المزیۃ بمعنے شک ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ ، اللہ تعالےٰ کے لائق نہیں۔ **اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ** من ولد۔ یتخذ کا مفعول بہ ہے اور من نفی تمام کی تاکید کے لیے ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولد سے جزء مراد ہے اس لیے کہ ولد. والد کا جزء ہوتا ہے. حضور علیہ السلام نے فرمایا: فاطمہ بضعۃ منی (فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

سُبْحٰنَهٗ ؕ اللہ تعالیٰ نصاریٰ کے بہتان سے پاک اور منزہ ہے اس لیے کہ قدیم کی کوئی جنس نہیں۔ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا جب اللہ تعالیٰ کسی امر کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ؕ تو اس کے لیے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: کن، ہو جا۔ فیکون، تو باپ کے بغیر پیدا ہوگئے۔ یہاں پر قول کا مجازی معنے سرعۃ الایجاد ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے کوئی شے حائل نہیں ہوتی بلکہ جونہی وہ ارادہ فرماتا ہے تو وہ شے فی الفور پیدا ہو جاتی ہے یہ ایسے ہے جیسے امر اپنے مطیع مامور کو جس وقت امر فرماتا ہے تو وہ مطیع مامور فوراً بلا تاخیر حکم کی تعمیل کرتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہوتی ایسے مجاز کو تمثیل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اور بے شک میرا اور تمہارا رب، اللہ تعالیٰ ہے فلہٰذا اسی کی عبادت کرو۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے اور اس کا انی عبد اللہ پر عطف ہے اور یہ بھی قال کے حکم میں داخل ہے۔ هٰذَا یہ جو میں نے توحید کے اسباق بیان کئے۔ صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ؕ ایسا سیدھا راستہ ہے کہ اس پر چلنے والا گمراہ نہیں ہو سکتا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ۔ الاحزاب۔ حزب کی جمع ہے بمعنے جماعت۔ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ آپس میں جماعتوں نے اختلاف کیا کہ ربکم وہ تمہارا رب ہے۔ فاعبدوہ، اس کی عبادت کرو۔ احزاب سے عیسیٰ علیہ السلام کی وہ قوم مراد ہے جن کی طرف مبعوث ہوئے۔ چنانچہ جماعت سطوریہ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام "ابن اللہ" ہیں اور یعقوبیہ فرقے نے کہا کہ وہ خود خدا ہے جو آسمان سے زمین پر تشریف لا کر پھر آسمان کی طرف واپس تشریف لے گئے ہیں۔ ملکانیہ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام بندۂ خدا اور اس کے سچے نبی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دنیا میں عبادت گذار انسان تین قسم کے ہیں:

① شریعت و طریقت کے قدموں پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے مقامات کو عبور کر کے قربات الٰہی تک پہنچتے ہیں یہ اولیا کرام اور صدیقین عظام ہیں انھیں اہل اللہ اور خاصان خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

② خواہش نفسانی کی پرستش کرتے ہیں یعنے جیسے ان کی طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کوسوں دور ہوتے ہیں جیسے کفار بت پرست یہ لوگ کہتے ہیں:

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔

یہ اولیاء اللہ اہل حق کے منکر ہوتے ہیں۔ یہی اہل بدعت و اہل ہوا، ریا کار اور شہرت باز اور منافقین ہیں یہی جہنم

کے ایندھن ہیں ۔

③ اللہ تعالٰی کی اسی طرح عبادت کرتے ہیں جیسے شریعت کا حکم ہوتا ہے: یہ عام اہل اسلام ہیں یہ لوگ یقیناً بہشتی ہیں ۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ پس کافروں کے لیے خرابی ہے ان کافروں سے وہی جماعتیں مراد ہیں جنھوں نے علیٰہ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا۔ ویل بمعنے ہلاکت ۔ یہ مبتدا ہے اس کا مابعد اس کی خبر ہے اگرچہ نکرہ ہے لیکن بعض مخصوص صورتوں میں نکرہ بتدا واقع ہوتا ہے جیسے سلام علیک میں سلام نکرہ مبتدا ہے دراصل یہ اپنے فعل محذوف کے قائم مقام ہے لیکن اس سے عدول کر کے اسے مرفوع اور مبتدا بنایا گیا ہے تاکہ استمرار و دوام و ثبات پر دلالت کر سکے جو کہ مدعو علیہ کے لیے مقصود ہے۔ مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ اس دن کی حاضری کی وجہ سے جس کا منظر ہولناک ہے اور اس دن کا حساب و کتاب اور جزاو سزا سخت ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے ۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ یہ فعل استعجب ہے چونکہ قیامت کے دن اس کی بینائی و شنوائی تیز ہو جائے گی اسی لیے اسے تعجب کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ ہدایت کے لیے ان کا سننا اور دیکھنا بہت خوب ہوگا۔ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ۔ اس دن کہ وہ ہمارے ہاں حاضر ہوں گے یعنے قیامت کے دن جس وقت حساب اور جزا کے لیے وہ لوگ ہمارے ہاں حاضر ہوں گے تو ان پر تعجب کرنا چاہیئے کہ ہدایت کی باتوں کو کیسے تیز دیکھتے اور کیسے جلد تر سنتے ہیں حالانکہ دنیا میں نہایت درجہ کے اندھے اور بہرے تھے اور کسی شے کو عظیم الشان سمجھنا لیکن اس کے سبب سے بے خبر ہونے کا نام تعجب ہے۔ اب مطلقاً شے کو عظیم الشان سمجھنے پر استعمال کیا گیا ہے۔ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ ۔ لیکن ظالم لوگ آج دنیا میں ۔ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ گمراہی ظاہر یعنے ایسی خطا ظاہر میں ہیں کہ اس کی انتہا کو کوئی نہیں پہنچ سکتا یعنے نظر اور استماع عبرت سے بالکل غافل رہے حالانکہ دنیا میں ان کے ذریعے اسے بہت بڑے منافع حاصل کرتے تھے ؂

عمر مکن ضائع بافسوس و حیف
کہ فرصت عزیز ست و الوقت سیف
کہ فردا پشیمان برآری خروش
کہ اوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: افسوس و حیف سے عمر ضائع نہ کیجئے۔ اس لیے کہ فرصت قیمتی شے ہے اور وقت تلوار۔
قیامت میں پشیمان ہو کر فریاد کرے گا کہ میں نے نصیحت کو کانوں سے نہ سنا۔

وَاَنْذِرْهُمْ ۔ اور انھیں یعنے ظالمین کو ڈرایئے۔ يَوْمَ الْحَسْرَةِ ، حسرت کے دن سے یعنے وہ دن جس میں لوگوں کو حسرت اور مکمل طور پر ندامت ہوگی۔ بُرے کو تو برائی کی وجہ سے اور نیک کو نیکیوں کی کمی سے کہ اگرچہ اس کے ہاں کتنا ہی بہت بڑی نیکی ہوگی، تب بھی افسوس کرے گا کہ کچھ اور نیکی کرتا۔ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ یہ یوم الحسرۃ سے بدل ہے جب کہ ان کا

کام پورا ہو جائے گا یعنے جب اللہ تعالےٰ حساب وکتاب سے فارغ ہو کر حکم فرمائے گا کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں۔

موت مینڈھے کی شکل میں (حدیث شریف)

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے یوم حسرت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا پھر اسے ذبح کیا جائے گا۔ بہشتی دوزخی اسے آنکھوں سے دیکھیں گے اس کے بعد اعلان ہوگا کہ اے بہشتیو! تم پر اس کے بعد کوئی موت نہیں، اب تم ہمیشہ بہشت میں رہو گے اور اے دوزخیو! اس کے بعد تم پر کوئی موت نہیں آئے گی اب تم ہمیشہ دوزخ میں رہو گے اس اعلان سے بہشتی لوگوں کی خوشی میں، اور دوزخیوں کے غم میں اضافہ ہوگا۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ اور آج وہ غفلت میں ہیں یعنے انھیں بے خبری ہے کہ کل قیامت میں ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ **وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝** یہ دونوں جملے فی ضلٰل مبین کی ضمیر مستتر سے حال ہیں یعنے وہ اسی گمراہی میں رہنے والے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے ان کے مابین جملہ معترضہ واقع ہے۔

اِنَّا نَحْنُ، ضمیر متکلم کی تاکید کے لیے ہے۔ **نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا**، بے شک ہم زمین اور اس کے مکینوں کے مالک ہیں اگرچہ زمین کے مکین انسان اور غیر انسان ہیں لیکن ذوالعقول کی تغلیب سے مَنْ لایا گیا ہے یعنے زمین پر سوائے ہمارے اور کوئی نہیں رہے گا اور نہ ہی ہمارے سوا اس کا کوئی مالک ہے اس کے متعلق سورۂ حجر میں تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔ **وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝** اور صرف ہمارے ہاں حساب وکتاب اور جزا وسزا کے لیے لوٹائے جائیں گے۔ میرے سوا نہ کوئی مستقلاً مالک ہے اور نہ اشتراکاً۔

ف: رجوع دو قسم کے ہیں:

① بالقہر۔ یہ عوام کے لیے ہے اس لیے ان کے نفوس دنیا سے مطمئن اور اسی میں رہنا چاہتے ہیں اسی لیے انھیں بالاجبار والاکراہ دنیا سے اٹھا کر آخرت میں لایا جائے گا۔

② الرجوع۔ الرجوع باللطف یہ خواص کا رجوع ہے اس لیے کہ ان کے نفوس فانی فی اللہ ہوتے ہیں نہ انھیں دنیا کی زندگی اچھی اور نہ آخرت سے واسطہ، ان کا تعلق براہ راست اپنے مولیٰ سے ہوتا ہے وہ دنیا سے رخصت ہونے اور موت کو اسی لیے ترجیح دیتے ہیں کہ وہ اپنے مالک ومولیٰ کے دیدار کے مشتاق ہوتے ہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ فنا وبقا اور تکمیل الشوق الی لقاء المولیٰ اور رجوع الی اللہ کے لیے اس سے پہلے جد وجہد کرے جب کہ اسے موت کا پیغام پہنچے۔ لمن الملک الیوم کا راز اسی میں مضمر ہے۔

صرصر قہر وے از ممکن وحدت بوزید
خس و خاشاک تعین ہمہ برباد برد
ہرچہ در عرصۂ امکان بوجود آمدہ بود
سیل عزت ہمہ را تا عدم آباد برد

ترجمہ: اس کے قہر کی آندھی ممکن کی وحدت سے چلی تو اس نے تعین کے تمام خس وخاشاک اڑا دیئے۔
جو امکان کے میدان میں وجود تھے سب کو عزت کے سیلاب نے عدم آباد میں پہنچایا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے خطابات سے نوازا جاتا ہے تو وہ ہمہ تن کان بن جاتے ہیں اور انھیں ذات حق کا مشاہدہ ہوتا ہے تو ہمہ تن آنکھ ہو جاتے ہیں اور دنیا سے اس وقت کوچ کرتے ہیں جب ان کا رہائش کا مقام اللہ کے ہاں متعین ہوتا ہے۔

ے

نظرت فی الراحة الکبری فلم ارها
تنال الاعلی جنس من التعب
والجد منها بعید فی تطلبها
فکیف تدرك بالتقصیر واللعب

ترجمہ: میں نے راحت کبریٰ کی تلاش کی تو سوائے تھکان کے کچھ نہ پایا۔
اس کی طلب میں جد وجہد فضول ہے اسے تقصیر ولعب سے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حکایت حضرت الشیخ ابوالحسن مزین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نہایت مفلس کنگال اور سرپاؤں سے ننگا ہو کر جنگل میں گیا اور دل میں خیال کیا کہ میرے جیسا اور کوئی بدحال نہ ہوگا۔ اندریں اثنا مجھے کسی نے پیچھے سے دھکا دے کر کہا اسے حجام! کب تک تم جھوٹے خیال دل میں لاتے رہوگے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ ترک، تجرد، رجوع الی الحق کے مراتب ہوتے ہیں اور ہر ایک سالک کو وہی نصیب ہوتا ہے جو اس کے لائق ہوتا ہے اسی لیے کسی کو اپنے مراتب سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے اور نہ ہی اپنے حال سے عجب وکبر میں مبتلا ہو۔

حکایت حضرت ابراہیم الخواص قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک جنگل میں داخل ہوا اس سے مجھے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن صبر کے دامن کو میں نے نہ چھوڑا۔ جب میں مکہ معظمہ میں پہنچا تو مجھے اپنی نیکی سے عجب محسوس ہوا تو طواف کرتے ہوئے مجھے ایک بڑھیا نے ندا دی کہ اے ابراہیم! میں جنگل میں تیرے ساتھ تھی لیکن میں نے تیرے سے گفتگو نہ کی اس خیال

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۰۶)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بیشک وہ صدیق تھا (نبی) غیب کی خبریں بتاتا جب اپنے باپ سے

تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ

بولا اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے اے میرے باپ بیشک میرے

مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ

پاس وہ علم آیا جو تجھے نہ آیا تو تو میرے پیچھے چلا آمیں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں اے میرے باپ شیطان کا بندہ نہ بن

اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ

بے شک شیطان رحمن کا نافرمان ہے اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمن کا کوئی عذاب

الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ

پہنچے تو تو شیطان کا رفیق ہو جائے بولا کیا تو میرے خداؤں سے منہ پھیرتا ہے اے ابراہیم بیشک

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ

اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھراؤ کروں گا اور مجھ سے زمانہ دراز تک بے علاقہ ہو جا کہا بس تجھے سلام ہے قریب

رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا

ہے کہ میں تیرے لیے اپنے رب سے معافی مانگوں گا بیشک وہ مجھ پر مہربان ہے اور میں ایک کنارے ہو جاؤں گا تم سے اور ان سب جنکو

رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ

اللہ کے سوا پوجتے ہو اور اپنے رب کو پوجونگا قریب ہے کہ میں اپنے رب کی بندگی سے بدبخت نہ ہوں پھر جب ان سے اور اللہ کے سوا ان

دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ

کے معبودوں سے کنارہ کر گیا ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانیوالا (نبی) کیا اور ہم نے انہیں

مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع

اپنی رحمت عطا کی اور ان کے لیے سچی بلند ناموری رکھی

(بقیہ صفحہ نمبر ٦٠٥

ہر کہ تیرے شغل (ذکر الٰہی و عبادت) میں حرج نہ ہو۔ اب بولنا پڑا تجھ پہ لازم ہے کہ تم اپنے دل سے یہ وسواس نکال دو۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ رجوع الی اللہ کی توفیق بھی اللہ تعالےٰ سے نصیب ہوتی ہے ہر کمال اللہ تعالےٰ کی نصرت و قوت سے نصیب ہوتی ہے

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۵ اے میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے سامنے سورت یا قرآن سے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے یا انھیں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ پہنچا دیجئے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

"واتل علیھم نباء ابراھیم"

ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص اس لیے ہے کہ تمام اہل ادیان حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عقیدت رکھتے تھے یہاں تک کہ کفار مکہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ناز تھا اور فخریہ کہتے کہ ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں" اللہ تعالٰے نے اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا کہ ان سب کو ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ توحید سنا دیں تاکہ ان کے ذہن سے شرک کا گندا تصور ہٹ جائے۔

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ بے شک تھے وہ ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے بہت سچے یعنے اللہ تعالٰے کے ہر حکم کے سامنے سر جھکانے اور ہر برائی سے بچنے میں ہر وقت پابندی کرنے والے تھے۔ نبیا۔ یہ کان کی دوسری خبر ہے۔ پہلی خبر کے لیے قید اور اس کے اندر تخصیص پیدا کرنے والی ہے یعنے حضرت ابراہیم علیہ السلام صفت صدیقیت و نبوت کے جامع تھے اور صدیقیت نبوت کے تابع ہے اس لیے کہ ہر نبی کا صدیق ہونا ضروری ہے لیکن ہر صدیق کو نبی ہونا ضروری نہیں۔

فائدہ صوفیانہ: ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ صدق کے چند مراتب ہیں:

① صدوق

② صدق

③ صدیق

صادق وہ ہے جو قائم علے الصدق مع اللہ باللہ ہو یہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوتا ہے۔

رسول و نبی میں فرق رسول، ہر وہ جو احکام الٰہی کی تبلیغ کے لیے مقرر ہو وہ فرشتہ ہو یا آدمی۔ اور نبی تبلیغ احکام کے لیے مقرر ہو لیکن یہ صرف آدمی سے خاص ہے لفظ فرشتے کے لیے نہیں آتا لفظ رسول آتا ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ۔ یہ ابراہیم سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ اوقات مافیہا پر مشتمل ہوتے ہیں یعنے یاد کیجئے ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو جو انھوں نے اپنے باپ یعنے آزر سے کہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے نہایت نرمی اور آسان لہجے میں فرمایا: يٰۤاَبَتِ، ابا جی۔ یاد رہے کہ یہ دراصل یا ابی تھا۔ یاء کے بالعوض تاء کو لایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں یکجا جمع نہیں ہوتیں یعنی یا ابتی اور یا ابتا نہیں کہا جاتا یعنے الف کے ساتھ بھی اسی لیے نہیں کہا جا سکتا کہ الف 'یا' متکلم کا بدل ہے۔ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ۔ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو تمھاری عبادت کے وقت نہ تمھاری ثنا سن سکتے ہیں اور نہ ہی تمھارے عجز و انکسار کو۔ ما سے وہ تصویریں اور مورتیاں مراد ہیں جن کی وہ پرستش کرتے تھے اور لم پر لام جارہ ہے۔ یہ دوسرے حروف جارہ کی طرح ما استفہامیہ پر داخل ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

بہم و علاہم و فیہم و الاہم و منہم و عنہم ۔
استفہام کے الف کو بھر کلمہ میں حروف کو قلیل کرنے کی غرض سے ایک کو حذف کر دیا گیا ۔

وَلَا يُبْصِرُ ۔ اور وہ بت تمہارے خشوع و خضوع کو نہیں دیکھ سکتے اگرچہ تم ان کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی عبادت کرتے ہو۔ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۝ اور تم سے کسی شئے کو دُور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی تمہیں کسی قسم کا نفع پہنچا سکتے ہیں دنیا میں نہ آخرت میں ۔ شیئاء مصدر ہے یعنے معمولی سے معمولی نفع ۔ اس معنے پر یہ لا یغنی کا مفعول مطلق ہے یہ دراصل شیئاء من الاغنا ، ہوگا یا مفعول بہ ہے ۔ اب معنے ہوگا :

لا یرفع عنک شیئاء من عذاب اللہ تعالٰی ۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝

ابا جی ! تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ میرے ہاں بذریعہ وحی علم آیا ہے جو تمہیں نصیب نہیں ۔ فلہٰذا تم انکار نہ کرو بلکہ میری تابعداری کرو ۔ میں تمہیں ایسا سیدھا راستہ دکھاؤں گا جو تمہیں مراتب علیا تک پہنچائے گا اور تمہیں گمراہی سے بچائے گا ۔

نکتہ آزر کو جہل کے بجائے مالم یاتک سے اور اپنے علم کے اظہار کے بجائے علم الٰہی سے گفتگو کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکیمانہ تدبیر کا پتہ چلتا ہے کہ وہ آزر سے اسی طرح گفتگو کر رہے ہیں جیسے کوئی ہمسفر دوست سے خیر خواہانہ بات کرتا ہے تاکہ وہ اس سے متاثر ہو کر اس کی بات مان لے ۔ اسے کہتے ہیں لطف و کرم ۔

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ ابا جی ! شیطان کی عبادت نہ کیجئے وجہ یہ ہے کہ بت پرستی حقیقت میں شیطان کی پرستش ہے اس لیے کہ شیطان بتوں کی پرستش کو بہتر کر کے دکھاتا اور ابھارتا ہے ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ بے شک شیطان رب رحمٰن کا نافرمان ہے ۔ اس لیے کہ اس نے اللہ تعالٰی کے حکم کے خلاف آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی کی نافرمانی انسان کو بلند مراتب سے گرانے اور زوال نعمت کا سبب بنتی ہے بلکہ رحمانیت کے انوار سے محرومی ۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو اس کی رب تعالٰی کی نافرمانی کا سنا کر اس کے مراتب سے گرنے کا سبب بھی بتا دیا ۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ ۔ ابا جی ! مجھے ڈر ہے کہ اگر تم اسی شیطان کی تابعداری اور رحمٰن کی نافرمانی میں مر گئے تو تمہیں پہنچے گا ، عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ ، رحمٰن کے عذاب سے یہ خوف ابراہیم علیہ السلام کو آزر کی محبت بازی سے ہوا ۔ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ تو تم شیطان کے ساتھ دائمی لعنت کے ساتھی ہوگے یا تم شیطان کے دوست ہوگے اور وہ تمہارا ولی ہے اولی سے بمعنے القرب ۔

قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیان اور سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال یہ ہے کہ گویا پوچھا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آزر نے کیا جواب دیا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ آزر نے ابراہیم سے نصیحت سننے کے بعد ، بجائے ان کی نصیحتوں کو قبول کرنے کے اپنے عناد پر ڈٹ کر کہا :
اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ اے ابراہیم ! کیا تم ہمارے معبودوں سے روگردانی کرنے والے ہو ۔

نکتہ: اعراض و انکار کو تعجب میں بیان کرنے میں آزر نے تصریح کی کہ ہمارے معبودوں سے سمجھدار کو انکار کی گنجائش نہیں اور تم، اے ابراہیم! نہ صرف خود انکار کر رہے ہو بلکہ دوسروں کو بھی ان سے انکار کی ترغیب دے رہے ہو۔

ف: خبر کو مبتدا کرنے پر مقدم کرنے سے اس کے مہتم بالشان ہونے کی طرف اشارہ ہے لیکن حق یہ ہے کہ اراغب مبتدأ اور انت خبر کے قائم مقام ہو کر راغب کا فاعل ہے یہ اس لیے کہ صفت اور اس کے متعلق کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا اور وہ غیر لفظ ہی ہے۔ (کذا فی تفسیر الشیخ)

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ۔ بمعنا اگر تم اپنی نصیحت یعنے بتوں کی پرستش سے روکنے سے باز نہ آئے تو میں تمھیں سنگسار کروں گا یہاں تک کہ تم مرجاؤ یا مجھ سے علیحدگی اختیار کرو۔

ف: بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے آزر نے سب وشتم مرادلی ہے۔

اسی سے رجیم مشتق ہے بمعنے لعن وطعن کیا ہوا اور اصل الرجم بمعنے الرجم۔ بالرجام بالکسر بمعنے الحجار ہے، یعنے پتھروں سے مارنا۔

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ○ اس کا لاَرجمنّك کے مدلول پر عطف ہے یعنے میں تمھیں سنگسار کروں گا تو تم مجھے عرصہ دراز تک چھوڑ جاؤ گے اور ایسا ماروں گا کہ پھر تم مجھے بت پرستی سے بڑے عرصہ تک نہیں روکو گے۔ ملیا۔ الملاوۃ سے ہے بمعنے "الدھر"۔

قَالَ۔ یہ جملہ مستانفہ بیان ہے یعنے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: **سَلٰمٌ عَلَيْكَ**۔ میرا تجھے سلام۔ یہ لطف و احسان کا سلام نہیں بلکہ الوداعی اور مفارقت کا ہے۔ اس لیے کہ اس سلام سے ابراہیم علیہ السلام آزر کے لیے سلامتی کی دعا نہیں کر رہے جیسا کہ سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین میں دعائیہ سلام نہیں بلکہ یہ برائی کے مقابلہ میں نیکی کے قبیل سے ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو نصیحت قبول نہ کرتا دیکھے تو اس سے علیحدگی اختیار کرلے تو جائز ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ میں تمھیں اپنی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ آج سے میں تمھیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا اور نہ ہی تیرے ساتھ ایسی گفتگو کروں گا جس سے تجھے ایذا پہنچے بلکہ اب دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں، وہ یہ ہے: **سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ** "یہ سین" استقبالیہ یا تاکیدیہ ہے یعنے اب میں تیرے بھلے اپنے رب سے استغفار کروں گا کہ وہ تیرے گناہ بخش کر تجھے توبہ کی توفیق بخشے اور تجھے ایمان کی ہدایت عطا فرمائے۔ جیسا کہ وہ بہر ہی آیت "واغفر لابی انہ کان من الضالین" سے معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس کافر کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو تو اس استغفار جائز ہے، ہاں! جس کے کفر کا یقین ہو کہ یہ یقیناً کفر پر مرے گا تو اس کے لیے استغفار ناجائز ہے عقلاً بھی نقلاً بھی۔

مسئلہ: کافر کے مرنے کے بعد عقلاً تو استغفار جائز ہے لیکن جب اس کی استغفار سے صراحۃً ممانعت ہو تو پھر ناجائز ہے

چنانچہ ابوطالب کے لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ازال استغفر لك ما لم انه عنه[1] — میں تیرے لیے استغفار کرتا رہوں گا، جب تک صراحۃً نہ روکا جاؤں ۔

اس پر آیت نازل ہوئی :

ما كان للنبي والذين اٰمنوا ان يستغفروا للمشركين[2] — نبی علیہ السلام اور اہل ایمان کو لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں ۔

ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو سأستغفر لك اور لا يستغفرن لك اور واغفر لابي یہ آیات اس وقت کہی ہیں جب آپ آزر سے ایمان قبول کرنے کی امید رکھتے تھے جب اس کی ڈھٹائی اور ضد دیکھی تو پھر استغفار سے باز آئے ۔ یہی جواب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا جب کہ آپ نے ابوطالب اور ابوجہل و دیگر کفار و مشرکین و منافقین کے لیے دعائیں اور استغفار یں کیں لیکن یار لوگوں نے حقیقت سے چشم پوشی کر کے نبی علیہ السلام کو لاعلم اور غیر مختار ثابت کرنے کی کوشش ہے[3]

ف : ابراہیم علیہ السلام آزر کی استغفار سے اس وقت باز آئے جب انھیں یقین ہوا کہ یہ ایمان قبول نہیں کرے گا ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

فلما تبين له انه عدو لله تبرأ منه

(ایسے ہی اپنے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا معاملہ سمجھئے ۔ تفسیر اویسی میں تفصیل دیکھئے)

اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ بے شک میرا رب ایسے لطف و کرم کے لائق ہے ۔

حل لغات : بہ حفیت بہ بمعنے بالغت سے ہے اور کہا جاتا ہے : تحفیت فی اکرامہ ای بالغت (میں نے اس کے اکرام میں مبالغہ کیا) ۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ ۔ اور میں تجھ سے اور تمہاری قوم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اس لیے کہ اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم پر میری نصیحتوں کا اثر نہیں ہوگا ۔ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور میں ان سے دُوری اختیار کرتا ہوں جن کی تم عبادت

---

[1] : روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۳۲۷، طبع جدید ۔

[2] : افسوس ہے کہ ابوطالب کے کفر کی تصریحات کے باوجود بعض لوگ اس کے ایمان کے ثبوت کے لیے کوشاں ہیں اور روح البیان کی بعض وہ عبارات پیش کرتے ہیں جو انھوں نے محض نقل کے طور پر درج فرمائی ہیں اور ان کی اس تصریح کو یا دیکھتے نہیں یا عمداً اس کو نہیں لکھتے ۔ ۱۲ ۔

[3] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۔

کرتے ہو۔

ف: یہاں پر تدعون بمعنے تعبدون ہے[1]

وَاَدْعُوْا رَبِّیْ۔ اور اپنے رب تعالےٰ واحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت کرتا ہوں۔ یہاں پر بھی ادعوا بمعنے اعبد ہے۔
عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ○ میں اپنے رب تعالےٰ کی دعا سے ناامید نہیں ہوں یعنے میری دعا اور اس میں میری جدوجہد ضائع نہیں ہوگی اور نہ ہی مجھے اس سے ناامید رکھا جائے گا۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو بتایا کہ یہ تم ہو کہ تم اپنے معبودوں سے غائب و خاسر ہوسے

حاجت ز کسے خواہ کہ محتاجاں را
بے بہرہ نگرداند از انعام عمیم

ترجمہ: اس سے اپنی حاجت طلب کیجئے جو کسی وقت بھی اپنے حاجت مندوں کو محروم نہیں کرتا۔[2]

سوال: ابراہیم علیہ السلام نے لفظ عسٰی فرمایا ہے اس میں تو صرف امید ہی کی جا سکتی ہے نہ کہ یقین؟
جواب: اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کو یقین تھا لیکن تواضع کے طور پر عسٰی فرمایا اور ادب کو ملحوظ رکھا اور سمجھایا کہ اس بڑی بارگاہ میں ادب اور تواضع ضروری ہے۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ جس وقت ابراہیم علیہ السلام ان سے اور ان کے معبودوں سے علیحدہ ہوئے یعنے شام کی طرف ہجرت کر گئے۔

ف: تفسیر الشیخ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ارض المقدس کی طرف ہجرت فرمائی۔

وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ اور ہم نے اسحاق اور یعقوب بن اسحاق علیہما السلام عطا فرمائے یعنے جونہی انھوں نے اپنے کافر رشتہ داروں سے علیحدگی اختیار فرمائی تو ہم نے انھیں اس کے عوض بچے عطا فرمائے۔

ف: ہجرت اور مفارقت عن الوطن کے بعد صاحبزادے مذکور پیدا نہیں ہوتے بلکہ اس ہجرت و مفارقت پر انھیں اسماعیل علیہ السلام عطا ہوئے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

فبشرنا بغلٰم علیم۔

جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی:

رب ھب لی من الصالحین

---

[1]: روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۳۳۷۔

[2]: از اویسی غفرلہٗ۔

سوال : یہاں پر اسماعیل علیہ السلام کا اسم گرامی کیوں نہیں لیا گیا ؟

جواب[1] : چونکہ یہ دونوں اسحاق و یعقوب علیہما السلام ابو الانبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ ان کے لیے صرف انہی حضرات کا ذکر فرمایا۔

جواب[2] : چونکہ اسماعیل علیہ السلام صاحب فضیلت تھے اسی لیے انھیں مستقل طور پر علیحدہ بیان فرمایا۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا، یہ نہیں کہ ان کے بعض کو نبی بنایا اور بعض کو نہیں۔ کلا جعلنا کا مفعول اول صرف تخصیص کے لیے فعل سے مقدم لایا گیا ہے۔ یہ نسبت ان کے بعض کے نہیں بلکہ ان کے بہ نسبت ان کے ماسوا کے۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا۔ اور ہم نے انھیں دینی و دنیوی بھلائی اور ہر طرح کی رحمت سے نوازا جیسا کہ کسی کو رحمتوں اور الفتوں سے نوازا جاتا ہے۔ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ اور ہم نے ان کے لیے سچی زبان اور بلند بنایا۔ لسان صدق سے الثناء الحسن مراد ہے۔ اس لیے کہ لسان سے ہر وہ شے مراد ہے کہ جس سے کلام کا صدور ہوتا ہے۔ اس کی اضافت اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے یعنے لوگ ان پر فخر اور ان کی اچھی تعریف کریں گے۔

ف : یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہونے کا نتیجہ ہے جیسا کہ انھوں نے اپنی دعا میں کہا تھا :

واجعل لی لسان صدق فی الاخرین — اور میرے لیے پچھلے لوگوں میں سچی زبان بنا۔

مسائل شرعیہ : آیات سے چند اشارات کا اثبات ہوا :

(۱) نرمی و حسن خلق ہادی الی الحق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملنے والوں سے نرمی اور خوش خلقی سے پیش آئے اس لیے کہ سخت کلامی لوگوں کو استفادہ و استفاضہ سے محروم رکھتی ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا کہ خوش خلقی سے پیش آیا کریں اگرچہ آپ کے ساتھ کفار بھی گفتگو کریں۔ اس طریق سے آپ کو ابرار کے مراتب حاصل ہوں گے اس لیے کہ میں نے تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ خلیق کو میں اپنے عرش کے سایہ تلے بٹھاؤں گا اور خطیرۃ القدس میں ٹھہراؤں گا اور اسے اپنی جوار خاص کا قرب عطا کروں گا۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

گذشت عمر نکردی کلام خود را نرم
ترا چہ حاصل ازیں آسیائے دندانست

ترجمہ : تیری زندگی گذر گئی لیکن تو نے اپنی گفتگو نرم نہ کی۔ تجھے اس دندانے والی چکی سے کیا حاصل ہوا۔

(۲) متابعت حق : حضرت ابو القاسم نے فرمایا کہ راہ حق تابعداری سے نصیب ہوتا ہے۔ جس کا بہت بڑا بلند مرتبہ ہے یعنے نبی علیہ السلام کو، قرآن مجید کی، اور جو ان سے کم درجہ ہے اسے رسول کی، اور جو ان سے کم ہے تو اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی، اور جو ان سے کم ہے تو اسے اولیاء و علماء و عارفین رحمہم اللہ تعالیٰ کی اتباع لازمی ہے۔

طرق الی اللہ کا اسلم طریقہ اتباع میں ہے اسی لیے حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ نفس پر سخت ترین مشقت دوسرے کی اقتدا میں ہے اس لیے کہ نفس کو اس سے نہ راحت نصیب ہوتی ہے نہ سرور ۔

(۳) عزلت (گوشہ نشینی) : حضرت ابوالقاسم رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ جو دنیا و آخرت میں ظاہری باطنی سلامتی چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ بُرے دوستوں سے علیحدگی اختیار کرے اور بُرے دوستوں سے علیحدگی آسان نہیں وہ ہر وقت اللہ تعالٰے سے الحاح و زاری سے دعا مانگے کہ اسے برے دوستوں سے مفارقت اور جدائی کی توفیق بخشے بُرے دوستوں سے علیحدگی اس لیے ضروری ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو اپنے دوست کے ساتھ اٹھایا جائے گا ۔

نکتہ : عزلت (گوشہ نشینی) خاموشی کا بہترین سبب ہے اس لیے کہ جو لوگوں سے دور ہو گا تو کس سے بات کرے گا جب بات ہی نہ کرے گا تو لازماً خاموشی اختیار کرنی پڑی ۔

ف : گوشہ نشینی دو قسم کی ہے :

(۱) عزلۃ المریدین بالاجسام عن الاغیار یعنے عوام کا جسمانی طور پر غیروں سے علیحدہ رہنا ۔

(۲) عزلۃ المحققین : یہ وہ ہے کہ دل کو اکوان سے علیحدہ رکھے اس لیے کہ دل صرف علم الٰہی کا مرکز ہے اور بس اس لیے کہ اسی علم سے عارف کو مشاہدہ حق نصیب ہوتا ہے ۔

ف : گوشہ نشینی سے لوگوں کے شر سے اپنی حفاظت یا اپنے شر سے دوسروں کو بچانا مطلوب ہو ۔ دوسرا پہلے سے افضل ہے اس لیے کہ اپنے اوپر بدگمانی کرنا بہ نسبت دوسرے پر بدگمانی کے بہتر ہے اور اس نیت سے عزلت ہو کہ کسی بہتر کی صحبت نصیب ہو کہ مجھے اپنے رب تعالٰے کی صحبت نصیب ہو تو پھر دوسروں کے ساتھ صحبت کا کیا فائدہ ۔ قاعدہ ہے کہ گوشہ نشین کا جلیس اللہ تعالٰے ہے ۔ پھر کسی کو کیا خبر کہ اسے عزلت یعنے صحبت ربانی سے کیا اسرار و رموز نصیب ہوتے ہیں عزلت سے صرف زبان کی خاموشی حاصل ہوتی ہے لیکن قلب کی خاموشی تو حاصل نہیں ہوتی ۔ اس لیے کہ انسان اگرچہ گوشہ نشین ہو تب بھی اس کے دل پر غیر اللہ کے خیالات ضرور گذرتے ہیں اسی لیے اس پر لازم ہے کہ گوشہ نشینی میں سوائے اللہ تعالٰے کے باقی تمام خیالات کو مٹانے کی کوشش کرے اسی لیے سلوک میں گوشہ نشینی ایک اعلٰے رکن کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ گوشہ نشینی سے سالک سے بہت سے گندے اوصاف دور ہو جاتے ہیں ۔ اسی لیے بہت سے گوشہ نشین صاحب یقین مع اللہ ہو گئے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب دل سے غیر اللہ کے تصورات و خیالات مٹ جائیں ۔

ف : ہجرت بھی گوشہ نشینی کی ایک قسم ہے کہ اس سے انسان کو اشرار کی شرارت سے حفاظت نصیب ہوتی ہے لیکن خوش بخت وہ انسان ہے جو صرف رضائے الٰہی کے پیش نظر ہجرت کرتا ہے ایسے انسان کو دنیا و آخرت میں مکرم بنایا جاتا ہے ۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ ہجرت و خلوت و عزلت اور ہر قسم کی عبادت میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھے ۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۱۵)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىۤ اِنَّهٗ كَانَ

اور کتاب میں موسیٰ کو یاد کرو بے شک وہ

مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝٥١ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ

چُنا ہوا تھا اور رسول تھا غیب کی خبریں بتانے والا اور اسے ہم نے طور کی داہنی جانب سے ندا فرمائی

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝٥٢ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝٥٣ وَاذْكُرْ فِي

اور اسے اپنا راز کہنے کو قریب کیا اور اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون عطا کیا (غیب کی خبریں بتانیوالا) نبی اور کتاب میں

الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝٥٤ وَكَانَ يَاْمُرُ

اسمٰعیل کو یاد کرو بے شک وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول تھا غیب کی خبریں بتاتا اور اپنے گھر والوں

اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝٥٥ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ

کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب کو پسند تھا اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو بے شک

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝٥٦ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝٥٧ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اُسے بلند مکان پر اُٹھا لیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا غیب کی خبریں

مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ

بتانے والوں میں سے آدم کی اولاد سے اور ان میں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے

وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا

اور ان میں سے جنہیں ہم نے راہ دکھائی اور چن لیا جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتیں گر پڑتے سجدہ کرتے اور

وَّبُكِيًّا ۝٥٨ السجدة فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ

روتے تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب

يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝٥٩ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ

وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور انہیں

لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝٦٠ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّهٗ كَانَ

کچھ نقصان نہ دیا جائے گا بسنے کے باغ جن کا وعدہ رحمٰن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا بیشک اس کا وعدہ آنے

وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝٦١ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً

والا ہے وہ اس میں کوئی بیکار بات نہ سنیں گے مگر سلام اور انہیں اس میں ان کا رزق ہے صبح

وَّعَشِيًّا ۝٦٢ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝٦٣ وَمَا نَتَنَزَّلُ

شام یہ وہ باغ ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اسے کریں گے جو پرہیزگار ہے اور جبریل نے محبوب

إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
سے عرض کی) ہم فرشتے نہیں اترتے مگر حضور کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان
نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ
ہے اور حضور کا رب بھولنے والا نہیں آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے سب کا مالک تو اسے پوجو اور اس کی بندگی پر ثابت رہو کیا اس
هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾
کے نام کا دوسرا جانتے ہو

(بقیہ صفحہ نمبر)

در مشرب من خلوت اگر خلوت کو راست

بسیار به از صحبت ابنائے زمانست

ترجمہ: میرے مشرب میں اگر خلوت ہے تو اس معنے پر کہ ابنائے زماں کی صحبت سے اماں نصیب ہو۔

(۴) جو کسی محبوب سے صرف اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے ہجرت و مفارقت کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اسے بہتر اور محبوب بدلہ عطا فرماتا ہے جس سے اس کی سابقہ وحشت دور ہو کر اعلےٰ موانست نصیحت ہوتی ہے اور پھر اس کی تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالےٰ کی رضا کے مطابق اس کی جمیع مُرادیں عطا ہوتی ہیں۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے ہیں اور تیرے ماسوا سے انھیں کسی سے کسی قسم کا واسطہ نہیں یعنے وہ جو صرف تیرے راہ میں فانی اور تیری رضا کے طالب ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ: موسےٰ علیہ السلام کا ذکر اسماعیل علیہ السلام کے ذکر سے پہلے بوجہ یعقوب علیہ السلام کی مناسبت کے ہے۔ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا۔ یاد کیجیے کہ موسےٰ علیہ السلام کو کہ وہ مخلص تھے یعنے انھیں اللہ تعالےٰ نے ادناس ونقائص اور ماسویٰ سے خالص فرمایا تھا۔

ف: مخلص۔ بفتح اللام۔ صدیق کے موافق ہے اس لیے کہ ارباب حقیقت کہتے ہیں مخلص، بکسر اللام، صادق کے موافق ہے یعنے ہر وہ شخص جو مطلقاً صفات نفسانیہ کے شائبہ سے بھی پاک ہو اور مخلص و صدیق کا ایک معنے ہے یعنے وہ شخص جو غیرت سے پاک ہو۔

ف: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اخلاص فی العبودیت اولیاء کا مقام ہے ہر ولی مخلص ہوتا ہے کوئی نبی اور رسول اخلاص سے خالی نہیں اور ہر نبی رسول نہیں۔ لیکن وہ مخلص ضرور ہے۔ المخلص۔ بالکسر۔ یعنے نفس کو تزکیہ سے اوصاف نفسانیہ حیوانیہ سے پاک وصاف کرنے والا۔ المخلص۔ بالفتح۔ جسے اللہ تعالےٰ صفات روحانیہ ربانیہ سے تزکیہ کر کے سنگارے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے چالیس روز خلوص کی دولت بخشے تو اس کی دل سے حکمت کے چشمے زبان پر ابلیں گے۔

حدیث قدسی شریف: اخلاص میرے اور میرے بندے کے درمیان ایسا راز ہے جس میں ملک مقرب کو گنجائش ہے نہ نبی مرسل کو۔ اور میں خود مخلصین کے قلوب کا، صفاتِ جمالی و جلالی سے متولی ہوتا ہوں۔

مسئلہ: حقیقت یہ ہے کہ عبادت صرف مخلصین کی مقبول ہوتی ہے اور بس۔ کما قال تعالیٰ:

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

ف: مخلصین کے اخلاص کے چند مراتب ہیں۔ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اس کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے لیے اس کے نام پر وجود کو خرچ کرے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے لیے ان کے وجود کو فانی کر کے اپنے وجود کے لیے باقی رکھے۔

وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ یعنے انہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا پھر انھیں نبوت بخشی۔ اگرچہ لفظ رسول اخص و اعلیٰ ہے لیکن یہاں موسیٰ علیہ السلام کے لیے ترتیب یونہی تھی جیسے ہم نے بتائی۔ اس لیے پہلے رسول اور پھر نبی کہا۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اگرچہ توجیہ مذکور صحیح ہے لیکن یہاں پر آیات کے فواصل کی وجہ سے لفظ نبیا کو مؤخر کیا گیا ہے۔

وَنَادَيْنَاهُ مِن جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ۔ طور، مصر و مدین کے درمیان ایک پہاڑ ہے۔ الایمن۔ ضد الایسر یعنے دائیں جانب۔ یہاں پر الجانب محذوف کی صفت ہے یعنے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی دائیں جانب سے پکارا۔

سوال: تم نے موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب کہاں سے نکالی؟

جواب: چونکہ پہاڑ کا نہ دایاں ہے نہ بایاں۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا نام کہنا پڑا۔ یا اس کا معنے یہ ہیں کہ ہم نے اسے اس مبارک جانب سے پکارا جو یمن کے علاقہ کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ کے پکارنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام متشکل ہو کر سنی گئی۔

ف: جلالین شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کو واپس جا رہے تھے تو درخت سے موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب سے آواز آئی:

وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝ تقریب و تشریف، ہم وزن اور ہم معنے ہیں۔

اہل عرب کہتے ہیں:

قربہ الملک لمناجاتہ۔ یعنے فلاں کو بادشاہ نے اپنی رازداری کے لیے قریب کیا اور اپنی صحبت کا اسے شرف بخشا۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرشتہ کی وساطت کے بغیر ہمکلام ہونے کا شرف بخشا۔ درانحالیکہ وہ میرے ساتھ گفتگو کرنے والے تھے۔ نجیا بمعنے مناجیا۔ یہ نادیناہ کی کسی ایک ضمیر سے حال ہے۔ المناجاۃ بمعنے راز کہنا۔ (کذا فی التہذیب)۔

کہا جاتا ہے، ناجاہ مناجاۃ۔ ای سارہ یعنے اس کے ساتھ راز کی بات کی۔ (کذا فی القاموس)

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ، ہم نے اپنی رحمت ورافت کی وجہ سے بنایا۔ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ اس کے بھائی ہارون کو نبئ بنایا۔ اخاہ ، وھبنا کا مفعول ہے اور ھارون ، اخاہ سے عطف بیان کیا ہے۔ نبیا ، ھارون سے حال ہے۔ ہارون کو اس لیے نبی بنایا تاکہ وہ موسےٰ علیہ السلام کے وزیر اور معین و مددگار رہیں جیسا کہ موسےٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے سوال کیا:

"واجعل لی وزیراً من اھلی" (اور میرے گھروالوں ہی سے میرا وزیر بنا)۔

اس لحاظ سے ھبة اپنے ظاہری معنے پر ہوگا جیسے ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب' میں اپنے ظاہری معنے پر ہے اس لیے ہارون علیہ السلام موسےٰ علیہ السلام سے سن میں بڑے تھے اسی لیے اس سے معاونت ووزات کا معنے موزوں ہے۔

ف: صاحب کشف الاسرار نے لکھا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی روش وکشش ایک طرح تھی۔ ولما جاء موسٰی' میں کشش کا وقربنہ نجیا میں ان کی روش کا بیان ہے۔ سالک جب تک کشش میں ہوتا ہے وہ خطرات میں ہوتا ہے جب اسے روش نصیب ہوتی ہے تو خطرات سے محفوظ ہوجاتا ہے یعنے سلوک میں تفرقہ ہوتا ہے اور جذب میں جمعیت۔

؎

باخود روی بے حاصلی چوں اوکشیدت واصلی
رفتن کجا بردن کجا این سر ربانیست ایں

ترجمہ: جب اپنے خیال پر چلوگے بے حاصل رہوگے۔ جب اس کی کشش کے مطابق زندگی بسر کروگے واصل باللہ ہوگے اپنا جانا اور ہے ان کا لے جانا اور۔ یہ ایک اسرار ربانی ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ دریں راہ تگ وپوی کنند

ترجمہ: سالک دوست کی کشش کے بغیر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے اگرچہ وہ اس راستہ کو ہزاروں سال طے کریں۔

ردِّ مرزائیت تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا" سے ثابت ہوا کہ نبوت کسبی نہیں بلکہ یہ عطیات الٰہی سے ہے وہ جسے چاہے نبوت عطا فرمائے اور جسے چاہے رسالت سے نوازے یہ اس کا فضل وکرم ہے اس میں بندوں کے کسب واجتہاد کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اگرچہ کسب واجتہاد بھی عطیات الٰہی سے ہیں یہ بھی اس کی توفیق کے بغیر کسی کو نصیب نہیں ہوتے۔ (مرزائی نبوت کو بھی کسبی کہتے ہیں)

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ اس میں اشارہ ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کے ہاں بہت بڑا قرب اور قبولیت حاصل تھی کہ آپ کی شفاعت سے حضرت ہارون

علیہ السلام کو رسالت و نبوت نصیب ہوئی اور حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کو ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا محتاج بنایا گیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الناس یحتاجون الی شفاعتی حتی ابراھیم (علیہ السلام) سب کے سب میری شفاعت کے محتاج ہیں یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام بھی ۔

اے اللہ تعالٰے ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی استعداد رکھنے والے ہیں اور قیامت میں ہمیں ان کے جھنڈے تلے جگہ عنایت فرما۔ (آمین)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اپنے والد گرامی اور بھائی اسحاق علیہ السلام کے ذکر سے علیحدہ بیان کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بہت بڑے باکمال نبی تھے یعنی اے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو قرآن سے اپنے دادا اسماعیل علیہ السلام کا قصہ سنائیے ۔ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ۔ اور اللہ تعالٰے اور لوگوں کے ساتھ صادق الوعد تھے ۔ الوعد کسی کو نفع پہنچانے سے پہلے خبر دینا۔ چونکہ اسماعیل علیہ السلام کو اسی وصف میں شہرت تھی اسی لیے اسی وصف سے انہیں یاد کیا گیا۔ اگرچہ دوسرے حضرات بھی اس وصف سے خالی نہیں تھے لیکن چونکہ اسماعیل علیہ السلام اس وصف کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے اسی لیے انھیں اس وصف کی خصوصیت بخشی گئی۔

حکایت : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام نے کسی کے ساتھ کسی جگہ پر ملنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ اس کے لیے وہیں پر ایک سال تک انتظار کرتے رہے۔

ف

نیست بر مردم صاحب نظر
صورتے از صدق و وفا خوب تر

ترجمہ : صاحب نظر کے نزدیک صدق و وفا سے اور کوئی بہتر عمل نہیں ۔

ان کے صادق الوعد ہونے کی قرآنی دلیل کافی ہے کہ ذبح کے وقت والد گرامی سے صبر کا وعدہ کیا تو اسے پورا کر دکھلایا۔ کما قال تعالٰے :

ستجدنی انشا اللہ من الصابرین ۔

مسئلہ آیت میں وعدے کے ایفاء کی ترغیب دی گئی ہے لیکن یاد رہے کہ وعدے کا ایفاء نیت پر موقوف ہے یعنی جس نے وعدہ کے وقت عزم بالجزم کیا ہو کہ اس کا ایفاء ضرور کرے گا اگر بعد میں کسی مجبوری سے پورا نہ ہو سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں [1]

---

[1] : (حاشیہ صفحہ نمبر ۶۱۹ پر ملاحظہ ہو)

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جب کوئی اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت میں ہے کہ ایفاء کرے گا لیکن مجبوری سے پورا نہ ہوا تو گنہگار نہ ہوگا۔

مسئلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف اس معنے پر فرمائی کہ وہ وعدہ پر پورے اترتے تھے۔ اس سے ہر اس شخص کی بھی تعریف ہے جو وعدہ کا ایفاء کرتا ہے اور وعید اس میں شامل نہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کو ڈراتے دھمکاتے اور پھر اسے پورا کرنے کا مامور یا ممدوح ہو بلکہ عقلاً و شرعاً اسے رک جانا لازمی ہے۔ اس لیے کہ آفات و مضرات کی کوئی تعریف نہیں بلکہ خیرات و حسنات پر مدح ہے۔ اسی قانون کے تحت علماء نے اختلاف فرمایا کہ خلف الوعید علی اللہ جائز ہے[1] یا نہیں۔ (صرحہ الامام الواحدی فی الوسیط تحت قولہ تعالٰے: ومن یقتل مؤمنا متعمدا۔ الخ (سورۃ نساء))

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ف: بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وعدہ کرتے وقت "انشاء اللہ" کہہ دیتے ہیں حالانکہ اس وقت ان کی نیت وعدہ پورا کرنے کی نہیں ہوتی تو یہ سخت گناہ ہے اور اللہ تعالٰے کے نام سے دھوکہ کرنا ہے۔ ۱۲۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] :- یہاں پر خلف الوعید جواز و عدم جواز کی تفصیل ضروری ہے کیونکہ ہمارے دور کے معتزلہ اللہ تعالٰے کے لیے امکان کذب پر زور لگاتے اور اس کے جواز میں بڑے دلائل قائم کرتے ہیں۔ ان کے دلائل میں ایک دلیل خلف الوعید بھی ہے اور اپنے دعوٰے میں علمائے اہلسنت کی جواز کی عبارات پیش کرتے ہیں ہم اس کی توضیح کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کردیں۔

یاد رہے کہ اگر خلف وعید مجازی مراد ہو جو عفو اور درگذر سے عبارت ہے تو ہم اس کے قائل ہیں۔ بلکہ تمام اہلسنت اس کے جواز بلکہ وقوع پر متفق ہیں صرف معتزلہ کو اس سے انکار ہے۔ چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض اور علامہ علی قاری شرح شفا میں مسئلہ خلف وعید کو اہلسنت کا اتفاقی قرار دیتے ہیں اور اس میں اختلاف کو صرف معتزلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں:

"الوعید لایجوز تخلفہ عند المعتزلۃ لقولھم بانہ یجب علی اللہ تعالٰی تعذیب المعاصی" (نسیم الریاض، جلد ۲، ص ۵۰۰ و شرح شفاء جلد ۲ ص ۵۲۴) کہ خلف وعید معتزلہ کے نزدیک جائز نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ نافرمان کو سزا دینا خدا کے لیے واجب ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ بعض متکلمین جس خلف وعید کے قائل ہوتے ہیں، حقیقتاً وہ خلف نہیں بلکہ اس پر خلف کا اطلاق محض مجازاً کیا گیا ہے مثلاً مجوزین خلف اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ یغفر ما — بے شک اللہ تعالٰے مشرکین کی مغفرت نہ کرے گا اور ان کے

دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی سے کسی کار خیر کا وعدہ کرے تو اُسے پورا کرے اگر کسی کو ڈرانے دھمکانے کا وعدہ کرے تو اسے اختیار ہے۔ اگر اس میں شرعاً بھلائی ہے تو پورا کرے ورنہ نہ۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

دون ذالك لمن يشآء   علاوہ اور جس کو چاہے گا بخش دے گا۔

یہ حقیقتہً خلف نہیں اس وجہ سے کہ خلف وعید کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی چونکہ خلف وعید کے معنے ہیں کسی سزا کے وعدہ کا خلاف کرنا، یہاں نہ تو وعدہ ہے کہ فلاں شخص کو اس کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ اور نہ یہ فرمایا کہ ہم نے فلاں شخص کو عذاب دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب اس کو عذاب نہ دیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ اس پر متکلمین کا اطلاق خلف کرنا محض مجازاً ہے جس کی مثال قرآن پاک میں موجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: جزاء سيئة سيئة مثلها یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے اسی کی مثل، یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی برائی کا حکم نہیں کرتا۔ اب اگر سیئہ کو اپنے ہی معنے میں رکھا جائے تو لازم آئے گا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی برائی کا حکم کرتا ہے تعالى الله عن ذالك علوا كبيرا۔ پس جس طرح یہاں جزاء سیئہ پر سیئہ کا اطلاق کیا گیا ہے اسی طرح متکلمین نے اس پر خلف کا اطلاق مجازاً کیا ہے، پس معلوم ہوا کہ بعض متکلمین اس معنی متنازعہ میں ہرگز خلف وعید کے قائل نہ تھے۔ اور اگر خلف وعید اسی کو کہا جائے تو ہم کو اس سے انکار نہیں بلکہ ہم تو اس کے وقوع کو مانتے ہیں۔

ف خلف وعید بمعنے عفو وکرم ہم نے اس لیے لیا ہے کہ موجودہ دور کے معتزلہ ایسی عبارات دکھا کر خلف وعد کا اثبات کر کے امکان کذب کی دلیل ٹھہرا لیتے ہیں حالانکہ خلف وعید اور خلف وعد میں زمین وآسمان کا فرق ہے وہ یہ ہے کہ خلف وعد بمعنے کسی کے انعام کا وعدہ کر کے خلاف کرنا اور خلف وعید بمعنے کسی سزا کا وعدہ کر کے خلاف کرنا۔

خلاف وعید کے متعلق ہم نے عرض کر دیا کہ محققین اگر قائل ہیں تو عفو وکرم کے مجازی معنی میں لے کر لیکن خلف وعد کا قائل تو کوئی بھی نہیں نہ حقیقتہً نہ مجازاً۔ اور خلف وعد کا خلف وعید پر قیاس بھی مخدوش ہے اس لیے کہ

① قائلین خلف وعید کے مجوزین نے کہا کہ یہ تو اس کا کرم ہے اور بعض محققین نے فرمایا کہ خلف وعید انشاء ہے یعنے وعید سے مقصود انشائے تخویف وتہدید ہے اخبار مطلوب نہیں اس صورت میں سرے سے احتمال کذب کا محل ہی نہ رہا چنانچہ صاحب مسلم الثبوت نے جب یہ کہا کہ ايعاد الله تعالىٰ خبر صادق قطعا، خدا تعالےٰ کی وعید خبر صادق اور یقینی الوقوع ہے اس میں خلف محال ہے، کیونکہ خبر کے خلف سے کذب لازم آتا ہے، جو اللہ تعالےٰ کے لیے محال ہے تو علامہ مرزا جان رحمۃ اللہ علیہ نے اس لزوم سے بچنے کے لیے وعید کو خبر تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے انشاء ٹھہرایا ہے کیونکہ انشاء میں کذب کا احتمال نہیں ہوتا لہٰذا کذب باری لازم آئے گا چنانچہ فرماتے ہیں:

الايعاد ليس خبراً بل انشاء والمقصود منه الانذار والتخويف (کشف المبہم شرح ص۹۸) یعنی وعیدات

ف : جو شخص کو ڈرانے دھمکانے کا وعدہ کرے اگر اسے نہ کرے تو بجائے عیب اور خلاف وعدہ کے اس کی مدح کرتے ہوئے

الیہ خبر نہیں بلکہ انشاء ہیں جس کا مقصد انداز اور تخویف ہے۔

(۲) خلف وعید کو امکان کذب کا مقیس علیہ کہنا اس وجہ سے صحیح نہیں ہو سکتا کہ خلف وعید کرم اور امکان کذب نقص کو کرم کی فرع کہنا اور اس پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اہل سنت کا مذہب ان اخرافات سے مبرا اور منزہ ہے۔

(۳) خلف وعید انشاء ہے اور امکان کذب ہمیشہ خبر ہی میں ہوتا ہے تو اخبار کا قیاس انشاء پر کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر زمین کا آسمان پر اور پانی کا آگ پر اور ہوا کا مٹی پر قیاس کرنا جائز ہو تو یہ بھی جائز ہو گا۔

ف : مجوزین کے نزدیک خلف وعید بہ معنے عفو و درگزر بھی مسلمانوں سے ہی مخصوص ہے کفار کے حق میں وہ بھی خلف کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے :

الاشبہ ترجیح جواز الخلف فی الوعید فی حق المسلمین خاصۃ دون الکفار۔ (ج ۱۔ صہ ۲۸۸)

اشبہ راجح ہونا ہے خلف وعید کے جواز کا خاص کر مسلمانوں کے حق میں کافروں کے حق میں نہیں ہے۔

کل روز قیامت جو لاکھوں بلکہ کروڑوں گنہگاروں کی بخشش ہو گی اسے خلف وعید کے تحت عفو و کرم سے تعبیر کیا جائے گا۔ (فافہم)

سوال : کفر و شرک کے لیے اس خلف وعید کا سلسلہ کیوں مسدود کر دیا گیا حالانکہ اسے بھی عفو و کرم کے زمرہ میں شامل ہونا چاہیے؟

جواب : آیاتِ وعید عفو و مغفرت کی آیات سے مخصوص و مقید ہیں یعنے جس طرح وعید میں آیتیں وارد ہیں اسی طرح عفو و مغفرت میں بھی ہیں تو ان کے ملانے سے یہ معنے قرار پاتے ہیں کہ جنہیں ہم معاف نہ فرمائیں گے وہ سزا پائیں گے، چنانچہ شرح عقاید میں فرماتے ہیں :

وقد کثرت النصوص فی العفو فیخص المذنب المغفور عن عمومات الوعید (صہ ۱۲۱ مصری)

عفو میں نصوص بکثرت ہیں لہذا بخشے ہوئے گنہگار کو عمومات وعید سے مخصوص و مستثنیٰ رکھا جائے گا۔

یعنی وعیدات کا عموم، مخصوص عنہ البعض ہے۔ یہی خلف وعید ہے اکابر دیوبند امکان کذب کو جس کی فرع فرما رہے ہیں ان سرپھروں سے کوئی پوچھے کہ کیا آج تک کسی عاقل نے بھی مخصوص عنہ البعض کو کذب یا کذب کا مقیس علیہ کہا ہے؟ مسلم الثبوت ہی اٹھا کر دیکھ لی ہوتی۔ فرماتے ہیں :

ان الایعاد فی کلامہ تعالیٰ مقید بعدم العفو۔ (صہ ۲۸ مجتبائی)

کلام الٰہی تعالیٰ میں وعید عدم عفو سے مقید و مشروط ہے۔

نبراس صہ ۳۴۱ و بیضاوی ج ۲ صہ ۶ میں بھی یہی فرماتے ہیں کہ وعیدیں مشروط بہ عدم عفو ہیں علامہ فہامہ شمس الدین خیالی رحمہ مولی الموالی

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۲۲ پر)

اس کے فضل وکرم کی داد دینی چاہیئے۔

ے

وانی اذا اوعدتہ او وعدتہ

لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

ترجمہ: بے شک جب میں کسی کو ڈراتا یا وعدہ کرتا ہوں تو ڈرانے کے وعید کے تو خلاف کرتا ہوں لیکن وعدہ پر پورا اترتا ہوں۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

مادام الایام واللیالی تو یہاں تک بھی فرما رہے ہیں کہ کریم کے کلام میں وعید کے ساتھ عدم عفو کی تخصیص یا تقلید کی اگرچہ تصریح نہ بھی ہو تب بھی اس کے قرینہ کرم سے اس کی وعید عدم عفو سے مشروط و مقید ہے۔ ملاحظہ ہو:

ان الکریم اذا اخبر بالوعید فاللائق بشانہ ان یبنی اخبارہ علی المشیۃ وان لم یصرح بذالک بخلاف الوعد فلا کذب ولا تبدیل۔ (شرح العلامۃ الخیالی المصری[۱۲])

(یعنی خلف وعید کا مطلب یہ ہے کہ) کریم جب وعید کی خبر دے تو اس کی شان کے یہی لائق ہے کہ اپنی خبر وعید کو مشیت پر مبنی فرمائے۔ اگرچہ اپنے کلام میں اس کی تصریح نہ کرے وعدہ کے برعکس تو اس خلف میں نہ کذب ہے اور نہ بات بدلنا۔

یہ ہے خلف وعید کا تصور جس سے نہ تو مجوزین پر امکان کذب کے قول کا الزام عائد ہوتا ہے اور نہ ہی محققین کو وعید کے باوجود درگزر کا حذر۔

نتیجہ: ثابت ہوا کہ خلف وعید عفو وکرم کے معنے میں ہے اور عرب میں خلف وعید بمعنے عفو وکرم نہ صرف عام مستعمل ہے بلکہ مدح و ستائش میں بولا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہتے ہیں ؎

نبئت ان رسول اللہ اوعدنی

والعفو عند رسول اللہ مأمول

ترجمہ: مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے وعید فرمائی (قتل کی دھمکی دی) ہے اور معاف فرمانے کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے امید کی جاتی ہے۔

نیز جب حضرت کعب تائب ہو کر آئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی سے رطب اللسان ہوئے نہ صرف یہ کہ حضور نے اسے

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۲۳)

اور کسی نے فرمایا ؎

اذا وعد السراء نجز وعده

وان اوعد الضراء فالعقل مانعه

ترجمہ: جب خوش کن وعدہ کرے تو اسے چاہیئے کہ پورا کرے اور جب دکھ پہنچانے کا وعدہ کرے تو عقل اس کے پورا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

ف: یحییٰ بن معاذ نے خوب فرمایا کہ وعدہ وعید ہر دونوں حق ہیں وعدہ حقوق العباد سے ہے کہ جیسے کیا اسے پورا فرمائے گا اور وہی اس لائق ہے کہ پورا فرمائے اور وعید اس معنے پر حق ہے کہ اس نے بندوں سے فرمایا کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو، ورنہ میں تمھیں سزا دوں گا اگر بندوں سے خلاف ورزی ہوگئی تو وہ چاہے تو معاف فرما دے چاہے تو گرفت کرے اس لیے کہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور اس کے لائق ہے عفو و کرم کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ (کذا فی شرح العضد للجلال الدوانی)

وَكَانَ رَسُولًا اور وہ (اسماعیل علیہ السلام) رسول تھے اس لیے کہ انھیں ان کے والد ماجد کی زندگی میں ہی جرہم عمالقہ اور یمن کے علاقہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

ف: قاموس میں ہے کہ جُرْهُمٌ قُنفُذٌ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے جس میں اسماعیل علیہ السلام نے نکاح کیا۔ نَبِيًّا نبی یعنے اللہ تعالٰی سے خبر دیتے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام اپنے والد گرامی کے دین پر تھے۔ ان کے ہاں باجماع العلماء نئی کتاب نازل نہیں ہوئی، ایسے ہی لوط و اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا حال ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

معاف کیا اور اپنی وعید سے درگزر فرمایا بلکہ اسے انعام و اکرام سے نوازا۔ (الاصابہ، ج ۳، صہ ۳۷۹ واسد الغابہ، ج ۴ صہ ۲۴)

اس طویل بحث کے بعد اہل علم کو یقین ہوگیا ہے کہ خلف وعید پر خلف وعد کا قیاس کر کے امکان کذب ثابت کرنا سفاہت و حماقت ہے، ورنہ ہمارے اہل متقدمین و متاخرین میں سے کوئی خلف وعید کے حقیقی معنے کا قائل نہیں۔

چنانچہ 'حلیہ' میں ہے:

حاشا للہ ان یراد بجواز الخلف فی الوعید	یعنی حاشا للہ خلف وعید جائز ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ
ان لایقع عذاب من اراد اللہ الاخبار بعذابه	تعالٰی نے جس کے عذاب کی خبر دینی چاہی اس کا عذاب
فانه محال علی اللہ تعالیٰ قطعاً۔ (سبحان السبوح)	واقع نہ ہو۔ یہ اللہ تعالٰی پر قطعاً محال ہے۔

مزید تفصیل و تحقیق اعلیٰ حضرت امام اہلسنت سیدی شاہ احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی کتاب "سبحان السبوح" میں پڑھیے۔

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ اور وہ اپنے اہل خاص سے حکم فرماتے۔ اس سے وہ اقارب مُراد ہیں جو رشتہ ولادت و زوجیت سے اتصال رکھتے ہوں اور عام رشتہ بھی مُراد ہو سکتا ہے یعنے ہر وہ انسان جسے دینی دعوت دیجائے اور وہ بھی ان کی قوم کے لوگ تھے لیکن پہلا معنٰی زیادہ موزوں ہے کیونکہ پہلے انسان کو اپنی اصلاح ضروری ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کی جو اس کے رشتہ نسبی میں قریب تر ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وانذر عشیرتک الاقربین

اور فرمایا:

وامر اھلک بالصلوٰۃ۔

اور فرمایا:

قوا انفسکم واھلیکم ناراً

کیونکہ ان کی اصلاح سے کل زمانہ کی اصلاح ہوگی اس لیے کہ خیر و صلاح میں لوگ ان کے طریقہ پر چلیں گے۔ بِالصَّلٰوةِ۔ نماز جملہ عبادات بدنیہ سے اشرف ہے۔ وَالزَّكٰوةِ۔ اور عبادات مالیہ میں سے زکوٰۃ افضل ہے۔
ف: اس میں اشارہ ہے کہ نیک بخت وہ ہے جو اپنے پرائے کی اصلاح کرے اور انھیں فوائد دینیہ پر لگائے۔

؎

اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت
روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ: اے صاحب کرامت شکرانہ سلامتی یہ ہے کہ دولت مندی کے دوران بے نوا فقیر کے ساتھ احسان و مروت کر۔

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۝ اور وہ اقوال و افعال و احوال میں اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ انسان تھے۔ جلالین میں ہے کہ وہ طاعت الٰہی پر قائم تھے ؎

اے مرد اگرت رضائے دلبر باید
آن باید کرد ہر چہ او فرماید
گر گوید خون کرے مکو از چہ سبب
ور گوید جاں بدہ مکو کہ نباید!

ترجمہ: اے برادر! اگر تجھے دلبر کی رضا مطلوب ہے تو وہ عمل کر جو وہ فرماتے۔
اگر وہ خون چاہے تو اس کا سبب مت پوچھ۔ اگر وہ جان مانگے تو نہ کہہ کہ وہ میرے بس میں نہیں۔

انمول موتی : ایک بزرگ نے فرمایا کہ میرے ہاں چند مہمان تشریف لائے جنہیں میں نے سمجھا کہ وہ ابدال ہیں میں نے عرض کی مجھے بہترین وصیت فرمائیے۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم چھ باتیں بتاتے ہیں :

(۱) جو نیند کا خوگر ہو وہ رقت قلبی کی امید نہ رکھے ۔

(۲) بسیار خوری سے شب بیداری سے ہاتھ دھونا ہے ۔

(۳) ظالم کی صحبت سے دین کی استقامت نصیب نہ ہو گی ۔

(۴) کذب و غیبت کی عادت سے خاتمہ خراب ہوتا ہے ۔

(۵) لوگوں کے ساتھ خلط ملط سے عبادت کی لذت نصیب نہ ہو گی ۔

(۶) جو لوگوں کی رضا کے درپے ہوا سے رضائے الٰہی سے محروم ہونا پڑے گا ۔

صوفیانہ فائدہ مطلق پسندیدہ وہ کامل انسان ہے جو جمیع کمالات کا جامع اور جمیع اشیاء و صفات کے حقائق کا محیط ہے جو ان مراتب میں کم درجہ ہے وہ پسندیدگی میں بھی کم مرتبہ ہے ایسے ہی حال کی کمی کا حال ہے ۔ ہم اللہ تعالٰے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اہل رضا و یقین اور سکون و تسکین والوں سے بنائے ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ز ادریس علیہ السلام، نوح علیہ السلام کی جد کے باپ تھے کیونکہ نوح علیہ السلام "لمک" کے بیٹے وہ متوشلخ کے اور وہ اخنوخ کے اور اخنوخ ادریس نبیؑ کا نام ہے، اور وہ یرد کے بیٹے اور وہ مہلاییل کے اور وہ انوش اور وہ شیث علیہ السلام کے بیٹے تھے اور شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کی اولاد کے بعد آدم علیہ السلام ایک سو سال زندہ رہے ۔ (کذا فی روضۃ الخطیب)

ف : کاشفی نے لکھا کہ جامع الاصول میں ہے کہ ادریس علیہ السلام آدم علیہ السلام کی وفات کے سو سال بعد پیدا ہوئے ۔

ادریس علیہ السلام کی ایجادات

(۱) کیال

(۲) میزان - (تول اور ناپ) کے واضع ادریس علیہ السلام ہیں ۔

(۳) ہتھیار کے موجد بھی آپ ہیں ۔

(۴) سب سے پہلے جہاد فی سبیل کا طریقہ ادریس علیہ السلام نے شروع فرمایا ۔

(۵) آپ نے بنی قابیل کو قیدی نیز

(۶) غلام بنایا گویا یہ طریقہ بھی ان کا ایجاد کردہ ہے ۔

(۷) قلم سے لکھنا آپ نے شروع فرمایا ۔

(۸) علم حساب آپ سے شروع ہوا۔

(۹) نجوم کے فن کی ایجاد بھی آپ نے کی۔

(۱۰) کپڑا سی کر پہننا آپ نے ایجاد کیا ورنہ آپ سے پہلے لوگ چمڑا پہنتے تھے۔

(۱۱) روئی سے کپڑا تیار کرنے کا آغاز آپ نے فرمایا۔

ادریس - درس سے مشتق ہے اور 'ادریس' غیر منصرف ہے اور ممکن ہے کہ اس لغت کو یہی معنے قریب ہے اور آپ کا لقب ادریس اسی لیے ہے کہ آپ درس بکثرت دیتے۔

مروی ہے کہ آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا بے شک وہ ہر حال میں اپنے اوپر صدق و صفائی کو لازم کرنے والے تھے۔ **نَّبِيًّا** یہ کان کی دوسری خبر اور پہلی خبر کی مخصص ہے کیونکہ ہر صدیق نبی نہیں ہوتا۔

ہر نبی کی اعلیٰ منزل رسول کی ادنیٰ منزل کے برابر ہوتی ہے۔ ہر صدیق کی اعلیٰ منزل نبی کی ادنیٰ منزل اور ہر مؤمن کی اعلیٰ منزل صدیق کی ادنیٰ منزل کے برابر ہوتی ہے۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ہم نے اسے بلند مکان پہ اٹھالیا مفسرین نے فرمایا اس سے چوتھا آسمان مراد ہے۔

شب معراج انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا پر اور یحییٰ و عیسٰے علیہما السلام کو دوسرے آسمان پر اور یوسف علیہ السلام کو تیسرے آسمان پر اور ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اور ہارون علیہ السلام کو پانچویں آسمان پر اور موسٰے علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔

چار نبی علیہم السلام دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں؛ علماء کرام نے فرمایا کہ اس وقت چار نبی علیہم السلام دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں:

(۱) عیسٰے علیہ السلام

(۲) ادریس علیہ السلام

(۳) خضر علیہ السلام

(۴) الیاس علیہ السلام زمین پر (کذا فی بحر العلوم)

ادریس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ کاشفی رحمہ اللہ تعالٰے نے لکھا کہ ادریس علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کی مختلف روایات ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن ادریس علیہ السلام کو سورج کی گرمی نے ستایا تو عرض

کی الٰہ العلمین باوجودیکہ سورج مجھ سے کوسوں دور ہے لیکن اس کی گرمی سے میں جان بلب ہو رہا ہوں، تو پھر اس فرشتہ کا کیا حال ہوگا جو اس کے بالکل قریب ہے پھر اس فرشتے کے لیے دعا فرمائی کہ اے پروردگار! اس فرشتے سے سورج کی گرمی کم فرما اور اسے اپنی عنایت کے سایہ میں محفوظ رکھ ے

از تاب آفتاب حوادث چہ غم خورد
آنرا کہ سائبان عنایت پناہ اوست

ترجمہ: آفتاب حوادث کی گرمی سے اسے کیا غم جو اللہ تعالےٰ کے سائبان عنایت کی پناہ میں ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ادریس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور دوسرے روز فرشتے مذکور پر شدتِ گرمیٔ آفتاب کا حملہ نہ ہوا لیکن اس کے سبب سے بے خبر رہا۔ بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور آگاہی کا عرض کیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میرے بندے ادریس علیہ السلام نے تیرے لیے دعا کی ہے میں نے اس کی دعا قبول کی اسی وجہ سے تجھ سے آفتاب کی گرمی اٹھالی گئی ہے۔ فرشتے نے استدعا کی کہ مجھے ادریس علیہ السلام کی زیارت کی اجازت بخش دی۔ چنانچہ وہ فرشتہ زمین پر ادریس علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا اور ادریس علیہ السلام نے کہا کہ مجھے آسمان پر لے چل چنانچہ فرشتے نے آپ کو اپنے پروں پر بٹھا کر سورج کے قریب پہنچایا۔ آپ نے فرمایا کہ عزرائیل علیہ السلام سے پتہ کیجئے کہ میری زندگی کے باقی کتنے لمحات رہ گئے ہیں۔ عزرائیل علیہ السلام نے دفتر اعمار میں دیکھا تو لکھا تھا کہ ان کی روح سورج کے نزدیک ابھی قبض کر لی جاتے چنانچہ ادریس علیہ السلام کی روح اسی وقت آفتاب کے نزدیک قبض کر لی گئی۔

دوسری روایت ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو ادریس علیہ السلام کی کثرت عبادت کا سُن کر ان کی زیارت کا اشتیاق تھا۔ اللہ تعالےٰ سے ان کی زیارت کے لیے اجازت لے کر زمین پر پہنچے تو حکم ہوا کہ ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر لی جائے چنانچہ روح قبض کر لی گئی پھر عزرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان کی روح ان کے جسم میں لوٹا کر انھیں آسمان پر لے جاؤ جب آسمان پر لے جائے گئے تو دوزخ کی سیر کرتے ہوئے بہشت میں گئے تو پھر واپس نہ لوٹے وہیں ہمیشہ کے لیے مقیم ہوگئے۔

ف: آیت سے ثابت ہوا کہ ادریس علیہ السلام بلند مرتبہ اور بہت بڑے اونچے مکان پر رہنے سے نوازے گئے لیکن ان کی رفیع المرتبتی اصل اور بلند مکان پہ ہونا بالتبع ہے اور اس بلند مکانی سے فلک شمس مراد ہے۔

افلاک کا تعارف: رفعت مکان کے متعلق دو تقریریں ہیں:

① بلندی بایں معنیٰ کہ فلک شمس کے نیچے اور بھی بہت سے کرات وغیرہ ہیں مثلاً کرات فلکیہ وعنصریہ۔

② بلندی باعتبار مرتبہ کے یعنے بہ نسبت جمیع افلاک کے کہ وہ اس لیے کہ فلک شمس کے نیچے سات افلاک ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

① فلک الزہرہ

② فلک عطارد

(۳) فلک القمر

(۴) کرۃ الاثیر یعنے نار

(۵) کرۃ الھوا،

(۶) کرۃ الماء

(۷) کرۃ التراب

اور ایسے ہی فلک شمس کے اوپر بھی سات افلاک ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) فلک المریخ

(۲) فلک المشتری

(۳) فلک زحل

(۴) فلک الثوابت

(۵) فلک الاطلس

(۶) فلک الکرسی

(۷) فلک العرش

ان افلاک میں سے مرتبہ و مکانتہ کے اعتبار سے ان تمام افلاک سے اعلیٰ فلک الشمس ہے اسے قطب الافلاک کہا جاتا ہے کیونکہ تمام افلاک کو اسی کی روحانیت سے فیض پہنچتا ہے جیسے اس کے ایک ستارے سے تمام فلک منور ہوتا ہے جیسے انسان کے قلب سے تمام بدن کو فیض پہنچتا ہے ایسے ہی فلکِ شمس میں مقام روحانیتہ ہے جیسے حدیث معراج سے معلوم ہوا۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ 'المکان العلی' جملہ مکونات سے اوپر اللہ تعالے کے قرب میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ (ف ؛) اللہ تعالے نے ہم محمدیوں کو بہت بڑا مرتبہ عطا فرمایا لیکن بندہ علو مطلق کا تصور نہیں کر سکتا کیونکہ ہر مرتبہ کے حصول کے بعد پھر اور مرتبہ ہے یہاں تک کہ انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کے مراتب شروع ہوتے ہیں بندہ صرف علوم مرتبہ انسانی کو حاصل کر سکتا ہے اور بس۔ جب مراتب نبوت شروع ہوتے ہیں تو اس کی پرواز آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ہم نے اسے علو مطلق نسبت اضافی کے طور پر کہا ہے اور مراتب بھی وجودیہ ہے وجوبی نہیں کیونکہ وجود امکانی کے مراتب کا حصول ممکن ہے وجوبی صرف واجب الوجود کے شایان شان ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

دست بر بالاے دست این تا کجا

تا بیزدان کہ الیہ المنتہی

کان یکے دریاست بے غور و کران
جملہ دریاہا چو سیلے پیش آن
حیلہ و چارہا کر اژدھاست
پیش الا اللہ انہا جملہ لاست

ترجمہ: ہاتھ کے بعد ہاتھ پہنچانا کس تک ہے کیونکہ سب کا منتہےٰ اللہ تعالےٰ ہے۔
اس لیے کہ وہ بحر بے کنار ہے تمام دریا اس کے سامنے ایک قطرہ ہیں۔
تمام حیلے اور چارے اگر اژدہاسے ہوں تب بھی الا اللہ کے سامنے تمام فنا ہوجاتے ہیں۔

سبق عامی انسان پر لازم ہے کہ وہ جب بعض ریاست ہائے امکانی جیسے قضا، تدریس، امامت، امارت وغیرہ امکانی اضافی مراتب حاصل کریں تو انھیں لاشئے سمجھیں اور خواص کو ضروری ہے کہ بعض علواعتباری مراتب جو بعض مقامات پہ حاصل ہوتے ہیں جیسے افعال وصفات کے مراتب تو انھیں خیال میں نہ لائیں کیونکہ جملہ مراتب خواہ کتنا ہی بلند ہوں سب فانی ہیں اور یہ تعلقات سب کے سب مٹنے والے ہیں بلکہ لازم ہے کہ ہر مرتبہ حادث ظاہری سے بالکل آزادی اختیار کی جائے جیسے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔
ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جو غیر پر فخر و ناز کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِكَ۔ یہ آیات مذکورہ یعنے سورہ ہٰذا میں انبیاء جیسے زکریا و عیلے و یحیٰے و ابراہیم و اسماعیل و موسےٰ و ادریس علیہم السلام کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر، الذین انعم اللہ... الخ ہے وہ حضرات ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی دینی و دنیوی کی نعمتوں اور عطیات صوری ومعنوی سے نوازا۔ ان کے بعض حضرات کی بعض عطا کردہ نعمتوں کی تصریح بھی فرمائی۔ مِّنَ النَّبِيّٖنَ۔ یہ موصول کا بیان ہے اس کی نظیر سورۂ فتح میں آیۃ " وعد اللہ الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات منھم مغفرۃ " میں ہے۔ مِن ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ جارہ کے اعادہ کے ساتھ ماقبل سے بدل ہے۔ یہ ذرأ الشیٔ بمعنے کثر سے ہے۔ الذریۃ اسی سے ہے نسل ثقلین کو ذریۃ کہا جاتا ہے۔ (کذا فی القاموس)
وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ یعنے بعض ذریۃ میں سے وہ بھی تھے جنھیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار کیا اس سے ادریس علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ وَّمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ۔ اس میں باقی تمام داخل ہوگئے وَإِسْرَائِيلَ اس کا عطف ابراہیم پر ہے یعنے اسرائیل کی اولاد جیسے موسےٰ و ہارون و زکریا و یحیٰی علیہم السلام۔
ف: اس سے ثابت ہوا کہ بنات الاولاد بھی ذریۃ میں داخل ہوتی ہے کیونکہ مریم یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔
وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا یعنے مذکورین منجملہ ان میں سے ہیں جنھیں ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ بنایا نبوت و کرامت بخشی۔ بعض نے کہا کہ یہ من تبعیضیہ ہے اگر اس کا عطف من النبیین پر اور تبعیضیہ ہے اگر اس کا عطف من ذریۃ آدم

پر ہو ۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ ، جب ان انبیاء علیہم السلام پر پڑھی جاتی ہیں ۔ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ رحمن کی آیات جو ان پر آیات ترغیب وترہیب ان کی کتابوں میں نازل ہوئیں ۔ خَرُّوْا ، زمین پر گر جاتے سُجَّدًا ۔ دراں حالیکہ وہ سجدہ کرنے والے ہوتے یہ ساجد کی جمع ہے ۔ وَّبُكِيًّا دراں حالیکہ وہ رونے والے ہوتے یہ باک کی جمع ہے ۔ یہ دراصل بکویا تھا ۔ اب معنے یہ ہوا کہ تمہارے سے بہت سے انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں باوجودیکہ ان کے ہاں مال کی کمی نہ تھی اور شرف نسب میں بھی اعلےٰ ہے اور نفس میں باکمال تھے اور اللہ تعالےٰ کے ہاں بھی بڑا قرب رکھتے تھے لیکن سجدہ گذار اور آیات الہٰی سن کر خوب روتے تھے تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ ۔

گریہ اور آنسو بہانے کا حکم : حدیث شریف میں ہے کہ قرآن پڑھو اور آنسو بہاؤ اگر رونا نہ آئے تو روونی شکل بناؤ ۔
تباکو ۔ تباکی سے ہے بمعنے بتکلف رونا یعنے اگر تمہاری آنکھیں نہیں روتی تو اپنی دلوں کو رلاؤ یعنے قرآن مجید سنتے ہوئے حزن و ملال کا اظہار کرو اس لیے کہ قرآن حزن لے کر محزونین پر اترا ہے ۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا کہ کلام دوست شوق کو ابھارتا ہے جب آتش شوق دل کی گہرائیوں میں روشن ہوتی ہے تو آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں ۔

اے دریغا اشک من دریا بدی
تا نثار دلبر زیبا بدی
اشک کان از بہر آن بارند خلق
گوہر ست و اشک پندارند خلق

ترجمہ : کاش میرے آنسو دریا ہوتے تو پیارے محبوب پر نثار ہوتے ۔
وہ آنسو جو محبوب کی خاطر بہتے ہیں وہ گوہر ہیں جنہیں لوگ آنسو سمجھتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خروا عتبۂ عبودیت پر اپنے دل گراتے ہیں ۔ سجدًا احکام ازلیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں ۔ وبکیا نار شوق ومحبت پر اپنا وجود پگھلاتے ہیں جب یار کی بات سنتے ہیں ۔
جب سجدہ کرے تو چاہیئے کہ مناسب آیات پڑھے اس مقام پر یہ دعا پڑھے :

اللھم اجعلنی من عبادك المنعم علیھم المھدیین الساجدین لك الباکین عند تلاوۃ اٰیاتك

اے اللہ ! مجھے اپنے ان بندوں سے بنا جن پر تیرا انعام ہے اور وہ ہدایت یافتہ اور تیرے لیے سجدہ گذار اور تیری آیات کو پڑھ کر روتے ہیں ۔

اور آیت سجدہ سورۂ اسراء میں یہ پڑھے ۔

اللھم اجعلنی من الباکین الیک الخاشعین لک۔ | اے اللہ! مجھے اپنے رونے والوں اور تجھ سے ڈرنے والوں سے بنا۔

اور آیت تنزیل السجدہ میں پڑھے:

اللھم اجعلنی من الساجدین لوجھک المسبحین بحمدک واعوذبک ان اکون من المستکبرین عن امرک۔ | اے اللہ! مجھے تیری ذات کے لیے سجدہ گذاروں اور تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرنے والوں سے بنا اور تیرے سے پناہ مانگتا ہوں۔ ان لوگوں سے جو تیرے امر سے تکبر کرتے ہیں۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ آیات سجدہ میں سے یہ پانچواں سجدہ ہے اور حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ بجہت تلاوت آیات رحمانی سجدۂ انعام ہے اور فرمایا کہ اس پر رونا وگریہ فرح و سرور کا ہے۔ اس لیے کہ رحمت رحمانی لطف و رافت تقاضا کرتی ہے اور بہجت ومسرت کا موجب ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ اس میں طرب ہی طرب ہے نہ کہ اندوہ و غم۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ۔

حل لغات: پیچھے چھوڑے جانے والا اگر نیک ہو تو خلف بفتح اللام اور اگر برا ہو تو بسکون اللام پڑھا جائے گا۔ اب معنے یہ ہوا کہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے پیچھے نااہل اولاد چھوڑی۔ جلالین میں ہے ان حضرات نے اپنے بعد برے لوگ چھوڑے یعنی یہود ونصاریٰ ومجوس۔

حدیث شریف: ہر نبی علیہ السلام جسے اللہ تعالےٰ نے مبعوث فرمایا ان کے حواری اور صحابی ہوتے ہیں جو اپنے انبیاء علیہم السلام کی سنت کی پیروی کرتے اور ان کے فرامین کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں ان کے بعد غلط لوگ آئے جو وہ کہتے کچھ ہیں تو کرتے کچھ ہیں دوسروں کو نیکی کا حکم کرتے ہیں لیکن خود اس کے خلاف کرتے ہیں تم میں جو ان کے ساتھ ہاتھ سے تو اور جو زبان سے اور قلب سے جہاد کرے تو وہ مؤمن ہے اس کے ماسوا کیا تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ (رواہ مسلم)

اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ۔ انھوں نے نماز ضائع کی یعنے چھوڑدی یا بے وقت ادا کی یا ادیگی کے بعد گلہ، غیبت، کذب وغیرہ سے اس کا ثواب ضائع کیا یا نماز پڑھی لیکن بلانیت یا خشوع وخضوع کے بغیر۔ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ اور شہوات کی اتباع کی جیسے شراب خوری، بہن کے ساتھ نکاح حلال سمجھنا ایسے ہی دیگر مختلف گناہوں کا انہماک۔

ف: سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو بہترین بلڈنگیں بناتے اور اعلیٰ سواریوں پر سوار ہوتے اور شہرت کا لباس پہنتے ہیں۔

وحی داؤدی: سیدنا داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی آئی کہ دنیا جیفہ کی طرح ہے جس پر چند کتے جمع ہو کر

ہر ایک اپنی طرف کھینچتا ہے کیا تم کتا ہونا گوارا کرو گے۔ اے داؤد علیہ السلام بہترین طعام اور نرم لباس اور عوام میں شہرت اور جنۃ فی الآخرۃ کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

ف: شہوات کے اسباب کی آسانی خیر و بھلائی کی علامت نہیں اور نہ ہی آخرت میں نجات کی نشانی ہے اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب شہد ٹھنڈے پانی میں ملا کر پیش کیا گیا تو آپ نے اسے قبول نہ کرتے ہوئے فرمایا: لے جاؤ، تاکہ میں حساب دینے میں پریشانی نہ اٹھاؤں۔

دو فرشتوں کا مکالمہ حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ چوتھے آسمان میں دو فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں دریا کی فلاں مچھلی کو چلانے جا رہا ہوں اس لیے کہ اسے فلاں یہودی نے کھانے کی خواہش کی ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں فلاں جگہ سے زیتون کی بوتل بہانے جا رہا ہوں اس لیے کہ اس کے استعمال کی فلاں عابد نے خواہش کی ہے۔

ف: الشھواۃ بمعنے تمنا یعنے آرزو۔ آیت میں تمام وہ اشیاء مذمومہ مراد ہیں جن کے لیے طبیعت نفسانی خواہش رکھتی ہے۔

ہویٰ و شہوۃ کا فرق ہویٰ مذموم ہے یعنے جتنا ہی نفسانی خواہشات ہیں سب مذموم ہیں اور شہوۃ کبھی محمود ہوتی ہے وہ جو منجانب اللہ ہو یعنے جس سے اصلاح مطلوب ہو وہ شہوۃ محمود ہے اور مذموم شہوۃ وہ ہے جو نفس امارہ ہو یعنی اس کی خواہش کے مطابق بدنی لذات پوری کرنا شہوۃ مذمومہ ہے۔

ف: ترک شہوۃ سے بڑھ کر اعظم و اشرف کوئی عبادت نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر است

مرو درپے ہرچہ دل خواہدت
کہ تمکین تن نورِ جان کاہدت

کند مرد را نفس امارہ خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار

ترجمہ: (۱) نفس شہوت پرست کی طاعت نہ کیجئے کیونکہ ہر گھڑی اس کا نیا قبلہ ہے۔
(۲) جو جی آئے وہ نہ کیجئے کیونکہ یہ شرارت تیری روح کا نور کم کر دے گی۔
(۳) نفس امارہ انسان کو خوار کرتا ہے اگر تو ہوشمند ہے تو اس سے پیار نہ رکھ۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ وہ عنقریب 'غی' یعنے شر میں ڈالے جائیں گے۔ غی بمعنے شر کیونکہ اہل عرب کے نزدیک

ہر شر گمراہی ہے جیسے ہر خیر ارشاد ہے۔ اور ضحاک نے فرمایا کہ غی سے جزائے غی مراد ہے جیسے 'یلق اثاما' میں جزائے آثام مراد ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ غی جہنم کی ایک وادی ہے جس کی گرمی سے جہنم کی دوسری وادیاں پناہ مانگتی ہیں جسے زانی اور شرابی اور سود خور اور جھوٹے گواہ اور والدین (استاذ و پیر و مرشد) کے نافرمان اور تارک الصلوٰۃ کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ، مگر وہ جس نے شرک و معاصی سے توبہ کی۔ وَاٰمَنَ اور کفر کی بجائے ایمان کو اختیار کیا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور توبہ و ندامت کے بعد نیک عمل کیا۔ فَاُولٰٓئِكَ تو وہی لوگ جنہیں توبہ دایمان وعمل صالح نصیب ہوا۔ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ، بہشت میں داخل ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالٰے کا پختہ وعدہ ہے۔ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝ ان کے اعمال کی جزا میں کسی قسم کی کمی نہ کی جائے گی۔ یہاں پر ظلم بمعنے نقص و منع ہے۔ اور شیئًا اس کا مفعول ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مفعول مطلق کے قائم مقام ہے۔

جَنّٰتِ عَدْنِ۔ یہ جنۃ سے بدل البعض ہے کیونکہ جنت، جنات عدن کو بھی شامل ہے۔ ان کے مابین کا جملہ معترضہ ہے اور جنات عدن ایک جنت خاص کا نام ہے جیسے رمضان ایک خاص مہینہ کا نام ہے کبھی مضاف محذوف ہے۔ شہر رمضان کی بجائے صرف رمضان کہا جاتا ہے۔

ف: بعض نے کہا ہے کہ جنات عدن تمام دار الثواب کا نام ہے اور العدن بمعنے الاقامۃ آتا ہے۔ یہاں پر یہی معنے زیادہ مناسب ہے کیونکہ جنات عدن اور جنت الفردوس میں عوام بالاصالۃ داخل نہ ہوں گے اس لیے کہ وہ مقربین کی قیام گاہیں ہیں۔

الَّتِىْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ بِالْغَيْبِ جو کہ غیب سے متلبس ہے یعنے ان سے غائب یعنے غیر حاضر ہے یا وہ اس سے غائب ہیں جسے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ اور اس پر ان کا ایمان لانا محض خبر نبوی سے ہے اور اسے رحمت سے مشتق کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا وعدہ اور ایفائے عہد محض اس کی رحمت اور فضل و کرم ہے۔

ف: اور عباد کو اپنی طرف مضاف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا استحقاق اسے ہے جو مخلصانہ طور پر عبادت کرتا ہے یعنے عبودیت میں مخلص ہے اور دنیا و خواہشات نفسانی کے بندے ایسے فضل و کرم کے مستحق نہیں کیونکہ ایسی کمال شرافت کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جو واقعی اس کا بندہ ہے۔ اور جو واقعی اس کا بندہ ہے اس کے لیے جنت عدن ہے۔

اِنَّهٗ، بے شک وہ اللہ تعالٰے كَانَ وَعْدُهٗ ہے اس کا وعدہ یعنے جنت۔ مَاْتِيًّا ۝ اس کے ہاں آئے گا وہ جس کے ساتھ اس کا وعدہ کیا گیا ہے اس کے خلاف ہرگز نہ ہوگا اس معنے پر مأتی اسم مفعول از اتیان ہے یا بمعنے اسم الفاعل ہے یعنے اس میں ضرور آئے گا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا۔ اس میں فضول کلام نہ سنیں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بہشتیوں سے لغو کلام کا صدور نہ ہوگا اور اس میں تنبیہ ہے کہ حتی الامکان فضول کلام سے اس دار دنیا میں بھی احتراز لازم ہے۔ اِلَّا سَلٰمًا یہ استثناء منقطع ہے لیکن وہ بہشت میں صرف فرشتوں کے سلام سنیں گے یا آپس میں ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں گے۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا

اور ان کے لیے اس میں رزق ہوگا۔ بُكْرَةً بوقت صبح ۔ وَّعَشِيًّا اور بوقت شام ۔ اس سے ان کا دائمی طور پر رزق دیا جانا مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے :

"انا عند فلان صباحا و مساء" میں صبح و شام فلاں کے پاس ہوتا ہوں، اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کے ہاں ہمیشہ رہتا ہے ۔

بعض نے اس کا یہ معنیٰ کیا کہ ان کے ہاں صبح و شام کی مقدار پر طعام لایا جائے گا۔ کیونکہ وہاں نہ صبح نہ شام بلکہ وہاں تو نور ہی نور ہے لیکن بہشت کے طعام کو بكرة وعشيا سے موصوف کرنے میں اہل عرب کے طریقہ پر ہے کہ وہ صبح و شام کے طعام سے بڑھ کر اور کوئی طعام نہیں سمجھتے تھے ۔

سوال : آیات سے مقصود یہ ہے کہ بہشت کے جملہ امور کی عظمت کا اظہار ہو لیکن صبح و شام کے طعام میں کوئی عظمت نہیں اس کی وجہ کیا ہے ؟

جواب : مقصود یہ ہے کہ اس میں ان امور کا ذکر ہو جو لوگوں کو دنیا میں مرغوب ہوں اسی لیے سونے چاندی کے کنگنوں کا ذکر ہوا ہے ایسے ہی ریشم پہننا۔ یہ اگرچہ عرب کو مرغوب نہ تھا لیکن عجم میں ان کا نہ صرف رواج تھا بلکہ انھیں فخریہ استعمال کرتے تھے ایسے ہی ارائک (تکیئے) بھی یمن میں اشراف (امراء) کی عادت میں شامل تھا ایسے ہی صبح و شام کا طعام عرب کی مرغوب شئے تھی اسی لیے اس کا ذکر ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے : ولهم رزقهم فيها اس میں انھیں رویت الٰہی نصیب ہوگی۔ بكرة و عشيا۔ صبح و شام کے وقت جیسا کہ حدیث شریف میں ہے :

اكرمهم على الله من ينظر الى وجهه غدوة وعشيا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ترین وہ شخص ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو صبح و شام دیکھے گا۔

تفسیر عالمانہ

تِلْكَ ۔ یہ اشارہ اسی جنت کی طرف ہے جس کا ابھی ذکر گذرا ہے یعنی وہ بہشت جس کا ابھی بیان ہوا اور تم نے اس کا ذکر ابھی سنا۔ اَلْجَنَّةُ ۔ الارشاد میں ہے کہ یہ مبتدا و خبر ہے اور وہ اس لیے کہ بہشت کی عظمت شان اظہار ہو اور متعین ہو جاتے کہ اس میں کیسے لوگ داخل ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ الجنة ۔ تلك کی صفت ہو کر مبتدا اور اس کی خبر الَّتِیْ نُوْرِثُ ہے ۔ وہ بہشت جسے ہم وارث کے اختیار کے بغیر اس کو عطا فرمائیں گے ۔ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ○ اپنے ان بندوں کو متقی یعنے شرک و معاصی سے بچتے اور ہمارے مطیع ہوں گے یعنے ہم انھیں ان کے تقویٰ کی وجہ سے بہشت دیں گے اور اس سے انھیں ممتع فرمائیں گے جیسے وارث مورث کے مال کا مالک بن کر اپنی مرضی سے تصرف کرتا ہے ایسے ہی اسے بہشت میں تصرف کا حق حاصل ہوگا ۔

سوال : اسے وراثت سے تعبیر کرنے کا کیا معنے جب کہ وراثت کا معنے یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص سے شئے کو منتقل کر کے دوسرے

کے ملک میں دنیا کے پہلے کا کسی قسم کا تعلق نہ رہے اور یہاں ایسا معنیٰ نہیں بنتا؟

جواب: یہ بطورِ تشبیہ کے کہا گیا ہے اصل مقصد یہ ہے کہ اعمال بہشت کے حصول کا سبب ہیں جیسے نسب مال کی تملیک کا سبب ہے جیسے یہاں بلا کسب و بلا تکلف مال حاصل ہوتا ہے ایسے ہی بہشت کی نعمتیں کہ وہ بھی محض عطائے الٰہی اور رحمت ایزدی ہے جس میں ہمارا کسی قسم کا دخل نہیں۔ اس مسئلہ میں قدریہ (بدمذہب فرقہ) کا رد ہے۔

ف: لفظ وراثت کا استعمال زیادہ تر ایسے تملک واستحقاق پر ہوتا ہے کہ جس کا نہ فسخ ہو سکے اور نہ اس میں رجوع کیا جا سکے اور نہ ہی ابطال ہو سکے اور نہ اسقاط۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ اگر کوئی وارث کہے کہ میں نے اپنا حق چھوڑا تو اس کا حق باطل ہو جائے گا۔[1]

بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہشت کے وہ مکانات ومنازل جو اللہ تعالےٰ نے کافروں کے نامزد فرمائے تھے لیکن وہ تو دوزخ میں چلے گئے اب وہی منازل ومکانات متقیوں کو عطا فرمائے گا۔ اسی لیے اسے وراثت سے تعبیر فرمایا۔

تین جنتیں: مولانا فناری نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا ہے کہ جنتیں تین ہیں:

① اختصاص الٰہی کی جنت۔

(۱) اس میں ان بچوں کو داخل فرمائے گا جو قبل از بلوغ مر گئے۔ اس کی حد بعض نے بیان فرمائی ہے کہ پیدائش کے وقت چیخ مار کر مر جانے کے وقت سے چھ سال تک۔

(۲) ان کے علاوہ جسے چاہے عطا فرمائے۔

(۳) مجنوں اور پاگل لوگ جن کی عقل نہ تھی یا تھی مگر بعد میں ختم ہو گئی۔

(۴) اہل توحید

(۵) اہل فترت یعنے جنھیں کسی رسول علیہ السلام کی دعوت دین نہ پہنچی۔

② جنت میراث:

اس میں ہر وہ اہل ایمان داخل ہوں گے جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا یعنے وہ امکنہ جن میں کفار نے داخل ہونا تھا اگر ایمان لاتے اور اطاعت کرتے لیکن چونکہ وہ کافر ہو کر جہنم میں داخل ہوئے ان کے منازل گویا بطور وراثت اہل ایمان کو دیئے جائیں گے۔

---

[1] انگریزی دور میں لڑکیوں کو وراثت نہیں ملتی تھی لیکن پاکستان بننے کے بعد اگرچہ جملہ قوانینِ انگریزی باقی ہیں لیکن بعض قوانینِ اسلامی پر عمل ہو جاتا ہے مثلاً لڑکیوں کی وراثت بحال کی گئی لیکن ہمارے دیہات کی بعض عورتیں اسی ذہنیت میں ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے ورثہ (انبار۔ ازواج) کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہہ دیتی ہیں کہ ہم اپنے باپ کا ترکہ نہیں لیتی ہم اپنے بھائیوں کے حق میں دیتی ہیں ان کی یہ روش اسی "الاشباہ" کی عبارت میں داخل ہے۔ (اویسی غفرلہ)

③ جنتِ اعمال ۔

یہ بہشت اعمال کا بدلہ ہو گی۔ جس کے اعمال صالحہ زیادہ ہوں گے اس کے منازل و مراتب زیادہ ہوں گے کیونکہ ہر عمل صالح کے بدلے میں جنت میں منازل مقرر ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے :

یا بلال بم سبقتنی الی الجنۃ فما وطئت موضعا الا سمعت خشخشتک امامی ۔	اے بلال! بہشت میں مجھ سے کیسے سبقت لی؟ میں نے جہاں قدم رکھا تیری جوتی کی آواز سنائی دی ۔

عرض کی یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم)

ما احدثت قط الا توضأت وما توضأت الا صلیت رکعتین فقال رسول اللہ علیہ السلام بھما ۔	میں جب بھی بے وضو ہوا تو وضو کیا اور پھر وضو کر کے دوگانہ پڑھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہی کی برکت ہے ۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اسی عمل پر ایک مخصوص جنت ہے کوئی نفل ہو یا فرض ان کے علاوہ کوئی بھی کارِ خیر ہو یا حرام و مکروہ کے ترک پر ہر ایک کے لیے علیحدہ مخصوص جنت اور خاص نعمت ہے جو عمل کرنے یا حرام و مکروہ سے بچنے پر عطا ہو گی ۔

اعجوبہ : بیک وقت متعدد اعمال صالحہ کئے مثلاً ایک وقت میں کان سے نیکی کی تو آنکھ سے بھی وغیرہ وغیرہ تو اسے ان مجموعہ اعمال پر بیک وقت کئی جنتیں نصیب ہوں گی جسے دیکھ کر دوسرے لوگ رشک کریں گے ۔

ہم اللہ تعالےٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہل طاعت سے بنائے ۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ۚ

شانِ نزول حضرت مجاہد نے فرمایا کہ فرشتہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ چند روز کے بعد حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے کس وجہ نے میرے ہاں نہ آنے دیا ۔ عرض کیا کہ میں کیسے حاضر ہوتا جب کہ آپ کے بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے نہ تو ناخن کٹواتے ہیں اور نہ مونچھیں اور نہ ہی براجم صاف کرتے ہیں اور نہ مسواک کرتے ہیں۔ اس کے بعد یہی آیت "وما نتنزل الا بامر ربک" (اور ہم آپ کے رب کے حکم سے اترتے ہیں) نازل ہوئی ۔ (کذا فی اسباب النزول وسفینۃ الابرار) ۔

حدیث شریف میں ہے کہ نقوا براجمکم (اپنے براجم صاف کرو) ۔

ف : براجم انگلیوں کے جوڑ اور وہ عقود جو انگلیوں کے پیچھے کی طرف ہیں ان میں میل کچیل جمع ہو جاتی ہے ۔ برجمہ کی جمع ہے اور وہ جو دو عقدوں کے درمیان ہے اسے عربی میں راجبہ کہا جاتا ہے اس کی جمع رواجب آتی ہے اور یہ وہ ہے جو انگلیوں کی پشت سے متصل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر انگلی میں دو براجم اور تین رواجب اور انگوٹھے میں ایک برجمہ اور دو رواجب ہیں ۔

ف : ان کی صفائی کا حکم اس لیے ہے کہ غسل جنابت میں کمی نہ واقع ہو اور ان کے اندر جمع شدہ میل کچیل کو اچھی طرح صاف کیا جائے ۔ (ذکرہ القرطبی) ۔

جبریل علیہ السلام کی کہانی اپنی زبانی بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کفار ومشرکین وغیرہم نے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوالات کیے تو آپ کو معلوم نہ تھا کہ وہ اس کا کیا جواب دیں اور خیال فرمایا کہ اس کا جواب بذریعہ وحی معلوم ہوگا لیکن جبریل علیہ السلام تو چالیس یا پندرہ دن حاضر نہ ہوئے۔ آپ کو یہ سخت ناگوار گذرا بلکہ زیادہ سے زیادہ مشقت اٹھانی پڑی یہاں تک کہ مشرکین نے کہہ دیا کہ اس کا رب اسے چھوڑ گیا بلکہ اس سے عداوت ہو گئی (معاذ اللہ) جب ان کے متعلق جبریل علیہ السلام جواب لے کر آئے تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبریل! علیہ السلام آپ نے بڑی دیر لگائی یہاں تک کہ میں تو کچھ اور سمجھ رہا تھا حالانکہ مجھے آپ کا بڑا اشتیاق تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے تو آپ کی زیارت کا ہر وقت بہت بڑا شوق رہتا ہے لیکن کیا کروں مجبور ہوں عبد مامور ہوں جب حکم ہوتا ہے حاضر ہو جاتا ہوں اور جب روکا جاتا ہوں تو رک جاتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالٰے نے یہی آیت اور سورۃ والضحیٰ نازل فرمائی[1]

ف: التنزل یعنے وقفہ وقفہ پر اترنا اس لیے کہ یہ تنزیل کا مطاوع ہے۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اے جبریل! (علیہ السلام) محمدؐ (عربی صلے اللہ علیہ وسلم) کو کہو کہ ہم صرف تیرے رب کے حکم سے اترتے ہیں جبھی آتے ہیں تو اسی کا حکم ہوتا ہے نہیں آتے تو بھی یہی اس کی حکمت کا تقاضا ہے جیسے چاہے کرے۔

لَهٗ - صرف اسی سے خاص ہے۔ **مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا** - وہ جو ہمارے آگے ہیں آنے والے امور اخرویہ۔ **وَمَا خَلْفَنَا** اور وہ جو ہمارے پیچھے ہیں گذشتہ امور دنیویہ۔ **وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ** اور وہ جو۔ **وَمَا كَانَ** یعنے جو کچھ ہو گذرا۔ ومایکون (وہ جو ہوگا) کے مابین الی یوم القیمۃ کے امور ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے:

لہ مابین ایدینا سے تقدیر ازلی، وماخلفنا سے تدبیر ابدی، ومابین ذالك سے ازل تا ابد مراد ہے۔ اس کی نظیر باری تعالٰے کا ارشاد گرامی ہے:

يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم

---

[1] یہ آیت کا شان نزول ہے کہ وہابی دیوبندی حضور علیہ السلام کی لاعلمی ثابت کرتے ہیں حالانکہ آپ ایسے مواقع پر اپنی نبوت کی توثیق کے لیے عمداً فرماتے کیونکہ کتب سابقہ میں آپ کی نبوت کی علامات میں سے تھا کہ آپ ہر بات میں وحی الٰہی کا انتظار فرمائیں گے اگرچہ ان کو کتنا سخت سے سخت پریشان ہونا پڑے۔ چنانچہ آپ کی انہی علامات کو یہود نے بار بار آزمایا منجملہ ان کے ایک یہی موقعہ ہے دوسرا واقعہ افک وغیرہ وغیرہ۔ اگر آپ اپنے علم کا اظہار کرتے تو آپ کی نبوت کی تصدیق از اغیار نہ ہوتی اور مقصد اولین توثیق نبوت تھی نہ کہ اظہار علم۔ مزید تفسیر اویسی میں ہے۔ (اویسی)

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ○ اور آپ کا پروردگار فراموش کار نہیں یعنے وہ ہر وقت آپ کے حال سے آگاہ ہے جب چاہتا ہے مجھے آپ کے ہاتھ بھیج دیتا ہے۔

ف: اہل تفاسیر نے فرمایا کہ یہاں فعیل بمعنے فاعل ہے نسیان سے مشتق ہے بمعنے ترک[1] یعنے آپ کا پروردگار آپ کو ہرگز نہیں چھوڑتا جیسے کفار کا گمان ہے اگر وحی میں تاخیر ہو تو اس میں مصلحت ہوتی ہے یا نسیان ذکر کی نقیض ہے بمعنے غفلت یعنے آپ کا رب آپ سے غافل نہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، مبتدا و خبر ہیں۔ رب بمعنے مالک یعنے اللہ تعالٰے آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے۔ وَمَا بَيْنَهُمَا اور وہ مخلوق جو ان کے درمیان واقع ہے تو پھر وہ آپ کو کیسے چھوڑے گا۔ فَاعْبُدْهُ۔ یعنے جب آپ کو یقین ہے کہ رب وہی ہے تو پھر اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کی عبادت میں ثابت قدم رہیے۔ العبادۃ بمعنے بندے کو جس پرستش اور اوامر و نواہی کا حکم ہے ان پر پابندی کرنا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فاعبدہ۔ اپنے جسم و نفس و قلب و سر اور روح کے ساتھ عبادت کیجئے جسم کی عبادت ارکان شریعت سے ہے یعنے جن امور کا حکم ربانی ہے انہیں بجا لانا اور نواہی سے روکنا اور اداب طریقت سے نفس کی عبادت خواہشات نفسانی کا ترک اور مخالفت خواہشات نفسانی پر التزام کرنا اور عبادت قلب دنیا و مافیہا سے اعراض اور آخرت اور اس کے مکارم کی طرف متوجہ ہونا اور عبادت السر اللہ تعالٰے سے واصل ہو کر تعلقات کونین سے فارغ ہونا اور عبادۃ الروح شہود کے حصول کے لیے وجود کو راہ حق میں خرچ کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط اور اللہ تعالٰے کی عبادت پر صبر کیجئے یعنے عبادت میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں انہیں برداشت فرمائیے۔ وحی کی تاخیر اور کفار کے استہزاء اور ان کی سب و شتم پر ملال نہ کیجئے کیونکہ وہی ذات کا نگران و نگہبان اور وہی آپ پر دنیا و آخرت میں لطف و کرم فرماتا ہے۔

سوال: اصطبار علیٰ سے متعدی ہوتا ہے لیکن لام سے ہوا ایسا کیوں؟

جواب: یہاں پر اصطبار ثبات کے معنے کو متضمن ہے کیونکہ عبادت کو شدائد اور مشقتیں لازم ہیں اسی لیے ان پر ثابت قدم رہنے کا حکم ہوا یہ ایسے ہے جیسے جنگ میں مجاہد کو کہا جاتے: اصطبر لقرنك اپنے بالمقابل کے حملوں اور تکالیف وغیرہ پر ثابت رہنا۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○ السمی بمعنے شریك فی الاسم (ہمنام) اور مثل و شبیہ کو بھی سمیّ کہا جاتا ہے۔ یعنے وہ اس لائق نہیں کہ اس کی مثل کسی دوسرے کا نام الٰہ رکھا جائے۔

ف: مثل کو سمیّ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ دونوں آپس میں ہم شکل اور ایک دوسرے کا مشابہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ کسی کے

---

[1] یہی معنی حضور علیہ السلام کے نسیان کے لیے مراد ہے۔ (اویسی غفرلہ)

لائق نہیں کہ وہ کسی کا نام اللہ رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین نے شرک میں غلو کے باوجود اپنے کسی بت کا نام اللہ نہ رکھا۔

ف: علم کی نفی سے معلوم کی نفی ہے یعنے نہ وہ ہے اور نہ تمہیں معلوم ہے۔

نکتہ: کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی شان قدرت ہے کہ کسی بت پرست کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ اپنے کسی بت کا نام اللہ رکھے۔ اللہ تعالےٰ کی غیرت نے کسی کو اجازت نہ دی کہ کوئی بھی اس اسم سے کسی کو موسوم کرسکے۔ گویا اس اسم کی تسمیہ اللہ تعالےٰ کی خاص حفاظت میں ہے۔ البتہ اہل ایمان ہر دکھ سکھ اور پریشانی اور راحت و سرور کے وقت اسی اسم کا ورد زبان پر رکھتے ہیں۔

اللہ اللہ چہ طرفہ نامست این

حرز دل ورد جان تمامست این

بس بود نزد صاحب معنی

حسبی اللہ گواہ این دعوے

ترجمہ: اللہ اللہ یہ کیسا عجیب نام ہے۔ ہماری جان و دل کا تعویذ ہے۔

صاحب معنی کے نزدیک یہ نام کافی ہے "حسبی اللہ" کا ارشاد درس دعوے کا گواہ ہے۔

اللہ کے گستاخ کی سزا: مروی ہے کہ کسی سرکش بادشاہ نے سرکشی سے اپنا نام 'اللہ' رکھا تو اس کی آنتیاں، جگر اور تلی وغیرہ دبر کے راستہ سے نکلی تو وہ اسی وقت مرگیا۔

لطیفہ: فرعون نے انا ربکم الاعلی کا دعوےٰ کیا لیکن انا اللہ کہنے کی جرأت نہ کرسکا۔

مسئلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ 'رحمٰن' بھی کسی کا نام نہ رکھا جائے۔

ف: مولانا فناری رحمہ اللہ تعالےٰ نے بسم اللہ... کی ترتیب میں لکھا ہے کہ 'اللہ' اختصاص وضعی اور 'رحمٰن' اختصاص استعمالی ہے۔

ف: رحمن الیمامہ مسیلمۃ الکذاب کا نام نہ تھا لیکن اس کے حواریین یا وہ خود محض تکبر اور سرکشی سے کہتا یا کہلواتا تھا۔ مخالف جیسے چاہے کرے۔ اگر وہ اپنا نام 'اللہ' رکھتا تو اسے کون روکتا۔ مخالف کی بات ہمارے مخالف نہیں۔

شان نزول: قریش نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ کو یمامہ کا رحمٰن ہی تعلیم دیتا ہے اور ہمیں رحمن الیمامہ سے ضد ہے۔ اگر آپ اس کی تعلیم سے دست سے دستبردار ہوجائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کے رحمن سے یہودیوں

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۴۲ پر)

---

[1]: ایسے ہی نوح علیہ السلام کا واقعہ فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم، میں 'علم' بمعنے معلوم ہے تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے۔ (اویسی)

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

اور آدمی کہتا ہے کیا جب میں مر جاؤں گا تو ضرور عنقریب جلا کر نکالا جاؤں گا

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ

اور کیا آدمی کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اسے بنایا اور وہ کچھ نہ تھا تو تمہارے رب کی قسم ہم انہیں

وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ

اور شیطانوں سب کو گھیر لائیں گے اور انہیں دوزخ کے آس پاس حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے پھر ہم ہر گروہ سے نکالیں گے

أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن

جو ان میں رحمٰن پر سب سے زیادہ بیباک ہوگا پھر ہم خوب جانتے ہیں جو اس آگ میں بھوننے کے زیادہ لائق ہیں اور تم میں

مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ

کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے پھر ہم ڈر والوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو

الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ

اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں

آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ

کون سے گروہ کا مکان اچھا اور مجلس بہتر ہے اور ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں

هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ

کہ وہ ان سے بھی سامان اور نمود میں بہتر تھے تم فرماؤ جو گمراہی میں ہو تو اسے رحمٰن خوب ڈھیل دے

مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ

یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں وہ چیز جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا تو عذاب یا قیامت تو اب جان لیں گے کہ کس کا برا

مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ

درجہ ہے اور کس کی فوج کمزور اور جنہوں نے ہدایت پائی اللہ انہیں اور ہدایت بڑھائے گا اور باقی رہنے والی نیک باتوں

خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ

کا تیرے رب کے یہاں سب سے بہتر ثواب اور سب سے بھلا انجام تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں سے منکر ہوا اور کہتا ہے مجھے

مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ

ضرور مال و اولاد ملیں گے کیا غیب کو جھانک آیا ہے یا رحمٰن کے پاس کوئی قرار رکھا ہے ہرگز نہیں اب ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا

وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِن

ہے اور اسے خوب لمبا عذاب دیں گے اور جو چیزیں کہہ رہا ہے ان کے ہمیں وارث ہوں گے اور ہمارے پاس اکیلا آئے گا اور اللہ کے سوا

دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾

اور خدا بنا لیئے کہ وہ انہیں زور دیں ہرگز نہیں کوئی دم جاتا ہے کہ وہ ان کی بندگی سے منکر ہونگے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے

(بقیہ صفحہ ۶۳۹

کا کاہن مراد تھا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ میں خود "اللہ" اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہوں۔ کما قال:

قل ھو ربی لا الہ الا ھو علیہ توکلت و الیہ متاب (فرمایئے وہی رب ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میرا توکل اور اسی کی طرف رجوع ہے)۔ متاب بمعنے توبتی و رجوعی ہے۔ (کذا فی انسان العیون)

مسئلہ: اللہ تعالےٰ کے اسماء مخصوصہ سے کسی کا نام رکھنا مکروہ ہے جیسے رحمٰن، رحیم، خالق، اور قدوس وغیرہ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وجعلوا اللہ شرکاء قل سموھم۔ (اور انھوں نے اللہ تعالےٰ کے شریک مقرر کیے۔ فرمایئے ان کے نام لکھو لو)۔

ف: بعض مفسرین نے اس کا مطلب بتایا کہ انہیں فرمایئے کہ وہ میرے اسماء پر نام رکھیں لیکن دیکھ لیا کریں کہ کیا وہ ان اسماء کے لائق بھی ہیں اسی لیے اللہ تعالےٰ نے العزیز کا نام تبدیل کیا اور فرمایا کہ عزت صرف اللہ تعالےٰ کے لائق ہے اور بندے کو ذلت مسکینی لازم ہے۔ (کذا فی الکار الافکار)

ف: تکملہ میں ہے کہ لسوف کی لام تاکید کی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ قول تو قیامت کے منکر کا کلام نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کا یہ کلام بطور حکایت ہے۔ گویا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان جب مرے گا تو پھر عنقریب اسے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ کافر نے انکار کیا تو حضور علیہ السلام نے اس کے انکار کو بطور حکایت بیان فرمایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (کذا قال الجرجانی فی کتاب نظم القرآن)۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ جب یہ لام ابتدائیہ اور مضمون جملہ کی تاکید کرتی ہے اور لام تاکید اس جملہ میں داخل ہوتی ہے جو مبتدا، خبر پر مشتمل ہو تو لازم ہے کہ یہاں پر مبتدا و خبر محذوف ہو در اصل عبارت یوں ہے:

"الان سوف اخرج حیا"

اور ائذا میں ما تاکید یہ ہے اور تکرار تاکید انکار علی الانکار پر دلالت کرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَقُولُ الْاِنْسَانُ۔ انسان قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اس سے ابی بن خلف مراد ہے۔ جب اس نے پرانی اٹھا کر کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا گمان ہے کہ ہم مرنے کے بعد اٹھیں گے اور ہمارا حال اس ہڈی جیسا ہوگا۔ (تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی)۔ ءَ اِذَا مَا مِتُّ۔ کیا ہم جب مر کر چکنا چور ہو جائیں گے لَسَوْفَ اُخْرَجُ۔ عنقریب میں قبر سے نکالا جاؤں گا۔ حَیًّا زندہ ہوکر۔ ظرف کی تقدیم اور پھر حرف انکار سے کلام لانے میں اشارہ ہے کہ منکر زندگی میں مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کر رہا ہے اور اس کا منصوب ہونا فعل مقدر سے ہے جس پر اخرج دلالت کرتا ہے اور وہ فعل محذوف بعث ہے۔ اس کا منصوب ہونا اخرج سے نہیں اس لیے کہ لام مابعد اس کے ماقبل پر عمل نہیں کرتا اور اسے صدارت کلام ضروری ہے اس کا اصل یہ ہے کہ حال کے معنے پر دلالت کرے لیکن یہاں پر تائید محض کے لیے واقع ہوئی ہے یعنے ءاذا میں جو ہمزہ انکاری واقع ہے اس کی یہ لام تاکید کرتی ہے اسی لیے اسے سوف کے ساتھ جمع ہونا جائز ہے ورنہ اگر یہ حال کے لیے ہوتی تو سوف استقبالیہ کے ساتھ اس کا اجتماع جائز نہ ہوتا۔

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ۔ یہ ہمزہ انکار توبیخی ہے اور واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف جملہ منفیہ پر ہے اور وہ جملہ منفیہ مقدر ہے جس پر یقول دلالت کرتا ہے۔

حل لغات : ذکو، دراصل اس علم کو کہتے ہیں جو معلوم شے کو بھولنے کے بعد حاصل ہو لیکن یہ معنی یہاں نہیں بن سکتا کیونکہ وہ اسے پہلے نہیں جانتے تھے ہاں اسے تذکر و تفکر کے معنے میں لیا جا سکتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ کیا انسان کہتا ہے اور وہ تفکر نہیں کرتا۔

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ۔ بے شک ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا فرمایا یعنے اسی حالت میں کہ جس میں وہ ہے یعنے موجودہ زندگی سے پہلے۔ وَلَمْ يَكُ۔ اس کا اصل لم یکن تھا۔ کثرت استعمال امتداد صوت میں حروف مدہ سے تشبیہ کی وجہ سے نون تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔ رضی نے کہا کہ غنہ میں نون کو واؤ سے مشابہت ہے۔ شَيْئًا اور وہ کوئی شے نہ تھا بلکہ عدم محض تھا۔ تو اسے یقین ہونا چاہیئے کہ جو ذات کسی مادہ کے بغیر ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اسی شے کو مواد سے متفرق ہونے کے بعد بھی جمع کر سکتی ہے۔

رد وہابیہ وشیعہ اس آیت سے قیاس کرنے کا ثبوت ملا۔ انکار کرنے والا اس مضمون کو غور سے پڑھے (ہمارے دور کے معتزلہ یعنے وہابی غیر مقلد اور روافض مطلقاً قیاس کے منکر ہیں[1]۔ کیونکہ اللہ تعالٰے نے اسے جاہل قرار دیا ہے جس نے مر اٹھنے کا انکار کیا پھر اسے قیاس سے سمجھایا کہ جب مجھ سے ابتدائی تخلیق نہیں تو اس کا اعادہ مجھ سے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

کب شکل ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ نکلا کہ بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھنا اور اعادہ یعنی اجسام میں روح لوٹا کر قیامت میں حاضر ہونا حق ہے۔

نکتہ: بعض محققین نے کہا کہ تمام مخلوق جمع ہو کر موت کے بعد اٹھنے کی ایسی مختصر اور جامع دلیل قائم نہیں کر سکتی۔

فَوَرَبِّكَ۔ واؤ قسمیہ ہے یعنی تیرے پروردگار کی قسم ہے کہ **لَنَحْشُرَنَّهُمْ**۔ ہم محشر میں جمع ہونے کے قائلین کو قبور سے زندہ نکال کر قیامت میں جمع کریں گے۔ **وَالشَّيٰطِيْنَ** اور ان کے ساتھ شیطانوں کو ان سے وہ مراد ہیں جنھوں نے انھیں گمراہ کیا۔ کیونکہ ہر کافر اپنے شیطان کے ساتھ قیامت میں ایک ہی بیڑی میں جکڑا ہوا آئے گا۔ **ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ**۔ پھر انھیں جہنم کے ارد گرد حاضر کریں گے درآں حالیکہ **جِثِيًّا** ○ گھٹنوں کے بل پڑے ہوتے۔ یہ جاثٍ کی جمع ہے۔ جثا یجثو و یجثی سے اس کا مصدر جثوا و جثیا ہر دونوں طرح آیا ہے بمعنے جلس علیٰ رکبتیہ یعنی وہ گھٹنوں پر بیٹھا۔ (کذا فی القاموس) یعنی وہ گھٹنوں پر بیٹھیں گے جب ان کو وہ امور عارض ہوں گے جن کے اٹھانے سے مجبور ہو کر کھڑے ہونے کی بجائے گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جثیا بمعنے جماعات جثوۃ کی جمع ہے بمعنے جماعت۔ (تفسیر جلالین میں اسی کو پسند کیا گیا ہے)۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ۔ پھر ہم نکالیں گے۔ ایسے ہی بغوی نے معنی کیا ہے۔ اور النزع بمعنے الجذب آیا ہے۔ **مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ**۔ ہر امت و فرقہ جو دنیا میں پھیلا یعنی وہ فرقہ جو گمراہ ہو کر دنیا میں ابھرا۔ **اَيُّهُمْ**۔ موصوف ہے جس کے صلہ کا صدر محذوف ہے اور یہ ننزعن کی وجہ سے منصوب ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی: لننزعن الذین ھم یا ایھم استفہام مبتدا ہے اور اس کی خبر اشد ہے اس کا مرفوع ہونا علی الحکایۃ ہے۔ اصل عبارت یوں تھی لننزعن الذین یقال لھم ایھم۔ **اَشَدُّ** سخت تر اور بہت زیادہ۔ **عَلَى الرَّحْمٰنِ**۔ رحمن کے نزدیک۔ **عِتِيًّا** ○ بوجہ شرکسی کی جرأت کے۔ یعنی ہر امت میں سے مجرموں میں سے سب سے پہلے اسے منتخب کریں گے جو سب سے زیادہ سرکش ہوگی۔

حل لغات: عتیا۔ عتا علیٰ فلاں سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ظلم میں تجاوز کرے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے اسے جدا کیا جائے گا جو سب سے بڑا نافرمان ہوگا پھر سب کو ترتیب وار جہنم میں ڈالا جائے گا۔

ف: تفسیر الکبیر میں ہے کہ پہلے سب کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر کیا جائے گا۔ اس کے بعد سب سے پہلے عذاب علیم کے لیے چنا جائے گا جو سرکشی میں سب سے بڑا ہوا ہوگا کیونکہ گمراہ اور گمراہ کنندہ کا عذاب سخت تر ہوگا بہ نسبت اس کے جو تبعاً گمراہ ہوا ہوگا اور مقتدیٰ کا عذاب مقتدی کے عذاب سے ادجل نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ زدنٰھم — وہ جو کافر اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنے والے ہیں

عذابا فوق العذاب بما کانوا یفسدون ۔ ان کے فساد کی وجہ سے ہم ان کا عذاب بڑھائیں گے ۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس میں مرتبی مذکور کے لیے تہدید عظیم ہے قیامت میں عذاب کے لیے مشرکین عرب میں سب سے پہلے اسے منتخب کیا جائے گا کیونکہ مقالہ مذکورہ کی وجہ سے رحمٰن کے نزدیک یہی سخت تر ہے ۔

ف : قیامت میں سب سے پہلے قبروں سے اٹھنا ہوگا، پھر بارگاہ ایزدی میں حاضری پھر عذاب کے لیے انتخاب پھر جہنم کا ادخال۔ چنانچہ فرمایا :

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا ○ پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں کہ سب سے پہلے کون جہنم میں داخل ہونے کے لیے سب سے زیادہ لائق ہے ۔ اس سے وہی منتخب کافر مراد ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا ۔

حل لغات : "صلی یصلی ہیجوں لقی یلقی ومضی یمضی" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آگ میں داخل ہو ۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اے لوگو! نہیں تم میں کوئی ۔ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ مگر اس میں داخل ہوگا ۔ كَانَ ہے ، ان کا جہنم میں وارد ہونا ۔ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ○ حتم ، حتم الامر کا مصدر ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کام کسی پر واجب کرے اسی لیے موجب کو حتم سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں : خلق الله وضرب الامیر یعنے یہ ایسا امر یقینی ہے کہ گویا اللہ تعالےٰ نے اپنے اوپر اسے واجب کیا ہے ۔ مقضیا پورا کیا ہوا یہاں تک کہ اس کا وقوع ضروری ہے ۔

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا پھر ہم انھیں نجات دیں گے جنھوں نے شرک سے کنارہ کشی کی یعنے انھیں دوزخ سے باہر لائیں گے ۔

نکتہ : ورود کی نسبت بندوں کی طرف اور نجات کی نسبت اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف فرمائی (تاکہ بندوں کو ادب ملحوظ رہے کہ بُرے فعل اپنی طرف منسوب کریں اور اچھے اللہ تعالےٰ کی طرف)۔

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ہر ایک خواہش نفسانی کی جہنم میں اپنی طبیعت کے تابع رہتا ہے وہ کبھی نجات نہ پائے گا لیکن اس سے وہی نجات پائے گا جسے اللہ تعالےٰ کی نجات نصیب ہو ۔

وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ اور جو معاصی کفر سے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں ہم انھیں چھوڑ دیں گے ۔ فِیْهَا جہنم میں جِثِیًّا ○ گھٹنوں کے بل پڑے ہوتے ۔

فائدہ صوفیانہ : اس میں اشارہ ہے کہ خواہشات نفسانی پر عمل کرنے والوں کا حال بُرا ہوتا ہے اور وہ جنت کی طرف جانے والوں کے ساتھ نہیں چل سکیں گے بلکہ وہ جہنم میں بیٹھ جائیں گے ۔

ف : جلالین میں جثیاً بمعنے جمیعاً لکھا ہے ۔

تحقیق المذاہب :
① وعیدیہ یعنے معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ جو جہنم میں گیا پھر اس کا خروج نہ ہوگا ۔
② مرجیہ کہتے ہیں کہ مؤمن دوزخ میں ہرگز داخل نہ ہوگا ۔ وہ "ورود" بمعنے حضور کے قائل ہیں دخول کے معنی سے

ان کا انکار ہے۔

(۳) اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ بعض اہلِ ایمان کو ان کے گناہوں کی سزا پر جہنم میں داخل کیا جائے گا اس کے بعد اپنے فضل وکرم سے نکال لے گا اور ورود بمعنے دخول۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ آیا ہے۔ کما قال:

(۱) فاوردھم النار

(۲) حصب جهنم انتم لها واردون

اور ثم ننجی الذین اتقوا... الخ سے بھی اہلسنت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ نجاۃ کا اطلاق عذاب دینے کے بعد موزوں ہے۔ چنانچہ: فنجیناہ من الغم وکذلك ننجی المومنین سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

سوال: یہ آیت 'اولئك عنها مبعدون' (وہی لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے) کے منافی ہے یعنے یہاں ان کے داخل ہونے کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں اس سے دور رکھے جانے کا بیان ہے اس سے تو اجتماع نقیضین لازم آتا ہے؟

جواب (۱): جہنم کے داخلہ سے ضروری نہیں کہ انھیں عذاب بھی ہو۔ پہلی آیت میں صرف داخلے کا ذکر ہے اور وہ حق ہے اور بہر حقیقت یہ ہے کہ انھیں دوزخ کے عذاب سے دور رکھا جائے گا اور وہ صحیح ہے کہ انھیں دوزخ میں داخلے کے باوجود بھی اس کا انھیں عذاب نہ ہوگا۔

جواب (۲): الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس میں داخل ہوں لیکن اس کا عذاب انھیں محسوس نہ ہو کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان پر وہ آگ برد وسلاما بنا مے۔ اسی لیے اس پر سے مؤمن گذریں گے تو برد وسلاما ہوگی اور جب کافر گذریں گے تو ان کے لیے عذاب شدید، جیسے موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ہی کوزہ سے اگر بنی اسرائیل پانی پیتے تو کسی قسم کا تغیر نہ پاتے لیکن جب قبطی اسی کوزہ سے پانی پیتے تو وہ خون ہوتا ؎

مومن فسون چہ داند بر آتشش بخواند
سوزش درو نماند گردد چو نور روشن

ترجمہ: مومن کون سا منتر جانتا ہے جو اس پر پڑھ کر پھونک مارے کہ آگ کی گرمی ختم ہو جاتے اور وہ آگ نور روشن کی طرح چمکے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ جب دوزخ سے مؤمن کا گذر ہوگا تو دوزخ عرض کرے گی:

جز یا مومن فان نورك قد اطفأ لهبی۔ اے مومن! مجھ سے جلدی سے گذر اس لیے کہ تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گویدش بگذر سبک اے محتشم
ورنہ آتشہا تے تو مرد آتشم!

ترجمہ: دوزخ مومن کو کہے گی کہ اے حشمت والے مجھ سے جلدی گذر ورنہ تیرے عشق کی آگ سے میرے شعلے بجھ جائیں گے۔

سوال: جب مومن کو دوزخ میں جانے پر عذاب نہ ہوگا تو پھر اس میں داخل ہونے کا حکم کیوں؟

جواب (۱): جب اس سے خلاص پاجائیں گے تو اس سے انھیں راحت وسرور محسوس ہوگا اسی راحت وسرور عطا کرنے کی وجہ سے دوزخ میں داخلے کا حکم ہوگا۔

جواب (۲): جب مومن (اولیاء۔ علماء باعمل) کافروں کے سامنے سے دوزخ سے نجات پاکر نکل جائیں گے تو کفار کو سخت رسوائی ہوگی اور کہیں گے افسوس اگر ہم ان کی نصیحت پر عمل کرتے تو آج ہمیں فضیحت نہ ہوتی کفار کے اس غم کے اضافہ پر اہل ایمان کو دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔

جواب (۳): کافروں کو دکھانا مطلوب ہوگا کہ وہ اہل ایمان جنھیں تم اپنا دشمن سمجھتے تھے وہ دوزخ سے نجات پاگئے اور تم ہمیشہ اسی میں پڑے رہو۔ اس سے گویا ان کی حسرت میں اضافہ مطلوب ہے۔

جواب (۴): دوزخ میں مومن کافروں کے ساتھ رہ کر ان کو عار و رسوائی دلاکر خون سے آنسو رلائیں۔

جواب (۵) صوفیانہ تقریر: فقیر (مصنف حقی) کہتا ہے کہ اہل معرفت کے نزدیک جہنم کی صورت نفس امارہ جیسی ہے تو اس دنیا میں اس جہنم میں ہر ایک آیا یہاں تک کہ انبیاءً و اولیاءً بھی۔ انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ مطمئنہ تھے انھیں کسی قسم کا نقصان نہ ہوا اور اولیاء کے نفوس زکیہ تھے ان پر اگرچہ نفس امارہ کی آگ نے حملہ کیا تو انھوں نے نور ہدیٰ سے اسے بجھایا۔ بعض اہل ایمان ان کے طفیل نفس امارہ کی شرارت سے محفوظ رہے اسی لیے وہ قیامت میں دوزخ میں نہ جائیں گے اور نہ ہی انھیں دوزخ جلائے گی اور کفار کے نفوس چونکہ طبیعت کے بندے تھے انھوں نے خواہ مخواہ دوزخ میں جانا اور ہمیشہ رہنا ہے بعض اہل ایمان بھی اپنے گناہوں کی شامت سے داخل ہوں گے لیکن بعد کو انھیں اس سے نکال لیا جائے گا اس نور ایمان کی برکت سے جس نے انھیں شرک کی آگ سے بچایا۔

پُل صراط: حضرت ابن مسعود اور حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ورود سے پل صراط پر گذرنا مراد ہے جو کہ دوزخ پر ہے کیونکہ بہشت میں جانے کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رکھا گیا اور مرور کو ورود سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ کسی مسلمان کی اولاد میں سے تین بچے فوت ہوتے ہیں تو قیامت میں اسے اگر گناہوں کی سزا پر جہنم میں داخل کیا جائے گا تو صرف قسم پوری کرنے کے طور پر۔ "و ان منکم الا واردھا" سے یہی مراد ہے۔

ف: التحلہ حللت الیمین کا مصدر ہے یعنے میں نے اسے قسم سے بری کیا اور تحلۃ القسم کا معنے یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنی قسم سے بری ہونے کے لیے اسی فعل کا اسی قدر ارتکاب کرے کہ جس سے وہ قسم سے آزاد ہو سکے تو اس سے قلیل مقدار مراد ہے۔

بخار کے متعلق: مجاہد رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ مومن کا دوزخ میں ورود اس کا بخار میں مبتلا ہونا ہے۔ چنانچہ[۱] حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الحمّٰی من فیح جھنم فابردوھا — بخار جہنم کا جوش ہے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

حدیث شریف[۲]: بخار ہر مومن کا حصہ ہے دوزخ میں سے۔

حدیث شریف[۳]: ایک شب کا بخار سال بھر کا کفارہ ہے جو ایک دن بخار میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے جہنم سے برأت نصیب ہوگی اور وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے گویا ماں نے اسے ابھی جنا ہے۔

بخار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ بخار[۲] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ عرض کی ہیں ام ملدم (بخار کا نام) ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ قبا کی طرف چلی جا۔ پھر قبا والے سخت بخار میں مبتلا ہوئے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تکلیف کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ چاہو تو میں دعا مانگوں اور تمھیں شفا ہو جائے چاہو تو تمھاری اس تکلیف (بخار) سے گناہوں کا کفارہ ہو انھوں نے عرض کی ایسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! انھوں نے عرض کی تو پھر اسے رہنے دیجئے۔

ازالۂ بخار کی دُعا بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے تو بہ حد سے زیادہ وبائی علاقہ تھا اس کی (وبائی) بخار کی زد میں بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا آئیں انھیں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں کیا ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بخار ہے یہ کہہ کر بخار کو گالی دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے گالی مت دے یہ تو فرمانِ الٰہی کا پابند ہے ہاں اگر چاہو میں تمھیں چند ایسی دعائیں بتاؤں جسے پڑھو تو بخار ٹل جائے گا۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی تو بتائیے۔ آپ نے یہ دعا بتائی:

اللھم ارحم جلدی الرقیق وعظمی الدقیق	اے اللہ! میرے رقیق چمڑے اور دقیق ہڈیوں پر رحم فرما کہ
من شدۃ الحریق یا ام ملدم ان کنت اٰمنت	وہ جلانے والی شے کی شدت میں ہیں اور اے اُم ملدم اگر
باللہ العظیم فلا تصدعی الراس ولا تنتنی	تجھے اللہ عظیم پر ایمان ہے تو میرے سر کو درد نہ دے نہ ہی

ف[۱]: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اختیار ملاحظہ ہو کہ بخار پر بھی حکومت ہے اور وہ آپ کے حکم کے تابع کہ مدینہ طیبہ سے نکل کر قبا چلا گیا۔

ف[۲]: حضور علیہ السلام کا اختیار ملاحظہ ہو کہ فرمایا چاہو تو تم سے بخار بھاگ جائے ... الخ (اویسی غفرلہ)

اللھم ولا تاکلی اللحم ولا تشربی الدم — میرے منہ میں بدبو پیدا کر اور نہ ہی میرا گوشت اور نہ میرا خون پی
وتحولی عنی الی من اتخذ مع اللہ الٰہا اٰخر۔ — اور میرے سے دفع ہو کر اس کے پاس چلی جا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتا ہے۔

بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے یہ پڑھا تو آپ کو شفا ہو گئی۔ (کذا فی انسان العیون)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اور جب ان پر پڑھی جاتی ہیں۔ اٰیٰتُنَا ہماری قرآنی آیات۔ بَیِّنٰتٍ۔ واضحات الاعجاز والمعانی اور یہ حال موکدہ ہے کیونکہ آیاتِ الٰہی کو وضوح لازم ہے۔ قَالَ کہتے ہیں۔ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ وہ جو کافر ہیں جیسے نضر بن الحارث اور اس کے ساتھی۔ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اہل ایمان کے لیے یعنے اہل ایمان فقراء کو۔ لام، تبلیغ کی ہے جیسے قول باری تعالٰے ہے: وقال لھم بیتھم، میں ہے۔ یا لام اجل کی ہے یعنے ان کے لیے ان کے حق میں۔ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ۔ کونسے دو فریق میں سے یعنے مؤمنین و کافرین میں سے گویا انھوں نے کہا کہ ہم میں سے کون بہتر ہے۔ خَیْرٌ ہم بہتر ہیں یا تم۔ مَّقَامًا۔ مکان و مسکن کے لحاظ سے یعنے ہماری منازل بہترین ہیں اور ہمیں معیشت کے تمام اسباب میسّر ہیں۔ وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا○ اور ہم مجلس اور اجتماع کے اعتبار سے احسن ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ندیؔ اس مجلس کو کہتے ہیں جو قوم کے لیڈر اور معززین اور اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہو یعنے ہماری مجلس میں قریش کے بڑے بڑے لیڈر اور عرب کے جملہ سردار ہوتے ہیں اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تمام غلام اور ضعفاء ہوتے ہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ آپ اپنے بالوں کو تیل سے سنوارتے اور کنگھا کرتے اور خوشبو لگاتے اور بہترین لباس پہنتے جب آیات قرآنی سنتے اور ان کے جواب سے عاجز ہوتے تو پھر فقراء مومنین کو اپنے حظوظ دنیویہ دکھا کر فخریہ طور پر کہتے کہ اگر تم حق پر اور ہم باطل پر ہوتے تو تمھارا حال ہم سے اچھا ہوتا کیونکہ مالک اپنے دوستوں کو عذاب اور ذلت میں مبتلا نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے دشمنوں کو عزت و راحت دیتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ ایسے کہنے سے یہ غریب لوگ ہیں، دینِ حق سے پھر جائیں گے تو اللہ تعالٰے نے ان کے رد میں فرمایا۔

وَکَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْنٍ۔ کم اھلکنا کا مفعول ہے اور من قرن اس کے ابہام کا بیان ہے۔ ہر اہل عصر اپنے مابعد والوں کے لیے قرن ہوتا ہے کیونکہ ان مابعد والوں سے پہلے ہوتا ہے اور یہ قرن الدابۃ سے ہے بمعنے جانور کا اگلا حصہ۔

ف: کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ قرن اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں مجتمع ہوں گویا انھوں نے اقتران سے ماخوذ فرمایا ہے۔ ھُمْ اَحْسَنُ۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ نصحم کی صفت ہے۔ اَثَاثًا۔ یہ نسبۃ سے تمیز ہے۔ گھر کے سامان کو اثاث کہا جاتا ہے یعنے گھر کے ساز و سامان کے لحاظ سے جو کہ منازل ابدان کی آرائش ہے، میں کون احسن ہے۔ وَّرِءْیًا○ یہ رؤیۃ کا فعل ہے یعنے جسے کام کے وقت دیکھا جاتے جیسے چکی کو آٹا پیستے وقت۔

اب اے قریش عرب باتم خود سوچو کہ انھیں ہم نے مختلف عذاب میں تباہ و برباد کیا۔ اگر یہ دنیوی اسباب کرامت کی علامت ہے تو پھر وہ لوگ کیوں تباہ و برباد ہوتے۔

ف: اس میں تہدید و وعید ہے جیسا کہ مخفی نہیں گویا انھیں کہا گیا ذرا ان کو بھی دیکھ لو کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ نہ انھیں مال و اسباب نے ہلاکت سے بچایا اور نہ ہی ان کے حسن و جمال نے عذاب سے بچایا۔

مصرعہ

بر مال و جمال خویشتن تکیہ مکن
کانرا بشبے برند و آنرا بہ تبی

ترجمہ: اپنے مال و جمال پر سہارا نہ کر۔ اس لیے کہ مال رات ورات نکل جائے گا اور حسن و جمال بھی چند روز بعد ختم ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ انکار اور اہلِ عزت کی طرف اشارہ ہے۔ و اذا تتلیٰ علیھم اٰیٰتنا بینٰت۔ اور جب انھیں آیات بینات یعنے حقائق و اسرار سنائے جاتے ہیں۔ قال الذین کفروا وہ لوگ جنھوں نے انکار و استہزار کر کے حق کو چھپایا۔ للذین اٰمنوا۔ اہلِ تحقیق کو کہتے ہیں جب انھیں راضی برضاء اللہ اور اپنے نفوس سے جہاد کرنے والے اور متحمل مزاج اور متواضع و خاشع و خاضع اور منکسر الحال اور اپنے آپ کو متمول و متنعم و متکبر اور شہوات نفسانیہ کے پیچھے پڑنے والے ہنسی مذاق میں مشغول اور خوشحال دیکھتے تو کہتے ہیں۔ ای الفریقین، ہم اور تم میں سے خیر مقاما، دنیا کے مراتب و منازل کے لحاظ اور لوگوں میں وجیہ ہونے کے اور معیشت میں وسعت کے اعتبار سے۔ و احسن ندیا اور مجلس و منصب و حکما کے لحاظ سے احسن اور بہتر کون ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا: وکم اھلکنا قبلھم من قرن اور کئی گروہ ایسے گذرے ہیں جنھیں ہم نے تباہ و برباد کیا۔ جب انھیں دیکھا کہ وہ بحر شہوات میں غرق ہیں اور خواہشات کے پورا کرنے میں منہمک ہیں اور عزت کے حصول میں حیران و سرگرداں ہیں۔ ھم احسن اثاثا و رءیا۔ کمالات دینیہ کی استعداد و استحقاق میں وہ تمھارے سے بہتر تھے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو تم میں سے جاہلیت میں اچھے تھے وہی اسلام میں اچھے ہوں گے جب دین کو سمجھیں گے

تفسیر عالمانہ قُلْ۔ مال و منال پر فخر کرنے والوں سے فرمائیے۔ مَنْ۔ شرطیہ ہے بمعنے جو کوئی۔ كَانَ ہو۔ فِي الضَّلٰلَةِ گمراہی میں یعنے راہِ حق سے دوری میں یعنے وہ جہل میں ڈوبا ہوا اور عواقب امور سے بالکل غافل ہے۔ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۝ تو اسے اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا اور لمبی عمر کر کے مہلت دیتا اور مال و تمکین اور تصرفات دنیویہ دے کر آزماتا ہے۔

صیغہ امر لانے میں اشارہ ہے کہ اس ذات کے لیے ایسے چاہیئے جب اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے تاکہ قیامت

کے دن یہ لوگ عذر نہ کر سکیں یا مہلت دینا اور گمراہی میں منہمک ہونا ان لوگوں کے لیے ہے جو معاصی و مآثم ڈٹے رہے ورنہ بہت سے گمراہ ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں ہدایت کی راہ مل جاتی ہے۔

نکتہ: الرحمٰن کی صفت لاکر اشارہ کیا گیا ہے کہ کافر کو مہلت دینا بھی رحمتِ دنیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: میرے شیخ اور پیر و مرشد نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا ہے کہ فلیمد د بمعنے استدراج ہے یعنے وہ رحمٰن انھیں مہلت دیتا اور ان کی عمر بڑھاتا ہے اور انھیں مال کی وسعت بخشتا ہے اولاد بکثرت عطا فرماتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ رحمٰن گمراہی و طغیان پر انھیں مہلت دیتا ہے اور احسان و کرم کر کے ان پر نعمتوں کا دروازہ کھول دیتا ہے یہاں تک کہ وہ بتدریج عذاب کا مستحق بن جاتا ہے اور اس کے لیے عذاب بعجلت نہیں بھیجتا تاکہ عذاب انھیں مکمل و اشمل اور درد و اثر کے لحاظ سے سخت رہے کیونکہ کسی کی گرفت تدریجاً اتنا سخت نہیں جو بعجلت ہو ایسے نعمت چھیننا اتنا سخت نہیں جتنا دکھ درد میں مبتلا ہونے میں ہے علاوہ ازیں ڈھیل دینا صفتِ رحمٰن سے منسوب ہے قہار و جبار سے نہیں کیونکہ قہار و جبار میں شدت ہے۔ یہ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ اسے لفظ رحمٰن سے ذکر کرنے میں بھی عذاب کی سختی کچھ کم نہیں ہوتی کیونکہ جب انھیں اس کی رحمت و نعمت کا تصور تھا تو اس کے بجائے زحمت اور درد ملا تو ان کے دل پر گہرا اثر ہوا اور یہی عذاب سخت تر ہے بہ نسبت اس کے جو اس کے برعکس ہو۔ خلاصہ یہ کہ مد مذکور یعنے جس ڈھیل کا ذکر ابھی گذرا اس کا اسناد صرف صفت رحمٰن سے موزوں ہے اس لیے کہ وہی اس کا اصل و منشا ہے۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ۔ یہ غایۃ مد ممتد کے لیے ہے اور دونوں فعلوں میں ضمیر جمع بوجہ معنیٰ من کے ہے جیسے پہلے دو صیغے مفرد لائے گئے تو لفظ من کی وجہ سے (یہ اس لیے کہ من لفظاً مفرد اور معنیً جمع ہے) یعنے یہاں تک جب وہ شے دیکھیں گے جس سے وہ دنیا میں ڈرائے جاتے تھے۔ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ یہ مایوعدون کی علی سبیل البدل تفصیل ہے عذاب سے یا دنیوی عذاب مراد ہے جیسا کہ ان پر مسلمانوں کا غلبہ اور انھیں طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا رکھنا مثلاً قتل کر دینا یا قیدی بنانا وغیرہ وغیرہ یا آخرت کا عذاب مراد ہے جیسا کہ انھیں قیامت میں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہوگا یہ علےٰ سبیل منع الخلو کے قبیل سے ہے کیونکہ قیامت کے عذاب سے انھیں کسی طرح سے چھٹکارا نہیں۔

ف: امام فخر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی بدبخت کافر کو بفرض محال اتنی مہلت نصیب ہو کہ بہت دیر بعد اسے دنیوی عذاب نہ سہی ——— آخرت کے عذاب میں تو ضرور مبتلا ہوگا اسے دیگر دنیوی عذاب نہ سہی یہ کچھ کم ہے کہ آخرت کے عذاب سے اسے اس کا مال و منال فائدہ نہ پہنچا سکا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَسَيَعْلَمُوْنَ۔ یہ شرط کا جواب ہے اور وہ جملہ جو حتیٰ کے بعد واقع ہے محکیہ ہے کیونکہ یہ حتیٰ وہ ہے کہ جس کے بعد والا جملہ کسی واقعہ کی حکایت کرتا ہے اسی لیے یہ جملہ شرطیہ کے بعد واقع ہوا ہے۔ یعنے یہاں تک کہ وہ عذاب دنیوی یا اُخروی کو دیکھیں گے جب کہ اس سے انھیں دنیا میں ڈرایا جاتا تھا تو انھیں معلوم ہوگا۔ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا کہ ان دونوں گروہوں میں سے

آج مراتب میں بدترین کون ہے جب آنکھوں سے دیکھیں گے کہ معاملہ برعکس ہے جیسا کہ انھوں نے سمجھ رکھا تھا کہ صرف وہی باعزت ہیں اور اہل ایمان ذلیل وخوار (معاذاللہ) لیکن حال یہ ہوگا کہ وہ خود بہت بڑے ذلیل وخوار ہوں گے اور اہل ایمان بہت بڑے ذی اقتدار۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا ہے کہ انھیں اب معلوم ہوگا کہ ان دوگروہوں میں سے بدترین مکانوں والے کون ہیں اور بہترین منازل والے کون۔ اس لیے کہ اس وقت اہل ایمان بہشت کے اعلےٰ درجات میں ہوں گے اور کفار جہنم کے بدترین درکات میں۔

ے

افتخار از رنگ وبو و از مکان
ہست شادی و فریب کودکان

ترجمہ: مکان اور خوشبو اور رنگ وغیرہ سے بچوں کو خوشی اور غلط فہمی ہوتی ہے۔

نکتہ: بحرالعلوم میں ہے کہ سرارت کو مکان کی طرف منسوب کرنے کا اشارہ ہے کہ اس کے مکین شریرترین ہوں گے کیونکہ قاعدہ ہے کہ مکان کی شرارت کے اثبات سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا مکین شریرترین ہے جیسے اہل عرب کا مقولہ مشہور ہے:

"المجد فی ثوبیہ والکرم فی بردیہ"

بزرگی اس کے کپڑوں میں اور جود وسخا اس کی چادروں میں ہے۔

وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ○ اور کمزور لشکر اور مددگار کی کمی والا کون ہے جیسا کہ وہ دعوےٰ کرتے تھے کہ ہم بڑے لشکر والے اور ہمارے معین و مددگار بے شمار ہیں لیکن یہاں تو ان کو سونگھنے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

ف: تفسیر الجلالین میں ہے کہ جب اہل اسلام نے کافروں کو قتل کیا اور کفار پر غلبہ پاگئے اب ان کی آنکھ کھلی کہ ان کا حال پتلا اور ان کے مددگار ہیں نہیں اور وہ بالکل کمزور اور ضعیف ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی حمایتی ہے جو ان کی مدد کرے اور نہ ہی اللہ کے ماسوا ان کی مدد کرنے والا ہے۔

شانِ نزول: کافروں کا خیال تھا کہ ان کے حمایتی اور مددگار بے شمار ہیں بلکہ معززین اور اہل ثروت لوگ ان کی انگلیوں کے اشاروں پر چلتے ہیں اور اپنی اس قوت و طاقت پر مجالس و محافل میں اس دعوےٰ کو بہت بڑے فخر و ناز سے بیان کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۔

ربط: یہ جملہ مستانفہ اور ہدایت یاب لوگوں کا حال بتانا مطلوب ہے جب کہ اس سے پہلے گمراہوں کا حال مذکور ہوا۔ یعنے اللہ تعالےٰ اہل ایمان کو ایمان وعمل صالح اور یقین و رشد میں بڑھاتا ہے جیسے گمراہوں کو گمراہی میں بڑھایا۔

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ ۔ یہ جملہ مستانفہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے وارد ہے۔ ہدایت والوں کے اعمال صالحہ کی فضیلت بیان کرنا مطلوب ہے اسے ماقبل اور کلام لاحق سے کوئی خصوصی تعلق نہیں یعنے باقیات صالحات بہتر ہیں۔ عِنْدَ

رَبِّكَ ثَوَابًا تیرے رب تعالیٰ کے ہاں ثواب کے اعتبار سے۔ ثواب سے جزا مراد ہے کیونکہ اس کا نفع جزا والے کی طرف عود کرتا ہے اور یہ اثابۃ یا تثویب کا اسم ہے یعنے وہ اعمال جن کا فائدہ باقی رہے گا وہ تمہارے رب کے ہاں بہتر ہیں کفار کے مفاخرات اور دنیوی حظوظ سے۔ وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا اور وہ عاقبت اور انجام کے لحاظ سے اچھے ہیں کیونکہ اعمالِ صالحہ کا مال رضائے الٰہی اور نعمت دائمی ہے اور کفار کے حظوظ و مفاخرت کا مال غضب الٰہی اور عذاب دائمی ہے۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ کافر اگرچہ دنیا میں صاحب مال و منال ہو لیکن آخرت میں سخت ذلیل و خوار ہوگا۔ اور مومن دنیا میں ہدایت یافتہ ہے اور حمایت الٰہی بھی اسے حاصل ہے اور آخرت میں ثواب پائے گا اور انجام بھی بہتر۔

ع

بدنیا سرفراز و نام دارند
بعقبیٰ کامدار و کامگارند

ترجمہ: دنیا میں بھی سرفراز اور نام والے ہیں آخرت میں بھی بامراد اور مقصد پانے والے ہوں گے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ وہ ضرر قلیل جو چند روز کے بعد ختم ہو جائے لیکن اس کے بدلے میں منافع کثیر اور غیر متناہی نصیب ہو جیسے مؤمن کا حال ہے اس کے برعکس معاملہ سے بہتر ہے جیسے کافر کا حال ہے اسے دنیا میں مال و منال اور جاہ و جلال کا ملنا اس کی فضیلت اور بزرگی نہیں جیسے مؤمن کا ان امور سے خالی ہونا اس کا نقص یا عیب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے کہ اسے اس تکلیف اور دکھ کا صلہ بہت اعلیٰ اور اچھا عطا فرمائے گا۔

باقیات صالحات کیا ہے

ویسے ہر نیک عمل جو آخرت کے فائدہ کے لیے کیا جائے وہی باقیات صالحات ہے ان میں سے ایک کلمہ طیبہ بھی ہے۔ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور سوکھی لکڑی ہاتھ میں لے کر اس کے تمام پتے جھاڑ دیتے اور فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر اور سبحان اللہ اور الحمد للہ گناہوں کو ایسے جھاڑتے ہیں جیسے درخت سے پتوں کو ہوا۔ اے ابوالدرداء! ان کلمات کو خوب پڑھا کرو۔ قبل اس کے کہ تیرے اور ان کے مابین (موت) حائل ہو، یہی باقیات صالحات ہیں اور یہی جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

باقیات صالحات یہی اعمالِ صالحہ ہیں جو ان واردات الٰہیہ کا نتیجہ ہیں جو منجانب اللہ اہل غیوب پر وارد ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو عمل صالح انسان کی طبع نفسانی کے نتائج سے ہو وہ باقیات صالحات نہیں جیسا کہ ماعندکم ینفد وما عنداللہ باق سے معلوم ہوتا ہے۔

سبق

عاقل پر لازم ہے کہ وہ نفس کی اصلاح اور اس کے تزکیہ کی جد وجہد کرے تاکہ اعمال باقیہ و احوال فاضلہ پیدا ہوں اور ایسی نسل حاصل ہو جو عقیم نہ ہو اور نکاح نصیب ہو جس سے ان گنت بہترین نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ

اس میں مضبوط تر بنائے (آمین)

تفسیر عالمانہ اَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا :

شانِ نزول : یہ آیت اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جس نے قیامت کے بارے میں مذاق کیا وہ عاص بن وائل تھا۔ اس نے حضرت خباب بن ررت رضی اللہ عنہ کا قرضہ دینا تھا۔ آپ نے اس سے مانگا تو اس نے کہا کہ میں قرض اس وقت دوں گا جب تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کفر کرے گا۔ آپ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا نہ زندگی میں نہ مرنے کے وقت اور نہ مر کر اٹھنے کے بعد۔ اس نے کہا کہ تو پھر جب مرنے کے بعد اٹھو، میرے پاس آجانا میرے پاس مال و اولاد ہو گی تجھے قرض دے دوں گا۔

ہمزہ تعجب کا ہے اس کے حال سے تعجب کے طور پر کہا گیا ہے اور فاء عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے دراصل عبارت یوں تھی :

انظرت فرأيت الذى ... الخ (دیکھئے اسے جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے۔ منجملہ اس کے قیامت میں اٹھنا ہے)۔

وَقَالَ اور اس کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھا کر کہا۔ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ وادلاء۔ تو اے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم! اس کے حال پر تعجب کیجئے کہ کیسی غلط گفتگو کرتا اور بے جا جرأت کرتا ہے۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ ۔ ہمزہ استفہامیہ ہے۔ یہ دراصل أاطلع تھا۔ یہ اطلع ۔ الجبل سے ہے۔ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائے۔ طلع الثنية اس کا اصل مادہ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا وہ اس شان کو پہنچ گیا ہے کہ اسے وہ علم غیب مل گیا ہے جو علیم و خبیر کا خاصہ ہے یہاں تک دعویٰ کرتا ہے کہ اسے قیامت میں مال و اولاد دیئے جائیں گے اور پھر اس پر قسم بھی کھا ڈالی۔ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ کیا اس بارے میں عالم غیب، رحمٰن، سے کوئی معاہدہ لیا ہے کیونکہ اس مرتبہ کو دو باتوں سے حاصل کیا جاتا ہے :

(۱) علم غیب سے

(۲) عالم غیب سے معاہدہ کر کے۔

ف : بعض نے کہا ہے کہ یہاں عہد سے کلمۂ شہادت و عمل صالح مراد ہے کیونکہ عمل صالحہ پر ثواب کا وعدہ پختہ ہے۔

كَلَّا ہرگز نہیں جو کچھ وہ کہہ رہا ہے سراسر غلط ہے۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ہم اسے کہہ رہے ہیں جو آپ کو عنقریب اس کے کذب و کفر و استہزاء کا حال معلوم ہو جائے گا جس پر ہم اسے سزا دیں گے۔ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ اسے اس کے دعوے مال و اولاد دیئے جانے کے بجائے ہم اسے لمبا چوڑا عذاب دیں گے جس کا وہ مستحق ہے۔

وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ . اور اس کے مرنے پر جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے بجائے ہم اسے عذاب دیں گے یعنے وہ مال و اولاد کی امید رکھتا ہے حالانکہ ہم اسے سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔

ف: اس میں تنبیہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے یہ اس کا محض گمان ہے بلکہ مرنے پر یہ مال و اولاد اس سے چھن جائے گا اور مرے گا تو سیدھا جہنم جائے گا۔ یہی اس کی سزا ہے۔ (کذافی الارشاد)

ف: العیون میں فرمایا ہے کہ مانرثہ کی ضمیر سے بدل الاشتمال ہے یعنے اسے ہم تباہ و برباد کر کے اس مال و اولاد کا وارث اوروں کو بنائیں گے۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالے نے لکھا ہے کہ اس کی اولاد و مال کو اس کے مرنے کے بعد میراث بنائیں گے۔

وَيَأْتِيْنَا اور قیامت میں ہمارے ہاں آئے گا۔ فَرْدًا ○ اکیلا۔ تنہا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ ہوگا نہ مال نہ اولاد یعنی اس کا تمام اثاثہ دنیا میں رہ جائے گا وہاں اکیلا حاضر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل غرور متکبرانہ خیال میں دعوٰے کرتے ہیں کہ انہیں دنیا میں مال و اولاد اور آخرت میں بڑے درجات ملیں گے اور اہل تجرید پر طنز کرتے ہیں کہ وہ بے چارے دنیوی اسباب سے محروم اور عورتوں اور اولاد کی لذتوں سے فارغ ہیں حالانکہ وہ اہل غرور یہ نہیں جانتے کہ وہ ان اقوال سے عذاب بُعد میں جا رہے ہیں کیونکہ جو کچھ کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت کہ بشکنند بہ از صد عبادتست

ترجمہ: غرور کا بت توڑ دے اس لیے عشاق کے دین میں ایک بت توڑنا صد عبادت سے بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاتَّخَذُوْا . مشرکین قریش نے بنایا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً اللہ کے سوا بتوں کو معبود۔ لِيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ○ تاکہ ہوں وہ بت ان کے لیے موجب قوت و طاقت یعنے اللہ تعالے کے حضور میں قریب کرنے والے سفارشی اور مددگار اور وہ ان کی وجہ سے عذاب الٰہی سے نجات پا جائیں گے۔

ف: کسی بزرگ نے فرمایا کہ جس عزت کو تو چاہتا ہے اسے تو ذلت میں مانگتا ہے کیونکہ تو اسے مخلوق سے مانگ رہا ہے اگر تو عزت چاہتا تو تُو حق تعالے سے مانگتا اور اس کا ذکر کرتا اس کی رضا کا طالب ہوتا کیونکہ ہر شے اسی سے ملتی ہے اگر اسی طرح کرے گا تو تُو دنیا و آخرت میں عزیز ہوگا۔

كَلَّا ط ہرگز نہیں یہ ان کا غلط خیال ہے۔ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ عنقریب کفار اپنے بتوں کی عبادت

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۵۵ پر)

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ

کیا تم نے نہ دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطان بھیجے کہ وہ انہیں خوب اچھالتے ہیں تو تم ان پر جلدی نہ کرو

عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوْقُ

ہم تو ان کی گنتی پوری کرتے ہیں جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنم کی

الْمُجْرِمِيْنَ إِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

طرف ہانکیں گے پیاسے لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنھوں نے رحمٰن کے پاس قرار رکھا

عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

ہے اور کافر بولے رحمٰن نے اولاد اختیار کی بے شک تم حد کی بھاری بات لائے قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا

اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں ڈھ کر اس پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد بتائی اور رحمٰن

يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا اٰتِي

کے لائق نہیں کہ اولاد اختیار کرے آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر

الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾

ہوں گے بے شک وہ ان کا شمار جانتا ہے اور ان کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اور ان میں ہر ایک روز قیامت اس کے حضور اکیلا حاضر ہوگا

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ

بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا تو ہم نے یہ قرآن تمہاری

بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا

زبان میں یونہی آسان فرمایا کہ تم اس سے ڈر والوں کو خوشخبری دو اور جھگڑالو لوگوں کو اس سے ڈر سناؤ اور ہم نے ان سے پہلے

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۭ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ

کتنی سنگتیں کھپائیں کیا تم ان میں کسی کو دیکھتے ہو یا ان کی بھنک

لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

سنتے ہو

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

سے انکار کریں گے جب اس کا برا انجام دیکھیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ بتوں کی عبادت تو کچھ نہیں۔ وَيَكُوْنُوْنَ ضِدًّا ۝ اور ہو جائیں گے اپنے بتوں کے دشمنوں اور ان کے ساتھ کفر کرنے والے حالانکہ پہلے وہ ان سے ایسی محبت کرتے تھے جیسے اللہ سے محبت کی جاتی ہے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔

ف : تفسیر الجلالین میں ہے کہ وہ بت ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے کیونکہ وہ جماد محض تھے انھیں معلوم نہ تھا کہ کوئی ان کی عبادت کرتا ہے یا کیونکر اور وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے کیونکر قیامت میں اللہ تعالٰے انھیں بولنے کی طاقت دے گا اور عقل عطا فرمائے گا وہ خود اپنے پرستاروں کے لیے کہیں گے یا اللہ ہمارے پرستاروں کو عذاب دے جب کہ انھوں نے میرے ماسوا کی پرستش کی تھی۔ اس معنے پر یہ ضمائر ان کے بتوں کی طرف راجع ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ کیا تونے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطانوں کو مسلط کیا ہے بوجہ ان کے اپنے برے اختیار کے درآنحالیکہ وہ شیاطین تَؤُزُّهُمْ اَزًّا انھیں گناہوں پر برانگیختہ کرتے ہیں وساوس ڈال کر اور گناہوں کو سنگار اور سنوار کر کے۔ از۔ ھز۔ استفزاز کا معنے ایک ہی ہے یعنے شدۃ الازعاج یعنے سخت ابھارنا۔

ف : العیون میں ہے کہ الاز دراصل الحرکۃ مع الصوت المتصل کو کہا جاتا ہے۔ ازیز القدر سے ہے اور ان کی گمراہی میں انہماک اور طغیان کے اشتیاق اور عناد میں افراط پر تعجب دلانا مراد ہے اور بتانا ہے کہ اب حق واضح ہو چکا ہے۔ فلہٰذا اس پر ڈٹ جانا چاہیئے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ جو کچھ کفر و معاصی صادر ہو رہے ہیں۔ یہ تمام شیطان کے اضلال و اغوا سے ہے۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ تو ان پر عجلت نہ کیجئے کہ وہ ہلاک اور برباد ہو جائیں جیسے ان کے گناہوں اور غلط کاریوں کا تقاضا ہے تاکہ آپ اور جملہ اہل ایمان ان کے شرور سے نجات پائیں اور زمین ان کے فسادات سے محفوظ ہو جائے۔

شان نزول : عجلت علیہ یعنے استعجلتہ منہ ہے۔

اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ بے شک ہم ان کے آجال کے ایام گن رہے ہیں۔ عَدًّا ۝ پوری گنتی۔ فلہٰذا ان کی تباہی و بربادی نہ کیجئے اس لیے کہ اب ان کی زندگی کے دن بہت تھوڑے اور چند گنتی کے سانس رہ گئے ہیں۔ پھر اللہ تعالٰے انھیں پوری پوری سزا دے گا۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما جب یہی آیت پڑھتے تو خوب روتے اور فرماتے کہ آخر العدد پر ہماری روح پرواز کرے گی۔ آخر عدد پر ہم اپنے اہل سے جدا ہوں گے آخری عدد پر ہم قبر میں داخل ہوں گے۔

ابن السماک رحمہ اللہ تعالٰے نے مامون کے سامنے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ جس کی زندگی کے لمحات چند گنتی کے ہوں اسے کسی کی مدد کیا فائدہ دے گی اور وہ لمحات تو جلد تر ختم ہونے والے ہیں۔

اعرابی نے کہا ہے کہ اس زندگی پہ خوشی کیسی جس کے گنتی کے ایام ہوں اور ایسے بدن کی سلامتی کی کیا امید جس کے پیچھے آفات و بلیات ہوں۔

ف: علامہ زمخشری نے لکھا کہ اجل کی مہلت سے ان نفوس کو غنیمت سمجھ انہی لمحات میں عمل کی کوشش کیجئے عذرات رہنے دیجئے اور حیلے واسباب چھوڑیئے کیونکہ تجھے محدود وقت دیا گیا ہے اور زندگی کے چند لمحات ہیں۔

حکایت: جب منصور پر موت طاری ہوئی تو کہہ رہا تھا کہ ہم نے آخرت کو چند لمحات کے ساتھ بیچ دیا۔

ف: جو اپنے سانس کی نگرانی کرتا ہے تو اسے باقی ساعات کی محافظت مشکل نہیں ایسے ہی جس کا وقت ضائع ہو رہا ہے وہ سانس کی کیا قدر کرتا ہے جو اوقات کی پابندی نہیں کرتا وہ ایام کی کب نگرانی کر سکتا ہے جس کو صرف جمعہ یاد ہے وہ باقی ایام کا کیا کرے گا جس کے مہینے آوارگی میں گذر رہے ہیں وہ ہفتوں کی قدر و قیمت کیا سمجھے گا جس کی اپنی زندگی کی قدر نہیں وہ سال ضائع کرے گا جس نے عمر گنوائی اسے وقت کی کیا قدر ہو گی۔

ع على نفسه فليبك من ضاع عمره

ترجمہ: وہ اپنے اوپر روئے جس نے عمر ضائع کی۔

وقت کی درازی اور کمی صاحب وقت پر منحصر ہے کسی کو ایک گھڑی نصیب ہوتی ہے کسی کو پورا دن کسی کو پورا ہفتہ کسی کو کامل مہینہ کسی کو مکمل سال کسی کو زندگی میں ایک بار کسی کو بار بار۔ کسی کو بوجہ غلبہ بہیمیت و استغراق در بحرِ شہوات کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ہر دم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل
میرود گنج چنین ہر لحظ برباد آخ آخ

ترجمہ: زندگی کا ہر لمحہ بے بدل خزینہ ہے افسوس کہ ہر لحظہ ایسا خزانہ ضائع جا رہا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
روزیکہ رخت جان بجہان دگر کشیم

ترجمہ: ہمیں زندگی میں کوئی نیک کام کرنا چاہیئے ورنہ شرمساری ہو گی جب اس جہان سے دوسرے جہان کی طرف سفر کریں گے۔

تفسیر عالمانہ: يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ اے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو ترغیب و ترہیب کے طور پر وہ دن یاد دلایئے جس دن ہم اہل تقویٰ اور اہل طاعت کو جمع کریں گے۔ إِلَى الرَّحْمٰنِ ان کے رب تعالےٰ کی طرف جو انہیں اپنی رحمۃ واسعہ میں ڈھانپتا ہے درانحالیکہ وَفْدًا ٹولیاں بن کر حاضری دیں گے جیسے بادشاہوں کے انعام و اکرام کے منتظرین ان کے ہاں ٹولیاں بنا کر آتے ہیں۔ الوافد ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو خیر و بھلائی لاتے۔

حل لغات: التہذیب میں ہے کہ الوفد و الوفادۃ بمعنے کسی ضرورت کے لیے امیر و حاکم کے نزدیک ہونا۔

القاموس میں ہے کہ وفد الیہ بھی آتا ہے اور وفد علیہ بھی بمعنے قدم وورد۔ اور اس کی جمع وفود بھی آتی ہے وفد بھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وفد المتقین کے لیے حضرت رحمانیۃ کی طرف جمع ہونے کے لیے حشر کا دن اس لیے مقرر ہوا کہ رحمانیت صفات لطف سے اس کی ایک صفت ہے اور جود وانعام وفضل وکرم وتقریب ومواہب اس کی شان ہے۔ اور رحمت اگر ذات کی صفات سے ہو تو اس کا معنی ہوتا ؛ ایصال خیر و دفع شر کا ارادہ کرنا۔ اگر فعل صفات سے ہو تو بمعنے ایصال الخیر ودفع الشر۔ (کذا فی بحر العلوم)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ بخدا المتقین قیامت میں اللہ تعالٰے کے ہاں پیدل چل کر نہ جائیں گے بلکہ اونٹنیوں پر سوار ہوں گے جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے یا بہترین گھوڑوں پر جن کی زین یاقوت کی اور لگام زبرجد کی ہوگی اسی طرح ان کو بہشت تک لایا جائے گا یہاں تک کہ بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ تعالٰے نے لکھا ہے کہ وفدا کا معنے یہ ہے کہ بہشت کی اونٹنیوں پر سوار ہو کر جائیں گے یعنے انھیں بہشت کی اونٹنیوں پر سوار کر کے لایا جائے گا جیسے اعزازاً بادشاہوں کے ہاں شاہی مہمانوں کو لایا جاتا ہے۔

ف : امام قشیری رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ ان میں سے بعض عبادات وطاعات کے گھوڑوں پر اور بعض ہمم ونیات کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے وہ لوگ جو عبادات وطاعات کے گھوڑوں پر سوار ہوں گے وہ بہشت کے طالب ہوں گے انھیں بہشت کے باغات میں لایا جائے گا اور جو ہمم ونیات کی اونٹنیوں پر ہوں گے وہ طالبان حق ہوں گے انھیں قرب رحمت کی طرف لایا جائے گا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ طالبان جناں کون اور مشتاقان رحمٰن کون۔

حکایت ممشاد دینوری رحمہ اللہ تعالٰے پر نزع طاری ہوئی ایک درویش حاضر ہو کر دعا کرنے لگا کہ اے اللہ تعالٰے ! اس پر رحمت فرما اور اسے بہشت میں جگہ دے۔ آپ نے فرمایا ؛ اے بندۂ خدا یہ کیا کہہ رہا ہے ؟ تیس سال ہوئے مجھے بہشت اور حور وقصور پیش کیے جا رہے ہیں میں انھیں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ رہا اب میں تو قرب خاص میں بھیجا جا رہا ہوں اور تو میرے لیے بہشت ورحمت مانگ رہا ہے، ایسی دعا مانگ کہ زحمت نہ اٹھا سے

باغ فردوس از برائے دیدنش باید مرا
بے جمالش روضۂ رضواں چہ کار آید

ترجمہ : مجھے باغ فردوس صرف یار کے دیدار کے لیے چاہئیں اگر اس کا جمال یہاں نظر نہ آیا تو رضوان کے باغات میرے لیے بے کار ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اور ہم مجرموں کو جانوروں کی طرح ہانک کرلے جائیں گے۔ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا جہنم کی طرف پیدل اور پیاسے کیونکہ پانی کی طرف شدت پیاس کی وجہ سے آنا پڑتا ہے ویسے (الورد) کا پانی کی طرف آنا حقیقی معنٰے ہے۔

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۔ اور شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھیں گے مگر وہ جس نے رب الرحمٰن سے اِذن لے رکھا ہے۔

شفاعت کی لغوی تحقیق شفاعۃ اگر مصدر مبنی للفاعل ہے اور العہد بمعنی الاذن ہے کیونکہ اہل عرب کہتے ہیں : عهد الامیر الی فلان بکذا (حاکم نے فلاں کو فلاں کام کا اذن بخشا ہے)۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب امیر کسی کو کسی کا حکم فرمائے۔

اب معنی یہ ہوگا کہ کوئی بندہ بھی خواہ کتنا ہی عظیم المرتبہ ہو وہ مجرموں کی شفاعت کا مالک نہ ہوگا، مگر جس نے اللہ تعالےٰ سے اذن لے رکھا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے :

من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ (کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر شفاعت کرے۔)

اگر مصدر مبنی للمفعول ہے اور عہد سے عهد الایمان ہو تو معنی یہ ہوگا کہ مجرموں میں شفاعت اس شخص کی ہوگی جس کو دولت ایمان نصیب ہوگی۔

عہد نامہ کا اسناد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم سے ہر روز صبح و شام کو اللہ تعالےٰ سے اذن لینا نہیں ہو سکتا ہم سب نے عرض کی وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر صبح و شام کو مندرجہ ذیل عہد نامہ[1] پڑھا کرو۔ اور فرمایا کہ اس عہد نامہ پر اللہ تعالےٰ نے مہر خاص فرمائی۔ اور اسے عرش کے نیچے محفوظ کر کے رکھ دیا پھر جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالےٰ کا منادی پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کا اللہ تعالےٰ کے ہاں معاہدہ ہے جب وہ آئیں گے تو انھیں بہشت میں داخلہ کا حکم ہوگا اور وہ بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔

---

[1] : عہد نامہ کی اصل عبارت آگے آئے گی۔

عہد نامہ پڑھنے کا ثبوت مذکورہ بالا روایت تفسیر روح البیان کی جلد پنجم صہ ۳۵۶، ۳۵۷۔ تحت آیت لایملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عهدا، پارہ نمبر ۱۶ سورہ مریم رکوع ۸ میں ہے۔ اور یہ عہد نامہ ہمارے اہلسنت کے مشائخ عظام و علماء کرام اور عوام میں مروج ہے۔ بہت سے خوش قسمت اسے روزانہ بطور ورد پڑھتے ہیں۔ فقیر کے والد گرامی رحمہ اللہ علیہ کا اکثر ورد یہی ہوتا۔ فقیر نے ان سے بچپن میں یہی عہد نامہ یاد کیا تھا بلکہ ہمارے خاندان کے چھوٹے بڑے یہی ورد کرتے ہیں۔ اور ہمارا معمول ہے کہ ہم صاحب قبر کو قبر میں داخل کرتے وقت یہی عہد نامہ باندھ دیتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ بہت بڑے بادشاہ کے حضور میں جا رہا ہے اور اسے ایک اجنبی علاقہ میں جانا ہے اور قاعدہ ہے کہ کوئی کسی کے ہاں اگر خطے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیر عالمانہ: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ اور یہود و نصاریٰ ایسے ہی اہل عرب میں سے وہ لوگ جن کا خیال تھا کہ ملائکہ اللہ تعالےٰ کی لڑکیاں ہیں اور کہا کہ رحمٰن نے اولاد منتخب کر رکھی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے رد میں فرمایا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ؕ الاد و الادة بالکسر بمعنے العجب والامر الفظیع والداهیه المنکر الاد (بالفتح) کی طرح ہے۔ (کذافی القاموس) یعنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جائے تو اس کی وحشت بھی دور ہوتی ہے اور کام بھی بن جاتا ہے ہم اسی نیت سے یہ عہد نامہ ہاتھ میں یا سینہ پر رکھواتے ہیں تاکہ اس کی وحشت دور ہو اور بارگاہ حق کے بھیجے ہوتے فرشتے (منکر و نکیر) کو خط نظر آئے گا تو حساب وکتاب میں تخفیف کریں گے۔

چنانچہ شامی کتاب الجنائز میں ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے ماتھے پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھ دینا۔ چنانچہ لکھا گیا تو نہ صرف منکر و نکیر کے حساب سے تخفیف ہوئی بلکہ اسے بخش بھی دیا گیا۔

مزید تحقیق فقیر (اویسی) کے رسالہ "فیض الحسن فی الکتابۃ علی الکفن المعروف کفنی لکھنا" پڑھیئے۔

عہد نامہ کے فضائل و برکات عام مطبوعہ میں یوں نظر سے گذرے ہیں :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

(۱) رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اس عہد نامے کو تمام عمر میں ایک بار پڑھے، تو وہ بے شک ایمان کے ساتھ جائے اور اس کے بہشتی ہونے کا میں ضامن ہوں۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آدمی کے بدن میں تین ہزار بیماریاں ہیں۔ ایک ہزار بیماریوں کو حکیم جانتے ہیں اور ان کی دوا کرتے ہیں لیکن دو ہزار بیماریوں کی دوا کوئی نہیں جانتا پس جو کوئی اس عہد نامہ کو اپنے پاس رکھے گا، تو اللہ تعالےٰ اسے ان دو ہزار بیماریوں سے محفوظ رکھے گا۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی اس عہد نامے کو اپنے پاس رکھے گا، تو سانپوں اور بچھوؤں سے امن میں رہے گا، اور اس پر جادو کا اثر نہیں ہوگا اور بدگوؤں کی زبان بند ہو جائے گی اور لکھ کر دھو کر دردمند کو پلائے تو شفا پائے۔

(۴) حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی اس عہد نامے کو شفیع لائے اس کی حاجت برآئے اور اُسے مشک و زعفران سے لکھ کر مینہ کے پانی سے دھو کر پی لے، اس کی فہم اور عقل زیادہ ہو اور جو کچھ سنے یاد رکھے اور وہ ہرگز فراموش نہ ہو۔

(۵) حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی

تم نے ایسا کام کیا ہے جو بہت بڑا عجیب وغریب ہے اس لیے کہ الی اور جاء - فَعَلَ کے معنے میں آتا ہے اور ہر دونوں فعل کی طرح متعدی ہوتی ہیں -

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اس عہد نامہ کو پڑھے اور مردوں کو بخشے اس کی قبر مشرق سے مغرب تک پر نور ہو اور اگر اسے مردے کی قبر میں رکھے اس مردے کو سات پیغمبروں کا ثواب ملے گا - اور منکر اور نکیر کا سوال اس پر آسان ہو گا اور اللہ تعالے ایک لاکھ گز داہنے اور چالیس ہزار بائیں اور بیس گز جانب سر اور چالیس ہزار گز پاؤں کی جانب عذاب دور کرے گا اور اس کی قبر اتنی کشادہ ہو کہ آنکھ کام نہ کر سکے ، اور اس عہد نامہ کی اللہ تعالے نے ایک اور صورت بتائی ہے کہ جو قبر میں پاس رکھے اور جب قیامت کو قبر سے اٹھے ، تو یہ فرشتہ بن کر سامنے آئے اور بہشتی حلہ لاکر پہناتے اور براق پر سوار کرے ، پھر اللہ تعالے یوں فرمائے کہ اے مومن ! تیرے ساتھ عہد نامہ ہے تو خوش ہو کہ تو نے اس عہد نامہ کو ہر روز پڑھا ہے . آج میں اس عہد کو وفا کرتا ہوں ، تاج سر پہ رکھ اور بہشتی جامہ پہن اور براق پر سوار ہو اور بلاحساب کتاب بہشت میں جا اور قیامت کے دن اس کا منہ چودھویں رات کے چاند کا سا ہو گا - لوگ یہ دیکھ کر شور مچائیں گے کہ کوئی پیغمبر ہے ، یا کوئی اور بزرگ ہے کہ ایسی بزرگی سے آتا ہے تو اس وقت بہشت کا نگہبان ، فرشتہ ، کہے گا کہ یہ پیغمبر نہیں ہے بلکہ امت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادنٰے غلام ہے ، چونکہ دنیا میں یہ عہد نامہ ساتھ رکھتا تھا . اس لیے یہ اس کا نور وبرکت ہے ، تب وہ لوگ ہاتھ ملیں گے اور کہیں گے کہ افسوس ! کہ اتنی مدت ہم دنیا میں رہے اور اس مکرم ومعظم عہد نامہ سے غافل رہے -

عہد نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو بخشش کرنے والا مہربان ہے

اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ ؕ ھو الرحمن الرحیم اللھم انی اعھد الیك فی ھذہ الحیوۃ الدنیا اشھد ان لا الہ الا انت وحدك لا شریك لك واشھد ان محمدًا عبدك	اے اللہ ! آسمانوں کے پیدا کرنے والے اور زمین کے جاننے والے پوشیدہ اور ظاہر کے وہ بخشش کرنیوالا بڑا مہربان ہے . اے اللہ ! تحقیق میں عہد کرتا ہوں طرف تیری بیچ اس زندگی دنیا کے ساتھ اس کے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں معبود کوئی سوائے تیرے ایک تو نہیں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالٰی نے ترجمہ لکھا ہے کہ تم نے ایسا فعل کیا ہے جو نہایت قبیح اور بے ادبانہ ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ۔ ادؔ کی صفت ہے بمعنے تقرب یعنے قریب ہے کہ یَتَفَطَّرْنَ کہ وہ ایسی بہت بڑی بات کو سن کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ تفطر بمعنے تشقق ہے یعنے شگافتہ شدن تفعل کا اصل بہ تکلف کام کرنا ہے۔ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائے۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ بنو آدم ہر درخت سے ہر وقت منافع حاصل کرتے تھے لیکن جب سے مشرکین نے مذکورہ بالا بات پھیلائی تو زمین سے سیم وتھور پیدا ہوا اور بعض درختوں میں کانٹے۔

وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اور پہاڑ گر جائیں گے۔ ھدا مصدر ہے محذوف کا مؤکد ہے اور وہ الجبال سے حال ہے۔ دراصل عبارت تھد ھدا تھی بمعنے تکسر کسراً یعنے ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

ف: القاموس میں ہے الھد بمعنے الھدم۔ الشدید والکسر الھدود کی طرح۔

اب معنے یہ ہوا کہ بے شک وہ کلمہ مذکورہ ایسا ہولناک ہے کہ اگر وہ کسی کو محسوس ہوتا تو کوئی بھی اس کے بوجھ کو نہ اٹھا سکتا بلکہ سنتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور اس کی خرابی غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے کہ اگر اللہ تعالٰی حلیم نہ ہوتا تو نہ صرف کہنے والے مٹ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

ورسولك فلا تكلني الى نفسي فانك ان تكلني الى نفسي تقربني من الشر وتباعدني من الخير واني لا اثق الا برحمتك فاجعل لي عندك عهدا توفينيه الى يوم القيمة انك لا تخلف الميعاد ۰ وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الرحمين۔

کوئی شریک واسطے تیرے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ صاحب بندے تیرے ہیں اور رسول تیرے پس مت سونپ تو مجھ کو طرف نفس میرے کی پس تحقیق تو اگر سونپے گا مجھ کو طرف نفس میرے کی نزدیک کرے گا وہ مجھ کو طرف برائی کے اور دور کرے گا مجھ کو بھلائی سے اور تحقیق میں نہیں بھروسا کرتا ہوں مگر ساتھ رحمت تیری کے پس کر تو واسطے میرے نزدیک اپنے عہد کو کہ پورا کرے تو اس کو دن قیامت کے تحقیق تو نہیں خلاف کرتا ہے وعدہ! اور رحمت نازل کرے خدا تعالٰی اوپر بہتر مخلوق اپنی کے کہ محمد ہیں اور اولاد ان کی کے اور اوپر دوستوں ان کے سب پر ساتھ رحمت اپنی کے اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے زیادہ مہربان ہے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کر فنا ہو جاتے بلکہ کل عالم کو تباہ و برباد ہو جاتا اور وہ اپنے فضل و کرم سے عذاب نہیں بھیجتا ورنہ جملہ عالم خراب ہو جاتا یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ ایسے بکواسات سننے کے باوجود قائلین پر عذاب نہیں بھیجتا۔

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ اس کا منصوب ہونا لام کے محذوف ہونے کی وجہ سے ہے اور لام کا تعلق تکاد سے ہے یا ان دعو ...الخ مجرور ہے اس کا حرف جارہ محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی :

تکاد السموات الی ان قال لان دعوا ... الخ

دعوا از دعا یدعو ہے بمعنے سمی یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے لیکن یہاں صرف ایک مفعول پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ تمام مدعولھم جیسے عیسےٰ و عزیر و ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام وغیرہم کو شامل ہو کیونکہ اگر صرف ان دعوا عیسٰی تو دوسروں کے لیے عموم نہ رہتا یا دعا بمعنے نسب ہے۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں :

"ادعی الی فلان"

بمعنے انتسب الیہ۔ یعنے فلاں نے اپنے آپ کو فلاں کی طرف منسوب کیا۔

وَمَا يَنْبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد مقرر فرمائے۔ یہ فاعل سے حال ہے۔ وینبغی۔ بغی کا مطاوع ہے بمعنے طلب یعنے ان بدبختوں نے اللہ تعالےٰ کے لیے اولاد کا تو کہہ دیا حالانکہ یہ اس کے شان کے لائق نہیں کہ اپنے لیے اولاد مقرر کرے اگرچہ کوئی ایسے لاکھوں انتساب کرے تب بھی غلط متصور ہوں گے کیونکہ اس کی ذات کے لیے محال ہے وہ اس لیے کہ اولاد والد کا ایک حصہ ہوتی ہے اور یہ ترکیب کی علامت ہے اور ترکیب کو جزا ضروری ہیں اور مرکب اپنے جزا کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نہیں کوئی آسمانوں اور زمینوں میں، وہ ملائکہ ہوں یا جن و انس۔ ان یہاں پر نافیہ ہے اور کل مبتدا اور الا اتی الرحمٰن اس کی خبر ہے اور من موصوف ہے اس لیے کہ وہ کل نکرہ کے بعد واقع ہوا ہے۔ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحْمٰنِ مگر وہ رحمٰن کے ہاں آئیں گے۔ عَبْدًا ۝ درآنحالیکہ وہ مملوک ہو کر حاضری دیں گے یعنے ان کی حاضری بحیثیت عبودیت و انقیاد کے ہوگی۔

ف: والعیون میں ہے کہ قیامت میں جمیع مخلوق رحمٰن کے سامنے خاضع و ذلیل اور عبودیت کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوگی۔ انہیں میں ملائکہ و عیسےٰ و عزیر وغیرہم شامل ہوں گے اور وہ اللہ تعالےٰ کی ربوبیت کی طرف عاجزی اور انکساری کرتے ہوئے آئیں گے جیسے غلام اپنے مالکوں کے ہاں حاضر ہوتے ہیں تو پھر وہ ان کو کیسے اولاد مقرر فرمائے گا۔

انتباہ : عہد نامہ کی قدر و قیمت مخالفین اہل سنت نے گھٹائی ہے ورنہ یہ ہزاروں کی تعداد میں بعض خوش قسمت مفت تقسیم کر رہے ہیں۔ تو لازم ہے کہ اس مفت کے تحفہ کو کام میں لایا جائے۔

نوٹ : اضافہ عہد نامہ از اویسی غفرلہ

ف : حضرت ابوبکر وراق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے کوئی شے عبودیت و اظہار عجز و نیاز سے بڑھ کر نہیں کیونکہ عبودیت کا التزام دوام الخدمت بخشتی ہے اور اظہار افتقار دوام التجاء و تفرع عطا فرماتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دست آویز

ترجمہ : فقیر و خستہ تیری درگاہ میں حاضر ہوا ہوں رحم فرمایئے اس لیے کہ تیری دعا کے سوا میرے ہاں اور کوئی دستاویز نہیں۔

لَقَدْ اَحْصٰھُمْ بے شک انھیں گنا ہے اور انھیں محیط ہے اس حیثیت سے کہ کوئی بھی اس کی گنتی سے خارج نہ ہوگا اور ہر ایک اس کے قبضۂ قدرت میں ہے باوجودیکہ اشیاء کی کثرت ہے کیونکہ سب اسی کی ملکوت کے گھیرے میں ہیں۔۔۔

وَعَدَّھُمْ عَدًّا اور ان کے اشخاص و انفاس و آجال کو شمار کیا ہے۔

وَکُلُّھُمْ اٰتِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَرْدًا اور ہر ایک قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تنہا آئے گا نہ ان کا کوئی ساتھی ہوگا نہ اس کا کوئی اور ہی اس سے کوئی مناسبت رکھتا ہے جسے اس کا شریک بنایا جائے۔

حدیث قدسی شریف حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
بنی آدم نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا۔ اس کے لیے ایسا کرنا لائق نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی۔ اشتم بمعنے کسی کو نقص و عیب سے موصوف کرنا اور یہ اس کو لائق نہ تھا۔

تکذیب تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے مرنے کے بعد نہیں لوٹائے گا یعنے وہ کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو مجھے زندہ کرکے نہیں اٹھائے گا حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کی پہلی تخلیق مجھ پر کوئی مشکل نہیں تھی تو ان کا دوبارہ لوٹانا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ (الخلق بمعنے المخلوق ہے) بلکہ اس کا مرنے کے بعد اٹھانا زیادہ آسان ہے کیونکہ اس وقت اس کا اصل ڈھانچہ تو موجود ہے ورنہ ابتدائی تخلیق کے وقت تو کچھ بھی نہ تھا تب بھی اس کی احسن صورت بنائی گئی۔

ف : یہ مضمون علی طریق التمثیل مذکور ہوا یعنے جیسے انسان سمجھتا ہے کہ اعادہ جدید تخلیق سے آسان تر ہے ورنہ قدرت ایزدی کے لیے تو سہولت و صعوبت ہر دونوں برابر ہیں۔

بقایا الحدیث : اور بندے کا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کر دی۔

ف : اور یہ گالی اس لیے ہے کہ اولاد کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے اجزا ثابت کرنا ہے۔ اور وہ ترکیب کی دلیل ہے اور ترکیب اجزا کی محتاج ہے۔

(اس معنے پر اللہ تعالیٰ کا نقص و عیب ثابت کیا گیا اور ہم نے پہلے لکھا ہے کہ شتم بمعنے کسی کا نقص بیان کرنا ہے)۔

اور اولاد کا اثبات مقتضی ہے کہ آبا، فانی ہوں تو ان کے انواع (اولاد) تو اس کی نشانی موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرنا اس کے لیے فنا ثابت کرنا ہے، اور یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔

سوال : اگر تم کہو کہ اتخذ اللہ بھی تکذیب ہے کیونکہ اس نے خبر دی ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں لیکن بندے نے اس کے لیے اولاد ثابت کی اور لن یعیدنی بھی شتم ہے کیونکہ اس سے اس کے عجز کی خبر دی گئی ہے تو حدیث شریف میں ایک کو شتم سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے کو تکذیب سے۔

جواب : اعادہ کی نفی اس کے کمال کے صفت کی نفی ہے اور اولاد کا اتخاذ اس کے نقصان کی صفت کا ثبات ہے اور قاعدہ ہے کہ شتم تکذیب سے فحش ہے۔ اسی لیے اس کی نفی ابلغ الوجود سے ہے چنانچہ فرمایا :

وانا واحد۔ حالانکہ میں واحد لاشریک ہوں یعنے بقا کی صفت کمال میں میں منفرد ہوں اور صفت تنزہ میں بھی منفرد ہوں وانا واحد میں واؤ حالیہ ہے۔ الصمد میں صمد ہوں۔ صمد بمعنے معبود ہوں یعنے وہ ذات جس کے ہاں جملہ حوائج پیش کیے جائیں۔ الذی لم یلد وہ ذات جس نے کسی کو نہیں جنا۔ اس میں تشبیہ و مجانست کی نفی ہے۔ ولم یولد اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے اس میں اس کے قدم و اولیۃ کی صفت کا بیان ہے۔ ولم یکن لہ کفوا احد اور اس کا کوئی کفو نہیں۔ یہ ما قبل کی تقریر کے لیے ہے۔

سوال : یہ صیغہ ماضی ہے اور ضروری نہیں کہ جس کا زمانہ ماضی میں کفو نہ ہو تو زمانہ حال و مستقبل بھی نہ ہو؟

جواب : ہاں جس ذات کا ماضی میں کفو نہیں تو حال و مستقبل میں لازماً اس کا کفو نہ ہو کیونکہ جب ماضی میں نہ تھا تو بعد کو پیدا ہوا اور جو بعد کو پیدا ہوا وہ حادث ٹھہرا اور حادث قدیم کا کفو نہیں ہو سکتا۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

ف : جب اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت کا ثبوت ملا کہ مخلوقات میں سے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہم جنس تو بندوں کے لیے عبودیت و مربوبیت ثابت ہوئی بلکہ یقیناً ثابت ہوا کہ بندہ پر لازم ہے کہ وہ صرف اسی کو عبادت کے لیے خاص کرے اور اپنی توحید کو خواہشاتِ نفسانی سے فارغ کرے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عقلی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے کبھی کسی بت کی پرستش کی؟ آپ نے فرمایا نہیں پھر سوال ہوا کیا آپ نے کبھی شراب پی؟ آپ نے فرمایا نہیں، آپ نے فرمایا کہ میں ابتدا سے جانتا تھا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور ان کے کردار کافرانہ ہیں حالانکہ اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کیا ہے یعنے بذریعہ وحی، ورنہ آپ اگر ایمان وغیرہ نہیں جانتے تھے تو ولادت کے وقت "ھب لی امتی" کہنے کا کیا معنی؟[1]

---

[1] مزید تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

ف : اس سے اندازہ لگائیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیسی احسن استعداد موجود تھی کہ آپ کو کسی برہان کی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی آپ کو دلائل کی ضرورت تھی۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے آثار کا اتباع کرے۔

ف : اس سے واضح ہوا کہ نور حق کسی طرح پوشیدہ نہیں ہوسکتا اور نور حق سے توحید و اقرار مراد ہے اور اس نور کو پوشیدہ کرنے والا شرک و انکار ہے جب توحید اپنے حقائق کے ساتھ متجلی ہوتی ہے تو تجرید کھل کر سامنے آجاتی ہے اور جب تجرید اپنے معانی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے تو تفرید ثابت ہو جاتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ فردانیۃ سر اعلٰے کی صفت ہے اور یہ عارفین کو دنیا میں حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کو قیامت میں نصیب ہوگی۔ اور اس دنیا میں کوئی اختیاری مقبول نہیں اور نہ ہی آخرت میں کوئی اضطراری مردود ہوگا۔

اسے مشرکو! توحید کہاں ہے اور اہل توحید تجرید کہاں ہے اور اے اصحاب تجرید تفرید کہاں ہے؟ تم سب قیامت میں تنہا آؤ گے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ عارفین کی قیامت دائمی ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

ترک ہستی کن کہ آسودست از تاراج سیل
ہر کہ پیش از سیل رخت خود برون از خانہ ریخت

ترجمہ : ترک ہستی کیجئے کیونکہ یہ طریقہ سیلاب کی لوٹ مار سے محفوظ ہے بلکہ ایسا کرنے والا گھر کے گرنے سے پہلے سامان اٹھا کر چل دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بے شک وہ مؤمن ہیں اور عمل صالح والے یعنے عمل قلب و جوارح کے جامع ہیں۔ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ○ عنقریب اللہ تعالٰے ان کے دلوں میں محبت پیدا کرے گا جنھیں نہ کسی اسباب کی ضرورت ہوگی اور نہ رشتہ داری کی اور نہ کسی سے دوستی کا دم بھرنے کی اور نہ کسی نیکی وغیرہ کے کرنے کی، سوائے اس کے کہ ان کے پاس ایمان اور عمل صالح کی دولت ہوگی۔

ف : سین استقبالیہ ہے اس کی دو تقریریں ہوسکتی ہیں :

(۱) یہ سورہ مکیہ ہے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہل اسلام کافروں کی نظروں میں حقیر تھے۔ اللہ تعالٰے نے ان سے وعدہ کیا کہ عنقریب اسلام قوت پکڑے گا جس پر تمہارے اعزاز و اکرام میں اضافہ ہوگا۔

(۲) قیامت میں اللہ تعالٰے ان لوگوں سے محبت کرے گا جن کے اعمال صالحہ ظاہر کرے گا جس سے مخلوق کے سامنے ان کی عزت افزائی ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ایمان کا بیج جب کسی دل کی زمین میں بویا جاتا ہے اور اعمال صالحہ کے پانی سے اس کی تربیت کی جاتی ہے تو وہ قلب پرورش پاتا ہے ثمر دینے کے لائق ہو جاتا ہے اور ثمرہ سے محبتِ الٰہی و محبت انبیاء و ملائکہ اور حسب اہل ایمان مراد ہے۔[1]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

تؤتی اکلها کل حین باذن ربها۔ وہ شجرہ ہر وقت باذن اللہ تعالیٰ ثمر دیتا ہے۔

محبت کے درجات : محبت بمعنے موافقت اس کی ترقی ہو تو اسے المیل سے تعبیر کرتے ہیں پھر الود سے پھر الھویٰ سے پھر الولہ سے۔

ف : موافقت طبیعت کے لیے اور فواد قلب کے باطن کو کہا جاتا ہے۔

ف : الھویٰ محبت کے غلبہ کا نام ہے الولہ ھویٰ کی زیادتی کو کہا جاتا ہے۔

ف : اہل تجربہ کہتے ہیں محبت کا نور ہوتا ہے پھر آگے بڑھا تو نار عشق پھر حرارت شہوت پھر بخار لطیف پھر نفس رقیق پھر ہوا رقیق حاصل ہوتی ہے۔

کسی سے محبت کی علامت حضرت عبد اللہ بن جعفر سے کسی نے پوچھا کہ میں کسی سے محبت کرتا ہوں، پھر کیسے معلوم کروں کہ اسے بھی میرے ساتھ محبت ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق مجھے کوئی علامت بتائیے آپ نے فرمایا کہ اپنے دل سے پوچھ۔ اگر وہ اس سے محبت کرتا ہے تو سمجھ کہ وہ بھی تجھ سے محبت کرتا ہو گا۔

شعر

و علی القلوب من القلوب دلائل
بالود قبل تشاهد الاشباح

ترجمہ : دل کو دل سلام کرتا ہے اس سے قبل اجسام کو معلوم ہو۔

حدیث شریف (۱) حدیث شریف میں ہے کہ اپنے یار دوست زیادہ بناؤ۔ اس لیے کہ تمہارا رب باحیا اور کریم ہے اس بندے سے حیا کرتا ہے کہ اس کے دوست بہت زیادہ ہوں اور وہ اسے قیامت میں عذاب میں مبتلا کرے۔

حدیث شریف (۲) حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کو نظر شفقت سے دیکھتا ہے لیکن دل میں اس کے متعلق کسی قسم کا کینہ اور غصہ نہیں رکھتا تو آنکھ جھپکنے سے پہلے اسے اللہ تعالیٰ

---

[1] : بحمدہ تعالیٰ یہ دولت ہم اہلسنت کو نصیب ہے۔ ۱۲۔

اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دے گا۔

ف : طرف بصرہ یعنے آنکھ کی ایک پلک کا دوسری پر بند کرنا۔

محبت بڑھانے والے تین امور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین امور سے محبت بڑھتی ہے :

① سلام کے ابتدا کرنے سے

② مجلس میں جگہ دینے سے

③ اچھے نام سے بلانے سے

ف : سقراط نے کہا کہ جب ملاقاتیوں سے ملو تو انھیں تعریفی کلمات کہو کیونکہ تعریفی کلمات سے محبت بڑھتی ہے ان کی برائی بیان کرنے سے عداوت بڑھتی ہے۔

ف : بلاغات الزمخشری سے ہے کہ محبت کے علامات سے ایک یہ ہے کہ تکلیف کے وقت اخوت کا دم بھرنا ورنہ عیش و آرام کے وقت اخوت کا دم ہر کوئی بھرتا ہے۔

حکایت ایک غلام نے خلیفہ وقت کے ہاں صوفیاء کی شکایت کی تو خلیفہ نے ان کی گردن اڑانے کا حکم دیا۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ چونکہ اپنی فقہ کے بجائے ابوالثور کی فقہ پر فتوے دیتے تھے اسی لیے ان کو چھوڑ کر، شمام۔ رقام۔ نوری اور دوسری جماعت صوفیہ کو گرفتار کر کے قتل گاہ میں لایا گیا تاکہ ان کے سر قلم کئے جائیں ان سب سے پہلے عجلت کر کے حضرت نوری رحمہ اللہ تعالےٰ قتل گاہ میں آگے بڑھے جلاد نے کہا کہ آپ جلدی تو کر رہے ہیں لیکن معلوم بھی ہے کہ آپ کے ساتھ کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے لیکن جلدی اس لیے کی کہ جتنی دیر میں پہلے قتل کیا جاؤں گا اتنی دیر میرے ساتھی بچ جائیں گے یہ سن کر جلاد حیران ہو گیا اور خلیفہ یعنے بادشاہ کو خبر پہنچا دی۔ بادشاہ نے یہ معاملہ قاضی پر چھوڑا کہ وہی ان کے متعلق تحقیق کر کے رپورٹ دے۔ چنانچہ قاضی نے حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ تعالےٰ پر چند فقہ کے مسائل کے سوالات کئے جس کے آپ نے تسلی بخش جوابات دیئے۔ پھر قاضی کو آپ نے فرمایا کہ یاد رہے کہ اللہ تعالےٰ کے بعض بندے ایسے ہیں جن کا اٹھنا بیٹھنا اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے ہوتا ہے اور ان کا بولنا وغیرہ بھی ایسے ہی آپ نے کلام جاری رکھا جس پر قاضی کو خوب رُلایا۔ اس پر قاضی نے خلیفہ (بادشاہ) کے پاس رپورٹ بھیجی کہ اگر یہ لوگ زندیق ہیں تو دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں یعنے یہ حضرات پکے اور سچے مسلمان ہیں۔

سبق : دیکھئے! حضرت نوری قدس سرہ نے اپنے دوستوں کی کس طرح جان بچائی اور کس طرح ان پر اپنی جان دینے کے لیے تیار ہو گئے ؎

حدیث عشق ازاں بطال منوس
کہ در سختی کند یاری فراموش

ترجمہ: اس بطال سے عشق کی بات مت سن جو دکھ اور تکلیف کے وقت یاری دوستی بھول جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بے شک ہم نے قرآن آسان کیا۔ بِلِسَانِكَ آپ کی زبان پر۔ یا ین طور پر آپ کی لغت میں اسے نازل فرمایا۔ باء بمعنے علی ہے لام تعلیلیہ ہے گویا یوں کہا گیا کہ جب یہ سورہ کریمہ آپ پر اتاری گئی ہے تو اب آپ لوگوں کو خوشخبری سناؤ یا ڈراؤ کیونکہ اسے ہم نے آپ کی لغت پر نازل کیا ہے۔ لِتُبَشِّرَ بِهِ تاکہ آپ اس سے خوشخبری سنائیں۔ الْمُتَّقِيْنَ متقین کو یعنے ان لوگوں کو جو تقوٰے کا میلان رکھتے ہیں اور انھیں شوق ہے کہ اوامر کی پابندی کریں اور نواہی سے بچیں۔ وَتُنْذِرَ بِهٖ یہ انذر کا بالامر انذاراً سے ہے بمعنے اعلمه ... الخ یعنے اسے پیغام پہنچانے میں ڈرایا دھمکایا ہے۔ (کذا فی القاموس)

قَوْمًا لُّدًّا ۝ جھگڑالو قوم جو ایمان نہیں لاتی بوجہ جھگڑا اور شراب اور عناد کے اللد الالد کی جمع ہے سخت جھگڑالو اور شرارتی۔

ف: القاموس میں ہے کہ اللد ہر وہ دشمن شرارتی جو حق کی طرف ذرہ برابر بھی مائل نہ ہو۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالٰے کے نزدیک مبغوض ترین ہر وہ شخص ہے جو سخت جھگڑالو اور شرارتی ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ تعالٰے کی صفت ہے اور وہ قدیم اور قائم بذاتہ تعالٰے ہے۔ وہاں ظروف حروف کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ حروف حادث اور معدود اور مشابہت والے ہیں اور اس کی صفت قدیم غیر معدود اور غیر متناہی ہے ہاں اس کا سمجھنا صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور اس کا پڑھنا بھی اپنی زبان عربی میں صرف آپ کو عطا ہوا تاکہ آپ اس کے ذریعے متقین کو مژدۂ بہار سنائیں کیونکہ یہی لوگ اہل بشارت ہیں۔

متقین کی اقسام: متقین تین قسم کے ہیں:

1. جو توحید کا اقرار کر کے شرک سے بچتے ہیں۔
2. طاعت الٰہی کے ذریعے معاصی سے بچنا۔
3. ماسوٰی اللہ سے بچنا۔

وتنذر به قوما لدا اور آپ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں کیونکہ اہلِ انذار تین قسم کے ہیں:

1. وہ کفار جو باطل کی خاطر جنگ کرتے ہیں۔
2. وہ اہل کتاب جو اپنے ادیانِ منسوخہ کے لیے جھگڑتے ہیں۔
3. اہلِ اہواء والبدع اور وہ فلاسفہ جو باطل کی خاطر حق کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ قرن کا معنے ہم نے پہلے بیان کیا ہے یعنے بہت سے گروہ ہم نے تباہ و برباد کئے جو ان سے پہلے ان کی طرح سرکش اور جھگڑالو تھے لیکن

اس وقت جب انھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے انذار کے بعد سرکشی کی اور ان کے لائے ہوئے آیات کا انکار کیا باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام نے انھیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ کیا ان میں سے کسی ایک کو دیکھ رہے ہو یعنے نہیں دیکھ رہے۔ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ یا ان میں سے کسی ایک کو سنتے ہو۔ رِكْزًا ○ آواز آہستہ۔ رکز کا حقیقی معنے ہے خفاء پوشیدگی، اسی سے ہے "رکز الرمح" یہ اس وقت بولتے ہیں جب نیزہ کا کنارہ زمین کے اندر غائب ہو جائے۔ الرکاز بمعنے مال مدفون یعنے چھپا ہوا مال۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے انھیں بالکل تباہ و برباد کیا اور ان کی جڑ اکھیڑ ڈالی کہ اب ان کا نام ونشان تک نہیں رہا۔ اب نہ وہ دیکھے جاتے ہیں اور ان کی کوئی آواز سنائی دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالٰے کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے انھیں مار مٹایا گویا وہ پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور نہ ان کا کوئی وجود تھا۔

ے

کو اثر از سروران تاج بخش
کو نشان از خسروان تاجدار
سوخت دیہیم شہان کامجوے
خاک شد تخت ملوک کامکار

ترجمہ: تاج بخش بادشاہ کہاں ہیں تاجدار خسرو کہاں ہیں۔
ان کے بہترین تاج وتخت جل سڑ گئے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت خاک ہو گئے۔

ف: آیت میں جہاں کافروں کو وعید سنائی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور آپ کو فرمایا گیا ہے کہ آپ انھیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

ے

(۱) بگوے آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچ کس را نیاید پسند
(۲) کہ فردا پشیمان برآرد خروش
کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

③ بگمراہ گفتن نکو میروی !
گناہ بزرگست وجور قوی

④ نگو شہد شیرین شکر فایقست
کسی را کہ سقمونیا لایقست

⑤ چہ خوش گفت یک روز دار و فروش
شفا بایدت داروے تلخ نوش

ترجمہ: ① جو تیرے خیال میں سودمند قول ہے وہ کہہ ڈال اگرچہ کسی کو پسند آتے ۔
② کل یہ پریشان ہو کر شور کرے گا کہ افسوس! میں نے حق کے لیے کیوں کوشش نہ کی۔
③ گمراہ کو کہنا کہ تو ٹھیک چل رہا ہے یہ بڑا گناہ اور عظیم ظلم ہے ۔
④ بیمار کو نہ کہو کہ شہد شیریں ہے جسے لائق ہے کہ اسے سقمونیا پلایا جائے ۔
⑤ ایک دن دوا فروش نے کیا خوب کہا کہ اگر تجھے شفا چاہئیے تو کڑوی دوا پیجئیے ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① ہر کسے کو از صف دین سرکشست
میرود سوے صفی کان واپست

② تو زگفتار تعالوا کم مکن
کیمیائی پس شگرفست این سخن

③ کرمسی گردد زگفتارت نفیر
کیمیا را ہیچ ازوے وامگیر

④ این زمان گرنیست نفس ساحرش
گفت تو سودش کند در آخرش

⑤ قل تعالوا قل تعالوا اے غلام
ہین کہ ان اللہ یدعو بالسلام

ترجمہ: ① جو دین کی صف سے سرکشی کرتا ہے تو وہ اس صف کی طرف جا رہا ہے جو واپس آئے گی۔
② تو تعالوا کے اعلان سے خاموش نہ ہو۔ یہ بہترین کیمیائی سخن ہے۔
③ اگر کوئی تانبہ تیری اس گفتار سے دور بھاگتا ہے تو تیری کیمیا کا کوئی نقصان نہیں۔

④ اب تو اس کا نفس سا تھ روتا ہے لیکن اگر اس سے کچھ فائدہ اٹھایا تو آخر میں خوش ہوگا۔

⑤ تم تعالوا کہتے جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی سلامتی کی دعوت دیتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اجابت دعوت کی توفیق بخشے کہ وہ قریب و مجیب ہے۔

تفسیر سورہ مریم ضحیٰ کے وقت سوموار کے دن ۱۹ ذی قعدہ ۱۱۰۵ھ کو ختم ہوئی۔

اور

حسن اتفاق سے فقیر نے بھی بوقت ضحیٰ اس کا ترجمہ ختم کیا۔ بتاریخ ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ بمطابق ۶ مارچ ۱۹۸۰ء بروز جمعرات، بمقام بہاول پور۔ پاکستان۔

فصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

سُورَۃ طٰہٰ

سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیَاتُھَا ۱۳۵ رُکُوْعَھَا ۸
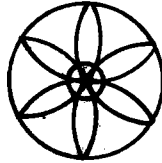
سورت طٰہٰ مکی ہے اس میں ایک سو پینتیس ۱۳۵ آیات اور آٹھ رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

طٰهٰ ۝۱ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳ تَنْزِيْلًا

اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو ہاں اس کو نصیحت جو ڈر رکھتا ہو اس کا اتارا

مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵

ہوا جس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر استوا فرمایا جیسا اس

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ

کی شان کے لائق ہے اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں اور جو کچھ اس گیلی مٹی کے نیچے ہے اور اگر تو بات

تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْاَسْمَآءُ

پکار کر کہے تو وہ تو بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے اللہ کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسی کے ہیں سب

الْحُسْنٰى ۝۸ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا

اچھے نام اور کچھ تمہیں موسیٰ کی خبر آئی جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنی بی بی سے کہا ٹھہرو مجھے ایک

اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰ فَلَمَّآ

آگ نظر پڑی ہے شاید میں تمہارے لیے اس میں سے کوئی چنگاری لاؤں یا آگ پر راستہ پاؤں پھر جب

أَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ⑪ إِنِّيْٓ أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

آگ کے پاس آیا ندا فرمائی گئی کہ اے موسیٰ بیشک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار ڈال بیشک تو پاک جنگل طویٰ میں ہے

طُوًى ⑫ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ⑬ إِنَّنِيْٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا

اور میں نے تجھے پسند کیا اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے بیشک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں

فَاعْبُدْنِيْ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ⑭ إِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى

تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ بیشک قیامت آنے والی ہے قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ⑮ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

کہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے۔ تو ہرگز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے

فَتَرْدٰى ⑯ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ

چلا پھر تو ہلاک ہو جائے اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ عرض کی یہ میرا عصا ہے میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور

أَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ أُخْرٰى ⑱ قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ⑲ فَأَلْقٰهَا

اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اس میں اور کام ہیں فرمایا اسے ڈال دے اے موسیٰ تو موسیٰ نے ڈال

فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى ㉑ وَاضْمُمْ

دیا تو جبھی وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا فرمایا اسے اٹھا لے اور ڈر نہیں اب ہم اسے پھر پہلی طرح کر دیں گے اور اپنا ہاتھ

يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً أُخْرٰى ㉒ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ㉓

اپنے بازو سے ملا خوب سپید نکلے گا بے کسی مرض کے ایک اور نشانی کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں

اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهٗ طَغٰى ㉔

فرعون کے پاس جا اس نے سر اٹھایا

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ

سورۂ طٰہٰ کی ایک سو پینتیس آیات ہیں اور یہ سورۃ مکیہ ہے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔

طٰہٰ ○ دیگر حروف مقطعات کی بہ نسبت اس میں زیادہ اختلاف ہے۔

(۱) بعض نے کہا کہ یہ قرآن یا سورۃ یا اللہ کا نام ہے یا الطاہر، و الهادی کا ایک ایک لفظ لے کر طٰہٰ کہا گیا ہے۔

(۲) بعض نے فرمایا کہ یہ احمد کی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

انا محمد وانا احمد وانا فاتح... الخ

میں محمد و احمد و فاتح و قاسم و حاشر و عاقب و ماحی و طٰہٰ و یٰسین ہوں (صلے اللہ علیہ وسلم)

اس کی تائید علیک کے خطاب سے ہوتی ہے۔ اس معنے پر یہاں پر حرف ندا محذوف ہے دراصل۔

(۳) یا طٰہٰ۔ طاء میں اشارہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم طالب الشفاعة للناس ہیں یعنے لوگوں کی شفاعت کے طالب ہیں اور ہادی البشر ہیں۔ یا یہ معنے ہے کہ آپ طاهر عن الذنوب اور علام الغیوب کی معرفت کے ہادی ہیں۔

کاشفی نے فرمایا ہے کہ اس کا معنٰے یہ ہے، یا طٰہٰ یعنے آپ کا دل غیر حق تعالٰے سے پاک ہے اور آپ کو قربِ حق تعالٰے کی ہدایت حاصل ہے۔

(۴) **اہلِ بیت کی فضیلت**: سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

طٰہٰ میں طاء سے اہلِ بیت کی طہارت کی قسم ہے اور ھا میں ہدایت کی۔ کما قال تعالٰے:

ویطھرکم اللہ تطھیرا (اور وہ تمہیں مکمل طور پر پاک کرے گا)

(۵) طٰہٰ کی طاء میں طوبیٰ اور ھاء میں ھاویة یعنے جنت و نار کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) **مکہ و مدینہ کی فضیلت**: زاد المسیر میں ہے کہ طاء سے طیبہ اور ھا سے مکہ مراد ہے۔ اللہ تعالٰے نے اس میں ان دونوں شہروں کی قسم یاد فرمائی ہے۔

(۷) طاء سے نمازیوں کی طلب اور ھا سے کفار کا ہرب یعنے بھاگنا ہے۔

(۸) طاء سے اہلِ جنان کی طلب اور ھاء سے اربابِ میزان کی ہوان یعنے ذلت مراد ہے۔

(۹) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے:

یا من طوی بہ بساط النبوۃ۔ اے وہ ذات جس نے نبوت کی بساط لپیٹی۔

یا من طوی بہ المکونات الی ھوتینا۔ اے وہ ذات جس کے سبب سے مکونات کو لپیٹا ہے۔

(۱۰) یہ حروف مقطعات سے نہیں بلکہ یہ یا رجل کے لیے موضوع ہے یہ لغت عک ہے یا حبشہ یا قبطیہ یا سریانیہ ہے۔ اس سے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

(۱۱) بعض تفاسیر میں ہے کہ بحساب ابجد طٰہٰ میں طاء کے نو اور ھاء کے پانچ عدد مراد ہیں کل چودہ ہوئے اور عموماً چاند کی تکمیل چودہ تاریخ کو ہوتی ہے، اس معنے پر خطاب میں کہا گیا ہے کہ اے چودھویں کے چاند یعنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور آپ بدر بایں معنٰی ہے کہ آپ کے مراتب میں جامع ہے جیسا کہ عارفین سے مخفی نہیں۔

ماہ چون کامل شود انور بود
دانکہ او مرأت نور خور بود
گاہ ماہ بدری وگہ شاہ بدر
صدر تو مشروح و کارت شرح صدر
در شب تاریکی و کفر و ضلال
از مہت روشن شود نور جلال

ترجمہ: مہینہ جب کامل ہوتا ہے تو بہت زیادہ نورانی ہے اس لیے کہ وہ سورج کے نور کا آئینہ ہے۔
کبھی ماہ بدر ہوتا ہے کبھی شاہ بدر ہے تیرا صدر مشروح اور تیرا کام شرح صدر۔
تاریکی وکفر وضلال کی شب۔ تیرے چاند سے نور جلال روشن ہوتا ہے۔

ف: حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ طٰہٰ بروزن ھب ہے۔ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ زمین کو اپنے دونوں قدموں سے مشرف فرمائیں اس لیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں جد وجہد کرتے اور ساری رات عبادت میں ایک قدم مبارک پر کھڑے کھڑے گذار دیتے ہیں۔ صرف ایک قدم پر اس لیے گذارتے تاکہ دوسرے قدم کو آرام وتخفیف ہو۔ اس طرح سے آپ کو خوب تھکان ہوتی۔ اس معنے پر طٰہٰ دراصل طأ تھا وطیٔ سے مشتق ہے۔ ہمزہ کو ھاء سے تبدیل کیا گیا ہے۔

حدیث شریف (۱) بے شک اللہ تعالےٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے طٰہٰ و یٰسٓ پڑھا جب ملائکہ نے قرآن سنا تو ملائکہ نے کہا کہ ان بیٹوں کو مبارک ہو جو انھیں اٹھائیں گے اور امت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مبارک ہو کہ جس پر یہ نازل ہوگا اور ان زبانوں کو مبارک ہو جو اسے تلاوت کریں گی۔ (راوہ الطبرانی وصاحب الفردوس)۔

حدیث شریف (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے وہ سورت عطا ہوئی ہے جس میں بقرۃ کا ذکر ہے اور وہ الاول الذکر ہے اور مجھے یٰسٓ وطواسین الواح موسےٰ علیہ السلام سے عطا ہوئی ہیں اور مجھے فواتح القرآن اور وہ خواتیم السورۃ عطا ہوتے ہیں جن میں بقرۃ کا ذکر ہے اور یہ عرش کے نیچے (کے خزانے) ہیں۔ اور مجھے مفصل انعام کے طور پر ملی ہیں۔ (کذافی بحر العلوم)

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ○ یہ شقاء سے مشتق ہے۔ لقب (تھکان) کے معنی

میں مشہور ہے اور "اشقی من رائض المھر" اسی سے ہے یعنے اسے مہر میں دبنے والی چیزوں نے تھکا دیا۔ اس سے فرس کا وہ بچہ مراد ہے جو سواری کے قابل ہو۔ اس وقت سے صعوبت زائل ہو جاتی ہے اور وہ سواری کے آگے سرکشی نہیں کرتا بلکہ سر تسلیم خم کر دیتا ہے چونکہ اس وقت اسے مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ولد الفرس تعب (تھکان) میں پڑتا ہے۔ بنا بریں اسے ایسے وقت میں مثل کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔

اب معنے یہ ہوگا کہ آپ قریش کے کفر سے بہت زیادہ افسوس سے مشقت نہ اٹھائیں کیونکہ آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچانا ہے اور آپ نے وہ کر لیا۔ اب آپ کو افسوس کیوں؟ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں، یا کثرت ریاضت اور کثرت تہجد کی ادائیگی سے یا عبادت کے لیے ایک قدم پر کھڑا ہونا آپ کو شاق ہو اس لیے کہ آپ خالص حنیفیت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے حبیب! (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید اس لیے نہیں اتارا کہ آپ رنج اٹھائیں اور تمام رات آرام نہ فرمائیں کہ نماز کے قیام سے پاؤں مبارک سوج جائیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "ما انزلنا علیک القران لتشقی" ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ دنیا یا عقبیٰ میں مشقت اٹھائیں بلکہ آپ کے قلب اطہر پر نازل کیا ہے تاکہ آپ خلق الہیٰ سے آپ متخلق ہو کر خلق عظیم سے موصوف ہوں تاکہ آپ (کے فیوض و برکات) سے جملہ اہل السموات والارضین سعادت حاصل کریں۔ اس معنے پر شقاوت سعادت کی نقیض ہوگی۔

شان نزول

نیز ممکن ہے کہ یہ مشرکین کے لیے رد ہو کیونکہ مروی ہے کہ ابوجہل و نضر بن حارث نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ تم شقی ہو (معاذ اللہ) کیونکہ تم نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا اور تم پر قرآن اس لیے اترا کہ تم شقی ہو جاؤ۔ ان کے رد میں یہ آیت اتری کہ اے محبوب (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ دین اسلام اور قرآن، ہر دونوں ہر کامیابی کی سیڑھی اور ہر سعادت کے حصول کا سبب ہیں اور جس دین پر کافر ہیں درحقیقت وہی شقاوت ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ منصوب ہے اس لیے کہ انزلنہ کا مفعول لہ ہے اور معنوی لحاظ سے اس کا عطف علے تشقیٰ پر ہے پہلے شقاوت کی نفی کی گئی ہے اب اس کا استدراک کر کے اس کی نقیض یعنے سعادت کا اثبات کیا جا رہا ہے جیسا کہ استثناء منقطع سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک فعل دو علتوں کی طرف متعدی علی السبیل البدلیۃ یا علے سبیل العطف ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یوں کہا گیا ہے کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لیے نہیں اتارا کہ اس کے پیغامات پہنچانے میں مشقت اٹھائیں لیکن یہ اس کے لیے تذکیر و وعظ ہے جس کے لیے اللہ تعالے جانتا ہے کہ وہ تذکرہ و تخویف سے خائف ہوگا۔ تذکرۃ سے لام محذوف کر دی گئی ہے اس لیے کہ اس کا اور فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہے۔

سوال: یہاں پر صرف لمن یخشی کے لیے نزول قرآن کیوں حالانکہ یہ سلسلہ تبلیغ و تذکرہ عام ہے کما قال تعالے: لیکون

للعالمین نذیرا۔

جواب: چونکہ اس سے نفع یاب صرف یہی ہوتے ہیں اسی لیے لمن یخشیٰ کہا گیا ہے۔

ف: لمن یخشیٰ میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں کیونکہ خشیت و تذکرہ میں آپ کل کائنات سے زائد ہیں۔

تَنْزِيْلًا یہ نزل القرآن محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ مِّمَّنْ اس کا تعلق تنزیلا سے ہے خَلَقَ بمعنا خرج من العدم الوجود یعنے قرآن کا نزول اس ذات سے ہے جس نے عدم سے وجود کی طرف نکالا۔ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى زمینوں اور آسمانوں کو۔

سوال: زمینوں اور آسمانوں کی تخصیص کیوں حالانکہ وہ تو ہر ایک شئے کا خالق ہے؟

جواب: چونکہ یہی ہر شے کا اصول اور انہی پر جملہ عالم کا قوام ہے۔

سوال: زمین کی تقدیم کیوں؟

جواب: چونکہ یہی اقرب الی الحس اور بہ نسبت آسمان کے زیادہ ظاہر ہے۔

سوال: السمٰوات کی صفت العلی کیوں؟

جواب: العلیٰ۔ العلیا کی جمع اور العلیاء الاعلیٰ کی تانیث ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ ایسے بڑے اونچے آسمانوں کا بھی خالق ہے۔

ف: السمٰوات کا الارض پر عطف عطف الجنس علے الجنس کے قبیل سے ہے عطف الجمع علے المفرد کے قبیل سے نہیں اس سے ترک اولیٰ لازم نہیں آتا اور نہ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معطوف معطوف علیہ میں توافق و تطابق ضروری ہے لیکن یہاں پر اس کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

اَلرَّحْمٰنُ اس کا مرفوع ہونا علے المدح ہے۔ دراصل یہ ھوالرحمن تھا یا الرحمن مبتدا اور لام اس میں عہد کی ہے اس کا اشارہ من خلق کی طرف ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ عَلَى الْعَرْشِ رحمٰن اس عرش پر ہے جسے ملائکہ نے اٹھایا ہوا ہے یہ جار مجرور، اسْتَوٰى[1] کے متعلق ہے۔ اس سے اس کی زندگی میں بڑا شور برپا ہوا۔ یہاں تک کہ ایک

---

[1]: **تحقیق علے العرش استویٰ** اس آیت کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ متقدمین و متاخرین اسے متشابہات سے کہتے چلے آئے لیکن ہمارے دور کے معتزلہ میں سے سب پہلے اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب " ایضاح الحق الصریح " میں لکھا کہ اس سے اس کی زندگی میں بڑا شور برپا ہوا یہاں تک کہ ایک عرصہ تک رسالہ بازی ہوتی رہی اس کے مرنے کے بعد اس عقیدہ پر غیر مقلدین وہابیہ ڈٹ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

علی العرش استویٰ کے متعلق صاحب روح البیان کی تحقیق

تقریر اوّل : عرش شاہی تخت کا نام ہے اور الاستواء بمعنے استقرار لیکن یہاں پر بمعنے الاستیلاء ہے یعنے اللہ تعالٰے عرش کا استیلاء ہے اس سے مراد اس کی ملک ہے کیونکہ یہ اس کے توابع سے ہے۔ لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے :

استوی فلان علی سریر الملک۔

اس سے خبر دینا مطلوب ہے کہ فلاں نے بادشاہ کے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس سے اس کا مطلق قبضہ مراد ہے خواہ وہ اس معہود تخت پر بیٹھا بھی نہ ہو۔ اور یہاں پر اللہ تعالٰے کا عرش سے تعلق ارادہ مراد ہے کہ ایجاد کائنات اسی کے ارادۂ شریفہ اور جملہ امور اس کی تدبیر سے ہوتے۔ ہم نے یہ معنے اس لیے مراد لیا ہے کہ وہ کریم انتقال و حلول سے پاک ہے اور اس نے عرش اس لیے پیدا فرمایا تاکہ عبادت گذار کو معلوم ہو کہ ان کے قلوب دعا و عبادت کے وقت آسمان کی طرف متوجہ ہوں یہ ایسے ہے جیسے کعبہ کو بنایا تاکہ عبادت کے وقت زمین پر اپنے ابدان کو کعبہ کی طرف متوجہ کریں۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے :

تقریر دوم : "استوی علی العرش قرآن مجید ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن اس کی تاویل ہمارے لیے جائز نہیں بلکہ جو اس کی تاویل کے درپے ہوگا وہ گمراہ ہوگا بظاہر اسے قبول کریں گے لیکن بباطن سر تسلیم خم کریں گے اس کے لیے یوں مانیں گے کہ اسے نہ مکان کی محتاجی ہے اور نہ اسے عرش نے اٹھایا ہوا ہے بلکہ وہی عرش کو برقرار رکھنے والا اور وہی اس کا نگہبان ہے۔

ے

نے مکان رہ یافت سویش نہ زمان

نے بیان دارد خبر زو نہ عیان

این ہمہ مخلوق حکم داروست

خالق عالم ز عالم برترست

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

گئے اور آج تک اس عقیدہ کا خوب پرچار کر رہے ہیں۔ مولانا عبد الحی لکھنوی نے ان کے رد میں ایک کتاب لکھی اگرچہ غیر مقلدین کی طرف سے اس کا رد لکھا لیکن بے سود۔ اسی عبارت کو لے کر اہلسنت علمائے دیوبند سے فتاویٰ پوچھے تو انھوں نے بھی اس عبارت پر اسماعیل دہلوی کو کافر لکھ مارا۔

انتباہ : اس سے آپ نے خوب سمجھ لیا کہ وہابی نہ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کے قائل کو کافر و مشرک کہتے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: اس کی طرف نہ مکان کو راہ ہے نہ زمان کو۔ نہ بیان کو اس کی خبر ہے نہ عیاں کو۔

یہ جملہ مخلوق اس داورِ حقیقی کے حکم کی پابند ہے عالم کا خالق اور تمام عالم سے برتر ہے۔

(۳) بعض نے فرمایا کہ نہ کون پر اثر کا کوئی تعلق ہے نہ اثر پر کون کا۔

(۴) بعض نے فرمایا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰی مکان سے منزہ ہے ورنہ مکان کو قدیم ماننا پڑے گا اور دلائل قاطعہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا اور کوئی شے قدیم نہیں اور یہاں پر اللہ تعالٰی کی استقرار وجلوس مراد نہیں بلکہ اس سے کوئی اور معنی مراد ہے اور ہمیں لائق نہیں کہ کوئی ایسی مراد متعین کریں کیونکہ ہماری تعیین خطا سے خالی نہیں بلکہ اسے متشابہات کے قبیل سے سمجھیں اور یہی عقیدہ اس کی وہی مراد ہے جو خود اللہ تعالٰی جانتا ہے اور بس۔ یہ اس کی رائے ہے جو الا اللہ کے راز سے واقف ہے اور یہی سلف صالحین کا عقیدہ ہے۔

چنانچہ امام مالک اور احمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا:

الاستواء معلوم والکیفیہ مجھولہ والبحث عنھا بدعۃ۔ — استوار کا معنے معلوم اور کیفیت مجہول اور اس سے بحث کرنا بدعت ہے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ بحث و جدال کا دروازہ بالکل مسدود رکھا جائے۔ جمہور کا یہی طریقہ ہے کیونکہ بحث و جدال کا دروازہ کھولنے میں دین کا عظیم نقصان ہے اس سے بے شمار بندگان خدا گمراہی کے پنجے میں پھنس جائیں گے۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے دو آیات متشابہات کا مطلب پوچھا تو آپ نے درے لگوائے۔

(۵) **مجسمہ فرقہ کا رد:** اکابر محققین میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ استواء سے وہ استواء مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے نہ اس طرح جو ظالم مجسمہ فرقہ نے کہا ان کا غلط خیال وعقیدہ مبنی پر ضلالت ہے۔ اس استوار کو اس کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ہے تو صرف باعتبار امر ایجادی وتجلی حسی اور احدی کے ہے کیونکہ عرش محل الاستواء ہے اس لیے کہ تجلیات ذاتیہ عالم کون و فساد تجلیات متعینہ واحکام ظاہرہ وامور بارزہ اور شئون متحققہ آسمانی ہوں یا زمینی یا ان کے مابین جو کچھ ہے امر الٰہی وایجاد اولی کے شروط میں ہاں ان کی تکمیل ان کے لوازم کے استقرار وجوانب کے استقلال وارکان اربعہ مستویہ کے استجماع سے ہوتی ہے۔ اور ان تجلیات متعینہ وغیرہا کے ارکان اربعہ ظہور عرش مع الروح والصورۃ وحرکۃ دوریہ میں ہے کیونکہ ان جملہ عوالم میں ان امور اربعہ میں سے تجلی حسی وامر ایجادی کے ساتھ تجلیات حق کا استوار ضروری ہے۔ اور یہ امور اربعہ مذکورہ تجلیات حسیہ وایجادیہ کے لیے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ہیں بلکہ اللہ تعالٰی کے لیے بھی ہر جگہ موجود ہونے اور رشتہ رگ کے قریب ماننے والے کو بھی بدعتی کہتے ہیں اور نہ صرف ہیں بلکہ جو اس عقیدہ کا حامل ہو تو نتیجہ نکلا کہ ان کا فتوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر انبیاء، صحابہ کرام و اولیا کرام سب پر لاگو ہے۔ (اویسی)

بمنزلہ شکل مستوی کے ہیں جو حد اصغر و حد اکبر و حد اوسط پر مشتمل ہے اور حد اوسط وہی ہے جو بار بار آرہی ہے اور اسی سے ذات ارکان اربعہ بطور نتیجہ حاصل ہوئی اور وہ امور مذکورہ اربعہ یہ ہیں :

(۱) حرکتہ معنویہ اسمائیہ

(۲) حرکتہ نوریہ روحانیہ

(۳) حرکتہ طبعیہ مثالیہ

(۴) حرکتہ صوریہ حسیہ

یہی حرکتہ صوریہ حسیہ عرش کی حرکت ہے یہی بمنزلہ حد اکبر کے ہے۔ اور حصول ارکان اربعہ کے امر تمام مستوی ہوا اور یہی ارکان اربعہ موقوف علیہا ہیں ان پر اللہ تعالٰے نے تجلیات ایجادیہ امریہ موقوف رکھے ہیں یہ تجلیات سات آسمانوں اور سات زمینوں پر اہل عصر کی استعدادات کے مقتضیات کے موافق اور قابلیات اصحاب زمان کے موجب ہر یوم بلکہ ہر آن نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالٰے کا ارشاد "یتنزل الامر بینھن"، اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسے ہی باری تعالٰے کا دوسرا ارشاد گرامی "کل یوم ھو فی شان" یعنے عرش میں ہر آن نئی ہے۔ باعتبار مذکور ثانی عرش حق کا مستوی ہے باعتبار اوّل کے استوار نہیں ہے اور حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ استوا امر ایجادی ہے نہ یہ کہ اس کی ذات عرش پر مستوی ہے۔ اس تقریر سے کلام کا تمام اضطراب و خلجان ختم ہوگیا۔

ف : استوار امر ارادی ایجادی علے العرش بمنزلہ استوار امر تکلیفی ارشادی علے الشرع کے ہے جیسے ہر ایک ان دونوں امور میں ایک دوسرے کا عکس ہے اور یہ عکس مستوی ہے۔

(۶) صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تحقیق

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ زید و عالمؒ میں فرق ہے وہ اس طرح کہ زید ذات پر اور عالمؒ اس کی صفت پر دلالت کرتا ہے۔

استوٰی کی نسبت رحمٰن کی طرف ہے کہ جس سے صفت رحمت عامہ مراد ہے اگرچہ وہ بھی ذات پر مشتمل ہے لیکن اللہ کی طرف استوٰی کا اسناد نہیں ہوکہ اس کا ذاتی اسم ہے اگرچہ یہ اسم جامع الجمیع الصفات ہے لیکن کلام کے اسلوب سے واضح ہوگیا اس کی ذات استوار علی العرش سے منزہ اور پاک ہے، ہاں عرش عظیم جو جمیع اجسام کو محیط ہے پر اگر مستوی ہے تو رحمت عام جو عوالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خطا پر وہ ہے جس نے ذات و صفت کا فرق نہ سمجھتے ہوئے استوار کی نسبت ذات حق کی طرف کردی حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ ذات باری تعالٰے جملہ عالم سے مستغنی ہے ہاں اس کی صفات و اسمار جملہ ارواح و اجسام میں متجلّی ہے لیکن مرائی اکوان میں سوائے صور تجلیات اسمائیہ و صفاتیہ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس سے لازم نہیں کہ اس کی ذات بھی اکوان میں سے کسی کون میں حلول کئے ہوتے ہے (معاذ اللہ) کیونکہ الآن کما کان کا شان والا ہے یعنے جیسے وہ توحد و تجرد و تفرد و تقدس سے پہلے تھا اب بھی ویسے ہی ہے۔ اسی لیے عالم حقیقت مطلقہ کی طرف اعلی مراتب

پروصول کے لیے اطلاق ذات کا ہونا ہے مثلاً، لا یمسہ الا المطہرون۔ اور حدیث شریف میں ہے اللہ تعالے جیسے ابصار سے مخفی ہے ایسے ہی بصائر سے بھی پوشیدہ ہے اور ملأ الاعلیٰ اس کی طلب میں و یسے سرگردان ہیں جیسے تم زمین پر۔ (ذکرہ الروضہ)
اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالے نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین پر ورنہ ہم اس کی طلب سے تھک کر بیٹھ جاتے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالے سے عرض کی یا رب! تو آسمان میں ہے اور ہم زمین پر پھر کیسے سمجھیں کہ راضی ہے یا ناراض اپنی رضا و عدم رضا کی علامت بتائیے۔ اللہ تعالے نے فرمایا جب میں تم پر اچھے حاکم مقرر کروں سمجھو میں تم پر راضی ہوں اگر تم پر برے حاکم متعین فرماؤں تو سمجھو کہ تم پر ناراض ہوں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ بن الحکم السلمی کی لونڈی سے فرمایا: ایین اللہ؟ اللہ کہاں ہے؟ اس نے عرض کی کہ فی السماء آسمان میں ہے اور فرمایا کہ انا من۔ میں کون ہوں۔ عرض کی کہ انت رسول اللہ۔ آپ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو، اس لیے یہ مومنہ ہے۔ ان احادیث وغیرہ سے اللہ تعالے کی مکانیت ثابت ہوتی ہے۔

جواب: یہ احادیث اپنے اصلی اور ظاہر معانی پر نہیں ہیں بلکہ اس کے آثار صفات کے ظہور کا محل مراد ہے۔ اسی لیے آسمان کا ذکر فرمایا کیونکہ آسمان مہبط انوار اور محل نوازل و احکام ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ جو کہے کہ اللہ تعالے آسمان میں عالم میں اور اس سے اللہ تعالے کی مکانیت مراد ہے تو قائل کافر ہو جائے گا اگر صرف حکایت از اخبار مرویہ مراد ہے تو کافر نہ ہوگا کیونکہ ایسی روایات و احادیث مؤول ہیں۔ اور اذہان سلیمہ اور عقول مستقیمہ ایسے مقامات پر تنزیہ و تقدیس باری تعالے کا دامن نہیں چھوڑتے۔

حکایت: امام الحرمین رحمہ اللہ تعالے کسی کے مکان پر مہمان ہوئے آپ کے ہاں بہت سے علماء کرام جمع ہو گئے تو ان میں سے کسی نے "الرحمن علی العرش استویٰ" کا مطلب پوچھا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اس سے اللہ تعالے کی مکانیت ثابت ہوتی ہے حالانکہ ہم تنزیہ از مکانیت کے قائل ہیں لیکن تنزیہ از مکانیت کی کوئی معقول دلیل نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالے کی تنزہ از مکانیت کی دلیل، آیت "لا الہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظالمین" ہے۔ جب کہ یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی۔ اس پر حاضرین متعجب ہوئے۔ صاحب ضیافت نے کہا کہ حضرت آپ اسے واضح فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں پر ایک فقیر محتاج مقروض مجلس میں موجود ہے اس کا ایک ہزار درم قرض تم ادا کرو تفصیل میں عرض کرتا ہوں۔ چنانچہ مہمان نواز نے ایک ہزار درم فوراً دے دیا۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے یہاں تک تشریف لے گئے وہ اللہ تعالے جانتا ہے۔ وہاں آپ نے کہا:

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ میں تیری ثنا نہیں کر سکتا تیرے لیے ثنا وہی لائق ہے جس طرح تو نے خود اپنے لیے آپ کی ہے۔

اور ادھر حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں دریا کی تہ میں کہا :

لا الہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین۔ (تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالم ہوں)۔

ان دونوں حضرات نے اللہ تعالٰی کو انت سے خطاب کیا اور خطاب حضور کے لیے ہوتا ہے اگر وہ اللہ تعالٰی مکان میں ہوتا تو ایسا خطاب نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کسی مکان میں نہیں ہے۔

سوال : تو چاہیئے کہ پھر وہ ہر مکان میں ہو حالانکہ یہ بھی غلط ہے ؟

جواب : ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اس کی صفات آثار اور اس کی ذات کے انوار ہر مکان میں ہیں۔ (یہی تقریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے لیے کی جاتی ہے[1] نہ کہ اس کی ذات ہر جگہ ہے، (جیسے وہابیہ نے ہم اہلِ سنت پر بہتان تراشا ہے کہ یہ اہلسنت حضور علیہ السلام کی ذات کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں)[2] آثار صفات و انوار ذات کا ہر جگہ ہونے کی مثال سورج کی ہے کہ سورج تو اپنے مقام پر ہے لیکن اس کے انوار اور اس کا ظہور جگہ جگہ ہے یہ کوئی نہیں کہتا کہ سورج کی عین ذات ہر جگہ ہے۔

جہال صوفیاء کا رد اگر اس طرح مانا جائے جیسے جاہل صوفیوں نے کہا ہے کہ اس کی ذات ہر جگہ ہے۔ تو ان سے پوچھا جائے کہ وہ ان عوالم کے وجود سے پہلے کہاں تھا۔ حالانکہ ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ ان عوالم سے پہلے موجود متحقق تھا اگر وہ اس کا انکار کریں تو کافر ہو جائیں گے۔ اگر وہ حلول و انتقال کا قول کریں تو بھی کافر ہو جائیں گے کیونکہ واجب الوجود حادث کے ساتھ بالکل مقارن نہیں اگر مقارن ہے تو تاثیر و فیض اور اپنے ظہور کمالات سے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ حادث مطلق ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ حادث مطلق اس سے استفاضہ کرتا ہے۔

سوال : اگر وہ کسی مکان میں نہیں تو پھر دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کا کیا معنٰی ؟

جواب : ہمارا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا طلب عطا کے لیے ہے کیونکہ اس کی رحمت کے خزانے آسمان میں ہیں جیسا کہ فرمایا :

وفی السماء رزقکم وما توعدون۔

اور فرمایا :

وان من شیء الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم۔

خلاصہ : خلاصہ یہ کہ اس سے واضح ہوا کہ اس کی صفت رحمانیہ کے استواء کا عرش مظہر ہے اور جو بھی اس کی ذات کے لیے مکانیت ثابت کرتا ہے وہ یا تو فرقہ مجسمہ سے تعلق رکھتا ہے یا وہ جہلاء صوفیاء سے ہے کہ اللہ تعالٰی ہر مکان میں ہے۔ اسی طرح وہ علماء جو حق سے دور اور طریق عقل و نقل و کشف سے محروم ہیں[3] وہ بھی ان کے ساتھی ہیں ان کی گندگی ان کے مذہب کی طرح ہے۔

---

[1]، [2] : اضافہ از اویسی

[3] : جیسے اسماعیل دہلوی اور اس کے پیروکار، غیر مقلدین۔ ۱۲ (اویسی)

ہم اللہ تعالٰی سے جہل کے تلوث اور زیغ و ضلال سے پناہ مانگتے ہیں اور ہم اس کا دامن تھامتے ہیں جو ہمیں وہم و خیال سے بچائے اور حق ہے اور اشیاء، اشیاء ہیں اور اللہ تعالٰی کو عین اشیاء سے وہی دیکھتا ہے جس کی آنکھ میں حیا نہیں۔

تفسیر عالمانہ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے خواہ ان کے اجزاء ہیں یا جو چیزیں ان میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو آسمانوں کے درمیان یعنے خلا میں ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے جیسے ہوا اور بادل یا اکثر ہوا میں ہوتی ہے جیسے پرندے یعنے صرف اسی اللہ تعالٰی کے لیے ہے اس کے غیر کے لیے نہیں نہ شرکۃً اور نہ استقلالاً۔ اور یہ جو کچھ مذکور ہوا ہے اُس کے ملک اور تصرف میں ہے پیدا بھی وہی کرتا ہے اور مارتا بھی وہی ہے، موجد بھی وہی ہے اور معدوم بھی وہی کرتا ہے۔ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى

حل لغات: الثریٰ بمعنے گیلی مٹی۔ (کذا فی القاموس)

یہاں پر صرف مٹی اور گیلی مٹی ہر دونوں مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ ارض خشک مٹی سے لے کر اس کے نیچے گیلی مٹی تک مراد ہوتی ہے۔

سوال: اگر الثریٰ سے زمین کا آخری حصہ مراد ہو تو پھر اس کے کونسی شے باقی رہی جس کا وہ مالک ہے۔

جواب: الثریٰ کے نیچے یا بیل ہے یا مچھلی یا پتھر یا دریا یا ہوا ہے۔ (علی اختلاف الروایات)

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ ثریٰ سے وہ گیلی مٹی مراد ہے جو صخرہ (پتھر) کے نیچے ہے جس پر وہ بیل کھڑا ہے جو زمین کے نیچے ہے اور تحت الثریٰ کو اللہ تعالٰی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسے سدرہ کے اوپر کا علم صرف اللہ کو ہے۔ [نبی علیہ السلام کو بھی باعطائے الٰہی ماتحت الثریٰ اور مافوق السدرہ کا علم حاصل ہے جیسے شب معراج اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے][1]

ف: وہ گیلی مٹی جو زمین کے نیچے ہے اس کی زمین سے وہاں تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اگر وہ گیلی مٹی نہ ہوتی تو جہنم کی آگ کی گرمی دنیا و مافیہا کو جلا کر راکھ بنا دیتی۔ (کذا فی انسان العیون)

زمین کے نیچے کی سیر حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالٰی نے لکھا کہ زمین ایک فرشتے کے کاندھے پر ہے اور فرشتے کے دونوں کاندھے پتھر پر ہیں اور پتھر بیل کے سینگ پر اور بیل کے پاؤں حوض کوثر کی ایک مچھلی پر اور مچھلی دریا پر اور دریا جہنم پر اور جہنم ہوا پر اور ہوا ظلمات کے حجاب پر اور حجاب گیلی مٹی پر اور آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نچلے حصے زمین کا علم اللہ تعالٰی کو ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ساتوں زمینیں مچھلی کی پیٹھ پر اور مچھلی دریا پر ہے اور اس کا سر اور پیٹ عرش کے نچلے حصے کو چھو رہے ہیں اور دریا سبز پتھر پر ہے آسمان کی سبزی اسی پتھر کی رنگت کی ہے اور یہ پتھر وہی ہے جس کا ذکر سورۂ لقمان میں ہے کہ "فتکن فی صخرۃ" اور یہ الصخرۃ (پتھر) بیل کے سینگ پر بیل گیلی مٹی پر ہے اور ماتحت الثریٰ کا علم صرف اللہ

---

[1] اضافہ از اویسی

ہی کو ہے اور وہ بیل منہ کھولے ہوتے ہے جب اللہ تعالے نے تمام دریاؤں کو ایک بنائے گا تو وہ بہہ کر اسی بیل کے پیٹ کے اندر چلے جائیں گے جب اس کے پیٹ میں جائیں گے تو جاتے ہی خشک ہو جائیں گے ۔ (ذکرہ البغوی)

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ اور اگر تم اللہ تعالے کا ذکر اعلانیہ یا دعا کرو اللہ تعالے تمہارے جہر و اعلان سے بے پرواہ ہے۔ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ○ تو وہ پوشیدہ بلکہ پوشیدہ تر شے کو جانتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ،

فلان یحسن الی الفقراء (فلاں فقراء کا محسن ہے)۔ اس کے لیے اس مقولہ میں نہ زمانۂ حال مراد ہوتا ہے نہ استقبال بلکہ یہ مراد ہوتی ہے کہ ہر گھڑی اس کے جود و سخا کے فوارے جاری ہیں۔ اسی طرح بعلم السر و اخفٰی کو سمجھئے کہ اسے ان امور کا علم ہر وقت اور ہمیشہ ہے کیونکہ جیسے وہ مکان سے منزہ ہے ایسے ہی اس کا علم زمان سے پاک ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تغیرات معلوم میں ہیں اس کے علم میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا ۔

سرّ و اخفٰی میں تحقیق سرّ۔ اسرار کی جمع ہے بمعنے ما یکتم وہ شے جو چھپائی جائے اسی سے ہے اسر الحدیث یعنے فلاں نے بات چھپا دی۔ اور اخفٰی کی تنکیر مبالغہ کی ہے یعنے اللہ تعالے ان باتوں کو جانتا ہے جو تم اپنے غیر سے چھپاتے ہو اور اسے بھی جو اس سے پوشیدہ تر ہے یعنے وہ شے جو دل میں کھٹکے جسے زبان پہ ہرگز نہ لایا جائے اور وہ اسے جانتا ہے جو اب تمہارے وہم و خیال میں ہے اور وہ جو آئندہ تمہارے وہم و گمان میں آئے گا یعنے وہ باتیں جو آئندہ اللہ تعالے تمہارے دل میں القاء فرمائے گا جو تمہیں تا حال معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے ۔

ذکر بالجہر کے اعتراضات کے جوابات آیت میں بظاہر ذکر بالجہر کی نفی کی دلیل تو ہے لیکن اس کے جوابات وہی ہیں جو آیت "واذکر ربك فی نفسك تضرعاً و خیفة و دون الجهر من القول" کے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں :

ا - بندوں کو تعلیم دیتی ہے کہ جہر سے یہ نیت نہ ہو کہ ہم اپنا ذکر یا دعا اللہ تعالے کو سنا رہے ہیں وہ تو ہماری ہر بات سنتا ہے وہ تو ہماری ہر بات سنتا ہے خواہ کتنا ہی وہ پوشیدہ ہو ہاں جہر کے وقت میں یہ ارادہ ہو کہ

(۱) میں اپنے نفس کو ذکر کا تصور دلا رہا ہوں اور یہ ذکر اس میں راسخ کر رہا ہوں ۔

(۲) غیر کے شغل سے اسے باز رکھ رہا ہوں ۔

(۳) اس سے وسوسہ دور ہوگا ۔

(۴) اس سے عجز و زاری نصیب ہوگی ۔

(۵) غیروں کو ذکر الٰہی کی طرف توجہ ہوگی ۔

(۶) جب تک آواز پہنچے گی برکات پھیلیں گے ۔

(۷) میرے ذکر کے گواہ بہت زیادہ ہوں گے ۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم وادی خیبر کی طرف چلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وادی میں داخل ہوتے ہی (تکبیر) اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ کی آوازیں بلند کیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: اربعوا علے انفسکم، اپنے نفسوں کو نرمی دلاؤ یعنے اتنی بلند آواز سے تکبیر نہ کہو کیونکہ تم بہرے یا غائب کو نہیں بلکہ سمیع و قریب کو پکار رہے ہو، وہ تو تمھارے ساتھ ہے۔

ازالہ وہم اس حدیث شریف میں تکبیر سے بھی رفع الصوت کی ممانعت ہے حالانکہ تلبیہ میں تکبیر بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس حدیث شریف سے مطلق رفع الصوت سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ایسی آواز سے، جس میں زور لگانا پڑے جو بسا اوقات خود اپنے لیے ایذار کا موجب بنتا ہے۔ چنانچہ خود اسی حدیث شریف میں " اربعوا علے انفسکم یعنے ارفعوا بھا نرم آواز سے تکبیر کہو، کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ یہاں پر رفع الصوت کا موجب کچھ اور تھا وہ یہ کہ خیبر میں جنگ کے لیے جا رہے تھے اور دشمن آپ کی تاک میں تھے اور ان پر اپنا حال مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے اربعوا انفسکم .... الخ فرمایا۔ دوسرا یہ کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اربابِ احوال تھے اور ان کے لیے اعتدال بلکہ اخفا ضروری تھا جیسا کہ اہلِ تصوف کا قاعدہ ہے کہ منتہیٰ کے لیے ذکر خفی موزوں تر ہوتا ہے۔ اور اخفا راصل ہے جہر بوقت ضرورت ہوتا ہے جیسے دشمن کے مقابلہ میں اور چور کے سامنے زور زور سے بولنا فائدہ ہے اور ظاہر ہے کہ سب سے بڑا چور ابلیس ہے اسی لیے ان پر ہیبت ڈالنے اور شیطان کے وسوسہ کو دور کرنے کے لیے ذکر بالجہر ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ حکمار نے کہا ہے کہ بادشاہ کو زور زور سے بولنا چاہیے تاکہ سامعین پر ہیبت چھا جائے اور ان کے دلوں پر اس کا رعب ہو۔ (کذا فی العقد الفرید)

صوفیانہ تحقیق السّر صوفیار کی اصطلاح میں ایک لطیفہ کا نام ہے جو قلب و روح کے مابین واقع ہے یہی اسرار ربانیہ کا معدن و مخزن ہے اور خفی وہ لطیفہ ہے جو روح اور حضرت الٰہیہ کے مابین ہے اور یہی اسرار و انوارِ ربانی کا مہبط ہے اسی لیے یعلم السر واخفٰی کے بعد فرمایا: اللہ لا الٰہ الا اللہ۔ آیت میں الوہیت کے صفت علیا کے مظہر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ایسا خفی ہے کہ "سر" سے بھی زیادہ مخفی اور لطیف اور عزیز اشرف ہے اور اقرب الی الحضرت صرف وہی سر ہے جس کا بیان وعلم آدم الاسماء کلھا میں ہے اور یہی ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ بے شک آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر انھیں اپنے تجلی سے نوازا" کی یہی حقیقت ہے۔

ف: وہ سر جو قلب و روح کے مابین واقع ہے وہ ہر انسان میں بوقت پیدائش موجود ہوتا ہے اور خفی انسان میں نشاۃ ثانیہ کے بعد پیدا ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ہر انسان اسرار روحانیہ کا معدن ہو وہ مومن ہو یا کافر اور ان اسرار کا مجموعہ معقولات ہیں لیکن انوار و اسرار ربانیہ کا مجموعہ مشاہدات و مکاشفات و حقائق علوم دینیہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ: اَللّٰہُ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اصل عبارت ذٰلک المنعوت .... الخ یعنے اوصاف جلیلہ مذکورہ

کا منوت وہی اللہ تعالےٰ ہے ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ زمین وآسمان میں صرف وہی معبود ہے ۔ یہ ھویۃ اسی معنی پر دلالت کرتا ہے ھو غائب موجود کا معنیٰ دیتا ہے یعنے وہ جو حواس سے غائب ہے جو ازل سے موجود ہے اسی معنےٰ میں حسن ہے یعنے وہ ذات جو حواس کے ادراک سے بلند و بالا ہے اسی لیے غفلت کے بغیر ھو کی ضمیر کا مستحق ہے ۔ (کذا فی بحر العلوم)

فائدہ صوفیانہ مذکورہ بالا تقریر کی وجہ سے صوفیا کرام نے ذکر کی بنا اسم ھو پر رکھی ہے ، اخفا ہو یا جہرا - اجتماعاً ہو یا انفراداً - باوجودیکہ ھو کا مرجع اللہ ہے اس معنے پر ھو اسم مظہر کے حکم میں ہے اور اس میں صرف وہی مکابر (سرکش و عنادی) ہی اختلاف کرے گا ورنہ سنجیدہ انسانوں کو انکار کی گنجائش نہیں ۔

ایک فرشتہ کی تخلیق حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پہلے ایک فرشتہ پیدا فرمایا جس کا کام ہے کہ وہ جہر کے ساتھ پڑھتا ہے :

اشهد ان لا اله الا الله

اور اس ورد کو ذرہ بھر بھی نہ چھوڑے اور نہ ہی اس میں سانس لے ، یہاں تک کہ جب اسے ختم کرے گا تو اللہ تعالےٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمائے گا کہ صور پھونکیں اور قیامت قائم ہو ۔ (کذا فی التفسیر الکبیر) ۔

ف : اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ عالم کائنات کا رکن اعظم اور اس کے وجود کا دوام ذکر الٰہی پر مبنی ہے جب ذکر ختم ہوگا تو عالم کائنات مٹ جائے گا ۔ اور ہر نقصان ترک ذکر سے ہوتا ہے ۔

حکایت : منقول ہے کہ ایک شکاری مچھلی کا شکار کرکے گھر لاتا تو اس کی لڑکی اسے پانی میں واپس چھوڑ دیتی اور کہتی کہ یہ جال میں ذکر کی غفلت سے پھنسی ہے ۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں ہے کہ جب تک اللہ اللہ ہوتا رہے گا قیامت قائم نہ ہوگی ۔

ف : اللہ کا لفظ دوبار دہرایا ۔ اس میں شک نہیں کہ اس اسم (اللہ) کا حقیقی ذکر وہی کر سکتا ہے جو اس کی معرفت تامہ رکھتا ہے کیونکہ یہ اسم جمیع اسماء کا جامع ہے اور ہر زمانہ میں کامل معرفت رکھنے والا دنیا میں اللہ تعالےٰ کا خلیفہ ہوتا ہے وہی اس زمانہ کا کامل ہوتا ہے ۔ گویا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین پر جب تک کامل انسان موجود ہوگا قیامت قائم نہ ہوگی ۔ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا کا معنوی آباد کار ہے کہ اسی کی برکت سے دنیا آباد ہے جب وہ اس دنیا کو چھوڑے گا تو آسمان پھٹ جائے گا ، سورج بے نور ہو جائے گا اور ستاروں کا نور گدلا ہو جائے گا بلکہ تمام ستارے جھڑ جائیں گے اور زمین تھرا جائے گی اور قیامت قائم ہوگی ۔ (کذا فی الفکوک لحضرۃ الشیخ صدر الدین قدس سرہٗ)

تفسیر عالمانہ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اس میں اس کی خالقیت رحمانیۃ مالکیۃ وعالمیۃ ودیگر اس کے ذاتی اسماء وصفات جو لاتعداد ہیں ان کا بیان ہے ۔

شان نزول : مروی ہے کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا اللہ یا الرحمن کہتے سنا تو کہا کہ

ادھر تو ہمیں کہتے ہیں کہ شرک نہ کرو اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اچھے نام ہیں۔

ف : الحسنی، احسن کی تانیث ہے اس سے واحدۂ مؤنث اور جمع مذکر و مؤنث کو موصوف کیا جاتا ہے ایسے ہی عرب میں مروج ہے جیسے دوسری آیات میں ہے :

مآرب اخری اور آیٰتنا الکبری۔

ف : اللہ تعالیٰ کے اسمار احسن بایں معنے ہے کہ اس کے ہر اسم میں معنی تقدیس و تمجید و تعظیم موجود ہے اور ربوبیت ہو یا اس جیسے اور افعال تمام میں نہایۃ فی الفضل والحسن مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمار کی تعداد تفسیر کبیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چار ہزار نام ہیں اور تین ہزار کو صرف اللہ تعالیٰ اور انبیاً علیہم السلام جانتے ہیں باقی ایک ہزار اہل ایمان کو معلوم ہیں۔ ان میں سے تین سو تورات میں اور تین سو انجیل میں اور تین سو زبور میں اور ایک سو قرآن مجید میں ہیں۔ ان میں سے ننانوے ظاہر ہیں اور ایک پوشیدہ ہے۔ جو انھیں یاد رکھتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا ان اسمار کا ذاتی کوئی حسن نہیں کیونکہ وہ الفاظ و اصوات محض ہیں ہاں ان کا حسن ان کے معانی کی وجہ سے ہے اور مسمّیٰ کا حسن ان اسمار کی صورت و خلقت سے نہیں کیونکہ یہ اس ذات کے لیے محال ہے جو جسمانیات سے منزہ ہے بلکہ اس کا حسن اس کے معنے کی وجہ سے ہے مثلاً اسم ستار و غفار و رحیم ان کا حسن اس لیے ہے کہ یہ احسان کے معنے پر دلالت کرتے ہیں۔

حکایت ایک حکیم کے ہاں ایک حسین اور قبیح حاضر ہوئے اور وصیت چاہی حسین سے فرمایا تو حسن ہے تجھے کوئی قبیح فعل عمل میں نہیں لانا چاہیئے اور قبیح سے فرمایا کہ تو قبیح ہے اگر کوئی قبیح عمل کرے گا تو تیرے قبح میں اضافہ ہوگا اور تھیں معلوم ہے کہ ہمارے معبود کے جملہ اسمار احسن ہیں اور اس کے صفات اجمل ہیں تو ان اسمار حسنہ و صفات جمیلہ کا ظہور ہمارے لیے سوائے احسان کے نہیں ہوتا۔ ہمیں ہمارے قبح افعال و گندگی صفات کی سزا یہی کافی ہے کہ ہم اس قبح اور گندگی سے موصوف ہیں تو پھر ہم اپنے لئے قبیح عقاب و وحشت عذاب کا اضافہ کیوں کریں۔

حدیث شریف : میں ہے :

اطلبوا الحوائج عند حسان الوجوہ۔ اپنی حاجات حسین چہروں سے مانگو۔ دکیونکہ اگر وہ کسی کا کام بنائیں تو خوش ہو کر اور اگر کچھ نہ دے سکیں گے تو بھی ہنس مکھ ہو کر ٹالیں گے ؎

گشتہ از لطف حق بعرصۂ خاک
حسن صورت دلیل سیرت پاک

ترجمہ : دنیا میں لطف حق سے سیرت پاک حسن صورت کی دلیل ہے ۔

کسی نے کہا ہے

یدل علی معروفہ حسن وجہہ

وما زال حسن الوجہ احدی الشواھد

ترجمہ : اس کی نیکی چہرۂ حسین کی دلیل ہے اور چہرے کا حسن اس کے شواہد میں ایک ہے ۔

حدیث شریف : حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ میرے ہاں کسی کام کے لیے حسین چہرے والے اور اچھے نام والے کو بھیجو۔

ف : ہمارے معبود کے تمام اچھے لیکن ہمارے چہرے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہیں اسی لیے ہم اس سے ضروریات کی طلب میں حیا کرتے ہیں ۔ اے اللہ تعالٰے ! تیرے تمام اسماء و صفات حسین ہیں فلہٰذا تو ہمیں اپنے احسان و کرم سے خائب و خاسر نہ لوٹا۔

ف : موسٰے علیہ السلام نے عرض کی کہ اے خدایا! تیرے نزدیک مکرم ترین کون ہے ؟ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ وہ بندہ جس کی زبان ذکر سے تروتازہ ہے پھر عرض کی کہ زیادہ علم والا کون ہے ؟ فرمایا ، وہ جو جانتا ہے کہ میرا اللہ دوسروں کے علم سے باخبر ہے ۔ پھر عرض کی کہ سب سے عادل کون ؟ فرمایا ، جو دوسروں کا اسی طرح فیصلہ کرتا ہے جیسے اپنا۔ پھر عرض کی کہ سب سے بڑا مجرم کون ؟ فرمایا ، وہ جو مجھے متہم کرتا ہے۔ پھر مانگتا بھی مجھ سے ہے اور وہ میرے قضا و قدر پر راضی بھی نہیں ۔ اے اللہ ہم تجھے متہم نہیں کرتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ ہم پر احسان و کرم فرماتا ہے وہ تیرا فضل اور وہ جو تو ہمارے کردار سے ہماری گرفت نہیں کرتا وہ تیرا عدل ہے فلہٰذا تو ہمارے بُرے اعمال پر مواخذہ نہ فرمانا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ہے

در دائرہ قسمت ما نقطۂ تسلیم

لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنچہ تو فرمائی

ترجمہ : دائرۂ قسمت میں ہم نقطۂ تسلیم ہیں ۔ ہمارے لیے تیری ہر تدبر لطف اور تیرا ہر فرمان حکم ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اس میں احتمال ہے کہ یہ موسٰے علیہ السلام کے حالات میں سے پہلی خبر ہے کیونکہ موسٰے علیہ السلام کے حالات بیان کرتے میں یہی پہلی سورت ہے ۔ یہ استفہام انکاری ہے

لہ : حدیث شریف سے ہم اولیاء اللہ کی استعانت (وسیلہ) کا استدلال کرتے ہیں ۔ اور ان کے حسین چہروں کی شہادت قرآنی موجود ہے ، کما قال تعالٰے ؛ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ۱۲ ۔ (اویسی)

یعنے کیا تمھیں آج تک موسٰے علیہ السلام کی خبر اور واقعہ نہیں پہنچا ہاں ابھی آپ کے ہاں وحی آ رہی ہے فلہٰذا آپ متنبہ ہو جایئے اور امر توحید وغیرہ میں سے اپنی قوم کو یہ واقعہ سنایئے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کے ہاں پہلے یہ واقعہ آچکا ہے اس معنٰے پر استفہام تقریری ہے گویا فرمایا: قد اتٰىك: بے شک تیرے ہاں آیا ہے۔

اِذْ رَاٰ نَارًا۔ یہ حدیث کا ظرف ہے۔ جب موسٰے علیہ السلام نے آگ دیکھی۔

آگ کا واقعہ مروی ہے کہ موسٰے علیہ السلام نے بی بی صفورا سے نکاح کیا۔ سہیلی نے کہا کہ وہ صفوریا بنت شعیب علیہ السلام تھیں۔ نکاح کے چند سال بعد اپنی ماں اور بھائی کی زیارت کے لیے شعیب علیہ السلام سے، مدین سے گھر مصر واپس جانے کی اجازت چاہی شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنے اہل وعیال کو لے کر چل پڑے لیکن شام کے بادشاہوں کے خطرہ سے غیر معروف راستہ اختیار فرمایا جب موسٰے علیہ السلام وادی طوٰی، جو کہ طور کے بجانب مغرب تھی، سے گذرے تو آپ کی اہلیہ نے بچہ جنا۔ یہاں پر سردی بلکہ برف باری اور موسم سرما اور رات اندھیری تھی اور یہ واقعہ جمعہ کی رات کو پیش آیا۔ آپ نے دیا سلائی جلائی اس سے آواز تو نکلی لیکن آگ نہ جل سکی۔

بعض کہتے ہیں کہ موسٰے علیہ السلام غیرت مند تھے دن کو اپنی اہلیہ سمیت، دوسرے رفقاء سے علیحدہ ہو کر چلتے رات کو ان کے ساتھ ہو جاتے، ایک دفعہ راستہ بھول کر رفقاء سے بچھڑ گئے۔ اس حالت میں دُور سے آگ دیکھی جو کہ کوہ طور کے بائیں جانب نظر آئی۔ آپ نے سمجھا کہ یہ چرواہوں نے آگ روشن کی ہے۔

فَقَالَ لِاَهْلِهِ تو اپنی اہلیہ اور صاحبزادے اور غلام کو فرمایا۔ امْكُثُوْٓا اپنی جگہ پر ٹھہرو میرے پیچھے نہ آؤ۔ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔ الایناس۔ یعنے ایسا واضح دیکھنا جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو اسی سے انسان العین بنے یعنے انس کہتے ہیں کہ وہ ظاہر ہیں جیسے جنات کو ان کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے جن کہا جاتا ہے۔ یعنے میں نے آگ کو واضح طور پر ایسے دیکھا کہ جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے تو اب میں وہاں جاتا ہوں۔ لَعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا مجھے امید ہے کہ میں وہاں سے لاؤں گا بِقَبَسٍ۔ آگ کی چنگاری یعنے انگارہ، جو بہت بڑے ڈھیر سے ایک تھوڑا سا حصہ ہوتا ہے۔ سورہ قصص میں جذوۃ اور سورہ نمل میں شہاب سے قبس مراد ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں:

قبست منه نارا فی راس عود او فتیلة او غیرهما۔ (میں نے لکڑی یا فتیلہ کے سرے میں سے آگ لی ہے)۔

ازالۂ وہم لعلی کا اضافہ اس لیے کہ اس وقت انھیں آگ کے لانے کا یقین نہ تھا اگر صرف اٰتیکم منها ۔۔۔۔ الخ کہہ دیتے تو یقینی بات نہ تھی۔ موسٰے علیہ السلام پر الزام کذب آتا اور نبوت سے پہلے بھی ہم انبیاء علیہم السلام کے لیے کذب کے قائل نہیں اور آپ اس وقت نبی نہیں تھے[1]

---

[1] اور حاشیہ اگرچہ معتزلہ وبدیوں وہابیوں کے کہ وہ قبل از نبوت بھی انبیاء علیہم السلام کے لیے عصمت از کذب کے قائل نہیں۔

ف : وہ جو موسےٰ علیہ السلام نے دیکھا تھا وہ نار نہیں بلکہ نور تھا۔ اسے نار سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام نے اسے نار تصور فرمایا تھا۔

عجیب توجیہ حضرت، امام (فخر الدین رازی) نے فرمایا کہ وہ نار تھی۔ یہ ہم نے اس لیے کہا ہے تاکہ موسےٰ علیہ السلام پر کذب کا اتہام نہ آئے کیونکہ اگر وہ نور تھا اور موسےٰ علیہ السلام اسے نار کہہ رہے ہیں تو واقعہ کے خلاف ہوگا۔ اس سے موسےٰ علیہ السلام پر کذب کا الزام آتا ہے۔

نکتہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد آگ تھی، اسی لیے اللہ تعالےٰ ان کے مطلوب مجازی کی صورت میں متجلی ہوا تاکہ اس طرف متوجہ ہوں ورنہ اگر اس صورت کے بغیر کسی اور صورت میں متجلی ہوتا تو اس سے منہ پھیرتے جب دیکھتے کہ یہ اس کا مطلوب نہیں ہے ۔ ے

کنار موسےٰ یراھا عین حاجتہ

وھوالالہ ولکن لیس یدریہ

ترجمہ : جیسے موسےٰ علیہ السلام اپنی ضرورت کو دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ الٰہ تھے جس کا اس وقت انھیں علم نہ ہوا۔ یعنے یہ نہ سمجھ سکے کہ جس کو وہ دیکھ رہے ہیں اور جس سے ہم کلام ہیں وہ اسی آگ میں جلوہ گر ہے۔

اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ یا میں اس آگ سے کوئی رہبر پاؤں جو مجھے سیدھا راستہ بتائے۔ کیونکہ اکثر آگ کے نزدیک کوئی نہ کوئی آدمی ضرور ہوتا ہے۔

ف : ھدًی مصدر بمعنے ہادی ہے اس سے مبالغہ مطلوب ہے یا یہاں پر مضاف لفظ ذا محذوف ہے دراصل ذا ھدًی تھا۔ اور لفظ اَوْ منع الخلو کے لیے ہے۔ منع الجمع کے لیے نہیں جیسے سورۃ قصص میں آیت " لعلی آتیکم منہا بخبر او جذوۃ من النار " میں منع الخلو کا ہے۔ لفظ علیٰ استعلاء کے لیے ہے اور وہ یہاں پر بایں معنے ہے کہ موسم سرما میں گھیرا ڈال کر لوگ آگ سینکتے ہیں تو بیٹھے ہوں یا کھڑے آگ کو سرا ٹھا کر اوپر سے دیکھتے ہیں اسی لیے لفظ علیٰ لایا گیا ہے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا جس آگ کو دور سے دیکھا تھا جب اس کے قریب آئے۔

سبز درخت سے آگ کا نظارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام نے سبز درخت دیکھا جسے اوپر نیچے سے ایسی آگ گھیرے ہوئے ہے جس کی روشنی سے آنکھیں چندھیا

جاتی ہیں لیکن وہاں پر کوئی بھی نہیں تو موسیٰ علیہ السلام درخت کی سبزی اور پھر آگ کی سخت روشنی سے متعجب ہو کر کھڑے ہوگئے کر خدایا یہ کیا راز ہے کہ سبز درخت میں آگ اور عجیب تر یہ کہ نہ آگ درخت کو جلاتی ہے اور نہ درخت کا پانی آگ کو بجھاتا ہے اسی تعجب میں تھے کہ فرشتوں کی تسبیح سنی اور پھر ایک عظیم نور نظر آتا ہے جس سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اس پر دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ دیئے اور خوفزدہ ہوگئے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ پر سکون و طمانیت نازل فرمایا اور ساتھ ہی ندا دی۔

درخت کا نام: وہ سبز درخت ببول کا درخت تھا یا عوسجہ علیق عناب تھا۔ یہ وہ درخت ہے جس میں آگ نہیں بخلاف دوسرے اشجار کے کہ ان میں آگ ہوتی ہے۔

آگ کی اقسام: اہل علم نے فرمایا کہ آگ کی چار اقسام ہیں:

① کھاتی ہے لیکن پیتی نہیں یہ دنیوی آگ ہے۔

② پیتی ہے لیکن کھاتی نہیں۔ یہ اسی سبز درخت مذکور کی آگ ہے۔

③ کھاتی بھی ہے پیتی بھی ہے۔ یہ جہنم کی آگ ہے۔

④ نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی آگ ہے۔

بعض اہل علم نے فرمایا کہ آگ کی چار قسمیں یوں ہیں:

① جلاتی ہے لیکن اس میں روشنی نہیں جیسے نارِ جحیم۔

② جلاتی نہیں اس میں روشنی ہے جیسے نارِ موسیٰؑ۔

③ جلاتی ہے اور اس میں روشنی بھی ہے جیسے نارِ دنیا۔

④ نہ جلاتی ہے نہ اس میں روشنی ہے جیسے نارِ اشجار۔

ف: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ نورِ محبت کے لیے ہے اور نارِ عشق کے لیے جب موسیٰؑ کی محبت کا نور مکمل ہوا تو اس سے عشق کی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تو اس کے باطن سے اللہ تعالےٰ نے اس پر متجلی ہوا اور وہ اس لیے کہ جب قلب نے سردی کی رات میں لیلۃ الجلالیہ وہ بچہ جنا جو اللہ تعالےٰ کا زمین میں نائب ہے تو نارِ صفاتیہ کی صورت میں نورِ ذاتی ظاہر ہوا کیونکہ صورت کی صفات کی ہوتی ہے اس نورِ ذاتی کے ظہور سے موسیٰ علیہ السلام یعنے انسان کی جمیع انانیت جل کر راکھ ہوگئی اس پر اس کو توحید وجدانی نصیب ہوئی تو اس وقت **نُوْدِیَ** موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا: **یٰمُوْسٰی ○ اِنِّیْٓ اَنَا**۔ یہ انا تو تاکید و تحقیق کے لیے ہے یعنے اے موسیٰ! (علیہ السلام) کسی قسم کا شک و شبہ نہ کیجئے پورے یقین کے ساتھ سمجھئے کہ میں "**رَبُّکَ**" تیرا پروردگار ہوں۔ **فَاخْلَعْ** تو پاؤں سے اتاریئے۔ **نَعْلَیْکَ** اپنے دونوں جوتے اتاریئے یعنے اپنی عورت ہے اور بکریوں کا خیال چھوڑیئے۔

ف: حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اپنی طبیعت و نفس کے تصور کو مٹایئے۔

شرح: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ عورت کی صورت طبیعت جیسی ہے اور اولاد کی صورت نفس کی طرح ہے کیونکہ اولاد کی محبت

اکثر خواہش طبیعت سے ہے اور عورت انسان کے نفس کے حکم میں ہے کیونکہ یہ اس کا ایک جز ہے اور بکریاں وغیرہ اس کے معاش سے ہیں جو وجود کے تابع ہے۔ گویا موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ نفس اور اس کے توابع پھینک کر آئیے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ نعلین سے دنیا و آخرت ہے گویا اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ معرفت و مشاہدہ میں مستغرق ہو جائیے۔ اور الْوَادِ الْمُقَدَّسِ سے قدس، جلال و طہارت اور عزت الٰہی مراد ہے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ صانع کا اثبات دو مقدموں سے ہوتا ہے انھیں نعلین سے تنبیہ دی گئی ہے کیونکہ انھیں کے ذریعہ نتیجہ تک پہنچنا پڑتا ہے اور معرفت الٰہی ان سے منتقل ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس میں سالک کو حکم ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کرے تاکہ قلب نور قدس میں مستغرق ہو۔ گویا یوں کہا گیا کہ دلیل و برہان کے فکر سے فارغ ہو جائیے۔ کیونکہ معائنہ و مشاہدہ کے بعد ان کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ:

ساکنان حرم از قبلہ نما آزادند

(حرم کے ساکن قبلہ نما سے آزاد ہیں)

مثنوی شریف میں ہے ؎

چون شدی بر بامہائے آسمان
سرد باشد جست وجوئے نردبان
آئینہ روشن کہ شد صاف و جلی
جہل باشد بر نہادن صیقلی
پیش سلطان خوش نشستہ در قبول
زشت باشد جستن نامہ رسول

ترجمہ: جب تم آسمان کی چھت پر چڑھ جاؤ تو پھر سیڑھی کی ضرورت نہیں۔
جو آئینہ صاف و شفاف ہو۔ اسے صیقل کرنا جہالت ہے۔
جو بادشاہ کے آگے مقبول ہو کر بیٹھا ہے اسے قاصد کے خط جستجو عبث ہے۔

ف: یہی وجہ ہے کہ جب شبلی قدس سرہٗ کو وصول الی اللہ کا مرتبہ نصیب ہوا تو آپ نے اپنی جملہ کتابیں دھو ڈالیں۔

إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ بے شک مقدس وادی میں ہو۔ طُوًى ○ جس کا نام طویٰ ہے یہ الوادی المقدس کا عطف بیان ہے۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ وادی پہاڑوں یا ٹیلوں یا بہت بڑے مٹی کے ڈھیروں کے درمیانی خلا کو کہتے ہیں اور طویٰ، ملک شام میں ایک وادی ہے اور یہ منصرف اور تنوین کے ساتھ پڑھنا چاہئے کہ مکان کے معنی میں مؤول ہے اور غیر منصرف بھی

پڑھنا جائز ہے کہ ایک مشہور وادی کا علم ہے ۔

ف : مروی ہے کہ موسٰے علیہ السلام نے جوتے اتار کر اپنے پیچھے پھینک دیئے ۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ اور میں نے تجھے نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا ہے ۔

ف : حمزہ کی قرأت میں وانا اخترتك بصیغہ جمع ہے ۔

فَاسْتَمِعْ تو سنئے ۔ لِمَا يُوْحٰى ○ وہ جو میری جانب تمہیں وحی کی جاتی ہے از قسم امر و نہی لام فاستمع کے متعلق اور زائدہ اور اس کا مدخول مفعول ہے جیسے ردف لکم میں لام زائدہ ہے ۔

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ بے شک میں اللہ تعالٰے ما یوحیٰ کا بدل ہے اس میں اشارہ ہے کہ اصول فروع پر مقدم ہوتے ہیں کیونکہ توحید مسائل اصول سے ہے اور عبادت کا ذکر آتا ہے فروع سے ہے ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا میرے سوا کوئی معبود نہیں ۔ جب بات یقینی ہے کہ صرف میں ہی عبادت کے لائق ہوں ۔ فَاعْبُدْنِيْ تو میری ہی عبادت کرو ، فلہٰذا میری عبادت کے لیے مجھے خاص کرو اور میری توحید کا اقرار کرو اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ یہ عطف الخاص علے العام کے قبیل سے ہے اس کی فضیلت کے پیش نظر اس کی تصریح کی گئی ہے ۔ لِذِكْرِيْ ○ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنے مجھے ذکر اور صرف میرے ذکر ہی میں مشغول رہو کیونکہ ذکر الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زبان و جناں و ارکان کے ساتھ عبادت میں مشغول رہو اور نماز ان تمام کا مجموعہ ہے یا مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے یعنے میرا تمہیں ثواب دینے کا ذکر کرنا ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تمہیں اگر خواہش ہے کہ میں تمہارے وجود حادث کو فنا کرنے کے لیے تمہیں اپنی دائمی تجلیات سے ذکر کروں تو تم میری مناجات اور میرے حضور میں اپنے وجود کو خرچ کرو ۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ یہ وجوب عبادت و اقامۃ الصلوٰۃ کی علت ہے ۔ الساعۃ اس وقت کا نام ہے جس میں قیامت قائم ہوگی اور اسے ساعۃ سے موسوم کرنے میں اشارہ ہے حقیقی ساعۃ یہی ہے کہ اس میں ایک ہولناک امر ہوگا یعنے قیامت آنے والی ہے یعنے اس کا وقوع یقیناً ہے اور اسے اتیان (آنا) سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا امر متحقق ہے کہ جس کے وقوع کی توجہ مخاطبین کی طرف ہے ۔ اَكَادُ اُخْفِيْهَا ۔ جلالین میں ہے کہ اسے تہویل و تعظیم کی وجہ سے چھپاتا ہوں اور اکاد صلہ ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ کاد دراصل مقاربۃ کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالٰے کی جانب سے ہو تو تحقق و وجوب کا فائدہ ہوتا ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ میں اس کے وقت کو مخلوق سے چھپاتا ہوں[1] تاکہ وہ اس سے ہر وقت خطرہ میں رہیں ۔ قال عسیٰ ان یکون قریبا ،

---

[1] : یہ آیت مخالفین علم غیب النبی صلے اللہ علیہ وسلم باعطاء ربہ القوی پیش کرتے ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ اس کا اخفا عوام کے لیے ہے ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے علماء محققین لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ساعۃ کا علم عطا فرمایا ، چنانچہ صاوی شرح جلالین ، روح البیان وغیرہ میں تصریح موجود ہے ۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں عسیٰ قرب کے یقینی معنی میں ہے یعنے یقیناً وہ قریب ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ میں اسے ظاہر نہیں کرتا ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ وہ آئے گی ضرور۔ اگر خبر دینے میں میرا لطف وکرم نہ ہوتا اور پھر تمہارے عذر کا قطع مطلوب نہ ہوتا تو میں اسے کبھی بیان نہ کرتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں قیامت اور اس کی آمد کو اس لیے چھپاتا ہوں ایسے ہی جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ کے ہولناک واقعات اور اس کے عذاب کو مخفی رکھتا ہوں تاکہ میری عبادت کے ساتھ جنت کے طمع اور نار کے خوف کی ملاوٹ نہ ہو جائے بلکہ عبادت خالص میری ذات کے لیے ہونی چاہیئے۔ کما قال تعالٰے :

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

اس میں بندوں کو تہدید عظیم اور ذات حق کی عزت وعظمت کا اظہار ہے لیکن چونکہ اس کی رحمت غضب پر سبقت کر گئی ہے اسی لیے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

تفسیر صاوی میں ہے :

انما وقت السوال والا فلم یخرج نبینا علیہ السلام حتی اطلعہ اللہ علی جمیع المغیبات ومن جملتہا الساعۃ۔

اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تھا ورنہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبوں پر مطلع فرما دیا جن میں سے قیامت بھی ہے۔

ولیس من شرط النبی ان تعلم الغیب بغیر تعلیم من اللہ تعالٰے۔

اور نبی کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے، غیب جانے۔

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہٰذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل پکڑنا غلط ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے :

المعنی لا یفید علمہ غیرہ تعالٰی فلا ینافی ان رسول اللہ علیہ السلام لم یخرج من الدنیا حتی اطلع ما کان وما یکون وما ھو کاین ومن جملتہ علم الساعۃ

(معنٰے یہ ہیں کہ) قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ رب تعالٰے نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرما دیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔

علم الساعۃ اور آیت کی مزید تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

(از مترجم، اویسی)

میرا ساعۃ اور اس کے آنے کو مخفی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ○ یہ آیۃ کے متعلق اور ان کے درمیان جملہ معترضہ اور ما مصدریہ ہے یعنے قیامت کے قیام کو مخفی رکھنے کا سبب یہ ہے تاکہ اس کے لیے سعی و عمل پر جزا دی جائے نیکی کی نیک اور برائی کی بُری جزا و سزا۔ تاکہ مطیع و عاصی کا امتیاز ہو۔ اور سعی کا ذکر اس لیے ہے کہ تنبیہ ہو کہ قیامت قائم کرنے کی اصلی وجہ یہی ہے کہ بندوں کو عبادات کا ثواب اور نافرمانی کی سزا دی جائے اور انھیں پتہ چلے کہ ان کا عذاب ان کے سوء اختیار کے مقتضیات سے ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا تو تمھیں نہ روکے ساعۃ کے ذکر اور اس کے مراقبہ سے۔ مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وہ جو ایمان نہیں لاتا قیامت پر۔ اگرچہ بظاہر اس میں کافر کو نہی ہے کہ وہ قیامت کے آنے کا انکار نہ کرے۔ لیکن درحقیقت موسٰے علیہ السلام کو اس کے انکار سے روکا گیا ہے اور وہ بھی اس کے اسباب کے انکار سے کیونکہ شئے کے اسباب و مبادی کی نفی و اثبات شئے کی نفی و اثبات میں مبالغہ مطلوب ہوتا ہے اور یہ طریق برہانی ہے اور سبب کی جڑ کاٹنے سے اصل کی جڑ خود کٹ جاتی ہے۔ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور جس نے اپنی خواہش کی اتباع کی یعنے وہ مقصد و مراد جو سراسر مبنی بر میلان نفس ہے جس کی نہ برہان سماوی تائید کرتی ہے نہ دلیل عقلی۔

ف : الارشاد میں ہے کہ اس کا معنٰے یہ ہے کہ وہ لذات حسیہ فانیہ کی نفس خواہش کرتا ہے۔

فَتَرْدٰى ○ تو تباہ و برباد ہوگا۔ الردی سے ہے یعنے موت و ہلاکت کیونکہ جو شخص قیامت اور اس کے ہولناک عذاب سے بچنے کے اسباب سے غفلت برتتا ہے تو وہ لازماً تباہ و برباد ہوتا ہے۔ اس میں استقامت فی الدین کا امر ہے۔ اگرچہ خطاب موسٰے علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔

ف : آیت ہٰذا اور دوسری آنے والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے موسٰے علیہ السلام سے گفتگو فرمائی اور موسٰے علیہ السلام نے اس گفتگو کو سنا بھی۔

سوال : موسٰے علیہ السلام کو کیسے پتہ چلا کہ جسے میں سن رہا ہوں وہ کلامِ الٰہی ہے ؟

جواب : موسٰے علیہ السلام کا اللہ تعالٰے کے ساتھ گفتگو کرتے وقت سانس رکتا نہیں تھا جیسے انسانوں کے ساتھ گفتگو کے وقت سانس رک جاتا ہے۔ اس سے انھوں نے معلوم کیا کہ میں اللہ تعالٰے سے گفتگو کر رہا ہوں اور انھیں یہ کلامِ الٰہی مدد وجدانی سے نصیب ہوا اور ساتھ ہی یہ کلام ہر جانب سے سنائی دے رہا تھا، اس سے بھی انھیں یقین ہوا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اس کلام کو اپنے جمیع اجزا سے سنا۔ یہ جملہ قرائن بتاتے تھے کہ یہ کلام خدا ہے کیونکہ یہ کلام سنتے وقت موسٰے علیہ السلام کا تمام وجود کان بن گئے تھے۔

ف : یہی حال مؤمن کا ہے جب آخرت میں کلام الٰہی سنے گا تو یہ کلام سننے کے لیے اسے وجہ مخصوص، آنکھ مخصوص اور کان مخصوص نصیب ہو گا جس کی وجہ سے اللہ تعالٰے کو ہر جانب سے دیکھے گا اور ہر وجہ اور ہر طرف سے اس کا کلام سنے گا۔ ایسے جب بندے کو اللہ تعالٰے کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے تو وہ ہر جہت سے اس کا مشاہدہ کرتا ہے جسے دیکھنے اور کلام سننے کے لیے کوئی سے حاجب نہیں

ہوتی ہر جہت سے دیکھتا سنتا ہے۔

ف : نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کوئی ایسا علم ضرور پیدا فرمائے جس سے اسے خصوصیت کے ساتھ دیکھا جائے جیسے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غار حرا میں جبریل علیہ السلام کی پہلی حاضری کے وقت ہوا۔

کلام کے چند مراتب یہ ہیں :

① کلام متکلم کے عین ہو۔

② وہ معنے جو متکلم کی ذات کے ساتھ قائم ہو جیسے کلام نفسی ۔

③ وہ جو کہ حروف واصوات سے مرکب ہو۔ اور یہ عالم مثال وعالم حس کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔

موسےٰ علیہ السلام پر یہ کلام مرتبہ امر سے مرتبۂ روح کی طرف نازل ہوا اس کے بعد مرتبۂ حس کی طرف اترا۔ اور جو ان مراتب کو عبور کر لیتا ہے اس کے لیے کوئی فرق نہیں رہتا۔ [دیکھیے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی کو کبھی گھنٹی کی آواز میں سنتے تھے اور تجلی باطنی کو یہ مراتب حامل بھی نہیں ہوتے ۔

سوال : موسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے کہ انھیں کلیم اللہ کہا گیا ہے حالانکہ اس طرح کا کلام تو تمام انبیاء علیہم السلام سے ہوا، پھر اُن کو کلیم اللہ کیوں نہیں کہا جاتا ؟

جواب : دراصل جزا اور اعلےٰ مراتب، اعمال پر مرتب ہوتے ہیں۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام پر فرعون والی آزمائش تھی اور اس میں آپ کی زبان بھی جل گئی تھی اس پر انھیں اللہ تعالےٰ نے بلاواسطہ کلام کا شرف بخشا ۔

ہر محنتی مقدمۂ راحتے بود
شد ہم زبان حق چو کلام کلیم سوخت

ترجمہ : ہر دکھ راحت کا پیش خیمہ ہوتا ہے موسےٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے کلام سے اس وقت سرفراز ہوئے جب کہ اس سے پہلے آپ کی زبان جل گئی تھی ۔

حکایت : بعض مشائخ کو ان کے مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ کی گفتگو کیسی رہی تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ مجھ سے راضی تھا اور شفقت فرماتے ہوئے کہا کہ میرے پیارے اب کھائیے جب کہ تو نے دنیا میں نہ کھایا اور پی جو تو نے دنیا میں پیٹ بھر کر نہ پیا۔

ف : چونکہ اس نے دنیا میں نیک کام کیا تو مرنے کے بعد بھی اسے نیک جزا عطا ہوئی۔ اسے یہ نہ فرمایا کہ کھا اور پی اور رات کو جاگنے والے کھا پی اے جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ۔

حکایت : ایک بزرگ کو ہوا پر اڑتا دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ تمھیں یہ مرتبہ کیسے نصیب ہوا۔ جواب میں فرمایا کہ میں نے اپنی خواہشات نفسانیہ کو دبایا تو اللہ تعالےٰ نے مجھے یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ ہوا کو میرے تابع کر دیا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ علم وحکمت معرفت مناسبات میں سے ہے۔ یہ فیصلہ عقلی اور حکم الٰہی ہے جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف کرتا ہے تو یقین کیجئے کہ اسے مواقع حکم سے ذرہ برابر بھی نصیب نہیں۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ۝ ماتلك مسمی کی ماہیت سے سوال کیا جاتا ہے یعنے شے کی وہ حقیقت کہ جس سے وہ موجود ہے جیسے کہا جائے کہ ما زید ا یعنے اسی لفظ کے مسمی کی حقیقت کیا ہے تو اس کا جواب صرف "انسان" ہوگا۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ جب موسٰے علیہ السلام نے وادی مقدس سے جوتا باہر رکھ کر وادی میں قدم رکھا تو ندا آئی وما تلك یعنے یہ کیا شے ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ تیرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے۔ ا

اس معنے پر یہ ما استفہامیہ ہے محلاً مرفوع ہے اور لفظ تلك سے خبر ہے اور تلك کا اشارہ عصا کی طرف ہے۔ حال کا عامل لفظ ہذا کا معنےٰ اشارہ ہے۔

سوال: بیدك کیوں نہ کہا بیمینك میں کونسا راز ہے ؟

جواب: ممکن ہے کہ ان کے بائیں ہاتھ میں انگشتری وغیرہ ہو۔ تو اگر مطلق بیدك (تیرے ہاتھ میں کیا ہے) کہا جاتا تو موسیٰ علیہ السلام حیران ہو جاتے، ان کے تحیر کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے استفہام کی تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

قَالَ موسٰے علیہ السلام نے عرض کی: هِيَ عَصَايَ یہ میرا عصا ہے۔ اسے موسٰے علیہ السلام نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ واضح ہو جائے کہ سیدھے ہاتھ میں فلاں شے ہے۔ اور آنے والے جملہ افاعیل منسوب الی موسٰے علیہ السلام ہیں اسی لیے یہاں پر موسٰے علیہ السلام نے عصا کو اپنی طرف مضاف کیا تاکہ یہ آنے والے افاعیل کے لیے بمنزلہ تمہید کے ہو جائے۔ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا راستہ میں تھکان کے وقت، چلتے وقت اور چراگاہ میں بکریوں کے ریوڑ کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت میں اس پر سہارا کرتا ہوں۔ وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ۔ اھش یعنے درخت کے پتے جھاڑنا۔

حل لغات: اہل لغت کہتے ہیں هش الورق یهشه یعنے اس نے اپنا ڈنڈا مارا تو اس سے پتے گر پڑے۔

اب معنے یہ ہوا کہ میں اس سے درخت کے پتے جھاڑتا ہوں تاکہ وہ پتے بکریاں کھائیں۔

وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ۔ مآرب (بفتح الراء وضمها) بمعنے حاجت وضرورت۔ اُخْرٰى ۝ اخر کہنا تھا لیکن اخرٰی فرمایا محض فاصلہ آیات کی رعایت کی وجہ سے یعنے اس عصا سے میرے اور بہت سے مقاصد حاصل ہوتے ہیں یعنے سہارا لگانے اور پتے جھاڑنے کے علاوہ بھی میرے اس سے بہت سے کام وابستہ ہیں مثلاً چلتے وقت کاندھے پر رکھ لیتا ہوں اور اس کی دوسری طرف تیر کمان اور دودھ کا برتن اور لوٹا باندھ دیتا ہوں اور اس کی دوسری طرف زاد راہ باندھتا ہوں۔ ان جملہ اشیاء کو اسی ڈنڈے کے ذریعے ساتھ رکھنے میں اور ان کو اٹھانے میں آسانی ہوتی ہے۔ عجیب تر یہ کہ سفر کے دوران میرے ساتھ باتیں کرتا ہے۔

عصا کا تعارف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک دو شاخہ تھا اور محجن جب کسی درخت کی ٹہنی اونچی ہوتی تو اسے محجن سے نیچے کرتے اور پھر موڑنے کا ارادہ فرماتے تو عصا کے دو شاخوں سے ٹہنی کو سمیٹ لیتے۔ (اس طرح سے ٹہنی سے پتے جھاڑنا آسان ہو جاتا) اور اس عصا کے نیچے کی طرف دو دندانے تھے:

(۱) جب اسے زمین پر گاڑتے تو زمین سے پانی نکلتا۔

(۲) جو ثمر موسیٰ علیہ السلام چاہتے وہ ڈنڈے سے مل جاتا۔

(۳) جس وقت کنوئیں سے پانی نکالنا چاہتے تو وہ ڈنڈے کو کنوئیں میں ڈال دیتے تو ڈنڈا بوکہ کی صورت اختیار کر جاتا جس سے پانی نکال لیتے۔

(۴) جب رسی کم ہو جاتی تو عصا کے ساتھ ملا لیتے اس سے پانی نکال لیا جاتا۔

(۵) رات کے وقت وہ چمکتا بھی تھا۔

(۶) اسی سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے جس سے دشمن بھاگ جاتے۔

(۷) جب درندے بکریوں کے پیچھے پڑتے تو موسیٰ علیہ السلام اس ڈنڈے سے انھیں بھگاتے۔

(۸) نیند اور بیداری میں ہوام کو ہٹاتے۔

(۹) دھوپ سے بچنے کے لیے ڈنڈے کو زمین پر گاڑ کر اس پر کپڑا ڈال دیتے جس کے سایہ کے نیچے آپ آرام فرماتے۔

ڈنڈے کا طول وعرض ڈنڈے کا طول موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کے مطابق بارہ ۱۲ ہاتھ تھا۔ جنت کے مورد کے درخت کا بنا ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو شعیب علیہ السلام سے اور شعیب علیہ السلام کو ایک فرشتے سے ملا تھا جسنے آدمی کے بھیس میں آکر آپ کے ہاں امانت رکھا تھا۔

ف: کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ وہ ڈنڈا صاف لکڑی کا بہشت سے آیا تھا۔ اس کا طول دس گز اور اس کا سر دو شاخہ تھا۔ اس کے نیچے دندانے تھے جسے وہ علیق سے موسوم کرتے یا نبعہ سے۔ آدم علیہ السلام سے بطور وراثت شعیب علیہ السلام کو ملا۔ ان سے موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام خلق خدا کے راعی ہیں اور مخلوق جانوروں کی طرح ہے، اسے چارے اور نگرانی کی ضرورت ہے اسے شیطان جیسے بھیڑیئے اور نفس جیسے شیر سے بچانا لازمی ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے ارشادات پر عمل کرے اور ان کے دروازے پر پڑا رہے اور ان کے اشاروں پر چلے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔

شبان وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ : وادیٔ ایمن کا راعی اس وقت منزل مقصود پر پہنچا جب کہ چند سال شعیب علیہ السلام کی خدمت کی۔

فائدہ صوفیانہ اہل معرفت نے فرمایا کہ چونکہ ڈنڈا النفس مطمئنہ کی صورت میں تھا یہی وجہ ہے کہ موہومات و متخیلات کو فنا کرتا ہے اس لیے کہ سانپ کی صورت ایسی ہے کہ وہ ایمان کی استعداد رکھتی ہے جیسے جنون کو مدینہ طیبہ میں سانپ کی صورت میں دیکھا گیا۔ اس کا ذکر صحاح ستہ میں موجود ہے۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ھی عصای اتوکا علیھا یعنی اس ڈنڈے (نفس مطمئنہ) کے ذریعے اسرار الٰہیہ کے مطالب حاصل کرتا ہوں۔

واھش بھا علی غنمی اور اپنی رعایا یعنے اعضا و جوارح اور ایسے جملہ قوائے طبعیہ و بدنیہ کی روحانی غذا پاتا ہوں۔ ولی فیھا مآرب اخری اور دیگر وہ کمالات جو مجاہدات بدنیہ و ریاضات نفسیہ سے نصیب ہوتے ہیں میں اسی کے ذریعے حاصل کرتا ہوں۔ جب یہ مجاہدہ و ریاضت میں میرے کام آتا ہے اور رجوع الی اللہ سے مجھے آگاہی دیتا ہے تو معصیت طاعت سے تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یبدل اللہ سیئاتھم حسنات (اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرتا ہے)

سوال: سوال تو لاعلمی کی وجہ سے ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کیوں سوال کیا؟

جواب: یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی حقیر شے سے نفیس واعلیٰ جوہر ظاہر کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا مشاہدہ عوام کو بھی ہو۔ اس معنے پر وہ سوال کے طور پر کہتا ہے: ماھذا؟ اس کے جواب پر مقصد ظاہر ہو جاتا ہے[1]

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ڈنڈے کی حقیقت کو ظاہر فرمایا تو اس کی مثال یوں ہے کہ ایک لوہے کا معمولی ٹکڑا دکھایا جائے جسے دیکھنے والا حقیر شے سمجھتا ہے۔ چند دنوں کے بعد اس سے بہترین زرہ تیار کر کے اسے کہا جائے کہ یہ وہی لوہا ہے جسے تم حقیر سمجھتے تھے بعینہٖ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس عصا سے اپنی عجائبات قدرت دکھائے تو پہلے فرمایا کہ یہ کیا ہے ایک لکڑی ہے جس سے نہ نفع ہے نہ نقصان لیکن جب ایک بڑا اژدھا دکھایا گیا تب واضح ہوا کہ یہ ایک قدرت ایزدی کا نمونہ ہے اور اس کی حکمتوں کا ایک باب۔

فـ: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ یہ استفہام تنبیہ کے لیے ہے گویا مخاطب کو فرمایا کہ آئیے قدرت کے عجائبات ملاحظہ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے امتحان لیا اور تنبیہ فرمائی تاکہ انھیں معلوم ہو کہ عصا کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک نام اور بھی ہے اور اس کی ایک حقیقت اور ہے جسے وہ نہیں جانتے اور کہیں کہ یا اللہ اس کا علم تجھے ہے۔ یہ تنبیہ اس وقت کی گئی جب انھوں نے اس کا علم اپنی طرف منسوب فرمایا: کما قال: ھی عصای

---

[1] یہی مقصد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہوتا تھا لیکن وہابیہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی پر محمول کیا۔ ان کو یہی جواب دیا جائے گا۔ (اویسی غفرلہٗ)

لیکن اللہ تعالےٰ نے متنبہ فرمایا کہ تیرے اس جواب میں دو لغزشیں ہیں :

(۱) اس کا ڈنڈا نام بتانا۔

(۲) اس کا علم اپنی طرف منسوب فرمانا۔

بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ یہ میرا ثعبان ہے تیرا ڈنڈا نہیں۔

سوال : ایسا خطاب موسےٰ علیہ السلام کو تو نصیب ہوا لیکن ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ کو ایسے خطاب سے نہیں نوازا گیا ؟

جواب : اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسے خطاب سے نوازا جس سے نہ صرف موسےٰ علیہ السلام بلکہ جملہ انبیائے علیہم السلام کو بھی نصیب نہ ہوا۔ کما قال تعالےٰ :

فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ۔

یہ خطاب رازدارانہ ہے جو سوائے حضور علیہ السلام کے کوئی بھی اس کا اہل نہیں ہے اور جیسے موسےٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا ہے ایسے ہی جملہ امت مصطفویہ علے صاحبہا السلام روزانہ بارہا خطاب کرتی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے : "المصلی یناجی ربہ" نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔ علاوہ ازیں موسےٰ علیہ السلام نے یہ استفہام استعلام کے طور پر نہ سمجھا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالےٰ منزہ اور مقدس ذات ہے بلکہ سمجھا یہ کہ سوال لہٰذا تذکرہ اور اس عصائی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہے اور گویا مجھ سے سوال ہو رہا ہے کہ اس کے منافع بیان کیجئے۔ چنانچہ اس کے منافع بھی اسی لیے بیان کیے۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا کہ موسےٰ علیہ السلام نے ڈنڈا کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر بھی کر دیا۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوال کی حقیقت یہ تھی کہ موسےٰ علیہ السلام کو تنبیہ ہو جائے کہ یہ ڈنڈا ہے اس سے خوفزدہ نہ ہونا جب یہ بڑا اژدہا بن جائے۔ اور یہ تمہارا معجزہ ہے اسی لیے اسے بار بار کے خطاب سے نوازا تاکہ وہ اس سے مانوس ہوں۔ اس سے انھیں وحشت نہ ہو اور ساتھ اس ہیبت جلالیہ سے بھی نہ گھبرائیں جو کلامِ الٰہی سے طاری ہوئی کیونکہ وہ کلام از جنس مخلوق نہ تھا اور وہ خوف بھی ان کے دل سے دور ہو جو انھیں درخت سے غیر مالوف طور پر بات سنائی دی اور ملائکہ کی تسبیح سے ان کے دل میں خطرہ بیٹھا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ان کا دل مضبوط ہوا تو کلام میں طوالت فرمائی۔

صدیق اکبر کی شان حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں نے اللہ تعالےٰ سے عرض کی : اللّٰھم یہ کلمہ مجھ سے اس وقت صادر ہوا جب مجھے وحشت طاری ہوئی تو میں نے ایک آواز سنی جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی آواز کے مشابہ تھی جو مجھے فرمایا جا رہا تھا :

قف فان ربک یصلی۔ (ٹھہریئے ! آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے)

اس سے مجھے تعجب ہوا کہ یہاں ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) مجھ سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گئے حالانکہ میرا رب تو صلوٰۃ پڑھنے سے پاک ہے۔
اور وہ خود فرماتا ہے کہ میں کسی پر صلوٰۃ پڑھنے سے مستغنی ہوں بلکہ وہ کہتا ہے :

سبحانی سبحانی سبقت رحمتی علی غضبی — میں پاکی والا ہوں میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے چکی ہے۔

اس کے بعد میری تسلی کے لیے اللہ تعالٰی نے فرمایا :

"اے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم : میں نے آپ پر یہ آیت نازل نہیں فرمائی ھو الذی یصلی علیکم .... الخ وہ اللہ جو تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ وہ تمھیں ظلمات سے نور کی طرف نکالیں اور اللہ تعالٰی اہل ایمان کے لیے رحیم ہے۔

ف : میری صلوٰۃ آپ پر اور آپ کی امت پر رحمت کے معنٰی میں ہے۔

اور ہم نے صدیق اکبر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی آواز میں کہا تھا "یا محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)، یہ صرف اسی لیے تاکہ آپ مانوس ہوں جیسے ہم نے موسٰی علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ وما تلك بيمينك يموسى۔ وہ اس لیے کہ چونکہ موسٰی علیہ السلام کو عصا سے انس تھا اسی لیے ہم نے ان کی وحشت دور کرنے کے لیے انھیں عصا کی طرف متوجہ فرمایا تاکہ وہ ہمارے کلام سے مانوس ہوں ایسے ہی چونکہ آپ کو اپنے یار غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انس ہے اسی لیے ہم نے یہاں پر ایک فرشتے کو ان کے لباس اور ان کی زبان دے کر آپ کو اپنی طرف مانوس فرمایا تاکہ آپ سے وحشت دور ہو اور مکمل طور پر ہماری طرف متوجہ ہوں۔ (کذا فی انسان العیون)

حکایت : امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالٰی محاضرات میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شاذلی رحمہ اللہ تعالٰی صاحب حزب البحر نے فرمایا کہ ایک روز میں مسجد اقصٰی میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ مسجد اقصٰی کے باہر حرم شریف کے وسط میں ایک تخت بچھایا گیا ہے اور بڑی مخلوق جمع ہو رہی ہے میں نے پوچھا کہ یہ جماعت کون ہے مجھے کہا گیا کہ یہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی جماعت ہے، یہ اس لیے جمع ہوئی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسین حلاج سے جو شرعی غلطی ہوئی ہے اس کے بارہ میں سفارش کریں۔ جب میں نے تخت کو دیکھا تو اس پر صرف ہمارے نبی پاک شہ لولاک سیدنا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہیں اور دیگر سادات انبیاء علیہم السلام جیسے ابراہیم و موسٰی و عیسٰی اور نوح علیہم السلام نیچے زمین پر تشریف فرما ہیں۔ میں وہاں پر ٹھہر گیا اور ان کے پیارے کلام کو سننے کا منتظر ہو گیا۔ اس مجمع انبیاء علیہم السلام میں حضرت موسٰی علیہ السلام بولے اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر عرض کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام جیسے ہیں آپ ان میں سے ایک تو ہمیں دکھائیے۔ ہمارے پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ ہیں۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے امام غزالی رحمہ اللہ تعالٰی سے ایک سوال کیا امام غزالیؒ نے اس کے دس جواب دیئے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اعتراض فرمایا کہ سوال کے مطابق جواب ہونا چاہیئے، میں نے سوال تو ایک کیا ہے لیکن آپ نے دس جواب دیئے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالٰی نے عرض کی کہ حضور یہی اعتراض تو پہلے آپ پر وارد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے

آپ سے پوچھا تھا کہ وما تلك بيمينك يٰموسیٰ۔ آپ کو جواب میں صرف کہنا تھا: ھی عصای۔ لیکن آپ نے بڑا طویل جواب دیا۔

امام شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نبی سید الانبیاء سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بلند قدر شان وشوکت کو دیکھ رہا تھا۔ سبحان اللہ! آپ اکیلے ہی تخت پر ہیں اور دیگر انبیاء خلیل وکلیم اور عیسےٰ علیہ السلام نیچے نیچے ہیں۔ ابھی میں اس حال میں تھا کہ کسی نے میرے سینہ پر پاؤں مارا جس سے میں جاگ اٹھا اس وقت میں نے ایک منتظم کو پایا جو قندیلیں روشن کر رہا تھا اور مجھے فرمایا کہ تعجب نہ کیجئے یہ جملہ انبیاء علیہم السلام کے نور سے پیدا ہوئیں ہیں۔ یہ سن کر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب نماز قائم ہوئی تو مجھے افاقہ ہوا اور میں نے اس منتظم کی تلاش کی لیکن وہ موجود نہ تھا وہ آج تک مجھے نہیں ملا۔

اسی کے مطابق امام بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے ؎

فانسب الی ذاتہ ما شئت من شرف

وانسب الی قدرہ ما شئت من عظم

ترجمہ: تو حضور علیہ السلام کی طرف ہر بزرگی کو جو چاہو منسوب کرو۔ اور ان کی عظمت و قدر و منزلت جیسے چاہو بیان کرو۔

کسی شاعر نے کہا ؎

سرخیل انبیاء و سپہدار اتقیا

سلطان بارگاہ دنا قائد امم

ترجمہ: حضور علیہ السلام انبیاء کے سردار اور اتقیاء کے سرتاج ہیں۔ بارگاہ دنا کے سلطان اور امتوں کے قائد ہیں۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ۔ یہ جملہ استئنافیہ بیانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ○ اے موسیٰ علیہ السلام اسے پھینک دیجئے پھر اس کا حال دیکھئے وہ کرشمہ دکھائے گا جسے آپ نے کبھی دیکھا سنا اور نہ تصور میں ہی آسکتا ہے۔ الالقاء۔ البنذ والطرح کا ایک معنی ہے۔

فَاَلْقٰهَا۔ تو اسے موسےٰ علیہ السلام نے زمین پر پھینک دیا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے گمان فرمایا کہ اسے بھی جوتے کی طرح پھینکنا ہے جونہی اسے زمین پر پھینکا تو اس سے ایک عجیب وغریب آواز سنائی دی اسے مڑ کر دیکھا کہ فَاِذَا هِيَ تو اچانک حَيَّةٌ سانپ تھا۔ تَسْعٰى ○ ہر طرف دوڑ رہا تھا۔

ف: مروی ہے کہ جب موسےٰ علیہ السلام نے عصا نیچے گرایا تو وہ زرد رنگ کا سانپ ڈنڈے کی موٹائی میں تھا پھر موٹا ہو کر بڑا اژدہا بن گیا اس لیے کبھی اسے جان سے تعبیر کیا گیا۔ کما قال: کانہا جانٌ۔ یہ اس کا ابتدائی حال ہے اور پھر فرمایا: فاذا ھی ثعبان۔ یہ اس کا انتہائی حال ہے لیکن یہاں پر حیۃ عام فرمایا اس کے صغر وکبر کا اعتبار نہیں کیا گیا لیکن ظاہر یہ ہے کہ ابتداءً اژدہا بن گیا تھا مقام کے مناسبت بھی یہی معنیٰ موزوں ہے جیسا کہ فاذا ھی ثعبان مبین سے بھی یہی معنی مؤید ہے۔ ہاں اسے جان

کی مشابہت بوجہ سرعت و حرکت کے ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ ڈنڈے کے سانپ بن جانے میں اشارہ ہے کہ کبھی برائیاں نیکیوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں کیونکہ سانپ معصیت سے ہے جب معصیت تبدیل ہو تو وہ طاعت ہی ہو گی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحا فاولٓئك — ہاں جو تائب ہو اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالےٰ

یبدل الله سیأتھم حسنات۔ — اس کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل فرماتا ہے۔

یہ تبدیلی مقام مغفرت سے ہے اور برائیوں کو مٹا دینا وہ از قبیل عفو ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ برائی کے فوراً بعد نیکی کر لیا کرو۔ اس لیے کہ برائی کو نیکی محو کر دیتی ہے۔

ف : تبدیلی سے اس کا حکم مراد ہے ورنہ اعیان تو تبدیل نہیں ہوتے۔ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ عصا کا سانپ بن جانا بتاتا ہے کہ اکسیر ڈالنے سے تانبے کا سونا بن جانا یا جبرئیل علیہ السلام کا بشری لباس میں آنا عقلاً ناممکن نہیں اور جو باب عرفان میں داخل ہوتا ہے اسے اس کا یقین ہو جاتا ہے اور اسے ناظرین اسے خوب سمجھ لو ورنہ اوہام کا شکار ہو جاؤ گے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دست از مس وجود چو مرداں رہ بشوی
تا کیمیائے عشق بیابی و زر شوی

ترجمہ : جب تم اپنا ہاتھ مردانِ راہ کے دامن میں ڈالو تاکہ تمہیں عشق کا کیمیا نصیب ہو تو پھر سونا بن جاؤ گے۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

چوں کسب علم کردی در عمل کوش
کہ علم بے عمل زہریست بے نوش
چہ حاصل زانکہ دانی کیمیا را
مس خود را نکردہ زر سا را

ترجمہ : ① جب علم پڑھ لیا ہے تو اب عمل کی کوشش کیجیے۔ اس لیے کہ علم بے عمل زہر ہے۔
② اس کیمیا دانی کا کیا فائدہ جو اپنے تانبے کو سونا نہ بنا سکا۔

قَالَ ، یہ استینافیہ بیانیہ ہے فرمایا ، **خُذْهَا وَلَا تَخَفْ** ، اسے پکڑ لو ڈرو نہیں۔

اژدھا کا حال مروی ہے کہ جب ڈنڈا نر سانپ بن گیا تو جہاں سے گذرتا ، ہر شے کو یہاں تک کہ پتھر ، درخت وغیرہ سب کھائے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آگ کی طرح چمکتی تھیں اور اس کے دانتوں سے سخت قسم کی آواز نکلتی تھی ، اور اس کے دونوں جبڑوں کی درمیانی مسافت چالیس یا اسّی ہاتھ تھی جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس ہیبت میں دیکھا تو گھبرائے

کیونکہ ایسی مہیب شکل سے گھبرانا انسانی فطرت ہے۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام سانپ سے گھبرائے لیکن ابراہیم علیہ السلام نو نار نمرود سے خوفزدہ نہ ہوئے اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام میں تمکین زیادہ بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ ازیں ابراہیم علیہ السلام اس وقت منتہی تھے اور موسیٰ علیہ السلام مبتدی اور مبتدی اور منتہی میں فرق ہوتا ہے اسی لیے لا تخف کہہ کر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گھبراہٹ کو زائل کر دیا اسی لیے بعد میں ڈنڈے کو پکڑتے ہوئے نہ گھبرائے کیونکہ پھر وہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح صاحب تمکین ہو گئے تھے جیسے ہمارے نبی علیہ السلام جبریل علیہ السلام کی پہلی آمد پر گھبرائے۔ اسی لیے جب غار حرا سے گھر واپس تشریف لائے تو آپ کانپ رہے تھے۔ پھر تمکین کا وہ کمال پایا کہ خود عین ذات کو دیکھا تو بھی نہ گھبرائے۔ کما قال تعالیٰ:

ولقد راٰہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتہٰی۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خذھا و لا تخف۔ اے موسیٰ علیہ السلام ابتداءً تم اسی ڈنڈے کے متعلق سمجھتے تھے کہ اس میں بہت بڑے منافع ہیں اب تم اس کے نقصانات سے گھبرا رہے ہو، اسے پکڑو اور گھبراؤ نہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ ہر ضرر اور نقصان اللہ سے ہے اسی لیے تمہیں ڈر اور امید صرف اللہ تعالیٰ سے ہو اور بس۔

مثنوی شریف میں ہے

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسید از وے جن و انس و ہر کہ دید

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا۔ اس کو جو بھی جن و انس دیکھے گا اس سے خوف کرے گا۔

سَنُعِيدُهَا عنقریب ہم اسے لوٹائیں گے۔ **سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ** ۝ سیر کا ایک نوع سیرۃ بروزن فعلۃ ہے اسے طریقہ و ہیبت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کا منصوب ہونا علی نزع الخافض ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: سنعیدھا بعد الاخذ الی ھیئتہا الاولیٰ۔ پکڑنے کے بعد ہم اسے پہلی ہیئت پر لوٹا دیں گے۔ یعنی وہی ہیئت جو پہلے ڈنڈے کی تھی۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کے منہ پر ہاتھ رکھا تو وہ اسی طرح پہلے والا ڈنڈا بن گیا اور آپ کا ہاتھ اس کے جبڑے پر پڑا تو اب دیکھا تو وہی جگہ تھی جس پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کیفیت اس لیے دکھائی تاکہ فرعون کے پاس جا کر نہ گھبرائیں۔ جب وہ ڈنڈا سانپ بن جائے۔

حدیث شریف: قیامت میں زکوٰۃ نہ دینے والے مال والے کا مال سانپ کی صورت میں لایا جائے گا۔

صوفیانہ تقریر: اہل معرفت فرماتے ہیں کہ ہر ذی جسد میں روح ہوتی ہے اگرچہ وہ معنوی روح ہوتی ہے اور ہر عمل اور طریقہ اور وصف کی دنیا میں صورت معتدلہ ہوتی ہے جو آخرت میں ایک محسوس صورت میں نظر آئے گی

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فننبئہم بما کانوا یعملون۔ یعنی ہم ان کے اعمال کی صورتیں ظاہر کریں گے۔ جیسا کہ سورہ انعام میں تفصیل گذری ہے اور چونکہ مال نفس امارہ کی محبوب شے ہے اور یہ ضرر میں سب سے زیادہ سخت ہے اسی لیے اسے زیادہ ضرر رساں سانپ کی صورت میں لایا جائے گا۔ اس دن جب کہ سینے کے اسرار ظاہر کیے جائیں گے اور پھر اس سانپ کو صاحب مال کے لیے طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ جس موسٰے یعنے قلب نے تزکیہ نفس کیا اور مال کی محبت اپنے سے نکال دی اور اسے راہ حق میں لٹایا تو وہ مال ایسی حسین صورت میں ظاہر ہوگا جیسے اس کا جی چاہتا ہوگا کیونکہ اس نے اس مال کو راہ حق میں خرچ کیا تھا۔ ایسے ہی باقی اعمال کا قیاس کیجئے۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اور دایاں ہاتھ ملائیے۔ اِلٰى جَنَاحِكَ اپنے پہلو یعنے بغل کے نیچے۔

حل لغات جناح الانسان بمعنے اس کا پہلو اور وہ بازو جو بغل کی جڑ کی جانب ہو جیسے جناح العسکر بمعنے لشکر کے دو کنارے جناح الطیر سے استعارہ ہے اور اسے 'جناح' سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ پرندہ اڑتے وقت اس کی طرف مایل ہوتا ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اپنے ہاتھ کو اس حصہ سے چمٹا دیں جو بازو کے نیچے ہے۔

تَخْرُجْ، تاکہ باہر ہو۔ بَيْضَاءَ، سفید اور روشن ہو کر۔ یہ تخرج کی ضمیر سے حال ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ بیضا کی ضمیر سے حال ہے یعنے حال یہ ہے کہ ہاتھ کا سفید ہونا بیماری کی وجہ سے نہ ہوگا اور نہ ہی اس کا سفید ہونا قبیح سمجھا جائے گا اس سے برص کی بیماری مراد ہے جیسے سوء سے شرمگاہ مراد ہے۔ اس لیے کہ اس طرح سے طبائع کو نفرت ہو گی اور اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ف: مروی ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام گندمی رنگ والے تھے جب آپ اپنا دایاں ہاتھ بائیں بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو سورج کی طرح چمکتا تھا کہ اس سے آنکھیں چندھیا جاتیں تھیں اور اس کی روشنی چار سو پھیل جاتی جب اسے واپس لوٹاتے تو وہ پہلے کی طرح بغیر روشنی کے گندمی رنگ والا ہو جاتا۔

اٰيَةً اُخْرٰى ۝ یہ دوسرا معجزہ تھا یعنے ایک عصا کا اژدھا بن جانا اور دوسرا یہ اور اس کا منصوب ہونا بھی بیضا کی ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر ہے۔

لِنُرِيَكَ، یعنے ہمارا عصا کو سانپ بنانا اور ہاتھ کو روشنی دینا اس لیے ہے تاکہ ان دونوں معجزوں سے، ہم آپ کو مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝ اپنی بعض بڑی نشانیوں میں سے دکھائیں یعنے عصا کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا روشن ہو جانا اور ان نو بڑی آیات میں سے ہیں اور وہ نو نشانیاں آیت:

" ولقد اٰتینا موسٰی تسع اٰیات بینات "

میں مذکور ہیں جن کا مفصل بیان گذر چکا ہے۔

- یہ آیات موسٰی علیہ السلام کے لیے ایسے ہے جیسے ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا: لقد رای بیشک

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۰۸

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾

عرض کی اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾

کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر

هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ

کر دے وہ کون میرا بھائی ہارون اس سے میری کمر مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر کہ ہم بکثرت تیری پاکی بولیں اور بکثرت تیری

كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا

یاد کریں بیشک تو ہمیں دیکھ رہا ہے فرمایا اے موسیٰ تیری مانگ تجھے عطا ہوئی اور بیشک ہم نے

عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤی ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤی ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ

تجھ پر ایک بار اور احسان فرمایا جب ہم نے تیری ماں کو الہام کیا جو الہام کرنا تھا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے

فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ

تو دریا اسے کنارے پر ڈالے کہ اسے وہ اٹھا لے جو میرا دشمن اور اس کا دشمن اور میں نے تجھ پر اپنی

عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ

طرف کی محبت ڈالی اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو تیری بہن چلی پھر کہا کیا میں تمہیں وہ لوگ بتا دوں جو اس

عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَقَتَلْتَ نَفْسًا

بچہ کی پرورش کریں تو ہم تجھے تیری ماں کے پاس پھیر لائے کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کرے اور تو نے ایک جان کو قتل

فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬ ثُمَّ

کیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور تجھے خوب جانچ لیا تو تو کئی برس مدین والوں میں رہا پھر تو

جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ

ایک ٹھہرائے وعدہ پر حاضر ہوا اے موسیٰ اور میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں

بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا

لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا دونوں فرعون کے پاس جاؤ بیشک اس نے سر اٹھایا تو اس سے نرم بات کہنا اس

لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ

امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا

یَّطْغٰی ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴿۴۶﴾ فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا

شرارت سے پیش آئے فرمایا ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا تو اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم تیرے

رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ
رب کے بھیجے ہوئے ہیں تو اولاد یعقوب کو ہمارے ساتھ چھوڑ دے اور انہیں تکلیف نہ دے بیشک ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی
وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ
لائے ہیں اور سلامتی اسے جو ہدایت کی پیروی کرے بے شک ہماری طرف وحی ہوئی ہے کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلائے اور منہ
وَتَوَلّٰی ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ
پھیرے بولا تو تم دونوں کا خدا کون ہے اے موسیٰ کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے لائق صورت دی پھر
ثُمَّ هَدٰی ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ لَا
راہ دکھائی بولا اگلی سنگتوں کا کیا حال ہے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے میرا
یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ﴿۵۲﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا
رب نہ بہکے نہ بھولے وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا کیا اور تمہارے لیے اس میں چلتی راہیں
وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ
رکھیں اور آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے طرح طرح کے سبزے کے جوڑے نکالے تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾
بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شب معراج دیکھیں "من آیات ربہ الکبری" اپنے پروردگار کی بعض بڑی نشانیاں۔

کلیم و حبیب علیہما السلام کے آیات دیکھنے کا فرق: حضرت موسےٰ علیہ السلام کے آیات صرف عجائب الارض میں سے تھے لیکن حبیب کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آیات عجائبات ارض سے بھی تھے اور عجائبات آسمان سے بھی۔

ف: یہ فرق خوب ہے اور اس مقام کے لائق ہے اسے خوب سمجھ لو۔

ید بیضوی کے کرامات: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر سفید (نورانی) کر دکھلایا اور

اس میں عیب ونقص بھی نہ ہوتا تھا۔ اس میں ان کے ہاتھ مبارک کے جود وکرم اور سخا وایثار کی طرف اشارہ تھا کیونکہ جود یہ ہے کہ بلا سوال عطا کی جائے اور کرم یہ ہے کہ انسان کو اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کو عطا کردے اسی سے خلّت کی تکمیل ہوتی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت

ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالٰے نے جبریل علیہ السلام کو صورت بشری میں بھیجا تاکہ ان سے فقیر بن کر کچھ مانگیں۔ جبریل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی: اپنے پرائے کو برابر بطور پر عطایا سے نوازتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ طریقہ میں نے اپنے پروردگار سے سیکھا ہے کہ وہ اپنے پرائے کا کوئی فرق نہیں فرماتا کہ ہر ایک کو بے حساب دیتا ہے۔ اس پر اللہ تعالٰے نے ابراہیم علیہ السلام پر وحی بھیج کر فرمایا کہ واقعی اے ابراہیم (علیہ السلام) تم ہمارے خلیل ہو۔

رسول خدا حضرت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کے معجزات

(۱) بموقعہ غزوہ تبوک حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہوا جس سے لوگوں نے سیر ہو کر پیا اور بہت سے لوگ اس پانی کو (تبرک بنا کر) گھروں میں لے گئے۔

(۲) دشمنوں کے منہ پر ہاتھ مبارک سے مٹی پھینکی تو وہ شکست کھا گئے۔

(۳) آپ کے ہاتھ مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے کہا ؎

داعی ذرات بود آن پاک ذات
در کفش تسبیح ازان گفتے حصات

ترجمہ: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم کے ذرہ ذرہ کے رسول تھے اسی لیے آپ کے ہاتھ میں کنکریاں بھی تسبیح پڑھتی تھیں۔

کراماتِ اولیا: بہت سے اولیاء کرام کو دیکھا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طرف اڑتے نظر آئے اور ہاتھوں کو کھولتے تو زمین پر چاندی اور سونے کی بارش برسلتے (وغیرہ وغیرہ)

سبق: اس تحقیق کے بعد معلوم باد! کہ ہر وہ کمال جو کسی انسان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس کے کسی عمل یا اس کے احوال میں سے کسی حال کا اثر ہوتا ہے اور ان دونوں کو آپس میں ظاہری یا باطنی مناسبت ضرور ہوگی جب بھی کوئی سمجھدار انسان اسے طلب کرتا ہے تو اسے لازماً پا لیتا ہے۔

ہم اللہ تعالٰی سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے اعضاء و قوٰی کو ان امور میں صرف کرنے کی توفیق بخشے جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں اور ہمیں اپنے فضل و کرم کے انوار سے نوازے۔ (آمین)

اِذْهَبْ، اے موسٰی علیہ السلام! دعوت و تحذیر کے لیے جائیے۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ، فرعون اور اس کی قوم کے ہاں یہی دونوں معجزات (عصا و ید بیضا) لے کر۔

سوال: تم نے معجزات سے صرف یہی دو معجزے کیوں مراد لیئے اور قوم کا معنے کہاں سے نکالا؟

جواب: سورۂ قصص میں ان کی تصریح ہے۔ کما قال تعالٰی: فذانك برهانان من ربك الى فرعون وملائه۔ یعنے یہ دونوں معجزے ہیں تمہارے رب تعالٰی کی طرف سے لے جاؤ فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔

سوال: جیسے یہ تصریح تم نے دکھائی دوسرے مقام پر جملہ معجزات کا ذکر ہے۔ کما قال تعالٰی: اذهب انت واخوك بأياتي، تم اور تمہارا بھائی میرے آیات لے کر جاؤ؟

جواب: اس کا جواب ابھی آتا ہے۔

اِنَّهٗ طَغٰى ○ بے شک وہ حد سے بڑھ گیا ہے کہ عبودیت کے اقرار کی بجائے وہ ربوبیت کا مدعی بن بیٹھا ہے یعنے وہ مستقل طور پر اپنے آپ کو خدا کہلاتا ہے اور اپنی خدائی میں کسی دوسرے کو شریک نہیں مانتا۔ چنانچہ اس کا اپنا دعوٰی ہے: انا ربكم الاعلى۔ (میں تمہارا بڑا رب ہوں)۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں دو معنوں کا اشارہ ہے:

(۱) سالک صادق جب مرتبۂ کمال کو پہنچتا ہے تو اسے اللہ تعالٰی اپنے بندوں کی رہبری کے لیے منتخب فرماتا ہے تاکہ بندوں کی کامل تربیت فرمائے۔

(۲) سالکین باکمال کا کمال یہ ہے کہ وہ خلق سے روگردان ہو کر ان کی میل ملاقات سے دور رہ کر اور ان کی ایذا رسانی پر حوصلہ کرے تاکہ ان کے حلم و عفو کا امتحان ہو سکے۔

معجزۂ عصا کی حکمت

حضرت موسٰی علیہ السلام کو عصا کے معجزہ سے نوازنے کا اصلی موجب یہ ہے کہ عصا چرواہوں کی علامت ہے اور موسٰی علیہ السلام بکریاں چراتے رہے اور پھر فرعون گدھا مزاج تھا۔ اس لیے اسے سیدھا کرنے کے لیے اسی طرح کا معجزہ دیا گیا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گر ترا عقلست کردم لطفہا ! ور خری آوردہ ام خر را عصا
آنچنان زین خرت بیرون کنم کز عصا گوش و سرت پر خون کنم
اندرین خرخراں و مرد ماں ! نیابند از جفائے تو اماں !

۴۔ یک عصا آوردہ ام بہر ادب — ہر خرے را کو نباشد منتجب

۵۔ اژدہائے میشود در قہر تو — کاژدہائے گشتۂ در فعل و خو

۶۔ اژدہائے کوہئ تو بے امان — لیک بنگر اژدہائے آسمان

۷۔ این عصا از دوزخ آمد چاشنی — کہ ہلا بگریز اندر روشنی!

۸۔ ورنہ درمانی تو در دندان من — مخلصت نبود ز در بندان من

۹۔ ایں عصائی بود ایں دم اژدہاست — تا نگوئی دوزخ یزدان کجاست

۱۰۔ ہر کجا خواہد خدا دوزخ کند — اوج را بر مرغ دام و فخ کند

۱۱۔ ہم ز دندانت بر آید دردہا — تا بگوئی دوزخست و اژدہا

۱۲۔ یا کند آب دہانت را عسل — کہ بگوئی کہ بہشتست و حلل

۱۳۔ از بن دندان بروید شکر — تا بدانی قوت حکم قدر

۱۴۔ پس بدندان بے گنہا را مگز — فکر کنی از ضربت تا محترز

ترجمہ: (۱) اگر تجھے عقل ہے تو ہمارے بہت الطاف ہیں وگر تو بے عقل گدھا ہے تو ہم نے گدھوں کے لیے ڈنڈا بنایا ہے۔

۲۔ تمیں ایسے گدھے سے نجات دلائیں گے اس گدھے کو درست کرنے کے لیے تمہارے سر اور کان کو خون آلودہ بنا دیں گے۔

۳۔ ورنہ اس گدھا سے گدھے قرار پائیں گے اور نہ انسان آرام پائیں گے۔

۴۔ ادب کے لیے ہم ایک ڈنڈا لائے ہیں وہ ایسا ہے کہ وہ گدھوں کو تو اچھا نہ لگے گا۔

۵۔ وہ ایسا اژدھا ہے کہ جب وہ تیرے قبضہ میں آئے گا وہ اژدھا جو کہ فعل و خو میں بہتر ہے۔

۶۔ اژدھا پہاڑی تو امان کے بغیر ہے لیکن آسمانی اژدھا کو دیکھ (کہ وہ دیگر رکھتا ہے)۔

۷۔ اس ڈنڈے کو دوزخ سے حصہ ملا ہے کہ اس سے روشنی کی طرف جانے کی کوشش کیجئے۔

۸۔ ورنہ تیرا علاج میرے دانتوں کے لیے مخلص نہ ہوگا میرے مقصد کے لیے۔

۹۔ اسی وقت میں وہ ڈنڈا ہے تو اسی دم وہ اژدہا ہے تاکہ تم نہ کہہ سکو کہ یہ اللہ تعالے کی دوزخ ہے۔

۱۰۔ اللہ تعالے جہاں چاہتا ہے دوزخ بنا دیتا ہے پرندہ بلندی پر پرواز کرنے والے کو زمین کی پھانسی میں لٹکا دیتا ہے۔

۱۱۔ تیرے دانتوں میں درد اٹھتا ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ دوزخ ہے یا اژدھا ہے۔

۱۲۔ یا یوں کرتا ہے کہ تیرے منہ میں شہد ڈالتا ہے پھر تمھیں محسوس ہوتا ہے کہ میرے منہ میں بہشت آگئی۔

۱۳۔ دانتوں کی جڑوں سے جب شکر کا ذائقہ اٹھا لیتا ہے اس لیے کہ تمھیں تقدیر محکم کا علم ہو۔

۱۴۔ پھر دانتوں سے بلاوجہ کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ اور نالائق کی ضرر رسانی کا بھی فکر کیا کرو۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ ، موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے مدد چاہتے ہیں جب انھیں معلوم ہوا کہ انھیں ایک بہت بڑے بوجھ کے اٹھانے کا امر ہوا ہے اور سمجھا کہ انھیں بہت بڑے امر کا مامور بنایا گیا ہے یعنے تصور کیا کہ میں اکیلا اور فرعون کا بہت بڑا لشکر ہے پھر مقابلہ کس طرح ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالےٰ سے عجز و نیاز کر کے دعا مانگی : رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ اے میرے پروردگار ! میرے لیے میرا سینے کو کشادہ فرما۔

ف : صدر سے یہاں پر قلب مراد ہے اس سے گوشت کا ٹکڑا مراد نہیں جو صنوبری شکل کا سینہ میں ہے یعنے اے اللہ تعالیٰ! میرا قلب کشادہ فرما تاکہ دشمنوں کی مخالفت اور سفاہت سے تنگ نہ ہو اور نہ ہی اس کی شوکت و کثرت سے خوفزدہ ہو۔

ف : شرح صدر بھی انبیاء و اولیاء پر اللہ تعالےٰ نعمتوں سے ایک نعمت ہے اس میں سب سے زیادہ حصہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب ہوا اس لیے کہ یہ نعمت صورۃً اور معناً بھی صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی کیونکہ زمانہ طفولیت میں آپ کا شق صدر ہوا اور وہاں سے شیطانی حصہ کو اکھیڑ کر کے باہر پھینکا پھر اسے سونے کے تھال میں رکھ کر دھویا گیا اور پھر اسی طرح آپ کا سینہ مبارک چالیس سال کے بعد چیرا گیا یہ صرف اس لیے تاکہ آپ کو شرح صدر سے حظ وافر نصیب ہو اور رسالت کا زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھا سکیں اور پھر شب معراج میں بھی آپ کا شرح صدر ہوا تاکہ آپ اسرار الٰہی سے زیادہ سے زیادہ حامل ہو سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اوصاف جلیلہ مثلاً حلم و عفو و صبر اور عفو و کرم اور لطف و فضل اور دعا و نصیحت وغیرہ وغیرہ میں بے عدیل و بے مثیل تھے۔

وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ اور میرا معاملہ آسان فرما یعنے تبلیغ کے اسباب پیدا فرما اور اس کے موانع دور فرما۔

وَاحْلُلْ ، اور کھول دے۔ عُقْدَةً ، اس لکنت کو۔ مِّن لِّسَانِي ۝ جو میری زبان میں ہے یہ فعل کے متعلق ہے۔

نکتہ : عقدۃ کی تنکیر اس کی قلت کی طرف دلالت کرتی ہے۔

نکتہ : انسان میں اگر زبان نہ ہوتی تو یہ شتر بے مہار کی طرح جانور ہوتا یا صرف فوٹو ہی فوٹو ہوتا انسان اسی چھوٹے قلب کی لسان کا نام ہے۔

يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ تاکہ میری بات کو یعنے تبلیغ احکام کو فرعون اور اس کی قوم سمجھے کیونکہ فصیح و بلیغ انسان سے تبلیغی مستحسن ہوتا ہے۔ اور حضرت موسےٰ علیہ السلام نے جب سے انگارہ منہ میں ڈالا تھا تھوڑی سی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی تھی۔

موسےٰ علیہ السلام کا انگارہ منہ میں رکھنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کندھے پر بیٹھا کر جا رہا تھا تو موسےٰ علیہ السلام نے اس کی ڈاڑھی نوچی اور کچھ بال بھی اکھیڑ ڈالے اس کی ڈاڑھی میں جواہر اور لعل بھی گندھے ہوئے تھے۔ اس نے ناراض ہو کر کہا کہ یہ بچہ وہی ہے جس کے میرا دشمن ہونے کی خبر مجھے نجومیوں نے دی ہے۔ فلہٰذا اب میں

اسے قتل کراتا ہوں۔ بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا اس کے آڑے آگئی اور کہا اے بادشاہ سلامت! بچے انجان ہوتے ہیں انہیں کیا پتہ کہ یہ موتی ہیں یا کچھ اور۔ اگر امتحان لینا ہے تو ایک طرف انگارے رکھ دو دوسری طرف موتی۔ موسیٰ علیہ السلام کو بلا کر اس کے سامنے کردو، دیکھئے بچپنے سے کیا کرتا ہے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام موتی اٹھانے لگے لیکن جبریل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ انگارے کی طرف کر دیا جسے آپ نے اٹھا کر منہ میں ڈالا تو آپ کی زبان جل گئی جس سے معمولی سی ثقالت پیدا ہوگئی اسی لیے آپ کی بات کو آسانی سے سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ اسی طرف شیخ عطار قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا ہے:

ے

ہمچو موسےٰ این زمان در طشت آتش ماندہ ایم
طفل فرعونیم ما کام و دہان پر انگرست

ترجمہ: اسی دور میں ہم موسیٰ علیہ السلام کی طرح آگ کے تھال میں ہیں۔ ہم فرعونی بچے ہیں ہمارے منہ انگاروں سے پُر ہیں۔

ف: شاید موسےٰ علیہ السلام کا ہاتھ مبارک سفید اسی لیے تھا کہ آپ نے وہ انگارہ اور فرعون کی ڈاڑھی پکڑی اور پھر اسے نوچا تھا۔

سوال: انگاروں سے منہ میں تو اثرات پہنچے جس کی وجہ سے زبان میں ثقالت پیدا ہوگئی حالانکہ یہ اثرات ہاتھ میں پڑنے چاہیئے تھے کیونکہ انگارے جب ہاتھ میں لئے گئے تو اس وقت ان کی تیزی سخت تھی بہ نسبت منہ میں پہنچنے کے؟

جواب: تاکہ فرعون کو یقین ہو کہ یہ واقعی اللہ تعالےٰ کے نبی ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام اسے دعوت حق پیش کریں گے تو اسے تردد نہ ہو کہ یہ وہی موسیٰ علیہ السلام ہیں جنھیں آگ نے جلایا تھا اور اس وقت زبان بولنے کے بھی قابل نہ رہی تھی لیکن اب وہ صحیح و سالم تشریف لائے اور نہایت فصیح و بلیغ کلام فرماتے ہیں اور خود موسےٰ علیہ السلام فرعون کو کہہ سکیں کہ اے فرعون! دیکھ لے کہ تو نے مجھے ہر طرح سے ناکارہ بنا دیا تھا لیکن میرے اللہ تعالےٰ نے مجھے اس وقت بہتر سے بہتر اور احسن ترین بنا کر نبوت کا تاج پہنایا اور ساتھ یہ دوسرا معجزہ ہے کہ میرے ہاتھ کو نورانی کر دیا کہ جب بھی اسے گریبان سے نکالتا ہوں تو اس سے نوری شعلے نکلتے ہیں۔ اس نے بچپن میں میرا امتحان لیا لیکن جوانی میں اعلیٰ سے اعلیٰ انعام و اکرام سے نوازا۔ سچ ہے کہ ہر آزمائش الٰہی میں حسن و جمال ہے۔

سوال: تمہاری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد فصیح و بلیغ ہو گئے اور آپ کی دعا "واحلل عقدۃ من لسانی" سے بھی تمہاری تائید ہوتی ہے اسی لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بھی دعا مستجاب ہوئی۔ کما قال:

قال قد اوتیت سؤلک یٰموسیٰ

لیکن موسیٰ علیہ السلام کا اپنا قول تمہاری تردید کرتا ہے چنانچہ فرمایا: واخی ھارون ھو افصح منہ اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت کا بھی انکار کر رہا ہے۔ کما قال: ولا یکاد یبین؟

جواب: واقعی ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے فصیح تر تھے اور ایک نبی کو دوسرے نبی سے جزوی طور پر فضیلت حاصل ہو تو حرج نہیں۔ یہ صرف ہمارے نبی علیہ السلام کا خاصہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام سے ہر طرح کے کمالات میں افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور فرعون کا آپ کی فصاحت کا انکار از راہ معاندت و عداوات تھا۔ چنانچہ مخالفین کی عادت ہے کہ اپنے مخالف کے کمالات کا اقرار نہیں کرتے جیسا کہ مخالف، مخالف کو کہتا ہے کہ تم تو کوئی شے نہیں یا اسے کہتا ہے کہ تم تو کچھ نہیں جانتے۔

شعیب علیہ السلام کو آپ کے مخالفین کہا:

ما نفقه كثيرا مما تقول۔

اور ہود علیہ السلام کو کہا گیا:

ما جئتنا ببينة۔

اور ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار نے کہا:

قلوبنا فى اكنة۔ (كذا فى الاسئلة المقحمة)

یہی جوابات صاحب ارشاد یعنے مولانا ابو السعود رحمہ اللہ۔

وَاجْعَلْ لِّي وَزِيْرًا، اور میرا وزیر بنا۔ الوزیر بادشاہ کے اس خاص ہمنشین اور ساتھی کو کہا جاتا ہے جو اس کے بوجھ اٹھائے اور وہ اس کی رائے کی تائید کرے۔ (قاموس)

الوزر (بالکسر) سے مشتق ہے بمعنے الثقل (بوجھ) ہے اور وزیر چونکہ بادشاہ کے بوجھ اٹھاتا ہے اسی لیے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے یا الوزر (بالفتحتین) سے بمعنے الملجاء المعتصم (جائے پناہ) چونکہ وزیر کی رائے سے پناہ لی جاتی ہے اور امور سلطنت میں اس سے پناہ لی جاتی ہے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوتا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے اللہ! مجھے ایک ایسا ساتھی عطا فرما جو امور نبوت میں میری معاونت فرمائے کہ جس کے تعاون سے مجھے آسانی حاصل ہو۔

مِّنْ اَهْلِيْ ۝ میرے خواص و اقرباء میں سے۔ اس لیے کہ اھل انسان کے ان خاص لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اس کی طرف منسوب ہوتے ہوں جیسے اللہ تعالےٰ نے نوح علیہ السلام کا قول بیان فرمایا: ان ابنى من اهلى۔ اور اھل اللہ سے اللہ تعالےٰ کے خاص بندے مراد ہوتے ہیں۔

حدیث شریف

ان لله اهلين من الناس اهل القرآن وهم اهل الله۔ (روح البیان جلد ۵ صـ ۳۷۹) کذا فی المقاصد الحسنہ۔

بے شک لوگوں میں سے اللہ تعالےٰ کے چند خاص بندے ہوتے ہیں وہ اہل قرآن ہیں وہی اہل اللہ ہیں۔

فائدہ از اویسی غفرلہ اہل قرآن اہل اللہ کا لقب ہے لیکن دور حاضرہ میں یہ لقب چکڑالویوں اور پرویزیوں نے اپنے لیے مشہور کر دیا ہے جیسے اہل حدیث محدثین کا مخصوص لقب ہے لیکن آج کل کے غیر مقلدین وہابیوں نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے اس سے واضح ہوا کہ القاب قدیمہ سے اپنے آپ کو مشہور کرنے سے ان کی بدمذہبی کا سیاہ دھل نہیں سکتا[1]

ف: من اھلی یا تو وزیرا کے لفظ کی صفت یا اجعل کا صلہ ہے۔

هٰرُوْنَ ، یہ اجعل کا مفعول اول ہے۔

نکتہ: مفعول ثانی اس سے پہلے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ واضح ہو کر موسیٰ کا اصلی مدعا وزیر کا حصول تھا۔

اَخِیْ ○ یہ ہارون سے بدل ہے۔

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ○ ازر بمعنے قوت وظہر (پیٹھ) ہے یعنے اس وزیر کے سبب سے میری قوت یا میری پیٹھ مضبوط فرما دے۔

وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ○ اور میری رسالت کے امور میں اسے میرا شریک بنا دے تاکہ وہ میری ہر طرح سے معاونت کرے۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کے لیے نبوت کا سوال کیوں کیا جب کہ انھیں معلوم تھا کہ نبوت اللہ تعالےٰ کا اپنا انتخاب ہوتا ہے۔ کما قال: "الله اعلم حیث یجعل رسالته" وہ دعا وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا موسےٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول کر لینا دلالت کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی استدعا اللہ تعالےٰ کی اجازت اور اذن سے تھی بلکہ اللہ تعالےٰ سے انھیں الہام ہوا تھا کہ آپ ایسی دعا مانگنے میں اسے ضرور قبول کروں گا۔

فائدہ از اویسی غفرلہ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا غیر ممکن امور میں بھی مستجاب ہوتی ہے وہ غیر ممکنہ امور میں دعا مانگتے بھی اس وقت ہیں جب اللہ تعالےٰ سے انھیں اجابت کی اطلاع ہو جاتی ہے ورنہ انھیں دعا مانگنے سے پہلے ہی روک دیا جاتا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو لوط علیہ السلام کی امت کے لیے دعا مانگنے سے پہلے کہا گیا: یا ابراھیم اعرض عن ھذا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ شخص سخت ترین مجرم اور انبیاء علیہم السلام کا گستاخ ہے جو کہتا ہے کہ ان کی دعا رد ہو جاتی ہے[2]

نکتہ: چونکہ نبوت کے امور میں معاونت ایک بہت بڑا عہدہ تھا اور اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کسی کو معاون بنانا تھا اسی لیے انھوں نے یہ عہدہ اپنے بھائی کے لیے مانگ لیا۔

---

[1] و [2]: اضافہ از اویسی غفرلہ

صحبتِ صالح اس سے معلوم ہوا کہ نیکوں کی معاونت وصحبت انبیاء علیہم السلام کو بھی مرغوب ہے چہ جائیکہ ہم عوام بلکہ ہمیں اس سے سبق ملا کہ نیک لوگوں کی صحبت ومعاونت ایک اعلیٰ دولت ہے یہ کسی قسمت والے کو نصیب ہوتی ہے۔

اسباق: ① انسان کو اپنی رائے پر مغرور نہ ہونا چاہیے چاہے کتنا ہی قوت وشوکت کا مالک ہو۔

② جو کچھ اپنے لیے پسند کرے اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے۔

③ بہت بڑے امور میں بطور معاون دوسرے کو شریک کرنا جائز ہے۔

ازالۂ وہم موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کو وزیر بنانا ان کی نبوت کے منافی نہیں بلکہ اسرائیل کے اکثر انبیاء علیہم السلام کا یہی حال تھا کہ انھیں ایک نبی ہوتا تو دوسرا ان کا وزیر معاون ومددگار۔

ف: ہارون علیہ السلام مصر میں رہے تو موسیٰ علیہ السلام شام میں۔

کَیۡ یہ ادعیہ مذکورہ ثلاثہ اخیرۃ کی غایۃ ہے۔ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ تاکہ ہم تیری تسبیح بکثرت کرسکیں یعنے ہم تیرے امور وصفات کی تنزیہ بیان کریں جو تیری شان کے خلاف ہیں بالخصوص وہ امور جن کا مدعی فرعون ہے۔

ف: کثیرا حال ہے یعنے ہم ہر حال میں تیری تسبیح بیان کریں اور تیرے وہ کمالات اور نعوت، جمال وجلال کو ظاہر کریں جو تیرے لائق ہیں۔

ف: تعاون کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس سے مخالف پر رعب چھا جائے گا اور ہم خیر وبھلائی کو بکثرت ظاہر کرسکیں گے۔

وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ اور ہم ایک دوسرے کی معاونت میں تیرا بہت زیادہ ذکر کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کو نیک بخت کے ساتھ رفاقت وصحبت کرنی چاہیے کیونکہ نیک صحبت واچھی رفاقت کا ایک دوسرے پر گہرا اثر پڑتا ہے اس سے طاعات میں ایک دوسرے کی معاونت ہوتی ہے۔ اور سلوک کی راہیں آسانی سے طے ہوسکتی ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دریغ و درد کہ تا این زبان نداشتم
کہ کیمیائے سعادت رفیق بود رفیق

ترجمہ: افسوس اور درد ہے کہ تا حال مجھے اس کی اہمیت سمجھ میں نہ آسکی حالانکہ اچھا رفیق سعادت کی کیمیا ہے۔

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝ بنا کی بار بصیرا کے متعلق ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے بار کو اپنے متعلق سے مقدم کیا گیا ہے یعنے تو ہمارے احوال خوب جانتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تعاون میں ہماری مصلحت ہے اور ہارون علیہ السلام کی وزارت میرے متعلق سپرد کردہ امور میں بہتر ثابت ہوگی۔ کیونکہ ایک تو مجھ

سے سن میں بڑے اور دوسرا مجھ سے فصیح تر ہیں ۔

ف : ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے چار سال یا ایک سال بڑے تھے روایات کا اختلاف ہے ۔

قَالَ ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا : قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ۝ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کو آپ کا سوال کردہ مطلوب عطا کر دیا گیا ہے ۔ سؤل فعل بمعنے مفعول ہے جیسے نجز بمعنے مخبوز ۔

ف : ایتا سے اللہ تعالیٰ کا وہ ارادہ تعلق مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی مطالب عطا ہوں گے ۔

صحبت صالح کے فوائد حضرت داؤد قیصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اقطاب و اغواث پر اللہ تعالیٰ کی منت و احسان اور ان کے کمالات کا ایک یہ بھی ہے کہ انھیں جہلاء و ممقار کی صحبت سے بچا کر ان کو علماء و ادباء امنا کی صحبت و رفاقت بخشتا ہے تاکہ وہ ان کے بوجھ اٹھائیں اور ان کے احکام کا نفاذ کریں ۔ اور ان کے اقوال عوام تک پہنچائیں جیسے آصف بن برخیا سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے اور وہ اپنے وقت کے قطب اور جملہ عالم دنیا میں تصرف کرنے والے تھے اور انھوں نے بہت اہم امور انجام دیئے مثلاً بلقیس کا تخت لانا وغیرہ جیسا کہ ان کا واقعہ قرآن مجید میں ہے ۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلیفہ اور وزیر تھے ۔

نوشیرواں کے تجربے نوشیرواں کہا کرتا تھا کہ تلوار کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہو پھر بھی اسے صیقل ضروری ہے ۔ ایسے ہی سواری اعلیٰ سے اعلیٰ کیوں نہ ہو پھر بھی اس کے لیے چابک لازمی ہے اور بادشاہ کتنا ہی زیرک زمان ہو اُسے وزیر واجب ہے ۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بادشاہ کے لیے خیر و بھلائی فرماتا ہے تو اسے نیک طبیعت وزیر عطا فرماتا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلاتا ہے تو وہ اسے یاد دہانی کراتا ہے ۔ اگر وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کی اعانت کرتا ہے اگر وہ برائی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ اسے روکتا ہے ۔

حضور علیہ السلام کے وزراء : حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی وزراء تھے ۔ چنانچہ خود فرمایا :

ان لی وزیرین فی الارض ابابکر وعمر — میرے دو وزیر زمین پر ہیں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دو

ووزیرین فی السماء جبریل واسرافیل ۔ — وزیر آسمان میں ہیں جبریل و اسرافیل علیہما السلام ۔

ف : وہ دو وزیر جو آسمان میں تھے وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی حیثیت سے معاونت کرنے اور وہ جو زمین پر تھے وہ بحیثیت جسمانیہ کے ۔

کما قال تعالےٰ :

ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمومنین ۔ — وہ (اللہ تعالےٰ) جو اللہ تعالےٰ آپ کی اپنی اور اہل ایمان کی مدد سے امداد کرتا ہے ۔

اس آیت میں نصر اللہ سے آسمانی اور نصر المومنین سے ارضی مدد مراد ہے، اور ان تمام وزراء سے علی الاطلاق ہر طرح کی مدد ملتی ہے۔

حدیث وہابی کش یعنی امداد از اہل قبور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور[1] — جب تم معاملات میں پریشان اور سرگرداں ہو تو تم اہل قبور سے مدد حاصل کرو۔

سند الحدیث المذکور: کاشفی نے رسالہ علیہ میں اور ابن الکمال نے شرح الاربعین میں حدیث مذکور کو بیان فرمایا ہے۔ اہل القبور سے روحانی لوگ مراد ہیں خواہ وہ اجسادِ کثیفہ میں ہوں یا لطیفہ میں۔

عادل حاکم اور ظالم عادل حاکم کو اس طرح کی وراثت از سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتی ہے اور ظالم حاکم کو برا وزیر (ساتھی) نصیب ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالٰے کے غضب (ناراضگی) اور انتقام کی علامت ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بقومی کہ نیکی پسندد خدائے
دھد خسرو عادل نیک رائے
چو خواہد کہ ویران کند عالمے
کند ملک در پنجۂ ظالمے

ترجمہ: کسی قوم پر اللہ تعالٰے اگر خیر و بھلائی چاہتا ہے تو انھیں عادل و نیک راستے بادشاہ (حاکم) عطا فرماتا ہے۔ اگر ملک کو ویران کرنا چاہتا ہے تو اس ملک (علاقہ) پر ظالم حاکم کو مسلط فرماتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زمانہ گر نہ سر قلب داشتے کارش
بدست آصف صاحب عیار بایستی

ترجمہ: اگر سلیمان علیہ السلام کے لیے زمانہ الٹا معاملہ چاہتا تو ان کا وزیر آصف عیار و مکار ہوتا۔

بادشاہ ظلِ الٰہی ہے سلطانِ وقت زمین پر اللہ تعالٰے کا سایہ ہوتا ہے حقیقت جامعہ الٰہیہ مظہر ہو کر ظاہر ہوتا ہے وہی قطب اور جملہ عالم کا مدار ہے جیسے قطب کے وزراء علماء امناء ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جو اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے یعنی

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۳۸۰

بادشاہ کے وزیر بھی عادلین وادبا۔

ف: ایسی وزارت حضرت امام مہدی تک جاری رہے گی۔ اس وقت ان کے سات وزراء ہوں گے اور وہ اصحاب کہف ہیں انھیں زمانہ مہدی میں زندہ فرمائے گا اور وہی وزارت مہدویہ کے خاتم ہوں گے۔ ہمارے ملوک عثمانیہ کے بھی سات وزراء ہوتے ہیں انھیں وزراء القبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ موسیٰ سے آفاق میں ہمارا سلطان اور انفس میں روح اور ہارون آفاق میں ہمارا وزیر اور انفس میں ہماری عقل اور فرعون سے اہل حرب نصاریٰ وغیرہ اور نفوس امارہ مراد ہیں جب روح اس عقل سے ملتی ہے جو اچھی تدبیر اور بہتر مشورہ دیتی ہے، سے ملتی ہے تو روح نفس پر غلبہ پا جاتی ہے اور قلب کو نفس کے پنجہ سے چھڑا لیتی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی سلطنت میں نیک اور عادل وزیر منتخب کرتا ہے تو وہ بفضلہ تعالیٰ اپنے اعداء پر غلبہ پا جاتا ہے جیسے چاہتا ہے دشمنوں کے بلاد وحصوں پر تصرف کرتا ہے۔

مثنوی رومی میں ہے ؎

عقل تو دستور مغلوب ہواست
در وجودت رہزن راہ خداست
وای آن شہ کہ وزیرش این بود
جائے ہر دو دوزخ پرکین بود
شاد آن شاہی کہ او را دستگیر
باشد اندر کار چون آصف وزیر
شاہ عادل چون قرین او شود
نام او نور علیٰ نور دین بود
چون سلیمان شاہ و چون آصف وزیر
نور بر نور است و عنبر بر عبیر
شاہ فرعون و چو ہامانش وزیر
ہر دو را نبود زبد بختی گزیر
پس بود ظلمات بعضی فوق بعض
نے خرد یارو نہ دولت روز عرض

عقل جزوی را وزیر خود مگیر

عقل کل را ساز ای سلطان وزیر

مر ہوا را تو وزیر خود مے ساز

کہ بر آرد جان پاکت از نماز

کین ہوا پر حرص و حالی بین بود

عقل را اندیشہ یوم الدین بود

ترجمہ: (۱) تیری عقل خواہشات نفسانی کے طریقہ پر چل کر اس سے مغلوب ہے اور وہی راہ خدا یترا رہزن ہے۔

(۲) اس بادشاہ کا بہت افسوس ہے جس کا ایسا وزیر ہو۔ دونوں کی جگہ جہنم ہوگی۔

(۳) وہ بادشاہ مبارک باد کا مستحق ہے جس کا معین و مددگار آصف جیسا وزیر ہو۔

(۴) بادشاہ عادل کو جب ایسا وزیر میسر ہو اس کا ہر کام نور علی نور ہوگا۔

(۵) بادشاہ سلیمان اور وزیر آصف ہو تو پھر نور علی نور اور عنبر پر عبیر ہے۔

(۶) بادشاہ فرعون اور وزیر ہامان ہو تو دونوں کو بدبختی لازم ہے۔

(۷) ابلیسوں کے لیے ظلمات بر ظلمات ہے ان کی نہ عقل مدد کرے گی نہ زر و دولت نصیب ہوگی۔

(۸) اپنا وزیر عقل جزوی کو مت بنا عقل کل تیری وزارت کے لیے ضروری ہے۔

(۹) خواہشات نفسانی کو بھی وزیر نہ بنا۔ اس لیے کہ وہ تو تیری روح کو نماز ادا نہ کرے گی۔

(۱۰) اس لیے کہ خواہشات تو حرص و اغراض کے درپے رہتی ہیں اور عقل کو یوم جزا کی فکر رہتی ہے۔

حدیث شریف (حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جو اپنی شاہی (حکومت) میں نااہل کو کام سپرد کرتا ہے حالانکہ اس کی سلطنت میں اہلیت و صلاحیت والے بھی ہیں تو وہ اللہ تعالٰے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور جملہ اہل ایمان کی خیانت کرتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

ے

کسی را کہ با خواجۂ تست جنگ

بدستش چرامی دہی چوب و سنگ

سگ آخر کہ باشد کہ خوانش نہند

بفرمائے تا استخوانش نہند

مکافات موذی بمالش مکن !
کہ بیخش بر آورد بایہ زبن

سر گرگ باید ہم اول باید
نہ چون گوسفندان مردم درید

ترجمہ: ① جسے تیرے آقا سے جنگ ہو تو پھر اس کے ساتھ ڈنڈا اور پتھر میں کیوں پکڑاتا ہے۔
② کتے کو دسترخوان پیش کرنے کا کیا معنے اس کے لیے ہڈی چاہیئے۔
③ موذی کو مال دے کر بدلہ نہ اتار بلکہ اس کی جڑ کاٹ دیجئے۔
④ بھیڑیئے کا سر پہلے سے اتارنا لازمی ہے اس وقت کیا فائدہ ہوگا جب وہ لوگوں کی بکریاں پھاڑ کھائے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ:

حل لغات یہ من علیہ منا سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو انعام دے۔ یہ علیہ منۃ سے نہیں بمعنے امتن علیہ اس لیے کہ منت انسان کے کسی کردار سے ختم ہوسکتی ہے۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام پر منت جتلانا ایک قسم کا ایذا ہے حالانکہ یہاں تو ان کے ساتھ لطف و شفقت چاہیئے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ انعام و اکرام اس لیے جتلایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ذاتی طور پر ایسے انعامات و کرامات کے مستحق ہیں اور انھیں معلوم ہو کہ جو کچھ انھیں عطا ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ بخدا ہم نے آپ پر، اے موسیٰ علیہ السلام احسان کیا اور بہترین انعامات و کرامات سے نوازا حالانکہ آپ نے ہم سے ان کے متعلق سوال بھی نہیں کیا۔ (کذا فی الکبیر)

مَرَّةً اُخْرٰی ○ آنے جانے کے وقت یعنے ایسے اوقات میں جو اس وقت کا غیر ہیں۔ اخریٰ، آخر کی تانیث ہے بمعنے غیر اور المرۃ، مرۃ واحد کا اسم ہے اور مر اسم مصدر ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: مر یمر مرا و مرورا بمعنے ذھب پھر اس کا اطلاق فعلات کے فعلۃ واحدۃ پر ہوتا ہے۔ وہ فعلات لازم ہوں یا متعدی۔ اس کے اطلاق کے بعد عرف میں ان افراد کے ایک فرد میں مستعمل ہونے لگا جو افراد آپس میں متحد ہوں اور یہ اسی فرد کا علم ہو کر مستعمل ہوتا ہے گویا یہ اپنے باقی جملہ افراد کے لیے بمنزلہ معیار کے ہے اور یہ صرف مرۃ سے مخصوص نہیں بلکہ اور بھی ایسے افعال ہیں جو مرۃ کی طرح اپنے افراد کے فرد کے ایسے علم ہیں جیسے مرۃ اپنے افراد کے فرد کا جیسے کرۃ۔ تارۃ۔ دفعۃ۔ لیکن یہاں پر وہ وقت متد مراد ہے جس میں آنے والی کثیر اور عظیم نعمتوں کا وقوع ہوا ہے۔

اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ ۔ یہ مننا کا ظرف ہے یعنے جب ہم نے آپ کی والدہ کی طرف وحی کی۔ اس سے وہ

وحی مراد نہیں جو انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے کیونکہ جب عورت قضا و امارت کے قابل نہیں تو اس کے لیے نبوت کیسی۔ ہاں یہاں الہام مراد ہو سکتا ہے جیسے دوسرے مقام پر شہد کی مکھی کے لیے فرمایا: واوحی ربک الی النحل یعنے شہد کی مکھی کے دل میں ایک پکا ارادہ القا فرمایا کہ وہ تابوت و قذف تیار کرے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ بی بی نے محض الہام سے اپنے پیارے بیٹے کو دریا میں کیوں ڈال دیا؟

جواب: اس وقت اسے دو خطروں کا سامنا تھا اس نے ان میں سے اُسے اختیار کیا جو آسان تھا۔

تحقیقی جواب: موسیٰ علیہ السلام نے ایک بہترین موتی بنایا تھا اور موتی صدف میں ہوتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی ماں اس موتی کی تھیں اور قاعدہ ہے کہ جہاں موتی چمکتا ہے صدف بھی ساتھ چمکتا ہے اسی لیے ایسے الہام کا ہونا بی بی کے لیے لازمی امر تھا کہ ان کے پیٹ میں ایک نبی علیہ السلام اور وہ بھی کلیم اللہ موجود تھے اور ایسے الہامات خواص لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔

مَا يُوْحٰىٓ ۝ اس وحی سے وہ امور مراد ہیں جو اس کے بعد مذکور ہوں گے جیسے موسےٰ علیہ السلام کو تابوت اور دریا میں ڈالنا وغیرہ وغیرہ۔

سوال: پہلے اس نعمت کو مبہم بتایا گیا اس کے بعد تفصیل کیوں؟

جواب: الہام میں تفخیم و تہویل مطلوب ہے تاکہ موسےٰ علیہ السلام کی شان و عظمت کی اہمیت محسوس ہو اس کے بعد اس کی تفصیل فرمائی تاکہ مطلوب کا دل میں گہرا اثر ہو۔

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ۔ ان مفسرہ ہے بمعنے ای اس لیے وحی بھی قول سے متعلق ہے۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ ہم نے بی بی کو فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ دے۔ یہاں پر قذف بمعنے وضع (رکھنا) ہے اور **فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ**۔ میں قذف بمعنے القا ہے اور وہ بھی تابوت کے بغیر نہیں یعنے موسےٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ الیم سے دریائے نیل مراد ہے اس لیے کہ یم سے مطلقاً دریا اور بڑی نہر مراد ہوتی ہے۔

سوال: صرف موسےٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے کی کیا حکمت تھی دوسرے کسی بھی نبی کے لیے ایسا حکم نہیں؟

جواب (۱): چونکہ فرعون کے معاملات نجومیوں کے ذریعے طے پاتے تھے اور نجومیوں کو دریا کے اندر والی اشیاء کا علم نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے حکم فرمایا تاکہ نجومی موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون کو کوئی خبر نہ دے سکیں۔

جواب (۲): اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت کاملہ کو ظاہر کرنا تھا باوجودیکہ موسےٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال کر گویا انھیں تلف کیا جا رہا ہے لیکن وہ قادر بڑی قدرت رکھتا ہے کہ انھیں ایسی ہلاکت گاہ سے محفوظ فرمایا۔

جواب (۳): بی بی پر احسان ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ اسے بی بی تم اسے بچپن میں میرے حکم سے دریا میں ڈال دے میں تجھے اسے جوان کر کے نبی بنا کر واپس کروں گا۔

ف: موسےٰ علیہ السلام کا ابتداء بھی دریا سے نجات پانا ہے اور انتہا بھی کہ آپ کے دشمن فرعون کو دریا میں ڈبو دیا اور آپ کو لشکر

سمیت بچالیا۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ تابوت میں ناسوت موسیٰ علیہ السلام یعنے ان کی صورت انسانیہ کی طرف اشارہ ہے اور یم سے ان کے وہ علوم مراد ہیں جو انھیں جسم عنصری سے حاصل ہوتے۔ جب اس جسم کو نفس ملا تو اسے اس جسم میں تصرف کرنے اور تدبیر کا حکم ہوا اللہ تعالےٰ نے اس کے قویٰ کو ایسے آلات بنائے جن سے وہ امور حاصل کرے جو اللہ تعالےٰ کے ارادہ میں تھے انھیں دریا میں ڈالا گیا تاکہ وہ ان قویٰ کے ذریعے فنون علم کی وجہ سے امر الٰہی کے حصول کی استعداد حاصل ہو۔ امر سے معنویۃ اور رب سے روح کلی مراد ہے ان کے اجتماع سے بجسب قابلیت استعداد نصیب ہوتی ہے۔ اسی القا فی البحر سے موسیٰ علیہ السلام کو استعداد نصیب ہوئی۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دیدم رخت آفتاب عالم اینست
در طور وجود نور اعظم اینست
افتاد دلم اسیر تابوت بدن !
در بحر غمت القی فی الیم اینست

ترجمہ: تیرے چہرۂ عالم تاب کو میں نے دیکھا معلوم ہوا کہ طور وجود میں نور اعظم یہی ہے۔ تابوت بدن پر میرا دل اسیر ہوا تیرے دریائے غم میں جو کچھ حاصل ہونا تھا حاصل ہوا۔ القی فی الیم میں یہی راز ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ پس اسے دریا نے ساحل پر پھینکا۔ چونکہ یہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اور اس کا تعلق ارادۂ الٰہی سے ہے دریا کو ذو تمیز قرار دیا گیا گویا وہ ذو عقل اور امر بجالانے والا ہے۔ اسی لیے اسے جواب امر کے قائم مقام کھڑا کیا گیا۔ یہ صورۃً امر اور معناً خبر ہے اس کی جملہ ضمائر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں، اگرچہ بالاصالۃ پھینکی ہوئی اور دریا میں ڈالی ہوئی صندوق تھی لیکن مقصود بالذات اس کے اندر میں رہنے والے موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ساحل اسم فاعل بمعنے مفعول ہے یہ السحل سے مشتق ہے اس لیے کہ سحل بمعنے قشرو وسلخ ونزع ہے اور وہ چونکہ ساحل اس زمین کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جو پانی سے علیحدہ ہے اسی لیے اس نام سے موسوم ہے۔ یہ قشرت العود سے ہے بمعنے نزعت عنہ یعنے میں نے اسے اس سے جدا کیا۔ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ میرا اور اس کا دشمن پکڑے گا۔ یہ امر بالالقا کا جواب ہے اور عدو کا تکرار مبالغہ کے لیے ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے ام موسیٰ ! انھیں دریا میں ڈال دے انھیں میرا اور ان کا دشمن پکڑے گا اور میں اس بات پہ قادر ہوں کہ ان کی ان کے گھر میں پرورش دوں اور اس کے شر سے انھیں محفوظ رکھوں بایں معنی کہ اس کے دل میں ان کی محبت ڈال دوں گا۔

سوال: یہاں تو فرعون کی اللہ تعالےٰ کے لیے برابری کا شبہ پڑتا ہے اس لیے کہ عدو (دشمن) کسی کے بالمقابل کو کہا جاتا ہے؟

جواب: چونکہ وہ اللہ تعالٰی کے امر کا مخالف تھا اسی مخالفت کی بنا پر اسے مجازاً عدو کہا گیا۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ)

ف: ساحل سے مراد یہاں پر پانی سے خالی جگہ مجازاً مراد ہے کیونکہ یہاں دریا نے موسٰی علیہ السلام کے صندوق کو باہر پھینکا تھا وہ دریا کا ساحل نہ تھا بلکہ وہ جگہ دریا کے وسط میں تھی وہاں سے فرعون کے محل میں بڑی نہر نکل کر جاتی تھی جو اس کے باغات کو سیراب کیا کرتی تھی۔

موسٰی علیہ السلام کے صندوق کا فرعون کے ہاں پہنچنا منقول ہے کہ موسٰی علیہ السلام کی والدہ نے صندوق کو روئی سے بھر کر اس کے ارد گرد تار کول (کالا تیل) ڈالا تاکہ پانی اندر نہ چلا جائے اس طرح صندوق کو اندر سے محفوظ کر کے اسے دریا میں ڈال دیا وہاں سے دریا نے فرعون کے باغات کو سیراب کرنے والی نہر میں پہنچایا اور وہ صندوق وہاں چلا گیا جہاں فرعون بی بی آسیہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ فرعون نے بی بی سے کہا کہ لائیے یہ صندوق کیسا ہے جلسے کھول کر دیکھا تو اس میں نہایت حسین و جمیل لڑکا موجود ہے۔

موسٰی کی وجہ تسمیہ موسٰی علیہ السلام چونکہ پانی میں دریا کے کنارے سے ملے اس لیے اسی نام سے موسوم ہوئے کیونکہ قبطی زبان میں 'مو' بمعنے پانی اور 'سا' بمعنے درخت ہے۔

فرعون موسٰی علیہ السلام کو دیکھتے ہی ان کی محبت میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ جب تک انھیں دیکھ نہیں لیتا تھا اسے چین نہیں آتا تھا چنانچہ فرمایا:

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ میں نے اپنی طرف سے اس کے دل میں آپ کی بہت زیادہ محبت ڈال دی یہاں تک کہ ہر ایک کے دل میں موسٰی علیہ السلام کی ایسی محبت ڈال دی گئی، جو بھی آپ کو دیکھتا تھا پھر آپ کے دیدار کے لیے بے چین رہتا تھا۔ اسی لیے موسٰی علیہ السلام کے ساتھ فرعون اور اس کا تمام خاندان محبت کرتا تھا۔

الجحویہ: مروی ہے کہ موسٰی علیہ السلام کے چہرے پر حسن و جمال کے اثرات اور ان کی آنکھوں میں ملاحت تھی جو بھی آپ کی زیارت کرتا فریفتہ ہو جاتا تھا۔

ماہ زیباست ولی روئے تو زیبا ترازوست
چشم نرگس چہ کنم چشم تو رعنا ترازوست

ترجمہ: چاند بھی حسین ہے لیکن تیرا چہرہ اس سے حسین تر ہے۔ میں نرگس کی آنکھ کو کیا کروں گا کیونکہ تیری آنکھ تو اس سے بدرجہا بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: والقیت علیک محبۃ منی میں نے آپ پر اپنی محبت ڈالی تاکہ وہ جو میرے ساتھ بالتحقیق محبت کرتا ہے وہ آپ سے بھی محبت کرے اور جو میرا اور تیرا دشمن ہے وہ بالتقلید آپ سے محبت کرے گا۔ چونکہ فرعون کی تقلیدی محبت تھی اس نے جب موسٰی علیہ السلام سے ایک معمولی ظاہری خطا دیکھی تو اس کی وہ محبت فاسد و زائل

ہوگئی اور حضرت آسیہ کی محبت تحقیقی تھی اسی لیے ان کی محبت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے، کہ جس مرید کا ارادہ تقلیدی ہوتا ہے وہ شیخ کی معمولی ظاہری غلطی (جسے مرید غلطی سمجھتا ہے) سے اس کی ارادت و عقیدت فاسد و باطل ہو جاتی ہے بخلاف مرید محقق کے کہ وہ شیخ کی بہت بڑی غلطیوں سے بھی منحرف نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ غلطی اس کی طبع و نفس کے ہزاروں درجہ غیر موافق ہو وہ ہر حال میں اپنے شیخ کے لیے تسلیم و رضا کی تصویر بنا رہتا ہے۔

ے

نشان اہل خدا عاشقی و تسلیمست
کہ در مرید شہر این نشان نمی بینم

ترجمہ: خدا والوں کی نشانی عاشقی و تسلیم ہے لیکن آج کل اس علامت والے مرید مجھے نظر نہیں آتے۔

تفسیر عالمانہ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ○ القیت کی علت مضمرہ پر عطف ہے یعنے تاکہ وہ اے موسیٰ علیہ السلام تجھ پر مہربان ہو اور اے بی بی! تم شفقت و نرمی سے اپنے صاحبزادے کی تربیت کر سکو۔ پھر وہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آئے اور میں ہی آپ کا حافظ و ناصر ہوں آپ کی ویسے ہی نگرانی اور حفاظت فرماؤں گا جیسے کوئی کسی اپنی پیاری شے کی توجۂ خاص سے حفاظت و نگرانی کرتا ہے یہ صنع الیہ معروفا سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے ساتھ احسان و مروت کرے۔

ف: عینی۔ تصنع سے حال ہے اس سے صلہ نہیں اور عینی مجازاً بمعنے حراست و حفاظت ہے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اسی لیے کہ نگران جس شے کی حفاظت کا ارادہ کرتا ہے تو اسے وہ ایسے امور سے بچاتا ہے جن سے وہ اسی شے کے لیے نہیں چاہتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جس بندے پر اللہ تعالٰے کی نظر عنایت ہو جائے تو وہ اپنے جملہ حالات دنیویہ و اخرویہ میں جمیع خرابیوں سے محفوظ رہتا ہے اس کے لیے ہر وقت منجانب اللہ تربیت اور صلاحیت کے اسباب تیار ہوتے ہیں یہاں تک کہ اسے وہ مقامات و مراتب حاصل ہو جاتے ہیں جو اس کے لیے مقدر ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ جب کہ آپ کی بہن چلتی تھی۔ آپ کی بہن کا نام مریم تھا اور یہ جملہ یتصنع کی ظرف ہے اس سے وہ مراد ہے جب وہ فرعون کے گھر آتی جاتی تھی۔ اسی پر فَتَقُوْلُ الخ اور پھر اس کا اپنی ماں کے ہاں جانا اور آپ کی ماں کی تربیت اور اس کی شفقت۔ تمام جملے مرتب ہوں گے اور یہ تمام مضمون لتصنع الخ کا مصداق ہے۔ کیونکہ ماں کی شفقت کا اور کوئی شفقت مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ تربیت کو مشی اخت کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا آنا جانا ان کا ماں کے ہاں

واپس جانا ہی ان کی تربیت کا زمانہ ہے۔

فَتَقُوْلُ جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے فرعون و آسیہ کو دیکھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسی دودھ پلانے والی کی تلاش میں ہیں جس کا موسیٰ علیہ السلام دودھ پئیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ قبول نہیں کر رہے تھے۔

ف: مضارع کا صیغہ ہر دونوں مقام پر حال ماضی کے حال کے لیے ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا:

هَلْ اَدُلُّكُمْ اے حاضرین مجلس! کیا میں تمھاری رہبری کروں۔ **عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ** ایسی عورت کے لیے جو اس بچے کی کفایت کرتے ہوئے اسے دودھ پلائے یعنی بچے کو اپنے پاس رکھ کر اس کی خوب پرورش کرے اور مجھے یقین ہے کہ یہ بچہ اس عورت کا دودھ پینا بھی قبول کرے گا۔

ف: منقول ہے کہ مصر میں یہ خبر عام شائع ہو گئی کہ فرعون کو دریائے نیل سے ایک بچہ ملا ہے جو کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن فرعون کے گھر سے اجنبی سی بن کر آئی اور کہا کہ اس بچے کے دودھ پلانے والی میں لا سکتی ہوں۔ فرعون وغیرہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ میری ماں ہے۔ اس کا دودھ پیتا بیٹا ہارون (علیہ السلام) ہے۔ فرعون نے کہا جاؤ اسے لے آؤ۔ بی بی کو لایا گیا اور آپ نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔

فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ ۔ یہ فا فصیحیہ ہے یہ محذوف فعل کی خبر دیتی ہے جس پر مابعد کا عطف ہو گا۔ دراصل عبارت یوں ہے:

فقالوا دلينا عليها فجاءت بامك فرجعناك الخ

یعنے فرعون والوں نے کہا کہ ہمیں ایسی عورت کے لیے رہبری کیجئے۔ چنانچہ وہ آپ کی والدہ کو لائی۔ تو ہم نے آپ کو ماں کے ہاں واپس لوٹا دیا۔ اس لیے کہ ہمارا وعدہ تھا کہ ہم آپ کو آپ کی والدہ کے ہاں واپس لوٹائیں گے سو وہ پورا ہو گیا۔ چنانچہ وہ وعدہ قرآنی یوں ہے۔

کما قال تعالےٰ:

انا رادوه اليك وجاعلوه من المرسلين۔ ہم موسےٰ علیہ السلام کو تیرے ہاں واپس لوٹائیں گے اور ہم اسے اپنا پیغمبر بنائیں گے۔

الہامِ خاص: موسےٰ علیہ السلام کا الہام خواص (اولیاء) کے الہام جیسا تھا جو بمنزلہ وحی انبیاء علیہم السلام کے ہوتا ہے۔ اسی لیے بی بی صاحبہ نے ایسی گفتگو کو محال نہ سمجھا یا بی بی کو یہ جملہ حال خواب میں دکھایا گیا جس سے انھیں تسلی تھی۔

كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا تا کہ آپ کے ملنے سے آپ کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی والدہ آپ کے ملنے سے خوش ہو گی۔ یہ قرت عينه سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب آنکھ کسی کے دیکھنے سے ٹھنڈی ہو۔ یہ سخنت کی نقیض ہے یہ اس کی لغوی معنے ہے اس سے سرور مراد ہے اور یہی معنی یہاں پر مقصود ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

وَلَا تَحْزَنَ، اور آپ کی گمشدگی سے غمگین نہ ہو اور آپ کے ہجر و فراق سے ملال نہ ہو۔ (کذا فی الکبیر)

سوال: ولا تحزن زائد کلام ہے اس لیے کہ سرور غم کو زائل کرتا ہے تو پھر اس کی کیا ضرورت ؟

جواب: تقر عینها میں اشارہ ہے کہ اے موسیٰ! علیہ السلام آپ والدہ کے ہاں واپس جائیں گے تو انھیں مسرت ہوگی اور آپ اس کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پئیں گے تو ان سے یہ غم دور ہوگا کہ آپ کے پیٹ میں اس کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ نہ جائے گا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اب جب کہ آپ اپنی والدہ کے ہاں واپس لگئے تو اس کے بعد ہمیشہ تک آپ کے ہجر و فراق سے فارغ ہو گئی اور اسے پھر کبھی حزن و ملال نہ ہوگا۔ یہ معنٰے نہ کیا جائے تو مذکور سوال کا ورود صحیح ہے اس لیے کہ حزن کا زوال سرور سے پہلے ہوتا ہے اسی کو قرۃ العین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ تخلیہ تحلیہ پر مقدم ہوا کرتا ہے۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے نزدیک واؤ مطلق جمع کے لیے ہے نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے ان دونوں تقریروں کے بعد جملہ اعتراضات دفع ہوگئے۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اس مقتول سے وہ قبطی مراد ہے جس سے اسرائیلی کو خطرہ تھا تو اس کے حملے سے بچنے کے لیے اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہی۔ (اس واقعہ کی تفصیل سورہ قصص میں آئے گی)۔ **فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ** تو ہم نے آپ کو غم سے نجات دی۔ یہاں پر غم سے قتل مراد ہے کیونکہ قتل کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف خدا طاری تھا کہ ممکن ہے کہ میں نے اسے ناحق قتل کر دیا ہو، شاید اس کی وجہ سے مجھ پر عذاب الٰہی نازل ہو جائے اور ساتھ ہی فرعون کے قصاص سے بھی خوفزدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے نجات کی خوشخبری سنائی اور مدین کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا جس سے موسیٰ علیہ السلام ہر طرح کے غم و حزن سے آزاد ہوگئے۔ **وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۵** اور ہم نے آپ کو آزمایا۔ فتنۃ و فتون بمعنے محنت و مشقت بھرا امر جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرے۔

ف: اللہ تعالیٰ پر اسم فتان کا اطلاق جائز ہے اس لیے کہ یہ اسم بظاہر مذموم ہے۔ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفیہ ہیں۔

سوال: اگر یہ اسم مذموم ہے تو نعمتوں کے ذکر کے وقت اس کا استعمال کیوں ہوتا ہے ؟

جواب: فتنہ بمعنے تشدید المحنۃ چونکہ تشدید المحنۃ کثرت ثواب کا موجب ہے۔ اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے نعمتوں میں شمار فرمایا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما اوذی نبی مثل ما اوذیت۔ مجھ جیسی ایذا کسی اور نبی کو نہیں پہنچائی گئی۔

ف: بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جتنا تصفیہ قلب مجھے نصیب ہوا ایسا کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو بہت آزمایا۔

بعض نے فرمایا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے آپ کو بلاؤں میں خوب پیا، اور آپ بھی میری آزمائشوں میں پورے اترے ۔ منجملہ ان آزمائشوں کے چند ایک یہ ہیں :

① قبطی کو قتل کرنا ۔

② وطن سے ہجرت کر جانا ۔

③ دوستوں سے جدا ہو جانا ۔

④ دور کا سفر پیدل طے کرنا ۔

⑤ زادِ راہ کا ختم ہو جانا اور

دیگر تکالیف جو مدین تک پہنچنے سے پہلے پہنچیں، جیسا کہ آنے والے جملہ میں لفظ فا ء سے ثابت ہوتا ہے ۔

موسیٰ علیہ السلام کی آزمائشوں کی فہرست

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو آزمایا گیا جن آزمائشوں میں آپ کو آزمایا گیا وہ یہ ہیں :

① فرعون کے ساتھ رہنے سہنے اور ان کی قوم میں تربیت و پرورش کے باوجود ان کے مذہب کو قبول نہ کرنا ۔

② قبطی کو ناحق قتل کرنا اور فرعون سے اس کے خوف سے بھاگنا ۔ ایسے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نجات بخشی ۔

③ شعیب علیہ السلام کی دو صاحبزادیوں کی ملاقات اور ان کی بکریوں کو پانی پلانا باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت نوجوان تھے اور جوانی کی امنگوں کے پیش نظر آپ کا غلطی کا مرتکب ہونا یا کم از کم عورتوں کی طرف مائل ہونا فطری امر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمایا کہ ان کی طرف خیال تک نہ گیا ۔

④ حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت و صحبت اور پھر ان کی مزدوری کا آٹھ سال تک کا معاہدہ ۔ اللہ تعالیٰ نے اس عہد پر پورا اترنے کی توفیق بخشی ۔

ف : بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چند مقامات پہ آزمایا تاکہ وہ اس آزمائش میں پورا اتریں اور پھر اس سے ان کے مراتب بلند ہوں ۔

قبطی کو قتل کرنا یہ بھی منجملہ آزمائش کے تھا لیکن اس قتل کا موسیٰ علیہ السلام کو الہام ہوا ۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ قتل کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نہایت اطمینان و سکون میں تھے ۔ اگر یہ الہامی حکم نہ ہوتا تو وہ قتل کے بعد کبھی مطمئن اور پرسکون نہ ہوتے بلکہ اس قتل سے پہلے انہیں وحی کا انتظار ضروری تھا لیکن انتظار کئے بغیر آپ نے قبطی کو قتل کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ امر الہامی تھا ۔ ورنہ یہ بھی ہے کہ جب انسان کسی کو قتل کرتا ہے تو وہ اس کے بعد وحشت میں . . . . ہے ۔

مودودی کا رد : مودودی نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو قتل کر کے بڑا گناہ کیا ۔ حالانکہ یہ اس کا خبط ہے اس لیے کہ

انبیا علیہم السلام کو معصوم ماننا لازم ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل بھی گناہ میں شامل نہیں ہے[1]

[چنانچہ فقیر (صاحب روح البیان) نے لکھا ہے:]

وانما قلنا انہ علیہ السلام کان ملھما فی قتل القبطی لان باطن النبی معصوم من ان یمیل الی امر ولم یکن مامور بہ من عند ربہ وان کان فی السر لکون النبی معصوم الباطن من حیث لایشعر حتی یخبر بان ذالک الا مامور بہ فی السر[2]

اور یہ ہم نے اسی لیے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے کا الہام اللہ تعالیٰ سے ہوا تھا اس لیے کہ نبی کا دل معصوم ہوتا ہے وہ ہر ایسے امر کا ارتکاب نہیں کرتے جس کا انھیں اللہ تعالیٰ سے حکم نہ ہو، اگر وہ امر بظاہر انھیں معلوم نہ ہو تب بھی بباطن انھیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ وہ بظاہر اسے محسوس نہیں تو انھیں بعد میں محسوس کرایا جاتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے غلام کو ناحق قتل کر کے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ فرمایا کہ آپ کا قبطی کو قتل کرنا الہامی حکم تھا اگرچہ اس وقت آپ کو اس طرف توجہ نہیں تھی۔ میں نے غلام کو قتل کر کے آپ کو یاد دلایا ہے تاکہ موسیٰ علیہ السلام سمجھ لیں کہ جو کچھ میں نے کیا ہے حق ہے، اگرچہ یہ بظاہر غلام کی ہلاکت ہے اور بباطن اس میں بھلائی ہے ایسے ہی کشتی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں اشارہ تھا کہ اے موسیٰ! علیہ السلام! آپ اپنا واقعہ یاد کیجئے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو دریا میں ڈال دیا تھا، اس کا ظاہر تو تباہی و بربادی تھی لیکن باطن میں ہزاروں حکمتیں۔ ایسے ہی میرا معاملہ سمجھئے کہ میں نے کشتی میں سوراخ کر کے کشتی کو غاصب سے بچایا ہے جیسے آپ کی والدہ نے صندوق کو دریا میں ڈال کر آپ کو فرعون کے غضب سے بچایا ورنہ فرعون آپ کو دوسرے بنی اسرائیل کے لڑکوں کی طرح قتل کر دیتا۔ یہ دونوں ماجرے الہامی ہیں اگرچہ آپ کی والدہ حقیقت حال کو بظاہر نہیں جانتی تھی لیکن اسے غالب گمان تھا کہ یہ بچہ صرف میرا ہی دودھ پیئے گا، اس لیے یہ لازماً دریا سے بچ نکلے گا اور اسے بھی الہام ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول خدا ہوں گے اور انہی کے ہاتھوں فرعون اور قبطی تباہ و برباد ہوں گے۔ اسی لیے بی بی صاحبہ کو اطمینان تھا اور عیش و خوشی کا وقت بسر کیا ورنہ بظاہر اس کے ہاں کوئی دلیل نہ تھی جو اسے یقین تک پہنچاتی لیکن بی بی صاحبہ کا یہ ظن و توہم علم کے حکم میں ہو گیا جب کہ اس کا متعلق حق اور مطابق بہ واقعہ اور متحقق فی الامر تھا۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ تو تم اہل مدین میں کئی سال ٹھہرے رہے یعنے دس سال شعیب علیہ السلام کے ہاں آپ بکریاں چراتے رہے جب کہ انھوں نے اپنی صاحبزادی صفورا، کا نکاح آپ کو اس شرط پر دیا کہ آپ ان کی آٹھ سال بکریاں چرائیں لیکن آپ نے دس سال پورے کر دیئے تاکہ خدمت کا مکمل حق ادا ہو، جیسا کہ سورۂ قصص میں تفصیل آئی ہے۔

---

[1]:- اضافہ از اویسی۔

[2]:- روح البیان جلد ۵ صفحہ ۳۸۵۔

ف: مدین مصر سے آٹھ مراحل پر ہے۔
وصلت کی بجائے لبثت کہنے میں اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرصہ بھی مشقت اور تکلیف میں گذارا تھا اور یہ بھی مصیبت سے کم نہ تھا کہ آپ شعیب علیہ السلام کے ہاں ایک مزدور بن کر رہے۔

تفسیر صوفیانہ فلبثت سنین فی اھل مدین، اے موسیٰ علیہ السلام ! تم اہل مدین میں کئی سال ٹھہرے رہے تاکہ شعیب علیہ السلام کی خدمت کرکے اور ان کی صحبت میں چند روز بسر کرکے نبوت و رسالت کے مستحق بن جاؤ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

شبان وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد
چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: کبھی وادی ایمن کا چرواہا بھی مراد کو پہنچ جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ چند سال وہ شعیب علیہ السلام کی خدمت کرے۔[1]

سبق: غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ناگوار امر کو کس طرح محبوب بنا دیا ہے یعنے موسیٰ علیہ السلام سے قبطی قتل کرا کر شعیب علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کر دیا تاکہ اس میں نبوت و رسالت کی استعداد پیدا ہو۔ ایسے ہی اس جیسے سینکڑوں امور ہیں۔

سبق: جب نبوت کے لیے آزمائش ضروری ہے تو ولایت کے لیے بطریق اولیٰ لازم ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ راستہ بھول جانے اور اندھیری رات میں بکریوں کے منتشر ہو جانے کے بعد، اے موسیٰ علیہ السلام تم وادی مقدس میں ایک مدت کے بعد آئے۔ قدر سے وہ مدت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے مقدر فرمائی کہ فلاں وقت میں ہم موسیٰ علیہ السلام سے وادی مقدس میں گفتگو کریں گے اور اسی وقت انھیں نبوت سے سرفراز فرمائیں گے اس سے نہ پل بھر آگے ہوگا نہ پیچھے یا اس سے وہ سن مراد ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کو نبوت کے اعلان کا حکم ہوتا ہے یعنے چالیس سال کے بعد حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی چالیس سال کے بعد نبوت کے اعلان پر مامور ہوا۔ (کذافی بحر العلوم)

ف: بعض محدثین نے اس روایت کو موضوعات میں شامل کیا ہے۔

وہ انبیاء علیہم السلام جنھیں چالیس سال پہلے نبوت ملی: مروی ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کو نبوت ملی اور پھر آسمان پر

---

[1]: ؎
اگر آ جائے کوئی شعیب میسّر
تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اٹھائے گئے تو اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال تھی اور یوسف علیہ السلام کو چاہ کنعان میں نبوت ملی جب کہ آپ اس وقت اٹھارہ سال کے تھے اور یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے لیے چالیس سال کی کوئی شرط نہیں۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

یا موسیٰ تکرار خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شرافت کے اظہار کے لیے ہے اور اس میں تنبیہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پہلی بار کس آزمائش میں مبتلا ہوئے تو دوسری بار کس میں۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۝ اور میں نے اپنی ذات کے لیے آپ کو چن لیا۔ یہ وانا اخترتك کے وعدہ کے ایفاء کی تذکیر ہے، یعنی میں نے رسالت اور ہمکلامی کا مرتبہ عطا کر کے آپ کو لوگوں پر یوں فضیلت بخشی ہے کہ جیسے بادشاہ اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے اور پھر بادشاہ اس خاص کو امور جلیلہ سپرد کرتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے امور جلیلہ سپرد فرمائے۔ اصطلاح بلاغت میں (اپنے لیے خاص کرنے کو) تمثیل اور رسالت و نبوت کے امور جلیلہ سپرد کرنے کو ترشیح کہتے ہیں۔

ف: کاشفی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے آپ کو برگزیدہ بنایا اور اپنی محبت میں خاص فرمایا یعنی اپنا دوست خاص مقرر فرمایا۔

ف: ابن الشیخ کے حواشی میں ہے کہ میں نے آپ کو اپنے لیے اس لیے چنا تاکہ آپ مجھ سے محبت کریں اور میرے ارادہ و محبت کے مطابق تصرف فرمائیں اور جیسے کہ آپ کو اقامت حجت و تبلیغ رسالت کا حکم ہے آپ اس میں مشغول ہوں اور یہ کہ آپ کی جملہ حرکات و سکنات صرف میرے لیے ہو، اس میں آپ کے اپنے نفس اور آپ کی خواہشات اور دوسرے غیر کو کسی قسم کا دخل نہ ہو۔

حل لغات الاصطناع افتعال کا باب از صنع (بالضم) ہے اور یہ صنع الیہ معروفاً او مودۃ " اصطنع فلانا اتخذہ صنیعا محسنا الیہ " سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کی تعظیم و تکریم کے تحت اس کے ساتھ احسان و مروت کے طور پر اسے اپنا مقرب بنائے۔ اور قفال نے لکھا ہے کہ اصطنعتك کا اصل مادہ اصطنع فلان فلانا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے ایسا احسان کرے کہ پھر وہ ہر وقت اپنے محسن کی طرف ہی منسوب ہو جیسے عربی مقولہ ہے:

ھذا صنیع فلان (یہ فلاں کا کارنامہ ہے)۔

اور مشہور ہے:

ھو جریح فلان۔ (یعنی فلاں کا زخمی ہے)۔

قاموس میں ہے: اصطنعتك لنفسی کا معنیٰ یہ ہے کہ میں نے ایسے خاص امر کے لیے مخصوص کیا ہے کہ پھر اس میں ہی آپ کی کفالت کروں گا۔

صوفیانہ معنیٰ: حقیقت یہ ہے کہ در اصل اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسا آئینہ بنایا جو صفات جمال و جلال کے انوار

کی قابلیت رکھتا ہے ۔

تقریر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے خواص وہ ہیں جنھیں اسی خاص معنےٰ کے لیے پیدا کیا گیا ہے ورنہ ان کے بعض صرف دنیوی کام کے لیے ہیں اور بعض اُخروی امور کے لیے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ خواص حقیقۃً اللہ تعالےٰ کے وہ مخصوص بندے ہیں باطل و ماسوی اللہ کی میل کچیل سے بالکل صاف اور پاک ہیں ۔

لبید نے کہا ؎

الا کل شئ ما خلا اللہ باطل
وکل نعیم لا محالہ زائل

ترجمہ : خبردار ! اللہ تعالےٰ کے ماسوی تمام باطل ہے اور لازماً ہر نعمت زوال پذیر ہے ۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے پھر وہ اس مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اسے برگزیدہ بناتا ہے اور اگر وہ اس پر راضی ہوتا ہے تو اسے اپنے لیے خاص کر لیتا ہے ۔

ف : نزول مصائب کے وقت کڑوے گھونٹ پینے کا نام صبر اور قضائے الٰہی کے باوجود قلب میں سرور و فرحت محسوس کرنے کا نام رضا ہے ۔

ف : جس بندے کے لیے اللہ تعالےٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اسے خاص اپنے لیے چن لے تو پہلے اسے بلاؤ مصیبت کا نشانہ بناتا ہے پھر اس کے جوہر قلبی کو ماسوی اللہ سے پاک وصاف کرتا ہے لیکن یہ طریقہ بہت مشکل ہے ۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مگو کہ قطع بیابان عشق آساں ست
کہ کوہہائے بلا ریگ آن بیاباں ست

ترجمہ : یہ مت کہو کہ عشق کا بیابان طے کرنا آسان ہے اس لیے کہ عشق کے جنگل میں وہ پہاڑ ہیں جن میں ریت کا نام ونشان تک نہیں ۔

اے اللہ ! ہمیں صابرین وشاکرین اور راضی برضائے الٰہی اور واصلین سے بنا ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِذْهَبْ اَنْتَ :

حل لغات الذھاب بمعنے جانا جیسے کہا جاتا ہے : ذھب بالشئ و اذھبہ ، وہ گیا اور وہ اسے لے گیا ۔ اس کا استعمال اعیان ومعانی ہر دونوں میں ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

انی ذاھب الی ربی میں اپنے رب کے ہاں جاتا ہوں ۔ (یہ اعیان کی مثال ہے ۔)

اور فرمایا :

فلما ذھب عن ابراھیم الروع جب ابراہیم علیہ السلام سے گھبراہٹ چلی گئی (یہ معانی کی مثال ہے ۔)

وَاَخُوْكَ یعنے آپ کو آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو جانا چاہئے جیسا کہ آپ نے ہارون علیہ السلام کی رفاقت کی آرزو کی تھی ۔

سوال : ہارون علیہ السلام کے لیے صیغہ غائب کیوں ؟

جواب : اس وقت ہارون علیہ السلام موجود نہ تھے ۔

ف : لفظ اخوۃ : مشارکۃ فی الولادت من الطرفین کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے (اسے عینی کہتے ہیں) طرف واحد سے بھی (اگر باپ سے ہو تو وہ اخوۃ علاتیہ اور اگر ماں سے ہو تو اخوۃ خیفیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تفصیل علم میراث میں ہے) اگر دودھ پینے کی مشارکت ہو تو بھی اخوت ثابت ہو جاتی ہے ۔

ف : مشارکۃ فی الفعل مثلاً قبلہ کی مشارکت (مسلمان بھائی بھائی) ایسے ہی دین کی مشارکت، ایسے ہی صنعت ایسے ہی کوئی معاملہ دینی دنیوی اور اخروی وغیرہ ایسے ہی دوستی اور محبت وغیرہ وغیرہ پر بھی اخوت کا اطلاق ہوتا ہے غرضیکہ جب کسی کو کسی سے کوئی مناسبت ہوگی تو اس مناسبت سے اگرچہ معمولی سہی، کی وجہ سے ایک دوسرے پر اخوت کا اطلاق جائز ہوگا۔[1]

بِاٰیٰتِیْ میرے معجزات ساتھ لے کر ۔ یہ باء مصاحبت کی ہے تعدیہ کی نہیں ۔ کیونکہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام معجزات سے کر فرعون کے ہاں پہنچے اور اس کا مقابلہ انہی معجزات و آیات سے کیا تاکہ احکام الٰہیہ وامور رسالت و نبوت ادا کر سکیں اور انہی ہی سے ان کی دعوت کی تکمیل ہوتی ۔ اگر باء تعدیہ کی ہو تو معنے یہ ہوگا کہ وہ معجزات و آیات لے کر فرعون تک پہنچے پھر اس کے بعد ان سے کوئی خاص واسطہ اور تعلق نہ تھا جیسا کہ باء تعدیہ کا تقاضا ہے ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیات سے وہ نو معجزات مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صادر ہوئے اگرچہ ان دونوں کا وقوع بالفعل ایک دوسرے کے یکے بعد دیگرے ہوا ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جمع تعظیم کے لیے ہو اور اس سے صرف عصاء اور ید بیضا مراد ہو یا یہ کہ یہاں خلیل نحوی کے منصب کے مطابق ہو، وہ کہتا ہے کہ جمع میں کم از کم دو فرد ضروری ہیں ۔ اس معنے پر جمع کا صیغہ اپنے ادنیٰ مراتب پر مستعمل ہوا ہے ۔

وَلَا تَنِیَا ۔ اور سستی نہ کرنا ۔

حل لغات : یہ ونی ینی ونیاً فھو وان سے ہے جیسے وعد یعد فھو واعد بمعنے فتر یفتر فتوراً ۔

---

[1] : از اویسی غفرلہ ۔

فِیْ ذِکْرِیْ میرے ذکر کی مداومت میں ہر حال میں یعنے زبان اور قلب سے ہر وقت میرے ذکر میں مشغول رہنا کیونکہ میرا ذکر جملہ مقاصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے اس لیے کہ میرے ذکر کے بغیر کوئی امر بھی سرانجام نہیں ہوتا میرے ذکر میں اہور کی سستی کا موجب ہے کے نسبحك کثیرا و نذکرك کثیرا کی یاد دہانی کے لیے لایا گیا ہے (یعنے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ یا اللہ ہارون علیہ السلام کو میرے ساتھ بھیج دے ہم مل کر تیرا ذکر بہت زیادہ کریں گے۔ اب اسی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے)[1]

نکتہ: بعض عرفا نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی کے ذکر پر مداومت میں فائدہ یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالٰی کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے تو اس کے دل سے غیر کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے اسی لیے پھر وہ کسی سے نہیں ڈرتا بلکہ اس کی روحانیت اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا پھر وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ف: مرجع طریقت جلوتیہ (بالجیم) حضرت الہدائی قدس سرہ نے فرمایا کہ وعظ سے پہلے کلمۂ توحید ضرب لگا کر پڑھنا پڑھانا بعون اللہ تعالٰی سامعین کو متوجہ کرنے اور ان کے قلوب میں اثر پیدا کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔

صوفیانہ تقریر: العرائس میں ہے کہ ولا تنیا کا معنٰی یہ ہے کہ اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام تم میرے احکام بجا لاتے وقت میرے مشاہدہ سے دور نہ ہونا یہاں تک کہ یہ سمجھ کر ہم اللہ تعالٰی کے حکم بجا لانے میں مشغول ہیں تو پھر میرے مشاہدہ سے سست ہو جاؤ۔ ایسا ہرگز نہ کرنا۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اہل شہود اپنے شہود سے پل بھر بھی غائب نہیں ہوتے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اوراد و وظائف پر مداومت ضروری ہے اور طالبین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ حصولِ مطلوب میں جد و جہد کرنی چاہیئے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

یا خاطب الحوراء فی حسنها
شمر فتقوی الله فی مهرها
وکن مجدا لا تکن وانیا
وجاهد النفس علی صبرها

ترجمہ: اے حورعین سے نکاح کے خواہشمند۔ جد و جہد کیجیے اس کا مہر تقوٰی و طہارت ہے۔ بہت کوشش کیجیے۔ سستی سے کام نہ لے بلکہ مصائب و تکالیف پر نفس کو عبرت دلانے میں محنت کیجیے۔

اور کمال خجندی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ؎

بکوش تا بکف آری کلید گنج وجود
کہ بے طلب نتوان یافت گوہر مقصود

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی۔

ترجمہ : کوشش کیجیے تاکہ تجھے گنج وجود کی چابی حاصل ہو۔ اس لیے کہ طلب کے بغیر گوہر مقصود نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بے طلب نتوان وصالت یافت کے آرے دہد
دولت حج دست جز راہ بیابان بردہ را

ترجمہ : بلا طلب وصال ناممکن ہے۔ ہاں دولت حج بھی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب عرب کے دشت و بیابان طے کیے جاتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

مقام عیش میسر نمیشود بے رنج
بلیٰ بحکم بلا بستہ اند حکم الست

ترجمہ : رنج کے بغیر عیش کا مقام میسر نہیں ہوتا، ہاں ہاں حکم الست کو بلا و رنج کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف روانہ ہونا : مروی ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وادی مقدس میں ندا دی اور فرمایا کہ آپ فرعون کے ہاں تشریف لے جائیے اور تیرا سوال بھی میں نے پورا کیا ہے کہ ہارون کو بھی اپنے ساتھ لے جائیے، تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے فرعون کے ہاں جانے کے لیے چل پڑے۔ یہاں پر ملائکہ کی ایک جماعت نے آپ کی مشایعت (الوداع) کی اور بوقت روانگی ملائکہ ہی نے آپ کا مصافحہ کیا۔ لیکن آپ نے اپنے اہل و عیال کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کیا اور چل پڑے۔

ف : تفسیر تیسیر میں ہے کہ آپ کے اہل و عیال نے رات تک آپ کی واپسی کا انتظار کیا، پھر دوسرے روز بھی منتظر رہے لیکن کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اسی جنگل میں آپ کے اہل و عیال حیران و سرگردان تھے اور ایک عرصہ تک وہیں پر مقیم رہے یہاں تک کہ وہاں سے مدین کا ایک چرواہا گذرا تو اس نے انھیں پہچان لیا اور انھیں شعیب علیہ السلام کے پاس لے گیا اور وہ شعیب علیہ السلام کے ہاں اس وقت تک مقیم رہے، یہاں تک کہ موسےٰ علیہ السلام کے متعلق معلوم ہوا کہ آپ فرعون کے ہاں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور اب وہ فرعون کو دریا میں غرق کرا کر اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو مصر میں احکام الٰہی پر عمل کرانے میں مصروف ہیں۔ یہ خبر سن کر حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے اہل و عیال کو ان کے ہاں بھجوایا۔

سبق : اس میں اشارہ ہے کہ جب کسی کو دنیوی یا اُخروی امور میں کسی ایک امر کی طرف ترجیح معلوم نہ ہو تو اسے امر آخرت اختیار کرنا چاہیئے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کہ جب انھیں فرعون کے ہاں رسول بنا کر بھیجا گیا تو انھوں نے اپنے اہل و عیال کو وہیں پر چھوڑا ان کے متعلق ذرہ بھر بھی خیال نہ کیا۔ صرف قادر حکیم کی طرف توجہ رکھی کہ صرف وہی ہمارا اور ان کا کفیل کار ہے کیونکہ غیبوبت و حضور میں ہمارے جملہ امور کا ہر وقت وہی سب کی کفالت کرتا ہے۔ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال ہے کہ انھوں نے بھی

مکہ معظمہ کی زمین میں اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالےٰ کے سہارے پر چھوڑا حالانکہ اس وقت یہ دھرتی ویران و بیابان تھی یہاں تک کہ نہ وہاں پانی ملتا تھا نہ کوئی اور شے۔ صرف اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں بلا اعتراض و انقباض اہل وعیال کو چھوڑا ایسے ہی ہمیں فرمان الٰہی بجا لانے میں تعمیل کرنی چاہیئے۔

حکایت میں نے اپنے شیخ قدس سرہٗ کو فرماتے سنا کہ مجھے چاشت کے وقت نیند میں حکم ہوا کہ میں اپنے شہر فلبہ (روم کے بلاد میں ایک شہر کا نام ہے) سے ہجرت کر کے قسطنطنیہ چلا جاؤں۔ چنانچہ میں نے بلا تاخیر وضو کر کے دوگانہ پڑھا اور وہاں سے چلا گیا۔ پھر ان کے اہل وعیال کے ساتھ حکومت وقت نے جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے[1]۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

خرم آں روز کہ زین مرحلہ بر بندم رخت
وز سر کوئی تو پرسند رفیقان خرم

ترجمہ: وہ گھڑی بڑی خوشی کی ہوگی جب میں یہاں سے سامان باندھ کر چلا جاؤں گا۔ پھر گلی کوچوں میں میرے ساتھی میرا حال پوچھتے رہیں گے۔

تفسیر عالمانہ: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ: دونوں (موسےٰ و ہارون علیہما السلام) فرعون کے ہاں جاؤ۔

سوال: جب موسےٰ علیہ السلام کو فرعون کے ہاں جانے کا حکم ہوا تھا اس وقت ہارون علیہ السلام تو ساتھ نہیں تھے پھر تثنیہ کا صیغہ کیوں؟

جواب۱: یہ خطاب تغلیباً ہے گویا ہارون علیہ السلام موسےٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

جواب۲: یہ خطاب ہوا جب دونوں بھائی آپس میں ملے۔

سوال: ذھاب کے خطاب کا تکرار کیوں؟

جواب: تاکہ مابعد کے مضمون کو اس پر مرتب کیا جا سکے۔

ف: فرعون ولید بن مصعب، موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمان فرعون کا لقب ہے۔

یہ عجمی لفظ ہے اس سے اس کی غوایت (گمراہی) مراد ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ تفرعن فلان سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی فرعون جیسا عمل کرے جیسے کہا جاتا ہے: ابلس و تبلس یعنے وہ شخص جو ابلیسانہ طور طریقہ رکھتا ہو یہ اس کے لیے بولتے ہیں اور سرکشوں اور ظالموں کو اسی لغت کے اعتبار سے فراعنہ و ابالسہ کہا جاتا ہے۔

اِنَّهٗ طَغٰى ○ بے شک وہ سرکش ہے۔

حل لغات: الطغیان بمعنے عصیاں میں حد سے متجاوز ہونا یعنے فرعون نے عبودیت کی حد سے متجاوز ہو کر الوہیت کا دعویٰ کیا۔

---

[1]: اس کی تفصیل صاحب روح البیان نے اپنی کتاب حمام النفس میں بیان کر دی ہے۔

ف: العرائس میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے موسےٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کے ہاں اس لیے بھیجا تاکہ حجت قائم ہو اور وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ثابت ہو اس میں ہر اس شخص کو تنبیہ ہے جو اللہ تعالےٰ کے تعلق کے ساتھ وہ دعویٰ کرے جو اس کا اہل نہ ہو۔

نکتہ: اللہ تعالےٰ انبیاء علیہم السلام کو اعدائے دین کی طرف اس لیے بھیجتا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ہاں ہدایت کرنے سے عاجز ہیں اور واضح ہو کہ جب وہ غیر کو ہدایت نہیں دے سکتے وہ اپنے آپ کو کیسے ہدایت دے سکتا ہے جیسے طبیب (ڈاکٹر، حکیم) جو دوسروں کو علاج کے ذریعہ شفا نہیں دے سکتے پھر وہ اپنے آپ کو کیسے شفا دے سکتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اختصاص الٰہی کو اسباب کی ضرورت نہیں۔ پھر ان وجوہ کو دیکھ کر لوگ اللہ تعالےٰ کا شکر بجا لائیں۔ اور ساتھ ہی ان کو معلوم ہو کہ کبھی کافروں کے اندر رہنے والی بعض ایسی شخصیتیں ہوتی ہیں جنہیں جبلی طور پر استعداد نصیب ہوتی ہے جیسے حبیب نجار رحمہ اللہ تعالےٰ اور وہ شخص جو فرعون کی جماعت میں رہنے کے باوجود ایمان کی دولت سے بہرہ ور تھا اور آسیہ رحمہا اللہ تعالےٰ کی مثال بھی روشن ہے اور فرعون کے تیار کردہ جادوگر جب کہ فرعون کے پروردہ تھے لیکن استعداد ربانی سے بھرپور تھے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمانے میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام درحقیقت جادوگروں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ جب اپنے اعداء کی طرف اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا ہے تو اس کی توجہ کرم درحقیقت اپنے اولیاء کرام کو سرفراز کرنے کے لیے ہوتی ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اعدائے دین نے تو ان سے استفادہ نہیں کریں گے اسی لیے انبیاء کی بعثت کا اصلی سبب اللہ والے پیارے بندے ہوتے ہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر محبوبوں اور دشمنوں کے مابین امتیاز کریں۔

حافظ از بہر آمد سوی اقلیم وجود
قدمے نہ بود اعش کہ رواں خواہد شد

دوسرا فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ وہارون علیہما السلام کا فرعون کی طرف رسول بن کر تشریف لانا اور ان کا رسالت الٰہی کے پیغام پہنچانا درحقیقت ان کا فائدہ تھا فرعون کو اس سے ذرہ بھر فائدہ نہ تھا یہی اللہ تعالےٰ کے علم ازلی تھا، لیکن ان کا رسول بن کر فرعون کے ہاں آنے کا ظاہری فائدہ یہ ہو کہ ان کی رسالت کا اظہار ہو اور فرعون کا کفر سب کو معلوم ہو جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

لیھلك من ھلك عن بینۃ ویحیی من حی — تاکہ ہلاک ہو جس نے ہلاک ہونا ہے اور تاکہ آباد ہو جس نے آباد ہونا ہے۔ عن بینۃ

تفسیر عالمانہ: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا۔ تو اس سے نرم لہجہ سے بات چیت کرنا جس میں سختی و ترشی ہرگز نہ ہو

بلکہ ہر طرح آسانی بتانا اس کے ساتھ کوئی بھی سخت معاملہ نہ کرنا کیونکہ جس امر میں نرمی ہو وہ کام اچھا رہتا ہے اور جس میں سختی ہو وہ امر بے ڈھب ہو جاتا ہے اور موسٰے علیہ السلام کے غضب اور غصے کا یہ عالم تھا کہ جب ناراض ہوتے تو ان کے بال کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سر پر ٹوپی اوپر کو ہو جاتی اور اس سے آگ کے شعلے نکلتے۔ اللہ تعالٰے نے ان کی سختی اور غضب کا علاج نرمی سے بتایا تاکہ وہ فرعون کے ہاں باحوصلہ ہو کر تشریف لے جائیں یہی نکتہ ہے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے واغلظ علیہم کے خطاب میں کہ آپ حد درجہ کے رحیم و حلیم تھے اسی لیے آپ کو اعدائے اسلام پر سختی کرنے کا حکم ہوا تاکہ کمال جلال کا تحقق ہو اور موسٰی علیہ السلام میں حدت و شدت و صلابت تھی انھیں نرمی کا حکم ہوا تاکہ ان میں کمال جمال کا تحقق ہو۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تخلوا باخلاق اللہ (اللہ تعالٰے کی صفات کو عادت بناؤ)

ف: اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ جمال و جلال کا جامع ہو تاکہ بوقت ضرورت ہر دونوں کو عمل میں لایا جا سکے۔

نکتہ: چونکہ فرعون ان ملوک جبابرہ میں سے تھا جن میں بے حد طغیان و سرکشی ہوتی ہے اگر ان کے ساتھ وعظ میں سختی دکھائی جائے تو ان کی سرکشی اور طغیان میں اضافہ ہوتا ہے اور عوام کے لیے وعظ میں سختی اور شدت مفید ہوتی ہے۔ یہی حکمت میں اوفق اور دعوت میں بہت زیادہ مؤثر ہے۔ اگر موسٰے علیہ السلام سختی کرتے تو فرعون کی طبیعت اور بگڑ جاتی۔ ممکن ہے کہ موسٰے علیہ السلام کی شدت و حدت طبیعت کے تحت فرعون آپ کو خوب مارتا یا قتل کر دیتا۔ اسی لیے اللہ تعالٰے نے نرمی کا حکم فرمایا۔ اس معنے پر اس میں بھی موسٰے علیہ السلام کا فائدہ تھا۔

ف: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ چونکہ موسٰے علیہ السلام کی دعوت کا ابتدا تھا اور ابتدائے دعوت میں نرمی لازم ہے اور مدعو کو مہلت دی جائے تاکہ وہ اس مہلت میں سوچ بچار کر سکے جیسے اللہ تعالٰے نے اپنے حبیب علیہ السلام کو فرمایا:

وجادلھم بالتی ھی احسن۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ انھیں مہلت اس لیے ملی تاکہ وہ اپنے تمرد و سرکشی کے انجام پر غور کر کے موسٰی علیہ السلام کے ساتھ شرارت سے بچ کر راہ راست پر آجائے۔ جب وہ اپنی سرکشی و عناد سے باز نہ آئے پھر اس پر سختی اور شدت کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی و نرمی مختلف احوال کے لحاظ سے ہوتی ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ موقعہ محل کے مطابق کبھی خشونت اور سختی بھلی ہوتی ہے اور کبھی نرمی بہتر ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولا تکن امر فتعقی ولا حلوا فتسترط۔ اتنا کڑوا مت ہو کہ ذلیل ہو جائے اور اتنا میٹھا مت ہو کہ نگلا جائے۔

شرح الحدیث: فتعقی: اعقیت الشی سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کو اس کے کڑوا پن کی وجہ سے

منہ سے نکال کر تھوکا جائے۔ اور تسترط۔ استراط سے ہے یعنی شے کے لذیذ ہونے کی وجہ سے اسے نگل جانا۔ اسی لیے امثال عرب میں یہ مثل مشہور ہے:

لا تکن رطبا فتعصر ولا یابسا فتکسر۔ ایسا تر نہ ہو کہ نچوڑے جاؤ اور نہ ہی اتنا خشک ہو کہ توڑے جاؤ۔

اسی لیے دانشور فرماتے ہیں:

خیر الامور اوساطھا (درمیانے امور بہتر ہوتے ہیں)۔

سمجھ دار انسان موقعہ محل کی رعایت کو مدِنظر رکھتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چون نرمی کنی خصم گردد دلیر
وگر خشم گیری شوند از تو سیر
درشتی و نرمی باہم در بہست
چوں رگ زن کہ جراح و مرہم نہست

ترجمہ: جب بہت زیادہ نرمی کروگے تو دشمن دلیر ہوجائے گا اگر زیادہ سختی کروگے تو اپنے پرائے ہوجائیں گے۔ سختی و نرمی لازم وملزوم ہیں جیسے خون نکالنے والا پہلے نشتر مارتا ہے تو پھر مرہم لگاتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے کافر (فرعون) کے لیے نرمی کا حکم اس لیے دیا تاکہ موسےٰ علیہ السلام کی تربیت کا حق ادا ہو۔ کیونکہ موسےٰ علیہ السلام کو فرعون نے پالا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ فرمایا تاکہ والدین کی تعظیم و تکریم کا حق ادا ہو۔

والدین کی تعظیم و تکریم کا نمونہ الاحیاء میں ہے کہ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ تعالےٰ سے سوال ہوا کہ والدین کو برائی سے بچنے کی تلقین کس طرح کرے۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں نرم لہجہ سے نصیحت کرے۔ اگر اس سے ان کی ناراضگی محسوس کرے تو خاموشی اختیار کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کو سختی سے سمجھانے کا اولاً تو کوئی حق نہیں اور نہ ہی انھیں مار سکتا ہے اور نہ ہی سخت کلام کرسکتا ہے۔ اگرچہ وہ برائی میں مبتلا ہوں۔

حق استاذ: ایسے شاگرد کو حق پہنچتا ہے کہ استاد کو سختی سے پیش آئے جو بے عمل ہو کیونکہ عالم بے عمل کسی کام کا نہیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام کو نرمی کا حکم اتمام حجت کے لیے تھا تاکہ دعوتِ الٰہی پر فرعون کو اس نہ کرے۔

حکایت حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالےٰ کے سامنے یہی آیت پڑھی گئی تو رو پڑے۔ وجہ پوچھنے پر فرمایا کہ جب وہ کریم انی انا اللہ کہنے والے کے لیے نرمی کا حکم فرماتا ہے تو پھر اس کے ساتھ کتنی کرم بخشی فرمائے گا تو کہتا ہے: انت الالٰہ۔

لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ شاید وہ نصیحت قبول کرے۔ اَوْ يَخْشٰى ○ یا عذاب الٰہی سے ڈرے۔

ف : اس ارشاد میں ہے کہ ممکن ہے تمھاری تبلیغ سے متاثر ہوکر نصیحت قبول کر لے اور احکام الٰہیہ کی طرف راغب ہو جائے یا میرے عذاب سے ڈر جائے۔ کلمہ اَوْ منع الخلو کے لیے ہے۔

نکتہ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ رجا و طمع موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے لیے ہے اور تذکر متحقق اور خشیت متوہم کے لیے ہے اور خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم بھی مدنظر ہو اور اس کا اکثر استعمال اس کے لیے ہوتا ہے جس میں ما یخشی علیہ کا علم بھی ہو اسی لیے اپنی خشیت علماء سے مخصوص فرمائی۔ چنانچہ فرمایا :

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سے وہ بندے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں)۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے موسیٰ اور اے ہارون علیہما السلام تم دونوں فرعون کے ہاں جا کر نرم بات کرنا اس امید پر کہ وہ انکارِ حق کے اصرار سے باز آجائے اور نصیحت کر کے حق کی تکذیب نہ کرے یا یہ کہ پھر وہ نصیحت کو قبول کر کے ظاہری اور قلبی طور پر حق کو تسلیم کرے یا اس کے وہم و گمان میں سما جائے کہ حق یہی ہے جو موسیٰ و ہارون علیہما السلام کہہ رہے ہیں اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہو تو وہ انکار حق پر اصرار نہ کرے اس طرح سے وہ حق و باطل کے درمیان متردد متوہم رہے گا اس سے یہ بہتر ہے کہ وہ انکار و اصرار علی الحق کرے فقولا لہ قولا لینا کا ایک سبب یہ بھی ہے چنانچہ فرعون نے اس وقت نصیحت قبول کی اور خوف و خشیت کو عمل میں لایا جب کہ اسے یہ امور غیر مفید تھے۔ چنانچہ دریا میں غرق ہوتے وقت اس نے کہا :

قال امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنوا اسرائیل و انا من المسلمین ○ کہا کہ میں ایمان لایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جسے بنی اسرائیل ایمان لائے۔

فرعون کو ہامان نے بہکایا مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اگر ایمان لاؤ تو تمھیں ایسی جوانی نصیب ہوگی جس پر بڑھاپا نہ آئے گا اور ایسا ملک نصیب ہوگا جو تجھ سے تا موت چھینا نہ جائے گا۔ طعام و شراب اور نکاح کی لذت مرتے دم تک پاتے رہو گے جب مرو گے تو سیدھے بہشت میں جاؤ گے۔ فرعون کو یہ باتیں بھلی لگیں لیکن ہامان اس وقت موجود نہ تھا۔ فرعون اس وقت تک کوئی کام نہ کرتا جب تک ہامان سے مشورہ نہ کرتا۔ جب وہ واپس لوٹا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے امور موعودہ کا حال سنایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤں۔ ہامان نے کہا کہ میں تو تجھے ذی عقل اور بڑا مفکر سمجھتا تھا اس لیے تجھے رب مانا، لیکن جب تم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤ گے تو تم اس عہدے کے لائق نہیں رہو گے۔ ہامان کی تقریر سے متاثر ہو کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ فرعون ایمان لانے والا نہیں لیکن اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو اس کے ہاں رسول بنا کر بھیجا تاکہ اس پر حجت قائم ہو اور قیامت میں معذرت نہ کر سکے۔ اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ پہلے دعوت دیتا ہے جب کوئی انکار کرتا ہے تو پھر اسے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

نکتہ صوفیانہ : ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے امر دو ہیں :

① تکلیفی

② ارادی

بسا اوقات امر ارادی "امر تکلیفی" کے مخالف واقع ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ورثہ انبیاء یعنے اولیاء کرام و علماء عظام امر تکلیفی پر مامور ہوتے ہیں امر ارادی کی خدمت ان کے سپرد نہیں ہوتی اگر وہ امر ارادی کے مطلقاً مامور ہوتے تو وہ امر قبیح پر کبھی کوئی ردّ و قدح نہ کرتے بلکہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ جب امر ارادی یونہی ہے تو پھر ہم درمیان میں خواہ مخواہ کیوں آڑے آئیں۔

ردّ وہابیہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء عظام اور اولیاء کرام تمام کا فروں اور بے دینوں کو راہِ راست نہ لانے پر ان کے اختیار و علم پر اعتراضات وارد نہیں ہوتے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ لوگ ارادۂ الٰہی میں ایسے ہی رہیں گے۔ تو پھر ہمارے دخیل ہونے کا کیا معنے؟ لیکن چونکہ امر تکلیفی کے مامور تھے اسی لیے انھیں تبلیغ فرمائی۔ اب یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو ابو طالب و ابوجہل وغیرہ وغیرہ کو دولت ایمان سے کیوں نہ نوازا۔ اس تقریر سے وہابیہ کے کئی اعتراضات خود بخود دفع ہو جائیں گے[۱]

نکتہ : جب کسی خاص عاصی کے لیے حضرت علیہ میں تکلیف کی استعداد ثابت ہے تو پھر اس کی طرف امر تکلیفی متوجہ ہوتا ہے لیکن اس میں مامور بہ کی ادائیگی کی استعداد نہیں ہوتی تو اس سے مامور بہ کا تحقق نہیں ہو سکتا اسی لیے اس سے مخالفت و معصیت واقع ہو جاتی ہے۔

سوال : جب کسی کے لیے اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ اس نے حکم کو بجا نہیں لانا تو پھر اسے امر تکلیفی کا کیا فائدہ ؟

جواب : تاکہ استعداد کو قبول و عدم قبول کرنے والے کے مابین امتیاز ہو اور سعادت و شقاوت والے ظاہر ہو جائیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روی
چنانکہ پرورشم می دہند می روم

ترجمہ : اس دنیا میں میں اپنی خود روی پر ملامت نہیں کرتا اس لیے کہ جیسے میری تربیت ہوتی ہے میں ویسے ہی چلتا ہوں۔

قاعدہ : بحر العلوم میں ہے کہ دنیا میں جس طرح کوئی ہوگا اس کا اللہ تعالےٰ کو علم تھا کیونکہ علم کے تابع ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالےٰ کے علم میں تھا کہ فرعون اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائے گا اور نہ ہی اس کا اختیار امکان (ایمان لانے سے) سے باہر لاتے گا اسی لیے موسیٰ و ہارون

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

علیہما السلام کو اس کی دعوت میں نرمی کا حکم فرمایا۔

ردِ جبریہ لعلہ یتذکر او یخشیٰ میں واضح دلیل ہے کہ بندہ کی قدرت کو اپنے افعال اور اپنے غیر کے افعال میں تاثیر ہے اور وہ مجبور محض نہیں جیسا کہ اشعری کا گمان ہے وہ کہتا ہے کہ بندے کو اپنے افعال کی تاثیر میں کوئی قدرت نہیں اگر اس کا قول صحیح مانا جائے تو آیت ہذا میں بندے کے لیے تذکر و خشیت کا کیا معنے ؟

قَالَا رَبَّنَآ :

سوال : الارشاد میں ہے کہ اس کے قائل تو صرف موسٰے علیہ السلام تھے لیکن یہاں یہ قول دونوں (موسٰے و ہارون علیہما السلام) کی طرف منسوب کر دیا ؟

جواب : یہ تغلیباً ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان جملہ امور کے قول و فعل میں اصل موسٰے علیہ السلام تھے اور ہارون علیہ السلام ان کے تابع۔

کوہ طور سے مصر کی جانب مروی ہے کہ موسٰے علیہ السلام جب کوہ طور سے مصر کی جانب روانہ ہوئے اس وقت نہ تو آپ کو بظاہر راستہ کا علم تھا اور نہ ہی آپ کے پاس زادِ راہ تھا اور نہ ہی کوئی اور شے سوائے عصا کے۔ راستہ میں پھل فروٹ مل جاتے کھا لیتے یا کوئی شکار حاصل ہوتا تو کھا لیتے اور کبھی بھوکے رہ کر وقت گذار دیتے۔ ایسے ہی چلتے چلتے مصر میں پہنچ گئے۔

ہارون و موسٰے علیہما السلام کی ملاقات کاشفی نے لکھا ہے کہ جب موسی علیہ السلام مصر کی جانب روانہ ہوئے تو ہارون علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ مدین کے راستہ پر اپنے بھائی موسٰے علیہ السلام کے استقبال کے لیے جائیں۔ جب راستہ میں دونوں آپس میں ملاقاتی ہوئے تو موسٰے علیہ السلام نے اپنا سارا حال سنایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے فرعون کے ہاں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہارون علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے جانے کے بعد فرعون کی شان و شوکت بڑھ گئی ہے، اب تو اس کا یہ حال ہے کہ معمولی بات پر لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا ہے اور کسی کو قتل اور کسی کو پھانسی لٹکا دیتا ہے۔ اس سے موسٰی علیہ السلام کو اندوہ لاحق ہوا۔ اس پر دونوں بھائیوں نے مل کر کہا ' اے ہمارے پروردگار ! :

اِنَّنَا نَخَافُ ، ہمیں خطرہ ہے۔

حلِ لغات مظنون یا معلوم علامت سے کسی ناپسندیدہ امر کے وقوع کو خوف کہتے ہیں اور مظنون یا معلوم نشانی سے محبوب شے کے حصول کو طمع و رجا کہا جاتا ہے۔ خوف کی نقیض امن ہے۔ اور یہ دونوں یعنے خوف اور رجاء امورِ دنیویہ و اخرویہ کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

و یرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ۔ وہ رحمتِ الٰہی سے پر امید اور اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے خوف کا معنٰے : اللہ تعالےٰ سے خوف کا یہ معنے نہیں کہ اس کے رعب سے کوئی شے دل میں کھٹکے جیسے شیر

کے رعب سے دل میں ڈر ہوتا ہے بلکہ اس کا معنٰے یہ ہے کہ انسان برائیوں سے بچ کر اس کی طاعات اختیار کرے۔

اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا، ہمارے اوپر زیادتی کرے۔

حل لغات فرط بمعنے اپنے ارادہ سے آگے بڑھنا۔ اسی سے الفارط الی الماء ہے بمعنے اصلاح دلو کے لیے آگے بڑھنے والا۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ ہماری سزا پر جلد بازی کرے کہ ہمیں دعوت پہنچانے اور اظہارِ معجزہ کا وقت بھی نہ دے۔ اس سے خطرہ ہے کہ ہمارے رسول بنا کر بھیجنے کا مقصد پورا نہ ہو۔ اسے یفرط افراط سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنے ہمارے ایذا پہنچانے میں زیادتی کرے۔

سوال: انھیں خوف کیوں، حالانکہ وہ تو اللہ تعالٰے کے رسول اور پیغمبر تھے؟

جواب: یہ انسانی فطرت کے مطابق ہے جیسا کہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بنو آدم کی جبلی عادت ہے کہ وہ ضرر رساں چیزوں سے خوف کرے اگرچہ وہ رسالت و نبوت کا بھی حامل ہے جیسے موسٰے و ہارون علیہما السلام باوجود نبی ہونے کے فرعون کے خطرہ سے کہہ رہے تھے: اننا نخاف الآیۃ یعنے انھیں خطرہ ہوا کہ فرعون انھیں قتل کر دے گا۔

تحقیقی جواب: ان کا خوف اپنے قتل ہو جانے پر نہیں تھا بلکہ اس لیے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں ہمارے قتل ہو جانے پر اداۓ رسالت و تبلیغ کا منصوبہ نامکمل رہے گا یا اس لیے خوفزدہ ہوتے کہ فرعون اپنی جہالت پر مزید سرکشی دکھاے اور اللہ تعالٰے کو گالی دینے لگ جائے۔

ف: یہ تحقیقی جواب اس لیے ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں وہ جبلی عادات جو اُن کے لیے نقص و عیب کا موجب ہوں ان سے وہ منزہ ہوتے ہیں اور یہ خوفِ جان تو ان سے کم درجہ یعنے اولیاء کرام کو ہوتا۔ کما قال تعالٰے:

لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون

تو پھر ان بڑے مرتبہ والوں پر یہ الزام کیسا[1]؟

اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ یا سرکشی میں بڑھ جائے کہ تیری اقدس میں کچھ اچھالے کیونکہ وہ اس وقت بلا کا بیباک اور قاوۃ قلبی میں پرلے درجہ کا بے حیا ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ کہیں آپ کی ذات اقدس کا پاس و ادب نہ کرے۔

نکتہ: اللہ تعالٰے کے ہاں ان کا یہ عذر معقول تھا کیونکہ انھیں بہ نسبت اپنے اس کی ذات کی تعظیم کا بہت زیادہ لحاظ تھا۔ اسی لیے کلام کو یہاں ختم فرمایا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اعذار میں اقوی عذر کو بعد میں لایا جاتا ہے اور موسٰی و ہارون علیہما السلام نے اپنا قوی تر عذر ابھی بیان فرمایا۔ ایسی لیے گفتگو یہاں ختم ہوئی، یہ ایسے ہی جیسے ہدہد کا کلام: وجدتھا قومھا یسجدون للشمس پر ختم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کی یہ دلیل قوی تھی۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

صاحب روح البیان کا احتمال فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ عبارت دراصل ان یطغی علینا تھی، یعنے فرعون ہمارے ساتھ بدسلوکی میں حد سے بڑھے گا۔ جار ومجرور یعنے لفظ علینا کو حذف کیا گیا تاکہ اصل آیت صحیح رہے جیسے ما ودعك ربك و ما قلیٰ میں جار و مجرور وحذف ہے۔

ف: ان یطغی میں ان نہ ہوتا تب بھی معنےٰ صحیح ہوتا لیکن اس کے ظاہر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں کو خوف لازماً لاحق ہوا خواہ اس کی وجہ کچھ ہو۔

قَالَ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے موسےٰ و ہارون علیہما السلام کو کیا جواب دیا تو بتایا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لَا تَخَافَآ جن امور کا تمھیں خطرہ ہے ان سے مت ڈرو۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کا جبلی اور فطری خوف امر تکوین سے زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا نار کونی بردا و سلاما علیٰ ابراھیم۔

آگ میں اگرچہ جلانے کا مادہ ہے لیکن امر تکوین سے اس کا مادہ ختم کر کے اس میں ٹھنڈک اور سلامتی رکھی گئی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

لَا تَخَافُوا ہست نزل خائفان

ہست درخور از برائے خائفان

ہر کہ ترسد مرورا ایمن کنند

مر دل ترسندہ را ساکن کنند

آنکہ خوفش نیست چون گوئی مترس

درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ: ① لاتخافوا (مت ڈرو) خائفین از خدا کی مہمانی ہے ایسی مہمانی خائفین کے لائق ہے۔

② جو اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہے اس کو بے خوفی و اطمینانی اور قرار عطا کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ ڈرنے والوں کے قلوب کو سکون بخشتے ہیں۔

③ جسے خوف خدا کی دولت نصیب ہے اسے جتنا کہو کہ نہ ڈرو (بے سود ہے) اسے نصیحت نہ کرو اس لیے کہ اسے تمھارے سبق کی ضرورت نہیں۔

ف: ابن الشیخ کے حواشی میں ہے کہ یہاں پر خوف کی نہی مراد نہیں کیونکہ خوف تو ایک طبعی امر ہے اس میں انسان کو اپنے اختیار پر کوئی دخل نہیں اور جس میں انسان کے اختیار کو دخل نہ ہو اس پر تکلیفی نہیں ہوتا یعنے اس کا انسان کو مکلف نہیں بنایا جاتا نہ ثبوتاً نہ نفیاً (یعنے اس پر عمل کرنے اور نہ کرنے کا حکم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں موسےٰ و ہارون علیہما السلام کو حفاظت و نصرت کا وعدہ دے کر تسلی دی

گئی ہے۔ جیسا کہ اس پر اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ دلالت کرتا ہے یعنے میں تمھارے ساتھ ہوں بایں معنی کہ میں ہی تمھاری مکمل طور پر حفاظت ونصرت کروں گا۔ یہ معنے ہم نے اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالٰی معیت مکانیہ سے منزہ ہے۔ اَسْمَعُ وَاَرٰی ○ جو کچھ تم دونوں فرعون کے ساتھ قول وفعل کرآئے میں اسے سنوں گا اور دیکھوں گا پھر ہر حالت میں تم سے دفع شر وضرر کروں گا کیونکہ جسے اللہ تعالٰی کی ایسی معیت نصیب ہوتی ہے ہر جبار اور سرکش دشمن سے اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

کرامت ایک نوجوان کی منقول ہے کہ ایک نوجوان امر ونہی کرتا تھا۔ ہارون الرشید بادشاہ نے اسے ایک ایسے قید خانہ میں محبوس کر دیا جس میں ہر طرف سے باہر نکلنے کے تمام راستے مسدود تھے تاکہ وہ باہر نہ نکل سکے اور وہیں پر مر جائے لیکن چند دنوں کے بعد ایک باغ میں اسے ٹہلتا ہوا دیکھا گیا۔ ہارون الرشید نے پھر گرفتار کر لیا اور پوچھا کہ اس کمرے سے کس نے نکالا؟ اس نے کہا جس نے مجھے اس میں داخل کیا۔ ہارون نے پوچھا کہ کس نے تجھے داخل کیا۔ اس نے کہا جس نے مجھے نکالا۔ یہ جواب سن کر ہارون الرشید رو پڑا اور فرمایا کہ اسے بہت بڑا انعام دیا جائے اور گھوڑے پر سوار کر کے بازاروں میں اعلان کیا جائے کہ یہ وہ شخص ہے جسے ہارون الرشید نے ذلیل کرنا چاہا لیکن اس سے ذلیل نہ ہو سکا اسے اللہ تعالٰی نے مکرم ومحترم بنایا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہزار دشمن اگر میکنند قصد ہلاک
گرم تو دوستی از دشمنان ندارم باک

ترجمہ: ہزاروں دشمن میری تباہی وبربادی کا ارادہ کریں۔ اگر تیری مہربانی میرے ساتھ ہے تو مجھے دشمنوں سے کوئی خطرہ لاحق نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

محالست چون دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ: جب تجھے اللہ تعالٰی دوست رکھتا ہے تو پھر محال ہے کہ وہ تجھے تیرے دشمنوں کے ہاتھ دے۔

فائدہ صوفیانہ اللہ تعالٰی اپنے حضور کے لائق ہر بندے کے ساتھ حاضر ہے لیکن اس حضور کو وہی جانتا ہے جس کی عین بصیرت کو نور شہود کا سرمہ نصیب ہے لیکن یاد رہے کہ شہود معیت سے شہود وحدت ذاتیہ اتم واعلیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین وکاملین شہود معیت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ فنائے تام سے مقام وحدت تک پہنچتے ہیں۔

ف: حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام نے کمال عبودیت کے ساتھ حضرت ربوبیت کی طرف ملتجی ہوئے تو انھیں اللہ تعالٰی نے اپنی کمال حفاظت ونصرت سے نوازا۔

حکایت : حضرت فقیہ ابوالحسن رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ بغداد میں قحط پڑا تو لوگ علی بن عیسٰی وزیر کے ہاں درخواست لاتے۔ انھوں نے ان کی درخواست کی پشت پر لکھا :

لست بسماء فاسقیکم و لا بارض فاکفیکم — میں آسمان نہیں کہ تمھیں پانی دوں اور نہ ہی زمین ہوں کہ تمھاری کفایت کرو جاؤ اپنے رب سے عرض کرو۔
ارجعوا الی باریٔکم۔

حکایت : ابوالمعین نے فرمایا کہ میں نے ایک نصرانی سے پوچھا کہ انجیل میں سب سے احسن آیت کونسی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ پانچ کلمے احسن الآیات ہیں، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

① مجھ سے مانگ میں تجھے دوں۔
② میرا شکر کر میں تیری نعمت میں اضافہ کروں۔
③ تو میری طرف متوجہ ہو میں تیری طرف توجہ کروں۔
④ میرے قریب ہو جا میں تیرے قریب ہوں۔
⑤ تو دنیا میں مری طاعت کر میں دنیا و آخرت میں تیرا کہا مانوں گا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گفت حق گر فاسق و اہل صنم
چون مرا خوانی اجابتہا کنم
تو دعا را سخت گیرو می شخول!
عاقبت برہاندت از دست غول

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تو فاسق ہے یا اہل صنم، مجھے پکار تیری فریاد رسی کروں۔
تو دعا میں سخت منہمک ہو جا تجھے دعا ہر دکھ درد سے نجات بخشے گی۔

فَأْتِيَاهُ فرعون کے پاس جانے کا حکم ہے۔ یہاں پر فرعون کے ہاں پہنچنے کے بعد آنے کا حکم ہے اسی لیے تکرار نہیں۔ الایتان بمعنے آسانی سے آنا اور بلفظ المجئی عام ہے (آسانی سے ہو یا نہ) کبھی ایتان بالقصد آنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اگرچہ اس سے مطلوب کا حصول نہ ہو اور مجئی میں حصول ضروری ہے۔ **فَقُولَا** جاتے ہی اسے کہو۔ **إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ** ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں تاکہ اس سرکش کو آپ کے جانے کا مقصد معلوم ہو اور پھر وہ اسی کے مطابق جواب دے سکے۔ رسولا رسول کا تثنیہ ہے بروزن فعول مبالغہ کا صیغہ ہے یعنے مفعل (بضم المیم وفتح العین) یعنے مرسل کے مبالغہ کے لیے آتا ہے بمعنے صاحب رسالت از اصل فعول کا وزن مبالغہ کے لیے نادراً مستعمل ہوتا ہے اور شریعت میں رسول وہ ہے جو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث ہو خواہ وہ فرشتہ ہو یا انسان بخلاف نبی کے کہ وہ اس کا اطلاق صرف انسان پیغمبر کے لیے آتا ہے۔ **فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۵** تو ہمارے

ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجئے کیونکہ ہم آل یعقوب کو ارض مقدس لے جانا چاہتے ہیں، اس لیے کہ وہی ہمارے آباء و اجداد کا مسکن ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم ہوا کہ وہ جا کر فرعون سے کہیں کہ بنی اسرائیل کو اجازت دیجئے تاکہ ہم انھیں فلسطین لے جائیں کیونکہ وہی ہمارا اصلی وطن ہے۔

ف: فلسطین (بکسر الفاء و فتح اللام و سکون السین المہملة) وہ بلاد جو شام و مصر کے درمیان واقع ہیں چند ایک کے نام یہ ہیں:

① رملہ

② غزہ

③ عسقلان

ف: الارشاد میں ہے کہ ارسل سے بنی اسرائیل کی آزادی مراد ہے کیونکہ وہ فرعون کے قبضہ میں تھے بلکہ یوں سمجھئے کہ وہ اس کے قیدی تھے اور ان سے سخت سے سخت کام لیتا تھا اور وہ گویا ایک قسم کے عذاب میں مبتلا تھے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام انھیں فرعون کے اس عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتے تھے۔ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ (ہمارے مذکورہ معنی کی تائید کرتا ہے) یعنے اے فرعون! تو انھیں عذاب نہ دے یعنے انھیں ایسے مصائب و تکالیف میں مبتلا نہ کر۔

بنی اسرائیل قبطیوں یعنے قوم فرعون کے قبضے میں تھے وہ ان سے سخت کام لیتے تھے مثلاً ان سے نہریں کھدوانا، پتھر اٹھا کر ان کی عمارات تیار کرنا و دیگر تکلیف دہ امور۔ بلکہ ایک سال ان کے تمام نومولود لڑکوں کو قتل کر دیتے اور دوسرے سال مہلت دیتے۔ لیکن ان کی لڑکیاں زندہ چھوڑتے جب وہ بڑی ہوتیں تو اس سے خدمت کراتے۔

نکتہ: رسالت کے پیغام پہنچانے کے فوراً بعد انھیں آزاد کرانے کی اپیل کرنے میں نکتہ ہے کہ مسلمان کو کفار کی قید سے آزاد کرانا اہمیت رکھتا ہے بجائے اس کے انھیں اسلام کی دعوت دی جاتے ورنہ رسالت کے پیغام کے بعد انھیں معجزات کا اظہار ضروری تھا لیکن چونکہ مسلمان کی آزادی اہم امر تھا اسی لیے اظہار معجزہ سے پہلے ہی یہ اہم کام شروع فرما دیا۔

حل لغات: تعذیب بمعنے کسی کو شدید ترین درد پہنچانا مثلاً کوئی کہے: قد عذبہ تعذیبا۔ اس کا معنے یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو عذاب میں کافی دیر تک مقید رکھا۔ یہ عذب الرجل سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کھانے اور نیند سے رک جاتے اور تعذیب بمعنے کسی کو کھانے اور نیند نہ کرنے پر برانگیختہ کیا جاتے۔ بعض نے کہا کہ عذب سے ہے بمعنے مٹھاس اور تعذیب میں سلبی معنے ہے کسی سے لذت حیات چھیننا۔ جیسے کہا جاتا ہے مرضتہ یعنے میں نے اس کا مرض زائل کیا ایسے قذیتہ۔ بعض نے کہا، تعذیب اکثار الضرب بعذبة السوط بمعنے طرف سے ہے یعنے کسی کو ڈنڈے کے ایک حصہ سے بہت زیادہ مارنا۔

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ہم تیرے ہاں تیرے رب سے نشانی لے آئے ہیں یعنے تیرے پروردگار

کے معجزات ۔

ف : باوجودیکہ معجزات متعدد تھے لیکن ان کے لیے واحد (آیت) کا صیغہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دعویٰ کے اثبات کے لیے صرف ایک معجزہ بھی کافی ہے ویسے یہاں پر تعدد حج کا ذکر بھی مطلوب نہیں، گویا یوں فرمایا کہ ہم نے اپنے لیے رسالت کا جو دعویٰ کیا تھا اس کی دلیل لائے ہیں ۔

وَالسَّلٰمُ لام، تعریف ماہیت کی ہے اور سلام بمعنے آفات ظاہرہ و باطنہ سے بچنا۔ یہاں پر السلام علیکم کہنا مراد ہے ۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ مسلسل تحیہ (جس میں سعادت دارین ہو) منجانب اللہ و ملائکہ اور خزنۃ الجنۃ و دیگر جملہ اہل اسلام ہو۔ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ○ ان لوگوں پر جو ہدایت کا اتباع کرتے ہیں یعنے آیات الٰہیہ (جو حق کا راہ دکھاتی ہیں) کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس معنے پر لام اپنے اصل پر ہے اور تبعہ و اتبعہ کا ایک معنٰے، یعنے کسی کے پیچھے لگنا، عام ہے خواہ جسم کے پیچھے لگنا یا اس کے نقش قدم پر چلنا یا اس کی فرمانبرداری کرنا جیسے آیت میں ہے :

فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ۔

ف : السلام کے بعد علیٰ واقع بمعنے لام ہے جیسے کبھی لام بمعنے علیٰ آتا ہے جیسے ولھم اللعنۃ بمعنے علیھم اللعنۃ ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سلام بمعنے استسلم ہے اور اتبع الھدٰی سے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام کی تابعداری مراد ہے۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہمیں پیغام پہنچا ہے۔ الوحی بمعنے اشارہ سریعہ۔ یہ کبھی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے پوشیدہ گفتگو سے ہوتی ہے اور کبھی الہام و منام سے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جبریل کی وساطت سے اور ہارون علیہ السلام کو موسٰے علیہ السلام کی وساطت سے اور جبریل علیہ السلام کی وساطت سے وحی ہوتی تھی۔ اَنَّ الْعَذَابَ تمام عذاب اس لیے کہ یہ السلام کے بالمقابل واقع ہے جیسے وہاں کل سلامتی مراد ہے یہاں بھی کل عذاب مراد ہے یعنے دنیوی و اخروی اور دائماً کیونکہ وہ عذاب جو متناہی ہو وہ نہ ہونے کے برابر ہے ۔

ہماری اس تقریر سے وہ سوال زائل ہو گیا کہ کبھی عذاب غیر مکذبین کو بھی ہوا کرتا ہے حالانکہ تم کہتے ہو کہ عذاب صرف مکذبین کو ہوتا ہے۔
عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○ ان پر جنھوں نے تکذیب کی ۔ یعنے آیات الٰہی کو جھٹلایا اور انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام کے ساتھ کفر کیا۔ کذب قول و فعل ہر دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے ۔ وتولی جب یہ لفظ عن سے متعدی ہے لفظاً یا تقدیراً تو بمعنے اعراض، ترک قرب مستعمل ہوتا ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اس نے نفس کی تابعداری کر کے حق کو قبول نہ کیا ۔

ف : اس میں وعید سنانے کی نرمی کی گئی ہے اس لیے کہ حلول عذاب کی تصریح نہیں فرمائی۔ ورنہ وہ اس کا مستحق تھا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مراسم شرعیہ اور حقائق کی تکذیب مطلقاً ذلت و عذاب کا موجب ہے چونکہ کفار مراسم شرعیہ اور حقائق کی تکذیب کرتے ہیں اسی لیے

انھیں جسمانی و روحانی ہر دونوں عذابوں میں مبتلا کیا جاتا ہے اور وہ لوگ جو حقیقت کا کفر کرتے ہیں وہ چونکہ آیات حقیقت کے ساتھ کفر کرتے ہیں اسی لیے انھیں معنوی ذلت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نعمت و عزت اطاعت و اتباع اور فرمانبرداری میں ہے اور ذلت و خواری اور جہنم اس کے خلاف کرنے میں۔

حکایت حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کو کسی سید صاحب نے دیکھا کہ بڑے کروفر کے ساتھ اپنے مریدین کے جھرمٹ میں کہیں جا رہے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ لوگو! دیکھو سادات ذلت و خواری میں ہیں اور یہ عبداللہ بن مبارک کیسی ٹھاٹھ سے جا رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: حضرت سادات کرام نے جب اپنے دادا جان علیہ السلام کی سنت کی پرواہ نہ کی تو ذلت کا منہ دیکھا اور عبداللہ بن مبارک نے چونکہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو اپنایا ہے اسی لیے اسے ایسی عزت و شان سے نوازا گیا۔

ف : فرعون کی عزت و شرافت، ذلت و خواری سے تبدیل ہوئی تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور ان کی دعوت دینی سے اعراض کیا اگرچہ بظاہر ہامان اس کے انکار کا سبب تھا لیکن درحقیقت اس میں قبول حق کی جبلۃً استعداد نہ تھی۔

سبق کسی کو ظاہری دنیوی عزت سے دھوکہ نہ ہو کہ وہ اس کے فریب میں آکر طاعت و انقیاد الٰہی سے محروم ہو جائے یہ آنی جانی شے ہے کبھی عزت ہوتی ہے تو کبھی دوسرے ایام میں ذلت و خواری مہمان ہوتی ہے اور یہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ ناصح کی نصیحت پر عمل کرے اور اہل علم باعمل کی صحبت پر مداومت کرے اس لیے کہ جسے ازلاً قبول حق کی قابلیت نصیب ہے وہ ہر وقت اطاعت الٰہی میں سر دھنتا ہے اگرچہ جملہ عالم اس کا مانع ہو۔

حبشہ کا نجاشی رضی اللہ تعالےٰ عنہ دیکھیے! حضرت نجاشی حبشہ کا والی، اس کی قسمت اچھی تھی جب اس نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک سنا تو وہیں پہ سر تسلیم خم کر دیا اور مر گیا تو ابدی نجات پا گیا۔

کراماتِ اولیاء دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ظہور حق ہے تو اولیاء کرام کی کرامات کے صدور کو حق ماننا لازم ہے کیونکہ بوقت ضرورت ان کا بھی صدور ہوتا رہتا ہے اس لیے قدرتِ الٰہی کا صدور ہر دونوں میں یکساں ہے اور ہمارا عقیدہ ہونا چاہیے کہ کرامات اولیاء بھی آیات الٰہیہ ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ حضرات لاتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ واقعی وہ ولی اللہ ہو۔ (ورنہ بہت سے بہروپیے شریعت کے مخالف عجیب شعبدے دکھاتے ہیں ہم انھیں کرامت نہیں کہتے بلکہ وہ اللہ تعالےٰ کی گمراہی کا پھندا ہے ان سے بچ کر رہنا ضروری ہے)[1]

کرامات کا انکار : اولیاء کرام کی کرامات کو قبول کرنا عالم حقیقت کے لیے رہبر ثابت ہوتا ہے اور جو ان کے انکار کی لعنت

---

[1] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ

سے بچتا ہے وہ صوری ومعنوی عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ معنوی عذاب سے اللہ تعالےٰ کا ہجر و فراق مراد ہے اور کرامات کا منکر ہی دائمی عذاب میں مبتلا ہو کر رہ جاتا ہے۔

منکرین انبیاؑ و اولیاء جب صاف ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالےٰ کی رحمت ہیں اور ان سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔ پھر ان لوگوں پر تعجب ہے جو انکا انکار کرتے ہیں اور چند ایک محدود لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں ورنہ اکثر ان کی اتباع وعقیدت سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے جاہ وجلال کے عرفان سے یکسر عاری ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ گذشتہ زمانوں میں اکثر لوگ عذاب میں مبتلا ہوئے ان قدسی نفوس کے انکار سے۔

سبق اس سے انسان کو فکر کرنا چاہیئے اور پختہ یقین کے ساتھ انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کی اتباع وعقیدت سے ہی عزت و وقار نصیب ہوتا ہے بالخصوص اس دور میں جہاں فسق وفجور اور دنیوی امور کے انہماک کا دور دورہ ہے اور لوگ طرح طرح کے مصائب وتکالیف میں مبتلا ہیں تو ان کے دکھوں کا واحد علاج اسی میں ہے کہ اللہ والوں کا دامن تھامیں اور ان کی صحبت ودوستی کو غنیمت سمجھ کر اس پر مداومت کریں۔ اور ہر مرید صادق پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کامل میں ایسا فنا ہو کہ اسے اپنے وجود کا تصور یکسر ختم ہو جائے اس طرح سے وہ عالم علین تک واصل ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مرید اپنے شیخ کی رضا اور محبت وعقیدت میں گم ہو۔

عبادت گذاروں کی اقسام: عبادت گذاروں کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عبادت صرف عادت کے طور پر کرتا ہے لیکن اپنے سستی محسوس کرے۔

(۲) عبادت ثواب کی نیت سے کرتا ہے یہ طمع کی عبادت ہے۔

(۳) مشاہدہ حق کے انتظار میں عبادت کرتا ہے۔ یہی سچا عبادت گذار ہے یہ اپنے سے کم بلکہ ماسویٰ اللہ سے فارغ ہو کر عبادت کر رہا ہے۔ ایسی عبادت محبت وعشق الٰہی کے لیے موصل سمجھی جاتی ہے اسی سے دائمی عزت اور سعادت دارین نصیب ہوتی ہے۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کی عبادت کے لیے جد وجہد کرے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

جہد کن تا نور تو رخشاں شود!
تا سلوک و خدمتت آسان شود
کور کانرا می بری مکتب بزوز
زانکہ ہستند از فوائد چشم کور
چون شود واقف بمکتب می رود
جانش از رفتن شگفتہ می شود

ترجمہ: (۱) عبادت میں جد وجہد کیجیئے تا کہ تیرا باطنی نور چمک اٹھے اور راہ سلوک بھی آسان ہوگا۔

(۲) چھوٹے بچوں کو مدرسہ (درسگاہ سکول) میں جبراً بھیجا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے انجام اور تعلیم کے فوائد سے بے خبر ہیں۔

(۳) جب کسی بچے کو علمی فوائد کا علم ہو جاتا ہے تو وہ سکول (مدرسہ) میں جانے کے لیے فرحان و شادمان ہوتا ہے۔

واللہ المعین فی کل حین، اللہ ہی ہر وقت ہمارا معین و مددگار ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ۔ کاشفی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام بحکم الٰہی فرعون کے ہاں پہنچے۔ چونکہ مدت کے بعد ملاقات ہوئی اسی لیے جاتے ہی فرعون کو پیغام الٰہی پہنچا دیا اور فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تیرے پاس اسی کا حکم لائے ہیں اور تجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت و اطاعت کرو۔ جب موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے تلقین الٰہی سنائی تو فرعون نے کہا: **فَمَنْ رَّبُّكُمَا**۔ من استفہامیہ ہے۔ تو کون ہے تمہارا پروردگار۔

ف: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں پر فاء ما سبق پر سوال کی ترتیب کے لیے آیا ہے یعنی گویا فرعون نے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو تو بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟

سوال: فمن ربی کیوں نہ کہا جب کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے کہہ دیا تھا کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں؟

جواب (۱) یہ اس کی سرکشی اور تکبر کی دلیل ہے۔

جواب (۲) امام فخرالدین نے فرمایا کہ اس جواب سے وہ اپنی ربوبیت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا اور اس نے یہ بھی کہا تھا: الم نربک فینا ولیدا، گویا اس کا یہ جواب از راہ تعجب ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب میں تمہارا رب ہوں تو کیا میرے سوا بھی کوئی اور رب ہے، اگر ہے تو بتاؤ وہ کیوں ہے، تو پھر میری عبادت چھوڑ کر اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں، **يٰمُوْسٰى** ○ اے موسیٰ۔

سوال: پہلے دونوں کو پھر صرف موسیٰ علیہ السلام کو کیوں خطاب کیا؟

جواب: جب اسے یقین ہو گیا کہ اس معاملہ میں موسیٰ علیہ السلام اصل اور ہارون علیہ السلام اس کے وزیر و تابع ہیں۔ اسی لیے پہلے دونوں کو پھر بعد میں تنہا موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا۔

قَالَ، موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ **رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ**۔ ربنا مبتدا اور الذی الخ اس کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مخلوق کی ہر قسم کو عطا فرمائی۔ **خَلْقَهٗ** اس کی شکل و صورت جس کی وہ لائق تھی یعنی ہر شے کو جو اس کے ساتھ خاص اور اس میں نفع تھا، عطا فرمایا۔ اور الخلق سے مخلوق مراد ہے کیونکہ ربنا کی ضمیر جمع سے یہی معلوم ہوتا ہے جب اس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور فرعون وغیرہ سب داخل ہیں۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے صرف ربنا کیوں نہ کہا آگے الذی اعطی الخ کا اضافہ کیوں؟

جواب: وصف کا ذکر فعل پر دلالت کرتا ہے اور فعل فاعل کے وجود پر۔ اس اعتبار سے موسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ مع دلیل بیان فرما دیا۔

ثُمَّ هَدٰى ○ پھر ان کی رہبری فرمائی، ان امور میں جو ان سے صادر ہوں گے یا جو ان کے لائق ہیں جیسے جمادات

میں بلا اختیار اور حیوانات میں اختیاراً، اور ہر ایک کو مخصوص ہیئت عطا فرمائی۔

ف: پہلے تخلیق پھر ہدایت کے مرکز میں مطلب واضح ہے کہ شے کی پہلے ترکیب اور اس کے اجزا کی ترتیب ہوتی ہے بعد ازاں ہدایت اور ان دونوں کے وقوع میں بھی ایک مدت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے ان کے درمیان لفظ ثم لایا گیا۔

ف: ہر شے میں حیات و روح ہوتی ہے صورۃً جیسے انسان و جن و ملک و دیگر مخلوق معنے جیسے جمادات و نباتات وغیرہ اسی لیے اللہ تعالے نے فرمایا:

وان من شئ الا یسبح بحمدہ۔

اس سے ثابت ہوا کہ مخلوق کے ہر فرد کو اللہ تعالے کی معرفت حاصل ہے بقدر اس کے عقل و روح و عقل کے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وعطی کل شئ خلقہ یعنے ہر شے کو جسے اللہ تعالے جس استعداد کے لیے پیدا فرمایا ہے اسے وہی استعداد عطا فرمائی مثلاً مومن کو پیدا فرمایا تو قبول فیض ایمان کی استعداد عطا فرما کر پھر اسے دعوت انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے کی ہدایت بخشی اور کافر کو فیض قہر و خذلان و تمرد کی استعداد دے کر پیدا فرمایا اسی لیے انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی۔

حضرت مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

یکے را بہر طاعت خلق کردند
یکے را بہر عصیان آفریدند
یکے را بہر مالک گشت موجود
یکے را بہر رضوان آفریدند

ترجمہ: کسی کو طاعت کے لیے اور کسی کو نافرمانی کے لیے پیدا فرمایا۔
ایک صرف مالک کی خدمت یعنے جہنم کے داخلہ کے لیے ایک کو رضوان جنت کے لیے۔

قَالَ. فرعون نے کہا. فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ تو بتاؤں پہلے لوگوں کا کیا بنا. ما استفہامیہ ہے اور بال سے وہ حال مراد ہے جس پر انسان کا وقت بسر ہو، مثلاً کہا جاتا ہے: ما بالیت بکذا میں نے ایسے وقت بسر کیا، اور عرف میں وہ حال جو انسان کے دل پر گذرے جیسے کہا جاتا ہے: ما خطر ببالی کذا یہ میرے دل پر بھی نہیں کھٹکا. القرون وہ لوگ جو ایک دوسرے کو مقترن ہوں. الاولی. الاول کی تانیت ہے الکبریٰ. الاکبر کی تانیث ہے۔

اب مطلب یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام بتاؤ ان لوگوں کا کیا حال ہوا جو ہم سے پہلے گذرے ہیں جیسے قوم نوح و عاد و ثمود یعنے مرنے کے بعد ان پر کیا گذری۔

موسیٰ علیہ السلام نے تو فرعون کو سابقہ امم سے نہیں ڈرایا تھا انی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب... الخ تو اسی

مومن نے کہا جو فرعون کے ہاں رہتا تھا۔ اور یہاں موسیٰ علیہ السلام گفتگو فرما رہے ہیں۔ یہ سوال صاحب روح البیان نے مذکورہ بالا جواب پر اٹھایا جو موزوں ہے۔ مذکورہ بالا سوال کا جواب صحیح یہ ہے کہ فرعون نے جب موسٰے علیہ السلام کے براہین و دلائل سنے تو اسے خطرہ ہوا کہ ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی مزید وضاحت سے قوم نہ بگڑ جائے اور اسے چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اسی لیے موسٰے علیہ السلام کے خیال کو دوسری طرف لگانا چاہا تاکہ وہ توحید پر دیگر مضامین بیان نہ کرسکیں۔ لیکن موسٰے علیہ السلام نے فرعون کی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی تقریر توحید کو جاری رکھا اور من وجہ فرعون کا جواب بھی دے دیا۔ چنانچہ فرمایا:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان کا علم میرے پروردگار کے ہاں ہے کیونکہ ان کے حالات از قبیل علوم غیبیہ ہیں اور علوم غیبیہ صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ اور نہ ہی ان کے حالات کے علم کو نبوت و رسالت سے کوئی تعلق ہے۔ اور میں ان کے حالات کو اس قدر جانتا ہوں جتنا میرے رب تعالےٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے یعنے وہ جنھیں امور رسالت سے تعلق ہے۔

فِيْ كِتٰبٍ اور وہ علوم لوح محفوظ میں اپنی تفاصیل کے ساتھ ثبت ہیں۔ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى میرا پروردگار نہ بھکتا ہے نہ بھولتا ہے۔ الضلال بمعنے شے کی اصل جگہ سے آگے نکل جانا اور اس کے حصول کے لیے راہ نہ پانا۔ اور النسیان بمعنے شے سے ایسا غافل ہو جانا کہ اس کی طرف خیال تک نہ رہے۔ اور یہ دونوں امور ذات کے لیے محال ہیں جس کا علم ذاتی ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے علم سے ابتداءً ہی یہ بات دور نہیں کیونکہ وہ کل معلومات کو ازلاً جانتا ہے اور نہ ہی اس بات سے اسے غفلت ہوتی ہے کیونکہ اس کے علم میں ہر شے ثابت ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ وہ امور لوح محفوظ میں مثبت ہیں تو اسی لیے نہیں کہ ان کی اللہ تعالےٰ کو ضرورت یا محتاجی ہے اسے نہ ابتداً لوح محفوظ میں اثبات کی ضرورت ہے نہ بقاءً بلکہ اس نے لوح محفوظ میں اس لیے احکامات ثبت فرمائے تاکہ وہ امور ملائکہ کے سامنے ظاہر ہوسکیں اس سے ان کے استدلال میں اضافہ ہوتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ اس کا علم سہو و غفلت سے منزہ ہے۔

؎

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست

کہ پیدا و پنہاں بنزدش یک ست

ترجمہ: اس کے علم سے کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ اسی لیے پیدا و پنہاں اس کے نزدیک برابر ہے۔

ربط: موسٰے علیہ السلام فرعون کو جواب دے کر اب اللہ تعالےٰ کی مختلف شانیں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ کہا:

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا، وہ اللہ تعالےٰ جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ المھد بمعنے وہ شے جو بچے کے لیے تیار کی جائے۔ المھاد و المھد وہ بچھی ہوئی جگہ جسے پاؤں سے روندا جائے۔ کما قال تعالےٰ:

الذی جعل لکم الارض مھدا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالےٰ نے زمین کو ایسا اچھا بچھایا جس پر تم بیٹھتے ہو اور اس پر گھر بناتے ہو۔

وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا، اور تمہارے لیے اس میں راستے بنائے۔ سلك از السلوك بمعنے راستہ پہ چلنا۔ لازم ومتعدی دونوں طور پر مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

سلکت الشی فی الشی ۔ میں نے اسے فلاں شے میں داخل کیا۔

السبل، سبیل کی جمع ہے۔ وہ راستہ جس پر عادتاً سفر طے کیا جاتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ میں نے یہ راستے صرف تمہارے لیے بنائے تمہارے غیروں کے لیے نہیں اگر وہ ان پر چلتے ہیں تو تمہارے طفیل، اور وہ راستے ہیں بھی ان گنت۔ ان کے درمیان پہاڑ بھی ہیں اور نہریں بھی اور جنگلات میں تم انھیں منزل بہ منزل طے کرتے ہو تاکہ انھیں طے کر کے اپنے مقاصد کو پہنچو اور اپنے منافع حاصل کرو۔

وَاَنْزَلَ، نزول سے ہے۔ بمعنے انحطاط عن علو یعنے اوپر سے نیچے آیا۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

نزل من دابته ونزل فی مکان کذا

ایسے ہی کہتے ہیں :

حط رحله فیه۔ فلاں جگہ پر سامان اتارا۔

وانزل غیرہ، اور اپنے غیر کو اتارا۔

مِنَ السَّمَآءِ، آسمان یا بادل سے اتارا مَآءً هو جسم سیال الخ مَآءٌ وہ ایک بہنے والا جسم ہے جو زمین کو گھیر لیتا ہے یہاں پر بارش مراد ہے۔ اور بارش اجزاء مائیہ ہی ہیں کیونکہ یہ اجزاء جب جمع ہو جاتے ہیں تو پانی کی طرح زمین کو گھیر لیتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ۔ خرج، خروجاً سے ہے بمعنے شے کا اپنی جگہ سے یا حال سے ظاہر ہونا اکثر اس کا استعمال اعیان میں ہوتا ہے یعنے ہم نے پانی کے سبب اگایا۔

ف : غیبت سے تکلم کی طرف عدول میں اشارہ ہے کہ وہ جملہ امور اللہ تعالےٰ کے ذاتی ہیں اور وہ امور ہیں بھی صرف اسی سے مخصوص۔ اور اسی سے ہی آتے ہیں اس کے سوا کوئی دوسرا ان پر قدرت رکھتا ہی نہیں۔

اَزْوَاجًا، مختلف قسمیں اور ان اقسام کو ازواج سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے سے مقترن ہیں اور جو شے ایک دوسرے سے مقترن ہیں ہو مماثل ہو یا متضاد اسے زوج سے تعبیر کرتے ہیں اسی لیے حیوانات کے نر مادہ کو زوج کہتے ہیں۔ حیوانات کے علاوہ دوسرے اقسام میں بھی مثلاً موزے جوتے کے جوڑے کو زوج کہا جاتا ہے۔ مِّنْ نَّبَاتٍ، ہر قسم کی انگوری یعنے وہ اشیاء جن کو غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور جس سے حیوان نشو ونما پاتا ہے۔

ف : امام راغب نے کہا کہ النبت و النبات ہر وہ شے بڑھنے والی، جو زمین سے اگتی ہو، اس کا تنا ہو جیسے اشجار یا ترکاریاں۔

لیکن عرف میں لفظ نبات صرف ترکاریوں کے لیے استعمال ہوتا ہے بلکہ عوام تو نبات سمجھتے بھی اسے ہی ہیں جسے حیوانات کھائیں جب اس میں حقائق کا اعتبار کیا جائے گا تو ہر نامی شے کو نبات کہا جائے گا خواہ انگوریاں ہوں یا حیوان یا انسان۔

مِنْ بیانیہ ہے اس معنے پر شتی۔ نبات کی صفت ہے۔ اس لیے کہ یہ دراصل مصدر ہے اور مصدر واحد، جمع ہر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ شتی۔ شتیت کی جمع ہے بمعنے متفرق یعنے انگوریاں جو مختلف الانواع ہیں جن کے ذائقے بھی مختلف اور خوشبوئیں اور اشکال بھی مختلف اور منافع بھی جو بعض انسانوں کے لیے ہوتی ہیں تو بعض جانوروں کے لیے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ شتی اور من نبات دونوں نبات کی صفت ہیں لیکن شتی کی وجہ مؤخر کیا گیا ہے۔

كُلُوْا یہ بارادۂ قول فواصل اخرجنا کی ضمیر سے حال ہے۔ دراصل عبارت اخرجنا منها اصناف الخ تھی یعنی ہم نے قسم قسم کی انگوریاں زمین سے نکال کر کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ ان کے پھل اور بیج وغیرہ۔ **وَارْعَوْا**۔ الرعی سے ہے بمعنے حیوان کی حفاظت یا بذریعہ غذا ہو کہ اس کی زندگی کی محافظ ہے یا اس سے دشمن کو دفع کرکے یعنے چراؤ۔ **اَنْعَامَكُمْ**، اپنے جانوروں کو۔ ان سے اونٹ، گائے، بھیڑیں اور بکریاں مراد ہیں یعنے ان سے بالذات یا بالواسطہ نفع اٹھاؤ۔ دراں حالیکہ ہم تمھیں ان سے نفع اٹھانے کی اجازت بخشتے اور مباح فرماتے ہیں کہ ان کے بعض کو کھاؤ اور بعض کو گھاس کے طور پر جانوروں کو کھلاؤ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ آسمان، پانی، انگوریاں اور جانور سب کے سب تمھارے لیے کیے گئے ہیں اگر تمھیں ان کی بلکہ جملہ مخلوق کی ضرورت نہ ہوتی تو میں انھیں پیدا نہ کرتا۔

حضرت مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

غرض توئی ز وجود ہمہ جہاں ورنہ
لما تکون فی الکون کائن لولاک

ترجمہ: جملہ عالم کے وجود کا اصل سبب تم ہو۔ اگر تم نہ ہوتے تو کسی کا ہونا نہ ہوتا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ان جملہ مذکورہ شئون وافعال الٰہیہ مثلاً زمین کو بچھونا بنانے اور زمینی راستے تیار کرنے اور آسمان سے پانی برسانے اور انگوریوں کے مختلف اقسام اگانے میں، **لَاٰيٰتٍ**، البتہ بہت اور بڑی عظیم الشان اور واضح دلیلیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ صنعت و وحدت اور عظیم القدرت اور روشن حکمت پر۔ **لِّاُولِي النُّهٰى** ○ النھی، نہمۃ کی جمع ہے اسے عقل کے لیے استعمال کرتے ہیں اس لیے عقل اتباع باطل وارتکاب افعال قبیحہ سے روکتی ہے۔ اسی لیے اسے عقل و حجر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ذوی العقول کو اباطیل سے روکتا ہے منجملہ ان کے سرکشی کے اسباب بھی ہیں جنھیں سرکش اور باغی لوگ اپناتے ہیں۔

ف: عقل والوں کی تخصیص اسی لیے ہے کہ ان آیات سے صرف اہل عقول ہی نفع پاتے ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا
ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے

نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا
اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے اور بے شک ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھائیں تو اس نے جھٹلایا اور نہ مانا بولا کیا تم

لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا
ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اپنے جادو کے سبب ہماری زمین سے نکال دو اے موسیٰ تو ضرور ہم بھی تمہارے آگے ویسا ہی جادو لائیں گے تو

وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ
ہم میں اور اپنے میں ایک وعدہ ٹھہرا دو جس سے نہ ہم بدلہ لیں نہ تم ہموار جگہ ہو موسیٰ نے کہا تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے

الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ
اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں تو فرعون پھرا اور اپنے داؤں اکٹھے کیے پھر آیا ان سے

لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ
موسیٰ نے کہا تمہیں خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے اور بیشک نامراد رہا جس

افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ
نے جھوٹ باندھا تو اپنے معاملہ میں باہم مختلف ہو گئے اور چھپ کر مشورت کی بولے بیشک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں

يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾
چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین سے اپنے جادو کے زور سے نکال دیں اور تمہارا اچھا دین لے جائیں

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى
تو اپنا داؤں پکا کر لو پھر پرا باندھ کر آؤ اور آج مراد کو پہنچا جو غالب رہا بولے اے موسیٰ

اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ
یا تو تم ڈالو یا ہم پہلے ڈالیں موسیٰ نے کہا بلکہ تمہیں ڈالو جبھی ان کی رسیاں اور

وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً
لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے ان کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں تو اپنے جی میں موسیٰ نے خوف

مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا
پایا ہم نے فرمایا ڈر نہیں بے شک تو ہی غالب ہے اور ڈال تو دے جو تیرے دہنے ہاتھ میں ہے اور

صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ

ان کی بناوٹوں کو نگل جائے گا وہ جو بنا کر لائے ہیں وہ تو جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کا بھلا نہیں ہوتا کہیں آئے تو سب جادوگر

السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ

سجدے میں گرا دیئے گئے بولے ہم اس پر ایمان لائے جو ہارون اور موسیٰ کا رب ہے فرعون بولا کیا تم اس پر ایمان لائے قبل اس

اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

کے کہ میں تمہیں اجازت دوں بیشک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا تو مجھے قسم ہے ضرور میں تمہارے ایک طرف

مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا

کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تمہیں کھجور کے ڈھنڈ پر سولی چڑھاؤں گا اور ضرور تم جان جاؤ گے کہ ہم میں کس کا عذاب

وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا

سخت اور دیرپا ہے بولے ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو تو کر چک

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا

جو تجھے کرنا ہے تو اس دنیا ہی کی زندگی میں تو کرے گا بے شک ہم اپنے رب پر ایمان

لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ

لائے کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور وہ جو تو نے ہمیں مجبور کیا جادو پر اور اللہ بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا

مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ

بیشک جو اپنے رب کے حضور مجرم ہو کر آئے تو ضرور اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے نہ جئے اور جو اس کے

مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

حضور ایمان کے ساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں تو انہیں کے درجے اونچے بسنے کے باغ جن

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور یہ صلہ ہے اس کا جو پاک ہوا

تفسیر عالمانہ

مِنْهَا، زمین سے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ مٹی مراد ہے جو عزرائیل علیہ السلام نے بامر الٰہی آدم علیہ السلام کے لیے جملہ روئے زمین

؎ آیات کا ترجمہ از اویسی غفرلہ۔

سے اٹھائی تھی۔

خَلَقْنٰكُمْ تمہیں تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی وساطت سے پیدا فرمایا۔ آدم و حوا علیہما السلام کے سوا باقی جملہ آدم زادے نطفے سے پیدا ہوئے۔

حل لغات: الخلق دراصل تقدیر مستقیم کو کہا جاتا ہے اور عرف میں شئے کو غیر اصل سے پیدا کرنے پر مستعمل ہے اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے:

خلق السموات والارض

اور ایک شئے کو دوسری شئے سے پیدا کرنے کے لیے بھی آتا ہے جیسے آیت ہذا میں۔

وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تمہیں موت کے بعد اسی زمین میں دفن کرائیں گے جہاں سے تمہارا خمیر لیا گیا اور لفظ فی استقرار پر دلالت کرتا ہے اور عودٌ یعنے شے سے انصراف کے بعد پھر اس کی طرف رجوع کرنا، تین قسم کا ہے:

① بالذات

② بالقول

③ بالعزیمت

اور اعادۃ یعنے شے کا تکرار جیسے بات وغیرہ کو دہرانا۔

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ اور قیامت میں تمہارے اجزاء کو جمع اور اجساد کو برابر اور روح کو حساب اور جزا و سزا کے لیے لوٹائیں گے۔ اور دوسری بار نکالنا یوں ہوگا کہ جیسے وہ زمین میں پڑے ہیں انھیں وہاں سے باہر کیا جائے گا۔ اس میں کسی قسم کی تجدید نہ ہوگی۔ تارۃ دراصل تَوْر تھا یعنے ایک بار جاری ہونا۔ اس کے بعد ہر نئے فعل پر مستعمل ہونے لگا جو دوبارہ ایک بار ہو کر ختم ہو جائے۔

حکیم فردوسی نے فرمایا ؎

بخاکت در آرد خداوند پاک
دگر رہ برون آرد از زیر خاک

بدان حال کاپی بخاک اندرون
بدان گونہ از خاک آیی برون

اگر پاک در خاک گیری مقام
برآیی از و پاک و پاکیزہ نام

ترجمہ: (۱) تمہیں اللہ تعالٰے مٹی میں لائے گا پھر اس سے تمہیں اٹھائے گا۔

(۲) جس حال پہ تم مٹی میں دفن ہو گے اسی طرح مٹی سے باہر آؤ گے۔
(۳) اگر پاک ہو کر مٹی میں جاؤ گے تو پھر پاکباز اور پاک نام ہو کر باہر نکلو گے۔

جبریل علیہ السلام نے قم باذن اللہ کہہ کر مردے زندہ کیے

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن سیدنا جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالٰے آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ محزون و مغموم کیوں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کا غم ہے۔ عرض کی اہل اسلام کے لیے یا کافروں کے لیے آپ نے فرمایا اہل اسلام کے لیے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو بنی سلمہ کے گورستان میں لے گئے اور دایاں پَر مار کر ایک مردہ کو زندہ کیا وہ سفید چہرہ والا تھا۔ وہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتا ہوا اٹھا۔ اسے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ واپس اپنی قبر میں چلے جاؤ۔ پھر بایاں پَر مارا تو ایک سیاہ اور نیلی آنکھوں والا مردہ زندہ ہو کر قبر سے باہر ہائے ہائے کرتا ہوا اٹھا۔ جبریل ع نے اسے فرمایا واپس اپنی قبر میں چلا جا۔ اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا کہ اسی طرح قیامت میں مردے اٹھیں گے۔ اسی واقعہ کے بعد آپ نے فرمایا:

تموتون کما تعیشون و تبعثون کما تموتون۔ تم جس طرح زندگی بسر کرتے ہو ایسے ہی مرو گے اور جس حال میں مرو گے اسی حالت میں قیامت کے روز اٹھو گے۔

دنیوی زندگی سے پیار کیوں؟

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ انسان کو دنیوی زندگی سے کیوں پیار ہے؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پیار کرے اس لیے کہ اس میں پیدا ہوا۔ اس مٹی پر یہ اس کی ماں ہوئی اور پھر اسی میں زندگی بسر کرتا ہے اور اسی میں اسے رزق ملتا ہے اور اسی میں اسے حیات ملی ہے اور اسی میں ہی لوٹایا جائے گا، یہی اس کی کفایت کرنے والی اور اسی میں جنت کے حصول کے اسباب حاصل کرتا ہے۔ یہی دنیا اس کی سعادت کا مبدا، یہی صلحاء کی گذرگاہ ہے جس میں وہ اللہ تعالٰے کے ہاں پہنچتے ہیں۔ ان وجوہ کے باوجود اسے انسان کو کیوں نہ پیار ہو جب کہ اسی سے اسے رب تعالٰے کی ہمسائیگی نصیب ہوتی ہے۔

زمین کو اطمینان و سکون حاصل ہے کیونکہ اسے اپنے وجود میں کامیابی نصیب ہوئی باوجودیکہ نہایت سفل میں ہے کیونکہ اعلٰی مراتب پر فائز ہے کیونکہ راضی برضاء اللہ اور تسلیم کے مقام پر ہے۔ اس کا دین اسلام ہے۔ اسی طرح دنیا میں انسان کامل حال ہے کہ اسے اللہ تعالٰے نے قالب زمین سے اٹھا کر اپنا رنگ چڑھایا ہے یہ اگرچہ ترابی الاصل ہے لیکن اس میں اکسیر روح اعظم ڈالا گیا جب اس سے روح اڑ کر چلی جاتی ہے تو اس کا جسم اس کے رنگ میں ویسے ہی متاثر ہوتا ہے کیونکہ سونا خالص پگھلنے کے بعد بھی اپنی حقیقت پہ رہتا ہے، اسی طرح کاملین اولیاء کو سمجھئے کہ وہ آزمائشوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں تاکہ خالص سونے کی طرح اور زیادہ چمک پائیں۔

زمین افضل ہے یا آسمان؟

الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ اکثر علماء کا مذہب ہے کہ زمین آسمان سے افضل ہے

Marfat.com

اس لیے کیونکہ انبیاء علیہم السلام زمین سے پیدا کیے گئے اور اسی میں عبادت میں مصروف رہے اور اس میں ہی مدفون ہوئے[1] زمین اللہ تعالےٰ کے احکام کے اجزاء کا دارالخلافہ اور مزرعۃ الآخرۃ ہے۔ اور ان ساتوں زمینوں میں سے یہی پہلی زمین افضل ہے اس لیے کہ وحی الٰہی کا نزول اسی پر ہوا اور انبیاء علیہم السلام کو مشاہدہ الٰہی بھی اسی زمین پر ہوا اور اس میں سے انھوں نے روحانی منافع بھی پائے اور ان کے خلفاء بھی اسی زمین میں ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اگرچہ بظاہر آسمان افضل معلوم ہوتا ہے کیونکہ ارواح کی قرار ہے یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد جسم زمین پر پڑا رہتا ہے لیکن روح آسمان میں۔ اور اگر حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو زمین افضل معلوم ہوگی کیونکہ ارواح عالیہ کو عروج کی فضیلت کے اسباب سے میسر آتے اس لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلوٰۃ کو دنیوی قرار دیا۔ کما قال علیہ السلام:

"حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔"

مجھے تمھاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں: (۱) خوشبو

(۲) عورتیں

(۳) نماز (آنکھوں کی ٹھنڈک)

شرح الحدیث وجہ یہ ہے کہ نماز چند افعال واذکار مجموعہ کا نام ہے اور وہ افعال واذکار اجساد سے حاصل ہوتے ہیں اور وہ اجساد دنیوی اور عالم الملک سے ہیں اگرچہ قلب اور توجہ عالم ملکوت سے ہے۔ ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقائق ارض کی تحقیق اور طول وعرض سے روگردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

---

[1] : اس مسئلہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جس جگہ آرام فرما ہیں وہ جگہ کل کائنات کی جگہوں سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ عرش وکرسی اور کعبہ معظمہ اور بیت المعمور سے بھی۔ اس کے بعد اس پر اتفاق ہے کہ کعبہ معظمہ کا شہر مدینہ طیبہ وغیرہ تمام امکنہ سے افضل ہے پھر اختلاف ہے کہ کیا مدینہ طیبہ افضل ہے یا مکہ معظمہ؟ بعض مکہ معظمہ کو افضل مانتے ہیں بعض مدینہ طیبہ کو۔ جن بعض علماء نے مکہ معظمہ کو افضل مانا ہے، انھیں اعلیٰحضرت نے کہا ہے

طیبہ نہ سہی افضل مکہ زاہدا
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

اس مسئلہ کی تفصیل فقیر نے دوسری جگہ لکھ دی ہے۔

(مترجم - اویسی غفرلہٗ)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا۔ آیات کی اضافت عہدیہ اور شمول انواع کے لیے کلھا تاکید کے لیے ہے۔ معنے یہ ہوا کہ بخدا ہم نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے جملہ آیات دکھائے مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، ہاتھ کا نورانی ہوجانا وغیرہ وغیرہ، اور وہ بھی وقفہ دے کر۔ یا اس کا یہ معنے ہے کہ ہم نے فرعون کو ان آیات کی پہچان عطا فرمائی یا یہ معنے ہے کہ ہم نے ان آیات پر وجہ دلالت واضح فرمائی۔ فَكَذَّبَ، تو اس بدبخت نے فرط عناد سے بلاتردد و بلاتاخیر یعنے سوچے سمجھے بغیر ان آیات کی تکذیب کر دی۔ اور سمجھا یہ کہ وہ سحر (جادو) ہیں۔ وَ اَبٰی ۝ اور اپنی سرکشی کی بنا پر ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ الاباء بمعنے شدت الامتناع۔

ف: ہر اباء کو امتناع کہہ سکتے ہیں اور ہر امتناع کو اباء نہ کہا جائے گا۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی ۝ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ ہمارے ہاں اسی لیے آئے ہیں تاکہ اپنے جادو سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اس کی تکذیب و اباء کی کیفیت کی وضاحت اور ہمزہ انکار واقع کے لیے ہے اور اس کی قباحت کا اظہار مطلوب ہے اور دعویٰ کرنا ہے کہ یہ جو تم کہتے ہو محال ہے۔

ف: المجیئ (آنا) اپنے حقیقی معنے میں ہے یا بمعنے الاقبال علی الامر ہے یا بمعنے پیچھے لگنے کے ہے۔ السحر بمعنے دھوکہ اور ایسے خیالات برپا کرنا جن کی کوئی حقیقت نہ ہو جیسے عام طور پر شعبدہ باز کرتے ہیں کہ چابکدستی سے اپنے ظاہر کردہ سے لوگوں کی آنکھیں پھیر دیتے ہیں۔ یا کوئی ایسا حرف بولنا جو سننے والوں کو دہشت میں ڈال دے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اے موسےٰ علیہ السلام تم ہم سے چند سال باہر رہ کر ایسے امور لے کر آئے ہو جو سراسر جادو ہیں تاکہ ہم پر غلبہ پاکر ہمیں ملک مصر سے نکال دیں اور یہ کام دانشمندی کا نہیں جو تم کر رہے ہو کیونکہ یہ تو محالات سے ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ فرعون نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم جادوگر ہو اور چاہتے ہو کہ جادو کے ذریعے تم ہمیں مصر سے نکال کر بنی اسرائیل پر قبضہ کر کے ان پر شاہی کرو۔

ف: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تحیر و تعلیل سے کہہ رہا تھا اسی لیے کہ اسے معلوم ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام جو کہتے ہیں وہ حق ہے اسی لیے اسے خطرہ ہوگیا کہ اس سے اس کا ملک چھن جائے گا ورنہ اسے یقین تھا کہ جادوگر سے کسی بادشاہ کو اس کے ملک سے نہیں نکال سکتا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ فرعون نے یہ کلمات اپنی قوم کو اکسانے کے لیے کہے کہ اے قبطیو! موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو لے جانے کا مطالبہ محض فریب ہے۔ درحقیقت وہ تمھیں اپنے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور پھر تمھارے ملک و مال پر قابض ہو کر مطلق العنان بادشاہ بن کر اپنے توابع کی کسی قسم کی پرواہ نہ کریں گے۔ وہ اس لیے کہہ رہا تھا تاکہ وہ اس کے ساتھ ہو کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ و مدافعہ کریں۔ اسی لیے اس نے موسےٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا تاکہ انھیں غیرت پیدا ہو کہ جادوگر ہو کر تمھارا ملک کیوں چھین جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فرعون نے یہ اس لیے کہا کہ وہ اہل بصر تھا اس لیے کہ اہل بصیرت کو یقین تھا کہ موسےٰ علیہ السلام تو آئے بھی اس لیے ہیں کہ ظلمات کفر سے نکال کر نور ایمان اور ظلمات بشریہ سے خارج کر کے

نور روحانیت اور ظلمات انسانیہ سے نکال کر نور ربانیہ کی طرف لے جائیں ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر کہ از دیدار برخوردار شد
این جہاں در چشم او مردار شد

(۲) ملک برہم زن تو ادہم وار زود
تا بیابی ہمچو او ملک خلود

ترجمہ : (۱) جو دیدار الٰہی سے بہرہ در ہوا وہ اس جہان کو مردار کی طرح دیکھتا ہے ۔

(۲) سارے ملک کو ادہم (رحمۃ اللہ تعالیٰ) کی طرح چھوڑ دے تاکہ تمھیں دائمی ملک نصیب ہو ۔

ربط : چونکہ فرعون نے معجزہ کو ظاہری آنکھ سے جادو سمجھا اسی لیے دعویٰ کیا کہ وہ موسےٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے جادوگر لائے گا ۔ چنانچہ کہا :

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ ۔ فاء مابعد کو ماقبل کے ساتھ ترتیب کے لیے ہے ۔ اور لام قسم محذوف کا جواب ہے گویا فرعون سے کہا گیا کہ جب حال اسی طرح ہے تو اب تم کیا کرو گے تو فرعون نے کہا کہ بخدا ہم موسےٰ علیہ السلام کے جادو کی طرح جادو لائیں گے اس لیے وہ ہم پر غالب نہیں ہو سکتا یعنے اے موسیٰ! ہم تیرے مقابلے کے لیے تیرے جادو جیسا جادو لاتے ہیں تاکہ ہم تیرا مقابلہ و معارضہ کریں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تم پیغمبر نہیں بلکہ جادوگر ہو ۔

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا ، تو ہمارے اور اپنے درمیان وعدہ مقرر کیجئے تاکہ تمھارے جادو کا پول کھول جائے ۔ **لَّا نُخْلِفُهٗ** ہم اس وعدہ کے خلاف نہ کریں ۔ **نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ** ، نہ ہم اور نہ تم ۔

حل لغات : اخلف وعدہ کہا جاتا ہے ۔ اخلف زمانہ و مکانہ نہیں کہا جاتا ۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں پر موعدا سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر تمھارا اور ہمارا اجتماع ہو ۔ الوعد بمعنے کے وقوع سے پہلے اس کے پہنچانے کی خبر دینا ۔ الخلف بمعنے وعدہ خلافی کرنا جیسے کہا جاتا ہے ، وعدنی فاخلف یعنے اس نے میرے ساتھ وعدہ کرکے اس کے خلاف کیا ۔

مَكَانًا سُوًى ۝ یہاں پر فعل محذوف ہے جیسا کہ اس کا مصدر دلالت کرتا ہے ۔

سوال : خود مصدر سے مکانًا منصوب کیوں نہ ہوا جب کہ مصدر بھی عامل ہے ؟

جواب : چونکہ مصدر اس کی صفت واقع ہے اور صفت اپنے موصوف پر عمل نہیں کیا کرتی ۔

ف : سوی کو بالکسر و بالضم ہر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے بمعنے عدل و مساوات یعنے ایسا درمیانہ مقام پر ہمیں وعدہ دیجئے جو مسافت کے

لحاظ سے درمیان میں ہو جہاں ہماری اور تمہاری مسافت کے لحاظ سے برابر ہو، کوئی ایک طرف دوسری سے بڑھ نہ جائے۔ ایسی جگہ مقرر کیجئے جو آنکھوں سے اوجھل نہ ہو یعنی نہ نہایت اونچا ہو نہ نیچا تاکہ لوگ اچھی طرح نظارہ کر سکیں۔

ف: فرعون نے یہ معاملہ موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کرکے ظاہر کرنا چاہا کہ وہ اس مقابلہ میں کمزور نہیں بلکہ پوری قوت و طاقت کے ساتھ تیار ہے مدت طویل ہو یا قصیر۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فرعون نے مہلت اس لیے دی کہ اس کے گمان میں موسیٰ علیہ السلام جادوگر تھے اور جادو کی تیاری میں وقت چاہیئے حالانکہ آپ نے تو معجزہ ظاہر کرنا تھا اور معجزہ کے لیے کسی قسم کی مہلت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّينَةِ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا اور ہمارا وعدہ عید کا دن ہے اور وہی قبطیوں کی زینت کا دن تھا کیونکہ عید میں ہی لوگ دور دور سے خود بخود آئیں گے اور آکر مشاہدہ کریں گے۔ ممکن ہے کہ جادو کی مغلوبی اور معجزہ کے غلبہ سے متاثر ہو کر دولت ایمان سے بہرہ ور ہوں۔

سوال: فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے مکان کے تعین کا کہا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے یوم الزینۃ جواباً کہا، یہ تضاد کیوں؟

جواب: چونکہ زمان مکانیت کو مستلزم ہے اسی لیے ایسے تضاد مقصد کے منافی نہیں اور آپ نے مطلق یوم بھی نہیں فرمایا بلکہ یوم عید متعین فرمایا اور ایسے ایام کے لیے مکانات مخصوصہ ہوتے ہیں۔

عید کی اقسام

اسلام سے پہلے پانچ قسم کی عیدیں متعارف تھیں:

① ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی عید کا دن۔ آپ نے ان کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔
② فرعون کی قوم کی عید، جسے آیت ہٰذا میں یوم الزینۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔
③ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کی عید، جس کا ذکر تفصیلی طور پر سورہ مائدہ میں گذرا ہے۔
④ اہل مدینہ کی ایام جاہلیت میں دو عیدیں، عید الفطر اور
⑤ عید الاضحیٰ۔ جنھیں اسلام نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے متبدل فرمایا۔ اور قیامت تک کے لیے دونوں عیدیں قائم رہیں گی۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قربان شدن بتیغ جفائے تو عید ماست
جان میدہم بہر چنیں عید عمر ماست

ترجمہ: تیرے ظلم کی تلوار سے کٹ مرنا ہماری عید ہے اور ایسی عید کے لیے تو ہم کئی عمریں قربان کرنے کو تیار ہیں۔

وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○ اس کا عطف الیوم یا الزینہ پر ہے۔ الحشر بمعنے جماعت کو قرار گاہوں سے نکال کر جنگ وغیرہ کی طرف لے جانا اور اس کا اطلاق جماعت کے لیے ہوتا ہے۔ ضحی کا منصوب ہونا علی الظرفیہ ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ لوگوں کو ضحی کے وقت جمع کیا جائے تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے۔

ف: الفرام السقط میں ہے کہ یوم کے پہلے وقت کا نام فجر اس کے بعد صباح اس کے بعد غداۃ اس کے بعد بکرۃ اس کے بعد ضحی اس کے بعد ضحوہ اس کے بعد ہجیرہ پھر ظہیرہ پھر روح پھر مسا پھر عصر پھر اصیل پھر عشاء اولی پھر عشاء آخیرہ یہ شفق کے غائب ہونے سے شروع ہوتی ہے۔

بحر العلوم میں ہے کہ دن کے ان اول اوقات کو ضحی کہا جاتا ہے جب کہ سورج اونچا ہو کر اپنی کرنیں پھیلاتا ہے۔
امام راغب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نہار کے انبساط وامتداد کا نام ضحٰی ہے اور ان اوقات کو ضحٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
کاشفی نے لکھا ہے کہ ضحٰی چاشت کا وقت، جو دن کے بہ نسبت دوسرے اوقات کے روشن تر ہوتا ہے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ، فرعون نے قرب ترک کیا یعنے اپنی مجلس سے اٹھا کر اپنے ملک کے شہروں کے جادوگروں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ، تو اس نے تمام تدبیریں جمع کیں۔ کید سے مراد وہ ادویہ اور تدبیریں ہیں جو جادوگر کام میں لائیں گے اور کید حیلے کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ ثُمَّ اَتٰى ○ پھر وہ اپنے وعدے کی جگہ پر اپنے جملہ تدابیر کے ساتھ آگیا۔ لفظ میں اشارہ ہے کہ اس نے اس امر میں عجلت نہیں کی بلکہ مکمل تیاری کے بعد پہنچا۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى۔ یہاں گویا سوال پیدا ہوا کہ جب وہ جادوگر موسےٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے انھیں کیا فرمایا، اس کے جواب میں فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو بطور نصیحت فرمایا: وَيْلَكُمْ، تم پر افسوس ہے۔ یہ کلمہ دراصل بددعا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنے تمھارے اوپر اللہ تعالےٰ تباہی چھائے یعنے تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔ لیکن یہاں پر صرف زجر و بیخ مراد ہے بلکہ انھیں اس مقابلہ سے باز رہنے سے جھڑکا اور ترغیب دلائی کہ نبوت کا مقابلہ تمھارے لیے مفید نہیں۔ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا، اللہ تعالےٰ پر جھوٹا افترا نہ باندھو یعنے جو کچھ میں ظاہر کرتا ہوں اس کے لیے یوں نہ کہو کہ یہ جادو ہے یا یہ معنے ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ اور باطل معبودوں کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

حل لغات: افترا بمعنے عمداً جھوٹی بات بیان کرنا۔

ف: تاویل میں ہے کہ موسےٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو فرمایا کہ تمھارے لیے افسوس، تم اللہ تعالےٰ پر افترا نہ کرو یعنے معجزہ کا مقابلہ جادو لاکر، یوں نہ کہو کہ یہ جادو بھی معجزہ کی طرح ہے یا جیسے اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام کو معجزات دیئے تمھیں یہ جادو بھی اللہ تعالےٰ سے عطا ہوئے ہیں۔

فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ، تو وہ تمھیں عذاب میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کرے یعنے تمھاری جڑ کاٹ دے گا۔

حل لغات: اسحت الشی اعدمہ واستاصلہ یعنے اسے مٹا دے اور جڑ سے اکھاڑ دے اور اتنی بڑی قدرت والا

ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

وَقَدْ خَابَ۔ الخیبۃ سے ہے بمعنے مقصد کا فوت ہونا یعنے بے بہرہ اور نا امید ہونا۔ مَنِ افْتَرٰی ○ جس نے افترا کیا۔

فَتَنَازَعُوْٓا، پس وہ جادوگر موسٰے علیہ السلام کا کلام سن کر جھگڑ پڑے کیونکہ انھیں موسٰے علیہ السلام کا کلام سخت لگا تو آپس میں موسٰی علیہ السلام پر غلبہ پانے کے لیے مشورے کرنے لگ گئے۔ بَیْنَهُمْ، آپس میں غلبہ پانے کے دلائل سوچنے لگے لیکن مشورے میں الجھ گئے اور کوئی بات انھیں سمجھ میں نہ آرہی تھی مختلف آرا، پیش کر کے آپس میں جھگڑنے لگے۔

ف: المفردات میں ہے کہ تنازعوا کا مادہ نزع القوس عن کبدہ ہے تنازع و منازعۃ بمعنے مجاذبۃ ہے بمعنے مخاصمت و مجادلت۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی ○ اور اپنے مشورہ کو موسٰی علیہ السلام نے مخفی رکھنے کی کوشش کی تاکہ وہ ان کے مشورہ سے آگاہ ہو کر مدافعت نہ کریں۔

حل لغات النجوٰی پوشیدہ راز۔ دراصل مصدر ہے مثلاً کہا جاتا ہے "ناجیتہ بمعنے ساورتہ" یہ ارتحلوا بہ فی نجوۃ من الارض سے ہے اور "نجوٰی" اس اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے جو اپنی اونچائی کی وجہ سے اپنے اردگرد کی زمین سے علیحدہ ہو بعض نے کہا یہ نجاۃ سے ہے بمعنے کسی شے کے چھٹکارا کے لیے تعاون کرنا یا ان تنجو بسرك من ان یطلع عنیہ سے ہے اور ان کے راز نہانی کا مضمون یہ تھا:

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ، انھوں نے کہا کہ بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں۔ اور یہ اَن مخففہ من الثقلہ ہے اور لام اس لیے لائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اَن مخففہ ہے نافیہ نہیں اور هٰذان کے مشار الیہ حضرت موسٰی و حضرت ہارون علیہما السلام ہیں۔

اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ، یہ کہ وہ تمھیں تمھاری زمین سے باہر نکال دیں۔

ف: یہاں پر ارض سے ملک مصر مراد ہے یعنے وہ تم پر غلبہ و استیلاء پر تمھیں باہر نکال پھینکیں گے یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔

بِسِحْرِهِمَا، اپنے اس جادو کے ذریعہ جو بھی ظاہر کیا ہے۔

وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰی ○ المثلی، امثل کی تانیث ہے بمعنے اشرف یعنے یہ دونوں تمھارا مذہب جو تمام مذاہب سے اشرف و اعلٰی کو مٹا دیں گے کیونکہ جب ان کا مذہب غلبہ پائے گا تو لازماً تمھارا مذہب مٹ کر رہ جائے گا۔

ف: طریقۃ مثلی سے فرعون کی قوم کا مذہب مراد ہے۔ چنانچہ "انی اخاف ان یبدل دینکم" مجھے خوف ہے کہ وہ تمھارا دین تبدیل نہ کر دے۔ اس سے طریقۃ السحر مراد نہیں کیونکہ وہ جادو کو مذہب نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ ایک فن ہے۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے مذہب کو افضل اس لیے کہا کہ وہ اپنے مذہب سے خوش و مسرور تھے اور اسی سے ان کے قلوب مطمئن تھے۔ کما قال تعالٰی:

كل حزب بما لديهم فرحون۔ ہر گروہ اپنے مذہب پر خوش رہتا ہے۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ الطریق سے ہر وہ راستہ مراد ہے جو پاؤں سے طے کیا جاتا ہے کما قال :

فاجعل لهم طريقا فى البحر يبسا۔ پس ان کے لیے دریاؤں میں خشک راستے بنائیے۔

پھر استعارۃً ہر اس مسلک کو کہا جاتا ہے جس پر کسی فعل میں انسان گامزن ہو خواہ وہ محمود ہو یا مذموم جیسے و يذهبا بطريقتكم المثلى، اس میں المثلی بمعنے وہ شے جو فضیلت کے زیادہ مشابہ ہو۔

فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ. فاء فصیحیہ ہے اور اجمعوا الاجماع سے ہے۔ کہا جاتا ہے : اجمع الامر، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی امر مستحکم کیا جائے اور اس کے عمل میں لانے کا پختہ ارادہ ہو اور اس کا حقیقی معنے ہے کہ مختلف آرا کا ایک معنے پر اکٹھا ہو جانا جیسے مشہور کلیہ ہے :

"اجمع المسلمون"

یا کہتے ہیں :

اجتمعت اٰراؤهم عليه۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ یہ دراصل آرار کے مجموعہ کا نام ہے جن کے ذریعے تدبیر و فکرۃ کو حاصل کیا جا سکے۔

اب معنے یہ ہوا کہ جب یقین ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام جادوگر ہیں تو پھر ان دونوں بھائیوں کا منشا یہی ہے کہ وہ تمہیں اپنے شہر سے نکال کر اپنا قبضہ جمالیں تو پھر تم کسی ایک تدبیر پر جم جاؤ اور اس کے مقابلہ کے لیے پورا زور لگاؤ لیکن کسی ایک خاص اور اچھی تدبیر پر اتفاق کر لو کہ جس سے کسی کو مخالفت نہ ہو، ایسے کہ ایک ہی کمان سے سب کے تیر چھوٹ کر ایک ہی نشان پر لگیں۔

ف : بعض قرأتوں میں فاجمعوا جمع مذکر ماضی کا صیغہ ہے یا فجمع کیده سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یعنی ان سب نے اپنی تدبیر بنائی اور جادو کے جملہ کرتب اکٹھے کیے۔

ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا ۚ پھر تم وعدے کی جگہ پر جمع ہو کر آؤ تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر ہیبت طاری ہو اس طرح سے تمھارا کام مضبوط تر ہوگا۔ چنانچہ فرعون کے کہنے پر جماعتیں بنا کر جمع ہوتے ہر جماعت میں ہزار آدمی تھے اور کل (ستر) جماعتیں ہوئیں۔ اس معنے پر ستر ہزار جادوگر جمع کیے گئے۔

الصف بمعنے شے کا خط استوار پر کھڑا ہونا جیسے لوگوں کا صف باندھنا اور درختوں کی قطار وغیرہ وغیرہ اور کبھی صف بمعنے صاف بھی آتا ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ وہ میدان بہت زیادہ وسیع تھا جہاں موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ جادوگروں کے ساتھ ہوا۔ وہاں پر تماشہ دیکھنے کے لیے ملک کے اطراف سے لوگ ٹوٹ پڑے۔

الارشاد میں ہے کہ جب ایک کنارے سے آتے تو منتشر ہو گئے، پھر فرعون نے حکم صادر کیا کہ درمیان میں سب مل کر آؤ۔

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝ بے شک آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہو گیا۔

حل لغات افلح کا مادہ الفلاح ہے بمعنے الظفر و ادراک البغیۃ کامیابی اور مطلب کو حاصل کر لینا۔ الاستعلاء کبھی طلب العلو المذموم کے لیے آتا ہے اور کبھی بمعنے طلب العلاء یعنے الرفعۃ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت میں دونوں معانی محتمل سے ہیں یعنے جو غالب ہوا وہ مطلب پا گیا اور لوگوں میں عالی مرتبت سمجھا جائے گا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ مطلوب حاصل کرنے سے فرعون کا وہ وعدہ ہے جو اس نے کامیابی پر جادوگروں کو اپنا مقرب بنانے کا کیا تھا اور انعام کثیر کا لالچ دیا تھا ان میں سے سارے غالب ہو جائیں یا بعض تاکہ وہ مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق الارشاد میں ہے کہ وہ علوم واسباب جن کا حصول منع ہے جیسے جادو وغیرہ۔ ایسے ہی وہ امور جن سے قرب دنیا اور اس کے منافع جمع کرنا مطلوب ہے اور بہشت اور اس کے انعامات مطلوب نہیں اور نہ ہی اللہ تعالٰی کی رضا مدنظر ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح

ہر عمل اللہ تعالٰی کے ہاں پہنچتا ہے' جب اس عمل سے صرف دنیوی ضرورت مقصود ہے یا ان امور سے کہ جن سے شرع پاک نے روکا ہے درجات اخروی یا مراتب معنوی حاصل کرنا ہے تو ان امور و علوم و فنون کی سعی ضائع ہے اور نہ ہی اس میں فلاح اور اس میں محنت اور دکھ اٹھانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

منکرین اولیاء ارباب تقلید یعنے منکرین اولیاء فرعون اور جادوگروں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں کیونکہ وہ اہل تحقیق یعنے اولیاء کرام اور ان کے ماننے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہی لوگ ہیں جو عوام کو بلند مراتب دنیوی کے حصول سے روکتے ہیں اور عوام کی نظروں میں مقبول و مرغوب ہونے سے منع کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ عوام ان سے دور رہیں اور بادشاہوں اور امراء کے ہاں جانے سے بھی دور رکھنے کے درپے ہیں اور مالداروں کے تو یہ دشمن ہیں غرضیکہ ایسے لوگ اولیاء اللہ سے بدظن کرنے میں طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے نور کو پھونک مار کر بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالٰی کا ارادہ ہے کہ اس کے پیاروں کے انوار تا قیامت چمکتے رہیں اگرچہ شرک خفی میں مبتلا ہونے والے نہ چاہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎ ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او

سلہ : کسی نے اس مضمون کی ترجمانی یوں کی ہے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبولاں ہرگز نمیرد

ترجمہ: جو بھی اللہ تعالیٰ کی شمع کو بجھانے کے لیے اس پر پھونک مارتا ہے شمع نے کیا بجھنا ہے الٹا اس کی ناک جل جائے گی۔

ف: سورج کو اللہ تعالیٰ نے بلندی پر بنایا اب کسے طاقت ہے کہ وہ اسے نیچے گرا سکے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے مٹی (زمین) کو سفلی بنایا ہے اب کون ہے جو اسے علوی بنا سکے۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

پستست قدر سفلہ اگر خود کلاہ جاہ
بر اوج سلطنت زند از گردش زمان
سفلیست خاک اگرچہ نہ بر مقتضائے طبع
ہمراہ گرد باد کشد سر بر آسمان

ترجمہ: کمینے کا درجہ پست ہے اگرچہ اس کا مرتبہ آسمانوں سے اوپر چلا جاتے۔ جیسے مٹی کا اصل مرتبہ تو نیچے کا ہے لیکن ہوا اسے گرد و غبار بنا کر آسمان کی طرف اڑا کر لے جاتی ہے۔ (تو اس سے گرد کا مرتبہ بلند نہ سمجھا جائے گا)۔

ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہل سعادت و اہل فلاح سے بنائے۔

قَالُوْا ۔ اجماع اور اتیان (آنے) کے بعد جادوگروں نے کہا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ جادوگروں نے تیس ہزار رسیاں اور ڈنڈے درمیان سے کھوکھلا کرکے ان پر کالا تیل لگا کر لائے لیکن ازراہِ ادب موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی:

یٰمُوْسٰی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ ۔ الالقاء یعنے شے کو نیچے اس طرح گرانا کہ اسے دیکھا جا سکے۔ اب ہر نیچے گرنے والی شے پر طرح کا لفظ استعمال ہوتا ہے یعنے اسے موسیٰ (علیہ السلام)، آپ اپنا عصا زمین پر ڈالیں گے۔ **وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی** ۝ یا ہم اپنے ڈنڈے اور رسیاں ڈالیں۔ ان اور ان ما بعد فعل مضمر سے منصوب ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہو کر مرفوع ہے۔ پہلی ترکیب پر معنے ہوگا۔ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو ڈالنے کو اختیار فرماتیے یا نہ۔ دوسری ترکیب کا القاء آپ کا یا امر آپ کا یا ہمارا۔

موسیٰ علیہ السلام کے آدب کا صلہ اس میں اشارہ ہے کہ جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام تقدیم و اختیار کا کہہ کر اعزاز دیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے صدقے انھیں ایمان حقیقی عطا فرمایا۔ اسی لیے انھوں نے نورِ ایمان سے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو انھیں حقیقی ایمان نصیب ہوا۔ ان کا تقلیدی ایمان نہیں تھا یہی حقیقت ہے قول حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کی جب کہ حدیث قدسی میں فرمایا:

من تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعا۔ جو میرے پاس ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔

ف: جب وہ اللہ تعالٰے کے ایک نبی علیہ السلام کی عزت کرکے اللہ تعالٰے کے قریب ہوئے تو اللہ تعالٰے نے انھیں ایمان حقیقی کے قرب سے نوازا۔

قَالَ موسٰے علیہ السلام نے فرمایا۔ بَلْ اَلْقُوْا بلکہ پہلے تم ڈالو۔

ف: اللہ تعالٰے نے جادوگروں کے دلوں میں القار فرمایا کہ وہ موسٰی علیہ السلام کو اختیار کا عرض کریں اور موسٰے علیہ السلام کو علم عطا فرما دیا کہ پہلے وہ ڈنڈے اور رسیاں ڈالیں تاکہ حق و باطل کا امتیاز ہو سکے وہ اس طرح سے کہ پہلے اپنا زور لگالے پھر حق آئے گا تو باطل مٹ جائے گا۔ اگر موسٰے علیہ السلام پہلے سے ہی اپنا عصا ڈال کر اژدہا بناتے تو لوگ اس سے ڈر کے مارے بھاگ جاتے جیسا کہ بعد میں عصائے موسٰی علیہ السلام نے جادوگروں کی رسیوں اور ڈنڈوں کو نگلا تو تمام لوگ بھاگ گئے تھے۔ اور یہ مقصد کے خلاف تھا۔

سوال: امام فخر الدین نے فرمایا کہ موسٰے علیہ السلام نے انھیں حکم کیوں فرمایا جب کہ وہ کافر و ساحر تھے؟

جواب (۱): جب آپ پر منکشف ہو گیا کہ شبہات کا ازالہ یوں ہوگا کہ پہلے وہی اپنا جادو دکھائیں اور ایسی ضرورت پر کافر و ساحر کو ایسا حکم کرنا جائز ہے۔

جواب (۲): الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہ وہ امر نہیں جس سے کسی کی تعظیم و تکریم مطلوب ہو بلکہ یہ امر اہانت کے لیے ہوتا ہے اور وہ بھی اسی نیت سے تھا کہ حق کا اظہار اور باطل کا بطلان کھل کر سامنے آئے۔

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فاء فصیحیہ اور اذا مفاجاتیہ ظرفیہ ہے۔ حبال۔ حبل کی جمع ہے بمعنے رسی اور عصی۔ عصا کی جمع ہے۔ یخیل تخییل سے ہے بمعنے شے کا تصور دل میں لایا اور تخیل بمعنے شے کا تصور اور خیال صورت مجردہ جیسے وہ خواب جو نیند میں متصور ہو کر محسوس ہوتا ہے یا شیشے میں ایک صورت نظر آتی ہے یا شے کے دیکھنے کے بعد اس کے غائب ہونے پر دل میں صورت متصور ہوتی ہے پھر ہر متصور شے کے تصور پر استعمال ہونے لگا اور اس شخص رفیق پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو بمنزلہ خیال کے دل متصور ہوتا ہے۔ انها تسعی، یخیل کا نائب فعل ہے اور السعی بمعنے جلدی چلنا جو دوڑ لگانے سے کچھ مشابہ ہوتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ جب انھوں نے رسیاں اور ڈنڈے زمین پر ڈالے تو اچانک موسٰے علیہ السلام کو خیال گذرا کہ یہ رسیاں اور ڈنڈے ان کے جادو کے اثر سے دوڑ رہے ہیں۔ دراصل وجہ یہ تھی کہ جادوگروں نے رسیوں اور ڈنڈوں پر کالا تیل لگایا ہوا تھا جب انھیں دھوپ لگی تو تیل کے پگھلنے پر محسوس ہوا کہ سانپ دوڑ رہے ہیں۔

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝

حل لغات: الوجس بمعنے دھیمی آواز اور التوجس بمعنے وہی دھیمی آواز سننا اور الایجاس اسی دھیمی آواز کا دل میں ہونا۔ الخیفۃ بمعنے وہ کیفیت جو انسان کو خوف کے وقت طاری ہو اور یہ اوجس کا مفعول بہ ہے اور موسٰی اس کا فاعل ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ موسٰی علیہ السلام کو خوف محسوس ہوا جب انھوں نے اچانک دیکھا کہ یہ رسیاں اور ڈنڈے سانپ بن گئے اور یہ

بشریت کا فطری تقاضا ہے کہ وہ ایسی ضرررساں اشیاء سے خوفزدہ ہو۔

[وہابیہ کا الزام اور اس کا جواب[1] وہابی دیوبندی کہہ دیتے ہیں کہ موسٰی علیہ السلام ان سانپوں سے ڈر گئے تھے فلہٰذا وہ بھی عام بشر تھے ورنہ ڈرنے کا کیا معنے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو ان کا یہ خوف خیالی تھا جیسا کہ فی نفسہ آیت کا کلمہ واضح دلیل ہے اور یہ وہ ڈر نہیں تھا کہ ہماری طرح سانپوں سے ڈر کر بھاگے ہوں یا لرزہ براندام تھے یا اس خوف احساس ان سے ظاہر ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کے اس خوف کو خطرات نفس سے تعبیر کیا گیا۔ مفسرین نے تو آپ کے قلب تک احساس احساس کے بھی قائل نہیں۔ چہ جائیکہ اسے عام بشروں جیسا خوف مانا جائے چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے تصریح فرمائی:

لانہ من خطرات النفس لا من القلب

اور یہ تو الٹا ان کی نبوی شجاعت کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ اتنا سخت جملہ۔ موسٰی علیہ السلام آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن اسے دل میں نہیں بلکہ مضبوط چٹان بن کر نہایت اطمینان و سکون سے کھڑے ہیں۔

جواب(۲): آیت میں خوف کا ذکر تو ہے لیکن اس کا ذکر نہیں کہ آپ کے خوف کی علت اور سبب کیا تھا اپنی طرف سبب و علت بتانا قرآن مجید پر اضافہ ہے اور ایسے اضافے تحریف کے مترادف ہیں۔ البتہ مفسرین نے جس علت و سبب کو بتایا ہے وہ ماننا قرآن کی عین مراد ہے چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا:

وفی الحقیقۃ ان اللہ تعالٰی البس السحر لباس القھر فخاف موسٰی من قھر اللہ لا من غیرہ لانہ لا یأمن من مکر اللہ الا القوم الفاسقون[2]	درحقیقت اللہ تعالےٰ نے جادو کو اپنے قہر کا لباس پہنا کر دیکھا تو موسٰی علیہ السلام قہر الٰہی سے ڈرے نہ کہ کسی اور شے سے قہر الٰہی سے فاسق نہیں ڈرتے اللہ والوں کو ہر وقت اس کا ڈر رہتا ہے۔]

فقیر (حقی) کہتا ہے

چون خدا خواہد شود ہر برگ خار
رشتۂ باریک در چشم عین مار
برگ لرزاں آب ریزاں از الم!
چون نمی ترسم ز قہر کردگار

ترجمہ: جب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ ہر پتہ کانٹا ہو جاتے اور وہ باریک ماگہ ہو کر سانپ کی آنکھ میں ڈال دیتا ہے تو وہ

---

[1]: وہابیہ کا الزام — اضافہ از اویسی۔

[2]: روح البیان جلد ۵، صفحہ ۴۰۲۔

کچھ نہیں کرسکتا۔

پتے لرزتے ہیں پانی گرتا ہے تو درد سے ڈرتے ہیں تو پھر ہم قہر کردگار سے کیوں نہ ڈریں۔

قُلۡنَا لَا تَخَفۡ ہم نے کہا خوف نہ کیجئے اس سے جس کا آپ کو خیال ہے۔ **اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى**○ اس لیے کہ آپ غالب وقاہر ہیں اور ہم آپ کے جملہ احوال میں ہم آپ کے ساتھ ہیں کیونکہ آپ کا مسبب پر سہارا ہے اور ان کا اسباب پر۔ نیز آپ کے پاس ہماری آیات کبریٰ ہیں اور درحقیقت آپ کی حفاظت کے لیے یہی حفاظت کافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ خوف بشریت جبلت انسانی میں مرکوز ہے اگرچہ نبی (علیہ السلام) ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسے مٹا ڈالے اپنے قول ربانی سے۔ کما قال:

قلنا لاتخف انك انت الاعلی۔

تو وہ خوف سرے سے نبیؑ سے ختم ہوجاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا کہ آپ بلند ہیں یعنے آپ ایسے بلند مرتبہ ہیں کہ آپ سوائے خالق کے مخلوق سے نہیں ڈرتے۔

دوسری تقریر اس کا معنے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ مکونات سے نہیں ڈرتے بلکہ مکون یعنے خالق سے ڈرتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوا جب آپ نے دیکھا کہ ان کا عصا سانپ بن کر جادوگروں کے ڈنڈوں اور رسیوں کو نگل رہا ہے تو آپ نے سمجھا کہ یہ اژدہا مظہر قہر یزدان ہے اسی لیے وہ اس قہر ربانی سے ڈر رہے تھے نہ تو سانپوں سے ڈرے اور نہ اژدہا سے۔ اسی لیے فرمایا:

"لا تخف انك انت الاعلی"

یعنے آپ میرے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے ہیں اور یہ عصا آپ سے منسوب ہے آپ میرے رسول اور کلیم ہیں اور میں نے آپ کو صرف اپنے لیے منتخب کیا ہے اگرچہ یہ مظہر قہر ہے تو آپ میرے لطف وکرم کے مظہر ہیں اور قہر کے مظہر بھی ہیں۔

تفسیر عالمانہ **وَاَلۡقِ مَا فِىۡ يَمِيۡنِكَ** اور اسے ڈال دیجئے جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ما کا لفظ ابہام ہے اور یہ ابہام تفخیم شان کے لیے ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ عصا دوسروں جیسا نہیں کیونکہ اس میں آثار عزیبہ ہیں۔ **تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا**" تلقف کا مجزوم ہونا امر کے جواب کی وجہ سے ہے۔

حل لغات: یہ لقفہ سے ہے از باب سمع لقفًا بسکون القاف وفتحھا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے کسی دوسری شئے کو نگل جائے اور جلدی سے اسے لقمہ بنالے۔

ف: المفردات میں ہے:

لقفت الشیٔ وتلقفتہ بمعنے تناولتہ بالحذف یعنے میں نے اسے جھٹکے سے لیا۔ یہ لینا منہ سے ہو یا ہاتھ سے۔ اور مؤنث کا صیغہ ما موصولہ کے لیے عصا کی طرف کی وجہ ہے۔

الصنع بمعنے فعل اچھا کرکے کرنا اس اعتبار سے ہر فعل کو صنع کہہ سکتے ہیں لیکن ہر صنع فعل نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی صنع کو

حیوانات وجمادات کی طرح اسناد کیا جاتا ہے بخلاف فعل کے کہ وہ ان کی طرف سند ہوتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام نے نگل لیا ان کے ان ڈنڈوں اور رسیوں کو جو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں سانپ بنا کر دکھائے۔

ف: ان کے اس فعل کو صنع سے تعبیر کرنا ان کے اس فعل کی تحقیر مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ یہ کام ان کا بناوٹی اور مکر وفریب پر مبنی تھا یعنے انھوں نے جعل سازی اور دھوکہ بازی کی تھی۔

اِنَّمَا صَنَعُوْا۔ ما موصولہ یا موصوفہ ہے۔ پہلے کا معنے یہ ہے کہ بے شک وہ جو انھوں نے کیا۔ دوسرے کا معنے یہ ہے بیشک وہ ایک شے ایسی تھی جو انھوں نے دکھلائی۔ کَیْدُ سٰحِرٍ افرع ہے اور ان کی خبر ہے یعنے ساحر کے مکر وحیلہ کی جنس سے اس کا نکرہ ہونا مضاف الیہ منکر کا وسیلہ ہے۔ تحقیراً ایسا لایا ہے۔ الکید حیلے کی ایک قسم ہے اور محمود بھی ہوتا ہے مذموم بھی، لیکن اکثر مذموم کے لیے مستعمل ہے۔ ایسے ہی استدراج ومکر وفریب کا حال ہے۔ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ اور ایسے جادو کبھی کامیابی نہیں پاتے۔ حَیْثُ اَتٰی ○ زمین کے جس حصے سے آئیں اور جس طرح کے جادو دکھائیں۔ یہ تفصیل کا تتمہ ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جو تیرے ہاتھ میں ہے وہ میرا بنایا ہوا اور میری تدبیر ہے کہ اور جو وہ لائے ہیں وہ ان کی صنعت اور تدبیر ہے اور میری صنعت وتدبیر مضبوط ہے اسی لیے جادوگر کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

فلاح کی اقسام: فلاح دو قسم کی ہے:

① دنیوی یعنے وہ کامیابی جو سعادت پر مشتمل ہے جس سے دنیوی زندگی راحت وسرور سے بسر ہو یعنے بقار، غنا، عزت۔

② اخروی، اور وہ چار قسم کی ہے:

○ بقا بلا فنا

○ غنا بلا فقر

○ عزت بلا ذلت

○ علم بلا جہل

اہل دنیا کی فلاح نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ اس کا انجام خبیثہ وخسران ہے مثلاً کوئی شاگرد استاد سے بات سن کر اس پر اعتراضاً کہے کہ ایسے کیوں؟ تو وہ مارا گیا ایسا شاگرد کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ ہم نے بہت سے شاگردوں کو دیکھا ہے کہ بڑے عیش وآرام اور ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرتے رہے لیکن آخر میں بڑے خساروں اور نقصانات سے دوچار ہوئے۔ ایسے ہی دوسرے مخالفین ومنکرین کا حال ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ جادوگر اگر حاکم کے ہاں گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہے اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ (یعنے سزا دی جائے آخرت کا معاملہ اللہ تعالےٰ پر چھوڑا جائے اگر وہ تہِ دل سے توبہ کرے گا

تو اللہ تعالےٰ بخش دے گا وہ غفور رحیم ہے۔

مسئلہ شیخ اکمل کی شرح مشارق الانوار میں ہے کہ محمد بن شجاع حضرت حسن بن زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ جب معلوم ہو کہ فلاں جادوگر ہے اسے قتل کردے اس کی توبہ کو نہ مانے۔ (جب کہ قتل کرنے والا حاکم وقت ہو) اور نہ ہی اس کی سنے کہ میں اب جادو کا دھندا چھوڑ دوں گا اور نہ دل سے تائب ہوتا ہوں۔

مسئلہ: جو شخص اپنے جادوگر ہونے کا اقرار کرے اسے قتل کر دینا جائز ہے (لیکن حاکم وقت کو)۔

مسئلہ: جس پر دو معتبر گواہ گواہی دیں کہ فلاں جادوگر ہے ان گواہوں سے سوال کیا جائے کہ جادو کیا ہے وہ جادو کا طریقہ بھی بتا سکیں یعنے انھیں علم ہو کہ واقعی جادو یوں ہوتا ہے، تو ایسے شخص کو قتل کر جاتے۔ اگر توبہ کرے تو توبہ قبول نہ ہوگی یعنے تعزیر ضرور ہوگی، اگر اللہ تعالےٰ اس کی توبہ قبول کرلے تو وہ مالک ہے لیکن ایسا شخص دنیوی سزا سے نہ بچ سکے گا۔

مسئلہ: فتاویٰ قاری الہدایہ میں ہے کہ ’زندیق‘ وہ ہے جو دہر کی بقاء کا قائل ہو۔ [یعنے دہریہ کمیونسٹ] اور نہ وہ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور نہ یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ خالق ہے اور کہتا ہے کہ حلال و حرام کچھ نہیں، یہ دونوں برابر ہیں۔

سحر کی تحقیق:

شرح الطریقہ میں ہے:

لغت میں سحر لطیف و دقیق شے کو کہا جاتا ہے اسی لیے صبح کاذب کو سحر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من البیان لسحرا — بے شک بعض بیان میں سحر ہے۔

از باب منع۔ اور اصطلاح شرح میں باطل کو حق کی شکل وصورت میں دکھانا۔ اور یہ امر ہمارے نزدیک ثابت ہے۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

السحر حق والعین حق — جادو اور نظر بد حق ہے۔

شرح الامالی میں ہے کہ سحر از سحر یسحر سحرًا سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے دھوکا کرے اور اسے مدہوش و متحیر بنادے یہ اس لیے ہے کہ جادوگر دوسرے کے ساتھ ایسا کام کرتا ہے جس کے ادراک سے وہ عاجز ہے۔

ف: کتاب اختلاف الائمہ میں ہے کہ سحر اس جھاڑ منتر عزیمہ اور عقد کا نام ہے جو ابدان وقلوب پر اثر انداز ہو کر بیمار بنا دیں یا قتل کر ڈالیں اور عورت و مرد کے درمیان جدائی ڈالیں (طلاق ہو جائے)۔ اور ہمارے ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کی حقیقت ثابت ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور ایسے ہی ابوجعفر استرآباد (شافعی المذہب) نے فرمایا۔

ف: شرح المقاصد میں ہے کہ نفس شریر خبیث اعمال مخصوص کو عمل میں لا کر خارق للعادۃ امر کو ظاہر کرنے کا نام سحر ہے اور یہ تعلیم و تعلم سے حاصل ہوتا ہے اس قید کو معجزہ و کرامت کو جادو نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ وہ بھی اگرچہ خارقاً للعادۃ صادر ہوتے ہیں لیکن ان میں تعلیم و تعلم کو دخل نہیں۔ جادو کے لیے دیگر شرائط بھی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(۱) طلب کرنے پرضروری نہیں کہ فوراً عمل میں لایا جاتے بخلاف کرامت ومعجزہ کے کہ وہ صاحب کرامت و معجزہ سے حسب طلب صادر ہو جاتے ہیں۔

(۲) سحر زمانہ اور مکان خاص کا محتاج ہے لیکن کرامت ومعجزہ کو زماں ومکاں کی ضرورت نہیں۔

(۳) دیگر چند اور شرائط جن کا جادو محتاج ہے، کا ہونا ضروری ہے کرامت ومعجزات شرائط کے محتاج نہیں۔

(۴) جادو کا معارضہ ہو سکتا ہے کرامت ومعجزہ کا کوئی تعارض نہیں کر سکتا۔

(۵) جادو کی مثل جد وجہد کر کے لائی جاسکتی ہے کرامت ومعجزہ جد وجہد کا محتاج نہیں۔

(۶) جادوگر فسق وفجور کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے علانیہ کرتا ہے بلکہ ظاہری باطنی نجس سے متنجس ہو تو حرج نہیں ایسے ہی اسے دنیوی واخروی رسوائی کا سامنا ہونا ممکن ہے بخلاف صاحبان کرامات اور معجزات کے کہ وہ ہمیشہ نیکی پر عامل اور ظاہراً و باطناً پاک وصاف رہتے اور دنیوی واخروی رسوائی کی بجائے عزت و عظمت اور شان وشوکت پاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک جادو کی ایک حقیقت ہے جو عقلاً ونقلاً ثابت ہے۔ ایسے نظر بد کی بھی ایک حقیقت ہے اور وہ بھی عقلاً ونقلاً ثابت ہے۔

معتزلہ کا مذہب اور اس کی تردید معتزلہ کہتے ہیں کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے تو وہ شعبدہ بازی کی طرح ہے، جادوگر ہاتھ کی صفائی یا معمولی دھوکہ وفریب سے دیکھنے والے کو حیران کن امر دکھاتا ہے۔

ان کے رد میں ہمارے پاس دلائل ہیں منجملہ ان کے دو یہ ہیں:

(۱) وہ فی نفسہ امر ممکن اور قدرت ایزدی کی تخلیق پر مشتمل ہے کیونکہ وہی ہر شے کا خالق ہے اور بندہ (ساحر) کو کاسب محض ہے اس کے وجود کے تمام فقہاء قائل ہیں صرف اس کے حکم میں مختلف ہیں۔

(۲) قرآن مجید میں اس کے وجود کی تصریح ہے کما قال:

یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت.	وہ لوگوں کو جادو سکھاتے اور وہ جو بابل میں دو فرشتوں یعنے ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا۔

اور فرمایا:

ویتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ	اور لوگ ان سے وہ باتیں سیکھتے تھے جو مرد اور عورت کے درمیان جدائی ڈالے۔

سوال: آیت یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کوئی وجود نہیں وہ صرف ایک خیالی

بات تھی جس پر موسےٰ علیہ السلام کو آگاہ کیا گیا ؟

جواب : یہی تو ہماری دلیل ہے اس لیے کہ یہی خیالی بات کا پیدا ہو جانا بھی ان کے جادو سے ہی تو تھا جس کی وجہ سے وہ خیال پیدا ہوا اور اس تخییل سے کب لازم آیا کہ اس کی کوئی حقیقت بھی نہیں ۔

سحر کی اقسام : جادو کی پانچ مشہور اقسام یہ ہیں :

① طلسم :

بعض نے کہا ہے کہ یہ مسلط کا مقلوب ہے جمیع آثار سماویہ مع عقاقیر الارض کو مسلط کہا جاتا ہے ان کے اجتماع سے عجائب و غرائب ظاہر ہوتے ہیں ۔

② نیرنج :

بعض نے کہا ہے کہ یہ نیرنگ کا معرب ہے بمعنے تمویہ و تخییل ۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان کے جواہر کے آگے [illegible] کے ملانے سے عجائب و غرائب ظاہر ہونے کا نام نیرنج ہے ۔

③ رقیہ :

یعنے افسوں (منتر) اَب سوں کا معرب ہے یعنے پانی میں پھونک مارنا اور یہ اس نام سے اس لیے موسوم ہے کہ اس قسم کے لوگ پانی پر کوئی شے (غلط کلمات) دم کر کے پلاتے ہیں یا بیمار وغیرہ پر ڈالتے تھے اور اسے رقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کلمات پھونک مارنے والے کے سینے سے نکلتے ہیں ، بعض کلمات فلویہ (بولی) بعض قبطیہ بعض بلا معنی تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کلمات انھوں نے جنات سے سیکھے ہیں یا انھیں خواب میں بتائے گئے ہیں ۔

(اب کون سر پھرا ہوگا جو قرآنی آیات یا بزرگوں کے بتائے ہوئے ذو معنی کلمات کے دم کرنے جھاڑ پھونک کو اس رقیہ میں شامل کر کے شرک کا فتویٰ لگا کر اپنا انجام برباد کرے گا ؟)[1]

④ الفقیرات :

یہ چند لکیروں کا نام ہے جن پر حروف و اشکال بنائے جاتے ہیں یعنے حلقے اور دائرے کھینچتے ہیں ۔ اس میں ان کا عقیدہ تھا کہ انھی لکیروں اور دائروں میں تاثیریں ہیں ۔

(تعویذات و عملیات کے دائرے اس میں شامل نہیں جا سکتے کیونکہ وہ تعویذات اور دائرے آیات قرآنی اور الفاظ مبارکہ پر مشتمل ہوتے ہیں یا ان کے اعداد ، ابجد)[2]

---

[1] :- اضافہ از اویسی نیز مزید تفصیل کے لیے مترجم کی کتاب "مجربات قرآنی" دیکھئے ۔

[2] : مترجم ۔

⑤ شعبذہ :

اسے شعوذہ بھی کہا جاتا ہے ستعباذہ کا معرب ہے۔ یہ ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف یہ علم منسوب ہے یہ بھی چند خیالات پر مشتمل ہے کہ ہاتھ کی صفائی اور آنکھ کی گرفت سے اشیاء کی تقلیب پر صادر ہوتے ہیں۔

مسئلہ : ان امور کے صدور پر تاثیر منجانب اللہ ہوتی ہے کیونکہ اجرائے عادت پر اللہ تعالٰے فعل کو پیدا فرماتا ہے اور اس کی حکمت صرف وہی جانتا ہے۔

ازالۂ وہم شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ شریف میں لکھا کہ وہ تاثیر جو حروف اور اسماء الٰہیہ سے پیدا ہوتی ہے وہ بھی کرامات سے ہے کیونکہ ایسی تاثیرات اللہ تعالٰے کے مخصوص بندوں سے ظاہر ہو سکتی ہیں ہر ایک کو قدرت حاصل نہیں کہ اشیاء کے خواص نکال سکے۔

(یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اولیاء کرام و علمائے عظام کے تعویذات اور عملیات اور ان کے دم درود وغیرہ کے قائل ہیں اور اللہ تعالٰے اپنے فضل و کرم سے شفا دیتا ہے)[1]

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ۔ فاء فصیحیہ ہے یعنے جب موسٰے علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو ہوا سو ہوا یعنے جادوگروں کے ڈنڈے اور رسیوں کو نگل گیا تو پھر جادوگر گر گئے درانحالیکہ **سُجَّدًا**، سجدہ ریز تھے گویا وہ لکڑی کی طرح گر پڑے۔

ف : حضرت موسٰے علیہ السلام نے جب عصا زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا اور منہ کھولا تو جادوگروں کے تمام سازوسامان کو ہڑپ کر گیا جسے لوگ دیکھ کر خوفزدہ ہو کر دوڑے۔ موسٰی علیہ السلام نے اسے واپس لوٹایا تو وہ بدستور عصا تھا۔ جادوگروں نے سمجھا کہ یہ جادو نہیں کیونکہ جادو کا دوسرے جادو پر اثر نہیں ہو سکتا فلہٰذا یقیناً یہ قدرت ایزدی ہے موسٰی علیہ السلام کا معجزہ ہے اسی لیے فوراً سجدہ میں گر گئے۔

ف : ان کے اس گرنے کو القاء سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ ان کا ان کے جادو کے اسباب کے گرنے سے مشاکلت ہو۔

ف : مروی ہے کہ جادوگروں کے بڑے نے کہا کہ ہم لوگوں پر جب غلبہ پاتے تو ہمارے ڈنڈے اور رسیاں بچ جاتی تھیں لیکن یہاں تو ہمارے بالمقابل کا اژدہا انھیں ہڑپ کر گیا اگر یہ جادو ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اژدہا قدرت ایزدی کا کرشمہ اور موسٰے علیہ السلام کا معجزہ ہے فلہٰذا ہمیں اپنے مذہب سے تائب ہونا ہے چنانچہ یہ کہہ کر سب کے سب بارگاہ حق میں سجدہ ریز ہوئے۔

نکتہ : جار اللہ زمخشری نے لکھا کہ یہ عجیب بات ہے کہ رسیاں ڈنڈے ڈالے تھے تو کفر کی حالت میں لیکن خود گرے ایمان کی دولت سے نوازے جانے پر ان دونوں میں کتنا بڑا عظیم فرق ہے۔

قَالُوْٓا۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنے سجدے میں کہا : **اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى** ۝ ہم ہارون و موسٰی علیہما السلام

---

[1] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

کے رب پر ایمان لائے ہیں۔

نکتے: ہارونؑ کی تقدیم میں چند نکات ہیں:

① رعایت فواصل آیات۔

② چونکہ فرعون نے موسٰے علیہ السلام کو پالا تھا اگر موسٰے علیہ السلام کا ذکر پہلے ہوتا تو پھر بھی وہم رہتا کہ یہ فرعون کے بارے میں کہہ رہے ہیں اور ہارون علیہ السلام کا نام موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی وجہ سے لے رہے ہیں۔

ف: رب کی دونوں (موسٰے و ہارون علیہما السلام) کی طرف اس لیے ہے کہ وہ دونوں ہی بیک وقت داعی الی اللہ تھے اور اظہار معجزہ اگرچہ بظاہر موسٰے علیہ السلام کی طرف منسوب ہوتا ہے لیکن وہ درحقیقت ان دونوں کا تھا کیونکہ دونوں نبی (علیہما السلام) برحق تھے۔

ف: بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ جسے عالم غیب کی طرف دیکھنے کی استعداد نصیب ہوتی ہے لیکن نفس کی شرارتوں سے محجوب ہوتا ہے تو وہ استعداد اپنا کام نہیں کرتی لیکن وہ بندہ اپنے مالک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اخلاص و یقین سے اپنے رب کو دیکھتا ہے اس پر اللہ تعالٰے اپنے حضور کے انوار اور قرب کا جذب مکشوف فرماتا ہے۔ اسی معنے پر وہ جادوگر مجذوب مہتدی باللہ الی اللہ مؤمن بایمان تحقیقی سے موصوف ہوئے ان کا ایمان تقلیدی نہ تھا اور چونکہ فرعون نے برہان رب کو نہ دیکھ سکا اسی لیے دولت ایمان سے محروم رہا۔

قَالَ فرعون نے جادوگروں کو جھڑکتے ہوئے کہا۔ **اٰمَنْتُمْ لَهٗ** تم نے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کر دی۔ لام، اتباع کے تضمین کی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں بھی لام لفظ ایمان پر آتی ہے ہر جگہ بمعنے ایمان علی الغیر مراد ہوتا ہے۔ لیکن بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہاں لام بمعنے باء ہے اس لیے کہ معنے یہ ہے کہ تم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے ہو۔ چنانچہ اگلی آیت قال اٰمنتم بہ قبل ان اٰذن لکم (سورہ اعراف) اس کی قطعی دلیل موجود ہے یعنے فرعون نے کہا کہ تم میری اجازت سے پہلے ایمان لائے اٰمنتم باللہ۔ اس میں فرعون نے زجرًا و توبیخًا ان کے ایمان کی خبر دی ہے یعنے فرعون نے انھیں جھڑکا کہ تم مجھ سے اجازت لیے بغیر ایمان لے آئے اس معنے کی مثال یہ آیت ہے:

لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی (ترجمہ: میں نے تمھیں اجازت دی اور نہ میرا حکم تھا (تم نے اس کے خلاف کیوں کیا)۔

اس کا معنے یہ نہیں کہ فرعون نے انھیں اس کے بعد ایمان کی اجازت دی یا اس کے اذن کا امکان تھا۔

حل لغات: الاذن یعنے اجازت کا پتہ دینا۔ اذنتہ بکذا و اٰذنتہ کا ایک معنے ہوتا ہے یعنے اس کے مجرد و مزید میں کوئی خاص فرق نہیں۔

اِنَّهٗ یعنے وہ موسیٰ علیہ السلام۔ **لَكَبِيْرُكُمُ** تمھارے فن کا بڑا استاذ یا بہت بڑا عالم ہے۔ **الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ** جس نے تمھیں جادو سکھایا اور تم اس کے فن کے موافق ہو گئے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارا استاد و معلم اور سردار ہے اور تم چاہتے ہو کہ مل کر مجھ سے ملک چھین لو اور فرعون نے یہ اس لیے کہا تا کہ قوم اس سے باغی ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی اتباع نہ کرے حالانکہ اسے یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادو نہیں سکھایا تھا یعنے فرعون نے قوم کے خیالات تبدیل کرنے کی غرض سے ایسے کہہ دیا اور انھیں متاثر کرنا چاہا کہ ایمان لانے کے لیے بھی فرعون سے اجازت لینی پڑتی ہے اور جو ایمان اس کی اجازت کے بغیر ہوگا وہ غیر معتبر ہوگا اور مزید غلط تاثر یہ دیا تھا کہ یہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد ہیں اور ظاہر ہے کہ شاگردوں کی غلطی کبھی استاذ کی غلطی سمجھی جاتی ہے فلہٰذا تمھیں اسے قبلیو! اس سے کوئی غلط تاثر نہ ہو۔ دراصل اس سے اسے خطرہ لاحق ہوا کہ جادوگروں کے ایمان لانے پر ساری قوم موسیٰ علیہ السلام کی معتقد ہو جائے گی اسی لیے پینترا بدلا اور لگا ڈرانے دھمکانے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا قول مؤکدہ بہ وعید بیان فرمایا :

فَلَأُقَطِّعَنَّ فرعون نے کہا بخدا میں ضرور بالضرور کاٹ ڈالوں گا ۔ باب تفعیل تکثیر کے لیے ہے ایسے ہی آنے والے فعل کو سمجھئے ۔

ف : القطع شے کا کاٹنا وہ مدرک بالبصر ہو جیسے اجسام یا مدرک بالبصیرۃ جیسے اشیا معقولہ ۔

أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ ، تمہارے ہاتھ پاؤں خلاف ضد سے رعم ہے کیونکہ دو ضدین کا آپس میں مختلف ہونا ضروری ہے بخلاف اس کے کہ اس میں اختلاف ضروری نہیں ۔

اب معنے یہ ہوا کہ تمھاری ہر جانب سے ایک ایک حصے کو مثلاً دایاں ہاتھ کاٹوں گا تو پاؤں بایاں ہوگا۔ اس کا من ابتدا غایت کے لیے ہے یعنے کاٹنے کی ابتدا ہر عضو کی مخالف سمت ہوگی۔ من اپنے مجرور سے مل کر محلاً نصب میں جملہ سابق سے حال ہے ۔ اصل عبارت یوں ہوگی :

"لأقطعن مختلفاً"

اس لیے کہ مخالف سمت دوسری سمت کے موافق نہ ہو مثلاً دایاں ہاتھ ہوگا تو بایاں پاؤں ایسے ہی برعکس ۔ فرعون نے یہ تعیین ڈر اور خوف کی کیفیت میں ہیبت بڑھانے کے لیے بتائی ۔

وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ ۔ الصلب یعنے قتل کے لیے کسی کو لٹکانا یعنے سولی پہ چڑھانا۔ انسان کی سخت سے سخت سزا درخت سے لٹکا کر مارنے سے ہوتی ہے۔ اسی لیے فرعون نے کہا کہ میں تمھیں دریائے نیل کی کھجوروں کے تنوں سے لٹکا کر قتل کروں گا تا کہ تمام لوگ تمہارے حال سے عبرت حاصل کریں ۔ لفظ فی میں اشارہ ہے کہ انھیں اس سزا میں ایک عرصہ تک مبتلا رکھا جائے گا ۔

الجوبہ : بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سولی پر لٹکانے کی سزا سب سے پہلے فرعون نے شروع کی ۔

سوال : فرعون کی ایسی سختی کا اظہار عقل کے خلاف ہے کیونکہ وہ ابھی تو دیکھ چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بڑی طاقت موجود ہے یعنے عصا سانپ بن کر بڑی بڑی چیزیں ہڑپ کر جاتا ہے ۔ چنانچہ جب جادوگروں کے ڈنڈے اور رسیاں ہڑپ کر رہا تھا تو فرعون کے محل

تک باچیں پھیلادیں پھر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تو اس کی جان بخشی ہوئی پھر اس کی کیا مجال تھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ استہزا رکسی طرح بھی کرسکتا ۔

جواب : سخت خطرے اور دہشت میں تھا لیکن اپنی نمبرداری کو برقرار رکھنا چاہتا تھا اسی لیے ڈرایا دھمکایا ۔

وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ، تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم میں یعنے میں اور موسیٰ علیہ السلام ۔ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى عذاب کرنے میں سخت تر اور ہمیشہ کی شاہی کس کی ہے ۔ سب کو معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا کسی کو عذاب کرنا تھا ہاں فرعون عذاب کرنے میں مشہور تھا اسی لیے فرعون نے جادوگروں پر رعب ڈالنے کی غرض سے ایسے کہہ دیا اور پھر یہ بھی خیال کیا کہ شاید جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے اژدہا بن جانے سے ڈر کر ایمان لائے ہیں ۔

ف : بحرالعلوم کی تقریر سابق کے مطابق یہاں ربنا میں فرعون اور رب موسیٰ علیہ السلام مراد ہے ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اشد و ابقی کہہ کر اپنا دنیوی عذاب سے ڈرایا لیکن اسے عذاب آخرت سے بے خبری تھی ورنہ وہ اپنے دنیوی عذاب کو اشد نہ کہتا ۔

قَالُوْا ، فرعون کے ڈرانے دھمکانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جادوگروں نے کہا ۔

ف : کاشفی نے فرمایا کہ چونکہ وہ جام جذبۂ حقانی سے مست تھے اور ان کے قلوب انوار ملاطفات سے روشن ہوچکے تھے اسی لیے انھیں کسی کی پرواہ نہ تھی ؎

خوردہ یکجرہ از کف ساقی
ہرچہ فانیست کردہ در باقی
دامن از فکر غیر افشاندہ !
لیس فی الدار غیرہ خواندہ

ترجمہ : جو ساقی کے ہاتھ سے ایک گھونٹ پی لے اور باقی ذات میں فانی ہوچکا ہو ، وہ غیر کے فکر سے دامن دھوچکا اس نے تو دنیا میں غیر کو سمجھا ہی نہیں ۔

پھر ایسے لوگوں کو فرعون کی کیا پرواہ ! ۔

لَنْ نُّؤْثِرَكَ ، ہم تمہیں ہرگز پسند نہیں کرتے ۔ عَلٰى مَا جَآءَنَا ، اس ایمان لانے پر جو موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے ہمارے ہاں لاتے ۔ مِنَ الْبَيِّنٰتِ ، معجزات میں سے کہ جن کی حقیقت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور انھوں نے موسےٰ علیہ السلام کی حقانیت یوں سمجھی کہ اگر موسےٰ علیہ السلام جادوگر ہے تو پھر ہمارے جادو کی چیزیں کہاں گئیں ۔

صوفیانہ فائدہ : مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ حضرات آیات الٰہیہ میں انوار ذات کا مشاہدہ کرچکے تھے ۔ اسی لیے اب انھیں بلیات سے کوئی خطرہ تھا اور جو ذات الٰہی کو چاہتا ہے اس کے سامنے بلیات ومصائب کچھ وقعت نہیں رکھتیں ۔

نسخہ روحانی بزرگ فرماتے ہیں کہ مصائب وبلیات کے نزول کے وقت گھبرانے کا کیا معنٰے جب کہ یقین ہو کہ ان میں مبتلا کرنے والا تو وہی کریم ہے جس کا میں بندہ ہوں۔

وَالَّذِیْ فَطَرَنَا۔ اور وہ ذات جس نے ہمیں پیدا کیا اور جملہ مخلوقات کو اس کا عطف ما جاء نا پر ہے اس کی تاخیر اس لیے ہے کہ اس میں عقلی اور نظری دلیل ہے اور اس سے پہلے جو فرعون نے دیکھا تھا وہ آیت حسیہ ظاہرہ تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ قسم ہے اس کا جواب محذوف ہے جیسا کہ مضمون مذکور اس پر دلالت کرتا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اس ذات کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔ لیکن یہاں پر جواب میں لفظ لن کو ماننا پڑے گا پھر یا تو اس کی تاویل کرنی پڑے گی یا شاذ کہنا پڑے گا۔

ف: تفسیر الفارسی میں ہے کہ ہمیں اس خدا کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا۔ اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہمیں اس خدا کی قسم جس نے ہمیں فطرت اسلام پر پیدا فرمایا۔

نکتہ: یہاں خلقنا کے بجائے فطرنا کہنے میں اشارہ ہے کہ انھوں نے فرعون کو نہ ماننے اور عدم ترجیح کو اپنے لیے واجب قرار دیا تھا۔

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ، یہ لا قطعن کے جواب میں کہا یعنے جادوگروں نے فرعون کو دوٹوک کہہ دیا کہ کرلے جو تیرا جی چاہے سولی یا ہاتھ کاٹنا، ہمیں ان میں سے کسی ایک سے بھی خطرہ نہیں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ اے فرعون! تو جو کچھ کرنا چاہے کرلے کیونکہ تیرا کرنا ہمارے لیے ازل سے لکھا جاچکا ہے، پھر ہمیں کس کا خوف ہے؟

اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا○ بے شک تو اسی دنیا میں فیصلہ کرے گا یعنے تیرا فیصلہ تیرے نفسانی خواہشات کا آئینہ دار اور ایک دنیوی سزا ہوگی اور وہ بھی صرف ہماری زندگی تک محدود ہوگی لیکن اس کے بعد اس کا کوئی اثر نہ رہے گا اور پھر اگر ہم نہ رہیں گے تو تو بھی نہیں رہے گا۔ اسی لیے نہ ہمیں اس دنیوی زندگی کی رغبت اور نہ اس کے عذاب سے خطرہ۔ تو نے جو کرنا ہے کر گذر لیکن یاد رکھنا پھر قیامت میں تیرے لیے وہ ہوگا جو تیرے ذہن نا سار کو خیال تک نہ ہوگا۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا، بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لاتے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے یعنے وہ کفر و معاصی معاف ہو جائیں جن کا ہم قبل ازیں ارتکاب کیا اور ان کے ارتکاب پر آخرت میں ہمارا مواخذہ نہ فرمائے اور نہ ہی یہ توفیق دے کہ ہم تیرے عذاب کے خطرے سے دنیوی حیات کو پسند کریں۔

حل لغات المغفرة یعنے بندے کے گناہ معاف کرکے اس کے استحقاق عذاب کے باوجود اسے عذاب سے بچانا۔ الغفر سے ہے یعنے گرد و غبار سے بچانے پر شے کے اوپر کپڑا وغیرہ ڈالنا۔ الخطایا، خطیئة کی جمع ہے۔ سیئة اور خطیہ میں فرق یہ ہے کہ سیئة وہ ہے جس میں بالذات قصد ہو اور خطیئة جس میں بالفرض ارادہ ہے اس لیے کہ یہ الخطأ سے مشتق ہے۔

وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ اور جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا یعنے جادو کرنے پر۔ اس کا عطف خطیٰنا پر ہے یعنے اللہ تعالیٰ ہمارے وہ گناہ بخش دے جو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں تیرے مجبور کرنے پر اور تیرے بلانے پر جادو کا ارتکاب کیا ہے۔

سوال: ان سے تو اور گناہ بھی سرزد ہوئے ہوں گے صرف مقابلہ موسیٰ علیہ السلام جادو کے ذکر کی تخصیص کیوں؟

جواب: اس سے کلی طور پر نفرت اور مغفرت میں رغبت کے اظہار کے لیے۔

وَاللّٰهُ خَيْرٌ اور اللہ تعالیٰ بالذات خیر و بھلائی والا ہے۔ اس کا اشارہ الذی فطرنا کی طرف ہے۔ وَّاَبْقٰى اور سزا و جزا کا ہمیشہ کے لیے مالک ہے یا اس کا معنے یہ ہے کہ وہ ثواب دینے میں تجھ سے بہتر ہے اگر ہم اس کی اطاعت کریں اور وہ دائمی عذاب والا ہے اگر ہم اس کی نافرمانی کریں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ واللہ خیر اور بہ نسبت تیرے اللہ تعالیٰ سے ثواب پہنچانے اور دفع شر میں بہتر ہے۔ وابقی اور اس کی بھلائی اور عذاب بہ نسبت تیرے جزا و عذاب کے باقی رہنے والا ہے۔

ف: حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی شان کی سب سے بڑے کافر اور کفر میں سخت تر گھرے ہونے کے باوجود آنکھ جھپکنے سے پہلے دولتِ ایمان سے نوازے گئے اور پھر اتنا پختگی کہ فرعون جیسے جابر و ظالم اور سرکش کو فاقض ما انت قاض کہہ کر اپنی راسخ اعتقادی کا مظاہرہ کیا ورنہ آج کل تو یہ حالت ہے کہ ساٹھ سال کی عمر تک قرآن کی تعلیم پر عمل کے باوجود چند ٹکوں کی لالچ میں دین بیچ دیا جاتا ہے۔ (الامان والحفیظ)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زیان میکند مرد تفسیر دان

کہ علم ادب می فروشد بنان

کجا عقل باشرع فتویٰ دھد

کہ اھل خرد دین بدنیا دھد

بدین اے فرومایہ دنیا مخر

چو خر با نجیل عیسیٰ مخر

ترجمہ: (۱) وہ عالم تفسیر دان اپنا سخت نقصان کرتا ہے جو روٹی کے بدلے اپنا علم و ادب بیچتا ہے۔

(۲) بھلا عقل و شرع کب فتویٰ دے سکتی ہے کہ دین دنیا کے بدلے بیچ دیا جائے۔

(۳) دین کے عوض دنیا نہ خریدیئے۔ بھلائی علیے جیسا عظیم الشان نبی بیچ کر گدھا خریدتا ہے۔

اِنَّهٗ یہ ان کے دعویٰ واللہ خیر و ابقی کی تعلیل ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا

جو بھی اپنے پروردگار کے ہاں مجرم ہو کر آتا ہے یعنے اپنے جرائم و معاصی میں منہمک و مستغرق رہ کر بحالت کفر و معاصی مرتا ہے۔

سوال : تم نے مجرم کے لفظ سے کفر کا معنے کہاں سے نکال لیا ؟

جواب : اس کے بالمقابل مؤمن کا ذکر ہے اسی مناسبت سے یہاں کفر و معاصی ہر دو نوں معانی موزونیت رکھتے ہیں۔

فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يَمُوتُ فِيهَا ، تو اس کیلئے جہنم ہے اور وہ اس کے اندر ہمیشہ رہے گا پھر اس پر موت آئے گی ہی نہیں۔ یہ ابقی کی علت ہے یعنے اللہ تعالٰے کا عذاب دائمی ہے۔ **وَلَا يَحْيَىٰ ۝** اور نہ وہ ایسی زندگی پائے گا جس سے نفع پا سکے۔

وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آتا ہے یعنے اس کا اللہ تعالٰے اور اس کے رسول علیہ السلام کے لائے ہوئے احکام و معجزات پر ایمان رکھتا ہے جیسے ہم نے اپنے پیارے رسول سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ایمان کو قبول کیا۔ **قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ** ، حالانکہ اس نے عمل صالح بھی کیے ہوں۔ صالحۃ کا لفظ حسنۃ کی طرح اسم کا حکم رکھتا ہے اسی لیے عموماً موصوف کے بغیر مذکور ہوتا ہے اس سے ہر وہ عمل مراد ہے جو شرعاً صحیح ہو جیسے عقلاً نقلاً سب کو معلوم ہے۔

فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ ۔ اولٰئک کا اشارہ من کی طرف ہے اور یہ معنیٰ جمع ہے یعنے وہ مؤمن اور نیک عمل کرنے والے ایمان و اعمال صالحہ کی وجہ سے ان کے لیے جنت میں بہت بڑے اعلیٰ مراتب ہیں۔ العلیا ، اعلیٰ کی تانیث ہے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ خالی مؤمن اور مؤمن با عمل میں فرق ہے کیونکہ جس کے اعمال صالحہ ہوں گے اسے بلند درجات نصیب ہوں گے اور اعمال صالحہ سے خالی ہے تو وہ ان اعلیٰ درجات سے محروم ہوگا اگرچہ بہشت نصیب ہو بھی۔

جَنَّاتُ عَدْنٍ ۔ یہ الدرجات العلیا سے بدل ہے۔ **تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ** ، اس کے نیچے ہمیشہ نہریں جاری ہیں یعنے ان منازل کے نیچے یا بہشت کے اشجار مراد ہیں۔ **خَالِدِينَ فِيهَا** ، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لھم کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا استقرار کا معنے یا اشارہ عامل ہے۔ **وَذَٰلِكَ** ۔ یہ اشارہ ثواب مذکورہ کی طرف ہے۔ **جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝** اس کی جزا ہے جو تزکیہ کرتا ہے۔ جزا بمعنے ما فیہ الکفایۃ بمقابلہ عمل اگر نیک ہو تو جزا خیر ہوگی اگر عمل بُرا ہوگا تو سزا ، مثلاً کہا جاتا ہے :

جزیتہ کذا

اور اس کا صلہ باء بھی آتی ہے۔ جیسے :

جزیتہ بکذا ۔

اجر و جزا کے مابین فرق اجر ، وہ ہے جو عقد یا عقد کے قائم مقام کے عوض دیا جائے اور اسے صرف نفع میں استعمال کیا جاتا ہے اور نقصان پر مستعمل نہیں اور جزاء ، عقد یا غیر عقد کے لیے مستعمل ہے اور نفع و نقصان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ وہ شخص جو کفر و معاصی کی گرد و غبار سے پاک ہو کر ایمان و اعمال صالحہ سے سرشار ہوتا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی جزا و ثواب باقی رہنے والا ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ بلند درجات والوں کو نیچے والے ایسے دیکھیں گے جیسے ہم اوپر چمکتے ستارے کو دیکھتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما انھیں میں سے ہیں یعنے انھی بلند درجات والوں میں سے ہیں۔

ف: نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی کسی اور روایت میں کہ ان اہل ایمان (جادوگر) جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے فرعون ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور نہ ہی جس سزا سے ڈرایا دھمکایا اسے عمل میں لاسکا۔

ف: تفسیر کبیر میں ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ وہ جادوگر صبح کو کافر تھے لیکن شام کو شہید تھے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ وہ صبح کو کافر تھے اور شام کو شہداء و ابرار تھے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ساحران در عہد فرعون لعین!
چون مری کردند باموسیٰ بکین

(۲) لیک موسٰی را معتدم داشتند
ساحران او را مکرم داشتند

(۳) زانکہ گفتندش کہ فرمان آن تست
گر تو می خواہی عصا بفکن نخست

(۴) گفت نی اوّل شما ای ساحران
افگنید آن مکرہا را درمیان

(۵) این قدر تعظیم ایشان را خرید
و از مری آن دست و پاہاشان برید

(۶) ساحران چون قدر او نشناختند
دست و پا در جرم آن در باختند

ترجمہ: (۱) وہ جادوگر جو فرعون لعین کے زمانہ میں تھے وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کینہ سے بالمقابل ہوتے۔

(۲) لیکن بوقت مقابلہ موسیٰ علیہ السلام کو پہل کرنے کا کہا اس سے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کی۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۰۱۵ پر)

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چل اور ان کے لیے دریا میں سوکھا راستہ نکال دے تجھے

تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ

ڈر نہ ہوگا کہ فرعون آلے اور نہ خطرہ تو ان کے پیچھے فرعون پڑا اپنے لشکر لے کر تو انہیں دریا نے ڈھانپ لیا جیسا

مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ

ڈھانپ لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور راہ نہ دکھائی اے بنی اسرائیل بیشک ہم نے تم کو تمہارے

مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾

دشمن سے نجات دی اور تمہیں طور کی دہنی طرف کا وعدہ دیا اور تم پر من اور سلوٰی اتارا

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ

کھاؤ جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں روزی دیں اور اس میں زیادتی نہ کرو کہ تم پر میرا غضب اترے اور جس پر

يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

میرا غضب اُترا بے شک وہ گرا اور بیشک میں بہت بخشنے والا ہوں اُسے جس نے توبہ کی

صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ

اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا پھر ہدایت پر رہا اور تو نے اپنی قوم سے کیوں جلدی کی اے موسیٰ عرض کی کہ وہ یہ ہیں میرے

عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ

پیچھے اور اے میرے رب تیری طرف میں جلدی کرکے حاضر ہوا کہ تو راضی ہو فرمایا تو ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو بلا میں

بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ

ڈالا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا تو موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا افسوس کرتا کہا اے میری قوم کیا تم

يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہ کیا تھا کیا تم پر مدت لمبی گزری یا تم نے چاہا کہ تم پر

يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

تمہارے رب کا غضب اترے تو تم نے میرا وعدہ خلاف کیا بولے ہم نے آپ کا وعدہ اپنے اختیار

بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى

سے خلاف نہ کیا لیکن ہم سے کچھ بوجھ اٹھوائے گئے اس قوم کے گہنے کے تو ہم نے انہیں ڈال دیا پھر اسی طرح

السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ

سامری نے ڈالا تو اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا بے جان کا دھڑ گائے کی طرح بولتا تو بولے یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود ہے

فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾
تو بھول گئے تو کیا نہیں دیکھتے کہ وہ انہیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور ان کے کسی برے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۸۴)

(۳) چنانچہ کہا کہ جو آپ کا حکم۔ اگر آپ چاہیں تو آپ اپنا عصا پہلے ڈالیے۔

(۴) لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں پہلے تم ڈالو اور تم ہی اپنا داؤ چلا لو۔

(۵) اتنی قدر و تعظیم سے ان کی عداوت کافور ہو گئی اور گویا مقابلہ سے ہتھیار ڈال دیئے۔

(۶) لیکن چونکہ پہلی بار موسیٰ علیہ السلام کی شان سے بے خبری کی وجہ سے مقابلہ پہ تل آئے تھے اسی لیے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔

نتیجہ: ان دلائل سے ثابت ہوا کہ وہ شہید ہوئے ورنہ فرعون کو سب سے پہلا سولی پہ چڑھانے والا کیسے کہا جاتا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف مائل ہو اپنے آپ کو اخلاق ذمیمہ سے پاک و صاف رکھے اور افعال شیطانیہ سے دور رہے اور اخلاق ربانیہ روحانیہ سے مزین ہو اور روح و مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تاکہ اس سے اعلیٰ فتوح کو حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور وہ ہر آئی ہوئی مصیبت کو آسان سمجھتے ہیں۔ (آمین)

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ، بخدا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی یہ نو معجزات کے اظہار کے بعد کی بات ہے جسے درمیان میں بیس سال کا عرصہ گذرا۔ (کذا فی الارشاد)

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ بعض روایات مشہورہ کے خلاف ہے کیونکہ مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے لیے بددعا فرمائی جس کا اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا یہ روایات مفسرین کی تفاسیر میں قد اجیبت دعوتکما کے تحت ہے۔

اَنْ مفسرہ ہے بمعنے ای یا مصدریہ ہے۔ اصل عبارت یہ تھی:

'بان اسر بعبادی'

اور اسر کا مادہ سری اور یہ اسراء سے ہے بمعنے رات کو جانا یعنے اے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے وقت

نے پائے اور رات کو لے جانے کا حکم اسی لیے ہے تاکہ فرعون کے ملازمین آڑے نہ آئیں۔

فَاضْرِبْ لَهُمْ۔ اضرب بمعنے اجعل ہے ضرب له فی ماله سهما سے لیا گیا ہے یعنے اس نے اپنے مال سے اس کا حصہ مقرر کیا یا اضرب بمعنے اتخذ و اعمل ہے ضرب اللبن سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسے عمل میں لائے۔

ف: جلالین میں ہے کہ فاضرب لهم بعصاك آپ ان کے لیے اپنا عصا ماریئے۔

طَرِيقًا، ہر وہ جگہ جس پر انسان چلے۔ یہ عادت کے طور پر ہو یا عادت کے بغیر۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ وہ راستہ جس پر پاؤں سے چلا جائے۔

فِی الْبَحْرِ، دریا میں۔ ہر وہ جامع جگہ جہاں بہت زیادہ پانی ہو۔ یہاں پر بحر القلزم مراد ہے۔

ف: قاموس میں ہے کہ وہ ایک شہر ہے جو مصر و مکہ کے درمیان جبل طور کے قریب واقع ہے۔ اسی کی طرف بحر القلزم منسوب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کے کنارے واقع ہے یا اس میں جو داخل ہو وہ اسے نگل لیتا ہے۔ اس لیے کہ قلزم بمعنے ابتلاع ہے۔

يَبَسًا۔ طریقا کی صفت ہے۔ الیبس ہر وہ جگہ جہاں پانی ہو لیکن پھر سوکھ جائے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ یبس بمعنے یابس ہے مبالغہ کے طور پر مصدر بمعنے فاعل لایا گیا ہے یعنے اس راستہ پر پہلے پانی ہوگا لیکن تمہارے جانے سے وہ خشک ہو جائے گا۔

لَا تَخٰفُ دَرَكًا۔ مامور سے حال مقدرہ ہے مامور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ درک محرکہ بالسکون کی طرح ادراک کا اسم ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ دراںحالیکہ تم دشمن کے پالینے سے امن میں ہوگے۔ وَلَا تَخْشٰى ○ اور نہ ہی غرق ہونے سے خوفزدہ ہوؤگے۔

فَاَتْبَعَهُمْ۔ فاء فصیحہ ہے یعنے پس موسیٰ علیہ السلام نے کیا جس کا انہیں حکم تھا یعنے بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے جانا اور راستہ بنانا پھر اس پر چلنا ان کے پیچھے فرعون لشکر سمیت دوڑا یہاں تک کہ اشراق کے وقت انہیں پا لیا۔ اشراق بمعنے سورج کا چمکنا۔ اتبعهم اور تبعهم کا ایک معنے ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اتبعه اس وقت بولتے ہیں جب ایک دوسرے کی طلب میں پیچھے لگے اور تبعه اس وقت بولتے ہیں جب ایک دوسرے کے ساتھ اور اس کے پیچھے ہو کر چلے۔

فرعون اور موسیٰ علیہ السلام

مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے اول حصے میں لے کر چلے ان کی تعداد ستر ہزار چھ سو تھی اور فرعون کو جب معلوم ہوا تو اپنا لشکر جس کی تعداد سات لاکھ تھی اور فرعون ان کے آگے آگے چل رہا تھا جب فرعون کا لشکر موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے قریب ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے دریا میں عصا مارا تو اس میں بارہ راستے بن گئے ہر حصہ پہاڑ کی طرح تھا اور ہر راستہ کے ارد گرد پانی برف کی طرح جم کر کھڑا ہو گیا۔ ان راستوں پر موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا قافلہ صحیح سالم دریا کو عبور کر گیا۔

فَغَشِیَهُمْ ان فرعونیوں کو پانی نے ڈھانپ لیا یعنے ان پر چڑھ گیا۔ مِّنَ الْیَمِّ دریائے قلزم سے۔ مَا غَشِیَهُمْ ○ وہ جو انھیں دریا کی سخت موجوں نے ڈھانپا وہ ایسی موجیں تھیں جن کی کنہ کو صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا یعنے انھیں ایسی راہ پہ لگایا جو انھیں خیبة وخسران کی طرح لے گیا نہ وہ دین کے رہے نہ دنیا کے۔ یہاں تک کہ وہ کفر کی حالت میں سخت عذاب دنیوی میں مبتلا ہو کر مر گئے اور اخروی عذاب میں دائماً گرفتار رہیں گے۔ وَمَا هَدٰى ○ اور نہ ہی انھیں ہدایت دے سکا یعنے انھیں کوئی ایسا راستہ نہ دکھا سکا جو ان کے دینی و دنیوی مطالب کے حصول پر مبنی ہو۔ یہ اضلال کی تقریر و تاکید ہے یہ اس لیے کہ بہت سے مضل (گمراہ کنندگان کبھی اپنے گمراہ کردہ انسان کو مطالب کے حصول کی راہ دکھاتا ہے۔ اور اس آیت:

"وما اهديكم الاسبيل الرشاد" (اور میں سیدھے راستے کی ہی رہبری کرتا ہوں)

میں ایک قسم کا تہکم ہے کیونکہ کسی سے گمراہ آدمی سے نت کی نفی میں اشارہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا ہے کہ اس سے ہدایت منصور ہے لیکن اس تصور کا اظہار صرف تہکم کی بنا پر ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ موسیٰ اور اس کے لشکر میں روح مع اس کے قویٰ کی طرف اور فرعون لشکر سمیت میں نفس امارہ اور اس کے قویٰ کی طرف اور دریا بحر دنیا کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اسے روح سفینۂ شریعت یا بنور کشف الٰہی سے عبور کر لیتا ہے لیکن نفس امارہ اس میں غرق ہوتا ہے کیونکہ وہ خواہشات نفسانیہ میں مبتلا ہوتا ہے اسے نہ شریعت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی کشف۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اہل ضلال اپنے نفوس امارہ کی اتباع کرتے ہیں وہ ظاہری و باطنی تباہی میں غرق ہو جاتے اور اہل ہدایت کی اقتدار سے دائمی نجات نصیب ہوتی ہے۔

زینہار از قرین بد زنہار

وقنا ربنا عذاب النار

ترجمہ: ساتھی بُرے سے خدا کی پناہ۔ اے پروردگار! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

ف: بہترین اتباع ایمان و توحید ہے کیونکہ جملہ انبیاء علیہم السلام اس پر متفق ہیں اور مومن ایک قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے جس کی حفاظت اللہ تعالےٰ کرتا ہے اور اس پر نہ ظاہری دشمن حملہ آور ہو سکتے ہیں اور نہ باطنی اور نہ ہی دنیا و آخرت میں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حجاج بدبخت کا قصہ

عبداللہ بن ثقفی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حجاج ظالم نے گرفتار کر کے کہا کہ میں آپ کو بُری طرح قتل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا عقیدہ ہوتا کہ تو حکم الٰہی کے بغیر مجھے قتل کر سکے گا، تو میں تیری عبادت کرتا۔ حجاج نے کہا وہ کیسے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی دعا سکھا کر فرمایا کہ جو کوئی اسے صبح کو پڑھے گا تو کوئی اس کا کچھ نہ

بگاڑ سکے گا اور وہ میں نے صبح کو پڑھ لی تھی۔ حجاج نے کہا کہ تو مجھے بھی وہی دعا سکھا دے۔ آپ نے فرمایا، معاذ اللہ، تجھ ظالم کو وہ دعا سکھاؤں، یہ نہیں ہو سکتا۔ حجاج نے کہا کہ انھیں چھوڑ دو۔ لوگوں نے حجاج سے پوچھا کہ تو نے انس رضی اللہ عنہ کو کیوں چھوڑا۔ جواب دیا کہ میں نے ان کے دونوں کندھوں پر دو بڑے شیروں کو دیکھا جو منہ کھولے ہوئے تھے۔ (اگر میں انھیں کچھ کہتا تو وہ مجھے پھاڑ کھاتے)۔

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو خادم سے فرمایا کہ تیرا مجھ پر حق ہے فلہٰذا میں تجھے وہی دعا سکھاتا ہوں اور وہ دعا یہ ہے:

بسم اللہ خیر الاسماء لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض و لا فی السماء۔ — اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں وہ تمام اسماء سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی نہ آسمان اور نہ زمین۔

ف: اس دعا کا دنیوی فائدہ تو مذکور ہوا اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ یہ دعا پڑھنے والے کی دوزخ اور اس کے عذاب سے حفاظت کرے گی۔

ف: موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خیر خواہانہ پند و نصیحت فرمائی لیکن وہ نہ مانا اور نہ ہی اس نے موسیٰ علیہ السلام کی قدر و منزلت پہچانی اسی لیے وہ واصل جہنم ہوا اور سخت قسم کے عذاب میں مبتلا ہو کر مرا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو ناصح کی نصیحت کو سن کر اسے قبول کرے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

امروز قدر پند عزیزان شناختم
یا رب رواں ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ: آج میں نے بزرگوں کی نصیحت کی قدر معلوم کی۔ یا اللہ ہمارے ناصح کو ہمیشہ شاد و آباد رکھ۔

شرح شعر حافظ "امروز" سے بڑھاپے کے ایام مراد ہیں اس میں اشارہ ہے کہ جوانی بڑھاپے سے مختلف طور رکھتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جوانی میں وقت لہو و لعب میں ضائع کر دیتے ہیں اور وہ کسی کی بات تک سننا گوارا نہیں کرتے لیکن جسے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشتا ہے تو پھر اسے ناصح پیارا لگتا ہے تو اس کے لیے دعا کرتا ہے۔ نصیحت نصح سے ہے بمعنے سینا چونکہ ناصح کے حروف اس کی غلطیوں کے پھاڑ سیتے ہیں۔

سبق سالک کے لیے مرشد اور مجاہدہ ضروری ہے مرشد ہو لیکن مجاہدہ نہ کرے تب بھی فضول ہے جب تک کہ اس کے نصائح پر عمل نہ کرے۔

دیکھئے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت اور ان کے لائے ہوئے احکام کی حقیقت کا دل سے قائل تھا لیکن چونکہ ان پر کاربند نہ ہوا اسی لیے مارا گیا۔ لازم ہے کہ پہلے اعتقاد کو درست کیا جائے پھر اس کا زبان سے اقرار کرے اس کے بعد اس پر عمل کرنے میں کوشاں

ہو. اسی لیے بزرگوں کا فرمان ہے کہ جس طرح کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی اسی طرح مجاہدہ کے بغیر کام نہیں بن سکتا۔ اور نفس کا کام ہے کہ وہ ضلالت وبطالت کی طرف لاتے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

فانفروا خفافا و ثقالا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ عبادت لازم ہے۔ یہاں تک کہ یقین نصیب ہو خواہ عبادت میں دل لگے یا نہ، راحت سے ہو یا بہ تکلیف۔ اور ایسا جہاد قیامت تک جاری ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بے رنج کسے چون نبرد رہ بسر گنج
آن بہ کہ بکوشم بتمنا نہ نشینم ا

ترجمہ : کوئی بھی رنج وتکلیف کے بغیر خزانہ نہیں پاتا۔ بہتر ہے کہ ہم کوشش کریں نہ کہ صرف آرزو کرکے امید میں نہ ہی بیٹھے رہیں۔

ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رضا کا راہ دکھاتے اور ہمیں اپنی بارگاہ تک پہنچنا نصیب فرماتے۔

تفسیر عالمانہ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ، فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہوجانے اور بنی اسرائیل کے نجات پا جانے کے بعد ہم نے کہا کہ اے بنی اسرائیلو! قَدۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ عَدُوِّکُمۡ، ہم نے تمھیں تمہارے دشمن فرعون سے نجات بخشی کہ وہ تمہارے بچوں کو قتل کر ڈالتا تھا اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا اور تم سے بڑی سخت قسم کی خدمتیں لیتا تھا اور مشقت بھرے امور میں لگاتا تھا۔

ف : لفظ عدو واحد اور جمع ہر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

وَ وٰعَدۡنٰکُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنَ۔ الایمن منصوب ہے اس لیے کہ مضاف کی صفت ہے یعنے جانب کے یعنے ہم نے تمہارے نبی علیہ السلام کے وسیلہ سے تمہارے ساتھ وعدہ کیا کہ تم طور کی جانب یمین کی طرف آؤ کیونکہ وہاں سے ہی شام کی طرف آسان راستہ ہے یہ ہم نے اس لیے کہا کہ پہاڑ کی اپنی خاص جانب نہیں۔ نہ یمینی نہ یسار اور وہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور میں مناجات اور تورات کے حصول کے لیے تھا۔

سوال : یہ وعدہ بنی اسرائیل کی طرف کیوں جب کہ یہ وعدہ تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا؟

جواب : ادنیٰ ملابست کی وجہ سے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے متبوع تھے اور پھر اس کا نفع انھیں پہنچتا تھا۔

وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡمَنَّ، وہ ایک شے تھی جس میں لذت اور حلاوت عجیب وغریب تھی۔ وہ درختوں پر اترتی تھی۔ اسے ترنجبین کہا جاتا ہے کہ گزنگبین کا معرب ہے۔ وَ السَّلۡوٰی ۝ ایک پرندہ جسے سمانی کہا جاتا ہے۔ ترنجبین برف کی طرح صبح سے طلوعِ شمس تک آسمان سے درختوں پر اترتی جو ہر فرد کو ایک صاع کے برابر نصیب ہوتی پھر اس کے ساتھ پرندہ اڑتا ہوا ان کے

پاس پہنچتا جسے ہر فرد ذبح کر کے کام میں لاتا۔ التیہ وہ جنگل جس میں چلنے والے کو کوئی راہ نہ ملے اور وہ اس میں حیران اور مارا مارا بھٹکتا پھرے۔ یہ اس وقت ہوا جب انھیں حکم ہوا کہ وہ جبا این کے شہر میں جا کر ان کا مقابلہ کریں لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اس پر انھیں جنگل میں یہ سزا ملی کہ وہ حیران اور مارے مارے بھٹکتے پھرتے رہے اور اس سزا میں ان پر چالیس سال گذر گئے جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ مائدہ میں ہم نے بیان کر دی ہے۔

ف: یہ سزا ایسی ہے جیسے مشفق مہربان باپ اپنے نافرمان بیٹے سے کرتا ہے تاکہ وہ فرمانبردار ہو جائے لیکن اس کی مروت و احسان اس سے منقطع نہیں ہوتا۔ یہ بھی جنگل کے عذاب میں مبتلا تو ہوئے لیکن ان پر رزق کا دروازہ بند نہ ہوا اور بغیر تکلیف کے روزانہ انھیں رزق مل جاتا ہے

اے کریمی کہ از خزانہ غیب

گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستان را کجا کنی محروم

تو کہ با دشمنان نظر داری

ترجمہ: اے کریم خزانہ غیب سے تو کافر بے دین کو تو روزانہ رزق دیتا ہے تو پھر دوستوں کو تو کب محروم کرے گا جبکہ تو دشمنوں سے بھی شفقت فرماتا ہے۔

كُلُوْا اور ہم نے تمھیں کہا، کھاؤ۔ مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ، لذائذ اور حلال اشیاء سے جو ہم نے تمھیں عطا فرمائیں۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الطیب ہر وہ شے جس سے حواس و نفس لذت محسوس کریں اور وہ طعام حلال جس کا شرع نے ہمارے لیے مقرر فرمایا۔ جتنا ہمیں ضرورت ہو اور جہاں سے بھی حاصل ہو اور جب وہ ایسی شے ہو گی تو لازماً وہ طیب ہو گی وہ عاجلاً ہو یا آجلاً لیکن طیب اس وقت کہلائے گی جب ہضم ہو جائے اس کے آگے بڑھے اور بدہضمی پیدا کرے تو وہ حلال تو ہو گی لیکن طیب نہیں کہلائے گی۔ ایسے ہی وہ عاجلاً طیب تو ہو سکے گی لیکن آجلاً نہیں کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں۔

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ۔ الطغیان نافرمانی میں حد سے بڑھنا یعنے جن چیزوں کو ہم نے تمھارے لیے حلال فرمایا ان کے استعمال میں حد سے نہ بڑھو مثلاً شکر نہ کرو یا فضول خرچی کرو یا متکبرانہ طور پر خرچ کرو یا مستحق کو اس کا حق نہ دو یا رات اور دن کی ضرورت سے زائد ذخیرہ کر کے رکھو۔ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ، تو میرا غضب تم پر لازم ہو جائے گا۔ یہ نہی کا جواب ہے یعنے میرا عذاب تمھارے لیے لازم ہو جائے۔ یہ حل الدین یحل (بالکسر) سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب قرض کی ادائگی واجب ہو جائے اور اگر بالضم یعنے از باب نصر ینصر ہو تو بمعنے نزول ہوتا ہے۔ الغضب بمعنے انتقام کے ارادہ پر قلب کا جوش مارنا جب اللہ تعالیٰ پر استعمال کیا جائے تو اس وقت مطلق انتقام مراد ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ۔

شکر منعم واجب آمد در خرد

ورنہ بکشاید در خشم ابد

ترجمہ: منعم کا شکر واجب ہے ورنہ وہ ہمیشہ تک ناراضگی کا دروازہ کھول دے گا۔

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی اور جس پر میرا غضب لازم ہوتا ہے تو وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

ھوی، دراصل پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جانے کو کہا جاتا ہے۔

ف: بلاغات الزمخشری میں ہے:

من ارسل نفسہ مع الھوی فقد ھوی فی ابعد الھوی۔ جس نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو نہ چھوڑا وہ سخت تر تباہی و بربادی سے ہلاک ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ونزلنا علیکم المن اور ہم نے تم پر اپنے صفات والسلوی اور اخلاق اتارے۔ کلوا من طیبت ما رزقنکم اور ہماری اچھی صفات سے موصوف اور ہمارے اچھے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ۔ یعنے اگر عنایت ربانیہ نہ ہوتی نہ روح نجات پاتی نہ اچھے قلب اور نہ ہی ان کے صفات شر فرعون یعنے نفس اور اس کے صفات سے چھٹکارا پاتے اور اگر تائید ایزدی نہ ہوتی تو وہ نہ صفات الٰہیہ سے موصوف ہوتے اور نہ ہی متخلق باخلاق اللہ۔ پھر فرمایا و لا تطغوا یعنے جب تم صفات و اخلاق سے نکل کر میرے صفات و اخلاق سے متصف و متخلق ہو جاؤ تو پھر حد سے نہ بڑھو وہ اس طرح کہ پھر معبودیت و ربوبیت کا دعویٰ کرنے لگ جاؤ یا میرے نام سے موسوم ہونے لگو یا میرے صفات اپنے ساتھ لگا دو مثلاً انا الحق یا جیسے بعض نے سبحانی ما اعظم شانی کا دعویٰ کیا اور ایسے ہی دیگر وہ دعوے جو انسان طبعی طور پر ظاہر کرتا ہے کیونکہ انسان کی عادت ہے کہ جب مراتب پاتا ہے تو سرکشی کرتا ہے اور بعض بزرگوں کے ایسے دعاوی اگرچہ ان کے احوال سے تھے لیکن ایسے حالات مقامات کے لائق نہیں اور ایسے حالات غضب الٰہی کا موجب بنتے ہیں۔ کما قال:

فیحل علیکم غضبی ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھوی

یعنے ایسے ہی ان کے جملہ معاملات اڑتی ہوئی غبار کی طرح بیکار بنا دیئے جاتے ہیں۔ اسی غضب سے بچنے کے لیے اللہ تعالٰے نے بندوں کو ہدایت طلبی کا حکم فرمایا۔

کما قال تعالٰے:

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین۔ ہمیں سیدھا راہ دکھا ایسے نہ ہو کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوتا ہے تو پھر وہ عبادت و طاعت کے بعد طغیان کا ارتکاب کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ اور بے شک میں انہیں بخشتا ہوں جو کفر و شرک اور معاصی سے تائب ہوتے ہیں منجملہ ان کے طغیان بھی ہے۔

ف: المفاتیح شرح المصابیح میں ہے کہ غفور و غفار میں فرق ہے اور وہ یہ کہ غفور بمعنے کثیر المغفرۃ اور مغفرت بمعنے بندے کے گناہوں سے تجاوز کرکے اسے استحقاق عذاب سے بچانا۔ غفر سے ہے بمعنے گرد و غبار سے بچانے کے لیے کسی شئے پر کپڑا وغیرہ ڈالنا۔ اور غفار، غفور کا مبالغہ ہے اس لیے کہ اس میں غفور سے ایک لفظ زائد ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ غفار میں از جہت کیفیت اور غفور میں از جہت کمیت مبالغہ ہے۔

وَاٰمَنَ اور جن پر ایمان لانا واجب ہے اس پر ایمان لائے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور نیک عمل کرے یعنے وہ عمل جو عقل و شرع کے لحاظ سے صحیح ہیں۔

ف: اس میں طغیان کے مرتکب کو ترغیب ہے کہ اگر کوئی ایسی غلطی ہو جائے تو اسے ایمان و عمل صالح اور توبہ کو عمل میں لایا جائے۔

ثُمَّ اهْتَدٰى ○ پھر وہ ہدایت پر تادم زیست قائم رہا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جو ان امور پر استمرار نہیں کرتا تو وہ غفران کا مستحق نہیں اور لفظ ثم، تراخی کے لیے ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ثم، تراخی الاستقامۃ علی الخیر عن الخیر کے لیے ہے کیونکہ خیر واقعی خیر ہے لیکن اس پر استقامت اعلیٰ و اجل ہے اس لیے کہ خیر کے جملہ فضائل اسی میں ہیں اور بہت سے لوگوں کے اقدام استقامت سے ڈگمگا جاتے ہیں۔

ف: حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ انی لغفار لمن تاب کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے غفار ہے جو طریقۂ مخالفت سے تائب ہو کر طریقۂ موافقت کی طرف جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے پر پورا اترتا اور سنت کا اتباع کرتا ہے۔ ثم اهتدی پھر اس پر ڈٹ جاتا ہے کہ ذات حق کی راہ کے سوا کسی اور راہ کو چاہتا ہی نہیں۔

ے

راہ سنت روا کر خواہی طریق مستقیم
کز سنن راہی بود سوی رضای ذو المنن

ہر مژدہ در چشم وی ہمچون سنانی باد تیز
کز سنان زندگی خواہد زمانی بی سنن

ترجمہ: اگر راہ مستقیم کے طالب ہو تو راہ سنت پر چلو اس لیے کہ سنن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلنے سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

ہر مژدۂ بہار اس کے لیے کانٹے ہوتے ہیں اگر اس کی زندگی کے لمحات سنن کے بغیر بسر ہوں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تاب بمعنے عباد الرحمٰن کے ذریعے طغیان سے رجوع کرے۔ وعمل صالحا

ربوبیت کے لیے عبودیت کا اظہار کرے۔ ثم اھتدی، پھر اس کے لیے متحقق ہو جائے کہ بے شک حضرت ربوبیۃ اس وہم و خیال سے منزہ اور اس کی ربوبیت قائم اور عبودیت دائم ہے۔

ف: توبہ بمنزلہ صابون کے ہے جیسے صابون کپڑے وغیرہ کی میل کچیل دور کرتا ہے ایسے ہی توبہ اوساخ باطنی یعنے گناہوں کو صاف کرتی ہے۔

حکایت دینوری: حضرت دینوری رحمہ اللہ تعالٰی سے کسی نے پوچھا کہ میں کیا عمل کروں۔ آپ نے فرمایا، جب تم اپنے مولیٰ کے دروازے پر جاؤ تو چھوٹے بچے کی طرح ہو جاؤ جیسے وہ اپنی ماں کے سامنے ہوتا ہے کہ جب اسے مارتی ہے تو بجائے بھاگنے کے وہ الٹا ماں کے گلے میں چمٹتا ہے۔ ماں کتنا مارے لیکن وہ بار بار ماں کو پلٹتا ہے یہاں تک کہ ماں اسے گلے لگا لیتی ہے۔

توبہ کی اقسام: توبہ کی تین اقسام ہیں:

(۱) توبۂ عوام —— ان کا گناہوں سے توبہ کرنا۔

(۲) توبۂ خواص —— ان کا لغزشوں اور غفلتوں سے توبہ کرنا۔

(۳) توبۂ اکابر —— ان کا اپنی نیکیوں کو نیکیاں دیکھنے اور طاعات کو خیال میں لانے سے توبہ کرنا۔

اور توبہ کی تین شرائط ہیں:

(۱) دل سے نادم ہونا۔

(۲) زبان سے عذر کرنا مثلاً گناہوں سے استغفار کرنا۔

(۳) اعضائے سے گناہوں کی جڑ اکھیڑنا۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ زبان سے استغفار لیکن گناہوں پر اصرار یہ مذاق اڑانے والے کی طرح ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱۔ دارم جہان جہان گنہ ای شرم روی من
چون روی ازین جہان بجہان دگر نہم

۲۔ یاران دو اسبہ عازم ملک یقین شدند
تاکی عنان عقل بدست گمان دہم

۳۔ باخلق لاف توبہ و دل بر گنہ مصر
کس پے نمی برد کہ بدین گونہ کمرہم

ترجمہ: (۱) میں دنیا میں بہت بڑے گناہ رکھتا ہوں۔ جب میں اس دنیا میں کسی دوسرے جہاں کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

(۲) تمام دوست تو ملک الیقین کی طرف چلے گئے ہیں میں کب تک عقل کی باگ گمان کی طرف لاتا رہوں۔

(۳) مخلوق کے ساتھ تو توبہ کی لاف و گزاف، لیکن حقیقت کے راستہ سے تاحال گمراہ ہوں۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ○ قوم سے عجلت کر کے تم کو کونسی شے پہلے لے آئی ہے۔ ما اعجلك مبتدا اور عن قومك اس کی خبر ہے یعنے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جب وعدہ مذکورہ کے مطابق سبقاً (کوہ طور) پر پہنچے تو قومك وہ ستر نقباء ہیں جنہیں کوہ طور پر ساتھ لے گئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام محض شوق ملاقات الٰہی میں تیز تیز قدم رکھتے ہوئے نقباء کو فرمایا کہ تم میرے پیچھے آجانا۔ (کذا فی الجلالین) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ف: العرائس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی عجلت کی علت صرف ملاقات الٰہی تھی اور بس۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ فرعون کی ہلاکت و تباہی کے بعد نبی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمیں قواعد اسلام اور شریعت کے احکام چاہئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ستر آدمی منتخب فرما کر کوہ طور پر آجایئے تاکہ میں آپ کو احکام کی کتاب عطا فرماؤں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنا کر قوم کے سربراہ ستر آدمی لے کر کوہ طور کی طرف چل پڑے اور فرمایا چالیس دنوں کے بعد کتاب لے کر آجاؤں گا جب کوہ طور کے قریب پہنچے تو شوق ملاقات میں جلدی کرتے ہوئے ان ستر سربراہوں سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ جب کوہ طور پر چڑھنے لگے تو وہاں سے آواز آئی: وما اعجلك عن قومك الخ یعنے کونسا سبب پیش آیا جو تجھے قوم سے پہلے لے آئی۔

ازالۂ وہم جب اللہ تعالیٰ جانتا تھا تو پھر سوال کیوں اس کے جواب میں میں (حقی) کہتا ہوں کہ یہ وما تلك بيمينك يموسى کی طرح انبساطی سوال ہے انکار کا سوال نہیں جیسا کہ بعض اکابر مفسرین نے سمجھا۔

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ، غرض کہ وہ میرے پیچھے آرہے ہیں یکے بعد دیگرے پہنچ جائیں گے۔ **وَعَجِلْتُ** اور میں ان سے سبقت کر کے عجلت کی۔ **اِلَيْكَ**، تیرے ہاں۔ **رَبِّ**، اے میرے پروردگار **لِتَرْضٰى ○** تاکہ تیری فرمانبرداری اور تیرے وعدہ کے ایفا میں جلد بازی سے تو راضی ہو۔

آیات کے فوائد دونوں آیتیں مذکورہ میں مختلف معانی کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) سیر الی اللہ میں جلد بازی کرنی چاہیئے۔ اس معاملہ میں سستی اچھی نہیں اور یقین کرے کہ سیر الی اللہ میں عجلت بہتر امر ہے اور دین میں عجلت ممدوح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وسارعوا الی مغفرة من ربكم (اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی طرف جلد بازی کرو)۔

اصل ہیں طلب الٰہی میں عجلت ضروری ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱۔ گر گران و گر شتابنده بود
آنکہ جوینده است یابنده بود

۲۔ در طلب زن دائماً تو ہر دو دست
کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

ترجمہ: (۱) اگرچہ آہستہ چلنے والا ہے یا تیز دوڑنے والے بالآخر طلب کنندہ مقصد حاصل کر لیتا ہے۔
(۲) طلب میں ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں اس لیے کہ طلب بہترین رہبر ہے۔

اور وارد ہے کہ جملہ امور اپنے اوقات سے وابستہ ہیں۔ اسی لیے فرمایا ؎

چو صبح وصل او خواہد دمیدن عاقبت جامی
مخور غم گر شب ہجران بپایان دیر می آید

ترجمہ: اے جامی جب اس کے وصال کی صبح چمکنی ہے تو غم نہ کھا اگر شب ہجر انتہا کو پہنچ گئی ہے۔

(۲) سیر الی اللہ میں کسی وجہ سے نہ رکے۔ دیکھئے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کا انتظار کیے بغیر جلدی سے کوہ طور پر پہنچ گئے۔

حکایت مجنوں: منقول ہے کہ مجنوں عامری نے اونٹنی کو راستہ میں چھوڑ دیا جب دیکھا کہ وہ لیلیٰ تک پہنچنے میں دیر کر رہی ہے اور منہ کے بل چلنے لگا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ راہ نزدیک و بماندم سخت دیر
سیر گشتم زین سواری سیر سیر

۲۔ سرنگوں خود را زاشتر در فگند
گفت سوزیدم زغم تا چند چند

۳۔ تنگ شد بروی بیابان فراخ
خویشتن افگند اندر سنگلاخ

۴۔ چون چنان افگند خود را سوی پست
از قضا آن لحظہ پایش ہم شکست

۵۔ پای را بربست و گفتا گو شوم
در خم چوگان غلطان می روم

۶ - عشق مولیٰ کی کم از لیلیٰ بود
گوی گشتن بہر او اولیٰ بود

۷ - گوی شو می گرد بر پہلوی صدق
غلط غلطاں در خم چوگان عشق

ترجمہ : ① نزدیکی راہ کے باوجود تا حال میں اپنے محبوب کے ہاں نہیں پہنچ سکا اتنی دیر میری سواری نے لگا دی ۔
② سر کے بل گر پڑے اور اونٹنی کو چھوڑ دیا اور کہا کہ غم ہجر میں کب تک جلتا رہوں گا ۔
③ اس پر بیابان سخت تنگ ہوگیا اگرچہ فراخ تھا اسی لیے اپنے آپ کو زمین پر دے مارا ۔
④ جب اس نے اپنے آپ کو نیچے گرایا تو اس کا پاؤں بھی ٹوٹ گیا ۔
⑤ پاؤں پر پٹی باندھ کر کہا کہ مجھے مایوس ہو کر بیٹھنے کی بجائے جلدی سے جانا چاہیے ۔
⑥ مولیٰ کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہے ۔ اس کی گلی کا چکر لگانا بہتر ہے ۔
⑦ اس کی گلی میں صدق دل سے چکر لگانے چاہئیں جیسے گیند ڈنڈے کے ہاتھ سے غلطان ہوتی ہے ہمیں بھی عشق کے ڈنڈے میں ایسے ہی گھومنا چاہیے ۔

③ سیر الی اللہ میں نیت خالص ہو اور صرف اسی کی طلب کا ارادہ ہو غیر کا تصور بھی نہ ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا : عجلت الیٰ ربی اس سے واضح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ صرف ذاتِ الٰہی کا تھا ۔
حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

سالک پاک رو نخوانندش
آنکہ از ماسوی منزہ نیست

ترجمہ : اسے پاک باز سالک نہیں جا سکتا جو ماسوی سے بچا ہوا نہیں ۔

④ سالک پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اسے اپنی نفسانیت کا مطلقاً تصور نہ ہو ۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا : (لترضیٰ) (کذا فی التاویلات النجمیہ) ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ تو ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے یعنے جب تم اپنے شہر سے نکلے تو تمہاری برادری کو ہم نے ایمان کے بارے میں آزمایا وہ اس طرح کہ ہم نے بچھڑا پیدا کیا تو وہ اس کو پوجنے لگ گئے ۔

ف : موسیٰ علیہ السلام جاتے وقت ساحل دریا پر ہارون علیہ السلام کے ماتحت چھ لاکھ بنی اسرائیل کو چھوڑ آئے تھے یہ سب بچھڑے کی پوجا میں مبتلا ہوتے صرف ان میں سے بارہ ہزار بچ گئے ۔

ف : موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاتے وقت تم نے ہارون علیہ السلام سے کہا : اخلفنی فی قومی ، کیا مجھے بھول گئے کہ بجائے میرے ہارون علیہ السلام پر اعتماد کیا۔[1]

ف : اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے امور میں آزمائش ہی آزمائش ہے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان البلاء موکل بالانبیاء الامثل فالامثل بے شک آزمائش انبیاء علیہم السلام کے لیے مقرر ہے۔ اس کے بعد جتنا قرب ہوگا اتنا ہی آزمائش ہوگی۔

نکتہ : اللہ والوں کے لیے آزمائش ایسے ہے جیسے سونے کے لیے آگ۔

ف : آزمائش نبی علیہ السلام کے اس امتی یا شیخ کے اس مرید سے ہوتی ہے جنھیں ان حضرات سے قرب حاصل ہوگا لیکن اس وقت جب وہ ان کی صحبت سے دور رہوں جیسے فانا قد فتنا قومک من بعدک سے معلوم ہوتا ہے یعنے اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے ان کو آزمائش میں اس وقت ڈالا جب آپ ان کو چھوڑ کر آئے اس لیے کہ مسافر جب قافلہ سے دور ہو تو پھر تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات ڈاکوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قطع این مرحلہ بے ہمرہیٔ خضر مکن
ظلماتست بترس از خطر گمراہی

ترجمہ : اس منزل کا طے کرنا رہبر کے بغیر خیال میں نہ لا کیونکہ یہاں بڑے خطرے ہیں اسی لیے گم ہو جانے کے خطرے سے ڈرو۔

بنی اسرائیل کی غلط فہمی بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے چالیس ایام کے بعد واپسی کا وعدہ کر کے تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل دن رات کو ملا کر بیسویں دن سمجھے کہ وعدہ ختم ہو گیا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا نام ونشان تک نہیں اس سے سامری کو گمراہ کرنے کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ فرمایا :

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ○ انھیں سامری نے گمراہ کیا کیونکہ اسی آزمائش اور بچھڑے کی پرستش کا اصلی محرک و موجب یہی تھا۔

نکتہ : اضلال کو سامری کی طرف اور فتنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کی گمراہی کا سبب سامری کو دعوت و تقریر تھی اور فعل کا صدور قدرت و ارادہ و تخلیق حق سے تھا اسی لیے افعال کو کبھی اسباب کی طرف اور کبھی مسببات کی طرف منسوب کیا

---

[1] یہ انبیاء علیہم السلام کی ترقی قرب کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ظاہری اسباب پر سہارا بھی گوارہ نہیں فرمانا۔ ورنہ ظاہری اسباب کو عمل میں لانا عین اسلام ہے لیکن خاص لوگوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں، یہ سچ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ (اویسی غفرلہ)

جاتا ہے۔

سوال : اللہ تعالٰی نے ان کی آزمائش کو موسٰی علیہ السلام کے فوراً بعد جانے کو کیسے بیان فرمایا جب کہ اس کا وقوع تو بیس روز بعد ہوا تھا جیسے ابھی گذرا؟

جواب[1] : اللہ تعالٰی نے اپنے علم و مشیت کی بنا پر فرمایا جو شئے عنقریب وقوع پذیر ہونے والی تھی موسٰی علیہ السلام کو اس کی خبر قبل از وقت دے دی تھی۔

جواب[2] : سامری نے اس فتنے کا آغاز موسٰی علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے فوراً بعد کر دیا تھا اسی معنے پر فتنہ و آزمائش خبر دینے کے وقت گویا واقع ہو گئی۔

سامری کا تعارف سامری عظمائے بنی اسرائیل سے ایک شخص تھا از قبیلہ سامرہ یا اہل کرمان میں سے تھا۔ جو گائے پرست تھے وہ بنی اسرائیل میں آکر مسلمان ہو گیا لیکن اس کے دل میں گائے پرستی کی محبت بدستور تھی۔ اسی لیے بنی اسرائیل گائے پرستی میں مبتلا ہوئے۔ اور گائے (بچھڑے) میں آواز کا سبب جبریل علیہ السلام کی گھوڑی بنام حیزوم کے کھروں کے نیچے کی مٹی تھی جسے اس نے پگھلے ہوئے سونے میں ڈالا تو وہ بچھڑا بولنے لگا اور یہ کارروائی اسے شیطان نے بتائی۔

جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے کھروں کی مٹی کا واقعہ کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ سامری بھی بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا اس لیے کہ جب فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا یہ اسی سال پیدا ہوا لیکن اس کی ماں نے اسے دریائے نیل کے ایک جزیرہ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالٰی نے جبریل کو فرمایا کہ اس کی حفاظت کریں۔ جوان ہو گیا اور ہارون علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا۔ جب موسٰی علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے اور آکر کہا کہ قوم ایک غلطی میں مبتلا ہے جو شرعاً ناجائز ہے وہ یہ ہے کہ وہ زیورات جو فرعونیوں سے لیے گئے تھے اس کی خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ لازم ہے کہ ان سے زیورات لے کر انہیں جلا کر ایک گڑھے میں محفوظ کر لیے جائیں۔ چنانچہ زیورات جلائے گئے۔ چونکہ سامری ایک چالاک شخص تھا اس نے اس پگھلے ہوئے سونے سے بچھڑا تیار کر لیا۔ پھر جبریل علیہ السلام کی گھوڑی (جو فرس الحیاۃ ہے) کے پاؤں کے نیچے سے تھوڑی سی مٹی لے کر اس بچھڑے پر ڈالی تو وہ فوراً زندہ ہو گیا۔ اس پر گوشت پوست بھی پیدا ہوا اور وہ آواز نکالنے لگا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ زندہ نہ ہوا صرف اس سے ایک قسم کی آواز نکلتی تھی۔ چنانچہ بنی اسرائیل چار سو آئے اور بچھڑے کو سجدہ کرنے لگے۔ اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام کو اطلاع دی کہ تمہارے گھر سے نکلنے کے بعد تمہاری قوم بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہو گئی۔

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ موسٰی علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے جب آپ کے چالیس دن پورے ہو گئے وہ ذوقعدہ کا مکمل ماہ اور ذوالحج کے دس روز تھے۔ اور وہ تختیاں بھی ساتھ لائے جن میں تورات لکھی ہوئی تھی۔ اس کی ایک ہزار سورتیں اور ہر ایک سورت ایک ہزار آیت پر مشتمل تھی جس کا بوجھ ستر اونٹ اٹھاتے تھے۔ **غَضْبَانَ** در آنحالیکہ خشمناک اور پریشان۔ **اَسِفًا** ان کے کردار سے غمگین یعنے ان کے اس غلط عمل سے موسٰی علیہ السلام کو سخت غم لاحق ہوا یا سخت غضبناک ہوئے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اچانک موت کے بارے میں فرمایا :

رحمۃ للمومنین واسیف للکفرین یہ اہلِ ایمان کے لیے رحمت اور کفار کے لیے سخت ترین غضب الٰہی ہے ۔

حدیث شریف مذکورہ میں اسیف اسی اسف سے ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ حزن وغضب ہر دونوں کے بیک وقت کے وقوع کو اسف کہتے ہیں اور کبھی ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ مستعمل ہے ۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں تشریف لائے تو انھیں دیکھا کہ وہ بچھڑے کے ارد گرد دف بجاتے اور رقص کرتے تھے آپ نے غصے سے انھیں جھڑکتے ہوئے کہا :

قَالَ فرمایا، **يٰقَوْمِ** اے میری قوم، **اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۭ** کیا تمھارے پروردگار نے تمھارے ساتھ اچھا وعدہ نہیں کیا تھا یعنے اس نے فرمایا کہ میں تمھیں تورات عطا کروں گا جس میں نور و ہدایت ہے اور یہ اس کا ایسا سچا وعدہ تھا کہ جس سے تمھیں انکار ہو ہی نہیں سکتا ۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ وعدا حسنا یعنے حسن میں انتہا کو پہنچنے والا وعدہ کیونکہ بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ میں تمھیں تورات عطا فرماؤں گا جس میں نور وہدایت ہے اور یہ ایسا وعدہ ہے کہ اس سے احسن و اجمل اور کوئی وعدہ نہیں ہو سکتا ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ بسا اوقات وعدۂ الٰہی آزمائش وفتنہ کا سبب بن جاتا ہے جیسے بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا کہ انھیں تورات عطا فرمائے گا جس میں ہدایت و نور ہوگا لیکن ایفائے عہد کے بعد انھیں گمراہی اور گوسالہ پرستی میں مبتلا فرما دیا ۔ ہاں کے جس میں حسن کی صفت ہو اس سے یقین ہوگا کہ اس کا انجام نیک ہوگا ۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو بالآخر توبہ ، نجات اور رفع درجات نصیب ہوئے ۔

اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ فا مقدر پر عطف کی وجہ سے ہے اور ہمزہ معطوف کے انکار کے لیے ہے اور اس سے معطوف کی نفی مقصود ہے ۔ دراصل عبارت یوں ہے :

اوعدکم ذالك وطال ... الخ یعنے کیا اللہ تعالےٰ نے تمھارے ساتھ اس کا وعدہ کیا تو کیا ایفائے عہد کا زمانہ طویل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے تم غلطی کا شکار ہو گئے ۔

ف : جلالین شریف میں ہے کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے اپنی مفارقت کی مدت کے متعلق فرما رہے ہیں مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں

"طال عهدی بك"

اس سے یہ مراد ہوتی ہے :

طال زمانی بسبب مفارقتی (میری رفاقت سے مدت طویل ہو گئی) ۔

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ یا تمھارا ارادہ تھا کہ لازم ہو جائے ۔ یحل بمعنے یجب ہے ۔ جیسے ہم نے پہلے لکھا ہے ۔

عَلَيْكُمْ غَضَبٌ. تمھارے اوپر غضب یعنے بڑا عذاب اور انتقام شدید۔ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمھارے پروردگار سے یعنے تمھارے جملہ امور کے مالک علی الاطلاق کی طرف سے بسبب اس کے پرستش میں مبتلا ہونے کے جو غباوۃ وحماقت میں ضرب المثل ہے یعنے بچھڑا۔ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ○ تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا جب کہ تمھارا میرے ساتھ معاہدہ تھا کہ تم میری واپسی تک میرے فرمان پر ثابت قدم رہوگے۔

ف: موعدی میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاء اپنے مابعد کی ترتیب کے لیے ہے کہ وہ ہر دونوں کی علی سبیل البدل تردید فرما رہے ہیں گویا فرمایا کیا تم نے میری مدت کی مفارقت سے وعدہ کو بھلا بیٹھے۔ اسی لیے خلاف کا ارتکاب کر کے خطا کار ہوتے یا پھر تمھارا ایسی ارادہ تھا کہ تم پر غضب الٰہی واجب ہوجاتے اسی لیے تم نے عمداً اس کا ارتکاب کیا۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ انھوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے وعدہ یعنے حکم پر ثابت قدمی کا خلاف نہیں کیا بِمَلْكِنَا، اپنی قدرت اور اختیارات سے لیکن ہم پر سامری کا داؤ وفریب اور اس کی دھوکہ سازی سے کیونکہ انسان جب کسی فتنہ و آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اپنے اختیار میں نہیں رہتا بلکہ وہ مغلوب ہو کر غلطی کر لیتا ہے۔ ملك بمعنے قدرت۔ وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔ الوزر (بالکسر) بمعنے سخت بوجھ اس سے قبطیوں کے وہ زیورات مراد ہیں جو انھوں نے گھروں سے نکلتے وقت قبطیوں سے شادی پر جانے کے لیے استعارۃً لیے تھے۔ فَقَذَفْنٰهَا، ہم نے انھیں آگ میں پھینک دیا تاکہ غیر کی ملک کے تصرف کے گناہ سے بچ جائیں۔ فَكَذٰلِكَ، اسی ڈالنے پر۔ اَلْقَى السَّامِرِيُّ○ سامری نے بھی عاریۃً زیورات آگ میں پھینک دیئے تاکہ سب کو یقین ہو کہ وہ بھی ان کی طرح بیگانے زیورات آگ میں ڈال رہا ہے حالانکہ اس نے تو وہ مٹی آگ میں پھینکی تھی جو جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی تھی اور مٹی کی تاثیر تھی کہ اسے جب آگ میں ڈالا جاتا تھا تو وہ اس کی ہیئت تبدیل کر دیتی تھی اور یہ ایک کرامت تھی جو اللہ تعالےٰ نے روح القدس کو عطا فرمائی تھی۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ، تو سامری نے اس مٹی کے سبب سے بنی اسرائیل کے لیے نکالا۔ عِجْلًا، بچھڑا یعنے ان پگھلے ہوئے زیورات سے۔ جَسَدًا، یہ عجلًا سے بدل ہے یعنے ایک جسم مطلق یا وہ جسم جس میں خون اور گوشت تھا یا وہ سونے کا بچھڑا جس میں روح نہ تھی۔

ف: گمراہ سے ایسا امر صادر ہونا ممتنع نہیں بلکہ اسے استدراج سے تعبیر کیا جائے گا۔

لَّهٗ خُوَارٌ۔ عجلا کی صفت ہے اور یہ خاز العمل خواراً سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بچھڑا کچھ آوازیں نکلے جونہی بنی اسرائیل نے بچھڑے سے ایسی آواز سنی تو سجدے میں گر گئے۔ فَقَالُوْا هٰذَآ سامری اور اس کے ساتھ وہ بنی اسرائیل جنھوں نے بچھڑے کی سب سے پہلے یہی کیفیت دیکھی تو کہا۔ هٰذَا یہ بچھڑا۔ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ەۙ فَنَسِيَ تمھارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے لیکن وہ اس کو بھول گیا کہ تو یہاں ہے اور وہ اسے کوہ طور پہ ڈھونڈنے چلا گیا۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے سامری کی گمراہ کی حکایت کا نتیجہ قولاً وفعلاً بیان فرمایا تاکہ اس کے مضمون میں تقریر کی تاکید ہو اس کے بعد اس پر انکار کو مرتب فرمائے گا

اور یہ قائلین کی طرف سے نہیں ورنہ فاجرج لنا ہوتا۔

ف : اس میں شک نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ان سے آزمائش وابتلاء کے طور پر بچھڑے کو پیدا فرمایا تاکہ سچے پکے اور کمزور کے درمیان امتیاز ہو اور اس سے عجیب تر ابلیس کی تخلیق ہے کہ دنیا بھر کے سچے اور کچے انسانوں کی آزمائش کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اَفَلَا یَرَوْنَ۔ فاء مقدر فعل پر عطف کے لیے ہے اور مقام کا تقاضا یونہی ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی :

الا یتفکرون فلا یعلمون (تفکر نہیں کرتے تو اسی لیے وہ کچھ نہیں جانتے)۔

ان مخففہ من المثقلہ ہے۔

اَلَّا یَرْجِعُ بے شک یہ بچھڑا نہیں لوٹاتا۔ اِلَیْهِمْ ان کی طرف۔ قَوْلًاۙ کوئی بات اور نہ ہی انھیں کسی سوال کا جواب دیتا ہے یعنے یہ جب اس کے ساتھ بات کرتے ہیں تو وہ انھیں کوئی جواب نہیں دیتا پھر انھیں کیسے وہم ہوا کہ یہ معبود ہے۔ لا یرجع الرجع سے ہے بمعنے اعادہ۔ یہ رجوع سے نہیں کیونکہ رجوع فعل لازم ہے بمعنے العود۔ وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّ نَفْعًا۝ اور نہ وہ قدرت رکھتا ہے کہ وہ ان سے نقصان دور کرے یا انھیں نفع پہنچائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کے متعلق قضا و قدر لازم کرتا ہے تو باوجودیکہ مشاہدہ آیات ومعائنہ معجزات سے سرفراز ہو چکے ہوتے ہیں لیکن ان سے وہ قوت سلب ہو جاتی ہے عقول ختم اور آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: افلا یرون کہ وہ بچھڑے اور اس کے عجز کو نہ دیکھ رہے تھے۔ ان لا یرجع الیھم قولا انھیں کسی بات کا جواب نہ دیتا تھا۔ و لا یملک لھم ضرا و لا نفعا اور نہ ہی ان سے نفع دور کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی قسم کا نقصان دے سکتا تھا۔

فوائد : آیات سے چند فوائد حاصل ہوئے :

① اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہونا، انسان کامل کی فطری عادت ہے کیونکہ وہ حضرت الٰہیہ کا آئینہ ہوتا ہے اور حضرت الٰہیہ میں غضب بھی ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کبھی ناراض نہ ہوتے اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو وہ غضب و عذاب الٰہی سے بچ کر نہ نکلتا تھا۔

ف : بعض بزرگانِ خدا ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ناراض ہونے پر ناراض ہوتا ہے اور ان کی خوشی سے خوش ہوتا ہے اور ان نفوس قدسی کا غضب عین غضب حق اور ان کی رضا عین رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی بندۂ خدا کا غضب اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہوتا ہے کیونکہ یہی حضرات اللہ تعالیٰ کے صفات کے مظاہر ہیں جملہ اسماء وصفات کا ظہور ان سے ہی ہوتا ہے اسی لیے ان کا غضب عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا۔

ف : حضرت عبداللہ الرضی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ناراض ہونا ہماری طرح نہیں بلکہ اس کی ناراضگی اور رضا اولیاء اللہ کی ناراضگی و رضا

سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان کا غضب و رضا عین غضب و رضائے حق ہے۔ اس کی تائید حدیث قدسی سے ہوتی ہے:

من اھان لی ولیا فقد بارزنی فی المحاربۃ جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ جنگ کے لیے میرے بالمقابل ہوتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ انبیاء عظام و اولیاء کرام و علیٰ نبینا علیہم السلام کے طریقے کو اپنائے کہ جب بھی کوئی بُرا امر دیکھے تو اللہ کے لیے ناراض ہو۔ ؎

کرت نہی منکر بر آید ز دست
نشاید چو بی دست و پایان نشست
چو دست و زبان را نماند مجال
بھمت نمایند مردے رجال

ترجمہ: ① جب تجھ سے گناہ سرزد ہو تو لنگڑا لُنجا ہو کر مت بیٹھ۔

② جب ہاتھ اور زبان کی طاقت جواب دے جائے تو پھر اللہ والے دعا سے کام لیتے ہیں۔

② اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کا سبب وعدہ خلافی و نقض عہدی ہے طالب حق پر لازم ہے کہ وہ استقامت و ثبات پر التزام کرے۔

؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ: صبح ازل سے شام ابد تک دوستی اور محبت ایک ہی عہد و میثاق پر ہو۔

ف: وصایا الفتوحات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے وحی بھیجی کہ جو تمھارے ہاں امید لے کر آئے اسے ناامید نہ کرنا اور جو تم سے پناہ مانگے اسے پناہ دینا۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ آپ کے کاندھے پر کبوتر پناہ گزین ہوا اس کے پکڑنے کے لیے آپ کے دوسرے کاندھے پر باز بھی پہنچ گیا۔ کبوتر آپ کی آستین میں داخل ہو کر پناہ چاہتا تھا اور باز کو اللہ تعالےٰ نے بولنے کی طاقت دی۔ اس نے عرض کی کہ اے ابن عمران میں آپ سے بے مراد نہ جاؤں گا اور آپ میرے رزق کے درمیان حائل نہ ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ اس میں میرا امتحان ہے اسی لیے باز سے کہا کہ مجھ سے کبوتر نے پناہ مانگی ہے اس سے وعدہ پورا کرنا ہے۔ اس لیے معاف کیجئے۔ ہاں! اگر واقعی گوشت کی ضرورت ہے تو لیجئے کہ یہ میری ران ہے اس سے گوشت لیجئے۔ باز اور کبوتر دونوں بول پڑے اور کہا کہ اے ابن عمران جلدی نہ کیجئے ہم دونوں اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں آپ کی آزمائش کے لیے آئے تھے۔

(بقیہ صفحہ نمبر پر)

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ

اور بیشک ان سے ہارون نے اس سے پہلے کہا تھا کہ اے میری قوم یونہی ہے کہ تم اس کے سبب فتنے میں پڑے اور بیشک تمہارا

فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا

رب رحمٰن ہے تو میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو بولے ہم تو اس پر آسن مارے جمے رہیں گے جب تک ہمارے پاس موسیٰ لوٹ کے آئیں

مُوْسٰی ﴿۹۱﴾ قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیْتَ

موسیٰ نے کہا اے ہارون تمہیں کس بات نے روکا تھا جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تھا کہ میرے پیچھے آتے تو کیا تم نے میرا حکم نہ

اَمْرِیْ ﴿۹۳﴾ قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ

مانا کہا اے میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے

فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ یٰسَامِرِیُّ ﴿۹۵﴾

بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا موسیٰ نے کہا اب تیرا کیا حال ہے اے سامری

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا

بولا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہ دیکھا تو ایک مٹھی بھر لی فرشتے کے نشان سے پھر اسے ڈال دیا

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ

اور میرے جی کو یہی بھلا لگا کہا تو چلتا بن کہ دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہے چھو نہ

لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ

جا اور بے شک تیرے لیے ایک وعدہ کا وقت ہے جو تجھ سے خلاف نہ ہوگا اور اپنے اس معبود کو دیکھ جس کے سامنے

عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ

تو دن بھر آسن مارے رہا قسم ہے ہم ضرور اسے جلائیں گے پھر ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہائیں گے تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کو اس کا علم محیط ہے ہم ایسا ہی تمہارے سامنے اگلی خبریں بیان فرماتے

مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ

ہیں اور ہم نے تم کو اپنے پاس سے ایک ذکر عطا فرمایا جو اس سے منہ پھیرے تو بے شک وہ

یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہ قیامت کے دن ان کے حق میں کیا ہی برا بوجھ

حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ یَّتَخَافَتُوْنَ

ہوگا جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم اس دن مجرموں کو اٹھائیں گے نیلی آنکھیں آپس میں چپکے چپکے

بَيْنَهُمْ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ

کہتے ہوں گے کہ تم دنیا میں نہ رہے مگر دس رات ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب کہ ان میں سب سے بہتر

طَرِيقَةً إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾

رائے والا کہے گا کہ تم صرف ایک ہی دن رہے تھے

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۰۲)

ایا سامعا لیس السماع ینافع

اذا انت لم تفعل فما انت سامع

اذا کنت فی الدنیا من الخیر عاجزا

فما انت فی یوم القیامۃ صانع

ترجمہ : اے سننے والے تجھے سننا فائدہ نہ دے گا جب تو عمل نہیں کرتا تو اس سننے کا کیا فائدہ۔ جب تو دنیا میں کچھ نہیں کر سکتا تو پھر قیامت میں کیا کر سکے گا۔

(۳) متاع دنیا غرور و فساد و ہلاکت کا سامان ہے فرعون کو دیکھئے وہ کیسے دنیا کے ساز و سامان کے دھوکے سے ہلاک و تباہ ہوا اور سامری سے نصیحت حاصل کیجئے کہ وہ کیسے زیورات کے فریب سے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کر بیٹھا ایسے ہی بنی اسرائیل اگر زیورات مصر سے نہ لاتے تو وہ بچھڑے کی پرستش میں مبتلا نہ ہوتے۔

ہم اللہ تعالٰی سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی جناب سے کسی کامل ہدایت عطا فرماتے اور اپنے دروازے سے ہمیں محروم نہ فرمائے اور نہ ہی ہمیں عذاب کے اسباب میں مبتلا فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ۔ بخدا ہارون علیہ السلام نے نصیحت فرمائی اور حقیقت امر سے انہیں آگاہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کرو چنانچہ ان کے خطابات سنئے فرمایا يٰقَوْمِ اے میری قوم۔ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ بے شک تم بچھڑے کی عبادت سے آزمائش کیے جا رہے ہو اور یہی تمہاری گمراہی کی بیّن دلیل ہے۔ ہم نے حصر لفظ انما سے سمجھا ہے جب کہ قوم نے اپنے دعویٰ میں اپنی ہدایت پر حصر کی اس سے کسی اور دلیل کو حصر کے لیے نہیں بتایا جا سکتا۔ اس کا مفہوم ہوگا کہ تم بچھڑے کی پرستش میں محصور نہیں

ہو گئے بلکہ تمعاری ہدایت ممکن ہے اور تمعارا گمراہ ہونا صرف بچھڑے کی پرستش میں محصور نہیں بلکہ تمھارا گمراہ ہونا دوسری وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ ، بے شک عبادت کا مستحق صرف رب رحمٰن ہی ہے کیونکہ وہی جملہ نعمتوں کا منعم ہے یہ بچھڑا پرستش کے لائق ہے بھی نہیں۔ لفظ رحمٰن میں اشارہ فرمایا کہ اگر تم اس غلطی سے توبہ کر لو تو وہ تمھاری توبہ بھی قبول کرے گا۔ اے میری قوم! جب معاملہ یونہی ہے تو فَاتَّبِعُوۡنِىۡ تو دین کے معاملہ میں میری اتباع کرو۔ وَاَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِىۡ اور میرے حکم کی اطاعت کرو اور بچھڑے کی پرستش چھوڑ دو۔

ف : ہارون علیہ السلام کی پند و نصیحت میں کیسی بہترین ترتیب ہے کہ پہلے باطل سے اجتناب کے لیے انما فتنتم ..الخ سے زجر و توبیخ فرمائی۔ اور اس سے ان کے شبہات کا ازالہ فرمایا یہ ایسے ہے کہ جیسے پہلے راستے سے کانٹے وغیرہ دور کیے جاتے ہیں پھر راستہ آسانی سے طے کیا جاتا ہے ایسے ہی ہارون علیہ السلام نے کیا ان کے دل کے کانٹے دور کرکے پھر دعوت حق پیش کی اور عرفان الٰہی سے آگاہ فرمایا۔

کما قال :

وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی

پھر انھیں احکام شریعت کا پیغام دیا :

واطیعوا امری۔

ف : اس وعظ ہارون میں ان کی آپ اپنی ذات کے لیے بھی شفقت ہے اور قوم کے لیے بھی اپنے لیے تو بایں معنی ہے کہ وہ جو اللہ تعالیٰ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مامور تھے بجا لایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیابت " اخلفنی فی قومی و اصلح ولا تتبع سبیل المفسدین " پہ صحیح اترے اگر وہ یہ حکم بجا نہ لاتے تو اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت ہوتی اور وہ ناجائز ہے۔

یوشع علیہ السلام کی وحی اللہ تعالیٰ نے یوشع علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں تیری قوم سے نیک لوگوں کی چالیس ہزار کی جماعت کو تباہ و برباد کرنے والا ہوں اور ساٹھ ہزار بُرے لوگ بھی برباد اور تباہ ہوں گے یوشع علیہ السلام نے عرض کی کہ بُرے لوگ تو سزا و عذاب کے مستحق ہوتے ہیں ان کی تباہی و بربادی بجا، لیکن نیک لوگوں کی تباہی و بربادی کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس لیے کہ نیک لوگ میری وجہ سے بُروں سے ناراض نہ ہوئے۔

حدیث شریف : محبت و شفقت اور رحم دلی اور پیار میں مسلمان آپس میں ایک جسم کی طرح ہیں جب جسم کا ایک عضو دکھ محسوس کرتا ہے تو سارا جسم ساری رات بے قرار اور بے آرام رہتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

؎

بنی آدم اعضائے یکدیگرند
کہ در آفرینش زیک گوہرند
چوں عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمے
نشاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ: (۱) بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے اعضاء ہیں اس لیے کہ تخلیق میں ایک جوہر ہے۔
(۲) جب زمانہ کی گرفت سے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے اعضا کو قرار نہیں رہتا۔
(۳) جب کہ تو دوسروں کی تکلیف سے بے غم ہے پھر تجھے آدمی نہیں کہنا چاہیئے۔

ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ لوگ جہنم کے کنارے کھڑے ہیں تو پھر انھیں حق کی بات صاف صاف بتادی نہ توان کی کثرت سے خائف ہوتے اور نہ ہی ان کی نفرت سے۔

ے

بگوی آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں بر آرد خروش
کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: (۱) جو بات تجھے حق نظر آتی ہے اسے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو پسند نہ ہو۔
(۲) کل قیامت سے پریشان حال فریاد کرے گا کہ افسوس کہ میں نے اچھی بات کو قبول نہ کیا۔

(ردِ رافضہ) شیعہ پارٹی "انت منی بمنزلۃ ھٰرون من موسٰی، اے علی رضی اللہ عنہ تم میرے لیے ایسے ہیں جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے" کو بڑے زوردار دلائل سے سمجھتے ہیں حالانکہ اسی روایت سے ان کی تردید ہوتی ہے وہ اس طرح کہ ہارون علیہ السلام نے تو تقیہ نہ کیا بلکہ بھرے مجمع میں منبر پر حق کو کھلم کھلا بیان کر دیا اور فرمایا کہ اس وقت تمھیں صرف میری متابعت ضروری ہے۔ ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ گمراہی میں جا رہے ہیں کہ وہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اتباع کر رہے ہیں تو ان کا فرض تھا کہ کھلم کھلا کہہ دیتے کہ لوگو! تمھیں میری متابعت ضروری ہے ان کا اس موقعہ پر تقیہ کرنا مناسب نہ تھا لیکن وہ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے دوران میں خاموش رہے تو معلوم ہوا کہ وہ ان کی خلافت کو حق سمجھتے تھے۔ (مترجم)

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان بے دینوں کو قتل کر دیا جنھوں نے

دوسرا ردّ

آپ کے لیے الوہیت کا دعویٰ کیا اگر تقیہ جائز سمجھتے ہوتے تو وہاں بھی خاموشی اختیار کرتے ورنہ پھر ماننا پڑے گا کہ خلافت اصحاب ثلاثہ ان کے نزدیک باطل نہیں بلکہ حق تھی ورنہ ان کے ساتھ بھی جنگ کرتے۔[1]

قَالُوْا ، بنی اسرائیل نے ہارون علیہ السلام کے جواب میں کہا کہ لَنْ نَّبْرَحَ ہم بچھڑے کو اور اس کی پرستش کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ عٰكِفِيْنَ ، اس کی پرستش پر ہم ہمیشہ قائم رہیں گے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ العکوف علی سبیل التعظیم کسی شے کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے ساتھ مقیم رہنا۔

ف : تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ بنی اسرائیل پر خاص رحمت تھی کہ انھیں فرعون کے عذاب سے نجات دلائی اور پھر اپنی جہالت سے تقلیداً گویا اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ کہا : لن نبرح علیہ عٰکفین۔

حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائیں اسے ہارون! ہمیں آپ کی دلیل قبول نہیں ہاں موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لا کر اگر مانع ہوئے تو ہم ان کی بات مان جائیں گے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کو بچھڑے پر عکوف کی غایت بتائی لیکن وہ بھی بطریق وعدہ نہیں بلکہ بطریق تعلل وتسویف تھا یعنے انھیں ان کو گمان تھا کہ موسیٰ علیہ السلام واپس ہو کر سامری کے خلاف نہیں کریں گے اسی لیے ہارون علیہ السلام کی بات کاٹ کر موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک بچھڑا پرستی کا کہا۔

ہارون علیہ السلام کا بائیکاٹ کرنا

جب ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ بنی اسرائیل ان کا فرمان نہیں مانتے تو وہ اپنے ماننے والوں کو علیحدہ کر کے عبادت حق میں مشغول ہو گئے اور وہ بارہ ہزار افراد تھے جنھوں نے بچھڑا پرستی نہ کی۔

ف : جب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لاتے تو صبح کے وقت بچھڑے اور بنی اسرائیل کا اس کے ارد گرد رقص کرنے کی آواز سنی تو اپنے ستر ساتھیوں سے فرمایا کہ یہ فتنہ وشرارت کی آواز معلوم ہوتی ہے، چنانچہ انھیں بلایا یا انھوں نے وہی کیا جو پہلے بیان ہوا۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ہارون علیہ السلام کا فرمان سنا بھی نہ۔ وہ اس لیے کہ ان میں سمع حقیقی مفقود تھی اسی لیے کہہ دیا : لن نبرح ..... الخ

فائدہ صوفیانہ : اس سے معلوم ہوا کہ مرید جب کسی شیخ کامل واصل کی خدمت میں رہنے کی سعادت سے مشرف ہوا اور اس

---

[1] : رد رافضہ اضافہ از اویسی غفرلہ۔

کی صحبت کے فیوض و برکات سے مالامال ہو پھر اس کے ارشادات اور اوامر و نواہی کے مطابق پورا اترتا ہے تو اس کی ولایت کی برکت سے وہ مرید سمیع و بصیر ہو جاتا ہے یعنے شیخ کے نور ولایت کی وجہ سے وہ اسرار و معانی کو دیکھتا سنتا ہے حالانکہ اس سے قبل وہ ان اسرار و رموز سے بالکل نا آشنا تھا اس کے بعد اگر وہ شیخ کی صحبت سے قبل از تکمیل جدا ہو جاتا ہے تو پھر نور ولایت سے محرومی کی وجہ سے پہلے کی طرح بدستور اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پھر اسے شیخ کی صحبت نصیب ہو تو اس کے نور ولایت سے منور ہو کر اسرار و معانی کو دیکھے سنے گا ۔

قَالَ ، یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا کسی نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر ہارون علیہ السلام کو کیا فرمایا تو اس کے جواب میں کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو بگڑا ہوا دیکھا اور ہارون علیہ السلام بھی قوم سے جواب انکار سن کر خاموش ہو رہے تو موسیٰ علیہ السلام نے غصے سے ہارون علیہ السلام کو ڈاڑھی اور سر کے بالوں سے پکڑا ۔ (اس لیے کہ ہارون علیہ السلام لمبے بالوں والے تھے) اور فرمایا : يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ○
اے ہارون! جب تو نے دیکھا کہ وہ بچھڑے کی پرستش سے سیدھے راستے سے بھٹک کر طریقہ عبودیت الٰہی سے دور ہو گئے اور تیرے سامنے مکابرہ اور بڑے مقابلے کے مرتکب ہوئے ۔

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ط لا زائدہ اور منع کا مفعول ثانی اور اذ کا عامل ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ جب تو انھیں گمراہی میں پھنستا دیکھ رہا تھا تو پھر تجھے کس شے نے میری تابعداری سے روکا کیا تمھیں معلوم تھا کہ ان کا یہ ارتکاب غضب الٰہی کا موجب ہے اور یہ بھی تمھیں معلوم تھا کہ ان کا یہ عمل کفر ہے اور کافروں سے جنگ کرنا ہمارا فرض ہے جس وقت یہ بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوئے تو اگر تمھیں مقابلہ کی طاقت نہ تھی تو کم ازکم مجھے آکر اطلاع کرتے تو فوراً واپس آجاتا اور انھیں سمجھاتا اور اس طرح یہ ایسی بدبختی سے بچ جاتے ۔

ف : تقریر مذکورہ میں لا زائدہ ہے ۔ بعض مفسرین کے نزدیک لا زائدہ نہیں ۔

اب منعك مجازاً بمعنے دعاك ہے ۔

اب معنے یہ ہوا کہ تمھیں کس شے نے ابھارہ کر تو نے میری اتباع نہ کی ، تمھیں غضب الٰہی یاد نہ رہا اور نہ ہی تمھیں دینی حمیت کا تصور رہا ۔

جیسے مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ... الخ میں لا زائدہ و غیر زائدہ کی دو تقریریں ہیں ۔ یہاں بھی ایسے ہی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچ کر بحر شواہد حق میں مستغرق ہوئے تو انھیں غیر حق نظر بھی نہیں آتا تھا ۔ اس کے درمیان میں حجابات و وسائط بالکل اٹھ گئے تھے ، اسی لیے انھیں اللہ تعالےٰ نے انا قد فتنا قومك من بعدك واضلهم السامری ، فرما کر وسائط کی طرف متوجہ فرمایا اور چونکہ وہ اس وقت قرب حق میں تھے انھیں سوائے اسی کے اور کچھ مد نظر نہ تھا اسی لیے کہہ دیا :

ان هی الا فتنتک ۔

یہاں آزمائش و ابتلاء کو ذات حق کی طرف منسوب فرمایا اس لیے کہ حقیقت کی حقانیت و غایت ضروری تھی لیکن یہ نور حقیقت شریعت کے نقش قدم پر چلنے سے میسر آتا ہے اسی لیے ہارون علیہ السلام کو فرمایا:

اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ ○ باوجودیکہ میں امر دین کو پختہ اور مضبوط کر گیا تھا اور گویا اس پر مضبوط دیوار کھینچ گیا لیکن تو نے قوم کی طرح میرے خلاف کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی پاسداری بھی نہ کی ۔

اخلفنی میں امر الٰہی و امر موسیٰ ہر دونوں کو متضمن ہے اس لیے کہ خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو مستخلف کے جملہ امور کو پورے طور پر ادا کر سکے ۔ ہمزہ انکار توبیخی کے لیے ہے اور فاء عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام موضوع کا تقاضا ہے یعنے تو نے میری مخالفت کر کے میری نافرمانی کر ڈالی ۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ ۔ ام رب کے بالمقابل ہوتی ہے یعنے والدہ جس سے یہ پیدا ہو لیکن عام اطلاق ام قریبہ کے لیے ہوتا ہے ورنہ ام بعیدہ کو بھی ام کہا جاتا ہے یعنے نانی کو بھی اُم کہنا جائز ہے ۔ ویسے ہر اس شے کو اُم کہا جا سکتا ہے جس سے کوئی شے کا وجود ہو تربیت کنندہ بھی ۔ ایسے ہی اصلاح کرنے والی کو یا شے کے ابتدا کرنے والے کو بھی اُم کہا جاتا ہے ۔ اور یہاں پر دراصل یا ابن امی تھا ۔ یاء کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے یا ابن اما ہوا ۔ الف کو حذف کر کے بفتح المیم پڑھا گیا یہ بوجہ کثرت استعمال اور لفظ کو طوالت سے بچانے کے لیے کیا گیا ہے ویسے اصلی حالت پر رہتا تو اس میں تضعیف کی ثقالت بھی ہوتی ۔

ف: کو حذف کر کے میم کی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ۔

نکتہ: ماں کی طرف منسوب کرنے میں ماں کے حقوق کی عظمت کا اظہار اور ماں کے نام سے موسیٰ علیہ السلام کے دل کو نرم کرنا مطلوب ہے اور یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ وہ ایک ماں کے بیٹے تھے ۔ اور باپ بھی ایک تھا یہی جمہور کا مذہب ہے ۔

فائدہ صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہارون علیہ السلام کی نبوت حضرت رحمت سے تھی ۔ کما قال تعالےٰ:

ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا ۔

اسی لیے ہارون علیہ السلام نے ماں کے واسطے سے ندا دی کیونکہ ماں کی رحمت بہ نسبت باپ کے زائد ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ماں تربیت اولاد میں دلچسپی لیتی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت حق سے ذوق و شوق میں بھرپور ہیں اور نخوت قربت و اصطفاء و مکالمہ میں سرشار ہو کر آئے ہیں اسی لیے تواضع و انکسار سے کام لیتے ہوئے کہا:

یاابن ام ۔ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۚ نہ میری ڈاڑھی نوچئے اور نہ ہی سر کے بال ۔

ابن امّ کی دو وجہ ہیں :

(۱) صلہ رحمی کا خیال آئے گا تو نرم پڑ جائیں گے ۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام نے رویت حق کی طلب کی اور پھر ان پر تجلی رب پڑی اس لیے بیہوش ہو کر گرے۔ ان کی بیہوشی پہ ملائکہ آئے اور ان کے سر کے بالوں سے پکڑا اور کہا کہ اے حیض والی اولاد اور مٹھی بھر کہاں تم کہاں وہ رب الارباب ۔ تم بھی اس کی زیارت چاہتے ہو ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

ترجمہ : یہ دام کسی دوسرے مرغ کے دانے پر ڈال اسی لیے کہ عنقا کا آشیانہ بہت دور ہے ۔

؎

عنقا شکار کس نبود دام باز چنیں
کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ترجمہ : عنقا کا شکار مشکل ہے اور نہ ہی ایسے کو کسی پھانسی پکڑ سکتی ہے جب کہ دام ہر وقت اس کی زد میں لگا ہے ۔

ف : مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کے سر کے بالوں کو دائیں ہاتھ سے اور داڑھی کو بائیں ہاتھ سے پکڑا ۔ اس وقت آپ سخت غضب میں تھے اور ویسے بھی آپ غضب ناک اور سخت گیر تھے ۔ اب جب کہ قوم کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا تو آپے سے باہر ہو کر وہی کیا جو ابھی معلوم ہوا لیکن یہ سب کچھ قوم کے سامنے ہو رہا تھا اور آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اسی لیے ہارون علیہ السلام نے کہا :

اِنِّیْ خَشِیْتُ ، مجھے خوف ہے کہ یہ ایک دوسرے سے لڑیں گے اور ان کی جمعیت تفرقہ میں بدل جائے گی ۔ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ، تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ہے تفریق سے ان کا جنگ و جدال سے آپس میں کٹ مرنا مراد ہے جب کہ اس وقت ایسی فضا نہ تھی ۔

ف : جلالین میں ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہ یہ آپس میں دو گروہ ہو کر مختلف طریقے سے لڑیں گے جن کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا پھر تم کہو گے کہ تو نے اختلاف کھڑا کیا ہے ۔

وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ۝ اور تو نے میرے امر کی حفاظت ، اصلاح اور نہ کوشش کی جیسا کہ میں نے تجھے

کہہ گیا تھا کہ

"اخلفنی فی قومی واصلح"

اصلاح بمعنے منتشر لوگوں کو جمع رکھنا اور ان کی جماعتوں کی پوری نگرانی کرنا اور ان کی خاطر مدارات کا خیال رکھنا یہاں تک کہ میں واپس آؤں گا اور ہارون علیہ السلام نے جدوجہد میں کمی نہیں کی ان کی غلطی کا تدارک موسیٰ علیہ السلام ہی کر سکتے تھے ہارون علیہ السلام ان سے لڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ اور یہ قلیل تھے۔ جیسا کہ آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔

ف: العیون میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ہارون! (علیہ السلام) تونے میرے امر کی نگرانی نہ کی یا تونے میرے آنے کا انتظار نہ کیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے کہا کہ مجھے آپ کے امر کی نگرانی میں ایک رکاوٹ تھی اور آپ کے امر پر عمل کرنے کا عذر معقول تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔

ف: یہ ہارون علیہ السلام سے معذرت تھی اور معقول عذر انسان کی غلطیوں کو مٹا دیتا ہے۔

عذر کے اقسام: عذر کے مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

(۱) میں نے یہ کام کیا ہی نہیں۔

(۲) کیا ہے لیکن فلاں وجہ درپیش تھی اور اس وجہ سے بندہ کا ارتکاب فعل معاف ہو جاتا ہے۔

(۳) غلطی کی ہے لیکن آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔

اس تیسری کسم کی غلطی کا دوسرا نام توبہ ہے۔

ف: توبہ کو عذر کہا جا سکتا ہے لیکن ہر عذر توبہ نہیں ہو سکتی۔

ف: ہارون علیہ السلام حلیم اور رقیق القلب تھے۔ اسی لیے بنی اسرائیل کو ان سے زیادہ محبت تھی۔

نکتہ: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

احسن الکنوز محبۃ القلوب — دلوں کی محبت بہترین خزانہ ہے۔

حسن خلق اور بد خلق سقراط نے کہا کہ جس کا خلق اچھا وہ عیش کی زندگی بسر کرے گا اور ہمیشہ سلامتی و عافیت کے ساتھ رہے گا اور دلوں میں اس کی محبت ہوگی اور جس کا خلق برا ہے اس کا عیش مکدر اور بغض و عداوت

میں گھر جائے گا اور لوگوں کے دل بھی اس سے متنفر ہوں گے ؎

اری الحلم فی بعض المواضع ذلة

وفی بعضها عزا الیسود فاعلة

ترجمہ : بعض اوقات حلم ذلت کا سبب بنتا ہے لیکن بسا اوقات اس کا عامل عزت پاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر بادشاہی کرتا ہے ۔

ارسطو کے اقوال

ارسطو نے کہا ہے ○ سچ گوئی انسان کی قدر و منزلت بڑھاتی ہے ۔

○ تواضع دلوں کو موہ لیتی ہے ۔

○ حلم دوستوں کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے ۔

○ نرمی قلوب پر شاہی کرتی ہے ۔

○ وفا اخوت زیادہ کرتی ہے ۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نرمی اور شفقت میں اعتدال سے کام لیتے اسی لیے اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس طرح موصوف فرمایا :

"بالمومنین روف رحیم"

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ ۔ بندگان حق رحیم و بردبار
خوی حق دارند در اصلاح کار

۲ ۔ مہربان بے رشوتاں یاری گراں
در مقام سخت و در روز گراں

۳ ۔ ہین بجو این قوم را اے مبتلا
ہین غنیمت دارشان پیش از بلا

ترجمہ : ۱ ۔ بندگان حق، رحیم و بردبار ہوتے ہیں، اصلاح کار میں خوئے حق رکھتے ہیں ۔

۲ ۔ بلا رشوت کام کرتے ہیں مہربان ہوتے ہیں دوستوں کی مدد کرتے ہیں سخت اور مشکل اوقات میں کام آتے ہیں ۔

۳ ۔ اے مشکل میں پھنسنے والو ! ایسے لوگوں کی تلاش میں رہو اس لیے کہ بلا کے آنے سے پہلے ایسے لوگوں کا حصول غنیمت سمجھو

قَالَ، یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب قوم اور ہارون علیہ السلام ایسی غلطی سے بری ثابت ہوئے اور ساری خرابی کا سرچشمہ سامری ثابت ہوا تو پھر موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کیا فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ○ الخطب لغت میں اس بہت بڑے کام کو کہا جاتا ہے جس میں تخاطب کی کثرت ہو یہ خبط سے مقلب ہے گویا ایسا آدمی بہت بڑے خبط میں مبتلا ہوتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے اور اس غلط کاری سے تیرا مطلب کیا ہے اور کونسی بات نے تجھے اس کام پر ابھارا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے ساتھ اس لیے گفتگو فرمائی تاکہ عوام کو اس کی شرارت اور فتنہ و فساد اور مکر و فریب کا علم ہو جائے اور وہ اعتراف کرے کہ یہ میری غلطی ہے پھر اسے جب سزا دی جاتے تو قوم کو یہ کہنے کا موقعہ بھی نہ ملے کہ اس پر ظلم ہوا اور آنے والی نسلوں میں ایسے فتنہ ساز سر نہ اٹھا سکیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ تو نے دشمن سے مل کر ہماری قوم کے لیے یہ فتنہ کیسے برپا کیا کہ بچھڑا بنا کر پرستش شروع کرا دی اور اموال کی بچھڑے میں شکل بنا ڈالی اور اموال میں ہی لوگوں کے دلوں کی بندش ہے۔ اسی لیے عیسٰے علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل لوگوں کے دل اموال میں ہوتے ہیں اسی لیے اموال کو آسمان پر رکھا کرو تاکہ تمہارے قلوب آسمان پر ہوں یعنے اموال کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو تاکہ تمہارا ثواب آسمان پر جاوے اور وہ دائمی اور باقی ہے۔

لطیفہ: مال کو اسی لیے مال کہا جاتا ہے کہ اس کی ذات کی طرف قلوب کا میلان ہوتا ہے اور اسی سے مقاصد کا حصول اور حوائج پورے ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مال دنیا دام مرغان ضعیف
ملک عقبیٰ دام مرغان شریف
ہین مشو گر عارفی مملوک ملک
مالک الملک آنکہ بجہید او زملک

ترجمہ: مال دنیا کمزور پرندوں کی پھانسی ہے اور آخرت کا ملک شریف پرندوں کی۔
خبردار اگر تو عارف ہے کہ اس دنیا کے ملک کے قابو نہ آنا مالک الملک کی طرف جانے کی کوشش کرو تاکہ ہلاکت اور تباہی سے بچاؤ ہو جائے۔

قَالَ، سامری نے موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں کہا۔ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ

حل لغات: قاموس میں ہے کہ بصر از باب کرم و فرح اس کا مصدر بصرا و بصارۃ بکسر بمعنے وہ دیکھنے والا ہو گیا۔

ف : المفردات میں ہے کہ بصرت حاسہ سے دیکھنے کو کہا جاتا ہے۔ اسے قلب سے دیکھنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ میں نے وہ شے دیکھی جو دوسرے نہ دیکھ سکے۔

جبریل علیہ السلام کی گھوڑی میں حیات

سامری نے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام جس سواری پر سوار ہیں وہ جہاں قدم رکھتی ہے تو وہاں سوکھا گھاس سبز ہو جاتا ہے اس سے میں نے سمجھا کہ اس کی کوئی تاثیر ضرور ہوگی، اسی لیے اس کے قدموں کے نیچے سے چٹکی بھر مٹی اٹھا لی۔

تفسیر الکبیر میں ہے یہ اس نے اس وقت دیکھا جب دریا کو موسیٰ علیہ السلام عبور کر گئے اس کے بعد فرعون کی باری تھی تو فرعون کے گھوڑے کے آگے جبریل علیہ السلام گھوڑی لائے اور دریا میں داخل ہو گئے (اس کے جانے سے فرعون کا گھوڑا فرعون کے قابو میں نہ رہا اور وہ دریا میں کودا۔ اس سے فرعون اور اس کی تمام قوم ڈوب کر مر گئی)۔

دوسری تفاسیر میں ہے کہ سامری نے یہ کیفیت دیکھی جب جبریل علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی جانب لے گئے اور جلالین شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو فرس الحیاۃ پر دیکھا تو میرے دل میں خیال گذرا کہ میں اس کے پاؤں سے مٹی کی چٹکی اٹھاؤں۔ چنانچہ میں نے جب بھی اس چٹکی میں سے کچھ مٹی کو جس شے پر بھی ڈالا تو اس پر گوشت پیدا ہو گیا اور اس کو روح مل گئی۔ میں نے جب بنی اسرائیل کو دیکھا کہ وہ آپ سے بچھڑا کو معبود بنانے کی استدعا کر چکے ہیں تو میں نے آپ کی عدم موجودگی میں ان کے لیے بچھڑا تیار کر کے ان کو پرستش کی دعوت دی۔ چنانچہ اللہ تعالٰی اس کے متعلق فرماتا ہے :

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ ، تو میں نے رسول کے قدموں کے نیچے سے ایک چٹکی بھر مٹی اٹھائی۔

یعنے اس فرشتے کی گھوڑی کے قدموں کے نیچے سے جو آپ کے پاس پیغام الٰہی لاتا ہے۔ اس سے فرس الحیاۃ مراد ہے جو جبریل علیہ السلام کو سواری کے لیے دی گئی تھی۔ اور یہاں نہ جبریل کہا اور نہ روح القدس اس لیے کہ وہ جبریل علیہ السلام سے متعارف نہ تھا۔

ف : قبضۃ ایک بار مٹھی بھر لینا یعنے کسی شے کی ایک بار مٹھی بھرنا۔ کبھی قبضۃ بمعنے مقبوض بھی ہوتا ہے۔

فَنَبَذْتُهَا :

حل لغات : النبذ بمعنے کسی شے کو غیر معتبر سمجھ کر پیچھے پھینکنا۔

میں نے اسی مٹی کو پگھلے ہوئے زیورات یا بناوٹی بچھڑے کے منہ میں ڈالا۔ پھر یونہی ہو گیا جیسا کہ آپ اب دیکھ رہے ہیں۔

ف : العرائس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے سامری نے سنا تھا کہ قدسیوں میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ بے جان میں جان ڈال دیتے ہیں[1] اسی لیے اس نے قدسی فرشتے کی سواری کے قدموں سے مٹی اٹھا کر بچھڑے میں ڈال دی جسے اللہ تعالےٰ نے اپنے نور قدرت سے اسے زندہ بنایا۔

[یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ مُردوں میں روح اللہ تعالےٰ ڈالتا ہے اور اللہ والوں کی دُعا سبب بنتی ہے جیسے غوث جیلانی قدس سرہٗ نے بڑھیا کا بیڑا ترا تا ۔ تفصیل رسالہ "احیا الموتی بعد السنین" میں دیکھیئے ۔ مصنف اویسی غفرلہٗ]

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بصرت یعنے میں نے دیکھا کہ اسے کرامت سے نوازا گیا ہے جب کہ اس گھوڑی کے قدموں کے نیچے کا سوکھا گھاس سبز ہو جاتا ہے اور یہ میرا الہامی تصور تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ان میں کسی ایک کو کرامت عطا فرمائی ہے ۔ فقبضت قبضۃ من اثر الرسول ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل کرامت کے لیے کرامت کرامت بن جاتی ہے اور اہل غرامت کے لیے فتنہ ۔ آزمائش اور استدراج ۔ ان میں فرق یہ ہے کہ اہل کرامت اسے حق کے اثبات میں تصرف کرتے ہیں اور اہل بطلان کے لیے باطل اور نفسانیت کے لیے جیسا کہ سامری نے خود اعتراف کیا کہ وکذالک سولت لی نفسی ۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِىْ نَفْسِىْ ○ اور ایسے ہی مجھے میرے نفس نے بنا سنوار کر دکھایا ۔ یعنے میری شقاوت اور محنت کو میرے نفس نے بنا سنوار کر دکھایا ۔

حل لغات : التسویل بمعنے نفس کا اپنی پسندیدہ شے کو سنگار کر دکھانا اور قبیح شے کو تحسین و تشکیل خیال میں ڈالنا ۔

دراصل عبارت سولت لی نفسی تسویلا کائنا مثل ذالک التسویل ۔ مثل التسویل مصدر محذوف کی صفت ہے اور ذالک کا اشارہ اس فعل کی طرف ہے جو بعد میں مذکور ہوگا ۔ اسے فعل پر مقدم کرنا قصر و حصر کے ارادہ پر ہے اور کاف ، زائد ہے یہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے جیسے ذالک فخامت کا اس معنے پر مصدر مؤکد ہے صفت نہیں ہے ۔

اب معنے یہ ہوا کہ یہ تزئین عجیب ہے جسے میرے نفس نے مجھے افعال (قبض ۔ بند) سنگار کر دکھائے اور یہ تزئین کوئی معمولی شے نہیں ۔ اس سے آپ اندازہ لگایئے کہ میں نے کیونکر ایسے کیا ۔

سامری کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تزئین میرے نفس امارہ کی شرارت سے ہوئی اس کا کوئی اور موجب اور سبب نہیں اور نہ ہو سکتا ہے نہ برہان عقلی سے نہ ہی الہام الٰہی سے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ لباب میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ

---

[1] : ہم اہلسنت کو یہ عقیدہ انبیاء علیہم السلام سے ورثہ میں ملا ہے ۔ (اویسی)

[2] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۔

اسے قتل نہ کیجئے کیونکہ اس کی سخاوت کی عادت ہے چونکہ اس کی سخاوت سے میری مخلوق کو فائدہ پہنچا اس لیے ہم بھی اسے چند روز زندہ چھوڑتے ہیں تاکہ چند روز اور زندگی سے فائدہ اٹھالے ۔ اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض، کا راز اس سے کھلا ۔

ے

ہر نہالے کہ برگ دار و بر
باد ز آب حیات تازہ و تر
و آنچہ بے میوہ باشد و سایہ
بہ کہ گردد تنور را مایہ

ترجمہ : وہ درخت جس کے پتے بھی ہوں اور پھل بھی خدا کرے آب حیات سے ہمیشہ تازہ و تر ہو ۔
اور وہ درخت جس کا نہ میوہ ہے نہ سایہ ۔ اسے تنور میں ڈال کر آگ لگا دینی چاہیئے ۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا کہ چونکہ تیرے قتل سے مجھے باری تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ۔ فَاذْهَبْ تو لوگوں میں رہ میرے ہاں سے چلا جا ۔ فَاِنَّ لَكَ فِى الْحَيٰوةِ تیرے لیے تادم زیست سزا یہ ہے کہ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ، کنارہ لامساس ۔

ف : المفردات میں ہے کہ مس اور لمس کا معنٰی ایک ہی ہے فرق یہ ہے کہ لمس کبھی شے کی طلب کے لیے استعمال ہوتا ہے اگرچہ وہ شے موجود نہ ہو اور مس وہ جو پائی جائے اور اس کا حاسۂ لمس سے ادراک کیا جا سکے ۔

ف : قاموس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے لامساس بالکسر بمعنٰی لا امس و لا امسی ۔ التماس کا بھی یہی معنٰی ہے ۔ اسی سے ہے ان یتماسا یعنے نہ میں کسی کو ہاتھ لگاؤں گا اور نہ کوئی مجھے ہاتھ لگائے اس خوف سے کہ کہیں بخار نہ گھیر لے ۔

سامری کی سزا مروی ہے کہ سامری جس مرد یا عورت کو ہاتھ لگاتا تو وہ خود بھی اور جسے ہاتھ وہ بھی دونوں بخار کا شکار ہو جاتے اسی لیے وہ لوگوں کے ہاتھ لگانے سے بچتا تھا اور لوگ اس سے، اور وہ زور زور سے چیختا پھرتا رہتا تھا ۔

لامساس، لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا، بولنا، اٹھنا، بیٹھنا، بیع و شرا اور دیگر معاملات سے محروم ہو گیا ۔ اور دُور جنگلوں میں جانوروں اور وحشیوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا ۔

اعجوبہ : بعض تفاسیر میں ہے کہ اس سامری کی اولاد آج بھی دنیا کے بعض علاقوں میں ہے جو بھڑے کی پوجا کرتے ہیں اور ان کی زندگی کا بھی وہی حال ہے جو سامری کا تھا ۔

تردید: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اولاد کا ہونا از دواج (نکاح کرنا) پر موقوف ہے اور اس سے یہ صورت "ممکن تھی۔ پھر اس کے لیے یہ دعویٰ کیسا؟

نکتہ: الارشاد میں ہے کہ سامری کو اس عذاب میں مبتلا کرنے میں ایک رازیہ ہے کہ اس نے چونکہ ایک بے جان میں جان ڈالنے کا سبب بنایا تو اسے ایسی سزا میں مبتلا کیا گیا جو زندگی کے لیے موت کا سبب بنے یعنے بخار کیونکہ اکثر بخار موت کا سبب ہے۔ اسی لیے اسے اس میں مبتلا کیا گیا۔

فائدہ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی نفس امارہ کی خواہشات کی اتباع کرتا ہے اسے ایسی سزا میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ دنیا میں بے یار و مددگار اور لوگوں سے بیزاری وغیرہ کی سزا پاتا ہے۔

ے

چوں عاقبت زصحبت یاراں بریدنست
پیوند باکسے نکند آنکہ عاقلست

ترجمہ: جب دوستوں سے دور ہی ہونا ہے تو عاقل وہ ہے جو کسی سے دوستی نہیں کرتا۔

ف: اتصال کے بعد انقطاع سے سخت ترین تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بخلاف انقطاع اصلی کے کہ اس سے الٹا فرحت و سرور نصیب ہوتا ہے ے

الفت مگیر ہمچو الف ہیچ باکسے
تابستہ الم نشوی وقت انقطاع

ترجمہ: الف کی طرح کسی سے الفت نہ کرتا کہ انقطاع کے وقت تجھے دکھ اور درد نہ ہو۔

وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا، اور بے شک تیرے شرک و فساد پر تجھے آخرت میں عذاب کا وعدہ ہے۔ لَّنْ تُخْلَفَهٗ، اور اللہ تعالےٰ تیرے اس وعدہ کے خلاف نہ کرے گا بلکہ اسے ضرور پورا کرے گا جیسے تجھے دنیا کی سزا میں مبتلا کیا۔

ف: الخلف والاخلاف، یعنے وعدہ خلافی۔ جیسے کہا جاتا ہے:

وعدنی فاخلفنی (اس نے میرے ساتھ وعدہ کر کے خلاف کیا)۔

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ اور اپنے مزعوم معبود کو دیکھئے: الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا، ظلت در اصل ظللت تھا، تخفیفاً پہلی لام، حذف کر دی گئی ہے۔

ف: المفردات میں ہے کہ یہاں ایک 'لام' محذوف ہے وہ فعل جسے دن میں کیا جائے۔ اور صورت کے قائم مقام ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ جس پر عبادت کے لیے کمربستہ تھا یعنے دائماً اس کی عبادت میں مشغول تھا۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ، قسم محذوف کا جواب ہے یعنے بخدا میں اسے آگ میں جلاؤں گا۔

ف : لنحرقنه ۔ احراق سے ہے بمعنے کسی شے میں شعلہ والی آگ جلانا۔ بخلاف الحرق کے کہ اس کا معنے ہے کہ کسی شے میں گرمی ڈالنا اس میں شعلہ کی قید نہیں جیسے کپڑے کو گرم کرنا۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ اس قول پر ہے جو کہتا ہے کہ بچھڑے میں گوشت پوست اور خون تھا یا لفظ "مبرد" بمعنے سوہان محذوف ہے۔ اس سے جلانے کے معنے میں مبالغہ مطلوب ہے کیونکہ کسی شے کو خوب جلایا جائے تو پھر اسے ٹھنڈا کرنا پڑتا ہے یہ بھی اس کے سخت ٹھنڈا ہونے کی دلیل ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے :

بردت الحدید بالمبرد (میں نے لوہا سوہان سے ٹھنڈا کیا)۔

برادہ اسی سے مشتق ہے وہ زنگ جو لوہے سے گرتی ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ معنے اس قول پر صحیح ہو سکتا ہے جو کہتے ہیں کہ وہ بچھڑا بے حیات تھا۔

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ۝ پھر ہم اسے خاک بنا کر دریا میں بہادیں گے یا اسے برادہ بنا کر دریا میں ڈال دیں گے۔ یہ نسفت الریح التراب سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ہوا مٹی کو زمین سے اکھیڑ کر ذرہ ذرہ کر کے اڑا دے۔ نسف بمعنے کھیتی کو اکھیڑنا اور اسے لے جانا۔ (کذا فی التہذیب)۔

ف : الذر بمعنے ہوا میں اڑا دینا اور ہوا کا کسی شے کو لے جانا۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ہم اس کی راکھ کو دریا میں ڈال دیں گے۔

اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ بے شک تمہارا معبود یعنے عبادت کا مستحق۔ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ وہ اللہ ہے وجود میں کوئی شے نہیں۔ اِلَّا هُوَ سوائے اس کے اور وہ واحد لا شریک لہٗ ہے۔ کوئی شے بھی کسی وجہ سے اس کی شریک نہیں اور منجملہ اس کے احکام الوہیت ہے۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ الذی لا الہ الا ھو یہ اختصاص الالٰہیۃ کی تقریر ہے۔ اس کی مثال یہ مقولہ ہو سکتا ہے جیسے ہم کہتے ہیں :

القبلۃ الکعبۃ لا قبلۃ الا ھی،

یعنے قبلہ وہ کعبہ ہے جس کے سوا اور کوئی قبلہ نہیں ہے۔

وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝ اللہ تعالٰے کا علم ما کان و ما یکون کو محیط ہے۔ یہ صلہ ہے بدل ہے یعنے اللہ تعالٰی وہ ہے جس کا علم ہر شے کو محیط ہے منجملہ ان کے بچھڑا بھی ہے کیونکہ وہ بھی ایک شے ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنی یہ صفت کیوں بتائی تاکہ معلوم ہو کہ عبادت کا مستحق تو وہ ہے جس کا علم ہر شے کو محیط ہے اور بچھڑا تو ایک جماد محض ہے اور اگر وہ واقعی حیات بھی رکھتا تب بھی اسے علم کی صفت تو کجا وہ تو اشاعبارت ... حماقت اور نادانی اور بے وقوفی مشہور ہے۔

ف : مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو ذبح کر کے آگ میں جلا کر اس کی راکھ دریا میں ذرہ ذرہ کر کے بہا دی تاکہ سامری کی سزا میں اضافہ ہو اور اس کی محنت رائگان ہو اور اس کے پرستاروں کی غباوت ظاہر ہو۔

ے

با دست موسوی چہ زند سحر سامری

ترجمہ : موسیٰ علیہ السلام سے سحر سامری کا مقابلہ کیسا ؟

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ے

سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش
سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

ترجمہ : جادو کا معجزہ کے ساتھ مقابلہ کیسا۔ سامری کون ہوتا ہے کہ وہ ید بیضا کا معارضہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس و ہویٰ کے بچھڑے کی پرستش کرنے والے جہنم کا ایندھن ہیں اور انھیں جلا کر دریائے قہر میں ذرہ ذرہ کر کے ڈالا جائے گا اور وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے انھیں اس عذاب سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔

انما الٰھکم اللہ الذی لا الہ الا ھو اس میں اشارہ ہے کہ جو غیر اللہ کی پرستش کرے گا اسے جدائی اور مفارقت ذات اور ہجر حق تعالیٰ کی آگ میں جلا کر ہمیشہ کے لیے بحر قہر میں عذاب میں مبتلا رہے گا۔ وسع کل شیء علما اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کو جانتا ہے کہ لطف کا مستحق کون ہے اور قہر کا مستحق کون۔

ف : جب آدم و حوا علیہما السلام کا نکاح ہوا تو ان سے نوع بشر پیدا ہوا اور جب ابلیس نے دنیا سے نکاح کیا تو اس سے خواہشات نفسانیہ پیدا ہوئے۔ جمیع اخلاق مذمومہ اور ادیان باطلہ انہی خواہشات نفسانیہ کی تاثیر سے ہے۔ اسی لیے اللہ والے کہتے ہیں کہ معصیت کے ضرر سے بدعت اور خواہشات نفسانیہ کا ضرر زیادہ ہے اسی لیے صاحب البدعۃ (سیئہ) اپنی غلطی کو غلطی نہیں سمجھتا۔ اسی لیے نہ وہ توبہ کرتا نہ استغفار۔ اور صاحب معصیۃ تو اپنی غلطی اور خطا کا نہ صرف معترف ہے بلکہ وہ اس سے توبہ بھی کرتا ہے اور استغفار بھی۔

ف : ہر فرعون کا موسیٰ ہوتا ہے اور اہل باطل کے لیے حق ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ فرعون نے زمین پر کفر و تکذیب اور ظلم و معاصی کا جال بچھایا تو موسےٰ علیہ السلام نے ایمان و تصدیق اور عدل و طاعات سے اصلاح فرمائی پھر سامری نے چاہا کہ دین کے آئینہ کو زنگ آلود کرے تو موسےٰ علیہ السلام نے اسے زائل کیا اور قیامت تک یہی حال رہے گا۔ اصل مقصد یہ ہے کہ قلب کی اصلاح کی جائے اور اسے اخلاق رذیلہ سے پاک کیا جائے اور خواہشات نفسانی سے روکا جائے اور حتی المقدور ان سے خرابی دفع کی جائے جیسے انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین اولیاء کرام نے کیا کیونکہ غیرت بھی ایمان کی نشانی ہے

اور اللہ تعالے غیور ہے اور اس کا بندہ اس کی غیرت میں ہوتا ہے ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ غیور ہیں اور میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور میرا اللہ تعالے مجھ سے زیادہ غیور ہے اللہ تعالے کی غیرت یہ ہے کہ ظاہری و باطنی فواحش حرام ہوں ۔ (حدیث)

مثنوی شریف میں ہے ؎

جملہ عالم زان غیور آمد کہ حق
بر در غیرت بریں عالم سبق
غیرت حق بر مثل گندم بود
کاہ خرمن غیرت مردم بود
اصل غیرتہا بدانید ازالہ
آن خلقان ۔ فرع حق بی اشتباہ

ترجمہ : ۱ ۔ یہ جہان اس لیے غیور ہے کہ اللہ تعالے نے اس عالم سے پہلے غیرت کا حکم فرمایا ۔

۲ ۔ غیرت حق گندم کی مانند ہے کاہ خرمن بھی غیرت سے ہے ۔

۳ ۔ غیرت کی اصل اللہ سے سیکھو ۔ یہ تمام مخلوق اس کی فرع ہے ۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ ایسے ہی ہم تمہیں سابقہ خبروں سے ایک قصہ بیان کرتے ہیں ۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی طرح اشارہ ہے ۔

القص بمعنی تتبع الاثر نشان کے پیچھے لگنا اور قصص سے اخبار متتبعہ مراد ہیں ۔ من انباء ....الخ اپنے مضمون کے اعتبار سے ۔ نقص کا مفعول بہ ہے النباء وہ خبر جس میں بہت بڑا فائدہ ہو جس سے علم یا غالب گمان حاصل ہو اور یہ مطلق خبر کے لیے استعمال نہیں کی جاتی اور نباء ان تینوں کا ہونا ضروری ہے یعنے :

۱ ۔ خبر ۲ ۔ فائدہ ۳ ۔ علم یا ظن غالب

اور نباء وہ حق خبر ہے جو کذب سے خالی ہو جیسے خبر متواتر اور خبر اللہ اور خبر النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ۔

اب معنے یہ ہوا کہ اسی قصہ عجیب کی طرح جو تم نے ابھی سنا ہم ایسے ہی اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمہیں گذشتہ امتوں کے بعض واقعات بیان کرتے ہیں اور وہ قصہ بھی کامل ہے ناقص نہیں ۔ اس سے تمہیں حالات پر تبصرہ کرنے کا موقعہ ملے گا علم کی توقیر میں اضافہ ہوگا اور معجزات کی تکثیر ہوگی اور امت کے لوگوں میں سے جنھیں رہبری کی طلب ہوگی انھیں نصیحت حاصل ہو ۔ اس میں وعدہ ہے کہ جو لوگ پہلے گذرے ہیں ان کے واقعات میں سے کچھ باتیں بیان ہوں گی ۔

وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ۔ یہ اتیت ۔ کے متعلق ہے یعنے ہم نے اپنی طرف سے تمہیں عطا کیا گیا ۔

ذِكْرًا ۝ یعنی وہ شرافت والی کتاب جو انہی قصوں اور خبروں پر مشتمل ہے۔ جس کے لیے لائق ہے کہ اس میں تفکر اور اس سے عبرت حاصل کیا جائے۔

قرآن مجید کا 'ذکر' نام رکھنے کے وجوہ : تفسیر کبیر میں ہے :

(۱) یہ وہ الکتاب ہے جس میں ان امور دینی و دنیوی پر مشتمل ہے جن کی مومن کو ضرورت ہے۔

(۲) اس میں انواع نعمت الٰہیہ کا ذکر ہے جس سے انسان کو تذکیر و موعظت نصیب ہوتی ہے۔

(۳) اس میں آپ کا اور آپ کی امت کا ذکر ہے۔ اس سے آپ کی اور آپ کی امت کی شرافت کا اظہار ہے۔

ویسے اللہ تعالیٰ نے ہر کتاب کو ذکر سے موسوم فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

فاسئلوا اهل الذکر۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر ذکر سے موعظت مراد ہے جس سے نصیحت حاصل کریں اور اس پر عمل کر کے آداب دین و اسلام سیکھیں اور اس کے نزول کے بعد اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم آپ پر ہمارے اسرار و رموز او جھل نہ رہیں گے بلکہ وہ اسرار و رموز جو ہم نے آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر مکشوف فرمائے وہ بھی آپ سے مخفی نہ رہیں گے۔ اس معنی پر آپ کے سامنے تو دوسرے جملہ انبیاء علیہم السلام کی حقیقتیں کھل جائیں گی لیکن آپ ہمارے پردوں میں چھپے رہیں گی۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ جو شخص بھی ایسے ذکر عظیم الشان اور جامع جملہ وجوہ سعادت و نجات سے روگردانی کرے گا۔ یعنی نہ اس سے عبرت حاصل کرے گا اور نہ ہی اس پر عمل کرے گا یعنی منکر ہوگا۔ من شرطیہ ہو یا موصولہ ہر لحاظ سے یہ جملہ ذکر کی صفت ہے۔ فَاِنَّهٗ تو وہی منکر۔ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ۝ قیامت میں گناہ سر پر اٹھائے گا یعنی کفر کا سخت ترین اور ایسے گناہوں کا بوجھ اور کفر و معاصی کو ذرا سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ جیسے بوجھ اٹھانے سے بوجھ اٹھانے والے کو تکلیف ہوتی ہے ایسے ہی کفر و معاصی کے مرتکب کو۔ اس معمولی سی مناسبت سے اس تکلیف کے احساس کو وزر اسے تعبیر کیا گیا۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهِ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی وزرہ کو بوجھ میں یحمل کی ضمیر ھو سے حال ہے۔ من کے ہونے کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ اس لیے کہ نار میں اجتماع کا معنی اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جب اس میں داخل ہونے والے بہت زیادہ ہوں۔ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ۝ اور ان کے لیے قیامت میں بوجھ اٹھانا برا ہوگا۔ لھم کی لام بیانیہ ہے۔ یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ساء؟

تو گویا کسی نے پوچھا کہ کن کے لیے۔ اس کے جواب میں فرمایا: لہم۔

سوال: یوم القیمۃ کا تکرار کیوں۔

جواب: تقریر و تاکید اور معاملہ کو زیادہ مہیب و خطرناک ظاہر کرنے کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی ذکر حقیقی (کہ جس سے حقیقت ایمان و ایقان و عرفان قائم ہے) سے روگردانی کرتا ہے تو قیامت میں ان پر کفر و نفاق اور شرک و جہل و عمی و شقاوت و قساوت قلبی اور اس پر مہر لگانے اور اخلاق ذمیمہ اور بعد و حسرت و ندامت کا بوجھ ڈالا جائے گا اور حقیقت عبودیت اور دوام ذکر و مراقبہ قلب اور فیض الٰہی کی قبولیت کے لیے سچی توجہ سے محروم رہ کر دائمی خسارہ میں مبتلا ہوگا اور فیض الٰہی کی قبولیت کے لیے سچی توجہ ہی ذکر کی حقیقت ہے کہ جس کا اول ایمان اور اوسط ایقان و آخر عرفان ہے۔

ف: ذکر ایمانی اعراض عن الدنیا و اقبال الی الآخرۃ کا وارث بنایا ہے۔ اسی کی وجہ سے معاصی کا ترک و طاعات کا اشتغال نصیب ہوتا ہے اور ذکر ایقانی دنیا اور اس کے نقش و نگار حلال ہوں یا حرام کا ترک اور آخرت اور اس کے درجات کی طلب کا وارث بناتا ہے اور ذکر عرفانی تعلقات کونین سے تسطع شواہد[1] المشہود کے حصول میں بذل وجود کرکے سعادت دارین کی طرف سعی عمل فرماتا ہے۔

ف: ذکر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ذاکر مذکور میں اپنے ذکر کو ایسا فنا کرے کہ اس کے اپنے نفس و وجود کا نام و نشان بھی مٹ جائے۔

حکایت بغداد میں زنا و فسق عام ہوگیا اللہ تعالیٰ سے غیبی ندا آئی کہ اگر شبلی کا ذکر (اللہ اللہ کرنا) نہ ہوتا تو ہم اس شہر کو جلا کر رکھ دیتے۔ شہر کے ذاکرین (اللہ اللہ کرنے والے) نے حضرت شبلی قدس سرہٗ سے پوچھا کہ ہم بھی اللہ اللہ کرتے ہیں لیکن ہمارا نام نہیں لیا گیا اور آپ کی خصوصیت کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی نفسانیت سے ذکر کرتے ہو اور میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں گم ہوکر اللہ اللہ کرتا ہوں۔

ف: توحید افضل العبادات اور ذکر الٰہی اقرب القربات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر عبادت کا ایک وقت مقرر فرمایا ہے لیکن ذکر الٰہی کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے قلب کے جلا کا نسخہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن مجید اور میرا درود۔

حضرت مغربی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش
ولی چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بیا تصیقل توحید ز آئینہ برداری
غبار شرک کہ تا پاک گردد از زنگار

---

۱ ۔ یعنی ۔ سر شواہد کی روشنی ۔

ترجمہ: اگر تو اپنے چہرے کے لیے شیشہ رکھتا ہے تو کیا فائدہ جب کہ تیرا حقیقی آئینہ تو سیاہ ہے۔ آئیے توحید کے صیقل سے دل کے شرک کا غبار دور کیجئے تاکہ قلب کا آئینہ روشن ہو۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہ العٰلمین مجھے خصوصی ذکر بتائیے تاکہ خاص وقت میں میں آپ کو یاد کروں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ کہو:

"لا الٰہ الا اللہ"

عرض کی کہ یا اللہ یہ تو ہر بندہ کہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اگر چودہ طبق ایک پلڑے میں ہوں اور دوسرے پلڑے میں یہی کلمہ ہو تو وہ پلڑا بھاری ہوگا جس میں یہ کلمہ ہوگا۔

فقیر (حقی) کہتا ہے ؎

گر تو خواہی شوی ز حق آگاہ
دم علی لا الٰہ الا اللہ
افضل ذکر باشد این کلمہ
یکثر الذکر کل من یھواہ

ترجمہ: اگر تم آگاہی حق چاہتے ہو تو لا الٰہ الا اللہ پر مداومت کیجئے۔ یہ کلمہ افضل الذکر ہے اور جسے جس سے محبت ہوتی ہے وہ اسے بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ۔ یہ یوم القیمۃ سے بدل اور فعل اذکر محذوف سے منصوب ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اے محبوب محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم قریش کو یاد دلائیے کہ جب اسرافیل علیہ السلام اسی قرن کو پھونکیں گے جو انھوں نے پھونکنے کے لیے اسے اپنے منہ میں رکھا ہوا۔ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ اور ہم اسی دن ان لوگوں کو قبروں سے نکال کر جمع کریں گے جو جرائم و معاصی میں دنیا میں سے بڑے اور منہمک رہے۔ ان سے کفار و مشرکین مراد ہیں۔ نفخہ صور کے ذکر کی تصریح صرف اسی لیے ہے کہ اس کا مہیب و ہولناک تصور ذہنوں میں ہو اور نہ حشر کے ذکر بعد اس کی تصریح کی ضرورت نہ تھی کیونکہ حشر ہوگا بھی نفخ صور پر۔ زُرْقًا۔ ازرق کی جمع ہے ازرقۃ سے ہے۔ آنکھ کا بہت برا اور گندا رنگ اگرچہ اہلِ عرب سمجھتے تو یہی ہیں کہ رومی ان کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ان کی آنکھیں زرق یعنی نیلی تھیں۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ آنکھ کا نیلاپن اور روسیاہی جہنمیوں کی علامت ہے اور فرمایا کہ حدیث شریف میں ایسے ہی ہے۔

ف: المفردات میں امام راغب نے فرمایا کہ یومئذ زرقا یعنے ان کی آنکھیں اندھی ہوں گی، ان میں نور نہ ہوگا اس لیے کہ اندھے کی آنکھیں نیلی ہو جاتی ہیں یعنے جب آنکھوں سے نور نکل جاتا ہے تو آنکھوں کا رنگ نیلا ہو جاتا ہے۔

يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ آپس میں چپکے چپکے باتیں کریں گے ۔

ف : التخافت یعنے آہستگی سے بولنا اور کلام کو چھپا چھپا کر کہنا یعنے ایک دوسرے سے بات ایسی آہستگی سے کریں گے جس میں آواز بالکل نہ ہوگی۔ اس لیے کہ خوف اور ذلت کی وجہ سے ان کے سینے بند ہوں گے یا ان پر ضعف اور کمزوری غالب ہوگی ۔

إِنْ لَبِثْتُمْ۔ لبث یعنے کسی جگہ ٹھہرنا یعنے تم دنیا یا قبر میں نہیں ٹھہرے ۔ إِلَّا عَشْرًا ○ دس راتیں یا دس گھڑیاں یعنے ان کے وہاں معمولی مدت، ٹھہرنے کی، ظاہر کرنا مطلوب ہے ۔ کیونکہ ایسے ایام جلد تر زائل ہو جائیں گے۔ ویسے بھی راحت کے ایام تھوڑے محسوس ہوتے ہیں ۔ اور وہ گھڑیاں بادلوں کی طرح جلد تر گذر جاتی ہیں ۔

ف : جلالین میں ہے کہ وہ لوگ آپس میں کہیں گے کہ تم تو قبور یا دنیا میں صرف دس راتیں گذار کے آئے ہو۔ اس سے ان کے مابین النفختین کی درمیانی مدت مراد ہوگی یعنے نفخ صور اول اور نفخ ثانی کی درمیانی مدت چالیس سال ہوگی اور اس مدت میں کفار و مشرکین سے عذاب اٹھا لیا جائے گا تاکہ وہ آخرت کے عذاب میں جب مبتلا ہوں تو انھیں وہ عذاب سخت سے سخت تر محسوس ہو۔ یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے ۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ یہ قول ضعیف ہے ۔

نَحْنُ ہم ہی ہیں خداوند أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں یعنے مجھے معلوم ہے کہ ان کی ٹھہرنے کی مدت کتنی ہے ۔ إِذْ يَقُولُ جب کہیں گے ۔ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً ان کے افضل ترین طریقے والے یعنے ان سے رائے و عقل میں اکمل ترین۔

ف : المفردات میں ہے کہ امثل وہ ہے جو افاضل کے مشابہ اور اقرب الی الخیر ہو۔ اماثل القوم قوم کے برگزیدہ لوگوں کو کہا جاتا ہے اسی استعمال میں سے ہے۔

قولِ باری تعالیٰ ہے :

"اذ یقول امثلهم طریقة ۔"

إِنْ نافیہ ہے یعنے لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ○ تم نہیں ٹھہرے مگر ایک دن ۔

اس قول کی نسبت ان کے امثل کی طرف منسوب کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے صدق ظاہر کرنے پہ ہے لیکن وہ صدق، مبنی بر صدق نہ ہوگا بلکہ بوجہ ہول اور خوف سے کہیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ نفخ ثانیہ کے بعد جب قیامت میں اہل جفا و بلا کو اٹھایا جائے گا اسی دن جب کہ نوجوانوں کو بوڑھا کر دیا جائے اسی دن زمین تبدیل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس دن ایسا غضبناک ہوگا کہ نہ اس سے پہلے کبھی ناراض ہوا ہوگا نہ بعد میں ہوگا۔ جب وہ قیامت کا عذاب دیکھیں گے تو وہ قبور کے عذاب کو بھول جائیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم تو قبور میں چند روز ٹھہرے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا : نحن اعلم

بما یقولون، ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ وہ غفلت بلا دیکھ کر کہیں گے اور ہمیں وہ بھی معلوم ہے جو ان کے اعلیٰ و افضل لوگ کہیں گے کہ تم تو صرف ایک یوم گذار کر آتے ہو۔ وہ اس بڑی مدت کو صرف ایک دن سے اس لیے تعبیر کریں گے کہ باقی دنوں کی شدت اس ایک دن کی شدت کے برابر ہو گی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے

الا انما الدنیا کظل سحابة

اظلتك یوما ثم عنك اضمحلت

فلاتك فرحانا بها حین اقبلت

ولاتك جزعانا اذا هی ولت

ترجمہ: خبردار! دنیا بادل کے سایہ کی مانند ہے کہ کبھی سایہ فگن ہوتی ہے تو کبھی دور چلی جاتی ہے۔ جب (دنیا) ہو تو خوشی نہیں کرنی چاہیئے اور جب نہ ہو تو بھی غم نہ کھانا چاہیئے۔

حضرت منصور رحمہ اللہ تعالٰی کا ملفوظ: حضرت منصور رحمہ اللہ تعالٰی بوقت وصال فرما رہے تھے کہ ہم نے آخرت خواب غفلت سے ضائع کر دی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست

دمے پیش دانا بہ از عالمیست

مکن عمر ضائع بافسوس و حیف

کہ فرصت عزیزاست والوقت سیف

ترجمہ: فرصت کو غنیمت سمجھ کہ جہان صرف ایک لمحہ ہے۔ دانا کے نزدیک جملہ عالم سے ایک لمحہ بہتر ہے۔ افسوس و حیف سے عمر ضائع نہ کیجئے۔ اس لیے کہ فرصت قیمتی شے ہے اور وقت بمنزلہ تلوار کے ہے۔

حضرت السلطان ولد نے فرمایا ہے

بگذار جہاں را کہ جہان آن تو نیست

وین دم کہ ہمی زنی بفرمان تو نیست

گر مال جہان جمع کنی شاد مشو

ور تکیہ بجان کنی جان آن تو نیست

ترجمہ: اس جہان کا خیال و تصور بھی چھوڑ دے کیونکہ یہ تیرا نہیں اور یہ سانس جو تیرے پاس ہے وہ بھی تیرے زیر فرمان

نہیں۔ اگر جہان کا تمام مال بھی جمع کر لو تب بھی خوش ہو اگر جان پر سہارا کرو گے تو بے فائدہ کیونکہ یہ جان تیری بھی نہیں۔

سبق غافل پر لازم ہے کہ وہ دنیا و مافیہا اور اس کے شہوات میں تضیع اوقات نہ کرے اس لیے کہ وقت نقد نفیس اور جوہر لطیف اور بازی اشہب ہے اسے حقیر شے کے عوض ضائع نہ کیجئے اور اس سے ایسا شکار نہ کرنا چاہیے جو نہ موٹا ہوتا ہے اور نہ ہی بھوک کی تاب لا سکتا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کا عیش چند روزہ لیکن بہت زیادہ خطرناک ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو اس کی مکھی کے پر کے برابر بھی قدر و قیمت نہیں جو اسے عظیم المرتبت سمجھتا ہے وہ مکھی کے پر سے بھی کمتر ہے ؎

بر مرد ہشیار دنیا خس است
کہ ہر مدتے جائے دیگر کس است

ترجمہ: ہوشیار آدمی کی نظروں میں یہ دنیا خس کے برابر ہے اس لیے کہ ہر مدت میں یہ دوسرے کی جگہ ہے۔

حکایت حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے حواریوں نے کہا کہ آپ کے لیے ایک مکان ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا بمنزلہ دریا کی موج کے ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم میں سے کون ہے جو دریا کی موج میں مکان بنا سکے۔ تمھیں لازم ہے کہ دنیا کو قرارگاہ نہ بناؤ اس لیے کہ دنیا صرف ایک ساعت ہے، اسے طاعت میں صرف کرو اور اہل طاعات کے لیے ایک ساعت، قیامت میں، ہزار برس کا بدلہ بنے گی کیونکہ ان کا ہر لحظہ راحت میں بسر ہو گا بخلاف اہل معصیت کے کہ ان کی ہر گھڑی ہزار برس کے برابر ہو گی لیکن دکھ تکلیف میں اور توحید اور یقین کامل اور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع تمام طاعات و عبادات میں افضل طاعت و عبادت ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم سب بہشت میں داخل ہو گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا؛ عرض کی گئی اس منکر سے کون مراد ہے۔ آپ نے فرمایا؛ منکر وہ ہے جس نے ' لا الٰہ الا اللہ ' نہ کہا۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ ' لا الٰہ الا اللہ بکثرت کہا کرو، قبل اس کے کہ تم پر موت آئے۔ کیونکہ یہی کلمۂ توحید اور عروۂ وثقیٰ اور بہشت کا ثمن ہے۔ یعنی جنۃ الصورۃ والمعنی کا ثمن کلمہ شریف ہے اور صورت و معنی سے قلب و روح مراد ہے اسی میں ازہار انوار و ثمرات الاسرار ہیں اور یہ ظاہری جنت سے کہیں بلند و بالا اور اولیٰ و اعلیٰ ہے کیونکہ ہر کمال معنیٰ کی تاثیر اور اس کی تجلیات سے ہے جو اپنے باطن کی اصلاح کرتا ہے اس کے ظاہر کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے جیسے درخت کہ اگر اس کی جڑیں صحیح سالم اور مضبوط ہوں تو پھر اس پر شاخیں اور پھل وغیرہ بھی پیدا ہوتا ہے، ورنہ سوکھ جاتا ہے۔

ہم اللہ سے نار عشق و محبت میں جلنا اور دریائے توحید کا استغراق اور دائمی دیدار کی کامیابی کا سوال کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۲۷ پر)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ
اور تم سے پہاڑوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے

نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ
اڑا دے گا تو زمین کو پٹ پر ہموار کر چھوڑے گا کہ تو اس میں نیچا اونچا کچھ نہ دیکھے اس دن پکارنے

يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا
والے کے پیچھے دوڑیں گے اس میں کجی نہ ہوگی اور سب آوازیں رحمٰن کے حضور پست ہو کر رہ جائیں گی تو تو نہ سنے گا مگر بہت

هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ
آہستہ آواز اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند

قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ
فرمائی وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا اور سب منہ

الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ
جھک جائیں گے اس زندہ قائم رکھنے والے کے حضور اور بیشک نامراد رہا جس نے ظلم کا بوجھ لیا اور جو کچھ نیک کام کرے

الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ
اور ہو مسلمان تو اسے نہ زیادتی کا خوف ہوگا نہ نقصان کا اور یونہی ہم نے اسے عربی

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ
قرآن اتارا اور اس میں طرح طرح سے عذاب کے وعدے دیئے کہ کہیں انہیں ڈر ہو یا ان کے دل میں

ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ
کچھ سوچ پیدا کرے تو سب سے بلند ہے اللہ سچا بادشاہ اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں

يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ
پوری نہ ہولے اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے اور بیشک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی

قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾
حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

چنانچہ اس نے خود فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لیے ہمارے ہاں زیادہ احسان و کرم ہے۔ کما قال فی القرآن المجید:

تفسیر عالمانہ : وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ۔

حل لغات : معرفت یا وہ شے جو معرفت کا سبب بنے اسے طلب کرنے کو سوال کہتے ہیں۔ اس کا جواب زبان سے یا ہاتھ سے ہوتا ہے اور ہاتھ زبان کا خلیفہ ہے اور ہاتھ کی نیابت کتابت سے ہوگی یا اشارہ ہے ایسے ہی مال یا اس کے قائم مقام کسی شے کی طلب کو بھی سوال کہا جاتا ہے اس کا جواب ہاتھ سے ہوتا ہے اس کی نیابت زبان بھی کرتی ہے اور زبان کا جواب یا وعدہ یا اس کے رد کرنے سے ہوتا ہے۔

ف : کبھی سوال لاعلمی دور کرنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی مخالفت کو خاموش کرانے کے لیے اور کبھی مسئول سے متعارف کرنے کے لیے اور کبھی اس پر تنبیہ مطلوب ہوتی ہے تاکہ مخاطب کو معلوم ہو اور اس سے مطلع ہو سکے۔

جب متعارف کرانے کے لیے ہو تو متعدی الی المفعول الثانی کبھی بلاواسطہ ہوگا اور کبھی حرف جارہ سے جیسے کہا جاتا ہے

سألته کذا وسألته عن کذا وبکذا۔

لفظ عن سے زیادہ متعدی ہوتا ہے جیسے آیت ہٰذا میں ہے۔ اور اس سے مال کی استدعا مطلوب ہو تو بلاواسطہ متعدی ہوگا یا حرف من کے ساتھ ہوگا جیسے :

واذا سألتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب۔

ف : الجبال، جبل کی جمع ہے ہر وہ عظیم و طویل شے جو زمین میں گاڑ دی جائے اور پھر بطور استعارہ معنے کی مناسبت سے مختلف اشیاء میں مستعمل ہے مثلاً فلان جبل - ہر وہ شخص جو اپنے ارادے کا پختہ ہو اور ایسے ہی جس فعل میں ثبات و دوام ہو، اس پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے مثلاً :

"جبلہ علی کذا"

یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جس طبیعت پر اس کی تخلیق ہوئی ہو اور وہ اس میں ایسی راسخ ہو کہ اس سے اس کا ازالہ ناممکن ہو، اس سے اس کی عظمت ملحوظ ہو۔ اسی لیے بہت بڑی جماعت کو بھی جبل کہا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

ولقد اضل منکم جبلا کثیرا۔

جبلاً بمعنے جماعت اور اسے کثرت کی وجہ سے جبل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ف : دنیا میں کل چھ ہزار چھ سو تہتر پہاڑ ہیں لیکن ان سے بڑے بڑے پہاڑ مراد ہیں۔ بڑے بڑے ٹیلے اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں مراد نہیں ہیں۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

شانِ نزول: یہ سوال ثقیف قبیلہ کے کسی شخص نے کیا تھا کہ یا رسول اللہ قیامت میں اللہ تعالےٰ ان پہاڑوں کے ساتھ کیا کرے گا۔

فَقُلْ فاء، سائلین کے الزام کی مسارعۃ کے لیے ہے۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ انھیں جواب میں فرمائیے کہ ، **يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا۝** میرا پروردگار اپنی قدرت سے انھیں ریزہ ریزہ کردے گا۔

نسفت المريح الشي سے ہے یعنے ہوا نے فلاں شے کو جڑ سے اکھاڑا۔ اور کہتے ہیں کہ نسف البناء یعنے اس نے اپنی بنار کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا۔ اور ایسے ہی اللہ تعالےٰ قیامت میں تمام پہاڑوں کو جڑ سے اکھیڑ ڈالے گا۔

ف: القاموس میں ہے کہ انھیں جڑ سے اکھیڑ کر اڑتی غبار کی طرح بنادے گا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ انھیں ریت کی طرح ریزہ ریزہ کر دے گا پھر ان ذرات کو ہوا اڑا کرلے جائے گی۔

ف: تفسیر کبیر میں ہے کہ ممکن ہے کہ بعض کفار نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا ہو کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ یہ دنیا فانی ہے تو پھر کسی شے کا ابتدا و انتہا ثابت ہوتا، حالانکہ پہاڑ جب سے کھڑے ہیں ان میں معمولی سی کمی بھی واقع نہیں ہوئی جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔ اسی لیے جالینوس آسمانوں کے قدیم ہونے کا قائل ہوتے ہوتے اس پر پہاڑوں کی مثال دیتا ہے۔ اس کا ازالہ یوں کیا جائے کہ شے کا بطلان کبھی زبولی ہوتا ہے یعنے اسے نقصان مقدر ہو چکا ہے اور پھر یک وقت اس کا ظہور ہوگا۔ اللہ تعالےٰ ان اشیائے عالم جسمانی کو اپنی مشیت و ارادہ میں مٹانا مقدر کر چکا ہے۔ پھر جب انھیں مٹایا جائے گا تو یہ یک وقت مٹ جائیں گے۔ دنیا اور اس کے پہاڑوں کی مثال اس نوجوان کی سی ہے کہ جس کا بظاہر جسم قوی اور مضبوط ہے لیکن جب اچانک موت کا شکار ہوتا ہے تو اس کے مضبوط اور قوی جسم کو مٹا دیا جاتا ہے۔ دیکھئے جب وہ نوجوان اچانک فوت ہوا تو اس کے لیے پہلے مرض کا ہونا ضروری نہ تھا۔ ایسے ہی یہ دنیا اچانک مٹے گی۔ اس لیے ضروری نہیں کہ اس کے مٹنے کے اسباب پہلے ظاہر ہوں ؎

دیدی آن قہقہہ کبک خرامان حافظ
کہ ز سر پنجۂ شاہین قضا غافل بود

ترجمہ: اے حافظ! کبک خراماں کے قہقہ کو دیکھ کر تعجب کیجئے کہ وہ کس طرح شاہین قضاء کے پنجہ سے غافل ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ یہاں ویسئلونک عن الجبال فقل۔ فاء کے ساتھ جواب دیا اور یسئلونک عن الیتامی قل اصلاح میں فاء کے بغیر یہ کیوں؟ حالانکہ مضمون ایک ہی طرح کا ہے اور ایک جگہ فاء کے ساتھ تو دوسری جگہ فاء کے بغیر۔

جواب: دراصل یہاں پر اِن حرف شرط محذوف ہے۔ دراصل عبارت ان سئلوك ... الخ ہے۔ اس معنے پر آیت

میں سوال کیا نہیں تھا بلکہ ان کے سوال کو مشروط بہ نہ فرمایا اور دوسری آیت میں کفار سوال کر چکے تھے۔ ان کے سوال کے جواب میں فاء کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی مثال دوسری آیت و یسئلونک عن المحیض ۔ ۔ ۔ ۔ الخ ہے۔ ایسے ہی دیگر مقامات میں بھی ایسے ہی ہے کہ سوال ہو چکا تو اس کے جواب میں فاء نہیں لائی گئی۔

فائدہ صوفیانہ زاد ولایت نجمیہ میں ہے کہ اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم اگر آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کریں کہ قیامت میں اللہ تعالےٰ ان سے کیا کرے گا تو آپ انھیں فرمایئے کہ میرا پروردگار انھیں اپنی قہاریت کی صفت سے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ جیسے صفت ربوبیت سے کوہ طور کو سرمہ سا بنا دیا۔

فَیَذَرُهَا :

حل لغات : اہل لغت کہتے ہیں : فلان یذر الشیء یعنے فلاں شے کو غیر معتبر سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔ اس کی ماضی مستعمل نہیں ہوتی۔ اسی لیے وذر کلام عرب میں نہیں آتا۔

اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ زمین ٹھکانے۔ اور اس کے مراکز چھوڑ دے گا۔

قَاعًا ، خالی مکان۔ یہ دراصل قوع تھا۔

ف : القاموس میں ہے کہ القاع وہ نرم اور پکی زمین جس سے پہاڑ اور ٹیلے پھوٹ نکلیں۔

صَفْصَفًا ۝ برابر، ایسے معلوم ہوگا جیسے اس کے اجزاء ہر طرف سے گویا ایک صف میں ہیں۔

لَّا تَرٰی جملہ مستانفہ ہے۔ قاع، صفصف کے انواع کی کیفیت بیان کرنے کے لیے ہے اور یہ خطاب ہر شخص کو ہے جسے رویت حاصل ہو یعنے اس وقت نہ رؤیت بصر سے اور نہ رؤیت بصیرت سے پہاڑوں کی قرار گاہوں کو دیکھ سکو گے۔ **عِوَجًا** (بالکسر) کسی قسم کا ٹیڑھا پن لوجہ اس کے مخفی ہونے سے یہ معانی کے مخفی ہونے کے قبیل سے ہے کیونکہ عوج بالکسر معانی سے مخصوص ہے۔

ف : المفردات میں ہے کہ سیدھے حال سے ٹیڑھا ہونا ہے۔ العوج ان اشیاء کو کہا جاتا ہے جن کا بصر سے ادراک کیا جائے جیسے سیدھی کھڑی لکڑی کا ٹیڑھاپن۔ اور عوج (بالکسر) وہ ٹیڑھاپن جس کا ادراک فکر و بصیرت سے کیا جائے جیسے بسیط زمین اور دین اور معاش وغیرہ۔

وَّلَآ اَمْتًا ۝ اور نہ ہی تھوڑی سی اونچائی۔

حل لغات : زمخشری نے کہا کہ الامت بمعنے النتوء الیسیر یعنے تھوڑی سی اونچائی۔

ف : القاموس میں ہے کہ الامت بمعنے المکان المرتفع اور چھوٹے چھوٹے ٹیلے یعنے اس وقت زمین پر نہ نیچائی دیکھو گے اور نہ ہی اونچائی۔

ف : المناسبات میں لکھا ہے کہ اس وقت زمین پر اونچائی اور نیچائی کا کوئی فرق نہ دیکھو گے۔

ف: جلالین میں ہے کہ اس میں نہ انخفاض (نیچائی) دیکھو گے نہ ارتفاع (اونچائی)۔

ف: تفسیر الفارسی میں ہے کہ عوجا پستی در منارہ یعنی منارہ کی اونچائی۔ ولا امتا اور نہ بلندی و اونچائی۔

یَوْمَئِذٍ جس دن کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یوم وقت النسف کی طرف مضاف اور یَتَّبِعُوْنَ کی طرف ہے یعنی اس وقت لوگ پیچھے لگیں گے۔ الدَّاعِیَ اس پکارنے والے، جو محشر وموقف کی طرف بلائے گا۔ اس سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں، وہ نفخ ثانیہ کے وقت صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر لوگوں کو یوں ندا دے کر بلائیں گے:

ایتھا العظام البالیۃ والاوصال المتفرقۃ اے بوسیدہ ہڈیو! اے متفرق جوڑو! اور اے گوشت
واللحوم المتمزقۃ قوموا الی عرض الرحمٰن۔ کے ٹکڑو! اٹھو! رحمٰن کے پیش ہو جاؤ۔

یہ سن کر ہر طرف سے لوگ اٹھیں گے اور اس کی آواز کی طرف چل پڑیں گے لَا عِوَجَ لَهٗ کوئی بھی اس پکار سے ہٹ کر نہ جائے گا سیدھے اسی کی طرف چلیں گے جہاں سے بلانے والا بلا رہا ہوگا کیونکہ زمین کا کوئی حصہ بھی اونچا نیچا نہ ہوگا اس لیے سیدھے اسرافیل علیہ السلام کی آواز کی طرف چلے جائیں گے۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ اور گھبراہٹ کی شدت اور رب تعالیٰ کی ہیبت سے آوازیں پست ہو جائیں گی۔

حل لغات: الخشوع والخضوع بمعنی التواضع والسکون یا خشوع استعمال صوت وبصر میں اور خضوع بدن میں ہوتا ہے۔

ف: المفردات میں ہے کہ الخشوع بمعنی الضراعۃ، خشوع کا اکثر استعمال اس پر ہوتا ہے جو اعضاء میں پایا جاتا ہے اور ضراعۃ جو قلب میں ہو۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر قلب خاشع ہو تو لازماً اعضاء بھی خاشع ہوتے ہیں۔

ف: الصوت دو جسموں کے تصادم سے جو ہوا تموج ہو اسے آواز کہتے ہیں۔ اور وہ عام ہے انسان اور غیر انسان سب کے لیے۔ لیکن حرف وضعاً صرف انسان سے مخصوص ہے۔

فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ تو نہ پاؤ گے مگر ہلکی سی آوازیں حروف مھوسہ کا اصل یہی ھمسا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں:

ھمس الاقدام (قدموں کے چلنے کی وہ ہلکی آواز جو آہستگی سے سب سے مخفی ہو سکے)۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس وقت نہ سنو گے مگر نرم آواز یعنی محشر میں چلتے وقت قدم اتنا آہستہ اٹھائیں گے کہ ان کی آواز نہایت زیادہ پست ہوگی۔

محشر کا نقشہ حضرت امام غزالی قدس سرہ "الدرۃ الفاخرۃ" میں لکھتے ہیں کہ جب اسرافیل علیہ السلام پہلا صور پھونکیں گے تو پہاڑ اڑتے ہوئے نظر آئیں گے اور دنیا کی تمام نہریں اور دریا آپس میں مل جائیں گے۔ پھر اس وقت زمین پر

پانی ہی پانی اور ہوا ہوگی اور ستارے جھڑ جائیں گے اور زمین و آسمان متغیر ہو جائیں گے۔

جملہ عالم کا ہر فرد موت کا شکار ہو جائے گا زمین و آسمان میں کوئی بھی نہ رہے گا پھر اللہ تعالٰی دوزخ کا ایک حصہ کھولے گا تو پھر اس سے شعلے بھڑ اٹھیں گے جو دریاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے وہ شعلے زمین سے پانی چوس لیں گے زمین کالی سیاہ ہو جائے گی اور آسمان سیاہ تیل کی طرح اور ایسے محسوس ہوں گے گویا تانبہ پگھلا ہوا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالٰی عرش کے خزانوں سے وہ خزانہ کھولے گا جس میں بحر الحیات ہے وہ زمین پر بارش کی طرح برسے گا جس سے انسان کی منی کی طرح کے قطرات نیچے زمین پر پہنچیں گے تو ان قطرات سے انسانوں کے اجسام نکلیں گے بچے، بوڑھے اور جوان جس ہیئت میں مرے تھے، اسی ہیئت میں اٹھیں گے پھر عرش کے نیچے سے ایک لطیف اور نرم ہوا چلے گی اس سے زمین صاف ہوگی جس پر نہ پہاڑ ہوں گے اور نہ اونچائی نہ نیچائی۔ پھر اللہ تعالٰی اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا۔ وہ صخرۂ بیت المقدس نفخ صور فرمائیں گے۔ ان کے صور کے سوراخ سے روح نکل کر اپنے اجسام میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ انسانوں کے علاوہ وحوش، طیور وغیرہ اس طرح سب زمین کے ساہرہ یعنی اس کے اوپر پھیل جائیں گے۔ جب کہ اس سے قبل وہ سب زمین کے اندر پڑے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا کہ ساہرہ، جہنم کے کنارے پر ایک جنگل کا نام ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ "ساہرہ" ایک ایسی زمین ہے جو سفید چاندی کی طرح صاف و شفاف ہے جب سے اسے اللہ تعالٰی نے پیدا فرمایا اس پر کبھی معصیت کا ارتکاب نہیں ہوا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لا تریٰ فیھا عوجا، اس میں صفائی کی وجہ سے ٹیڑھا پن نہ دیکھو گے۔ ولا امتا اور نہ ہی اس میں اونچائی نیچائی۔

یومئذ یتبعون الداعی اس دن اس داعی کی اتباع کریں گے جس کی دعوت کو دنیا میں قبول کیا ہوگا۔ لا عوج لہ۔ اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہ ہوگا یعنی جب دنیا میں اس کی اتباع میں زندگی بسر کی تو پھر آج آخرت میں اس کی ندا پر کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہ کریں گے اور وہ داعی بھی اپنی جبلت انسانیہ کے مطابق اپنے داعیٔ حق تعالٰی کی دعوت کے مطابق ہوگا کیونکہ حقیقی داعی و مجیب وہی اللہ ہے۔ کما قال:

"واللہ یدعوا الی دار السلام ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔"

اس سے ثابت ہوا کہ وہی داعی ہے اور مجیب بالھدایۃ بھی ہے کہ لسان مشیت سے انسان کی اجابت فرماتا ہے۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لو) یہی وجہ ہر دور میں ہر قسم کے داعی باطل کی دعوت کرنے والی بہت سی مخلوق پائی جاتی ہے لیکن داعی حق کے متبعین ہمیشہ قلیل تعداد میں ہوتے ہیں یعنے حقیقی متبعین جنھیں اہل اللہ کہا جاتا ہے۔

ف: داعی ہوئی دو دنیا و شیطان و ملک و نبی، جنت و قربت کی دعوت ہر زمانہ میں جاری رہے گی اگرچہ ان کے مراتب و طبقات مختلف ہوتے ہیں۔

وخشعت الاصوات للرحمٰن یہ داعیٔ اللہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جب کسی بندہ خدا کو رحمانیۃ کی صفت سے دعوت دیتا ہے تو اس کی آواز پست اور نہایت ہی ضعیف ہوتی ہے۔ فلا تسمع الا ھمسا اس کی دعوت کے بعد ان کے متبعین کے قدموں کی آواز نہایت ہلکی ہوتی ہے جب کہ وہ ان کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے ان کے ہاں حاضری دیتے ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ داعیٔ حق کی اتباع کرے کیونکہ ماسوی الحق کے، باقی ہر شے باطل ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ در روی جز تو شد غل کلو
کل شیٔ ما سوے اللہ باطل

۲۔ باطلند و مینمایندم رشد
زانکہ باطل باطلاں را می کشد

۳۔ اشتر گوری مہار تو متین
تو کوشش می بین مہارت را مبین

۴۔ گر شدی محسوس جذاب و مہار
پس نماندی این جہان دار الفرار

۵۔ کیر دیدی کوپے سک می رود
سخرۂ دیو ستنبہ مے شود

۶۔ درپی او کی شدی مانند حیز
پاے خود را واکشیدی گیر تیز

۷۔ گاؤ گر واقف ز قصاباں بدی
کی پے ایشان بدان دکان شدی

۸۔ یا بخوردے از کف ایشان سپوس
یا بدادے شیر شان از چاپلوس

۹۔ ور بخوردے کی علف ہضمش شدی
گر ز مقصود علف واقف بدی

۱۰- تو بجد کارے کہ بگرفتی بدست !
عیش این دم بر تو پوشیدہ شدست

۱۱- بر تو گر پیدا شدی زان عیب وشین
زاں رمیدی جانت بعد المشرقین

۱۲- حال کاخر زان پشیمان مے شوی
گر بود این حالت اوّل کی دوی

ترجمہ: ۱ - یہ جز کل کا پابند ہے اس لیے کہ سوائے اللہ کے ہر شے باطل ہے ۔

۲ - یہ باطل ہیں بظاہر ہمیں اچھے لگتے ہیں اس لیے کہ باطل باطل کو کھینچتا ہے ۔

۳ - اونٹ کی مہار تیرے ہاتھ میں ہے تم کشش کو دیکھو مہار کو مت دیکھو ۔

۴ - اگر جذاب و مہار محسوس ہوتے تو پھر یہ جہان دار القرار نہ ہوتا ۔

۵ - بوڑھا جو تیز رو کے ساتھ دوڑے سمجھو کہ وہ دیوار کے ساتھ مذاق کر رہا تھا ۔

۶ - اس کے پیچھے نامرد کی طرح ہو سکتا ہے جو کہ بوڑھا بڑے بڑے پاؤں اٹھاتا ہے ۔

۷ - گائے اگر قصاب کی واقف ہوتی تو ان کے دوکان کا نام کبھی نہ لیتی ۔

۸ - تو نہ اس سے کھل کھاتی اور نہ انھیں دودھ پلاتی ۔

۹ - اور نہ گھاس ہضم ہوتا جب سمجھتی کہ گھاس کھلانے کی غرض کیا ہے ۔

۱۰ - تو نے بھی جو کام ہاتھ میں لیا ہوا ہے اس عیش کا انجام بھی تجھ سے پوشیدہ ہے ۔

۱۱ - اگر تجھے اس کا عیب ونقص معلوم ہوجائے تو تم اسے اپنے آپ سے بہت دور پھینک دیتے ۔

۱۲ - بالآخر تو اس سے پشیمان ہوگا ۔ اگر پہلے سے علم ہوتا تو اس کے پیچھے نہ دوڑتا ۔

يَوْمَئِذٍ آج کے دن یعنے جب کہ وہ مذکورہ ہیبت ناک امور واقع ہوں گے ۔ **لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ** کسی بھی سفارشی کی سفارش کسی کو نفع نہ دے گی ۔

ف : المفردات میں ہے کہ امام راغب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ الشفاعۃ بمعنے کسی دوسرے کا امدادی ہوکر اور اس کی طرف سائل ہوکر اس سے ملنا ۔ اس کا اکثر استعمال اعلیٰ کا ادنیٰ کے ساتھ مدد وسوال کے ملنے کے لیے ہوتا ہے ۔ قیامت میں شفاعت کا معنے اسی سے ہے ۔

اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ مگر جسے رب رحمٰن نے اجازت بخشی ہوگی کہ وہ کسی کے لیے شفاعت کرے ۔ الاذن بمعنے الاعلام باجازتہ کسی کو اپنی اجازت کی خبر دینا اور کہنا اس کام کی تمھیں رخصت ہے ۔ **وَرَضِيَ لَهُ**

قَوْلًا ○ اور بات کہنے کے لیے اس سے راضی ہو یعنے اس کے لیے اس کے متعلق شافع سے راضی ہو۔اس کے سوا باقی کسی عام انسانوں کی سفارش کسی کو فائدہ نہ دے گی بفرض محال اگر کسی کو اجازت بھی ہو اور وہ مجرموں کی سفارش کریں بھی تب بھی قبول نہ ہو۔

کما قال تعالٰے :

فما تنفعهم شفاعة الشافعين انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

آیت میں اعم المفاعیل سے استثنا رہے۔

يَعْلَمُ اللہ تعالٰے جانتا ہے۔ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ ان کے وہ حالات جو پہلے گذرے ہیں۔ وَمَا خَلْفَهُمْ اور گذشتہ امور سے ان کے بعد والوں سے سرزد ہوئے اور ضمیر داعی کے متبعین کی طرف راجع ہے

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالٰے جانتا ہے ان امور کو جو انسانوں کو آخرت میں پیش آئیں گے اور ان کے وہ امور بھی جانتا ہے جو آخرت سے پہلے دنیا میں ان سے سرزد ہوئے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اپنے بندوں کے وہ مختلف احوال جانتا ہے جو ان کے آغاز تخلیق میں لکھے گئے تھے اور ان کے اختلاف احوال الی الابد کو بھی۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ○ اور جنت علم و دانش جملہ عالم اللہ تعالٰے کے علم کو محیط نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ قدیم ذات ہے اور مخلوق کا علم قدیم کو محیط نہیں ہوسکتا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اس کی معرفت کی کُنہ سے کل عالم عاجز ہے۔

کجا دریابد او را عقل چالاک
کہ بیرونست از سرحد ادراک
تماشا می کن اسما و صفاتش
کہ آگہ نیست کس از کنہ ذاتش

ترجمہ: ① عقل چالاک اسے نہیں پاسکتا۔ اس لیے ادراک کی سرحد سے وہ خارج ہے۔

② اس کے اسماء و صفات کا تماشا کیجئے کیونکہ اس کی ذات کی کنہ سے کوئی بھی آگاہ نہیں۔

صوفیانہ فائدہ اس کی ذات کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا ہے اور نہ اس کے سوا اس کا کوئی ذکر کرسکتا ہے۔ درحقیقت عالم بھی وہی ہے ذاکر بھی وہی کیونکہ مخلوق حادث اور فانی الوجود اور وہ قدیم باقی الوجود ہے اور باقی کا فانی کو ادراک نہیں ہوسکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ باقی کو صرف باقی پاسکتا ہے بلکہ اس کے ازلی کمال کے ایک ذرہ کو کوئی بھی نہیں پاسکتا۔

اس لیے من کل الوجوہ اس کے وجود کو نہ صفاتاً پایا جا سکتا ہے اور نہ ذاتاً اور نہ سرًا اور نہ حقیقتاً۔

ف: حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس کی ذات کے احاطہ کے لیے راہ ملے بھی کیسے اور علمی لحاظ سے اس کا احاطہ بھی نہیں ہو سکتا، اور آسمان کو بھی کوئی احاطہ نہیں کر سکتا جس کا جوہر محسوس ہو رہا ہے پھر وہ ذات کس طرح احاطہ میں آ سکتی ہے جس کی کُنہ میں عقول و افہام عاجز ہیں۔

ف: المفردات میں ہے کہ احاطۃ الشیء بمعنے شے کا وجود وجنس وکیفیت اور اس کی غرض معلوم کرنا جس کے لیے وہ شے پیدا ہوئی اور دیگر اس کے متعلقات جو اس کی غرض سے متعلق ہیں اور یہ صرف اللہ تعالٰی کا علم ہے۔

فائدہ صوفیانہ: انوار المشارق میں ہے کہ طریقہ صوفیہ کرام میں ہے کہ جن امور کی کنہ میں ادراک عاجز ہے ان کی طلب بھی جائز ہے ہاں ان امور کی طلب ناجائز ہے جن کا وجود عقلاً محال ہے۔

اس سے وہ اعتراض رفع ہو گیا جو کہا جاتا ہے کہ عقول بشریہ کو ذات الٰہیہ کا ملنا کب ممکن ہے جب کہ اس کی ذات کی کُنہ عقول عاجز ہیں کہاں سورج کہاں چمگادڑ کی آنکھ۔

مسئلہ: الشیخ محمد پارسا قدس سرہٗ نے فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ جو شے عقلاً محال ہے اس کا ولایت کی کرامت سے صدور ناجائز ہے ہاں جس امر کے ادراک سے عقل قاصر ہے اس کا صدور ولایت کی کرامت سے جائز ہے۔ جو شخص استحالہ و قصر عقل کا فرق نہیں سمجھتا وہ بے عقل (جاہل) ہے۔

مسئلہ: الشیخ عزالدین ذات حق اور اس کے صفات عقول کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ عارفین کی معرفت کی انتہا یہ ہے کہ وہ یقین کریں کہ معرفت ذات حق کی حقیقت غیر اللہ کو منکشف ہونا محال ہے ہاں عارفین اللہ بایں معنی ہیں کہ انھیں اللہ تعالٰی کے اسماء و صفات کی معرفت نصیب ہوتی ہے جتنی معلومات باری تعالٰی اور اس کے عجائب مقدورات اور دُنیا و آخرت کی عجیب و غریب منکشف ہوتی ہیں اسی قدر اسے معرفت الٰہیہ نصیب ہوتی ہے پھر آخرت میں درجات کی کمی و بیشی اسی معرفت کی وجہ سے ہوگی۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ حی وقیوم کے سامنے سب کے چہرے جھک جائیں گے۔

حل لغات: عنوت فیھم عنوا وعناء سے ہے بمعنے صرت اسیرا، میں قیدی ہو گیا۔ عنیت وخضعت کا ایک ہی معنی ہے۔ (کذا فی القاموس)۔

سوال: واقعہ تو قیامت میں ہوگا پھر اسے ماضی سے تعبیر کیوں کیا۔ یہاں تو تعنو کہنا چاہئے تھا؟

جواب: تاکہ تحقیق و ثبوت کا یقین ہو۔ (کذا فی البحر العلوم)

الوجوہ کی لام جنس کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں ہر چہرہ مراد ہے، مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، یا عہد کا ہے۔ اس سے صرف عاصیوں کے چہرے مراد ہیں۔ کما قال تعالٰی:

سیئت وجوہ الذین کفروا :
مکلفین کے بجائے وجوہ کہنے میں اشارہ ہے کہ عاجزی کا ظہور چہروں میں ہوتا ہے ۔ (کذا فی الکبیر)
اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں حی وقیوم کے سامنے چہرے عاجز ہو جائیں گے اور ایسے ذلیل وکمزور ہوں گے جیسے قیدی جابر و قہری حاکم کے سامنے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وجوہ مکونات حی وقیوم کے لیے جھک جائیں گے کیونکہ ان کا زندہ ہونا اس کی حیات کی وجہ سے ہے اور وہ اپنے قیام و قوام میں اسی کے محتاج ہیں اضطراراً یا اختیاراً ، ہر طرح سے اس کی ذات کے سوا کسی کو چارہ کار نہیں ۔

ف : العرائس میں ہے کہ عرف میں صاحب وجہ وہ ہے جو جملہ ذو وجاہت سے وجیہ تر ہو ۔ اس معنی پر حقیقی وجیہ انبیاءؑ و مرسلین اور اولیاء مقربین ہیں اور لوگ وجوہ الحور اور حسین چہروں کو ذو وجاہت سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے ۔

ف : جملہ عالم کے حسین وجمیل ہونا اللہ تعالےٰ کے حسن وجمال اور جلال کا کرشمہ ہے ۔ اگرچہ جملہ عالم کا ہر فرد یوسفؑ کے حسن وجمال کا آئینہ دار ہو تب بھی اللہ تعالےٰ کے حسن وجمال کے آگے لاشئے ہے بلکہ جب وہ اپنے حسن ازلی سے حجاب اٹھائے گا تو تمام عالم اپنے حسن وجمال کو بھول کر اس کے آگے سر تسلیم خم ہو جائے گا ۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

آہنگ جمال جاودانی آرم
حسنی کہ نہ جاودان ازان بیزارم

ترجمہ : وہ جمال جو دائمی ہے مجھے اسی سے پیار ہے اور حسن فانی سے میں بیزار ہوں ۔

اسم اعظم : حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسم اعظم کو ان تین سورتوں میں تلاش کرو :

(۱) بقرۃ (۲) آل عمران (۳) طٰہٰ

ف : راوی نے فرمایا کہ وہ تینوں آیتیں " لا الٰہ الا ھو الحی القیوم " ان میں مشترک ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ○ اور بے شک خسارے میں ہے وہ جس نے ظلم سر پہ اٹھایا یعنے جس نے شرک کیا لیکن تائب ہو کر نہ مرا ، بے بہرہ اور محروم رہا ۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الحنیفۃ وہ شے جو مطلب کے اوپر (بمنزلہ پردے کے) ہو ۔
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ . باعتبار مضمون من یعمل کا مفعول اور من تبعیضیہ ہے یعنے وہ جو بعض نیک عمل کرتا ہے ۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، حالانکہ وہ مومن ایمان کی شرط صحت طاعات وقبول حسنات کے لیے ہے ۔ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا

وَّلَا هَضْمًاO تو وہ نہ ثواب کے نہ ملنے کا خوف کرے گا اور نہ اس کی کمی کا کیونکہ جس کا وہ مستحق ہے اس کا اسے اللہ تعالیٰ سے وعدہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

حل لغات : ھضم الطعام اسی سے ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ھضم بمعنے وہ ٹوٹنا جس میں نرمی ہو۔ اہل عرب کہتے ہیں :

ھضمتہ فانھضم (میں نے اسے آہستگی سے توڑا تو وہ ٹوٹ پڑا)

ھضم الدوا الطعام یعنے معدہ میں پھنسے ہوئے طعام کو دوا نے توڑا۔ الھاضوم وہ دوا جو طعام کو ہضم کرے۔ ونخل طلعھا ھضیم وہ کھجور جس کا گابھا نرم و نازک ہے۔ اس کے بعض اجزا بعض میں داخل یعنے شدخ کی طرح ہیں۔

ف : جناب کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا ہے کہ اس دن ستم و بیداد سے نہ ڈرے گا جیسے زیادتی سیئات سے مجرم کو ڈر ہوگا اور نہ ہی حسنات کے ثواب میں کمی اور نقصان سے خوفزدہ ہوگا یعنی مومن کی حسنات میں کمی نہ کی جائے گی اور نہ اس کی برائیوں میں زیادتی۔

سبق : اعمال صالحہ پر التزام اور برائیوں سے بچنا لازم ہے کیونکہ قیامت میں ہر شخص کو اپنے اعمال کے اشجار کا ثمر ملے گا اور اعمال صالحہ سے ہی نیک انجام پائے گا اور سب سے افضل اعمال فرائض کی ادائیگی اور محارم سے اجتناب ہے۔

سبق سلیمان بن عبدالملک نے ابو حازم کو فرمایا کہ مجھے نصیحت فرمایئے لیکن اختصار کو مدّنظر رکھنا۔ حضرت ابو حازم نے فرمایا کہ اے سلیمان بن عبدالملک اللہ تعالےٰ کو منزہ و مقدس جاننا اور ان امور سے بچنا جن سے اس نے روکا ہے جب کہ یہ تصور ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر وقت دیکھ رہا ہے اور جن امور کا اس نے حکم کیا ہے ان کی ادائیگی میں ہر وقت کمر بستہ رہنا۔

سبق بعض مشائخ نے فرمایا کہ خواہشات نفسانی کی اتباع کی ایک علامت یہ ہے کہ نفلی عبادات میں تو کمی اور ناغہ نہ کیا جائے لیکن فرائض کی ادائیگی میں سستی کی جائے۔ اور عام لوگوں کا حال یہی ہے، ہاں جسے اللہ تعالےٰ محفوظ رکھے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ خام خیال صوفی اوراد و وظائف اور نوافل پڑھتے ہیں اور سخت سے سخت عبادات کی مشغولی رکھتے ہیں لیکن فرائض کی اوّلاً تو ادائیگی کرتے ہی نہیں اگر کچھ کرتے ہیں تو لاپرواہی سے۔ ایسے لوگ اصول دین کو ضائع کرنے کی وجہ سے وصول الی اللہ سے محروم ہیں۔

حکایت حضرت ابو محمد مرتعش رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نے شرعی اصول کی پابندی اور تصوف کے قانون قدم تجرید کے مطابق متعدد حج پڑھے۔ ایک روز میری ماں نے رات کے وقت پانی مانگا تو مجھے رات کو اٹھنا ناگوار گذرا اس سے میں نے سمجھا کہ میرے وہ تمام حج مبنی بر اخلاص نہیں تھے، ان میں میرے نفس کی شرارت اور حظ نفسانی کی ملاوٹ تھی کیونکہ اگر ان میں ایسی خرابی نہ ہوتی تو آج مجھے پانی پلانے کے لیے طبیعت میں ناگواری کا تصور نہ آتا حالانکہ ان جملہ مناسک حج سے اس حق شرع یعنے ماں کی خدمت کو فوقیت ہے۔

مرشد کامل کی ضرورت : نیک اعمال سے بندہ صرف عابد ہو سکتا ہے لیکن معارف الٰہیہ اور وصول الی الدرجات العالیات

کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہے اس کے بغیر ان کا حصول ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مشائخ اولیاء مقربین و ابرار کی صحبت کے لیے دُور دُور سفر کیے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

من بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ
قطع ایں مرحلہ با مرغ سلیمان کردم

ترجمہ: میں عنقا کی منزل تک نہ پہنچ سکا۔ یہ منازل میں نے مرغ سلیمان کے ساتھ طے کیے۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ۔ یہ اشارہ ان آیات سابقہ کی طرف ہے جن میں وعیدیں بیان کی گئی اور بتایا گیا کہ کل قیامت میں ایسے ہولناک واقعات ہوں گے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ سابقہ آیات کے انزال کی طرح۔ اَنْزَلْنٰهُ یعنے نازل کیا جملہ قرآن۔

سوال: لفظ قرآن کو مذکور نہیں اور پھر اس کی طرف ضمیر کیسے راجع ہو سکتی ہے؟

جواب: چونکہ اس کا تصور جملہ اذہان میں راسخ ہے اسی لیے اس کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں اور بحر العلوم میں ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر انزلنٰہ کے مصدر انزال کی طرح راجع ہو یعنے اس انزال بیّن کی طرح ہم نے قرآن کو نازل کیا۔ دراں حالیکہ وہ: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا قرآن عربی ہے یعنے وہ عرب پر نازل ہوا تاکہ عرب کے لوگ اس کے اعجاز کو سمجھیں اور انھیں یقین ہو کہ یہ کلام بشر کی حد سے باہر ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جیسے ہم نے آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر صحائف و کتب ان کی زبانوں اور لغتوں میں نازل فرمائیں ایسے ہی ہم نے آپ پر لغت عرب میں قرآن اتارا۔ اور اللہ تعالٰے کا حقیقی کلام تو وہ ہے جو اس کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ مختلف حروف و اصوات سے منزہ ہے کیونکہ حروف و اصوات مخلوق ہیں اور انھیں مختلف لغات اور مختلف زبانوں سے تعلق ہے۔

وَصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ:

حل لغات: الصرف بمعنے ایک شے کو ایک حالت سے دوسری حالت پر پھیرنا یا اسے غیر کے ساتھ بدلنا۔ التصریف بھی یہی معنٰے ہے لیکن اس میں تکثیر مطلوب ہوتی ہے اور اکثر صرف کا اطلاق ایک شے کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف یا ایک امر کو دوسرے امر کی طرف ہوتا ہے۔ تصریف الریاح کا یہی مطلب ہے کہ انھیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرح پھیرا جاتا ہے۔ الوعید بمعنے تہدید بمعنے خوف اور ڈر دکھانا۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے قرآن مجید میں بعض وعیدیں بار بار بیان کیں۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ جیسے ذکر طوفان اور رجفہ و صیحہ اور خسف و مسخ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے آپ کی قوم کو ان مختلف عقوبات سے ڈرایا جن میں سابقہ امتیں مبتلا ہوئیں اور پھر بار بار انھیں دہرایا تاکہ عبرت حاصل کریں۔

ف : تفسیر الکبیر میں ہے کہ ان میں فرائض امحارم بھی داخل ہیں کیونکہ یہ بھی وعیدات پر مشتمل ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ تاکہ وہ بالفعل کفر ومعاصی سے بچ جائیں۔ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ○ اور انھیں نیا ذکر پیدا کرے یعنے قرآن مجید ان کے لیے ایقاظ و اعتبار کی تجدید کرے تاکہ یہ پہلے لوگوں کے حالات کی ہلاکتیں اور تباہیاں سن کر اپنی آخرت سنواریں اور متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔

ف : الحداث الشی بمعنے ایجاد۔ اور الحدوث بمعنے سے کا معدوم کے بعد موجود ہونا، وہ عرض ہو یا جوہر۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ۔ تعالیٰ کا مادہ علو ہے یعنے ہر ادنچے سے اونچا اور بزرگ سے بزرگتر مرتبہ سے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ وہی مؤثر و واجب الذاتہ ہے اور اس کا ماسویٰ اس کے اثرات اور کل کائنات ممکن اور یہ واجب۔ اور واجب و ممکن کے مابین مماثلت کیسی؟

ف : الارشاد میں ہے کہ اس میں اللہ تعالےٰ کی عظمت کا بیان ہے اور ان شئون کو ظاہر کرنا ہے کہ جن سے وہ اپنے بندوں پر اوامر و نواہی کا تصرف کرتا ہے اور وعید و وعد سناتا ہے اور اپنی ذات وصفات و افعال و احوال میں مخلوق کی مماثلت سے منزہ و مقدس ہے۔

الْمَلِكُ وہی حقیقی بادشاہ اور اسی کی حقیقی نہی و امر نافذ ہے بایں طور صرف اسی کے وعدہ کی امید اور صرف اسی کی وعید سے خوف رکھنا چاہیے۔ الْحَقُّ ج ملکوت میں اسی کی سلطنت ثابت ہے الوہیت حقیقی اسی کی ہے اور ہر شے اس کی ذاتی ملک ہے۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ اور قرآن مجید کے نزول سے پہلے جلدی نہ کیجیے قبل اس کے کہ آپ تک پہنچایا جائے اور سننے سے فراغت نہ پائی جائے قضی بمعنے فرغ آتا ہے۔
کما قال تعالےٰ :

لقضی الیھم اجلھم ان کی مدت مقررہ اور ان کے اجل سے فارغ ہوا۔

وَحْيُهٗ۔ وحی یعنے القائے الٰہی اور اس کی قرات سے۔

شان نزول

جب قرآن لے کر حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھتے تو حضور علیہ السلام ان کے پیچھے پڑھتے تو حضور علیہ السلام اس کے یاد کرنے میں جد وجہد کرتے۔ آپ کو اس طرز سے روکا گیا کیونکہ بہت سے ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ پہلے کلمے پڑھنے اور اس کے تتبع پر آنے والا کلمہ رہ جاتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ خوف نسیان اور کسی حرف کے رہ جانے کی فراغت و تکمیل سے پہلے عجلت نہ کیجیے جب وہ پڑھ کر فارغ ہو پھر پڑھیں۔

تاویلات نجمیہ کی بہترین توجیہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاموشی سے سننے اور اس میں تدبیر کا حکم ہوا تا کہ آپ کو اس کے انوار و اسرار سے نور حاصل اور حقائق کا کشف نصیب ہو۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا :

وَقُلْ اور اپنے دل میں کہئے۔ **رَّبِّ** اے میرے پروردگار! **زِدْنِیْ** بڑھا مجھے **عِلْمًا ○** علم میں اور اس کے حقائق کے ادراک میں کیونکہ وہ غیر متناہی ہیں اور مجھے اس کے انوار سے نور بخش اور اس کے احکام کے مطابق بنا۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے علم القرآن مراد ہے کیونکہ جونہی قرآن مجید کا نزول ہوتا تو اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں اضافہ ہوجاتا۔

ف : محمد بن الفضل نے فرمایا کہ اس سے علم النفس مراد ہے یعنی مجھے اپنے نفس اور اس کے پوشیدہ شرور کا علم دے کیونکہ اس کا شر دھوکہ اور مکر وفریب ایسا ہے کہ جسے تو ہی جانتا ہے جب معلوم ہوگا تو میں اس کی مدد سے اس کی شرارتوں، مکر و فریب اور دھوکے سے بچ جاؤں گا۔

مسئلہ : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب اس کو پڑھتے تو اس کے بعد یہ دعا مانگتے :

اللھم زدنی ایمانا و یقیناھك اے اللہ! مجھے ایمان اور اپنی ذات کے یقین میں اضافہ عطا فرما۔

یہی اجل وادق تفسیر ہے یعنے انھوں نے ایمان ویقین کو ذات سے متعلق کیا اور غیر سے بیزاری کا اظہار۔ اور یہی اصعب الامور ہے۔ فقیر (حقی) نے اپنے شیخ ومرشد قدس سرہ سے ایسے ہی سُنا۔

قاعدہ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ جہاں بھی اللہ تعالے نے اپنے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے طلب زیادتی کا کہا وہاں علم کا اضافہ مراد ہے۔

نکتہ : کاشفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے زیادتی علم کی دعا کی تو اللہ تعالے نے انھیں خضر علیہ السلام کے حوالے کر دیا لیکن محبوب علیہ السلام کے مانگے بغیر خود علم عطا فرمایا کسی دوسرے کا آپ کو محتاج نہیں بنایا تا کہ معلوم ہو کہ جس ذات کو ادبنی ربی کا مکتب اور قل رب زدنی علما کا سبق نصیب ہو اور جس نے درسگاہ علمك ما لم تكن تعلم سے، علمت علم الاولین والاخرین کا نکتہ سیکھا ہو اس کے حقائق علوم واسرار تک پہنچنا کس کی مجال ہے

علم ہائے انبیاء و اولیاء
در دلش رخشندہ چوں شمس الضحیٰ
عالمی کاموز کارش حق بود!
علم او بس کامل مطلق بود

ترجمہ : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں انبیاء و اولیاء کا علم سورج کی طرح چمکتا ہے ۔
وہ عالم جس نے علم اللہ تعالٰے سے سیکھا ہو تو اس کا علم کامل ہو گا ۔

حکایت ابراہیم ہروی نے کہا کہ میں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی محفل میں بیٹھا تھا۔ کسی نے کہا کہ فلاں فلاں کا شاگرد ہے۔ حضرت ابو یزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان مسکینوں نے مردوں سے علم حاصل کیا اور ہمارا علم تو اس ذات سے حاصل کردہ ہے جسے ہمیشہ دوام اور بقا ہے ۔

کرامت حضرت ابوبکر کتانی نے کہا کہ مجھے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صنعا کی مسجد میں تھا، تمام لوگ عبدالرزاق سے حدیث شریف کا درس سن رہے تھے لیکن ایک نوجوان مسجد کے ایک کونہ میں مراقب بیٹھا تھا۔ میں نے کہا کہ اے نوجوان ! تم عبدالرزاق کی باتیں نہیں سنتے۔ اس نے کہا کہ میں خود رزاق کی باتیں سُن رہا ہوں، مجھے عبدالرزاق سے کیا کام؟ میں نے اسے کہا کہ یہ واقعی ایسے ہے تو بتایئے کہ میں کون ہوں؟ اس نے فرمایا کہ آپ خضر علیہ السلام ہیں ۔

آیت میں علم کی شرافت اور بزرگی کا بیان ہے ۔ سیدنا الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علم اللہ تعالٰے کا نور ہے جس کو اللہ علم عطا کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل میں وہی نور ڈال دیتا ہے اور وہ علم اس دل میں قائم ہوتا ہے جو شخص جس شئے کو جاننا چاہتا ہے تو وہی نور حقائق اشیاء سے ایسے آگاہی پاتا ہے جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ کر شئے کو جانتے ہیں علم بصیرت کے لیے ایسے ہے جیسے آنکھ بصر کے لیے بلکہ اس سے بھی زیادہ

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا :

"العلم باللہ "

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم نے عمل کا پوچھا ہے، آپ علم بتاتے ہیں۔ تو پھر بھی آپ نے فرمایا : العلم باللہ ، صحابہ کرام نے پھر اسی طرح عرض کی تو آپ نے فرمایا :

قلیل العمل ینفع مع العلم وان کثیر العمل لا ینفع مع الجھل ۔ تھوڑا عمل علم سے ہو وہ نافع ہے لیکن بہت عمل جہل سے ہو تو نافع نہیں ۔

ف : اور معتبر علم نافع ہے ورنہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے علم غیر نافع سے پناہ مانگی ۔ کما قال علیہ السلام :

اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع ۔ اے اللہ ! میں علم غیر نافع سے پناہ مانگتا ہوں۔

ف : علم تصفیہ قلب کے بغیر ناممکن ہے اور تصفیہ قلوب اللہ تعالٰے کے اعلیٰ قربات و افضل طاعات سے ہے اسی اکابر مشائخ کا مطمع نظر اصلاح قلوب اور باطن کی اصلاح تھی ۔

پاک و صافی شو و از چاہ طبیعت بدرآی
کہ صفائی ندہد آب تراب آلودہ

ترجمہ: چاہِ طبیعت سے باہر آ اور پاک وصاف ہو اس لیے کہ جس پانی میں مٹی کی ملاوٹ ہو وہ کبھی پاک وصاف نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ

حل لغات: عهد فلان الی فلان بعهد بمعنے القی العهد الیه ...الخ یعنے فلاں نے اس کے ساتھ عہد کیا اور اس کی حفاظت کے لیے اسے وصیت کی۔ اور العهد بمعنے حفظ الشیٔ ومراعاته حالا بعد حال۔ ہر حالت میں شئے کی حفاظت اور نگرانی کرنا اور وہ پختہ امر جس کی نگرانی لازم ہو۔ اسے عہد سے بھی سے اسی لیے تعبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کا ایک عہد تو وہی ہے جو ہمارے عقول میں مرکوز ہے اور کبھی اس کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جس کی ہم کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ سے مامور ہیں اور اس امر کو بھی عہد کہا جاتا ہے جو شرعاً تو ہمارے لیے لازم نہیں لیکن ہم نے اوپر خواہ مخواہ لازم کر دیا جیسے نذر اور دیگر امور۔ آدم سیدنا ابوالبشر علیہ السلام کا اسم گرامی ہے۔ وہ اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ ان کا جسم اطہر ادیم الارض سے تیار ہوا یا اس لیے کہ رنگ گندمی تھا۔ ادمة سے مشتق کیا گیا جیسے کہا جاتا ہے رجل آدم بمعنے اسمر یعنے گندمی رنگ والا۔

ف: بعض نے کہا ہے کہ اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ مختلف عناصر اور متفرق قویٰ سے ان کی ترکیب ہوئی مثلاً کہا جاتا ہے:

جعلت فلانا

بعض نے کہا کہ وہ روح منفوخ فیہ سے الیب ہوئے اور انھیں عقل وفہم اور رویت سے نوازا گیا ان امور سے وہ جملہ دیگر تمام مخلوق سے افضل ہو گیا۔ اسی لیے سالن کو عربی میں "ادام" کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے طعام لذیذ ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ عجمی لفظ ہے اسے عربی کے مادہ سے تعلق نہیں اور یہی زیادہ موزوں ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ بخدا ہم نے آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا اور تاکید فرمائی کہ درخت کو نہ کھانا اور یہ خاص درخت تھا جس کا ذکر ابھی آتا ہے)۔

مِنْ قَبْلُ اس زمانے سے پہلے۔ فَنَسِيَ تو وہ عہد کو بھول گئے اور اس کے ایفا کا اہتمام نہ کیا یہاں تک کہ اس سے غافل ہو گئے۔

نسیان کی تحقیق

نسیان بمعنے شئے کا یاد نہ رہنا یا بھلائی ہوئی شئے کا ترک۔

امام راغب نے فرمایا کہ انسان کا اس شئے کو ترک کرنا جس کا ضبط اس میں بطور امانت رکھا گیا اس کا

سبب یا تو ضعف قلب یا غفلت یا عمداً اس سے لاپرواہی کی جاتے کہ دل میں اس کا تصور اور خیال نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس نسیان کی مذمت کی ہے اس سے وہ نسیان مراد ہے جو عمداً ہو اور جس نسیان میں عذر ہو جیسے حدیث شریف میں ہے کہ میری امت سے خطا و نسیان مرفوع یعنے معاف ہے تو وہ نسیان ہے جس کا سبب انسان کی طرف سے نہ ہو۔

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور ہم نے اس کا عزم نہیں پایا۔ اگر اس سے وجود علمی مراد ہو تو لہ اور عزما اس کے دو مفعول ہیں اور لہ عزما سے اس لیے مقدم ہے کہ لہ ظرف ہے۔ اگر اس سے وجود عدم کا بالمقابل مراد ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے کیونکہ اسی معنے سے ہی فائدہ شرعی مرتب ہو سکتا ہے اور عزما اس کا مفعول ہے فلہ فعل کے متعلق ہے۔

حل لغات: العزم فعل پر نفس کو پختہ کرنا اور اس کے اجزاء پر قلب کو مضبوط رکھنا۔

اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو گندم کا دانہ کھانے پر پختہ ارادہ نہیں پایا یا اس کا معنے یہ ہے کہ جس معاہدہ پر مامور ہوئے تھے اس پر ثابت قدم نہ پایا ورنہ انھیں شیطان نہ ڈگمگاتا اور نہ ہی دھوکہ کرتا اور یہ آدم علیہ السلام کی ابتدائی زندگی میں ہوا اور ایسے دور میں تجربہ کاری اور پختہ رائے بہت کم ہوتی ہے۔ اسی لیے اگر انھوں نے گندم کا دانہ کھا لیا تو قابل مذمت نہیں، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ، معاذ اللہ، انھوں نے کمئ عقل کی وجہ سے ایسے کیا۔ بلکہ ایسا کہنا خود کم عقلی کی دلیل ہے کیونکہ وہ تو ہم سب سے زیادہ عقیل و فہیم اور صائب الرای تھے۔ اسی لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو وزنت احلام بنی ادم لرجح حلمہ۔ اگر جملہ بنی آدم کے عقول و افہام ایک پلڑے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عقل و فہم دوسرے پلڑے میں ہو تو آدمؑ کے عقل و فہم کا پلڑا بڑھ جائے گا۔

خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولم نجد لہ عزما۔

ف: غور کیجئے کہ ایسے بلند مراتب ہونے کے باوجود جب آدم علیہ السلام پر شیطان کے وسوسہ کا اثر ہوا تو پھر ہم کس باغ کی مولی ہیں؟ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دام سخت است مگر لطف خدا یار شود
ورنہ آدم نبرد صرفہ ز شیطان رجیم

ترجمہ: دام سخت ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا لطف شامل حال ہو جائے تو پھر آسان ہے ورنہ آدم علیہ السلام بھی شیطان رجیم سے گھڑی نہ سنبھال سکے۔

ف: یہ اس وقت کی بات ہے جب انسان سے نسیان پر بھی مواخذہ ہوتا تھا یہ تو ہمارے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان و کرم ہے کہ ہمارے نسیان و خطاء کو معاف کرا دیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ولقد عھدنا الی ادم من قبل یعنے ہم نے آدم علیہ السلام سے اس وقت وعدہ لیا جب کہ وہ اس وعدہ میں پہلا تھا اور ہمارے غیر سے اس کا تعلق نہ ہوا تھا اور ہمارے ماسوا کسی کی اتباع میں تھا پھر جب وہ بہشت میں داخل ہوا فنسی تو وہ ہمارے وعدہ کو بھول کر شجرہ سے متعلق اور ابلیس کا منقاد ہوا۔ ولم نجد لہ عزما اور ہم نے اس کا ارادہ نہ پایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اپنے جمیع صفات کے ساتھ اس پر متجلی ہوا تو ان کی فطری صفات مغلوب انوار صفات ربوبیت کے سطوات تجلیات سے مستور ہوگئے ان میں غیر اللہ کے ساتھ کا تعلق اور ماسوائے اللہ کے انقیاد کے ظلمات مٹ گئے پھر جب بشریہ حیوانیہ کے دواعی متحرک ہوئے اور شہوات نفسانیہ انسانیہ ابھرے اور حظوظ نفسانیہ کی ادائیگی میں مشغول ہوئے تو حقوق الٰہیہ کی ادائیگی کو بھول گئے اسی لیے انسان کو " ناس " سے تعبیر کیا گیا کیونکہ اس میں نسیان کا مادہ ہے۔ انہی اسباب سے اس میں بے شمار ظلمات پیدا ہوئے اور آدمی ان کے گھیرے میں پھنس گیا یہاں تک کہ وہ ظلمات شموس المعارف بادل اور اقمار عوارف پردے بن گئے تو عہود ومواثیق الٰہیہ بھول گئے اور شجرہ منہی عنہ کے درخت ہوگئے۔

ف : علامہ (زمخشری) نے کہا کہ یا انسان عادتك النسیان "اے بیکار انسان! تیری فطرت ہی نسیان ہے۔" اذکر الناس (انسان بھولنے والا ہے) کو یاد کر۔ ارق القلوب قاس "تمام قلوب سے بے کار وہ قلب ہے جس پر قسوۃ کا غلبہ ہو۔"

ف : ابو الفتح البستی نے بعض رؤسار کو اپنے نسیان کی معذرت کرتے ہوئے لکھا ے

یا اکثر الناس احسانا الی الناس

یا احسن الخلق اعراضا عن الباس

نسیت وعدك والنسیان مغتفر

فاغفر فاول ناس اول الناس

ترجمہ: (۱) اے لوگوں پر بکثرت احسان کرنے والے اور اچھے خلق والے اور غلطیوں سے چشم پوشی کرنے والے۔

(۲) میں تیرا وعدہ بھول گیا اور بھول معاف ہے فلہٰذا مجھے معاف فرمائیے اور سب سے پہلا انسان بھی بھول گیا۔

نسیان کے موجبات : حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نسیان کے موجبات واسباب دس ہیں :

(۱) ہم وغم۔

(۲) نقرہ پہ حجامۃ۔

(۳) کھڑے پانی میں پیشاب کرنا۔

(۴) کھٹی تفاخ کھانا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدہ میں

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ

گرے مگر ابلیس اس نے نہ مانا تو ہم نے فرمایا اے آدم بیشک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے تو ایسا

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا

نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے پھر تو مشقت میں پڑے بے شک تیرے لیے جنت میں یہ ہے کہ نہ تو بھوکا ہو نہ

تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ

ننگا ہو اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے نہ دھوپ تو شیطان نے اسے وسوسہ دیا بولا اے

يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ

آدم کیا میں تمہیں بتادوں ہمیشہ جینے کا پیڑ اور وہ بادشاہی کہ پرانی نہ پڑے تو ان دونوں نے اس میں سے کھالیا

لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ

اب ان پر ان کی شرم کی چیزیں ظاہر ہوئیں اور جنت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش

فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا

واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی پھر اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی فرمایا تم دونوں

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا

مل کر جنت سے اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے پھر اگر تم سب کو میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا وہ نہ بہکے

يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

نہ بد بخت ہو اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کے لیے تنگ زندگانی ہے اور ہم اسے

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ

قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے کہے گا اے رب میرے مجھے تو نے کیوں اندھا اٹھایا میں تو انکھیارا

بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

تھا فرمائے گا یونہی تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تو نے انہیں بھلادیا اور ایسے ہی آج تیری کوئی خبر نہ

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

لے گا اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں جو حد سے بڑھے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور بیشک آخرت کا عذاب سب سے سخت

اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ

تر اور سب سے دیر پا ہے تو کیا انہیں اس سے راہ نہ ملی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں ہلاک کر دیں کہ یہ ان کے بسنے کی جگہ

مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

چلتے پھرتے ہیں بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو

(بقیہ صفحہ نمبر)

⑤ کزبرہ کھانا۔

⑥ چوہے کا پس خوردہ کھانا پینا۔

⑦ قبور کے کتبے پڑھنا۔

⑧ سولی چڑھے ہوئے کو دیکھنا۔

⑨ دو اونٹوں کی قطار میں چلنا۔

⑩ جوئیں زندہ چھوڑنا۔ (کذا فی روضۃ الخطیب)

مسئلہ: قاضی خان نے لکھا ہے کہ جوئیں زندہ چھوڑنا جائز ہے لیکن انہیں مارنا مستحب ہے۔ المقاصد الحسنہ میں اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مردوں کا مساگ استعمال کرنا اگر بیماری سے نہ ہو مثلاً منہ کا مرض بخر (بدبوئی) دور کرنا ہو تو جائز ہے۔

مسئلہ عورت کو مساگ مارنا جائز ہے بشرطیکہ روزہ نہ ہو کیونکہ مساگ عورت کے لیے بمنزلہ مسواک کے ہے بلکہ ان کو مساگ استعمال کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ ان کے دانت بہ نسبت مردوں کے زیادہ کمزور ہوتے ہیں بلکہ ان کا ہر عضو کمزور ہے اسی لیے مسواک کے استعمال سے الٹا ان کے دانت گر جانے کا خطرہ ہے۔

فائدہ طبیہ: مساگ مسواک کی طرح مسوڑھوں اور دانتوں کو مضبوط کرتا ہے۔

ف: نسیان کا سب سے بڑا سبب گناہ ہے ہم اللہ تعالٰے سے اس سے بچنے اور محفوظ رہنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قُلْنَا اور اے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم! ہماری گفتگو کے وقت کو یاد کیجئے جب کہ ہم نے کہا: لِلْمَلٰٓئِكَةِ کل فرشتوں کو آسمان اور زمین والوں سب کو۔ اس کی تحقیق گذری ہے: اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کو تحیہ و تکریم و تعظیم کا سجدہ کرو۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم! آدم علیہ السلام کے اس حال کو یاد کیجئے تاکہ واضح ہو کہ وہ عزیمت و ثبات والے نہ تھے۔

سجودِ آدم کے استحقاق کے موجبات : حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا استحقاق چند وجوہ سے تھا :

(۱) آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک عظیم الشان امر کے لیے ہوئی یعنے خلافت الٰہیہ کے لیے اس اعتبار سے وہ سجدہ کے مستحق تھے ۔

(۲) آدم علیہ السلام کو عالم خلق و امر اور ملک و ملکوت اور دنیا و آخرت کا جامع پیدا فرمایا بلکہ آپ کے جسم میں جملہ عوالم کے ہر فرد کا نمونہ رکھا گیا عالم امر و آخرت کی کوئی ایسی شئے نہیں جس کے حقائق آدم علیہ السلام کی روح میں نہ ہو غرضیکہ آدم علیہ السلام جملہ کائنات علوی سفلی اور ظاہری باطنی کا خلاصہ ہیں اور ملائکہ کرام کی تخلیق صرف عالم امر و ملکوت سے ہوئی انھیں عالم خلق و ملک سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی نسبتِ کمال کی وجہ سے سجدہ کے مستحق ہوئے اور ملائکہ کو یہ کمال حاصل نہیں بلکہ وہ عالم خلق و ملک سے غیر متعلق ہونے کی وجہ سے نقص کے حامل ہوئے اسی وجہ سے وہ آدم علیہ السلام کے ہم مرتبہ نہیں ۔

(۳) تمام ارواح ملکیہ وغیرہ کی بہ نسبت آدم علیہ السلام کی روح احسن تقویم اور ان کی صورت احسن صورۃ یعنے صورتِ رحمٰن پر پیدا ہوئی اور ملائکہ اگرچہ حسن ملکی روحانی میں پیدا ہوئے لیکن صورتِ رحمٰن ان کو نصیب نہیں۔ اس معنے پر ہر دونوں حالتوں یعنے روحانی اور جسمانی لحاظ سے وہ ملائکہ سے افضل ہے اسی لیے وہ سجدہ میں گرے تاکہ معلوم ہو کہ آدم علیہ السلام ان سے افضل و اعلیٰ ہیں ۔

(۴) آدم علیہ السلام کو یہ شرف نصیب ہے کہ ان کے جسم کی تیاری کے لیے ان کے گارے کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کے ہاتھ سے چالیس روز گوندھا و خلقت بیدی ان کے لیے فرمایا، اور ان کی روح کو جسم سے متعلق کرنے کی کرامت سے نوازا ونفخت فیہ من روحی کی شان بخشی اسی کرامت پر نہیں سجدہ کا حکم ہوا۔ فقعوا لہ سٰجدین اور استحقاق سجدہ کا اظہار ابلیس کو ملعون بنانے کے لیے فرمایا بلکہ اسے سجدہ نہ کرنے پر جھڑکا ۔

کما قال :

یا ابلیس ما منعك ان تسجد لما خلقت بیدی ۔

(۵) علم اسمآ کلھا سے بھی آدم مخصوص ہوتے اور ملائکہ ان اسمار کے اخبار کے محتاج ہوتے ۔

کما قال تعالےٰ :

یا ادم انبئھم باسمائھم جب آدم علیہ السلام نے انھیں اسمار کی خبر سے مطلع فرمایا تو اس کے لائق ٹھہرے کہ وہ ان کو سجدہ کرے ۔

(۶) جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان پر جمیع صفات کے ساتھ تجلی ڈالی تو اس پر ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ انھیں سجدہ کریں تاکہ ان کی تعظیم و تکریم اور ان کا اعزاز و اجلال کا مظاہرہ ہو کیونکہ وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی فیصلہ کرتا جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی ○ یعنی جملہ ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اسی نے سجدہ نہ کیا۔

شیطان کے انکار سجدہ کی وجہ

دراصل وجہ یہ ہوئی کہ جب اللہ تعالٰے نے اعلان فرمایا کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (میں زمین پر خلیفہ بناتا ہوں)، تو فرشتوں نے کہا :

اتجعل فیہا من یفسد فیہا الی ان قال و نحن نسبح و نقدس لک۔ — کیا تو فسادیوں اور خون ریزوں کو پیدا کر رہا ہے جب کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔

چونکہ ملائکہ کا یہ کلام اعتراضی پہلو رکھتا تھا اور ان کی اپنی فضیلت کا اظہار ہے تو اللہ تعالٰے نے انھیں جواب میں فرمایا :

انی اعلم ما لا تعلمون — میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

کیونکہ میں نے اس میں علم الاسماء و استعداد خلافۃ کی امانت رکھی ہے جس کا تمھیں علم نہیں، اس معنے پر تم سے افضل ہیں۔ اب تم اپنے اعتراض کے کفارہ میں سجدہ کرو اور اس کی توہین پر استغفار پڑھو اور اپنی انکساری و عاجزی کا اعتراف کرو۔ چنانچہ ملائکہ نے اپنی غلطی کا اعتراف اور خطا کا اقرار کیا اور تائب ہو کر احکام الٰہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اسی لیے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا مگر ابلیس اعتراض پر ڈٹا رہا اور ان کی غیبت پر اور عجب و تکبر پر مصر رہا اور اللہ تعالٰے کے احکام نہ مانے بلکہ اعتراض و غیبت و عجب میں بڑھا۔ چنانچہ کہا :

انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔

اور سجدے سے انکار کر دیا۔ (کذا فی التاویلات)

فسجدوا۔ اللہ تعالٰے کے حکم تعظیم اور اس کے حکم کی تعمیل میں جملہ ملائکہ نے سجدہ کیا۔ الا ابلیس سوائے ابلیس کے۔ نہ ہی اس نے سجدہ کیا اور نہ ہی اپنے سے تکبر کی چادر ہٹائی اور نہ ہی عجز و تواضع کی۔

مثنوی رومی میں ہے ؎

آنکہ آدم را بدن دید او رمید
و انکہ نور مؤتمن دید او خمید

ترجمہ : جس نے صرف آدم علیہ السلام کا جسم دیکھا تو وہ بھاگا اور جس نے انھیں نور کا امانت دار دیکھا تو وہ جھک گیا۔

حل لغات : ابلس بمعنے بئس و تحیر ہے اس سے ابلیس مشتق ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ عجمی ہے۔ (کذا فی القاموس)

یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے پوچھا کہ اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کا کیا حال ہوا، تو اس کے جواب میں فرمایا:
ابٰی کہ ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا اور رک گیا۔

ف: المفردات میں ہے کہ الاباء بمعنے شدۃ الامتناع ہر اباء امتناع ہے لیکن ہر امتناع اباء نہیں۔
فَقُلْنَا اس کے بعد ہم نے آدم علیہ السلام کو نصیحت کی کہ **یٰٓاٰدَمُ اِنَّ ھٰذَا** یہ حقیر جس نے آپ کے ساتھ یہ ناشائستہ حرکت کی ہے، **عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ** وہ تمہارا اور تمہاری اہلیہ حوّا کا دشمن ہے۔ الزوج فرد کے لیے استعمال ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ اس کی اور جنس ہو مذکر ہو یا مؤنث۔

ابلیس کی عداوت کے وجوہ: ابلیس کی عداوت کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

① حاسد تھا، جب آدم علیہ السلام پر نعم الٰہیہ دیکھیں تو ان پر حسد کیا اس لیے ان کا دشمن بن گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی پر حسد کرتا ہے تو وہ اس کا دشمن بھی ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ ہلاک و برباد ہو بلکہ وہ ہر وقت اس کے (فساد حال) کے درپے رہتا ہے۔

② آدم علیہ السلام نوجوان عالم تھے اور ابلیس بوڑھا جاہل تھا اسی لیے اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کو اکی فضیلت ثابت کر کے دکھائی اور ابلیس کی جہالت ظاہر فرمائی اور بوڑھا جاہل ہمیشہ نوجوان عالمِ دین سے عداوت رکھتا ہے۔

زد شیخ شہر طعنہ بر اسرار اہلِ دل

المرا لا یزال عدوا لما جھل

ترجمہ: شیخ شہر نے اسرار اہل دل پر طعن و تشنیع کی۔ اور قاعدہ ہے کہ ہر شخص جس شے سے بے خبر ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے۔

③ ابلیس کی تخلیق نار سے اور آدم علیہ السلام کی پانی اور مٹی سے ہوئی۔ اس لیے ان دونوں کی آپس میں ابدی عداوت ہے۔ اسی وجہ سے آدم اور ابلیس کے درمیان عداوت ہوتی اور رہے گی۔

یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ تو وہ تم کو بہشت سے نکالنے کا سبب نہ بنے۔ یہ اسناد الفعل الی السبب کے قبیل ہے۔ ورنہ بہشت سے حقیقتاً نکالنے والا تو اللہ تعالٰے ہے اور نکالنے کی نہی بظاہر ابلیس کو ہے لیکن درحقیقت یہ نہی آدم و حوّا علیہما السلام ہر دونوں کو ہے تاکہ وہ شیطان کے سبب بننے سے بچیں اسے طریقہ برہانی سے تعبیر کیا جاتا ہے **فَتَشْقٰی** ۝ یہ نہی کا جواب ہے۔

سوال: پہلے خطاب آدم و حوّا علیہما السلام ہر دونوں کو تھا۔ اب صرف آدم علیہ السلام کو ہے اس کی وجہ؟
جواب (۱): صرف رعایت فواصل مطلوب ہے۔
جواب (۲): ہر امر میں اصل آدم علیہ السلام اور بی بی حوّا اس کی فرع ہیں اصل کے ذکر کے بعد فرع کی ضرورت نہیں رہتی۔

حل لغات: شقاوت، سعادت کی نقیض ہے۔ اور سعادت دو قسم کی ہے:

① دنیوی

② اُخروی

پھر سعادت دنیوی تین قسم کی ہے:

① نفسیہ

② بدنیہ

③ خارجیہ

ایسے ہی شقاوت کے یہی اقسام سمجھئے۔ شقاوت اخروی کے لیے اللہ نے فرمایا:

فمن اتبع هدای فلا یضل و لا یشقٰی۔

اور شقاوت اخروی کے متعلق اللہ تعالٰی نے فرمایا: فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقٰی۔ شقاوت بمعنے مشقت و محنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: شقیت فی کذا۔ (کذا فی القاموس) الشقا بمعنے شدت اور عسر دائمی۔

اب معنے یہ ہوگا کہ اے آدم علیہ السلام اسباب خروج کا ارتکاب نہ کیجئے ورنہ دنیوی محنت و مشقت میں پڑ جاؤ گے جیسے کھیتی باڑی پھر اس کا ٹنا، اسے صاف کرنا پھر کھانے کے لیے پیسا اور گوندھنا اور روٹی پکانا جیسے امر معاش میں اب ہم سب محنت و مشقت میں مبتلا ہیں۔ اس معنے کی تائید آنے والی آیت سے ہوتی ہے۔ (جس نے اس آیت میں آدم علیہ السلام کے لیے شقاوتِ معروفہ کا معنے مراد لیا وہ درحقیقت خود شقی ہے)[1]۔

ف: کاشفی نے اس کا معنے لکھا کہ فتشقٰی یعنے رنج اور مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے یعنے جب بہشت سے نکل کر دنیا میں قدم رکھو گے تو کسب معاش کی مشقت و تکلیف اٹھاؤ گے۔

ف: حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کے لیے سرخ بیل عطا فرمایا۔ آپ اس سے زراعت کا کام لیتے اور کام کی شدت سے پسینہ پونچھتے تھے۔ یہی ان کی شقاوت تھی۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ شیطان اپنی عداوت کے سبب سے ایک ناجائز فعل پر آدم علیہ السلام کو ابھارتا ہے جو ان کے بہشت سے نکلنے کا سبب بنا۔ تو یہ شقاء درحقیقت منہی عنہ کے امر کے ارتکاب سے ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شقاء سے حضرت الٰہیہ سے بعد مراد ہے۔ جو شخص توبہ و استغفار کرکے جوار حق میں اپنے قرب کے مقام پر نہ لوٹا تو وہ شقی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ عصیان اور امتثال شیطان جنت قلب سے نکالے جانے اور ارض بشریہ پر چڑھنے ا۔ اسے عبور کرنے کے بعد اس کی طرف اترنے کا موجب ہے۔

---

[1] از مترجم

تفسیر عالمانہ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا - لك ،ان کی خبر مقدم ان لا تجوع محلاً منصوب ان کا اسم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے کہا کہ اے آدم (علیہ السلام) تیرا حال یہ ہے کہ جب تک تو بہشت میں ہوگا تجھے بھوک نہ ہوگی کیونکہ وہاں ہر طرح کی نعمتیں ہر وقت حاضر کی جائیں گی۔ وَلَا تَعْرٰی ○ اور نہ تو کپڑوں سے ننگا ہوگا کیونکہ تمام ملبوسات جنت میں موجود ہوں گے۔ العری جمڑے کا ان چیزوں سے خالی ہونا جو اسے چھپائیں۔

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا ، اور بے شک تو اس میں پیاسہ نہ ہوگا کیونکہ وہاں ہمیشہ چشمے اور نہریں جاری ہوں گی۔

حل لغات : الظمئ وہ حالت جو دو پینوں کے درمیان واقع ہو۔ الظماء پیاس کی وہ حالت جو اس سے عارض ہو۔

وَلَا تَضْحٰی ○ اور تجھے بہشت میں دھوپ نہ لگے گی کیونکہ وہاں سورج نہ ہوگا اور بہشتی لوگ دراز سایہ میں ہوں گے۔

حل لغات : ضحی الرجل للشمس (بکسر الحاء) یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی سورج کے سامنے ظاہر اور عارض ہو اور اَنَّ (بالفتح) کا اپنے اسم و خبر سے مل کر ان لا تجوع پر عطف ہے درمیان میں الظماء کو لایا گیا ہے تاکہ یہ وہم دفع ہو کہ ان دونوں کی نفی ایک نعمت ہے یہی عری وضحوۃ کا جمع ہونے کا حال ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جنت سے جوار حق مراد ہے اور وہ جنت نفس بہیمیہ حیوانیہ کی چراگاہ ہے اور اس کے ماکولات ومشروبات وملبوسات ومنکوحات سے متمتع ہوگا جیسے دنیوی فانی اشیاء سے متمتع ہوتا تھا ایسے ہی یہاں۔

تفسیر عالمانہ فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ ،شیطان کا وسوسہ آدم علیہ السلام تک پہنچا اور خوب پہنچا۔ الیٰ سے اس کا متعدی ہونا اس لیے ہے کہ یہ انھاء وابلاغ کے معنی کو متضمن ہے اور جب وسوس لہ کہا جائے گا تو وہ لام سببیہ ہوگی۔ الوسوسہ بمعنے صوت خفی زیورات کی آواز کو بھی اسی لیے وسواس سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ آواز خفی ہوتی ہے اور لازم فعل ہے۔

ف : حضرت کاشفی ؒ نے لکھا ہے کہ شیطان نے آدم علیہ السلام پر وسواس ڈالا جب وہ بہشت میں تھے اور انھوں نے بی بی حوا کو دیکھا اور پھر موت سے خوفزدہ ہوئے بی بی صاحبہ نے آدم علیہ السلام کو موت کا کہا اور وہ خود بھی موت سے خوفزدہ تھیں ہر دونوں کو موت کا بہت خطرہ تھا۔ ابلیس نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور بوڑھے انسان کی صورت میں آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عجز و نیاز سے عرض کی کہ میں آپ کو موت سے بچنے کا علاج بتاؤں :

قَالَ ، وسوس سے بدل ہے یا جملہ مستانفہ ہے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے کہا کہ شیطان نے اپنے وسوسہ میں آدم علیہ السلام کو کیا کہا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ابلیس نے کہا "یٰاٰدَمُ" اے آدم علیہ السلام موت کے مرض کا علاج یہ ہے کہ شجرۂ خلد کا میوہ کھائیے۔ هَلْ اَدُلُّكَ ، کیا میں آپ کی رہبری کروں۔ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ ، ایسے درخت کی جو اسے کھاتا ہے وہ ہمیشہ رہتا ہے، اس پر موت نہیں آتی خواہ وہ اسی حالت میں

رہے یا وہ فرشتہ بن جائے ۔ خلد کی طرف شجرہ کی اضافت اس لیے کہ ابلیس نے اپنے گمان پر اسے خلود کا سبب سمجھا جیسے حیزوم (گھوڑے) کو فرس الحیاۃ کہا جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ حیات کا سبب ہے اسی سبب کی وجہ سے حیات کی نسبت اسی کی طرف ہوتی ہے ۔

حل لغات حضرت امام راغب نے فرمایا کہ الخلود بمعنے شے کا فساد کے عارضہ سے بیزار ہونا اور اس کا اسی حالت پر باقی رہنا جس پرہ وہ ہے اور بہشت میں اشیاء کے خلود کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ وہ اشیاء اپنی اسی حالت میں ہوں گی جس پر وہ ہیں ان پر خرابی وفساد کا گذر نہ ہوگا ۔

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى اور ایسا ملک جو نہ زائل ہوگا اور کسی وجہ سے اس میں خلل اور نقصان واقع ہوگا یعنے وہ کہنہ نہ ہوگا ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تو مجھے دکھائیے وہ دوا ۔ ابلیس نے کہا کہ میرے ساتھ چلیے ۔ آدم و حوا علیہما السلام کو اسی منہی عنہ (روکے ہوئے) درخت تک لے گیا ۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ، تو انھوں نے اس درخت سے کچھ کھایا تو ظاہر ہوگیا ان کا ستر وغیرہ ۔

حل لغات بدا الشئ بدوا وبدوًا بمعنے ظہر ظہورا بنیًا یعنے وہ طور پر ظاہر ہوگیا اور سوءۃ سے فرج مراد ہے کیونکہ اس کے کھلنے سے بندہ یا حیاء کو شرم محسوس ہوتی ہے یعنے اس کا کھلنا با حیاء انسان کو مغموم و محزون کرتا ہے ۔

ف: ① کاشفی نے لکھا ہے کہ ان سے بہشت کا لباس اتارا گیا تو وہ ننگے ہوگئے ۔

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان سے وہ نور واپس لیا گیا جو انھیں بہشت میں پہنایا گیا تھا اس کے اترنے پر ان کا ستر کھل گیا ۔

③ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہشت میں ان کا لباس ناخنوں کی طرح تھا ۔ جب انھوں نے درخت سے کچھ کھایا تو وہ لباس اتار لیا گیا ، نمونہ کے طور پر یہی ناخن جو انگلیوں کے اطراف پر ہیں باقی رکھے گئے ۔

④ بعض نے کہا کہ لباس سے حُلّہ مراد ہے ۔

حدیث شریف ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" تمہارے ابا آدم علیہ السلام سیدھی اور لمبی کھجور کی طرح طویل القامۃ اور بہت بالوں والے اور ستر چھپانے والے جوان تھے ۔ جب لغزش ہوئی اور ستر کھلا تو بہشت سے بھاگ کر نکلنے لگے تو آپ کی پیشانی کو ایک درخت نے پکڑ کر نیچے بٹھا دیا ۔ اللہ تعالے کی طرف سے ندا آئی ، اے آدم ! مجھ سے بھاگتے ہو ۔ عرض کی : نہیں ، یا رب ! مجھے تجھ سے شرم آئی اسی شرم کے مارے بھاگا جا رہا تھا ۔

نکتہ : عصیری نے فرمایا: بدت لھما میں اشارہ ہے کہ وہ ستر صرف ان تک محدود تھا کسی غیر کی نگاہ نہیں پڑی تھی تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ آدم علیہ السلام کو کسی جرم کی سزا مل رہی ہے ۔ ہاں اگر غیر کی نگاہ پڑتی تو بدت منھما فرماتا۔

وَطَفِقَا بمعنے شرعا یعنے شروع ہوئے ۔

حل لغات: طفق یفعل کذا یعنے اخذ وشرع اس کا استعمال اثبات میں ہوتا ہے نفی میں کبھی مستعمل نہیں ہوا اسی لیے ما طفق نہیں کہا جاتا۔

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؛

حل لغات : قاموس میں ہے : خصف النعل یخصفھا بمعنی خرزھا ، اس نے جوتا سیا یعنے آدم وحوا علیہما السلام نے اپنے بدن پر پتے چمٹاتے تھے تاکہ ستر نہ کھلنے پائے ۔ یہاں پر انجیر کے پتے مراد ہیں ۔ بعض نے کہا کہ وہ چوڑے پتے تھے، دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں کے نیچے کی شکل اسی طرح کی بنائی گئی ہے ۔

وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ ، آدم علیہ السلام نے درخت سے کچھ کھا کر حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی ۔

حل لغات عصی عصیانا بمعنے خرج عن الطاعۃ فلاں طاعت سے نکل گیا، اس کا اصل معنی ہے ۔ اپنے عصا سے رک جانا ۔ (کذا فی المفردات)

فَغَوٰى تو اپنے مطلوب سے چوک گیا یعنے بہشت کے خلود یا مامور بہ سے یعنے اسے حکم تھا کہ وہ درخت سے دور رہیں جیسا کہ ارشاد گرامی ہے :

"ولا تقربا ھذہ الشجرۃ "

یا رشد سے ہے کہ دشمن کی بات سے دھوکہ کھا بیٹھے کیونکہ غی رشد کی نقیض ہے ۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کی تحقیق معصیت، عصیاں (نافرمانی) ایک حرام فعل ہے لیکن اس کا صدور قصد سے ہوتا ہے اگر قصداً نہ ہو تو وہ زلہ ہوتی ہے اور زلہ کو معصیت نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ ایسا فعل ہے جس کا صدور قصداً نہیں ہوا بلکہ اس کا قصد فعل مباح تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصد ایک درخت کے کھانے کا اباحۃ کا تھا تو اس اعتبار پر آدم علیہ السلام کے لیے عصیاں بمعنے اباحۃ مجازاً ہے ۔ اس لیے کہ اہلسنت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کبائر وصغائر سے معصوم ہوتے ہیں اور ہم ان سے زلۃ (لغزش) کے صدور کے قائل ہیں اگرچہ بعض اشاعرہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام صغائر سے معصوم نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ان کی زلۃ (لغزش) کا یہ مطلب نہیں کہ وہ معاذ اللہ حق سے نکل کر باطل کی طرف چلے جاتے ہیں ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ افضل کو چھوڑ کر مفضول کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر ان کو اس پر عتاب الٰہی ہوتا ہے تو بھی ان کی قدر ومنزلت کی عظمت شان کی دلیل ہے ۔

ف : ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ عصیاں بمعنے ترک الامر اور منہی عنہ کا ارتکاب، اگر وہ عمداً ہو تو اس کا نام

ذنب (گناہ) ہے اور اگر خطا ہو تو اسے زلّہ (لغزش) کہا جاتا ہے۔ اور آیت دلالت کرتی ہے کہ آدم علیہ السلام سے معصیت کا صدور ہوا جسے مصنف نے زلّہ سے تعبیر کیا ہے۔

سوال: جب یہ زلّہ (لغزش) تھی اور وہ بھی معمولی اس لیے کہ ایک درخت سے کچھ لینا مباح فعل تھا تو پھر اسے عصیان غوایت سے تعبیر کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب: تاکہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو تنبیہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک معمولی سی لغزش پر ہمارے بابا کو اتنا زیادہ دھمکایا تو پھر ہم کون ہوتے ہیں، اگر غلطی کا ارتکاب کیا تو ہم بھی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے فعل مباح کا ارتکاب کیا اور وہ بھی ایک اجتہاد تھا ورنہ ایک اعلیٰ مرتبہ نبی مسجود ملائکہ سے عمداً خدا کی نافرمانی کا صدور کیسا جب کہ ایک ولی اللہ بھی اتنی جرأت نہیں کر سکتا اور ان کے اجتہاد کا پہلو یوں نکلتا ہے کہ آپ نے اس نہی کو نہی تنزیہ پر محمول فرمایا ان کے نزدیک یہ نہی تحریمی نہیں تھی اور ایسے ہی اور "ھٰذہ الشجرۃ" میں بھی معین درخت مراد لیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کی ہر قسم کی جنس مراد لی۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ ہے بھی نبوت سے پہلے کا۔ اس لحاظ سے عصمت نبوت پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ جب تم نے ثابت کیا کہ یہ آدم علیہ السلام کا اجتہاد تھا اور شرعی قاعدہ ہے کہ جو اجتہاد میں خطا کرے اس پر سزا نہیں لیکن یہاں آدم علیہ السلام سے مواخذہ ہو رہا ہے؟

جواب: یہ اجتہاد کا مقام نہیں جب آپ پر وحی متواتر نازل ہوتی اور آپ اجتہاد کرتے تو کوتاہی ہوتی جب اس وقت وحی کا نزول شروع ہی نہ ہوا اور آپ نے اجتہاد کیا اسی بنا پر آپ پر عتاب ہوا۔

سوال: آپ پر وحی کیوں نازل نہ ہوئی تاکہ آپ سے لغزش کا وقوع نہ ہوتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے وحی نہیں فرمائی تاکہ اپنی تقدیر کا اجراء فرمائے اس کی مثال حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی انقطاع وحی کا موقعۂ افک برعائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے کہ اٹھارہ روز نزول وحی نہ ہوا تاکہ تقدیر کا اجرا ہو۔

سوال: تفسیر کبیر میں ہے کہ اس سے تو آدم علیہ السلام کا گناہ کبیرہ کے صدور کا پتہ چلتا ہے اس لیے کہ لفظ عصیان، عاصی معصیت، مذمت پر بولے جاتے ہیں اور جس سے کبیرہ کا صدور ہو اسے عاصی کہا جاتا ہے اور ایسے ہی لفظ غوایۃ ضلالۃ کا مترادف اور رشد کی نقیض ہے اور ایسے الفاظ منہمک فی الفسق کے لیے مستعمل ہوتے ہیں؟

جواب: معصیت و عصیان کا حقیقی استعمال خلاف الامر پر ہوتا ہے اور کبھی امر مندوب کے لیے بھی آتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

"امرتہ بشرب الدواء فعصانی" (میں نے اسے دوا پینے کے لیے کہا تو اس نے میری نافرمانی کی)

تو ممکن ہے کہ یہی اطلاق آدم علیہ السلام پر ہو اور یوں کہا جائے کہ انھوں نے واجب کا ترک نہیں کیا بلکہ امر مندوب کے خلاف کیا اور وہ قابل مذمت نہیں۔

آدم علیہ السلام کی براءت کے دلائل: تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی کے لیے لائق نہیں کہ آدم علیہ السلام کو عاصی و غاوی کہے۔ اس کے چند وجوہ ہیں:

① القبی نے کہا مثلاً ایک شخص کے لیے کہا جائے: قطع ثوبا وخاطه (اس نے کپڑا کاٹا اور اسے سیا)۔ اس فعل کے استعمال کے بعد ضروری ہے اسے حائط یا خیاط کہا جائے، ہاں اگر بار بار وہ فعل کا ارتکاب کرے یا وہ کام اس کا پیشہ بن جائے۔ اور آدم علیہ السلام کی زلّہ (لغزش) اسی قبیل سے ہے کہ آپ سے ایک بار سرزد ہوئی نہ کہ بار بار فلہذا ایک بار کے ارتکاب پر اسے اس فعل کا پیشہ ور نہیں کہا جائے گا۔

② زلّہ (لغزش) اگر نبوت سے سرزد ہوئی تو نبوت سے مشرف ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس صفت سے یاد نہیں فرمایا۔ ایسے ہی اگر نبوت کے بعد سرزد ہوئی لیکن جب انھوں نے توبہ کی تو پھر بھی اس صفت سے موصوف نہ کیا جائے گا جیسے ایک عام آدمی جب گناہوں یا کفر سے تائب ہو تو توبہ کے بعد اسے کافر، زانی اور شرابی وغیرہ نہ کہا جائے گا اگرچہ توبہ سے پہلے اس سے ایسے جرائم صادر ہوئے تو اب اسے مومن کہا جائے گا نہ کہ کافر۔

③ ہم جب بھی کسی کو عاصی و غاوی کہتے ہیں تو اس سے جاہل عن معرفۃ اللہ مراد ہوتا ہے حالانکہ اس قصہ میں بالاتفاق حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہ معنی مراد نہیں اسی لیے اس وہم فاسد کے ازالہ کے لیے یہ صفات آدم علیہ السلام پر اطلاق نہ کیا جائے گا۔

④ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے یہ صفات آدم علیہ السلام کے لیے استعمال کی ہیں تو وہ مالک ہے جو جس طرح جس بندے کو کہے لیکن ہمیں لائق نہیں کہ ہم بھی وہی صفات استعمال کریں جیسے سردار اپنے نوکر یا باپ اپنے بیٹے یا استاد اپنے شاگرد یا مرشد اپنے مرید کو جو چاہے کہے اگرچہ وہ غلطی کا ارتکاب کر چکے ہیں تب بھی دوسروں کو کہنا ناموزوں ہوتا ہے بالخصوص جب کہنے والے ان سے مراتب میں کم ہوں۔ ہمارا حال اس سے کچھ اور ہے کہ ہم اولاد اور وہ آبا اور ہم عاصی اور وہ نبی، پیغمبر اور خلیفۃ اللہ اور مسجود ملائکہ ہیں۔

ف: حضرت حسن (بصری) رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا آدم علیہ السلام سے یہ لغزش نسیاناً ہوئی۔

ف: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنان اور اس کی نعمتوں کی طرف جھانکنے والے کو قیامت تک اعلان ہوتا رہتا ہے:

"وعصی آدم"

اور اگر اس کے اندر قلب سے جھانکتا ہے تو یہی ندا آتی ہے کہ تو دائمی طور پر ہجر و فراق میں رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: وعصی آدم ربہ، طلب شہوات نفس میں محبت الٰہی کو صرف کر دیا۔ فغوی، طلب خلود و ملک البقاء فی الجنۃ میں فنا کر دی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چیست توحید خدا آموختن
خویشتن را پیش واحد سوختن
گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز
ہستی ہمچون شب خود را بسوز
ہستیت در ہست آن ہستی نواز
ہمچو مس در کیمیا اندر گداز

ترجمہ: ① توحید از خدا سے سیکھنے کا یہ معنی ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ واحد کے سامنے جلا دینا۔
② اگر تم روز روشن کی طرح چمکنا چاہتے ہو تو اپنی ہستی کو ایسے جلا دے جیسے رات دن کے آگے۔
③ تیری ہستی اس ہست نواز کے آگے ایسے ہے جیسے تانبا کیمیا گر کے سامنے۔

حضرت ابن عطا سے سوال ہوا کہ آدم علیہ السلام سے صرف ایک لغزش ہوئی تو اسے پکار پکار کر ظاہر کیا اور ان کی اولاد کے کروڑوں گناہ چھپا دیئے جاتے ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ چونکہ آدم علیہ السلام کی لغزش قربت کے مقام اور بالکل جوارِ حق میں ہوئی اور ان کی اولاد کی غلطیاں دارِ محنت میں ہوئیں اسی لیے آدم علیہ السلام کی لغزش اکبر و اعظم ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ، پھر انھیں اپنے رب تعالیٰ نے چن لیا یعنے توبہ کی توفیق دے کر پھر اپنے قریب کر دیا۔

حل لغات: یہ اجتبی الشی بمعنے جباہ لنفسہ سے ہے بمعنے جمعہ اس سے اسے جمع کیا۔

فَتَابَ عَلَيْهِ جب آدم علیہ السلام نے توبہ کی تو اللہ تعالےٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ساتھ ہی ان کی زوجہ کی بھی، جب دونوں نے کہا: ربنا ظلمنا انفسنا.... الخ

وَهَدٰى ○ اور اثبات علی التوبہ اور تمسک باسباب المعصیۃ کی ہدایت بخشی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اپنے نفس اور اس کی عادت طبعی کی طرف سپرد کیا تو اسے نہ توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نہ رجوع الی اللہ حاصل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ جسے اپنے کرم و فضل سے چن لے اور جذبۂ الٰہیہ سے نوازے اور حضرت ربوبیۃ کی طرف راہ دکھائے وہ اس کی نوازش ہے۔

حدیث شریف اگر دنیا بھر کے آنسو جمع کر کے داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں لائے جائیں تو داؤد علیہ السلام کے آنسو بڑھ جائیں گے پھر داؤد علیہ السلام کے آنسو نوح علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں ہوں تو نوح علیہ السلام کے آنسو زیادہ ہوں گے اور نوح علیہ السلام کے آنسو آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے کم ہوں گے۔

ف: نوح علیہ السلام کا نام نوحہ (رونے اور گریہ کرنے) کی وجہ سے نوح رکھا تھا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) خاک غم را سرمہ سازم بہر چشم
تاز گوہر پُر شود دو بحر چشم
اشک کان از بہر او بارند خلق
گوہر ست و اشک پندارند خلق

---

(۲) تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش
ہمچو او با گریہ و آشوب باش
پیش یوسف نازش و خوبی مکن
جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

---

(۳) آخر ہر گریہ آخر خندہ ایست
مردِ آخر بین مبارک بندہ ایست

ترجمہ: (۱) غم کی خاک کا سرمہ آنکھ کے لیے بناتا ہوں تاکہ آنکھ کا دریا موتیوں سے پُر ہو۔ مخلوق جو آنسو حق کے لیے بہاتی ہے وہ موتی ہیں اگرچہ انھیں آنسو سمجھتے ہیں۔

(۲) اگر تم یوسف نہیں تو یعقوب ہو جاؤ ان کی طرح گریہ میں رہو اور آنسو بہاؤ۔ یوسف کے آگے ناز و محبوبی نہ دکھا۔ اس کے سامنے نیاز اور آہ اور غلامی ظاہر کر۔

(۳) ہر گریہ کا انجام ہنسنا ہے اور مبارک مرد وہ ہے جس کی نگاہ انجام پر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کے وقت کونسی دعا پڑھی؟

حضرت وہب نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کا گریہ حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں فرمایا کہ مندرجہ ذیل دعا پڑھو:

لا الہ الا انت سبحانك و بحمدك عملت سوء وظلمت نفسی فاغفرلی انك خیر الغافرین۔	تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری پاکی اور تیری حمد اور میں نے بُرا عمل کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تو خیر الغافرین ہے۔

پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو:

سبحانك لا الٰہ الا انت عملت سوءً وظلمت نفسی فتب علی انك انت التواب۔
تیرے لیے پاکی ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے بُرا عمل کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا تو تو میری توبہ قبول کر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دعا کے وہ کلمات تھے جو اللہ تعالٰی نے خود آدم علیہ السلام کے دل میں القاء فرمائے۔ (خدا معلوم وہ کونسے کلمات تھے)۔

نہ آدم یافتے توبہ
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی اے پروردگار من! میں تجھ سے اپنی بخشش مانگتا ہوں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

یا اٰدم کیف عرفت محمدًا
(اے آدم علیہ السلام! تو نے (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانا؟

حالانکہ میں نے تو انھیں تا حال پیدا بھی نہیں کیا۔ عرض کی:

لانك لما خلقتنی بیدك ونفخت فی من روحك رفعت راسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوبا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم) فعرفت انك لم تضف الی اسمك الا اسم احب الخلق الیك۔
جب تو نے مجھے اپنے قدرت کے ہاتھ سے پیدا کر کے مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر عرش کے ہر پائے پر لکھا دیکھا: "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (صلے اللہ علیہ وسلم)۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ جس نام مبارک کو اللہ تعالٰی نے اپنے ساتھ ملایا ہے یہی اسے محبوب تر ہوگا۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا:

صدقت یا اٰدم انہ لاحب الخلق الی فغفرت لك ولو لا محمد ما خلقتك۔ (رواہ البیہقی فی دلائلہ)
اے آدم! (علیہ السلام) تو نے سچ کہا کہ واقعی وہ مجھے محبوب ترین ہے، میں نے تجھے بخش دیا لیکن یاد رکھیے کہ اگر محمد نہ ہوتے تو تم بھی نہ ہوتے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام پر لطف و فضل خاص تھا کہ انھیں لغزش پر دنیا میں مختلف مصائب و تکالیف میں مبتلا فرمایا اور ہم سے دنیا میں غلطیاں ہوئیں تو آخرت میں سزا دی جائے گی اور دنیا کی سزا بہ نسبت آخرت کے نرم ہے۔

نکتہ: آدم علیہ السلام کے لیے شیطان بمنزلہ اس سانپ کے نظر آیا جو خزانہ کے اوپر براجمان ہوتا ہے کہ جب اسے مارا جائے تو اس کے نیچے سے مخفی خزانہ دستیاب ہوتا ہے اور دشمن بھی مارا جاتا ہے گویا دو بڑی عظیم نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں ایسے آدم علیہ السلام

کا حال سمجھئے کہ اس ملعون ابلیس نے آدم علیہ السلام سے عداوت کی لیکن درحقیقت انہیں خزانۂ ربوبیت کا راستہ دکھایا اگرچہ اس کی غرض آدم علیہ السلام سے دشمنی کرنا تھی لیکن آدم علیہ السلام کو اصطفائیہ ازلیہ کے بعد اجتبائیہ ابدیہ نصیب ہوئی اور وہ بدبخت ابلیس ازلی ابدی لعنت کا طوق پہن گیا۔

نکتہ: اگر لفظ عصیان مذموم ہے آدم علیہ السلام کو جب اصطفاء و اجتباء کی صفات نصیب ہوئیں تو پھر ان کے لیے یہ مذمت کالعدم ہو گئی۔

موسیٰ و آدم علیہما السلام کا مناظرہ

حدیث شریف میں ہے:

احتج آدم و موسیٰ۔ موسیٰ و آدم علیہما السلام کی ایک خصوصی گفتگو ہوئی۔

شرح: یہ گفتگو عالم ارواح میں تھی یا عالم اجساد میں یہی صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس نے ان دونوں کو زندہ کر کے گفتگو کے لیے جمع فرمایا اس کی نظیر حدیث معراج ہے کہ اس میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقی ہوئے اور امام بن کر انہیں نماز پڑھائی۔

فقال موسیٰ یا آدم انت ابونا الذی خیبتنا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ ہی ہمارے والد گرامی ہیں جنھوں نے ہماری بہشت کی سکونت چھڑا کر ہمیں خائب و خاسر کیا۔

شرح: یعنی آپ ہمارے خروج جنت کا سبب بنے جس سے ہمیں خسارہ و خیبۃ نصیب ہوئی۔

واخرجتنا من الجنة بخطیئتك التی خرجت بها منها۔ آپ نے ہمیں اپنی لغزش سے بہشت سے نکالا جس سے آپ بھی وہاں سے نکلے۔

شرح: حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

ترجمہ: میں بادشاہ تھا اور فردوس اعلیٰ میری رہائش گاہ تھی لیکن آدم علیہ السلام مجھے اس ویران حویلی میں لائے۔

فقال له آدم انت موسیٰ اصطفاك الله بكلامه۔ آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ آپ ہی وہ موسیٰ (علیہ السلام) ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمکلامی سے سرفراز فرمایا۔

شرح: یعنے آپ کو اپنا کلیم بنایا۔

وخط لك التوراة بيده اتلومنی۔ اور آپ کے لیے اپنے قدرت کے ہاتھ سے تورات لکھی تو کیا آپ بھی مجھے ملامت کرتے ہیں۔

شرح : ہمزہ استفہام انکاری کا ہے۔

علی امر قدرہ اللہ علی۔ ایسے امر پر جسے اللہ تعالٰی نے میرے لیے مقدر فرمایا۔

شرح : یعنے میرے لیے یہ امر لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔

قبل ان یخلقنی باربعین سنۃ۔ میری پیدائش سے چالیس سال پہلے۔

شرح : یہاں چالیس سال سے تکثیر مراد ہے یعنے صرف چالیس مراد نہیں بلکہ یہ مطلب ہوا کہ عرصہ دراز پہلے۔

سوال : آدم علیہ السلام تو یہاں معصیتہ سے انکار فرما رہے ہیں حالانکہ ان سے اس کا صدور ہوا اگر بجائے علی امر کے کہنے کے علی معصیۃ قدرھا اللہ علی کہتے تو واقعہ کے مطابق ہوتا ؟

جواب[1] : یہ انکار توبہ کے بعد کا ہے جب کہ آپ معافی کا پیغام حاصل کر چکے تھے اسی لیے اتلومنی (مجھے ملامت کرتے ہو) فرمایا ورنہ ءَالَامُ (بصیغہ مجہول) فرماتے۔

جواب[2] : معصیتہ پر ملامت اس وقت مناسب ہے جب دار تکلیف میں ہو بلکہ اس میں نہ صرف ملامت بلکہ زجر و توبیخ بھی ساتھ کیجاتی ہے اور جب یہ ارتکاب دار التکلیف میں نہیں تو ملامت کیوں۔

فحج آدم موسٰی فحج آدم موسٰی۔ اس گفتگو میں آدم علیہ السلام موسٰی علیہ السلام پر غالب ہوئے۔

شرح : جملہ کا تکرار تاکید کے لیے ہے حج بمعنے غلب ہے یعنے آدم علیہ السلام دلیل میں موسٰی علیہ السلام پر غالب ہوئے کیونکہ اپنا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد علم کیا اور متنبہ فرمایا کہ موسٰے علیہ السلام اصل سے چشم پوشی فرما رہے ہیں جب کہ یہ امر تقدیر میں پہلے لکھا جا چکا تھا۔ اور ایسے ہی ان کی نگاہ فرع پر رہی یعنے سبب لاحق جو آدم علیہ السلام سے صادر ہوا۔

ایک اور روایت میں ہے :

قال آدم بکم وجدت اللہ کتب اللہ لک التوراۃ قبل ان اخلق قال موسٰی اربعین عاما قال آدم فھل وجدت فیھا وعصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحج آدم موسٰی۔

آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسٰی علیہ السلام آپ نے اپنی تورات میں لکھا دیکھا تھا کیا اس میں نہیں تھا کہ میری تخلیق سے چالیس سال پہلے یہ امر مقدر تھا کہ اللہ تعالٰے کا ایک رسول اللہ تعالٰے کے حکم سے ہٹ جائے گا۔ اس دلیل سے آدم علیہ السلام موسٰی علیہ السلام پر غالب ہوئے۔

شرح : حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عیب رندان مکن ای زاہد پاکیزہ سرشت
کہ گناہ دگراں بر تو نخواہند نوشت
من اگر نیکم و گر بدتو برو خود را باش
ہر کسی آن درود عاقبت کار کہ کشت

ترجمہ : ۱ - اے پاکیزہ سرشت زاہد! رندوں کو ملامت نہ کر کیونکہ دوسروں کے گناہ تجھ پر نہیں لکھے جائیں گے۔
۲ - اگر میں نیک ہوں یا بد تم جاؤ اپنا کام کرو کیونکہ جو کچھ کوئی بوئے گا کھیتی سے وہی اٹھائے گا۔

اور فرمایا ؎

درین چمن نکنم سرزنش بخود روئے
بچنانکہ پرورشم میدہند میرویم

ترجمہ : اس دنیا میں اپنی روش پر طعن نہیں کرتا کیونکہ مجھے تربیت دی گئی ہے میں نے ویسے ہی کیا۔

اور فرمایا ؎

نقش مستوری و مستی نہ بدست من و تست
آنچہ سلطان ازل گفت بکن آن کردم

ترجمہ : نقش مستوری و مستی میرے ہاتھ میں نہیں کیونکہ مجھے سلطان ازل نے جیسے کہا میں نے ویسے ہی کیا۔

اور فرمایا ؎

عیبم مکن ز رندی و بدنامی اے حکیم!
کین بود سرشت ز دیوان قسمتم!

ترجمہ : میری رندی اور بدنامی سے اے حکیم میرا عیب نہ بیان کر کیونکہ دیوان قسمت میں میرا لکھا یونہی تھا۔

اور فرمایا ؎

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہند

ترجمہ : میں اگرچہ عاشق و رند و مست و نامہ سیاہ ہوں لیکن یہ شکر ہے کہ یاران شہر تو بے گناہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ قَالَ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام و حوّا کو صدور زلّۃ کے بعد فرمایا۔ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا، تم سارے زمین سے بہشت کی طرف چلے جاؤ بظاہر یہ خطاب عتاب و ملامت کا ہے لیکن درحقیقت تکمیل و

تشریف کا ہے۔

حل لغات: ھبط ھبوطاً بمعنے نزل (نیچے اترا)۔

امام راغب نے فرمایا کہ الھبوط دھکے سے کسی شے کا نیچے اترنا، جیسے پتھر کا نیچے گرنا۔

کما قال تعالےٰ:

وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ۔ بعض وہ پتھر ہیں جو اللہ تعالےٰ کے خوف سے گرتے ہیں۔

جب اسے انسان کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کی تحقیر مطلوب ہوتی ہے بخلاف انزال کے کہ اس کا اطلاق شرافت و بزرگی کے لیے ہوتا ہے جیسے نزال القرآن والملائکہ والمطر وغیرہ یہاں پر ھبوط بعض کے معنی پر متنبہ کرنے کے لیے ہے۔

کما قال:

وقلنا اھبطوا بعضکم لبعض عدو۔

اور فرمایا:

فاھبط منھا فما یکون لك ان تتکبر فیھا۔

بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ، امر معاش میں تمھاری اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگی جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ امر معاش میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کیسی کھینچا تانی اور جنگ و جدال میں ہیں۔ یہ آیت اس کی نظیر ہے:

"فلما اتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء"

یعنے بعضکم لبعض عدو کا معنے یہ نہیں کہ آدم و حوّا کی آپس میں دشمنی ہوگی بلکہ ان کی اولاد کی عداوت مراد ہے جیسے آیت ہٰذا میں جعلا لہ شرکاء کا معنے یہ نہیں کہ ان دونوں نے شرک کیا بلکہ ان کی اولاد نے شرکیہ افعال کا ارتکاب کیا۔ اور ان دونوں کو خطاب اس لیے کہ یہ اولاد و ذرّیۃ کی اصل ہیں۔

اب معنے یہ ہوا کہ اے آدم و حوّا کی اولاد تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔

صوفیانہ نکتہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی آپس میں عداوت ڈالی تاکہ سوائے اس کے اور کسی کو محبوب نہ بنائیں جیسا ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا: فانھم عدولی الا رب العالمین (بے شک وہ سب میرے دشمن سوائے رب العالمین کے)۔

ربط: چونکہ آدم علیہ السلام کو اجتباء و اصطفاء سے نوازا اور انھیں آزمائشی امتحان کے لیے زمین پر اتارا اسی لیے ان کے ساتھ اہتداء کا وعدہ فرمایا کہ:

فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ، اے آدم و حوا علیھم السلام کی اولاد اگر تمھارے ہاں آئے۔ **مِّنِّىۡ هُدًى** میری جانب سے ہدایت یعنے کتاب و رسول۔

حل لغات : یہ دراصل ان یا ینکو تھا ما زائدہ ہے معنی شرط کی تاکید کے لیے ہے یا ما افعال پر اسی طرح تاکیدی ہے جیسے لام افعال پر قسم کی تاکید کے لیے داخل ہوتی ہے ۔ ان شرط شک کے لیے آتا ہے ۔

اس میں اشارہ ہے کہ رسول وکتاب سے ہدایت دینا قطعی الوقوع نہیں بلکہ یہ اللہ تعالٰے کی مشیت پر موقوف ہے چاہے ہدایت دے چاہے نہ دے، اس پر کوئی شے واجب نہیں پھر وہم ہوتا تھا کہ رسول وکتاب کا ہدایت کے ساتھ آنا قطعی الوقوع نہیں تو پھر ان سے ہدایت کی امید کیسی؟ اس کے ازالہ کے لیے نون ثقیلہ وحرف شرط لایا گیا تاکہ یقین ہو کہ ان سے ہدایت کا وقوع وتحقیق راجح ہے ۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ ، پس جو کتاب پر ایمان لائے اور رسول کی تصدیق کرے ۔ فَلَا یَضِلُّ تو وہ دم زیست دین قویم کے راستہ سے دنیا میں نہیں ہٹے گا ۔ وَلَا یَشْقٰی ۝ اور نہ آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو کر رنج اٹھائے گا ۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ اور جس نے میرے ذکر کے التزام اور میری تابعداری کی ہدایت میں جب اس کے پاس آئی سے روگردانی کی ۔ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا تو اس کی معاش تنگ ہوگی یعنے اس کے قلب پر حجابات اور فیض کے باب کے انسداد کا سے کیونکہ یہ ذکر مفتاح القلوب ہے اور اس سے روگردانی در فیض کے انسداد کا موجب ہے ۔

ذکر حق مفتاح باشد ای سعید
تا بکشایی در جان بے کلید
چون ملک ذکر خدا را کن غذا
این بود دائم معاش اولیأ

ترجمہ : اے سعید ذکر حق چابی ہے تاکہ روح کا دروازہ چابی کے بغیر نہ کھول سکو ۔ ملائکہ کی طرح ذکر حق اپنی غذا بنالے ۔ اولیأ کی یہی دائمی معاش ہے ۔

وَنَحْشُرُهٗ اور روگردانی کرنے والے کو ہم اٹھائیں گے ۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ الحشر بمعنے البعث والجمع کے معنے میں آتا ہے ۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے ۔

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ۝ قیامت میں اندھا ۔ اعمی بمعنے فاقد البصر ہے جیسے اللہ تعالٰے کے ارشاد گرامی میں ہے :

ونحشرهم یوم القیٰمة علی وجوههم عمیاً وبکماً وصما ۔

فائدہ صوفیانہ عرائس البقلی میں ہے کہ اعمٰی کا معنی ہے، وجود حق سے جاہل یعنے جیسے وہ دنیا میں وجود کے عرفان سے جاہل تھا ایسے ہی قیامت میں جاہل ہوگا ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالٰے کو دنیا میں نہ پہچانا وہ آخرت میں بھی نہیں پہچانے گا ۔

قَالَ، یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ رَبِّ، اے میرے پروردگار! لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ۝ تو نے مجھے اندھا کیوں کیا، یا دنیا میں تو میں انکھیارہ تھا۔

قَالَ كَذٰلِكَ، فرمایا تو نے بھی ایسے ہی کیا۔ اس کلمہ کی تفسیر میں فرمایا، اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا، تیرے ہاں ہماری آیات یعنے آیات یا دلائل قدرت و علامات وعدہ واضحہ نیرہ جو کسی سے پوشیدہ نہ تھے آئے، فَنَسِیْتَهَا، تو نے انھیں بھلایا یعنے تو ان سے اندھا رہا اور انھیں ترک کر دیا گویا وہ کسی طرح بھی تیرے ہاں مذکور نہیں ہوئیں۔ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ اور ایسے ہی یعنے جیسے تو دنیا میں غفلت اور بھول میں تھا۔ (اَلْیَوْمَ، تُنْسٰی ۝ آج بھلایا جائے گا یعنے اندھے پن اور عذاب میں رہے گا، یہ اسی دنیوی عمل کی مکمل سزا ہے لیکن ابداً نہیں بلکہ جو اللہ تعالٰے چاہے گا پھر اسے اللہ تعالیٰ زائل فرمائے گا یہ اس لیے ہوگا تاکہ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھے اور جہنم میں اپنی رہائش گاہ اپنی آنکھوں سے دیکھے یہ اس لیے دہرا عذاب ہوگا اسی طرح اس کا بہرہ پن، گونگا ہونا بھی۔ اس سے تھوڑی مدت کے لیے بہرے اور گونگے پن کو زایل کرے گا تاکہ اسے موعودہ عذاب سنائے اور دکھائے۔

وَكَذٰلِكَ اور اس جزاء موافق کردار کے۔ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ، ہم اس کو سزا دیتے ہیں جو حد سے بڑھتا ہے۔

حل لغات: الاسراف یعنے ہر وہ کام جو انسان کرتا ہے اس کی حد سے آگے بڑھنا اگر یہ انفاق میں زیادہ مشہور ہے۔

وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ، اور وہ اللہ تعالٰے کے آیات یعنے قرآن اور باقی تمام معجزات پر ایمان نہیں لایا بلکہ ان کی تکذیب بھی کی اور ان سے منہ موڑا۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ، اور آخرت کا علی الاطلاق یا جہنم کا عذاب اَشَدُّ، اس سے زیادہ سخت ہوگا جو ہم انھیں دنیا میں دیا کرتے تھے مثلاً روزی کی تنگی وغیرہ۔ وَاَبْقٰی ۝ اور بہت زیادہ اور باقی رہنے والا اور دائمی ہے کیونکہ وہ منقطع نہیں ہوگا پس جو اللہ تعالٰے سے بخشش چاہے اور اس سے جزا و ثواب چاہے تو اس پر لازم ہے کہ دنیا میں طاعت الٰہی پر صبر کرے اور معاصی اور شہوات دنیا سے اجتناب کرے اس لیے کہ جنت کو تکالیف اور دوزخ کو شہوات گھیرے ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں وارد ہے:

اللہ تعالٰے نے جبریل علیہ السلام کو بہشت کے معائنہ کا حکم فرمایا کہ اس کی زیب و زینت اور اس کے اندر کی نعمتوں کو دیکھیں جب جبریل علیہ السلام نے اسے غور سے دیکھا تو واپس آکر عرض کیا کہ یا اللہ! جو بھی اس کے متعلق سنے گا اس میں ضرور داخل ہوگا اس کے بعد اس کے اردگرد تکالیف کی چار دیواری کھڑی کر دی گئی۔ پھر فرمایا کہ اے جبریل! (علیہ السلام) اب جا کر بہشت کو دیکھیے۔ جبریل علیہ السلام نے اس دیوار کو دیکھ کر عرض کی کہ یا الٰہ العالمین اب کسی کے داخل ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد دوزخ کے معائنہ کا فرمایا۔ جب جبریل علیہ السلام نے دوزخ اور اس کے اندر عذاب کی اشیاء دیکھیں تو عرض کی، یا الٰہ العالمین! جو اس کا نام

سنے گا، کوسوں دور بھاگے گا۔ کوئی بھی اس دوزخ میں جانے کا نام نہ لے گا۔ اس کے بعد دوزخ کو شہوات سے گھیر اگیا۔ پھر اللہ تعالٰی نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا کہ دوبارہ جاکر دوزخ کو دیکھئے جب جبریل علیہ السلام نے دوبارہ دیکھا تو عرض کی کہ یا الہ العالمین! اب تو ہر کوئی اس میں داخل ہو جائے گا۔

دوزخ کی سزا کا نمونہ مروی ہے کہ جب دوزخیوں کو دوزخ کی طرف روانہ کیا جائے گا تو ان کا استقبال زبانیہ (فرشتے) سلاسل واغلال سے کریں گے ایک زنجیر دوزخی کے منہ میں ڈال کر اس کی بر دسے نکالا جائے گا۔ بایاں ہاتھ گردن سے باندھا جائے گا اور دایاں ہاتھ اس کے منہ میں داخل کر کے اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سے نکالا جائے گا پھر اسے بیڑیوں سے جکڑ کر اس کے ساتھ ایک شیطان ملا کر جہنم کی طرف کھینچ کر لایا جائے گا اور فرشتے اسے لوہے کے چابک سے مار مار کر دوزخ میں دھکیلیں گے۔ (معاذ اللہ)

حدیث شریف : دوزخ کا ادنٰے عذاب یہ ہے کہ اسے آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جن کی گرمی کی شدت سے اس کا دماغ ابلے گا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ عذاب کے اسباب اور آخرت میں اندھے پن کے موجبات سے بچے اور کوشش کرے کہ وہ قیامت میں اندھا نہ ہو۔ اور اشد العذاب سے بچے۔ اس سے اللہ تعالٰے کا ہجر و فراق مراد ہے۔

بعد حق باشد عذاب مستہین
از نعیم قرب عشرت سازہین
ہر کہ نابینا شود از ای ہو
ماند در تاریک مرد ہاے او

ترجمہ : ۱- عذاب مبین ہے فراقِ الٰہی۔ اور ایسے ہی عشرت ساز کی ذلت ہے قرب حق کی دوری۔

۲- جو اللہ تعالٰی کی آیات سے اندھا ہے وہ ہمیشہ آنکھ کی بینائی سے اندھیرے میں رہے گا۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ ۔ ہمزہ انکار توبیخی کا اور فاء عطف معتدر کے لیے ہے۔ الھدایۃ بمعنے التبیین ہے اس کا مفعول محذوف ہے اور اس کا فاعل جملہ کا مضمون ومعنی ہے اور لھم کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اور مشرکین سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے معاصرین کفار مراد ہیں۔ القرون، قرن کی جمع ہے وہ قوم جو زمانہ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مقترن ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ کیا وہ غافل ہیں اور انھیں اپنے امور کا انجام واضح نہیں ہوا وہ غور کریں کہ ہم نے قرون اولٰی کے کتنے لوگ تباہ وبرباد کیے ہیں یا اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع اللہ تعالٰے ہے۔ اب یہ ہوگا کہ کیا اللہ تعالٰے نے ان کے لیے

ہدایت نہیں کی۔ اھلکنا بطریق التفات اسی ہدایت کا بیان ہے۔ اور من القرون محلاً منصوب لفظ کم کے ممیز صفت ہے اب عبارت یوں ہو گی:

کم قرنا کائنا من القرون۔

یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِهِمْ، یہ القرون سے حال ہے یعنے درآنحالیکہ اپنے گھروں میں امن اور چین کے ساتھ چلتے پھرتے تھے یا یہ لهم کی ضمیر سے موکد ہے اور انکار کے لیے ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ کیا انھیں اس سے بھی ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے قرون سالفہ میں کئی قرون تباہ و برباد کر ڈالے جیسے اصحاب الحجر واصحاب ثمود اور قوم لوط کی بستیاں۔ درآنحالیکہ وہ اپنے گھروں میں چلتے پھرتے اور یہ ان سے شام کی طرف جاتے ہوتے وہاں سے گذرتے اور ان کی تباہی و بربادی کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور یہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے یہ جلد تر ہدایت پائیں اور عبرت پکڑیں کو کہیں یہ بھی ان کی طرح عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔

حل لغات: امام راغب رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ المشی بمعنے ارادۃً ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ السکون بمعنے تحریک کے بعد شئے کا ثابت ہونا اور کہیں وطن بنانے کو بھی کہا جاتا ہے جیسے سکن فلان مکان کذا یعنے فلان ایسی جگہ ٹھہرا مسکن اسم ظرف اور مساکن اس کی جمع ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ، بے شک اس عذاب میں ہلاک کرنے میں **لَاٰیٰتٍ**، نشانات کثیرہ اور واضح الہدایۃ اور ظاہر الدلالۃ علی الحق ہیں کہ وہی ہادی اور کیسا ہادی ہے۔ **لِّاُولِی النُّهٰی** ○ نھیۃ کی جمع ہے بمعنے عقل یعنے ذوی العقول کے لیے اور عقول نتائج سے روکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جملہ کا مضمون فاعل ہے مفعول نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پس سپاس او را کہ مارا در جہان
گرد پیدا از پس پیشینیان
تا شنیدیم آن سیاستہائے حق
بر قرون ماضیہ اندر سبق
استخوان و پشم آن گرگاں عیاں
بنگرید و پند گیرید ای مہان
عاقل از سر بنہد این ہستی و باد
چوں شنید انجام فرعونان و عاد

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۶۸)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ

اور اگر تمہارے رب کی ایک بات نہ گزر چکی ہوتی تو ضرور عذاب انہیں

لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

لپٹ جاتا اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہرایا ہوا تو ان کی باتوں پر صبر کرو اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ

سورج چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کی گھڑیوں میں اس کی پاکی بولو اور دن کے کناروں پر اس

لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ

امید پر کہ تم راضی ہو اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لیے دی ہے

الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ

جیتی دنیا کی تازگی کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنہ میں ڈالیں اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور سب سے دیرپا ہے اور اپنے گھر والوں کو

وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا

نماز کا حکم دے اور خود اس پر ثابت رہ کچھ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے ہم تجھے روزی دیں گے اور انجام کا بھلا پرہیزگاری کے لیے اور

لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ

کافر بولے یہ اپنے رب کے پاس سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے اور کیا انہیں اس کا بیان نہ آیا جو اگلے صحیفوں میں ہے اور اگر ہم

اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا

انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے رسول کے آنے سے پہلے تو ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ

بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ذلیل و رسوا ہوتے تم فرماؤ سب راہ دیکھ رہے ہیں تو تم بھی راہ

فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾

دیکھو تو اب جان جاؤ گے کہ کون ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے ہدایت پائی

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ورنہ بنهد دیگران از حال او
عبرتی گیرند از اضلال او

ترجمہ: ① اس خدا کا شکر کہ اس نے جہان میں ہمیں اگلے لوگوں کے بعد پیدا فرمایا۔

② تاکہ ہم قرون ماضیہ پر اللہ تعالٰی کے اجرائے احکامات سن کر عبرت حاصل کریں۔

③ ان گرگوں کی ہڈیاں اور بال دیکھ کر اے عزیز و نصیحت اور عبرت حاصل کرو۔

④ عاقل اپنے سر سے اس ہستی اور ہوا کا خیال نکال دیتا ہے جب فرعون و عاد کا حال سنتا ہے۔

⑤ اگر کوئی کسی سے عبرت نہیں پکڑتا تو لوگ اس کی گمراہی سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ، اگر تیرے پروردگار سے کلمہ سبقت نہ کر جاتا۔ اس سے وہ کلمہ مراد ہے جو اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے تاخیر عذاب کا وعدہ فرمایا اور امت سے امت دعوۃ مراد ہے اور اس تاخیر عذاب میں اس کی حکمت کا تقاضا یونہی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے ملائکہ سے فرمایا اور لوح محفوظ میں بھی لکھ دیا کہ (حضرت) محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اگرچہ تکذیب رسل و انکار کتب وغیرہ کرے گی تب بھی ان سے عذاب مؤخر کیا جائے گا ان پر وہ تباہی و بربادی نہ ہوگی جو دوسری امتوں کے لیے ہوئی اور نہ ہی ان کی جڑ کاٹ کر دکھ دیا جائے گا کیونکہ اس کے علم میں تھا کہ ان میں بعض اہل ایمان بھی ہوں گے اگر عذاب عام ہو تو ان میں وہ بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

(اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا صدقہ ہے کہ ہم عذاب الٰہی سے محفوظ ہیں۔ فافہم وتدبر)۔

لَكَانَ، ان کے کردار کی سزا ہوتی۔ لِزَامًا، ان کافروں کو چمٹی ہوتی کہ ان کے کرتوت کے بعد فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاتے جیسے پہلی امتوں کے لیے ہوا کہ وہ تکذیب پر فوراً تباہ و برباد ہوتے یہ مصدر لازم ہے لیکن اسے وصف بنانا مبالغہ کے لیے ہے۔ وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۞ اس کا عطف کلمہ پر ہے اور درمیان کا فاصلہ بتاتا ہے کہ یہ دونوں ہر ایک نفی عذاب کے لیے مستقل ہیں اور فواصل آیات کے لیے بھی ایسا کیا گیا یعنے اگر ان کی اعمار یا عذاب کا ہر وقت مقرر نہ ہونا (اس وقت سے قیامت یا یوم بدر مراد ہے) تو ان سے عذاب ہرگز مؤخر نہ ہوتا۔

اللہ تعالٰی نے انھیں ایمان کی ترغیب دی ہے اور پھر انھیں عبرت و استدلال سے سمجھایا ہے یہ اس کی رحمت اور فضل و کرم کی دلیل ہے ورنہ اسے کیا ضرورت تھی کیونکہ اس میں بندوں کا فائدہ ہے اسے تو اس سے کوئی نفع نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چون خلقت الخلق کی یربح علی
لطف تو فرمود ای قیوم و حی
لا لان اربح علیہم جود تست
کہ شود زو جملہ ناقصا درست

ترجمہ: خلقت الخلق (میں نے مخلوق پیدا فرمائی) (کی یربحوا علی) (تاکہ وہی مجھ سے نفع پائیں) تو نے فرمایا اے حی وقیوم (لا لاربح علیھم) نہ کہ میں ان سے نفع پاؤں یہ تیرا جود ہے تاکہ اس سے تمام ناقص کامل ہوں۔

قدسی حدیث شریف: کلمات قدسیہ میں ہے:

یا عبادی لو ان اولکم و اٰخرکم و انسکم وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد منکم ما زاد ذالک فی ملکی شیئاً۔	اے میرے بندے! اگر تمہارے پہلے پچھلے اور تمام انس وجان ایک متقی ترین کے قلب کے موافق ہوں تب بھی میرے ملک میں اضافہ نہ ہو۔

اور فرمایا:

یا عبادی لو ان اولکم و اٰخرکم و انسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذلک من ملکی شیئاً۔	اے میرے بندے! اگر تمہارے پہلے پچھلے اور تمام انس وجان ایک فاجر ترین کے موافق ہوں تب بھی میرے ملک سے کچھ کم نہ ہوگا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ کلمہ توحید پر التزام کرے کہ کہیں وہ وعید میں داخل نہ ہو۔

حدیث شریف حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"تم سارے بہشت میں داخل ہوگے سوائے منکر کے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکر کون ہے؟ جس نے لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) نہ کہا اس سے قبل کہ اس پر موت آئے وہ منکر ہے۔ کلمہ توحید ہی مضبوط رسی اور جنت کا ثمن ہے۔"

ف: تاخیر عقوبت توبہ کے لیے مہلت ہے اور گناہ پر اصرار کرنے والے کے لیے حجت ہے۔

سبق: عاقل مکلف پر لازم ہے کہ وہ مواعظ قرآن کریم سے نصائح حاصل کرے اور قادر حکیم سے ڈرے اور طاعت و انقیاد میں جد وجہد کرے اسے چاہیئے کہ جمادات سے برے حال میں نہ ہو کہ وہ فرمانبردار ہیں اور یہ نافرمان حالانکہ انسان اشرف المخلوق و ابدع المصنوعات ہے۔

حدیث و معجزہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو مجھے پیاس کا غلبہ ہوا، حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ اس سامنے والے پہاڑ کو میرے سلام کے بعد کہیے کہ وہ پانی پلائے اگر اس کے پاس ہو تو۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پہاڑ کے قریب جاکر کہا: السلام علیک ایہا الجبل۔ اس نے بزبان فصیح کہا:

لبیک یا رسول رسول اللہ لبیک۔ اے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد! میں حاضر ہوں۔

میں نے اسے پانی کا کہا تو اس نے کہا:

"میرا سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو. اور سلام کے بعد عرض کرنا کہ جب سے میں نے یہ آیت "فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارۃ" سنی ہے اسی روز سے رو رہا ہوں کہ کہیں وہی حجارہ میں نہ ہوں جو جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اس گریہ سے میرے اندر پانی نہیں رہا"۔

سبق: جو شخص قرآن مجید کے زواجر سن کر صالحات میں رغبت نہیں کرتا وہ پتھروں سے سخت تر اور جانوروں سے بدتر ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے قلب کی نرمی کا سوال کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ، تو آپ ان کی گفتگو پر صبر کیجئے یعنی جب یہ بات طے شدہ ہے کہ ان پر عذاب مؤخر کیا گیا ہے اور اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان سے چشم پوشی کی جا رہی ہے بلکہ انھیں چند روزہ مہلت دی جا رہی ہے کیونکہ عذاب ان پر لازم ہے تو آپ ان کے کلماتِ کفریہ اور جادو و سحر اور جنون کی نسبت کرنے پر اتنی دیر صبر کیجئے یہاں تک کہ ان کے مابین فیصلہ ہو. اور ویسے بھی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ان پر خواہ مخواہ عذاب ہونا ہے یہی بات بھی آپ کی تسلی اور صبر کے لیے کافی تھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صبر کیجئے ان باتوں پر جو اہل اعتراض و اہل انکار کہا کرتے ہیں کہ آپ کو ان کی تربیت کرنی ہے یہاں تک کہ آپ مقام صبر تک پہنچیں۔

ف: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت "آیۃ السیف" سے منسوخ ہے لیکن تفسیر کبیر میں ہے کہ ضروری نہیں کہ اسے منسوخ مانا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ آپ کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم بھی ہو اور ساتھ ہی ان کے ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم بھی۔

حل لغات: امام راغب رحمہ اللہ تعالٰی نے لکھا کہ الصبر یعنی نفس کا ان امور سے روکنا جن کے روکنے پر عقل و شرع کا تقاضا ہے۔ لفظ "صبر" عام ہے ہاں بوجہ مختلف مواقع کے اس کے اسماء بھی مختلف ہیں مثلاً نفس کو مصیبت کے وقت روکنے کا نام صبر اور اس کی نقیض جزع آتی ہے اور اگر جنگ کے موقعہ پر صبر کرنے کا نام شجاعت اس کی نقیض جبن (بزدلی) ہے اور اگر حادثہ کے وقت صبر کیا جائے تو اسے رحب الصدر (سینہ کی کشادگی) اور اس کی نقیض الضجر آتی ہے۔ اگر گفتگو نہ کرنے پر اپنے آپ کو روکا اسے کتمان سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی نقیض بدل آتی ہے اور اللہ تعالٰی نے ان تمام مواقع کا نام صبر رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے:

والصابرین فی الباساء والضراء۔

اور فرمایا:

الصابرین علی ما اصابھم والصابرین والصابرات،

اسی پر "الصوم" کا نام صبر ہے اس لیے کہ یہ صبر کے انواع سے ہے۔

تفسیر عالمانہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ اور اپنے رب تعالیٰ کی حمد کے ساتھ حمد کیجئے یعنے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ہدایت و توفیق پر حمد الٰہی کیجئے۔

سوال: تم نے تسبیح کا معنی نماز پڑھنے کا معنی کیوں کیا ہے؟

جواب: جز بول کر کل مراد لی گئی ہے کیونکہ نماز میں تسبیح و ذکر الٰہی ہوتی ہے اور یہ امور تسلی و راحت بخشتے ہیں اور جمیع احزان و غموم کو دور کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ، طلوع شمس سے پہلے۔ اس سے صبح کی نماز مراد ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ طلوع شمس تک ذکر الٰہی میں مصروف رہنا اولاد اسماعیل میں سے اسی غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔

ف: اسماعیل علیہ السلام کی تخصیص ان کی شرافت اور ابو العرب کی وجہ سے ہے۔

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا، اور غروب شمس سے پہلے۔ اس سے عصر کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں زوال کے بعد غروب سے ادا کی جاتی ہے۔ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ، اور رات کی بعض ساعات میں سے۔ انی بالکسر والقصر کی جمع ہے جیسے معی کی جمع امعا آتی ہے۔ وانلو کو بالفتح واعد پڑھا جائے۔ فَسَبِّحْ پھر نماز پڑھیئے اس سے مغرب و عشار کی نمازیں مراد لی ہیں۔

سوال: نماز پڑھنے کے حکم سے ان کے اوقات کی تقدیم کیوں؟

جواب: ان کی فضیلت کا اظہار مطلوب ہے کیونکہ ان اوقات میں قلب کو جمعیت حاصل ہوتی ہے اور نفس راحت کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے اور ان اوقات میں عبادت کرنے میں مشقت ہوتی ہے۔

وَاَطْرَافَ النَّهَارِ، اور دنوں کے اطراف میں۔ بندوں کو نفلی عبادات کا حکم ہے۔

ف: العیون میں ہے کہ یہ منصوب ہے ما قبل پر دوسرے ظروف پر اس کا عطف ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اطراف النہار میں تسبیح پڑھیے، اس سے صلوٰۃ مغرب و فجر مراد ہے تکرار صرف اختصاص کے لیے ہے جیسے: حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ میں الصلوٰۃ الوسطیٰ کا تکرار اختصاص کے لیے ہے اور الصلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔

ف: جلالین میں ہے کہ قبل غروبہا سے نماز عصر، واطراف النہار سے صلوٰۃ الظہر مراد ہے کیونکہ جمع کے صیغہ سے واحد مراد ہے۔

ف: طبری میں ہے کہ قبل غروبہا سے عصر کی نماز مراد ہے اور اناءِ اللیل سے عشار آخری اور اطراف النہار سے ظہر و

مغرب مراد ہے کیونکہ ظہر نہار کی طرف اول کا کنارہ آخری اور نہار کے آخری حصہ کا پہلا کنارہ ہے گویا نماز ظہران دونوں طرفوں کے درمیان ہے اور مغرب طرف ثانی کے آخر میں ہے۔ اس معنی پر انھیں اطراف کہا گیا۔

ف: اس آیت سے الشیخ ابوالقاسم الفزازی رحمہ اللہ تعالٰی نے الاسئلۃ المقحمہ میں استدلال کیا ہے۔ اس کی تشریح سورہ ہود کے آخر میں گذری اور مزید تشریح سورہ ق میں آئے گی۔

لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ یہ سبح کے متعلق ہے یعنے ان اوقات میں اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتے پھر امید رکھنی چاہیئے کہ آپ اللہ تعالٰی کے ہاں وہ پالیں گے جس سے آپ کا جی خوش اور دل راضی ہوگا۔

ف: جناب کاشفی نے لکھا کہ خوشنودی سے صحیح تر قول یہ ہے کہ کرامت امت مراد ہے اس لیے کہ وہ شے اعلٰی جو اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے وہ شفاعت امت ہے۔ اس نکتہ کی "ولسوف یعطیك ربك فترضٰی" سے تقویت ملتی ہے۔

امت ہمہ جسمند و توئی جان ہمہ
ایشان ہمہ آن تو وتو آن ہمہ
خوشنودئ تو جست خدا در محشر
خوشنو نہ مگر بغفران ہمہ

ترجمہ: (۱) امت تمام جسم اور اس کی روح آپ ہیں یہ تمام بلکہ جملہ ہیں اور وہ جملہ تمام آپ ہیں۔

(۲) قیامت میں اللہ تعالٰی بھی آپ کی رضا چاہے گا اور آپ امت کی مغفرت سے راضی ہوں گے۔

فضائل نماز تسبیح کی مشغولی میں دراصل تسبیح پڑھنے والا اس کے وسیلہ سے مکذبین پر غلبہ اور فتح و نصرت کی مدد چاہتا ہے اور نماز ازالۂ الم کے لیے تریاق اعظم ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی پریشانی یا غم لاحق ہوتا تو آپ نماز میں مشغول ہوجاتے اور آیت 'وما ملکت ایمانکم' میں سب سے آخر میں نماز کی تاکید کی ہے۔

ف: آیت مذکورہ میں پانچ نمازوں کا بیان ہے۔

حدیث شریف: حضرت جبیر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ نے چودھویں کے چاند کو دیکھ کر فرمایا:

انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لاتضامون فی رؤیتہ فان استطعتم ان لاتغلبوا عن صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا فافعلوا ثم قرا وسبح بحمد ربك۔"

بے شک تم اپنے پروردگار کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہو تم اس کے دیدار سے محروم نہ رہو گے اگر تم طاقت رکھتے ہو تو تم طلوع شمس سے قبل اور بعد کی نماز سے مغلوب نہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت مبارک

سبح بحمد ربك ... الآیۃ پڑھی۔

ف: حدیث شریف میں لفظ لاتضامون آیا ہے اس کی میم مشدد پڑھی جائے یہ ضم سے مشتق ہے۔
اب معنے یہ ہوا کہ تمھارا بعض کے ساتھ ضم ہو کر نہ دیکھے گا اور کثرت ہجوم سے یہ نہ کہے گا کہ مجھے دکھاؤ وہ کہاں ہے بلکہ ہر ایک مستقل طور پر اللہ تعالےٰ کو دیکھے گا۔ اس تقریر پر "تا" مفتوح ہوگی۔ یہ دراصل لاتتضامون تھا ایک تار حذف کر دیا گیا ہے اور میم کو مخفف کر کے بھی پڑھا گیا ہے الضیم سے مشتق ہوگا بمعنے الظلم اس کی تار مضموم ہے یعنے تمہارے کسی ایک پر ظلم نہ ہوگا کہ کسی کو دیدار ہو اور کسی کو نہ ہو بلکہ سب کو ہوگا اور تمام اس کے دیدار میں برابر ہوں گے۔

حدیث شریف: (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ منافقین پر ثقیل تر دو نمازیں ہیں:

① نماز عشار

② نماز فجر

اور اگر انھیں ان کا ثواب معلوم ہوتا تو گھٹنوں کے بل چل کر آتے۔

نماز باجماعت کے فوائد: مشائخ فرماتے ہیں جو پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے اسے مندرجہ ذیل فوائد نصیب ہوتے ہیں:

① روزی کی تنگی دور ہوگی۔

② عذاب قبر سے حفاظت نصیب ہوگی۔

③ پل صراط پر سے بجلی کی طرح گذرے گا۔

④ بہشت میں بلا حساب داخل ہوگا۔

ترک نماز باجماعت کے نقصانات: جو شخص نماز باجماعت میں سستی کرتا ہے وہ مندرجہ ذیل آفات میں مبتلا ہوگا:

① اس کے رزق سے برکت اٹھ جائے گی۔

② اس کی کمائی میں برکت نہ ہوگی۔

③ اس کے چہرے سے صالحین (نیک بختوں) کی نشانی (علامت) اٹھالی جائے گی۔

④ اس کے باقی اعمال صالحہ بھی قبول نہ ہوں گے۔

⑤ لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے بغض پیدا کر دیا جائے گا۔

⑥ اس کی روح بھوکی پیاسی قبض کی جائے گی۔

⑦ نزع روح (سکرات) کے وقت سخت تکلیف میں مبتلا ہوگا۔

⑧ قبر میں منکر نکیر کی گرفت سخت ہوگی۔

⑨ قبر میں اندھیرا رہے گا۔

⑩ قبر تنگ ہو جائے گی۔

⑪ حساب سخت ہوگا۔

⑫ اللہ تعالےٰ کا غضب سخت تر ہوگا۔

⑬ جہنم میں اسے داخل کر کے شدید عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

اللہ والوں کی شان: حدیث شریف میں ہے:

امتی مرحومة وانما یدفع الله عنهم البلایا باخلاصهم وصلواتهم ودعائهم وضعفائهم[1]

میری امت پر رحمت خداوندی ہے اور ان سے اللہ تعالےٰ عذاب اور بلائیں دفع فرماتا ہے ان کے اخلاص اور نمازوں اور دعاؤں اور ضعیفوں کی برکت سے[2]

فضیلت امت مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت دانیال نبی علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعریف فرمائی کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں اگر نوح علیہ السلام کی امت نماز پڑھتی تو طوفان میں غرق نہ ہوتی۔ ایسے ہی اگر قوم عاد نماز پڑھتی تو ان پر ہوا کا عذاب نہ آتا اور ثمود کی قوم نماز پڑھتی تو انھیں چنگھاڑ نہ گھیرتا۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ کسی وقت بھی نماز و دعا اور التجاء الی اللہ میں سستی نہ کرے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ:

حل لغات: المد بمعنے الجر یعنے کھینچنا۔ اسی سے المدللوقت الممتد یعنے دراز وقت کا عرصہ الامداد کا اکثر استعمال اچھے امور اور المدد مکروہ امور میں ہوتا ہے پہلے کی مثال میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وامددناهم بفاكهة (اور ہم نے ان کی میوہ جات سے مدد کی)۔

دوسرے کی مثال میں فرمایا:

ونمدهم من العذاب مدا (اور ہم ان کا عذاب دراز کر دیں گے)

---

[1] : روح البیان جلد ۵ ص ۴۴۵ -

[2] : اللہ والوں کی ہی دعائیں نمازیں اور اخلاص مراد ہو سکتی ہے ورنہ بہت سے لوگوں کی نہ دعائیں قبول اور نہ نمازیں بلکہ یہ ایسے اعمال ان کے منہ پر مارے جاتے ہیں اور ضعفا سے بھی وہی محبوبان خدا مراد ہیں۔ ۱۲ فافهم وتدبر ولاتکن من الواہبین ۱۲ -

(اویسی غفرلہ)

لفظ عین اسی آنکھ (عضو) کو کہا جاتا ہے بخلاف بصر کے کہ وہ عام ہے۔ اسی لیے حدیث قدسی میں فرمایا: کنت لہ سمعاً وبصراً (میں اس کی سمع وبصر ہو جاتا ہوں)۔ عینا و اذناً نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ رغبت و میلان کی وجہ سے آنکھیں دراز نہ کیجیے یعنے نہ دیکھیے۔

ف: بعض نے کہا کہ امداد العین، بمعنے تطویل ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے مرتبہ اور شان کو دیکھ کر اس آرزو اور تمنا پر اسے تک تک کے دیکھے کہ کاش! وہی مرتبہ اور شان مجھے بھی حاصل ہو۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے مرتبہ و شان کو دیکھ کر آرزو کرنا لیکن اسے رشک کی نگاہوں سے معمولی طور پر غور سے دیکھنا منع نہیں کیونکہ یہ ایسا امر ہے کہ اس سے بچنا دشوار ہے اور انسان کے اپنے بس میں نہیں۔ اس لیے کہ بہت سے امور ہمارے سامنے آتے ہیں ہم انھیں دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن بحکم شرع اس سے آنکھ بیچ لیتے ہیں ہاں! اسے بار بار غور سے دیکھنا منع ہے جیسا کہ حسد کے طور پر ہے مثلاً دنیوی نقش ونگار میں نگاہیں لگا دے ایسے کہ گویا اس کے دل میں اس نے گھر کر لیا ہے، ایسا کرنا منع ہے یا کوئی شخص کسی دنیوی محبوب شئے کو دیکھ کر ایسا محو ہو جاتا ہے کہ سوائے اس کے کسی دوسری طرف دیکھنا گوارہ ہی نہیں کرتا تو یہ ناجائز ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: لا تمدن عینیک یعنے وہ کام نہ کیجیے جو بشری جبلت کے مطابق ہو۔

شان نزول حضرت کاشفی نے لکھا کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک مہمان حاضر ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ نہ تھا کہ جس سے مہمان نوازی فرمائیں۔ مجھے ایک یہودی کے ہاں بھیج کر فرمایا کہ کچھ آٹا لائیے تاکہ مہمان بھوکا نہ جائے اور وعدہ فرمایا کہ یکم رجب رقم ادا کر دیں گے لیکن یہودی نے آٹا دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ادھار قطعی بند ہے، ہاں، اگر کوئی شئے گروی رکھو تو آٹا بھجوا سکتا ہوں۔ آپ نے یہودی کا جواب سن کر فرمایا کہ بخدا میں تو آسمان و زمین کا امین ہوں، اگر وہ یہودی آٹا دے دیتا تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض اتار دیتا لیکن اس نے اعتماد نہ کیا تو لیجیے ابو رافع! میری زرہ لے جائیے اور اس کو گروی رکھ کر آٹا لائیے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے یہی آیت نازل ہوئی:

ولا تمدن عینیک (اپنی آنکھیں دراز نہ کیجیے یعنے نہ دیکھیے)

اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖ، اس کی طرف جسے ہم نے دنیوی نقش ونگار سے متمتع فرمایا۔

حل لغات: متاع البیت اسی متعنا سے ہے یعنے گھر کا وہ سامان کہ جس سے نفع اٹھایا جائے۔ اس کا مادہ المتوع بمعنے الامتداد والارتفاع جیسے کہا جاتا ہے:

"متع النہار ومتع البنات"

بمعنے ارتفع یعنے سورج اور کھیتی اونچی ہوئی۔ المتاع یعنے انتفاع ممتد الوقت یعنے عرصہ دراز تک نفع پانا۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ اس شئے کی طرف نہ دیکھئے جسے ہم نے چند روز کے لیے نفع کا سبب بنایا ہے۔

ف: الکبیر میں متعنا بہ بمعنے الذنا بہ لکھا ہے اور فرمایا الامتاع بمعنے الذاد آتا ہے یعنے ان اشیا سے لذت پانا جو مناظر حسنہ یا بہترین آواز یا اچھی خوشبو سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایسے ہی لباس و نکاح وغیرہ کی اشیار۔

اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ، کافروں کے اصناف میں سے جیسے وثنی (بت پرست) کتابی یعنے یہود و نصاریٰ۔ اور یہ متعنا کا مفعول بہ ہے۔ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا اس فعل سے منصوب ہے جو محذوف ہے جس پر متعنا ولالت کرتا ہے یعنے ہم نے انھیں دنیا کی زینت، رونق، نقش و نگار اور حسن بخشا ہے۔

ف: واسطی نے فرمایا کہ اس آیت میں فقرار و مساکین کو تسلی ہے کہ جب امام الانبیار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیوی زیب و زینت اور رونق کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں کہ اس کے لیے للچائیں۔

لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ط تاکہ ان سے وہ معاملہ کریں جو آزمائش کئے ہوئے لوگوں سے کیا جاتا ہے یعنے جو کچھ ہم نے انھیں عطا فرمایا ہے یہ الٹا ان کے لیے وبال اور آزمائش اور امتحان ہے کہ اس کی خلاف ورزی پر عذاب کے مستحق ہوں ہم انھیں نعمتیں بڑھائیں گے تو یوں سمجھ لو کہ ان کے کفر و طغیان میں اضافہ ہو رہا ہے یہ معاملہ ان کے لیے عذاب اور سزا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ دنیا سے نفرت کرنی چاہئے کیونکہ یہ دنیا آزمائش گاہ ہے اور امتحان کے بعد یا تو اعزاز نصیب ہوتا ہے یا ذلت اور خواری۔

تقویٰ و طہارت میں تشدد حضرات علمار کرام نے اسی آیت کے مطابق تقویٰ کا سبق دیا ہے بلکہ تشدد برتا ہے کہ ظالمین اور فاسقین کی ہر روش اور طریقہ سے اجتناب ضروری ہے یہاں تک کہ نہ ان جیسا لباس پہننا چاہئے نہ ان جیسی سواری یہاں تک کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ فساق کے ہمالیج کی دقدقہ کو نہ دیکھو بلکہ ان کو اگر دیکھنا ہے تو یہ سوچو کہ ان رفات سے معصیت کی ذلت کیسے ظاہر ہو رہی ہے وہ اس لیے کہ انھوں نے یہ اشیائ محض دکھاوے کے لیے بنا رکھی ہیں اور دیکھنے والا للچائے گا کہ اسے بھی اسی غرض و غایت کے اسباب حاصل ہوں۔

حدیث شریف (حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا): دنیا یعنے اس کی صورت اور ساز و سامان (حلوۃ) میٹھے ہیں۔۔ "خضرۃ حسنۃ فی المنظر تعجب المناظر" سرسبز اور حسین منظر ہیں جو دیکھنے والے کا دل لبھاتے ہیں اور دنیا کو سرسبزی سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے۔

اہل عرب ہر اعلیٰ اور بہتر نعمت کو خَضِرۃٌ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے سبزی سے اس کے زوال کی سرعت کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا دھوکہ اور فریب سے پُر ہے کہ اس کے حسن و چاشنی میں پھنس کر انسان غلطی کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت خجندی نے فرمایا ؎

جہان و جملہ لذاتش بزنبور عسل ماند
کہ شیرینیش بسیارست وزان افزوں شروشورش

ترجمہ: دنیا اور اس کی جملہ لذات کو شہد کے بھڑ کی طرح سمجھنا کہ اس کی اگر شیرینی بہتر ہے تو اس کا شور و شر بھی کچھ کم نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ از دیدار برخوردار شد
ایں جہاں در چشم او مردار شد

ترجمہ: جو کوئی دیدار سے سرشار ہوتا ہے تو یہ جہاں اس کی نظروں میں مردار جیسا ہوتا ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

از رہ مرو بعشوۂ دنیٔ کہ ایں عجوز
مکارہ می نشیند و محتالہ می رود

ترجمہ: صحیح راہ سے مت ہٹ اس کمینی دنیا کے اشارے غلط ہیں اس بڑھیا کی عادت ہے کہ وہ مکار ہو کر بیٹھتی ہے اور حیلہ گر ہو کر جاتی ہے۔

اور فرمایا ؎

خوش عروسیست جہان از رہ صورت لیکن
ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

ترجمہ: دنیا بظاہر حسین دلہن ہے لیکن جو اس سے پیوست ہوا تو اس نے اپنی زندگی اسے مہر میں دی۔

بقیہ حدیث شریف "ان اللہ مستخلفکم فیھا" بے شک اللہ تعالٰے تمہیں اس دنیا میں خلیفہ بناتا ہے یعنے درحقیقت یہ اموال تمہارے نہیں بلکہ ان کا حقیقی مالک اللہ تعالٰے ہے اس کے تصرف میں تم بمنزلہ وکیل کے ہو۔

"فناظر کیف تعملون" پھر دیکھتا ہے کہ تم اس میں کس طرح تصرف کرتے ہو۔

ف: حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دنیا کو آقا نہ بناؤ ورنہ وہ تمہیں غلام بنا لے گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولا تمدن عینیک میں عین البصر والبصیرۃ کی طرف اشارہ ہے یعنے بصر سے سر کی اور بصیرۃ سے قلب کی آنکھ مراد ہے اور یہ خطاب صرف حضور علیہ السلام کو ہے۔ اس دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

رؤیت حق صرف حضور علیہ السلام سے مخصوص ہے بخلاف دوسرے انبیاء علیہ السلام کے کہ انھیں دنیا میں اللہ تعالٰی کا دیدار نہ ہوا۔ اور رویت حق غیر کی شرکت کو قبول نہیں کرتی جیسے زبان سے صرف توحید کا اقرار ضروری ہے۔ اس اقرار میں کسی غیر کو

شریک نہیں کیا جاسکتا اور قلب میں ذکر الٰہی کے سوا کسی غیر کی گنجائش نہیں۔ ایسے ہی فرمایا «اذکر ربك اذا نسیت یعنے ماسوا اللہ کو بھول کر ذکر الٰہی کیجئے۔

اسی طرح رویت الٰہی میں غیر کے دیکھنے کی گنجائش نہیں۔

"الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا" اس میں دنیا و آخرت ہر دونوں مراد ہیں، کیونکہ دنیا کا ذکر آخرت کو مستلزم ہے اسی لیے صرف ایک پر اکتفا کیا گیا۔ ازواج سے اہل دنیا و اہل آخرت مراد ہیں یعنے عزت کے پانی سے ظاہر و باطن کی آنکھیں رویت دنیا و آخرت کی میل کچیل سے دھوئیے کیونکہ انھیں ہمارے جلال کے نور کا سرمہ لگا کر ہمارے نور جمال کو دیکھنا پڑتا ہے اور ہم نے اہل دنیا و آخرت کو اپنے حضرت جلال کے لیے عزت بخشی ہے۔

لنفتنھم فیہ "تاکہ ہم انھیں دارین کی نعمتوں میں مشغول رکھ کر اپنے کمال رویت جمال تک پہنچنے کے لیے آزمائیں۔

حکایت: حضرت شبلی قدس سرہٗ کے سامنے "اصحاب الجنۃ الیوم فی شغل فاکھون" پڑھا گیا تو آپ کی چیخ نکل گئی اور فرمایا کہ یہ مسکین بے خبر ایسے شغل سے نامعلوم کیوں روگردانی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَرِزْقُ رَبِّكَ اور تمہارے پروردگار کا رزق یعنے وہ جو تمہارے لیے آخرت میں ذخیرۂ ثواب جمع کیا گیا ہے یا وہ جو آپ کو طاعت کی ادائیگی کے لیے کفایت کے طور پر عطا کیا گیا ہے۔

ف: رزق، عطا کو کہا جاتا ہے دنیوی ہو یا اخروی اور کبھی مقسوم کو بھی رزق کہتے ہیں۔ وہ چیز جو پیٹ کی بھوک مٹائے یعنے غذا کے طور پر استعمال کی جائے اس کو بھی رزق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خَیْرٌ تمہارے لیے اس سے بہتر جو انھیں دنیا میں عطا ہوا ہے باوجودیکہ وہ نعمت جلیل القدر ہے جس میں للچانے والے للچاتے ہیں اور خراب ہونے سے بھی محفوظ ہے بخلاف ان کے اس مال و اسباب کے جو انھیں دنیا میں عطا ہوا ہے۔ وَّاَبْقٰی اور زیادہ باقی رہنے والا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ تک غیر منقطع ہے۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ زھرہ لغت میں شگوفہ کو کہتے ہیں اور اللہ تعالٰے نے دنیا کو شگوفہ سے تعبیر کیا ہے وہ اس لیے کہ جیسے چند روز تر و تازہ اور سرسبز رہ کر خزاں کا شکار ہو جاتا ہے ایسے ہی دنیا کا حال ہے کہ چند روز کی رونق کے بعد فنا و برباد ہو جائے گی۔

~

مال جہان بباغ تنعم شگوفہ ایست

کاول بجلوہ دل برباید ز اہل حال

یکہفتہ نگذرد کہ فرو ریزد از درخت

بر خاک رہ شود چو خس و خاک پایمال

اہل کمال در دل خود جا چرا دہند

آنرا کہ دمبدم زپے است آفت زوال

ترجمہ: ① مال جہان تنعم کے باغ میں ایک شگوفہ ہے کہ پہلے پہلے وہ اہل دل کو اپنے جلووں سے لبھاتا ہے۔

② دو ہفتے گذرنے نہیں پاتے کہ وہ شگوفہ درخت سے ٹوٹ کر زمین پر خس و خاشاک کی طرح خراب پڑا ہوتا ہے۔

③ اہل کمال ایسی شے کو کب دل میں جگہ دیں لحظ بلحظ آفت زوال جس کے درپے ہے۔

سبق: اہل عقل ایسا رزق اختیار کرتا ہے جو باقی رہتا ہے اور فانی نعمتوں کو دیکھتا تک نہیں وہ مرتے دم تک اس قوت پر اکتفا کرتا ہے جس قدر وہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

① گر آزادۂ بر زمین خسپ و بس

مکن بہر فانی زمین بوس کس

② نیرزد عسل جان من زخم نیش

قناعت نکوتر بدوشاب خویش

③ خداوند زان بندہ خرسند نیست

کہ راضی بقسم خداوند نیست

④ مپندار چوں سرکۂ خود خورم

کہ جور خداوند حلوا برم

⑤ قناعت کن اے نفس براندگی

کہ سلطان و درویش بینی یکی

⑥ کند مرد را نفس امارہ خوار!

اگر ہوشمندی عزیزش مدار

ترجمہ: ① اگر آزاد ہو تو زمین پر سو اور بس۔ دنیا فانی کی خاطر کسی کی زمین بوسی یعنے خوشامد نہ کر۔

② زخم کھا کر شہد حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں قناعت کو کاندھے پر رکھ یہی بہتر ہے۔

③ اللہ تعالے اس بندے سے خوش نہیں جو اللہ تعالے کی تقسیم پر راضی نہیں۔

④ یہ گمان نہ کرو کہ سرکہ کھا کر بسر اوقات کرنے والا حلوا والے کا ظلم اٹھائے گا۔

⑤ اے نفس تھوڑے پر قناعت کر اس لیے اللہ تعالے کے نزدیک سلطان و گدا برابر ہے۔

(۶) انسان کو نفس امارہ خوار کرتا ہے اگر دانا ہو تو اس کے ساتھ پیار نہ رکھو۔

ف: رزق معتبر وہ ہے جو روح قدسی کی غذا بن سکے جیسے علم و حکمت اور فیض ازلی و تجلی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ فہم نان کردی نہ حکمت اسے رہی
زانکہ حق گفت کلوا من رزقہ

۲۔ رزق حق حکمت بہ بود در مرتبت
کان گلو گیرت نباشت عاقبت

۳۔ این دہان بستی دہانی باز شد
کہ خورندہ لقمہائے راز شد

۴۔ گر ز شیر دیو تن را وابری!
در فطام او بسی نعمت خوری

ترجمہ: (۱) اے بیوقوف! روٹی کا مفہوم تو تُو نے سمجھ لیا لیکن تو نے حکمت کو نہ سمجھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے مطلق فرمایا ہے: کلوا من رزقہ۔

(۲) مرتبہ میں حکمت کا رزق بہتر ہے ورنہ جو رزق گلوگیر ہو وہ بے فائدہ ہے۔

(۳) یہ منہ باندھو تو اور منہ کھلے گا وہ راز و اسرار کے لقمے ہیں۔

(۴) اگر تم اس دیو نفس کو دودھ سے دور رکھو گے تو تمہیں ایزدی نعمتیں ملے گیں۔

تفسیر عالمانہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ، اور اپنے اہل کو نماز کا حکم فرمایئے جیسے ہم نے آپ کو نماز کا حکم فرمایا ہے ایسے ہی آپ اپنے اہل بیت کو نماز کا حکم فرمایئے کیونکہ فقیر کو ضروری ہے کہ وہ اپنے فقر پر نماز کے ساتھ استعانت کرے اسے معاشی امور میں نہ گھبرانا چاہیئے اور نہ ہی دولت مندوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہیئے۔

حدیث شریف اہلبیت: اس آیت کے نزول پر حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں روزانہ صبح جا کر فرماتے: "الصلوۃ"۔ اور آپ کا یہ طریقہ مہینوں تک رہا۔

ف: عرائس البقلی میں ہے کہ اصطبار مجاہدہ اور صبر مشاہدہ کا مقام ہے۔

ف: ابن عطار نے فرمایا کہ صبر کے جمیع انواع سے اصطبار شدید تر ہے کیونکہ اصطبار بلاؤں کی بوچھاڑ پر سر و قلب سے صبر کا نام ہے اور صبر صرف نفس سے ہوتا ہے۔

لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے یعنے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے رزق کے لیے مکلف نہیں بلکہ عبادت کا مکلف بناتے ہیں۔ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ ہم نہیں اور تمھارے اہل وعیال کو رزق دیں گے تم صرف اللہ ہی کی عبادت میں دل لگاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دل لگا رہتا ہے اور اللہ تعالے اس کی روزی کا خود کفیل ہوتا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ اور نیک انجام یعنے بہشت کیونکہ اس کا اطلاق ثواب کے ساتھ مخصوص ہے جسے ہم پسندیدہ انجام سے تعبیر کرتے ہیں۔ لِلتَّقْوٰی ۝ اہل تقویٰ کے لیے یعنے نیک انجام آپ کے لیے اور اس کے لیے جو آپ کی تصدیق کرے۔ اہل دنیا کو نیک انجام نصیب نہ ہوگا کیونکہ دنیا و آخرت کا اجتماع ممتنع ہے۔ تقویٰ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جمیع اعمال کا دارومدار تقویٰ پر ہے یعنے نفس اور جوارح کو ان جمیع قبائح سے روکنا جن کی شریعت مطہرہ اور علم نے مذمت کی ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال سے کسی کو تکلیف پہنچتی تو آپ انھیں نماز کا حکم فرما کر یہی آیت پڑھ کر سناتے۔

ہر دکھ کا علاج نماز ہے حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا کہ جملہ ضروریات طلب کرنے کے لیے نماز جیسا اور کوئی نسخہ نہیں۔

اگلے لوگ ہر دکھ درد کے وقت نماز پڑھتے تو ان کی تمام دکھ درد ٹل جاتے ان کی عادت تھی کہ کوئی تکلیف جب بھی پہنچتی تو نماز پڑھتے۔ اللہ تعالے نے یونس علیہ السلام کے قصے میں فرمایا:

فلولا انہ کان من المسبحین۔

اس میں المسبحین سے المصلین مراد ہے۔ کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما یعنے اگر وہ نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ٹھہرے رہتے۔

ف: حضرت شافعی رحمہ اللہ تعالے سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ دفیعہ وباء کے لیے تسبیح سے اور کوئی زیادہ نافع علاج نہیں۔

ف: حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ عابدین کو اللہ تعالے کی جانب سے چادریں پہنائی جاتی ہیں جن کا باہر کا حصہ نماز اور اندر کا روزہ ہوگا یعنے ان دونوں پر عمل کرنے سے خصوصی انعامات نصیب ہوتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ جسم کی نماز فرائض و نوافل ہیں اور نفس کی نماز یہ ہے کہ وہ بشریت کے گڑھے سے نکل کر روحانیت کی چوٹی تک پہنچے یعنے اپنے اوصاف رذیلہ سے نکل کر اس جنت تک پہنچے جو حضرت الٰہیہ کا دروازہ ہے۔

کما قال تعالے:

"الذین ہم فی صلوتہم خاشعون"

اور ستر کی نماز ماسوی اللہ سے توجہ ہٹا کر بحر مشاہدہ میں مستغرق ہو جانا، کما قال تعالے:

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"

کیونکہ ایسا انسان اپنے نفس کو فانی کرکے باقی باللہ ہو جاتا ہے جو شخص ایسی نماز پڑھتا ہے اسے اللہ تعالٰے ان اشیاء سے بے پروا کر دیتا ہے جن کی لوگوں کو محتاجی ہے اور ایسے شخص کا رزق اللہ تعالٰے اپنے ذمۂ کرم لگاتا ہے۔ کما قال تعالٰے:

"ووجدک عائلا فاغنی"

اسی لیے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے:

ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی۔ (میں اپنے رب تعالٰے کے ہاں شب باشی کرتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے)۔

نیست غیر نور آدم را خورش
جان را جز آن نباشد پرورش
چون خوری یکبار ازاں ماکول نور
خاک ریزی بر سر نان تنور

ترجمہ: (۱) آدم کی غذا صرف نور ہے کیونکہ روح کی پرورش اسی سے ہوتی ہے

(۲) جب تم اسی نور کے طعام سے کچھ کھاؤ گے تو پھر تنور کی روٹی کو پانی میں بہا دو گے۔

وَقَالُوْا، اور کفارِ قریش نے کہا۔ لَوْلَا یَاْتِیْنَا، ہمارے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں لاتے۔ بِاٰیَۃٍ، وہ معجزات جو ہم ان سے مطالبہ کرتے یا جن پر ہمیں اعتماد ہے۔ مِّنْ رَّبِّہٖ، اپنے رب تعالٰے سے یعنے موسٰی و عیسٰی علیہم السلام پر ہمیں اعتماد ہے انھیں لائیے تاکہ وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں تب ہم مانیں گے کہ آپ نبی ہیں چونکہ ان کی تعنت و سرکشی انتہا کو پہنچ چکی تھی اسی لیے باوجود بڑے بڑے معجزات دیکھنے کے پھر بھی ایسی بات کا مطالبہ کیا جو نہ کرنے کی تھی۔ اَوَلَمْ تَاْتِہِمْ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ○ کیا ان کے ہاں وہ تصدیقات نہیں تھیں جو پہلے صحیفوں میں تھا۔

ف: ہمزہ انکار للوقوع اور واو عاطفہ ہے یہاں ایک فعل مقدر ہے۔ بینہ دلالت واضحہ کو کہتے ہیں وہ دلالت حسیہ یا عقلیہ ہے یہاں قرآن مراد ہے کیونکہ اس میں دلائل واضحہ موجود ہیں اور لفظ ما سے عقائد حقیہ اور وہ اصول احکام مراد ہیں جن پر تمام امتوں کا اتفاق ہے الصحف، صحیفہ کی جمع ہے، وہ شے جس پر احکام منقوش ہوں اور حروف تہجی وہ ایک علیحدہ صحیفہ تھا جو آدم علیہ السلام پر اترا لیکن یہاں پر تورات، انجیل، زبور اور جملہ کتب مراد ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔

اب معنے یہ ہوا کہ کیا ان کے ہاں وہ جملہ آیات نہیں آئیں یا ان کے ہاں وہ خاص صحیفہ نہیں آیا جو 'صحف اولی' بلا شک ان کے ہاں وہ آیت آئی جو ام الآیات ہے اور باب اعجاز میں سب سے بڑی ہے یعنے وہ قرآن جس میں کہ

جملہ مضمون ہے یہی ان کی جمیع حقیقت کا شاہد ہے کہ اس نے جملہ امم کی صحیح خبریں دی ہیں کہ اس کے اعجاز نے دوسرے جملہ امور حقیقہ کے اثبات کے لیے غیر سے غنی کر دیا ہے یہ جملہ سابق کتب کا خلاصہ ہے باوجود یکہ این ہمہ اس کے لانے والے بھی اُمّی ہیں نہ کہ ان سابقہ امم کو دیکھا اور نہ ہی ان کی خبریں کسی سے پڑھیں یہ بیّن معجزہ ہے۔

ربط: اب بیان فرماتے ہیں کہ انھیں ان شرائع واحکام کے ترک پر کوئی عذر نہیں اور نہ ہی ان کا گمراہی کے راستہ پر چلنے کا کوئی اچھا کام ہے کما قال:

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ اور اگر ہم انھیں دنیا میں تباہ و برباد کر دیں بِعَذَابٍ جڑ سے اکھیڑنے والے عذاب سے۔ مِّنْ قَبْلِهٖ، اس کا تعلق اهلکنا سے ہے یعنی اگر ہم انھیں اٰیتان بیّنہ سے پہلے ہلاک کریں۔ یہ دراصل لو انا اهلکنا اهلکنا تھا کیونکہ لو دو فعلوں کو چاہتا ہے۔ پہلا فعل حذف کر دیا گیا تاکہ وہ عبث نہ سمجھا جائے جب کہ اس کا مفسر موجود ہے پھر ضمیر متصل (جو کہ فاعل ہے) سے ضمیر منفصل کو بدل بنا کر لایا گیا ہے یعنے انا ضمیر منفصل متصل سے بدل ہے کیونکہ اس نے جس کے ساتھ متصل ہونا وہ گر گیا اب اس کا متصل ہونا مشکل ہو گیا اسی لیے منفصل کر کے لایا گیا اس سے معلوم ہوا کہ انا فعل محذوف کا فاعل ہے مبتدا نہیں اور نہ ہی تاکید ہے اس لیے نحو میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں کہ موکد و عامل تو محذوف ہوں اور تاکید باقی رہے۔ لَقَالُوْا، تو قیامت میں احتجاجاً کہتے۔ رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَآ اے ہمارے پروردگار! تو نے کیوں نہ بھیجا الینا ہمارے ہاں دنیا میں۔ رَسُوْلًا کوئی رسول کتاب دے کر۔ فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ، تو ہم تیری نازل کردہ آیات کی اتباع کرتے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ، اس سے پہلے کہ ہم دنیا میں ضلالت اور عذاب قتل اور قید میں ذلیل و خوار نہ ہوتے جیسے ان کے ساتھ بدر میں ہوا۔ الذل بمعنے الهوان یعنے خواری صعوبت کی نقیض۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ الذل کبھی قہر سے اور کبھی بغیر قہر کے تعصب و شماس کے بعد ہوتی ہے کما قال تعالیٰ:

واخفض لهما جناح الذل من الرحمة

یعنے اب ان کے لیے مقہور جیسا ہو جائیے۔

وَنَخْزٰى اور ہم انھیں قیامت میں عذاب آخرت و دخول نار کے ساتھ ہوا کریں گے۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الخزی بمعنے کسی کو انکسار لاحق ہونا اپنی ذات سے یا غیر سے اپنی ذات سے لاحق ہو تو وہ حیاءً کامل یعنے شرمساری۔ اس کا مصدر الخزاية ہوگا اور جو غیر سے لاحق ہوگا تو حقارت و استخفاف کہلائے گا اس کا مصدر آئے گا۔

اب معنے یہ ہوگا کہ آخرت کے آنے سے پہلے ہم انھیں تباہ و برباد کریں گے تو ان کے تمام عذر منقطع ہو جائیں گے اس وقت اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہاں! ہم نے ڈرانے والوں کی تکذیب کی جب وہ ہمارے ہاں تشریف لاتے اور یہ بھی ہم نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے کوئی شے نازل نہیں فرمائی۔

سوال : الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ بندوں کے لیے وہ کام کرے جو ان کے لیے بہتر ہو ورنہ وہ حجت کے طور پر کہہ سکیں گے کہ اے پروردگار! تو نے ہمارے لیے یہ کام نہ کیا اسی لیے ہم ایمان نہ لاسکے (حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب نہیں)؟

جواب : اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا کوئی کام واجب ہوتا تو انھیں پیدا نہ فرماتا۔ انھیں پیدا کر کے ان کے ہاں رسل کرام کا بھیجنا ان کے لیے بہتر کام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا پھر اسے یہ علم تھا کہ ایمان نہیں لائیں گے اسی لیے ان کے ہاں حجت قائم کرنے کے لیے رسل کرام بھیجے اور پھر کتاب و معجزات سے اس حجت کو قائم کیا۔ ان کے اختیار ضلالت کو دیکھ کر ان سے توفیق سلب کرلی (وہ بحق مالکیۃ جو چاہے سو کرے)۔

قُلْ، ان سرکش کافروں کو فرمائیے۔ **كُلٌّ**، ہر ایک تمھارا اور ہمارا۔ **مُتَرَبِّصٌ**، انتظار کرتا ہے کسی امر کے انتظار اور اس کے زوال کو تربص کہا جاتا ہے یعنے ہم تم انتظار کرتے ہیں تم ہماری شکست کا اور ہم تمھارے عذاب کا۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ ہم تم اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں موت سے پہلے جہاد و ظہور دولت و قوت کے سبب سے یا موت کے بعد ثواب و عقاب کا۔ یا اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ حق والے سے انواع کرامات کا صدور اور اہل باطل پر اہانت حق کا ظہور ہوگا۔

شان نزول : مروی ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ ہم منتظر ہیں کہ کب (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) حوادث دہر کی لپیٹ میں آتے ہیں جس پر ہمیں خلاص نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

فَتَرَبَّصُوْا، تو انتظار کرلو۔ **فَسَتَعْلَمُوْنَ**، جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو تمھیں معلوم ہو جائے گا۔ **مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ**، صراط مستقیم والا کون ہے۔ اصحاب، صاحب کی جمع ہے بمعنے ملازم اور الصراط وہ سیدھا راستہ جس میں ٹیڑھا پن نہ ہو بلکہ سیدھا منزل مقصود تک پہنچانے والا ہو۔ **وَمَنِ اهْتَدٰى**۝ اور ہدایت یافتہ کون، ہم یا تم۔

کسی نے خوب کہا ہے

سوف تری اذا انجلی الغبار
افرس تحتك ام حمار

ترجمہ : جب غبار ہٹ جائے گی تو پھر دیکھ لوگے کہ تم گھوڑے کے سوار ہو یا گدھے کے۔

اس میں ان کے لیے تہدید شدید ہے۔

ف : کاشفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ آپ ہی ہدایت یافتہ اور راہ دکھانے والے ہیں۔ ؎

راہ دان و راہ بین و راہ بر
درحقیقت نیست جز خیر البشر

ترجمہ: راستہ جاننے اور دیکھنے اور دکھانے والے سوائے خیرالبشر کے اور کوئی نہیں (صلے اللہ علیہ وسلم)۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ واصل باللہ وہ ہے جو منازل طے کرتے ہوتے ماسوی اللہ سے علیحدہ اور غیر کے اتصال سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔

حضرت خجندیؒ نے فرمایا ؎

وصل میسر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ ببریدنست

ترجمہ: وصال الٰہی انقطاع کے بغیر مشکل ہے اور انقطاع یہ ہے کہ از ہمہ فارغ ہو جائے۔

ف: اللہ تعالٰے نے معذرت کا انقطاع یا امہال سے فرمایا ہے یا ارشاد سے اسی کے لیے حجت کاملہ ہے۔ (وہ جو چاہے کرے)۔

قیامت میں تین شخص سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے کے ہاں تین شخص حجت پیش کریں گے:

① زمانۂ فترت میں فوت ہونے والا عرض کرے گا کہ میرے ہاں کوئی رسول نہ آیا اور نہ ہی تو نے بھیجا (جس سے میں ہدایت پاتا)۔

② مغلوب العقل عرض کرے گا کہ نہ تو نے بخشی نہ میں ایمان لایا۔

③ صغرسن (نابالغ) عرض کرے گا کہ میں تو بچہ تھا مجھے کسی بات کی خبر نہ تھی۔

ان تینوں کی آزمائش کے لیے جہنم لائی جائے گی جس کے لیے علم الٰہی میں سعادت لکھی ہو گی اسے جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہو گا تو وہ فوراً داخل ہونے لگے گا اور جس کے لیے علم الٰہی میں شقاوت لکھی تھی اسے حکم ہو گا کہ جہنم میں داخل ہو جا۔ وہ اس میں داخل ہونے سے انکار کر دے گا۔ اللہ تعالٰے فرمائے گا کہ جب تم میری نافرمانی کر رہے ہو تو رسل کرام علیہم السلام کی بھی تکذیب کرتے، جب وہ تمہارے ہاں تشریف لاتے۔ (کذا فی التفسیر الکبیر)

فضیلت سورۃ طٰہٰ و یٰسین: حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں صرف سورہ طٰہٰ و یٰسٓ پڑھی جائے گی۔ (کذا فی الکشاف)۔

سورہ طٰہٰ بیس ۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ میں (تفسیر) ختم ہوئی۔

حسن اتفاق:

فقیر اویسی غفرلہ نے بھی بیس ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۴۰۰ھ بمطابق ۸ فروری ۱۹۸۰ء بروز ہفتہ ۹ بجے صبح ترجمہ ختم کیا۔

فللہ الحمد علی ذالک وصلی اللہ علی حبیبہ خیر

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ ۲۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۱۱۲ رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۂ انبیاء مکی ہے اور اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — ایک سو بارہ آیتیں ۱۱۲، سات رکوع ہیں

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ

لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہیں جب ان کے رب کے

ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا

پاس سے انہیں کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے۔ ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں اور

النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ

ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورت کی کہ یہ کون ہیں ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں کیا جادو کے پاس جاتے ہو

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ

دیکھ بھال کر نبی نے فرمایا میرا رب جانتا ہے آسمانوں اور زمین میں ہر بات

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۴ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ

کو اور وہی ہے سنتا جانتا بلکہ بولے پریشان خوابیں ہیں بلکہ ان کی گڑھت ہے بلکہ یہ شاعر ہیں تو

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ

ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں جیسے اگلے بھیجے گئے تھے ان سے پہلے کوئی بستی ایمان نہ لائی جسے ہم نے ہلاک

اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ

کیا تو کیا یہ ایمان لائیں گے اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جنہیں ہم وحی کرتے تو اے لوگو علم والوں

الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو اور ہم نے انہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَ

اور نہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں پھر ہم نے اپنا وعدہ انہیں سچا کر دکھایا تو انہیں نجات دی اور جن کو

اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا

چاہی اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کردیا۔ بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری جس میں تمہاری ناموری ہے

تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ ع

تو کیا تمہیں عقل نہیں

ع ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانبیاء مکیہ ہے اس کی آیات ایک سو بارہ اور رکوعات سات ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ۔ قرب و اقترب کا ایک معنٰے ہے مثلاً کہا جاتا ہے،
قرب الشئ و اقترب بمعنٰے دنا اسی طرح کہا جاتا ہے: قربت منہ۔

العیون میں لکھا ہے کہ یہاں پر لام بمعنٰے من اور فعل کے متعلق ہے اور اسے فاعل پر اسی لیے مقدم کیا گیا ہے تاکہ بندوں کے دلوں پر قیامت اور حساب و کتاب کا خوف جلد تر اثر انداز ہو۔ اس لیے کہ 'مقترب' کے بجائے اقتراب کا انھیں زیادہ خطرہ محسوس ہوگا۔ اور الناس سے اہل مکہ کے وہ مشرکین مراد ہیں جو مرنے کے بعد اٹھنے کے قائل ہیں جیسا کہ آنے والے مضمون میں لفظ غفلت و اعراض وغیرہما سے معلوم ہوتا ہے۔ اور الحساب بمعنٰے المحاسبۃ ہے، یعنی جو شئے بندے پر یا اس کے لیے ظاہر کی جائے تاکہ اس کی اسے جزا یا سزا دی جائے۔

ف: 'حساب' کے اظہار سے قیامت کا قریب ہونا مراد ہے اور یوم قیامت کو یوم الحساب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دن میں سب سے زیادہ وقت حساب پر صرف ہوگا بلکہ اسی وجہ سے یہ دن سخت ترین ہوگا۔ اسی دن کی سختی کو دیکھ کر بندوں کے دلوں پر خاصہ اثر پڑتا ہے اسی لیے کہ حساب سے انسان کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حساب کا دن انھیں قریب ہے یعنے جب ایک ساعت گذرتی ہے تو دوسری ساعت حساب کے لیے قریب ہو جاتی ہے علاوہ ازیں جتنا دنیا کا عرصہ گذر گیا ہے بقایا زندگی حساب کے لیے بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تمہارا (امت) کا بقا بہ نسبت گذشتہ امتوں کے ایسے ہے جیسے نماز عصر سے مغرب کا وقت۔

نکتہ: قیامت کے وقت کو پوشیدہ رکھنا انسان کے لیے مصلحت ہے اسی طرح موت کے وقت کے پوشیدہ ہونے میں بھی ایک راز ہے۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ مشرکین مکہ کا حساب کا وقت آگیا ہے کہ ان سے اللہ تعالٰے ان کے اعمال سیئہ کا حساب لے گا وہ قریب ہے۔

ف: کاشفی علیہ الرحمۃ نے بعض مفسرین سے نقل کیا ہے کہ اسے مشرکین مکہ! تمہارے مؤاخذہ کا وقت قریب آگیا ہے۔ انھیں اسی لیے یاد دلایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ یہی معنٰے قریب تر ہے اس لیے کہ موت کے بعد قیامت قریب ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی کسی کو قتل کر دے تو اس کے مؤاخذہ کا وقت اتنا بعید نہیں ہوتا اگرچہ کتنا وقت گذر جائے تب بھی اس کے لیے مؤاخذہ کا وقت ہر وقت سامنے رہتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے: من مات فقد قامت قیامۃ

(جو مرتا ہے اس کے لیے قیامت قائم ہو جاتی ہے)۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ ۔ وہ سہو و نسیان جو انسان کو قلتِ تحفظ و تیقظ کی وجہ سے طاری ہوتا ہے یعنے باوجودیکہ حساب قریب ہے لیکن وہ مکمل غفلت میں ہیں حالانکہ ان سے ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اور وہ اس تیاری سے بالکل فارغ بیٹھے ہیں انہیں معمولی طور پر توجہ بھی نہیں حالانکہ انہیں اعتراف ہے کہ ان کے اعمال کے ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اس کا انکار اور تکذیب کرتے ہیں حالانکہ ان کے عقول گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً حساب و کتاب ہوگا وہ اس لیے کہ عقل مانتی ہے کہ ہر عمل کی جزا ضروری ہے ورنہ فرمانبردار اور نافرمان کے درمیان فرق اٹھ جائے گا اور یہ حکمت اور عدالت کے خلاف ہے۔ **مُعْرِضُوْنَ** ○ وہ ایمان اور آیات اور ان ڈرانے والے امور سے بھی اعراض کرتے ہیں جو ان کی غفلت دور کرتی ہیں۔

اعرض بمعنے دنی مبد یا عرضہ یہ دونوں ھم ضمیر کی خبر ہیں۔ یاد رہے کہ چونکہ کفار کی غفلت جبلی اور فطری تھی اسی لیے ھم کی خبر اول ظرف مقرر کی گئی جو مستقر کے متعلق ہے بخلاف اعراض کے وہ ان کی فطرتی اور جبلی عادت نہیں تھی اور یہ جملہ حالیہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ جب انہیں نصیحت گر نصیحت اور ان کے حالات سے باخبر کرتا ہے تو بجائے ماننے کے اس کی نصیحت اور بات سے روگردانی کرتے ہیں چنانچہ فرمایا: ولکن لا تحبون الناصحین۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود
ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقائق بباراں روید ز سنگ

ترجمہ: جسے غلط خیالی سر میں ہو اس کے لیے گمان بھی نہ کرو کہ وہ حق سنے گا۔ اسے علم سے ملال آئے گی بارش کے وقت پتھر سے پھول پیدا نہیں ہوتے۔

العرائس للبقلی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کو حساب کی حاضری سے ڈرایا اور زجر فرمائی تاکہ وہ غفلت کے نشوں سے بیدار ہو کر برائیوں سے باز آ جائیں اور حساب کا وقت ہر ایک کو بالکل قریب تر ہے۔ اگر انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالےٰ نے ایک لمحہ میں تمام لوگوں کا حساب لے گا اور اس کا حساب بال کی کھال اتارنے کے مترادف ہوگا اور اسے وہی حضرات جانتے ہیں جو ہر وقت اور ہر قدم پہ اللہ تعالےٰ کی حاضری کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ وھم فی غفلۃ

یعنے وہ لوگ حجاب میں ہیں اللہ تعالےٰ کے مشاہدہ سے محروم ہیں اسی لیے اس کی طاعت سے روگرداں ہیں ایسے لوگوں کو نہ طاعات سے کچھ لذت نصیب ہوتی ہے نہ مشاہدہ سے کوئی حصہ پائیں گے۔

تفسیر عالمانہ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ نہیں آتا ان کے پاس کوئی حصہ قرآن مجید کے آیات کا جو انھیں حساب کی مکمل طور پر یاد دہانی کراتا ہے بلکہ انھیں غفلت کے خواب سے بیدار کرتا ہے گویا قرآن مجید ذکر کا عین ہے۔ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ یہ من مجازاً ابتدا غایت کے لیے اور یا تیھم کے متعلق ہے۔ اس میں قرآن مجید کی فضیلت و شرافت کا ذکر اور مشرکین نے جو اس کے ساتھ سلوک کیا اس کی مذمت ہے۔ مُّحْدَثٍ. مجرور اور ذکر کی صفت ہے یعنے اس کا منجانب اللہ نازل ہونا نیا نہیں بلکہ اس کریم کی حکمت کے تقاضا کے عین مطابق ہے اور بار بار کلام الٰہی کا نزول ان کو متنبہ کرنے کے لیے ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ باقی رہا اس کا بدلتے حالات کے وقت نازل کرنا تو وہ بھی ان کی مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے ہے۔ اس سے یہ کوئی نہ سمجھے کہ کلام الٰہی حادث ہے بلکہ کلام الٰہی تو قدیم ہے ہاں مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے حادث ہے۔ اسی لیے کہ وہ قدیم ازلی ذات کی صفت ہے تو جیسے ذات قدیم اور ازلی ہے ایسے ہی اس کی صفت بھی قدیم اور ازلی ہے۔

ہم نے یہ اس لیے لکھا ہے کہ ایتان سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کے حادث ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ قدیم نہ ہوتا تو مرکب از حروف و اصوات نہ ہوتا۔ ہم نے مانا کہ حروف و اصوات کی ترکیب حادث ہے لیکن کلام نفسی قدیم ہے۔

[کلام نفسی وہ معنیٰ قدیم ہے جو ذات باری تعالیٰ سے قائم ہے جسے ہم الفاظ سے بولتے اور سنتے ہیں جیسا کہ شرح عقائد میں ہے:

هو معنى قديم قائم بذات الله تعالىٰ يلفظ ويسمع بالنظم الدال عليه... الخ

کلام لفظی وہی نظم و عبارت ہے جس کی کلام نفسی پر دلالت ہے یعنے مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ کی تمام صفات مکمل طور پر صفات کمال ہیں جس طرح کسی صفت کمال کی اس سے نفی ناممکن ہے اسی طرح کسی صفت عیب و نقص کا اس کے لیے ثبوت بھی محال ہے۔

چنانچہ معتبر اور مستند تفاسیر میں ہے:

۱۔ قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(ومن اصدق من الله حديثاً) انكار (اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں) اس بات کی

ان تكون احد اصدق منه فانه لا يتطرق الكذب الى خبره بوجه لانه نقص وهو على الله تعالى محال۔

نفی ہے کہ کوئی ایک خدا سے زیادہ سچا ہو کیونکہ جھوٹ کسی طرح خدا کی خبر کی طرف راہ نہیں پاتا۔ کیونکہ جھوٹ عیب سے اور وہ خدا کے لیے محال ہے۔ (محشی)

۲۔ امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

(المسئلة السادسة) قوله ومن اصدق من الله حديثاً استفهام على سبيل الانكار والمقصود منه بيان انه يجب كونه صادقاً وان الكذب والخلف في قوله محال واما المعتزلة فقد بنوا ذالك على اصولهم واما اصحابنا فدليلهم ..... الخ

(چھٹا مسئلہ) اللہ تعالیٰ کا قول 'ومن اصدق' الآیۃ۔ بیان ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کا سچا ہونا واجب ہے اور کذب اور خلف اللہ تعالیٰ کے قول میں محال ہے۔ لیکن معتزلہ، پس انھوں نے اس کو اپنے اصول پر قائم کیا ہے اور ہمارے اصحاب پس ان کی یہ دلیل ہے آخر تک۔

۳۔ ایضاً

فقد جوزوا الكذب هذا خطا عظيم بل يقرب من ان يكون كفرا فان العقلاء اجمعوا على انه تعالى منزه عن الكذب انتهى۔

پس بے شک انھوں نے کذب کو جائز کہا اور یہ بہت بڑی خطا ہے بلکہ قریب بہ کفر ہے اس لیے کہ عقلاء نے اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کذب سے منزہ ہے۔

۴۔ تفسیر خازن میں ہے:

(ومن اصدق من الله حديثاً) اى لا احد اصدق من الله تعالى فانه لا يخلف الميعاد ولا يجوز عليه الكذب انتهى۔

اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے از روئے کلام کے، یعنے نہیں ہے کوئی زیادہ سچا اللہ تعالیٰ سے اس لیے کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ اس پر کذب جائز ہے۔

باری تعالیٰ کے کذب کے محال ہونے پر نہ صرف اہل اسلام، نہ صرف اہل ملل یہودی، نصرانی بلکہ ہر سمجھ دار کافر بھی اتفاق کئے ہوتے ہے مگر نبراس میں ہے:

واعلم ان اهل الملل اجمعوا على ان الكذب من الله محال۔ ص۲۱۹

یعنی تمام اہل ملت والوں کو اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جھوٹ محال ہے۔

(سوال) اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر تو ہو سکتا ہے، پھر تمہارا مدعا ثابت نہ ہوا (جواب) خدا کے برابر

کسی کا سچا ہونا اولاً تو مخالفین کے نزدیک بھی مردود ہے ثانیاً یہ کہ کلام عرب میں خصوصاً اور جمیع محاوراتِ اہل لسان میں عموماً یہ لفظ نفی مساوات کے لیے ہی آیا کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے :

ویفید نفی المساوات ایضاً کما فی قولھم لیس فی البلد اعلم من زید روح المعانی جلد ۵، ص ۱۰۵، وھکذا فی حاشیۃ العلامۃ الکازرونی علی البیضاوی، جلد ۲، ص ۱۰۶۔

یعنی یہ مساوات کی نفی کو بھی مفید ہے۔ چنانچہ محاورے میں کہتے ہیں شہر میں زید جیسا کوئی علم والا نہیں ہے۔

امکان کذب کے متعلق مزید ابحاث فقیر کی تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہوں۔ یا سبحان السبوح کا مطالعہ کیجیے۔[۱]

یاد رہے کہ قرآن مجید کا اطلاق کلام ازلی نفسی قدیم پر ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالے کی صفت ہے اسے جو شخص حادث کہے کافر ہے۔ البتہ اس کا اطلاق جب نظم متلو (تلاوت کردہ ترکیب) پر ہوتا ہے تو یہ حادث ہے اسے بھی جو قدیم کہے تو وہ اپنی جہالت و حماقت پر مہر ثبت کرتا ہے۔

اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ۔ یہ مستثنیٰ مفرغ اور محلاً منصوب ہے اسی لیے کہ ما یاتیھم کے مفعول سے استثنا ہے اور استمعوہ سے پہلے لفظ قد مقدر ہے۔ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ یہ استمعوہ کے فاعل سے حال ہے یعنے کفار کلام الٰہی کو سن کر ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ لعب سے مشتق ہے ہر وہ امر کہ جس کے کرنے سے مقصد صحیح کا ارادہ نہ ہو۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ۔ یہ دوسرا حال ہے لھا سے مشتق ہے یعنے ذھل و غفل۔

راغب (اصفہانی) نے لکھا کہ ہر وہ کام جو انسان کو مقصد و مراد سے باز رکھے مثلاً کہا جاتا ہے :

"لھوت ولھیت بکذا یعنے اشتغلت عنہ بلھو، یعنے میں نے انھیں لہو و لعب میں مشغول رکھا۔

اور کہتے ہیں :

الھاہ عن کذا یعنے شغلہ عما ھو اہم

اب معنی یہ ہوا کہ ان کے ہاں قرآن مجید نیا نہیں آیا مگر اس حال میں کہ کفار کا سننا لہو و لعب کے طور پر تھا اور وہ اس سے ٹھٹھا مخول کرتے اس میں کسی قسم کا غور و خوض نہیں کرتے اس لیے کہ نہایت درجہ کی غفلت میں ہیں اور اس میں تفکر و تدبر نہیں کرتے تاکہ اپنے انجام بخیر بنالیں لعب کو لہو پر مقدم کرنے میں تنبیہ ہے کہ کفار کو غفلت نے حق کو حاصل کرنے سے کوسوں دور رکھا ہوا ہے اور پھر ٹھٹھا مخول میں مشغول ہوتے کیونکہ ٹھٹھا مخول اسی لہو کا نتیجہ ہے جس کی وجہ

---

[۱] : (.....) اضافہ از اویسی غفرلہ۔

سے نہ حق کو پا سکے نہ انھیں اپنے انجام کے لیے تدبر و تفکر کا موقعہ ملا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قلب لاھی وہی ہے جو دنیا کے احوال میں شاغل اور احوال آخرت سے غافل ہو۔ اور واسطی نے فرمایا کہ کفار کے قلوب مصادر و موارد و مبدا و منتہی سے غافل ہیں اسی لیے ان کے لیے فرمایا: لاھیۃ قلوبھم۔

شعر

یا الٰہی بجود نا متناہی
از سوا دور کن دل لاھی

ترجمہ: اے اللہ! اپنے جودِ غیر متناہی سے ہمارے غافل دل کو ما سوٰی سے دور فرما۔

وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى:

حل لغات اسروا النجوی مصدر ہے بمعنے کسی کو راز کی بات کہنا۔ پھر اسے التناجی کا اسم قرار دیا گیا ہے بمعنے وہ بات جو ایک دوسرے کو راز کے طور پر کہی جاتے یعنے دو یا دو سے زائد انسانوں کے درمیان راز کی بات، مثلاً کہا جاتا ہے:

"تناجی القوم"

یہ اس وقت بولتے ہیں جب غیروں سے چھپ کر دو یا دو سے زائد انسان آپس میں باتیں کریں۔

راغب اصفہانی نے فرمایا: ناجیتہ ای ساررتہ یعنے میں نے اس کو راز کی بات بتائی اور اس نے مجھے۔

دراصل نجوۃ اس جگہ پر کوچ کر جانے کو کہا جاتا ہے جو اونچی جگہ ہو چونکہ اس نے دوسری زمین سے ہٹ کر اونچائی کو اختیار کر لیا ہے اسی لیے اسے نجوۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سرگوشی سے بات کرنے والے غیروں سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے عموماً پوشیدہ اور آہستہ بولتے ہیں اسی لیے ان کی بات کو نجوٰی سے تعبیر کیا گیا۔ اور پھر چونکہ پوشیدہ و آہستگی پر وہ مبالغہ کرتے تھے اسی لیے اللہ تعالٰے نے ان کے لیے فرمایا: واسروا النجوی۔

الَّذِينَ ظَلَمُوا، اور چھپے راز کی بات کہی ان لوگوں نے جنھوں نے شرک اور معصیت کا ارتکاب کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ یہ واسروا کی ھم ضمیر سے بدل ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ ظالم اسی وجہ سے ہیں کہ جو انھوں نے باتوں کو چھپا کر ایک دوسرے سے کہیں۔ اس کے بعد سوال ہوا کہ انھوں نے اپنے میں کونسی راز کی باتیں کہیں۔ جواب ملا کہ انھوں نے آپس کے راز و نیاز میں کہا:

هَلْ هٰذَآ ۔ ھل نافیہ ہے یعنے نہیں ہیں (حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) **اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** مگر تمھارے جیسا بشر کہ گوشت و پوست اور خون میں تمھارے مساوی ہیں۔ تمھاری طرح کھاتے پیتے ہیں جن چیزوں کا عام بشر محتاج ہوتا ہے وہ بھی انہی کے محتاج ہیں جیسے تم مرو گے وہ بھی مریں گے[1] جب وہ ان امور کے محتاج ہیں تو وہ

---

[1] بعینہٖ یہی باتیں آج کل کے وہابیوں، دیوبندیوں سے سنی جاتی ہیں۔ ۱۲

صرف بشر ہیں وہ رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ غلط ہے (معاذ اللہ) ظاہری چمڑے اور صاف جسم والے کو بشر کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کا چمڑا بالوں میں حیوانات کی طرح چھپا ہوا نہیں بخلاف دوسرے حیوانات کے کہ ان کے کسی کے جسم پر بال ہیں اور کسی پر پَر، اُون وغیرہ ہے۔ اور اس کا اطلاق واحد جمع ہر دونوں کے لیے برابر ہوتا ہے اور قرآن میں ہر جگہ لفظ بشر سے جسّہ اور اس کا ظاہر مراد ہے۔

اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ۔ ہمزہ انکار کے لیے اور فاء فعل مقدر پر عطف ہے۔ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ تاتون سے انکار کے لیے حال مقررہ اور استبعاد کے لیے حال مؤکدہ ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہارے جیسے بشر ہیں اور یہ جو مجموعہ قرآن لائے ہیں یہ جادو ہے پھر ایک دوسرے کو کہتے کہ جب تم مانتے ہو تو پھر تم ان کے ہاں کیوں حاضر ہو کر ان کی باتوں پر یقین کرتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ ان کا ہر کام جادو ہے۔

ف: کفار نے یہ باتیں اسی لیے کیں کہ ان کا عقیدہ تھا کہ رسول صرف فرشتہ ہو سکتا ہے کوئی انسان اللہ تعالےٰ کا نبی مرسل نہیں ہو سکتا اگر کوئی دعویٰ کرے تو غلط ہے۔ اگر نبی سے معجزات کا صدور ہو تو وہ انہیں جادو اور تخیلات اور مکر و فریب (جن کی کوئی حقیقت نہ ہو) کہہ کر ٹھکرا دیتے۔

ف: امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت میں طعنہ زنی کی کہ وہ بشر ہیں اور وہ معجزات جو ان سے صادر ہوتے ہیں وہ جادو ہیں۔ ان کا یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ نبوت کی صحت کا دار و مدار معجزات پر ہے نہ صور خیالیہ پر۔ جب کسی بندۂ خدا سے معجزات کا صدور ہو گا اسے نبی ماننا واجب ہو گا۔ جب انہوں نے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معجزات دیکھے تو ان پر واجب تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت پر ایمان لاتے ۔

لوح صورت بشوے و معنے جو
کہ صور برگ شد معانی بو

ترجمہ: تختی سے ظاہری صورت دھو ڈال اور معنے کو ڈھونڈ اس لیے کہ صورتیں تو بمنزلہ پتوں کے ہیں اور حقائق بمنزلہ خوشبو کے۔ اور مقصد خوشبو ہوتا ہے نہ کہ پتے۔

نکتہ: کفار نے حضور علیہ السلام پر بشری تہمتوں کو اپنے دل میں اس لیے چھپایا تاکہ وہ آپس میں مشورے اور مختلف تدبیریں تیار کر سکیں۔ اس لیے کہ مشورہ کرنے والوں کی عام عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے امور کو حتی الامکان دشمنوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔

حدیث شریف حضرت معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اپنی حوائج کی کامیابی کے لیے پوشیدہ رکھنے سے مدد چاہو، اس لیے کہ صاحبِ نعمت پر حسد

کیا جاتا ہے۔

قَالَ۔ اس کے فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب آپ کو بذریعہ وحی کفار کے اقوال واحوال اور ان کے پوشیدہ سرگوشیاں واضح اور منکشف ہوئیں[1]۔ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ، میرا رب تعالیٰ جانتا ہے ہر بات کو کھلا ہو یا پوشیدہ درآنحالیکہ تم کہو۔ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ، آسمان یا زمین میں جب ایسا وسیع العلم ہے تو پھر تمہاری سرگوشیاں اس کے آگے کس طرح مخفی رہ سکتی ہیں جب وہ تمہاری سرگوشیاں جانتا ہے تو پھر تمہارے اعمال کیسے نہیں جانیں گے۔ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝ اور وہ تمام مسموعات کو خوب جانتا ہے منجملہ ان کے تمہاری سرگوشیاں ہیں ان کا بھی اسے علم ہے اسی لیے تمہارے تمام اقوال وافعال کی تمھیں جزا دے گا۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ؛

حل لغات: اضغاث ضغث (بالکسر) کی جمع ہے وہ گھاس کا مٹھا جس میں خشک وتر ملا ہوا ہو۔ اور اضغاث احلام سے وہ پریشان خواب مراد ہیں جن کی تاویل میں اختلاط ہو۔ (کذا فی القاموس)

اور الاحلام حلم (بضم الحا وسکون اللام) بمعنے الرویاء (خواب) اور بضم اللام بمعنے عقل، ایک لغت میں آیا ہے الاحلام بمعنے مطلق خواب حق ہوں یا باطل اور اضغاث احلام (بمعنے اباطیل) کی طرف اضافت اضافۃ الخاص الی العام کے قبیل سے ہے اور یہ اضافت بمعنے من ہے الرویاء حق خواب اور الحلم باطل خواب پر بولا جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

الرویاء من اللہ والحلم من الشیطان۔ (رویا منجانب اللہ اور حلم شیطان کی جانب سے ہوتا ہے)۔

ف: یہ اعراض منجانب اللہ ہے کہ ایک حکایت سے قول دیگر کی طرف انتقال کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کرکے فرمایا کہ وہ نہ صرف میرے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر بشر کی رٹ لگاتے یا ان کے معجزات دیکھ کر انھیں جادوگر کہتے ہیں بلکہ ان کا نظریہ ہے کہ یہ قرآن ان کے پریشان خواب ہیں جو وہ نیند میں دیکھ کر عوام میں پھیلاتے ہیں (معاذ اللہ)

بَلِ افْتَرٰىهُ۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے قرآن مجید کے مضامین از خود گھڑ لیے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی انھیں حقیقت سے کوئی مناسبت ہے۔ بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ، اور یہ جو کچھ لاتے ہیں یہ تخیل شاعرانہ ہے جسے سننے والا سمجھتا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت ہے حالانکہ ان کے مضامین کی کوئی حقیقت نہیں۔

ف: مبطل اور کمزور انسان جب دلائل نہیں دے سکتا تو بالمقابل کے دلائل وبراہین کے سامنے ہتھیار ڈالتا ہے تو عالم تحیر میں

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ علم کے باوجود کفار کو سمجھانے کے لیے اس علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

ڈوب کر اس طرح کی باتیں کرتا ہے اور اپنے ایک باطل قول کو چھوڑ کر دوسرے باطل ترین کی طرف رجوع کرتا ہے جیسے مضمون ہٰذا میں ہے کہ پہلے اللہ تعالےٰ نے اعراض فرمایا پھر کفار نے اپنے کلام میں اعراض دراعراض کیا ان کا ہر اعراض مبنی بر بطلان ہے۔

تحقیقِ شعر امام راغب علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

شعرت بمعنی اصبت الشعر۔ اسی سے "شعرت کذا بمعنی علمت علما فی الدقۃ" مستعار ہے کہ وہ اصابۃ الشعر کی طرح ہے۔

بعض نے کہا کہ شاعر کو اس نام سے اسی لیے موسوم کرتے ہیں کہ وہ نہایت درجہ کا فطین اور دقیق معرفت رکھتا ہے۔

دراصل شعر علم دقیق کا نام ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

"لیت شعری"

اور عرف میں موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو اس طرح کے کلام پر قادر ہو اسے شاعر کہتے ہیں۔ بل ھو شاعر (اور اس طرح کی اور آیات) میں شاعر کو بعض مفسرین نے اسی معنے عرفی پر محمول کیا ہے اس لیے کہ کفار نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اسی لیے متہم کیا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کا ہر جملہ منظوم و مقفّٰی کے مشابہ ہے مثلاً: وجفان کالجواب وقدور راسیات۔ اور تبت ید ابی لھب وتب۔

لیکن بعض محققین نے کہا کہ کافروں کو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شاعر کہنا عرفی معنے کی وجہ سے نہیں اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے مضامین شاعرانہ اسلوب پر نہیں۔ چنانچہ اسے عجم کے بکریوں کے چرواہے بھی جانتے ہیں چہ جائیکہ فصحائے و بلغائے عرب۔ ہاں کفار[1] نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو شاعر بمعنے کاذب کہا۔ اس لیے کہ اہلِ عرب شعر سے کذب مراد لیتے ہیں اور شاعر کو کاذب کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادلہ کاذبہ کو شعر سے تعبیر کرتے ہیں۔

(چنانچہ فنِ منطق میں اس کا ایک مستقل باب موجود ہے)۔ اور (جاہلیت وغیرہ کے اشعار) کذب کے معدن سمجھے جاتے تھے۔ اہلِ عرب کا مقولہ مشہور ہے:

- احسن الشعر اکذبہ۔ سب سے بڑے کاذب کی نشانی یہ ہے کہ اس کے اشعار اچھے ہوں۔

اسی لیے حکمار نے فرمایا: ہم نے سچے پکے دیندار کو شعر گوئی کی طرف مائل نہیں پایا۔ ؎

در قیامت نرسد شعر بفریاد کسے
گر سراسر سخنش حکمت یونان گردد

---

[1] یہی تقریر وہابیہ کے سوال "وما علمناہ الشعر الخ" میں بیان کی جائے تفصیل تفسیر اویسی میں ہے۔ ۱۲

ترجمہ: قیامت میں شعر کسی کام نہیں آئے گا اگرچہ اس کے سخن میں تمام یونان کی حکمت موجود ہو۔

سوال: حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالٰی نے شعر گوئی ولایت کی علامت بتائی ہے کما قال:

از کرامات بلند اولیا
اولا شعر است آخر کیمیا

ترجمہ: اولیاء کی بہت بڑی کرامات میں سے پہلے شعر گوئی اور انتہائی کرامت کیمیا ہے۔

جواب: اس سے کلام موزوں بنانے کی قدرت مراد ہے ورنہ ولایت کے تقاضوں سے نہیں کہ خواہ مخواہ شعر گوئی میں لگے رہیں۔

فَلْيَأْتِنَا۔ شرط محذوف کی جزا ہے جیسا کہ کلام کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔

دراصل عبارت یوں تھی:

وان لم یکن کما قلنا... الخ اگر حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہیں جیسے ہم کہتے ہیں بلکہ ان کے دعویٰ کے مطابق وہ واقعی اللہ تعالٰی کے رسول ہیں تو لائیں ہمارے ہاں بہت بڑے آیات۔

بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ○ جیسے آیات پہلے رسل کرام لائے تھے جیسے ہاتھ کا سفید ہونا اور عصا کا سانپ بن جانا اور مردوں کو زندہ کرنا اور پتھر سے اونٹنی نکالنا وغیرہ، اگر وہ ایسے معجزات دکھائیں تو ہم ان پر ایمان لائیں گے۔

اس معنے پر ما موصولہ ہوگا اس کا عائد محذوف ہے اور کاف محلاً مجرور آیت کی صفت ہے۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ۔ مکہ کے مشرکین سے پہلے کفار ایمان نہیں لائے۔ مِّنْ قَرْيَةٍ "قریہ" ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس سے اہل قریہ مراد ہیں۔ یہ محلاً مرفوع اور اٰمنت کا فاعل ہے تاکید عموم کے لیے مِن زائد ہے۔

اَهْلَكْنٰهَا۔ ہم نے اس آبادی کے ساتھ ان میں رہنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا یعنے جب انھوں نے انبیاء کرام علیہم السلام سے معجزات طلب کیے اور ان کی طلب پر انبیاء علیہم السلام نے معجزات دکھائے لیکن معجزات کو دیکھنے کے باوجود انکار کیا تو ہم نے انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

یہ قریۃ کی صفت ہے۔

اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ○ ہمزہ وقوع کے انکار کے لیے ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ وہ کفار سابقین جنھوں نے انبیاء علیہم السلام سے معجزات طلب کیے۔ اور انبیاء علیہم السلام نے ان کی طلب پر معجزات ظاہر کیے تو وہ ایمان نہ لائے تو کیا یہ ایمان لائیں گے اگر ان کے سوالات و مطالبات پورے ہوں حالانکہ یہ

ان سے زیادہ سرکش اور خود مغز ہیں۔ کما قال تعالےٰ :

اکفارکم خیر من اولئکم یعنے تمہارے زمانہ کے کفار ان کفار جیسے ہیں جو نوح و ہود اور صالح و لوط علیہم السلام اور فرعون کے زمانہ میں تھے۔ وہ کفار طلب آیات میں اس شخص کی طرح تھے جو اپنے ہاتھوں آپ مارا جائے۔

حضرت حسان (بن ثابت) رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا :-

ولا تك كالشاة التی كان حتفها

بحفر ذراعيها فلم ترض محضرا

ترجمہ : اس بکری کی طرح نہ ہو جس کا ذبح ہونا اپنے دونوں ہاتھوں سے ہوا کہ زمین کھود کر چھری نکال دی حالانکہ وہ اس کھودنے کو پسند نہ کرتی تھی۔

واقعہ عجیبہ : منقول ہے کہ کسی شخص کو بکری ہاتھ لگی اس نے چاہا کہ بکری کو ذبح کرے لیکن چھری پاس نہ تھی، بکری بندھی ہوئی تھی وہ اپنے پاؤں سے زمین کو کریدتی رہی یہاں تک کہ اس سے چھری برآمد ہوئی تو اس شخص نے اس چھری سے بکری کو ذبح کر دیا۔

اب یہ مثال اس شخص کے لیے دی جاتی ہے جو اپنے ہاتھوں آپ مارا جائے۔

فائدہ رد وہابیہ : اس میں تنبیہ ہے کہ کفار کے مطالبہ پر معجزات ظاہر نہ کرنے میں ان پر رحمت و شفقت فرمائی گئی ہے اس لیے کہ ان کے حسب طلب اگر معجزات ظاہر ہوتے اور وہ ایمان نہ لاتے تو وہ تباہ و برباد کن عذاب کے مستحق ہوتے جیسے پہلے کافروں کے ساتھ ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کی امت کو تباہ کن عذاب قیامت نہیں آئے گا۔

(وہابیہ نے ایسے مقامات پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے عدم اختیار کا شور برپا کیا ہوا ہے۔ ان غریبوں کو حقیقتِ حال کا علم نہیں یا نبوت دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ آیت اگرچہ قیامت کے منکرین کے لیے نازل ہوئی ہے لیکن مضمون کے لحاظ سے ہمارے زمانہ کے بعض مدعیان اسلام کو بھی شامل ہے۔ وہ اس طرح کہ اس عالم دنیا میں اللہ تعالےٰ کسی خاص بندے میں قرآن مجید کے اسرار و رموز پیدا فرماتا ہے اور اسے علوم لدنیہ کے حقائق معلوم ہوتے ہیں تو ان کے منکرین بھی ان کے ساتھ پیدا فرما دیتا ہے جو ان کے کمالات و کرامات کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ ان کے ہر معاملے اور ہر کام پر ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب خواہشات نفسانی کی اتباع میں غافل اور شہوات دنیویہ سے متعلق ہو کر ان کے قلوب۔ ذکر الٰہی سے روگرداں اور اس کی طلب سے بھوے ہوئے ہیں اور اندرونی طور پر ان کی سازشیں ان ظالمین

سے ہیں جو اولیاء اللہ کے منکرین ہیں اور انھیں کہتے ہیں کہ تمھارا ہر کام اور ہر کلام جادو اور مکر و فریب پر مبنی ہے آپ انھیں فرمایئے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالے کے سپرد ہے وہ اہلِ سما یعنے قلوب اور اہلِ ارض یعنے نفوس کے امور کو جانتا ہے اس لیے کہ اہلِ قلوب کے اقوال کو سنتا اور اہلِ نفوس کے اقوال اور ان کے انکار کو جانتا ہے اور اسے ان کے دلوں کے راز اور ان کے افعال و اوصاف اور پوشیدہ اسرار کے اوصاف معلوم ہیں بلکہ محققین کے کلام کو وہ خیالات فاسدہ تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ انھوں نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالے کے الہامات ہیں اور بعض ان کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں یعنے جو کہتے ہیں یہ ان کی صداقت نفس اور ذکائے طبعی اور اس کی قوت سے ہے بعض نے کہا کہ انھیں کہو کہ اگر واقعی تم ولی اللہ ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ جیسے متقدمین مشائخ نے کرامات دکھائیں اللہ تعالے نے ان کے رد میں فرمایا کہ ان سے پہلے لوگوں نے جب اولیاء کرام کی کرامات دیکھیں اور پھر بھی انکار کیا تو ہم نے انھیں رسوائی اور دوری و محرومی سے تباہ و برباد کیا۔ ایسے لوگ ارباب حقائق سے اگرچہ کرامات بھی دیکھیں تو بھی اولیاء کرام کا انکار کریں گے اس لیے کہ یہ سابقہ منکرین کی طرح کفر پہ پیدا کیے گئے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مغز را خالی کن ازاں کار یار

تا کہ ریحان یابد از گلزار یار

تا بیابی بوے خلد از یار من

چوں محمد بوی رحمان از یمن

ترجمہ: انکار یار سے مغز کو خالی رکھ تاکہ تمھیں گلزار یار سے خوشبو نصیب ہو۔
تاکہ تمھیں یار کی بہشت سے خوشبو حاصل ہو جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتے تھے۔

۱۔ یک منارہ در ثنای منکراں

کو درین عالم کہ تا باشد نشاں

۲۔ منبری کو کہ بر آنجا مخبری

یاد آرد روزگار منکری

۳۔ روی دینار و درم از نامشان

تا قیامت میدہد از حق نشان

۴۔ سکۂ شاہاں ہمی گردد دگر !
سکۂ احمد ببین تا مستقر

۵۔ برزخ نقرہ ویاروی زری !
و انما بر سکۂ نام منکری

۶۔ ہر کہ باشد ہمنشین دوستان
ہست در گلخن میان بوستان

۷۔ ہر کہ با دشمن نشیند در زمن
ہست او در بوستان در کولخن

ترجمہ: ۱۔ منکروں کی یادگار دنیا میں رکھی گئی تا کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں ۔
۲ ۔ جب منکرین کی یادگار سے کوئی گذرتا ہے تو اسے وہ یاد دہانی کراتا ہے ۔
۳ ۔ روپوں اور سکوں پر وہ نام کندہ کراتے ہیں تا کہ قیامت تک نشان باقی رہے ۔
۴ ۔ لیکن بادشاہوں کے سکے مٹ گئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشان قیامت تک باقی ہے ۔
۵ ۔ سکہ ہو یا سونا کسی منکر کا نام کندہ ہے تو کیا ہوا ۔
۶ ۔ جو دوستوں کے ساتھ بیٹھتا ہے وہ باغ کے پھولوں پر ہے اگرچہ آگ کی بھٹی میں ہو ۔
۷ ۔ کوئی دشمن کے درمیان ہو تو وہ اگرچہ باغ میں ہو تب بھی سمجھو کہ آگ میں ہے ۔

اے اللہ ! ہمیں اولیاء اللہ کی مجلسوں میں بیٹھنے کی توفیق بخش اور قیامت میں ان کے ساتھ اٹھا، بحرمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا ، یہ کفار کے قول ، ھل ھذا الا بشر مثلکم ، کے قول کا جواب ہے ۔ ہم نے آپ سے پہلے تمام امتوں کی طرف ان کے ہم جنس وہ مرد بھیجے جو نبوت و رسالت کے اہل تھے ۔ نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ، ہم بواسطۂ ملائکہ شرائع و احکام و دیگر قصص و اخبار کے لیے وحی بھیجتے رہے ان کی اور آپ کی وحی میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے اور نہ ہی ان کی حقیقت کی مدلول میں کوئی تفاوت ہے اور جیسے آپ بشر ہیں وہ بھی بشر تھے ۔ جب یہ بات مسلم ہے تو پھر کفار کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی نبوت کو نہیں مانتے ، آپ کوئی نئے نبی بن کر تو نہیں آئے اور نہ ہی آپ کی وحی ان کی وحی کے خلاف ہے ۔ اب ان کی بدقسمتی ہے کہ آپ کی طرف غلط باتیں منسوب کر رہے ہیں ۔

فائدہ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰے ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کے تابعین پیدا فرماتا رہتا ہے اور انھیں وحی الہام سے مخصوص فرماتا ہے جیسے عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں حواریین پیدا فرمائے جنھیں عیسٰی علیہ السلام کی تابعداری کی برکت سے وحی الہام سے نوازا گیا۔

کما قال تعالٰے :

واذا اوحیت الی الحواریین ان امنوا بی و برسولی۔ — اور جب ہم نے حواریین کی طرف وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول علیہ السلام پر ایمان لاؤ۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ پہلے ہم نے بتایا ہے کہ ذکر کا اطلاق کتب الٰہیہ پر ہوتا ہے یعنے اگر تم مذکور بیان کو نہیں جانتے تو اے کافرو! جاہلو! اہل کتاب سے پوچھو جو سابقہ رسل کرام علیہم السلام کے حالات کو جانتے ہیں ان سے سوال کرنے سے تمھارے شبہات زائل ہو جائیں گے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ جم غفیر کی خبر بھی علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

ف : یہ اس لیے فرمایا گیا کہ وہ مشرکین جو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں شب و روز لگے رہتے تھے۔ وہ ان اہل کتاب سے بھی حضور علیہ السلام کے متعلق مشورہ لیتے تھے اور انھیں یہ بھی اقرار تھا کہ پہلے رسل کرام علیہم السلام بشر تھے اگرچہ اہل کتاب کو صرف ہمارے نبی علیہ السلام کی نبوت سے انکار تھا۔

ف : حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ آپ کو اصول و فروع پر اس قدر زیادہ وسعت کیسے نصیب ہوئی۔ آپ نے یہی آیت پڑھ کر فرمایا کہ اہلِ علم سے سوال علوم پر حاوی ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا :

حل لغات : الجسد۔ انسان، جن اور ملائکہ کے جسم کو کہا جاتا ہے۔

ف : امام راغب رحمۃ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ الجسد، الجسم کی طرح ہے لیکن جسد، جسم سے اخص ہے اس لیے کہ جسد، وہ ہے جس میں لون (رنگ) ہو اور جسم وہ ہے جس میں رنگ وغیرہ نہ ہو جیسے پانی ہوا اور یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اسی لیے منصوب ہے۔ اس کا معنٰے یہ نہیں کہ پہلے جسد نہیں تھے اب انھیں جسد بنایا گیا جیسا کہ جعل بمعنے تصییر کا تقاضا ہے بلکہ اس کا معنٰے یہ ہے کہ ہم نے ابتداءً انھیں جسد بنایا ہے جیسے "سبحان من صغر البعوض وکبر الفیل" میں ابتداء کا معنٰے مفہوم ہوتا ہے۔

لَا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ یہ جسد کی صفت ہے۔ اور طعام گندم اور ان اشیاء کو کہا جاتا ہے جو کھانے لائق ہیں اور الطعم صرف غذا (کھانے) کو کہتے ہیں یعنے ہم نے انبیاء علیہم السلام کو ایسے اجسام پیدا نہیں کیا جو کھانے

اور پینے سے مستغنی ہوں بلکہ وہ طبعی طور پر کھانے پینے کے محتاج ہیں تاکہ کھانے پینے سے جسم میں زندگی بسر کی جا سکے۔ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ اور نہ ہی وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے اس لیے کہ جو شے بھی اس طرح کی زندگی رکھتی ہے وہ قابلِ فنا ہوتی ہے اور خلود شے کے تغیر و فساد سے بری ہونے کو کہتے ہیں اور وہ شے جو اپنی پہلی حالت پہ باقی رہے۔ لیکن یہاں پر تادیر سلامت رہنے کو کہا جاتا ہے جیسے ملائکہ کرام کہ یہ اس عالمِ دنیا میں تادیر رہ کر آخر فانی ہوں گے اور کفار کا عقیدہ تھا کہ ملائکہ کرام علیہم السلام کو موت نہیں۔

اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کو اجسام بنایا ہے کہ وہ طبعی طور پر غذا کے محتاج ہیں اور ایک مدت کے بعد ان پر موت طاری ہوگی۔

یاد رکھئے کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے سے

انبیاء کو اجل آنی ہے فقط آنی ہے۔

یہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ نہیں بلکہ بشر ہیں اگرچہ ملائکہ کرام کو بھی خلود نہیں بلکہ ایک دن ان پر بھی موت آئے گی۔

ردِّ وہابیہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام میں طبعی طور پر طعام کی ضرورت رکھی گئی ہے بخلاف ملائکہ کرام کے کہ ان کی طبیعت کو طعام وغیرہ کی ضرورت نہیں اور انبیاء و اولیاء میں طعام کی ضرورت نبوت و ولایت کے کمال کے منافی نہیں اس لیے کہ طعام وغیرہ کی ضرورت ان کے احوال لوازم اور ان کے کمال کے توابع سے ہے اور ان کے لیے طعام وغیرہ میں چند فوائد ہیں:

(۱) طعام روحِ حیوانی (جو روح انسان کا مرکب ہے) کے لیے ایسے ضروری ہے جیسے چراغ کے لیے تیل۔ اور یہی جمیع صفات نفسانیہ شہوانیہ کا سرچشمہ ہے اور وہ یہی شوق و محبت کی سواری ہے اور اسی شوق و محبت سے سالک صادق بقعۂ محرومی کے راستے طے کرتا ہے اور اسی سے عاشق صادق فراق اور جدائی کی ہلاکتوں سے گذر کر کعبۂ وصال تک پہنچتا ہے۔

(۲) طعام خواہش نفسانی کا نتیجہ ہے یہی طعام نفس کو خواہشات کی طرف لاتا ہے پھر مرد مولیٰ نفس کو خواہشات کو روک کر واصل باللہ ہوتا ہے۔ کما قال تعالٰے:

ونھی النفس عن الھوی۔

اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں:

لولا الھوی ما سلك احد طریقا الی اللہ۔ اگر خواہشاتِ نفسانی نہ ہوتیں تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچتا۔

(۴) بہت سے وہ علوم جو اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام کو سکھائے ان سے اکثر اکل طعام سے متعلق ہیں مثلاً، مذوقات کے ذوق اور تلذذ بالمشتہیات اور لذتِ شہوت و جوع وعطش بشبع (سیر ہونا) پیاس ہضم الطعام، اس کا ثقیل ہونا اور صحت، مرض، دار، دوا وغیرہ کا علم اسی طرح وہ علوم جو فن طب سے متعلق ہیں اور وہ علوم جو ان کے توابع ہیں جیسے ادویہ کی معرفت اور گھاس، پھول، بوٹی اور ان کے خواص و طبائع وغیرہ کے علوم اسی اکل طعام سے متعلق ہیں۔

ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اکل طعام کے بے شمار فوائد ہیں۔

حکایت: کسی ایک صوفی محقق پر اسم "الصمد" کی تجلیات جلوہ گر ہوئیں تو انھوں نے چھ ماہ نہ کھایا نہ پیا۔ ان کے شیخ اور پیر و مرشد نے فرمایا کہ بیٹے! کچھ نہ کچھ کھالیا کرو اس لیے کہ کمالاتِ محمدی کا راز کھانے اور نہ کھانے اور سونے اور بیدار رہنے وغیرہ میں مضمر ہے ورنہ اسلام میں رہبانیت کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ ہاں مکن خود را خصی رہبان مشو
زانکہ عفت ہست شہوت را گرو

۲۔ بی ہوا نہی از ہوا ممکن نبود
ہم غزا بر مردگان نتوان نمود

۳ پس کلوا از بہر دام شہوتست
بعد ازاں لاتسرفوا آن عفتست

۴۔ چونکہ رنج صبر نبود مر ترا
شرط نبود پس فرو ناید جزا

۵۔ حبذا آن شرط و شادا آن جزا
آن جزای دل نواز جانفزا

ترجمہ: (۱) خبردار اپنے آپ کو خصی رہبان نہ ہو اس لیے کہ عفت شہوت کی گرو ہے۔

(۲) خواہش کے بغیر شہوت سے نہیں روکا جاتا۔ اور مردوں کے ساتھ جنگ نہیں لڑی جاتی۔

(۳) کلوا (کھاؤ) کا حکم بھی شہوات کی پھانسی ہے۔ اس کے بعد لا تسرفوا (حد سے نہ بڑھو) کا حکم عفت ہے۔

(۴) اگر کسی کو صبر کا رنج برداشت نہیں تو اسے جزا نہیں ملے گی۔

(۵) شر بھی خوب اور جزا بھی بھلی، وہ جزا دلنواز واہ واہ۔

ف: امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: قیامت میں چار شخصوں کی عبادت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا:

(۱) زاہد خصی۔

(۲) لشکری کا تقویٰ، جو بوجہ مجبوری اپنے آپ کو متقی بنائے اور جو مخلصانہ طور پر ہر فعل و قول میں اللہ تعالےٰ کا خوف اور تقویٰ رکھے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

(۳) عورت کی امانت، جیساکہ ہم نے فوجی کے لیے کہا اسی طرح عورت کے لیے سمجھئے۔

(۴) نابالغ لڑکے کی عبادت، یہ اکثریت پر محمول ہے ورنہ ان سب کی عبادات اللہ تعالےٰ کو محبوب ہیں۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اور فعل صدق دوسرے مفعول کی طرف حرف جر سے متعدی ہوتا ہے اور وہ یہاں واختار موسیٰ قومہ کی طرح محذوف ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی پھر ہم نے ان کے ساتھ وعدہ پورا کر دکھایا کہ وحی کے منکرین کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَ مَنْ نَّشَآءُ، پس انھیں اور ان پر ایمان والوں کے علاوہ دوسروں کو جنھیں ہم نے چاہا نجات بخشی یعنے جنھیں باقی رکھا گیا ان کے باقی رکھنے میں حکمت الٰہی کا تقاضا تھا وہ خود یا ان کی اولاد سے جنھوں نے دولت ایمان سے نوازا جانا تھا اور عرب کو دائمی عذاب سے نجات بخشنے کی حکمت بھی یہی تھی کہ ان کی اولاد کو دولت اسلام نصیب ہوئی۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ ومن نشاء سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ صرف ان پر ایمان لانے والے محفوظ ہوئے باقی تمام کفار ہمہ گیر عذاب میں تباہ و برباد ہو گئے تھے جیساکہ دوسرے مقام پر واضح الفاظ میں فرمایا:

ثم ننجی رسلنا والذین اٰمنوا کذلک حقا علینا ننج المومنین۔

اور اہل عرب چونکہ عذاب سے محفوظ رہے صرف اسی لیے کہ ان کی نسلوں سے اہل ایمان پیدا ہونے تھے اسی لیے اولاً ان پر عذاب نہیں آیا اگر بعض مواقع پر مبتلا ہوتے تو ان میں سے وہ بچ گئے جو خود مسلمان ہوئے یا ان کی نسلوں سے ایمان لانے والے پیدا ہوتے جیسے بدر کی لڑائی سے واضح ہے۔

وَ اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ○ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ تجاوز عن الحد سے ان کا کفر اور معاصی کا مرتکب ہونا مراد ہے۔

راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس کا مادہ السرف ہے بمعنے المتجاوز عن الحد فی کل فعل یفعلہ الانسان، ہر وہ کام جو انسان کرے اس کی حد سے آگے بڑھنے کو عربی میں سرف کہتے ہیں اگرچہ انفاق میں اس کا

استعمال زیادہ مشہور ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ، ہم نے تمھاری طرف نازل فرمائی ہے۔ کِتٰبًا، کتاب عظیم الشان ومنیر البرہان۔ فِیْهِ ذِكْرُكُمْ، اس میں تمھارے لیے نصیحت ہے اور اچھے وعدے دیئے گئے ہیں تاکہ تم نیکی کی طرف رغبت کرو۔ اور اس میں وعیدیں ہیں تاکہ تم خوفِ خداوندی سے ڈرو، نہ یہ جادو ہے نہ شعر (جھوٹ) ہے نہ پریشان خیالات ہیں اور نہ نبی علیہ السلام نے اسے اپنی طرف سے گھڑا ہے جیسے تمھارے دعاوی ہیں۔ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝** 'فا' عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جو کہ افلا تتفکرون ہے یعنے کیا تفکر و تدبر کو کام میں لے کر سمجھتے نہیں کہ معاملہ یوں ہے۔

بعض نے کہا کہ یہاں 'ذکر' بمعنے شرف ہے یعنی تمھاری شرافت و بزرگی اسی کتاب میں ہے کہ یہ تمھاری زبان عربی میں نازل ہوئی ہے۔

ف، کاشفی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ آیت ھذا میں حفاظِ قرآنِ مجید کی شرافت و بزرگی کا بیان ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اشراف امتی حملۃ القرآن۔ میری امت کے بزرگ ترین لوگ قرآن مجید کے حفاظ ہیں۔

اسی معنے کی تائید و تاکید کرتا ہے۔ لیکن اسمی و رسمی حفاظ مراد نہیں بلکہ جو قرآن مجید کی تلاوت پر مداومت اور اس پر عمل کی مواظبت رکھتے ہیں۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للفناری)۔ ؎

اہلِ قرآنند اہلُ اللہ و بس

اندر ایشان کے رسی اے بوالہوس

اہل باشد جنس و جنس این کلام

نیست جز مرغی کہ پر وازد زدام

ترجمہ: اہلِ قرآن ہی اہلِ اللہ ہیں ان کے مرتبہ کو تم اے ابوالہوس کیسے پہنچ سکتے ہو اس لیے کہ اہل اسے کہتے ہیں جو اس کلام کا ہم جنس ہو ورنہ اس کی مثال اس پرندے کی سی ہے جو قید سے چھوٹ کر بھاگے۔

حدیث شریف (۱) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ کے دو اہل ہیں وہی دراصل ایک ہیں اہلِ قرآن وہی اہلِ اللہ ہیں یعنے اس کے خواص بندے ہیں۔

ف: اجوبہ، ہمارے دور کے ملحدین یعنے منکرین حدیث اپنے آپ کو اہلِ قرآن اور ہمارے دَور کے معتزلہ وہابی غیر مقلدین اپنے آپ کو اہلحدیث کہلوا کر لکھوا کر اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں۔ ۱۲

حدیث شریف (۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصال کی گھڑی قریب ہوئی تو ہم اپنی اماں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ پاک میں جمع ہوئے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا تو آپ کی چشمان مبارکہ سے آنسو بہہ نکلے اور مرحبا خوش آمدید (اللہ تعالےٰ تمھیں زندہ رکھے، اللہ تعالےٰ تم پر رحم فرمائے) کہا اور فرمایا: میں تمھیں اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور تقوےٰ کی وصیت کرتا ہوں، اب میرا تم سے جدائی، اور اللہ تعالےٰ کی طرف اور سدرۃ المنتہیٰ کی طرف چلے جانے کا وقت قریب ہے اور اب میں جنۃ الماویٰ کی طرف جانے والا ہوں۔ میرے وصال کے بعد مجھے میرے اہل بیت غسل دیں گے اور مجھے انہی کپڑوں میں یا یمنی کپڑوں میں کفنائیں گے۔ پھر جب تم میرے غسل وکفن سے فراغت پالو تو میرا جنازہ (مبارک) میری لحد کے قریب رکھ کر تم سب باہر چلے جانا اس لیے کہ میری نماز جنازہ سب سے پہلے میرے حبیب جبرائیل پھر میکائیل پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت اپنے ساتھیوں سمیت پڑھیں گے۔ اس کے بعد تم جماعت در جماعت ہو کر پڑھنا۔[۱]

---

[۱]: ہم اہلسنت تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے مبارکہ کو جنازہ کہنا بھی بے ادبی سمجھتے ہیں لیکن کیا کریں اس کا بدل لفظ نہیں ملتا۔ لیکن باوجود اس ہمہ ہم شریعت کے قانون کا انکار نہیں کرتے آپ پر موت طاری ہوئی اس کے بعد آپ دائمی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا جنازہ عام اموات کی طرح نہ پڑھا گیا بلکہ اس میں ہر ایک صحابی نے اپنی مغفرت کے لیے شفاعت طلب کی افسوس ہے کہ وہابی تو حضور علیہ السلام کو عام میت کی طرح مانتے ہیں۔ اور دوسری طرف شیعہ صحابہ کرام بالخصوص صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی جنازہ مبارکہ میں شمولیت نہیں مانتے۔

اس مسئلہ پر مستقل کتاب فقیر نے لکھی ہے اس سے چند حوالے لیجئے:

(۱) جلاء العیون میں ہے:

وقت نماز جنازہ حضرت رسول خدا ابوبکر نے چاہا کہ پیش امام ہو۔ امیر المومنین نے ہٹا دیا ہے۔ اور خود امامت کی۔ بعد اس کے اجازت دی۔ اصحاب دس دس داخل ہوتے اور درود بھیجتے تھے یہاں تک کہ اہل مدینہ و اطراف مدینہ حضرت پر درود بھیجتے تھے... الخ

اور ایسا ہی کتاب اظہار الہدیٰ صہ ۲۰۵ میں ہے۔ اور اصول کافی صہ ۲۳۶ معتبر کتاب شیعہ سے امام جعفر علیہ السلام سے مذکور ہے:

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قبض النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صلت علیہ

کہا حضرت امام جعفر محمد باقر نے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو تمام ملائکہ و تمام مہاجرین و

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

الملئکة والمهاجرون والانصار فوجاً فوجاً... الخ

انصار نے فوجاً فوجاً نماز جنازہ آپ کی ذات پر پڑھی۔

اور کتاب ماتم جلد ا صـ ۶۵ پر بھی لکھا ہے :

عن ابی جعفر علیه السلام قال قال الناس کیف الصلوة علیه فقال علی علیه السلام ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم امامنا حیا ومیتا فدخلوا علیه عشرة عشرة فصلوا علیه یوم الاثنین ولیلة الثلثاء حتی الصبح ویوم الثلثاء حتی صلی علیه صغیرهم وکبیرهم وذکرهم وانثاهم ونواحی المدینة بغیر امام. الخ

کہا امام جعفر نے کہ لوگوں نے آپس میں کہا کہ آپ کی ذات کا جنازہ کیونکر پڑھیں گے۔ پس کہا علی متقی نے آپ کی ذات حیاتی ومماتی میں ہماری امام ہے۔ لہٰذا آپ کی ذات پر دس دس آدمی کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھو۔ پس روز دوشنبہ نماز شروع ہوئی سہ شنبہ ومنگل تک برابر بارہ پہر تک نماز اسی صورت میں ہوتی رہی اور تمام چھوٹوں اور بڑوں اور عورتوں اور مردوں نے اور تمام گرد و نواح مدینہ والوں نے بغیر امام کے نماز ادا کی

کتاب اہلسنت، شمائل ترمذی صـ ۳۰ کے حاشیہ میں بایں طور مسطور ہے :

قال ابوبکر یدخل قوم فوجاً فوجاً وکل واحد منهم یصلی علیه علیحدة وقال علی ابن ابی طالب رضی الله عنه ما یوم علیه لانه امامنا حال حیاته وامامنا حال مماته وقال ابوبکر ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اوصی بذلك الوجه وقع التاخیر فی دفنه... الخ

فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ لوگ فوج فوج داخل ہوکر آں حضور علیہ السلام کے جنازہ کی نماز ہر ایک نے ان میں سے علیحدہ علیحدہ پڑھی۔ اور کہا حضرت علیؓ نے کہ کوئی امام نہ بنے کیونکہ آپ کی ذات ہماری حیات وممات میں امام ہے۔ اور کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی۔ اور اسی لیے حضور کے دفن کرنے میں دیر ہوئی۔

فتح المبین صـ ۱۴۸ پر لکھا ہے :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

(بقیہ حاشیہ صـ ۹۰۸

اور کہتے :

یا رسول اللہ انت نور ربنا و شمع جمعنا و سلطان امرنا اذا ذہبت عنا الی من نرجع فی امورنا۔

اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے رب کے نور اور ہماری مجلسوں کی شمع اور ہمارے جملہ امور کے سلطان تھے جب کہ اب آپ ہم سے رخصت ہوگئے تو پھر ہم اپنے امور کس کے ہاں لے جائیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

ان عبارات سے صاف صاف معلوم ہوا کہ تمام اصحاب مہاجرین و انصار نے آپ کے دفن کرنے سے پہلے نماز جنازہ ادا کی۔ اور اس پر یہ دلیل بھی شاہد ہے کہ جب آپ کی ذات کا جنازہ تیار ہوا اور دس دس آدمی داخل ہوتے اور نماز جنازہ پڑھتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ دروازہ میں کھڑے ہو کر لوگوں کو کہتے کہ خالی کرو جنازہ کو اہل اس کے کردہ یہ ہے :

نادی عمر ابن الخطاب خلوا الجنازۃ و اھلھا ۔۔۔۔ الخ (نقل از ماثبت بالسنۃ صہ ۱۲۴۔ مؤلفہ شیخ عبدالحق)۔

اور اگر شیعہ کہیں کہ اصحاب ثلاثہ تو خلافت کے جھگڑے میں مشغول رہے اور آپؐ کا جنازہ نہ پڑھا اگر پڑھا بھی تو بعد دفن کے پڑھا ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر کی تمام عبارتوں سے صاف معلوم ہو چکا ہے کہ قبل از دفن آپ کے تمام صحابہ نے جنازہ ادا کیا۔ اور اگر معترض کو سمجھ نہیں آئی تو فقیر دوبارہ تحریر کر دیتا ہے :

کتاب ماثبت بالسنۃ صہ ۱۱۸ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے پیر کے روز ۱۱ھ میں ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو انتقال فرمایا تو اس الم سے حضرت عمر و عثمان و علی اور تمام صحابہ کرام دیوانوں کی طرح ہو گئے تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق اپنے گھر سے دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور روئے اور پیشانی مبارک کا بوسہ لیا۔ اور جب ان کو ہوش آیا تو فرمایا: صبر کرو۔ اور خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ فنا کا مقام ہے ہر ایک چیز ماسوا اللہ کے فنا ہونے والی ہے۔ اور اسی اثنا میں ایک محلہ بنی ساعدہ، میں تنازعہ دربارۂ خلافت شروع ہوا۔ اہل مدینہ یعنی انصار کہتے کہ خلیفہ ہم سے ہونا چاہیئے۔ جب یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بنی ساعدہ یعنی سعد بن عبادہ کے گھر مشورہ کے لیے تشریف لائے اور وہاں تمام مہاجرین و انصار سے گفتگو کی۔ اور تمام مہاجرین و انصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر خلیفہ اول نے منبر پر خطبہ پڑھا اور حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی طلب کیا۔ اور انھوں نے بڑی خوشی سے خلیفہ اول کی بیعت کی۔ اور یہ بہت صحیح ہے۔ نقل از تفریح الاحباب صہ ۳۴۔ اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے کتاب مذکورہ صہ ۱۲۶ پر لکھا ہے :

جب یہ مقدمہ طے ہوا تو پھر تمام اصحاب مہاجرین و انصار آپ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ دُمُو لہذا :

(بقیہ حاشیہ صفحہ

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمھارے ہاں بہت بڑی روشن دلیل چھوڑے جا رہا ہوں یعنے ایسا طریقہ واسع و واضح کہ جس کی شب دن سے زیادہ روشن ہے۔ اور تمھارے ہاں ---- (بقیہ متن صفحہ نمبر ۲۶ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ولما فرغ الناس من بیعتہ ابی بکرٍ و جمعھم اللہ ومما اھتم بہ اصحابہ بعد موتہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقرر الامر علی ابی بکر اقبلوا علی تجھیز النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاشتغال بہ ... الخ

یعنے جب لوگ ابوبکر کی خلافت سے فارغ ہوتے۔ اور اللہ نے ان کو متفق کر دیا اور اس سے کہ جس کا صحابہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کے بعد اتہام کیا تھا اور خلافت ابوبکر پر ٹھہر گئی تو پھر حضور علیہ السلام کی تجہیز و تکفین اور اس کاروبار پر متوجہ ہوئے۔ اور سب سے پہلے تمام صحابہ سے حضرت علی و ابن عباس و بنو ہاشم نے آپ پر نماز پڑھی پھر مہاجرین میں سے ابوبکر صدیق وغیرہ نے۔ پھر تمام اصحاب انصار رضی اللہ عنہم نے۔

ضمیمہ جاتِ مقبول ترجمہ ص ۴۵ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے کے متعلق لکھا ہے :

"جناب سردار دو عالم نے وفات پائی تو جوق جوق مہاجرین و انصار اور ملائکہ نے آں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا"

شیعہ کی معتبر تفسیر صافی کے ص ۴۲۶ پر امام محمد باقرؓ کا فرمان مذکور ہے :

لما قبض النبی صلت علیہ الملٰئکۃ والمھاجرون والانصار فوجاً فوجاً۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد فرشتوں اور مہاجرین و انصار نے فوج در فوج ہو کر آپ پر نماز جنازہ (صلوٰۃ وسلام) پڑھی۔

حیات القلوب جلد دوم ص ۶۶۴ پر مہاجرین و انصار کے متعلق ثابت ہے کہ یہ سب حضرات حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں شامل ہوئے :

و ایشاں بر آں جناب صلوات مے فرستادند و بیروں مے رفتند تا آنکہ ہمہ مہاجراں و انصار چنیں کردند۔

یہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجتے اور حجرۂ مبارکہ سے باہر نکلتے تھے یہاں تک کہ سب کے سب مہاجرین و انصار نے اس طرح جنازہ پڑھ لیا۔

مزید تحقیق اور حوالے فقیر اویسی غفرلہٗ کے رسالہ 'جنازہ نبی علیہ السلام' کا مطالعہ کیجئے۔

(بقیہ متن صفحہ)

"دو واعظ چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک ناطق اور دوسرا صامت۔ ناطق قرآن اور صامت موت ہے۔ جب تمہیں کسی معاملہ میں اشکال ہو تو قرآن مجید اور سنت (حدیث) کی طرف رجوع کرو اگر دلوں پر زنگ کا غلبہ ہو تو موت کو یاد کرو۔

حدیث شریف (۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو قرآن مجید بچپن میں پڑھتا ہے تو قرآن مجید اس کے رگ و ریشہ میں گھل مل جاتا ہے اور جو کبر سنی میں پڑھتا ہے اور اس کا پڑھنا اسے مشکل ہو جاتا ہے لیکن وہ اسے چھوڑتا نہیں تو اسے دوہرا ثواب نصیب ہوگا۔

پہلے کی وجہ یہ ہے کہ صغر سنی میں مشاغل و شواغل بہت کم ہوتے ہیں اس لیے پڑھنے میں قلب خالی ہوگا تو قرآن مجید قلب پر زود تر اثر انداز ہوگا۔

شاعر نے کہا ؎

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی

فصادف قلبا خالیا فتمکنا

ترجمہ: اس کی محبت نے اس وقت سے مجھے گھیر لیا جب کہ میں محبت کو جانتا نہیں تھا جب اس نے میرا دل خالی پایا تو اس میں گھر کر رہ گیا۔

اور قرآن دوسرے میں داخل ہوگا تو کبر سنی کی وجہ سے عقلی کمزوری یا زبان پر حروف نہ چڑھ سکیں گے اس پر اسے قرآن پڑھنا دشوار ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی قرآن پڑھے اور اسے اس کا پڑھنا دشوار ہو تو اسے دوہرا ثواب نصیب ہوتا ہے:

(۱) پڑھنے کا ثواب

(۲) مشقت کا ثواب۔ (کذا فی شرح المصابیح)

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا
اور کتنی ہی بستیاں ہم نے تباہ کردیں کہ وہ ستمگار تھیں اور ان کے بعد اور قوم پیدا

قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا
کی تو جب انہوں نے ہمارا عذاب پایا جبھی وہ اس سے بھاگنے لگے نہ بھاگو

تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔـلُوْنَ ﴿۱۳﴾
اور لوٹ کے جاؤ ان آسائشوں کی طرف جو تم کو دی گئی تھیں اور اپنے مکانوں کی طرف شاید تم سے پوچھنا ہو

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى
بولے ہائے خرابی ہماری بیشک ہم ظالم تھے تو وہ یہی پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کردیا کاٹے

جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا
ہوئے بجھے ہوئے اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ
عبث نہ بنائے اگر ہم کوئی بہلاوا اختیار کرنا چاہتے تو اپنے پاس سے اختیار کرتے

اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا
اگر ہمیں کرنا ہوتا بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو جبھی وہ

هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ
مٹ کر رہ جاتا ہے اور تمہاری خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو اور اسی کے ہیں جتنے آسمانوں اور

الْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ ۚ
زمین میں ہیں اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ
رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے کیا انہوں نے زمین میں سے کچھ ایسے خدا

الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ
بنالیے ہیں کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہوجاتے تو پاکی

اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْــَٔـلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْــَٔـلُوْنَ ﴿۲۳﴾
ہے اللہ عرش کے مالک کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں تو اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَعِيَ
کیا اللہ کے سوا اور خدا بنا رکھے ہیں۔ تم فرماؤ اپنی دلیل لاؤ یہ قرآن میرے ساتھ والوں کا ذکر ہے

وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾
اور مجھ سے اگلوں کا تذکرہ بلکہ ان میں اکثر حق کو نہیں جانتے تو وہ رو گرداں ہیں

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا
اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو

فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾
مجھی کو پوجو اور بولے رحمٰن نے بیٹا اختیار کیا پاک ہے وہ بلکہ بندے ہیں عزت والے

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا
بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو

خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿٢٨﴾
ان کے پیچھے ہے اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ
اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے ہم ایسی ہی

نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾
سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو

تفسیر عالمانہ

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ۔ یہ کم تکثیریہ خبریہ اور محلاً منصوب ہے اس لیے کہ قصمنا کا مفعول ہے اور اس کی تمیز من قریۃ ہے۔ قصم کا لفظی معنے ہے توڑنا یعنے ٹوٹی ہوئی شے کے اجزا کو جدا کرنا بلکہ اس کی ترکیب و ترتیب کو بالکل زائل کرنا اس سے اللہ تعالے کی ان قوموں پر سخت غیظ و غضب کا پتہ چلتا ہے یعنے ہم نے بہت سی آبادیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

كَانَتْ ظَالِمَةً۔ یہ قریۃ کی صفت ہے اور قریۃ کا مضاف لفظ "اہل" محذوف ہے یعنے ہم نے بہت سی آبادیوں میں آباد رہنے والوں کو برباد کیا وہ لوگ جو کہ اللہ تعالے کی آیات کے منکر ہونے کی وجہ سے تمھاری طرح اے قریشیو! وہ بھی ظالم تھے۔

وَاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا ۔ اور ان کی تباہی و بربادی کے بعد ہم نے پیدا فرمائے۔ انشاء و اختراع و تکوین و ایجاد اسماً مترادفہ ہیں اور ان سے ایک ہی معنے مراد ہوتا ہے یعنے معدوم کو وجود میں لانا۔ (کذافی بحر العلوم)

امام راغب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ انشاء بمعنے ایجاد الشیٔ و تربیۃ۔ اور اس کا اکثر اطلاق حیوانات پر ہوتا ہے جیسے اسی آیت میں ہے۔

قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ○ اور ایسی قومیں جو نہ وہ تمہارے نسب سے متعلق ہوں نہ تمہارے دین پر۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ ۔ احسوا کی ضمیر اہل قریہ کی طرف راجع ہے۔ اور الباس بمعنے الشدۃ و المکروہ و النکایۃ یعنے انھوں نے ہمارے سخت عذاب کا مکمل ادراک کیا گویا انھیں وہ عذاب محسوس مشاہد تھا۔

اِذَاهُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ○ اذا مفاجائیہ ہے اور ھم مبتدا اور یرکضون خبر ہے اور منھا کی ضمیر قریۃ کی طرف راجع ہے۔ الرکض بمعنے سواری کو دوڑنے کے لیے مارنا۔ جب اسے راکب کی طرف منسوب کیا جائے تو معنے ہوگا سواری کو دوڑانا جیسے رکضت الفرس۔ میں نے گھوڑے کو دوڑایا۔ اگر اس کی نسبت پیدل چلنے والے کی طرف ہو تو معنے ہوگا، وطئ الارض۔

اب معنے یہ ہوگا کہ عذاب الٰہی کو ادراک کر کے وہ اپنی آبادیوں سے اپنی سواریوں کو تیز دوڑاتے یا سواریوں کی طرح بہت تیز دوڑتے ہیں۔

لَا تَرْكُضُوْا ۔ انھیں زبان حال یا فرشتے کی طرف سے کہا گیا۔ مت دوڑو! وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ ،

حل لغات : الاتراف، اترفتہ النعمۃ بمعنے اطغتہ سے ہے اور کہا جاتا ہے: اترف فلان ای اصر علی البغی یعنے اس نے بغاوت پہ اصرار کیا۔

اب معنے یہ ہوا کہ کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر فرشتے نے کہا، نہ بھاگو بلکہ حسب سابق اپنے حال طیبہ اور عیش واسع کی طرف لوٹ آؤ۔ بغاوت اور کفر کر کے اپنے معطی کے شکر سے روگردانی نہ کرو۔

فِیْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ ۔ اور اپنے مکانوں میں واپس جاؤ جن پر تم فخر کرتے تھے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

افتخار از رنگ و بو و از مکان
ہست شادیٔ و فریب کودکان

ترجمہ: رنگ و بو اور مکان پر فخر کرنا عارضی خوشی اور بازیچۂ اطفال ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ○ تاکہ تم سے حسب سابق لوگ سوال کریں اور اپنے معاملات اور اہم امور میں مشورہ لیں جیسا کہ عوام کی عادت ہے کہ اپنے اہم امور کے لیے گاؤں کے سرداروں سے مشورے لیتے اور انہی کے سہارے اپنے امور سر کرتے ہیں۔

قَالُوْا، جب بھاگنے میں نجات دیکھی اور یقین کیا کہ یقیناً عذاب الٰہی نازل ہو گا تو کہا : یٰوَیْلَنَا، اے تب ہی! اے ہلاکت! آجا، یہی تیرے آنے کا وقت ہے۔

کاشفی نے اس کا ترجمہ کیا ہے : ہمارے اوپر افسوس۔

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ یقیناً ہم ظالم اور عذاب الٰہی کے مستحق ہیں اپنے ظلم کا اعتراف اور عذاب سے بچنے کی کارروائی ایسے وقت میں کر رہے تھے جب انھیں ناامیدی چھا چکی تھی اور اس وقت کا اعتراف غیر مفید ہوتا ہے۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ، ان کا وہی کلمہ یعنے "یا ویلنا انا کنا ظالمین" ان کے منہ سے نکلتا رہا۔ تلک ما زالت کا اسم اور دَعْوٰىهُمْ اس کی خبر ہے یعنے ان کی پکار اور ندا یعنے اس کلمہ کو بار بار دہراتے رہے۔ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا، یہاں تک کہ ہم نے انھیں بنا دیا بھوسے کی طرح یعنے کچل دیئے گئے۔ حصید بمعنے محصود ہر وہ کھیتی اور گھاس جسے کاٹ لیا جائے۔

سوال : حصید مفرد ہے اور ھم ضمیر جمع اسے جمع لانا چاہئے تھا؟

جواب : قاعدہ ہے کہ جب فعیل بمعنے مفعول ہو تو اس میں مفرد، جمع، مذکر، مونث سب کے لیے فعیل (مفرد) لایا جاتا ہے۔

خٰمِدِيْنَ ○ یہ جعلنا ھم کے مفعول یعنے ضمیر ھم سے حال ہے بمعنے میتین یعنے مردگان یہ خمدت النار سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب آگ کے شعلے بجھ جائیں، اسی سے خمدت الحمی مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بخار کا جوش نرم پڑ جائے اور اس سے موت کا خطرہ ٹل جائے جیسے آگ بجھ جاتی ہے اور اس کے شعلے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں ایسے ہی اس کی حالت ہوتی ہے۔ اس معنے پر خمود سے مشتق کر کے خامدین فرمایا گیا ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ ظلم سے آبادی بربادی بن جاتی ہے۔

حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا ؎

بقومی کہ نیکی پسندد خدائے
دھد خسرو عادل نیک رائے
چو خواھد کہ ویران کند عالمے
کند ملک در پنجۂ ظالمے

ترجمہ : (۱) جس قوم کے لیے اللہ تعالٰے بھلائی چاہتا ہے اسے نیک و عادل حاکم (بادشاہ) عطا فرماتا ہے۔

(۲) جب چاہتا ہے کہ وہ علاقہ ویران ہو تو وہ علاقہ ظالم کے پنجہ میں دے دیتا ہے۔

حدیث شریف ہیں کہ قیامت میں ظلم تاریکیاں لائے گا۔

قاعدہ صوفیانہ : جب قلب معرفت و اخلاص سے محروم ہوتا ہے تو ویران ہو جاتا ہے۔ قلب کی خرابی کی علامت یہ ہے کہ اعضاء سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے اور اس کا رجوع ہلاکت و تباہی کی طرف ہوتا ہے۔

موسیٰ بن میشان نبی کا قصہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس 'اہل قریہ' سے مرادین کے بعض لوگ ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ شام کی حدود پر ایک حجازی بستی تھی ان کی طرف ایک نبی علیہ السلام مبعوث ہوئے جن کا اسم گرامی موسیٰ بن میشان تھا۔ (یہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے علاوہ اور نبی تھے۔ (کذا فی الکشف)

شعیب بن ذی مہرم نبی کا قصہ امام سہیلی علیہ الرحمۃ التعریف و الاعلام میں لکھتے ہیں: "اس نبی علیہ السلام کا اسم گرامی شعیب بن مہران علیہ السلام تھا۔ اسی شعیب بن ذی مہرم کی مزار شریف یمن میں ضنین نامی پہاڑ میں ہے۔"

ف : قاموس میں لکھا ہے کہ ضنین بالکسر صنعار میں ایک بہت بڑے پہاڑ کا نام ہے۔

ف : وہ یہ شعیب علیہ السلام نہیں جو مدین والوں کے ہاں مبعوث ہوئے تھے۔

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نرالی شان یہ شعیب بن ذی مہرم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت معد رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پہلے اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو سو سال بعد میں ہو گزرے ہیں۔ اس بدبخت قوم (جن کی طرف آیت ہٰذا میں اشارہ ہوا ہے) نے اپنے نبی علیہ السلام کو شہید کیا۔ اور اسی تاریخ کو اصحاب الرس نے بھی اپنے نبی جن کا اسم گرامی حنظلہ بن صفوان علیہ السلام تھا، کو شہید کیا تھا۔

اللہ تعالےٰ کو ان پر ناراضگی ہوئی تو ارمیاء کی طرف وحی بھیجی کہ آپ بخت نصر کو فرمایئے کہ وہ اس قوم پر حملہ کر دے۔ ہم نے ان کی سلطنت اسی کو بخشی ہے اور ارضِ عرب بھی اس کے قبضے میں دی گئی ہے۔ اسے اسی لیے مسلط کر رہا ہوں تاکہ میں ان سے بدلہ لوں، لیکن اے ارمیاء حضرت معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے عراق کے علاقہ میں چلے جایئے تاکہ آپ کو اور معد بن عدنان کو دکھ درد اور بلاؤ مصیبت نہ پہنچے۔ اس لیے کہ معد بن عدنان کی پشت سے میرے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور پذیر ہوں گے اس لیے ان کی وجہ سے ان کی عزت و عظمت مطلوب ہے۔ اس وقت حضرت معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی اور وہ عراق میں بنی اسرائیل میں زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ جوان ہوئے اور انہی میں ایک بی بی معانہ نامی سے نکاح کیا۔

بخت نصر نے حکم سنتے ہی لشکر تیار کیا اور عرب کو زیر کرنے کے لیے ایک سرنگ نکالی تاکہ ان کے ساتھ مقابلہ کے وقت اسے استعمال کرے۔ یہی پہلا بادشاہ ہے جس نے جنگ کے لیے سرنگیں تیار کیں۔ پھر اس بستی (حضور نامی) کے گرد

خندق کھدوائی تاکہ وہ لوگ نہ بھاگ سکیں۔ چنانچہ اس کے بعد ہر سو سے ان پر حملہ کر کے بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو قیدی کیا، اور اس بستی کو ویران کر دیا یہاں تک کہ اس بستی (حضور) کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ اسی لیے اللہ تعالٰے نے فرمایا :
حتی جعلنا ھم حصیدا خامدین ۔

اس کے بعد ارضِ عرب پر حملہ کیا اور ان سے بعض کو قتل کیا اور بعض کو قید کیا اور بعض مقامات کو ویران اور بعض کو آگ لگا دی ۔ اس کے بعد اس کے گرد ونواح پر حملہ کیا۔ انہی کی طرف اللہ تعالٰے نے اشارہ فرمایا : وکم قصمنا من قریۃ کانت ظالمۃ ۔

ف : یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور ظاہر آیت سے تو کثرت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کم تکثیر کے لیے ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف بستی حضور مراد لی ہے اس لیے کہ وہ منجملہ ان کے ایک تھی۔ اسی کا اللہ تعالٰے نے بھی ارادہ فرمایا ہے ۔

حدیث شریف : پانچ برے عملوں پر پانچ سزائیں ملتی ہیں :

(۱) جو قوم ظلم کرتی ہے ان پر اللہ تعالٰے ان کے دشمن مسلط کر دیتا ہے ۔
(۲) جو قوم اللہ تعالٰے کے نازل کردہ احکام کے خلاف احکام جاری کرتی ہے، ان کو اللہ تعالٰے فقر وفاقہ میں مبتلا کرتا ہے ۔
(۳) جس قوم سے فواحش زنا وغیرہ سرزد ہوتے ہیں ان کو موت دے دیتا ہے ۔
(۴) جو قوم ناپ تول میں کمی بیشی کرتی ہے اس سے اناج روک کر قحط میں مبتلا کر دیتا ہے ۔
(۵) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان پر بارش بند کر دیتا ہے ۔

ہر چہ بر تو آید از ظلمات وغم
آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ : جو تجھ پر ظلم اور غم آتا ہے وہ تیری بے شرمی وگستاخی کی وجہ سے ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ ۔ الخلق بمعنے التقدیر المستقیم ہے لیکن عموماً ابداع کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے یعنے ایسی شئے بنانا جس کی پہلے اصل موجود نہ ہو ۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے آسمان جو ایک قبہ اور خیمہ کی مانند ہے نہیں پیدا فرمایا ۔

وَالْاَرْضَ ، اور زمین کو جو کہ بچھونے کی طرح ہے ۔ وَمَا بَيْنَهُمَا ، اور جو ان کے مابین عجائب وغرائب اور دیگر جملہ مخلوقات کے تمام انواع کو ۔ لٰعِبِيْنَ ○ درآنحالیکہ ہم عبث کام کرنے والے ہوں ۔ یہ لعب فلاں سے

مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی مقصدِ صحیحہ کو بلا قصد کرے۔ یہاں لعبین بمعنے عابثین ہے یعنے ہم نے انھیں عبث نہیں پیدا فرمایا بلکہ ان کے تخلیق میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں مثلاً ان کی تخلیق وجود انسان کے لیے مبدا اور اس کی معاش کا سبب اور معرفت الٰہی کی بہترین دلیل ہے اور انسان کا اصل مقصد بھی معرفت ہے ؎

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ترجمہ: ہوشمند کی نظر میں سبز برگ درختاں کا ہر پتہ معرفت کردگار کا ایک بڑا دفتر ہے۔

ف: ہر شے لطفِ الٰہی کا مظہر ہے یا اس کے قہر کا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ہر ذرے میں عجیب و غریب اسرار و رموز پوشیدہ ہیں ؎

بنگر بچشم فکر کہ از عرش تا فرش
در ہیچ ذرہ نیست کہ سرے عجیب نیست

ترجمہ: غور سے دیکھ کہ از عرش تا فرش کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں راز الٰہی نہ ہو۔

سوال: آیت سے معلوم ہوا کہ لعب اللہ تعالٰے کا فعل نہیں بلکہ وہ لاعبین کا فعل ہے اس لیے کہ لاعب لعب کا اسم فاعل ہے اور اللہ تعالٰے لاعب نہیں موضوع کی نفی فعل کی نفی کو مستلزم ہے؟

جواب: ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ ہر شے کا خالق اللہ تعالٰے ہے۔ اور کاسب بندہ یہاں اس کی تخلیق و قدرت کا بیان ہے کہ 'لعب' کے اسباب کا خالق اللہ تعالٰے ہے۔ اس تقریر سے اس سوال کا جواب ظاہر ہے۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا۔ یہاں پر لھو بمعنے ہر وہ شے جس سے لہو و لعب کی جائے یعنے مصدر بمعنے اسم مفعول ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

لھوت بالشیٔ لھوا۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے لہو و لعب کی جائے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ لھو ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کھیلے اور اسے دیکھ کر خوش ہو جیسے اولاد اور بیوی۔

ف: امام راغب نے لکھا کہ لھو ہر وہ شے جو انسان کو مقصد و مراد سے غافل کر دے اور جس شے سے انسان نفع اندوز ہو۔

لو اردنا ان نتخذ لھوا، میں اولاد اور بیوی مراد لینا "زینۃ الحیوۃ الدنیا" کے عموم سے ہے بعض افراد کی تخصیص کو مستلزم ہے۔

ف: جلالین میں لھو سے صرف اولاد مراد لینا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی وجہ سے ہے اور اولاد اور بیوی ہر دونوں شیخ نجم الدین نے اپنی تاویلات میں مراد لی ہے۔ اور یہ بزرگ شریعت و طریقت کے جامع اولیاء کے اکابرین سے

ہیں۔ اور اسی معنے پر " ولکم الویل مما تصفون " بھی دلالت کرتا ہے۔ (کذا قال صاحب روح البیان)

ف: امام واحدی نے فرمایا کہ انسان ان ہر دونوں سے سرور و راحت پاتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے: امراۃ الرجل و ولدہ ریحانتاہ، یعنے انسان کے لیے بیوی بچے خوشبودار پھول ہیں۔

لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ، تو ہم اسے بناتے اس لیے کہ ہم اس پر قادر ہیں۔ اس لیے کہ ہر شے اسی کی قدرت سے متعلق ہے یعنے ہم جسے چاہیں اپنے لیے چن لیں حورعین سے یا ان کے ماسوا کوئی اور۔

ف: امام واحدی نے فرمایا کہ ہم اسے اپنے لیے ایسے چن لیں کہ تمہیں ظاہر بھی نہ ہونے دیں اور نہ تم اسے جھانک کر دیکھ سکو اس لیے کہ بیوی بچے انسان کے پاس ہوتے ہیں نہ کہ اس کے غیر کے ہاں۔ اس معنے پر لدنا بمعنے عندنا ہے۔

اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ اگر ہم کرنے والے ہوتے لیکن ایسا ہمارے لیے محال ہے، بایں معنی کہ ہم اس کا ارادہ نہیں کرتے کیونکہ یہ حکمت ایزدی ہے۔

اس کا معنے یہ نہیں کہ ہمیں اولاد اور بیوی، اور دیگر امور کو اپنے لیے اختیار کرنے کی قدرت نہیں کہ ہم اسے قطعاً اپنے لیے ختیار بھی نہ کرسکیں۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہماری بارگاہ ایسی غبار آلود باتوں سے پاک اور ہماری جناب کبریائی ایسی کمزوری سے منزہ ہے بلکہ ہمارے ملائکہ مقربین بھی ایسے امور سے منزہ ہیں حالانکہ وہ ہمارے مکرم و مقرب بندے ہیں جب ہمارے بندے منزہ ہیں تو خالق کائنات کا منزہ ہونا اولی ہے۔

ف: ان شرطیہ ہے بمعنے علی الشرط والتقدیر ان کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ اس سے پہلے کا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے اب عبارت یوں ہوگی:

ان کنا فاعلین لاتخذناہ۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ۔ یہ انتفاذ الولد اور اس کے ارادہ سے اعراض ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اولاد وغیرہ کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بلکہ ہماری شان یہ ہے کہ ہم حق کو باطل پر غلبہ دیں منجملہ اس کے ایمان و قرآن وغیرہما کا غلبہ لہو و کفر و دیگر باطل امور پر۔

ف: امام راغب نے لکھا ہے کہ "قذف" بمعنے دور سے تیر پھینکنا۔ اس بعد کی مناسبت سے کہا جاتا ہے: منزل قذف و قذیف وبلدۃ قذوف بمعنے طروح بعیدۃ۔

ف: باطل حق کی نقیض ہے یعنے باطل کو کوئی ثبات نہیں جب حق اس کا مقابلہ کرتا ہے۔

فَيَدْمَغُهٗ، پس حق باطل کو تباہ بلکہ مٹا دیتا ہے؛

ف : مفسرین فرماتے ہیں کہ تغلیب و تسلیط کے بجائے اس لفظ کو استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح حق کو باطل کے تسلط کو 'قذف' سے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جس طرح مرمی (پتھر سے ماری ہوئی شئے) کی حالت ہوتی ہے ایسے ہی باطل کو سمجھئے کہ حق کے مقابلہ میں مٹ کر فنا ہو جاتی ہے اور دمغ بمعنے کھوکھلی اور نرم شئے کو توڑنا اور دماغ کو اسی معنے سے لیا گیا ہے کہ اس کی کیفیت کچھ اس قسم کی ہوتی ہے کہ اس کی اوپر کی جھلی سخت مضبوط ہوتی ہے حق کو ایک مضبوط جسم (جیسے ہیرہ، یاقوت) سے تشبیہ دی گئی ہے اور باطل کو ایک کھوکھلی اور نرم شئے جیسے مٹی وغیرہ سے جیسے مضبوط چیز سے نرم اور کھوکھلی شئے پاش پاش ہو جاتی ہے ایسے ہی حق سے باطل مٹ کر فنا ہو جاتا ہے۔

ف : صاحب مفتاح نے فرمایا کہ القذف والدمغ کا استعمال اجسام میں ہوتا ہے۔ قذف کو حق کے لیے اور دمغ کو باطل کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔ اس معنے پر مستعار منہ حسی اور مستعار لہ عقلی ہے گویا حسی کو عقلی سے تشبیہ دی گئی ہے صورۃ معقولہ کو ایسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو صورۃ محسوسہ پر دلالت کرتی ہیں تاکہ سامع کے ذہن میں [illegible] طور پر متمکن ہو۔

فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط پس اس وقت باطل پورے طور پر مٹ کر فنا ہو جاتا ہے۔

ف : زاھق دراصل روح کے نکلنے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔

زھقت نفسہ ای خرجت من الاسف۔

اذا مفاجاتیہ کے بعد جملہ اسمیہ لانے میں اس کے فوری طور پر [illegible] اور فنائیت کی طرف اشارہ ہے گویا باطل کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اسے ترشیح المجاز کے طریق پر بیان فرمایا ہے اس لیے کہ روح کا نکلنا مستعار منہ کے معنے کے مناسب ہے یعنی دمغ کے اس لیے کہ دماغ حواس کا مجمع ہے۔ جب دماغ کو کوئی زخم پہنچتا ہے تو حیوان مرجاتا ہے۔ ایسے حق کے غلبے سے باطل مٹ کر فنا ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حق کے تین مراتب ہیں۔ اسی طرح باطل کے بھی تین مراتب ہیں۔ حق کے مراتب یہ ہیں :

1. افعال الحق
2. صفات الحق
3. ذات الحق تعالٰے۔

افعال الحق کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالٰے اپنے بندوں کو اوامر پر مامور فرماتا ہے تو منہیات کا بطلان مٹ جاتا ہے۔

صفات الحق کا مطلب یہ ہے کہ جب صفات الحق بندوں پر متجلی ہوتے ہیں تو بندوں کے صفات کا بطلان ختم ہو جاتا ہے۔

ذات الحق کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کی ذات متجلی ہوتی ہے تو تمام ذوات فنا پذیر ہو جاتی ہیں۔ کما قال تعالٰے :

کل شئی ھالک الا وجھہ۔

اس تقریر پر " وقل جاء الحق وزھق الباطل " دلالت کرتا ہے ۔

انا الحق کی توجیہ جن بزرگوں نے " انا الحق " کہا ان کا حال یہی ہوگیا تھا کہ ان پر ذات حق تعالے یا اس کی ذاتی صفت متجلی ہوئی تو بندے کا باطل وجود فانی ہوگیا جب ذات حق جلوہ گر ہوئی تو باطل وجود مٹ گیا اس پر خود ذات حق نے لسان موصوف بصفۃ الحق سے فرمایا۔

حضرت مغربی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

ناصر و منصور می گوید انا الحق المبین
بشنو از ناصر کہ آن گفتار منصور نیست

ترجمہ: ناصر و منصور کہتے ہیں انا الحق۔ ناصر فرماتا ہے کہ یہ منصور کی گفتار نہیں

حضرت خجندی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہر کہ بدار فنا جبۂ ہستی بسوخت
رمز سوی اللہ بخواند سر انا الحق شنود

ترجمہ: جس دار فنا میں ہستی کا جبہ جلا ڈالا اسی نے ماسوی اللہ کی رمز معلوم کی اور اسی نے انا الحق کا راز سنا۔ اور فرمایا ؎

اسرار انا الحق سخن نیک بلند ست
معنے چنیں بسر دار نیابی

ترجمہ: انا الحق کے اسرار و رموز بہت بلند ہیں اس معنے کو دار پر چڑھنے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَكُمُ الْوَيْلُ ۔ اصمعی نے فرمایا کہ الویل بمعنے القبوح ہے اور کبھی میں مستعمل ہوتا ہے اور ولیس استغفار میں اور ویح ترحم میں جس نے ویل ایک وادی جہنم کی کہا اس نے یہ دعوی نہیں کیا کہ یہ لفظ لغت میں اسی وادی کے لیے وضع کیا گیا ہے بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالے یہی کلمہ فرمائے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور اس کے لیے جہنم ثابت ہوگئی۔

اب معنے یہ ہوا کہ اے مشرکو! تمھارے لیے ہلاکت ثابت ہوگئی۔

مِمَّا تَصِفُوْنَ ○ من تعلیلیہ استقرار کے متعلق ہے یعنے بوجہ اس کے کہ تم اللہ سبحانہ کے لیے ایسی وصفیں بیان کرتے ہو جو اس کی شان جلیل کے لائق نہیں مثلاً اس کے لیے بیوی بچوں کا الزام لگانا اور اس کے کلام مبارک کو جادو و اضغاث احلام و دیگر باطل اوصاف سے موصوف کرنا۔

وَلَهٗ ۔ اور صرف اللہ تعالے کے لیے ہیں ۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط آسمانوں اور زمین کی جملہ مخلوقات ایجاداً بھی اور بندگی کے لحاظ سے بھی۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ ۔ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ اس سے ملائکہ کرام مراد

ہیں جو بوجہ کرامت اللہ تعالٰے کے ہاں ایسے ہیں جیسے بادشاہوں کے مقرب ہوتے ہیں۔ یہ بطریق تمثیل فرمایا ہے تاکہ باقی (عام) مخلوق پر ان کی شرافت وفضیلت کا اظہار ہو جائے اس سے جمیع مخلوق (مثلاً انبیاء اور خواص اولیاء) پر فضیلت کا اظہار مطلوب نہیں جیسے باقلانی اور معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ یہاں پر عندیہ شرافت کی ہے مکانیت اور جہت مراد نہیں۔

سوال: عند ظروف مکانیہ سے ہے تم کہتے ہو کہ یہ مکانیت وجہۃ کے لیے نہیں؟

جواب: عرب میں قرب مکانی اور منزلت کو کبھی مکان ومسافت سے تشبیہ دی جاتی ہے وہی یہاں مراد ہے گویا مشبہ بول کر مشبہ یہ مراد لیا گیا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ فرشتے جو اللہ تعالٰے کی بارگاہ کے مقرب ہیں تم ان کی پرستش کرتے ہو۔

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ، وہ اللہ تعالٰے کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے یعنے وہ اللہ تعالٰے کی عبادت سے اپنی عظمت کا خیال کر کے منہ نہیں موڑتے بلکہ وہ اللہ تعالٰے کی بندگی پر فخر ومباہات کرتے ہیں، اسی لیے بشر پر لازم ہے کہ وہ اپنے ضعف اور کمزوری کے پیش نظر اللہ تعالٰے کی عبادت زیادہ سے زیادہ کرے۔ یہ جملہ ومن عندہ سے حال ہے۔

مولانا ابو السعود نے من عندہ کو مبتدا اور لا یستکبرون کو اس کی خبر بنایا ہے۔

وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ اور وہ تھکتے نہیں۔

حل لغات: حسر والستحسر بمعنے تعب واعیی یعنے استعفل بمعنے فعل ہے جیسے استقر بمعنے قر آتا ہے۔ مفردات امام راغب علیہ الرحمۃ میں ہے کہ الحسر بمعنے کشف الملبس عما علیہ۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

حسرت عن الذراع۔

اور "الحاسر" ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس پر نہ زرہ ہو نہ خود۔

اہل عرب کہتے ہیں:

الناقۃ حسیر (ہر وہ اونٹنی جس میں سے گوشت اور طاقت ختم ہو جائے)۔

الحاسر الامعی ہر وہ جس کے قویٰ بالکل منکشف ہو جائیں۔ تھکے ماندے انسان کو 'حاسر' 'محسور' کہتے ہیں تو اس لیے کہ کام کرنے سے اس کے قویٰ اسے جواب دے بیٹھے اور محسور اس لیے کہ تھکان نے اس کے قویٰ کو تھکا دیا۔ کسی شے کے فوت ہونے سے غم لاحق ہو یا کسی امر کے ارتکاب سے ندامت حاصل ہو تو اسے حسرۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ گو اس کا جہل کھل گیا بایں معنی کہ اس جہل نے اس فعل کے ارتکاب پر برانگیختہ کیا تھا یا اس غم کے ادراک اور حملے سے کمی کو پورا کرنے سے اس کے قویٰ تھک گئے ہیں۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ، سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ملائکہ کرام کس طرح اللہ تعالٰے کی عبادت

کرتے ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ دن رات اللہ تعالےٰ کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں یعنے ہر وقت یہی ورد ہے کہ اللہ تعالےٰ
حدوث، بیوی، بچوں اور شریک سے پاک ہے۔ اور وہ ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور بزرگی بیان کرتے رہتے ہیں۔ لَا
یَفْتُرُوْنَ ○ لمحہ بھر بھی اللہ تعالےٰ کی تسبیح سے فارغ نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کا کوئی اور مشغلہ ہے اس لیے کہ
ان کی زندگی کا دار و مدار ذکر اور تسبیح و تہلیل اور عبادت پر ہے جیسے انسان سانس کے بغیر اور مچھلی پانی کے بغیر زندگی نہیں گذار
سکتی ایسے ہی ملائکہ کا حال ہے کہ عبادت الٰہی کے بغیر ان کا زندہ ہونا محال ہے جیسے ہمارا اٹھنا بیٹھنا بولنا وغیرہ
ہمارے سانس کے لیے حائل نہیں ایسے ہی ان کے دیگر مشاغل مثلاً پیغام رسانی اور کسی پر لعنتیں بھیجنا تسبیح حق سے حائل نہیں۔
حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ نے حضرت کعب سے عرض کی کہ ملائکہ کرام تبلیغ رسالت اور شیاطین اور کفار پر لعنت کیسے
کرتے ہوں جب کہ ان کی ہر وقت تسبیح پڑھنے میں زندگی بسر ہوتی ہے۔ جواب میں حضرت کعب نے یہی فرمایا کہ جیسے ہماری
سانس ہمارے دیگر امور سے نہیں رکتی ایسے ہی ان کی تسبیح دوسرے اعمال سے بند نہیں ہوتی۔

سوال: تسبیح اور لعنت بھیجنا ایک ہی عضو سے ادا ہوتے ہیں بیک وقت ملائکہ سے یہ دونوں کام کس طرح ادا ہو سکتے ہیں؟
جواب: اللہ تعالےٰ قادر ہے کہ ایک زبان کے علاوہ کئی زبانیں پیدا فرمائے کہ کسی سے وہ تسبیح و تہلیل اور کسی سے
لعنت کرتے ہوں۔

جواب: یہاں دوام سے عزم مراد ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں نماز باجماعت پر مداومت رکھتا ہے۔ اس کا معنے یہ ہے کہ
اس کا عزم ہوتا ہے کہ کبھی بھی نماز باجماعت سے کمی نہ کرے گا ایسے ہی ان کا تسبیح پر ہر وقت عزم رہتا ہے اور کسی خاص
مقرر وقت پر اس کی ادائیگی کرتے ہیں۔ (کذا فی الکبیر)

جہال صوفیوں کا ردّ

بعض ہمارے دور میں بھی اور صاحب روح البیان کے زمانہ میں کہا کرتے کہ جب بندہ واصل باللہ ہو جاتا ہے تو اسے عبادت کی حاجت نہیں رہتی، یہ ان کی جہالت اور حماقت ہے حالانکہ
ارباب حقیقت اور اصحاب طریقت فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کو تکالیف شرعیہ کی مشقت بایں معنی زائل ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ
کی محبت میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ انھیں مشقت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ایسے مجاہدے انھیں شہد سے زیادہ میٹھے اور لذیذ
لگتے ہیں اس لیے کہ انھیں عبادت کی بزرگی کا اب پتہ چلا ہے کہ یہی حب الٰہی کا وسیلہ بنی ہے اور اسی سے تجلیات حق کا
مشاہدہ نصیب ہوا ہے۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر اور بعض جاہل پیر

بعض جاہل پیروں نے ہمارے دور میں یہ تاثر پھیلایا ہوا ہے کہ عبادت ظاہری سے کوئی فائدہ نہیں۔ صاحب روح البیان نے انکار فرماتے

ہوئے لکھا ہے :

"میرے پیرو مرشد قدس سرہ نے فرمایا کہ عبادت کی لذت اس خوش قسمت انسان کو محسوس ہوتی ہے جسے معرفت حق مکمل طور پر نصیب ہوتی ہے بلکہ اسے مشاہدۂ حق کے بعد عبادت کی شان معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ سلطان کی ملاقات اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے موافق ہو، مخالف کو تو کوسوں دور بٹھایا جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اہل حجاب کی عبادت فتور اور سستی اور غفلت پر مبنی ہوتی ہے بخلاف اہل کشف و عارفین اور کاملین کے کہ انھیں عبادت سے راحت و سرور اور لذت نصیب ہوتی ہے وہ عبادت کو عادت کے طور پر کرتے ہیں ان کے لیے عبادت میں سہولت اور آرام ہوتا ہے "

اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ ہمارے گناہ معاف فرمائے اس لیے کہ وہ غفار ہے کریم ہے۔

ف : امام راغب علیہ الرحمہ نے کہا کہ فتور بمعنے حدۃ (تیزی) کے بعد سکون اور شدت کے بعد نرمی، قوت کے بعد ضعف کما قال اللہ تعالٰی :

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل ۔

یہاں پر فترۃ سے وہ زمانہ مراد ہے جو دنیا پر رسول کے بغیر گذرا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا لا یفترون بمعنے خوشی سے عبادت میں لمحہ بھر آرام نہیں کرتے ۔

حدیث شریف : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لکل عامل شرۃ و لکل شرۃ فترۃ فمن فتر الی سنتی فقد نجا والا فقد ھلک

ہر کام کرنے والے کو جوش ہوتا ہے اور ہر جوش کو سکون لازم ہے جو شخص میری سنت سے سکون پاتا ہے اسے نجات، ورنہ ہلاکت ہے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ باطل حملہ آور ہو کر پھر مٹ جاتا ہے اور حق اَن مٹ اور دائمی دولت ہے۔

من فتر الی سنتی کا مطلب ہے کہ سنت سے سکون پایا یعنے اس پر عمل نہ کرنے کی کمزوری بہتر ہے۔ دراصل نر انگشت اور سبابہ کے درمیانی فاصلہ کو کہا جاتا ہے مثلاً اہل عرب کہتے ہیں :

فترتہ بفتری و شبرتہ بشری ۔

یہاں پر فتر سے یہی فاصلہ مراد ہے ۔ کذا قال الامام الراغب الاصفہانی فی المفردات ۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً ، یہ ام منقطعہ اس سے قبل لفظ بل مع ہمزہ محذوف ہے اور ہمزہ کا انکار وقوع

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ ۔

کے لیے ہے واقع کے انکار کے لیے نہیں۔ اتخذوا کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اور اٰلھۃ سے اصنام (بت) مراد ہیں۔ مِّنَ الْاَرْضِ۔ اتخذوا کے متعلق ہے بمعنے ابتدأ اتخاذھا من الارض یعنے انھوں نے اپنے بت زمین سے یعنے اس کے پتھروں سے یا اس کے بعض جواہر جیسے کوڑیاں اور تانبے سے گھڑ کر تیار کیے تھے اس سے ان کے تیار کردہ بتوں کی تحقیر مطلوب ہے۔ اور تخصیص کا اظہار نہیں کہ وہ صرف زمین سے بت تیار کرتے تھے باقی اشیاء سے نہیں۔

هُمْ يُنْشِرُوْنَ ○ انشرہ اللہ سے ہے بمعنے احیاہ یعنے وہ موتٰی کو اٹھاتے ہیں۔ یہ جملہ اتخذوا الخ کی صفت ہے اسی جملہ پر انکار و تجہیل و تشنیع کا دار و مدار ہے یعنے ان کی حماقت و جہالت صرف بتوں کو گھڑ کر ان کی پرستش کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے کہ یہ کام تو ان سے ہو چکا بلکہ اس وجہ سے ہے کہ باوجود کہ وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے ایک حقیر اور ذلیل مٹی سے ان کو خود اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے اور یہ بت پتھروں اور ڈھیلوں کا مجموعہ ہیں لیکن پھر ان پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہی بت تمام موتٰی زندہ کریں گے۔

سوال: انھوں نے صراحۃً کبھی نہیں کہا کہ ان کے معبودان باطل موتٰی کو زندہ کرتے ہیں بلکہ ان کا عقیدہ اہل اسلام کی طرح تھا کہ موتٰی کو زندہ کرنا صرف اللہ تعالٰے سے خاص ہے۔ چنانچہ قال من يحيي العظام وهي .... الخ سے واضح ہے؟

جواب: اگرچہ انھوں نے اپنے بتوں کے لیے صراحۃً ایسے عقیدے کا اظہار نہیں کیا لیکن ان کی بتوں کی پرستش اور پھر ان کے معبود حق کی جملہ صفات کے مستحق ٹھہرانے سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبودوں کے لیے تخلیق و احیا جیسے صفات کے قائل تھے ورنہ ان کو معبود مانا گیا۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس آیت میں اللہ تعالٰے نے اپنے سے شریک کی تنزیہ عقلی دلیل سے بیان فرمائی ہے۔ اور یہاں پر الا بمعنے غیر ہے اس لیے کہ یہ اٰلھۃ کی صفت ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالٰے کے سوا اور کوئی معبود ہوتے جیسے ان کا باطل عقیدہ تھا اس میں معبود حقیقی کو اپنے معبودانِ باطلہ میں شامل کر کے مانیں یا نہ مانیں۔

لَفَسَدَتَا۔ الفساد بمعنے شے کا اعتدال سے خارج ہونا۔ وہ خروج قلیل ہو یا کثیر اس کی نقیض صلاح آتی ہے جو شے بھی حدِ اعتدال سے خارج ہو جائے وہ نفس ہو یا بدن (اسی طرح تمام اشیاء) پر فساد کا اطلاق ہوتا ہے یعنے زمین و آسمان اسی نظام مشاہد کی حد اعتدال سے نکل جائیں اس لیے کہ دو شخصوں کا ایک نظام نہیں چل سکتا اور دو بادشاہوں کی تدبیر سے رعیت بگڑ جاتی ہے جب تالی کا انتفاء ہوا تو مقدم کا انتفاء متعین ہو گیا۔

توحید کے لیے عقلی دلیل تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کثیر التعداد معبود یا تو الوہیت اور کمال قدرت میں تمام برابر ہوں گے یا بعض کامل ہوں گے اور ناقص یا کل ناقص ہوں گے اور وہ الوہیت میں ایک دوسرے کے

محتاج ہوں گے اور جو معبود کچھ کامل ہوں گے اور کچھ ناقص تو عقل کا تقاضا ہے کہ ناقص کی کامل کو کوئی ضرورت نہ ہوگی اور جو ناقص ہے وہ الٰہیتہ کے قابل نہیں اور جو کل کے کل ناقص ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کی اعانت کے محتاج ہوں گے جب وہ خود محتاج ہیں تو معبودیت کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں بہرحال مکمل کے محتاج ہوں گے اور مکمل ایسا اکمل ہو کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو وہ صرف اللہ واحد صمد کی ذات ہو سکتی ہے جو ماسوا کا محتاج نہیں بلکہ جملہ ماسوا اسی کا محتاج ہے۔

اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالٰے کے سوا اور کوئی معبود ہوں تو زمین و آسمان کا نظام بگڑ جاتا اس لیے کہ کامل مدبر فی الالٰہیتہ کے سوا اور معبودان باطلہ کا عجز فی المدبریۃ کا تقاضا یوں ہے اب چونکہ زمین و آسمان کا نظام صحیح سالم ہے فلہٰذا معبود صرف ایک ہے ؎

در دو جہاں قادر و یکتا توئی
جملہ ضعیفند و توانا توئی
چوں قدمت بانگ بر ابلق زند
جز تو کہ یارد کہ انا الحق زند

ترجمہ: دونوں جہانوں میں قادر و یکتا تو ہے۔ تمام کمزور اور قدرت والا تو ہے۔ جب تیرا قدم گھوڑے پر پڑتا ہے تیرے سوا کسی کو ہمت نہیں کہ وہ انا الحق کہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ پس اللہ تعالٰے رب العرش کی کفار کے ان اقوال کی تنزیہ بیان کرو کہ انھوں نے اللہ تعالٰے کی اولاد اور بیوی اور اس کے شریک ثابت کئے اس لیے کہ یہ امور جسمانیت کو مستلزم ہیں اگر اللہ تعالٰے جسم ہوتا تو کائنات کی تخلیق پر قدرت نہ رکھتا نہ ہی تدبیر عوالم اس کے بس میں ہوتی۔ علاوہ ازیں جسم مرکب اور اس کا تحیز ہوتا اور یہ حدوث کی علامتیں اور ممکن کی نشانیاں ہیں اور اللہ تعالٰے تو واجب الوجود ہے اور واجب الوجود ایسی باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنے سے عجز اور محتاجی کی تنزیہ بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ عرش کا خالق وہی ہے اور عرش مکونات کی طرف فیض رسانی کا مرکز اور مصدر ہے اس سے دیگر تمام معبودوں کے وجود کا بطلان بھی ہو گیا اور ان لوگوں کا رد بھی ہو گیا جو (معاذ اللہ) اللہ تعالٰے کو عرش کا یا دوسرے معبودوں کی اعانت و امداد کا محتاج مانتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

واحد اندر ملک او یار نے
بندگانش را جز او سالار نے

نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوی کند جز ہالکے

ترجمہ: وہ واحد ہے ملک کا اس کا کوئی مددگار نہیں بندوں کا سالار صرف وہی ہے۔
مخلوق کا مالک اس کے سوا اور کوئی نہیں اس کی شرکت کا مدعی تباہ و برباد ہوتا ہے۔

دہریہ و دیگر بد مذاہب کا تعارف بعض مشائخ نے فرمایا کہ بعض منکرین جیسے طبائعین نے اللہ تعالے پر افترا کیا ہے کہ جمیع تاثیرات واقعیہ مقتضیات طبعیہ سے ہیں۔ ذات باری تعالے کا کوئی وجود نہیں ایسے قائلین کا امام دیمقراطیس ہے اور سوفسطائیہ کہتے ہیں کہ موجودات کا کوئی وجود نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے اثبات و نفی کے بھی قائل نہیں۔ اور ثنویہ کا عقیدہ ہے کہ معبود دو ہیں ایک سے خیر کا اور دوسرے سے شر کا صدور ہوتا ہے۔ ان بدبختوں کو تمام اہل کشف اور اہل برہان لعنت کرتے ہیں اور دلیل کے طور پر انھیں فرماتے ہیں کہ جب ایک جسم کے دو دل اور ایک بدن کے دو نفس اور ایک آسمان کے دو سورج نہیں ہوتے تو کائنات کے دو معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ آنکھوں سے مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ سورج ایک ہے اگر دو ہوتے تو نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا جب ایک سورج کو دوسرے کی شرکت کائنات کو نقصان پہنچاتی ہے تو دوسرے معبود کے ماننے سے کس طرح نظام نہ بگڑے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ تمام کائنات کے لیے صرف ایک معبود ہے اور اسی کے لیے کمال ہے اور بس ؎

یشھد اللہ اینما یبدو
انہ لا الہ الا ھو

(ہر جگہ سے صدا آتی ہے کہ اللہ تعالے کے سوا کوئی معبود نہیں۔)

تفسیر صوفیانہ ارباب حقائق کہتے ہیں کہ اگر آسمان روحانیت اور ارض بشریت میں بہت زیادہ مدبرات ہوں مثلاً سماء روحانیت میں عقل اور ارض بشریت میں ہوائے نفسانی اور اللہ تعالے کی ہدایت بواسطہ انبیاء علیہم السلام اور شرائع کے سوا ہو تو آسمان روحانیت اور ارض بشریت فاسد ہو جائیں جیسے عقل و ہوائے نفسانی کی تدبیر سے فلاسفہ و طبائعیہ دہریہ، اباحیہ اور ملاحدہ کا آسمان روحانیت اور ارض بشریت فاسد ہوئے ان کے آسمان روحانیت کے فساد کا معنے یہ ہے کہ ان کے قدم جادۂ توحید اور صراط وحدانیت سے ڈگمگا گئے یہاں تک کہ اللہ واحد قدیم کے مقابلہ میں ایک دوسرا شریک قدیم ثابت کیا یعنے عالم کو قدیم مانا انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا تو ہدایت حق نہ پا سکے۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

اے بردہ عقل ہدیہ تا الٰہ
عقل آنجا کمترست از خاکِ راہ

ترجمہ: اے عقل کا تحفہ لے کر اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے والے! عقل تو وہاں خاک کے برابر بھی نہیں۔

ان کی زمین بشریت کے فساد کا یہ معنے ہے کہ ان کے قدم جادۂ عبودیت اور صراطِ شریعت و متابعت سے ڈگمگا گئے یہاں تک کہ انھوں نے ہوائے نفسانی کے طاغوت اور شیطان کی پرستش کی اور ان کے فساد کا انجام یہاں تک پہنچا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"صم بکم عمی فھم لا یعقلون"

ف: شیخ ابو عثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: جو شخص اپنے اوپر سنتِ نبوی کا التزام کرتا ہے کہ ہر حکم کی پابندی اور ہر نہی سے باز رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اسی کے لیے بغض رکھتا ہے تو اس کی ہر بات حکمت پر مبنی ہو گی اگر وہ اپنے اوپر ہوائے نفسانی کا التزام کرتا ہے تو اس سے بدعات سئیہ صادر ہوتی ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ طریقۂ وسط کو اختیار کرے یعنے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرے اس لیے کہ یہی راستہ جنت و قربت و وصلت تک پہنچاتا ہے۔ کمال صدق و اخلاص کے حصول میں جدوجہد کرے اس لیے کہ اہلِ اختصاص کا زاد یہی چیزیں ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ فیاض و کریم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فیضِ عام سے مشرف فرمائے اور صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۝ اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرتا ہے اس سے کسی قسم کا سوال نہ ہو گا البتہ بندوں سے ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق سوال ہو گا۔

ف: کسی شے کی لاعلمی کے متعلق علم حاصل کرنا اور ایسے امر کو معلوم کرنا جو حقیقتِ حال سے باخبر کرے اسے سوال سے تعبیر کرتے ہیں اس کا جواب زبان سے ہو یا اس کے خلیفہ یعنے ہاتھ سے لکھ کر یا اشارہ کر کے۔

سوال: سوال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں اس سے تو اس کی جہالت ثابت ہوتی ہے؟

جواب: جیسے سوال جہالت سے کیا جاتا ہے ایسے ہی دشمن کو خاموش کرانے کے لیے اور دوسروں پر حقیقت کے اظہار اور اتمام حجت کے لیے بھی ہوتا ہے ورنہ وہ تو علام الغیوب والشہادہ ہے اسے سوال کی کیا ضرورت علاوہ ازیں کبھی سوال سے

لہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سوالیہ احادیث سے لاعلمی کی تہمت لگانے والے اس قاعدہ کو سمجھیں۔ ۱۲

سبیل الاستکشاف بھی ہوتا ہے جیسے رب انی یکون لی غلام کا سوال علی سبیل الاستکشاف ہے۔ ایسے ہی کبھی علے سبیل التضرع والحاجۃ بھی ہوتا ہے جیسے کافر کا قول قرآن میں ہے:

رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا۔ اے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو آنکھوں والا تھا۔

ف: بحر العلوم میں آیت "لا یسئل عما یفعل ... الخ کے تحت لکھا ہے کہ اللہ تعالٰے سے اس لیے سوال نہ ہوگا کہ وہ رب ہے مالک اور علام الغیوب ہے اس کے علوم کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ماسوٰی اس کے بندے اور مملوک ہیں وہ تمام اس کی تعلیم کے بغیر جاہل ہیں اس کے بتائے بغیر تمام بے خبر ہیں، اس لیے جاہل کے لائق نہیں کہ وہ اپنے آقا دانا، بینا پر اعتراض کے طور پر کہے کہ یہ کام آپ نے کیوں کیا یا یہ کام نہ کیا۔

وھم یسئلون اور بندوں سے اس لیے سوال ہوگا کہ وہ اس کے مملوک بندے خطا کار ہیں اس لیے ان سے سوال ہوگا کہ تم نے یہ کام آپ کیوں کیا یا یہ کام نہ کیا۔

ف: اکابر پر اعتراض کے طور پر سوال کرنا شوم بختی ہے۔ اللہ تعالٰے کے غضب کو جوش آتا ہے اور معترض اس کے عذاب و غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مزن ز چون و چرا دم کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجاں ہر سخن کہ جاناں گفت

ترجمہ: مقبول بندے پر چون و چرا نہ کیجئے جو محبوبان خدا کہیں اسے دل و جان سے قبول کرو۔

اسی اعتراض کی نحوست تھی کہ جونہی شیطان ابلیس نے اللہ تعالٰے پر اعتراض کیا تو ملعون ٹھہرا اور زمرۂ کفار و مردودین میں شامل ہوا جب کہ اللہ تعالٰے نے سجدۂ آدم علیہ السلام کا حکم فرمایا تو شیطان نے اعتراض کے طور پر کہا: ءاسجد لمن خلقت طینا۔ اسی اعتراض کی نحوست سے ہاروت و ماروت کو سزا ملی جب کہ انھوں نے آدم علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں اعتراض کیا۔

سبق جب مخلوق کے بارے میں اعتراض کی یہ سزا ہے تو خالق کائنات پر اعتراض کرنے کی کیا سزا ہوگی اور دور حاضرہ میں بعض جدت پسند اللہ تعالٰے کی ذات اور اس کے صفات اور ان کے اندر غور و خوض کرکے تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ سابقہ امم میں بھی اہلِ ہوا معترضین منکرین انہی وجوہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ انھوں نے ان مسائل کو اٹھایا جنھیں صحابہ کرام، تابعین، ائمہ کرام اور اولیاء کاملین رحمہم اللہ تعالٰے بیان کرنے سے گھبراتے تھے اس لیے کہ ان مسائل کے اظہار سے ذات و صفات پر شبہات پیدا ہونے کا خطرہ تھا لیکن بعد میں آنے والے ملحدوں نے وہی مسائل کھڑے

کیے تو شبہات میں پڑ کر خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اگر وہ یہ مسائل کھڑے نہ کرتے تو ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھتے۔

مسئلہ خلاصہ یہ ہے کہ اہل حق کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی فعل اور اس کے تخلیقی امور میں اعتراض کرنا کفر ہے اس پر وہی جرأت کر سکتا ہے جو کافر گمراہ اور گمراہ کن ہوگا۔

فائدہ وہابی کش[1] اسی طرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرنا بھی کفر ہے اسی لیے کہ آپ ہر بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرماتے ہیں آپ کی کسی بات میں خواہش نفسانی کو دخل نہیں ہوتا اسی لیے ان پر اعتراض کرنا دونوں جہانوں کی تباہی و بربادی کو مول لینا ہے۔

حدیث شریف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ "اے لوگو! تمہارے اوپر حج فرض ہے"۔

یہ ارشاد گرامی سن کر حضرت عکاشہ بن محصر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم پر ہر سال حج فرض ہے یا صرف اسی سال۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں نعم (ہاں) کہہ دیتا تو پھر ہر سال حج فرض ہو جاتا اگر ہر سال فرض ہوتا تو تم اسے چھوڑ کر گمراہ ہو جاتے۔ فلہٰذا تم مجھ سے اس قسم کے سوالات مت کیا کرو، جب تک میں خود نہ بتاؤں۔ تم سے پہلی قومیں بھی کثرت سوالات و اختلافات اور رسل علیہم السلام پر اعتراض و انکار کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں۔

آپ کے اس ارشاد گرامی پر آیت یا ایھا الذین لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم نازل ہوئی۔

ایک گستاخ کی کہانی بہت بڑی بدبختی اس شخص کی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کیا چنانچہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ فرمایا: میں ایک جگہ بیٹھا تھا کہ کسی بدبخت نے کہا کہ کوئی بھی اپنی خواہش نفسانی سے خالی نہیں خواہ وہ نبی ہے یا ولی۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی علیہ السلام بھی (معاذ اللہ) اس لیے کہ آپ نے فرمایا ہے:

حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنسآء

وقرۃ عینی فی الصلوۃ۔

میں نے اسے کہا، اے بدبخت! خدا کا خوف کر کہ یہ اعتراض بے جا ہے اس لیے کہ آپ کو نفسانی خواہش ہوتی تو فرماتے احببت بلکہ فرمایا، حبب (بصیغہ مجہول) اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو مذکورہ بالا اشیاء کی محبت کا حکم منجانب اللہ تھا۔

---

[1] یہ اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

جب وہ حکم منجانب اللہ تھا تو پھر آپ پر اعتراض کیسا۔ اس بدبخت کی بات مجھے سخت ناگوار گذری اور مجھے سخت غم لاحق ہوا۔ اسی غم میں مجھے نیند نے گھیرا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا: غم نہ کھائیے میں نے اس بدبخت کا کام پورا کر دیا ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو سننے میں آیا کہ وہ بدبخت مارا گیا ہے[1]

گستاخِ نبوت کی سزا جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عورتوں سے نفسانی پیار تھا۔ اس سے اس کی مراد تنقیص رسالت ہو تو ایسے بدبخت کو قتل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے بدبخت کو تباہ و برباد کرے۔ کذا قال الفقہاء۔

صاحب روح البیان فرماتے ہیں ؎

شب پرہ میطلبد بدر تمامت نقصان
او نداند کہ آید نور تو ظاہر باشد
ہر کہ از روئے جدل پر تو سخن میراند
بشل شد اگر شی بوعلی کافر باشد

ترجمہ: (۱) چمگادڑ چودھویں رات کے چاند کو ناقص سمجھتا ہے وہ نہیں جانتا کہ یہ نہ ہوتا تو تو بھی نہ ہوتا۔
(۲) جو شخص تجھ پر اعتراض کرتا ہے وہ غلط کار ہے اگرچہ ابوعلی جیسا کافر بھی ہو۔

اولیاء کرام کے گستاخ ایسے ہی اولیاء، ومشائخ اور علماء باعمل پر اعتراض کرنا بھی محرومی ہے بلکہ ان کی صحبت سے برکات نصیب نہ ہوں گے نہ ہی ان سے علمی فیوض حاصل ہوسکیں گے جیسے موسیٰ وخضر علیہم السلام کا واقعہ شاہد عدل ہے۔ حالانکہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے معاہدہ کرایا کہ "فلا تسألنی عن شیءٍ حتی احدث لك منه ذكرا" لیکن پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اعتراض کیا تو جدائی پر نوبت آگئی اور ساتھ رہنے کے برکات اور علمی فیوضات کے حاصل کرنے سے رہ گئے اور وہ علوم آپ کو میسر نہ ہوئے جو آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل ہونے تھے۔

خوارج کی بدقسمتی خوارج کی بدقسمتی ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اسی وجہ سے نہ صرف ان کا خروج ہوا بلکہ دین حق سے خارج ہو گئے اور انھیں کلاب النار اور شر قتلی تحت ادیم السماء کے القاب نصیب ہوئے۔

ولی اللہ کے گستاخ کی کہانی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا ایک شاگرد آپ کا نافرمان نکلا۔ آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ اسے چھوڑو یہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت سے گر گیا ہے۔ چنانچہ بعد میں اسے

---

[1] گستاخوں کے حالات فقیر کی تصنیف "گستاخوں کا بدانجام" پڑھیے۔ (اویسی غفرلہ)

ہیجران کے ساتھ پیر نا دیکھا گیا پھر چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ یہ اسے دنیا میں سزا ملی اور آخرت میں اس کے ساتھ اللہ تعالےٰ کلام نہ فرمائے گا اور نہ ہی اسے نظر کرم سے نوازے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے ہجران و فراق میں رہے گا۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے ؎

ہین مکن با مرشد کامل جدل
تا نباشد گمراہی او را بدل

ترجمہ: خبردار! اللہ والے سے جنگ نہ کرنا کہ تجھے گمراہی کا پھندا نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً: اتخاذ مذکور کے انکار اور اس کی قباحت کے اظہار اور اس کے استعظام کے لیے اور من اتخذوا کے متعلق ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ بلکہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لیا حالانکہ انھیں یقین ہے کہ وہ الوہیت کے بالکل مستحق نہیں۔

قُلْ: آپ انھیں الزام اور اتمام حجت کے طور پر فرمایئے: هَاتُوا۔ بحر العلوم میں ہے کہ یہ اسم فعل ہے۔ کہا جاتا ہے: هات الشی بمعنے اعطنیہ یعنے لاؤ میرے ہاں۔

بُرْهَانَكُمْ: اپنے دعویٰ پر عقلی و نقلی دلیل اس لیے کہ امور دینیہ بالخصوص ایسا عظیم الشان امر دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں۔

حل لغات امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ برھان بروزن فعلان رجحان و بنیان کی طرح ہے۔ بعض نے فرمایا کہ برہ یبرہ کا مصدر ہے بمعنے ابیض۔

قاموس میں ہر دونوں معنوں کو بیان فرمایا ہے۔ باب النون میں لکھا ہے کہ البرهان بالضم بمعنے الحجة و برهن عليه بمعنے اقام البرهان اور باب الہاء میں لکھا ہے کہ ابره بمعنے اتی بالبرهان۔

المفردات میں لکھا ہے کہ برہان مؤکد ترین دلیل کو کہا جاتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ صدق کا مقتضی ہوتا ہے۔

هَٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي: اس میں اشارہ ہے کہ ان میں تینوں کتابیں قرآن، تورات اور انجیل موجود تھیں یعنے جس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں قرآن مجید کی تابعداری کی وہ نجات پائے گا اور یہ قیامت تک لوگوں کے لیے نصیحت اور دستور العمل ہے اور تورات و انجیل امم سابقہ کے لیے وعظ و نصیحت اور دستور العمل رہیں۔ اب انھیں چیلنج کے طور پر فرمایا کہ ان ہر تینوں کتابوں کا مطالعہ کرو اور دیکھو ان میں سوائے توحید کے اور کچھ نہ ملے گا اس لیے میں نے اپنی دلیل برہانی قائم کر دی ہے اسے منکرو! اگر تمھارے اندر طاقت ہے تو تم بھی اپنی دلیل قائم کر کے دکھاؤ۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تحقیق وکشف سے وحدانیت کا اثبات ان علمار کاملین کا کام ہے جو میری اتباع میں حضرت حق تک سیر مقامات وقطع منازل کرتے ہیں اور یہ سابقہ انبیار علیہم السلام کا مرتبہ تھا جو اللہ تعالےٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ کی امت کے علمار کرام کو عطا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"

یعنے جیسے بنی اسرائیل کے انبیار علیہم السلام صدق طلب اور توجہ الی اللہ میں اعراض عن الکونین سے موصوف تھے اللہ تعالےٰ نے علمار امت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وہی درجہ نصیب فرمایا ہے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ۔ یہ اضراب (اعراض) اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ یہ کلام سابق میں داخل نہیں یعنے بلکہ وہ کفار حق کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی حق و باطل کی تمیز رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے سامنے حقیقۃ الحق و بطلان الباطل کی حجت کوئی قدر نہیں رکھتی۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ گویا اللہ تعالےٰ نے ان کے حق میں فرمایا کہ ان کے ہاں اصل الفساد یعنے جہالت اور عدم التمیز بین الحق والباطل کے سوا اور کچھ نہیں اس لیے ان سے اعراض کے سوا اور کوئی کچھ نہیں اس لیے ان سے انکار کا صدور ہوا۔

فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اسی وجہ سے توحید و اتباع الرسول سے روگردانی پر اصرار کرنے والے ہیں ان میں کچھ ایسے ہیں جو حضور علیہ السلام اور توحید کی حقانیت پر یقین رکھنے کے باوجود بطور عناد کے قبول نہیں کرتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول علیہ السلام کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں فلہٰذا میری توحید کو مانو اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک مت ٹھہراؤ۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ حضرات انبیار علیہم السلام کی بعثت کی حکمت انہی دونوں مصلحتوں پر مبنی ہے یعنے اثبات واحدنیۃ اللہ اور اس کی اخلاص سے عبادت اور ان کا فائدہ بندوں کی طرف راجع ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالےٰ کو ضرورت نہیں۔

قدسی حدیث شریف ہے کہ میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ میرے سے نفع حاصل کریں مجھے ان کی تخلیق سے کوئی فائدہ نہیں مثنوی شریف میں ہے ۔

چون خلقت الخلق کی یربح علی
لطف تو فرمود ای قیوم وحی
لا لان اربح علیہم جودتست
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست

عفو کن زین ناقصاں تن پرست
عفو از دریائے عفو اولیٰ تر ست!

ترجمہ: (۱) تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ وہ مجھ سے نفع پائیں اے حی وقیوم یہ تیرا لطف وکرم ہے۔
(۲) نہ یہ کہ میں مخلوق سے فائدہ اٹھاؤں یہ تیرا جود ہے کہ تمام ناقصین نے تجھ سے کمال پایا۔
(۳) ان تن پرستوں ناقصوں کو معاف فرما دیجئے کہ تیرے ہاں عفو اچھی شے ہے۔

ف: عبادت میں سب سے بڑا فائدہ معرفت حق تعالےٰ کا حصول ہے۔ کما قال تعالےٰ: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ لیعبدون بمعنی لیعرفون ہے اور یہ فائدہ بھی یعنے عرفان حق کا حصول صرف انسان سے مخصوص ہے، باقی مخلوق کو اس سے کوئی واسطہ نہیں اور امانت کی حقیقت اسی میں مضمر ہے۔ کما قال تعالےٰ: انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض (الآیۃ)

تحقیق صاحب روح البیان قدس سرہٗ طریقۂ معرفت عبادت سے اور معرفت سے رویت باری تعالےٰ نصیب ہوتی ہے اور عارفین کے نزدیک رویت حق سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں یہ نعمت معرفت سے اعلیٰ اور بلند و بالا ہے اس لیے کہ عارفین اہل وصال کاملین کے منازل کے مشتاق رہتے ہیں لیکن اہل وصال کو کسی منزلت و مرتبہ کا اشتیاق نہیں نہ مرتبہ معرفت کا نہ کسی اور کا۔

ف: یاد رہے کہ معرفت سے مشقت ومحنت اور رویت سے سرور اور رضائے حق نصیب ہوتی ہے۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ معرفت الطف اور رویت اشرف سے یا یوں کہو کہ معرفت اشد اور رویت مؤکد ترین ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ معرفت کے حصول میں جد وجہد کرے تاکہ اسے ذات حق تعالیٰ کی رؤیت ومشاہدہ نصیب ہو۔

توحید کے مراتب: توحید کے تین مراتب ہیں:

(۱) توحید اہل ہدایت، اور وہ "لا الہ الا اللہ" ہے اور اس اہل توحید کی سیر عالم اجسام تک محدود ہے۔
(۲) توحید اہل توسط اور وہ "لا الہ الا انت" ہے اس موحد کی سیر عالم ارواح میں ہے۔
(۳) توحید اہل نہایۃ، اور وہ "لا الہ الا انا" ہے اور اس صاحب توحید کی سیر عالم حقیقت میں ہے اسی مرتبہ کی طرف شیخ مغربی قدس سرہ نے اشارہ فرمایا ہے

نور ہستی جملۂ ذرات عالم تا ابد
میکنند از مغربی چوں ماہ از مہر اقتباس

ترجمہ: جملہ ذرات عالم کی ہستی کا نور تو ہے تجھ سے اے مغربی ایسے ہی نور حاصل کرتے ہیں جیسے سورج سے چاند۔
حضرت کمال خجندیؒ کے لطائف سے ہے ؎

طاس بازی بدیدم از بغداد
چون جنید از سوکش آگاہی
رفت در جبہ وقت بازے گفت
لیس فی جبتی سوے اللہی

ترجمہ: میں نے بغداد میں جنید (علیہ الرحمۃ) جیسا ایک شہباز دیکھا جو جبہ پہن کر کہہ رہا تھا کہ میرے جبے میں اللہ تعالے ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اکثر لوگ اسلام کا دم بھرتے ہیں اور توحید کے نعرے لگاتے ہیں لیکن وہ بیچارے حق و باطل کی تمیز نہیں رکھتے۔ وہ اہل شرک و ریا اور اہل بدعت و ہوا اور اہل دنیا کی اتباع میں زندگی بسر کرتے ہیں اسی لیے ان کی عبادت میں خلوص بہت کم ہوتا ہے بلکہ ان میں شرعی امور کا انتقار ہوتا ہے اگر ان میں وجدان حق کی استعداد ہوتی تو انھیں اولیاء اللہ کا دامن نصیب ہوتا پھر وہ انہی کے صدقے شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کے ذریعے چل کر وصال الٰہی حاصل ہوتا۔ لیکن ان بیچاروں نے سرے سے اصول بندگی کو ہی ضائع کر دیا۔ اللہ تعالےٰ ہی سے ہدایت و توفیق اور مقام صدق و تحقیق تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔ (جسے اللہ تعالےٰ نصیب ہی کرے)۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔ اور کفار نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کو اپنی اولاد بنا رکھا ہے۔ اور وہ مدعی تھے کہ ملائکہ اللہ تعالےٰ کی لڑکیاں ہیں اور ان احمقوں کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کی نوخیز لڑکیوں سے شادی کی تو ان سے ملائکہ پیدا ہوئے (معاذ اللہ)۔

ف: راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ شے کی وضع و تحصیل کو عربی میں اتخذ کہتے ہیں اور یہ کبھی بمعنے تناول مستعمل ہوتا ہے کما قال:

"معاذ اللہ ان نأخذ الا من وجدنا متاعنا عندہ"
اور کبھی بمعنے قہر و غلبہ آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:
"لا تأخذہ سنۃ ولا نوم"
اور کہتے ہیں:
"اخذتہ الحمی"

اور اسیر قیدی کو ماخوذ و اخیذ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اتخاذ اسی اخذ سے ہے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو کر بمعنے الجعل مستعمل ہوتا ہے۔

سُبْحٰنَهٗ اسی کی شان کے لائق اسی کی ذات کو تنزیہ ہے جب کہ سبحان کو مصدر مانا جائے اس کا فعل سبح بمعنے ہوگا بمعنے بعد یا یہ دراصل اسبح تسبیحۃ تھا اس معنے پر سبحان تسبیح کا اسم علم ہوگا یہ عموماً بندوں کی زبان سے بولا جاتا ہے یا اس کا اصل سبحوہ تسبیحہ تھا۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کلمہ تعجب کا ہو کہ ان احمقوں کی گفتگو سے تعجب کے طور پر بندوں سے فرمایا کہ کہو سبحانہ یعنے وہ کریم انھیں ہر چھوٹی بڑی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اس کی شان بہت بلند ہے اس لیے کہ اس کے لیے بیوی بچوں اور شرکا ثابت کرتے ہیں۔

ف : کشف میں لکھا ہے کہ تعجب تنزیہ کے منافی نہیں یعنے یہ جائز ہے کہ تعجب کے ساتھ اس کی تنزیہ بھی بیان کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

بَلْ یعنے جیسے ان کافروں نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالٰے کی لڑکیاں ہیں ان کا کہنا سراسر غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملائکہ **عِبَادٌ** اللہ تعالٰے کے بندے اور اس کے پیدا کردہ اور **مُّكْرَمُوْنَ**۝ اس کے مقرب اور اس کے بہت سے بندوں سے افضل اور اعلٰی ہیں۔

(یاد رہے کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں[1])

اور مخلوقیہ اولاد ہونے کے منافی ہے اس لیے کہ اولاد میں مناسبت ضروری ہے اور ملائکہ کو اللہ تعالٰے سے کیا مناسبت اور اور ان کا مقرب ہونا اولاد ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ کافروں کا گمان ہے۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ یہ عباد کی دوسری صفت ہے۔

حل لغات : اسبق بمعنے التقدم فی السیر۔ چلنے میں کسی کے آگے بڑھنا۔ پھر مجازاً چلنے کے علاوہ دوسرے امور میں بھی مستعمل ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ ملائکہ کرام اللہ تعالٰی کے ارشادِ گرامی سے پہلے کسی بات میں سبقت نہیں کرتے، کمال درجہ کے فرمانبردار ہیں، وہ حکم کے منتظر ہیں، اللہ تعالٰی کے حکم کو باادب فرمانبردار غلاموں کی طرح بجا لاتے ہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ وُہ بے دستور کلام نہیں کرتے۔ اس سے کافروں کے طمع کو توڑنا ہے کہ وہ ملائکہ کی شفاعت پر پُرامید تھے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالٰی کے اذن کے بغیر تمھاری شفاعت نہیں کر سکتے۔

---

[1] : اضافہ از اویسی غفرلہ

وَهُم بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ اس کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ یہ قصر بامرہٖ پر حرف جار کے اپنے عامل کی تقدیم سے ثابت ہوتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگرچہ انسان اللہ کا مامور او مخلوق بھی ہے لیکن ملائکہ صرف اللہ تعالیٰ کے مامور ہیں اور الامر مصدر ہے، مثلاً کہا جاتا ہے اَمَرْتُہٗ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی دوسرے کو کسی فعل کے بجا لانے پر مکلف بنایا جائے۔

ولی اللہ کی شان آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محرم اور مقرب بندوں کی یہی شان ہے کہ جب وہ واصل باللہ اور مقرب الٰہی ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی طرف سے کچھ بولتے ہیں نہ اپنے ارادہ سے کچھ کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بولتے اور خاموش رہتے ہیں (صاحب روح البیانؒ نے فرمایا): ؎

چوں وزد باد صبا وقت سحر — میشود دریا ز جنبش موجگر
موج و تحریک از صبا باشد ہمیں — نے دریا ایں خروش آیندہ بین

ترجمہ: ۱۔ جب صبح کے وقت بادِ صبا چلتی ہے تو دریا میں موج آجاتی ہے۔
۲۔ اس کی موج و تحریک بادِ صبا کی وجہ سے ہے ورنہ دریا کو ایسا جوش نہ ہوتا۔

یَعْلَمُ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ جو کچھ پہلے عمل کر چکے یا کہہ چکے ہیں وَمَا خَلْفَھُمْ اور جو کچھ انھوں نے بعد کو کیا یا کہا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علوم کے احاطہ کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ ملائکہ کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط بکل شیٔ ہے اسی لیے وہ اپنے ہر معاملہ کی نگرانی کرتے ہیں اور اسی وجہ سے قول و عمل میں اللہ تعالیٰ کے بغیر سبقت نہیں کرتے۔ اسے ماقبل کی تعلیل اور مابعد کی تمہید کے لیے لایا گیا ہے وَلَا یَشْفَعُوْنَ الشفع بمعنے ضم الشیٔ الیٰ مثلہ کسی شے کو اپنے ہم مثل کے ساتھ ملانا۔ اور الشفاعت بمعنے سفارش اور سائل کا آپس میں ملنا اور اس کا اکثر استعمال اعلیٰ کو ادنیٰ سے ملانے کے لیے ہوتا ہے۔ اسی معنیٰ سے قیامت کی شفاعت کو لیا گیا ہے اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی یعنی ملائکہ کرام کسی کی شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ یعنی ملائکہ کرام اہلِ ایمان کی شفاعت کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل اور اس پر خلوصِ دل سے ماننے والے کی شفاعت کریں گے۔

معتزلہ اور نجدی وہابی کا ردّ اس آیت سے معتزلہ (وہابی نجدی) کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے کہا کہ اہلِ کبائر کو شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ اہلِ کبائر کی تخصیص کہاں سے نکالی (یا نجدیوں وہابیوں نے نبی و ولی کی شفاعت کی نفی کیسے سمجھ لی)

سوال: اہلِ کبائر کی شفاعت کی نفی اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جرائم و معاصی سے راضی نہیں اس لیے انھیں شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

جواب: اللہ تعالیٰ ہر اس بندے سے راضی ہے جو کلمۂ شہادت کا اقراری اور اس سے سرشار ہے اگرچہ اس کے فعل شنیع سے راضی نہیں۔ اس سے اتنا ثابت ہو گیا کہ عاصی و مجرم پر من وجہ راضی ہے اور من وجہ ناراض ہے۔ اور ہم نے اعمال پر عقاید کی تصحیح کو ترجیح دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس کا مؤید ہے۔ فرمایا:

ارتضاهم هم اهل شهادة ان لا اله الا الله۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ گفت پیغمبر کہ روز رستخیز	کے گزارم مجرماں را اشک ریز
۲ من شفیع عاصیاں باشم بجان	تا رہانم شان ز اشکنجہ گران
۳ عاصیاں و اہل کبائر را بجہد	وارہانم از عتاب نقض عہد
۴ صالحان امتم خود فارغند	از شفاعتہائے من روز گزند
۵ بلکہ ایشاں را شفاعت ہا بود	گفتشان چون حکم نافذ می رود

ترجمہ: ۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت میں میں مجرموں کو روتا ہوا کیسے چھوڑوں گا!

۲۔ میں بہ دل و جان مجرموں کا شفیع ہوں تاکہ انھیں عذاب کے شکنجہ سے بچاؤں۔

۳۔ عاصیوں اور اہلِ کبائر کو جد و جہد کر کے نقضِ عہد کے عتاب سے چھڑاؤں۔

۴۔ میری اُمت کے نیک تو خود چھوٹ جائیں گے انھیں میری شفاعت سے کیا تعلق!

۵۔ بلکہ وہ (نیک) میرے ساتھ ہو کر مجرموں کی شفاعت کریں گے ان کی شفاعت بھی میری شفاعت جیسی ہو گی۔

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ اور وہ باوجودیکہ مطیع و فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے۔ اس میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی ملائکہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے **مُشْفِقُوْنَ** یعنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت سے لرزتے کانپتے ہیں۔

حلِ لغات: الاشفاق بمعنے العناية المخلطة بخوف۔ اس لیے کہ مشفق مشفق علیہ سے محبت کرتا اور جو کچھ اسے لاحق ہو گا اس سے اس کے لیے خوف کرتا ہے۔ (کذا فی المفردات)

اور ابن الشیخ نے فرمایا:

الخشیۃ والاشفاق قریب المعنیٰ ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ الخشیۃ میں مخشی منہ (جس سے ڈر ہو) کی جانب کو ترجیح ہوتی ہے یعنی اس کی عظمت و ہیبت کا تصور دل میں ہوتا ہے اور الاشفاق میں مخشی علیہ (جسے ڈر ہے) کی جانب کو ترجیح ہوتی ہے کہ اس کی رعایت مطلوب ہوتی ہے اور احتیاط کی جاتی ہے کہ وہ کسی مصیبت اور مکروہ امر میں مبتلا نہ ہو۔ الاشفاق لفظ علیٰ اور من ہر دو کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

اشفق عليه فهو مشفق اور اشفق منه۔ ای حذر منه۔ اگر مِن کے ساتھ متعدی ہو تو اس میں

خوف کا معنیٰ زیادہ ظاہر ہوتا ہے اگر لفظ علیٰ کے ساتھ متعدی ہو تو بہ نسبت خوف کے اغنناء (عنایت ، شفقت) کا معنیٰ زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔

شبِ معراج کے دو قصے (۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو شبِ معراج دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ٹاٹ کی طرح گرے پڑے تھے۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرافیل علیہ السلام کو دیکھا باوجودیکہ اس کی عظمت یہ ہے کہ اس کا ایک پاؤں مشرق میں، ایک مغرب میں اور عرشِ الٰہی کو ایک پر اٹھائے ہوئے ہے لیکن کبھی خوفِ الٰہی سے (وصع) پرندے کی طرح ضعیف اور کمزور پڑ جاتا ہے۔

ف : الوصع بالسکون، کبھی دونوں حرکتوں سے پڑھا جاتا ہے ، ایک پرندہ ہے جو چڑیا سے بھی چھوٹا ہے۔ (کذا فی القاموس)

خوف و خشیت حلیۂ اہلِ دلست   امن و بے پروائی شانِ غافلست

ترجمہ : خوف و خشیت اہلِ دل کا شیوہ ہے۔ امن و بے پروائی غافلوں کا طریقہ ہے۔

اس کے باوجود **وَمَنْ يَّقُلْ** جو کہے **مِنْهُمْ** ملائکہ کرام میں سے **اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ** بے شک میں اللہ کے سوا معبود ہوں۔ من دونہ حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی : متجاوزا ایاہ تعالیٰ - **فَذٰلِكَ** پس اسے یعنی جس نے ایک محال امر کو فرضی طور مانا ، حالانکہ ملائکہ کرام میں کسی ایک نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔

ف : بعض نے کہا کہ اس سے ابلیس مراد ہے اس لیے کہ اس نے الوہیت کا دعویٰ کرکے اپنے لیے پرستش کرائی۔ اگر یہ تفسیر مان لی جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ابلیس فرشتہ تھا حالانکہ وہ تو جن تھا۔

نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ہم اسے دوسرے مجرموں کی طرح جہنم کی سزا دیں گے اگرچہ وہ بہت اچھے اور نیک صفات اور اعمالِ صالحہ کے مالک ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ اس میں مشرکین کو تہدید ہے اس لیے کہ جب الوہیت کے مدعی کو سزا ہوگی تو اس کے پرستاروں کو بطریقِ اولیٰ سزا ہونی چاہیے تاکہ وہ اس تہدید کو سن کر شرک کے ارتکاب سے باز آجائیں۔ **كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ** یہ مصدر تشبیہی ہے ، ماقبل کے مضمون کی تاکید کرتا ہے یعنی مذکورہ سخت بری سزا کی طرح ہم ان ظالموں کو بھی سزا دیں گے جو امور کو بر غیر محل استعمال کر رہے ہیں اور شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں یا الوہیت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ یہ قصر صرف زیادتی و نقصان میں اعتدال کے اظہار کے لیے ہے یعنی اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا پاؤ گے اگر برائی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ جزیتہ کذالک کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لا یسبقونہ بالقول میں اشارہ ہے کہ ملائکہ کرام کو ماکول و مشروب و ملبوس و منکوح اور گرمی و سردی سے بچنے و دیگر امور عارضہ جیسے امراض و علل و آفات سے منزہ پیدا فرمایا ہے جب وہ ان ضروریات سے پاک ہیں تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سبقت کر سکتے ہیں جب انھیں ضرورت ہی کسی شے کی نہیں تو پھر کیسے استدعا کر سکتے ہیں کہ فلاں کام کر دے اور فلاں تکلیف دُور فرما دے وغیرہ۔ اسی طرح ان کی طبائع ایسی نہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے خلاف ارتکاب کریں بلکہ ان سے خلاف کے بجائے ایسے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ ہر حکم کو بجا لانے پر تیار رہتے ہیں **وھم بامرہ یعلمون** اسی لیے ان کے لیے فرمایا **لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون** بخداوہ اپنے خصائل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں، بنی آدم کی اکرمیت کا راز **ولقد کرمنا بنی آدم** میں مضمر ہے کہ بنی آدم میں وہ کرامات ہیں جو ملائکہ کرام سے موکد تر ہیں بنی آدم انہی خصائل و عادات کی وجہ سے درجات کے لحاظ سے اکبر اور منزلت کے لحاظ سے ارفع ہیں۔ وہ اس لیے کہ بنی آدم میں وہ طبائع رکھے گئے ہیں جن کی ملائکہ کو محتاجی نہیں بنی آدم صرف دو خصلتوں سے ملائکہ سے اکرم قرار پائے:

۱۔ اپنی احتیاج میں مضطر اور پریشان ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۲۔ اس سے اپنی ضروریات و حاجات کے لیے دعائیں مانگتے ہیں ان کی اسی عاجزی کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ ان سے دعا کی استجابت کا وعدہ فرماتا ہے۔ کما قال: **ادعونی استجب لکم۔**

اسی معنے پر بنی آدم ملائکہ کی خصلت **لا یسبقون بالقول** میں شریک ہیں۔ اس لیے کہ وہ حکمِ الٰہی بجالانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ رفعِ حاجات کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کی تعریف فرمائی۔ کما قال تعالیٰ:

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا و طمعا۔

اور ان کی دعا مانگنے کی وجہ سے ان کی شان بلند فرما دی۔ کما قال تعالیٰ:

قل ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم۔

اسی کرامت دعا و استجابت سے بنی آدم ملائکہ کرام سے ممتاز و مکرم تر بن ہوئے۔ لیکن یہ بنی آدم کے خواص کا مرتبہ ہے، لیکن جو اخص الخواص ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی طمع و خوف کے پیشِ نظر نہیں کرتے بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے شوق و محبت میں ڈوب کر عبادت کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ۔

اسی محتاجی کی بنا پر بنی آدم ملائکہ سے بڑھ گئے کوئی ایسی مخلوق نہیں جو اس محتاجی میں بنی آدم کا مقابلہ کر سکے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی دوسری

مخلوق کسی نہ کسی وجہ سے محتاج ہے اور ان کی محتاجی ان کی استعداد کے مطابق رکھی گئی ہے لیکن بنی آدم ہر طرح اور من کل الوجوہ ذاتِ حق کے محتاج پیدا کیے گئے ہیں۔ یہی راز ہے واللہ الغنی وانتم الفقراء میں۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں من کل الوجوہ غنی ہے ایسے ہی بنو آدم محتاجی میں من کل الوجوہ اس کی ذات کے محتاج ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو اپنے ہر اسم کا علم سکھایا ہے تاکہ اپنی ہر ضرورت اسی اسم کے علم کے مطابق سوال کرے۔ یہ اعزاز صرف انسان کو نصیب ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واٰتیکم من کل ما سالتموہ۔

اور اپنی نعمتوں کے بارے میں بھی فرمایا کہ وہ ان گنت اور غیر منتہی ہیں۔ کما قال:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔

یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کی اس خجالت کو جانتا ہے جبکہ تخلیق آدم کے مشورہ کے وقت زمانہ سابق میں انھوں نے بنی آدم کے لیے کہا: اتجعل فیھا من یفسد فیھا۔ اس میں ایک قسم کا بنی آدم پر اعتراض کا شائبہ ہے اور اس میں غیبت کی بھی بُو آتی ہے اور ان کا عُجب بھی جھلکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں عار دلاتے ہوئے فرمایا:

انی اعلم ما لا تعلمون۔ مجھے معلوم ہے کہ مسجودیۃ کا استحقاق کس کو حاصل ہے اور ساجدیت کا حقدار کون۔ وما خلفھم میں ملائکہ کا وہ عمل جو انھوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور پھر قیامت تک بنی آدم کے لیے استغفار کرینگے تاکہ بنی آدم کی غیبت کا کفارہ ہو جائے۔ **ولا یشفعون** اور استغفار میں شفاعت نہیں کرتے **الا لمن ارتضٰی** مگر ان لوگوں کے لیے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے کہ ان میں اہلِ مغفرت کون ہیں **وھم من خشیتہ مشفقون** یعنی ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کی خشیۃ اور جلال کی سطوت سے خوفزدہ ہیں کہ زمانہ سابق میں جو اُن سے بنی آدم کے حق میں غیبت کا صدور ہوا، نہ معلوم کہ وہ کریم انھیں بخشتا ہے یا نہیں۔ **ومن یقل منھم انی الٰہ من دونہٖ** یعنی ملائکہ میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کہتا ہو کہ وہ معبود ہے **فذٰلک نجزیہ جھنم** اس میں اشارہ ہے کہ ملائکہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے آپ کو الوہیت کے اوصاف سے موصوف سمجھتا ہو بفرضِ محال اگر کوئی ان میں الوہیت کا دعویٰ کرے تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے یعنی اسے اپنی درگاہ سے ہٹا کر محروم کر کے سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ جیسے ابلیس کا حال سب کو معلوم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے متصف ہونا صرف انسان کی شرافت و بزرگی ہے اور بس۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

تخلقوا باخلاق اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے اوصاف پیدا کرو۔

اور قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کرام کی طرف ایک مکتوب گرامی بھیجے گا جس کا عنوان یوں ہوگا؛ (باقی برصفحہ ۹۴۳)

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے

كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾

تو ہم نے انہیں کھولا اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان لائیں گے

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا

اور زمین میں ہم نے لنگر ڈالے کہ انہیں لے کر نہ کانپے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں رکھیں

سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ

کہ کہیں وہ راہ پائیں اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا نگاہ رکھی گئی اور وہ اس کی

آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

نشانیوں سے روگرداں ہیں اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ

اور چاند ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہا ہے اور ہم نے تم سے پہلے کسی آدمی کے لیے دنیا میں ہمیشگی نہ

أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُمْ

بنائی تو کیا اگر تم انتقال فرماؤ تو یہ ہمیشہ رہیں گے ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں

بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ

برائی اور بھلائی سے جانچنے کو اور ہماری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے اور جب کافر تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہیں نہیں

يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ

ٹھہراتے مگر ٹھٹھا کیا یہ ہیں وہ جو تمہارے خداؤں کو برا کہتے ہیں اور وہ رحمٰن ہی کی یاد سے منکر

كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾

ہیں آدمی جلد باز بنایا گیا اب میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا مجھ سے جلدی نہ کرو

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو کسی طرح جانتے کافر اس وقت کو جب نہ

لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٣٩﴾

روک سکیں گے اپنے مونہوں سے آگ اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد ہو

بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾
بلکہ وہ ان پر اچانک آپڑے گی تو انہیں بے حواس کردے گی پھر نہ وہ اسے پھیر سکیں گے اور نہ انہیں

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا
مہلت دی جائے گی اور بیشک تم سے اگلے رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا تو مسخرگی کرنے والوں کا

كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾
ٹھٹھا انہی کو لے بیٹھا

تفسیر عالمانہ

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا ہمزہ نفی رویت انکار کے لیے ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی النفی کا انکار کبھی نفی ہوتی ہے جیسے نفی النفی سے اثبات ہوتا ہے اور واو فعل مقدر کے عطف کے لیے ہے اور رؤیت سے رؤیت بصریہ نہیں بلکہ رؤیت قلبیہ مراد ہے۔ اس معنی پر یہ مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے منافی نہیں۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ کیا یہ لوگ تفکر یا علماء سے استفسار کیوں نہیں کرتے یا کتابوں کا مطالعہ کر کے کیوں معلومات نہیں حاصل کرتے یا وحی سن کر کیوں نہیں سمجھتے۔ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔

سوال: تثنیہ کا ضمیر کیوں۔ حالانکہ سمٰوٰت اور ارض ہر دو بل کر جمع کے صیغے کے مقتضی ہیں۔

جواب: چونکہ یہ ہر دو ایک علیحدہ جماعت ہیں انھیں دو جماعتیں قرار دے کر تثنیہ کی ضمیر لائی گئی۔

كَانَتَا رَتْقًا یہاں مضاف محذوف ہے دراصل ذواتی رتقا تھا بمعنے ملتزقین و منضمین یعنی بے شک آسمان و زمین آپس میں ملے ہوئے تھے ان کے درمیان کوئی فضا اور سوراخ نہیں تھا اس لیے کہ ہر وہ شے جو خلقۃً یا صنعۃً معضوم یا ملتحم ہو اسے عربی میں رتق کہتے ہیں ففتقنٰهما۔ الفتق دو متصل چیزوں میں فاصلہ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ رتق کی نقیض ہے۔ یعنی ہم نے ان دونوں کے درمیان میں ہوا کے ذریعے فاصلہ بنایا۔

عرشِ معلّٰی کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے سکون ملا

حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نورانی جوہر پیدا فرمایا پھر اس پر ایک ہیبت ناک نظر ڈالی تو وہ نورانی جوہر پگھل کر پانی پانی ہوگیا۔ پھر اس پگھلے ہوئے پانی پر نظر رحمت

بتیہ سے) من الملك الحی الذی لا یموت الی الملك الحی الذی لا یموت ۔ ملک حی اور وہ جس پر موت نہیں کی طرف سے یہ مکتوب اس ملک حی کی طرف جس پر موت نہیں آئے گی۔

کذٰلك نجزی الظّٰلمین یعنی ان ظالموں کو ہم ایسے سزا دیں گے جو اشیاء کو برمحل استعمال نہیں کرتے ۔ مثلاً وہ ریاءً و سمعۃ اور شرک خفی کا ارتکاب کرتے ہیں ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ڈالی تو اس کا نصف حصہ منجمد ہوگیا ۔ اس پگھلے ہوئے حصے سے عرش بنایا تو عرش ہلنے لگا اس پر کلمہ لا الٰہ الاّ اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ لکھا تو عرش معلّٰی کو سکون نصیب ہوا۔

نکتہ : اسی وجہ سے پانی ہر وقت ہلتا رہتا ہے اور قیامت تک ہلتا رہے گا ۔ اسی لیے اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا : وکان عرشہ علی الماء ۔ اس سے میٹھا پانی مراد ہے۔

ف : پانی کی حرکت سے تہ بہ تہ دھوئیں اُٹھے اس سے جھاگ اُبھری ۔ ان تہ بہ تہ حصوں سے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرمائیں ۔ اسی لیے ابتداءً یہ چودہ طبق آپس میں ملے ہوئے اور ملصق تھے ۔ اس کے بعد اللّٰہ تعالیٰ نے ہوا کو پیدا فرمایا تو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان خلا اور فضا پیدا کر دی ۔ کما قال تعالیٰ : ثم استوٰی الی السماء وھی دخان ۔

نکتہ : اللّٰہ تعالیٰ نے آسمانوں کو دھوئیں سے اس لیے پیدا فرمایا کہ دُھواں متماسک الاجزاء ہے اور بالآخر اپنے ملتہا پر ٹھہر جاتا ہے بخلاف بخار کے کہ وہ اپنے مرکز کی طرف لوٹ جاتا ہے وہی اپنی حکمتوں کو خوب جانتا ہے وہی کمال علمی کا مالک ہے اس کے بعد پانی پر جھاگ کو پھیلایا تو اس کی قدرت سے پھیلا ہوا جھاگ کا حصہ زمین بن گئی ۔ اسی لیے اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا : والارض بعد ذٰلك دحاھا ۔

ف : ایک روایت میں ہے آسمان ایسا مضبوط تھا کہ پانی اس سے نیچے نہیں اُترتا تھا اور زمین بھی پختہ تھی اس سے گھاس نہیں اگتی تھی ۔ اللّٰہ تعالیٰ نے بارش کا سلسلہ جاری فرمایا تو دونوں کھل گئے اور آسمان سے پانی اور زمین سے گھاس پیدا ہونے لگے ۔ یعنی اس قدرت والے نے آسمان جیسی سخت ترین چیز کو نرم ترین بارش سے جدا فرمایا ۔ اسی طرح زمین کو بھی نرم ترین یعنی انگوری سے جدا فرمایا۔

سوال : بارش تو صرف پہلے آسمان سے اُترتی ہے پھر اسے جمع کے صیغے سے کیا مناسبت ۔

جواب : ساتوں آسمانوں میں بارش کا مدخل ہے اس لیے کہ بارش کی تاثیر علو سے حاصل ہوتی ہے ۔

ف : فتق بھی علم و قدرت وغیرہما کی طرح اللّٰہ تعالیٰ کی صفت ہے ۔ اس لیے یہ بھی دُوسری صفات کی طرح قدیم ہے ۔ لیکن مفتوق بوجہ تعلق بالفتق کے حادث ہے جیسے معلومات و مقدرات حادث ہیں باوجودیکہ ان کا تعلق علم و قدرت قدیم صفتوں سے ہے ۔ اس معنے پر جیسے معلومات و مقدورات کو کوئی قدیم نہیں کہتا ایسے ہی مفتوق کو بھی کوئی قدیم نہیں کہہ سکتا ۔

ف : یہاں قاضی بیضاوی نے غلطی کی ہے اُنھوں نے فرمایا ہے کہ فتق ایک عارضی صفت ہے اور حادث ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ اور ہم نے پیدا فرمایا بہنے والے پانی سے جو کل زمین کو محیط ہے كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط ہر حیوان (ذی حیات شے) کو۔

ف : الماء میں الف لام جنس کا ہے۔ یعنی حیوان کی ہر جنس کو اسی پانی کی جنس سے پیدا کیا گیا ہے، اور یہاں الماء سے نطفہ/منی مراد ہے۔

چنانچہ دُوسرے مقام پہ فرمایا : واللہ خلق کل دابۃ من ماء۔ دواب کا ہر فرد معین پانی سے، یعنی اپنے باپ کے نطفے سے پیدا کیا گیا ہے یا اس سے نوع من انواع الدواب مراد ہے۔ یعنی دواب کا ہر نوع اپنے پانی کے نوع سے پیدا ہوا ہے۔

حیوان اور حی میں فرق فقیر (حقی رح) کہتا ہے کہ حی و حیوان میں فرق ہے اس لیے کہ ہر حیوان حی ہے لیکن ہر حی حیوان نہیں، جیسے ملائکہ کرام حی ہیں لیکن انھیں حیوان نہیں کہا جائے گا۔

حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ کرام کی تخلیق میں بھی پانی کو دخل ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو ہوا سے پیدا کیا ہے اور رہا پانی سے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور مٹی کو پانی سے اور جنات کو آگ سے اور آگ کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آیت میں نبات و اشجار داخل ہیں اس لیے کہ ان کی نشوونما پانی سے ہے اور حیات کا اطلاق قوتِ نامیہ پر ہوتا ہے اور یہ قوتِ نامیہ جیسے حیوان میں ہوتی ہے ایسے ہی نباتات و اشجار میں ہوتی ہے اور ان اشجار و نباتات کی حیوۃ پر آیت یحی الارض بعد موتہا دلالت کرتی ہے۔ (کذا فی الکبیر)
اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ان آیات موضحہ کو دیکھ کر یہ مشرکین ایمان کیوں نہیں لاتے۔

تفسیر صُوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے : آسمان و زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے مشرکین اور اہلِ ایمان کے ارواح پیدا ہوئے۔

حدیث شریف میں ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اجساد سے دو ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ چار ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا کیا گیا ارواح کے سامنے ہی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق ہوئی۔ اس وقت آسمان اور زمین ایک شے تھی جیسا کہ مشہور حدیث شریف میں ہے کہ اوّل ما خلق اللہ جوھرۃ الخ۔

ف اس حدیث شریف کا مضمون ابھی گزرا ہے ۱۲

وجعلنا من الماء کل شیٔ حی میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کی حیات اس وقت پیدا فرمائی جب اس کا عرش پانی پر تھا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ تمام موجودات کا مبدأ وہی جوہر ہے اور اس سے روحِ اعظم (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس) مراد ہے۔ اسی روحِ اعظم سے تمام ملائکہ اور ارواح اس کے اعلیٰ حصہ سے اور تمام حیوانات و دواب اس کے اسفل حصہ یعنی پانی سے پیدا ہوئے۔ کما قال: واللہ خلق کل دابۃ من ماء۔ اور ان سب کی تخلیق ارواح کے سامنے ہوئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: افلا یؤمنون۔ یعنی کیا یہ نہیں مانتے کہ ان کے ارواح کے سامنے سب کچھ پیدا ہوا۔

ف : رؤیۃ سے رؤیۃ قلبی مراد ہے۔ اور یہی ایمان کی حقیقت ہے۔

حکایت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے منبر پر یہ دعویٰ فرمایا کہ عرش کے سوا مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہو پوچھ لو، اس لیے کہ مجھے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعابِ دہن سے نوازا اس کی برکت سے مجھے ہر شُوبے حد و عد علوم نصیب ہوئے ہیں۔ بخدا توراۃ و انجیل کو اگر بولنے کی طاقت عطا ہو جائے تو میں جو کچھ ان کے علوم بتاؤں تو وہ میری تصدیق کریں گے۔ اسی مجلس میں ایک یمنی شخص نے کہا کہ یہ عجیب انسان ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کر رہا ہوں۔ میں ایک ہی سوال سے اسے شرمسار کر دوں گا۔ چنانچہ عرض کی: اگر میں سوال کروں تو آپ جواب دیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں، لیکن سمجھنے کی نیت سے سوال کرنا، سوال میں سرکشی نہ دکھانا۔ اس نے عرض کی: آپ کے دعوے سے تو میرا سوال میری مرضی پر ہوگا۔ آپ بتایئے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مَیں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت اس لیے نہیں کرتا کہ میں اسے دیکھوں۔ اس نے عرض کی، جب آپ نے اسے دیکھا نہیں تو اس کی عبادت کیسی؟ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ میں نے اسے ان آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن حقیقتِ ایمان کے ساتھ اس کو قلب کی بصیرت سے دیکھا کہ وہ میرا رب احد، واحد، لاشریک لہٗ ہے۔ اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ فرد ہے اس کا کوئی مثل نہیں، نہ وہ مکان میں ہے نہ وہ زمان کا محتاج ہے، اسے نہ ادراک سے پایا جا سکتا ہے نہ قیاس سے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی یہ تقریر سن کر وہ یمنی شخص بیہوش ہو کر گرا۔ جب اسے ہوش آیا تو عرض کی: میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ سرکشی سے سوال نہیں کروں گا۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دیدہ طلب کن پس انگہے دیدار
از انکہ یار کند جلوہ بر اولوا الابصار

ترجمہ : پہلے آنکھ مانگ، پھر دیدار، اس لیے کہ محبوب کا جلوہ صرف اولوا الابصار کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بیدار شو آنکہ طلب آں روی کہ ہرگز ٭ در خواب چنیں دولت بیدار نیابی

ترجمہ: بیدار ہو کر اس کا دیدار طلب کر اس لیے کہ یہ دولت بیداری میں نصیب ہوتی ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم سے غین وغفلت اور حجاب دُور فرمائے اور اپنے جمال بے مثال کی آنکھیں کھول دے اس لیے کہ وہی رب الارباب اور مسبب الاسباب ہے۔

تفسیر عالمانہ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ' ارض تمام غلیظ اجسام سے غلیظ ترین ہے۔ مرکزِ عالم میں بچھی ہوئی ہے جہات ستہ کی کیفیت اسی سے ظاہر ہے۔ مثلاً مشرق وہ ہے جہاں سے شمس وقمر کا طلوع ہوتا ہے اور مغرب وُہ ہے جہاں ان کا غروب ہوتا ہے۔ شمال جدی کے مدار کا نام ہے' اور جنوب سہیل کے مدار کا نام ہے۔ اور وہ حصہ جو محیط عالم کے متصل ہے اسے فوق، اور جو مرکز ارض کے متصل ہے اسے تحت کہا جاتا ہے۔ رَوَاسِيَ وہ جبال ثوابت جو زمین پر لنگر کے طور گاڑ دیے گئے ہیں ر اسی کی جمع اور رسا سے مشتق ہے بمعنے ثبت ورسخ۔ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ، مید سے مشتق ہے۔ کسی عظیم شے کا مضطرب ہونا۔ جیسے زمین کا مضطرب ہونا۔ مَادَ يَمِيْدُ مَيْدًا سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے متحرک ہو۔ اسی سے مائدہ مشتق ہے۔ طعام اور جس دسترخوان پر طعام رکھا جائے اسے مائدہ کہتے ہیں۔ جیسے امام راغبؒ نے فرمایا کہ مائدہ ہر وہ دسترخوان یا طباق جس پر طعام رکھا جائے۔ اور طعام کو بھی مائدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ زمین انھیں کھینچ لے اور مضطرب ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ باء تعدیہ کی ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زمین کو پانی پر بچھایا گیا تو وہ اپنے اہل سمیت پانی پر تیرنے لگی جیسے کشتی پانی پر تیرتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر ثوابت جبال گاڑ دیے جیسے کشتی کو لنگر سے باندھ دیا جاتا ہے۔

ف: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پُوچھا گیا کہ سب سے سخت ترین کیا شے ہے؟
آپ نے فرمایا: سب سے سخت تر جبال ثوابت ہیں لیکن لوہا ان سے بھی سخت تر ہے کہ لوہے سے پہاڑ توڑے جاسکتے ہیں۔ لوہے پر آگ غالب ہے لیکن آگ کو پانی بجھا دیتا ہے اور پانی بادل کو اٹھائے پھرتا ہے اور ہوا بادلوں کو اڑا کے لے جاتی ہے اور انسان اپنی ثابت قدمی کے لحاظ سے ہوا پر غالب ہے لیکن انسان کو غم نڈھال کر دیتا ہے اور نیند سب پر غالب ہے۔
فقیر (حقیؒ) عرض کرتا ہے:

نباشد در جہاں چوں مرگ چیزے
کہ غالب شد ترا ہر چند عزیزے

ترجمہ: دنیا میں موت سے کوئی شے غالب نہیں اگرچہ وُہ کتنے ہی غلبہ والی ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ آیت میں ابدال کی طرف اشارہ ہے کہ وہی زمین کے اوتاد واطواد ہیں اس لیے کہ زمین والے انہی کے صدقے رزق دیے جاتے ہیں اور انہی کے صدقے بارش برسائی جاتی ہے۔

اور ابدال اولیاء کا ایک گروہ ہے جن کے صدقے اللہ تعالیٰ زمین کو قائم رکھتا ہے۔ وہ ستر افراد ہیں ان میں سے چالیس شام میں اور تیس دوسرے علاقوں میں ہیں، ان میں ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے عام آدمیوں میں سے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے: زمین چالیس مردوں سے خالی نہیں رہتی۔ وہ حضرت خلیل الرحمان کی طرح ہیں انہیں کے صدقے تم پر بارش برسائی جاتی ہے اور انہیں کے طفیل تمہیں مدد و نصرت نصیب ہوتی ہے ان میں جب ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اور مقرر فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا اور ہم نے زمین میں رواسی بنائے ہیں۔ صاحب جلالین نے صرف اسی پر اکتفا کیا ہے۔ اس لیے کہ انہی میں راستوں کی حاجت ہوتی ہے۔ **فِجَاجًا سُبُلًا** یعنی وہ راستے جن پر آمدورفت جاری ہو۔ اس لیے سبیل اس راستہ کو کہا جاتا ہے جس پر لوگوں کی آمدورفت جاری ہو۔ **فَجٌّ** دو پہاڑوں کے درمیانی شق کو کہا جاتا ہے **لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ** تاکہ اپنی مصلحتوں اور ان مقاصد کے لیے راہ پائیں جو ان کے لیے دُور دُور کے شہروں میں ہیں **وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا** اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا اور آسمان کو چھت اس لیے کہا کہ وہ زمین کے لیے بمنزلہ چھت کے ہے۔ **مَحْفُوظًا** گرنے سے محفوظ، باوجودیکہ بغیر ستون کے ہے، یا اسے فساد سے محفوظ فرمایا ہے، یا وقت معلوم تک ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوگا، یا چنگاریوں کے ذریعے آسمان کی باتوں کو سننے سے محفوظ فرمایا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ عارف کا قلب شیاطین الانس والجن کے وساوس سے محفوظ ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے:

اے اللہ! میرے قلب کو اپنے ذکر کے تصورات سے آباد فرما اور مجھ سے شیطان کے وساوس دُور فرما۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ذکرِ حق کن بانگ غولاں را بسوز
چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ: اُلو کی آوازوں کو جلانے کے لیے ذکرِ الٰہی کر۔ نرگس کی آنکھ کرگس سے چھپا دے۔

وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا اور وہ ہماری آیات یعنی وہ دلائل واضحہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں پیدا فرما کر انہیں اپنی ذات اور توحید کی علامات اور اپنی عظیم قدرت اور اعلیٰ حکمت کی نشانیاں بنائیں جیسے سورج، چاند، ستارے وغیرہ **مُعْرِضُونَ** روگردانی کرتے ہیں اور ان میں تدبیر نہیں کرتے تاکہ وہ اپنے کفر اور گمراہی کے متعلق باخبر ہو سکیں۔

ابدال کی علامات

ابدال کی دس علامتیں ہیں:

لہ ہم اہلسنت والجماعت ابدال کے وجود کے قائل ہیں۔ بدقسمتی سے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو اس کا منکر ہے۔

۱-سینہ صاف ۳-صدق مقال ۵-شدائد و مصائب پر صبر ۷-خلقِ خدا کی خیر خواہی ۹-اشیاء میں تفکر
۲-سخاوت ۴-تواضع ۶-خلوت میں گریہ وزاری ۸-مؤمنین پر رحمت و شفقت ۱۰-اشیاء میں عبرت

سبق اے بندگانِ خدا! اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار دیکھو اور اس کی صنعت و قدرت کے عجائب و غرائب میں غور و فکر کرو تاکہ تمھیں بحرِ معرفت سے موتی اور جواہر نصیب ہوں۔

حکایت داؤد علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی عبادت گاہ میں ایک چھوٹا سا موتی پایا، اس کی ساخت پر غور و فکر کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کس فائدہ کے لیے پیدا فرمایا ہوگا! اللہ تعالیٰ نے اس موتی کو قوتِ گویائی بخشی، وہ کہنے لگا کہ اے داؤد علیہ السلام! آپ مجھے دیکھ کر تعجب کر رہے ہیں بخدا میں آپ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر و شکر کرتا رہتا ہوں۔

سبق آیات اللہ کو دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ انھیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا جائے۔ یہی کامل مومن کی شان ہے۔ کافر اندھا تو انھیں دیکھ کر ذکر کے بجائے روگردانی کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	پیش خر خرمہرہ و گوہر یکیست	آں اشک را در و دریا شکیست
۲	منکر بحرست و گوہر ہاے او	کے بود حیوان درو پیرایہ جو
۳	در سر حیوان خدا ننہادہ است	کو بود در بند لعل و در پرست
۴	مر خرانرا ہیچ دیدی گوشوار	کوش ہوش خر بود در سبزہ زار

ترجمہ: ۱-گدھے کے سامنے خرمہرہ اور موتی (گوہر) برابر ہیں۔ وہ موتی اور دریا کے درمیان فرق نہیں سمجھتا۔
۲-وہ دریا اور موتی کا منکر ہے پھر وہ زیوروں کی کیا تلاش کرنے گا!
۳-حیوان میں اللہ تعالیٰ نے یہ خیال رکھا ہی نہیں کہ وہ لعل اور موتی کی خواہش کرے۔
۴-کیا کسی گدھے کو زیور پہنے دیکھا ہے! اس کا دھیان تو صرف گھاس کی طرف رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں عارف کے قلب کی آیات کی طرف اشارہ ہے، اور اس کی آیات سے تجلیاتِ حقیقہ و کلماتِ ذوقیہ مراد ہیں اور اہلِ سلوک حقیقی عارفین کاملین کو مانتے اور ان کے احوال و مقامات و کلمات کا اقرار کرتے ہیں بخلاف ان کے غیروں کے کہ وہ ان کا انکار کرتے اور ان کے مقامات و احوال سے رُوگردانی کرتے ہیں کیونکہ منکرین ہمیشہ عقل کے پھندے میں گرفتار رہتے ہیں ان کے متعلق نقل کو غور و فکر سے نہیں دیکھتے اس لیے کہ عقل کو صرف عقلیات تک رسائی ہے حالانکہ عقلیات کے انتہا پر مکاشفات کا آغاز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وصال محال ہے جب تک اہل اللہ راہ نہ دکھائیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ملنے کے صحیح راستے یہی حضرات جانتے ہیں اور ان کے علوم نہ مٹ سکتے ہیں نہ تبدیل ہو سکتے ہیں نہ دنیا میں نہ آخرت

میں، اگرچہ ہر ایک کو فنا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ اپنے نفس کو خواہشات سے روکے اور اسے سیدھا چلانے کی سوچے اور اس بزرگ کا دامن پکڑے جو عقل و نقل کے لحاظ ایسے راستوں کا واقف اور عارف ہو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

رہرو راہ طریقت این بود
کو باحکام شریعت میرود

ترجمہ: راہِ طریقت پر وُہ چلتا ہے جو احکامِ شریعت کی پابندی کرتا ہے۔

اور وہ پیرو مرشد جو راہِ شریعت کے خلاف چلتا ہو اس سے دُور بھاگنا ضروری اور لازمی ہے اس لئے

جاہل اور بے عمل پیر کہ وُہ تو بانجھ عورت کی طرح ہے۔ بانجھ عورت سے اُسی کا تعلق ہوگا جو خود بیکار ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست کرتے ہیں کہ جمیع حالات میں اہلِ مکاشفات و مشاہدات کے طریقہ پر ثابت قدمی کی توفیق بخشے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہ وُہ ہے جس نے رات کو یعنی زمین کے سایہ کو وَالنَّهَارَ اور دن کو یعنی سورج کی روشنی کو وَالشَّمْسَ اور سورج یعنی وہ چمکدار ستارہ جو دن کو چمکتا ہے وَالْقَمَرَ اور چاند یعنی وہ چمکدار ستارہ جو رات کو چمکتا ہے، کو پیدا فرمایا۔ یعنی ان اشیاء کو عدم سے وجود میں ظاہر فرمایا اور یہ سوائے اس کے اور کون کر سکتا ہے، یہ اسی کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ باہرہ کا کرشمہ ہے کہ كُلٌّ ان میں ہر ایک یعنی سورج، چاند، یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر فِي فَلَكٍ اپنے اپنے علٰحدہ علٰحدہ فلک میں ہے۔ جیساکہ فنِ رصد سے معلوم ہوا، يَسْبَحُونَ یہ حال ہے کہ وُہ فلک کی سطح پر تیرتے ہیں جیسے انسان پانی پر تیرتا ہے اس لیے کہ السبح بمعنے پانی یا ہوا میں تیز چلنا، پھر بطور استعارہ سطح فلک پر ستاروں کے تیز چلنے پر استعمال کیا گیا ہے۔ (کذا فی المفردات) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستارے افلاک میں ایسے مرکوز ہیں جیسے انگشتری میں قص (نگینہ) جڑ دیا گیا ہے۔

ف: شرح التقویم میں ہے کہ ستارے فلک میں ایسے مرکوز ہیں جیسے گیند پانی میں ڈبوئی ہوتی ہے، جیسے مچھلی پانی میں ہوتی ہے ایسے وہ افلاک میں ہیں اور افلاک متحرک بالارادہ اور کواکب متحرک بالعرض ہیں۔

ف: بعض فرماتے ہیں کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ فلک سیلاب کی ایک موج مکفوف ہے جو آسمان کے نیچے ہے اور انہی افلاک میں سورج اور چاند ایسے تیرتے ہیں جیسے مچھلی پانی میں اور فلک جسم شفاف اور جملہ عالم کو محیط ہے۔

ف: محی السنۃ نے فرمایا کہ کلامِ عرب میں ہر مستدیر شے کو فلک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی جمع افلاک آتی ہے۔ اسی سے ہے فلکۃ المغزل تکلے کا دمڑکھا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ حرکاتِ کواکب کے متعلق اختلاف ہے اور عقلی لحاظ سے ان میں تین وجوہ بیان کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ فلک ساکن ہیں ستارے ایسے تیر رہے ہیں جیسے کھڑے ہوئے پانی میں تیرنے والا تیرتا ہے۔

۲۔ ستاروں کی طرح افلاک بھی گھومتے ہیں لیکن ایک دوسرے کی سمت کے مخالف ہو کر یا موافق ہو کر سرعۃ و بطئی میں ان کی

حرکت مساوی ہے یا نہ۔

۲۔ افلاک متحرک اور کواکب ساکن۔

فلاسفہ فرماتے ہیں کہ رائے اوّل باطل ہے، اس لیے کہ اس سے خرق والتیام لازم آتا ہے اور وہ محال ہے اسی طرح رائے ثانی بھی باطل ہے اس کے بطلان کی بھی وہی دلیل ہے جو مذکور ہوئی۔ باقی احتمال ان کے نزدیک صحیح رہا وہ اس طرح کہ ستارے افلاک میں گاڑ دیے گئے ہیں اور وہ ٹھہرے ہوئے ہیں افلاک کے گھومنے سے وہ بھی تبعاً گھومتے ہیں۔

ف : امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ اس کلام کا دار و مدار اس پر ہے کہ افلاک میں خرق والتیام محال ہے اور یہ باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں تین احتمال ہیں اور تینوں ممکن ہیں اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے۔ قرآن کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ افلاک ٹھہرے ہوئے ہیں اور ستارے ان میں گھوم رہے ہیں جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔

ف : اگر اللہ تعالیٰ آسمان کو پیدا فرما کر سورج اور چاند کو پیدا نہ فرماتا جو کہ ان کے ذریعے رات اور دن اور باقی منافع ظاہر ہوتے ہیں یعنی گرمی اور سردی کا یکے بعد دیگرے آنا نہ ہوتا تو اس کے بندوں پر نعمتوں کی تکمیل نہ ہوتی۔ اور بے شک نعمتوں کی تکمیل افلاک کی تحریک پر ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا: کل فی فلک یسبحون۔

ف : اسی سے ابو علی بن سینا نے کہا کہ اس آیت کے لفظ یسبحون سے ثابت ہوتا ہے کہ کواکب زندہ اور ناطق ہیں۔ اس پر دوسری آیت انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین بھی دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ اگر وہ احیاء ناطقہ نہ ہوتے تو ان کے لیے سباحۃ اور سجدہ کے صفات استعمال نہ کیے جاتے اور نہ ہی ان کے لیے ضمائر ذوی العقول ہوتے۔ یہ بو علی سینا کی غلط فہمی ہے ذوی العقول کے ضمائر ان کو ذو العقول نہیں بنا دیتے اس لیے کہ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ غیر ذوی العقول کو ذوی العقول قرار دے کر ضمائر ذوی العقول راجع کیے جاتے ہیں اور یہ عام ہے اسی قاعدے کے تحت ادخلوا مساکنکم کہا گیا۔

ف : بعض اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ اجرامِ فلکیہ یہی وہ اجسام ہیں جو افلاک کے عناصر کے اوپر ہیں اور کواکب اور ان کی حرکات (یعنی ان کے وہ مبادی گھومنے کے لیے حرکت ارادیہ کرتے ہیں) جواہر ہیں جو افلاک کی ذوات والنفس کے مواد سے مجرد اور افلاک کی حرکات کے متعلق ہیں تاکہ وہ جواہر ان کی تحریکات کے مبادی ہوں۔ انہی جواہر مجردہ کو نفوس ناطقہ فلکیہ کہا جاتا ہے۔

سوال : ناطقیت تو صرف انسان کا خاصہ ہے اسی لیے انسان کے لیے فصل نطق کو قرار دیا گیا ہے۔

جواب : انسانی نطق سے وہ نطق مراد ہے جو زبان پر جاری ہوتا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن، فرشتے اور طوطے زبان سے بولتے ہیں لیکن انسان نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زبان سے وہ بولنا مراد ہے کہ پہلے دل میں اس کا تصور ہو پھر دل کے تصور کا زبان ترجمہ کرے۔ یہ تصور قلبی ملک وجن اور طوطے میں نہیں۔

فائدہ صوفیانہ : کاشفی نے لکھا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ شب و روز عارفوں کے قبض و بسط پر دلالت کرتے ہیں تاکہ رات سے

قبض کے قبضہ میں آکر سلطان جلال سے اپنی ہستی کو مٹائے اور دن سے بسط کے بساط پر بیٹھ کر جمالِ حق کے فیوض و برکات حاصل کرے۔ اور آفتاب اہلِ توحید کا ایک نشان ہے کہ نعمتِ تمکین سے کبھی انوار میں اضافہ پاتا ہے کبھی کمی۔ اسی لیے صوفیہ کا قول مشہور ہے کہ اگر پردے اٹھ جائیں تب بھی ہمارے یقین میں اضافہ نہ ہوگا اور قمر اہلِ تلوین کا نشان ہے کبھی وہ بارگاہِ حق میں ہوتے ہیں اور کبھی ہستی کو مٹا کر فنا پاتے ہیں کبھی انسان پر ایسا وقت آجاتا ہے کہ چودھویں کے چاند کی طرح مکمل ہوتا ہے۔ حقائق آگاہ حضرت قاسم الانوار قدس سرہٗ کے کلام میں اسی معنے کی طرف اشارہ ہے :-

ز بیم سوز ہجرانت ز مو باریکتر گردم

چو روز وصل یاد آرم شوم در حال ازاں فربہ

ترجمہ : سوز ہجر کے خوف سے بال سے بھی باریک تر ہو جاتا ہوں۔ جب مجھے وصال کی گھڑی آجاتی ہے تو اس وقت موٹا ہو جاتا ہوں۔

اور حضرت پیر رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :-

چوں روئے بر تابی زمن گردم ہلالے ممتحن | ور روئے سوئے من کنی چو بدر بے نقصاں شوم

تو آفتابی من چو مہ گرد تو گردم روز و شب | کہ در محاق افتم ز تو کہ شمع نور افشاں شوم

ترجمہ : ۱۔ جب تم مجھ سے منہ پھیرتے ہو تو میں ہلال جیسا ہو جاتا ہوں۔ جب میری طرف متوجہ ہوتے ہو تو میں چودھویں کے چاند جیسا ہو جاتا ہوں۔

۲۔ تم سورج اور میں چاند ہوں جو شب و روز تیرے اردگرد گھومتا ہوں اور اندھیری راتوں میں چھپ جاتا ہوں تاکہ تجھ سے نور لے کر جہان کو روشن کروں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ البشر والبشرة بمعنے ظاہر الجلد اور انسان کو اس کے جلا کے ظاہر ہونے کی وجہ سے بشر کہا جاتا ہے بخلاف الحیوانات کے کہ ان کے چمڑے پر بال اور اُون ہونے کی وجہ سے انھیں بشر نہیں کہا جاتا۔

الخلد بمعنے شے کا فساد کے عارض سے بری ہونا اور اس کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہونا۔

شانِ نزول جب کافروں مشرکوں نے کہا نتربص بہ ریب المنون، تو ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ہمیں انتظار ہے کہ دنیا میں کوئی ایسے حوادثِ زمانہ پیدا نہ ہوں جن سے اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تباہ و برباد ہو جائیں (معاذ اللہ)۔ الریب کسی کو مکارہ و تکالیف میں ڈالنا، اور المنون بمعنے موت، یعنی ہم ان کے لیے انتظار کر رہے ہیں کہ صحابہ پر ایسے حوادث و مکارہ نازل ہوں جو انھیں موت کے گھاٹ اتاریں۔

خلاصہ یہ کہ ریب المنون کا معنیٰ یہ ہے کہ حوادثِ زمانہ میں سے ان پر ایسے حوادث نازل ہوں جو انھیں تباہ و برباد کر ڈالیں۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے پیارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ سے پہلے کسی ایک فرد کو دنیا میں

بقاء و دوام نہیں۔ یعنی ہمارا طریقہ نہیں کہ دنیا میں ہم کسی کو دوام بخشیں اگرچہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ دوام بخشیں۔ لیکن جو بھی اس دنیا میں آیا وہ لازماً موت کا نشانہ ہوا۔ جب موت ہر انسان پر لازماً آئے گی تو اسی طرح اَفَاِئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ اگر آپ دنیا سے تشریف لے جائیں تو کیا وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے! ہرگز نہیں۔ بلکہ جیسے آپ اس دنیا میں نہیں رہیں گے وہ بھی دنیا سے چلے جائیں گے۔ یہی ہمارا طریقہ ہے۔ اس کی دلیل انک میت و انھم میتون ہے۔ افائن مت کا ہمزہ معناً خلود پر داخل ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ جب آپ دنیا سے چلے جائیں گے تو کیا یہ مشرکین بچ کر رہ جائیں گے! جب انھوں نے بھی مرنا ہے تو پھر وہ آپ کی موت سے کیوں بغلیں بجا رہے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا: ؎

فقل للشامتین بنا افیقوا

سیلقی الشامتون کما لقینا

ترجمہ: گالی دینے والوں کو کہہ دو کہ وہ بچ کر رہیں کیونکہ ہمیں جو کچھ پہنچا ہے انھیں بھی پہنچے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مکن شادمانی بمرگ کسے

کہ دوران پس از وے نماند بسے

ترجمہ: کسی کی موت پر خوشی نہ مناؤ کہ دنیا میں کسی نے نہیں رہنا۔

ف: اس خلود کے انکار سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر خوشی منانے کی نفی ہے اس لیے ان کے خلود کی نفی کا مدار آپ کی موت پر خوشی نہ کرنے پر ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ خلود سے مکث طویل مراد ہے۔ اس کے ساتھ دوام ہو یا نہ اور حرف شرط کا اس لیے لایا گیا ہے کہ وہ طرفین کے تحقق کا مقتضی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان معترضین کفار و مشرکین کی موت سے پہلے حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے بلکہ یہاں آپ کی فرضی موت کو بیان کیا گیا ہے جیسے ایک محال امر کو فرض کیا جاتا ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ معترضین از کفار مکہ حضور علیہ السلام کے وصال سے پہلے مر جائیں گے اور حضور علیہ السلام ان کے مرنے کے بعد ایک عرصہ تک زندہ سلامت رہیں گے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کا واقعہ اس امر کا شاہد ہے۔

قرآن مجید کی تاثیر

فقیر (حقی) لکھتا ہے کہ وزیر مصطفےٰ الشہیر با بن کوپریلی نے میرے شیخ اور پیر و مرشد کو جزیرۂ قبرص میں شہر بدر کر دیا میں ان کی زیارت کے لیے جب جزیرۂ قبرص میں حاضر ہوا تو میرے شیخ سحر کے وقت آیت مذکورہ کو بار بار پڑھ رہے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شیخ کے وصال سے پہلے وزیر مذکور مر گیا۔

ف: امام (فخر الدین رازیؒ) نے لکھا کہ چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اس سے وہم گزرتا تھا کہ آپ عالم دنیا سے تشریف نہیں لے جائیں گے اس لیے کہ اگر آپ کا وصال ہو گیا تو آپ کی شریعت میں تغیر ہو جائے گا۔

ف: اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو خضر علیہ السلام کے آج تک زندہ ہونے کے قائل نہیں حالانکہ یہ تمام مشایخ کرام اور علماء محققین کے عقیدہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے انھیں دیکھا بھی ہے، ان سے ملاقات اور گفتگو بھی کی ہے۔ (واللہ اعلم) اگر خضر علیہ السلام کا زندہ ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو یہ آیت مخصوص عن البعض ہوگی۔

خضر علیہ السلام زندہ ہیں خضر علیہ السلام کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس تک زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ صحیح مستدرک میں مذکور ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو آپ کی تعزیت کے لیے ملائکہ کرام حاضر ہوئے اور صحابہ کرامؓ کو کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ ہر مصیبت میں ثواب بخشتا ہے فلہٰذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور ہر معاملہ اسی کے سپرد کرو اور اسی سے ثواب کی اُمید رکھو اور درحقیقت محروم وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب سے محروم ہو۔" یہ کہہ کر واپس ہوئے تو سلام کہہ کر چلے گئے۔ ان کے بعد ایک مرد اشہب اللحیہ جسیم صبیح لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا آیا اور آتے ہی رونے لگا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مصیبت پر اجر و ثواب بخشتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور رغبت کرو۔ وہ بلاؤں میں تمھیں نظرِ کرم سے دیکھتا ہے اور مصیبت زدہ مجبور ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ خضر علیہ السلام تھے۔

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اس سے ان کے خلود کے انکار پر برہان قایم فرمایا۔ اور نفس سے نفس ناطقہ یعنی روح انسانی اور موت سے روح کا جسم سے جُدا ہونا مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہر نفس روح سے جسم کی جدائی کا مزہ چکھے گا اور ذوق کا حقیقی معنیٰ بھی مراد نہیں اس لیے کہ موت مطعومات سے نہیں بلکہ یہاں پر ذوق سے ایک خاص قسم کا ادراک مراد ہے اسی لئے اسے اصل ادراک سے مجازی معنیٰ لیا جائے۔ یاد رہے کہ موت وجودیہ صفت اور حیات کی نقیض ہے اور اہلِ حقیقت کی اصطلاح میں نفس کی خواہشات کو مٹانا اس لیے کہ نفس کے خواہشات مٹانے کے بعد حیات حقیقی نصیب ہوتی ہے۔

موت وحیات کے اقسام امام راغبؒ نے فرمایا کہ حیات کی طرح موت بھی کئی قسم ہے:

(۱) **قوتِ نامیہ** جو ہر انسان اور حیوانات و نباتات میں ہوتی ہے اسے حیات اور اس کی موت کو نقیض سے تعبیر کرتے ہیں کما قال تعالیٰ: اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتہا۔

(۲) قوتِ حساسہ، جیسے ویقول الانسان اذا مامت لسوف اخرج حیا۔

(۳) قوت عاقلہ، اس کی نقیض جہالت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انک لا تسمع الموتٰی۔

(۴) وہ حزن جو انسانی زندگی کو اجیرن کر دیتا ہے۔ اسی حزن کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے ویاتیہ الموت من مکانٍ وماھو بمیت۔

(۵) نیند کو موت اور بیداری کو حیاۃ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی نیند کو موتِ خفیف اور موتِ حقیقی کو نوم ثقیل سے تعبیر

کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نیند کو توفی سے تعبیر کیا ہے۔ کما قال تعالیٰ : وھو الذی یتوفاکم باللیل۔
اس تحقیق کے بعد یاد رکھنا چاہیے کہ کل نفس ذائقۃ الموت میں موت سے قوۃ حیوانیہ کا زوال اور جسم کا روح سے جُدا ہونا مراد ہے۔

ف : التعریفات میں ہے کہ نفس ایک بخاری لطیف جوہر ہے جو قوتِ حیات وحس وحرکت ارادیہ کا حامل ہے اسے حکیم رُوحِ حیوانی سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ایک نورانی جوہر ہے جو جسم کو روشنی پہنچاتا ہے موت کے وقت اس کی روشنی جسم کے ظاہر و باطن سے منقطع ہوجاتی ہے۔ اس معنیٰ پر موت اور نوم ایک شئے ہے، فرق صرف یہ ہے کہ موت میں انقطاع کلی اور نوم میں انقطاع ناقص ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بیداری کے وقت جوہرِ نفس کا ضوٗ بدن کے ظاہر و باطن سے منقطع نہیں ہوتا۔ اگر اس کا انقطاع صرف ظاہر بدن سے ہو تو اسے نیند اگر ظاہر و باطن ہر دو سے منقطع ہو تو اسے موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

روح کی تحقیق

فقیر (حقی ؒ) عرض کرتا ہے کہ رُوحِ حیوانی کی روشنی جسم کے ظاہر و باطن سے منقطع ہونے کا نام موت ہے یہ روح حیوانی روح انسانی کا غیر ہے روح انسانی کا دوسرا نام نفس ناطقہ ہے اس لیے کہ وہ فی ذاتہ جوہر عن المادہ ہے وہ روح حیوانی کے ہر فعل کے مقارن ہے اس کی تائید انسان العیون سے ہوتی ہے اس میں لکھا ہے کہ اہلسنت کے نزدیک روح ایک لطیف جسم ہے وہ ماہیتہ و ہیئتہ کے لحاظ سے اجسام کے مغایر اور بدن میں تصرف کرنے والا ہے اور جسم میں ایسے حلول کرنے والا ہے جیسے تیل زیتون میں حلول کرتا ہے یہ وہی روح ہے جو جسم میں انا اور انت سے تعبیر کرتا ہے یہی رُوح جب جسم سے جُدا ہوتا ہے تو انسان کو موت واقع ہوجاتی ہے۔

ف : بعض اہل روحانیت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر روح ملکی نورانی علوی باقی کو امانت رکھا ہے تاکہ انسان ملائکہ کرام کی طرح تسبیح و تہلیل کرکے جسم سے جُدا ہونے کے بعد بھی باقی رہے اور اسی جسم انسانی میں روح ملکی نورانی علوی کے ساتھ روح حیوانی ظلمانی سفلی فانی بھی امانت رکھا گیا ہے تاکہ جسم سے جدا ہونے کے بعد اسے موت سے تعبیر کیا جا سکے۔

نکتہ : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ موت کے وقت نفوس کا نام اس لیے لیا جاتا ہے حالانکہ ارواح و قلوب کا ذکر بھی ہونا چاہیے تھا وہ اس لیے کہ ارواح و قلوب کو حقیقی حیات حاصل ہے۔ پھر جب ارواح اجسام سے خارج ہوتے ہیں تو یہ ڈھانچے ختم ہوجاتے ہیں تو ارواح معادن غیب و مشاہدہ رب تعالیٰ کی طرف چلے جاتے ہیں۔

عجیب تحقیق

فقیر (صاحبِ رُوح البیان) عرض کرتا ہے کہ میرے پیرومرشد قدس سرہٗ اپنی بعض تحریرات میں لکھتے ہیں کہ روح اپنی جوہریت اور متجرد اور عالمِ ارواح سے ہونے کی وجہ سے بدن کا مغایر ہے بدن میں تصرف و تدبر کی وجہ سے متعلق لیکن قایم بذاتہ ہے اپنی بقا و دوام کے اعتبار روح بدن کا محتاج نہیں، ہاں چونکہ بدن روح کے نام اور عالمِ شہادت میں اس کے کمالات و قوٰی کا مظہر ہے۔ اس معنے پر روح کو بدن کا محتاج کہہ سکتے ہیں اس عالم میں اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذرّے ذرّے کے اندر جاری و ساری ہے اس کا حلول بدن میں اس طرح کا نہیں جیسے اہلِ نظر کے

ہاں مشہور ہے بلکہ وہ جسم میں ایسے موجود ہے جیسے وجود مطلق حق تعالیٰ کو موجودات میں موجود مانتے ہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ روح و بدن کو من کل الوجوہ مغایرت نہیں۔

ف : جیسے اشیاء میں ظہورِ حق کی کیفیت معلوم ہے کہ کس کیفیت سے اشیاء کو ذاتِ حق کا عین مانا جاتا ہے اور کس طریق سے غیر اسے معلوم ہے کہ رُوح بدن میں کس طریق سے ظاہر ہے اور کس وجہ سے وہ بدن کا عین ہے اور کس وجہ سے غیر، کیونکہ روح جسم کا مجازی رب ہے۔

اس تقریر سے ہر ایک کے لیے تحقیق کا میدان صاف ہو گیا وہی علم و فہم کی ہدایت بخشتا ہے۔ فقیر (حقیؒ) کے شیخ اور پیر و مرشد کی تقریر یہاں ختم ہوئی۔ حق یہ ہے کہ بہت عمدہ تقریر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نفس کو روح حیوانی کو اس کے تعین کی وجہ سے کہا جاتا ہے ورنہ درحقیقت روح اور شے ہے اور نفس اور۔ اس تحقیق کو پُورے طور سمجھ لو۔

ملفوظِ جنید رضی اللہ عنہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص فنا کی دو طرفوں میں ہو اسے فانی سمجھو۔ جو شخص اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے تو وہ رُوح کے نکل جانے سے مُردہ ہے۔ اور جس کی حیات اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ موت کے بعد حیات طبع سے منتقل ہو کر حیات اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور حقیقی حیات یہی ہے۔

وصال کے بعد ولی اللہ کی شان بعض مشائخ فرماتے ہیں اولیاء کرام سے کرامات کا ظہور موت اختیاری (یعنی موتوا قبل ان تموتوا جسے فانی فی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) کے بعد ہوتا ہے اگرچہ وہ اس عالمِ دنیا میں ہوتے ہیں لیکن فانی فی اللہ کے عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔ پھر موت عارضی (جسے موت عرفی کہا جاتا ہے) سے ان کی کرامت کے ظہور کے منافی نہیں بلکہ ان کی کرامات کا ظہور ان کی وفات کے بعد بھی ہوتا رہتا ہے۔[۱]

(کذا فی کشف النور)

حضرت صائبؒ نے فرمایا:

مشو برگ ز امداد اہلِ دل نومید[۲]
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ: اہلِ دل کی موت کے بعد ان کی امداد سے ناامید نہ ہو کیونکہ اولیاء اللہ کا خواب (موت) عین بیداری (حیات) ہے۔

---

[۱] افسوس کہ وہابی نجدی اس عقیدہ کے خلاف ہیں ۱۲ [۲] الحمدللہ ہم اہلسنت کو یہی عقیدہ نصیب ہے جو صدیوں پہلے اسلاف صالحین رحمہم اللہ ہمیں عطا کر گئے۔ لیکن افسوس کہ دیوبندی اور ان کے ہمنوا اس عقیدہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲

عقیدہ وہابی کُش

عمدۃ الاعتقاد للنسفی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے کہ ہر مومن مرنے کے بعد بھی حقیقی مومن ہے جیسے وہ خواب نیند سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا ایسے ہی مرنے کے بعد ایمان سے خارج نہیں ہوتا ایسے ہی انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام وصال کے بعد نبی و ولی رہتے ہیں کیونکہ ان کی نبوت وولایت کی صفت موت سے مٹ نہیں جاتی۔ (اسی لیے ہم قائل ہیں کہ جیسے وہ عالمِ دنیا میں فیوضات و برکات سے نوازتے ہیں وصال کے بعد بھی فیوض و برکات سے مستفیضین کو محروم نہیں کرتے)

ف: نفس سے صرف روح مراد ہے ذات مراد نہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی ذات پر نفس کا اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک۔

پھر کل نفس ذائقۃ الموت کا عموم کس طرح صحیح رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے موت کا مفہوم ممتنع ہے۔ اسی طرح جمادات کے نفوس ہیں لیکن ان پر مذکورہ بالا طریق سے موت نہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ بہائم و دواب اور حشاش سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ جب وہ تسبیح سے غفلت کرتے ہیں تو ان کے آجال اللہ تعالیٰ خود ختم فرماتا ہے۔ ان کی موت سے ملک الموت کو کوئی تعلق نہیں۔

جواب: اس کا جواب اوپر معلوم ہوا کہ یہ مخصوص عن البعض ہیں۔

حدیث شریف: اپنی لونڈیوں کو برتن توڑنے پر مت مارو کیونکہ ان کے لیے بھی تمہاری طرح اجل مقرر ہے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے گھر تشریف لاتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو کھول کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور دونوں ہاتھ حضور علیہ السلام کی پیشانی مبارک پر رکھ کر وا نبیاہ، واخلیلاہ واصفیاہ کہا۔ اس کے بعد فرمایا: صدق اللہ ورسولہ، وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افائن مت فہم الخالدون۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ اس کے بعد لوگوں کے ہاں چلے گئے اور اپنے خطبے میں فرمایا کہ:

من یعبد محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) فان محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) قد مات و من یعبد ربہ فان رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حی لا یموت۔

جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے اُسے سُن لینا چاہیے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب زندہ ہے وہ نہیں مرے گا۔

اس کے بعد آپ نے پڑھا:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ جس نے عدم کے دروازہ سے صحرائے وجود میں قدم رکھا وُہ بالضرور فنا کا شربت پیئے گا اور ممات و وفات کا لباس پہنے گا۔

ہر کہ آمد بجہان اہل فنا خواہد بود
وانکہ پایندہ و باقیست خدا خواہد بود

ترجمہ: جو بھی جہان میں آیا وہ ضرور فانی ہوگا وہ ذات جو ہمیشہ باقی ہے وہ صرف اللہ ہے۔

وَنَبْلُوكُمْ اے لوگو! ہم تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو ایک آزمائش والے سے کیا جاتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ وہ آزمائش و امتحان لینے سے پاک ہے کیونکہ اسے ہر ایک کا علم ہے۔ لیکن چونکہ آزمائشی صورت میں بندوں سے معاملہ کرتا ہے اسی لیے اس پر اس فعل کا اطلاق مجازاً جائز ہے۔ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ مصیبتوں اور نعمتوں سے جیسے فقر و الم شدۃ اور غنا و لذت و سرور تاکہ ظاہر ہو کہ تم صبر و شکر کرتے یا نہ۔ صوفیاء کرام نے کہا کہ خیر و شر سے قہر و لطف اور فراق و وصال اور اقبال و ادبار اور محنۃ و عافیۃ اور جہل و علم و نکرۃ و معرفۃ مراد ہے۔

حضرت سہیل تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شر سے متابعت اور ہوائے نفس بغیر ہدی، اور خیر سے عصمت عن المعصیت اور معونۃ علی الطاعۃ مراد ہے۔

فِتْنَةً یعنی ابتلاء و آزمائش۔ یہ نبلوکم کا مفعول مطلق مؤکد بغیر لفظہ ہے دراصل فتن سونے کو آگ میں ڈالنے کو کہا جاتا ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے کا امتیاز ہو۔

حدیث شریف حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں بلاؤ مصیبت سے آزماتا ہے جیسے سونے کو آگ سے پرکھا جاتا ہے۔ ان میں بعض لوگ سونے کی طرح کھرے ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خوش بود گر محک آید بمیان
تا سیہ روئی شود ہر کہ درو غش باشد

ترجمہ: اچھا ہے اگر کسوٹی درمیان میں آئے تاکہ اس کا کھوٹ نکل جائے جو جھوٹا مدعی ہے۔

حضرت خجندیؒ نے فرمایا: ؎

نقد قلب و سرۂ عالم را
عشق ضراب و محبت محکست

ترجمہ: قلب کے نقد اور عالم کا عشق ضراب اور محبت کسوٹی ہے۔

حلِ لغات: امام راغبؒ نے فرمایا کہ بلی الثواب بلیً بمعنے خلق یعنی کپڑا پرانا ہوگیا۔ اور اہلِ عرب کہتے ہیں بلوتہ

یعنی میں نے اس کا امتحان لیا گویا یہ بھی اسی معنے سے لیا گیا کہ آزمائش سے اسے کمزور کیا جاتا ہے اور غم کو بھی بلاءُ اسی لیے کہتے ہیں کہ جسے وہ لاحق ہوتا ہے اس کے جسم کو کمزور کر دیتا ہے ۔

ف : تکالیف کو بلاُ سے تعبیر کرنے کی کئی وجہیں ہیں :

۱۔ تکالیف جسم کے لیے مشقتیں ہیں اسی بنا پر ان کا نام بلاُ ہے ۔

۲۔ وہ سراسر آزمائشیں اور امتحانات ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بندے کو کبھی خوشی و راحت سے آزماتا ہے تاکہ بندہ نعمتوں و راحتوں سے شکر کرے اور کبھی تکالیف میں مبتلا کرتا ہے تاکہ صبر کرے ۔

اس سے ثابت ہُوا کہ محنت و نعمت ہر دو بلا (آزمائش) ہیں ۔ اس لیے کہ نعمت شکر کی مقتضی ہے اور محنت صبر کی ۔ لیکن یاد رہے کہ انسان کے لیے تکالیف میں صبر کرنا آسان ہے بہ نسبت نعمتوں پر شکر کرنے کے اس سے معلوم ہوا کہ نعمت انسان کے لیے عظیم آزمائش ہے ۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم تکالیف سے آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا لیکن جونہی ہمیں نعمتوں سے آزمایا گیا تو ہم شکر نہ کر سکے ۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو دنیوی وسعتوں سے نوازا گیا اور اسے اپنی اس آزمائش کا علم نہ ہو سکا تو وہ دھوکہ کھا گیا۔

ف : جب کسی کے لیے کہا کہ فلاں آزمائش میں ڈالا گیا تو اس میں دو امر متضمن ہوتے ہیں :

۱ ۔ اس کے حال کا معلوم ہونا اور اس کے مجہول امر سے باخبر ہونا کہ وہ نعمت میں مبتلا ہوا ہے یا محنت میں ۔

۲ ۔ اس کے کھرے کھوٹے کا ظاہر ہونا اس کے حال کا علم ہو یا نہ ۔ یعنی اصل حقیقت یہ ہے کہ نعمت نصیب ہو تو شکر میں اپنے اوقات بسر کرے اگر مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرے ۔ یہ بہت پُر کٹھن مرحلہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی جس پر فضل کرے وہ کامیاب ہو سکتا ہے ورنہ مشکل ہے ۔

وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ صرف ہمارے ہاں تم لوٹائے جاؤ گے ہمارے غیر کے ہاں نہ اشتراکاً حاضر ہو گے نہ استقلالاً ، پھر تم سے سزد اعمال کی ہم تمہیں جزاُ دیں گے ۔ اس میں وعدہ وعید دونوں ہیں ۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دنیا آزمائش اور ثواب و عقاب کا گھر ہے ۔

ف : چونکہ یہ دار التکلیف ہے اسی لیے یہاں جزا و سزا مقرر کرنے کی بجائے دُوسری دار مقرر ہوئی جہاں مرنے کے بعد اُٹھ کر حساب وکتاب دینا ہوگا ۔ اس لیے ہر نفس پر موت لازمی ہے ۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ سکرات کی تکلیف اس لیے ہوتی ہے تاکہ روح سے وہ غل وغش دور کی جا سکے جو اسے جسم کے ساتھ رہنے سے پہنچی پھر اسے اسی جسم میں اسی لیے لوٹایا جائے گا تاکہ آخرت کے تنعمات سے بہرہ ور ہو جو اس کے لیے تیار کی گئیں جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی فرد بشر کے دل میں کھٹکا ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ونبلوکم بالشر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں تمہیں مصائب و مکروہات سے آزماتا ہوں جنہیں تم شر سے تعبیر کرتے ہو۔ اور مکروہات یہی بھوک، خوف، اموال وانفس و ثمرات کا نقص ہے کیونکہ ان سے نفس کو موت اور قلب کو حیات نصیب ہوتی ہے اور ہم تمہیں محبوب و مرغوب اشیاء سے بھی آزماتے ہیں جنہیں تم خیر کہتے ہو۔ مثلاً شہوات نسا اور محبتِ اولاد اور بہت زیادہ مال یعنی سونا، چاندی اور بہترین گھوڑے، سواریاں اور جانور، کھیتیاں، ان میں نفس کی حیات لیکن قلب کی موت ہے۔ دونوں خیر و شر کی حالتیں تمہارے لیے آزمائش و امتحان ہیں جو نفس اور اس کے صفات کی موت پر صبر کرتا ہے یعنی ان پر مکروہات و مصائب کے ورود پر صبر کرتا ہے تو اسے قلب کی حیات اور اطمینان نفس کی بشارت ہے اور اسے مبارک ہو کہ وہ جذبۂ ارجعی الی ربك اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے آقا و مولیٰ کی طرف رجوع رکھتا ہے کما قال والینا ترجعون جسے وُہ شر سمجھتا ہے درحقیقت وہ اس کے لیے خیر ہے۔ کما قال؛

وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم۔

اور جو شخص مکروہات و مصائب اور نفس کی شہوات پر صبر نہیں کرتا اور محبوب و مرغوب اشیاء کی لذات میں منہمک ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتا تو اسے نعمت کی ناشکری کی وجہ سے سخت عذاب ہوگا اور جسے وہ خیر سمجھتا ہے درحقیقت وہ اس کے لیے شر ہے۔ کما قال تعالیٰ؛

وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شر لکم۔

اسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں قہر و جلال کی وجہ سے بیڑیوں اور زنجیروں سے جکڑ کر حاضر کیا جائے گا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ فقر و تنگدستی اور جن امور کو بُرا سمجھتا ہے ان پر صبر کرے، بالخصوص نفس کے معاملات میں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎

دریں بازار گر سُود یست بادرویش خرسندست

الٰہی منعم گرداں بدرویشی و خرسندی

ترجمہ: اس بازار میں اگر نفع ہے تو درویش خوش ہے۔ اے اللہ! درویشی وخوشی سے نعمت والا فرما۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا۔

شانِ نزول: ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے ہاں سے گزرے تو وہ ازراہِ استہزا اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: یہی عبد مناف کے نبی صاحب ہیں۔ یعنی جب آپ کو مشرکین دیکھتے ہیں اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا تو ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔

حلِ لغات: الھزو بمعنے المزح فی خفیۃ۔ کسی سے پوشیدہ طور پر ٹھٹھا مخول کرنا۔ یہاں مصدر بمعنے اسم مفعول ہے۔ یعنی ہر وُہ شخص جس سے ٹھٹھا مخول کیا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یہ لوگ ٹھٹھا مخول کے طور پر آپ کو نبی کہتے ہیں۔

اَھٰذَا الَّذِیْ یہاں قول محذوف ہے ۔یعنی وہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو ہمیشہ یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُمْ تمہارے معبودوں کو بُرائی سے یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کی پرستش مبنی بر بطلان ہے اور انھیں معبود سمجھنا نہایت قبیح فعل ہے ۔مثلاً کہا جاتا ہے : فلان یذکر الناس ۔یعنی فلاں ان لوگوں کی غیبت اور ان کے عیوب بیان کرتا رہتا ہے ۔ (کذا فی بحر العلوم)

سوال : تم نے ذکر کے ساتھ عیوب بیان کرنا وغیرہ کی قید کیوں لگا دی ۔

جواب : اس لیے کہ جو بھی دشمنوں کا نام لیتا ہے تو ان کے عیوب کے اظہار کے لیے ۔ورنہ اس کا دشمنوں کا ذکر کرنے کا کیا معنی ۔اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بتوں کے دشمن تھے اس لیے آپ کا انھیں یاد کرنا ان کے اظہارِ عیوب وغیرہ کے لیے ہوتا تھا ۔

وَھُمْ بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ یہ حال ہے اور ضمیر مبتدا اور اس کی خبر کافرون ہے اور دوسری ضمیر پہلی ضمیر کی تاکید ہے اور بذکر الرحمٰن خبر کے متعلق ہے اور یہ مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی کافروں کا حال عجیب ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ ان کے معبودانِ باطلہ کے عیوب بیان کرتے ہیں حالانکہ ان کے معبودانِ باطلہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان ،حالانکہ خود بدبخت ہیں کہ اپنے رب رحمٰن سے کفر کرکے اس کے ذکر سے روگردانی کرتے ہیں ان پر تو فرض ہے کہ اپنے منعمِ حقیقی کی نعمتوں کو تصور میں لاکر اس کا زیادہ سے زیادہ ذکر کریں ۔اور اس کی توحید کو مانیں ۔لیکن الٹا منکر ہیں ۔فلہٰذا وہ اس لائق ہیں کہ ان کے عیوب بیان کیے جائیں اور ان کی مذمت کی جائے ۔

وہابی کی نشانی آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات سے محجوب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کو انکار کی نگاہ سے دیکھتا اور ان کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرتا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں وہ منکرین کی نگاہ میں قبیح ہیں اور منکرین نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ان پر مال و دولت کا بھوت سوار ہے اس لیے وہ اپنے باطل تصورات میں گرفتار ہیں گویا ان کی پرستش میں مشغول ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

افرءیت من اتخذ الٰھہ ھواہ ۔

ہر محب اپنے محبوب کے لیے غیرت رکھتا ہے اس لیے وہ غیروں سے محبت کی بجائے ان کی ان سے مذمت کراتا اور عیوب گنواتا ہے اور ان کی نظروں میں انھیں پر نقصان دکھاتا ہے حالانکہ خود منکرین پُرعیب اور خاسر ہیں ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱	آن دہان کژ کرد و از تسخر بخواند	مر محمد را دہانش کژ بماند
۲	باز آمد کاے محمد عفو کن	اے ترا الطاف علم من لدن
۳	من ترا افسوس میکردم ز جہل	من بدم افسوس را منسوب و اہل
۴	چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد	میلش اندر طعنۂ پاکان برد
۵	ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس	کم زند در عیب معیوبان نفس

ترجمہ: ۱۔ وہ شخص منہ ٹیڑھا کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لیتا تھا تو اس کا منہ ٹیڑھا ہی رہا۔

۲۔ پھر حاضر ہو کر معافی طلب کی کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے بہت لطف و کرم حاصل ہے۔

۳۔ میں نے غلطی سے آپ کا عیب ظاہر کیا۔ میں بُرا ہوں اور جہل کی طرف منسوب ہوں۔

۴۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرتا ہے تو اس کا میلان اللہ والوں کے عیب لگانے کی طرف کر دیتا ہے۔

۵۔ اگر کسی کے عیب ڈھانپنا چاہتا ہے تو عیب داروں کے عیوب بھی نہیں گنتا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کے عیوب بیان کرنے کی بجائے ہر وقت اللہ علام الغیوب کے ذکر میں مشغول رہے کیونکہ وہ اپنے مخصوص بندوں پر ہر وقت رحمت نازل فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطیع ہو کر یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے یاد کر کے اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور جو اسے نافرمان ہو کر یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ذکر کی بجائے اس پر لعنت کرتا ہے اور تمام اذکار سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے کیونکہ اسی سے اعراض عما سوی و اقبال الی اللہ نصیب ہوتا ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حدیث کے جُملہ اوّل میں ففروا الی اللّٰہ کی طرف اور جملہ ثانیہ میں قل اللّٰہ ثمّ ذرھم فی خوضھم یلعبون کی طرف اشارہ ہے۔

ف: منقول ہے کہ تمام عبادات اور ذکر الٰہی ملائکہ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچتے ہیں سوائے کلمہ طیبہ کے کہ یہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچتا ہے۔ جو بھی اسے خلوصِ قلب سے ایک بار پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو اسی کلمے کا حکم فرمایا ہے۔ اسی کلمہ (لا الٰہ الا اللّٰہ) سے زمین و آسمان قائم ہیں اور یہی اسلام کا کلمہ اور نجات اور نور ہے انوار خلوص و صدق و صفا و یقین کے ساتھ ہی انسان کا باطن نورانی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

خُلِقَ الْاِنْسَانُ انسان کی جنس پیدا کی گئی **مِنْ عَجَلٍ** عجلت سے۔ العجلة بمعنے طلب الشیٔ و تحریہ قبل اوانہ شے کا وقت سے پہلے مطالبہ اور جد و جہد کرنا اور یہ شہوت کے مقتضیات سے ہے۔ اس لیے مذموم ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ العجلة من الشیطان۔ چونکہ انسان کی فطرۃ میں عجلت و قلتِ صبر ہے۔ گویا اسی سے پیدا کیا گیا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

خلق زید من الکرم۔

یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو دو کرم جس کی طبیعت میں رچ بس جائے۔ اس لیے جو عادت کسی کی طبیعت بن جائے کہ اس کا اس سے جُدا ہونا عادۃً ناممکن ہو تو اسی عادت پہ اس کی تخلیق کو منسوب کیا جاتا ہے۔ منجملہ انسان کا کفر کی طرف عجلت اور وعید کا جلد تر مطالبہ ہے۔ چنانچہ نضر بن حارث نے کہا: اللھم ان کان ھذا ھو الحق فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں الانسان سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں کہ جس وقت ان کی روح ان کے جسم میں داخل ہوئی، ابھی روح سینے تک ہی پہنچی تھی کہ کھڑے ہونے لگے حالانکہ روح ابھی نچلے حصے میں نہیں پہنچی تھی۔

سَاُورِیْکُمْ اے جلد بازو! عنقریب میں تمہیں دکھاؤں گا اٰیٰتِیْ اپنے آیات۔ یعنی دنیا میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاؤں گا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں انھوں نے مزہ چکھا، اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ پس عذاب کے مطالبہ میں عجلت نہ کرو۔

سوال : تم نے کہا کہ عجلت فطرۃ انسانی ہے اور فطرت انسانی سے روکنا مالایطاق ہے اور وہ ناجائز ہے۔

جواب : اگرچہ عجلت فطرتِ انسانی ہے لیکن بندے کے اپنے اختیار و ارادہ سے ہوتی ہے اور انسان کو اپنی مراد سے روکنا تاکہ وہ اپنی پوری عادت سے باز آجائے تکلیف مالایطاق نہیں۔ اس کی مثال اُحضرت الانفس الشح ہے کہ باوجودیکہ بُخل انسان کا فطری معاملہ ہے تاہم اسے راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح ضعف و کمزوری انسان کی فطرت ہے، لیکن پھر بھی اسے جہاد کا حکم ہے۔ اسی طرح شہواتِ نفسانی میں مبتلا ہونا بھی اس کی فطرت ہے۔ لیکن اسے شہوت رانی سے روکا گیا ہے۔ یہ تمام "تکالیف مالایطاق نہیں بلکہ اسے برائیوں سے بچنے کا حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں چند اشارے ہیں :

۱۔ اے بندگانِ خدا! تم اپنی جہالت و ضلالت سے عذاب کی طلب میں عجلت کر رہے ہو، وہ اس طرح کہ تم میرے محبوب اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے ہو اور انھیں ایذا دیتے ہو، مجھے اس سے ناراضگی ہوتی ہے تو میں تمھیں عذاب میں مبتلا کروں گا کیونکہ میرا قانون ہے کہ جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرتا ہے وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اسے یقین ہو کہ اس طرح سے میں اپنے دوست کے دشمن پر غضبناک ہو کر عذاب میں مبتلا کر دیتا ہوں۔ جیسے ایک بکری کے بچے کا مالک شیر پر اس لیے غضب ناک ہوتا ہے کہ شیر اس کی بکری کے بچے کا دشمن ہے، ایک بکری کے بچے سے ناراض ہونا تو معمولی بات ہے میرے دوست کی دشمنی بڑا خطرناک امر ہے۔ اس معنے کی تائید ساوریکو ایتی سے ہوتی ہے کہ یہاں پر آیات سے مراد عذاب ہے۔ فلا تستعجلون یعنی میرے نبی علیہ السلام کے ساتھ استہزاء اور اسے ایذا دیکر مجھ سے جلد تر عذاب کی طلب نہ کرو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ان کے مابین کی اشیاء کو صرف چھ دن میں اور آدم علیہ السلام کو چالیس دنوں میں پیدا فرمایا۔

حدیث شریف

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ان کے مابین کی اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام کا گارا اپنے قدرت کے ہاتھ سے چالیس دن تک ملایا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس کا ہر دن ہمارے ہزار سال کے برابر تھا۔ بایں معنی آدم علیہ السلام کی تخمیر پر چالیس ہزار سال گزرے۔

نکتہ عجیبہ

باوجود اینہمہ انسان کی تخلیق کو عجلت سے تعبیر کیا گیا حالانکہ اس پر چالیس ہزار برس اور چودہ طبق اور ان کے مابین کی جملہ اشیاء پر صرف چھ ہزار برس گزرے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام میں آسمانوں اور زمینوں اور ان کے

مابین کی جملہ اشیاء کا ہر نمونہ پیدا کیا گیا۔ علاوہ ازیں خلافت کا حامل بنانا مطلوب تھا اس لیے اس کے اندر خلافت کے اسرار کے قبول کرنے کی استعداد تیار کی گئی اور اسی نے تجلیات ذات وصفات حاصل کرنے تھے اس میں ایسی قابلیت رکھی گئی تھی پھر وہ کنزِ مخفی جس کے لیے کائنات کی تخلیق ہوئی اس کے ظاہر کرنے کا شیشہ اسی میں مطلوب تھا نیز وہ آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں اور ان کے مکینوں اور ملائکہ کے سامنے پیش کی گئی تو سب نے انکار کر دیا اس امانت کا اٹھانا اسی کے ذمہ ہوگیا اس کی استعداد بھی اس کے اندر پیدا کرنا مقصود تھا وجوہ مذکورہ کے پیشِ نظر تخلیق وتخمیر آدم علیہ السلام پر بہت طویل عرصہ درکار تھا لیکن باوجود اینہمہ صرف چالیس ہزار سال میں یہ کام تمام ہوا۔ اسی لیے فرمایا: خلق الانسان من عجل۔ اس تقریر کی تائید ساوریکم ایتی فلا تستعجلون سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی میں اپنے کمالات وصفات مظاہر آفاق ومرآت نفوس میں تمہیں دکھاؤں گا بشرطیکہ تم اپنے زمانہ کے نبی یا ولی سے اپنے نفوس کی تربیت وتزکیہ کرو۔ لیکن اپنی طرف سے مجھ سے ایسے مقام کے حصول میں عجلت نہ کرو۔ یاد رہے کہ اس مقام کی طلب مہد سے لحد تک حاصل کی جاتی ہے، بلکہ میرے نزدیک اس کی طلب ازل سے ابد تک جاری رہتی ہے۔ اور یہ وہ پروگرام ہے جو شہباز وقت (کامل ولی) سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سنریہم ایاتنا فی الاٰفاق وفی انفسہم حتیٰ یتبین لہم انہ الحق۔

کسی شاعر نے فرمایا: ؎

لا تعجلن لامر انت طالبہ ۔۔۔ فقلما یدرک المطلوب ذو العجل

فذو التأنی مصیب فی مقاصدہ ۔۔۔ وذو التعجل لا یخلو عن الزلل

ترجمہ: ۱۔ جس امر کا تو طالب ہے اس میں عجلت نہ کیجئے۔ عجلت والے مطلوب کو نہیں پا سکتے۔

۲۔ حوصلہ والے مطالب حاصل کر لیتے ہیں اور عجلت والے خرابیوں سے خالی نہیں۔

ف: اعرابی نے دوستوں سے فرمایا کہ عجلت مت کرو، اس لیے کہ اہلِ عرب عجلت کو "ام الندامات" کا لقب دیتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو فرمایا کہ ہر کام سے پہلے تھوڑا سا وقفہ کر کے سوچ لیا کرو۔ کاش میں بھی تھوڑا سا سوچ لیتا تو مجھے ایک عرصۂ دراز تک تکالیف نہ اٹھانا پڑتیں۔

سبق: امورِ دینی ودنیوی میں حوصلہ اور تامل اور غور وفکر ضروری ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چوں صبح وصل او خواہد دمیدن عاقبت جامی

مخور غم گر شب ہجراں بپایاں دیر می آید

ترجمہ: وصال کی صبح جب آئے گی تو اے جامی! غم نہ کھا اگر شب ہجر کو دیر ہو رہی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَقُولُونَ بطریق استعجال واستہزاء کہتے ہیں مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ عذاب یا قیامت کب ہے، اگر ہے تو اللہ تعالیٰ ہمارے ہاں جلد تر لائے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے وعدہ میں سچے ہو۔ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے جو کہ کفارِ مکہ عذابِ شدید کی آیات سناتے تھے۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

لَوْ کا جواب محذوف ہے یَعْلَمُ مضارع کو اختیار کیا گیا تاکہ کفار کے عدم علم کے استمرار پر دلالت کرے اور حِیْنَ یعلم کا مفعول بہٖ ہے اور الکف بمعنے الدفع، جیسے کَفَفْتُهٗ بمعنے اَصَبْتُهٗ بالکف و دفعتها به چونکہ عادۃً منہ کو ہاتھ سے چھپایا جاتا ہے اسی لیے اس کا صلہ الکف لایا گیا ہے۔ ورنہ منہ چھپانا مطلوب ہے ہاتھ سے یا کسی اور شے سے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اگر وہ وقت معلوم ہوتا ہے جس کے لیے متیٰ ھذا الوعد کہہ کر عجلت کر رہے ہیں کہ انھیں جہنم کی آگ ہر طرف سے گھیر لے گی اور وہ اسے نہ خود دفع کر سکیں گے اور نہ ہی اپنا کوئی حامی و مددگار پائیں گے جو ان کے طلب کردہ عذاب سے انھیں بچا سکے اور چہروں اور پشتوں کی تخصیص صرف ان کی شرافت (جانب ہونے ہیں) کی وجہ سے ہے ورنہ انھیں عذاب ہر طرف سے گھیر لے گا۔ جیسے کوئی شے کسی کو گھیرتی ہے تو اس کی ہر طرف کو محیط ہو جاتی ہے۔ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بلکہ ان کے ہاں وعدہ کیا ہوا آئے گا بَغْتَةً اچانک، بغتۃً بمعنے فجاءۃ الشئ من حیث لا یحتسب شے کا اچانک آنا کہ جس کے متعلق وہم و گمان نہ ہو۔ یہ تاتیھم کا مفعول مطلق ہے اس لیے کہ بغتۃً بھی ایک قسم کا آنا ہے یا تأتی سے حال ہے بمعنے باغتۃً۔ فَتَبْهَتُهُمْ تو وہ انھیں مبہوت اور متحیر کر دے گی۔ البھت بمعنے الحیرۃ۔

نکتہ قیامت کا علم (عوام کو) اس لیے نہیں دیا گیا کہ جو شے اچانک آتی ہے اس سے انسان کو ہر وقت کھٹکا رہتا ہے اور اس کی ضرورت پورا کرنے کے لیے ہر وقت لگا رہتا ہے لیکن خواص کو اس سے نہ حیرت ہوتی ہے نہ پریشانی، کیونکہ حیرت و پریشانی اسے ہوتی ہے جو غفلت میں ہے وہ حضرات تو ہر وقت قبضۂ حق اور اس کے حضور میں حاضر رہتے ہیں انھیں غفلت کیسی اور حیرت کیوں! بلکہ وہ ہیبت کی منازل طے کر کے عالمِ قدس کے جانشین ہوتے ہیں۔ (کذا قال بعض الاکابر)

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا تو اس وعدۂ عذاب یا آتشِ جہنم یا قیامت کو رد کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ، الانظار سے ہے بمعنے مہلت دینا اور مؤخر کرنا، یعنی نہ انھیں مہلت دی جائے گی تاکہ لمحہ بھر آرام کر سکیں یا پیٹھ پھیر سکیں یا عذر پیش کر سکیں یا النظر سے ہے یعنی انھیں نظرِ عنایت سے نہیں نوازا جائے گا، اور نہ ہی ان کے عجز و نیاز کو دیکھا جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ منکرین کو انکار کی ہجران اور نارِ قطعیہ کی سزا سے پہلے علم ہوتا کہ انھیں اس طرح بُعد و فراق وحسرۃ کی سخت سزا ملے گی تو وہ انکار پر ڈٹے نہ رہتے بلکہ توبہ کر کے راجع الی الحق ہو جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اعلیٰ و افضل مقصد طلب حق و وصول الی اللہ ہے جیسے انسان کے ظاہری احکام میں ضروری ہے کہ وہ ذکرِ حق کے وقت دائیں بائیں نہ دیکھے۔ اسی طرح اس کے باطنی احکام سے ہے کہ اپنی بصیرت کو ماسوی اللہ سے محفوظ رکھے لیکن یہ منزل کسی اللہ والے کے وسیلہ اور اس کے دامن کو پکڑے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔

حکایت مجنوں منقول ہے کہ جب لیلیٰ نے مجنوں کا پیالہ توڑ دیا تو مجنوں تین دن تک شوق سے رقص کرتا رہا۔ اسے کہا گیا کہ تیرا خیال ہے کہ لیلیٰ تجھ سے پیار کرتی ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہوا کہ دوسروں کو کچھ دیتی رہی اور تیرا پیالہ توڑ ڈالا۔ مجنوں نے جواب دیا کہ پاگل ہے وہ جو راز کو نہ سمجھا۔ وہ یہ کہ اگر اسے پیار نہ ہوتا تو میرا پیالہ کیوں توڑتی!

کسی اور کا کیوں نہ توڑا!

سبق: صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس بندے سے پیار کرتا ہے اس کے وجود کا پیالہ توڑ کر اسے فنائیت کا مقام عطا فرماتا ہے۔

وہابی کا رد اور ولی اللہ کا کمال عقلاً و شرعاً و کشفاً تمام علماء ظواہر و مشایخ بواطن کا اتفاق ہے کہ جسے مقام فنائیت یا کوئی اور مقامِ ولایت دنیا میں نصیب نہ ہوا وہ مرنے کے بعد بھی محروم رہے گا اور آخرت میں بھی اسے کچھ نصیب نہ ہوگا۔ (کذا فی الفکوک لحضرۃ الشیخ صدر الدین قونوی)

اس سے معلوم ہوا کہ فرصت دنیوی ایک غنیمت ہے جب اچانک موت نے آگھیرا تو انسان کو نہ مہلت نصیب ہوگی نہ اس میں کوئی تدارک کر سکے گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱	خبرداری اے استخوانی قفس	کہ جان تو مرغیست نامش نفس
۲	چو مرغ از قفس رفت بگسست قید	دگر رہ نگردد بسعی تو صید
۳	نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست	دمی پیش دانا بہ از عالمیست

ترجمہ: ۱۔ اے پنجرے میں پھنسی ہوئی ہڈیو (انسان)! تیری روح تو ایک پرندہ ہے جسے نفس کہا جاتا ہے۔

۲۔ جب پرندہ اُڑ گیا تو پنجرہ ٹوٹ جائے گا دوبارہ تیری کوشش کے باوجود بھی وہ پرندہ تیرے ہاں نہ آئے گا۔

۳۔ فرصت کو نگاہ میں رکھ اس لیے کہ یہ جہان ایک لمحہ ہے ایک لمحہ جملہ عالم سے بہتر ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کے استہزا سے تسلی دی جا رہی ہے کہ بخدا آپ سے پہلے رسل کرام علیہم السلام سے استہزاء کیا گیا حالانکہ وہ بھی بڑے ذیشان اور صاحبِ فضیلت پیغمبر تھے اور آپ سے پہلے ایسے کثیر التعداد حضرات سے کفار استہزاء کرتے تھے۔ انھوں نے صبر کیا آپ بھی صبر فرمائیے۔ اس میں مضاف کو محذوف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے **فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ**۔ **حلِ لغات:** حاق یحیق حیقا بمعنے احاط بہ یعنی کافروں کو محیط، یعنی ان پر لازم اور واجب ہوگیا اور حاق بمعنے نزل بھی آتا ہے لیکن اس کا اکثر استعمال شر کے لیے ہوتا ہے اور الحیق ہر وہ فعل مکروہ جو انسان پر لازم ہو بالذین، حاق کے متعلق ہے اور منھم کی ضمیر رسل کی طرف راجع ہے اور اسم موصول حاق کا فاعل ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ ان کے استہزا کی وجہ سے انھیں عذاب محیط ہوگیا۔

سوال: انھوں نے عذاب کی عجلت کا مطالبہ کیا فلہذا یہاں یستھزءون کی بجائے یستعجلون لایا جانا مناسب تھا۔

جواب: چونکہ اسی عجلت کے مطالبہ میں استہزا مطلوب تھا، اسی لیے اصل فعل کو لایا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جیسے کفارِ مکہ آپ سے استہزاء کر رہے ہیں ایسے ہی سابقہ اُمتوں کے کافروں نے اپنے انبیاء و رسل کرام علیہم السلام سے استہزا کیا تھا، تو جیسے وہ عذاب میں مبتلا ہوئے یہ بھی ہوں گے اور اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ط

تم فرماؤ شبانہ روز تمہاری کون نگہبانی کرتا ہے رحمٰن سے

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا

بلکہ وہ اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے ہیں کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو ہم سے بچاتے ہیں

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ

وہ اپنی ہی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی یاری ہو بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے

وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ط اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

باپ دادا کو برتاوا دیا یہاں تک کہ زندگی ان پر دراز ہوئی تو کیا نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے

مِنْ اَطْرَافِهَا ط اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ صلے وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ

گھٹاتے آرہے ہیں تو کیا یہ غالب ہوں گے تم فرماؤ کہ میں تم کو صرف وحی سے ڈراتا ہوں اور بہرے پکارنا نہیں

الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ

سنتے جب ڈرائے جائیں اور اگر انہیں تمہارے رب کے عذاب کی ہوا چھو جائے تو ضرور کہیں گے ہائے

لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

خرابی ہماری بیشک ہم ظالم تھے اور ہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی

فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط

جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم

وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً

کافی ہیں حساب کو اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ دیا اور اجالا

وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ

اور پرہیزگاروں کو نصیحت وہ جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور انہیں قیامت کا

مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ط اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اندیشہ لگا ہوا ہے اور یہ ہے برکت والا ذکر کہ ہم نے اتارا تو کیا تم اس کے منکر ہو

تفسیر عالمانہ قُلْ اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تبکیت و تقریع کے طور استہزار کرنے والوں سے فرمائیے مَنْ استفہامیہ ہے یَكْلَؤُكُمْ الکلؤ بمعنے حفظ الشئ و تبقیۃ کسی شے کو محفوظ اور باقی رکھنا۔ اور الکائی وہ شخص جو شے کی حفاظت کرے۔ یعنی تمہاری حفاظت کون کرتا ہے بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ رات اور دن میں مِنَ الرَّحْمٰنِ اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے جو رات اور دن میں تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے نازل ہو جس کے تم مستحق ہو یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمائے تو اس کے عذاب سے تمہیں کون بچائے گا۔ یعنی صرف وہی ہے تمہیں عذاب وغیرہ سے بچانے والا۔

نکتہ لفظ رحمٰن میں اشارہ ہے کہ وہ کریم رحمتِ عامہ کے علاوہ خاص رحمت سے اپنے ہر بندے کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور ان کی حفاظت کا یہ معنیٰ ہے کہ انھیں مہلت بخشتا ہے، اور رات کی تقدیم اس لیے ہے کہ عذاب اور تکالیف اور سخت تر عذاب رات کو واقع ہوتے ہیں۔

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ بلکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ذکر سے رُوگردانی کرنے والے ہیں۔ یعنی ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا خیال تک نہیں چہ جائیکہ ان کے دل میں خوفِ الٰہی ہو۔ وہ ہماری اس حفاظت کو اپنا امن و قرار سمجھ کر الٹا ہٹ دھرمی سے پُوچھتے ہیں کہ ہمارا محافظ کون ہے۔ آپ ان سے ایسے سوالات نہ کیجئے اس لیے کہ وہ ایسی صلاحیت نہیں رکھتے کہ ان سے سوال کیا جائے۔ کیونکہ وہ ذکرِ الٰہی سے روگردان ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو حجب بشریت سے محجوب ہیں ان سے تو صلاحیت کی امید رکھی جا سکتی ہے، لیکن جو روحانیت کے پردوں سے محجوب ہیں ان سے ذرہ برابر بھی امید نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ بشریت کے حجابات کے محجوبین کو اپنی جہالت کا اقرار ہے لیکن روحانیت کے حجابات کے محجوبین تو مغرور ہیں اسی لیے بشریت کے حجابات کے محجوبین لوازم بشریت میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر و طلب سے روگردان ہیں لیکن روحانیت کے حجابات کے محجوبین اپنی معرفت اور معقولات میں گرفتار ہونے کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اسی لیے ان کی روگردانی سخت تر ہے۔ کمال خجندیؒ نے فرمایا: ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں ❊ یک بت کہ بشکنند بہ از صد عبادت ست

ترجمہ: غرور کے بُت کو توڑ دے اس لیے کہ عشاق کے دین میں سو سال کی عبادت سے ایک بُت توڑنا بہتر ہے۔

صائبؒ نے فرمایا: ؎

فکر نیستی ہرگز نمی افتند مغروراں ❊ اگرچہ صورت مقراض لا دارد گریبانہا

ترجمہ: مغروروں کو نیستی کا کوئی فکر نہیں۔ دیکھئے مقراض کی شکل لا جیسی ہے لیکن ہزاروں گریبان چاک کرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ام منقطعہ بمعنے بل ہے یعنی بلکہ انھیں ہمارے عذاب کو ان کے معبودانِ باطلہ روکیں گے اور انھیں ان پر بڑا اعتماد ہے حالانکہ ان کا یہ خیال سراسر غلط اور باطل ہے لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ یہ جملہ مستانفہ اور ماقبل کے مضمون یعنی ان کے انکار کی تقریر اور ان کے اعتقادِ باطلہ کی وضاحت کرتا ہے یعنی ان کے معبودان باطلہ جن کے متعلق ان کا اعتقاد ہے کہ وہ انھیں عذاب الٰہی سے بچائیں گے یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ ان کے معبودانِ باطلہ تو ایسے بیکار ہیں کہ انھیں اپنی مدد کی بھی طاقت نہیں یعنی اگر انھیں کوئی نقصان پہنچائے مثلاً انھیں توڑے یا اپنی جگہ سے ہلائے یا ان پر گندگی پھینکے یا ان کو گندگی آلود کرے وغیرہ وغیرہ تو اپنے سے ایسی خرابیاں دور نہیں کر سکتے۔ (وہابی نجدی دیوبندی اولیاءِ کرام کے مزارات کو بتوں سے تشبیہ دے کر یہی آیات استدلال میں لاتے ہیں ان بھلے مانسوں سے کون پوچھے کہ مزاراتِ اولیاٗ اور اصنامِ باطلہ میں قدرِ مشترک کیا ہے کیا مزارات اور اصنام باطلہ ایک شے ہیں یا فرق ہے؟ تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھیے) اور نہ ہی بتوں کو ہماری جانب سے عذاب کو دور کرنے کی اجازت ہے۔

بُت اور ولی اللہ میں فرق امام راغبؒ نے فرمایا کہ ہماری جانب سے انھیں نہ سکینہ نصیب ہوتی ہے نہ راحت نہ نرمی، جیسے ہمارے اولیاء کرام کو ہماری جانب سے تسکین وغیرہ نصیب ہوتی ہے[۲] اس کے باوجود بتوں کے پجاری کیسے کہتے ہیں کہ ان کے بت ان کی مدد کریں گے وغیرہ۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یصحبون بمعنے یمنعون لکھا ہے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ المتاع بمعنے ایک طویل وقت تک کسی شے سے نفع پانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

متعہ اللہ بکذا و امتعہ و تمتع بہ۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا بلکہ ہم نے انھیں اور ان کے آباٗ کو سامانِ تعیش اور اسباب زندگی بخشے۔

حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ بضم المیم وسکونہا، بمعنے زندگی۔ تعمیر بدن کی عمارت کو عمر سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی عیش وعشرت میں عرصہ دراز نفع اٹھانے کا وقت مل گیا تو وہ دھوکہ کھا کر گمان کر بیٹھے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے یہاں تک کہ ان پر کسی کو غلبہ نہیں، لیکن انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ ایک دن دستِ اجل انھیں ایسا طمانچہ مارے گا کہ ان کی زندگی کا ڈھانچہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اَفَلَا يَرَوْنَ کیا وہ دیکھ نہیں رہے کہ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ ہم کفار دارالحرب کی زمین پر آتے ہیں نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اہل ایمان کو ان پر غلبہ دے کر ان کی زمین کے اطراف کو کم کر دیتے ہیں۔ پھر انھیں غلط فہمی کیوں کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے۔

یہ خبر کے بعد دوسری خبر یا حال کے بعد دوسرا حال یا بدل ہے الاطراف، طرف (بالتحریک) کی جمع ہے بمعنے ناحیۃ من النواحی و طائفۃ من الشئی۔ مفسرین نے فرمایا اس سے زمین کے کم ہو جانے کی دلیل نہیں بلکہ کفار کے ملکوں کا مسلمانوں کے قبضے میں آجانے

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[۲] یہ فرق امام راغب اصفہانیؒ کا بتایا ہوا ہے۔ صاحبِ روح البیان نے جلد ۴ ص ۴۸۳ میں تحت آیت ہذا میں بیان فرمایا ہے اب وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ کی ضد کو کون مٹائے کہ بار بار کہے جا رہے ہیں کہ اولیاٗ اور اصنامِ باطلہ ایک جیسے ہیں ۱۲۔ مترجم

اور کافروں کے اسلام میں داخل ہونے پر مجبور ہوجانے کی تمثیل وتصویر ہے جیسے ناقی میں اللہ تعالیٰ کے آنے کے بجائے لشکرانِ اسلام کا غلبہ مجازاً مراد ہے ایسے ہی زمین کی کمی سے بھی کفار کے قبضے سے نکل کر اہلِ اسلام کے قبضے میں (مجازاً) چلاجانا مراد ہے اسی معنے پر جب چند ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آگئے اور کفار سے چھین لیے گئے تو گویا کافروں کی زمین کم ہوگئی۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت ہٰذا کے نزول کے بعد حسبِ وعدہ روزانہ اہلِ اسلام کو ترقی دی اور کفار کو تنزل۔ اس کی مزید تفصیل ہم نے سورۂ رعد میں کردی ہے۔

اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ یعنی جب وُہ اسلام کا غلبہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو کیا اب بھی انھیں وہم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام پر غلبہ پائیں گے حالانکہ غلبہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور کفار مغلوب ہیں۔

حدیث شریف حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چار صفات میں خصوصی فضیلت دیا گیا ہوں: ۱۔ سماحت ۲۔ شجاعت ۳۔ کثرۃ الجماع ۴۔ شدیدۃ البطش (سخت گرفت)

اعجوبہ سکندر سے کہا گیا کہ دارا ایک کروڑ جنگجو تمہارے مقابلے میں لارہا ہے۔ سکندر نے جواب دیا کہ قصاب بکریوں کو ذبح کرنے کے لیے ان کی کثرت سے نہیں گھبراتا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	تیشہ را ز انبوہی شاخ درخت	کے ہراس آید بِرد لخت لخت
۲	شعلہ را ز انبوہی ہیزم چہ غم	کے رمد قصاب ز انبوہ غنم
۳	خر نشاید گشت از بہر صلاح	چوں شود وحشی شود خونش مباح
۴	لاجرم کفار را شد خون مباح	ہمچو وحشی پیش نشاب و رماح
۵	جفت و فرزندان شان جملہ سبیل	زانکہ بے عقلند و مردود و ذلیل

ترجمہ: ۱۔ کلہاڑی کو درخت کی ٹہنیوں سے ہراس کیسا جبکہ وُہ ان کے ٹکڑے کرکے رکھ دیتی ہے۔

۲۔ آگ کو لکڑیوں کی کثرت کا خوف کہاں، اور قصاب کو بکریوں کی کثرت کا کیا خطرہ۔

۳۔ جب گدھا وحشی ہوجائے اس کی اصلاح کی اُمید فضول، اسے تو فوراً قتل کردینا چاہیے۔

۴۔ کافروں کا خون مباح کرنا ضروری ہے جیسے شکاری اور تیر مارنے کے سامنے وحشی۔

۵۔ کافروں کے تمام اہل وعیال اور چھوٹے بڑے بھی قبضے میں لانا ضروری ہے کیونکہ وہ بھی بے عقل اور مردود و ذلیل ہیں۔

اولیاؑ و انبیاؑ کی شانِ اقدس غلبہ ونصرت ایک اعلیٰ اور شریف منصب ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لشکر کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا لشکر حضرات انبیاؑ و اولیاؑ علیٰ نبیّنا و علیہم السلام ہیں کما قال تعالیٰ: وان جندنا لھم الغالبون۔

اگرچہ بظاہر کہیں مغلوب بھی ہوں، اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو کل عرب بلکہ مشرق و مغرب تک غلبہ بخشا اور بہت بڑے سرکش بادشاہوں کی سلطنتوں پر قبضہ جمایا، اور ان کے خزینوں دفینوں کے مالک بنے اور تمام دُنیا پر اپنی فوقیت کا لوہا منوا لیا۔ بعض اوقات ان کا شکست کھا جانا ان کے لیے امتحان و آزمائش کی وجہ سے تھا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسہ کرے۔ جہاد سے کسی وقت بھی نہ گھبرائے۔ اس لیے کہ ہمت ہو تو زنجیریں کٹ جاتی ہیں اور پہاڑ ہل جاتے ہیں۔[۵]

بابِ خیبر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ:
ماقلعت خیبر بقوۃ جسمانیہ ولا بحرکۃ غذائیہ لکنی ایدت بقوۃ ملکوتیۃ ونفس بنور ربہا مضیئۃ۔ (روح البیان ج ۴ ص ۴۸۴ تحت آیت ہذا)
(میں نے قوتِ جسمانیہ سے نہیں اور نہ ہی حرکت غذائیہ سے خیبر کو توڑا تھا بلکہ قوتِ ملکوتیہ اور اللہ تعالیٰ کی اس نورانی طاقت سے، جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی)

دروازۂ خیبر کو ستّر انسانوں نے اٹھایا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کے قلعے میں پہنچے تو اس کے ایک دروازے کو اکھیڑ کر زمین پر دے مارا۔ فراغت کے بعد ستّر آدمیوں نے اٹھا کر اسے اپنی جگہ رکھا۔ اور فرمایا: پرندہ پروں سے اور عاقل ہمت سے اڑتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وہ لوگ جو آپ سے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کر رہے ہیں آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں تمہیں عذابِ الٰہی سے بذریعہ وحی اور ان اخبار کی وجہ سے ڈراتا ہوں جو مجھ پر نازل ہوئیں۔ میں عذابِ الٰہی کے لانے پر مامور نہیں اس لیے کہ ایمان کا تعلق دلائل عیانیہ سے نہیں بلکہ برہانیہ سے ہے کیونکہ عذابِ الٰہی لانا امورِ تکوینیہ و تشریعیہ سے ہے اور تم ان کے لائق نہیں۔ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اور بہرے دعوتِ ایمان کو نہیں سنتا۔ الصم، اصم کی جمع ہے۔ ہر وہ شخص جس کی قوتِ سامعہ مفقود ہو اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ جب اُنھیں آیاتِ الٰہی سُنا کر ڈرایا جاتا ہے۔

سوال: کفار کو بہروں سے تشبیہ دینے کا کیا معنے؟

جواب: جب وہ آیاتِ الٰہی سُنتے تو ان کی پرواہ نہ کرتے تو گویا وہ ان بہروں جیسے ہوئے جو سرے سے سنتے ہی نہیں جیسے بہروں کو گلا پھاڑ کر بھی بات سنائی جائے تو وہ نہیں سُنتے اس لیے کہ ان کے کان کی قوّت سماع ختم ہو گئی ہے ایسے ہی ان کا حال ہے کہ انھیں کتنے ہی مضبوط اور پختہ دلائل بتائے جائیں تب بھی نہیں مانتے۔

سوال: بہرہ تو ہر قسم کے کلام سننے سے بے بہرہ ہے لیکن یہاں صرف کلام انذار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

---

[۵] نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں ؎ جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

جواب: ان کی بے بہرگی کو بدرجۂ کمال کے طور بیان کرنا مطلوب ہے کہ وہ اتنا بدبخت ہیں کہ انھیں کتنا ڈراؤ دھمکاؤ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

سوال: کلام (عام بات) کی بجائے دُعا کو کیوں اختیار کیا گیا ہے بمعنے پکارنا اور زور زور سے بولنا۔

جواب: عموماً ڈرانا دھمکانا، چیخ و پکار اور زور سے بولنے پر ہوتا ہے جب وہ اس زوردار اور بار بار کے کلام کو نہیں سنتے تو واضح ہو جائے گا کہ بے بہرگی میں پرلے درجہ کے ہیں۔

ف: یہ قُل کے مقولے کا تتمہ ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جدید حکم ہُوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کو آیاتِ الٰہی بیان کر دینا آپ کا کام ہے آپ کو ان کے سنانے سے کوئی واسطہ نہیں۔ آپ اپنا فرض ادا کیجئے پھر ان کی قسمت۔

اس سے معلوم ہُوا کہ انبیاء و اولیاء کا کام صرف احکام بیان کرنا اور نصیحت کرنا ہے، منوانا ان کے ذمہ نہیں۔

وہابیہ کارد کیونکہ جو ازل کے مارے ہوتے ہیں اور بارگاہِ حق سے ازل سے ہٹائے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بہرا اور اندھا بنایا کہ شہواتِ نفس و دنیا میں ہوئے اور طلبِ الٰہی سے محروم، انھیں جتنا سمجھاؤ ہرگز نہیں سمجھتے اس لیے کہ اسماع (سنانا) اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے مخلوق کے ہاتھ میں نہیں۔ کما قال: ولو علم اللّٰہ فیھم خیراً لاسمعھم۔ (اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاءؑ اپنے سپرد کردہ امور میں مختار ہیں لیکن جو امور ان کے سپرد ہی نہیں ان سے نفی کرنا جہالت و حماقت ہے)

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ المسّ بمعنے لمسٌ۔ ہر وہ اذیت جو انسان کو پہنچے اسے مسّ سے تعبیر کرتے ہیں **نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ** بخدا اگر کافروں کو اس عذاب سے تھوڑا سا پہنچے جس سے اُنھیں ڈرایا جا رہا ہے۔ النفحۃ اس کا اطلاق اگر ہوا پر ہو تو الدفعۃ، اگر عذاب پر ہو تو بمعنے القطعۃ ہے۔ (کذا فی القاموس)

حدیث شریف ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا میں شارح شہاب مرحوم نے النفحات سے پہلا معنیٰ مراد لیا ہے۔

اور بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ نفحۃ الدابۃ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو جانور مار دے۔ یعنی نفحۃ بمعنے ضربۃ ہے یا نفحۃ الریح سے ہے بمعنے ھبّت۔ اس معنے پر نفحۃ بمعنے ھبۃٌ ہوگا۔ یا یہ نفح الطیب سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب خوشبو مہکے۔ اس معنے پر نفحۃ بمعنے فوحۃ شمّۃ بھی یہی معنیٰ دیتا ہے بمعنے خوشبو کی مہک۔

ابن جریر نے کہا کہ نفحۃ بمعنے نصیب ہے نفحہ فلاں سے ہے بمعنے اعطاہ من مالہ حظامنہ یعنے فلاں نے اسے اپنے مال کا کچھ حصہ عطا فرمایا۔

لَيَقُولُنَّ غایت اضطراب و حیرت سے کہیں گے **يَا وَيْلَنَا** ہائے ہمارے اوپر افسوس۔ اس کی تحقیق ہم نے پہلے بیان کر دی۔ **إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ** بے شک ہم ظالم تھے۔ وہ ویل و ہلاک کہہ کر اپنے لیے ظلم کا ارتکاب کریں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے آیات سن کر ان سے روگردانی کر کے انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا جب انھوں نے وعید کی خبر سے اثر قبول نہ کیا تو اب انھیں نفس وعدکی کیفیت بتائی گئی ہے تاکہ اپنی غلط کاریوں سے باز آسکیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ غفلت انبیا علیہم السلام کی تنبیہات اور اولیاء کرام کی نصیحتوں سے دنیا میں بیدار نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ مرنے کے بعد عذابِ الٰہی میں مبتلا نہ ہوں گے اس لیے عوام خواب میں مرنے کے بعد بیدار ہوں گے اس وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے وَیل و ہلاکت پکاریں گے اور کہیں گے واقعی ہم غلطیوں کے ارتکاب سے ظالم ہیں اور قاعدہ ہے کہ ظلم عذاب کو دعوت دیتا اور نعمتوں سے محروم کراتا ہے ظلم علی الغیر ہو یا ظلم علی نفسہٖ مومن پر لازم ہے کہ وہ عذاب نقمۃ سے اجتناب کرے اور نجات و رحمت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور خواہشات نفسانی کو مٹائے اور طاعت و تقویٰ پر عمل پیرا ہو۔

حکایت ایک ولیہ کاملہ کی کثرتِ عبادت کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ بی بی! اپنے نفس پر نرمی کیجئے بی بی رو کر بولی کہ نفس پر نرمی کرنے پر آقا و مولیٰ کے دروازے سے دُوری کا سبب بنتا ہے اور قاعدہ ہے جو اپنے مولیٰ کے دروازے سے دنیا کے مشغلہ کی وجہ سے دُور ہوا تو وہ رنج و محنت میں مبتلا ہوتا ہے اس کے بعد زار و قطار روئی اور کہنے لگی کہ ہائے سباق کی حسرت اور ہائے جدائی و فراق کا درد۔ فرمایا کہ سباق کی حسرت یہ ہے کہ تمام انسان جب اپنی قبور سے اُٹھیں گے تو اللہ والوں کے لیے سواریاں حاضر کی جائیں گی اور ان کے آگے مقربین کی سواریاں ہوں گی، اور بعض بدقسمت وہاں سواریوں کے بغیر رہ جائیں گے اور انھیں مجرمین کے لقب سے یاد کیا جائے گا۔ آقا و مولیٰ کی جدائی و فراق کے درد سے میری مراد یہ ہے کہ جب تمام مخلوق ایک میدان میں جمع ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ اعلان کرے گا اے اللہ کے بندو! جدا ہو جاؤ۔ اس وقت متقیوں کو ممتاز کر کے علٰحدہ کر لیا جائے گا اور مجرم عذاب کی سختی میں تڑپ رہے ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ: وامتازوا الیوم ایہا المجرمون۔ اس وقت عجیب نظارہ ہوگا، باپ بیٹے سے، بیٹا ماں سے، شوہر عورت سے اور دوست دوست سے ہمیشہ کے لیے جدا کیا جا رہا ہوگا، پھر متقیوں کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ریاض الجنۃ میں اور مجرموں کو بیڑیاں اور زنجیروں سے باندھ کر جہنم میں بھیجا جائے گا۔ اب خود اندازہ کیجئے کہ اہلِ ثواب کا کیا حال ہوگا اور اہلِ عذاب کا کیا۔

ف: انذار و نصیحت بہترین امر ہے۔ سننے کے بعد عاصی اور مجرم پر لازم ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کر کے آئندہ کے لیے جرائم سے باز رہے اور نیک نصیحت اور اچھے وعظ کی طرف کان لگائے ورنہ قیامت میں حسرت کے طور کہے گا: لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ اور حقیقی بہرے یہی ہیں کہ نصیحت سُن کر نیک عمل نہیں کرتے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

بگو آنچہ دانی سخن سود مند
وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیمان بر آرد خروش
کہ اوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: جو سخن تیری سمجھ میں سُود مند ہے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو پسند نہ آئے۔ کل قیامت کو پشیمان ہو کر فریاد کرے گا کہ میں نے نصیحت کیوں نہ سُنی۔

تفسیر عالمانہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ۔ الموازین، میزان کی جمع ہے، بمعنے ترازو۔ القسط بمعنے العدل یعنی ہم وہ عدل کے ترازو قایم کریں گے جن سے تمہارے اعمال نامے حاضر کر کے وزن کیے جائیں گے۔

ف: قیامت میں اعمال جوہر اور ذوجسد ہوں گے۔ (دورِ حاضرہ کا انسان اس کا قائل نہیں فقیر نے تفسیر اویسی میں دلائل سے ثابت کیا ہے)

سوال: موازین جمع کیوں، حالانکہ حساب کے لیے ایک ترازو کافی ہے۔

جواب: تعدد اعمال کی وجہ سے یا ہر صاحبِ عمل کا علٰحدہ ترازو ہوگا۔

ف: امام راغب نے فرمایا: شے کی مقدار کی معرفت کو وزن کہا جاتا ہے۔

نکتہ: قرآن مجید میں بعض مقامات پر موازین جمع اور بعض میں واحد اس لیے لایا گیا کہ اسے باعتبار حساب کے استعمال کیا گیا تو واحد کا صیغہ لایا گیا اگر باعتبار صاحبانِ اعمال سے محاسبہ کے کیا گیا تو صیغۂ جمع لایا گیا۔ اور القسط مفرد اس لیے ہے کہ یہ مصدر وصف کا معنیٰ دیتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل عدل۔ اور موازین کو قسط سے اس لیے موصوف کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ مخلوق کے وزن میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وزن اس خرابی سے پاک اور منزہ ہے۔

لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت جزا و سزا کے لیے فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ کسی ایک پر بھی کمی نہیں کی جائے گی شَيْئًا اس کے حقوق میں سے کسی ایک حق کی، اور یہ تظلم کا مفعول ثانی ہے اس لیے کہ تظلم بمعنے تنقص ہے۔ اور وہ دو مفعول چاہتا ہے جیسے نقصہ حقہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر صاحبِ حق کو پورا حق عطا فرمائے گا اگر بھلائی ہے تو نیک جزا، اگر برائی ہے تو سزا دے گا۔ وَاِنْ كَانَ، کان کا اسم عمل ہے جس پر نضع الموازین دلالت کرتا ہے مِثْقَالَ حَبَّةٍ مثقال آلہ ثقل یعنی وہ آلہ جس سے بوجھ کا وزن کیا جائے اور حبۃ بمعنے دانہ۔ مِّنْ خَرْدَلٍ رائی کا، یعنی اگرچہ عمل بالکل نہایت صغیر الجثہ رائی کے دانے کے برابر ہوگا اَتَيْنَا بِهَا بقصر الهمزہ از اتیان اور باء تعدیہ کی ہے یعنی وہ عمل جسے وزن کے لیے رائی کے دانے کے برابر تعبیر کیا جائے ہم اسے قیامت میں حاضر کریں گے۔

سوال: خردل تو مذکر ہے اس کے لیے اتینا بھا کی ضمیر مونث کیوں۔

جواب: خردل کا مضاف حبۃ مونث ہے اس کا اعتبار کر کے مونث کی ضمیر لائی گئی ہے۔

وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ہم کافی ہیں حساب لینے میں، اس لیے کہ اور کون ہے جو ہم سے علم میں زاید ہو، اور عدل میں بھی ہمارے برابر کا اور کوئی نہیں۔ کفٰی بنا کی با زائدہ ہے اور نا، کفٰی کا فاعل، اور حاسبین بمعنے عادّین، نا ضمیر جمع متکلم سے حال ہے اور حساب بمعنی گنتی کرنا آتا ہے۔ کما یقال حسب المال۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مال کو شمار کرے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حاسبین بمعنے عالمین حافظین اس لیے کہ جو کسی شے کو گنتا ہے تو اسے اس کا علم ہوتا ہے اور وہ اس کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ ہمارا حساب دان بہت بڑی قدرت کا مالک؛ اور اسے ہر ایک کا علم ہے کہ اس کے حساب سے کوئی بھی رہ نہیں جاتا اسی لیے اس کے حساب سے ہر وقت ڈرنا لازم ہے۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہٗ کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر کہا کہ کیسے گزری؟ انھوں نے جواب دیا ؎

حاسبونا فدققوا

ثم منوا فاعتقوا

ترجمہ: حساب لیا گیا اور بال بال کا، لیکن کرم کر کے آزاد فرما دیا۔

کمیونسٹوں کا رد حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میزان حق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ درجات اعمال کے مطابق میزان میں بوجھ پیدا فرمائے گا اس طرح سے بندوں کو اپنے اعمال کی مقدار معلوم ہو جائے گی تاکہ اللہ تعالیٰ کے عقاب کا عدل اور عفو و تضعیف اعمال میں فضل ظاہر ہو۔ اس سے امام فخر الدین کا سوال رفع ہو گیا کہ اعمال کے وزن کی ضرورت کیا ہے اس لیے کہ اگر بندوں کا عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے تو پھر محض اس کے خبر دینے سے سر تسلیم خم کریں گے اگر ان کا یہ عقیدہ نہ ہو تو پھر وہ بدگمانی کر سکتے ہیں کہ اس نے ایک پلڑے کو ظلما (معاذ اللہ) بھاری فرما دیا۔ اس کا جواب یہ ہے وزن اعمال کا اگرچہ اہلِ اسلام کو یقین ہے لیکن انھیں مشاہدہ کرانا مطلوب ہے کہ لوگ عالم دنیا میں خواب میں ہیں مرنے کے بعد جاگ اٹھیں گے اللہ تعالیٰ انھیں مشاہدہ کراتے ہوئے اعمال کے مقدار میزان کے ذریعے ظاہر کرے گا تاکہ اس کا عدل و فضل مکمل طور پر واضح ہو کہ اس میں کسی قسم کا خفا نہ رہے اور ساتھ ہی مخالفین پر اتمام حجت ہو۔

میزان جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں مروی ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہیں اور ترازو جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہو گی تاکہ اچھے اور بُرے اعمال کا وزن ہو سکے حکم غالب اعمال پر مرتب ہو گا یعنی اگر نیکیاں غالب ہوئیں تو بہشت، ورنہ دوزخ۔ اگر برابر ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بہشت عطا فرمائے گا۔

نکتہ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ترازو جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں اس لیے ہو گا کہ اوامر و نواہی کے واسطہ تھے۔ اسی مناسبت سے انہی کے ہاتھ میں ترازو دیا گیا تاکہ اوامر و نواہی کے صحائف کا وزن ہو۔

میزان اور داؤد علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی مجھے میزان کی اصلی صورت دکھائی جائے۔ جب داؤد علیہ السلام نے میزان دیکھی تو اس کا ایک پلڑا مشرق و مغرب کے برابر تھا۔ داؤد علیہ السلام یہ حال دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو عرض کی، یا اللہ! اس میزان کو کون بھر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! جس بندے سے مَیں راضی ہوں گا اس کی ایک کھجور کی نیکی سے اس کا ترازو بھر دوں گا۔

حدیث شریف دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے لیکن میزان میں بوجھل اور اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ وہ دو کلمے یہ ہیں:

سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

نکتہ : یہ دو کلمے اللہ تعالیٰ کو اس لیے محبوب ترین ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی مدح وصفات سلبیہ ہے جو تنزیہہ اور صفات ثبوتیہ اور حمد پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث شریف تسبیح نصف المیزان اور الحمد للہ میزان کو بھر دے گی۔

ف : مولانا قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وزن اعمال کے لیے ترازو رکھے جائیں گے ان میں سب سے پہلے اعمال کی کتابیں رکھی جائیں گی سب سے آخر میں ترازو میں الحمد للہ کہنے کا عمل رکھا جائے گا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا: الحمد للہ تملأ المیزان۔

ف : میزان میں سوائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے تمام اعمال رکھے جائیں گے پھر الحمد للہ کے ساتھ کلمہ لا الٰہ الا اللہ ملا کر میزان میں رکھا جائے گا تو میزان پُر ہو جائے گا۔

ف : ہر ایک کا پلڑا اپنے اعمال سے ہی پُر ہوگا ان کے اعمال میں کسی قسم کی کمی وبیشی نہ ہوگی اور ہر عمل اور ذکر خیر وغیرہ میزان میں رکھا جائے گا سوائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے۔

نکتہ : ہر عمل (نیک وبد) کو میزان میں بالمقابل رکھا جائے گا اور لا الٰہ الا اللہ کے بالمقابل شرک ہے اسے کلمہ شریف کے مقابلے میں نہیں رکھا جائے گا کیونکہ شرک وتوحید یکجا جمع نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ جب بندہ اعتقاد کرے لا الٰہ الا اللہ کا تو شرک ختم۔ اگر معاذ اللہ شرک کا اعتقاد رکھے تو توحید کہاں۔ اسی لیے ان کا اجتماع میزان میں نہ ہو سکے گا اور مشرکین کے اعمال کے وزن کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کما قال: فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا۔ یعنی ان کے اعمال کی جب اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر ومنزلت ہی نہیں تو پھر وزن کیسا!

مسئلہ : بعض دوسرے ایسے لوگ ہوں گے جن کے اعمال کے وزن کی کوئی قدر ومنزلت نہ ہوگی جیسے فرقہ معطلہ اور متکبر۔

نکتہ : مشرک کی نیکی وزن کے قابل اس لیے نہیں ہوگی کہ شرک کی وجہ سے اس کی ہر نیکی ضائع ہوتی رہی اس لیے وہ نیکیاں آخرت میں نہ پیش ہوں گی نہ ان کا وزن ہوگا۔

اعجوبہ جس نے زندگی بھر کوئی نیکی نہ کی صرف ایک دفعہ صدقِ دل سے کہا لا الٰہ الا اللہ تو اس کی برائیوں کے ننانوے پلڑے اس کے مقابلے میں رکھے جائیں گے تو بھی لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ ایسے شخص کا لقب "صاحب السجلات" ہے۔ یاد رہے کہ ہر برائی کا پلڑا مشرق ومغرب کی درمیانی مسافت کے برابر ہوگا۔

ف : لا الٰہ الا اللہ کلمۂ توحید ہے اس کے مماثل اور برابر اور کوئی عمل نہیں ہے۔ اسی لیے اسے کلمۂ توحید کہا جاتا ہے۔ جب یہ کلمہ کسی کے منہ سے خلوصِ قلب سے نکلے تو اس کے بالمقابل اور کوئی کلمہ نہیں آسکتا اس لیے کہ اس کے مماثل وبرابر کا اور کوئی کلمہ نہیں۔

حدیث شریف اس کی تائید صحیح حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر سات آسمان اور سات زمینیں اور ان کی آبادی میزان کے ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں، تو بھی کلمۂ توحید کا

پلڑا بھاری رہے گا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ کلمۂ توحید کے مقابلہ میں کوئی شے نہیں آسکتی جبکہ اس کے مماثل اور برابر کی کوئی شے ہے ہی نہیں۔ کما قال تعالیٰ : لیس کمثلہٖ شیٔ۔ لیکن اس سے توحید حقیقی مراد ہے۔ ورنہ رسمی توحید یعنی صرف زبانی توحید کا اقرار ہو تو اس کی نہ صرف ضد بلکہ اضداد کثیرہ اس کے مقابل و مماثل ہوں گی، جیسا صاحب السجلات کا واقعہ ہم نے بیان کیا کہ اس کے مقابل کوئی برائی نہ آسکی کہ اس نے خلوص قلبی سے کلمۂ توحید صرف ایک بار پڑھا تھا۔

مسئلہ : یہ اس کلمہ مبارکہ کی بات ہے جو زبان سے نکلا اور اسے فرشتے نے لکھ کر محفوظ کر لیا اور وہ کلمہ جو قلب کے اندر محفوظ رہا جسے فرشتے نے نہ لکھا اس کا بیان آگے آتا ہے۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعاً اس کلمۂ توحید سے یہ فائدہ ہوا کہ اس کے بالمقابل یعنی سیئات کے مٹنے سے صاحبِ سجلات کی فضیلت واضح ہوئی اور اہلِ مواقف سمجھیں کہ واقعی خلوصِ قلب سے کلمہ پڑھنے کی بہت بڑی برکت تھی۔ لیکن یہ کیفیت اس وقت ہوگی جب موحدین میں سے جسے بھی اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرنا چاہے گا اسے داخل کرنے کے بعد صاحبِ سجلات کی فضیلت کا اظہار فرمائے گا اس وقت باقی وہی لوگ ہوں گے جنہیں بہشت میں داخل کرنا مطلوب ہوگا اس لیے کہ جن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل کر کے پھر شفاعت سے یا رحمتِ ایزدی سے بہشت میں داخل کرنا مقدر کیا ہوگا ان کے لیے وزن اعمال کا کیا معنٰے، اس لیے کہ ان کے لیے بھی وزن اعمال ہوگا تو کلمۂ توحید کا اظہار ضروری ہوگا اور اسے اب ظاہر نہیں کرنا اور اسے دوزخ میں داخل کر کے بہشت میں داخل کرنا بھی ہے تو ایسے لوگوں کے لیے وزن اعمال کا کیا فائدہ۔ ہاں صاحبِ سجلات اس سے مستثنیٰ ہے اور وہ اس کا فضل ہے وہ جس پر جس طرح چاہے کرے۔ یہ میرے (حقی کے) شیخ کی تحقیق ہے۔

مسئلہ : یہ اعمال اعضاء ظاہرہ کا حال تھا یعنی سمع، بصر، ہاتھ، پیٹ، فرج اور پاؤں وغیرہ، اور اعمال باطنہ اسی ظاہری ترازو سے نہیں تولے جائیں گے بلکہ عدل یعنی میزان حکمی سے ان کا وزن ہوگا اس لیے محسوس کا وزن محسوس سے اور معنے کا معنے سے، اس لیے کہ ہر شے اپنے ہم مثل کے بالمقابل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وزن ان اعمال کا ہوگا جسے ملائکہ نے لکھ لیا ہوگا۔ اور مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ ذکرِ خفی وہ ہے جس سے کراماً کاتبین بھی بے خبر رہے اسے توحید حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسے توحیدِ باطنی بھی کہتے ہیں۔ یہ میزان صوری میں داخل نہ ہوگا اس لیے کہ اسے نہ لکھا گیا اور نہ ہی میزان میں داخل ہو سکے گا۔

مسئلہ : میزان پلصراط کے اوپر ہے اور اسی حساب سے بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ ہاں جن حضرات کا کوئی حساب نہ ہوگا اور وہ بہشت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔ یہ حساب ان اہلِ ایمان کے لیے ہوگا جن کے اعمال نیک و بد دونوں طرح کے ہوں گے۔

ف : مشائخ فرماتے ہیں کہ دنیا میں میزان تین ہیں :

۱۔ میزان النفس والروح

۲- میزان القلب والعقل

۳- میزان المعرفۃ والسر

میزان النفس والروح سے امر و نہی مراد ہے، اس کے دو پلڑے وعدہ وعید ہیں۔

میزان القلب والعقل ایمان و توحید ہے اور اس کے دو پلڑے ثواب و عقاب ہیں۔

میزان المعرفۃ والسر رضا و غضب الٰہی اور اس کے دو پلڑے ہرب و طلب ہیں۔

ف: مشائخ نے فرمایا کہ جو اس دنیا میں اپنے نفس کا میزان ریاضت و مجاہدات سے اور قلب کا مراقبات سے اور عقل کا اعتبارات اور روح کا معاملات سے اور سر محاضرات و مطالعہ غیوب اور صورت کا معاملات سے وزن کرتا ہے اور اس کے دو پلڑے حقیقت و طریقت ہیں اور اس کی لسان شریعت اور اس کے عمود عدل و انصاف ہے۔ ایسے شخص کا قیامت میں شرف میں وزن ہوگا اور جو اپنے قلب کا میزان اللطف اور اپنے عقل کا میزان نور اور اپنے روح کا میزان السرور اور اپنے سر کا میزان الوصول اور صورت کا میزان قبول سے وزن کرتا ہے تو اگر موازین بوجھل ہوئے تو اسے فراق سے امن نصیب ہوگا اور قلب کی جزا اسرار میں مشاہدہ شرف حاصل ہوگا اور عقل کی جزا مطالعہ صفات سے اور روح کی جزا کشف انوار ذات سے اور سر کی جزا ادراک الاسرار القدسیات سے اور صورت کی جزا وصال الابدیات کی مجالس میں جلوس کی شرافت نصیب ہوگی۔ نیز اعمال کو اخلاص کے میزان سے بھی تولا جائے گا۔ اسی طرح صدق کو احوال سے ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست
کہ از دروغ سیہ روی گشت صبح نخست

جس کے اعمال میں ریا ہوگا اس کے اعمال قبول نہیں ہوں گے ؎

منہ آب زر جان بہ پشیز
کہ صراف دانا نگیرد بچیز

ترجمہ: اے دوست! تانبے پر سونے کا پانی نہ لگا کیونکہ صراف اسے کسی قیمت میں نہ لے گا۔

جس کے اعمال عجب میں ملوث ہوں گے اس کے احوال باطنی میں ترقی نہ ہوگی ؎

حال خود از عجب تخلیص کن — از عمل توفیق را تخصیص کن
گر بخواہی تا گراں منے شوی — وزن کن حالت بمیزان شوی
چوں ترازوئے تو کج بود و دغا — راست جوئی ترازوئے جزا

ترجمہ: ۱- اپنا حال عجب سے خالص کر کے عمل کو توفیق الٰہی سے خاص کر۔

۲- اگر چاہتے ہو کہ تمہارا بوجھ بھاری ہو اپنے حال کو میزان کے مطابق کیجئے۔

۴۔ جب تیرا ترازو ٹیڑھا ہو اور تیرے اعمال کھوٹے، پھر تیرا جزا کا ترازو اچھا طلب کرنا (حماقت ہے)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ بخدا ہم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ایسی کتاب عنایت فرمائی جو حق و باطل کے درمیان فرق بتانے والی اور روشنی دینے والی ہے کہ جس سے ظلمات حیرۃ وجہالت میں روشنی حاصل کی جاسکے اور ذکر کہ جس سے لوگ نصیحت حاصل کرسکیں۔ ان جمیع صفات سے ایک شے مراد ہے یعنی توراۃ اور متقین کی تخصیص صرف اسی لیے ہے کہ اس سے صرف وہی استفادہ واستفاضہ اور اس کے مغانم آثار سے غنیمت حاصل کرنے والے ہیں الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ یہ محلاً مجرور اور متقین کی صفت مادحہ ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں بِالْغَيْبِ یہ مفعول یعنی ربھم سے حال ہے یعنی عذابِ الٰہی سے ڈرتے ہیں درانحالیکہ اللہ تعالیٰ ان سے غائب ہے اور وہ اسے نہیں دیکھتے اس میں کافروں کو تعریض ہے کہ یہ لوگ کتنے اچھے ہیں باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں لیکن اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور تم کتنے بدبخت ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اس وقت ڈرتے ہو جب عذاب تمہارے سروں پر منڈلاتا ہے وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ الساعۃ اس گھڑی کا نام جس میں قیامت قائم ہوگی۔ اور اسے الساعۃ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں ایک عظیم حادثہ ہوگا یا اس لیے کہ گویا وہ اس امرِ عظیم کے وقوع کی طرف سعی کر رہی ہے اور اس کی مسافت یہی گھڑیاں ہیں جو گزر رہی ہیں۔

ف: امام راغب نے کہا کہ الساعۃ' الزمان کا ایک جز ہے جس سے قیامت مراد ہوتی ہے اور اسے ساعۃ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں جلد تر حساب ہوگا، کما قال تعالیٰ:

وھو اسرع الحاسبین۔

اور اس پر تنبیہ فرمائی۔ کما قال:

کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار۔

اور فرمایا:

یوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعۃ۔

پہلی ساعۃ سے قیامت اور دوسری سے زمانہ کا قلیل حصہ مراد ہے۔

مُشْفِقُوْنَ اسی سورۃ میں اشفاق کی تحقیق گزری ان کا قیامت سے گھبراہٹ کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اس لیے خصوصیت سے ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ قیامت جملہ خوفناک امور سے زیادہ خوفناک ہے وَهٰذَا اور یہ قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے اور اسے اسم اشارہ سے اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ قرآن مجید کا امر ایسا واضح ہے کہ گویا محسوس مشاہد ہے ذِكْرٌ نصیحت حاصل کرنے والے کے لیے نصیحت ہے مُّبٰرَكٌ کثیر الخیر والنفع ہے کہ اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اسے نازل کیا اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ یہ ذکر کی صفت ہے یا خبر کے بعد خبر ہے اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ یہ ان کے انکار کا انکار ہے جبکہ قرآن مجید کا نزول توراۃ کی طرح واضح امر ہے تو پھر انکار کیوں۔ گویا انھیں کہا گیا ہے

کہ جب قرآن مجید کا نزول اور وحی من اللہ ہونے میں واضح رہے تو پھر اس کی حقانیت کا انکار کیوں کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہمارے نبی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے بلکہ اپنی طرف سے بنایا گیا ہے۔

ف : بعض مشائخ کرام نے فرمایا کہ قرآن مجید فی نفسہٖ مبارک ہے جاہل اسے سنے یا نہ سنے اور اسے مانے یا نہ مانے اور جو اسے محبت اور شوق سے سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ کلام والے کا مشاہدہ نصیب ہو پھر وہ اس کے احکام کا پابند ہوتا ہے اور اس کے ارشادات پر چلتا ہے تو وہ اپنے دل میں لذت پائے گا اس شوق و محبت میں رہنے سے اسے مرکز یعنی رؤیتِ حق تک رسائی نصیب ہوگی۔

حدیث شریف جس دل میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی نہ ہو وہ دل ویران گھر کی طرح ہے۔

حدیث شریف اپنے گھروں کو گورستان مت بناؤ۔ یعنی گھروں میں قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو تاکہ وہ قبرستان کی مانند نہ ہوں اس لیے کہ جس گھر میں قرآن مجید کی تلاوت نہ کی جائے تو وہ گھر قبرستان جیسا ہے کہ جیسے قبرستان میں تلاوت قرآن مجید اور طاعت اور ذکرِ الٰہی نہیں ہوتا ایسے ہی اس گھر کا حال ہے جس میں تلاوتِ قرآن مجید اور طاعت اور ذکرِ الٰہی نہیں ہوتا۔

افسوس (صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں) مجھے اپنے دور کے لوگوں سے رونا آتا ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کی تلاوت ترک کر کے اشعار و غزلیات و اہلِ ہویٰ کے کلام سے دل لگا دیا ہے[1]۔

حضرت کمال خجندیؒ نے فرمایا:

دل از شنیدن قرآن بگیرت ہمہ وقت
چو باطلان زکلام حقت ملولی چیست

ترجمہ: قرآن کے سننے سے تیرا دل گھبراتا ہے، وہ کیوں۔ باطل سے دل گھبرانا چاہیے لیکن حق کلام سے نہیں گھبراہٹ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ وہ نور جو حق و باطل بلکہ خلق و خالق اور حدوث و قدم کے درمیان فرق بتاتا ہے وہ نور ہے جو اپنے مخلصین کاملین بندگان جیسے اولیاء کرام و انبیاء علیہم السلام کے قلب پر وارد فرماتا ہے اس کا حصول علوم شرعیہ کے مطالعہ و تکرار سے نصیب ہوتا ہے۔ عقلی علوم و فلسفی فنون سے حاصل نہیں ہوتا اس نور میں ایک خصوصی چمک اور نصیحت ہوتی ہے جس سے صرف وہ حضرات روشنی پاتے ہیں جو توحید کی برکت سے شرک سے اور شرع کی برکت سے طبع سے اور اخلاص کی برکت سے ریا سے نجات پاتے ہیں وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اور یہ قرآن مجید ذکرِ مبارک اس

---

[1] یہ دو تین صدی پہلے کی بات ہے اور آج تو حالت اس سے کہیں ابتر ہے۔ اویسی غفرلہٗ

خوش قسمت انسان کے لیے ہے جو اس نور سے فیض کرتا اور نصیحت پاتا ہے **انزلنا** ہم نے اس خوش قسمت انسان کے قلب پر نازل فرمایا ا سے عقلی طور اور نظر و فکر سے نصیب نہیں ہوگا۔ اے لوگو ! تم مانتے نہیں ہو کہ واقعی وہی نور ہماری ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔

حکایت سلاطین عثمانیہ کے مورث اعلیٰ غازی عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اتنا بڑا مرتبہ قرآن مجید کے احترام کی وجہ سے نصیب ہوا۔ واقعہ یوں ہے کہ غازی عثمان بہت بڑا سخی انسان تھا آنے جانے والوں کو بہت بڑی نعمتوں سے نوازتا۔ اس کی سخاوت سے لوگ ٹوٹ پڑے۔ اس کے ہمسائیگان کو شاق گزرا اور طرح طرح کی تکلیفوں اور اذیتوں پر تُل گئے۔ غازی عثمان پڑوسیوں کی شکایات حاجی بکتاش کو سنانے چلے یا کسی اور حاکم کو۔ راستے میں ایک شخص کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا جس کے گھر پر قرآن مجید لٹکا ہوا تھا۔ پوچھا: یہ کیا شے ہے؟ جواب ملا: یہ کلام الٰہی ہے۔ غازی عثمان نے کہا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا کلام ہو وہاں بیٹھے رہنا بے ادبی ہے اس لیے ادب کے طور قرآن مجید کے سامنے ہاتھ باندھ کر ساری رات کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوئی اور وہاں سے روانہ ہوا تو راستہ میں ایک آدمی ملا اور کہا کہ میں تیرا مطلب و مقصد ہوں یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے تاکہ آپ کو مبارک دوں کہ آپ نے کلام الٰہی کی عزت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے صلے میں آپ کے اور آپ کی اولاد کے حق میں سلطنت مقدر فرمائی ہے اور فرمایا کہ درخت سے ایک لکڑی کاٹ کر اس پر کپڑا باندھیے یہی آپ کا جھنڈا ہے۔ چنانچہ ایسے کیا تو سلطان غازی عثمان کے گرد بہت بڑی جماعت جمع ہوگئی تو اسی جماعت کی طاقت سے پہلا حملہ بلجک پر کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فتح کر لیا اس کے بعد سلطان علاء الدین نے مستقل بادشاہی کی اجازت دی تو اس کے بعد مستقل بادشاہ بن بیٹھے۔

ف : اس حکایت سے چند فوائد مرتب ہوئے:

۱۔ بادشاہی بھی نبوت کی طرح عطائے الٰہی ہے۔

۲۔ سخاوت باب المراد کی چابی ہے۔

۳۔ حیرت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں بہت بڑی تاثیر ہے۔

۴۔ کلام الٰہی کی تعظیم سلطنت صوری یا معنوی کے حصول کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ذکر مبارک رکھا ہے۔

۵۔ کلام الٰہی کی بے قدری اپنی طاقت و قوت ضائع کرنے کے مترادف ہے بلکہ خود بے عزتی کرنے والے کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ صاحب روح البیان کے زمانہ میں ہوا کہ جس طرح سلاطین عثمانیہ کو ترقی نصیب ہوئی اسی طرح سلطان محمد رابع کے زمانے میں تنزل کا آغاز ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سلطان محمد رابع نے قرآن مجید کی عزت و احترام سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت میں زوال پیدا فرما دیا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں قرآن مجید کی محبت اور اس کی روشنی پیدا فرمائے۔
(آمین)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ

اور بیشک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کر دی اور ہم اس سے خبردار تھے جب اس نے اپنے باپ اور

قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

قوم سے کہا یہ مورتیں کیا ہیں جن کے آگے تم آسن مارے ہو بولے ہم نے اپنے باپ دادا

لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾

کو ان کی پوجا کرتے پایا کہا بے شک تم اور تمہارے باپ دادا سب کھلی گمراہی میں ہو

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ

بولے کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یونہی کھیلتے ہو کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو رب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾

ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا

اور مجھے اللہ کی قسم ہے میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا بعد اس کے کہ تم پھر جاؤ پیٹھ دے کر تو ان سب کو چورا کر دیا مگر

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ

ایک کو جو ان سب کا بڑا تھا کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں بولے کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بیشک

لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا

وہ ظالم ہے ان میں کے کچھ بولے ہم نے ایک جوان کو انہیں برا کہتے سنا جسے ابراہیم کہتے ہیں بولے

فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓي اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ

تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید وہ گواہی دیں بولے کیا تم نے ہمارے خداؤں

هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ڰ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔـلُوْهُمْ اِنْ

کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو ان سے پوچھو اگر

كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓي اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

بولتے ہوں تو اپنے جی کی طرف پلٹے اور بولے بیشک تمہیں ستمگار ہو

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰي رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ

پھر اپنے سروں کے بل اوندھائے گئے کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں کہا تو

أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أُفٍّ

کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے تف ہے

لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا حَرِّقُوهُ

تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں بولے ان کو جلا دو اور

وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا

اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَاهُ

ابراہیم پر اور انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا اور ہم نے اسے اور لوط کو

وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ

نجات بخشی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی اور ہم نے اسے اسحاق عطا فرمایا

وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ

اور یعقوب پوتا اور ہم نے ان سب کو اپنے قرب خاص کا سزاوار کیا اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم

بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ

سے بلاتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے اور نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ

وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ

ہماری بندگی کرتے تھے اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم دیا اور اسے اس بستی سے

الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَت تَّعْمَلُ الْخَبَائِثَ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ ﴿٧٤﴾

نجات بخشی جو گندے کام کرتی تھی بے شک وہ برے لوگ بے حکم تھے

وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٧٥﴾

اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل کیا بیشک وہ ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں ہے

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ ۔ الرشد خلاف الغی یعنی مصالح دین و دنیا کا اہل ہونا۔ کامل رشد اسے حاصل ہے جو نبوت کا اہل ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ بخدا ہم نے اپنے جلال وعظم شان سے ابراہیم علیہ السلام کو ان کے شان کے لائق رشد بخشا جیسے دوسرے اولوا العزم انبیاء علیہم السلام کو ان کے لائق رشد عطا ہوا۔

سوال: تم نے اولوا العزم کا اضافہ کیوں کیا۔

جواب : رشد کی ابراہیم علیہ السلام کی طرف اضافت سے بھی معنیٰ ظاہر ہوتا ہے۔

مِنْ قَبْلُ ہارون وموسیٰ علیہما السلام کو توراۃ دینے سے پہلے۔

سوال : قرآن مجید کے نزول کو ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ کون سی مناسبت ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے پہلے انہی کا ذکر فرمایا۔

جواب : قرآن مجید کے مضامین کو ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے مشابہت تامہ ہے اسی لیے ان کا ذکر مناسب ہوا۔

وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اور ہم پہلے سے جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے رشد ونبوت کے اہل ہیں۔

سوال : ظرف یعنی بہ جار مجرور کی علمین پر تقدیم کیوں ؟

جواب : مضمون کے مہتم بالشان ہونے اور آیت کے فواصل کی وجہ سے۔

ف : آیت ہذا کی نظیر دوسری آیت اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ہے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ اہلیت بھی خداداد عطیہ ہوتی ہے ؎

قابلے گر شرط فعل حق بدے ؞ ہیچ معدومے بہستی نامدے

ترجمہ : قابلیت اگر فعل حق کے لیے شرط ہوتی تو معدوم کی طرح ہستی میں ہرگز نہ آتا۔

مسئلہ : قابلیت صفت حادثہ اور مخلوق کے صفات سے ہے اور عطا صفت قدیمہ صفات باری تعالیٰ سے ہے اور قاعدہ ہے کہ قدیم حادث پر موقوف نہیں ہوتا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ ۔ یہ اٰتینا کی ظرف ہے۔ چونکہ یہ ظرف زمان ہے اس کی وسعت کی وجہ سے اٰتینا کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کے جملہ افعال واقوال اس میں واقع ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ : آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کے عدم ذکر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی والدہ مومنہ تھیں۔ (کذا قال صاحب روح البیان) اس لیے کہ آپ نے باپ اور جملہ قوم سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور والدہ سے بیزاری کا ذکر نہیں اور قوم سے اہل بابل مراد ہیں جو عراق میں ایک علاقہ ہے۔ یہ ایک مشہور شہر تھا جو عبادان سے موصل کی طرف طولاً اور قادسیہ حلوان کی طرف عرضاً واقع تھا اور اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ فرات و دجلہ کے کنارے پر واقع تھا۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ یہ تصویریں کیا ہیں جن کی تم پرستش کر رہے ہو۔ التماثیل تمثال کی جمع ہے۔ ہر وہ تصویر جو اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کی ہم شکل تیار کی جائے اور ممثل ہر وہ صورت جو دوسرے کی مثال سے تیار کیا جائے جیسے مثلت الشیئ بالشیئ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ایک شے کو دوسری شے سے تشبیہ دی جائے۔

العکوف بمعنے کسی شے کی طرف متوجہ ہونا اور کسی غرض سے علیٰ سبیل التعظیم ہر وقت اس کے ساتھ رہنا، اور یہ عبادت کے معنے کو متضمن ہے۔ جیسا کہ آنے والے جواب سے بھی ثابت ہوتا ہے اسی لیے اس کا صلہ لفظ لام آیا ہے ورنہ لغۃً اس کا صلہ لفظ علیٰ آتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ بت کیا شے ہیں جن کی تم پرستش کر رہے ہو اور ہر وقت ان کے ساتھ

رہتے ہو۔

ف : حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال تجاہلاً[لہ] ہے ورنہ انھیں ان بتوں کی حقیقت معلوم تھی کہ یہ پتھروں یا درختوں سے تیار کیے گئے ہیں۔

بتوں کی تعداد کاشفی نے لکھا کہ وہ بُت بہتر (۷۲) تھے۔ اور صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ نوّے (۹۰) تھے۔ اور تبیان میں ہے کہ ان کی صورتیں درندوں، پرندوں، جانوروں اور انسانوں کی طرح بنائی گئی تھیں اور ان کا بڑا بُت سونے کا تھا دو شاہانہ موتی اس کی آنکھوں میں رکھے ہوئے تھے۔ بعض بتوں کی صورتیں ستاروں کے مطابق تھیں۔

حکایت سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک دفعہ ایک قوم سے گزر ہوا جو شطرنج کھیل رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ماھٰذہ التماثیل۔ یہ تصویریں کیا ہیں۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

شطرنج اور کھیل بازی کی مذمّت روایت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ کھیل بازی اور شطرنج نہایت مذموم و مقبوح ہیں کہ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی مذمت کے ارادے سے ماھٰذہ التماثیل التی فرمایا، ایسے ہی شطرنج کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ماھٰذہ التماثیل کہہ کر اس کی مذمت فرما دی۔

ف : شطرنج وغیرہ کے انہماک میں ٹوٹ پڑنا ایسے ہے جیسے بتوں کے پجاری بُت پرستی کے انہماک میں ٹوٹ پڑے۔

مسئلہ : صاحب ہدایہ نے لکھا کہ نرد و شطرنج و اربعۃ عشر (کھیل کا نام ہے[لہ]) مکروہ ہیں اس لیے کہ یہ لہو ہیں اور اگر ان میں شرط لگائی جائے تو حرام ہے کیونکہ میسر کی حرمت نص سے ثابت ہے۔ اگر شرط نہ لگائی جائے تب بھی عبث فعل ہے اور ہر عبث لہو اور ہر لہو باطل ہے۔

حدیث شریف مومن کی ہر لہو باطل ہے سوائے تین امور کے:

۱- اپنے گھوڑے (جنگی و دیگر معاشی ضروریات کے لیے) کو طور طریقے سکھانا۔

۲- تیر کو کمان سے چھوڑنا (جنگ یا شکار و دیگر معاشی ضروریات کے لیے)

۳- اپنی اہلیہ (زوجہ) سے جماع کے لیے (یا ویسے بھی)۔

مسئلہ شافعیہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے شطرنج کھیلنے کا جواز منقول ہے اس لیے کہ اس سے دل کی گھبراہٹ دور ہوتی ہے لیکن زین العرب شرح المصابیح میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وصال سے چالیس روز پہلے اس قول سے رجوع فرمایا۔ اسی لیے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاصہ میں لکھا کہ شطرنج کا کھیل مکروہ ہے۔ ایسے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول اخیر میں فرمایا: اور مکروہ کیوں نہ ہو جبکہ اس میں مجوس کے طریقے کو رواج دینا ثابت ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شطرنج اور نردشیر سے کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر کے

[لہ] جان بوجھ کر انجان بننا۔ یعنی باخبر ہونے کے باوجود بے خبر ظاہر کرنا ۱۲

[لہ] تاش کے پتے۔

خون میں اپنا ہاتھ ڈبوتا ہے۔

سوال : ابنِ خیام نے کہا : ؎

زمانے بحث و درس قیل و قالے — کہ انسان را بود کسب کمالے

زمانے شعر و شطرنج و حکایات — کہ خاطر را شود دفع ملالے

ترجمہ : بحث و درس، دیگر قیل و قال اور دیگر کاروبار میں رنج و تکلیف لاحق ہوتی ہو تو شعر و شطرنج و حکایات سے دل بہلا کر دل کا ملال دور کرلے۔

جواب : یہ باطل قول ہے جو خواہش نفسانی سے لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس اور اس کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ دین کا طریقہ ہے کہ وہ اہلِ دنیا کے حالات سے نور رشد پاتے ہیں۔ جب انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ خواہشات نفسانی کے بتوں اور شہوات پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو انھیں دیکھ کر ان سے پوچھتے ہیں یہ کیا تصویریں ہیں جن پر تم منہمک ہو کر ٹوٹ پڑے ہو۔ اگر اہلِ دین کو نور رشد اللہ تعالیٰ سے نصیب نہ ہوتا تو وہ بھی ان کے ساتھ خواہشاتِ نفسانی پر ٹوٹ پڑتے جیسے اہلِ دنیا ان خواہشاتِ نفسانی میں مبتلا ہیں وہ بھی ان کے ساتھ مبتلا ہوتے۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا ان سے ابراہیم علیہ السلام نے اصنام پرستوں سے پوچھا کہ تم کو ان کی پرستش پر کس نے ابھارا، تو انھوں نے کہا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ہم نے آباؤ اجداد کو ان کی پرستش کرتے پایا تو ہم بھی ان کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ جواب ایسے لوگ دیتے ہیں جو سائل کو پختہ دلیل پیش کرنے سے عاجز ہوں قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بخدا اے اندھے مقلدو! تم اور تمہارے آباؤ اجداد جنھوں نے بت پرستی کا باطل طریقہ شروع کیا کھلی گمراہی میں ہو اور تمہاری اور ان کی خطا ظاہر ہے جسے ہر ایک جانتا ہے اور نہ تمہارے پاس اس کی دلیل ہے نہ تمہارے آباؤ اجداد کے پاس۔

مسئلہ : تقلید اس امر میں جائز ہے جس کی حقانیت واضح ہو اور قائلین و عاملین کی کثرت سے باطل حق نہیں ہو جاتا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفسانی اور بُری رسوم میں عوام پر تقلید غالب ہوتی ہے۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ رشد و ہدایت نصیب فرمائے تو وہ ایسی اندھی تقلید سے محفوظ و مامون ہوتا ہے۔

غیر مقلدین کا ردّ واعلم ان التقليد قبول قول الغير بلا دليل۔ جان لو کہ کسی کی بات کو دلیل کے بغیر مان لینے کو تقلید کہا جاتا ہے[1] اور ہم اہلسنت (احناف، و شوافع وغیرہم) کے نزدیک صرف فروع و عملیات (مسائل عامہ)

---

[1] یہ عام انسان کے لیے ہے اور چونکہ وہ جانتا ہے کہ جس کی میں تقلید کر رہا ہوں وہ سوائے قرآن و حدیث کے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا اسی لیے اس کے قول کو بلا دلیل مان لیتا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ دوسرے سے قرآن و حدیث کو کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ وہابیہ غیر مقلدین کی ایک شرارت ہے۔

[2] حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین کے عوام اپنے پڑھے لکھے چند اشخاص کے اور ان کے پڑھے لکھے اپنے سے بڑوں کے مقلد ہیں۔ تقلید سے وہ بھی خالی نہیں لیکن ضد کا علاج کون کرے ۱۲ اویسی غفرلہ

میں تقلید جائز ہے اور اصول دین و اعتقادیات میں تقلید ناجائز ہے بلکہ ان میں نظر و استدلال ضروری ہے۔

مسئلہ : احناف کے نزدیک مقلد کا ایمان بھی صحیح ہے۔ اسی طرح ظاہریہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ امور جو انسان کو ماننا واجب ہے مثلاً عالم کو حادث اور وجود صانع اور اس کے صفات قدیمہ اور ارسال الرسل اور وہ جو کچھ لائے سب حق ہے اسے ایمان کہا جاتا ہے اور ان امور کو جو شخص بلا دلیل مانتا ہے تب بھی اس کا ایمان صحیح ہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعراب (دیہاتیوں) کے بچوں، عورتوں، غلاموں، کنیزوں کا ایمان تعلیم الدلیل کے بغیر تسلیم فرماتے تھے۔

مسئلہ : اگر کوئی ایسے امور میں غور و فکر اور استدلال نہیں کرتا تو گنہگار ہوگا اس لیے ایسے امور میں غور و فکر اور استدلال واجب ہے۔

مسئلہ : فصل الخطاب میں ہے کہ جو شخص اہلِ اسلام میں پیدا ہوا اور ان میں نشو و نما اور تربیت پاکر جوان ہوا اور اپنے مسلمان ہونے کا مدعی ہے اور کلمۂ اسلام پڑھتا اور اسلام کا نام لیوا ہے اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے صنائع و عجائبات کو دیکھ کر سبحان اللہ کہتا ہے تو ہم اسے تقلیدی مومن نہیں کہیں گے اس لیے کہ رؤیت مصنوعات سے سبحان اللہ کہنا ہی اس کے غور و فکر اور استدلال کی دلیل ہے۔

(بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے عوام اہلِ اسلام ایسے استدلال سے بہرہ ور ہیں فلہذا یہ محقق مومن ہیں نہ مقلد محض اس سے انگریزوں اور کمیونسٹوں کے اوہام کا قلع قمع ہوگیا جبکہ ہمارے عوام اہلِ اسلام کو ایمان کی اندھی تقلید پر مطعون ٹھہراتے ہیں)

ف : ہمارے عوام کا مصنوعاتِ الٰہی کو سبحان اللہ یا اس قسم کے الفاظ کے کہنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس عجیب و غریب شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ وہ اس طرح کی اشیاء پیدا کر سکے اسے اہلِ علم "استدلال بالاثر" سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس طریقے سے بات کرنے والا صانع کی قدرت و ارادہ وغیرہ کو ثابت کر رہا ہے اور استدلال سے بھی یہی مطلوب ہوتا ہے کہ اثر سے موثر کی طرف اور مصنوع سے صانع کی طرف انتقال کیا جائے اور وہ عامی مسلمان سے صادر ہو رہا ہے اور یہی استدلال ہے خواہ وہ جس طریقے سے ہو۔ یہ کب لازم ہے کہ استدلال کے وقت کہا جائے کہ یہ صغریٰ کبریٰ ہے اور فلاں حد اوسط ہے اور مقدمات کو ترتیب دے کر فلاں شکل سے نتیجہ نکلا ہے جیسے علم معقول کا قاعدہ ہے۔

ف : (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جو بھی مصنوعاتِ عجیبہ کو دیکھ کر سبحان اللہ وغیرہ پڑھ دے وہ مسلمان ہے بلکہ اس کا اپنے لیے مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی ہو جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے وہ اس لیے کہ ہمارے زمانہ میں کافر و سکھ، ہندو، مجوس و دیگر غیر مسلم اقوام اسلامی آبادیوں میں جہالت کے غلبہ سے اسلامی شعار غیر شعوری طور پر ادا کر لیتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی طرح ہر عجیب و غریب شے پر "سبحان اللہ" تک بھی کہہ دیتے ہیں اس سے لازم نہیں کہ ایسے طریقے اختیار کرنے والا مسلمان ہو بلکہ وہ تو عام رسم و رواج کے تحت وہی کہہ رہا ہے جو اس کے علاقہ کے عوام مسلمان کہتے ہیں کہ جب وہ سیلاب عظیم یا بہت بڑے درخت اور آگ کے بڑے بڑے شعلے یا اس قسم کے عجیب و غریب امور دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں سبحان اللہ۔ تو وہ غیر مسلم بھی ان کی دیکھا دیکھی ایسے امورِ عجیبہ کے وقت کہہ دیتا ہے سبحان اللہ، حالانکہ اس کے دل میں نہ عقیدہ ہے نہ اس کا وہم و گمان ہے کہ اس عجیب و غریب امر کا خالق و صانع اللہ تعالیٰ ہے۔

حکایت (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا) میں نے ایک ذمی کافر ملاح کو دیکھا کہ کشتی میں نوکروں کو مختلف اور شدید امور میں کہتا کہ کوشش کرو اور غیرت مند بنو اس لیے کہ غیرت ایمان سے ہے حالانکہ اسے اور اس کے نوکروں کو خبر تک نہ تھی کہ غیرت کیا ہے اور ایمان کیا، ورنہ مجوس کافر ہو کر ایسے الفاظ نہ کہتے۔ یہ صرف اہلِ اسلام میں رہ کر ایسے کلمات علم رواج کے مطابق کہہ دیا کرتے (اسی طرح ہمارے عوام اہلسنت بعض امور غلطی سے ہندوانہ (جبکہ ایک عرصہ ہندو کے ساتھ رہے) رسوم کرتے یا منہ سے بک دیتے ہیں تو انہیں مشرک اور بے دین کہہ دینا وہابیہ کا کام ہے ورنہ انھیں ایسے غلط اقوال و اعمال اسلام سے خارج نہیں کرتے۔ فافہم ولاتکن من الوہابیین لان الوہابیۃ قوم لایعقلون۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ تقلید کو چھوڑ کر تحقیق تک رسائی حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخشے۔ (آمین)
حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

خواہی بصوب کعبہ تحقیق رہ برو ے
پے بر پے مقلد کم کردہ رو برو

ترجمہ: تم چاہتے ہو کہ کعبہ تحقیق میں راہِ راست سے پہنچو تو کسی مقلد کے قدموں پر نہیں بلکہ اپنے قدموں کے ساتھ چلو۔

اور فرمایا: ؎

مقلدان چہ شناسد داغ ہجرانرا
خبر ز شعلۂ آتش ندارد افسردہ

ترجمہ: مقلد کو داغِ ہجر کی کیا خبر، شعلۂ آتش کا افسردہ کو کیا علم۔

ف: اس سے محقق و مقلد کا فرق معلوم ہو گیا۔ جو اللہ تعالیٰ کا طالب ہے وہ تحقیق کرتا ہے اور وہ ڈوبے ہوئے کا سہارا نہیں لیتا۔ (کمالایخفی)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ کافروں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کیا آپ ہمارے ہاں سچی اور یقینی بات فرما رہے ہیں اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ یا ہمارے ساتھ مزاح کر رہے ہیں۔ بت پرستوں نے سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین قدیم اور اس کی شان و شوکت اور ان کی کثرت کے باوجود ان سے ٹھٹھا مخول کر رہے ہیں۔

لطیفہ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ دنیا کو اللہ والے لہو و لعب میں پاتے ہیں اس لیے کہ دنیا لہو و لعب ہے۔ کما قال تعالیٰ: ذرھم وھم فی خوضھم یلعبون۔ اسی طرح اہلِ دنیا اللہ والوں کو لہو و لعب اور دین کو عبث اور بیکار عمل سمجھتے ہیں۔

قَالَ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلکہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ابتداءً پیدا فرمایا۔ پہلے ان کی کوئی مثال نہیں وہی

تمہارا خالق اور وہی تمہارا پرورش کنندہ ہے ھُنَّ کی ضمیر السّمٰوٰت والارض کی طرف یا تماثیل کی طرف راجع ہے یعنی جب تمہارا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اس کی مخلوق یعنی بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ اور میں جو تجھے تمہیں بتایا ہے کہ تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے اس کے سوا اور کوئی بھی تمہارا رب نہیں ہو سکتا وہ کیسا ہی بلند مرتبت کیوں نہ ہو مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ میں ان شاہدین سے ہوں جو اس حقیقت کو جانتے اور اس کو دلائل و براہین سے ثابت کر سکتے ہیں۔

سوال : شاہد اس کو کہتے ہیں جو حقیقت اور واقعہ کو آنکھوں سے دیکھ کر گواہی دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق وغیرہ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا نہ کسی اور نے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے علاوہ دوسروں کو کیسے شاہد فرمایا۔

جواب : استعارۃً ومجازاً اپنے آپ کو شاہدین سے فرمایا اس لیے کہ جسے اپنے دعویٰ پر مضبوط اور پختہ حجت اور برہان حاصل ہو تو وہ گویا عینی شاہد ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے دعویٰ میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ منجملہ ان لوگوں سے ہوں جو اپنے دعویٰ کو دلائل و براہین کے ایسے درجہ میں پہنچاتے ہیں کہ گویا وہ عینی شاہد ہیں کہ جن کے دلائل و براہین سے دعاوی قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جاتے ہیں۔

ربط : کاشفی نے لکھا کہ نمرودیوں کی عید کا ایک دن تھا۔ اس دن وہ میدان میں جاتے اور شام تک سیر کر کے واپس بت خانہ میں آجاتے اور بتوں کو بنا سنوار کر ان کے سامنے گانے بجاتے۔ پھر پرستش کی رسمیں ادا کر کے اپنے گھروں میں چلے جاتے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بعض لوگوں سے ان صورتیوں کے بارے میں مناظرہ کیا تو وہ بولے: کل ہماری عید کا دن ہے تم بھی باہر آکر دیکھنا کہ ہمارے دین اور ہمارے آئین میں کس قدر زیبائش ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے دن جب وہ صحرا کو جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ لیجانا چاہا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کا اظہار کر کے معذرت کی فقال انی سقیم اور فرمایا میں تمہارے بتوں کی پرستش سے معذور ہوں۔ (کذا فی القصص) بت پرستوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معذور سمجھ کر گھر پر چھوڑ دیا اور آپ نے دل ہی دل میں ان سے فرمایا وَتَاللّٰهِ بخدا لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ البتہ میں تمہارے بتوں کو توڑنے کی کوئی تجویز بناؤں گا۔ الارشاد میں اس کا ترجمہ یوں ہے کہ میں تمہارے بتوں کو توڑنے کی بھرپور جدوجہد کروں گا۔

مسئلہ در تائید اہلسنت (اس سے ثابت ہوا کہ مشکل امر کو آسان کرنے کے لیے حیلہ جائز ہے۔ اس میں وہابیوں، نجدیوں، دیوبندیوں کا رد ہے کہ وہ شرعی اسقاط یا حیلہ کو حرام و ناجائز کہتے ہیں۔ دلائل فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ "حیلۂ اسقاط" میں دیکھیے)

ابن الشیخ امام فخر الدین کی تفسیر کے حوالے سے سوال کرتے ہیں کہ الکید یعنے کسی کو ضرر کے ارادہ سے اس کے ساتھ ایسی تجویز کرنا کہ اسے علم نہ ہو سکے اور بتوں کو توڑنے سے بتوں کو ضرر کیسا یا انہیں شعور کہاں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توسع فی الکلام کے قبیل سے ہے کیونکہ بت پرستوں کا عقیدہ تھا کہ بت ذی شعور ہیں۔ ان کے

عقیدے کے مطابق ہی بتوں کو ضرر پہنچانا مطلوب ہے۔ قاعدہ ہے کہ خصم کے عقیدہ کے مطابق کلام کرنا علم مناظرہ کا ایک ضابطہ ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہی متکلم کا عقیدہ ہے۔ کچھ اسی قاعدے سے آنکھ چرا کر وہابی نجدی اولیاءٔ و انبیاءٔ عظام علیہم السلام کو بتوں جیسا بنانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں والتفصیل فی الکتب المتعلقہ برد الوہابیہ)

دراصل یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو غمگین کرنے کے ارادے سے فرمائی۔

ف : اصنام، صنم کی جمع ہے وہ جثہ جو سونے یا تانبے یا لکڑی سے تیار کر کے اس کی پرستش کی جائے اور ان کی پرستش سے تقرب الٰہی مطلوب ہو۔ (کذا فی المفردات)

(وہابی نجدی دیوبندی تقرب کے لفظ سے دھوکہ کھا کر اولیاءٔ و انبیاءٔ علیہم السلام کی عقیدت و محبت و تعظیم و تکریم کو شرک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ ظاہر ہے کہ کفار کا تقرب بذریعہ عبادت تھا اور ہمارا تقرب بحکم ایزدی توسل و استفسار کے طریق سے ہے۔ فرقیست از کجا تا کجا۔ ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون)

بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا بمعنے ترجعوا۔ ولّی بالتشدید کا مضارع ہے۔ **مُدْبِرِيْنَ** بمعنے ذاهبین یہ حال مؤکدہ ہے اس لیے کہ تولیتہ و ادبار ایک شے ہے اور الادبار' الاقبال کی نقیض ہے۔ بمعنے الذهاب الی خلف۔ یعنی پیچھے لوٹنا۔ کاشفی نے لکھا کہ بعد اس کے کہ منہ پھیر کر ان کی طرف اور عید گاہ کو چلے جاؤ اور تم پیٹھ پھیرنے والے ان کی طرف۔ یعنی جب بتوں کو چھوڑ کر اپنی سیر گاہ میں جاؤ گے **فَجَعَلَهُمْ** فاء فصیحیہ ہے بمعنے فولوا فجعلهم یعنی ادھر بت پرستوں نے پیٹھ پھیری ادھر ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو کر دیا **جُذٰذًا** ٹکڑے ٹکڑے۔ جذاذ بروزن فعال بمعنے المفعول۔ الجذّ سے ہے بمعنے کاٹنا الحطام کی طرح کہ وہ الحطم سے ہے بمعنے توڑنا۔

ف : القاموس میں ہے الجذّ بمعنے جڑ سے کاٹنا اور توڑنا۔ اور الجذاذ مثلث ہے یعنی اس کے تینوں حروف منقوط ہیں۔

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ یہ فجعلهم کے مفعول سے استثناء ہے اور لهم، کبیرا کی صفت ہے اور ضمیر اصنام کی طرف لوٹتی ہے یعنی مگر ان بتوں کے بڑے کو ابراہیم علیہ السلام نے نہ توڑا بلکہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا اور کلہاڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا۔

سوال : اسے کبیر کیوں کہا؟

جواب : اسے تعظیماً بڑا کہا ہے۔ یا جثہ میں سب سے بڑا تھا یا وہ بت ان تمام بتوں سے زیادہ معظم تھا۔

لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ شاید نمرود کے لوگ اس بت کی طرف آئیں اور اس سے حالات پوچھیں۔ الیہ کی تقدیم اختصاص یا رعایۃ فاصلہ کے اہتمام کے لیے ہے۔ اور بت کی طرف لوٹنے کی امید اسی لیے رکھی گئی کہ وہ ان کا بڑا معبود تھا اور معبود کی شان یہ ہے کہ حل مشکلات کے وقت اس کے پاس حاضری دی جائے اور پھر اس سے مقاصد کے حصول کی

امید رکھی جائے۔ اس سے ان کی جہالت کا اظہار اور لاجواب کرنا مطلوب ہے۔ (کذا فی بحر العلوم) یا الیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور ان کا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا اسی لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین کے مخالف تھے اور بتوں کو گالیاں دیتے اور ان سے کھلی عداوت رکھتے تھے۔ یہی معنیٰ مناسب بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام انھیں بعد کو حجت کے طور پر فرمایا بل فعلہ کبیرھم۔ یہ کہہ کر ان پر حجت قائم فرمائی اور لاجواب کیا۔ (کذا فی الارشاد)

بت شکن ابراہیم علیہ السلام

مروی ہے کہ آزر اور اس کے بھائی بند سارے عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے بتخانے میں آئے اور بتوں کو سجدہ کیا اور ان کے ہاں طعام چھوڑا اور سمجھا کہ اسی طعام کی وجہ سے بتوں کی برکتیں طعام میں آئیں گی۔ اس کے بعد عید گاہ کو چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام سیدھے بُت خانے تشریف لے گئے اور بتوں کو استہزاءً فرمایا تمہیں کیا ہے تم بولتے نہیں، اور نہ ہی کچھ کھاتے ہو۔ دیکھا ایک کلہاڑا پڑا اسے اٹھا کر تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ایک بڑے بت کو کچھ نہ کہا بلکہ وہی کلہاڑا اس کے گلے میں لٹکا دیا اور طعام بت خانے میں بکھیر دیا۔ اس کارروائی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس گھر تشریف لے گئے۔

سوال: امام فخر الدین نے سوال کیا ہے کہ اگر وہ بت پرست سمجھدار تھے تو کافروں کو یقین ہو گا کہ یہ بت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان، تو پھر انھیں توڑنے کا کیا فائدہ، زیادہ سے زیادہ وہ ان کی ایسے ہی تعظیم کرتے ہوں گے جیسے ہم قرآن مجید، مسجد وغیرہ کی تعظیم کرتے ہیں تو پھر ابراہیم علیہ السلام کو ان کے توڑنے سے کیا فائدہ ہوا۔ اگر وہ قوم بے وقوف تھی تو ان کے ساتھ مناظرہ اور ان کے ہاں رسل کرام علیہم السلام کا بھیجنا بے سود۔

جواب: وہ قوم عقلمند ذی شعور تھی اور سمجھتے تھے کہ واقعی یہ بت نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان، لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ یہ اصنام ستاروں کے ہم شکل ہیں اور یہ طلسم ہیں کہ ان کی جو کوئی پرستش کرے گا نفع پائے گا اور جو ان کی بے حرمتی کرے گا اسے نقصان پہنچے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے عقیدے کو غلط کر دکھایا کہ میں نے انھیں توڑ دیا ہے لیکن مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس سے اے بت پرستو! مان لو کہ تمہارا عقیدہ اور مذہب غلط ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے جو اپنے آپ کو نفس و طبع کے حوالے کر دیتا ہے تو نفس کی خواہش اسے بت تراشی پر مجبور کرتا ہے جیسے آزر کا حال ہوا۔ اگر عنایت ازلی شامل حال ہو تو نفس کی خواہش کو ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ اگر انسان ازلی بدبخت ہو تو وہ حق کو باطل سمجھتا ہے اور باطل کو حق۔ جیسے نمرود کی قوم کا حال تھا۔ حضرت خجندی نے فرمایا: ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت بشکنند بہ از صد عباد تست

ترجمہ: غرور کے بت کو توڑ دے اس لیے کہ عشاق کے دین میں ایک بت توڑنا سو عبادت سے بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْا نمرودی جب شام کو عیدگاہ سے بُت خانہ میں واپس آئے تو کہا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا کہ انھیں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ یہ استفہام انکاری اور توبیخ کے لیے ہے۔

سوال: انھیں بالہتنا کی بجائے ھٰؤلاء کہنا چاہیے تھا کیونکہ بتوں کی توڑ پھوڑ ان کے سامنے تھی۔

جواب: بتوں کی تصریح سے توڑ پھوڑ کرنے والے کی شناعت و مذمت میں مبالغہ مطلوب ہے۔

اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ بیشک وُہ بتوں کی توڑ پھوڑ کی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں سے ہے کیونکہ اس نے بتوں سے ایسی جرأت کر کے اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کا نشانہ بنایا ہے قَالُوْا ان کے بعض نے سوال کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے کہا سَمِعْنَا ہم نے لوگوں سے سُنا فَتًی کہ وہ ایک نوجوان یَذْكُرُهُمْ جو بتوں کو برائی سے یاد کرتا اور ان کی مذمت کرتا تھا، شاید اسی نے کیا ہوگا۔

سوال: ذکر مطلق ہے تم نے اسے بُرائی اور عیب کی مذمت سے کیوں مقید کیا۔

جواب: دلالت حال سے معلوم ہوتا ہے جیسے تم کہتے ہو فلاں یذکوک۔ اس سے تم خود سمجھ جاتے ہو کہ اگر یاد کرنے والا تمہارا دوست اور خیر خواہ ہے تو سمجھتے ہو کہ اس نے تمہاری تعریف کی ہوگی اگر وہ تمہارا دشمن ہے تو سمجھتے ہو کہ اس نے تمہاری بدگوئی اور مذمت کی ہوگی۔

یُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِیْمُ اسے ابراہیم کہا جاتا ہے یعنی اس کا نام ابراہیم ہے (علیہ السلام) قَالُوْا ابن الشیخ نے لکھا کہ یہ معاملہ نمروذ و دیگر اراکینِ سلطنت تک پہنچا تو اُنھوں نے حکم جاری کیا کہ فَاْتُوْا بِهٖ اسے لاؤ عَلٰٓی اَعْیُنِ النَّاسِ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے۔ یہ بہٖ کی ضمیر سے حال ہے بمعنے ظاهراً و مكشوفاً۔ یعنی مجمع عام میں اسے ظاہر اور کھلم کھلا لاؤ تاکہ اسے ہر ایک دیکھ لے لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ شاید لوگ اس کے قول و فعل کی گواہی دیں کہ واقعی اسی نے بتوں کو توڑا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ بعض کفار ایسے بھی گزرے ہیں کہ وہ بلا دلیل کسی کو جُرم کی سزا نہیں دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو مجرم کو گواہی اور قوی حجت کے بغیر سزا دے وہ نمروذ اور کفار ناہنجار سے بھی گیا گزرا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

قَالُوْٓا یہاں کلام محذوف ہے وہ یہ کہ فاتوا بہٖ الخ یعنی نمروذ کی حکومت کے حکم کے تحت حضرت ابراہیم تشریف لائے جب جھوٹی سچی گواہیاں ہوگئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہنے لگے: ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرٰهِیْمُ اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تم نے ہمارے خداؤں کو توڑا پھوڑا ہے؛ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا ابراہیم نے فرمایا ان کے بڑے نے کیا۔ اسی بڑے بُت کی طرف اشارہ فرمایا جسے آپ نے توڑا نہیں تھا یہ اس لیے کہ بتوں کی بڑی برادری یعنی کفار انھیں خوب سنگار کر صف بہ صف کھڑے ہو کر پُوجتے اور ان کی تعظیم و تکریم بجا لاتے اور ساتھ ہی اس بڑے بت کی بھی پرستش کرتے۔ اگرچہ اس کی تعظیم و تکریم زیادہ ہوتی اور اس کے سامنے خشوع و خضوع بھی بہت زیادہ ہوتا۔ ان سب کو آپس میں غیظ و غضب رہتا کہ دوسروں کی تعظیم و تکریم کی شرکت کیوں۔ یہ بڑا آخر بڑا تھا اس کا غیظ و غضب بھی بڑا ہونا چاہیے تھا

اسی لیے غصے میں آکر اس نے سب کا ستیاناس کر دیا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ کام بڑے نے اس لیے کیا ہے کہ اسے ناراضگی ہوئی کہ میرے ہوتے ہوئے ان دوسروں کی پرستش کیوں کی جاتی ہے۔ فَاسْئَلُوْهُمْ ان سے خود پوچھو کہ تمہیں کس نے توڑا۔ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ اگر وہ بولنے والوں سے ہیں تو وہ تمہیں بتائیں کہ یہ کام کس نے کیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین کذبات کے سوا کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کی۔

ف: تعریض کو حضور علیہ السلام نے کذب سے تعبیر فرمایا، محض اس لیے کہ ان کی ظاہری صورت ایک ہے ورنہ کذب (جھوٹ) تو کبیرہ گناہ ہے اور انبیاء علیہم السلام تمام کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔

سوال: اگر یہ صریح جھوٹ نہ ہوتا بلکہ تعریض ہوتی تو ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن انھیں شفاعت کی معذرت میں پیش نہ فرماتے حالانکہ قیامت میں جب لوگ آپ سے شفاعت کے لیے عرض کریں گے تو آپ فرمائیں گے: مجھ سے تین کذبات سرزد نہ ہوتے تو میں ضرور شفاعت کرتا۔

جواب: نبوت و خلت کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ عزیمت سے کام لیں جد وجہد کر کے کلام کا اظہار اسی طرح کریں جس طرح اس کا حق ہے لیکن بوجہ مصلحت اسے رخصت پر عمل کر لیں تو بھی ان کے لیے جائز ہے اس لیے کہ **حسنات الابرار سیئات المقربین**۔ مسلّم قانون ہے اور ان کی اس رخصت پر عمل کرنے میں خلقِ خدا کی کروڑوں بھلائیاں مضمر ہوتی ہیں۔ (تحقیق مزید فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ "عصمت الانبیاء" میں دیکھیے) [1] **اسی گھٹیا درجہ کی وجہ سے آپ اپنے کو کم مرتبہ سمجھ کر شفاعت سے معذرت فرمائیں گے۔**

---

[1] اس آیت سے شیعہ تقیہ کا جواز ثابت کرتے ہیں یہ غلط ہے اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ شیعہ کے نزدیک تقیہ ایک بہت بڑی عبادت ہے اور شیعہ مذہب کا دارومدار ہی تقیہ پر ہے

اس کے فضائل و کمالات فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں پڑھیے۔

ذیل میں فضائل تقیہ از کتب شیعہ درج کیے جاتے ہیں۔ کتبِ شیعہ میں اس کی بہت تعریف کی گئی ہے اور اسے اعلیٰ عبادت میں شمار کیا گیا ہے:

۱۔ اصولِ کافی صفحہ ۴۸۴ میں ہے:

قَالَ اَبُوْجعفر علیہ السلام التقیۃ من دینی ودین ابائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہٗ۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے، اور جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی ایمان ہی نہیں ہے۔

۲۔ اصولِ کافی صفحہ ۴۸۲ میں ہے:

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا اباعمران تسعۃ

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: نو حصے دین کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

ف : شیعہ کے تقیہ کا معنیٰ ہے ضرورت ہو یا نہ ہو واقعہ کے خلاف بات کرنا اور تعریض اور توریہ کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی بات کو ایسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹۲)

اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ۔ — تقیہ میں ہیں۔ جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے۔

۳۔ اصول کافی صفحہ ۴۸۲ میں ہے:

عن ابی بصیرٍ قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ قلت ومن دین اللہ قال ای واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئاً ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ما کان سقیماً۔

ابو بصیر سے روایت ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا تقیہ خدا کے دین سے ہے۔ راوی نے کہا کیا خدا کے دین سے ہے؟ امام نے فرمایا: واللہ خدا کے دین سے ہے۔ یوسف نے کہا: اے قافلہ والو! تم چور ہو۔ بخدا انھوں نے کوئی چوری نہ کی تھی۔ ابراہیم نے کہا: میں بیمار ہوں۔ بخدا وُہ بیمار نہ تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تقیہ جھُوٹ بولنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ معاذ اللہ یوسفؑ و ابراہیمؑ جھوٹ بولے، کہ قافلہ والوں نے کوئی سرقہ نہ کیا تھا، ان کو سارق کہا گیا۔ اور ابراہیمؑ تندرست تھے جھُوٹ مُوٹ بیمار بن بیٹھے۔ یوسف علیہ السلام کے متعلق جوابات پارہ نمبر ۱۳ کے حواشی پر لکھ دیے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جوابات اسی آیت کے تحت دیکھیے۔

۴۔ حیات القلوب جلد ۱ ص ۴۴۰ میں ہے:

و دو چند حدیث معتبر دیگر فرمود کہ تقیہ ہیچکس بہ تقیہ اصحاب کہف نمی رسد بدرستیکہ ایشاں زنارہا می بستند و بعید گاہ ہائے مشرکان حاضر شدند پس خدا ثواب ایشاں بمضاعف گردانید۔

دوسری حدیث معتبر میں ہے کہ کسی شخص کا تقیہ اصحابِ کہف کے تقیہ کے برابر نہیں ہو سکتا کہ وہ جنجو پہنتے اور کفار کی عیدوں میں شامل ہوا کرتے تھے اور خدا نے ان کا ثواب دو چند کر دیا ہے۔

اس روایت سے بوضاحت ثابت ہُوا کہ تقیہ جھُوٹ بولنے کو کہتے ہیں۔ بڑے تقیہ باز اصحابِ کہف تھے وہ یہاں تک جھوٹ بولتے تھے کہ مسلمان ہو کر زنار پہن لیتے اور مشرک بن کر کفار کی عیدوں میں شامل ہو جاتے تھے اور اس کا ثوابِ عظیم حاصل ہوتا۔ اللہ اللہ شیعہ خود تو جھُوٹ بولا کریں، تقیہ کا ثواب لُوٹیں لیکن پاک لوگوں پیغمبروں، ولیوں، اماموں کو تقیہ باز (جھُوٹ کہنے والا) کہنے سے تو تامل کیا کریں۔ مگر نہیں۔ ان کے دستِ ستم سے نہ امام بچا ہے نہ نبی نہ ولی۔

۵۔ رسالہ موعظہ تقیہ جس میں اقوال علامہ حائری لکھے گئے ہیں، میں ہے کہ:

"امیر المومنین حضرت علیؓ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں تقیہ کیا اور ضرور تقیہ کیا۔ کیونکہ جس طرح صدر اسلام میں رسول اللہ

(باقی ص ۹۹۴)

طریقہ سے بیان کرنا کہ جسے سامع عرفی معنے پر محمول کرے اور متکلم اسی لفظ سے دوسرا مفہوم مراد لے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹۳

صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۹ انصار و اعوان ہونے کے باوجود تقیہ کیا۔ جناب امیرؓ نے بھی قلتِ انصار و اعوان کے سبب خلفاؓ سے تقیہ کیا۔" اس تقیہ کے کرنے سے اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و قوت و جرأت پر کوئی حرف نہیں آتا تو لازماً نفسِ رسولؐ (علیؓ) پر جو کسی طرح پیغمبر سے کسی وصف میں بھی زیادہ نہ تھے کوئی اعتراض لازم نہیں آسکتا۔ مزید برآں جناب امیرؓ نے بھی محض حفاظتِ اسلام کیلئے اس وقت تقیہ کیا۔ صدرِ اسلام کا زمانہ تھا اگر وہ تقیہ نہ کرتے تو مسلمانوں کی باہمی کشمکش سے اسلام خطرہ میں پڑ جاتا۔ پس علیؓ نے بنابر حدیث معتمدہ ثلثہ کی بیعت ہرگز نہیں کی اور تقیہ میں زمانہ گزار دیا۔ ہاں اگر بیعتِ ثلاثہ کے لیے مجبور کیا جاتا تو لازماً پھر وہ مقابلہ میں ذوالفقار اٹھانے کو ترجیح دیتے اور تقیہ توڑ ڈالتے۔ مگر اخبار معتبرہ کی بنا پر نہ بیعت کے لیے وہ مجبور کیے گئے نہ انھوں نے تقیہ توڑا باوجود تقیہ کرنے کے بھی باعتراف اکابر علمائے اہلسنت علیؓ نے سیرتِ ثلاثہ پر عمل نہیں کیا بلکہ عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جناب امیرؓ کی خلافت ظاہری کا زمانہ آیا اور آپ نے دورانِ خلافت میں اصحابِ ثلاثہ کے رخنے ڈالے ہوئے اسلام سے سب زائل کر دیے اور اس کو از سرِ نو احیا کیا۔

مسئلہ تقیہ کی ایجاد کی اصل وجہ

موجدانِ مذہب شیعہ نے جب یہ دیکھا کہ جناب امیرؓ کے خطبات اور ائمہ اہلبیت کے اقوال سے اصحابِ ثلاثہ کی بے حد تعریف پائی جاتی ہے اور جناب امیرؓ عہدِ خلافت اصحابِ ثلاثہ میں ان سے شیر و شکر رہے اور ہر معاملہ میں ان کے مشیر باتدبیر رہے۔ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ مالِ غنائم سے حصہ لیتے رہے اور ماہانہ وظائف نقد و جنس حاصل کرتے رہے۔ پھر کس طرح یقین کیا جائے کہ اصحابِ ثلاثہ سے وہ ناراض اور ان کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس کے جواب کے لیے انھوں نے مسئلہ تقیہ ایجاد کیا کہ یہ سب کچھ جناب امیرؓ اور اہلبیت کا تقیہ تھا اور بے حد فضیلت رکھتا ہے اور دین کے دس اجزا میں سے نو اجزا تقیہ میں ہیں اور تمام ائمہ بلکہ انبیا علیہم السلام کا دین و ایمان تقیہ ہی تھا۔

چلو، چھٹی ہوئی۔ جاہل مریدوں کی تسکین خاطر کے لیے تقیہ کی پڑیا کافی ہے۔ یہاں تک کہ کہہ دیا کہ ائمہ اہلبیت نے فرما دیا ہے کہ "دینِ حق ظاہر کرنے کے لیے نہیں بلکہ چھپانے کے لیے ہوتا ہے۔"

اصولِ کافی ص ۴۸۵ میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک خاص شیعہ کو یوں فرمایا:

یا سلیمان انکم علی دینٍ من کتمہٗ اعزہ اللہ ومن اذاعہٗ اذلہ اللہ۔	اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے خدا اس کو ذلیل کرے گا۔

(باقی بر صفحہ

قول ھذا کو سمجھئے کہ انھوں نے جب بل فعلہ کبیرھم فرمایا تو اس کا مطلب ظاہراً یہی ہے کہ بڑے بت نے مارا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اے بیوقوفو! جب تمہارے معبود اپنے سے دفع ضرر کی طاقت نہیں رکھتے تو وہ دوسروں کو کیسے ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ جب اُن کی یہ حالت ہے تو پھر وہ معبود کیسے! (مزید تشریح تفسیر اویسی میں دیکھیے)

کذب کی تفصیل شیخ عزالدین نے فرمایا کلام مقاصد کا وسیلہ ہے۔ ہر نیک مقصود کو صدق و کذب دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسے کذب سے حاصل کرنا حرام ہے۔ اگر کسی وقت ایسی صورت درپیش ہو کہ اسے صدق سے حاصل کرنا ناممکن ہے تو کذب کے ذریعہ حاصل کرنا مباح ہے۔ اگر اس مقصد کا حصول مباح ہو تو کذب مباح ہے اگر اس کا حصول واجب ہو تو ایسے موقعہ پر کذب واجب ہے۔ اس تفصیل کے بعد اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سہ کذبات کی تفصیل سُنیئے۔ ان سہ کذبات میں دو مقاصد کا حصول ابراہیم علیہ السلام کو محض ذاتِ الٰہی کی رضا پر مطلوب تھا۔ تیسرے میں بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے دفع فساد مطلوب تھا اور وہ بھی درحقیقت رضائے الٰہی پر مبنی تھا۔ لیکن چونکہ اس میں ان کی اپنی ذات اور بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ تھا۔ اسی لیے اوّل دو کو ذاتِ الٰہی سے منسوب کیا گیا ہے اور تیسرے کو بالواسطہ منسوب کیا گیا۔ اس تفصیل کے بعد اب تینوں مقامات کی تشریح سُنیئے۔

کذب اوّل: اِنّی سقیم (میں بیمار ہوں) **توجیہ اوّل**: جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے چچا آزر نے کہا کہ آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱)

دوسری جگہ اس کتاب کے ص ۲۵۵ میں ہے:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام من اذاع علینا شیئاً من امرنا کمن قتلنا عمداً و لم یقتلنا خطاءً۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص ہمارے مذہب میں سے کچھ ظاہر کر دے گویا اس نے ہمیں عمداً قتل کیا نہ خطاً۔

نیز کتاب مذکور کے ص ۵۱۵ میں ہے کہ:

من اذاع علینا حدیثاً سلبہ اللہ الایمان۔

امام صادق نے فرمایا جو ہماری حدیث کو ظاہر کرے خدا اس کا ایمان چھین لیتا ہے۔

ہر ایک عاقل ذی بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیثیں یا رلوگوں کی من گھڑت ہیں ورنہ ائمہ دین ایسا کیوں کہیں کہ حق کے اظہار سے ایمان جاتا رہتا ہے اور مذہب اور دین کی اشاعت موجب قہر الٰہی اور اس کا کتمان باعث خوشنودی خدا ہے۔ اور ائمہ حدیث یا ان کا مذہب ظاہر کر دینا ایسا ہے جیسا ان کو عمداً قتل کر دینا۔ ہاں یہ درست ہے کہ روافض کا مذہب ضرور چھپانے کے قابل ہے، اس کی تشہیر باعث فتنہ و فساد اور امنِ عامہ میں خلل اندازی کا موجب ہے۔ اور مذہب روافض ہرگز ہرگز مذہب اہلبیت نہیں ہو سکتا۔ بھلا جس مذہب میں امہات المومنین (ازواج رسولؐ) کو گالیاں دینا، لعنت، تبرا بھیجنا جائز بلکہ عبادت ہو وہ کبھی اہل حق کا مذہب کہلا سکتا ہے!

تقیہ کی مزید تحقیق فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

ہماری عیدگاہ میں چل کر دیکھیں کہ ہمارا میلہ کیسا خوب ہے۔ آپ اس کے کہنے پر چل پڑے، راستہ میں گر پڑے اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ یعنی میرا دل تمہارے دین کو دیکھنے سننے سے بیمار ہے۔ یعنی مجھے وہاں عیدگاہ جانے سے قلبی نفرت ہے۔ اس لیے مجھے معذور سمجھے۔

۲۔ کلبی نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام علم نجوم کے عالم تھے اور ان بت پرستوں کی عادت تھی کہ وہ عیدگاہ میں بیمار کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے جب ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے کا ارادہ ہوا تو رات کو ستاروں کو دیکھ کر صبح کو بت پرستوں سے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو بیمار پاتا ہوں۔ اس تکلیف کے اظہار کے لیے سر کو باندھ رکھا تھا۔ اس لیے قوم عیدگاہ کو چلی گئی اور آپ اکیلے گھر پر رہ گئے۔ اس معنے پر سقیم کہہ کر اپنے مستقبل کی بیماری کا اظہار کیا۔

کذب دوم: بل فعلہ کبیرھم۔ اس کی تشریح کچھ اوپر بیان ہو چکی ہے۔

کذب سوم: جب ابراہیم علیہ السلام اردن میں تشریف لائے تو وہاں کا بادشاہ بہت بڑا ظالم وجابر تھا۔ اس کا نام صادوق تھا۔ ابراہیم علیہ السلام جب اردن میں تشریف لائے تو بی بی سارہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں جو بہت حسینہ وجمیلہ تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی سے فرمایا کہ اگر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ آپ میری زوجہ ہیں تو وہ آپ کو مجھ سے جبراً چھین لے گا۔ فلہذا اگر آپ کو وہ بلائے اور میرے متعلق پوچھے تو کہنا کہ وہ میرا بھائی ہے یعنی دین واسلام کا بھائی اس لیے کہ میں جانتا ہوں اس وقت روئے زمین پر سوائے تیرے اور میرے اور کوئی مسلمان نہیں ہے۔ جب یہ دونوں حضرات اس ظالم وجابر بادشاہ کے علاقے میں تشریف لائے تو بادشاہ کو مخبروں نے خبر دی کہ تیرے علاقے میں ایک ایسی عورت آئی ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور وہ ہے بھی تیری شان کے لائق۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ جب بی بی سارہ کو وہاں لے گئے تو ابراہیم علیہ السلام نماز و دعا میں مصروف ہو گئے۔ جونہی بادشاہ نے بی بی کو دیکھا تو فریفتہ ہو گیا۔ بی بی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ہاتھ لنجا بنا دیا۔ بادشاہ نے کہا: بی بی! دعا کیجئے میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ بی بی نے دعا کی تو اس کا ہاتھ اچھا ہو گیا۔ اس طرح اس نے تین بار حرکت کی، تینوں دفعہ اسے منہ کی کھانی پڑی۔ آخر تنگ آکر بادشاہ نے اس شخص کو بلایا جو بی بی کو لے کر آیا تھا اور کہا کہ اسے وہاں چھوڑ آؤ جہاں سے لائے ہو۔ اور ساتھ ہی بی بی ہاجرہ خدمت کے لیے ہبہ کی۔ بی بی ہاجرہ بھی حسن وجمال میں بے نظیر تھیں۔ بی بی سارہ نے بی بی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ اسی بی بی ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔[1]

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ پس لوٹے اپنی عقلوں کی طرف اور سمجھا کہ جو اپنے سے دکھ درد نہیں ہٹا سکتے اور نہ ہی توڑنے والے کو نقصان پہنچا سکتے ہیں تو پھر وہ کسی دوسرے کا دکھ درد کیسے ٹال سکتے ہیں یا اس کے لیے کیسے نفع پہنچا سکتے ہیں۔ جب ان معبودوں کی

---

[1] بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہلسنت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی۔ لیکن اہلسنت پر شیعہ حضرات ان تین کذبات کو لے کر غلیظ بکواسات کرتے ہیں۔ ان کے جوابات تفسیر اویسی میں دیکھیے۔ صاحب روح البیان کی طرح شیعہ تفسیر "عمدۃ البیان" نے بھی خوب لکھا ہے، یہی آیات دیکھیے ۱۲ اویسی غفرلہ

حالت اتنی زبوں ہے تو پھر وہ کس طرح معبود مانے جا سکتے ہیں۔ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے بے شک تم انہی بیکاروں کی پرستش کرنے سے ظالم ہو۔ اسے ظالم کہنا بیوقوفی ہے جس نے انھیں توڑا ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ باوجودیکہ اس واقعہ سے ان کے دماغ درست ہو گئے لیکن جھگڑے کے بعد پھر پہلی حالت پہ لوٹ آئے۔ انھیں اس لکڑی کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے جسے سیدھا کیا جائے تو پھر وہ اپنی ٹیڑھی حالت کی طرف عود کر آئے۔ ان کے ساتھ بھی وہی ہوا کہ حق کو سمجھنے کے باوجود پھر باطل کی طرف لوٹ گئے۔ یہ نکس المریض سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مریض کی حالت سدھرنے کے بعد پھر خراب ہو جائے۔ دراصل النکس، قلب الشئ ورد اٰخرہ الی اولہ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی شے کو الٹنا اور اس کے آخر کو اول کی طرف رد کرنا۔ کاشفی نے لکھا کہ پھر جھکے اپنے سروں کے بل، یعنی خجالت سے سر جھکا لیے اور حیرت سے بولے۔

ف: صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر انسان کے ہاں عقل ہے اگر وہ اسی کی طرف رجوع کرے اور پورے طور غور و فکر کرے تو وہ صلاحیت و فساد کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

کشتیٔ بے لنگر آمد مرد نر   کز زبادِ کژ ندارد در و حذر

لنگر عقلست عاقل را امان   لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

ترجمہ: کشتی لنگر کے بغیر لائے تو بادِ مخالف سے خوف نہ ہو گا جب اسے عقل حاصل ہو کیونکہ عقل لنگر ہے اور امان داناؤں سے لنگر طلب کرنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ عقل کو صلاح و فساد اور حق و باطل کی تمیز حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ جب تک نور الٰہی و توفیق ایزدی کی تائید نہ ہو تو وہ نہ صلاح کو اختیار کر سکتا ہے نہ فساد سے احتراز۔ بلکہ وہ مبہوت رہ جاتا ہے جیسے نمرود کی قوم کا حال ہوا کہ وہ اپنے سروں کے بل اس لیے گرے کہ انھیں توفیق ایزدی نصیب نہ ہوئی باوجودیکہ حق کو پہچان چکے تھے لیکن اس سے نفع نہ پا سکے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

جز عنایت کہ کشاید چشم را   جز محبت کہ نشاند خشم را

جہد بے توفیق خود کس مباد   درجہان واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: عنایت الٰہی کے بغیر کون آنکھ کھول سکتا ہے۔ محبت کے بغیر غصہ کون فرو کر سکتا ہے۔ خدا کرے جہان میں توفیق الٰہی کے بغیر کسی کو جد و جہد نصیب نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ یہاں قائلین محذوف ہے یعنی درانحالیکہ وہ کہتے تھے کہ اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کو معلوم ہے کہ بت بولنے کے لائق ہی نہیں۔ جب وہ بولتے ہی نہیں تو پھر آپ ہم سے کیوں سوال کرتے ہیں کہ وہ بولیں۔ انھوں نے اسی حیرت سے (جو انھیں سمجھنے کے بعد لاحق ہوئی تھی) اپنی غلطی کا اعتراف

کرلیا۔ قَالَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں مسکت دلائل سے عاجز کر کے فرمایا اَفَتَعْبُدُوْنَ جب تمہیں اپنے معبودوں کی نااہلی معلوم ہے تو پھر تم ان کی پرستش کیوں کرتے ہو مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یعنی درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرنے والے ہو مَالَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وہ جو تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اگر تم ان کی عبادت کرو وَلَا یَضُرُّکُمْ اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ جس میں الوہیت کے منافی امور موجود ہیں اور انھیں تم نے آزما لیا تو واجب ہے کہ ان کی پرستش سے ہٹ جاؤ اُفٍّ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اُن کی مذمت کا اظہار ہے کہ باوجود یقین کر لینے کے پھر بھی باطل پرستی پر زور لگا رہے ہیں اُف تضجر کی آواز کا نام ہے کہ جب اس لفظ کو انسان منہ سے نکالتا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ کبیدہ خاطر اور غمزدہ ہے۔ یہاں پر معنیٰ یہ ہے کہ برائی اور خرابی ہو تم پر اور اس چیز پر جس کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتے ہو۔ لام متأفف لہ کے بیان کے لیے ہے یعنی یہ خرابی صرف تمہارے لیے اور تمہارے معبودانِ باطلہ کے لیے ہے۔ کتب نحو میں ہے کہ یہ لفظ اُف اسم فعل بمعنے اتضجر ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم غلطی نہیں کرتے ہو کیا تم اپنی غلط کاری سمجھتے نہیں ہو۔

ف: اللہ تعالیٰ نے افتعبدون میں اپنے بندوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی اور غیروں کی پرستش سے روکا اور واضح فرمایا کہ تم اپنے جیسی مخلوق کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ جبکہ ان میں کسی قسم کی طاقت نہیں۔ بلکہ اس ذات کی عبادت کرو جو ہر طرح کے نفع و نقصان کی مالک ہے۔

ف: حضرت حمدون القصار نے فرمایا کہ عام مخلوق سے مدد چاہنا ایسے ہے جیسے ایک قیدی دوسرے قیدی سے نجات چاہے۔

ف: بعض مشائخ کا ارشادِ گرامی ہے کہ غیروں سے کچھ مانگنے سے واضح ہوتا ہے کہ تو اپنے مالک و مولیٰ سے کوسوں دُور ہے کیونکہ اگر تیرے دل میں اس کے قریب ہونے کا یقین ہوتا تو تو غیروں سے کچھ نہ مانگتا حالانکہ اہلِ دل کا قانون ہے کہ وہ اپنے سے ماسوی اللہ کا تصور ختم کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک ماسوی اللہ جھوٹ اور عبث ہے اسی لیے جھوٹ اور عبث سے تعلق پیدا کرنا بھی جھوٹ اور عبث ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ صرف اپنے آقا و مولیٰ سے تعلق جوڑے اسی سے ہی ہر مطلب و مقصد حاصل ہوتا ہے اے سالکو! تم اپنے دل سے ماسوی اللہ کا تعلق دور کر دو پھر دیکھو کہ صدق اور حق نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس کے ساتھ مخلصانہ طور پر تعلق رکھتے ہیں اور ہمیں ذلت و زلۃ و قلت سے محفوظ فرمائے (آمین)

کرامت

حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زوجہ محترمہ نے ان سے عرض کی کہ مفلسی و تنگدستی نے تنگ کر رکھا ہے۔ براہِ کرم کوئی مزدوری کیجئے تاکہ ہم سے بھوک و فاقہ دُور ہو آپ زوجہ محترمہ کے کہنے پر چل پڑے اور آدھی رات تک مسجد میں نوافل و دیگر عبادت میں مشغول رہے واپس خالی ہاتھ لوٹے تو بی بی صاحبہ نے ماجرا پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آج بہت بڑے عظیم الشان اور سخی کی مزدوری کی ہے۔ لیکن ان سے اجرت مانگنے سے شرم آئی ہے وہ خود ہی کرم فرمائیں گے۔ تین دن بی بی صاحبہ نے انتظار کر کے پھر عرض کیا کہ اگر انھوں نے مزدوری نہیں دی تو خود جا کر مانگیے یا کسی اور کی مزدوری کیجئے یا مجھے طلاق دے دیجئے۔ بی بی کی دھمکی سُن کر عبادت خانے میں چلے گئے اور کافی رات تک روتے رہے۔ گھر لوٹے تو طعام پکنے کی

خوشبو پائی اور بیوی کو خوش پایا۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ جس کریم کی آپ نے مزدوری کی اس نے بہت بڑی چیزیں بھیجی ہیں اور سونے سے بھری ہوئی تھیلی بھی۔ یہ سُن کر حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ رو پڑے اور کہا کہ یہ تمام بھیجا ہوا اسباب اسی مسبب الاسباب کا ہے جو کل کائنات کا رزاق ہے۔ میں نے اسی کی مزدوری (عبادت) کی تھی۔ بی بی صاحبہ سُن کر تائب ہوئی اور عرض کی کہ آئندہ آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔

ف: حکایت مذکورہ سے چند فوائد حاصل ہوئے:

۱۔ مزدوری اگرچہ ایک مشروع امر ہے۔ لیکن حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طاعتِ الٰہی میں وقت بسر کیا اور اسے مزدوری سے تعبیر کیا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کریمہ کے مطابق پورا فرمایا۔ کما قال:

من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ فوق ما اعطی السائلین۔ جسے میرا ذکر میرے سوال سے مشغول رکھے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرماؤں گا۔

۲۔ صبر سے مراد پوری ہو جاتی ہے خواہ دیر سے ہی سہی اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ صبر کرے اور جزع فزع سے احتراز کرے۔

۳۔ بی بی صاحبہ کو جب معرفتِ حق نصیب ہوئی تو انھوں نے صبر و قناعت کو ترجیح دے کر عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیا۔ اور قاعدہ ہے جو معرفتِ حق کے حصول کے بعد بھی عبادت سے اعراض کرے تو اپنے نفس کی خیانت کرتا اور اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا حال تھا کہ باوجودیکہ انھیں دلائل و براہین سے اللہ تعالیٰ کا عرفان ہوا لیکن بدقسمتی سے کفر کی طرف راجع ہوئے اور اس پر اصرار کر کے لکڑی اور پتھروں کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مچھروں سے تباہ و برباد کیا۔ مثنوی شریف میں ہے:

ہست دنیا قہر خانۂ کردگار — قہر بین چوں قہر کردی اختیار

استخوان و موئے مقہوران نگر — تیغ قہر افگندہ اندر بحر و بر

ترجمہ: یہ دنیا قہار کا قہر خانہ ہے تو نے قہر کو دیکھ کر خود قہر اختیار کیا ہے۔

قہر والوں کی ہڈیاں اور بال دیکھ کہ قہر کی تلوار نے انھیں بحر و بر پھینکا ہے۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ جب ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے عاجز آ گئے تو آپس میں مشورہ کر کے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلا دو۔ یہی اہلِ باطل کا شیوہ ہے کہ جب دلائل سے عاجز ہوتے ہیں تو بالمقابل سے شرارت کرتے ہیں اور انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کو اس لیے اختیار کیا کہ تمام عذابوں سے یہی زیادہ ہولناک ہے۔

ف: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ میں ڈالنے کا مشورہ عجم کے ایک دیہاتی نے دیا تھا اس لیے کہ ان کی عادت ہے کہ فساد اور ظلم میں اور دوسروں کو عذاب دینے میں یہی لوگ سخت تر ہوتے ہیں اور ان کی

یہ سرشت ہر زمانہ میں برابر رہی، یہاں تک کہ اسلام میں بھی انہی لوگوں نے رخنہ اندازی کی۔ ان پر دین و اسلام کا اثر نہ ہوا اور نہ انھوں نے اثر قبول کیا ان کی عادت مسلمانوں کا مال مارنا اور ان کا علم ظلم، چوری و قتل، ڈاکہ زنی ہے۔ بخدا یہ لوگ کبھی اہلِ ملّت نہیں ہو سکتے (الا قلیل) اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اہلِ ملت بکثرت بنایا ہے۔ ان سے بچ کر رہو اور ان کے شہروں سے دور رہو (یعنی وہی لوگ جنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور ان کی اولاد جہاں بھی ہو)

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ بتوں سے بدلے لینے کی نیت سے اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ **اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ** اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو بدلہ لینے کا سب سے بہترین طریقہ یہی ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو آگ میں ڈال دو۔

واقعہ آگ جمع کرنے کا

پھر نمرود نے قوم کو حکم جاری کیا کہ پہاڑ کے سامنے ایک گڑھا بنایا جائے۔ اس کی دیوار ساٹھ گز تھی۔ یہ پہاڑ کوثی (بالضم) نامی گاؤں کے قریب تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کے لیے بہت زیادہ لکڑیاں جمع کی گئیں۔ یہاں تک کہ مریض وصیت کرتا کہ میری طرف سے لکڑی خرید کر اسی گڑھا میں ڈالی جائے۔ اسی طرح کوئی عورت بیمار ہوتی تو منت مانتی کہ صحت ہونے پر اتنی لکڑیاں گڑھا میں ڈالوں گی یا فلاں کام ہوگیا تو اتنی لکڑیاں گڑھا کے لیے لاؤں گی۔ [1]

عورتوں کا قصّہ

اس زمانہ کی عورتیں منت مانتی تھیں کہ فلاں کام ہوگیا تو لکڑیاں سر پر اٹھا کر خود حظیرہ میں ڈالوں گی۔ چنانچہ اگر کام ہو جاتا تو منت پوری کرنے کے لیے تاگے کات کر، پھر اسے بیچ کر لکڑیاں خریدتیں اور خود سر پر اٹھا کر گڑھا میں ڈالتیں تاکہ ثواب ہو۔ اپنے مذہب میں وہ اس کام کو بہت بڑا ثواب سمجھتی تھیں۔

ایک بڑھیا ملعونہ کا قصّہ

ایک بڑھیا منت پوری کرنے کے لیے سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر جا رہی تھی۔ راستے میں ایک فرشتہ ملا، پوچھا کہاں جا رہی ہے؟ کہا ابراہیم علیہ السلام کے گڑھے میں لکڑیاں ڈالنے جا رہی ہوں۔ فرشتے نے کہا خدا کرے تیرا راستہ طویل اور قدم قصیر ہو۔ چنانچہ یہ گٹھا سر پر اٹھا کر چلتی رہی اور بھوکی پیاسی ہو کر مری۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ مختلف قسم کی لکڑیاں جانوروں پر لاد کر چالیس دن تک جمع ہوتی رہیں۔ کاشفی نے لکھا کہ ان لکڑیوں پر بہت سا تیل چھڑک دیا گیا۔

خچر کی بدقسمتی اور نبوت کی گستاخی کی سزا

بعض روایات میں ہے کہ تمام جانوروں نے لکڑی اٹھانے سے انکار کر دیا سوائے خچر کے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سزا میں اسے بانجھ بنا دیا۔ (کذا فی القصص)

بی بی مریم کی کرامت

فضائل القدس میں حضرت سعید بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں زمزم کی طرح بیت المقدس میں پانی کا ایک چشمہ تھا۔ جب کسی عورت پر زنا کی تہمت لگتی تو اسے

---

[1] شیعوں کے تعزیہ پر منت ایسے ہے جیسے نمرود کے زمانے میں تھا۔ غلط منت سے کام ہو جانا اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے۔ خدا بچائے۔ ۱۲

اسی چشمہ پر لاتے اور اسے اس سے پانی پلاتے ۔ اگر وہ بے گناہ ہوتی تو وہ پانی اسے نقصان نہ پہنچاتا ۔ اگر اس کا کوئی قصور ہوتا تو چشمہ کا پانی پیتے ہی مرجاتی۔ جب بی بی مریم حاملہ ہوئیں تو انھیں بھی اسی چشمہ پر خچر پر سوار کر کے لائے ۔ خچر نے بی بی مریم کو نیچے گرادیا ۔ بی بی مریم نے اسے بددعا دی تو اس روز سے یہ نسل کے اضافے سے محروم ہوگیا۔ جب بی بی مریم نے اُس چشمہ سے پانی پیا تو بی بی کو کچھ نہ ہوا بلکہ آپ کو اس سے اور فائدہ ہوا ۔ بی بی نے دعا کی کہ اس چشمہ کے پانی سے کسی مومن عورت کو رُسوائی نہ ہو ۔ چنانچہ بی بی صاحبہ کی دعا سے وہ چشمہ خشک ہوگیا۔

آگ کا باقی حصّہ

ایندھن پر تیل چھڑک کر پھر ایک ہفتہ مسلسل لکڑیاں ڈالتے رہے یہاں تک کہ آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے اور اس طرف کی ہوا بھی آگ بن گئی ۔ اگر کوئی پرندہ یا انسان خطیرہ کے قریب سے گزرتا تو جل جاتا ۔ مروی ہے کہ اب حیران تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح ڈالیں کیونکہ جو بھی وہاں سے گزرتا جل جاتا ۔ اسی اثناء میں ابلیس ایک بوڑھے (شیخ) کی شکل وصورت میں آیا اور منجنیق (فلاخن) کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا مشورہ دیا اور منجنیق بنا کر دکھائی اور اس کا طریقہ بھی انھیں سکھایا۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ سب سے پہلے فلاخن ابلیس نے تیار کی کیونکہ جب نمرودیوں نے لکڑیاں جمع کر کے انھیں آگ لگادی تو پھر انھیں علم نہیں تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح ڈالیں تو ابلیس نجار کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کے لیے منجنیق تیار کی اور اسے پہاڑ پر کھڑا کر دیا ۔ پھر ابراہیم کو اسی میں بٹھا کر آگ میں ڈالا۔

ف : جاہلیت میں سب سے پہلے اسی سے خزیمۃ الابرش کو سزا دی گئی ۔ یہی سب سے پہلا شخص ہے جس نے شمع جلانے کا طریقہ شروع کیا۔

ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ

مروی ہے کہ یہ فلاخن ایک دیہاتی (کردی) نے تیار کی اور فلاخن سب سے پہلے اسی نے تیار کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائیگا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

آگ میں ڈالنے کا باقی قصّہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر یعنی ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالے جارہے تھے۔ اس پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کے تمام مکینوں سوائے جن وانس کے سب کی چیخیں نکل گئیں۔

ف : اس حال زار کو دیکھ کر ملائکہ کرام نے عرض کی : الٰہ العٰلمین ! زمین پہ تیری عبادت کرنے والا صرف یہی ایک ہے اب اسے بھی دشمنوں کی آگ سے جلوا رہا ہے ہمیں اجازت بخشئے ہم جا کر تیرے پیارے خلیل علیہ السلام کی مدد کریں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میں کسی کو روکتا نہیں لیکن وہ میرا ایسا مخلص بندہ ہے کہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں وہ صرف میری مدد کا خواہاں ہے ، اور مجھے معلوم ہے کہ وہ اپنے اسی خلوص سے اب مجھے بھی نہیں کہے گا ۔ فلہٰذا مجھے اور اسے ایک رازداری میں ایسے ہی رہنے دو ۔ وہ

میرا خلیل ہے اور میں اس کا معبود ہوں، میں جانوں اور وہ۔

ابراہیم علیہ السلام کی استقامت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کے ہاں ہوا کا خازن فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کی، اگر آپ چاہیں تو آگ میں ہوا کے ذریعہ اُوپر اڑاؤں، نہ آگ ہوگی نہ آپ کو جلائے گی۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تمہاری اس خدمت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: اے اللہ تعالیٰ! تُو آسمان میں واحد ہے اور میں تیرا بندہ زمین پر اکیلا ہوں کیونکہ زمین پر میرے سوا تیری عبادت کرنے والا اور کوئی نہیں۔ تُو ہی مجھے کافی ہے اور تُو ہی میرا وکیل کفیل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا استغناء دیکھ کر ملائکہ کرام منجنیق (فلاخن) کے اس پلڑے سے چمٹ گئے جس پر ابراہیم علیہ السلام کو مقید کر کے بٹھایا گیا تھا۔ بت پرست جب منجنیق کو اٹھاتے تو وہ اٹھتی نہیں تھی۔ اس پر وُہ بہت حیران تھے۔ ابلیس نے ان کو ایک ترکیب بتائی کہ اس پلڑے کے ساتھ دس عورتیں سر سے ننگی کھڑی کر دو۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا تو پلڑا آسانی سے اُٹھ گیا۔ (کذا فی القصص)

مسئلہ: ننگے سر والی عورت کو فرشتے نہیں دیکھتے، جنات دیکھتے ہیں۔ (ہمارے دور میں عورتوں کو ننگے سر پھرنے کی نہ صرف عادت ہے بلکہ اسے نسوانی شعار سمجھتی ہیں۔ انھیں کون سمجھائے جب مرد ہی زن ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

اعجوبہ بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ابتدائے وحی میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرشتے کو دیکھا تو (فطرتِ انسانی کے مطابق) گھبرائے۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حال سُنایا تو بی بی صاحبہ آپ کو اپنے حجرۂ اقدس میں لے گئیں اور اپنا سر مبارک ننگا کر کے بیٹھ گئیں اور پوچھا کیا اب بھی وہ صورت نظر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس پر بی بی نے عرض کی: گھبرائیے نہیں، یہ فرشتہ ہے، شیطان آپ کے ہاں نہیں آتا اور نہ ہی آسکتا ہے۔ (کیونکہ عورت ننگے سر ہو تو وہاں فرشتہ نہیں آتا)

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو پڑھا: لا الٰہ الا انت سبحانک رب العٰلمین لک الحمد ولک الملک لا شریک لک۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے مخلص کامل بندے کی تکمیل چاہتا ہے تو اس پر اپنی مخلوق میں سے بہت سے بندوں کو فدا کرتا ہے جیسے دریا میں کسی مچھلی کی تکمیل پر بہت سی چھوٹی مچھلیوں کو اس پر قربان کرتا ہے۔ اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام کی خُلّت کو بشریت سے پاک اور صاف فرمانا چاہا تو نمرود اور اس کی قوم کو ابراہیم علیہ السلام پر قربان کر دیا۔ یہاں تک کہ سب نے اتفاق کر کے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی ٹھانی۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ اب یقیناً آگ میں ڈالا جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر سرِ تسلیم خم کر لیا۔ اسی اثناء میں جبریل علیہ السلام آپ کے پاس پہنچے اور عرض کی: کچھ حاجت ہو تو فرمائیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: آپ سے میری کوئی حاجت نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: جس سے حاجت ہے اسی سے عرض کیجئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وُہ خود

میری حاجت کو جانتا ہے میں اس سے کیوں عرض کروں۔ (صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ ان کے لیے معروضات جبریل علیہ السلام نے بطور امتحان پیش کیے۔ لیکن وہابیہ کی عقل ماری گئی وہ عوام اہلسنت کو پریشان کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اگر وسیلہ جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہ وسیلہ پکڑا۔ جواب ظاہر ہے کہ یہ ان کے لیے امتحان تھا۔ اگر اس کے برعکس کرتے تو امتحان میں کامیابی نہ ہوتی۔ دُوسرا یہ کہ ادنیٰ اعلیٰ کو وسیلہ بناتا ہے نہ کہ اعلیٰ ادنیٰ کو۔ ابراہیم علیہ السلام اعلیٰ ہوکر جبریل علیہ السلام ادنیٰ کو کیسے وسیلہ بناتے۔ تیسرے وہ اس وقت توکل کے انتہائی مقام پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے نہ جبریل علیہ السلام کو وسیلہ بنایا نہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی۔ اگر یہی دلیل وہابیہ کو مفید ہو تو انھیں کہا جائے کہ جہاں جبریل علیہ السلام کے وسیلہ سے انکار کیا وہاں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے سے بھی گریز کیا۔ تو پھر کیا خیال ہے اس دلیل سے ، ایسے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی ناجائز ہو۔ (معاذ اللہ) باقی تفسیر اویسی میں دیکھیے)[1]

تفسیر عالمانہ

ربط : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کمال توکل کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت ازلیہ سے اپنے دامن میں لے لیا۔ کما قال قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ۔ البرد' خلاف الحر۔ یعنی گرمی کی نقیض کو البرد کہا جاتا ہے بمعنی سردی۔ اور السلام بمعنے التعری عن الآفات یعنی آفات و بلیات سے محفوظ ہونا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے کہا کہ اے آگ! اپنی گرمی میں سرد اور سردی سے سلامتی والی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کے بعد آگ سے جلانے اور گرمی کا مادہ مٹ گیا، اب آگ کی صرف روشنی ہی رہ گئی اور بس۔ محققین نے یہی معنیٰ لیا ہے اور اس کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ معجزات کے متعلق اہل علم کو معلوم ہے۔ اور ایسا ہو جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے نیا معاملہ نہیں تھا۔ لیکن چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ایسے ہوا اس لیے اسے ابراہیم علیہ السلام کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ آگ تو اپنے حال پہ رہی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کے جسم مبارک پر ایسی کیفیت پیدا فرمائی کہ ان کے جسم اطہر پر آگ اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی جیسے آخرت میں دوزخ کے اندر نوری ملائکہ کرام پر آگ کا اثر نہیں ہوگا۔ جیسے شتر مرغ کو گرم لوہے کا نگلنا نقصان نہیں پہنچاتا۔ ایسے ہی سمندل (آگ کا چوہا) کو آگ کی بود و باش ضرر نہیں پہنچاتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ف : علیٰ ابراھیم میں اس تقریر کی تائید ہوتی ہے۔

اعجوبہ صرف ینادکونی متنفع نہ ہوتا اگر علیٰ ابراھیم نہ فرمایا جاتا۔ اور اگر اس میں برداً کے بعد وسلاماً نہ فرماتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کی ٹھنڈک سے فوراً فوت ہو جاتے کیونکہ آگ کی گرمی مہلک ہے۔ ایسے ہی حد سے زیادہ ٹھنڈک بھی جان لیوا ثابت ہوتی ہے اس لیے اس کا معتدل ہونا لازمی امر تھا۔ آگ کے برداً و سلاماً کے متعلق چند صورتیں

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ہوسکتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو اس قدر ٹھنڈا کیا جو ضرر رساں نہ تھی۔

۲۔ اس کا بعض حصہ ٹھنڈا اور بعض حصہ اپنی حالت پر گرم رہا۔

۳۔ ابراہیم علیہ السلام کے جسم مبارک کے اندر ایسی گرمی پیدا فرمائی کہ انھیں آگ کی سردی ضرر نہ پہنچا سکتی تھی۔ (کذا فی الکبیر)

گرگٹ کو گستاخیِ نبوّت کی سزا ہر شے ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو بجھاتی تھی سوائے گرگٹ کے، کہ یہ آگ کو پھونکیں مارتا تاکہ آگ اور جلے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارنے کا حکم فرمایا۔

نارِ ابراہیم علیہ السلام پر گلزار بن گئی ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے کے بعد چالیس پچاس دن بسر کیے اور فرمایا کہ مجھے وہ دن نہیں بھولیں گے جو میں نے آگ میں بسر کیے۔ کیونکہ ان دنوں آگ میرے لیے باغ سے بھی زیادہ آرام دہ تھی۔

حکایت کسی ایک بزرگ کو کسی وجہ سے کوہ لبنان میں مقید کیا گیا تو ان کی غذا نباتات کی جڑیں اور درختوں کے پتے تھے۔ فرماتے کہ مجھے وہ غذا اہلِ جنّت کی غذا سے بھی بہتر محسوس ہوتی۔

حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

عاشقاں را اگر در آتش می‌نشاند مہرِ دوست
تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: عشّاق کو اگر آگ میں بٹھائیں تو وہ مہرِ دوست سے ہو تو پھر میرے لیے وہی آگ کوثر سے بہتر ہے۔

نار میں ملائکہ کرام کی حاضری بعض مرویات میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو آپ کو ملائکہ کرام نے اٹھا کر ایک ایسی جگہ پہنچایا جہاں کے چشمے میٹھے، اور گلاب اور نرگس کے باغات تھے۔ کاشفی نے لکھا کہ ان کا طوق، بیڑی اور ہتھکڑی فوراً جل گئی۔

ف: ایک روایت میں ہے نار میں ایک فرشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہمشکل حاضر ہوا تو آپ کے قریب بیٹھ کر آپ کو مانوس کیا۔ پھر جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر ریشمی بستر لاتے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام اور ملک بیٹھ کر باہم گفتگو کرتے رہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کو اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجے ہیں اور فرمایا ہے کہ اے پیارے! آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ آگ میرے محبوبوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

نمرود نے کیا دیکھا مذکورہ بالا کیفیت کو نمرود اپنے محل سے دیکھ رہا تھا کہ آگ ابراہیم علیہ السلام کو گھیرے ہوئے ہے لیکن وہ آرام سے ایک بہترین باغ میں بیٹھے ہیں اور آپ کے ساتھ ایک حسین وجمیل انسان

محوِ گفتگو ہے۔ اسی وقت فرشتے نے عرض کی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو آگ سے باہر لے چلوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے باہر نکلنے کا ارادہ فرمایا تو وہ فرشتہ آپ کو بسلامت آگ سے باہر لے آیا۔ جب آپ آگ سے باہر تشریف لائے تو آپ کی نمرود سے ملاقات ہوئی۔ نمرود عزت و تعظیم سے آپ سے پیش آیا اور عرض کی: وہ کون تھا جس سے آپ محوِ گفتگو تھے؟ آپ نے فرمایا: ملک الظل (اللہ تعالیٰ کا سایہ پر مقرر کردہ فرشتہ) تھا اسے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بھیجا تاکہ میں آگ میں پریشان نہ ہوں۔ نمرود نے کہا کہ میں تیرے اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی پیش کرتا ہوں کہ اس نے اپنی قدرت سے آپ کو بچایا۔ اس وقت میں چار ہزار گائیں ذبح کرتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تیری قربانی بارگاہِ حق میں قبول نہ ہوگی جب تک تم نے کفر سے توبہ نہ کی۔ نمرود نے کہا کہ نہ میں اپنا ملک چھوڑ سکتا ہوں نہ اپنی ملت، لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی ضرور دوں گا۔ چنانچہ اس نے قربانی دی اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے درپے آزار بھی نہ ہوا۔

نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو جادوگر کہا

القصص میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے باہر بسلامت تشریف لائے تو نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم! تم بڑے جادوگر ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ جادو نہیں بلکہ میرے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ اپنی قدرت کاملہ سے مجھے آگ سے بچایا اور اسے مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا اور مجھے عزت و عظمت کی پوشاک پہنائی۔ نمرود نے پوچھا: وہ کون لوگ تھے جو آپ کے گرد گھوم رہے تھے، اور وہ کون تھا جو آپ کے دائیں جانب بالکل قریب بیٹھا تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے میری تسلّی کے لیے بھیجے تھے اور مجھے اطلاع بھجوائی کہ اس نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ اسے سن کر نمرود حیران ہوگیا۔ کوئی جواب نہ بن پڑا اور نہ ہی اس کی سمجھ میں کچھ آیا اور یہی خیال کیا کہ یہ ابراہیم (علیہ السلام معاذاللہ) مجنون ہیں۔ پھر کہا کہ میں آسمان پر چڑھ کر ابراہیمؑ کے خدا کو قتل کر ڈالوں گا۔ چنانچہ اس نیت سے ایک بڑا صندوق بنوایا اس کی تفصیل ہم نے سورۃ ابراہیم کے اواخر میں ذکر کر دی ہے۔

ہاران کو سزا ملی

مروی ہے کہ جب ان بت پرستوں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح سالم نکل آئے ہیں آگ سے آپ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سوائے پنڈلی کے کہ اس کا کچھ حصہ جل گیا تھا تو ہاران یعنی لوط علیہ السلام کے والد نے کہا کہ اسے آگ کیونکر جلاتی یہ تو جادوگر ہے۔ اس نے جادو کے اثر سے آگ کو ٹھنڈا کر لیا تھا۔ اب ایسے کرو کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو کسی اونچی شے پر لٹکا دو اور نیچے آگ سلگا دو۔ اس کے دھوئیں سے ابراہیم (علیہ السلام) مر جائیں گے۔ چنانچہ یہی تجویز پاس ہوئی۔ آگ سلگائی جا رہی تھی کہ ایک انگارہ اڑ کر ہاران کی ڈاڑھی پر پڑا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔

ف: جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔

سوال: قلنا ینار کونی کا قول اللہ تعالیٰ سے صادر ہوا یا یہ تمثیلی قول ہے؟

جواب : اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آگ کو ٹھنڈا فرمایا۔ اس میں کسی قسم کا خطاب نہیں تھا جیسے اذا اراد شیئًا ان یقول له کن فیکون ۔ بعض نے فرمایا کہ واقعی اس وقت یہ خطاب ہُوا براہِ راست اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے کہ انھوں نے آگ کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا اور وہ ٹھنڈی ہو گئی ۔

ف : ابن عطاؒ نے فرمایا کہ سلام علیٰ ابراھیم کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے سینہ مبارک کو سلامتی نصیب ہُوئی ۔ کما قال اذ جاء ربه بقلب سلیم ۔ یعنی آپ کا قلبِ مبارک اسباب وعوارض سے خالی تھا۔

نکتہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں توکل و یقین کا غلبہ تھا اس لیے آپ پر نار گلزار ہوئی ۔ لیکن محققین نے فرمایا کہ آپ کے دل میں عشقِ الٰہی موجزن تھا اور عشق کی آگ تمام آتشوں پر غالب ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱	عشق آن شعلہ است کو چون فروخت	ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
۲	در پناہ لطف حق باید گریخت	کو ہزاران لطف بر ارواح ریخت
۳	تا پناہی یابی آنگہ چون پناہ	آب و آتش مر ترا گردد سپاہ
۴	نوح و موسیٰ را نہ دریا یار شد	نے بر اعداشان بکین قہار شد
۵	آتش ابراہیم را نے قلعہ بود	تا بر آورد از دل نمرود دود
۶	کوہ یحییٰ را نہ سوے خویش خواند	قاصدانش را بزخم سنگ راند
۷	گفت اے یحییٰ بیا در من گریز	تا پناہت باشم از شمشیر تیز

توجمه : ۱۔ عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا دوسرا جل کر راکھ ہو جاتا ہے ۔

۲۔ لطفِ حق میں پناہ لینی چاہیے، وہ حق جس نے ارواح پر ہزاروں الطاف فرمائے۔

۳۔ تاکہ تمھیں ایسی پناہ نصیب ہو کہ جب وہ پناہ نصیب ہو تو آب و آتش تجھ پر بے اثر ہو جائیں۔

۴۔ کیا نوح و موسیٰ علیہما السلام کے دریا مددگار ہوئے کہ ان کے دشمنوں پر کینے سے قہار ثابت ہوا۔

۵۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ قلعہ بن گئی کہ نمرود کے دل سے درد کا دھواں اٹھا۔

۶۔ یحییٰ علیہ السلام کو پہاڑ نے بلایا ، قاصدوں کو پتھر مارے ۔

۷۔ کہا اے یحییٰ ! میرے میں آجا تاکہ میں آپ کے لیے دشمن کی تلوار سے پناہ بن جاؤں ۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام کو نار سے کیوں آزمایا گیا ؟

جواب : ۱۔ قاعدہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام وہ معجزہ لاتا ہے جو اس کی قوم کے لائق ہو۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم آگ، سورج، ستاروں کو پوجتی تھی اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بمنزلہ ارواح کے ہیں کہ جیسے ارواح اجسام کی تربیت کرتے ہیں ان کے اندر بھی وہی تاثیریں ہوتی ہیں ان سے انھیں بھی نصیب ہوں گی ۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشاہدہ کرایا کہ تمہارے نزدیک سورج ، آگ اور ستاروں کی

بڑی تاثیریں ہیں۔ لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو یہ کسی قسم کا اثر نہیں ڈال سکتیں۔

۲۔ بعض نے اس کا جواب لکھا کہ ہر انسان طبعی طور پر ایسی اشیاء سے ڈرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا:
لا تخف سنعیدھا سیرتہا الاولیٰ۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر ظاہر کر دیا کہ یہ آگ کی تاثیر نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ اپنی صفت قہاریہ سے جس کے اندر تاثیر پیدا کرے یا نہ کرے اسی لیے آگ کی دو تاثیریں بیک وقت ظاہر فرما دیں کہ وہ ٹھنڈی بھی ہو گئی اور سلامتی والی بھی تاکہ اعدائے اسلام کے سامنے معجزہ کا ظہور ہو اور وہ سمجھیں کہ جن عناصر کے ہم پجاری ہیں وہ تو کچھ نہیں عبادت کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے پیارے بندے کے ذریعے ہمارے معبودوں کی جملہ طاقتیں خاک میں ملا دیں اور آگ کو گلزار بنا دیا۔ (کذا فی اسئلۃ الحکم)

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا اور انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک بہت بڑا مکر و فریب کا جال بچھایا تاکہ انھیں ضرر عظیم پہنچائیں فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ پس ہم نے انھیں ہر خسارے والے سے بھی زبوں تر بنا دیا کہ ان کی سعی اور جدوجہد خاک میں مل گئی جسے وہ مٹانا چاہتے تھے وہ برہانِ عظیم بن کر چمکا اور ثابت کر دکھلایا کہ ابراہیم علیہ السلام حق پر ہیں اور تم سراسر باطل پر۔ وہ رفیع درجات کے مستحق ہیں اور تم عذابِ شدید کے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو	شمع کے میرد بسوزد پوز او
۲	چوں تو خفاشان بسی بینند خواب	کین جہاں ماند یتیم از آفتاب
۳	اے بریدہ آں لب و حلق و دہاں	کہ کند تف سوے مہ با آسماں
۴	تف برویش باز گردد بے شکے	تف سوے گردون نیابد مسلکی
۵	تا قیامت تف برو بارد ز رب	ہمچو تبت بر روان بو لہب

ترجمہ: ۱۔ جو شمع حق کی طرف تھوکتا ہے شمع تو نہ بجھے گی الٹا اس کی ڈاڑھی جل جائے گی۔

۲۔ چمگادڑ خواب دیکھتے ہیں کہ یہ جہان سورج سے محروم ہو جائے گا۔

۳۔ جس کے لب، حلق اور منہ کٹے ہوں وہ چاند کی طرف کیا تھوکے گا۔

۴۔ بلکہ تھوک الٹا اس کے منہ پر گرے گی کیونکہ آسمان کی طرف تھوک کب جا سکتی ہے۔

۵۔ قیامت تک اس کے منہ پر آسمان سے لعنت برستی رہے گی جیسے ابولہب کو تبت یداک کہنے سے لعنت برس رہی ہے۔

ف: بعض نے فرمایا کہ الاخسرین بمعنے الھالکین ہے یعنی ہم نے ان پر مچھر مسلط کر دیے حالانکہ وہ بالکل کمزور مخلوق ہے لیکن نمرودیوں کو تباہ کر دیا۔ چنانچہ نمرود نے آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے ساتھیوں کو مچھروں نے کھانا شروع کیا تو ان کے

ذرہ ذرہ کو نگل گئے اور ان کے خون چوس لیے اور نمرود کی ناک میں مچھر داخل ہوا تو اسے اس وقت چھوڑا جب اس کے دماغ کو چاٹ لیا باوجودیکہ وہ تمام لوگوں سے مکرم ترین تھا لیکن جب تک سر پہ روزانہ لوہے کے ہتھوڑے نہ مرواتا اسے آرام نہ آتا۔ اسی طرح اسے چار سو سال تک سزا ملتی رہی۔ اس کی مزید تفصیل ہم سورہ نحل میں لکھ چکے ہیں۔

وَ نَجَّیۡنٰهُ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلنے اور نمرود کے شر سے نجات دی وَ لُوۡطًا لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے درانحالیکہ انھوں نے ہجرت کی اِلَی الۡاَرۡضِ الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡهَا لِلۡعٰلَمِیۡنَ اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکتیں نازل فرمائیں۔ اس سے شام کا علاقہ مراد ہے یعنی جب انھوں نے عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمائی۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعۂ نمرود کوثی میں ہوا، اور کوثی علاقۂ عراق میں حدودِ بابل میں ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہاں ہجرت کرنے کا حکم فرمایا تاکہ نجات پا کر علاقۂ شام میں چلے جائیں۔

ف: حضرت سفیان سے مروی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایسی زمین کی طرف جہاں دراہم و دنانیر سے جیب پُر کی جاتی ہے۔ اور وہ علاقہ اسی طرح سے مشہور تھا۔ اس علاقہ کو برکت اس لیے نصیب ہوئی کہ اس میں انبیاء علیہم السلام بکثرت مبعوث ہوئے اور یہاں سے ان حضرات کی شریعتوں کا زیادہ سے زیادہ اجرا ہوا۔ اور یہی حقیقی برکات ہیں جن کے ذریعے سعاداتِ دینیہ و دنیویہ اہلِ عالمین کو نصیب ہوتی ہیں اور ظاہری طور پر یہ علاقہ خوشحال تھا کہ اس میں پانی کی فراوانی تھی اور اشجار و اثمار بکثرت تھے۔ اور یہاں پر ہر امیر و غریب آسودہ تھا۔

ف: حضرت اُبَی بن کعب نے فرمایا کہ اس علاقہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے مبارک بتایا کہ ہر ملک کے میٹھے چشمے کی اصل بیت المقدس میں ہے۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر لوط علیہ السلام ایمان لائے۔ لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ان کا نسب نامہ یوں ہے: لوط بن ہاران بن تارخ بن ناخور اور آزر لقب اور تارخ نام تھا (بقول مرجوح) اور ہاران اور ابراہیم علیہ السلام دونوں بھائی تھے اور سارہ رضی اللہ عنہا ہاران اکبر یعنی ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی لڑکی تھی وہ بھی ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ جب کوثی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی تو لوط علیہ السلام اور بی بی سارہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ یہ ہجرت صرف اس لیے تھی کہ آپ اپنے دشمنوں کے بار بار حملوں سے بچ کر سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ پہلے آپ حران میں پہنچے، وہاں ایک عرصہ رہ کر فلسطین چلے گئے۔ پھر وہاں سے مصر کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر مصر سے شام کی طرف تشریف لے گئے اور لوط علیہ السلام مؤتفکہ میں ٹھہر گئے وہاں کے لوگوں کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت در ہجرت ہوگی سب سے بہتر ہجرت شام کی طرف ہوگی اور وہاں کو ہجرت کر کے جانے والے افضل اور بہتر لوگ ہوں گے۔ اس دوسری ہجرت سے

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت مراد ہے لیکن اس سے شام کی طرف ہجرت کر جانے کی ترغیب مطلوب ہے۔

حدیث شریف بیت المقدس حشر و نشر کا مقام ہے اور شام اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین شہر ہے اس لیے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہجرت کر کے جائیں گے۔

حدیث شریف مرفوع حدیث شریف میں ہے کہ علیکم بالشام یعنی شام کے علاقے کو لازم پکڑو۔

سعدیا حُبِّ وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتوان مُرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی (علیہ الرحمۃ) حُبِّ وطن اگرچہ صحیح حدیث سے ثابت ہے سختی سے نہ مرنا چاہیے اس خیال پر کہ یہی میری پیدائش کی جگہ ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مسکن یارست و شہر شاہ من
پیش عاشق این بود حب الوطن

ترجمہ: یار کا مسکن اور میرے شاہ کا شہر ہے۔ عاشق کے نزدیک حب الوطن کا یہی معنیٰ ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ارضِ شام میں تشریف لانے اور طلبِ اولاد کے بعد عطا فرمایا **اِسْحٰقَ** اسحٰق۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ اسحٰق عبرانی لغت میں ضحاک کو کہتے ہیں۔ ایسے ہی عبرانی لغت میں اسمٰعیل بمعنے مطیع اللہ۔ **وَيَعْقُوْبَ** اور ہم نے انھیں عطا فرمایا یعقوب علیہ السلام، درانحالیکہ تھے وہ **نَافِلَةً** زائد، یعنی پوتے ہیں۔ یہ صرف معطوف علیہ سے حال ہے اس لیے کہ اس میں التباس نہیں اور یعقوب علیہ السلام اس اسمِ گرامی سے اس لیے موسوم ہیں کہ اپنے بھائی کی پیدائش کے بعد پیدا ہوئے ان کے بھائی کا نام عیص تھا، یا اس لیے کہ پیدائش کے وقت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی عیص کا گٹہ پکڑ رکھا تھا۔

ف: قاموس میں لکھا ہے کہ النافلة بمعنے الغنیمة والعطیة اور وہ عمل جو ہمارے اوپر واجب نہ ہو جیسے عبادات نافلہ اور بیٹے کی اولاد۔ یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہے۔

وَكُلًّا اور چاروں میں سے ہر ایک کو **جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ** ہم نے بنایا نیک بخت۔ یعنی انھیں ہم نے دین و دنیا کے امور کی صلاحیت بخشی۔ اسی لیے وہ کامل تھے **وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً** اور ہم نے انھیں بنایا امام تاکہ امورِ دین میں ان کی اقتداء کی جائے **يَّهْدُوْنَ** وہ امت کو حق کی ہدایت دیتے تھے **بِاَمْرِنَا** ہمارے حکم سے۔ یعنی انھیں ہمارا حکم تھا اور ہم نے انھیں رسول بنا کر بھیجا بھی اسی لیے کہ وہ خلقِ خدا کو راہِ ہدایت بتائیں اور ان کی اس معاملہ میں تکمیل کریں **وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ** اور ہم نے ان کی طرف نیکی کی باتوں کا حکم بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو نیکی کی ترغیب دے سکیں کیونکہ انسان کا کمال

اسی میں ہے کہ وہ علم و عمل کا جامع ہو۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ فعل مصدر مجہول ہے تاکہ ثابت ہو کہ تکالیف شرعیہ کی ادائیگی میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں مشترک ہوتے ہیں۔

سوال : اسی سورۃ کے اواخر میں انھم یسارعون فی الخیرات اور سورہ مریم میں عیسٰی علیہ السلام کا قول واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیا سے ثابت ہوتا ہے کہ فعل کا مصدر معروف ہو۔

جواب : اشتراک کی نفی آیاتِ مذکورہ سے نہیں ہوتی اور ان کی مسارعت فی الخیرات اور عیسٰی علیہ السلام کو مخصوص وصیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات تکالیف شرعیہ میں اصل اور امتیں ان کی فرع اور تابع ہوتی ہیں۔

وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے تاکہ واضح ہو کہ یہ دونوں مہتم بالشان عبادتیں ہیں۔

سوال : اقام کا قاعدہ ہے کہ مصدر میں تا محذوف نہ ہو اور یہاں محذوف کر دی گئی ہے۔

جواب : جب یہ مصدر کسی کی طرف مضاف ہو تو تا کو حذف کر دینا جائز ہے اس لیے کہ مضاف الیہ اسی تا مقدرہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ اور صرف وہی تھے ہمارے لیے عبادت گزار کہ ان کے دلوں میں ہماری عبادت کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کا خیال اور تصور تک نہیں ہوتا کیونکہ عبادت غایۃ تذلل اور انتہائی عجز و انکسار کا نام ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **ووھبنا** الخ میں اشارہ ہے کہ اولاد عطیۂ ایزدی ہے اس میں بندے کے کسب کو کسی قسم کا دخل نہیں **وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ** میں بھی اشارہ ہے کہ صلاحیت بھی عطیۂ ایزدی ہے۔ اور صلاحیت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو فیض الٰہی کے قبول کرنے کے لیے استعداد فطری احسن طریق سے ہو **وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا** سے معلوم ہوا کہ امامت بھی عطیۂ ایزدی ہے اسی لیے امام پر واجب ہے کہ وہ طبع ہوائے نفس کو دخل نہ دے بلکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرے **وَاَوْحَيْنَا** الخ میں اشارہ ہے کہ مذکورہ بالا امور انسان کو بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام اور الہام اولیاء کرام نصیب ہوتے ہیں ورنہ نفسِ امّارہ کا تقاضا سوائے خواہشاتِ نفسانی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ف : آخری آیات اہلِ اخلاص کو صراحۃً اور غیروں کو اشاروں سے تنبیہ کی گئی ہے پہلے یعنی مخلصین عبد مطلق ہیں اور دوسرے خواہشِ نفسانی اور دنیا کے بندے۔

حدیث شریف میں ہے: عبدالدراہم وعبدالدنانیر کو تباہی ہو۔

سوال: حدیث شریف میں دراہم و دنانیر کی تخصیص کیوں؟

جواب: ماسوی اللہ کی پرستش کرنے والوں کا مطمح نظر انہی دونوں خصوصیات سے ہوتا ہے۔

ف: حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا کہ لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ عابدین ——— وہ جو صرف معاد کی فکر میں مشغول رہتے ہیں۔

۲۔ ھالکین ——— معاش کے فکر میں معاد سے محروم ہوتے ہیں۔

۳۔ مخاطرین ——— معاش و معاد دونوں میں مشغول رہتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	آدمی را ہست در کار دست	لیک از و مقصود ایں خدمت بدست
۲	تا جلا باشد مریں آئینہ را	کہ صفا آید ز طاعت سینہ را
۳	جہد کن تا نور تو رخشاں شود	تا سلوک و خدمتت آسان شود
۴	بند بگسل باش آزاد اے پسر	چند باشی بند سیم و بند زر
۵	ہر کہ از دیدار برخوردار شد	ایں جہان در چشم او مردار شد
۶	باز اگر باشد سپید و بے نظیر	چونکہ صیدش موش باشد شد حقیر

ترجمہ: آدمی کا ہاتھ کام میں، لیکن اس سے مقصد خدمتِ حق ہے۔

۲۔ تاکہ اس کے آئینہ کو جلا ہو کہ طاعت سے سینہ سے صفائی ہو۔

۳۔ کوشش کیجئے تاکہ تیرا نور چمکدار ہو تاکہ تیرا سلوک و خدمت آسان ہو۔

۴۔ بند توڑ اور آزاد ہو۔ کتنا عرصہ تک تم سیم و زر کی قید میں رہو گے۔

۵۔ جو دیدار سے پھل کھانے والا ہوگا اس کی نظروں میں یہ جہان مردار متصور ہوگا۔

۶۔ اگرچہ باز سپید اور بے نظیر ہو تو چونکہ اس کا شکار چوہا ہے فلہذا اسے باز حقیر محسوس ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَلُوْطًا یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس مقدر فعل کی تفسیر اٰتَیْنٰہُ ہے۔ یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو عطا فرمایا حُکْمًا تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حکم سے حکمت حقیقیہ مراد ہے۔ اور بحر العلوم میں ہے حکم وہ امر جسے عمل میں لانا واجب ہے۔ اور جلالین میں ہے کہ حکم سے وہ فیصلہ مراد ہے جو مدعی و مدعا علیہ کے درمیان حق کے ساتھ کیا جائے (صاحبِ روح البیان ؒ نے فرمایا کہ) اگرچہ حکم حکمت سے عام ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے حق میں اکثر حکمت کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا، و اٰتیناہ الحکم۔ یعنی الحکم بمعنے الفھم عن اللہ ہے۔ اور داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا، و اٰتاہ الحکم والحکمۃ وعلمہ مما یشاء۔ اس میں حکم و حکمت و علم کا

علحدہ علحدہ منصب بتایا ہے۔

وَعِلْمًا یہاں پر علم سے علم نافع مراد ہے جو امور دین اور قواعد شرع و ملت سے متعلق ہو وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ یہاں پر قریہ سے سدوم مراد ہے اور المؤتفکہ الٹی ہوئی بستیوں میں سب سے بڑی بستی یہی تھی۔ یعنی وہ بستیاں جو عذاب الٰہی کی وجہ سے تہ و بالا ہوگئی تھیں۔ اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کی۔ ہے الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ۔ یہ الخبیثہ کی جمع ہے ہر وہ فعل و قول جو طبعاً ردی اور خسیس ہو یعنی ہر باطل عقیدہ اور جھوٹے قول اور قبیح افعال پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اعوذ بك من الخبث والخبائث۔

اس میں شیاطین کے ذکور وانات مراد ہیں۔ اور آیت میں الخبائث سے لواطت مراد ہے۔

سوال: لواطت بستی تو نہیں کرتی تھی بلکہ وہاں کے باشندے لواطت کے مرتکب ہوتے تھے لیکن فعل کا اسناد القریۃ کی طرف ہے اور وہ ناموزوں۔ ہے۔

جواب: یہاں مضاف محذوف کر کے حکم مضاف الیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ عام ہے اور مضاف کا معنیٰ مراد لینا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ سے معلوم ہوتا ہے اور قوم سوء بمعنے بری قوم۔ امام راغب نے فرمایا کہ السوٓ ہر وہ امر جو انسان کو مغموم کرے دنیوی ہو یا اُخروی، وہ احوال نفسیہ ہوں یا بدنیہ یا خارجیہ۔ یعنی مال کی گمشدگی اور دوستوں کی جدائی اور حسن کے بالمقابل ہر قبیح کو بھی سُو سے تعبیر کرتے ہیں۔

فٰسِقِيْنَ وہ لوگ جو کفر و معاصی میں ہمہ وقت مشغول و مصروف ہوں یعنی فرمان کے دائرہ سے باہر ہونے والے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ برے دوستوں سے علحدگی اختیار کرنا بھی عطیۂ الٰہی ہے اور ان کے ساتھ تعلق جوڑنا دائمی رسوائی ہے ؎

زنہار از قرین بد زنہار
وقنا ربنا عذاب النار

ترجمہ: برے دوست سے پناہ۔ اور اے اللہ! ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	ہر حویجے باشدش کردی دگر	درمیان باغ از سیر و کبر
۲	ہر یکے با جنس خود در کرد خود	از برائے پختگی نم مے خورد
۳	تو کہ کرد زعفرانی زعفران	باش آمیزش مکن با ضیمران
۴	آب میخورد زعفرانا تا رسی	زعفرانی اندران حلوا رسی

۵ تو مکن در کرد شلغم پوز خویش ۔۔۔ تا نگردد با تو او همطبع و کیش

۶ تو بگردی او بگردی مودعہ ۔۔۔ زانکہ ارض اللہ آمد واسعہ

ترجمہ: ۱۔ ہر حاجت مند کی حاجت ایک دوسرے کے خلاف ہے جب سیر کے لیے باغ میں جائیں۔

۲۔ ہر ایک اپنے ساتھی کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق اپنی پسند کا میوہ اٹھائے گا۔

۳۔ اگر زعفرانی ہے تو زعفران کی طرف جائے گا۔ آمیزش سے بچ کر رہ۔

۴۔ زعفران کا پانی پی تاکہ مقصد حاصل ہو، اس سے میٹھاپن حاصل ہوگا۔

۵۔ شلغم کے پیچھے نہ بھاگ تاکہ تیرے اندر اس کی طمع کا اثر نہ ہو

۶۔ اگر اس کے پیچھے گھومے گا تو اس کی طبع میں پھنس جائے گا اس سے باہر جا کیونکہ اللہ کی زمین فراخ ہے۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا اور ہم نے انھیں خاصہ کے مستحق میں شامل فرمایا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ وہ

ان حضرات سے تھے جنہیں ہماری طرف سے خصوصیت حُسنیٰ حاصل تھی۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ رحمت دو قسم کی ہے:

۱۔ عامہ

۲۔ خاصہ

عامہ وہ ہے جو ہر نیک و بد کو نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ورحمتی وسعت کل شیء۔

اور خاصہ رحمت صرف خواص کو نصیب ہوتی ہے۔ اسے دخول فی الرحمۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ مشیتِ ایزدی اور حسن استعداد سے متعلق ہے۔ اس لیے لوط علیہ السلام کے لیے فرمایا:

انہ من الصالحین۔

یعنی وہ ان حضرات سے تھے جو ہماری رحمت کے فیض کو قبول کرنے والوں میں داخل ہونے کی استعداد رکھتے تھے۔ یہ مقام وصول کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے فرمایا:

یدخل من یشاء فی رحمتہ۔

اسے اچھی طرح سمجھو۔

وَنُوحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ

اور نوح کو جب اس سے پہلے اس نے ہمیں پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور

وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ

اسے اور اس کے گھروالوں کو بڑی سختی سے نجات دی اور ہم نے ان لوگوں

مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

پر اس کو مدد دی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں. بے شک وہ برے لوگ تھے تو ہم نے ان سب کو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ

ڈبو دیا اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا ایک جھگڑا چکاتے تھے جب رات کو اس میں کچھ لوگوں

غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ

کی بکریاں چھوٹیں اور ہم ان کے حکم کے وقت حاضر تھے ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت اور

عِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ

علم عطا کیا اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے اور یہ ہمارے کام تھے اور ہم نے اسے

صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ

تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے اور سلیمان کے

الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ

لیے تیز ہوا مسخر کر دی کہ اس کے حکم سے چلتی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو ہر چیز معلوم

عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ

ہے اور شیطانوں میں سے وہ جو اس کے لیے غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور کام کرتے

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ

اور ہم انہیں روکے ہوئے تھے اور ایوب کو (یاد کرو) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے

الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ

بڑھ کر مہر والا ہے تو ہم نے اس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کر دی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰي لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ

ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کیے اپنے پاس رحمت فرما کر اور بندگی والوں کے لیے نصیحت اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو (یاد کرو)

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَ

وہ سب صبر والے تھے اور انہیں ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا بیشک وہ ہمارے قرب خاص کے سزاوار ہیں اور

ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ

ذوالنون کو (یاد کرو) جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے تو اندھیریوں میں پکارا

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ

کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا تو ہم نے اس کی پکار سن لی

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ

اور اُسے غم سے نجات بخشی اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے

لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ

میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اُسے یحییٰ عطا فرمایا اور

اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ

اس کے لیے اس کی بی بی سنواری بیشک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے امید اور خوف سے

وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

اور ہمارے حضور گڑگڑاتے ہیں اور اس عورت کو جس نے اپنی پارسائی نگاہ رکھی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ

اور اسے اور اس کے بیٹے کو سارے جہان کیلئے نشانی بنایا بیشک تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے

وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾

اور میں تمہارا رب ہوں تو میری عبادت کرو اور اوروں نے اپنے کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیے سب کو ہماری طرف پھرنا ہے

تفسیر عالمانہ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى یہ مضاف مقدر کی ظرف ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اس واقعہ کو یاد کیجیے جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت اور تباہی کے لیے دعا مانگی تھی مِنْ قَبْلُ ان مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام سے پہلے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی ان کی دعا یہ تھی: اِنِّي مغلوب فانتصر۔

قاعدہ: استجابت و اجابت ایک شے ہے لیکن استجابت دعا کی طرف بلا واسطہ متعدی ہوتی ہے اور داعی کی طرف لام کے ساتھ۔ اور جب داعی کی طرف متعدی ہو تو اکثر دعا محذوف ہوتی ہے۔ مثلاً کہا جائے گا استجاب اللہ دعاءہ اور استجاب لہ۔ یاد رہے کہ استجاب لہ دعاءہ بہت کم استعمال ہوا ہے۔ اور نداء یہاں پر بمعنے دعا ہے جیسا کہ فاستجبنا لہ سے

معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ استجابت دعا کی مقتضی ہے۔
فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ یعنی اس غم سے ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے اہل کو نجات دی جو انھیں ان کی قوم کی طرف سے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچ رہی تھیں۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الکرب بمعنے الغم الشدید ہے۔ یہ کرب الارض سے ہے بمعنے قلبہا بالحفر یعنی زمین کو کھود کر الٹایا گیا۔ ایسے ہی غم بھی انسان کو گویا گھرا دکھ پہنچا کر الٹ دیتا ہے۔

وَنَصَرْنٰهُ ہم نے ان کی ایسی مدد کی کہ ان کے دشمنوں سے مکمل طور پر بدلہ لیا گیا اسی لیے یہ مِنْ سے متعدی ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اس قوم سے جنہوں نے از اوّل تا آخر ہماری آیات کی تکذیب کی اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ بے شک وہ بُری قوم تھی کیونکہ وہ کافر تھے اور کفر تمام برائیوں کی جڑ ہے فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا کیونکہ جو قوم بھی تکذیب اور انہماک فی الشر والفساد پر مُصر ہوئی اُسے اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

جو دعا باذن اللہ اور خلوصِ قلب سے ہو جیسے انبیأ و کاملین اولیأ کی دُعائیں ہیں وہ اجابت (قبولیت) سے ردو ما بیہ ضرور ہمکنار ہوتی ہیں۔

کرامت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک شخص کی رفاقت میں مکہ معظمہ سے طائف کی طرف تشریف لے گئے اور آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ منافق ہے۔ دونوں ایک ویرانے میں آرام کرنے کے لیے ٹھہرے اور جب دونوں سو گئے تو منافق نے اُٹھ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ باندھ دیے اور آپ کو شہید کرنے کی ٹھانی۔ حضرت زیدؓ جاگ اٹھے اور منافق کی کارروائی کو دیکھ کر کہا:

یا رحمٰن اعنی۔ اے اللہ! میری مدد فرما۔

اس کے بعد منافق نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ افسوس ہے تو انھیں شہید کرنا چاہتا ہے۔ منافق نے ادھر ادھر دیکھا تو بولنے والا نظر نہ آیا۔ اس طرح تین بار رہا۔ جب منافق نے تیسری بار حضرت زید رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تو غیبی سوار نے منافق کی گردن اڑا دی اور حضرت زید کی ہتھکڑیاں توڑ دیں اور فرمایا کہ میں جبریل ہوں، جب حضرت زیدؓ نے دعا مانگی میں ساتویں آسمان پر تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا اے جبریل! میرے بندے کی مدد کیجئے۔

ف: اس حکایت و کرامت سے چند فوائد مرتب ہوتے:

(۱) سفر کے لیے ساتھی کا ہونا ضروری ہے لیکن اس کی حال تفتیش ضروری ہے تاکہ اس سے ضرر اور نقصان نہ پہنچے، اس لیے کہ بہت سے لوگ دوستوں کے بھیس میں دشمن ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

آدمی را دشمنِ پنہاں بیست
آدمیؑ با حذر عاقل کیست

ترجمہ: آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں آدمی کو چوکنا رہنا چاہیے۔

ف: ہر شے میں عبرت ہوتی ہے لیکن کوّے میں ایک عجیب عبرت ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر ایک سے خطرہ میں رہتا ہے۔

(۲) دُعا نجات کے اسباب سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نجات کو دعا سے معلق فرمایا ہے۔ کما قال: فاستجبنا لہ، اس کے بعد فرمایا: فنجینٰہ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مرا دریں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد
دعائے نیم شبی بود و گریۂ سحری

ترجمہ: اس ظلمات بھری دنیا میں میری آدھی رات کی دُعا اور گریۂ سحری نے رہبری کی۔

اور مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ آں نیاز مریمی بودست و درد — کہ چناں طفلی سخن آغاز کرد
۲ ہر کجا دردے دوا آں جا رود — ہر کجا پستیست آب آنجا رود

ترجمہ: ۱- وہ بی بی مریم کی نیاز و درد بھری دُعا تھی کہ بچّہ گھوارے میں بول پڑا۔
۲- جہاں درد ہوتا ہے دوائی بھی وہاں اثر کرتی ہے۔ جہاں نیچی زمین ہوتی ہے پانی بھی وہیں جاتا ہے۔
اپنے مجبور بندے کی غیب سے مدد فرماتا ہے اس لیے کہ عالم دنیا کا ہر ذرّہ اس کا لشکر ہے۔

معجزہ حضرت سفینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام روم کے علاقہ میں لشکر سے علٰحدہ ہو گئے تو انھیں مخالفین نے قید کر لیا۔ لیکن آپ ان سے بھاگ گئے۔ اسی اثنا میں راستہ تلاش کر رہے تھے کہ آپ کا ایک شیر سے سامنا ہوا، آپ نے اس سے فرمایا: "میں سفینہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میں مصیبت میں گرفتار ہوں اور اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔" شیر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنتے ہی دُم ہلا کر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی خدمت بجا لانے کے لیے ان کی ایک جانب کھڑا ہو گیا۔ جب حضرت سفینہؓ پہ کوئی شے حملہ آور ہوتی تو شیر آپ کے قریب ہو کر ڈھال بن جاتا یہاں تک کہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکرِ اسلام میں پہنچ گئے اور شیر واپس چلا گیا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ یکے دیدم از عرصۂ رود بار — کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
۲ چناں ہول ازاں حال برمن نشست — کہ ترسیدنم پائے رفتن ببست

۳ تبسم کناں دست برلب گرفت — کہ سعدی مدار آنچہ آید شگفت
۴ تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ
۵ محالست چوں دوست دارد ترا — کہ در دوست دشمن گزارد ترا

ترجمہ: ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ رودبار کے میدان سے میرے سامنے ایک پلنگ پر (کہ ایک درندہ جانور ہے) سوار آیا۔

۲۔ اس واقعہ سے ایسا خوف مجھ پر غالب ہوا کہ دہشت نے میرے چلنے کا پاؤں باندھا۔

۳۔ مسکراتا ہوا ہاتھ ہونٹ میں دبایا کہ اے سعدی! جو کچھ تُو نے دیکھا، تعجب مت جان۔

۴۔ تُو بھی خدا کے حکم سے گردن مت پھیرنا تاکہ کوئی تیری نافرمانی نہ کرے۔

۵۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا تجھے دوست رکھے اور تجھے دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ دے۔

(۴) فرشتے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے لیے انسانی بھیس بدل کر حاضری دیتے ہیں۔ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے المنقذ فی الضلال میں لکھا کہ صوفیاء کرام بیداری میں ملائکہ کرام کو دیکھتے ہیں اس لیے کہ یہ حضرات باطن کو اور قلوب کی صفائی اور علائق کو قطع کرنے اور اسباب دنیا جاہ وجلال سے فارغ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور نیک زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ملائکہ کی ملاقات کے اہل ہوجاتے ہیں ؎

شد فرشتہ دیدن از شان فرشتہ خصلتے

ترجمہ: فرشتے کو فرشتہ خصلت انسان دیکھ سکتا ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اور داؤد وسلیمان علیہما السلام کے واقعہ کو یاد کر جبکہ انھوں نے کھیتی کے فیصلے کے وقت اپنے اپنے حکم صادر فرمائے اِذْ نَفَشَتْ بمعنے تفرقت و انتشرت یہ حکم کی ظرف ہے فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ رات کے وقت چرواہے کے بغیر بکریاں کھیتی چٹ کر گئیں۔

حلِ لغات: النفش بمعنے چرواہے کے بغیر بکریوں کا رات کے وقت پھیل جانا۔ اور الغنم محرکۃ۔ یہ وہ لفظ ہے جس کا اپنے لفظ سے واحد نہیں آتا۔ اس کا واحد شاۃ آتا ہے۔ اور یہ اسم مؤنث ہے لیکن جنس مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (کذا فی القاموس)

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ اور ہم مدعی و مدعا علیہ دونوں فیصلہ کنندگان کے فیصلہ کے وقت تھے۔

سوال: تمہارے ترجمہ سے ثابت ہوا کہ ھُمَا کی ضمیر حاکمین ومتحاکمین کی طرف راجع ہے۔ اس سے کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

۱۔ اضافۃ المصدر الی الفاعل والمفعول دفعۃ واحدۃ حالانکہ مصدر صرف فاعل کی طرف مضاف ہوسکتا ہے یا مفعول کی طرف۔

۲۔ فاعل کی طرف مضاف ہونا علی سبیل القیام اور مفعول کی طرف علی سبیل الوقوع علیہ کی حیثیت سے ہوگا۔ اور یہ

دونوں مصدر کے دو مختلف معمول ہیں ان میں بیک وقت مصدر کس طرح عمل کر سکتا ہے۔

۲ - جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آتا ہے اس لیے کہ مصدر کا فاعل کی طرف مضاف ہونا اس کی حقیقت اور مفعول کی طرف مجاز ہے۔

جواب: یہ اضافت علیٰ سبیل الاختصاص ہے یعنی اضافت کے وقت فاعل و مفعول کی حیثیت کو مدِ نظر نہیں رکھا گیا۔ گویا یہ اضافت علیٰ سبیل عموم المجاز ہے اور وہ بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ان کے حکم متعلق بہم کے وقت تھے شٰھِدِیْنَ حاضر، یعنے از روئے علم ہم حاضر تھے۔ ان کے حکم کی عظمت شان کی وجہ سے فرمایا گیا ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا کہ ان دونوں حضرات کا فیصلہ ہمارے ارشاد کے عین مطابق تھا۔ ان میں کسی نے بھی اپنے فیصلے میں غلطی نہیں کی۔ اس میں ہمارا مقصد یہی تھا کہ مسئلہ اجتہاد کا طریقہ جاری ہو کر مضبوطی اختیار کرے تاکہ مجتہدین کی عزت و احترام کو چار چاند لگ جائیں اور ان کے اجتہادات کی اقتدا کی جا سکے اور ان کے اجتہاد کی مساعی پر انھیں ثواب نصیب ہو۔

فَفَهَّمْنٰهَا پس ہم نے فیصلہ سمجھا دیا سُلَيْمٰنَ حضرت سلیمان علیہ السلام کو۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ اور کاشفی نے تیرہ سال عمر لکھی ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین کو ایک دوسرے پر فضیلت ہوتی ہے۔ اس میں سن میں بڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ فضیلت کا دارومدار علم پر ہے اور ساتھ ہی اس میں احکام و اسرار و معانی کا فہم بھی ضروری ہے۔ اسی لیے سلیمان علیہ السلام کو یہاں فضیلت حاصل ہوئی کہ انھوں نے اس فیصلہ کو اصوب اور احق طور سمجھا ورنہ حضرت داؤد علیہ السلام سن میں بڑے اور نبی برحق بھی تھے۔ اسی لیے حکماء نے فرمایا کہ دولت مندی ہنر کا نام ہے، مال کا نام دولت مندی نہیں۔ اور بزرگی عقل سے ہوتی ہے نہ کہ سن سے۔

ف: مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے سلیمان علیہ السلام کے علم و حکمت پر حسد کیا کہ صغر سنی میں انھیں اتنا بڑا مرتبہ کیوں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ عالم دنیا میں حکمت کے نوّے اجزا ہیں ان میں سے ستر صرف سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوئے ہیں اور باقی بیس حصے تمام لوگوں میں منقسم ہوئے ہیں۔

وَكُلًّا اور ہر ایک باپ بیٹے کو اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ہم نے عطا فرمایا بہت بڑا حکم اور علم۔ اس میں اس وہم کا ازالہ مطلوب ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس فیصلہ سے ثابت ہوا کہ سلیمان علیہ السلام اپنے والد سے حکم اور علم میں زیادہ تھے۔ اس جملے سے واضح فرمایا کہ واقعہ سے سلیمان علیہ السلام کی والد گرامی سے افضلیت علمی و حکمی ثابت نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی عطا سے وہ دونوں بہت زیادہ علم و حکم رکھتے تھے اور فیصلہ مذکورہ میں بھی دونوں کے علم و حکم کا ثبوت ہے کیونکہ دونوں نے شرعی فیصلے کا اظہار کیا جو دونوں اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے صحیح تھے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حکم سے مراد حکمت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان دونوں کو علم و حکمت سے نوازا تاکہ دونوں کا فیصلہ علم و حکمت کے عین مطابق ہو اور ان دونوں کو ہماری تائید حاصل ہے اگرچہ بظاہر ایک فیصلہ حکم کے خلاف تھا لیکن اس میں بھی حکمتِ ایزدی تھی وہ یہ کہ ثابت ہوسکے کہ مسائل شرعیہ میں اجتہاد جائز ہے اور ہر مجتہد اپنے اجتہاد کے لحاظ سے مصیب ہوتا ہے اگرچہ دوسرے حق فیصلے کے لحاظ سے مبنی بر خطا ہے لیکن وہ فی نفسہ اپنے فیصلے میں مصیب ہے۔ الارشاد میں ہے کہ مجتہد کی خطا اسے درجۂ اجتہاد سے نہیں گراتی۔

کھیت کا واقعہ

مروی ہے کہ دو مرد داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک نے عرض کی کہ اس کی بکریاں رات کو میرا کھیت چر گئی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ کھیت والا تمام بکریاں لے جائے۔ ان دونوں کی قیمت میں کوئی فرق نہ تھا یعنی جتنی کھیت کی قیمت تھی بکریوں کی بھی اتنی ہی قیمت تھی۔ جب وہ دونوں باہر نکلے تو ان کی سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی اور تمام ماجرا سنایا حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا فیصلہ اس کے علاوہ ہے جو دونوں کے لیے مفید ہے یہی بات حضرت داؤد علیہ السلام نے سُن لی اور سلیمان علیہ السلام کو بلا کر فرمایا میں آپ کو نبوت اور ابوت کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہی فیصلہ بتا دے جو دونوں کو مفید ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بکریاں کھیت والے کے سپرد کی جائیں اور وُہ اُن کے دُودھ اور اُون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور دوسرا باغ و کھیت میں محنت کر کے اسے ویسا ہی تیار کر دے جیسا پہلے تھا۔ جب کھیت تیار ہو جائے تو کھیت والے کو کھیت واپس کر کے اپنی بکریاں لے جائے۔ داؤد علیہ السلام نے سلیمانی فیصلہ سُن کر فرمایا حقیقی فیصلہ یہی ہے میں اسی کا اجراء کرتا ہوں۔

ف : الارشاد میں ہے کہ ان دونوں حضرات کا فیصلہ مبنی بر اجتہاد تھا اس لیے کہ سلیمان علیہ السلام کے الفاظ فیصلہ غیر ھٰذا ارفق بالفریقین اور اری ان تدفع الخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صریح وحی ہوتی تو ایسے مبہم الفاظ نہ فرماتے۔ اگر وحی ہوتی تو اسے پختگی سے فرماتے نہ کہ ابہام سے، اور نہ ہی خاموشی سے داؤد علیہ السلام کے فیصلے کو سنتے رہتے بلکہ ان پر واجب ہوتا کہ ان کے فیصلے سے پہلے اسے ظاہر فرما دیتے اس لیے کہ وحیِ ربانی کے فیصلے کو ہر فیصلے پر فوقیت ہوتی ہے۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی مجتہدانہ تھا اس لیے کہ اگر ان کا حکم وحی ربانی تھا تو پھر وہ سلیمان علیہ السلام کے اجتہاد سے منسوخ نہ ہوتا۔ مجتہد کا حسب وسعت علم کسی مسئلہ میں غور و فکر کرنا تاکہ غلبۂ ظن سے حکم شرعی ثابت ہو جائے اسے اجتہاد کہا جاتا ہے اور وہ انبیاءُ علیہم السلام کے لیے بھی جائز ہے۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے تاکہ اجتہاد کا ثواب حاصل ہو اور دُوسرے مجتہدین ان کی اقتداء کر سکیں۔ اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العلماء ورثۃ الانبیاء۔

اس سے ثابت ہوا کہ انبیاءُ علیہم السلام کو بھی اجتہاد لازم ہے تاکہ علماء کرام ان کی وراثت کے حقدار ہوسکیں۔ ہاں یہ بھی اپنی جگہ حق ہے کہ وہ اجتہادی خطاء پر برقرار نہیں رہتے۔

حدیث شریف جب کوئی حاکم کسی فیصلہ کے لیے اجتہاد کرتا ہے اور وہ اس پر صحیح اترتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ہے۔

مسئلہ: ہر واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک فیصلہ متعین ہوتا ہے اس پر دلیل قطعی ہو یا ظنی، جو مجتہد اس کے مطابق فیصلہ دیتا ہے وہ مصیب ہے۔ جو اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ مخطی ہے لیکن گنہگار نہیں۔

سوال: جو فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو اس کے ارتکاب سے کفر ہونا چاہیے یا فسق۔ اور تم دونوں سے بری کر رہے ہو۔

جواب: مجتہد نے اسی فیصلہ کو اپنے گمان پر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر ظاہر کیا ہے۔ اگرچہ خطا ہوئی تو وہ اس کے لیے معاف ہے۔ اس لیے کہ وہ باغی ہو کر فیصلہ نہیں دے رہا بلکہ مطیع ہو کر۔

مسئلہ: بحر العلوم میں ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور مخطی بھی۔ اگرچہ مسائل اجتہادیہ میں حق ایک طرف ہوگا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ دونوں حق پر ہیں اس معنے پر واقعہ مذکورہ میں سلیمان علیہ السلام کی تخصیص عبث جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا کوئی امر عبث نہیں۔ اور ہم انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کے بھی قائل ہیں ان میں ہر قول اجتہادی کو حق مانا جائے تو اجتماع النقیضین لازم آئے گا کہ صحت و فساد اور وجوب و حظر و اباحۃ یکجا جمع ہو جائیں گے اور یہ ممتنع ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

وہم افتد در خطا و در غلط
عقل باشد در اصابتہا فقط

مجتہد ہر کہ باشد نص شناس
اندران صورت نیندیشد قیاس

چوں نیاید نص اندر صورتے
از قیاس آنجا نماید عبرتے

ترجمہ: ۱۔ غلط و خطا میں وہم کو اور صحیح فیصلوں میں عقل کو دخل ہوتا ہے۔
۲۔ وہ مجتہد جو نص کو پہچانتا ہے اس صورت میں قیاس کا فکر مند نہیں ہوتا۔
۳۔ جس صورت میں نص نہ ہو تو پھر قیاس سے کام چلاتا ہے۔

وَسَخَّرْنَا اور ہم نے مسخر کر دیے **مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ** داؤد علیہ السلام کے پہاڑوں کو۔ مع، سخرنا کے متعلق ہے۔ تسخیر بمعنے تذلیل الشئ۔ یعنی کسی کو دوسرے کے تابع فرمان کرنا۔ اسی سے ہے سفن سواخر۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کشتیوں کے لیے ہوا خوشگوار ہو۔ **یُسَبِّحْنَ** یہ جبال سے حال ہے یعنی درانحالیکہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی

تقدیس و تنزیہہ بیان کرتے جسے حاضرین سُنتے تھے۔ یہاں تسبیح قولی مراد ہے اس سے پہاڑ کی گونج مراد نہیں، اس لیے کہ وہ عام ہے جسے ہر ایک سنتا ہے اور یہاں داؤد علیہ السلام کے معجزے کا اظہار ہے۔ اور معجزہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کی تسبیح قولی مانی جائے۔ اسی طرح تسبیح بہ زبانِ حال بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتی۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لو) وَالطَّيْرَ اس کا الجبال پر عطف ہے۔

نکتہ: الطیر پر الجبال کی تقدیم اس لیے ہے کہ پہاڑوں کی تسخیر و تسبیح زیادہ تعجب ناک ہے اور قدرت ایزدی اور معجزۂ داؤدی کے لیے زیادہ موثر ہے کیونکہ یہ جماد ہے اور پرندے کا تابع ہونا اور اس کا تسبیح پڑھنا اتنا تعجب خیز نہیں۔

وَكُنَّا فَاعِلِينَ اور ہم کرنے والے ہیں اس لیے کہ یہ ہماری قدرت میں ہیں اگرچہ تمہارے نزدیک یہ ایک تعجب خیز بات ہے۔

ف: مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام جب گزرتے تو پہاڑوں اور پرندوں سے تسبیح سنتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انہیں یہ تسبیح اس لیے سنائی تا کہ وہ تسبیح سے خوش ہوں اور بارگاہِ ایزدی کی جانب انہیں مزید اشتیاق ہو۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یقین کرنے والے مسلمان کو اعتقاد رکھنا چاہیے کہ پہاڑ اور پرند حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اس طرح تسبیح کرتے تھے کہ تمام سننے والے ان کے حروف اور کلمات سمجھتے تھے۔ اور قدرتِ الٰہی سے یہ کوئی بڑی بات نہیں ؎

ہر کجا قدرتش علم افروخت

از عزائب ہر آنچہ خواست بساخت

قدرتے را نیست نقصانش

کارہا جملہ ہست آسانش

ترجمہ: جہاں اس کی قدرت نے علم کھڑا کیا وہاں جتنے عجوبے چاہے بنائے۔
اس کی قدرت میں کسی قسم کا نقصان نہیں، اس کے ہاں تمام کام آسان ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ذکرِ الٰہی میں منہمک ہونے والے پر سلطان ذکر غالب ہوتا ہے تو اس کے جسم کا ذرہ ذرہ ذکرِ الٰہی کے نور سے منور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا قلب اور روح جو ہر ذکر سے استنارد شن ہوتے ہیں کہ اس کے نور ذکر کا عکس اس کے سامنے ہونے والے جمادات و حیوانات پر پڑتا ہے تو وہ جمادات و حیوانات بھی ذکر کرنے لگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں کنکریاں تسبیح پڑھتی سُنی گئیں اور گوہ (ضب) آپ سے ہمکلام ہوئی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہم طعام کھاتے تھے اور اس طعام سے تسبیح بھی سُنتے تھے۔

ف: عرائس البقلی میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر وقت خالی مکان کی تلاش میں رہتے تا کہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو سکیں۔ اسی لیے وہ عموماً پہاڑوں کی غاروں میں تشریف لے جاتے اس لیے کہ یہی پہاڑ انوار قدرت الٰہی سے سرشار اور دنیوی حوادث سے خالی ہیں۔ اور اسی طرح الامن کا مکان ہیں جیسے انہیں عدم سے وجود میں لایا گیا۔ ان پر وہی نورِ قدیم

تا حال موجود ہے۔ اس لیے کہ وہ اہلِ زمانہ کی دستبرد سے پاک رہے اسی لیے جب داؤد علیہ السلام تسبیح حق میں مشغول ہوتے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی نور فعل حق کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرتے۔ گویا خود اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کی تنزیہ و تقدیس سے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان فرماتا اس لیے کہ داؤد علیہ السلام پر عظمتِ الٰہی اور نور کبریائی کا غلبہ تھا۔

ف: محمد بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہاڑ مجذوبوں کی تسکین اور غمزدوں کے انس کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اس لیے کہ پہاڑ مخلوق کی دستبرد سے پاک ہیں وہ اسی حالت میں بدستور باقی ہیں جیسے انھیں اللہ تعالیٰ نے عدم سے وجود بخشا۔ مخلوق کا ذرہ برابر بھی ان پر اثر نہیں ہوا۔ اسی لیے ان سے وحشت ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ صنع حقیقی سے جس آثار سے انھیں پیدا کیا گیا وہ انہی اطوار پر تا حال موجود ہیں ان میں کسی قسم کی تحویل اور تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

لحنِ داؤدی کا بیان

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل داؤد علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے دین حق سے منحرف اور متفرق ہو کر شیطان کی لہو و لعب یعنی بانسری طنبور و دیگر مزامیر کے گانے بجانے میں مست ہو گئے۔ ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ حسنِ صوت اور خوش الحانی آپ پر ختم تھی۔ آپ جس وقت توراۃ کو خوش الحانی سے پڑھتے تو بنی اسرائیل دنگ ہو جاتے اور باجوں کو چھوڑ کر داؤد علیہ السلام کی توراۃ سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور دل لگا کر آپ کی توراۃ سنتے اور داؤد علیہ السلام کا کمال یہ تھا کہ جب آپ تسبیح پڑھتے تو پہاڑ اور پرندے آپ کے ساتھ تسبیح شروع کر دیتے۔ (کذا فی قصص الانبیاء)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

به از روئے زیبا ست آواز خوش
کہ ایں حظ نفس است و آں قوت روح

ترجمہ: حسین چہرے سے خوش آواز بہتر ہے اس لیے کہ خوش چہرہ میں حظِ نفسانی ہے اور آواز روح کی غذا ہے۔

اور فرمایا: ؎

اشتر بشعر در حالتست و طرب
گر ذوق نیست ترا کژ طبع جانوری

ترجمہ: اونٹ عرب کے شعر سے حالت اور خوشی میں ہے اگر تجھے ذوق نہیں تو تو ٹیڑھے جانور والا ہے۔

مزید فرمایا: ؎

وعند هبوب الناشرات على الحمى
تميل غصون البان لا الحجر الصلا

ترجمہ: ہواؤں کے تیز جھونکوں سے بان کی ٹہنیاں ہلتی ہیں نہ کہ پتھر سخت۔

ف: جیسے اصوات حسنہ و نغمات موزونہ نفوس میں اثر انداز ہو کر انھیں شر سے نکال کر خیر کی طرف لے جاتی ہیں اور انھیں استعداد کامل بخشتی ہیں ایسے ہی اصوات قبیحہ اور نغمات غیر موزونہ نفوس میں اثر انداز ہو کر اصواتِ حسنہ اور نغماتِ موزونہ کے خلاف عمل کراتی ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	یک مؤذن داشت بس آواز بدٗ	درمیان کافرستاں بانگ زد
۲	چند گفتندش مگو بانگ نماز	کہ شود جنگ و عداوتہا دراز
۳	او ستیزہ کرد و لبس. بے احتراز	گفت در کافرستان بانگ نماز
۴	خلق خائف شد زفتنہ عامۂ	خود بیامد کافرے با جامۂ
۵	شمع و حلوا با چناں جامہ لطیف	ہدیہ آورد و بیامد چوں الیف
۶	پرس پرساں کیں مؤذن کو کجاست	کہ صلائے بانگ او راحت فزاست
۷	دخترے دارم لطیف و بس سنی	آرزو مے بود او را مؤمنی
۸	ہیچ ایں سودا نمی رفت از سرش	پندہا میداد چندے کافرش
۹	ہیچ چارہ مے ندانستم دران	تا فرو خواند ایں مؤذن آں اذان
۱۰	گفت دختر چیست ایں مکروہ بانگ	کہ بگوشم آمد ایں دو چار دانگ
۱۱	من ہمہ عمر ایں چنیں آواز زشت	ہیچ نشنیدم دریں دیر و کنشت
۱۲	خواہرش گفتا کہ ایں بانگ اذان	ہست اعلام و شعار مؤمناں
۱۳	باورش نامد بپرسید از دگر	آں دگر ہم گفت آرے اے قمر
۱۴	چوں یقین گشتش رخ او زرد شد	از مسلمانی دل او سرد شد
۱۵	باز رستم من زتشویش و عذاب	دوش خوش خفتم داراں بے خوف خواب
۱۶	راحتم ایں بود از آواز او	ہدیہ آوردم بشکر آں مرد گو
۱۷	چوں بدیدش گفت ایں ہدیہ پذیر	چوں مرا گشتی مجیر و دستگیر
۱۸	گر بمال و ملک و ثروت فردمے	من دہانت را پر از زر کردمے

ترجمہ: ۱۔ ایک مؤذن بدآواز تھا اور کافروں کے علاقہ میں اذان پڑھتا تھا۔

۲۔ لوگوں نے اسے کہا کہ تُو اذان نہ پڑھا کر، کیونکہ تیری آواز سے شور ہوتا ہے اور جنگ چھڑ جاتی ہے۔

۳۔ وہ اس پر بضد تھا، بلکہ خصومت پر آمادہ ہو جاتا۔ اور کہتا اس میں زیادہ ثواب ہے کہ کافروں کے علاقہ میں اذان پڑھتا ہوں۔

۴۔ مخلوق اس کی اذان سے خائف تھی لیکن ایک کافر نے اسے آکر انعام کے طور پر کپڑے پہنائے۔

۵۔ خوشبوئیں، کپڑے اور حلوا شکریہ کے طور پر لایا۔

۶۔ پوچھتا تھا کہ وہ مؤذن کہاں ہے جس کی اذان سے ہمیں راحت نصیب ہوئی ہے۔

۷۔ کیونکہ میری لڑکی نہایت حسین و جمیل ہے اسے اسلام لانے کا شوق تھا۔

۸۔ اسے یہ خیال ایسا سمایا کہ ہمارے سمجھانے سے نہیں مانتی تھی۔

۹۔ اس کے سمجھانے کا ہمیں کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا یہاں تک کہ اس کی اذان سے اس کا خیال بدلا ہے۔

۱۰۔ جب اس کی اذان سُنی تو پُوچھا کہ یہ کرخت آواز کیسی ہے جس نے میرے کان کے پردے پھاڑ ڈالے ہیں۔

۱۱۔ میں نے دیر و دوارہ میں ایسی گندی آواز کبھی نہیں سُنی۔

۱۲۔ اس کی بہن نے کہا کہ اہلِ اسلام کی اذان کی آواز ہے۔

۱۳۔ اسے یقین نہ آیا، کسی دوسری عورت سے پُوچھا، اس نے بھی یہی کہا۔

۱۴۔ جب اسے یقین ہوا تو اس کا چہرہ زرد ہو گیا اور مسلمانی سے مکمل طور پر بیزار ہو گئی۔

۱۵۔ ہم کو اس کے وسواس اور وہم سے چھٹکارا نصیب ہوا۔

۱۶۔ اس کی بد آواز سے ہمیں راحت ملی ہے اس لیے میں ہدیہ کے طور پر یہ اشیأ لایا ہوں۔

۱۷۔ مؤذن کو دیکھ کر کہا، حضرت! ہدیہ قبول کیجئے کہ آپ کی بدولت ہمیں راحت نصیب ہوئی۔

۱۸۔ اگر میرے پاس اور مال و زر ہوتا تو آپ پر نچھاور کر دیتا۔

تفسیر عالمانہ

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھایا۔

حلِ لغات: الصنع بمعنے الفعل۔ لیکن فعل کو صنع نہ کہا جائے گا الصناعة بروزن کتابة بمعنے کاریگر کی کاریگری۔ اور اللبوس بمعنے اللباس مطلق وہ زرہ ہو یا کوئی اور شے۔ مثلاً کہا جاتا ہے لبس الثوب بمعنے استتر به۔ یاد رہے کہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے زرہ ہوتیں لیکن صرف لوہے کی چادریں جنہیں طولاً و عرضاً جسم کے ارد گرد لپیٹ لیتے تھے لیکن داؤد علیہ السلام نے قوتِ علمی اور خداداد ذہانت سے ان چادروں کو بہترین طریقے سے جوڑ کر زرہیں تیار کیں جیسے درزی کپڑے کو جوڑتا ہے۔ لکم تمہارے فائدہ کے لیے۔ یہ علمنا یا فعل محذوف کے متعلق ہو کر لبوسٌ کی صفت ہے۔ یہ بھی داؤد علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا کہ وہ بغیر آلات مثلاً بھٹی، آگ، سندان اور ہتھوڑے کے زرہیں تیار کرتے تھے۔

حکایت لقمان حکیم منقول ہے کہ لقمان حکیم حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بناتے ہوئے دیکھ کر متعجب ہوئے اور قبل ازیں آپ نے ایسی صنعت نہیں دیکھی تھی۔ خاموشی سے اسے بنتے ہوئے دیکھتے رہے، اس کی وجہ نہ پوچھی۔ بالآخر داؤد علیہ السلام نے اسے تیار کر کے اپنے جسم پر ناپا۔ اس پر لقمان حکیم سمجھے کہ یہ زرہ ہے جو جنگی ضرورت کے لیے تیار کی جا رہی ہے۔ اسی وقت لقمان حکیم نے فرمایا:

ان من الصمت لحکمۃ۔ بعض اوقات خاموشی سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔

اور حکماء نے فرمایا کہ گفتگو اگر چاندی ہے تو خاموشی سونا ہے ؎

اگر بسیار دانی اندکے گو
یکے را صد مگو صد را یکے گو

ترجمہ: اگر بسیار دان ہو تب بھی کم بولو، ایک کو سو میں نہیں بلکہ سو کو ایک بات میں سمو دو۔

لِتُحْصِنَكُمْ تاکہ زرہ تمہیں بچائے۔

سوال: اللبوس تو مذکر ہے اس کے لیے مونث کا صیغہ کیوں؟

جواب: الدرع کی تاویل میں ہے اور الدرع مونث سماعی ہے۔ اور درع بمعنے حصینۃ (قلعہ)۔ چونکہ زرہ بدن کے لیے بمنزلہ قلعہ کے ہے۔ پھر جو شے بھی حفاظت کا کام دے اسے مجازاً درع سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ باعادہ جار لکم سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ لتحصنکم مؤولا بمعنے احصانکم کے ہے اور لکم کی ضمیر اور احصان کے درمیان ملابستہ الاشتمال ظاہر ہے اس لیے کہ لکم سے اختصاص اور منفعۃ کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے۔

مِنْ بَأْسِكُمْ یہاں پر الباس بمعنے الحرب (جنگ) ہے اور اس کا اطلاق ہر بڑی جنگ کے لیے آتا ہے یعنی تمہارے دشمن کی جنگ سے، جیسے قتل اور زخم جو جنگ میں دشمنوں کے حملوں یعنی تلواروں، نیزوں اور تیروں سے ہوتے ہیں

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جمیع صنائع اللہ تعالیٰ کی تخلیق و تعلیم سے نصیب ہوتی ہیں۔

حدیث شریف ہر صانع اور اس کی صنعت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ قابل تعلیم و فہم است ایں خرد
لیک صاحب وحی تعلیمش دہد

۲ جملہ حرفت ہا یقین از وحی بود
اول او لیک عقل آنرا فزود

ترجمہ: ۱۔ یہ عقل قابل تعلیم و فہم ہے لیکن اسے صاحب وحی تعلیم دیتا ہے۔

۲۔ تمام صنعتیں یقیناً وحی سے ہیں پہلے وحی کی رہبری پھر عقل اس کی تائید کرتی ہے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ تو کیا تم اس کی نعمت کا شکر کرنے ہو یعنی تمہیں ایسی نعمتیں عطا ہوئی ہیں جو شکر کی موجب ہیں۔ تمہارے لیے شدائد سے بچنا آسان فرمایا، تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ کاشفی نے لکھا کہ ایسے لباس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

ف : یہ بصورت استفہام ہے اور خطاب امت مصطفویہ یعنی اہل مکہ اور قیامت تک آنے والوں کو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کی خبر دی ہے کہ اگرچہ زرہ بنانے کا آغاز داؤد علیہ السلام نے کیا لیکن ان کے سکھانے پر تمام لوگوں کو یہ نعمت عام ہوئی۔ یہاں تک کہ قیامت تک ہر جنگجو کو اس کی ضرورت پڑے گی۔ اس معنیٰ پر اس نعمت کا ہر انسان کو شکرِ الٰہی واجب ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خطاب داؤد علیہ السلام اور ان کے اہلبیت کو ہے۔ یہاں عبارت محذوف ہے۔ در اصل فقلنا لهم بعد ما انعمنا عليهم الخ یعنی داؤد علیہ السلام اور اہل بیت کو ان بہت بڑی نعمتوں سے بہرہ ور فرما کر ہم نے انھیں کہا کہ ان بہت بڑی نعمتوں یعنی تسخیر الجبال والطیر اور لوہے کے نرم ہو جانے اور زرہ بنانے کی تعلیم پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

زرہ بنانے کا موجب

مروی ہے کہ ایک دن داؤد علیہ السلام حزین و غمگین ہو کر نکلے اور ارادہ تھا کہ کسی اجنبی سے اپنی سیرت کے متعلق استفسار کریں۔ آپ کو جبریل علیہ السلام بصورت انسان ملے آپ نے اسے اجنبی سمجھ کر پوچھا کہ آپ داؤد (علیہ السلام) کو کیسے سمجھتے ہیں؟ اُنھوں نے فرمایا: بہت بھلے بزرگ ہیں لیکن ایک کمی ہے کہ وہ بیت المال سے اخراجات لیتے ہیں کاش وُہ اپنی کمائی سے ضروریاتِ زندگی پورے کرتے اس لیے کہ ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔ داؤد علیہ السلام یہ نصیحت سُن کر گھر لوٹے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ انھیں ہاتھ کی کمائی سے رزق بخشے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لوہا موم بنا دیا۔ اسی سے زرہیں تیار کر کے بیچتے اور اسی سے بسر اوقات فرماتے۔

مسئلہ : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں ہے کہ علماء و سادات و مشائخ وغیرہم کو بیت المال سے وظیفہ اہلِ شرع اور اہلِ حقیقت کے نزدیک جائز ہے لیکن ترک افضل ہے۔ اور تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بسر اوقات کرنا چاہیے جیسا کہ داؤد علیہ السلام کا قصہ دلالت کرتا ہے۔ ایسے ہی اوقاف کی آمدنی و دیگر عطیات و وظائف کا حکم ہے اس لئے کہ اس زمانہ میں ایسے وظائف وغیرہ شبہات (حرام کی ملاوٹ) کو گنجائش ہے۔ علاوہ ازیں رزق متعین پہ سہارا کرنا توکل کے بھی خلاف ہے۔ اسی لیے بہت سے مشائخ نے مال موقوف کے نفع سے حصہ لینے سے انکار کیا بلکہ ان کی وجہ معاش صرف عطیاتِ الٰہیہ پر تھی جس پر وہ ذہنی تخیل کو بھی عمل میں نہ لاتے چہ جائیکہ وہ اس کے لیے جد و جہد کریں۔ ہاں کسبِ حلال بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد

کہ می حرام ولے بہ ز مال اوقاف ست

ترجمہ: مدرسہ کے فقیہ گزشتہ دن مست تھے اور فتویٰ دیا کہ شراب حرام ہے لیکن اوقاف کے مال سے بہتر ہے۔

ازالہ وہم بعض شارحین نے حضرت حافظ قدس سرہٗ کے اس شعر کی شرح میں غلطی کھائی ہے۔ (صاحب روح البیان نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ اس کی تحقیق یہ ہے کہ شعر میں لفظ "ولے بہ" حضرت حافظ قدس سرہٗ کا کلام ہے مفتی کا مقولہ نہیں۔ اب اس کا معنی یہ ہوا کہ گزشتہ روز مفتی شراب غفلت اور حب دنیا اور مدرسہ کے چندہ پر نازاں ہو کر اہلِ عشق کے حال پر انکار کرتے ہوئے ان کے شراب یعنی عشق کو حرام کہہ دیا حالانکہ یہ اس کی سراسر غلط خیالی ہے عشق کیسے حرام ہو سکتا ہے بلکہ مفتی کو معلوم ہونا چاہیے کہ بقول شما عشق حرام سہی لیکن وقف کے مال کو جو تم اڑاتے ہو اس سے یہی عشق اولیٰ ہے یعنی عشق اور وہ توکل جس پر محققین صوفیہ کا عمل ہے وہ زہد اور تمہارے وقف پر سہارا لگانے اور اسی پر زندگی بسر کرنے سے بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انکار کا تعلق فقیہ مفتی دنیا دار سے ہے اس کا عاشق متوکل سے کوئی تعلق نہیں۔

ف: علماء کرام فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کی وجہ معاش صنعت اور اپنے ہاتھ کی کمائی تھی۔ مثلاً حضرت ادریس علیہ السلام خیاط (درزی) تھے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں اکثر کپڑے سیا کرتے تھے۔

حدیث شریف نیک مردوں کا کسب کپڑے سینا اور نیک عورتوں کا چرخہ کاتنا ہے۔ (کذا فی روضۃ الاخیار)

حدیث شریف اپنی اولاد کو تیرنا سکھاؤ۔ اور وہ عورت کتنی اچھی ہے جس کے دل کا بہلاوا چرخہ ہے۔ اور جب تمہیں ماں باپ بیک وقت بلائیں تو تم پہلے ماں کے پاس جاؤ۔ (کذا فی المقاصد الحسنۃ للسخاوی)

حدیث شریف عورت کے چرخہ کاتنے کی آواز جہاد میں اللہ اکبر کہنے کے برابر ثواب ہے اور جہاد میں اللہ اکبر کا ثواب ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے بوجھل ہے۔

حدیث شریف عورت کے ہاتھ میں چرخہ ایسے ہے جیسے غازی کے ہاتھ میں تیر۔ (غازی جو صرف رضائے الٰہی کے لیے جنگ پہ جا رہا ہو) (کذا فی مجمع الفضائل)

ف: حضرت نوح علیہ السلام نجار (بڑھئی) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بزاز (کپڑا فروش) تھے۔

حدیث شریف اگر اہلِ بہشت کو بہشت میں تجارت کی اجازت ہو تو وہ کپڑا فروشی کریں گے۔ اگر اہلِ جہنم کو دوزخ میں تجارت کی اجازت ہو تو وہ سونا چاندی کی خرید و فروخت کریں گے۔ (کذا فی الاحیاء)

ف: حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے کپڑا تنا اور بُنا۔

پاولیوں کو بددعا منقول ہے کہ بی بی مریم ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں گھر سے باہر تشریف لے گئیں راستہ بھول گئیں ایک کپڑے تننے والی عورت سے راستہ پوچھا تو اس بستی والوں نے غلط راستہ بتایا۔

بی بی مریم نے ان کے لیے بددعا کی کہ اے اللہ! ان کی کمائی سے برکت چھین لے اور ان کی نسلوں کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر اور انھیں عوام کی نظروں میں حقیر بنا۔ بی بی مریم کی دُعا مستجاب ہوئی۔

ف : حضرت سلیمان علیہ السلام زنبیل تیار کر کے زندگی بسر فرماتے اگرچہ بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے لیکن بیت المال سے کچھ نہیں لیا کرتے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ و شعیب علیہم السلام نے بکریاں چرائیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے اعلان سے پہلے بکریاں چرانے کو اختیار فرمایا تھا۔

حدیث شریف ہر نبی علیہ السلام نے بکریاں چرائیں۔

نکتہ : بکریاں چرانے میں حکمت یہ ہے کہ انسان کو بکریوں سے رافت و رحمت قلبی نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ بکریاں تمام جانوروں سے ضعیف جانور ہیں۔ اسی لیے ان کی نگرانی قلب پر رافت و رحمت ہوتی ہے۔ جب خلقِ خدا سے واسطہ پڑے گا تو طبیعت کی تیزی اور ظلم و شدت کا مادہ پہلے سے لطف و کرم اور رافت و رحمت سے بدل چکا ہو گا اور اس کی فطرت حدِ اعتدال میں رہے گی اور کسی پر ظلم و شدت اور ناجائز سختی نہ کر سکے گا۔

گستاخِ نبوت کی سزا اگر کوئی کسی دُوسرے کو بکریوں کا چرواہا کہہ کر عار دلائے تو وہ جواب میں کہے : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بکریاں چراتے تھے۔ ایسے جواب دینے والے کو سزا دی جائے۔ اس لیے کہ بکریاں چرانا انبیاء علیہم السلام کے لیے کمال تھا۔ لیکن دُوسروں کے لیے تحقیر، اور تحقیری امر میں تشبیہ دینا نبوت کی گستاخی ہے۔

قاعدہ ردِّ وہابیہ[1] ہر وہ امر جو نبوت کے لیے کمال لیکن دوسروں کے لیے موجبِ حقارت ہو تو وہ لفظ نبی علیہ السلام کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔ مثلاً کوئی کسی سے کہے : اے اُمّی (ان پڑھ)۔ وہ اسے جواب دے کہ کیا حضور علیہ السلام اُمّی (ان پڑھ) نہیں تھے۔ ایسے شخص کو سزا دی جائے۔ (کذا فی انسان العیون)

---

[1] اسی قاعدے پر ہمارے اور نجدیوں وہابیوں دیوبندیوں مودودیوں کے جھگڑے کی بنیاد ہے۔ ان کی کتابوں میں نبوت کی گستاخی جی بھر کر کی گئی ہے۔ مثلاً نبی علیہ السلام کو چوہڑے چمار سے تشبیہ دینا، نماز میں ان کے تصور کو گدھے اور اپنی بی بی کے جماع سے بدتر، اور ان کے علم مبارک کو پاگلوں حیوانوں سے تشبیہ دینا، شیطان اور ملک الموت کے علم کو حضور علیہ السلام کے علم سے زائد بتانا اور ان کے میلاد کی مجلس کو کنھیا کے جنم سے تشبیہ دینا اور عام بشریت ان کی بشریت کے مساوی ماننا اور انھیں چرواہا ان پڑھ کہنا۔ ایسی دیگر ان گنت عبارات ہیں۔ فقیر نے تفصیل سے "التحقیق الکامل فی امتیاز الحق والباطل" میں لکھ دیا ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی قاعدے پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے : "تنزیہ الانبیاء عن تسفیہ الاغبیاء"۔ اس کا آغاز ہے : اما بعد حمد اللہ غافر الزلات ومقیل العثرات والصلوٰۃ و

(باقی اگلے صفحہ پر)

(صاحب روح البیانؒ نے فرمایا کہ) سلطان سلیم اوّل از خاقان عثمانیہ کے مندرجہ ذیل اشعار مبنی بر ترک ادب ہیں :

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۵) السلام علیٰ سیّدنا محمد الّذی انزل علیہ فی کتابہ العزیز (افمن زین لہ سوٓء عملہ فرأہ حسنا فان اللہ یضل من یشآء ویھدی من یشاء فلا تذھب نفسک علیھم حسرات) وعلیٰ اٰلہ وصحبہ النجوم المنیرات۔

اس رسالہ کی تصنیف کا سبب یہ ہُوا کہ دو شخصوں کا جھگڑا ہوا اور آپس میں خوب گالی گلوچ بکیں۔ بالآخر ایک نے دوسرے کے نسب پر حملہ کیا تو دُوسرے نے کہا: اے چرواہے کے بچے۔ اس کے باپ نے کہا: کیا یہ نسبت صرف میری ہے۔ کیا حضرات انبیأ علیہم السلام چرواہے نہیں تھے بلکہ کوئی بھی نبی علیہ السلام ایسا نہیں ہوگا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

یہ واقعہ جامع مسجد طولونی کے قریب بازار غزل میں عوام کے مجمع میں ہوا۔ ان کا مقدمہ حکامِ وقت کی خدمت میں پیش کیا گیا جب قاضی القضاۃ مالکی کو معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا:

لو رفع الیّ ضربتہ بالسیاط۔ یعنی اگر یہ مقدمہ میرے ہاں پیش ہوتا تو میں قائل کو دُرے لگواتا۔

مجھ سے اس کے متعلق پُوچھا گیا تو میں نے جواب دیا کہ ایسے شخص کو سزا دی جائے کیونکہ انبیأ علیہم السلام اس لائق نہیں کہ کسی ایک عام آدمی سے ان کی مثال دی جائے۔

میرے فتویٰ کو مرتب دیکھ کر ایک شخص بول اٹھا کہ علاّمہ (سیوطی) کا یہ فتویٰ غلط ہے کیونکہ ایسے شخص کو نہ تعزیر ہے اور نہ ہی اس پر کوئی ملامت ہے۔ کیونکہ انبیأ علیہم السلام کی ایک عامی آدمی سے تشبیہ دینا ایک مباح امر ہے۔ فلھذا اس کا قائل نہ گنہگار ہے اور نہ اسے گناہ کی طرف منسوب کیا جائے۔

مجھے اس سے خطرہ ہوا کہ عوام کالانعام کو جب ایسے کلام کے جواز کا علم ہوا تو وہ اپنے عام جھگڑوں میں ایسی گستاخیاں کریں گے کہ پھر وہ ان کی عام عادت بن جائے گی جس کی وجہ سے وہ دین سے خارج ہو جائیں گے۔ صرف دین کی خیرخواہی اور مسلمانوں کی رہبری کو مدِ نظر رکھ کر یہ چند سطور لکھ دیں۔

فصل: سب سے پہلے قاضی عیاض کا وہ بیان لکھ دُوں جو اُنھوں نے اس مسئلہ میں تحریر فرمایا جو نہایت ہی شاندار بیان ہے اور حق یہ ہے کہ بہت ہی خوب لکھا ہے کما قال ابوجہ الخامس الخ:

۱۔ کسی نبی علیہ السلام کی شان کی کمی کا ارادہ نہ ہو۔
۲۔ ان کا کوئی عیب نہ بیان کیا جائے۔
۳۔ انھیں گالی نہ دی جائے۔

(باقی بر صفحہ)

۱ یک گدا بود سلیمان بعصا و زنبیل
یافت از لطف تو آں حشمت ملک آرائے

۲ مصطفیٰ بود یتیمی ز عرب پست درت
دادش انعام تو تاج شرف بالائے

(بقیہ صفحہ) ف : شریعت میں مندرج صورتیں بھی انبیاؑ علیہم السلام کے معاملات کو اپنے اوپر چسپاں کرنا حرام ہے۔
مثلاً ۱۔ انبیاء علیہم السلام کے بعض اوصاف بیان کر کے مثال کے طور اپنے لیے حجت یا دوسرے کے لیے حجت بنائے جبکہ وُہ امور انبیاؑ علیہم السلام بحیثیت دینی امور کے اظہار کے لیے کیے یا ان کی اسی طرح تکمیل ضروری تھی۔
۲۔ کسی کام کو انھوں نے کسرِ نفسی کے طور کیا۔
۳۔ یا کسی مقصد اسلامی کے پیشِ نظر اپنے آپ کو بلند وارفع ظاہر فرمایا حالانکہ دوسروں کو جائز نہیں۔ اسی طرح مثلاً کوئی کہے کیا ہوا میرے حق میں ایسا ویسا کہا گیا۔ نبی علیہ السلام کو بھی تو کہا گیا تھا۔
۴۔ یا یُوں کہے کہ اگر میری تکذیب ہوئی تو کوئی بات نہیں انبیاء علیہم السلام کی بھی تو تکذیب ہوئی تھی۔
۵۔ یا یُوں بکواس کرے کہ میں نے گناہ کر لیا تو کیا حرج ہے جبکہ انبیاؑ علیہم السلام نے بھی تو گناہ کیے تھے۔
۶۔ یا یُوں کہے کہ میں لوگوں کی مذمت سے کب بچ سکتا ہوں جبکہ انبیاء علیہم السلام بھی نہ بچ سکے۔
۷۔ یا یوں کہے کہ میں فلاں مصیبت سے صبر کر رہا ہوں جیسے اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام نے صبر کیا۔
۸۔ یا کہے کہ ایسے صبر کرتا ہوں جیسے حضرت ایّوب علیہ السلام نے صبر کیا۔
۹۔ یا کہے کہ میرا صبر کرنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صبر کرنا ہے انھوں نے بھی دشمنوں کی دشمنی پر صبر کیا تھا بلکہ اس سے کچھ زیادہ حوصلہ فرمایا جیسے میں حوصلہ کر رہا ہوں متنبی کا شعر ہے : ؎

انا فی امۃ تداد کہا اللہ غریب کصالح فی ثمود

(میں ایسی قوم میں غریب ہوں اللہ تعالیٰ انھیں اچھا کرے جیسے حضرت صالح علیہ السلام ثمود میں غریب تھے)

جیسے مصری شاعر کا قول ہے کہ : ؎

کنت موسٰی و رفتہ بنت شعیب
غیر ان لیس فیکما من فقیر

وغیرہ وغیرہ۔ فقیر کی اس موضوع پر ایک تصنیف "گستاخ کا انجامِ بد" ہے۔ اس میں اسی رسالہ "تنزیہ الانبیاء عن تسفیہ الاغبیاء" کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ : ۱۔ سلیمان علیہ السلام عصا و زنبیل لے کر گدائی کرتے تھے لیکن تیرے کرم نے انھیں بادشاہ بنا دیا۔
۲۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیم اور کمزور غریب تھے۔ تیرے دروازے سے انعام پایا تو بہت اونچے ہوئے۔
ان میں گستاخی اس لیے ہے کہ دو انبیاء علیہم السلام کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔

ف : صالح علیہ السلام کمبل بُنتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام جُوتے سیتے اور پیوند لگاتے تھے۔ افضل کسب جہاد ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے نبوت و ہجرت کے بعد تمام زندگی مبارک اسی پر بسر فرمائی۔ اس کے بعد تجارت بشرطیکہ اس میں ذرہ برابر بھی خیانت نہ ہو۔ اس کے بعد کھیتی باڑی، اس کے بعد کوئی ہُنر۔ (کذا فی المختار والتحفہ) خبث یعنی حرام کمائیوں سے بچنا لازم ہے اسی لیے رنڈی اور کاہن کی اُجرت حرام ہے۔ اور کاہن ہر وہ انسان جو مستقبل اور ماضی کی خبریں دے یا ستارے کی نحس و سعد کا پتہ بتائے۔ اسی طرح کسی کو دولت مند یا غریب ہونے کی خبر دے۔

مسائل فقہیہ لہو و لعب کے آلات وغیرہ کی صنعت سے احتراز کرے۔ اسی طرح مُردوں کے کفن کی تجارت سے بچنا چاہیے اس لیے کہ ایسے شخص کو ہر وقت انتظار ہو گا کون کس وقت مرتا ہے۔ اسی طرح مُردوں کے لیے خوشبو، لوبان وغیرہ کی خرید و فروخت بھی نہیں چاہیے۔ اسی طرح احتکار بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح جانوروں کو ذبح کرنے کی مزدوری سے بھی دور رہنا چاہیے اس لیے کہ اس سے قلب سخت ہو جاتا ہے۔ اور زرگری کے پیشہ سے بھی بچنا چاہیے اس لیے کہ اس سے دُنیا کی زیب و زینت میں دل لگا رہتا ہے۔ اسی طرح ہر اس صنعت سے بچنا چاہیے جس کا دنیا کی زیب و زینت سے تعلق ہو۔ جیسے مکانات وغیرہ کا نقش و نگار، اور دیواروں پر چُونا اور رنگ لگانا وغیرہ۔ اسی طرح جو مردوں اور عورتوں کو بیچتا ہے۔ مروی ہے کہ تین شخصوں کو خسارہ ہی خسارہ ہے :

۱۔ انسانوں کو بیچنے والا
۲۔ درختوں کو کاٹنے والا
۳۔ گائے بیل ذبح کرنے والا

اسی طرح حجامت، جھاڑو، صفائی اور دباغت (اور اسی طرح کے وہ امور جن میں گندگی کا تعلق ہو) سے بچنا چاہئے کیونکہ نجاستوں سے متعلق امور انسان کی عزت و وقار کے منافی ہے۔

مسئلہ : ابن سیرین اور قتادہ کے نزدیک دلال کی اُجرت بھی مکروہ ہے اس لیے کہ کذب اور اپنے سامان کی بکری میں مبالغہ آمیز باتوں سے اس کا بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اعجوبہ : دلالی کا کام سب سے پہلے ابلیس نے کیا۔ کما قال : ھل ادلك علیٰ شجرۃ الخلد و ملك لا یبلی۔ (کذا فی روضۃ الاخیار)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو تابع فرمان کر دیا۔

سوال ؛ حضرت داؤد علیہ السلام کی تسخیر کو لفظ مع کے ساتھ اور سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کو لام کے ساتھ ایسا فرق کیوں ؟
جواب ؛ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ ہوا ہر طرح سے آپ کے زیر فرمان تھی جیسے کوئی شے کسی کی ملکیت ہو تو وہ اپنی ملکیت میں جس طرح اور جیسے اور جس وقت چاہے تصرف کرے۔ اسی لیے مفسرین نے اسے لام تملیک کی قرار دی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی تسخیر صرف عبادت کے لیے تھی کہ جبال وطیور آپ کے ساتھ عبادتِ الٰہی کی اقتداء کرتے۔

عَاصِفَةً یہ الریح سے حال ہے یعنی سخت اور تیز چلنے والی (ہوا) کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھا کر لے جاتی اور ایک دن میں ایک مہینے کی راہ پر پہنچا دیتی تھی لیکن نہایت نرم اور بادِ نسیم کی طرح خوشبو ناک تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہ چلنے میں نہایت تیز اور نرم کہ جس سے طبیعت کو فرحت اور سرور حاصل ہو اور سلیمان علیہ السلام کے حکم کی پابند تھی کہ جب وہ چاہتے تو چلتی اور جب ٹھہرانا چاہتے تو ٹھہر جاتی۔ یہ بھی سلیمان علیہ السلام کے معجزات سے ایک معجزہ تھا[2]۔ تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖۤ وہ چلتی تھی سلیمان علیہ السلام کے حکم یعنی ان کی خواہش اور ارادہ کے مطابق اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت بخشی۔ الارض سے شام کی ولایت مراد ہے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کو صبح کے وقت علاقہ شام میں لے جاتی اور دوپہر کے وقت تک ایک ماہ کی مسافت طے کر کے ملک کے کسی خطہ میں پہنچا دیتی پھر وہ اسی راہ سے زوال کے بعد سے اٹھا کر مغرب تک شام کی ولایت میں واپس لاتی۔ کما قال ، غدوھا شھرو رواحھا شھر۔

ف ؛ مقاتل نے لکھا کہ شیاطین اور جنات نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تین میل لمبا چوڑا ایک تخت تیار کیا جو ابریشم اور زر و جواہر سے تیار کیا گیا اس کے درمیان میں ایک سونے کی بڑی کرسی سلیمان علیہ السلام کے لیے، اس کے سامنے چند سونے کی کرسیاں دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے، اور چاندی کی کرسیاں علماء کے لیے تیار کی گئیں۔ ان کرسیوں کے گرد انسانوں کو اور انسانوں کے گرد جنات کو کھڑا کر دیا گیا۔ تمام تخت پر پرندے سایہ کرتے یہاں تک کہ سورج کی معمولی کرن بھی سلیمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں پر نہیں پڑتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس تخت کو صبح کے وقت اٹھا کر لے جاتی ایک مہینے کے سفر کو شام تک آمد و رفت میں طے کر لیتی اور سلیمان علیہ السلام شب و روز جنگ و جہاد میں مشغول رہتے یہاں تک کہ عالم دنیا میں کسی کونے میں جس کافر بادشاہ کا نام سنتے تو پہلے اسے دعوتِ حق بھجواتے ، اگر وہ انکار کرتا تو پھر اس کے ساتھ جہاد کرتے۔

ف ؛ کاشفی نے لکھا ہے کہ تلخیص میں ہے کہ ملک شام میں تدمر نام کا ایک شہر تھا اسے دیووں نے سلیمان علیہ السلام کے لیے

---

[1] ایسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کلی کی تقریر ہے اور دلیل ایک یہی بطریق نظیر کے پیش کی جائے اگرچہ وہابی نجدی دیوبندی مودودی نہیں مانیں گے لانھم قوم لا یعقلون۔ تفصیل رسالہ "مختارِ کل" میں ہے۔

[2] اس سے وہابیہ دیوبندیہ کا وہ اعتراض اُٹھ گیا کہ نبی علیہ السلام کے معجزات ان کے اختیار میں نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اختیار بحیثیت تخلیق اللہ تعالیٰ کا خاصہ اور بحیثیت ان کے اجراء و اظہار نبی علیہ السلام کے ہر وقت اختیار میں ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہ

تیار کیا تھا صبح کو وہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام نکلتے اور تمام عالم کے گرد پھرتے پھر نماز مغرب کے وقت آپ کو ہوا اسی شہر میں واپس لے آتی۔

مختار القصص میں ہے کہ صبح کو تدمر سے حضرت سلیمان علیہ السلام نکلتے اور اصطخر فارس میں استراحت فرماتے رات کو بابل میں جاتے۔ دوسرے دن بابل سے چاشت تک وقت اصطخر میں ہوتے اور شام کے وقت تدمر واپس آجاتے۔
بہرحال سلیمان علیہ السلام جہاں چاہتے ہوا آپ کے تخت کو وہاں لے جا کر پھر علاقہ شام میں واپس لاتی۔

ف: مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام صبح کے وقت عراق سے چلے اور نمرود کا مقابلہ کیا۔ اس کے بعد عصر کی نماز بلخ میں جا کر پڑھی۔ وہاں سے بلاد ترک اور چین تک پہنچے وہاں سے لوٹ کر بحر کے ساحل مطلع الشمس تک پہنچے یہاں تک کہ قندھار تشریف لائے وہاں سے مکران و کرمان سے ہوتے ہوئے فارس پہنچے وہاں چند روز ٹھہر کر کسکر کی طرف روانہ ہو کر شام کے وقت شام کی ولایت واپس تشریف لائے اور آپ کا دار الخلافہ شہر تدمر میں تھا۔ (کذا فی بحر العلوم)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

نہ بر باد رفتی سحرگاہ و شام
سریر سلیمان علیہ السلام
باآخر نہ دیدی کہ بر باد رفت
خنک آنکس کہ با دانش و داد رفت

ترجمہ: کیا سلیمان علیہ السلام کا تخت صبح و شام ہوا پر سفر نہیں کرتا تھا۔ بالآخر وہ بھی فنا ہو گئے۔ خوش قسمت وہ ہے جو دانائی اور انصاف سے دنیا سے رخصت ہوا۔

وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ اور ہم ہر شے کو جانتے ہیں اسی لیے ہم اپنی حکمت اور علم کے مطابق ہر شے کا اجراء کرتے ہیں **وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ** اور ہم نے دیووں میں سے سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیے **مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ** وہ جو دریا میں غوطہ لگا کر سلیمان علیہ السلام کے لیے نفیس اشیاء نکالتے۔

ف: امام راغب نے لکھا الغوص بمعنے دریا میں غوطہ لگا کر کوئی شے نکالنا۔ پھر ہر گہرے امر میں پڑ کر کوئی شے حاصل کرنے پر استعمال ہونے لگا وہ علمی گہرائی ہو یا کوئی اور۔ الغواص اسی محاورہ کا صیغۂ مبالغہ ہے۔

وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ اور دریا میں غوطہ لگا کر نفیس اشیاء نکالنے کے علاوہ اور کام بھی کرتے جیسے بڑے شہر اور مکانات بنانا اور عجیب و غریب مصنوعات تیار کرنا اور یہ وہی پہلا گروہ تھا یا یہ اور تھے کلمہ مَنْ کے عموم کا یہی تقاضا ہے گویا فرمایا: و من یعملون الخ۔

ف: مروی ہے کہ یہ کام جنات کے کافروں سے کرایا جاتا جیسا کہ و من الشیاطین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے اور

اہلِ ایمان جنات ایسے سخت کاموں سے مستثنیٰ تھے۔

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ اور تھے ہم ان دیووں کے لیے نگہبان کہ سرکشی اور بغاوت کر کے سلیمان علیہ السلام کے حکم سے باہر ہو جائیں یا زمین پر فساد ڈالیں جیسا کہ دیووں کی فطرت ہے۔

وہابیوں دیوبندیوں کو دعوتِ غور و فکر جنات، دیو اگرچہ اجسامِ لطیفہ ہیں لیکن اشکالِ مختلفہ میں متشکل ہو کر اعمالِ شاقہ پر قدرت رکھتے ہیں جیسے ہوا جسم لطیف ہونے کے باوجود بہت بڑی طاقت رکھتی ہے۔ (لیکن وہابی دیوبندی ان کو تو مانتے ہیں اگر ہم انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام کے لیے مانیں تو شرک۔ اب وہابی دیوبندی بتائیں کہ ان کا عقیدہ کیسا)

ف: سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جنات، دیو کھلم کھلا چلتے پھرتے، جنہیں لوگ آنکھوں سے دیکھتے اور سلیمان علیہ السلام کے زیرِ فرمان مختلف امور کے سرانجام دینے پر مامور تھے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ جنات، دیو سلیمان علیہ السلام کے زیرِ فرمان کیسے تھے جبکہ انھیں امورِ شاقہ کی انجام دہی میں ہر وقت ذلیل و خوار کیا جاتا تھا۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سلیمان علیہ السلام کا رُعب ڈال دیا تھا کہ سرِ مُو ان کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی تھا۔ (اس سے وہابیہ کے رد میں دُوسری نظیر قایم کی جا سکتی ہے کہ معجزات انبیاء علیہم السلام کے تحتِ قدرت ہوتے ہیں)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب انسان اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حسب مرتبہ نبوت و ولایت علویات و سفلیات کی اشیاء اس کے زیرِ فرمان کر دیتا ہے۔ ملک و ملکوت اس کے زیرِ نگین ہوتے ہیں۔ مثلاً سلیمان علیہ السلام کے لیے سفلیات سے ہوا، جنات، دیو، پرندے، حیوانات، خزانے اور نباتات مسخر فرمائے اور علویات میں سورج کو آپ کے حکم پر نماز کے لیے لوٹایا گیا۔ ایسے ہی داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑ، پرند، لوہا اور پتھر جس کے ذریعے جالوت کو قتل کیا اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی مسخر فرمائے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع و اعلیٰ ہر نبی علیہ السلام کے لیے علویات و سفلیات کی بعض چیزیں مسخر فرمائی گئیں لیکن ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علویات و سفلیات کی تمام اجناس زیرِ فرمان بنا دی گئیں۔ سفلیات کے متعلق خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ زویت لی الارض فرأیت مشارقہا و مغاربہا و سیبلغ ملک امتی ما زوی لی منہا۔ میرے لیے زمین لپیٹی گئی میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا جہاں تک میرے لیے زمین لپیٹی گئی وہاں تک میری اُمت ہوگی۔

۲۔ جعلت لی الارض مسجدا و ترابھا طھور۔ زمین میرے لیے مسجد اور اس کی مٹی پاک کرنے والی بنائی گئی۔

اور فرمایا:

۳۔ اتیت بمفاتیح خزائن الارض۔ مجھے زمین کے خزانے عطا کیے گئے ہیں۔

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلی مبارک سے پانی کے چشمے بہہ نکلے۔

اور فرمایا:

۵۔ نصرت بالصبا۔ میری مدد صبا سے ہوئی۔

۶۔ اشجار آپ کو صلوٰۃ وسلام عرض کرتے اور سجدہ ریز ہوتے۔

۷۔ آپ کے اشارہ سے درخت جڑوں سمیت حاضر حضور ہوتے اور پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے۔

۸۔ حیوانات آپ سے کلام کرتے اور آپ کی نبوت کی شہادت دیتے۔

اور فرمایا:

۹۔ اسلم شیطانی علیٰ یدی۔ میرا شیطان میرے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔

ان کے علاوہ سفلیات کی بے شمار مثالیں ہیں۔

اور عالم علویات میں سے بھی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا ؎

پس قمر کہ امر بشنید و شتافت
پس دو نیمہ گشت بر چرخ و شگافت

ترجمہ: چاند حکم سن کر دوڑا اور دو ٹکڑے ہوا اور نیچے اتر کر پھر آسمان کی طرف چلا گیا۔

براق، جبرائیل اور رفرف آپ کے تابع فرمان تھے۔ آپ شبِ معراج میں ساتوں آسمان، بہشت اور دوزخ اور عرش و کرسی کو عبور فرماتے ہوئے قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام تک پہنچے، بلکہ

فما بقی شیٔ من الموجودات الا وقد سخر لہ[1] (روح البیان ج ۵ ص ۵۱۲) موجودات کی ہر شے حضور علیہ السلام کے لیے مسخر کی گئی۔

---

[1] یہ حوالہ پڑھ کر وہابیوں دیوبندیوں مودودیوں کے آقا و مولا اسماعیل دہلوی کی عبارت "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" (تقویۃ الایمان) پر دم کر دیں۔

اویسی غفرلہ

نہ کسے در گرد تو ہرگز رسید

نہ کسے را نیز چندیں عز رسید

ترجمہ: آپ کی گرد تک کوئی نہ پہنچ سکا اور نہ ہی آپ جیسی عزت کسی کو ملی۔

ف: ومن الشیٰطین الخ میں اشارہ ہے کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں انہیں بہت بڑے امور کو سرانجام دینے کی طاقت بخشی لیکن اب ان میں ایسے امور کو سرانجام دینے کی طاقت نہیں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَیُّوْبَ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ایوب علیہ السلام کا واقعہ یاد کیجئے۔

ف: ان کے نسب میں اختلاف ہے۔ اگرچہ انتہا میں روم بن ابراہیم علیہ السلام تک سب کا اتفاق ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بستی حران کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ بستی دمشق کے نشیبی علاقوں میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرتِ اموال و اولاد سے نوازا۔ منقول ہے کہ آپ کے سات صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں اور جانوروں کا تو شمار نہ تھا۔ آپ پر ابلیس ملعون نے حسد کر کے کہا کہ اے اللہ العلمین! یہ تیرا بندہ عیش اور خیر و عافیت میں ہے اور بہت مال رکھتا ہے اور اس کی نیک اولاد بھی بکثرت ہے۔ اگر مال و اولاد چھین کر اسے بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے تو وہ بہت جلد تیری راہ سے پھر جائے گا اور ناشکری کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُو غلط کہتا ہے کیونکہ وہ میرا پسندیدہ بندہ ہے۔ اگر میں اسے ہزاروں بلاؤں میں بھی مبتلا کر دوں تب بھی وہ امتحان میں کامیاب ہوگا ؎

چناں در عشق بگرویم کہ گر تیغ زنی بر سر

بروز امتحاں باشم چو شمع استادہ پا برجا

ترجمہ: میں تیرے عشق کا ایسا گرویدہ ہوں کہ اگر میرے سر پر تلوار مارو تب بھی امتحان میں سر نہ ہلاؤں گا بلکہ تلوار کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہوں گا۔

شیطان کے اعتراض کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں ڈال دیا کہ تمام اونٹ بجلی سے اڑا دیے اور تمام بکریاں سیلاب میں بہا دیں۔ کھیتی ہوا کی نذر ہوگئی۔ اولاد دیوار کے نیچے دب کر مرگئی۔ جسم مبارک پر زخم ہوگئے یہاں تک کہ کیڑے[1] پڑگئے۔ سوائے ایک بیوی کے باقی تمام لوگوں نے آپ سے علٰحدگی اختیار کر لی۔

ف: ان کا امتحان بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہوا یعنی دونوں کی آزمائش مال، اولاد اور بدن سے ہوئی۔

---

[1] یہ قول مرجوح ہے کہ اس سے عام کیڑے مراد ہوں۔

ف : مروی ہے کہ ایسی آزمائش ایوب علیہ السلام سے پہلے ستر انبیاء علیہم السلام نے اختیار کی لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف ایوب علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔ اور ایوب علیہ السلام اس آزمائش میں اٹھارہ سال یا سات سال سات ماہ، سات دن سات گھڑیاں مبتلا رہے۔

اعجوبہ ایک بی بی رحمۃ بنت افرائیم بن یوسف علیہ السلام نے عرض کی آپ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے صحت و عافیت کی دعا مانگئے۔ آپ نے فرمایا کہ عیش و عشرت اور آرام میں کتنی زندگی گزری؟ بی بی صاحبہ نے کہا: اسی سال۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا آتی ہے کہ آرام کی زندگی کے مقابلہ میں دُکھ کی زندگی تھوڑی ہے۔ اگر عرض کروں تو ناموزوں بات ہے۔

ف : ہر سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آواز آتی کہ اے ایوب (علیہ السلام)! کیا حال ہے؟ تو ایوب علیہ السلام شوق و ذوق سے ٹھنڈی سانس کھینچ کر عرض کرتے کہ اے مولیٰ کریم! آپ کے دیئے ہوئے تحفے سے خوش ہوں۔

شعر

گر بر سر بیمار خود آئی بعیادت

صد سالہ بامید تو بیمار تواں بود

ترجمہ : اگر بیمار پرسی کے لیے آپ تشریف لائیں تو آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں سو سال بیماری میں بسر کرنا بھلا لگتا ہے۔

ایک ضعیف قول ایوب علیہ السلام کے جسم پر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار کیڑے مسلط فرمائے۔ اس لیے کامل لشکر بارہ ہزار کی تعداد سے ہوتا ہے۔ کما قال علیہ السلام:

اثنا عشر لن یغلب عن قلۃ ابداً۔ بارہ ہزار کا لشکر قلت کے باوجود کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

ف : اللہ تعالیٰ کا لشکر:

۱۔ کیڑے

۲۔ مچھر۔ نمرود کی پٹائی اسی لشکر سے ہوئی۔

۳۔ ابابیل نے صاحب الفیل کو فنا کیا۔

۴۔ ہدہد عوج کو مٹانے کے لیے اور کبوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے حاضر ہوئے۔

صبرِ ایوب علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے تمام جسد اطہر کو کیڑے کھا گئے صرف ہڈیاں، دل، زبان، کان، آنکھیں باقی رہ گئیں۔ جب ایک کیڑا ایوب علیہ السلام کے قلب مبارک اور زبانِ اطہر پر پہنچا، چونکہ قلب منبعِ معرفت اور معدنِ نبوت و ولایت اور زبان مصدر ذکر و مورد توحید ہے اسی لیے

غیرت کھائی اور خطرہ محسوس کیا کہ اگر یہ اعضاء بھی باقی نہ رہے تو طاعت الٰہی اور تسبیح حق سے رہ جاؤں گا۔ اور ادھر آزمائش کی گھڑیاں بھی ختم ہو چکی تھیں اور حالت بھی کمزور ہو چکی تھی یہاں تک کہ کھڑے ہو کر نماز بھی ادا نہ کر سکتے تھے۔ مقامِ ابتلا میں فنائے کلی نصیب ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک دعا القا فرمائی تاکہ مقامِ بقا کو حاصل کریں اور انھیں جلال کے بعد تجلی جمال اور دُکھ درد کے بعد دولتِ بقا سے نوازے۔

چنانچہ ایوب علیہ السلام کے اس مقام کی یُوں خبر دی **اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ** جب کہ ایوب علیہ السلام نے دعا مانگی کہ **اَنِّیْ** بے شک مجھے **مَسَّنِیَ الضُّرُّ** دُکھ اور تکلیف پہنچی ہے۔

ف: الضر بالفتح ہر قسم کی تکلیف پر استعمال ہوتا ہے، بالضم خاص قسم کی تکلیف جو انسان کے وجود میں مرض یا کمزوری وغیرہ کو پہنچے۔

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اور تو ارحم الراحمین ہے کہ ہم ہر دکھ اور درد کے وقت تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

نکتہ: ارحمنی کہنا تھا لیکن ایوب علیہ السلام نے ایسے طریق سے سوال کیا کہ جس میں لطفِ الٰہی کو خود بخود بندے پر توجہ ہو اور اسی میں ادب بھی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی اکثر دعائیں اسی طرح اشاروں کنایوں سے ہوتی ہیں ؎

وفی النفس حاجات وفیك فطانة

سکوتی بیان عندھا وخطاب

ترجمہ: دل میں تمناؤں کا انبار ہے اور تم انھیں خوب جانتے ہو، میرا سکوت اور خاموشی انہی کا بیان اور اظہار ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست

در حضرت کریم تمنا چہ حاجتست

ترجمہ: ہم بڑے حاجت مند ہیں لیکن سوال کی ضرورت نہیں اس لیے کہ کریم کے سامنے اظہارِ تمنا کیسا۔

سوال: تم نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام اشاروں کنایوں سے معروضات پیش کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے اس لیے کہ زکریا علیہ السلام کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے۔ کما قال: ھب لی من لدنك ولیاً۔

جواب: ہم نے اکثر کی قید لگائی اور پھر اشارے کنایے ایسی دعاؤں میں ہوتے ہیں جو دکھ درد ٹالنے کے لیے ہوں تاکہ تصریح سے شکایت کا اشتباہ نہ ہو باقی ضرورت کی تصریح ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں۔

حکایت ایک بڑھیا نے سلیمان بن عبد الملک کے ہاں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے گھر میں چوہے قلابازیاں کھا رہے ہیں۔ اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے گھر میں کھانے پینے کی کوئی شے نہیں۔ بڑھیا کو سلیمان بن عبد الملک نے کہا تو نے سوال میں لطافت دکھائی ہے اس لیے میں تیرے لیے انتظام کروں گا۔ بڑھیا نے سُن کر خوشی سے تیندوا[1] کی طرح قلابازی

---

[1] درندہ کی ایک نوع جو کتے سے بڑا اور چیتے سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے بدن پر چھوٹے چھوٹے سیاہ داغ ہوتے ہیں۔ اسے عربی میں فہد کہتے ہیں، اس کی جمع فہود ہے۔ ۱۲

کھائی۔ سلیمان بن عبد الملک اس کی مزید عجوبہ سازی سے بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اس کے گھر کو غلہ سے بھر دیا۔

ف: ایوب علیہ السلام کی دعا عجز و انکسار اور اپنی تنگی اور محتاجی کے اظہار پر مبنی تھی۔ اس میں جزع و فزع اور شکایت نہیں تھی جیسے عموماً اضطرار میں ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں استجابت کا مژدہ سنایا اور اناوجدناہ صابرا سے ان کی مدح فرمائی۔ بالفرض اگر مانا جائے کہ وہ شکایت تھی تو کیا حرج ہے۔ جب انھوں نے غیر سے تو شکایت نہیں کی بلکہ اپنے مالک و مولیٰ سے عرض کیا ہے اور یہ صبر جمیل کے منافی نہیں۔ لیکن جیسے یعقوب علیہ السلام نے کہا: انما اشکوا بثی حزنی الی اللہ فصبر جمیل۔

فائدہ صوفیانہ عارف کامل جو معرفت الٰہی میں کامل اور محقق ہو تو اس کا شکوہ انبساط کی حقیقت اور اس کی ندا مناجات کی تحقیق اور محبوب کی آزمایش سے غمگینی مباہات کی حقیقت اور عشق کی زبان تضرع و حکایت کے ساتھ ہوتی ہے اسے شکایت اور جزع فزع نہیں کہا جاتا جیساکہ عاشق رومی نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت مے کند
از جدائیہا شکایت مے کند

ترجمہ: نے سے سنو کیا کہتا ہے، وہ جدائیوں کی شکایت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو بھی ایوب علیہ السلام کی طرح مصائب میں مبتلا ہو کر شکوہ و شکایت (عاجزانہ) کرے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بشریت مصائب سے المناک ہوتی ہے جس کی بشریت خبر دیتی ہے لیکن چونکہ روحانیت تائید الٰہی سے مؤید ہوتی ہے اسی لیے وہ مصائب کے وقت بھی نور الٰہی کو دیکھتی اور سمجھتی ہے کہ آزمائش کرنے والے کی طرف سے کمال عنایت ہے بلکہ زحمت کے پردے میں رحمت فرما رہا ہے اس سے نفس کی تربیت مطلوب ہوتی ہے۔ اس سے انسان مقام صبر اور رتبۂ نعمت عبدیت کو پہنچتا ہے جس کے متعلق وہ مسنی الضر سے خبر دیتا ہے لیکن بشریت کی حیثیت سے، اور وہ عرض کرتا ہے کہ اے الٰہ العالمین! یہ جو کچھ مجھے مصائب میں مبتلا ہونا پڑا یہ بھی تیرے فضل کا نور ہے اور تو ارحم الراحمین ہے اس لیے کہ تو نے ہی مجھے دکھ درد عنایت فرما کر اور قوت صبر عطا کرکے رحم فرمایا ہے کہ میں اپنے نفس کے صفات سے پاک اور صاف ہو کر فنا سے تیرے صفات کی بقا پائی اور ان صفات سے ایک بھی صبر ہے اور یاد رہے کہ صبر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندے کی صفت ہے تو مجازاً۔ کما قال: واصبر وماصبرك الا باللہ۔ اور الصبور صرف (حقیقۃً) اللہ تعالیٰ ہے اور بس۔

تفسیر عالمانہ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پس ہم نے ایوب علیہ السلام کی دعا مستجاب فرمائی فَكَشَفْنَا پس ہم نے ان سے رنج اور دکھ ٹال کر انہیں شفا بخشی۔

ایوب علیہ السلام کی شفایابی کا قصہ مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جمعہ کے دن سحر کے وقت یا زوال کے وقت حکم ہوا کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کی دعا مستجاب

ہو چکی ہے ۔ اب یُوں کیجئے کہ اپنا پاؤں مبارک زمین پر ماریئے ۔ جب ایوب علیہ السلام نے اپنا پاؤں مبارک زمین پر مارا تو اس سے پانی کا ایک چشمہ بہہ نکلا ۔ اس سے آپ نے غسل فرمایا جس کی برکت سے آپ کے جسم پر نہ کوئی کیڑا رہا نہ زخم ۔ پھر دوبارہ زمین پر پاؤں مبارک مارا تو دُوسرا چشمہ نکلا اس سے آپ نے پانی پیا تو پیٹ کی تمام بیماریاں دفع ہوگئیں اور آپ نہ صرف مکمل طور پر صحت یاب ہوگئے بلکہ آپ کی جوانی لوٹ آئی اور حُسن و جمال نکھرا ۔ آپ نے ایک نئی پوشاک پہنی ۔

فائدہ صُوفیانہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام کی اسی لیے آزمائش کی گئی کہ ریاضات شاقہ اور قسم قسم کے مجاہدات بدنیہ سے آپ کے مقامات علیا کی تکمیل ہو اس لیے آپ کو حکم ہُوا کہ بشریت کی زمین کو زد و کوب کریں تاکہ انھیں حقیقت کا پانی مثالی صورت میں نصیب ہو اور آپ اس سے غسل فرمائیں تاکہ آپ کے جسم سے امراضِ جسمانیہ اور قلب سے امراضِ روحانیہ دُور ہوں ۔ خلاصہ یہ کہ ایوب علیہ السلام جب مجاہدہ سے فارغ ہوئے اور آپ کی استعداد صاف و شفاف ہوگئی اور اس قابل ہُوئے کہ آپ کو فیضِ الٰہی سے نوازا جا سکے تو حضرت روحانیہ سے آپ کو آبِ حیات نصیب ہوا جس میں آپ نے غسل فرمایا تو آپ کے ظاہری و باطنی اور بُعد کے حجابات اُٹھ گئے اور مشاہدات ربانیہ سے سرفراز ہُوئے ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ریشم کے کیڑے میں نبوت کے فیوض و برکات بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رذیل ترین مخلوق کیڑے کی شان بلند ہوئی تو اسے ایوب علیہ السلام کے جسمِ اطہر سے چمٹنے کا موقعہ بخشا تاکہ ارذل سے اشرف اور انقص سے اکمل ہو جائیں جیسے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جگہ دے کر شرافت اور بزرگی سے ہمکنار فرمایا ایسے ہی کیڑے نے ایوب علیہ السلام کی صحبت سے رذالت سے شرافت پائی کہ جب وُہ ایوب علیہ السلام کے جسمِ اطہر سے گرے تو درخت پر چڑھے تو ان کے لعاب سے ابریشم نکلا ۔ اور اس کی قدر و قیمت سب کو معلوم ہے اور اس کی یہ قدر و قیمت کیڑے کی ذاتی نہیں بلکہ نبوت کے فیوض و برکات کا کرشمہ ہے ۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱	گِلی خوشبوے در حمام روزے	رسید از دست محبوبے بدستم
۲	بدو گفتم کہ مشکے یا عبیرے	کہ از بُوئے دلآویز تو مستم
۳	بگفتا من گل ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گل نشستم
۴	کمالِ ہم نشیں بر من اثر کرد	وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

ترجمہ : ۱ ۔ حمام کی خوشبو دار مٹی مجھے محبوب کے ہاتھ سے ملی ۔

۲ ۔ میں نے اسے کہا کہ تُو مشک ہے یا عنبر کہ تیری دل لوٹنے والی خوشبو سے مست ہوگیا ہوں ۔

۳ ۔ کہا میں ایک مٹی ناچیز ہوں لیکن گلاب کے ساتھ ایک عرصہ گزارنے کا مجھے موقع نصیب ہوا ہے ۔

۴ ۔ ہمنشیں کے کمال نے مجھ میں اثر فرمایا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جیسا کہ سب کو معلوم ہے ۔

بزرگوں کی صحبت مشائخ نے فرمایا کہ شریف وعزیز کی صحبت سے انسان شریف وعزیز بنتا ہے اور کمینے اور رذیل کی صحبت سے انسان کو کمینگی اور رذالت نصیب ہوتی ہے۔ دیکھیے بادِ صبا جب باغات سے گزرتی ہے تو اس میں خوشبو ہوتی ہے اور جب وُہ غلاظت سے گزرتی ہے تو اس میں بدبو ہوتی ہے۔ اسی طرح جو نفس کی سنگت اختیار کرتا ہے اسے ذلت و رسوائی ملتی ہے اور جو اخلاق اروا ح سے سرفراز ہوتا ہے تو اسے شرافت اور بزرگی نصیب ہوتی ہے۔

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ

وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ اور ہم نے انھیں عطا کیے ان کے اہل اور ان جیسے ان کے ساتھ۔ اور یہ کہ پہلی اولاد سے دُگنی اولاد پیدا ہوئی۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ محترمہ کو بھی جوانی لوٹا دی اور آپ کے ہاں چھبیس بچے پیدا ہُوئے اور آپ کو بے پایاں مال عطا ہوا۔ آپ غربا و مساکین پر بحد رحم فرماتے اور یتامیٰ و بیوگان کی کفالت اور مہمان نوازی میں بے نظیر تھے۔ اور مسافروں پر لطف و کرم فرماتے۔

سونے کی ٹڈی حدیث شریف میں ہے کہ ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے تو آسمان سے آپ پر ٹڈی کے پاؤں کی مانند سونے کے ٹکڑے گرے، جنہیں ایوب علیہ السلام سمیٹ کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایوب! کیا تجھے میں نے غنی نہیں کیا، پھر اس معمولی سونے کی کیا ضرورت ہے۔ عرض کی: یا اللہ! تیری برکت کے حصول کے لیے سمیٹ رہا ہُوں ورنہ مجھے مال و دولت کی تو کوئی کمی نہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ حلال اور طیب مال کی کثرت و وفرت مباح ہے۔

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اور ایوب علیہ السلام کو مال و دولت سے نوازنے اور رحمت خاصہ عنایت فرمانے کے لیے کیا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ اور دُوسرے عبادت گزار لوگوں کی نصیحت و عبرت کے لیے انھیں مال و دولت سے نوازا تاکہ دُوسرے عبادت گزاروں کو معلوم ہو کہ ہم بہت بڑی قدرت کے مالک ہیں۔ اگر وہ صبر کریں جیسے ایوب علیہ السلام نے صبر کیا تو ثواب پائیں گے جیسے انھیں اجر و ثواب سے نوازا گیا اور مال و دولت اور آل و اولاد سے بھی ؎

۱ ہر کہ او در راہِ حق صابر بود
بر مراد خویشتن قادر بود

۲ صبر باید تا شود یکسر حرج
زانکہ گفت الصبر مفتاح الفرج

ترجمہ: ۱۔ جو کوئی راہِ حق میں صبر کرتا ہے اپنی مراد پہ قدرت پاتا ہے۔
۲۔ صبر چاہیے تاکہ حرج دور ہو، اس لیے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

ف : ایوب علیہ السلام کی آزمائش تھی کہ انھیں ایسے مصائب میں مبتلا کیا گیا تاکہ مخلوق کو ان کے درجاتِ علیا کا علم ہو کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے کتنے بڑے مراتب کے مالک ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو اذکرنی عند ربک کے کہنے سے دنیوی عاقبت سے دوچار کیا گیا اور یحییٰ علیہ السلام کو کفار نے ذبح کر ڈالا۔ ان کی یہ مصیبت ان کی کرامت اور مراتب کو بلند کرنے کے لیے تھی اس لیے کہ آپ سے زندگی بھر اور غلطیاں تو درکنار آپ سے خلافِ اولیٰ بھی صادر نہ ہوا بلکہ اس کے ارادہ تک کا ارتکاب نہ کیا۔

وَاِسْمٰعِیْلَ اور یاد کرو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اسمٰعیل علیہ السلام کے قصہ کو۔ اسمٰعیل بمعنے مطیع اللہ۔ وَاِدْرِیْسَ آپ کا اسم گرامی اخنوخ بن بردبن مہلائیل۔ بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کو ادریس اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ کثرت سے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ اس کی تحقیق ہم نے پہلے بیان کر دی ہے۔ وَذَا الْكِفْلِ۔ کفل بمعنے کفالت و ضمانت۔ وہ اس لیے کہ بنی اسرائیل کے کسی ایک نبی کے ہاں وحی آئی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی روح قبض کروں اور آپ اپنا ملک بنی اسرائیل کے کسی ایسے بندے کے سپرد کر دیں جو اس بات کی ضمانت دے کہ پابندی سے تمام رات نماز پڑھتا رہے گا، ذرہ بھر بھی آرام نہ کرے گا، سستی نہ کرے گا۔ دن کو روزہ رکھے گا، روزہ میں ناغہ نہ کرے گا۔ لوگوں میں حق کا فیصلہ کرے گا اور کسی پر ناراض نہ ہوگا۔ جو ان امور کی پابندی کے لیے تیار ہو جائے تو اپنی بادشاہی اس کے سپرد کر دو۔ جب پیغمبر علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر یہ بات ظاہر کی تو ایک جوان نے حامی بھری اور کہا کہ :

انا اتکفل بہا۔ میں اس کی کفالت کروں گا۔

پیغمبر علیہ السلام نے ملک اس جوان کے سپرد کر دیا۔ اس نے ایفائے عہد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے انعام کے طور خلعتِ نبوت سے نوازا۔ اس لیے وہ ذوالکفل کے نام سے مشہور ہوئے۔

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ وہ سب یعنی اسمٰعیل و ادریس و ذوالکفل علیہم السلام صبر کرنے والوں سے تھے یعنی طاعات و عبادات کی مشقات اور بلیات کی برداشت سے مکمل طور پر صبر کرنے والے تھے۔ مثلاً ذبح کے وقت اسماعیل علیہ السلام نے صبر کیا اور عرض کی :

یا ابت افعل ما تؤمر (الآیہ)

اور ایسے ویران اور جنگل کے مقام میں رہنے پر صبر کیا جہاں نہ کھیتی تھی اور نہ آبادی۔ اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نسل سے پیدا فرمایا اور ادریس علیہ السلام نے درس و تدریس میں صبر فرمایا اور ذوالکفل علیہ السلام نے صیام النہار اور قیام اللیل اور حکومت میں لوگوں کی اذیتوں پر صبر فرمایا کبھی بھی ان پر خفا نہ ہوئے۔

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور معصیت سے بچنے کی تکالیف اور جانی و مالی مصائب پر صبر کرتا ہے تو اسے صبر کے مطابق مراتب عبدیت کے مراتب سے نوازتا اور اسے

مخصوص رحمت میں داخل ہونے کا اہل بناتا ہے۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اور ہم نے انہیں رحمتِ خاصہ میں داخل کیا، جیسے نبوت وغیرہ۔ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ بیشک وہ صلاح اور نیکی میں کامل ترین لوگوں میں سے تھے۔ اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام مراد ہیں ان کا صالح ہونا بایں معنے کہ وہ ہر فساد اور گناہ سے معصوم تھے۔

مسئلہ: علماً فرماتے ہیں کہ عام مومنین سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے اگر وہ بہ مطابق قانونِ شرع توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اور اولیاء کرام گناہ نہیں کرتے اگرچہ ان سے گناہوں کے صدور کا امکان ہے اس لیے کہ وہ لوگ جائز الخطا ہیں۔ لیکن منجانب اللہ محفوظ ہوتے ہیں۔

ملفوظ بایزید قدس سرہٗ سیدنا بایزید قدس سرہٗ سے پوچھا گیا: کیا عارف باللہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کون ٹال سکتا ہے اگر عارف باللہ سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اسے مقام عرفان کی طرف لوٹنے کی توفیق بخشی جاتی ہے بشرطیکہ وہ حقیقی عارف باللہ ہو (زبانی جمع خرچ کرنے والا اور شیطان کا کھلونا اور رسمی عارف نہ ہو) حقیقی عارف کو توبہ خالص پہلے مقام تک پہنچا دیتی ہے اور اس کی درمیانی غفلت سے غلطی کا ازالہ یوں ہو جاتا ہے کہ گویا اس سے غلطی ہوئی ہی نہیں۔ یعنی اپنے مرتبۂ اول سے بالکل نہیں گرا بلکہ بدستور مرتبۂ اول پہ ہے جیسے سیدنا ماعز صحابی رضی اللہ عنہ سے زنا کا ارتکاب ہوا اور انہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم بھی فرمائی باوجود اینہمہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو قسمت اھل السمٰوٰت والارض لوسعتھم۔ اگر جملہ اہل السماء والارض کی توبہ کا موازنہ کیا جائے تو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوگا۔

مسئلہ: حضرات انبیاء علیہم السلام سے نہ کبھی گناہ ہوا اور نہ اُن سے گناہوں کے صدور کا امکان ہے اس لیے کہ وہ فطرۃً معصوم ہوتے ہیں۔

ف: صلاح (صالح ہونے) کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ بندہ احکام و شرائع پر حتی الامکان پابندی اور جمیع محذورات و منہیات شرع سے بچنے کی کوشش کرے اور انتہائی مرتبہ ہے کہ ہر وقت توجہ صرف رب الارباب کی طرف ہو اور جملہ عالم کے تصورات اور خیالات سے فارغ ہو۔ یہی مقامِ صدیقیت ہے۔

ف: بعض بندوں کی اصلاح تخلیقی ہوتی ہے اور بعض میں کسبی، وہ اس طرح کہ اس کے اندر فساد وغیرہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دُور فرما دے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے خوش قسمت بندے بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ازل سے ہی اپنی ذات کے لیے چُن لیا۔ ایسے حضرات فطرۃً ایسے پاکدامن ہوتے ہیں کہ انھیں لمحہ بھر بھی اللہ تعالیٰ غیر کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ اور بعض دُوسرے وُہ کہ جن کو غیر اللہ کی توجہات نے گھیرا تو سہی لیکن وہ اس کے ازالہ میں

لگے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فنا کے بعد بقا نصیب ہوئی۔

ف : صبر بھی اسی صلاح کے مراتب سے ہے۔ حضرت یزید الرقاشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب انسان قبر میں مدفون ہوتا ہے تو نماز اس کے دائیں جانب اور زکوٰۃ بائیں جانب ہوتی ہے اور نیکی سر پر چھتری کی طرح ہوتی ہے۔ اور صبر بندے سے ازالۂ عذاب کی جدوجہد کرتا ہے یہاں تک کہ دوسرے اعمال صالحہ سے فرمائے گا کہ اگر تم اس بندے کو عذابِ الٰہی سے بچا سکتے ہو تو الحمدللہ، ورنہ میں اکیلا ہی اس کی نجات دلانے کے لیے کافی ہوں۔

ف : اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صبر تمام اعمال صالحہ سے افضل اور بزرگ ترین صفات طلب رضائے الٰہی ہے وہ اس لیے کہ صبر صرف بلا و مشقت کے وقت ہوتا ہے اور انسان کو بھی ترقی صرف صبر کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے صرف بلا و مشقت ترقی کا سبب نہیں اس لیے کہ اگر صرف بلا و مشقت ہی ترقیِ درجات کا موجب ہوتی تو تمام مشرکین وکفار کو بھی بلاؤں اور مصیبتوں کی وجہ سے ایسی سعادت سے نوازا جاتا حالانکہ جملہ اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ وہ ایسے مصائب و تکالیف سے دُنیوی عذاب میں مبتلا کیے گئے تھے البتہ اہلِ ایمان کو مصائب و تکالیف پر صبر کرنے کی وجہ سے ترقیِ درجات نصیب ہوئی اور جرائم و معاصی کی معافی کا موجب بنے بلکہ ان کے وجود کے لیے یہ مصائب و تکالیف اکسیر بن کر آئے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱	صد ہزاراں کیمیا حق آفرید	کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید
۲	چوں بمانی بستہ در بند حرج	صبر کن الصبر، مفتاح الفرج
۳	شکر گویم دوست را در خیر و شر	زانکہ ہست اندر قضا از بد بتر
۴	چونکہ قسام اوست کفر آمد گلہ	صبر باید صبر مفتاح الصلہ
۵	غیر حق جملہ عدو اند اوست دوست	با عدو از دوست شکوت کی نکوست
۶	تا دہد دوغم نخواہم انگبیں	زانکہ ہر نعمت غمی دارد قریں

ترجمہ : ۱۔ لاکھوں کیمیا حق نے پیدا فرمائے ہیں لیکن آدم علیہ السلام میں صبر جیسا اور کوئی کیمیا نہیں۔

۲۔ جب کوئی حرج اور تنگی میں مبتلا ہو تو صبر کر کیونکہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

۳۔ میں شکر کرتا ہوں ہر خیر و شر میں کیونکہ تقدیر ہر بُرائی بھلائی لکھی ہوئی ہے۔

۴۔ جب ہر امر کا قاسم وہی ہے تو پھر شکوہ کفر ہے، صبر کیجئے، اس لیے کہ صبر صلہ و انعام کی کنجی ہے۔

۵۔ جملہ عالم ہمارا دشمن ہے صرف اللہ تعالیٰ دوست ہے۔ دوست کا شکوہ دشمن سے کرنا اچھا نہیں۔

۶۔ میں شہد نہیں مانگتا کیونکہ اس میں دو غم لاحق ہوں گے کیونکہ ہر نعمت پر غم ملتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَذَا النُّوْنِ اور مچھلی والے کو یاد کیجئے۔ نون بمعنے حوت یعنی مچھلی۔ اور ذو النون سے حضرت یونس بن متّٰی علیہ السلام مراد ہیں۔

ف : متّٰی بفتح المیم وتشدید التاء لمثناۃ۔ بعض نے فرمایا کہ متّٰی یونس علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے۔ (کذا فی جامع الاصول) اور حضرت عطاؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت کعب سے متی کے بارے میں سوال کیا کہ متی یونس علیہ السلام کے والد کا نام ہے یا والدہ کا؟ انھوں نے فرمایا کہ متی ان کے والد کا نام تھا اور ان کی والدہ کا نام بدورۃ تھا۔ اور یہ بی بی صاحبہ ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں اور یونس علیہ السلام کو ذو النون اور سورۃ ن والقلم میں صاحب الحوت سے یاد کرنے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی مدح وثنا فرمائی ہے وہاں ذو النون سے یاد فرمایا ہے اور جہاں ان کا صرف واقعہ بیان فرمایا ہے تو وہاں صاحب الحوت کا لقب دیا ہے۔

قاعدہ : لفظ ذو کی اضافت لفظ صاحب کی اضافت سے اشرف واعلیٰ ہوتی ہے اس لیے کہ ذو تابع کی طرف مضاف ہوتا ہے اور لفظ صاحب متبوع کی طرف۔ مثلاً ہم کہتے ہیں : ابوہریرہ صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ نہیں کہ ہم کہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ذو کی شرافت اضافت مشہور ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ذو الجلال اور ذو العرش۔

قاعدہ : ایک اسم کی دوسرے اسم کی طرف اضافت پہلے کا تابع اور دوسرے کا متبوع ہونا ظاہر کرتا ہے (یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں۔

نکتہ : چونکہ لفظ نون حروف تہجی میں سے ایک ہے۔ اور حرف نون اوائل السور میں بھی آیا ہے۔ مثلاً ن والقلم الخ اس اعتبار سے لفظ ذو النون لفظ صاحب الحوت سے اشرف واعلیٰ ہے۔ (کذا قال الامام السہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ)

اِذْ ذَّهَبَ یاد فرمائیے ان کے چلے جانے کے وقت کو **مُغَاضِبًا** اپنی قوم سے ناراض ہو کر کہ انھوں نے ان کی دعوتِ اسلام کیوں قبول نہیں کی اور ان کی قوم سے اہلِ نینوٰی مراد ہیں اور وہ ایک بستی کا نام ہے ان کا قصہ اور ان کے مفصل حالات اور یونس علیہ السلام کی کیفیت ہم نے پہلے لکھ دی ہے۔

ف : مغاضبًا باب مفاعلہ مبالغہ کے معنے پیدا کرنے کے لیے ہے یعنی اس سے ظاہر کرنا ہے کہ یونس علیہ السلام کو اپنی قوم پر سخت ناراضگی ہوئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ انھوں نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا جب وعدے کا وقت قریب آیا تو ان لوگوں نے بارگاہِ حق میں عجز ونیاز اور آہ وزاری کی اللہ تعالیٰ کو ان کے حال پر رحم آیا اس لیے ان سے عذاب ٹال دیا۔ چونکہ یونس علیہ السلام انھیں عذابِ الٰہی کا وقت بتا کر ناراضگی سے چلے گئے تھے لیکن جب تاریخ معیّن کے بعد تشریف لائے تو وہ لوگ عذاب سے محفوظ تھے یونس علیہ السلام نے خیال کیا کہ اگر میں ان کے ہاں گیا تو اب وہ میری تکذیب کریں گے۔ اس لیے غضب ناک ہو کر باہر تشریف لے گئے۔ اسی کی تفصیل ہم لکھ آئے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل حقی

رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی قول مناسب تر ہے اس لیے کہ شیخ نجم الدین کی تاویلات کے موافق ہے اور وہ اہلِ یقین کے نزدیک محققین سے ہے۔

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ تو یونس علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے۔ یہ قدر علیٰ عیالہ قدراً سے ہے بمعنے اضیق۔ اور قدرت علیہ الشئی بمعنے ضیقت علیہ ہے۔ گویا اس معنے پر اسے ایک اندازہ پر محدود کردیا گیا ہے۔ یہ بغیر حساب کی صفت کی نقیض ہے اگرچہ نبی یونس علیہ السلام معصوم تھے۔ ان سے ایسا فعل صادر ہونا ممتنع ہے لیکن انھیں اس شخص جیسا قرار دیا گیا جو ایسے وقت ایسا گمان کرے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جب انسان پر غضب غالب ہوتا ہے تو اس کی عقل بحال نہیں رہتی بلکہ اس سے نورِ ایمان بھی محجوب ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بدگمانیاں کرتا ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں اگرچہ کوئی نبوت کا حامل بھی کیوں نہ ہو (مگر نبی علیہ السلام کی اس حالت پر کسی قسم کی گرفت نہیں) سوائے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے اندر وہ قوتِ کاملہ تھی کہ غضب اور غیر غضب میں سوائے حق کے آپ کے دہن مبارک سے اور کوئی شے صادر نہ ہوتی۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق محبوب ہے کہ اگرچہ کتنے گنہگار بلکہ عذاب کے مستحق بھی ہوں تب بھی اپنے نبی علیہ السلام کے مطالبہ کے باوجود انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ ان سے چاہتا ہے کہ وہ اس سے استغفار کریں اور عذاب کے ٹل جانے کے لیے معافی چاہیں۔ چنانچہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

فاعف عنهم واستغفر لهم۔

اور جب حضور علیہ السلام کافروں کو بددعا اور لعنت کرنے لگے تو کافروں کی خاطر فرمایا:

ليس لك من الامر شئ او يتوب عليهم او يعذبهم فانهم ظلمون۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی قوم سے ناراض ہو کر بحرِ روم کی طرف چلے تو کشتی پار جانے کے لیے تیار تھی آپ بھی لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئے۔ جونہی کشتی دریا کے درمیانی حصے میں پہنچی تو رک گئی، نہ آگے ہوتی تھی نہ پیچھے ہٹتی تھی۔ ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی نافرمان اور گنہگار اور اپنے آقا سے بھاگا ہوا انسان بیٹھا ہے جب تک وہ یہاں ہے کشتی نہیں چلے گی اور ہماری عادت ہے کہ ہم پردہ فاش نہیں کرتے بلکہ قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام قرعہ نکلے اسے دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ تین بار قرعہ ڈالا گیا ہر بار یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ آپ نے فرمایا وہ عاصی و آبق بندہ میں ہی ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگا دی۔ آپ کو مچھلی نے لقمہ بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ میرے اس پیارے بندے کو بال برابر بھی ضرر نہ پہنچانا اس لیے کہ میں نے تیرے پیٹ کو اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ یہ تیرا لقمہ نہیں ہے۔

تفسیر عالمانہ فَنَادٰی یہ فاء فصیحیہ ہے۔ قرعہ اندازی کے بعد دریا میں مچھلی کے پیٹ کے اندر پہنچتے ہی یونس علیہ السلام نے پکارا فِی الظُّلُمٰتِ تاریکیوں میں۔ یعنی ایک دریا، دوسرے مچھلی کا پیٹ، تیسرے رات کی تاریکی۔

ف: شیخ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ میرے نزدیک وہ تاریکی شش جہات سے تھی جیسا کہ حضور علیہ السلام کی حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں نے اپنے امتی کو دیکھا کہ اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اور اس کے اوپر نیچے تاریکی ہی تاریکی ہے اور وہ ان تاریکیوں میں حیران وسرگردان ہے۔

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ یہ ان تفسیریہ ہے۔

فائدہ صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ رُوح شریف کو دنیائے عالم کے دریا میں پھینکا گیا تو اسے نفس امّارہ کی مچھلی نے لقمہ بنا لیا اور یہ نادر امر ہے کہ نفس کی آفات سے روح صحیح سالم رہتی ہے۔ یعنی نفس روح کے صفات کے اندر تغیر و تبدل نہیں کر سکتا وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نفس کی طرف پیغام بھیجتا ہے کہ تُو نے رُوح کو کچھ نہیں کہنا اس لیے کہ روح چند روز تیری قید میں رکھی گئی ہے اسے تیرا لقمہ بنا کر نہیں بھیجا گیا یہ وہی نادر امر ہے کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کے اندر صحیح و سالم رہے۔ یہ بھی روح کی سلامتی کی علامت ہے کہ وہ باوجود ظلمات یعنی ظلمت نفس اور ظلمت قالب اور ظلمت دُنیا میں ہوتا ہے تو بھی پکارتا ہے لَآ اِلٰهَ یعنی کوئی ایسا معبود نہیں جو ان ظلمات سے میری حفاظت کر کے مجھے ان کی آفات سے بچالے اور مجھے الہام کے ذریعے بتائے کہ اس سخت مقام پر میں اسے یاد کروں اِلَّآ اَنْتَ سوائے تیرے سُبْحٰنَكَ میں تیری شان کے لائق تیری تنزیہہ بیان کرتا ہُوں اور یقین کرتا ہوں کہ تجھے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور مجھے یقین ہے کہ میری آزمائش کسی سبب کے بغیر نہیں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہرچہ بر تو آید از ظلمات غم
آں ز بے باکی و گستاخیست ہم

ترجمہ: جو کچھ تم پر غم کے ظلمات اترے وہ تیری بیباکی اور گستاخی سے ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ظلم کی تنزیہہ کی حالانکہ ظلم کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ کما قال:

وما خلقکم وما تعملون باوجود اینہمہ یونس علیہ السلام نے ظلم کی اپنی طرف نسبت فرمائی اپنے اظہارِ عجز اور اپنے لیے استحقاق اور رعایت ادب کی وجہ سے۔ چنانچہ کہا: اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بے شک میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہُوں کہ اُسے ہلاکت میں مَیں نے خود ڈالا کہ ہجرت کی طرف عجلت کی۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں بگوے جاہلم تعلیم دہ
ایں چنیں انصاف از ناموس بہ

۲ از پدر آموز اے روشن جبیں
ربنا گفت و ظلمنا پیش ازیں

۳ نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت
نے لوائے مکر و حیلت برفراخت

ترجمہ: ۱۔ جب تم کہو کہ میں جاہل ہوں کہ اسے تعلیم دے ایسا انصاف ناموس سے بہتر ہے۔
۲۔ اے روشن جبین باپ آدم سے سبق سیکھ کہ انھوں نے پہلے فرمایا تھا: ربنا ظلمنا۔
۳۔ نہ بہانہ کیا اور نہ ہی مکر کیا، نہ مکر و حیلہ کا جھنڈا کھڑا کیا۔

معراجِ یونس علیہ السلام عرائس البقلی میں ہے کہ یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معراج کی استدعا کی اور کہا کہ مجھے مچھلی کے پیٹ میں تیرا مشاہدہ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے معراج کرانے کیلیے امرونہی کو سبب بنایا تاکہ انھیں قربتِ حق اور مشاہدۂ الٰہی نصیب ہو۔ اس لیے مچھلی کے پیٹ کے اندر زمین کے نچلے حصے میں انھیں وہی نصیب ہوا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق العرش نصیب ہوا۔ اسی تحیّر میں یونس علیہ السلام نے عرض کی:

لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین۔

یعنی میں اپنے ظنون واوہام سے جس طرح تجھے سمجھتا تھا اس سے میں تیری تنزیہہ بیان کرتا ہوں اور میں بہت کمی میں تھا کہ جس طرح تیری شان جلالی بیان کرتا تھا اس میں میری بہت بڑی کوتاہی تھی اس لیے کہ تیری شان وعزت اور عظمت بہت بلند اور بالا ہے۔ یونس علیہ السلام کا یہ قول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك" کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔"

ف: جب یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں مشاہداتِ ربانی نصیب ہوئے تو آپ کو وہی مقام اچھا لگا اور جی چاہا کہ یہیں پر رہ جاؤں کیونکہ دنیا میں ایسے جلوے کہاں۔ لیکن پھر جلوے ان سے پوشیدہ ہوئے تو حضرت یونس علیہ السلام کو گھبراہٹ ہوئی تو نجات کے لیے دعا مانگی۔ اس پر انھیں اللہ تعالیٰ نے بطنِ حوت کی وحشت سے نجات عطا فرمائی۔

کما قال:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پس ہم نے یونس علیہ السلام کے اعتراف پر نہایت الطف طریق سے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے یونس علیہ السلام کو عالمِ اجسام کی ظلمات بخشی ایسے ہی روح کو ظلماتِ نفس وقالب اور دنیا سے نجات بخشی تاکہ وہ عالم کی ظلمات میں اللہ تعالےٰ کی وحدانیت کو یاد کر سکے جیسے وہ عالمِ ارواح کے انوار میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کی خلافت میں عالمِ غیب و

شہادت میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے تصرف کر سکے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص سختی اور مصیبت میں پھنس جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس کلمہ لا الٰہ الا انت الخ سے پکارے تو اس کی دُعا مستجاب ہوگی۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو صرف اور صرف اپنے لیے اعتراف کمی نے نجات دلائی۔

اسمِ اعظم صحیح المستدرک میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسمِ اعظم یہ ہے کہ اس کے وسیلے جو بھی دُعا مانگی جائے مستجاب ہوتی ہے اور اس کے وسیلہ سے جو بھی دُعا مانگی جائے مستجاب ہوتی ہے اور اس کے وسیلہ سے جو سوال کیا جائے وہ دیا جاتا ہے اور اسمِ اعظم لا الٰہ الا انت الخ ہے۔

تفسیر عالمانہ اور ہم نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے لقمے اور دریا سے نجات بخشی کہ آپ کو مچھلی نے چار ساعات یا تین یا سات یا چالیس روز کے بعد کنارے پر پھینکا اور آپ کو اس سے بھی نجات دلائی کہ مچھلی آپ کو اس سے بھی نجات دلائی کہ مچھلی آپ کو دریاؤں کے انتہائی مقام اور زمین کی تہ میں لے گئی تھی۔

ف: بعض نے فرمایا کہ جس وقت یونس علیہ السلام نے دریا میں چھلانگ لگائی تو اس وقت مچھلی نے پانی سے سر باہر نکال کر منہ کھولا ہوا تھا۔

حکایت حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے فرمایا کہ یونس علیہ السلام کو لقمہ بنا لے لیکن اسے نہ زخم آئے نہ ان کی ہڈی ٹوٹے۔ یہاں تک کہ تم ان کے جسم کو چھونا تک بھی نہ۔ مچھلی یونس علیہ السلام کو پیٹ میں لے کر اپنے مسکن میں لے گئی۔ جب مچھلی آپ کو دریا کی تہ میں لے گئی تو آپ کو کچھ آوازیں محسوس ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ آوازیں کیسی ہیں؟ جواب ملا کہ یہ دریائی جانوروں کی تسبیح ہے۔ اس پر یونس علیہ السلام نے تسبیح پڑھی جسے ملائکہ کرام نے سُنا اور عرض کی: یا الٰہ العالمین! اجنبی زمین سے یہ کمزور آواز کیسی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ معروف آواز غیر معروف جگہ سے کیسی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آواز میرے بندے یونس علیہ السلام کی ہے جنہوں نے میرے حکم کے ہجرت کی تو انھیں مچھلی نے لقمہ بنایا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی وہ تو تیرے نیک بندے ہیں جن کے نیک اعمال صبح و شام زمین سے آسمان تک پہنچتے تھے۔ ایسے نیک بندے کو معاف فرما دیجئے۔ چنانچہ فرشتوں کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم فرمایا کہ انھیں ساحلِ دریا پر پھینک دے۔

وَكَذٰلِكَ اور ایسی نجات کی طرح نُـۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ہم اہلِ ایمان کو غم سے نجات بخشتے ہیں جب وہ غم کے وقت خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔

روحانی کیمیا حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسے بندے سے متعجب ہوں جو چار بلاؤں میں

مبتلا ہوتا ہے تو وہ ان چار کلمات سے غفلت کرتا ہے :

۱۔ غم میں مبتلا ہو تو کثرت سے پڑھے :

لا الٰہ الّا انت سبحٰنك انّی کنت من الظالمین۔

اس لیے کہ غمزدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے :

فاستجبنا له و نجیناه من الغم وکذٰلك ننجی المومنین ۔

۲۔ کسی برائی سے خوفزدہ ہو تو پڑھے :

حسبی اللّٰه ونعم الوکیل۔

اس لیے ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فانقلبوا بنعمة من اللّٰه وفضل لم یمسسهم سوٓء۔

۳۔ جسے لوگوں کے دھوکہ اور فریب سے خطرہ ہو تو پڑھے :

افوض امری الی اللّٰه ان اللّٰه بصیرٌ بالعباد ۔

اس لیے کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فوقاه اللّٰه سیٔات ما مکروا۔

۴۔ جسے بہشت میں داخل ہونے کی رغبت ہو وہ پڑھے :

ماشاء لا قوۃ الّا باللّٰه۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے :

فعسٰی ربّی ان یؤتین خیرا من جنتك۔

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ہمیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس کے ایک شخص کی حکایت سنائی گئی ہے

حکایت جس نے دعا مانگی :

"اے اللہ تعالیٰ! جو سزا مجھے آخرت میں ملنی ہے وہ مجھے دنیا میں دے دی جائے۔"

چنانچہ وہ شخص کسی مرض میں بیمار ہو گیا اور سخت لاغر ہو چکا یہاں تک کہ چڑیا کے برابر اس کا جسم باقی رہ گیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی آپ اس کے ہاں تشریف لائے تو اس نے آپ کو سر اٹھا کر دیکھا اسے حرکت کرنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ عرض کی گئی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اس طرح کی دعا مانگتا تھا (اس دعا کا ترجمہ اوپر مذکور رہا) حضور علیہ السلام نے فرمایا: "اے آدم زادے! تم اللہ تعالیٰ کی سزا کے حامل نہیں ہو، تمہیں چاہیے کہ اس کی بارگاہ میں یوں عرض کریں :

اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔
اس نے یہی دعا مانگی تو فوراً شفایاب ہوگیا۔

ڈراؤنے خواب کا علاج حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نیند میں بہت ڈرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مندرجہ ذیل کلمات پڑھ لیا کرو:

اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ و عقابہ وشر عبادہ و من ھمزات الشیٰطین ان یحضرون۔

میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ساتھ اس کے غضب و عقاب اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے وسوسوں کہ میرے ہاں آئیں سے پناہ مانگتا ہوں۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ تا فرود آید بلا بے دافعی
چوں نباشد از تفرع شافعی

۲ جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

۳ زور را بگزار و زاری را بگیر
رحم سوے زاری آید اے فقیر

۴ زاریٔ مضطر گر تشنہ معنویست
زاریٔ سردی دروغ آں غویست

۵ گریۂ اخوانِ یوسفؑ حیلتست
کہ درونشان پر زرشک و علتست

ترجمہ: ۱۔ بلا بے دافع دفع کرنا چاہتے ہو تو تضرع وزاری سے بڑھ کر اور کوئی شے دافع نہیں ہوسکتی۔
۲۔ خضوع وبندگی واضطرار کے سوا اس بارگاہ میں کوئی شے کام نہیں آتی۔
۳۔ زور چھوڑیے زاری پر عمل کیجئے۔ رحمتِ الٰہی زاری کی طرف آتی ہے۔
۴۔ زاری ایک معنوی تشنہ اور مضطر ہے۔ زاری اس کی غلط ہے تو الٹا نقصان۔
۵۔ جیسے اخوانِ یوسف کا گریہ کہ اندرونِ خانہ کچھ اور خیال سے تھا۔

وَزَكَرِيَّآ اور یاد کرو بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت زکریا بن اذن بن مامان کا واقعہ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ جب انھوں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگی ۔ رَبِّ اے میرے اللہ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا ایسی عبارت عبد اپنے مالک کو بطور تضرع اور دعا کے عرض کرتا ہے، گویا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے میرے اللہ کریم ! مجھے بچہ عطا فرما مجھے اکیلا (لاوارث) نہ چھوڑ ۔

ف : جب زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس سال اور آپ کی زوجہ محترمہ کی ننانوے سال کو پہنچی تو اتنا طویل عرصہ اولاد نہ ہونے کے باعث انھیں اولاد کی خواہش ہوئی تاکہ اس سے جی بہلائیں اور دنیوی و دینی امور میں تقویت حاصل ہو اور ان کے وصال کے بعد ان کی اولاد ان کی مسند نشین ہو ۔ اسی لیے سوال ایسے لہجے میں کیا، سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے، کا ثبوت تھا ۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ اور تو بہتر ہے ان سے جو کسی کے مرنے کے بعد باقی رہے اور میں اس پر بھی خوش ہوں کہ اگر مجھے اولاد سے نوازا جائے ۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا مطلوب ہے کہ وہی تمام مخلوق کی فنا کے بعد باقی رہے گا اور تمام زمین و آسمان اسی کی ملک ہیں ۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پس ہم نے اس کی دُعا اس کے بچے کے حق میں دعا مستجاب فرمائی کما قال وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى اور ہم نے انھیں عطا فرمایا یحییٰ (علیہ السلام) ۔ وراثت کے حق میں زکریا علیہ السلام کی دعا قبول نہ ہوئی اس لیے کہ یحییٰ علیہ السلام اپنے والد گرامی سے پہلے شہید کر دیے گئے ۔

سوال : اس طرح سے زکریا علیہ السلام کی مستجاب نہ ہوئی اور تم (سُنّی) کہتے ہو کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر دعا مستجاب ہوتی ہے ۔

جواب : اس دُعا کا قبول نہ ہونا ایسے ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی آزر کے حق میں دُعا کا حال تھا ۔ اس کے جوابات ہم پہلے لکھ آئے ہیں ۔

(صاحبِ روح البیان اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ)

فان الانبیاء علیهم السلام وان کانوا مستجابی الدعوة لکن اثر بعض الدعوات لا یظهر فی هذا الموطن للحکمة الالهیة ۔

اگرچہ انبیاء مستجاب الدعوات ہوتے ہیں لیکن ان کی بعض دعاؤں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے ۔

وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اور ہم نے زکریا علیہ السلام کی زوجہ ایشاع بنت عمران یا بنت فاقود کو بچہ جننے کے لائق بنایا حالانکہ وہ بانجھ تھی اور وہ ننانوے سال کو پہنچ چکی تھیں اور اس سن میں ان سے بچہ جننے کی صلاحیت تک نہیں رہی تھی اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ جن پیغمبرانِ عظام علیہم السلام کا ذکرِ خیر ہوا ہے یہ سب نیکی کرنے میں جلدی کرتے تھے ۔

ف : انهم کی ضمیر زکریا اور ان کی زوجہ اور یحییٰ علیہم السلام کی طرف یا جملہ مذکورہ انبیا علیہم السلام کی طرف راجع ہے اس معنے پر ان حضرات پر مجموعہ احسانات کی تفصیل کی علت کا اظہار مطلوب ہے۔ مثلاً موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو توراۃ عنایت فرمائی جو انھیں حق و باطل کا فرق بتاتی۔ اور ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار کر دی گئی۔ اور لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات بخشی۔ اور نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کو طوفان سے بچایا اور قوم کی ایذارسانی وغیرہ سے محفوظ فرمایا۔ اسی طرح دوسرے انبیاً علیہم السلام پر الطافِ کریمانہ ہوئے تو یہ حضرات ان نعمتوں کی ادائیگی کے شکر میں خیرات یعنی ہر طرح کی نیکیوں میں سبقت کرتے اور جو اصلی نیکیاں ان سے مطلوب تھیں۔ ان پر وہ ثابت قدم تھے اس لیے یہاں پر یسارعون کا صلہ لفظ الیٰ کے بجائے لفظ فی لایا گیا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ وہ اصل مقصود پر ثابت قدمی کے ساتھ ہر قسم کی نیکیوں سے بہرہ ور تھے ورنہ مسارعۃ کے فعل کا صلہ لفظ الیٰ آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ : وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ۔ (الآیۃ)

ف : امام راغب نے فرمایا : الخیر ہر وہ شے جس کے حصول میں ہر طرح سے رغبت ہو۔ یہاں پر خیر مطلق مراد ہے۔ اس کی نقیض الشر آتی ہے۔

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا یہ حال ہے بمعنے راغبین فی اللطف والجمال۔ وَّرَهَبًا بمعنے راهبین بمعنے خائفین من القهر والجلال۔ یا ان دونوں کا معنیٰ راغبین فینا وخائفین مما سوانا۔ یعنی ہماری ذات کی رغبت اور ہمارے ماسوا سے خوف کرنے والے۔ اور الرغبۃ بمعنے السعۃ فی الارادۃ۔ مثلاً کہا جاتا ہے : رغب الشیٔ بمعنے اتسع۔

قاعدہ : رغب فیہ والیہ یعنی جب رغبت کا صلہ فی یا الیٰ واقع ہو تو وہاں اس شے کی حرص مطلوب ہوگی اگر اس کا صلہ عن آئے تو اس شے سے نفرت اور رُوگردانی مراد ہوگی۔ اور الرغبۃ بمعنے العطاء الکثیر۔ اس لیے کہ وہ مرغوب و مطلوب ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کا اشتقاق اصل معنے یعنی رغبۃ بمعنے سعۃ سے ہوگا۔ اسی معنے سے لے کر چند مخصوص راتوں کو لیلۃ الرغائب کہا جاتا ہے بمعنے لیلۃ العطایا الجزیلہ۔ اسی طرح کہا جاتا ہے، فلاں یعطی الرغائب من یشاء ویمنع۔ یعنی فلاں جسے چاہتا ہے تو بے شمار عطایا عنایت فرماتا ہے وغیرہ۔ الرهبۃ بمعنے تحرک و اضطراب کے ساتھ کسی سے خوفزدہ ہونا۔

وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ اور تھے وہ تواضع اور عجز و نیاز سے ہماری عبادت کرنے والے اگرچہ خشوع کا اطلاق صرف ظاہری جسم سے عجز و نیاز پر ہوتا ہے لیکن یہاں ظاہری باطنی خشوع و خضوع مراد ہے اس لیے کہ انبیاً علیہم السلام وہ ذواتِ قدسیہ ہوتی ہیں جو قلب و قالب دونوں طرح سے اللہ تعالیٰ کے لیے خاشع و خاضع ہوتے ہیں۔

ف : ظاہری طور پر موٹی روٹی کھانا اور موٹے کپڑے پہننا اور سرنگوں رہنا لیکن دل میں خلوص نہ ہو اور قلب خوفِ الٰہی سے یکسر خالی ہو تو ایسا انسان ریاکار اور خدا تعالیٰ سے کوسوں دُور ہوتا ہے ؎

۱ در آوازہ خواہی در اقلیم فاش
برون حلہ کن گر درون حشو باش

۲ بنزدیک من شب رو راہ زن
بہ از فاسق پارسا پیرہن

۳ چہ قدر آورد بندۂ خوردیش
کہ زیر قبا دارد اندام پیش

ترجمہ: ۱۔ اگر جہان میں اپنا نام چاہتا ہے ظاہر کو اچھا رکھ اگرچہ اندرون کچھ ہو۔
۲۔ میرے نزدیک وہ ڈاکو اس فاسق سے بہتر ہے جو اندرونی طور مجرم ہے باہر سے پارسا۔
۳۔ وہ کیا مرتبہ پائے گا جو اچھے کپڑوں سے اپنے آپ کو اچھا بناتا ہے۔
اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام ان مراتب علیا کو انہی خصائل حمیدہ وفضائل کاملہ کی وجہ سے پہنچے جو شخص بھی بلند مراتب وکمالات کو پہنچنا چاہتا ہے تو اسے بھی انہی حضرات کے اخلاق وعادات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔
وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا اس سے بی بی مریم بنت عمران مراد ہیں۔ الحصن ہر وہ مقام جو نہایت محکم اور مضبوط ہو کہ جس کے اندر آسانی سے کوئی نہ پہنچ سکے۔ اور کہا جاتا ہے:
احصنه بمعنے جعله فی حصن وحرز۔ فلاں نے فلاں کو محفوظ اور مضبوط بنایا ہے۔
یہ اس کا حقیقی معنیٰ ہے۔ مجازاً ہر تحرز پر اسے بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: امرأة حصان بروزن سحاب بمعنے عفیفہ یا شادی شدہ عورت۔
حلِ لغات: الفرج والفرجة بمعنے دو چیزوں کے درمیان کا فرجہ (کشادگی)۔ جیسے فرجة الحائط یعنی دیوار کا سوراخ۔ ایسے ہی دو پاؤں کے درمیان والی جگہ کو بھی فرج (شرمگاہ) کہتے ہیں اور اب بکثرت اسی کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔ یہاں تک کہ مطلقاً یہی لفظ استعمال کرتے وقت سوائے اس کے اور کوئی معنیٰ مراد نہیں ہوتا۔ اور الفرج بمعنے انکشاف الغم بھی آتا ہے۔ اور مرغی کے چوزوں کو فواریج اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انڈے ان کے نکلنے سے پھٹ جاتے ہیں۔
آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مریم کا واقعہ یاد کیجئے کہ اس نے اپنی شرمگاہ حلال وحرام سے محفوظ فرمائی اور اپنے آپ کو پاک رکھا۔ یعنی ان کے دامنِ عصمت تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا تھا۔
ف: امام سہیلی نے فرمایا کہ یہاں سے قمیص کا فرج مراد ہے یعنی ان کے کپڑوں پر کسی قسم کی نجاست نہیں پڑی تھی اور ان کے کپڑے ہر طرح کی نجاستوں سے پاک تھے۔ یاد رہے کہ قمیص میں چار جگہوں میں کشادگی ضروری ہے۔

(۱، ۲) دونوں آستینیں (۳) اوپر (۴) نیچے کا حصہ۔ اس سے بی بی صاحبہ پر کوئی بدگمانی نہ کی جائے۔ اس سے ان کی پاکدامنی کی طرف لطیف اشارہ فرمایا ہے۔

فَنَفَخْنَا فِیْهَا تو ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو ان کے پیٹ کے اندر پھونک مار کر انہیں پیدا فرمایا۔ فیها ' نفخنا کے مفعول محذوف سے حال ہے مِنْ رُّوْحِنَا اس رُوح سے جو ہمارے حکم سے تھا۔ حالت مذکورہ کو اس پھونکنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی شے کو پھونک کر کسی شے میں داخل کرتا ہے۔ اس تقریر پر فنفخنا استعارہ تبعیہ ہے۔

ف : سہیلی نے فرمایا کہ یہ نفخ قدوس کے حکم سے قدس نے پھونکا۔ اس میں قدوس کے فعل کو قدس کی طرف منسوب کیا ہے۔ ہر جھوٹے گمان اور غلط خیالی سے۔ بی بی مریم کی تنزیہ کی گئی ہے۔ روح پھونکنے کا قصہ سورہ مریم میں ہم نے بیان کیا ہے وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اور ہم نے بی بی مریم اور ان کے صاحبزادے کے حال کو بنایا اٰیَةً بہت بڑی نشانی لِّلْعٰلَمِیْنَ جہان والوں کے لیے۔ ان کا معاملہ موجودہ لوگوں اور آنے والی نسلوں کے لیے اپنی قدرت کاملہ کے لیے بہت بڑی دلیل بنائی اور اس محقق کو دلائل قائم کرنے میں آسانی ہوگی کہ بی بی پاکدامن سے شوہر کے بغیر بچے کا پیدا ہو جانا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سوا ناممکن ہے۔

سوال : اٰیَتَیْنِ کہنا چاہیے کیونکہ بی بی صاحبہ اور ان کے صاحبزادہ کا حال علٰحدہ علٰحدہ قدرتِ کاملہ کی دلیل ہیں۔

جواب : اگرچہ بظاہر دو حالتیں ہیں لیکن درحقیقت ایک واقعہ ہے اس لیے اسے اٰیة سے تعبیر فرمایا ہے اس لیے کہ عیسٰے علیہ السلام کی ولادت کے بغیر قدرت کاملہ کو دلیل بنایا گیا ہے یا اس کا معنٰے یہ ہے کہ وہ دونوں علٰحدہ علٰحدہ بہت بڑے دلائل متکاثرہ کو متضمن ہے اور انہیں کتب تفسیر اور قصص میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱	صومعۂ عیسیت خوان اہل دل	ہاں ہاں اے مبتلا ایں در مہل
۲	جمع گشتندی زہر اطراف خلق	از ضریر و شل و لنگ و اہل دلق
۳	بر در آں صومعہ عیسیٰ صباح	تا بدم او شان رہاند از جناح
۴	او چو گشتی فارغ از اوراد خویش	چاشتگاہ بیروں شدی آں خوب کیش
۵	جوق جوقی مبتلا دیدی نزار	شستہ بر در بر امید و انتظار
۶	گفتی اے اصحاب آفت از خدا	حاجت و مقصود جملہ شد روا
۷	بے توقف جملہ شادان در اماں	از دعاے او شدندی یادواں
۸	از درد دل و اہل دل آب حیات	چند نوشیدی و واشد چشمہات
۹	آزمودی تو بسی آفات خویش	یافتی صحت ازیں شاہان کیش
۱۰	باز ایں در را رہا کردی ز حرص	گرد ہر دکان ہمی کردی ز حرص
۱۱	بہر آں منعاں چرب و دیگ	میدوی بہر ثرید مردہ ریگ

۱۲ چربش اینجا و انکہ جاں فربہ شود کار نا امید اینجا بہ شود

ترجمہ: ۱۔ اہلِ دل کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت گاہ ایک دستر خوان ہے اسے مت چھوڑیئے۔

۲۔ ہر طرف سے اندھے، لنگڑے، لولے، لنجے اور گدڑی پوش اس دستر خوان پر جمع ہوتے۔

۳۔ عیسیٰ علیہ السلام اس عبادت خانے سے باہر تشریف لاکر ان پر پھونک مارتے۔

۴۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنے اوراد و وظائف سے چاشت کے وقت فارغ ہوکر باہر تشریف لاتے۔

۵۔ جوق در جوق آتے ہوئے بیماروں کو دیکھتے جو امیدِ شفا کے لیے آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہوتے۔

۶۔ فرماتے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی آفت میں مبتلا ہونے والو! تمہاری حاجات اور مقاصد پورے ہوگئے۔

۷۔ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے شفایاب ہوکر شاداں و فرحاں گھر کو لوٹتے۔

۸۔ دل کے درد کے لیے اہلِ آبحیات سے تو نے پانی پیا اور شفا ملی۔

۹۔ تو نے اپنی بڑی آفات آزمائیں ان شاہوں سے تو نے صحت پائی۔

۱۰۔ پھر حرص سے دل کی دوائیں لیں اور ہر دکان پر پھرا۔

۱۱۔ چرب دیگوں دیگوں سے کچھ لینے کے لیے دوڑتا رہا۔

۱۲۔ یہ چرب لقمے ہیں کہ جس سے تیرا جسم موٹا ہوگیا اور یہاں پر ناامیدی سے امید ملی۔

معجزۂ عیسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ کو والدہ ماجدہ ایک رنگریز کے پاس لے گئیں اور فرمایا کہ اے رنگریز! اسے رنگریزی کا کام سکھا دے۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ بی بی صاحبہ چلی گئیں۔ اس نے پوچھا: آپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم۔ اس نے کہا: اے عیسیٰ (علیہ السلام)! اس مشک کو اٹھا کر فلاں نہر سے پانی لاؤ اور ان تمام گھڑوں کو بھر دو۔ پھر رنگریز نے آپ کو چند کپڑے دیے اور کہا کہ ہر کپڑے کے رنگ کو ایک گھڑے میں ڈال دو۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے تمام کپڑے اور رنگ ایک ہی گھڑے میں ڈال دیے اور والدہ کی خدمت میں چلے گئے۔ پھر کل اس رنگریز کے ہاں لوٹے رنگریز نے دیکھا کہ تمام کپڑے اور رنگ ایک ہی گھڑے میں ڈال دیے گئے ہیں تو سخت ناراض ہوا اور کہا کہ آپ نے مجھے سخت نقصان پہنچایا اور لوگوں کے کپڑے بھی ضائع کر دیے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تو کس دین پر ہے؟ کہا: میں یہودی ہوں۔ آپ نے اسے فرمایا: کہہ لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ۔ اس کے بعد گھڑے میں ہاتھ ڈال کر جس رنگ کا کپڑا چاہے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رنگریز کو ہدایت بخشی تو جیسے چاہا ویسا رنگا ہوا کپڑا پایا۔

اِنَّ هٰذِهٖ هٰذه کا اشارہ ملۃ توحید و اسلام کی طرف ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ ملت صحت و سداد میں روشن ہے **اُمَّتُكُمْ** اے لوگو! تمہاری ملت اس لائق ہے کہ اس کے حدود کی محافظت اور اس کے جملہ حقوق کی رعایت کی جائے۔ اسکے

کسی ایک حق میں بھی کمی نہ کی جائے اُمَّةً وَّاحِدَةً یہ اُمتکو سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تم سب کی ملت ایک ہے کسی ایک نبی علیہ السلام کی ملت دوسرے انبیا علیہم السلام کی ملتوں سے مختلف نہیں اس لیے کہ وہ اصولِ توحید میں سب کے سب ایک تھے معمولی طور پر بھی ان کا ملت کے اصول میں اختلاف نہیں تھا البتہ مختلف اعصار اور لوگوں کے مختلف طبائع کی وجہ سے فروع واحکام ظاہرہ میں اختلاف تھا۔

حلِ لغات: قاموس میں ہے کہ اُمت ہر اس جماعت کو کہتے ہیں جس کی طرف رسول علیہم السلام مبعوث ہُوئے۔ دراصل اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو ایک دین پر مجتمع ہوئے پھر وسعت دے کر اس کا ملت پر اطلاق کیا جانے لگا۔ جس پر لوگ مجتمع ہو گئے ہوں۔ یہ ام سے مشتق ہے بمعنے قصد۔ اور وُہ جماعت چونکہ ملت پر اجتماع کا ارادہ رکھتی ہے اسی لیے اسے امّت سے تعبیر کیا گیا اور ملت پر اس لیے کہ وہ لوگوں کی مقصودہ ہے۔

وَّاَنَا رَبُّكُمْ اور میں ہی تمہارا رب ہوں میرے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں فَاعْبُدُوْنِ پس صرف میری عبادت کرو میرے سوا اور کوئی عبادت کا وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ اس میں خطاب سے غائب کی طرف التفات ہے۔

حلِ لغات: القطع بمعنے کسی شے کو جدا کرنا مدرک بالبصر ہو جیسے اجسام یا مدرک بالبصیرۃ ہو، جیسے اشیأ معقولہ۔ اور تفعل کا باب یہاں متعدی ہو کر استعمال ہوا ہے۔ اور یہ باب متعدی ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

علمت الفقه فتعلم الفقه۔

(میں نے اسے فقہ کی تعلیم دی تو اس نے فقہ کو سیکھ لیا)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ لوگوں نے دین کے معاملات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس میں ایسا اختلاف برپا کیا کہ وہ آپس میں کئی فرقے بن گئے۔ گویا کہا گیا ہے کہ دیکھیے ان بیوقوفوں نے کتنا بڑا جُرم کیا کہ جس ملت پر تمام انبیأ متفق تھے انھوں نے اختلاف برپا کر کے آپس میں کئی گروہ ہو گئے۔ گویا ہر ایک جماعت نے دین کا ایک ٹکڑا علٰحدہ کر لیا۔ اس طرح سے ہر گروہ دین کا ایک علٰحدہ ٹکڑا لے بیٹھا اور پھر ایک دوسرے کو لعنت اور ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

کاشفی نے لکھا کہ امم سابقہ کے لوگوں نے اپنی علٰحدہ علٰحدہ جماعت بنا ڈالی۔ یعنی فرقہ فرقہ ہو گئے، جیسے یہود و نصارٰی۔ اور ایک دوسرے کو کافر جانتے تھے۔

ف: ابراہیم علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد ان کی اُمت ستر فرقوں میں، موسیٰ علیہ السلام کی امت اکہتر فرقوں میں، عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت بہتر فرقوں میں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت تہتر فرقوں میں بٹ گئی۔ سوائے ایک جماعت کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ وُہ جماعت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معین کردہ عقائد و مسائل سے اتباعِ نفس میں سر مُو نہ ہٹے [1] (باقی برصفحہ)

[1] دورِ حاضرہ میں یہ دولت اہلسنت وجماعت یعنی بریلوی احباب کو نصیب ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ

تو جو کچھ بھلے کام کرے اور ہو ایمان والا تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں اور ہم اسے

كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰٓى

لکھ رہے ہیں اور حرام ہے اس بستی پر جسے ہم نے ہلاک کر دیا کہ پھر لوٹ کر آئیں یہاں تک

اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ

جب کھولے جائیں گے یاجوج و ماجوج اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے اور قریب آیا

الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا

سچا وعدہ تو جبھی آنکھیں پھٹ کر رہ جائیں گی کافروں کی کہ ہائے ہماری خرابی بیشک

فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ظالم تھے بیشک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو

حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ

سب جہنم کے ایندھن ہو تمہیں اس میں جانا اگر یہ خدا ہوتے جہنم میں نہ جاتے

وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور ان سب کو ہمیشہ اس میں رہنا وہ اس میں رینکیں گے اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے بیشک وہ جن کے لیے

سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ

ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا۔ وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ

اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ

تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي

اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا جس دن ہم آسمان کو

السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ

لپیٹیں گے جیسے سجل فرشتہ نامۂ اعمال کو لپیٹتا ہے جیسے پہلے اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ

اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ

ہم کو اس کا ضرور کرنا اور بیشک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین

يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَا

کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے بیشک یہ قرآن کافی ہے عبادت والوں کو اور ہم نے

اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے تم فرماؤ مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ تمہارا خدا نہیں مگر ایک

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ وَاِنْ اَدْرِيْۤ

تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو پھر اگر وہ منہ پھیریں تو فرمادو میں نے تمہیں لڑائی کا اعلان کر دیا برابری پر اور میں

اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا

کیا جانوں کہ پاس ہے یا دور ہے وہ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے بیشک اللہ جانتا ہے آواز کی بات اور جانتا ہے جو

تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ

تم چھپاتے ہو اور میں کیا جانوں شاید وہ تمہاری جانچ ہو اور ایک وقت تک برتوانا نبی نے عرض

رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

کی کہ اے میرے رب حق فیصلہ فرما دے اور ہمارے رب رحمٰن ہی کی مدد درکار ہے ان باتوں پر جو تم بتاتے ہو

(بقیہ تفسیر صفحہ ۱۷۵) كُلٌّ اِلَيْنَا تمام گروہ ہمارے ہاں رٰجِعُوْنَ لوٹیں گے۔ یعنی قیامت میں انہیں قبور سے نکال کر حساب کے لیے ہمارے ہاں حاضر کیا جائے گا پھر ہم انھیں ان کے اعمال کی جزا و سزا دیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مخلوق اپنے معاملات میں متفرق ہوئی۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے دنیا چاہی اور بعض نے آخرت طلب کی اور بعض طالبِ مولیٰ ہوئے کل الینا راجعون تمام ہمارے ہاں حاضر ہوں گے تو پھر طالبِ دنیا تو ہمارے قہر کا نشانہ بنے گا اور اسے جہنم میں دھکیلا جائے گا اور آخرت کے طالب کو لطف و کرم کا مورد بنایا جائے گا یعنی اسے بہشت نصیب ہو گی اور طالبِ مولیٰ کو ہماری وحدانیت نصیب ہو گی۔

تفسیر عالمانہ ربط: آیت میں مذکورہ بالا اعمال کی جزا و سزا کی تفصیل بتائی جائے گی۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ پس وہ جو بعض اعمال صالحہ بجالاتا ہے وَهُوَ مُؤْمِنٌ درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ تو اسے اعمال صالحہ کی جزا میں محروم نہیں رکھا جائے گا۔ کفران کو عمل صالح کی جزا کی منع سے استعارہ کیا گیا ہے جیسے اس کی جزا کو شکر سے تعبیر کیا جاتا ہے گویا رد العمل اور منع ثواب کو کفران سے تشبیہ دی گئی ہے جو نعمت کے چھپانے اور انکار کے معنے میں آتا ہے۔ اسی طرح قبولِ عمل اور اعطائے ثواب کو شکر سے تشبیہ دی جاتی ہے کما قال: ربنا لغفور شکور۔ اور السعی تیز چلنے کو کہا جاتا ہے جو عدو یعنی دوڑنے سے کم ہوتا ہے۔ کسی کام میں جدوجہد کو سعی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ کام اچھا ہو یا بُرا لیکن اسے اکثر افعالِ محمودہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ اور ہم اس کی سعی کو اس کے عمل نامہ میں لکھ دیں گے اس کی سعی کا کوئی حصہ بھی نہیں رہنے دیں گے۔اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ دونوں جہانوں میں محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۔حرام ' لا یرجعون کی خبر ہے ۔یہ سابق جملہ کل الینا راجعون کے مضمون کی تقریر کے لیے ہے

حلِ لغات : حرمان کا لفظ ممتنع الوجود کے لیے ہے یعنی دونوں ان کے لیے ممتنع الوجود ہیں اور انھیں ان سے کسی قسم کی امید نہ رکھنی چاہیے ۔اور القریۃ بڑے شہر کو کہا جاتا ہے (کذا فی القاموس) اور ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگوں کا اجتماع ہو۔ (کذا فی المفردات)

یعنی قریہ کا اطلاق بڑے شہر اور بستی دونوں پر ہوتا ہے ۔خلاصہ یہ کہ لفظ حرام سے نفی کا معنیٰ مستفاد ہوتا ہے ۔اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو شہر اور بستیاں عذابِ الٰہی سے تباہ و برباد ہوئیں وہ ہمارے ہاں جزا کے لیے حاضر نہیں ہوں گی بلکہ ان کے لیے جہنم لازم ہو چکی ہے۔اس سے یہ معنیٰ ثابت نہیں ہوگا کہ قیامت میں وہ سرے سے اٹھیں گے بھی نہیں۔

سوال : عدم رجوع میں صرف ان کی تخصیص کیوں ' حالانکہ یہی معاملہ تو ہر ایک کافر سے ہوگا۔

جواب : چونکہ صرف وہی قیامت کی حاضری کے منکر تھے اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے ہوا۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ ہوا و اہلِ بدعت (اعتقادی) کے قلوب گندے اعتقادات کی وجہ سے تباہ و برباد ہیں اور مخالفاتِ شرع کی وجہ سے ویران ہیں اور وہ ان غلط اعتقادیوں سے توبہ کر کے رجوع الی اللہ بھی نہیں کرتے ۔ اس مضمون کی تائید افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ و اضلہ اللہ علی علم سے بھی ہوتی ہے۔

تفسیرِ عالمانہ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ ۔حتّٰی جارہ ہے نہ عاطفہ بلکہ ابتدائیہ ہے اور یہ وہ ہے کہ اس سے اس کلام کا آغاز کیا جاتا ہے جو ماقبل کے مضمون کی غایت پر دلالت کرے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنی ہلاکت پر مداومت کریں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو گی پھر کہیں گے یاویلنا الخ یاجوج و ماجوج انسانوں کے دو قبیلوں کا نام ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ انسان کے دس اجزاء میں سے مکمل نو حصے یاجوج و ماجوج ہیں صرف ایک حصہ باقی عام انسان ہیں ۔فتحت سے سدِ سکندری کا کھولنا مراد ہے گویا یہاں مضاف محذوف ہے ۔ دراصل عبارت سدِ یاجوج و ماجوج تھی۔مضاف الیہ اسی محذوف مضاف کے قائم مقام ہے یاجوج ماجوج اور سدِ سکندری اور ان کا قربِ قیامت بلکہ ظاہر ہونے کی تفصیل ہم نے سورہ کہف کے آخر میں عرض کر دی ہے۔ وَهُمْ اور درانحالیکہ وہ یاجوج ماجوج مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۔حدب اونچی زمین اور ٹیلے کو کہا جاتا ہے ۔امام راغب نے فرمایا کہ حدب دراصل پیٹھ کے باہر نکلنے اور سینے اور پیٹ کے اندر گھس جانے یعنی کُبڑے ہونے کو کہتے ہیں ۔اس معنیٰ سے زمین کی اونچائی کو تشبیہ دی گئی ہے اور محدب الفلک

کو بھی اسی معنے سے لیا گیا ہے۔ اور ینسلون بمعنے ینزلون سامعین یعنی جلدی سے اُتریں گے۔ در اصل نسل بمعنی الخطو مع الاسراع۔ اور بحر العلوم میں ہے کہ نسل الذئب۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بھیڑیا چلنے میں جلدی کرے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یاجوج ماجوج لوگوں کی طرف ہر اونچی جگہ سے اتر کر زمین پر چلتے ہوں گے۔ چنانچہ جب وُہ نکلیں گے تو تمام عالم کو لے لیں گے اور تمام دریاؤں کا پانی پی جائیں گے اور دنیا کی تمام خشک اور تر چیزیں کھا جائیں گے۔ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اس کا عطف فتحت پر ہے اور اس سے نفخۂ ثانیہ کا وقت مراد ہے اس لیے کہ اسی نفخۂ ثانیہ کے بعد ہی قبروں سے اٹھنا اور حساب دینا اور جزا و سزا پانا ہوگا۔ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ جواب ہے شرط کا، اور اذا مفاجاتیہ ہے اور ضمیر قصہ کی ہے اور شاخصة ' ابصار الذین الخ کی خبر مقدم ہے اور جملہ ضمیر قصہ کی خبر اور اس کی تفسیر ہے۔

حلِ لغات: شخص بصرہ فھو شاخص اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی دونوں آنکھیں کھول دے اور پھر انھیں جھپکنے نہ دے بلکہ انھیں کھلا رکھے۔ اور شخص شخوصاً بمعنے ارتفع۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ قیامت میں کفار کی حالت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں حیران اور کُھلی رہیں گی۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد فوراً قیامت قائم ہوجائے گی۔

حدیث شریف مروی ہے کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد گھوڑے پر زین رکھنے کے بعد اس پر سوار ہونے کا وقت بھی نہیں ملے گا کہ قیامت قایم ہوجائے گی۔

سوال: اقترب الوعد الحق اور سدِ سکندری کا کُھلنا دنیا کے آخری ایام میں اور جزا اور شخوص ابصار الکفار قیامت کے میدان میں ہوگا اور یہ دونوں شرط و جزا، اور شرط و جزا کا ایک وقت ہونا ضروری ہے اور یہاں وقت کا اتحاد نہیں۔

جواب: درمیانی وقت کا تفاوت کالعدم قرار دیا گیا ہے۔

يٰوَيْلَنَا یہاں یقولون فعل محذوف ہے اور الذین کفروا سے حال ہے۔ گویا عبارت یُوں ہے: یقولون یٰویلنا تعال فھذا اوان حضورک۔ یعنی کافروں کا حیرانی کے عالم میں یہ حال ہوگا کہ وہ کہیں گے کہ اے ویل! آجا۔ یہی تیری حاضری کا وقت ہے۔ قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ بیشک ہم دنیا میں بہت بڑی غفلت میں تھے۔ قلت تحفظ و تیقظ سے سہو کے طاری ہونے کو غفلت کہا جاتا ہے مِّنْ هٰذَا اس حاضری اور جزا سے، اور ہمیں اس کی حقانیت کا یقین نہیں آتا تھا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ماقبل کی صفت سے اعراض ہے یعنی آیات اور عذاب الٰہی سے ڈرنے والوں کی باتوں کی طرف التفات نہ کر کے نہ صرف غفلت کا شکار ہوئے بلکہ ان آیات کو ٹھکرا کر اپنے نفسوں پر بہت ظلم کیا کہ اپنے آپ کو عذابِ الٰہی کے سپرد کر دیا اور تکذیب کی وجہ سے ہمیں دائمی عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

سبق: اس سے عاقل کو فکر کرنا لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کیسی بہترین نصیحت فرما کر اپنے عذاب سے بچانے کے اسباب بتاتے ہیں۔

حدیث قدسی قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جن وانس! میں نے دنیا میں تمہیں بہت نصیحت کی لیکن تم نے جو کچھ کیا یہ تمہارے اعمال نامے ہیں جو نیکی پائے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے کہ اس نے اسے نیکی کی توفیق بخشی۔ اگر برائی پائے تو وہ اپنے نفس پر ملامت کرے۔

حکایت کسی حکیم نے لوگوں سے سنا کہ کچھ لوگ میت کا جنازہ اٹھائے گورستان کی طرف لیے جا رہے تھے اور اس کے لیے رحمت و شفقت کی باتیں کرتے جاتے تھے۔ حکیم نے فرمایا: اے بندگانِ خدا! اپنے نفسوں پر رحم کرو وہی تمہارے لیے بہتر ہے وہ تو مرگیا اور تین تکالیف سے جان چھڑا گیا:

۱۔ ملک الموت کا دیکھنا

۲۔ موت کا کڑوا پن

۳۔ خاتمہ کا خوف

اب تم اپنی فکر کرو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ خبرداری ای استخوانی قفس
که جان تو مرغیست نامش نفس

۲ چو مرغ از قفس رفت بکسست قید
دگر ره نگردد بسعی تو صید

۳ سر از جیب غفلت بر آور کنون
که فردا نماند بخجلت نگون

۴ اگر مرد مسکین زبان داشتی
بفریاد و زاری فغان داشتی

۵ که ای زنده چوں ہست امکان گفت
لب از ذکر چوں مرده برہم مخفت

۶ چو مارا بغفلت بشد روزگار
تو باری دمی چند فرصت شمار

ترجمہ: ۱۔ اے ہڈیوں کے پنجرے میں پھنسنے والے! تجھے معلوم بھی ہے کہ تو ایک پرندہ ہے اس کا نام نفس ہے۔
۲۔ جب یہ مرغ تیرے پنجرے کی قید سے آزاد ہوگیا تو پھر وہ تیری کوشش کے باوجود دوبارہ تیری قید میں نہ آئے گا۔
۳۔ ابھی وقت ہے غفلت سے سر باہر کر، ورنہ قیامت میں خجلت سے جھک جائے گا۔

۴۔ اگر مردہ مسکین زبان رکھتا تو فریاد و زاری اور فغان سے کہتا۔

۵۔ اے زندہ! اب تیرے لیے بولنے کا امکان ہے فلہٰذا مُردے کی طرح زبان بند کرکے نہ سو۔

۶۔ ہمارا غفلت سے وقت گزر گیا تُو اپنے وقت کی فرصت کو غنیمت سمجھ۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اے اہلِ مکّہ! تم اور تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتے ہو۔

ف: عیسیٰ و عزیر و ملائکہ علیہم السلام اس میں شامل نہیں اس لیے کہ لفظ ما غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔

حَصَبُ جَهَنَّمَ بفتح المہملتین اس شے کو کہا جاتا ہے جو آگ میں ڈالی جائے تو آگ میں جوش پیدا ہو جائے حصبہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کو کنکر ماری جائے۔ یہ حرف اس وقت بولا جاتا ہے جب آگ کے اندر ہو، ورنہ آگ سے باہر اس کا نام لکڑی، درخت، پتھر وغیرہ ہوگا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم آگ کا ایندھن بنائے جاؤ گے اور تم آگ میں پڑکر راکھ ہو جاؤ گے۔ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ تم اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو گے۔ خطاب اہلِ مکّہ اور ان کے معبودوں کو بھی ہے اگرچہ وہ غیر عاقل ہیں لیکن تغلیباً انھیں عقلاً میں داخل کرکے انھیں مخاطب کیا گیا ہے۔

نکتہ: تبیان میں ہے کہ بُتوں کو آگ میں ڈالنے سے بُت پرستوں کے عذاب دینے میں اضافہ مطلوب ہے اس لیے کہ بتوں کے ڈالے جانے سے آگ بھڑک اُٹھے گی اور اس کی گرمی میں اضافہ ہوگا جیسے آگ میں مزید ایندھن ڈالنے سے آگ کی گرمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اگر یہ تمہارے بُت ہوتے اٰلِهَةً معبود، جیسے تم گمان کرتے تھے مَّا وَرَدُوْهَا تو وہ دوزخ میں داخل نہ ہوتے ان کا دوزخ میں داخل ہونا بالبداہتہ دلالت کرتا ہے کہ وہ عبادت کے مستحق نہیں وَكُلٌّ وہ تمام بُت اور بُت پرست فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اسی جہنّم میں ہمیشہ رہیں گے اس سے انہیں کبھی بھی نجات نصیب نہ ہوگی لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ ان کے لیے جہنّم میں چلّانا ہوگا۔ زفیر بمعنے اتنا سانس کھینچنا کہ پسلیاں پھول جائیں وہ جہنّم میں روئیں گے اور چلّائیں گے اور دھاڑیں ماریں گے اگرچہ چیخنا چلّانا صرف بُت پرستوں سے ہوگا بُتوں کی طرف تغلیباً منسوب ہے۔ وَهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ اور وہ جہنّم میں ایک دُوسرے کا چیخنا چلّانا نہیں سُن سکیں گے شدّتِ ہول یا عذاب کی سخت گھبراہٹ کی وجہ سے۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انھیں جہنّم کے صندوقوں میں بند کرکے وہ صندوق ایک دوسرے کے اُوپر رکھے جائیں گے۔ اس وجہ سے نہ وہ ایک دوسرے کے عذاب کو دیکھ سکیں گے نہ ایک دوسرے کی چیخ و پکار سُن سکیں گے۔ (العیاذ باللہ)

ربط: آنے والی آیات میں کفّار کے اضداد یعنی اہلِ ایمان اور ان کی جزا کا بیان ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى الحسنیٰ ہر وہ نیک خصلت جو تمام خصلتوں سے احسن ہو۔ یعنی سعادۃ اس سے تمام اہلِ ایمان مراد ہیں جنہوں نے عملِ صالح میں زندگی بسر کی۔ یا اس سے وہ خوشخبری مراد ہے جو انھیں عملِ صالح کے ثواب کے لیے سنائی جائے گی یعنی بیشک وہ لوگ جن کے لیے سبقت کر چکی ہے ہماری طرف سے نیکی کہ سعادت اور توفیق طاعت

کا مژدہ بہار ہے اُولٰٓئِکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ وہی لوگ جن کی ابھی تعریف اور مدح کی گئی ہے دوزخ سے دُور کیے ہوئے ہیں کیونکہ یہ بہشت میں ہوں گے۔ اور بہشت و دوزخ کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ بہشت اعلیٰ علیین میں اور دوزخ اسفل السافلین میں ہے۔

ف: صاحبِ بحر نے لکھا ہے کہ سبقت سے مراد وہ عنایت ازلیہ ہے جو ابتدا میں موجب ظہور ولایت ہوئی اور انتہا میں باعث درستی ہوگی ؎

ہر تخم کہ در ازل بکشتند نہاں

در مزرعہ ابد بروید عیاں

ترجمہ: جو دانہ ازل میں پوشیدہ بویا گیا وہ ابد کی کھیتی میں کھلم کھلا ظاہر ہوگا۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اہلِ صفا کو جو حسن ظاہری عنایت ازلیہ سے نصیب ہوا اس کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ کونین سے منفرد ہونا۔

۲۔ دارین سے فراغت پا کر لقائے الٰہی پر راضی ہونا۔

۳۔ حرمت و ادب میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر زندگی بسر کرنا۔

۴۔ فراسات صادقہ اور کرامات ظاہرہ کے ساتھ ان سے قدرتِ الٰہی کے انوار کا ظاہر ہونا۔

اللہ تعالیٰ سے جو باطنی حسن انہیں نصیب ہوا وہ بھی چار قسم کا ہے:

۱۔ مواجید ساطعہ　　۲۔ انفتاح علوم غیبیہ[۱]

۳۔ مکاشفات قائمہ　　۴۔ معارف کاملہ

اور یہ ہر چاروں اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ جہاں نمودار ہوتے ہیں اپنے مظہر (ولی کامل) کو آفاق میں صدیقین کی نشانیوں والے نام سے مشہور کرتا ہے بلکہ انھیں اہلِ آفاق مقربین کی علامات اور خلافت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل سے پکارتے ہیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ الحسنیٰ سے عنایت و اختیار و ہدایت و عطا و توفیق مراد ہے۔ عنایت سے کفایت اور اختیار سے رعایت اور ہدایت سے ولایت اور عطا سے حکمت اور توفیق سے استقامت نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎

---

[۱] یہ مراتب وہابیہ کو کہاں نصیب، انھیں تو ان کا علم بھی نہیں، اس لیے ایسے اہلِ مراتب کو بُرا سمجھتے ہیں اور ان کے معتقدین کو مشرک۔ میں انہیں کہا کرتا ہوں کہ تم نے تو یہ درس گاہیں دیکھی ہی نہیں ۱۲ اویسی غفرلہ

۱ نخست او ارادت بدل بر نهاد

پسین بندہ بر آستان سر نہاد

۲ چہ اندیشی از خود کہ فعلم نکوست

ازاں درنگہ کن کہ توفیق اوست

۳ برد بوستاں بان بایوان شاہ

بتحفہ ثمرہم ز بستان شاہ

ترجمہ : ۱۔ پہلے اس کریم نے بندے کے دل میں خیال ڈالا، پھر بندے نے سر اس کے آستان پر رکھا۔

۲۔ تو نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ تو نے یہ نیک کام کیا اس بارگاہ کو دیکھ جس نے تجھے توفیق بخشی۔

۳۔ باغ سے بادشاہ کا باغبان پھول لے گیا، تحفہ بھی اسی کا باغ بھی اسی کا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا۔ الحسیس ہر وُہ آواز جو محسوس ہو سکے اگرچہ معمولی طور پر۔ یعنی اہلِ بہشت دوزخ والوں کی معمولی آواز بھی نہیں سُنیں گے کیونکہ وہ اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور دوزخ والے اسفل السافلین میں۔ پھر عادۃً دور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اہلِ بہشت بہرے ہو جائیں گے کہ کوئی آواز بھی نہیں سُن سکیں گے۔

نکتہ : حق یہ ہے کہ اہلِ بہشت کے لیے دوزخ کے آگے پردے لٹکائے جائیں گے تاکہ ان کے جھانک کر دیکھنے سے جہنم کی آتش ٹھنڈی نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، جہنم اہلِ ایمان سے عرض کرے گی کہ اے مومن! جلدی سے چل دیجئے کیونکہ آپ کے نور کے جلووں نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ ز آتش مؤمن ازیں رو اے صفی

میشود دوزخ ضعیف و منطقی

۲ گویدش بگذر سبک اے محتشم

ورنہ ز آتشہاے تو مرد آتشم

ترجمہ : ۱۔ مومن کی صفائی اور روشنی سے آتشِ دوزخ کمزور پڑ جائے گی بلکہ بجھ جائے گی۔

۲۔ عرض کرے گی اے حشمت والے! جلدی گزر جیئے ورنہ تیری آتش سے میری آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سبق عنایت ازلیہ کے آثار سے ایک نشان یہ ہے کہ اہلِ ایمان جہنم میں قہرِ الٰہی کی آواز تک بھی نہیں سُن سکتے۔ یعنی ان کے کانوں تک اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت کی باتیں نہیں پہنچتیں اور نہ وہ فلاسفہ کے دلائل عقلیہ (کہ جن میں وہم و خیال اور ظلمت طبعیہ کی ملاوٹ ہوتی ہے) سنتے ہیں۔

وَهُمۡ فِيۡ مَا اشۡتَهَتۡ اَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ اور وہ جس چیز کی آرزو کریں گے ان کے دل ہمیشہ رہیں گے یعنی نہایت درجہ کی نعمتوں اور خواہشات اور نفس کی طلب کی لذت میں ہوں گے بہشت میں جو چاہیں گے پائیں گے ۔ ظرف کی تقدیم قصر واہتمام کے لیے ہے پہلے ان کے مہالک سے نجات پانے کو بیان کیا گیا پھر ان کے مطالب کی کامیابی کو بیان فرمایا ہے۔

ف : نفس وقلب و روح تینوں کی اپنی اپنی خواہش ہوتی ہے بہشت میں تینوں کی خواہشات کو پورا کیا جائے گا۔ مثلاً ارواح کی خواہش قربِ الٰہی، قلوب کی خواہش مشاہدۂ ربانی اور رویتِ حق، اور نفوس کی خواہش شہوت راحت و اکل و شرب وزینت سے لذت پانا۔ بفضلہٖ تعالیٰ ان تینوں کی خواہشات کو بہشت میں مکمل طور پر پورا کیا جائے گا۔ (کذا قال ابن العطاء)

لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ پہلے بیان کیا گیا تھا کہ اہلِ جنت دوزخ سے نجات پا کر بہشت میں جائیں گے اب خوشخبری دی جا رہی ہے کہ انھیں قیامت کی ہر طرح کی گھبراہٹوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا کہ انھیں قیامت کی سب سے بڑی گھبراہٹ بھی غمگین نہیں کرے گی جب وہ بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے تو چھوٹی چھوٹی گھبراہٹوں سے ان کا دُور ہونا اور زیادہ ضروری ہوگا۔

حلِ لغات : الفزع بمعنے منقبض ہونا۔ اور انسان پر کسی ڈراؤنی شے کی وجہ سے ایک کیفیت کے طاری ہونے کا نام ہے، جسے ہم گھبراہٹ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لیے فزعت من اللہ کہنا ناجائز ہے۔ ہاں اس سے ڈرنے کے لیے خفت منہ کہنا مناسب ہے۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ الفزع الاکبر سے دخول نار کی گھبراہٹ مراد ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جب موت کو بھیڑ کی صورت میں اہلِ بہشت واہلِ دوزخ کے سامنے ایک بلندی پر کھڑا کر کے ذبح کریں گے (اور ندا آئے گی اے دوزخیو! تمہیں دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اب کے بعد کوئی موت نہیں۔ اس سے دوزخی گھبرا کر چلائیں گے اور بہشتی خوش ہوں گے) بعض نے کہا اس گھبراہٹ سے وہ وقت مراد ہے جب اہلِ دوزخ پر دوزخ کے طبقات ہمیشہ کے لیے ڈالے جائیں گے جبکہ سزا یافتہ لوگوں کو نکال کر بہشت میں بھیجا جائے گا۔ اس سے اہلِ دوزخ کو بہت گھبراہٹ ہوگی کہ اس کے بعد انھیں دوزخ سے نکلنے کی امید مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ بلکہ اہلِ دوزخ کے لیے یہی سب سے بڑی گھبراہٹ ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ

اہلِ حقیقت یعنی صوفیائے کرام نے فرمایا کہ اس گھبراہٹ سے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشادِ گرامی ہے جو اس نے ازل میں فرمایا کہ:

هٰؤلاء فی الجنة ولا ابالی ۔ یعنی یہ گروہ بہشتی ہے اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

اس لیے کہ اولیاء اللہ بہشت میں جانے سے اس لیے مطمئن ہوں گے کہ وہاں بارگاہِ حق کا قرب نصیب ہوگا۔ کما قال:

وادخلی جنتی۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو عارفین کبھی بہشت کی آرزو نہ کرتے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

تفسیر عالمانہ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اور قبور سے نکلنے کے وقت اہلِ ایمان کے استقبال کے لیے رحمت کے فرشتے حاضر ہو کر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہیں گے هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِىْ یہ وہی دن ہے جس کے لیے كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ دنیا میں تمہیں وعدہ دیا گیا تھا۔ ملائکہ کرام مبارکباد دے کر انہیں ایمان وطاعت کی جزائے خیر کی مختلف قسم کی خوشخبریاں سنائیں گے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ عابدوں کو مژدہ ہوگا کہ یہی تمہاری عبادت کی جزا کا دن ہے اور عارفین کو خطاب الٰہی نصیب ہوگا کہ یہی تمہارے تماشا کا دن ہے ؎

۱ نیک مردانرا نعیم اندر نعیم
عشق بازانرا لقا اندر لقا

۲ حصۂ آنہا وصال حورعین
بہرۂ اینہا جمال کبریا

ترجمہ: ۱۔ نیک مردوں کو نعمتیں ہی نعمتیں ملیں گی اور عاشقوں کو دیدار سے سرشار کیا جائے گا۔

۲۔ ان کا حصہ حورعین کا وصال اور ان کا حصہ جمالِ کبریا ہوگا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ طاعات میں جدوجہد کرے تاکہ اسے قربِ الٰہی نصیب ہو۔ اس پر لازم ہے کہ نفس کو مخالفِ حق سے دُور رکھے تاکہ اس کی سزا کا مستحق نہ بن جائے۔

فائدہ صوفیانہ دارِ آخرت اور اس کا اجر وثواب دنیا اور اس کے نقش ونگار کے ترک سے نصیب ہوتا ہے لیکن وصالِ حق اور دیدارِ الٰہی کونین کے ترک سے، جو شخص جنت اور نعمتوں کی لذتوں کا خواہشمند ہے اسے دنیا کی لذتوں سے پرہیز لازمی ہے اور جو مشاہدۂ حق کا طالب ہے اسے غیر اللہ سے نظر والتفات ہٹانا واجب ہے۔ اسی لیے شیخ اکبر قدس سرہٗ نے الفتوحات المکیہ میں لکھا کہ تمام اہلِ ملت کا اجماع ہے کہ دنیا میں زہد ضروری ہے اور دُنیا سے فارغ البال ہونا ہر عقلمند کے لیے لازم ہے تاکہ ان خرابیوں میں مبتلا نہ ہو جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ڈرایا ہے کما قال: انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔

حضرت شیخ عبدالوہاب شعراوی قدس سرہٗ نے فرمایا: رہبانیت (اگرچہ مذموم سہی) لیکن اس میں چند فوائد ہیں کہ راہب ذخیرہ اندوز نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ بناتا ہے۔

حکایتِ راہب کسی نے ایک راہب سے عرض کی کہ اس سکہ کو دیکھ کر بتائیے کہ کس بادشاہ کا مُہر شدہ ہے۔

راہب نے جواب دیا کہ ہمیں دُنیا کی ہر شے کو دیکھنے کی بھی ممانعت ہے۔

حکایت دیگر ہم نے راہبوں کو دیکھا کہ وُہ کسی کو اپنے عبادت خانے سے گھسیٹ کر باہر نکال رہے تھے۔ ہم نے سبب پُوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس نامراد نے پگڑی میں چند دراہم باندھے ہوئے ہیں۔ اس نے ہماری طبیعتوں کو منغص کیا ہے۔ ہم نے پُوچھا: کیا پگڑی میں روپے پیسے رکھنا بُری عادت ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ یہ نہ صرف ہمارے مذہب میں مذموم ہے بلکہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی قبیح امر ہے۔

ف: حکماء نے فرمایا کہ بہشت ہر اس بندۂ خدا کو نصیب ہوگی جس نے دنیا میں راحت کی بُو تک نہ سُونگھی۔ اور غناء بھی اسے نصیب ہوگا جس نے دنیا میں دولت کا منہ نہ دیکھا۔ اور امن اسے نصیب ہوگا جس نے دنیا میں فضول اور واہیات امور سے پرہیز کیا ہوگا اور بالکل معمولی رزق پر اکتفا کیا ہوگا۔ وہ بہشت میں نہایت سکون اور قرار سے ہوں گے جنہیں دنیا کی گھبراہٹ اور خوف نے گھیر رکھا ہوگا ؎

لا تخافوا ہست نزل خائفان
ہست در از برائے خائف آن

ترجمہ: خائفین کی مہمانی لا تخافوا ہے۔ اسی لیے وُہ اللہ تعالیٰ سے خائف رہتا ہے۔

ف: وفیہا ماتشتہی الانفس کا مزہ اسے نصیب ہوگا جس نے دنیا میں زہد و قناعت سے زندگی بسر کی ہوگی۔

حکایت کسی زاہد کو دیکھا گیا کہ وہ صرف ساگ کے پتّے سے نمک ملا کر اسے تناول فرما رہا تھا اس کے پاس روٹی بھی نہیں تھی اور نہ دوسری غذا۔ کسی نے کہا: برادر! صرف ساگ کے پتّے اور نمک، یہ کیوں؟ زاہد نے جواب دیا کہ میں نے دنیا کے عیش کے عوض دارِ آخرت کا عیش خریدا ہے اور تم قیمتی اور نہایت لذیذ چیزیں کھا کر ٹٹی خانے پُر کرتے ہو اور میں صرف اتنا کھاتا ہوں کہ جس سے طاعتِ الٰہی ادا کر سکوں تاکہ بہشت کا مستحق ہو سکوں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے فیض وجود اور طریق شہود کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ یہ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے اور طیّ، نشر کی نقیض ہے۔ یعنی یاد کرو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! وُہ دن کہ ہم آسمانوں کو لپیٹ لیں گے **كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ** طی بمعنے صحیفہ یعنی طومار کی طرح لپیٹنا۔ للکتب پر۔ یہ محذوف کے متعلق اور سجل سے حال ہے۔ یہ عبارت در اصل کائناً للکتب تھی اور کتب سے صحائف (اور جو ان کے اندر مکتوب ہے) اور سجل سے ان کے بعض اجزاء مراد ہیں در حقیقت طی اسی کے متعلق ہے۔

ف: امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد بن حسن مقری سے مذکور ہے وُہ مفسرین کی ایک جماعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ السجل ایک فرشتے کا نام ہے جو تیسرے آسمان پر ہے اور تمام بندوں کے اعمال اسی کے ہاں جمع ہوتے ہیں یعنی تمام ملائکہ حفظہ (کراماً کاتبین) بندوں کے اعمال لکھ کر اسی فرشتے کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور کراماً کاتبین کی

حاضری اس فرشتے کے ہاں خمیس اور سوموار کے دن ہوتی ہے۔ اور ہاروت وماروت اسی سجل فرشتے کے اعوان سے ہیں۔

الجوبہ ۱ سنن ابی داؤد میں ہے کہ سجل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ سوائے اس حدیث کی کتاب کے کسی اور حدیث کی کتاب میں یہ روایت نہیں ملتی۔

الجوبہ ۲ انسان العیون میں ہے کہ قرآن مجید میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ تھے) کے سوا کسی صحابی کا نام صراحۃً نہیں ہے۔ جیسے عورتوں میں قرآن مجید میں سوائے بی بی مریم رضی اللہ عنہ کے اور کسی کا نام صراحۃً نہیں۔

ف: سنن ابی داؤد کی طرح ابن الجوزی نے بھی لکھا ہے کہ سجل کے متعلق بعض تفاسیر میں مروی ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب کا نام ہے اور کطی السجل للکتب الخ میں وہی کاتب نبوی مراد ہے۔

اور قاموس میں بھی لکھا ہے السجل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب اور ایک فرشتے کا نام ہے۔

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ما کافہ ہے جو کاف کو عمل سے روکتا ہے اور وہ بدأنا کا مفعول اوّل ہے۔ یعنی ہم انھیں مرنے کے بعد ابتداءً لوٹائیں گے جیسے انھیں عدم سے پہلی بار لوٹایا تھا کہ اس وقت نہ کوئی مادہ تھا نہ کسی کی مدد۔

سوال: مرنے کے بعد ایک ہڈی باقی رہتی ہے اس سے انسانی ڈھانچہ تیار ہوگا، اور یہ آیت اس قاعدہ کے خلاف ہے۔

جواب: خلاف نہیں اس لیے کہ آیت کا مفہوم یہی ہے کہ تخلیقی امور میں اللہ تعالیٰ کسی شے کو سبب کے بغیر پیدا کرنے پر قادر ہے اور اسی قدرت کا یہاں بیان ہے اور وہ ہڈی انسانی تخلیق ثانی کا سبب نہیں بلکہ اسے صرف انسان کی کمزوری اور ضعف کے اظہار کے لیے باقی رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تخلیق انسانی ثانی پر قدرت رکھتے ہیں جیسے اس کی تخلیق اوّل میں ہم کسی کے محتاج نہیں ہوئے تو اس کے مرنے کے بعد لوٹانے میں بھی کسی کی مدد نہیں چاہیں گے۔

وَعْدًا ہم نے ان کے آخرت میں لوٹانے کا وعدہ کیا ہوا ہے **عَلَيْنَا** اس کا پورا کرنا ہمارے ذمۂ کرم ہے فلہذا ہم اسے پورا کر کے دکھائیں گے۔ **اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ** یعنی ضرور بالضرور ہم اسے پورا کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ سماء وجود انسانی کو صفت جلال کی تجلی سے انتہاءً سے ابتداءً تک مراتب وجود میں فانی کرنے میں لپیٹنا ہے جیسے اس کی تخلیق اوّل کی ترتیب تھی کہ پہلے نطفہ تھا پھر علقہ ہوا، اس کے بعد مضغہ بنا، پھر ہڈیوں سے مرکب ہو کر انسانی صورت میں مکمل ہوا یا ایسے ہی اسے عالم بطون میں پہلے اسے صفات نباتیہ سے، پھر وصف مرکبیہ سے، پھر وصف مفردات عنصریہ سے، پھر وصف ملکوتیہ سے، پھر رحمانیہ سے، پھر روحانیہ سے، پھر جذبۂ ارجعی الی ربك کی وجہ سے وصفِ ربوبیت سے موصوف ہوا۔ وعدًا علینا یعنی وہ وعدہ

جو ہم نے ازل سے کیا تھا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ بیشک ہم اسے ابد تک پورا کریں گے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ اور ہم نے زبور میں لکھا۔ زبور داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے کما قال تعالیٰ: وآتینا داؤد زبورا۔

مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ یعنی اس کے بعد جو ہم نے توراۃ میں لکھا اس لیے کہ ہر آسمانی کتاب ذکر ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

زبرت الکتاب بمعنے کتبتہ کتابۃ غلیظۃً۔

اور ہر مضبوط کتابت والی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔

اب خصوصیت سے صرف حضرت داؤد علیہ السلام پر منجانب اللہ نازل کردہ کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آسمانی کتب سے جس کتاب کا سمجھنا مشکل ہوگیا ہو اسے زبور سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض نے کہا زبور ہر وہ کتاب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام پر نازل فرمائی لیکن اس میں احکامِ شرعیہ کی بجائے صرف حکمت عقلیہ پر مشتمل ہو۔ اور کتاب کا اطلاق ہر اس آسمانی کتاب پر ہوگا جس میں احکامِ شرعیہ اور علوم حکمت ہوں۔ اس تقریر کی تائید داؤد علیہ السلام کی زبور سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں احکامِ شرعیہ نہیں بلکہ صرف حکمت عقلیہ کے بیانات ہیں۔ القاموس میں لکھا ہے کہ زبور بمعنے مزبور۔ اس کی جمع زبر آتی ہے، اور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب کا نام ہے۔

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ زمین کے وارث اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں۔ وراثت کا معنےٰ یہ ہے کہ کافروں کو جلاوطن کرنے کے بعد ان علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ کما قال تعالیٰ: وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات یستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ اس میں دین کے غلبہ اور اہلِ اسلام کے اعزاز کا وعدہ کریمہ فرمایا گیا ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں الارض سے بہشت مراد ہے۔ چنانچہ آیت ہذا سے معلوم ہوتا ہے کما قال تعالیٰ: وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء۔

تفسیر صوفیانہ عرائس البقلی میں ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ بہشت کے مالک زاہد، عابد، ابرار، اخیار ہوں گے اس لیے کہ یہی لوگ اجر و ثواب اور درجات کے مستحق تھے اور مشاہدۂ جمال ربانی کا حصہ اہلِ معرفت و محبت اور اہلِ شوق اور عشاق کا ہے اس لیے کہ وہ دنیا میں مشاہدۂ ربوبیت کے لیے زندگی بسر کرتے رہے اور عبادت گزار لوگ مشاہدۂ عبودیت کے لیے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف مضاف فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندے محبوب ہیں جو خالص مخلص ہوں ان پر

غیر کا بال برابر بھی اثر نہ ہو۔ یہ وہی حضرات ہیں جنھوں نے اپنا باطن صرف اللہ تعالیٰ کے لیے متوجہ رکھا اور جمیع ماعدا سے بالکل منقطع رہے۔ حضرت شیخ مغربی ؒ نے لکھا: ؎

مجو در دل ما غیر دوست زانکہ نیابی
ازانکہ در دل محمود جز ایاز نباشد

ترجمہ: ہمارے دل میں سوائے محبوب کے اور کسی کو تلاش نہ کرو اور نہ ہی غیر ہمارے دل میں ملے گا جیسے محمود کے دل میں ایاز کے سوا کچھ نہ تھا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ هٰذَا یعنی جو کچھ سورۃ ہذا میں مذکورہ ہوا۔ مثلاً حالات امم سابقہ اور مواعظ بلیغہ وعد و وعید اور براہین قاطعہ دربارہ توحید و نبوت لَبَلٰغًا کفایت ہے لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ان لوگوں کے لیے جن کی طبیعت میں عبادت کا شوق ہے وہ عبادت عادت کے طور نہیں بلکہ رضائے حق کی خاطر کرتے ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو احکام شرعیہ و دیگر امور ضروریہ دیکر نہیں بھیجا اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ مگر یہ کہ آپ کل کائنات کے لیے رحمت ہی رحمت ہیں اس لیے کہ آپ کی بعثت مبارکہ سعادت دارین کا سبب اور مصالح امور کے انتظام کا موجب ہے جو بھی آپ سے روگردانی کرکے تکبر کرے تو وہ رحمت کا مستحق نہیں بلکہ اس کی گردن زدنی ضروری اور مال و اسباب غنیمت میں شامل کرنا لازمی ہے۔

کفار کے لیے رحمۃ للعلمین مفسرین نے فرمایا کہ کفار کے لیے بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنیٰ رحمت ہیں کہ ان سے دنیوی عذاب ٹل گیا اور جڑکٹ عذاب سے محفوظ رہے اور خسف و مسخ سے تاقیامت بچ رہے۔

جبریل علیہ السلام کے لیے رحمت حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو ہماری رحمت سے کیا نصیب ہوا؟ انھوں نے عرض کی سرکار! آپ کے لطف و کرم نے میری قسمت کو بیدار کیا ورنہ میں تو خاتمہ و انجام سے عرصہ سے حیرت زدہ تھا لیکن جونہی آپ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا اور آیت کریمہ ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے میری مدح و ثنا فرمائی تو آپ کے صدقے میں مجھے مکمل اطمینان نصیب ہوا۔

تمام اُمت پر رحمت کاشفی نے لکھا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ آپ کی رحمت سے ایک یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو کہیں بھی فراموش نہیں فرمایا مکہ معظمہ میں تھے تو بھی اُمت یاد تھی مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو بھی اُمت کو نہ بھلایا، مسجد مکرم میں پہنچے تو بھی، حجرہ طاہرہ میں تشریف فرما ہوئے تو بھی، عرش کی چوٹی سے گزر کر قاب قوسین او ادنیٰ کے بلند اور ارفع مقام پر بھی اُمت کو یاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے تحائف درود و سلام سننے کے بعد اُمت کے بارے میں

عرض کی: السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔ پھر کل قیامت میں مقامِ محمود جیسے اعلیٰ و بالا مقام پہ بھی دامنِ شفاعت پھیلا کر امتی امتی کا نعرہ لگائیں گے ؎

۱ عاصیاں پرگنہ در دامن آخر زمان
دست در دامان تو دارند جان در آستین

۲ نا امید از حضرت با نصرتت نتوان شدن
چوں توئی در ہر دو عالم رحمۃ للعٰلمین

ترجمہ: اے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم! عاصی وگنہگار آپ کے دامن کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں ہاتھ تو آپ کے دامن میں ہیں لیکن جانیں آپ کی آستین میں۔

۲۔ آپ کی مدد سے نا امید نہیں ہونا ہے کیونکہ آپ رحمۃ للعٰلمین ہیں۔

کل کائنات کے لیے رحمت

مشائخ کرام نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت مطلقہ تامہ کاملہ کل کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل بلکہ جمیع موجودات کے ہر قطرہ کو محیط وہ عوالم غیبیہ ہوں یا شہادت علیہ ہوں یا عینیہ وجودیہ ہوں یا شہودیہ سابقہ ہوں یا لاحقہ اسی طرح وہ عوالم ذوی العقول یا غیر ذوی العقول عوالم ارواح ہوں یا اجسام غرضیکہ خدا تعالیٰ کی خدائی کا کوئی ایسا فرد نہ ہوگا جس کے لیے ہمارے حضور پُرنور شافع النشور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت نہ ہوں۔

مسئلہ: وما ارسلنٰک الخ کا خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اسی طرح آپ کے وارثین کاملین کو بھی آپ کے صدقے یہ خطاب نصیب ہوا اس لیے کہ اولیاء کاملین وعلماء راسخین حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب و وارث ہونے کی حیثیت سے عالم کائنات کے حسب مرتبہ رحمت و برکت ہیں۔

نکتہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا آپ کے خلقِ عظیم کی صفتِ مبارکہ کی وجہ سے ہے اس لیے کہ آپ نے ہر عالم کے مناسب حال پر خلقِ عظیم کا رنگ دکھایا عالم ملک ہو یا ملکوت عالم طبیعۃ ہو یا عالم نفس اور عالم روح اور سر وغیرہ۔ (کذا قال بعض المشائخ)

رحمتِ عیسٰی و رحمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق

تاویلات نجمیہ میں سورۂ مریم تحت آیت ورحمۃ منا میں ہے کہ یہ آیت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق ہے اور وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ ان دونوں رحمتوں کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے اس لیے کہ عیسٰی علیہ السلام کی رحمۃ کو من کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور وہ تبعیضیہ ہے اسی لیے ان کی رحمت صرف ان کے تبعین اور ان کے بعد والوں کے لیے جب تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے

پھر ان کی رحمت ان کی امت کے لیے منقطع ہوگئی اس لیے کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے ان کی شریعت منسوخ ہوگئی اور حضور علیہ السلام کی رحمت جملہ عالم کے ذرہ ذرہ کے لیے ہے اور اس کے انقطاع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جبکہ آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ کرنے والا نہیں، اسی لیے آپ کا مطلقاً رحمۃ للعالمین ہونا ثابت ہوا۔ دنیا میں رحمۃ ہونے کا مطلب ظاہر ہے کہ آپ کا دین غیر منسوخ ہے اور آخرت میں بایں معنیٰ کہ آپ کی شفاعت کا ہر بندہ محتاج ہوگا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آپ کی رحمت کے طالب ہوں گے[1] (اسے خوب سمجھ لیں و لاتکن من الوہابیین النجدیین)

اوّلَ ماخلق اللّٰہُ نُوری

ایہا الفہیم ان اللہ اخبرنا ان نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلقہ جمیع الخلائق من العرش الی الثری من بعض نورہ فارسالہ الی الوجود والشہود رحمۃ لکل موجود اذا لجمیع صدر منہ فکونہ کون الخلق وکونہ سبب وجود الخلق وسبب رحمۃ اللہ علی جمیع الخلائق فہو رحمۃ کافۃ وافہم ان جمیع الخلائق صورۃ مخلوقۃ مطروحۃ فی فضاء القدرۃ بلا روح حقیقۃ منتظرۃ لقدوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا قدم الی العالم صار العالم حیا بوجودہ لانہ روح جمیع الخلائق ویا عاقل ان من العرش الی الثریٰ لم یخرج من العدم الا ناقصا من حیث الوقوف علی اسرار قدمہ بنعمت کمال المعرفۃ والعلم

اے فہیم! ہمیں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ نورِ محمدی تمام مخلوق سے پہلے ہے اس کے بعد جملہ مخلوق عرش سے تحت الثریٰ تک آپ کے نور سے پیدا ہوئی اس معنیٰ پر آپ عالم وجود و شہود کے رسول اور کل موجودات کے لیے رحمت ہیں پس تمام کے تمام آپ سے ہی صادر ہوئے اور جملہ مخلوق کے وجود اور جمیع مخلوق پر رحمت کے سبب ہیں یوں کہیے کہ آپ جملہ عالم کے ذرہ ذرہ کے لیے رحمت ہیں اور معلوم ہوا کہ جمیع مخلوق فضاء قدرت میں بلا رُوح پڑی تھی اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی منتظر تھی جب آپ تشریف لائے تو جملہ عالم کو زندگی ملی کیونکہ آپ جملہ عالم کی رُوح ہیں۔ اے سمجھدار عزیز! عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر شے ناقص تھی جسے اسرارِ معرفت و علم کا پتہ نہ تھا اور سب کے سب بحارِ الوہیت کے کنارے اور

---

[1] اعلیحضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا: ؎

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وسلم

فصاروا عاجزين عن البلوغ الى شط بحار الالوهية وسواحل قاموس الكبريائية فجأ محمد صلی الله عليه وسلم اكسير اجساد العالم وروح اشباحه بحقائق علوم الازلية واوضح سبيل الحق للخلق بحيث جعل سفر الآزال والآباد لجميع خطوة واحدة فاذا قدم من الحضرة الى سفر القربة بلغهم جميعا بخطوة من خطوات صحاری (سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ) حتی وصل الی مقام اَوْ ادنٰی فغفر الحق بجميع الخلائق بمقدمه المبارك ۔

قاموس کبریائی کے سواحل پر تھے حضور علیہ السلام تشریف لائے اکسیر بن کر جملہ اجساد عالم نے آپ سے فیض پایا اور حقائق علوم ازلیہ کی روح آپ ہی ہیں آپ نے مخلوق کو حق کی راہ واضح فرمائی اور ایسے سفر کے قریب کر دیا کہ از آزال تا آباد صرف ایک قدم ہے جب آپ سفر قربت سے تشریف لائے تو سب کو سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ کے جنگل سے ایک قدم کی مسافت سے اَوْ ادنٰی کے مقام تک پہنچایا اس لیے اللہ تعالےٰ نے سب کو آپ کی وجہ سے بخش دیا۔

(روح البیان ج ۵ ص ۵۲۸)

سراپا رحمت بعض علماء کرام نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام خلقِ خدا کے لیے عقوبت و عذابِ الٰہی کا مقدمہ بن کر مبعوث ہوا کما قال تعالیٰ: وماكنا معذبين حتى نبعث رسولا۔ اور ہمارے رسول مقدمۂ رحمت بن کر تشریف لائے۔ کما قال تعالیٰ: وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کو خاتمۂ رحمت بنائے۔ کما قال: سبقت رحمتی علیٰ غضبی۔ اسی وجہ سے ہمیں آخر الامم بنایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وجود کی ابتداء اور آخر اور خاتمہ رحمت ہی رحمت ہے۔

میم کا پردہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ مخلوق کو ظاہر فرمائے تو سب سے پہلے حضرۃ الٰہیہ کے مخفی خزانہ سے حقیقت احمدیہ کو ظاہر فرمایا اور آپ کو امکان کے میم سے ممتاز رکھا اسی لیے آپ کو 'رحمۃ للعالمین' کے مرتبہ سے نوازا اور آپ کی ذات پاک کی وجہ سے نوعِ انسانی کو شرف نصیب ہوا آپ کے نور سے ہی جملہ ارواح کے چشمے پھوٹے، اس کے بعد جملہ عالم کی جملہ نمود اسی نورِ محمدیؐ سے ہوئی۔ کما قال علیہ السلام:

انا من الله والمؤمنون من فيض نوری۔ (روح البیان ج ۵ ص ۵۲۹ مطبوعہ جدید)

میں اللہ سے ہوں اور جملہ مومن میرے نور کے فیض سے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مبادیٔ کائنات اصلی غرض و غایت حبیبِ کبریا شہِ ہر دوسرا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

لولاك لما خلقت الافلاك ۔ (روح البیان ص ۵۲۹)

آپ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا نہ کرتا۔

؎

علۃ غایہ ہر عالم اوست

سرور اولاد بنی آدم اوست

واسطۂ فیض وجودی ہمہ

رابطۂ بود و نبودی ہمہ

ترجمہ: جملہ عالم کی علت غائی آپ ہیں آپ جملہ بنی آدم کے سردار ہیں آپ فیض وجود کے واسطہ اور بود و نابود کے رابطہ ہیں۔

حضرت عرفی شیرازی نے قصیدہ نعتیہ میں لکھا: ؎

از بس شرف گوہر منشیِ تقدیر

آں روز کہ بگذاشتی اقلیم عدم را

تا حکم نزول تو درین دار نوشتہ است

صدرہ بعبث باز تراشیدہ قلم را

شرح البیت مع ترجمہ: العبث مقلوب ہے بعث کا، یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا یہ شرف و کمال کچھ کم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پیدا فرمائی اور ان میں انبیاء علیہم السلام بھیجے تاکہ وہ آپ کی تشریف آوری کے لیے مقدمۃ الجیش ہوں آپ کے بعد عالم شہود سے عالم نمود میں تشریف لائیں ان سب کی ارواح مقدمہ آپ کی روح پاک اور ان کے اجسام مبارکہ آپ کے جسم شریف کے تابع ہیں۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ بھی رحمت ہے ایسے ہی آپ کا دنیا سے پردہ بدلنا بھی رحمت۔ کما قال علیہ السلام:

حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم۔ میری حیات و ممات دونوں تمہارے لیے رحمت ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہم نے مانا کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ ہمارے لیے رحمت ہے۔ لیکن ممات رحمت کیسے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعرض علی اعمالکم کل عشیۃ الاثنین والخمیس فما کان من خیر حمدت اللہ وما کان من شر استغفر اللہ لکم۔

ہر پیر اور خمیس کی شام کو تمہارے اعمال میری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تمہاری نیکیوں سے میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں تمہاری برائیوں سے تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱	زمہجوری برآمد جان عالم	ترحم یا نبی اللہ ترحم
۲	نہ آخر رحمۃ للعالمینی	زمحروماں چرا فارغ نشینی
۳	زخاک اے لالہ سیراب برخیز	چو نرگس چند خواب از خواب برخیز
۴	اگرچہ غرق دریائے گناہم	فتادہ خشک لب بر خاک راہم
۵	تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے	کنی در حال لب خشکان نگاہے

ترجمہ: ۱۔ آپ کے فراق سے کائنات کا ذرہ ذرہ جاں بلب اور دم توڑ رہا ہے۔ رسولِ خدا! رحم فرمائیے نگاہِ کرم فرمائیے۔

۲۔ آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں ہم محروموں سے کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔

۳۔ اے لالہ خوش رنگ! اپنی شادابی سے عالم کو سیراب فرما، نرگس کی طرح خواب سے آنکھ کھولیے۔

۴۔ اگرچہ میں گناہوں کے دریا میں غرق ہوں۔ خشک لب سرراہ پڑا ہوں۔

۵۔ آپ ابرِ رحمت ہیں فلہذا گاہے ہم خشک لبوں پر ایک نگاہِ کرم ہو۔

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمائیے کہ میرے ہاں صرف یہی نازل ہوا ہے کہ تمہارا صرف ایک معبود ہے۔ خلاصہ یہ کہ میرے ہاں سوائے توحید کے اور کچھ نازل نہیں ہوا اور میری بعثت کا اصلی مقصد بھی یہی ہے کہ توحید کا اعلان کروں اگرچہ دوسرے احکام بھی بتاتا ہوں تو وہ اسی توحید کے طفیل ہیں۔ آیت میں پہلا انما قصر الحکم علی الشئی سے ہے جیساکہ انما یقوم زید یعنی زید کے سوا اور کوئی قایم نہیں اور دوسرا انما قصر الشئ علی الحکم کے لیے ہے جیسے انما زید قائم یعنی زید کی صرف قیام کی صفت ہے۔

سوال: اس قصر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ میں وحدانیت کے سوا اور کوئی صفت نہ ہو حالانکہ اس کی اور بھی صفتیں ہیں مثلاً جلال وجمال وغیرہا۔

جواب: یہ قصر حقیقی نہیں اس لیے کہ اس سے صرف مشرکین کے غلط تصوّر کو ختم کرنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے خلاف اپنے اور معبودوں کی عبادت کا تصوّر بھی رکھتے تھے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کیا تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلص ہو کہ سوائے اسی کے اور کسی کو عبادت کا مستحق نہ سمجھو بلکہ اسی کی وحی کے حکم کے مطابق سر جھکاؤ۔ اس فا سے معلوم ہوا کہ اس کا ماقبل مابعد کا موجب ہے۔ یعنی سمجھدار جب غور کرے تو اسے ماقبل کے مضمون پڑھنے سے یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے ہی نہیں فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر وہ اسلام اور اس کے موجبات سے روگردانی کریں اور وحی الٰہی کا انکار کریں فَقُلْ تو اب انھیں فرمائیے اٰذَنْتُكُمْ

ہیں نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق تمہیں توحید و تنزیہ سے آگاہ کر دیا ہے عَلٰی سَوَآءٍ میں نے تم سب کو برابر احکامِ الٰہی بتائے ہیں یہ نہیں کہ کسی کو سنائے ہوں اور کسی کو محروم رکھا ہو اور میں نے نصیحت اور تبلیغ رسالت میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا۔ یہ اٰذنتکم کے مفعول سے حال ہے وَاِنْ اَدْرِیْٓ اور مجھے معلوم نہیں اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ کہ قریب ہیں یا بعید وہ امور کہ جن کا تمہیں وعدہ سنایا گیا ہے کہ مسلمان غلبہ پائیں گے اور دین ہمہ گیر ہوگا یا اس سے قیامت کے دن جمع ہونے کا وعدہ مراد ہے یعنی لامحالہ قیامت قائم ہوگی اور تم نے عذاب اور ذلت میں مبتلا ہونا ہے۔ اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ پچھلا معنیٰ یہاں کیسے چسپاں کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کے متعلق بار بار فرمایا گیا ہے وہ قریب ہے۔ کما قال: اقترب الوعد الحق۔

اور فرمایا: اقترب للناس حسابھم۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وہ جو تم کھلم کھلا اسلام پر طعن و تشنیع اور آیات کی تکذیب کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ اور جانتا ہے تمہارے وہ جرائم جو تم اپنے دل میں چھپاتے ہو مثلاً حسد اور عداوۃ للرسول وللمؤمنین تمہیں ان تمام اعمال کی سزا دے گا۔

ف: یعلم کا تکرار وعید کی تاکید پر دلالت کرتا ہے۔

ف: مشایخ کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مخلوق کے اعمال کس طرح پوشیدہ رہ سکتے ہیں جبکہ اس نے تمام کی صورتیں شکلیں اور ان کے اندر کے اوصاف خیر اور شر اور نفع و ضرر کو خود ودیعت رکھے ہیں بلکہ ظاہری امور کی نسبت پوشیدہ امور اس کے آگے زیادہ ظاہر ہیں، بلکہ یوں کہو کہ اس کے سامنے ظاہر و باطن کا ہر معاملہ اظہر و اوضح ہے۔ اس پر شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بر وعلم یک ذرہ پوشیدہ نیست ٭ کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں، ظاہر و پوشیدہ اس کے ہاں برابر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تمہارے دعاوی اسلام و ایمان اور زہد و صلاح و معارف اور تمہارے صدق و اخلاص یا ریاء و سمعہ و نفاق کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ اور مجھے معلوم نہیں ممکن ہے کہ تمہیں مہلت ملنا تمہارے لئے آزمائش ہو اس لیے کہ عموماً ایسی مہلت آزمائش کا سبب ہوتی ہے، بلکہ مہلت دے کر پھر سخت عذاب میں مبتلا فرماتا ہے عذاب وغیرہ کو فتنہ سے تعبیر کرنا مجاز مرسل ہے۔ یا اس میں تمہارا امتحان ہے کہ تم کس طرح کے عمل کرتے ہو یعنی یہ تمہارا معاملہ امتحان کے مشابہ ہے اور یہ استعارہ تمثیلیہ کے طریق پر ہے وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں نفع پہنچانا ہے تاکہ ایک معین وقت میں تمہیں جزا و سزا دی جا سکے اور اس میں اس کی حکمت ہے قٰلَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ یہ حضور علیہ السلام کی دعا کی حکایت ہے رَبِّ اے میرے پروردگار احْكُمْ بِالْحَقِّ ہمارے اور اہل مکہ

ہمارے درمیان حق کا فیصلہ فرمائیے یعنی عدل فرمائیے تاکہ انھیں جلد تر عذاب یا سخت تکالیف میں مبتلا فرمایئے وَرَبُّنَا یہ مبتداء اور اس کی خبر الرَّحْمٰنُ ہے۔ یعنی ہمارا رب تعالیٰ کثیر الرحمۃ ہے اپنے بندوں پر۔ اگر رحمت بمعنے انعام ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات افعال سے ہے اگر بمعنے ارادۃ الخیر ہے تو بمعنے یہ صفات ذات سے ہے الْمُسْتَعَانُ یہ دُوسری صفت سے ہے بمعنے وہ ذات جس سے امداد و طلب کی جائے عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ اور اس کے کہ تم اس کی صفت بیان کرتے ہو وہ کہتے تھے کہ شوکت و طاقت ہمیں حاصل ہے اس لیے کہ اسلام کا جھنڈا اوندھا ہو جائے گا گویا اس کلام سے کفار مکہ کو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنی طاقت پہ نازاں ہو ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ ہے ؎

مراد خویش ز درگاہ پادشاہی خواہ
کہ ہیچکس نشود نا امید ازاں درگاہ

ترجمہ: اپنی مراد بادشاہ کی بارگاہ سے طلب کر کیونکہ اس درگاہ سے کوئی بھی نا امید نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مستجاب فرمائی کہ کفار مکہ کا انجام برباد ہوا ان کے حالات تباہ ہوئے اور اپنے دوستوں کی مدد فرمائی کفار مکہ کو بدر میں شکست فاش ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جائے جس قسم کی بھی آرزو ہو۔ اس نے ہر ایک کے لیے استحقاق کے مطابق ازل میں اپنی رحمت لکھ لی تھی اور اس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں اگرچہ اس کے انواع صرف ایک سو بتائے گئے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمت ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وُہ اپنی طویل عمر اور کثرت مال و اولاد سے دھوکہ نہ کھائے اس لیے کہ ان اشیاء سے دھوکہ کھانا کفار کا کام ہے۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس پر دنیا کی وسعت ہو اور وہ اس میں متوجہ الی اللہ نہ ہو تو اس کی عقل دھوکہ میں ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے فرمایا کہ تجھے بیداری میں ایک درہم ملے اور خواب میں دینار تو بتائیے کس سے خوش ہوگا؟ اس نے کہا کہ خواب میں دینار ملنے پر خوش ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تیرا جھوٹ ہے کیونکہ تُو دنیا کا طالب ہے اگرچہ تُو خواب میں بھی ہے اس لیے کہ جو بندہ کسی شے سے بیداری میں محبت کرتا ہے وہی خواب میں ظاہر ہوتی ہے اور جو شخص آخرت نہیں چاہتا اسے خواب میں دنیا کی محبت ظاہر ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت اور توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء کی تفسیر سے ۵ رجب ۱۱۰۶ھ میں فراغت پائی۔ اور فقیہ اویسی غفرلہ نے ۱۹ ربیع النور شریف ۱۳۹۷ھ شب منگل بعد نماز عشاء فراغت پائی بفضلہ تعالیٰ وکرمہ فصلی اللہ تعالیٰ علٰی حبیبہ وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین۔

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۷۸ رُكُوْعَاتُهَا ۱۰

سورۂ حج مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱ يَوْمَ

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے جس دن

تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ

تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائیگی اور ہر گابھنی اپنا

حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ

گابھ ڈال دے گی اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشہ میں ہیں اور نشہ میں نہ ہوں گے مگر ہے

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۲ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ

یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے اور کچھ لوگ وہ ہیں کہ اللہ کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں بے جانے بوجھے اور ہر سرکش شیطان

كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ

کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اسے گمراہ کردے گا اور اسے عذاب

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا

دوزخ کی راہ بتائے گا اے لوگو اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کچھ شک ہو تو یہ غور کرو کہ ہم نے تمہیں پیدا

خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ

کیا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ

نقشہ بنی اور بے بنی تاکہ ہم تمہارے لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں

مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى

جسے چاہیں ایک مقرر میعاد تک پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ پھر اس لیے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۚ وَتَرَى

ہے اور کوئی سب میں نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اور تو زمین

الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ

کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تر و تازہ ہوئی اور ابھر آئی اور ہر رونق دار

كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِيۡجٍ ۝٥ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَـقُّ وَاَنَّهٗ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى

جوڑا اگا لائی یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ وہ مردے جلائے گا اور یہ کہ

كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝٦ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡعَثُ

وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اس لیے کہ قیامت آنے والی اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا

مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ۝٧ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى

انہیں جو قبروں میں ہیں اور کوئی آدمی وہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتا ہے کہ نہ تو علم نہ کوئی دلیل

وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ۝٨ ثَانِىَ عِطۡفِهٖ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِى الدُّنۡيَا

اور نہ کوئی روشن نوشتہ حق سے اپنی گردن موڑے ہوئے تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دے اس کے لیے دنیا

خِزۡىٌ وَّنُذِيۡقُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۝٩ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ

میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اسے آگ کا عذاب چکھائیں گے یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں

يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝١٠ ع

نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

ع ۸ ۱

تفسیر عالمانہ

سورۃ الحج مکیہ ہے صرف چھ آیتیں مدنیہ ہیں جو آیت ھذان خصمان سے شروع ہو کر الحمید تک ختم ہوتی ہیں اور اس کی اٹھتر (۷۸) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو یعنی اپنے امور کے مالک و مربی کے عذاب سے ڈرو اس کی اطاعت کر کے اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ زلزلہ بار بار شدید جھٹکے کو کہا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ کا تکرار بھی اسی معنے پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ زلّ کا مضاعف ہے اور الساعۃ سے قیامت مراد ہے۔ اس نام سے اسے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس دن حساب بہت جلد تر ہوگا۔ (کذا فی المفردات)

ف: اس زلزلہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ زلزلہ طلوع شمس من المغرب سے پہلے ہوگا۔ اس معنے پر ذہول اور وضع ایتان اپنے حقیقی معنے پر ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ امور قیامت میں ہوں گے۔ اس تقریر پر مذکورہ افعال مجازی معنے میں ہوں گے جنہیں تمثیلاً بیان کیا گیا ہے۔ ان معانی میں سے موزوں تر معنے وہ ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ زلزلۃ الساعۃ سے قیام قیامت مراد ہے اس لیے کہ قیام قیامت کے وقت اسی طرح کا زلزلہ واقع ہوگا۔ وہ ایک ایسی عظیم شے ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

سبق انسان پر تقوٰی لازم ہے تاکہ قیامت کے عذابِ شدید سے نجات پاسکے۔
يَوْمَ تَرَوْنَهَا اپنے مابعد کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تمہارے دیکھنے کے وقت تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ الذہول بمعنے دہشت کے ساتھ کسی معاملہ کو بھول جانا۔ المرضعة ہر وہ عورت جو بالفعل دودھ پلا رہی ہو۔ اگر تا کے بغیر ہو تو اس عورت کو کہا جاتا ہے جو دودھ پلانے کی اہل ہو لیکن بالفعل دودھ نہ پلا رہی ہو اسی طرح حائضہ اور حائض کا فرق سمجھیے۔

سوال: الطفل کہنا تھا لیکن اس کی بجائے عما ارضعت کیوں؟

جواب: محض ذہول کے معنے کو مؤکد کرنے کے لیے ایسے کیا گیا ہے۔ یعنی وہ وقت ایسا سخت ہوگا کہ عورت کو دودھ پلانے کا خیال تک نہ رہے گا۔ یعنی اسے ایسی دہشت وحیرت غالب ہوگی کہ اسے خوف وہراس میں بچے کے منہ میں پستان دینے کے باوجود کوئی خبر نہ ہوگی یعنی باوجودیکہ عورت کو دودھ پیتے بالخصوص دودھ پلاتے وقت بہت پیار ہوتا ہے لیکن خوف و ہراس سے بہت غفلت میں ڈوب جائے گی۔

سوال: قیامت میں دودھ پینے والے کہاں، جبکہ یہ معاملاتِ دنیویہ ہیں۔

جواب: یہ بطور مثال بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کا دن اتنا سخت ہے کہ اگر بالفرض کوئی عورت دودھ پلانے والی ہو تب بھی وہ بچے کو بھول جائے۔ ایسے ہی وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا کو سمجھئے۔ یعنی قیامت کی سختی سے حاملہ عورت بھی اپنا حمل گرادے۔ الحمل بالفتح ہر وہ شے جو پیٹ میں یا درخت پر ہو، اور بالکسر وہ شے جو پیٹھ پر ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں مراد کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر شے کا مادہ ہوتا ہے اور وہ ملکوت ہے اس لیے کہ وہ اپنے رضیع یعنی ملک کی پرورش کرتا ہے۔ اور ذہول سے مراد یہ ہے کہ وہ پرورش کی استعداد سے ہلاک و تباہ ہوگا اور ذاتِ حمل سے ہیولیٰ مراد ہے یعنی وہ شے جو صورتوں کی حامل ہے یعنی صور کا حمل ہیولیٰ کے املاک گرادے گا۔

تفسیر عالمانہ وَتَرَى النَّاسَ محشر میں لوگوں کو دیکھو گے سُكَارٰى سکران کی جمع ہے۔ نشہ والے، یعنی ایسے معلوم ہوں گے کہ گویا وہ نشہ میں ہیں۔

سوال: یوم ترونھا میں صیغۂ جمع اور تری الناس میں صیغۂ واحد کیوں؟

جواب: وہاں زلزلہ کا بیان تھا اور وہ سب کو محسوس ہوگا بخلاف صورۃ نشہ کے کہ اسے ہر ایک اپنے غیر کو فرداً فرداً دیکھے گا۔

ف: السکر ہر وہ حالت جو مرد اور اس کی عقل کے مابین حائل ہو۔ اور یہ عموماً شراب کی مستی پر مستعمل ہوتا ہے اور یہ کیفیت کبھی غضب و

عشق کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے چنانچہ شاعر نے کہا : ع

سکران سکر ھوی وسکر مدامۃ

نشے دو ہیں، ایک عشق اور محبت کا، اور دوسرا شراب کا۔ سکرات الموت کا مادہ یہی لفظ ہے۔

ف : سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں لوگوں کو مشاہدۂ عزت و جبروت اور کبریائی کے سرا پردہ مدہوش کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اسی مدہوشی سے نفسی نفسی پکاریں گے ؎

دراں روز کز فعل پرسند و قول

اولوالعزم را تن بلرزد ز ہول

بجائے کہ دہشت خورد انبیا

تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ : اس دن کہ قضا و قدر کے فرشتے فعل و قول کے متعلق سوال کریں گے ہول سے اولوالعزم کانپ اٹھیں گے، جب انبیا علیہم السلام کو بھی دہشت ہوگی تو تُو کس قطار میں ہے، تجھے چاہیے کہ ابھی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔

وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى اور وہ درحقیقت نشہ والے نہیں ہوں گے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ نشہ زوال عقل از خوف و حیرت سکر سے نہ ہوگا اگرچہ بظاہر ایسے محسوس ہوگا۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ صور اخرویہ اگرچہ بظاہر صور دنیویہ کی مانند ہیں لیکن ان دونوں کی حقیقتیں مختلف ہیں۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : دنیا اور بہشت کی اشیا کو ایک دوسرے سے کسی قسم کی مناسبت نہیں سوائے اس کے کہ ان کے نام ایک ہیں۔

نشہ کی اقسام نشہ ان چیزوں سے ہوتا ہے :

(۱) شرابِ غفلت و عصیان (۲) حُبِ دنیا اور اس کی شہوات۔

(۳) دنیوی تنعمات (۴) لذتِ علم

(۵) شوق (۶) محبت

(۷) وصال (۸) معرفۃ

(۹) محبیۃ و محبوبیۃ

چنانچہ کسی نے فرمایا : ؎

لی سکرتان و للندمان واحدۃ
شیئ خصصت بہ من بینھم وحدی

ترجمہ : مجھے دو نشے ہیں اور نادم و شرمسار کو ایک۔ اسی لیے میں دوسرے لوگوں میں خصوصیت رکھتا ہوں۔

وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے اسی لیے انھیں عذابِ الٰہی گھیر لے گا اور ان کے عقول اُڑ جائیں گے اور ان کی تمیز ختم ہو جائے گی۔ اور عذاب کی چار آگ ہیں :

۱۔ نارِ جہنم ۳۔ نارِ اشتیاق
۲۔ نارِ قطیعۃ و فراق ۴۔ فناء فی النار و بقاء بالنار

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حولھا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کلمینی یا حمیرا فرمایا تھا تو وہ بھی اسی نارِ اشتیاق اور اس کے جوش سے۔

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے حکم فرمائے کہ مخلوق میں عذاب تقسیم کروں تو میں عاشقوں کو عذاب نہیں دُوں گا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ہر چند غرق بحرِ گناہم ز صد جہت
گر آشنائے عشق شوم ز اہلِ رحمتم

ترجمہ : سینکڑوں جہات سے اگرچہ میں بحرِ گناہ میں غرق ہوں تاہم اگر مجھے عشق کی دولت نصیب ہو جائے تو اہلِ رحمت سے ہوں۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دو آیتیں رات کے وقت غزوۂ بنی المصطلق میں نازل ہوئیں تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھ کر سنائیں۔ پھر رات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سارا وقت گریہ وزاری میں گزار دیا اور دن کو خوشیوں کے تمام امور ترک کر دئے۔ یعنی سواریوں اور دیگر جانوروں سے سامان نہ اتارا نہ ہی آرام کے لیے خیمے نصب کیے اور نہ ہی کھانا تیار کیا بلکہ سارا دن غمگین و حزیں اور متفکر اور روتے رہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، تمہیں معلوم ہے کہ یہ کونسا دن ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حسبِ دستور عرض کی : اللہ و رسولہٗ اعلم (اللہ اور اس کا رسول جانتے)۔ آپ نے فرمایا : یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا : یا اٰدمُ۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی ، لبیک وسعدیك والخیر بین یدیك۔ (حاضر ہوں یا رب، تمام بھلائیاں

تیرے قبضۂ قدرت میں ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! دوزخ سے اپنی اولاد کے چند افراد نکال لے۔ عرض کی: یا اللہ!
کتنے فیصد نکالوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ایک ہزار میں سے صرف ایک۔ یہ گفتگو اس وقت ہوگی جب بچے بوڑھے ہوجائیں گے
اور ہر حاملہ حمل گرادے گی اور لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے۔ یعنی اس وقت تمام لوگ خوفزدہ ہوں گے اسی وجہ سے بظاہر نشہ والے
معلوم ہوں گے حالانکہ درحقیقت انہیں شراب کا نشہ نہ ہوگا۔ اس وقت عذابِ الٰہی سخت ہوگا۔ یہ تقریر صحابہ کرام کو گراں گزرا
جسے سن کردہ خوب روئے اور عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم کس گروہ میں ہوں گے؟ حضور سرورِ رسل صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا! تمہیں مبارک ہو تو سو ننانوے جہنم میں جانے والے یاجوج ماجوج ہوں گے، اور ایک ہزار میں ایک بہشتی
ہونے کی جو خبر دی گئی ہے وہ تم میں سے کوئی ہوگا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس
کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بہشت میں پوری تہائی تم لوگ ہوگے۔ یہ سن کر صحابۂ کرام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حمد
بجالائی۔ پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے
مجھے امید ہے کہ بہشت میں آدھے تم لوگ ہوگے۔ اسے سن کر صحابہ نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد پڑھی پھر
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے اُمید ہے کہ
بہشت میں تم دو تہائیاں ہوگے اور یاد رکھو بہشت میں کُل ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں اسی صفیں صرف میری اُمت کی
ہوں گی اور اولادِ آدم میں مسلمان اس قدر قلیل مقدار میں ہیں جیسے سفید اونٹ پر ایک تل، یا جیسے گدھے کے پاؤں پر ایک سفید
داغ، یا جس طرح سفید بیل میں ایک سیاہ بال، یا سیاہ بیل میں ایک سفید بال۔ پھر فرمایا: میری اُمت کے ستر ہزار خوش نصیبوں
کو بغیر حساب کے بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کے طور پوچھا کہ ستر ہزار کو بلا حساب بہشت
میں داخل ہونا ہوگا۔ آپ نے فرمایا، ہاں، نہ صرف ستر ہزار بلکہ ہر فرد کے ساتھ ستر ستر ہزار بلا حساب بہشت میں جائیں گے۔
یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اُٹھے اور عرض کی: میرے لیے دُعا فرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں سے بنائے۔
حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو انہی میں سے ہے۔ اس کے بعد ایک انصاری اٹھا اور عرض کی: میرے لیے
بھی دُعا فرمائیے تاکہ میں انہی میں سے ہوجاؤں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تجھ سے عکاشہ نے سبقت لے لی۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اُمتِ مصطفویہ کے متعلق بہشت میں اسی صفوں پر مشتمل ہونے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے امتِ مصطفویہ کے متعلق فرمایا ہے کہ: اولٰئك هم الوارثون (یہی لوگ بہشت کے وارث ہیں) اور جبکہ
اپنے مقام پر یہ ثابت ہے کہ بہشت ان کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی جائداد ہے۔ اور علم المیراث کا قانون ہے کہ باپ کی
میراث کی حقدار وہ اولاد ہے جو باپ کو اقرب ہو۔ اور قاعدہ ہے کہ اقرب کے ہوتے ابعد محروم ہوتے ہیں۔ اور
ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے علی الاطلاق زیادہ قریب اور افضل ترین حضور سرورِ عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کی اُمت ہے۔ اور میراث کا قانون ہے کہ اقرب اصل کو باپ کی وراثت کا دو تہائی مال ملتا ہے، یوں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو بہشت کا دو تہائی حصّہ ملا، باقی ایک حصّہ باقی اولادِ آدم کو۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ اُمتِ مصطفویہ باقی امتوں کی بہ نسبت اقرب الی الکمال ہے۔ آدم علیہ السلام کو امتِ مصطفویہ بمنزلہ اولادِ نرینہ کے ہے اور باقی اولاد بمنزلہ مونث کے اور للذکر مثل حظ الانثیین قرآنی مشہور قاعدہ ہے۔

نکتہ: مذکورہ بالا تقریر کے مطابق بہشت میں آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد ہوگی۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح ہیں جیسے آدم علیہ السلام ابوالاجساد۔ اور قاعدہ ہے کہ اب حقیقی اولاد الاولاد کے لیے حاجب ہوتا ہے۔ اس معنے پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت آپ کی اقرب اولاد ہے اور باقی امتیں ابعد الاولاد۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ یہ مبتدا ہے بمعنے بعض الناس۔ اس سے نضر بن الحارث مراد ہے وُہ سخت جھگڑالو تھا اور کہتا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور یہ قرآن بناوٹی قصے کہانیاں ہیں۔ وُہ مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا بھی منکر تھا۔ مَنْ یُّجَادِلُ، المجادلہ بمعنے المفاوضہ علیٰ سبیل المنازعۃ والمقاتلہ۔ جدلت الحبل سے ہے بمعنے احکمت فتلہ یعنی میں نے اس کی رسّی کو مضبوط کیا۔ دو جھگڑنے والے گویا ایک دوسرے کی رسّی کو توڑنے اور اپنے مخالف کی رائے کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو جھگڑتے ہیں فِی اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے متعلق۔ یعنی اس کی شان میں ایسی باتیں کرتے ہیں جو سراسر بے بنیاد اور باطل ہوتی ہیں۔ ان جھگڑالوؤں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے قول میں ملابس ہیں بِغَیْرِ عِلْمٍ بغیر علم کے۔ یعنی نہ ان کے پاس دانش ہے نہ معرفت نہ برہان نہ حجت۔

مسئلہ: یہ آیت عام ہے ہر کافر و مسلم کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں حجت و برہان کے بغیر جھگڑا کرتا ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ علم و معرفت ہو تو اللہ کی ذات وصفات میں گفتگو کرنا جائز ہے۔ اور جو شخص علم و معرفت کے بغیر ذات وصفاتِ باری تعالیٰ میں گفتگو کرتا ہے تو یقین جانئے کہ وُہ شیطان کا تابعدار ہے۔ کما قال تعالیٰ وَیَتَّبِعُ اور وہ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرنے اور اپنے دیگر احوال میں تابعداری کرتا ہے کُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ سرکش شیطان کی۔ شیطان کا مرید اس لیے کہا گیا کہ وہ ہمہ وقت فسادِ محض کے درپے رہتا ہے اور وہ خیر و بھلائی سے بالکل عاری ہے۔ اس سے کفّار کے وہ لیڈر مراد ہیں جو لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت اور بتوں کی پرستش کی طرف بلاتے تھے۔ یا اس سے شیطان اور اس کا لشکر مراد ہے۔ یہ مرد الشیٔ سے مشتق ہے بمعنے اذا جاوز حد مثلہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی حد سے متجاوز ہو۔ اور اس کا اصل معنیٰ ہے العری۔ اسی لیے بے ریش لڑکے کو امرد کہا جاتا ہے۔ اور وہ ٹہنی جو پتوں سے خالی ہو اسے بھی امرد سے تعبیر کرتے ہیں۔

حدیث شریف: اھل الجنۃ مرد (بہشتی امرد ہوں گے)

شرح الحدیث: بعض محدثین نے اسے اپنے اصلی معنے پر محمول کیا ہے اور بعض نے اس کا مجازی معنیٰ مراد لیا ہے وہ یہ کہ بہشت میں بہشتی جملہ قبائح و شوائب (گناہوں کی ملاوٹ اور بُری نیات) سے پاک و

صاف ہوں گے۔
کُتِبَ عَلَیۡہِ لکھا گیا ہے ہر شیطان جن وانس پر۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)
اور کاشفی نے لکھا ہے کہ شیطان پر لوحِ محفوظ میں لکھا گیا ہے۔
اَنَّہٗ تحقیق شان یہ ہے کہ مَنۡ تَوَلَّاہُ جو شخص شیطان کو دوست بناتا اور اس کی تابعداری کرتا ہے فَاَنَّہٗ یُضِلُّہٗ بالفتح اس لیے کہ وہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔ یعنی شیطان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے دوست کو طریقِ حق سے بہکا دے وَیَھۡدِیۡہِ اور اس کی رہبری کرے اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ جہنم کے عذاب کی طرف۔ یعنی شیطان اپنے دوست کو ایسے امور کے ارتکاب کا راستہ دکھائے جو جہنم کے عذاب کا موجب بنیں۔ عذاب السعیر کی اضافت شجر الاراك کی طرح اضافت بیانیہ ہے اور السعیر وُہ آگ جس کے تیز شعلے ہوں۔
ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سعید جہنم کا ایک نام ہے۔
ف: شیطان جن ساوس وتسویلات والقاءُ الشبہ سے گمراہ کرتا ہے اور شیطان انس مذاہب اہلِ ہوا واہلِ بدعت وفلاسفہ و زنادقہ یعنی منکرینِ بعث ونشر کی ترغیب دیتا ہے۔ اور بدمذاہب ہمیشہ اپنے غلط مذاہب کو دلائلِ عقلیہ سے ثابت کرتے ہیں جن میں وہم وخیال اور ظلمۃ الطبیعۃ کی ملاوٹ ہوتی ہے اور شیطان انسانی بدمذاہب کے دلائل دے کر ایسا پھنساتا ہے کہ وہ چند روز کے بعد انھیں میں داخل ہو کر ان کے زمرہ کا ایک فرد شمار ہوتا ہے۔
کما قال تعالیٰ ومن یتولھم منکم فانہ منھم (اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ انہی میں سے ہو جاتا ہے)
(چنانچہ ہمارے دور کے بدمذاہب کا یہی حال ہے کہ صبح کو مسلمان تھا تو شام کو مرزائی کی صحبت ملی تو مرزائی بن گیا۔ ایسے ہی پرویزی کی صحبت سے پرویزی، اور مودودی، تبلیغی، دیوبندی، وہابی، شیعہ وغیرہم)
ف: بدمذاہب اپنی بدمذہبی سے عذابِ سعیر کی طرف راہ دکھاتے ہیں اور وہی دائمی ہجران وقطعیت کا سبب بن جاتی ہے۔

علومِ کمالیہ کا شمار

آدمی کا کمال علومِ حقیقیہ میں ہے اور وہ چار ہیں:
(۱) معرفۃ النفس وما یتعلق بھا۔
(۲) معرفۃ اللہ تعالیٰ وما یتعلق بہ۔
(۳) معرفۃ الدنیا وما یتعلق بھا۔
(۴) معرفۃ الآخرۃ وما یتعلق بھا۔

ف: اہلِ تقلید اہلِ استدلال سے اور وہ اہلِ ایقان سے اور وہ اہلِ اعیان سے مرتبہ میں کم ہیں۔
سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ وصول الیٰ مرتبۂ عیان کے لیے کوشش کرے۔ لیکن مرشد کامل کا دامن پکڑنا ضروری ہے اس لیے کہ مرشدِ کامل کے بغیر اس راہ پر چلنا مشکل ہے اور منزلِ مقصود پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ حضرت جامی قدس سرّہٗ نے فرمایا:

خواہی بصوب کعبہ تحقیق رہ بری
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ : اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں کعبہ تحقیق کا راستہ نصیب ہو تو گم کردہ راہ کی تقلید میں نہ چلنا۔

ف : مرتبۂ عیان تک پہنچنے کے بعد ظاہری علوم کی کتب کا شغل متروک ہو جاتا ہے کیونکہ کتابیں وصول الی العیان کا سبب ہیں جب مقصود حاصل ہو جائے تو پھر سبب کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ چوں شدی بر بام ہائے آسمان
سرد باشد جست و جوئے نردبان

۲ آئنہ روشن کہ شد صاف و جلی
جہل باشد بر نہادن صیقلی

۳ پیش سلطان خوش نشستہ در قبول
زشت باشد جستن نامہ و رسول

ترجمہ : (۱) جب تم آسمان پر پہنچ جاؤ تو پھر سیڑھی کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۲) جب شیشہ صاف وشفاف ہو تو اس پر صیقل کی ضرورت محسوس کرنا جہالت ہے۔

(۳) جب بادشاہ کے ہاں قرب وقبول میسر ہو جائے تو پھر اس کے ہاں کسی قسم کا خط یا قاصد بھیجنا حماقت ہے۔

ف : اسی مقام پر پہنچ کر کامل انسان عوام کے ساتھ جدل وخصومت سے فارغ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ علم حقیقی کے بعد جنگ وجدال کیسا! اور پھر اس وقت شیطان کی اتباع کو گنجائش کہاں! اس لیے کہ جس خوش قسمت کو ذاتِ حق کے ہاں پہنچنا نصیب ہو جائے تو وہ ہر قسم کے شیطان کی شرارت سے محفوظ ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہاں شیطان کیسے پہنچ سکتا ہے! اور وہ امن کا مقام ہے وہاں وسواس خناس کا شر نہیں آسکتا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ شب وروز تزکیۂ نفس اور صحتِ افکار کے لیے جدّوجہد کرے۔ دراصل یہی جہادِ اکبر ہے، کیونکہ نفس انسان کے باطنی دشمنوں سے ہے اور ایسے دشمن سے بچنا نہایت مشکل ہے ؎

نفس اندرون و دیو ز بیرون زند رہم
از مکر این دو رہزن پرحیلہ چوں کنم

ترجمہ : نفس اندر سے اور شیطان باہر سے میرا راہ مارتے ہیں میں ان دو پُرحیلہ دشمنوں سے کس طرح بچ سکتا ہوں۔

ہم اللہ سبحانہٗ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اعدائے شر سے محفوظ فرمائے اور ہمیں حقِ صریح کا تابعدار بنائے کہ اس کے سوا ہمارا کوئی چارہ نہیں، وہی ہماری عظیم ترین امیدگاہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اے اہلِ مکہ یعنی اے منکرینِ بعث ونشر! اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ، البعث بمعنے زمین سے نکال کر موقف کی طرف لے جانا۔ اگرچہ شک کرنے والے کثیر لوگ تھے۔ لیکن اسے حرفِ اِنْ سے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ مقام ایسا ہے کہ جہاں شک وارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں اور اسے کم ازکم شک کرنے والا بالفرض محال تو کہہ کر سمجھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم شک میں ہو کر قیامت میں اٹھنا ہے، اور تمہیں اب بھی شک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے نہ تو یاد کرو فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ یہ جملہ شرط کی جزا نہیں کیونکہ جزا شرط سے پہلے نہیں آتی اور ظاہر ہے کہ تخلیق انسانی ان کے شک ہونے سے پہلے ہے، ہاں اسے جزاء محذوف کی علت کہا جاسکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے منکرو! اپنی تخلیق کے آغاز کو دیکھ لو تاکہ تمہارے شکوک وشبہات زائل ہوں، یعنی ہم نے تم سب کو اجمالی طور پہلے بنایا مِّنْ تُرَابٍ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں تمہیں بھی مٹی سے (اجمالاً پیدا فرمایا)۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ نے زمین کو نرم نرم بنایا تاکہ تم اس کے کاندھوں پر چلو۔ اور آدم علیہ السلام کی اولاد کو مٹی سے پیدا کیا گیا تاکہ انہیں اسی مٹی کی وجہ سے تواضع کا درس نصیب ہو۔ لیکن بدبختوں نے اسے نہ سمجھا بالآخر نخوت وتکبر کا شکار رہوئے اور اللہ تعالیٰ نے قانون بنایا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ ہرگز بہشت میں داخل نہ ہوگا۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ پھر ہم نے تمہیں نطفہ سے بنایا۔ نطفہ صاف پانی کو کہا جاتا ہے قلیل ہو یا کثیر۔ اور انسان کی منی کو نطفہ اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ فرج سے نکل کر بہتی ہے۔ نطف الماء سے مشتق ہے بمعنے سَالَ۔ یا النطف سے ہے بمعنے الصب۔ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ پھر علقہ سے۔ علقہ خون کا وہ منجمد ٹکڑا جو منی سے ہو ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ پھر مضغہ سے۔ مضغہ گوشت کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جو منجمد منی سے ہو، اور یہ دراصل گوشت کی اس مقدار کا نام ہے جسے چبایا جاسکے۔ مُّخَلَّقَةٍ مجرور ہے اور مضغہ کی صفت ہے یعنی ہر وہ شے جس کی تخلیق کا نقشہ کھل کر سامنے آجائے وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ اور وہ جس کی تخلیق اور نقشہ ظاہر نہ ہو اس سے مضغہ کے حال کی تفصیل ہے اور واضح کرنا ہے کہ انسان پہلے گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے کہ اس وقت اس کا کوئی عضو بھی ظاہر نہیں ہوتا اس کے بعد اعضا کا ابتدائی نقشہ ظاہر ہوتا ہے جواب بھی مکمل تخلیق کے مطابق نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کی تخلیق کی تکمیل کے بعد ہی اس کے اعضاء کو ملکہ یعنی مکمل نقشہ حاصل ہوتا ہے۔

(کذافی الارشاد)

ف: ہماری اس تقریر کی تائید حضرت نجم الدین کی تاویلات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مخلقة بمعنے وہ ڈھانچہ انسانی جس میں روح پھونکی گئی وغیر مخلقة یعنی وہ انسانی ڈھانچہ جس میں روح نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ بے شک تمہارے ایک کا تخلیقی مادہ جمع کیا جاتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں۔

ف: حدیث شریف میں لفظ بطن کل بول کر جزء یعنی بچہ دانی مراد لی گئی ہے چالیس دن تک مادہ جمع کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں واقع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس سے کچھ پیدا فرمائے تو وہ نطفہ ماں کے رونگٹے رونگٹے یہاں تک کہ ماں کے ناخنوں اور بال بال میں پھیل جاتا ہے اسی طرح وُہ چالیس روز تک اسی حالت میں رہتا ہے اس کے بعد اسی کو خون کی صورت میں جمع کرکے بچہ دانی میں پہنچایا جاتا ہے۔ پہلی حدیث شریف میں جمع کرنے کا یہی معنیٰ ہے۔ اس کے بعد چالیس روز تک خُون رہتا ہے، چالیس دن کے بعد علقہ بنتا ہے۔ اسی طرح پھر چالیسویں دن کے بعد مضغہ، پھر چالیسویں دن اس میں رُوح پھونکنے کے لیے فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں رُوح پھُونکتا ہے۔

ف: اس سے ثابت ہُوا کہ انسانی نقشہ دُوسرے چالیسویں کے بعد بنتا ہے اس لیے کہ نقشہ کشی اسی حالت میں ممکن ہے، اس سے قبل اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں لیکن عادۃً ممکن نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتے کو انسان کے لیے چار کلمات لکھنے کا حکم فرماتا ہے۔

ف: حدیث شریف میں لفظ کلمہ واقع ہے۔ اس سے قضاؤ قدر کا ہر ایک علیحدہ علیحدہ باب مراد ہے۔ مثلاً وہ فرشتہ انسان کا رزق اور اجل یعنی اس کے عالمِ دنیا میں رہنے کے کل لمحات اور اس کے اعمال اور پھر یہ کہ وُہ بدبخت ہے یعنی ایسا کہ اس کے لیے دوزخ واجب اور نیک بخت یعنی اس کے لیے بہشت واجب ہوگی۔ یہ تمام باتیں اس کی ماں کے پیٹ کے اندر لکھی جاتی ہیں[1]

---

[1] یہ حدیث شریف ہمارے (اہلسنت والجماعت کے) ان دلائل میں سے ایک ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے طفیل دیگر محبوبوں کو مافی الارحام کا علم عطا فرماتا ہے۔ اس پر فقیر اویسی کا رسالہ " ازالۃ الاوہام عن علوم مافی الارحام " پڑھیے۔ سرِدست چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

○ ہمارے دلائل علمِ غیب کلی کے عموم میں یہ علم بھی ثابت ہے۔ علم کلی کے متعلق علماء کرام نے فرمایا:

اِنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِیْعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (تفسیر صاوی علی الجلالین تحت آیت یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰها)

(ترجمہ: کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دُنیا اور آخرت کے سارے علم دے دیئے)

○ اور علومِ خمسہ کے متعلق بھی علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ:

وَلَكَ اَنْ تَقُوْلَ اِنَّ عِلْمَ هٰذِهِ الْخَمْسَةِ وَاِنْ كَانَ لَا یَعْلَمُهَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ لٰكِنْ یَجُوْزُ اَنْ یُّعَلِّمَهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ مُحِبِّیْهِ وَاَوْلِیَآئِهٖ بِقَرِیْنَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ عَلٰی اَنْ یَّكُوْنَ الْخَبِیْرُ بِمَعْنَی الْمُخْبِرِ۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۵۰۴۔ تحت آیۃ آخری سورۃ لقمان)

(ترجمہ: اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں علوم کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، لیکن جائز ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے محبوبوں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ف : حدیث شریف میں لفظ شقی کی تقدیم اسی لیے ہے کہ اکثر لوگ بظاہر شقی ہوتے ہیں۔

(بقیہ ص) اور ولیوں میں سے جس کو چاہے سکھاتے اس قول کے قرینے سے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا بتانے والا ہے خبیر بمعنی مخبر۔)

○ اور اولیاء کرام کے لیے فرمایا :

وَكَيْفَ يَخْفٰى اَمْرُ الْخَمْسِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ اَهْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ لَا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَةِ هٰذِهِ الْخَمْسِ۔ (الابریز شریف ص ۲۸۳)

(ترجمہ : حضور علیہ السلام پر علوم خمسہ کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں جبکہ آپ کی امت کے کسی اہل تصرف کو تصرف ممکن نہیں جب تک کہ ان علوم خمسہ کی معرفت حاصل نہ ہو۔)

○ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

فَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْاٰيَاتِ الشَّرِيْفَةِ وَكَيْفَ يَخْفٰى عَلَيْهِ ذٰلِكَ وَالْاَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ يَعْلَمُوْنَهَا وَهُمْ دُوْنَ الْغَوْثِ فَكَيْفَ بِالْغَوْثِ فَكَيْفَ بِسَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ الَّذِيْ هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ۔ (الابریز شریف ص ۴۳۶)

(ترجمہ : حضور علیہ السلام پر ان پانچوں مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیوں کر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے سات قطب ان کو جانتے ہیں حالانکہ وہ غوث سے مرتبہ میں نیچے ہیں، پھر غوث کا کیا کہنا، پھر حضور علیہ السلام کا کیا پوچھنا جو تمام اولین و آخرین سارے جہاں کے سردار ہیں اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر چیز ان سے ہے)

○ سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے :

لَا يَكْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا حَتّٰى يَعْلَمَ حَرَكَاتِ مُرِيْدِهٖ فِيْ اِنْتِقَالِهٖ فِي الْاَصْلَابِ وَهُوَ نُطْفَةٌ مِّنْ يَوْمِ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اِلٰى اِسْتِقْرَارِهٖ فِي الْجَنَّةِ اَوْ فِي النَّارِ۔ (کبریت احمر ص ۱۶۵)

(ترجمہ : ہمارے نزدیک تو آدمی تب تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو اپنے مرید کی حرکتیں اس کے آباء کی پیٹھ میں معلوم نہ ہوں یعنی جب تک یہ معلوم نہ کرے کہ یوم الست سے کس کی پیٹھ میں ٹھہرا اور اس نے کس وقت حرکت کی یہاں تک کہ اس کے جنت اور دوزخ میں قرار پکڑنے تک کے حالات جانے)

○ تاج العارفین شیخ ابوالوفا فرماتے ہیں :

لَا يَكُوْنُ الشَّيْخُ شَيْخًا حَتّٰى يَعْرِفَ مِنْ كَافٍ اِلٰى قَافٍ فَقِيْلَ لَهٗ مَا كَافٌ وَمَا قَافٌ فَقَالَ يُطْلِعُهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى جَمِيْعِ مَا فِي الْكَوْنَيْنِ مِنْ اِبْتِدَاءِ خَلْقِهٖ بِكُنْ اِلٰى مَقَامِ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ۔ (بہجۃ الاسرار ص ۱۴۳)

(باقی بر صفحہ ۱۰۹۲

لِنُبَیِّنَ لَکُمْ یعنی ہم نے تمہیں عجیب طریقے سے پیدا فرمایا تاکہ ہم اس سے تمہیں بعث، ونشر کا معاملہ واضح طور بتائیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹۱) (ترجمہ: کوئی شخص اس وقت تک شیخ کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ کاف سے قاف تک کی معرفت حاصل نہ کرلے۔ پوچھا گیا: کاف اور قاف کیا ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل اس (شیخ کامل) کو دونوں جہان کی تمام مخلوقات کی اطلاع دیتا ہے یعنی کلمہ کُن سے پیدائش کی ابتدا سے لے کر دوزخ کے اس مقام تک کی اطلاع جہاں دوزخیوں کو کھڑا کر کے ان سے سوال کیا جائے گا۔)

یہ حضورؐ کے غلاموں کا علم ہے، جس آقا کے غلاموں کا اتنا علم ہو کہ وہ ابتدائے آفرینش خلق سے لے کر مخلوق کے جنت اور دوزخ میں جانے تک کے تمام حالات جانتے ہیں اس آقا کا اپنا علم کتنا ہوگا!

○ صاحب تفسیر عرائس البیان آیت وَیَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَام کے ماتحت فرماتے ہیں:

وسمعت ایضاً من بعض الاولیاء اللہ انہ اخبر مافی الرحم من ذکر و انثیٰ ورایت بعینی ما اخبر۔ (التفسیر عرائس البیان)

(ترجمہ: میں نے بعض اولیاء اللہ سے یہ بھی سنا کہ انہوں نے مافی الرحم کی خبر دی کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اور میں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ انہوں نے جیسی خبر دی ویسا ہی وقوع میں آیا۔)

دلائل سے ثابت ہوگیا کہ ملائکہ، صحابہ اور اولیاء اللہ کو بھی مافی الارحام کا علم عطا ہوتا ہے۔ تو پھر حضور امام الاولین والآخرین سے یہ علم کیونکر مخفی رہ سکتا ہے جبکہ وہ تمام مخلوقات سے افضل اور اعلم ہیں۔ اور یہ صرف قیاس آرائی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے علوم مافی الارحام عطا فرمائے جس کے شواہد ان گنت ہیں۔

○ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبر دی، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے آج شب ایک نہایت ناپسند خواب دیکھا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیا؟ عرض کیا: وہ بہت سخت ہے۔ فرمایا: ہے کیا؟ عرض کیا: میں نے دیکھا کہ گویا ایک ٹکڑا حضور والاؐ کے جسم اقدس کا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَاَیْتِ خَیْرًا تَلِدُ فَاطِمَۃُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ غُلَامًا یَکُوْنُ فِیْ حَجْرِکِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَۃُ الْحُسَیْنَ فَکَانَ حَجْرِیْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۲)

(ترجمہ: تو نے اچھا خواب دیکھا ہے ان شاء اللہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ہاں لڑکا ہوگا اور وہ تیری گود میں ہوگا پس حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حسین کو جنا پس میری گود میں آیا جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

وُہ ذات جو تمہیں مٹی سے پیدا کر سکتی ہے جبکہ اس وقت تمہارے اندر زندگی کی بُو بھی نہیں تھی وہی تمہیں بعث ونشر میں اٹھانے پر بھی قادر ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۔)

○ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیدا ہونے کی خبر سنائی، جو بعد میں پیدا ہوں گے۔ جو صحیح حدیثوں میں مذکور اور عوام الناس میں مشہور ہے۔ یہ خبر آپ نے لڑکا پیدا ہونے کی اس وقت دی جبکہ نطفہ باپ کی پیٹھ میں نہیں بلکہ اس سے بھی بہت پہلے۔ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے متعلق تفصیل وتحقیق فقیر کی کتاب " امام مہدی" اور " آئینہ شیعہ نما" کی شرح میں ہے۔

○ عن انس قال مات ابن لابی طلحة من ام سلیم فقالت لاھلھا لا تحدثوا ابا طلحة بابنه حتّٰی اکون انا احدثه قال فجاء فقربت الیه عشاءً فاکل وشرب قال ثم تصنعت له احسن ما کان تصنع قبل ذالک فوقع بها فلما ات انه قد شبع واصاب منها قالت یا ابا طلحة ارأیت لو ان قومًا اعادوا عاریتهم اهل بیتٍ فطلبوا عاریتهم الهم ان یمنعوهم قال لا قالت فاحتسب ابنک قال فغضب فقال ترکتنی حتی تلطخت ثم اخبرتنی بابنی فانطلق اتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بارک اللہ لکما غابر لیلتکما قال فحملت۔

(رواہ مسلم فی فضائل امِ سلیم رضی اللہ عنہا)

(ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ کا بیٹا جو ام سلیم کے پیٹ سے تھا فوت ہوگیا انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا ابوطلحہ کو خبر نہ کرنا ان کے بیٹے کی، جب تک کہ میں خود نہ کہوں۔ آخر ابوطلحہ آئے۔ ام سلیم شام کا کھانا سامنے لائیں۔ انہوں نے کھایا اور پیا۔ پھر ام سلیم نے اچھی طرح بناؤ سنگھار کیا ان کے لیے، یہاں تک کہ انہوں نے جماع کیا ان سے۔ جب ام سلیم نے دیکھا کہ وہ سیر ہوگئے اور ان کے ساتھ صحبت بھی کر چکے۔ اس وقت انہوں نے کہا اے ابوطلحہ! اگر کچھ لوگ اپنی چیز کسی گھر والے کو مانگنے پر دیویں پھر اپنی چیز مانگیں، تو کیا گھر والے اس کو روک سکتے ہیں؟ ابوطلحہ نے کہا، نہیں روک سکتے۔ ام سلیم نے کہا تو میں تم کو خبر دیتی ہوں تمہارے بیٹے کے فوت ہو جانے کی۔ یہ سُن کر ابوطلحہ غصے ہوئے اور کہنے لگے "تُو نے مجھ کو خبر نہ کی، یہاں تک کہ میں آلودہ ہوا اب مجھ کو خبر کی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے تمہاری گزری ہوئی رات میں۔ امِ سلیم حاملہ ہوگئیں۔

ف: حدیث شریف سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو ایک خفیہ بات کی خبر دے کر اس کی بیوی کے لیے حاملہ ہونے کی اطلاع دی۔ چنانچہ اسی روایت میں ہے کہ " فولدت غلامًا " تو بی بی کو بچہ پیدا ہوا۔

(باقی بر صفحہ ۱۰۹۴

بعث انسان گر نشد نزدت عیان
اوّل خلقش نگر ہذا بیان
ہرکہ بر ایجاد او قادر بود
قدرتش بر بعث او ظاہر شود
اوست خلاقے کہ از بعد خزان
میکند پیدا بہارِ بوستان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹۳)

اور یہ کمال نہ صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود تھا بلکہ آپ کے فیضانِ کرم سے آپ کے فیض یافتگان اور آپ کی اُمت کے اولیاءِ کرام کو بھی حاصل تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

⊙ عن عُروۃ قال لقی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجُلاً من اھل البادیہ وھو یتوجہ الی بدر لقیہ بالروحاء فسأ لہٗ القوم عن خبر الناس فلم یجدوا عندہٗ خبراً فقالوا لہ سلّم علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فقال اوفیکم رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قالوا نعم قال الاعرابی فان کنت رسول اللّٰہ فاخبرنی ما فی بطن ناقتی ھٰذہٖ فقال لہٗ سلمۃ بن سلامۃ بن دوقش وکان غلاماً حدثاً لا تسأل رسول اللّٰہ انا اخبرك نزوت علیہ ففی بطنھا سخلۃٌ منك۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۳ ص ۴۱۸ وقال ھذا صحیح مرسل وحکاہ ھشام فی سیرتہٖ ونقلہ الدمیری فی حیٰوۃ الحیوان)

(ترجمہ: عُروہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جنگ کو جا رہے تھے تو مقامِ روحاء پر ایک بدوی ملا اس سے صحابہؓ نے کچھ حالات پُوچھے لیکن اس نے کچھ نہ بتایا پھر اسے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیجئے۔ کہا کیا تم میں رسول ہے؟ صحابہ کرام نے کہا ہاں۔ اعرابی بدوی نے کہا بتاؤ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پُوچھو میری طرف متوجہ ہو، میں تجھے خبر دیتا ہُوں کہ اس کے پیٹ میں تیری حرکتِ نالائق کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خاموش۔ اور وہ اعرابی حیران رہ گیا۔)

اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے نوعمر صحابی نے پیٹ کا حال بتادیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کا یہ سوال سن کر خاموشی فرمائی تاکہ اس کی نالائق حرکت کا پردہ فاش نہ ہو۔ لیکن اس نے اعرابی کو یہ بتادیا کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں کس کا علقہ ہے۔

حضور سیّد المرسلین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رؤف رحیمی پر قربان جنہوں نے علم ہونے کے باوجود اس اعرابی کا پردہ،

(باقی ص

ترجمہ : قیامت کے دن انسان کا اُٹھنا اگر تمہیں معلوم نہیں تو اللہ تعالیٰ کی اوّل تخلیق پر غور کیجئے کہ وہ اس بارہ میں بہتر دلیل ہے ۔ جو ذات ایجادِ عالم پر قادر ہے وہ قیامت میں اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے کیونکہ وہ ہر شے کی خالق ہے ۔ دیکھئے خزاں کے بعد بہار آتی ہے اور باغ بن جاتے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) فاش کرنا مناسب نہ سمجھا ۔ حضرت سلمہ صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ خبر دے دینا اسی بات کی دلیل ہے کہ آقائے دو عالم کے علم کی شان تو بہت بلند ہے لیکن ان کی بدولت غلاموں کو بھی ما فی الارحام کا علم ہوتا ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ اعرابی حیران ہو گیا ۔

○ عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت ان ابابکرؓ الصدیق کان نحلہا جاد عشرین وسقاً من مالہ بالغابۃ فلما حضرتہ الوفاۃ قال و اللہ یا بنیۃ ما من احدٍ احب الیّ غنیً بعدی منک ولا اعز علیّ فقراً بعدی منک و انی کنت نحلتک جاد عشرین وسقاً فلو کنت جددتیہ و اخترزیتہ کان ذٰلک و انما ھو الیوم مال وارث و انما ھما اخواک و اختاک فاقسموہ علی کتاب اللہ قالت عائشۃ یا ابت واللہ لو کان کذا وکذا لترکتہ انما ھی اسماءُ فمن الاخریٰ قال ذو بطن ابنۃٌ خارجۃُ اُراھا جاریۃً ۔ (رواہ البیہقی ج ۶ ص ۱۰۰ ۔ والطحاوی ج ۲ ص ۲۴۵ ۔ تاریخ الخلفاء ص ۶۱ ۔ اصابہ ص ۲۸۶)

(ترجمہ ؛ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک درخت کھجور کا دے دیا تھا جس سے بیس وسق کھجوریں حاصل ہوتی تھیں ۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے بیٹی ! خدا کی قسم مجھے تیرا غنی ہونا بہت پسند ہے اور غریب ہونا بہت ناگوار ۔ اس درخت سے اب تک جو کچھ تم نے نفع اٹھایا ہے وہ تمہارا تھا لیکن میرے بعد یہ مال وارثوں کا ہے اور وارث تمہارے صرف دو بھائی اور دونوں بہنیں ہیں اس ترکہ کو موافق حکم شرع کے تقسیم کر لینا ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایسا ہو سکتا ہے لیکن میری تو صرف ایک بہن اسماء ہی ہیں آپ نے دوسری کون سی بتا دی ؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا : ایک تو اسماء ہیں ، دوسری بہن ماں کے پیٹ میں ہے ، میں جانتا ہوں کہ وہ لڑکی ہے ۔ پس اُمِّ کلثوم پیدا ہوئیں ۔)

ایسے بے شمار واقعات اولیائے کرام کے ہیں صرف ایک واقعہ ملاحظہ ہو ۔

○ استاذ الکل حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بستان المحدثین (ص ۱۱۴) میں فرماتے ہیں :

نقل می کنند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزندی زلیست کشیدہ خاطر بحضور شیخ رسید ۔ شیخ فرمود از پشتِ تو فرزندی خواہد برآمد کہ بعلم دنیا را پُر کند ۔

(یعنی شیخ ابن حجر عسقلانی کے والد ماجد کی اولاد زندہ نہیں رہا کرتی تھی ایک روز رنجیدہ ہو کر اپنے شیخ کے حضور میں پہنچے ۔ شیخ نے فرمایا کہ تیری پشت سے ایسا فرزند ارجمند پیدا ہوگا کہ جس کے علم سے دنیا بھر جائے گی) چنانچہ ابن حجرؒ پیدا ہوئے ۔

وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ یہ جملہ مستانفہ ہے ان کی تخلیق کی تکمیل کے بیان کے بعد اب ان کے بعض حالات کو بیان فرمایا یعنی جتنی مدت ہم تمہارے لیے چاہتے ہیں تمہیں ماؤں کے پیٹوں میں ٹھہراتے ہیں اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی میعاد مقرر تک۔ اس سے وضع حمل کی مدت مراد ہے۔

پیٹ میں بچّہ کے ٹھہرنے کی مدّت

تمام ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیٹ میں بچہ کے ٹھہرنے کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو سال اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چار سال اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ سال ہے۔

ف: مروی ہے کہ ضحاک بن مزاحم تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں دو سال اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ تین سال ٹھہرے (کذا ذکرہ السیوطی)۔

ف: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی ہمسایہ عورت نے بارہ سال میں تین بچے جنے، جن میں سے ہر ایک ماں کے پیٹ میں چار سال ٹھہرتا تھا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جن بچوں کے لیے ماں کے پیٹ کے اندر اللہ تعالیٰ ٹھہرانا نہیں چاہتا تو وہ بچہ کچا گر جاتا ہے۔

ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرانے اور تمہاری مدت کی تکمیل کے بعد ہم تمہیں نکالتے ہیں طِفْلًا بچے بنا کر، کہ تم اپنے معاملات کو طے نہیں کر سکتے کیونکہ اس وقت تم نہایت کمزور ہوتے ہو۔

سوال: اطفالاً کے بجائے طفلاً کیوں کہا گیا؟

جواب: یہاں جنس واقع ہوا ہے جس میں ایک بھی مراد ہو سکتا ہے اور متعدد بھی۔ یا کل واحد منہم کے معنے میں ہے۔

ف: ہر وُہ بچہ جو پیدائش کے بعد جب تک کھانے پینے کی قدرت نہ رکھے اس وقت تک اسے طفل کہا جائے گا۔ (کذا فی المفردات)

ف: مولانا فناری رحمہ اللہ الباری نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا کہ ہر وُہ بچہ جو پیدائش کے بعد چیخ مارے اور یہاں تک کہ چھ سال کا ہو جائے اسے طفل کہا جائے گا۔

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّکُمْ یہ لنخرجکم کی علت اور اس کا علت آخرہ پر عطف ہے اور اسی کی مناسبت سے اس کا اس پر عطف ڈالا گیا ہے۔ گویا عبارت یوں تھی: ثم نخرجکم لتکبروا شیئاً فشیئاً ثم لتبلغوا کمالکم الخ یعنی تمہیں ماں کے پیٹ سے نکالا تاکہ تم بتدریج بڑے ہو کر اپنے عقل و قوت و تمیز کے کمال کو پہنچو۔ اور یہ تیس و چالیس کی درمیانی عمر کو کہا جاتا ہے اور قاموس میں ہے کہ یہ اٹھارہ سال سے تیس سال کو کہتے ہیں اور اشد واحد کا صیغہ ہے لیکن جمع کے وزن پر آیا ہے' جیسے لفظ آنک واحد کا صیغہ جمع کے وزن پر واقع ہوا ہے۔ اس صیغہ کی کوئی اور نظیر نہیں۔ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی اور تم میں بعض وہ ہوتے ہیں جن کی رُوحیں سنِ بلوغ سے پہلے قبض کی جاتی ہیں' یا وہ بلوغ کے تھوڑی سی مدت بعد مرجاتے ہیں۔

المتوفی بمعنے الموت۔ چنانچہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

توفاه اللہ بمعنے قبض روحہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی رُوح قبض کر لی۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ اور بعض تم میں وہ ہیں جنہیں رذیل ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے اس سے بڑھاپا اور انتہائی زندگی مراد ہے۔ اور الرذل والرذال سے وہ شے مراد ہوتی ہے جس سے اس کے ردّی ہونے کی وجہ سے طبیعت کو سخت نفرت ہو اور وہ مدت جو بدن میں رُوح کی وجہ سے معمور رہتی ہے اسے عمر کہا جاتا ہے لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا تاکہ اس عمر تک پہنچنے کے بعد کسی شے کو نہ جان سکے حالانکہ اس سے قبل بہت سی معلومات رکھتا تھا اس میں اس کے علم کی کمی اور اس کی زبوں حالی میں مبالغہ مطلوب ہے ورنہ وہ اس عمر میں انسان کی حالت بچے سی ہو جاتی ہے گویا وہ بڑھاپے میں بچپن کی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے مثلاً جسمانیت کی کمی اور عقل کی کمزوری اور فہم کی قلت وغیرہ۔ اس عمر سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بہت سے اپنے کیے ہوئے اعمال کو بھول جاتا ہے اور بہت سی جانی پہچانی چیزوں کا انکار کر جاتا ہے۔ بہت سے وہ امور کہ جن پر قدرت رکھنے کے باوجود اب عجز کا یہ حال ہوتا ہے کہ چلتے وقت لڑکھڑاتا ہے سورۂ نحل میں اسی کے متعلق تحت آیت واللہ خلقناکم ثم یتوفاکم میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

طرب نوجوان ز پیر مجوی
کہ دگر ناید آب رفتہ بجوی

زرع را چوں رسید وقت درو
نخرامد چنانکہ سبزۂ نو

ترجمہ: نوجوان کی خوشی کی باتوں کو بوڑھے سے مت تلاش کر، اس لیے کہ نہر کا گیا ہوا پانی واپس نہیں آتا۔
کھیتی کے کاٹنے کا وقت جب پہنچتا ہے تو وہ نئے سبزے کی طرح نہیں ہوتی۔

اور فرمایا:

۱ چو دوران عمر از چہل در گزشت
مزن دست و پا کاب از سر گزشت

۲ بسبزی کجا تازہ گردد دلم
کہ سبزی نخواہد دمید از کلم

۳ تفرج کناں در ہوا و ہوس
گزشتیم بر خاک بسیار کس

۴ کسانی کہ دیگر بغیبت اندر رند
بیایند و بر خاک ما بگزرند

۵ دریغا کہ فصل جوانی گزشت
بلہو و لعب زندگانی گزشت

۶ چہ خوش گفت با کودک آموزگار
کہ کاری نکردیم و شد روزگار

ترجمہ : (۱) جب دورِ زندگی چالیس سال سے گزر جائے تو ہاتھ پاؤں مت مار کیونکہ اب پانی سر سے گزر گیا۔
(۲) سبزی سے میرا دل کب تازہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ میری مٹی سے اب سبزی پیدا نہ ہو سکے گی۔
(۳) لوگوں کی قبور پر ہنسی و مذاق کرتے ہُوئے ہم گزرے۔
(۴) جو ابھی پیدا نہیں ہُوئے وہ بھی ایسے ہی ہماری قبروں سے گزریں گے۔
(۵) افسوس کہ جوانی کی بہار گزر گئی۔ لہو ولعب میں زندگی گزر گئی۔
(۶) استاد نے لڑکے سے کیا خوب فرمایا کہ ہم نے کوئی کام نہ کیا اور ہمارا وقت گزر گیا۔

نسخۂ رُوحانی نسفی نے کشف الحقایق میں لکھا کہ اے درویش! علم سے پہلے جہالت دوزخ ہے اور جہل کے بعد علم بہشت ہے اس لیے کہ علم سے پہلے جہالت حرص و طمع کا سبب اور جہل کے بعد علم رضا و قناعت کا سبب ہے۔

فائدہ صُوفیانہ عرائس البقلی میں ہے کہ ارذل العمر سے مشاہدہ کے بعد ایام مجاہدہ اور مواصلت کے بعد ایام فترۃ مراد ہے تاکہ علم کے باوجود اسے ان احوال شریفہ اور مقاماتِ رفیعہ کا علم نہ ہو جو اس پر گزرے ہیں اور محققین پر غیرۃ حق کی وجہ سے ہے یہ اس وقت ہے جب وہ دعاوی کثیرہ سے اپنے اسرار و رموز ظاہر کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کے فضل وکرم کا اضافہ چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں نفس کے فتنے اور اس کے شر سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ کائنات بمنزلہ بچوں کے اور عدم بمنزلہ ماں کے ہے اور یہ کائنات اسی عدم کے پیٹ میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جتنے ایام مقرر فرمائے ہیں اس کائنات نے اتنی مدت عدم میں گذاری اور جو بھی عدم سے عالمِ دنیا میں آیا اس کے لیے میعاد مقرر فرمائی اور ان میں سے ہر ایک کی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا و مشیت پر مبنی ہے۔ اس کی حکمت کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے کوئی بھی عدم کے رحم سے خارج نہیں ہوتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ظاہر ہوتا ہے اور اس کی زندگی کے لمحات بھی

مشیتِ حق کے مطابق مکمل ہوتے ہیں۔

تردیدِ فلاسفہ اس سے فلاسفہ کا ردّ ہو گیا وُہ کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایجادِ عالم کے لیے ازل میں اسبابِ الٰہیہ باکمال تھے۔ اگر ہم کہیں کہ ازل میں اسبابِ الٰہیہ نہیں تھے تو نقص لازم آتا ہے اور نقص شانِ الٰہیہ کے لائق نہیں۔ اگر ہم کہیں کہ ازل میں اسبابِ الٰہیہ بالکمال بلا صانع موجود تھے۔ اس سے ایجادِ عالم فی الازل بلا تقدم زمانی صانع علی المصنوع لازم آتا ہے بلکہ یُوں کہو کہ اس سے تقدم رتبی لازم آتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آیت میں دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں موجود تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی شے نہیں تھی اور اسے قدرت ہے جسے چاہے جیسے چاہے پیدا کرے۔ ہاں ازل میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ حکمتِ ازلیہ کے مقتضیٰ کے مطابق ایک وقت میں عدم سے کائنات کو ظاہر فرمائے اگرچہ اس عالم کے وجود سے پہلے بھی کوئی وقت وغیرہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں ان ایام کی مقدار مقدر تھی جس میں نہ صبح تھی نہ شام۔ کما قال تعالیٰ: وذکرھم بایام اللہ۔ اور فرمایا: تخرجکم الخ اس میں اشارہ ہے کہ کائنات کا ہر وہ ذرہ عدم سے ظاہر ہُوا کہ جس کے متعلق تربیت کی استعداد تھی پھر اسے بتدریج کمال نصیب ہوا ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں جو کمال کو پہنچنے سے پہلے مٹ جاتے ہیں اور ان میں بعض اپنے کمال سے متجاوز ہو کر کمال کی نقیض کی طرف لوٹتے ہیں، یہاں تک کہ اس میں کمال کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ لکیلا یعلم من بعد علم شیئا کا یہی معنیٰ ہے ؎

دفتر دانش من جملہ بشوئید بمی
تا شود از نم فیض ازلی جانم حی

ترجمہ: دانائی کے تمام دفتر شرابِ حقیقت سے دھو ڈالو تاکہ فیضِ ازلی کی تروتازگی سے میری جان زندہ ہو۔

تفسیرِ عالمانہ وَتَرَى الْاَرْضَ اور زمین کو دیکھتے ہو۔ یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جس میں رؤیت کی صلاحیت ہو یہ بعث ونشر کی دُوسری حجت ہے هَامِدَةً ویران اور خشک۔ یہ ھمدات النار سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے جل کر راکھ ہو جائے فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ پس اچانک ہم نے اس پر پانی یعنی بارش نازل فرمائی اهْتَزَّتْ تو انگوری سے حرکت میں آجاتی ہے اھتزاز بمعنے وہ حرکت جو بہجۃ وسرور سے ہو۔ اھتز فلان لکیت وکیت یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی میں محاسن ومنافع کی رونق آجائے وَرَبَتْ اور پھُول جاتی اور بڑھ جاتی ہے یہ ربا، یربو، ربا سے مشتق ہے بمعنے ازداد ونما۔ اور کہا جاتا ہے الفرس ربوا: یہ اس وقت بولتے ہیں جب گھوڑا دشمن یا کسی دیگر خوف سے پھُول جائے (کذا فی القاموس)۔ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ اور اگاتی ہے ہر قسم کے جوڑے۔ بہیج، البھجۃ بمعنے اچھے رنگ والی شے۔ اور ہر اس شخص پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے سرور وفرحت ظاہر ہو۔ اور اہلِ عرب کہتے ہیں:

ابتھج بکذا سرورا بمعنے اثرہ فی وجھہ۔ یعنی سرور وفرحت کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ زمین ایسی پُر رونق ہو جاتی ہے کہ اسے دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالےٰ زمین کو تر و تازہ اور بہتر اور پُر رونق کرتا ہے اور وہ ویران زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو مُردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے ؎

آنکہ پے دانۂ نہال افراخت | دانۂ ہم شجر تواند ساخت
گر نابودہ را بقدرت بود | چہ عجب گر دہد ببودہ وجود

ترجمہ: وہ ذات جو دانہ سے بڑا درخت بنا سکتی ہے وہی درخت سے دانہ بھی پیدا کر سکتی ہے۔ اگر وہ ذات اپنی قدرت سے نیست کو ہست بناتی ہے تو اس سے کب بعید ہے کہ وہ ہست کو وجود بخشے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ ذلك کا اشارہ صنع بدیع کی طرف راجع ہے۔ یعنی انسان کی تخلیق اطوار مختلفہ پر اور انسان کی تعریف اطوار متباینہ ہیں، اور ویران زمین کا آباد ہونا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ هُوَ الْحَقُّ حق ہے وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے یعنی اس کی شان اور عادتِ کریمہ یہ ہے کہ وُہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے احیا پر قادر ہے۔ ابتدائً یعنی عدم کو وجود بخشا تو اسی نے، اور پھر مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھاتا ہے تو اسی نے۔ اور دیکھو کہ نطفۂ منی سے کتنی حسین صورتیں بنیں اور بنتی رہیں گی۔ اور ویران زمین کو تازگی اور رونق بخشی اور بخشتا رہے گا۔ وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ قدیر بمعنے بہت بڑی قدرت والا، اور اس کی سب سے بڑی قدرت کی دلیل کل موجودات کی تخلیق و ایجاد ہے وَاَنَّ السَّاعَةَ اور بے شک قیامت اٰتِيَةٌ آنے والی ہے یعنی عنقریب آئے گی جس میں نیک کو احسن جزا اور بُرے کو سخت سزا ملے گی لَا رَيْبَ فِيْهَا اس میں کسی قسم کا شک نہیں کیونکہ اس کی آمد کی دلیلیں واضح اور اس کا معاملہ ظاہر ہو چکا ہے، اور یہ ان کی دُوسری خبر ہے وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ اور بے شک اللہ تعالیٰ اٹھائے گا یعنی اپنے وعدہ کے مقتضیٰ پر اٹھائے گا اس لیے کہ اس کے وعدے کا خلاف نہیں ہو سکتا مَنْ فِي الْقُبُوْرِ یہ قبر کی جمع ہے بمعنے وُہ جگہ جہاں مُردے کو دفنایا جاتا ہے اور البعث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبروں سے سب کو اٹھائے گا یعنی ان کے اصلی اجزاء جمع کر کے ان کے اندر رُوح لوٹائے گا۔

فلاسفہ اور کمیونسٹوں کی تردید

فلاسفہ اور منکرینِ اسلام کہتے ہیں کہ قبروں سے کیسے اٹھایا جائے گا جبکہ یہ تمام اجسام ریزہ ریزہ ہو کر معدوم ہو جائیں گے اور معدوم کا اعادہ ممتنع ہے۔

جواب: ہم اہلِ اسلام ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اجزاء کو جمع فرمائے گا جو انسان کے اصلی اجزاء ہیں اور وہ اوّل العمر سے لے کر آخر المدۃ تک باقی اور موجود ہوتے ہیں انہی کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اسے اعادۃ المعدوم سے کوئی تعبیر کرتا ہے تو وہ اس کی اپنی اصطلاح ہے ورنہ ہماری تقریر واضح ہے اور اسے اعادۃ المعدوم کہنا انصاف کا خون کرنا ہے۔

سوال: اجزاء ماکولہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

جواب : ہم ان اجزاء ماکولہ کو فضلہ سے تعبیر کرتے ہیں یہ انسان کے اصلی اجزاء میں داخل نہیں اگر کوئی ان کو اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں کرتا تو ہم اس کے ساتھ ہیں ہم فلاسفر (اور کمیونسٹوں) کو اجزائے اصلیہ کے اعادہ کی بات کرتے ہیں اور وہ حق ہے اور اسے منصف مزاج مانتے بھی ہیں ہم اجزائے ماکولہ کو نہ اجزائے اصلیہ میں داخل کرتے ہیں اور نہ ان سے ہماری گفتگو ہے اگر کسی کو غلط فہمی ہے تو وہ ہمارے اصول کو پہلے سمجھے پھر اعتراض کرے۔

ف : مروی ہے کہ جب ہم سب قیامت میں اٹھیں گے تو اس وقت آسمان سے ایک پانی برسے گا جو منی کے مشابہ ہوگا، اسی سے ہی آخرت میں انسانی نشوونما ہوگی۔ اسے دنیا کی نشوونما پر قیاس کیجئے کہ وہ نطفہ جو بحرِ حیات سے گر کر آباد کے اصلاب میں پہنچا وہاں سے منتقل ہو کر امہات کے ارحام میں واصل ہوا انسانی ڈھانچہ بن گیا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہماری پہلی تخلیق ایسے طریقہ سے فرمائی کہ جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی پھر اسے ایسی بہترین ترکیب میں ظاہر فرمایا کہ عقل حیرت زدہ ہے ایسے ہی ہماری دیگر نشوونما ایسے طریقے سے فرمائے گا جس میں مثالِ ماسبق کو دخل نہ ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ آخرت میں یہ نشوونما محسوس ہوگی، اور پہلی نشوونما غیر محسوس تھی۔ اس تقریر پر معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی ریڑھ کی ہڈی سے تمام جسم کے ڈھانچے کو بڑھائے گا اور وہ ریڑھ کی ہڈی اسی دنیوی نشأۃ سے ہوگی اور یہی انسانی اجزا کی اصل ہے اور اسی پر آخرت کی نشأۃ کا دارومدار ہے۔

فائدہ صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ ویران زمین اور انسان کے معدوم ڈھانچہ کو پانی سے زندہ فرماتا ہے ایسے ہی زنگ آلود قلوب کو معنوی آب سے زندہ فرماتا ہے اور معنوی پانی سے اذکار و انوارِ ہدایت مراد ہیں۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے دل کو انوارِ طاعات و اذکارِ الٰہیہ سے منوّر اور زندہ کرے تاکہ اس کا دل شرکِ جلی و خفی کے ظلمات اور دیگر شکوک و شبہات سے نجات پائے۔

ردِّ وہابیہ معتزلہ اور نجدیہ دیوبندیہ[1] اس میں شک نہیں کہ قبر میں میّت زندہ لوگوں کی دعا سے نفع پاتی ہے۔ ایسے ہی روح کو اعضائے انسانی اور قوائے جسدانی سے قوّت نصیب ہوتی ہے تو روح مقامِ اعلیٰ کی طرف ترقی پاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے طفیل اس سے حیاۃ ابدیہ کا سوال کرتے ہیں ؎

اگر ہوشمندی بمعنے گرائے
کہ معنے بماند نہ صورت بجائے

ترجمہ : اگر تم دانا ہو تو حقیقت کی طرف مائل ہو اس لیے کہ حقیقت برقرار رہے گی اور صورت فنا ہو کر مٹ جائے گی۔

---

[1] یہ عنوان ہم نے اس لیے قائم کیا ہے کہ وہابی دیوبندی اور اس کی شاخیں بظاہر مانتے ہیں کہ مُردوں کو زندہ لوگ فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن ان کا طرزِ عمل اور معاملات وہی ہیں جو معتزلہ اور نجدیوں کے ہیں۔ آزما کر دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

وَمِنَ النَّاسِ اس سے ابوجہل وغیرہ مراد ہے مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اپنے جھگڑے میں "بِغَيْرِ عِلْمٍ" علم سے کورے ہیں، نہ انھیں ضروری علم نصیب ہے نہ بدیہی اور فطری وَلَا هُدًى اور نہ انھیں ہدایت حاصل ہے کہ جس سے کسی حقیقت کے لیے استدلال کر سکیں اور نہ ان کے ہاں نظر صحیح ہے جو انھیں معرفت کی ہدایت دے یعنی ان کے ہاں کوئی ایسی دلیل نہیں جو انہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دے وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ اور نہ ہی ان کے ہاں روشن کتاب ہے یعنی وحیِ الٰہی جو ان پر حق ظاہر کرے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ ان کے ہاں کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے وہ صواب و خطا کا امتیاز کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ جھگڑالو اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑتا ہے تو اس کے پاس نہ کوئی دلیل ضروری ہے اور نہ حجتِ نظری اور نہ برہان سمعی، بلکہ وہ اندھی تقلید میں گرفتار ہے اور قاعدہ ہے جو بھی کسی سے مناظرہ کرے اور اس کے پاس ان تینوں امور (دلیل ضروری، حجۃ نظری، برہان سمعی) میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اسے جاہلوں کا باپ اور احمقوں کا سردار کہا جاتا ہے۔ بلکہ یقین کیا جاتا ہے کہ گمراہی اور ضلالت اسی پر ختم ہے۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ (حلِ لغات:) یہ یجادل کے فاعل سے دوسرا حال ہے، یہ ثَنَى الْعُوْدُ سے مشتق ہے، یعنی وہ ٹیڑھی ہو گئی۔ اس کی مناسبت ظاہر ہے کہ لکڑی کی ایک جانب دوسری جانب سے مل کر گویا دوہری ہو گئی ہے، عطف الانسان (بکسر العین) بمعنے جانب الانسان یعنی اس کی جانب یعنی سر سے لے کر ران یا قدم تک کو عطف الانسان سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ العطف بکسر العین انسان کی وہ جانب کہ جس کی طرف گردن مروڑ کر یعنی کسی شے سے روگردانی کر کے اسی طرف متوجہ ہونے کو کہا جاتا ہے اور بفتح العین بمعنے التعطف والمیل یعنی احسان مندی اور لطف و کرم کرنا۔ اور یہاں ثنی العطف سے تکبّر اور سرکشی مراد ہے۔ اسی لیے جلالین میں اس کا معنی لاوی عنقہ تکبرا لکھا ہے بمعنے اس نے اپنی گردن تکبّر سے مروڑی۔ اور دامن لپیٹنے کے معنے میں بھی آتا ہے، اور اس سے بھی تکبّر مراد ہوتا ہے، وہ اس لیے کہ متکبر گویا ہر شے سے اپنا دامن سمیٹ لیتا ہے اور کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اور الارشاد میں اس کا معنیٰ لکھا ہے عاطفا بجانبہ وطاویا کشحہ معرضا متکبرا یعنی اس نے ایک طرف کو گردن مروڑی اور اپنی کمر کو لپیٹا یعنی روگردانی کی اور اکڑ گیا۔

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہکا دے۔ یہ یجادل کے متعلق ہے یعنی ایسے متکبر سرکش کی غرض یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کو سیدھے راہ سے بہکا دے اگرچہ وہ اسے گمراہی کے بجائے اصلاح سے تعبیر کرے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس متکبر اور سرکش کا پروگرام یہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو ایمان سے نکال کر کفر کے گھاٹ اتارے یا کم از کم اس کی یہ کوشش ہو کہ کافر و مشرک تو اپنے کفر و شرک پر ثابت قدم رہیں لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ الخزی

بمعنے الھوان والفضیحة یعنی تاکہ اسے دُنیا میں ایسے ثابت قدم رکھے اس سبب سے جو اسے یوم بدر میں پہنچا ان کے بعض قتل کردئے گئے اور بعض قیدی بنا لیے گئے۔ اس سے بڑھ کر رُسوائی انھیں اور کیا ہوگی وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ الحریق بمعنے المحرق یعنی جلانے والا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اضافت السبب الی السبب کے قبیل سے ہو اور الحریق سے نار مراد ہو، یا یوں کہو کہ یہ اضافت الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے، دراصل عبارت العذاب الحریق تھی۔ معنیٰ یوں ہوگا کہ قیامت میں ہم اسے جلانے والا عذاب چکھائیں گے ذٰلِكَ اسے کہا جائے گا کہ دنیا میں وہ ذلت اور خواری اور آخرت میں یہ سخت عذاب بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ بسبب اس کے ہے جو تیرے ہاتھوں نے عمل کیا یعنی تیرے کفر اور معاصی کی وجہ سے تجھے دنیا و آخرت میں سزا ملی ہے۔

ف : چونکہ عادۃً عموماً افعال کا صدور ہاتھوں سے ہوتا ہے بنا بریں فعل کا اسناد ہاتھوں کی طرف کیا گیا ہے اور یہ کلام تاکید وعید وتشدید تہدید کے لیے التفات کے قبیل سے بھی ہو سکتا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے گناہوں کے بغیر انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

سوال : یہاں پر لیس بظالم للعبید ہونا چاہیئے تاکہ اصل ظلم کی نفی ہو۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ ظلّام مبالغہ کے صیغہ سے اصل ظلم کی نفی نہیں ہوتی۔

جواب[1] : یہ مبالغہ دراصل بندوں کی کثرت کی وجہ سے ہے جس سے اصل ظلم کی نفی مطلوب ہے اور بندوں کی کثرت کی وجہ سے مبالغہ خود بخود پیدا ہوجاتا ہے اس لیے کہ جو ذات اتنی بڑی مخلوق کے ایک ایک فرد پر اگر ظلم کرے تو وہ کثیر الظلم ہوگی اب جبکہ اس کی نفی کی گئی ہے تو اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ ذات نہ اس پر ظلم کرتی ہے نہ اس کے لیے نہ فلاں کے لیے الیٰ غیر نہایۃ۔

(۲) نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے کہ وہ بُرے کو عذاب اور نیک کو ثواب پُورا پُورا دے نہ کسی کے عذاب میں اضافہ کرے اور نہ کسی کے عطیہ میں کمی کرے۔ اب اس معنی پر اگر اپنے حتمی وعدہ کے خلاف غیر مستحق کو عذاب میں مبتلا کرے تو اس کا قلیل ظلم بھی کثیر متصور ہوگا اس لیے کہ وُہ ایسے غلط فعل سے کوسوں دور بلکہ ایسے قبیح امور سے منزّہ و مقدس ہے لیکن بفرضِ محال ایسا اس سے صادر ہوا تو وُہ صدور بنفسہ ایک بہت بڑا فعل ہوگا اس کی مثال اس عالم دین کی ہے جس سے معمولی سی خطا صادر ہو تو عالمِ دُنیا کی نظروں میں ایک بڑا جُرم متصور ہوگا۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے اُوپر اور اپنے بندوں پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے بنا بریں میرے بندے ظلم نہیں کرتے۔

مقالاتِ عرب (۱) عرب میں مشہور ہے :
من کثر ظلمه واعتداؤه قرب هلاکه وفناؤه۔ (جس سے ظلم اور تجاوز عن الحد کی کثرت ہو

اس کی تباہی اور فنا قریب سمجھو۔)

(۲) شرالناس من ینصر الظلوم و یخذل المظلوم (تمام لوگوں میں شریر ترین وہ انسان ہے جو ظالم کی مدد اور مظلوم کو رُسوا کرتا ہے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہُوا کہ بندے اپنے نفسوں پر خود بڑا ظلم کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما ظلمناھم ولٰکن کانوا انفسھم یظلمون۔ اور ان کے اپنے نفوس پر ظلم کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ عبادت و طلب کو غیر محل میں استعمال کر کے ضائع کرتے ہیں۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قصد ما آبروئے تست از سجدہ در محرابہا
گر نباشد نیت خالص چہ حاصل از عمل

ترجمہ: ہمارا ارادہ سربسجود ہونے سے صرف اتنا ہے کہ تیری شان بلند ہو اور عمل میں نیت خالص نہ ہو تو وہ عمل ہمارے نزدیک بیکار ہے۔

بد مذاہب کا مناظرہ منافق، ریا، کار، اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت سے گفتگو فضول بلکہ مذموم ہے۔ ہاں ان حضرات کی گفتگو سے ثواب ملتا ہے جو معرفتِ الٰہی کے طالب ہیں اور انھیں خواہش ہو کہ ان کے غلط شبہات کا ازالہ ہو اور راہِ حق مل جائے اور اللہ تعالیٰ کا وصال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارک پر چلنا نصیب ہو۔

مسئلہ: اہلِ حق نے فرمایا کہ ہر وہ مسئلہ کہ جس میں حدیث شریف صریح اور اس کی سند مضبوط ہے تو اس میں مزید گفتگو اور مناظرہ گمراہی اور دین میں کمی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اسے گمراہی کی کنجی کہا جائے تو بجا نہ ہوگا اس لیے کہ امتِ مصطفویہ میں اکثر لوگ وُہ ہیں جنہیں اذہان روشن اور طبائع صحیحہ نصیب نہیں اسی لیے الٹا گفتگو سے گمراہی پھیلے گی (اسی لیے اہلسنت نے اجماع کیا کہ تقلید واجب ہے اور ان چار ائمہ سے آگے اگر کسی نے جدید تحقیق کا دروازہ کھولا تو واصلِ جہنم ہوگا۔ اور جب سے غیر مقلدیت نے سر اٹھایا ہے نئے نئے فتنوں (دیوبندیت، پرویزیت، خاکساریت، نیچریت، مرزائیت وغیرہ) نے جنم لیا، ورنہ برِّصغیر پاک و ہند میں دو صدیاں پیشتر ان کا نام و نشان تک نہ تھا)

ف: اُممِ ماضیہ میں جتنے لوگ تباہ و برباد ہُوئے وہ اسی جدید تحقیق کی بدولت۔

سبق: اس سے لازم ہوا کہ انسان سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو اور اس سے سرِ مُو بھی ہٹنے کا نام نہ لے۔ (لیکن بہ تحقیق اسلاف اگر حدیث مبارک کو اپنی تحقیق کے مطابق ڈھالے گا تو تباہ و برباد ہو گا۔ اس کی تحقیق فقیر اویسی کی کتاب "تحفۃ السالکین" میں ملاحظہ فرمائیے) اور لازم ہے کہ عوام کو سنّتِ مبارکہ کی دعوتِ حق دے اور اسی پر فیصلہ کرے نت نئے فتنوں کے مذاہب اہلِ بدعت کی طرف توجہ نہ کرے اور نہ ہی ان کی صحبت میں بیٹھے اور نہ ہی ان کی باتیں سُنے۔ (اسی وجہ سے ہم اہلِ سنّت بد مذاہب کی صحبت سے بچنے اور ان کی بُری باتیں سُننے سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں اس

کے لیے فقیر اویسی کے رسالہ "وہابیوں دیوبندیوں کی نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی" کا مطالعہ کیجئے) یہ تمام باتیں شرعاً ممنوع ہیں بلکہ ان کے بارے میں وعیدِ شدید وارد ہے۔

بد مذاہب سے اجتناب کی عقلی دلیل اہلِ حق نے فرمایا کہ طبائع مقناطیسی مادہ رکھتی ہیں ان کی ملاقات سے انسان پھنس جاتا ہے (اسی لیے ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس بیٹھنا ہے تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اگر کوئی باتیں سُننی ہوں تو اولیاء اللہ کے ملفوظات پڑھو اور سُنو جن سے امراض کی تاثیر سے تندرست بیمار ہوجاتا ہے ایسے ہی بد مذہبوں کی صحبت رُوحانی طور پہ بیمار بنا دیتی ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ گشت اور ان کے مراکز کے چِلّے روحانیت کو وہی نقصان پہنچاتے ہیں جو وبائی امراض تندرست انسان کو)۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بہوش باش کہ رہ بسے مجرد زد عروس دہر کہ مکارہ است و محتالہ

بلاف ناخلفاں زمانہ غرہ مشو و مرو چوں سامری از راہ ببانگ گوسالہ

ترجمہ : ہوش سنبھال کہ دنیا مکارہ اور حیلہ گر نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے نالائقوں کے میٹھے میٹھے بولوں پر مغرور نہ ہو اور نہ ہی ان کے پیچھے جا جیسے سامری گوسالہ کی آواز سے گمراہ ہوا۔

شرح اشعارِ مذکورہ جیسے سامری گوسالہ کی آواز سے خود گمراہ ہوا اور دُوسروں کو بھی گمراہ کیا ایسے ہی اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت بد مذاہب کی تحریر و تقریر کو سمجھو کہ وُہ بھی تمہیں اسی طرح گمراہ کر دے گی۔ یعنی جس طرح بنی اسرائیل سامری کی گمراہ کُن باتوں میں پھنس گئے ایسے ہی تم پھنس جاؤ گے (چنانچہ ہمارا تجربہ ہے کہ ہمارے اہلسنّت عوام نے جونہی کسی بد مذہب کے ساتھ چند روز نشست و برخاست کی تو فوراً گمراہ ہوگئے۔ اسی لیے تبلیغی جماعت اور مرزائی فرقہ چند روز اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دیتے ہیں اس سے ان کا مقصد عوام کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانا ہوتا ہے) اور یاد رہے کہ ہر بد مذہب کا طریقہ ہے کہ وُہ اپنی غلط باتوں اور گمراہ طریقوں کو علوم صحیحہ یعنی قرآن مجید و احادیث صحیحہ سے ثابت کرکے گمراہ کرتے ہیں اس سے بیچارے عوام کو کیا خبر کہ وہ انھیں کس قعرِ ضلالت میں دھکیل رہے ہیں۔

اہل اللہ کی صحبت اولیاء اللہ کے اقوال و احوال چونکہ علم صحیح اور کشف صریح سے ثابت ہوتے ہیں اسی لیے عوام کو ان کی اتباع لازم ہے ورنہ اہلِ باطل تو ایسی میٹھی میٹھی باتیں کریں گے بلکہ اپنے کشف و کرامات بھی دکھا دیں گے لیکن سچا انسان وُہ ہے جو اپنے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقے کو نہیں چھوڑتا اور باطل قوموں کی باتوں کو ایک طلسمی قوت سمجھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ اقدس کے اہلِ حق نے سامری کے گوسالہ کی آواز کی طرف توجہ نہ کی بلکہ اسے اپنے لیے ابتلاء و آزمائش سمجھا۔

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ مجادل مبطل کے اقوال گمراہ اور گمراہ کن ہوتے ہیں ان کے سننے سے پرہیز لازم ہے۔

(باقی ص ۱۱۰۷)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾

اور کچھ آدمی اللہ کی بندگی ایک کنارہ پر کرتے ہیں پھر اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچ گئی جب تو چین سے ہیں اور جب کوئی آزمائش آکر پڑی منہ کے بل پلٹ گئے دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا یہی ہے صریح نقصان

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہیں جو ان کا برا بھلا کچھ نہ کرے یہی ہے دور کی گمراہی ایسے کو پوجتے ہیں جس کے نفع سے نقصان کی توقع زیادہ ہے بے شک کیا ہی برا مولیٰ اور بیشک کیا ہی برا رفیق

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

بے شک اللہ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور بھلے کام کئے باغوں میں جن کے نیچے نہریں رواں بے شک اللہ کرتا ہے جو چاہے

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

جو یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہ فرمائے گا دنیا اور آخرت میں تو اسے چاہیئے کہ اوپر کو ایک رسی تانے پھر اپنے آپ کو پھانسی دے لے پھر دیکھے کہ اس کا یہ داؤں کچھ لے گیا اس بات کو جس کی اسے جلن ہے

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

اور بات یہی ہے کہ ہم نے یہ قرآن اتارا روشن آیتیں اور یہ کہ اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـــِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ڰ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

بے شک مسلمان اور یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی اور آتش پرست اور مشرک بے شک اللہ ان سب میں قیامت کے دن فیصلہ کردے گا بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ

لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ
کے لیے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ
وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ
اور درخت اور چوپائے اور بہت آدمی اور بہت وہ ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا
وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿١٨﴾ هٰذٰنِ
اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ جو چاہے کرے یہ دو فریق ہیں
خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ
کہ اپنے رب میں جھگڑے تو جو کافر ہوئے ان کے لیے آگ کے کپڑے بیونتے گئے ہیں
نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ
اور ان کے سروں پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا جس سے گل جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں
وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا
میں ہے اور ان کی کھالیں اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہیں جب گھٹن کے سبب اس میں سے نکلنا چاہیں گے
مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾
پھر اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور حکم ہوگا کہ چکھو آگ کا عذاب

ع ۱۲ ۹

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے مجادل کو تکبر کی صفت سے یاد کر کے اس کی مذمت فرمائی ہے اور کبر وہ صفت ہے جو حق سے کوسوں دور ہے بلکہ حق یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر مذموم اور کوئی صفت نہیں۔

اقوالِ ارسطو ارسطو نے کہا کہ:

(۱) من تکبر علی الناس احب الناس ذلته (جو لوگوں پر تکبر کرتا ہے لوگ اس کی ذلت کے درپے رہتے ہیں)

(۲) باصابۃ النطق یعظم القدر (اچھی گفتگو سے قدر و منزلت بڑھتی ہے۔

(۳) بالتواضع تکثر المحبۃ (تواضع سے محبت بڑھتی ہے)

(۴) بالحلم تکثر الانصار (حلم سے دوستوں کی کثرت ہوتی ہے)

(۵) بالرفق یستخدم القلوب (نرمی سے دل خادم بن جاتے ہیں)

(۶) بالوفاء یدوم الاخاء (وفا سے اخوت بڑھتی ہے)

(۷) بالصدق یتم الفضل (سچائی سے انسان کی فضیلت میں اضافہ ہوتا ہے)

ہم اللہ تعالیٰ سے صفاتِ قبیحہ رذیلہ سے پناہ اور عاداتِ جمیلہ و اخلاقِ حمیدہ سے متجلی ہونے کی توفیق چاہتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ (شانِ نزول:) یہ ان اعراب کے حق میں نازل ہوئی جو مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے ان میں جب کسی کو تندرستی ہوتی اور اس کی گھوڑی بچے جنتی اور اس کی عورت کو اولاد نرینہ پیدا ہوتی تو وہ کہتا بہتر دین میں داخل ہوا ہوں۔ اس کا معاملہ برعکس ہوتا تو کہتا بدترین دین میں داخل ہوا ہوں۔ اس پر وہ مرتد ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ و من الناس اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ عَلٰی حَرْفٍ دین کے ایک کنارے پر ہوتے ہیں انہیں دین کا درمیانی حصہ نصیب نہیں ہوتا۔ جس کا یہ حال ہو کہ وہ شے کے کنارے پر رہے اسے ثابت قدمی کم نصیب ہوتی ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو لشکر کے کنارے کنارے رہتا ہے جب دیکھتا ہے کہ فتح و نصرت ہوتی ہے تو اسے قرار ملتا ہے، جب لشکر شکست کھاتا ہے تو یہ سب سے پہلے بھاگتا ہے۔ اس معنے پر الحرف بمعنے الطرف ہوگا۔ اس تقریر پر دین کو ایک جسم قرار دیا گیا ہے۔ یہ استعارہ تمثیلیہ کے قبیل سے ہوگا۔

ف: امام راغب (اصفہانی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حروفِ ہجا بھی اسی نام سے اسی لیے موسوم ہوتے ہیں کہ حروفِ ہجا ان کلمات کے جوانب ہیں جنہیں ایک دوسرے سے رابطہ ہے۔

فَاِنْ اَصَابَهٗ پس اگر اسے پہنچتی ہے خَیْرُ دنیوی بھلائی۔ مثلاً تندرستی اور وسعتِ رزق اطْمَاَنَّ دین میں مطمئن ہو جاتا ہے بِهٖ اسی بھلائی کی وجہ سے۔ الاطمینان پریشانی کے بعد سکون پانا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ وہ شخص دین سے آرام پاتا اور اسی دنیوی مفاد کی وجہ سے دین میں ثابت قدم ہوتا ہے یعنی وہ اسی پر ظاہراً ثابت قدم ہوتا ہے اور باطناً بھی۔ پھر بھی غیر مطمئن رہتا ہے اسے کامل مومنین کی طرح اطمینان اور سکون نصیب نہیں ہوتا۔

وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اور اگر اسے پہنچے کوئی ایسی شے جو اس کے لیے فتنہ کا سبب بنے مثلاً اس کی طبیعت کے خلاف کوئی ایسا مکروہ فعل صادر ہو جو اس کی ذات یا اہل و عیال کو دکھ پہنچاتا ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ یہاں فتنہ سے مراد یہی ہے کہ طبع کو ناپسند اور نفس پر بوجھل ہو اسے خیر کے بالمقابل لانے سے یہی معنی متعین ہو جاتا ہے اور اگر اسے خیر کے مقابل نہ مانا جائے تو ہر فتنہ اگرچہ طبیعت کے مخالف ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ آزمائش اور امتحان کے طور ہوتا ہے اسی لیے وہ فتنہ قربت اور رفع درجات کا موجب بنتا ہے اس لیے کہ ایسا فتنہ موجب رضائے الٰہی اور اس کی تقدیر کی سامنے سرِ تسلیم خم کا سبب ہے۔

اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ انقلاب بمعنے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا اور عرف میں بمعنے الجهة والطريقة یعنی وہ شخص مرتد ہو جاتا ہے اور کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ وہ شخص کہ وہ اس جہت کی طرف لوٹ جاتا ہے جہاں سے آیا تھا یعنی دین اسلام کو چھوڑ جاتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں اسی جگہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انقلب علی وجهه بمعنے تحول عن وجهه فانکب ہے۔ یعنی وہ شخص کفر کی طرف لوٹا۔ اس تقریر پر علیٰ بمعنے عن ہے جیسے وما من دابةٍ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقها میں علیٰ بمعنے من یعنی ہر جاندار کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے رزق پہنچتا ہے۔ خلاصہ بحث یہی ہے کہ وہ شخص جو اسلام کی جانب متوجہ

ہوا تھا اس نے وہاں سے منہ پھیر لیا۔

خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ دنیا و آخرت کا گھاٹا پایا بایں معنیٰ کہ دنیا و آخرت اس کے ہاتھ سے نکل گئیں اور انہیں ضائع کر دیا یعنی مرتد ہونے سے اس کے جملہ اعمالِ صالحہ اکارت گئے (صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ) اُس کے دنیا کے خسارہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے فتنے سے اہل و عیال کو نقصان ہوا اور آخرت کا خسارہ یہی ہے کہ وہ آخرت کے ثواب سے محروم ہو گیا اور اس سے اعمالِ صالحہ اور دینِ حق چھینا گیا تو مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہو گا۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ دُنیا میں خسارہ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ منزلِ مراد کو نہ پہنچا۔ اور آخرت کا خسارہ یہی ہے کہ اس کے تمام اعمالِ صالحہ اکارت گئے۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ دنیا و آخرت کے خسارے کی طرف ہے هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ یہی واضح خسارہ ہے اس لیے کہ تمام عقلاً گواہی دیں گے کہ اس جیسا بدقسمت انسان اور کوئی نہیں کہ جسے دارین کا خسارہ نصیب ہو ؎

نہ مال و نہ اعمال نہ دنیا و نہ دین ۔۔۔ لامعۂ صدق و نہ انوارِ یقین

در ہر دو جہان منفعل و خوار و حزین ۔۔۔ البتہ زیانے نبود بدتر ازین

ترجمہ: جس کا نہ مال رہا نہ اعمال نہ دنیا نہ دین نہ صدق کی چمک رہی نہ یقین کے انوار۔ دونوں جہان میں اس جیسا ذلیل و خوار اور حزیں کوئی نہ ہو گا نہ اس سے بڑھ کر کوئی زیاں کار ہو گا۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ دنیا میں خسران کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے طاعات نصیب نہ ہوں اور اس سے مخالف شرع امور صادر ہوں۔ اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ قیامت میں اس کے خصوم اور حقوق کا مطالبہ کرنے والے بکثرت ہوں۔

یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ جملہ مستانفہ اور خُسران کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس معنے پر ضمیر یَدْعُوْا مرتد کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ عبادتِ الٰہی سے متجاوز ہو کر عبادت کرتا ہے مَا لَا یَضُرُّهٗ اس لیے کہ اس مِن دُونِ اللہ کی عبادت نہ کی جائے تو وہ نقصان نہیں پہنچاتا وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ اور اگر اس کی عبادت کی جائے تو وہ اسے نفع نہیں دیتا، کیونکہ وہ تو جمادِ محض ہیں ان سے نفع و ضرر کا صدور کہاں۔ لفظ ما کے تکرار سے یہی معنیٰ و مفہوم ظاہر ہوتا ہے ذٰلِكَ اس کا اشارہ دعا بمعنے عبادۃ کی طرف ہے هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ وہ یعنی من دون اللہ کی عبادت بہت بڑی گمراہی ہے یعنی حق اور ہدایت سے بہت دُور ہو جاتا ہے۔ ہدایت وحق کی دُوری کو اس شخص سے استعارہ کیا گیا ہے جو راستہ بھول کر آبادیوں سے کوسوں دُور نکل جاتے۔ ایسے ہی اس کا حال ہے جو ہدایت و حق سے ہٹ جائے تو وہ گویا مسافت حسیہ طے کرتے کرتے بہت دُور نکل گیا ہے کہ اس کا آبادیوں میں لوٹنا بظاہر سخت مشکل ہے۔ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰی وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ (ترکیب) یہاں دُعا بمعنے قول ہے اور لام اس کے مقولہ کے

لہ یدعوا بمعنے عبادۃ صاحبِ رُوح البیان نے لکھا ہے اور یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں لیکن وہابی دیوبندی اپنی من مانی کرتے ہیں اسی لیے یَدْعُوْا کو اپنے اصلی معنیٰ میں لے کر قرآن کی تحریف کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

نائب پر داخل ہے اور من مبتدا اور اس کی خبر اقرب ہے اور جملہ مبتدا اول کا صلہ ہے اور لبئس الخ قسم مقدر کا جواب ہے لبئس اور جواب قسم دونوں مبتداء اول کی خبر ہیں۔

نکتہ: ما کے بجائے لفظ مَن اور اقرب افعل التفضیل کے صیغہ سے ان کے بتوں کی مذمت اور بُت پرستوں کی حماقت کا اظہار مطلوب ہے اس لیے کہ مَن ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے اور ان کے بُت جماد محض تھے اور افعل میں نفع میں اضافہ کا معنٰی نکلتا ہے لیکن ان پتھروں سے نفع کی امید بیوقوفی اور حماقت ہے۔

معنیٰ آیت اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ کل قیامت میں چیخ و پکار کر کے کہے گا جب اپنے معبودِ باطل کو دیکھ کر چیخ کر کہے گا، اسی کی وجہ سے مجھے دُکھ پہنچ رہے ہیں اور اسی کی وجہ سے جہنم میں جا رہا ہُوں اور پھر وہ ان سے کسی قسم کا نفع نہیں پائے گا بلکہ نفع کے بجائے ضرر در ضرر کا نشانہ بنے گا تو کہے گا بخدا یہ مددگار (بُت) بُرا ہے اور بُرا ساتھی اور برا معاشر اور شریک ہے اور بات بھی صحیح ہے کہ بُت سے نفع کہاں، بلکہ اس میں تو ضرر ہی ضرر ہے اس سے نفع کی اُمید حماقت و جہالت ہے۔

ف: یہ جملہ مستانفہ ہے اسے دعاء مذکور کے مال کے اظہار کے لیے لایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ واقعی ایسا بدبخت گمراہی میں غرق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لام زائد ہے اور مَنْ 'یَدْعُوا' کا مفعول ہے بغیر لام والی قرأت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اب مطلب یہ ہُوا کہ وہ جسے معبود سمجھ کر پُوجتا رہا ہے آج نفع کے بجائے اس کا ضرر قریب تر ہے وُہ اس لیے کہ دنیا کا نقصان تو یہ تھا کہ بُت کے پجاری کو قتل کرنا واجب تھا اور آخرت میں اس کا جہنم میں جانا ضروری۔ اور یہ ضرر کے قریب تر اسی لیے ہوا کہ بُت پرست کو بت پرستی سے امید تھی کہ یہی بُت اسے قیامت میں بچائے گا اور وسیلہ بن کر سفارش کرے گا لیکن اس کے بجائے وہ اس کے لیے جہنم کا سبب بنا۔ اس معنے پر افعل کا صیغہ تہکماً ہے اور جملہ قسمیہ مستانفہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ اس آیت میں کامل مومنین عبادت گزار لوگوں کے احسن حال کا بیان ہے اس لیے کہ قرآن مجید کا قاعدہ ہے کہ وہ شے کو نقیض سمیت بیان کرتا ہے پہلے چونکہ کفار کے بُرے حال کا ذکر کیا اب اہلِ ایمان کے احسن حال کو بیان فرمایا اور جنۃ اس دار کا نام ہے جس میں گھنے درخت ہیں۔ نہر پانی کے بہنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے، اور پانی کے بہنے کا اسناد انہار کی طرف مجازی ہے جیسے کہا جاتا ہے، سال المیزاب۔ یہ اسناد بھی مجازی ہے اس لیے کہ جاری ہونا پانی کا کام ہے نہ کہ انہار اور میزاب کا۔ اور جنّٰت کو اسی طریق سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ بہشت ایسے بہترین مکانات پر مشتمل ہے تاکہ سامعین سن کر اس کی طرف مائل ہوں۔ کاشفی نے بھی اس کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے کہ وہ جنّات کہ جس میں نہایت خوبصورت باغات ہیں اور ان میں پانی ہر وقت جاری ہے **اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ** بے شک اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ارادہ ہے کہ وہ نیک بخت کو ثواب دے اور بُرے کو سزا' اور وُہ ایسے کرتا ہے' اس کے اس ارادہ سے اسے نہ کوئی روک سکتا ہے نہ اس کے ارادہ کو دفع کر سکتا ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ آیات میں ارشادات ہیں۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت طبع وخواہش نفسانی اور بدلہ اور عوض کے خیال اور حصولِ کرامات کے طمع اور مخلوق کی تعریف کرنے کی نیت اور حصولِ دنیا کے ارادہ سے کرتا ہے تو اس کو سمجھو کہ وہی من یعبد اللہ علیٰ حرف کا مصداق ہے اس لیے کہ اس کی بھی یہی عادت ہے کہ اگر عبادت کرنے سے اس کے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس سے اسے سکون ملتا ہے اگر اس کی آرزو کے مطابق کام نہیں ہوتے تو عبادت ترک کر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ کام فضول ہے۔ ایسے شخص کو دنیا میں خسارہ یہ ہے کہ عوام کی نظروں میں اس کی عبادت کی وقعت نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر وقت ان سے فضیحت و رُسوائی اٹھاتا ہے اور وہ طریقۂ سنّت سے ہٹ کر بدعت میں مبتلا ہوتا ہے اور ہدایت سے گمراہی پاتا ہے۔ اور اس کا آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ وُہ مشاہدۂ حق سے محجوب اور بُعد و ہجران کی آگ میں داخل ہوگا۔ اسی طرح بعض طالبینِ حق اور سالکینِ راہِ ہدیٰ کی عادت ہوتی ہے کہ طلبِ راہِ حق میں انہیں شک و تردد رہتا ہے اسی لیے وُہ طلب میں سچائی اور ثبات نہیں رکھتے۔ اگر اسی اثنا میں ان کی نفسانی خواہشات پُوری ہوتی رہتی ہیں اور غیب سے امور ان کے موافق ہوتے ہیں تو طلبِ راہِ حق میں سرگرم رہتے ہیں اگر کسی بلاء و شدت اور مجاہدات و ریاضات و ترکِ شہوات و مخالفت نفسی و ملازمت خدمت اولیاء اور رعایت صحبت اصفیاء اور آدابِ صحبت اور یارانِ طریقت سے کچھ تکلیف محسوس کرتے ہیں تو ان کی حالت بگڑ جاتی ہے اقرار سے انکار کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور تسلیم و رضا کے بجائے اباء و استکبار اور اعتراضات کے درپے ہو جاتے ہیں اور ارادت چھوڑ کر ارتداد کے خُوگر ہوتے ہیں اور صحبتِ اولیاء سے دُور بھاگتے ہیں ان کے متعلق دنیا کا خسارہ یہی کافی ہے کہ وہ اللہ والوں کی صحبت سے محروم ہو گئے۔ اور آخرت کا خسارہ یہی ہے کہ وُہ مشاہداتِ حق سے دائمی طور محروم کر دئے گئے ہیں۔ اسی لیے مشائخ کرام فرماتے ہیں شریعت کے مرتد سے طریقت کا مرتد بدترین ہوتا ہے اور الخسران المبین جسے قرآن نے بیان فرمایا ہے وہ یہی بدبخت ہے کیونکہ جسے کسی صاحبِ دل نے اپنے سے دور کیا تو یقین سمجھو کہ وہ تمام قلوب اہلِ حق سے مارا گیا۔ ایسے ہی جسے ایک اہلِ دل قبول کر لیتا ہے وہ تمام اہلِ قلوب کا مقبول ہو جاتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کلید گنج سعادت قبول اہل دلست — مبادکس کہ درین نکتہ شک وریب کند

شبان وادیِ ایمن گہی رسید بمراد — کہ چندان سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: سعادت کے خزانے کی کنجی اہلِ دل کے ہاں مقبول ہونے سے حاصل ہوتی ہے خدا کرے اس نکتہ سے کسی کو شک و شبہ نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وادیِ ایمن میں اس وقت منزلِ مقصود کو پہنچے جب کئی سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی دل و جان سے خدمت کی۔

صاحبِ رُوح البیان کی صوفیانہ تحقیق فقیر (حقی) کہتا ہے کہ انسان دو قسم کے ہیں:

(۱) جہادِ اصغر میں مشغول ہونے والے۔

(۲) جہادِ اکبر میں مشتغل۔

جیسے جہادِ اصغر کے کمزور ایمان والے لشکر کے کنارے پر رہتے ہیں ویسے ہی جہادِ اکبر کے ضعفاً بھی دین کے ایک کنارے پر ہوتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ اگر ان کی دلی مراد پوری ہوتی ہے تو وہ دینی امور میں منہمک ہوجاتے ہیں۔ اگر کچھ نقصان دیکھتے ہیں تو فوراً دین سے ہٹ جاتے ہیں۔ ایسے کمزوروں پر کفار کا غالب ہونا ان کے خسارہ کی علامت ہے۔ اور دوسرے قسم کے ضعفاء پر نفسِ امارہ دنیا میں غالب رہتا ہے اور آخرت میں سعداء کے درجات سے محروم ہوجاتا ہے ایسے لوگ ظاہری و باطنی غنیمت سے محروم رہتے ہیں۔

سبق: ایسی مشقتوں میں صبر لازم ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ خوشا وقت شوریدگان غمش — اگر زخم بینند اگر مرہمش

۲ دمادم شراب الم درکشند — وگر تلخ بینند دم درکشند

۳ نہ تلخست صبرے کہ بریاد اوست — کہ تلخی شکر باشد از دستِ دوست

ترجمہ: (۱) محبوب کے غم کے عشاق کا بہت اچھا وقت ہے کہ وہ زخم پر خوش ہیں اور مرہم پر بھی۔
(۲) وہ ہر وقت درد کا شراب پیتے ہیں۔ اگر اس میں کڑواپن دیکھتے ہیں تو صبر کرتے ہیں (۳) وہ صبر جو یار کی یاد میں ہو کڑوا نہیں ہوتا کیونکہ یار کے ہاتھوں دی ہوئی شے شکر سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو سمجھو کہ وہ اس ذات کی پرستش کرتا ہے جو ہر نفع و نقصان کی مالک ہے کہ وہ اپنے بندوں کو بواسطۂ ملائک و انسان و جمادات نفع و نقصان پہنچاتی ہے اور کبھی بلا واسطہ بھی۔ اور جو ما سوی اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ ایسی چیزوں کی پرستش کرتا ہے جو کسی کو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان۔ وہ اس لیے کہ عالم کی تمام اشیاً فرشتے ہوں یا انسان، شیطان ہوں یا دیگر مخلوق جیسے افلاک و ستارے وغیرہ، خیر و شر کے ذاتی طور پر مالک نہیں اور نہ ذاتی طور پر کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ بلکہ یہ تمام اسباب و ذرائع ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند۔ ان سب امور کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جیسے قلم کا فعل درحقیقت کاتب کا ہے قلم تو صرف ایک سبب ہے۔ جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں ان کا معبود باطل بھی بُرا اور پرستش کنندہ بھی۔ اس کا دُنیا میں شہوات کے تحت زندگی بسر کرنا بھی بُرا ہے۔

یہ بھی آیاتِ مذکورہ سے ثابت ہُوا کہ جو بندہ بھی بہشت میں داخل ہوگا وہ نہ ایمان تقلیدی کی وجہ سے داخل ہوگا نہ اعمالِ ظاہرہ کی وجہ سے، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں داخل کرے گا جس کا ایمان تحقیقی ہوگا۔ جسے اس نے خود اپنی قلمِ عنایت سے ازل میں لکھا جس کے نتیجہ سے اس بندے کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوئی۔

تفسیر عالمانہ

مَنْ کَانَ یَظُنُّ یہ مَنْ خرطیہ ہے یعنی ہر وہ جو اللہ تعالیٰ پر گمانِ بد کرنے والا بُرا گمان یعنی وہم کرتا ہے کہ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ ہرگز مدد

نہیں کرے گا فِي الدُّنْيَا دنیا میں، یوں کہ آپ کا دین بلند ہو اور آپ کے دشمن مقہور وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت میں، یوں کہ آپ کے درجات بلند ہوں اور آپ کے دشمنوں سے بدلہ لیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا و آخرت میں مدد فرماتا ہے۔ دنیا میں یُوں کہ آپ کے دشمن اور حاسدین اگر اس کے خلاف توقع رکھتے ہیں تو وہ اپنے غیظ و غضب میں جل مریں اور آخرت میں تو اس کا کوئی حساب نہیں فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ یہاں پر سبب سے وہ رستہ مراد ہے جس کے ذریعہ سے چھلانگ لگا کر کھجور پر چڑھ جاتے ہیں اور سماء سے دشمن کے اپنے گھر کا اوپر کا حصّہ مراد ہے کیونکہ اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ ہر وُہ شے جو سر کے اوپر ہو اسے سماءؔ سے تعبیر کرتے ہیں ثُمَّ لْيَقْطَعْ قاموس میں ہے قطع فلان الحبل بمعنے اختنق۔ اسی سے ثمّ لیقطع بمعنے لیختنق ہے اور اختناق کو قطع سے اسی لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اختناق والا اپنے آپ کو حبسِ نفس سے کاٹ ڈالتا ہے۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو چاہیے کہ وُہ اپنی رسّی کاٹ کر زمین پر گر کر مر جائے فَلْيَنْظُرْ اس سے تقدیراً دیکھنا مراد ہے ورنہ گلا گھونٹ کر مرنے والے سے دیکھنا کیسا۔ یعنی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو اگر مرنے کے بعد دیکھنے کی طاقت ہے، تو دیکھے هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ کیا اپنا مکر و فریب لے جائے گا۔ اسے کیدا سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا فعل بمنزلہ کید کے ہے کہ گویا وہ اس پر صدور کی طاقت نہیں رکھتا۔ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استہزاء کیا گیا ہے اس لیے کافروں نے جس ذات کے ساتھ حسد کیا ان کو تو کسی قسم کا نقصان نہ ہوا البتہ خود عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے مَا يَغِيْظُ سخت ترین غضب کو غیظ کہا جاتا ہے۔ غضب قلب کے خون کے جوشِ حرارت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسے جب انسان محسوس کرتا ہے تو اسے ظاہر کرتا ہے یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ کافروں کو ہر وقت غیظ و غضب میں مبتلا رکھتا ہے اور وہ ان کی فتح و نصرت کو کسی طرح سے دفع نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اپنے اس غیظ و غضب میں مر جائیں۔ حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

گر جان بدہد سنگ سیہ لعل نگردد
با طینتِ اصلی چہ کند بد گہر افتاد

ترجمہ: اگر سنگِ سیاہ اس شرط پہ جان دے کہ وہ لعل ہو جائے ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ ایسے ہی جس کا معاملہ خراب ہو ایسے بدگہر کو ہم کس طرح صحیح کر سکتے ہیں!

تفسیرِ صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عجز کی نفی کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور وُہ اپنے محبوبوں کی مدد فرماتا ہے۔

حکایتِ یہودی مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک یہودی مسجدِ نبوی میں حاضر ہوا، پوچھا کہ تم میں وصیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے؟ سب نے حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے عرض کی کہ میں چند سوال پیش کرتا ہوں جنہیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں یا ان کا وصی[1]۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بتائیے وہ کیا سوال ہیں؟ یہودی نے کہا: وہ کیا شے ہے جسے خدا نہیں جانتا، اور وہ کیا شے ہے جو اللہ کے لیے نہیں ہوسکتی، اور وہ کیا شے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ زندیقوں کا کام ہے فلہذا اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس سے یہودی اور مسلمانوں کو ملال ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اس شخص کے ساتھ ناانصافی کی ہے اگر تم اس کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتے تھے تو تمہیں اسے ایسے شخص کے پاس بھیجنا چاہیے تھا جو اس کے جوابات دے دیتا، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: اے اللہ! اس کے قلب کی مدد فرما اور اس کی زبان کو ثابت رکھ۔ اس کے بعد خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور جملہ حاضرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے اور صورتِ حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا: وہ شے جسے خدا تعالیٰ نہیں جانتا وہ یہودیو تمہارا وہ عقیدہ ہے جس کے تم قائل ہو کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اس کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہے (یعنی نہ وہ ہے نہ وہ اسے جانتا ہے یعنی ہو تو وہ جانے، نہ ہے نہ وہ جانتا ہے۔ کما قال عزّ شانہٗ:

اتنبئون اللہ بما لا یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض۔

اور وہ شے جو اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں وہ ہے اس کا شریک۔ یعنی اس کا کوئی شریک نہیں۔

اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں وہ ہے ظلم۔

یہ جوابات سن کر یہودی نے عجز کا اظہار کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور مان لیا کہ واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اس سے تمام اہلِ اسلام بہت خوش ہوئے۔

ف: اس[2] سے شیعہ کے کلمہ کا ثبوت نہیں ہوسکتا اس لیے کہ کلمۂ اسلام کے لیے نصوص چاہئیں اور یہ خبر ضعیف بلا اسناد ہے اور محض ایک قصہ کہانی ہے اور قصوں اور کہانیوں سے مذہب نہیں بنتے بلکہ نصوص قطعیہ قرآن وحدیث سے بنتے ہیں۔ اور وصی سے چند مخصوص باتوں کا ہم راز مراد ہے جیسے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ہمرازی کے طور پر چند باتیں بتائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلمہ پڑھا جائے یا انہیں خلیفہ بلافصل مانا جائے۔ اور یہ جزوی فضیلت ہے۔ جزوی فضیلت سے افضلیت ثابت نہیں ہوجاتی۔ جیسے حضرت خضرؑ کو حضرت موسیٰؑ پر جزوی فضیلت حاصل تھی۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھیے یا "شرح آئینہ شیعہ نما" کا مطالعہ کیجئے۔

ف: کافروں کا ارادہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں سرے سے ہی مٹا دیا اور اپنے حبیب اکرم

---

[1] اس سے مخصوص باتوں کا ہمراز مراد ہے، نہ وہ جو شیعوں کا اصطلاحی لفظ ہے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

[2] یہ اضافہ فقیر اویسی غفرلہ نے کیا ہے ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور آپ کے جملہ وعدے پورے فرمائے اور آپ کے لشکرِ اسلام کو کامیاب فرمایا۔ البتہ بعض اوقات مشقت میں مبتلا کرنے اور مدد پہنچانے میں دیر کرنے میں حکمتیں اور مصلحتیں تھیں۔

سبق: نیک انسان وہ ہوتا ہے جو راضی برضائے الٰہی ہو اور دشمنوں اور حاسدوں کے شر اور حسد پر صبر کرے کیونکہ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اسے کوئی طاقت بھی مغلوب نہیں کر سکتی اور دکھ کے بعد سکھ اور رنج کے بعد راحت حاصل ہوتی ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ اہلِ ایمان ہمیشہ روحانی راحت سے مسرور رہتے ہیں اور انھیں دکھ کے بعد آرام و سکون ملتا ہے اور مشرک کافر کے شدائد سے انھیں حفاظت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ اور اسی انزال بدیع جو بہت عجیب حکمتوں پر مشتمل ہے اَنْزَلْنٰهُ ہم نے تمام قرآن مجید کو نازل فرمایا درانحالیکہ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ اس کے آیات بیّن اور روشن ہیں جو معانی لطیفہ پر دلالت کرتے ہیں وَّ اَنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:

والامر ان اللہ ... الخ

یعنی معاملہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعے ابتداءً جسے چاہتا ہدایت دیتا، اور اسے ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے یا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اسے ہدایت کے امور میں بڑھاتا ہے یا اسے ثابت قدم رکھتا ہے یا اس کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے۔

حدیث شریف: قرآن مجید کے ذریعے اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے درجات بلند فرماتا ہے اور بعض لوگوں کے درجات کم کرتا ہے۔

شرح الحدیث جن لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے ان سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جو قرآن مجید پر ایمان لانے کے بعد اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے درجات کم کرتا ہے ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس سے روگردانی کرتے اور اس کے احکام کی پابندی نہیں کرتے۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اشتغال اور ان کی نگاہ احوال و اعمال پر مرکوز نہیں اور ان کے اکثر صرف دس آیات یاد کرتے اور پھر زندگی بھر انہی کو اپنا دستور العمل بنا لیتے۔

اعجوبہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت بیس ہزار صحابہ کرام زندہ موجود تھے لیکن ان میں حفاظِ کرام صرف چھ تھے (کذا فی الاحیاء) ورنہ ان کے اکثر صرف ایک یا دو سورتوں کے حافظ ہوتے یا ان کے علما سورہ بقرہ اور سورۂ انعام حفظ کرتے تھے۔

ف: قرآنی علوم کے اشتغال اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہدایت کی علامت ہے۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ رات دن کی جملہ ساعات میں قرآنی احکام پر عمل کرنے کی جدوجہد کرے یہاں تک کہ اسے منزلِ مقصود نصیب ہو۔ اس لیے کہ جو آبِ حیات کا طالب ہوتا ہے وہ ظلمات کے دریا بلا فتور طے کرتا ہے اور اس میں معمولی طور بھی سستی نہیں کرتا۔

محروم القسمۃ کی علامت علم شرعی کے حصول اور اس کے سننے سے ملال کرنا طریقِ حق سے منقطع ہونے کی علامت ہے اور وہ عنایتِ الٰہی اور توفیقِ ایزدی سے دُور ہوجاتا ہے ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملولے چیست

ترجمہ : تیرا دل قرآن مجید کے سننے سے کراہتا ہے نامعلوم باطل پرستوں کی طرح تجھے قرآن مجید سے تنگی کیوں ہے۔

فضیلت فقرأ اغنیاء حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ضعفاء مہاجرین کی جماعت میں مجھے بیٹھنے کا اتفاق ہوا، اور ان کی یہ حالت تھی کہ کپڑوں کی قلت کی وجہ سے ایک دوسرے کے کپڑوں سے چھپے بیٹھے تھے اور ہم ایک قاری کی قرأت سننے میں مصروف تھے کہ اچانک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو قاری تلاوت سے خاموش ہوگیا۔ آپ نے ہم سے پوچھا کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم قرآن مجید سُن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: جمیع تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ایسے ہی لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کروں۔ اس کے بعد آپ ہم سب کے درمیان بیٹھ گئے تاکہ ظاہر ہو کہ آپ بھی منجملہ ان فقرأ سے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ کے اشارے سے حلقہ بندی کا حکم فرمایا[1]۔ ہم نے حلقہ کچھ ایسے طریقہ سے بنایا کہ ہر ایک کا چہرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے مہاجر فقیرو! تمہیں قیامت میں نورِ تام کی خوشخبری ہو اس لیے کہ تم دولتمندوں سے آدھا دن پہلے بہشت میں جاؤ گے اور قیامت کا آدھا دن آج کے پانچسو سال کے برابر ہوگا۔

ف : وہ اس لیے کہ دولت مندوں کو روک کر سوال کیا جائے گا کہ تم نے مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔

ف : اور فقرأ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے فقر و فاقہ پر صبر کرتے اور اللہ کی عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اغنیاء سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت مندی پر شکر اور مال کے حقوق ادا کرتے ہیں۔

ازالہ وہم قرآن مجید میں اگرچہ چند آیات متشابہات اور بعض اسرار و رموز کی آیات بھی ہیں تو وہ اس کے بینات ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ وہ ایسی آیات نہیں جنہیں کوئی بھی بندۂ خدا نہ جانتا ہو[2]۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی علوم دانی میں

---

[1] ہمارے مشائخ اہلسنت کے حلقے کا ثبوت یہی حدیث شریف ہے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ مقطعات و متشابہات کے علوم حضور علیہ السلام اور بعض اولیاءِ کرام جانتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

علماء کرام متفاوت درجات رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اسرار و رموز کی ہدایت بخشے جن سے اپنے مخصوص علماء راسخین کو نوازا اور ہمیں ہر مخفی بھید کی اطلاع سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بیشک وہ لوگ کہ جو ایمان لائے ان پر جن پر ایمان لانا واجب ہے وَالَّذِیْنَ هَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودیت میں داخل ہوئے۔ امام راغب نے فرمایا: الھود بمعنے الرجوع برفق ہے، نرمی سے لوٹنا۔ عرب کے عرف میں بمعنے توبہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ھدنا الیك بمعنے تبنا الیك۔

بعض اہلِ لغت نے فرمایا:

الیھود کا لفظ دراصل ھدنا الیك سے مشتق تھا۔ اور تھا بھی مدح کا کلمہ، لیکن جب ان کی شریعت منسوخ ہوگئی اور پھر بھی اسی دین کو چمٹے رہے تو ان کے لیے یہ لفظ بمنزلہ علم کے ہوگیا اور اس سے مدح کا معنیٰ ختم ہوگیا جیسے لفظ نصارٰی دراصل من انصاری الی اللہ سے ماخوذ تھا باوجودیکہ وہ دین منسوخ ہوگیا لیکن اسی دین سے چمٹے رہنے کی وجہ سے ان کے لیے یہ بمنزلہ علم کے ہوگیا وَالصّٰبِئِیْنَ اور وہ لوگ جو ہر دین سے نکل گئے اور ملائکہ و کواکب پرستی اختیار کی۔ یہ صباء الرجل عن دینہ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے۔

امام راغب نے فرمایا کہ:

صابئی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نوح علیہ السلام کے دین پر ہو۔

اور بعض نے کہا: جو بھی ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرے۔

یہ صبا ناب البعیر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ کی ڈاڑھ کھل جائے۔

وَالنَّصٰرٰی نصران و نصرانۃ کی جمع ہے جیسے ندامٰی، ندمان و ندمانۃ کی جمع ہے۔ اسے یاء کے بغیر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: رجل نصران و امرأۃ نصرانۃ۔ وَالْمَجُوْسَ قاموس میں ہے کہ مجوس جیسے صبور۔ ہر اس شخص کو کہا جاتا تھا جس کے دونوں کان چھوٹے ہوتے تھے۔ اس نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی اور لوگوں کو اس کی دعوت دی۔ یہ "منج گوش" کا معرب ہے۔ اس کے واحد کو مجوسی کہا جاتا ہے اور مجوس اس کی جمع ہے جیسے یہودی واحد اور اس کی جمع یہود آتی ہے۔ اور مجوس آگ پرست ہیں۔

مسئلہ: یہ اہلِ کتاب سے نہیں اسی لیے نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور نہ ان کا ذبیحہ جائز۔ ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیا جاتا کہ وہ اہلِ کتاب نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ عجمی ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا اور وہ لوگ جو مشرک ہیں۔ ان سے بت پرست مراد ہیں اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ یہ اس اِنَّ کی خبر ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان اور

انہی پانچ فرقوں (جن کے کفر پر سب کو اتفاق ہے) کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تاکہ اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان امتیاز ہو۔ یعنی اہلِ ایمان کو اجر و ثواب سے نوازا جائے گا اور دوسروں کو ان کے استحقاق پر انھیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ اہل ایمان کو نعمتوں سے نوازے گا اور کفار کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ یا یُوں کہو کہ اہلِ حق کو وصال سے ہمکنار فرمائے گا اور اہلِ باطل کو ہجر و فراق کے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چھ ادیان میں سے صرف ایک دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یعنی دین اہل ایمان جسے اسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

ان الدین عند اللہ الاسلام ۔

اور باقی پانچ دین شیطان کے ہیں یعنی وُہ ادیان جو اسلام کے سوا ہیں اور انھیں شیطان کے ادیان اس لیے کہا جاتا ہے کہ شیطان انہی ادیان کی دعوت دیتا ہے اور ان کی کیفیت کفّار کے سامنے مزیّن کر کے بیان کرتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کے ہر حال سے آگاہ ہے۔

ف : امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شہید کا معنیٰ علم سے تعلق رکھتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شہید میں ایک خصوصی اضافہ ضروری ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غیب و شہادت دونوں کو جانتا ہے۔ اور غیب ہر وہ چیز جو پوشیدہ ہو، اور شہادت ہر وُہ شے جس کا مشاہدہ کیا جا سکے۔ جب مطلق علم کا اعتبار ہو تو اسے علیمٌ کہا جائے گا اور جب اس کی نسبت غیب اور امور باطنہ کی طرف ہو گی اسے خبیرٌ سے تعبیر کیا جائے گا، اور جب اسے امورِ ظاہرہ کے ساتھ منسوب کیا جائے گا تو اسے شہیدٌ سے موسوم کیا جائے گا اور کبھی اسے شہید اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ وُہ قیامت میں مخلوق پر اپنے علم اور مشاہدہ کے مطابق گواہی دے گا۔ آیت میں وعید و تہدید ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ فیصلے کے دن کو یاد کرے اور ان اعمال صالحہ میں جدّ و جہد کرے جن سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱	قیامت کہ نیکاں باعلیٰ رسند	ز قعر ثرا با ثریا رسند
۲	ترا خود بماند سر از ننگ پیش	کہ گردت بر آید عملہائے خویش
۳	برادر ز کار بداں شرم دار	کہ در رُوئے نیکاں شوی شرمسار
۴	بناز و طرب نفس پرورده گیر	بایام دشمن قوی کرده گیر
۵	یکے بچۂ گرگ مے پرورید	چو پرورده شد خواجہ را بر درید
۶	بہشت او ستاند کہ طاعت برد	گرا نقد باشد بضاعت برد
۷	پے نیک مردان بباید شتافت	کہ ہر کو سعادت طلب کرد یافت

۸	ولیکن تو دنبال دیو خسی	ندانم کہ در صالحاں کے رسی
۹	پیمبر کسے را شفاعت گرست	کہ بر جادۂ شرع پیغمبرست
۱۰	رہ راست باید نہ بالائے راست	کہ کافر ہم از شے صورت چو ماست

ترجمہ: (۱) صالحین قیامت میں اعلیٰ مراتب پر پہنچیں گے۔ مٹی کے گڑھے سے کہکشاں تک پہنچیں گے۔

(۲) تیرا سر رسوائی سے نیچے رہے گا۔ تیرے ارد گرد تیرے اعمال پیش ہوں گے۔

(۳) اے بھائی! بروں کے کام سے شرم کر۔ اس لیے کہ نیکوں کے سامنے شرمسار ہوگا۔

(۴) ناز و خوشی میں نفس کی پرورش کر، لیکن دشمن کے مقابلہ میں اسے قوی جان۔

(۵) کسی نے بھیڑیئے کا بچہ پالا، جب بڑا ہوا تو اس نے مالک کو کاٹ کھایا۔

(۶) بہشت اسے ملے گی جس کے اعمال نیک ہوں گے۔ جس کے پاس نقدی ہوگی وہی سامان لے گا۔

(۷) نیک لوگوں کا پاؤں پکڑنا چاہیے جو سعادت طلب کرتا ہے پالیتا ہے۔

(۸) لیکن تُو تو اے کمینے! دیو کے پیچھے لگا ہے، مجھے معلوم نہیں تُو نیکوں کے ساتھ کب پہنچے گا۔

(۹) پیغمبر اس کی شفاعت فرمائیں گے جو شریعت کے طریقے پر چلتا ہے۔

(۱۰) سیدھا راستہ چلنا چاہیے نہ کہ ٹیڑھا، کیونکہ کافر بھی بظاہر ہمارے جیسا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

ایمان و کفر قلب کے اوصاف ہیں اور قلب کے دو دروازے ہیں؛

(۱) علوی (۲) سفلی

علوی روح اور سفلی نفس کے قریب ہے۔ نفس کی طرف سے جب قلب کا دروازہ بند ہو جائے تو قلب کی طرف کا دروازہ کھل جاتا ہے اور نفس کا دروازہ تب بند ہوتا ہے جب اس کی مکمل طور پر مخالفت ہو۔ پھر جب قلب کا روح کی طرف سے دروازہ کھل جاتا ہے تو روح کے واسطہ سے قلب پر معارفِ الٰہیہ کا ورود ہوتا ہے جن سے قلب انوارِ معرفتِ الٰہی سے منور ہو جاتا ہے اور جب نفسانیہ سے نجات پاتا ہے۔ اور جب بدقسمتی سے قلب کا روح کی طرف سے دروازہ بند ہو جاتا ہے تو نفس کی جانب سے دروازہ کھل جاتا ہے۔ جب نفس کی جانب سے دروازہ کھلتا ہے تو قلب میں نفس کے ذریعہ سے وساوسِ شیطانیہ اور بدعتِ سیئہ اور خواہشاتِ نفسانیہ اور دینِ باطل کے میلان کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کی وجہ سے انسان طریقِ حق اور دینِ مبین سے بھٹک جاتا ہے، اس کے بعد اپنی خواہشات کی پوجا کرنے لگتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ باطل انسان اور اپنے ہدایت یافتہ بندے کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ ظاہر ہے کہ جیسے ایک دل میں ایمان و کفر کا اجتماع ناممکن ہے ایسے ہی ایک دار میں اہلِ ایمان و اہلِ کفر کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ اور عالمِ برزخ درمیان میں حائل ہے اس کے بعد فرق ظاہر ہو جائے گا۔ اگرچہ اہلِ معرفت کی نگاہوں میں آج بھی فرق عیاں ہے، لیکن یہ فرق معنوی ہے، ہاں قیامت میں یہ فرق

حسی ہوگا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ یہ اس کو خطاب ہے جو خطاب کا اہل ہے اور رؤیة بمعنے علم ہے۔ یعنی کیا تمھیں معلوم نہیں اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ یعنی اس کی تدبیر و مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ اس سے ملائکہ و جن و انس مراد ہیں مطیع ہو یا عاصی، اس لیے کہ ایک سجدہ اختیاری ہوتا ہے اس سے انسان مراد ہے اور اس پر وہ ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ دوسرا سجدہ تسخیری ہوتا ہے یہ انسان و حیوان و نباتات کے لیے ہوتا ہے۔

نکتہ: انقیاد یعنی سرِ تسلیم خم ہونے کو باب طاعت میں عبد کے اکمل افعال سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ مکمل تسخیر و تذلل اسی میں ہے۔

نکتہ: ہم نے اسے معنی مجازی پر اس لیے محمول کیا ہے کہ کفرۃ الانس و مرۃ الجن و شیاطین اور جملہ حیوانات و جمادات کو سجدۂ طاعت و عبادت نصیب نہیں اس لیے کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور سجدہ وضع الجبهة على الارض یعنی زمین پر ماتھا ٹیکنے کو کہتے ہیں۔

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ اور سورج، چاند اور ستارے کہ چلتے پھرتے اور طلوع و غروب کرتے ہیں۔ یہ صرف بندوں کے منافع کے لیے وَالْجِبَالُ اور پہاڑ ہیں جو پانی کے چشمے بہاتے ہیں اور معادن ظاہر کرتے ہیں، وَالشَّجَرُ اور درخت سایہ کرتے اور پھل پھول وغیرہ دے کر وَالدَّوَآبُّ اور چارپایوں میں عجیب باتیں دکھا کر۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں۔ جس کام کے لیے اللہ نے انھیں پیدا فرمایا وہ اسے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں اسی کی تسبیح ہے کہ اس نے ایسی عجیب و غریب مخلوق پیدا فرمائی اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال رزق بخشا، اور ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں پیدا فرمایا اور ہمیں رزق بخشا، صحت و تندرستی عطا کی۔ اگر بیماری میں کبھی مبتلا کیا بھی تو اس میں ہزاروں حکمتیں مخفی رکھیں۔ اور ان نعمتوں میں مومن، کافر، نیک اور بد سب برابر رکھے وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اور انسانوں میں سے اکثر ایسے ہیں جو اس کے سامنے عبادت و طاعت کے طور پر سر جھکاتے ہیں۔ اور یہ محذوف فعل کا فاعل ہے اس لیے مرفوع ہے ورنہ حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ اہلِ عرفان اپنے ارادہ سے عبادت کے طور سربسجود ہوتے ہیں اور جملہ جمادات اور غیر ذوی العقول اشیاء و بے دین لوگ اپنی کسی حاجت کے تحت عجز و نیاز کا سجدہ کرتے ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ عالم کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کے حضور خاضع و خاشع ہے جیسا کہ دلالت حال بتاتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ دلالت حال دلالت مقال سے فصیح تر ہے ؎

جملہ ذرات جہاں را در سجود　　　درنگر تا بینی از عین شہود

ترجمہ: غور سے دیکھ تاکہ تجھے عین شہود نظر آئے کہ جملہ عالم کا ذرہ ذرہ سربسجود ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَثِيرٌ اور اکثر لوگ ایسے ہیں جن پر حَقَّ حق ثابت ہوگیا ہے عَلَيْهِ الْعَذَابُ عذاب بوجہ ان کے کفر اور بسبب طاعت سے انکار کرنے کے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ قرآنی سجدات کا یہ چھٹا سجدہ ہے اور اس پر علماء کا اختلاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ فتوحات میں اس سجدہ کو سجدۂ مشاہدہ وعبرت سے تعبیر کیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ صرف انسان کو کثیر سے تبعیض (بعض حصہ) بنانے میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ سجدہ ریزی میں عجلت کرے تاکہ اسے کثیر اول میں شمار ہونے کا موقعہ نصیب ہو کیونکہ وہی اہل سجدہ اور اہلِ قرب ہیں بخلاف کثیر ثانی کے کہ وہ عذاب وعقاب کے مستحق ہیں۔

س

ذوقِ سجدہ و طاعت پیش خدا
خوشتر باشد ز صد دولت ترا

ترجمہ: تجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریزی اور اطاعت کا موقعہ نصیب ہو جائے تو تیرے لیے یہ سینکڑوں دولتوں سے بہتر ہے۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ کثیر اول فی نفسہ کثیر ہیں اگرچہ بہ نسبت ثانی کے قلیل ہیں کیونکہ کثیر اول اہلِ جمال ہیں اور اہلِ جمال بہ نسبت اہلِ جلال کے قلیل ہیں کیونکہ اہلِ جمال اہلِ جلال میں ہزار میں ایک ہے۔

ف: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہلِ حق اگرچہ ایک ہی ہو تب بھی وہ سوادِ اعظم ہے۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قلیل جب اپنی شدۃ میں مضبوط ہو تو حقیقی کثیر وہی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل وخوار کرے۔ یعنی جسے ازل سے اپنے علم سے لکھ دے کہ یہی بدبخت ہوگا جبکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بندہ اپنے اختیار سے ہی شقاوۃ اختیار کرے گا فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ تو کبھی کوئی اسے سعادت مند نہیں بنا سکتا إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ چاہے کسی کو ازل سے ابد تک مکرم بنائے، چاہے کسی کو ذلیل وخوار کرے۔

ف: امام نیشاپوری نے کشف الاسرار میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو اہلِ ایمان سے اس لیے کثیر پیدا فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی طاعت وعبادت سے مستغنی ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث قدسی میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں فرمایا کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں بلکہ اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائے۔

نکتہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار کی تخلیق صرف اہلِ ایمان کی عزت افزائی کے لیے ہوئی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ تعرف

الاشیاء باضدادھا (اشیاء اپنی نقیض سے پہچانی جاتی ہیں)۔ نیز قاعدہ ہے کہ شے جونہی قلیل تر ہو گی عزیز تر ہو گی۔ اسی وجہ سے معدنیات اللہ تعالیٰ کے اسم عزیز کا مظہر ہیں کہ وہ اشیاء میں عزیز ترین یعنی کمیاب ہیں۔

نکتہ : اہل ایمان کو قلیل اس لیے بھی بنایا تاکہ اپنی قدرت دکھائے کہ وہ کریم کیسا قادر ہے کہ دشمنوں کی صفوں میں بھی ان کی حفاظت فرما رہا ہے جیسے اپنے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے کفار کے درمیان میں محفوظ فرمایا باوجودیکہ وہ کثیر و رکثیر اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم یکہ و تنہا۔ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ بہت سے مواقع پر قلیل کثیر پر غالب آ جاتے ہیں۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت و اعانت ہوتی ہے۔ وہ اپنے لطف و کرم سے جس کی مدد فرمائے اسے کوئی بھی رسوا نہیں کر سکتا۔

سوال : حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت اور غلبہ رکھتی ہے۔ اس حدیث شریف کا تقاضا یہ ہے کہ اہلِ رحمت اہلِ غضب سے کثیر التعداد ہوں گے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ قیامت میں ایک ہزار اہل غضب کے مقابلہ میں صرف ایک ہی اہلِ رحمت ہو گا (کما ورد فی الحدیث الصحیح) نیز وارد ہے کہ اہلِ رحمت اہلِ غضب کی نسبت ایسے ہیں جیسے ایک سفید بال سیاہ بالوں والے بیل میں۔

جواب : یہ کثرت صرف بہ نسبت بنی آدم کے ہے ورنہ غور سے دیکھا جائے تو اہلِ رحمت کا تو شمار ہی نہیں مثلاً اب اہل رحمت بنی آدم کے ساتھ ملائکہ اور حور و غلمان کو ملا لیجیے پھر اہلِ غضب کے ساتھ مقابلہ کیجئے تو اہل غضب اہل رحمت کے مقابلہ میں کروڑواں حصہ بھی نہیں بنتے۔

تحقیقِ اہلِ تحقیق محققین فرماتے ہیں کہ جملہ موجودات کی تخلیق سے مقصود صرف انسان کامل کا ظہور ہے اور وہ صرف ایک ہے اسی نسبت سے قلت اور شرافت کو بزرگی ہے۔ اسے یوں سمجھیے کہ کل انسان اگر ایک ہزار ہوں تو ان میں سے نو حصے کافر ہوں گے اور ایک حصہ اہلِ ایمان۔ پھر ایمان کو دس حصوں میں منقسم کیا جائے تو ان میں نو حصے گنہگاروں کے اور ایک حصہ اہلِ اطاعت کا ہو گا۔ پھر اہلِ اطاعت کو دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ان میں نو حصے اہلِ زہد کے ہوں گے اور ایک حصہ اہلِ عشق کا۔ پھر اہلِ عشق دس ہوں تو ان میں نو حصے اہلِ برزخ و اہلِ فرقت ہوں گے تو ایک اہلِ منزل و اہلِ وصلت ہو گا اور وہی درحقیقت کبریتِ احمر اور مشکِ اذفر سے بھی عزیز ہے۔ یہی وہ محبوب انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی عزت و کرامت سے معزز و مکرم بناتا ہے، جس کا ثانی نہیں ہوتا، ایسے محبوب کی اہانت پر جملہ عالم چاہے کتنا زور لگائے تب بھی اس کا بال بیکا نہ ہو گا کیونکہ اسی کو حقیقی عزت نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو فنا فی اللہ بنا دیا ہے اور سجود حقیقی کا یہی مقام ہے اسے اللہ تعالیٰ نے معزز و مرتفع بنایا ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:

من عادلی ولیاً فقد بارزنی بالمحاربۃ۔ یعنی جو کسی بھی ولی اللہ کے ساتھ دشمنی کرتا اور

اسے ایذا دیتا اور اس کی اہانت کرتا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے لیے میدانِ جنگ میں نکلا اور اللہ تعالیٰ صرف اپنے محبوبوں کی مدد فرماتا ہے
اس لیے جو بھی ولی اللہ کا مقابلہ کرتا ہے رسوا ہوتا ہے نہ کوئی اس کی مدد کرتا ہے نہ اسے کہیں عزت نصیب ہوتی ہے ؎

اہلِ حق ہرگز نمی باشد جہاں
اہلِ باطل خوار باشد در جہاں

ترجمہ: اہلِ حق کبھی رسوا نہیں ہوتے البتہ جہاں میں اہلِ باطل سدا ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

ھٰذٰنِ یہ دو گروہ یعنی اہلِ ایمان اور کفار، جنھیں سابقاً پانچ فرقوں میں منقسم کیا گیا ہے **خَصْمٰنِ** آپس میں جھگڑا کرتے ہیں **اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ** ان کا جھگڑا اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے یا اس کے دین یا اس کی ذات یا صفات یا اس کی جملہ شانوں کے بارے میں ہے اس لیے کہ ہر گروہ اپنے عقیدہ کو حق سمجھتا ہے اور دوسرے کو باطل۔ اور ہر ایک کے اقوال و احوال دوسرے گروہ کے لیے موجبِ خصومت بنے رہتے ہیں اگرچہ وہ آپس میں کبھی باہم مصروفِ گفتگو ہوتے ہوں یا نہ ؎

اہلِ دینِ حق و انواعِ ملل
مختصم شد بے زبان اندر علل

ترجمہ: حق دین والے اور دوسرے اہلِ ملل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہیں لیکن زبان اور علل کے بغیر۔

فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یہ یفصل بینھم یوم القیٰمۃ کے اجمال کی تفصیل ہے۔ یعنی پس وہ لوگ جو کافر ہیں **قُطِّعَتْ لَهُمْ**

(**حلِ لغات**) یہ التقطیع سے ہے بمعنے ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ یہاں پر قدرت علیٰ مقادیر جثتھم کے معنی میں ہے یعنی ان کے جثے کے اندازے پر تیار کیے جائیں گے **ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ** آگ کے کپڑے، یعنی وہ سخت نار جو انھیں ایسے گھیرلے گی جیسے کپڑا انسان کے جسم کو گھیر لیتا ہے **یُصَبُّ** صب الماء سے ہے بمعنے پانی کو اوپر سے گرانا۔ یعنی گرایا جائے گا **مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ** ان کے سروں پر ایسا سخت گرم پانی کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا کے پہاڑوں پر گرایا جائے تو تمام پہاڑ پانی کی طرح پگھل کر پانی کی طرح بہہ جائیں۔ امام راغب نے فرمایا الحمیم ہر اس پانی کو کہا جاتا ہے جو سخت گرم ہو اور پسینے کو بھی حمیم کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: استحم الفرس۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب گھوڑے سے پسینہ بہے۔ اور حمام کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ اس کے اندر گرمی ہوتی ہے کہ انسان اس میں داخل ہوتے ہی (بالفعل یا بالقوۃ) پسینہ سے شرابور ہو جاتا ہے یا اس لیے کہ وہ گرم پانی سے لبریز ہوتا ہے۔ اور الحمی (بخار) کو بھی اسی لیے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ بخار میں شدید گرمی ہوتی ہے یا اس لیے کہ کبھی بخار میں پسینہ عارض ہوتا ہے۔ یا اس لیے کہ یہ موت کی علامات سے ہے اور عربی میں موت کو حمام کہا جاتا ہے اسی معنے پر حتٰی اسی سے ماخوذ ہوا۔ **یُصْهَرُ بِهٖ** اسے گرم پانی کی سخت ترین گرمی سے پگھلایا جائے گا (**حلِ لغات**:) یہ صھرت الشئ فانصھر (میں نے فلاں شے کو پگھلایا تو وہ پگھل گئی) سے مشتق ہے فھو صھیر یعنی وُہ پگھلانے والا ہے۔ اور الصھر بمعنے کسی شے کو پگھلانا۔ اور الصھارۃ

ہروہ شے جس سے کسی شے کو پگھلایا جائے۔ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وہ جو ان کے پیٹ کے اندر آنتیں وغیرہ ہوں گی وَ الْجُلُوْدُ اور ان کے چمڑے وغیرہ پگھل کر گر پڑیں گے۔ اس کا ما پر عطف ہے اور اس کی تاخیر صرف خواص کی وجہ سے ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ جب جہنم کا گرم پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا تو اس کی گرمی کی تاثیر سے جیسے ان کے اندر کے حصے متاثر ہوں گے کہ آنتیں وغیرہ جل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باہر نکلیں گی ایسے ہی ان کے ظاہری جسم یعنی ان کی کھالیں وغیرہ جل کر گریں گی۔ پھر اللہ تعالٰی اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کو اصلی حالت میں لوٹا دے گا، پھر یہی عمل دہرایا جائے گا۔ ایسے بار بار ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ نعوذ باللہ من غضبہ وسخطہ و عذاب نارہ بجاہ حبیبہ الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم)، وَ لَهُمْ اور کافروں کو عذاب دینے اور ان کے چمڑے ادھیڑنے کے لیے مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ جہنم کے فرشتوں کے ہاتھوں میں لوہے کے گُرز ہوں گے۔ یہ مقمعہ کی جمع ہے قمع کا آلہ۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ لوہے کے وہ ڈنڈے کہ جب کفار پر برسائے جائیں گے تو ان کے چمڑے اُدھڑ جائیں گے۔ در حقیقت مقمعہ بمعنٰے مایقمع بہ ای یکف بعنف ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر جہنم کا ایک ڈنڈا زمین پر رکھا جائے تو اسے جن و انس اٹھانا چاہیں گے بھی تو نہیں اٹھا سکیں گے۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا جب وہ اس سے نکلنا چاہیں گے، یعنی دوزخ کے کنارے کھڑے ہو کر باہر نکلنے کا خیال کریں گے۔ مروی ہے کہ انہیں جہنم کی آگ کے شعلے نیچے سے اوپر کے کنارے لائیں گے تو وہ باہر نکلنے کے خیال میں ہوں گے تو انھیں فرشتے کا ڈنڈا پڑے گا جس کی زد سے جہنم کی آگ میں ستر سال کی مسافت کے برابر دھنس جائیں گے۔ حدیث شریف میں لفظ خریف سے جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے اور خریف فصول اربعہ کی آخری فصل کا نام ہے۔ مِنْ غَمٍّ سخت ترین غم سے جو انھیں اس ڈنڈے کے برسنے سے پہنچے گا۔ یہ منھا کی ضمیر سے بدل الاشتمال ہے اُعِيْدُوْا فِيْهَا اسی جہنم کے گڑھے میں لوٹائے جائیں گے یعنی انھیں جہنم کے اوپر کے حصے سے نیچے کے حصے میں دھنسا دیا جائے گا۔ اس کا معنٰی یہ نہیں کہ وہ جہنم سے کہیں باہر نکل جائیں گے تو انھیں وہاں سے پکڑ کر لوٹایا جائے گا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ انھیں انہی گرزوں سے مار مار کر دوزخ میں لوٹایا جائے گا۔ یہ اس وقت ہوگا جب وہ دوزخ کے کنارے پہنچ جائیں گے، اور قریب ہوگا کہ دوزخ سے باہر نکل جائیں لیکن پھر دوزخ کے فرشتے ان پر ڈنڈے برسائیں گے تو وہ دوزخ کے نچلے حصوں میں دھنس جائیں گے۔

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ اور انھیں کہا جائے گا کہ جلانے والے دوزخ کا عذاب چکھو۔ یا الحریق بمعنے المحروق ہے جیسا کہ اوپر گزرا، اور فعیل کے صیغے کی طرف عدول سے مبالغہ مطلوب ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے **فالذین کفروا** یہاں وہ ارباب نفس مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین سے منقطع ہو گئے اور انہوں نے اتباعِ ہوا و طلبِ شہواتِ دنیوی میں زندگی بسر کی۔ اسی طرح وہ بعض اصحابِ رُوح جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ حق کو رد کیا **قطعت لهم ثياب من نار** ان کے قد کے مطابق قضا و قدر کے تاگوں کے ساتھ ان کے لیے جہنم کے کپڑے تیار کیے جائیں گے اور یہ کپڑے دراصل ان کی وہ خواہشاتِ نفسانی ہوں گی جو انہوں نے شرع پاک کی مخالفت کر کے خود تیار کی اور موافقات طبع سے انھیں مکمل کیا **يصب من فوق رؤسهم الحميم** ان کے سروں پر خواہشات نفسانیہ کا گرم پانی ڈالا جائے گا جس سے پگھلیں گے اور جو ان کے اندر اخلاق حمیدہ تھے وہ سب کے سب ان سے خارج ہو جائیں گے **ولهم مقامع من حديد** اور انھیں اخلاقِ ذمیمہ اور استیلائے حرص و امل کے ڈنڈے نصیب ہوں گے۔ **وقيل لهم ذوقوا عذاب الحريق** اور انھیں کہا جائے گا اب وہ عذاب چکھو جو تمہیں شہوات کی نار سے نصیب ہو رہا ہے کہ اسی نار سے تم نے استعداداتِ حسنہ کو جلایا تھا۔

سوال ، نارِ جہنم اچھی ہے یا بُری ؟

جواب ، نہ وہ اچھی ہے نہ بُری ، بلکہ ایک قسم کا سخت عذاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ من وجہ اچھی ہے اور من وجہ بُری۔ جیسے نمرود کی نار بظاہر تو لوگوں کی نظروں میں بُری تھی مگر ابراہیم علیہ السلام کے لیے برد و سلام تھی ، یا جیسے وہ ڈنڈا جو پولیس کے ہاتھ میں ہوتا ہے نافرمان و سرکش لوگوں کے لیے مفید ہوتا ہے اور فرمانبردار اور صالحین کے لیے بُرا۔ اسی طرح نارِ جہنم دوزخ کے چیف افسر بنام مالک اور اس کے عملہ کے لیے اچھی ہے لیکن دشمنانِ خدا جو اس میں داخل ہوں گے ان کے لیے بُری۔ اسی طرح یہی نارِ جہنم اہل ایمان فساق کے لیے بھی اچھی ہے جب وہ اس میں داخل ہوں گے تو ان کے نفوس کے جواہر میں معاصی و جرائم کی آمیزش ہو گی اس سے وہ صاف و شفاف ہو جائیں گے۔ لیکن دوسروں یعنی کفار و مشرکین کے لیے بُری ہے۔ اسے طاعون و وبا کی طرح سمجھیے کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے رحمت ہے لیکن کفار کے لیے زجر و توبیخ۔ اسی طرح وجود بھی عارفین کے نزدیک خیر محض ہے لیکن محققین اسے شرِ خالص سے تعبیر کرتے ہیں وہ اس لیے کہ وجود بھی باری تعالیٰ کی صفت کا ایک نشان ہے۔ کما قال ، **ربنا ما خلقت هذا باطلا** اس معنے پر وجود کو اعیانِ کونیہ سے منسوب ہونے کی وجہ سے شر کہہ سکتے ہیں لیکن جب اسے افعالِ الٰہی سے نسبت ہو گی تو اسے خیر ہی خیر ماننا پڑے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں جو چاہے کرے اور جس طرح چاہے حکم فرمائے۔ خلاصہ یہ کہ نارِ حق تعالیٰ کے جلال کا مظہر ہے۔ اسی لیے ہم کہنے پر مجبور ہیں کہ چونکہ یہ مظہرِ جلال ہے یہ خیر ہی خیر ہے اور چونکہ پھر اسے بعض اعیان سے تعلق ہے اس لیے اسے شر ہی شر سمجھنا ہو گا۔

نکتہ ، اللہ تعالیٰ نے نار کو اس لیے پیدا فرمایا تاکہ مخلوق کو جلال و کبریائی کا علم ہو اور ہمیشہ خوفِ الٰہی اور ہیبتِ حق سے خوفزدہ ہو

اور تاکہ اس کے ذریعے ان بدبختوں کی سرزنش کی جائے جنہوں نے انبیاء ورسل علیہم السلام کا ادب نہ کیا اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا مبارک گھر میں لٹکا دیا تھا تاکہ اہلِ بیت دیکھ کر ادب کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اپنے اور پرائے کی پہچان مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیج کر فرمایا کہ میں نے دوزخ اس لیے نہیں پیدا کی کہ میرے ہاں رحمت کی کمی ہے بلکہ اسے اس لیے بنایا تاکہ دوست و دشمن کی پہچان ہو اور انہیں ایک جگہ رکھنا ناموزوں تھا اس لیے دوستوں کے لیے بہشت اور دشمنوں کے لیے دوزخ پیدا فرمائی۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دوزخ کی تخلیق بھی مبنی بر شفقت ہے جیسے کوئی شخص اعلان کرے کہ جو میری مہمانی قبول کرے گا اس کی عزت ہوگی اور جو قبول نہیں کرے گا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن دوسرا یوں اعلان کرے کہ جو قبول کرے گا اس کی عزت ہوگی اور جو قبول نہیں کرے گا اسے سزا ملے گی۔ ان دونوں میں سے دوسرے کو زیادہ شفیق و کریم سمجھا جائے گا۔ بلاتمثیل سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی بہشت میں مہمانی کے لیے بلایا کما قال:

واللہ یدعوا الیٰ دار السلام۔

اس کے بعد اپنے محبوب علیہ السلام کو تلوار دے کر حکم فرمایا کہ جو میری مہمانی قبول نہ کرے اسے قتل کر دو۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کرے اور اس کے حکم کو مانے تاکہ اس کے قہر و غضب سے بچ سکے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱	ہنوزت اجل دست ہوشت نبست	برآور بدرگاہ داور دو دست
۲	تو پیش از عقوبت در عفو کوب	کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب
۳	چناں شرم دار از خداوند خویش	کہ شرمت ز ہمسایگانست و خویش
۴	بترس از گناہان خویش ایں نفس	کہ روز قیامت نترسی ز کس
۵	بر اں خورد سعدی کہ بیخے نشاند	کسے برد خرمن کہ تخمے فشاند

ترجمہ: (۱) ابھی اجل نے تیرے ہوش کے ہاتھ نہیں باندھے بارگاہِ احکم الحاکمین میں دو ہاتھ عاجزی کے پیش کرے۔

(۲) سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکھٹا، سزا کے بعد شور کرنا بے سود ہوگا۔

(۳) اپنے خدا سے اسی طرح شرم کر، جیسے تجھے ہمسایوں اور رشتہ داروں سے شرم ہے۔

(۴) آج اپنے گناہوں سے ڈر، پھر تجھے قیامت میں کسی سے ڈر نہ ہوگا۔

(۵) جو بیج بوئے گا اے سعدی! اسی کا پھل اٹھائے گا۔ خرمن وہ لے گا جو بیج بوئے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
بے شک اللہ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ
کیے بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہیں اس میں پہنائے

فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى
جائیں گے سونے کے کنگن اور موتی اور وہاں ان کی پوشاک ریشم ہے اور انہیں پاکیزہ بات

الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
کی ہدایت کی گئی اور سب خوبیوں سراہے کی راہ بتائی گئی بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَاۗءَۨ
اور روکتے ہیں اللہ کی راہ اور اس ادب والی مسجد سے جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے

الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾
مقرر کیا کہ اس میں ایک سا حق ہے وہاں کے رہنے والے اور پردیسی کا اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اسے
دردناک عذاب چکھائیں گے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو داخل کرے گا جنہوں نے ایمان لا کر نیک عمل کیے جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں يُحَلَّوْنَ فِيْهَا اس میں انھیں زیور پہنائے جائیں گے۔

حل لغات: یہ العراۃ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی عورت زیور پہنے۔ قیامت میں ملائکہ کرام بہشتیوں کو زیورات پہنائیں گے۔ اور الحلی ہر وہ شے جو زینت کے طور از قسم سونا و چاندی پہنی جائے، یعنی زیور۔ یعنی بہشت میں ان لوگوں کو زیورات پہنائے جائیں گے۔

مِنْ اَسَاوِرَ یہ من تبعیضیہ ہے اور اساور، اسورۃ۔ اور یہ سوار کی جمع ہے یعنی دستورانہ یعنی کنگن۔
مِنْ ذَهَبٍ یہ سوار کا بیان ہے یعنی وہ کنگن سونے کے ہوں گے وَّلُؤْلُؤًا اس کا عطف من اساور کے محل پر ہے اسے مجرور بھی پڑھا گیا ہے اس وقت اس کا عطف من ذھب پر ہوگا۔ یعنی وہ کنگن سونے کے ہوں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا یا یہ معنی ہے کہ وہ دونوں جنسوں سے ہوں گے یعنی کسی وقت سونے کے اور کسی وقت موتیوں کے یا دونوں طرح کے زیورات مختلف طریقوں سے پہنائے جائیں گے جیسے دنیا میں عورتیں بیک وقت مختلف اجناس کے

زیورات مختلف طریق سے پہنتے ہیں۔ اور وہ زیور بہتر شمار ہوتا ہے جس کا ایک کنگن خالص سونے کا اور دُوسرا اسفید موتیوں کا ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا عطف ذھب پر نہیں بلکہ اساور پر ہے اس لیے کہ عادۃً موتیوں کے کنگن نہیں ہوتے۔ لیکن یہ قول غلط ہے اس لیے کہ اس میں عالمِ ملکوت کا عالمِ دنیا پر قیاس کیا گیا ہے اور ایسا قیاس سراسر خطا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آخرت میں بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار فرمائی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور وہ نہ کسی تصوّر میں آسکتی ہیں۔ ہماری تائید حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ بہشتی کو بہشت میں تین کنگن پہنائے جائیں گے، ایک خالص سونے کا، دُوسرا خالص چاندی کا، تیسرا لؤلؤ و یاقوت کا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ کبھی خالص موتیوں سے بھی کنگن تیار ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ موتیوں کو ایک دُوسرے کے ساتھ پرویا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آخرت کے زیورات کی ساخت اس عالم دنیا سے نرالی ہوگی۔ اور یہی معنیٰ موزوں ہے اس لیے کہ بابِ ترغیب میں ایسا مفہوم موثر ہوتا ہے۔

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيْرٌ اور بہشت میں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔

مسئلہ: دنیا میں مردوں کو ریشمی لباس پہننا حرام ہے۔

حدیث شریف حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہنا وہ بہشت میں ریشمی لباس سے محروم ہوگا۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مردوں پر ریشمی لباس پہننا حرام ہے مگر صرف چار انگلی کی مقدار ریشم لباس میں استعمال کرنا جائز ہے۔

روایت مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جبہ مبارک پہنا جس کی آستینیں چار انگلی کے برابر ریشمی تھیں۔ اس میں جنگ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

مسئلہ: امام ابویوسف و محمد رحمہما اللہ نے ایسا جبہ پہننا صرف جنگ کے وقت جائز رکھا ہے بوجہ ضرورت کے لیکن یہ قول غیر مفتی بہ ہے کیونکہ ضرورت تو دوسرے طریق سے بھی پُوری ہوسکتی ہے وہ اسی طرح کہ جنگ میں ایسا کپڑا پہنا جائے جس کا باہر یا اندر کا حصہ ریشمی ہو۔ (کذا فی بحر العلوم)

مسئلہ: امام دمیری رحمہ اللہ نے حیٰوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ جُوئیں دُور کرنے کے لیے ریشمی لباس پہننا جائز ہے اس لیے کہ ریشمی لباس میں جُوئیں نہیں آتیں، اور صحیح ترین یہ ہے کہ یہ عام ہے سفر میں ہو یا حضر میں۔ (کذا فی انوار المشارق)

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ اور اہلِ ایمان پاکیزہ قول کی طرف راہ دکھائے جائیں گے۔ مثلاً

بہشت کو دیکھ کر کہیں گے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا ۔ جب بہشت میں داخل ہوں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ۔ جب اپنی منزلوں میں پہنچیں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض ۔ بعض مفسرین نے فرمایا یہاں پر پاکیزہ قول سے ان کا دنیا میں کلمہ طیبہ پڑھنا مراد ہے یعنی انہیں دنیا میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کی ہدایت نصیب ہوئی ۔

تفسیر صوفیانہ چنانچہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انھیں اخلاص سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا نصیب ہوا۔

اور حقایق البقلی میں ہے کہ اس سے مراد ذکر یا امر بالمعروف یا اہلِ اسلام کی خیر خواہی یا ان کے لیے دعائے خیر اور ارشادِ سالکین مراد ہے ۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ حضرت الٰہی نے کشف الاسرار میں فرمایا کہ قولِ پاکیزہ یہ ہے کہ بندہ دعویٰ سے پاک اور عُجب سے بے نیاز اور عجز و نیاز کے قریب تر ہو۔ اور سہل تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق غور و خوض کیا تو مجھے قول پاکیزہ عجز و نیاز کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوا اور دعویٰ نہایت مشکل ترین امر سے محسوس ہوا ؎

ایمن آبادست ایں راہِ نیاز ترک نازش گیر و بایں راہ بساز
رو تبرک دعویٰ دعوت بگو راہ حق ز کبر و از نخوت مجو

ترجمہ : برکت کا مقام ہے یہ راہِ نیاز ، نازش کو چھوڑ اور نیاز حاصل کر ۔ دعویٰ دعوت کو بالکل ترک کر دو راہِ حق کبر و نخوت سے حاصل نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ وہ ایسے راہ کی ہدایت دئے گئے جو فی نفسہٖ محمود تھا یا اس کا انجام محمود تھا۔ فواصل کی رعایت سے ہدایت کے بیان کو موخر فرمایا ہے ۔ حضرت کاشفی نے لکھا کہ اہلِ ایمان ایسے راہ کی ہدایت دئے گئے جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے یعنی دینِ اسلام ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دین کی تعریف فرمائی ہے ۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وہ دین جس کے جملہ افعال کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ راستہ مراد ہے جو موصل الی اللہ ہے اس لیے کہ حمید اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

ف : طریق قویم کے ابتدا کی علامت یہ ہے کہ انسان کو عمل صالح پر ثابت قدمی نصیب ہو اور وہ اخلاص سے حاصل ہوتی ہے اگرچہ ایمان انسان کو خلود فی النار سے نجات دلا کر بہشت میں لے جائے گا ۔ لیکن نورانیت عمل صالح سے نصیب ہوتی ہے اور عمل صالح سے ہی قلب منور ہوتا ہے ۔

ف : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی : یا اللہ ! تیرے بندوں سے عاجز ترین کون ہے ؟ فرمایا :

بےعمل صالح کے بغیر بہشت اور رزق دُعا کے بغیر مانگتا ہے۔ پھر سوال کیا کہ تیرے بندوں سے بخیل ترین کون ہے؟ فرمایا: جس سے سائل سوال کرے اور اس کے پاس اس کی حاجت پوری کرنے کی طاقت بھی ہو لیکن اس کی حاجت پوری نہ کرے۔

حکایت یثرب (مدینہ) میں ایک شخص نے اپنے دوستوں کو دعوت دی۔ جب وہ تشریف لائے تو اس نے اپنے نوکر کو چار درم دئے اور فرمایا کہ ان کے بدلے ایسے میوے لا جو ان تمام کو مکتفی ہو سکیں۔ جب غلام منصور بن عمار (ولی اللہ) کی مسجد سے گزرا تو اسے کسی فقیر کے لیے کچھ پیسے درکار تھے اور فرما رہے تھے جو شخص اس میرے فقیر کو چار درم دے گا میں اس کے لیے چار دعائیں مانگوں گا۔ غلام نے وہ چار درم فقیر کو دے دئے اور حضرت منصور سے عرض کی، آپ میرے لیے حسبِ وعدہ چار دعائیں مانگیے۔ جو یہ ہیں: (۱) میں کسی کا غلام ہوں دعا فرمائیے وہ مجھے آزاد کر دے۔
(۲) یہی دے ... دراہم مجھے واپس مل جائیں۔ (۳) میرے آقا کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق بخشے۔
(۴) مجھے اور میرے آقا اور تجھے اور جملہ جماعت کو اللہ تعالیٰ بخش دے۔
حضرت منصور نے فرمایا میں نے تیرے لیے چار دعائیں مانگی ہیں (ان شاء اللہ قبول ہو جائیں گی)۔
جب نوکر اپنے آقا کے ہاں لوٹا تو آقا نے فرمایا کہ اتنی دیر تم کہاں رہے؟ اس نے اپنا تمام ماجرا سنایا۔ آقا نے فرمایا: پہلی دعا کیا تھی؟ اس نے بتایا کہ میں نے کہا کہ میرا آقا مجھے آزاد کر دے۔ آقا نے فرمایا، جاؤ، میں نے تجھے آزاد کیا کہا، دوسری دعا یہ تھی کہ مجھے دراہم واپس مل جائیں۔ آقا نے کہا، جا میرے خزانہ سے چار ہزار درم لے لے۔ تیری دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے آقا کو توبہ کی توفیق بخشے۔ آقا نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ غلام نے کہا: چوتھی دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بخش دے۔ آقا نے کہا: یہ میرے بس سے باہر ہے۔ رات کو جب آقا سویا تو خواب میں غیب سے آواز آئی کہ جو تیرے بس میں تھا تُو نے کر دیا اور جو میرے کرنے کا ہے وُہ میں نے کر دیا۔ وُہ یہ کہ تجھے اور تیرے غلام اور تیرے ساتھیوں اور منصور کو بخش دیا۔

ف: اس حکایت میں بے شمار فوائد ہیں جو ناظرین سے مخفی نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور عاقبت محمودہ کا سوال کرتے ہیں۔

تو چاکر در سلطان عشق شو چو ایاز ۔۔۔ کہ ہست عاقبت کار عاشقاں محمود

ترجمہ: تو سلطان عشق کے حضور میں ایاز کی طرح ہو جا پھر عاشقوں کا انجام بالآخر محمود ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور لوگوں کو اللہ کی طاعت اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ مضارع سے حال و استقبال مراد نہیں بلکہ اس سے استمرار مطلوب ہے۔ گویا یُوں کہا گیا کہ وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کا کام ہے راہِ حق سے روکنا۔ اس کی نظیر الذین آمنوا وتطمئن قلوبهم بذکر الله ہے وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس کا عطف سبیل اللہ پر ہے۔ اس سے

مراد مکہ معظمہ ہے یا معنی یہ ہے کہ کفار اہلِ ایمان کو مسجد حرام کے طواف سے روکتے ہیں۔ الحرام کا معنی یہ ہے کہ وہ مسجد ہر لحاظ سے محترم ہے بایں معنی کہ نہ اس کے شکار کو پکڑا جائے نہ وہاں سے کانٹے کاٹے جائیں اور نہ وہاں خون بہایا جائے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس سے حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے یہ اسی روز کفار نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طوافِ کعبہ اور مسجد کے داخلہ سے روکا۔ یہی قول مشہور تر ہے۔

الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ جسے ہم نے بنایا عبادت گاہ **لِلنَّاسِ** لوگوں کے لیے، وہ جہاں کے بھی ہوں، یعنی مکی ہوں یا آفاقی۔ **سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ** یہ جعلنا کا دوسرا مفعول ہے اور العاکف یہ بنائے فاعلیت مرفوع ہے اور عربی میں مقیم کو بادی کہا جاتا ہے اور البادیہ ہر وہ مکان جو اپنے اندر کی تمام اشیاء کو ظاہر کردے۔ اب معنی یہ ہوا کہ مسجد حرام کی حاضری میں مقیم اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں یعنی اس کی تعظیم و تکریم بجا لانے کے لیے مقیم و مسافر برابر ہیں۔ اور اسے الحرام کی صفت سے موصوف کرنے میں اس کے طواف سے روکنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ انّ کی خبر محذوف ہے اور وہ معذبون ہے یعنی اس فعل شنیع کے مرتکب عذاب میں مبتلا ہوں گے جیسا کہ انّ کی خبر محذوف پر دوسری آیت دلالت کرتی ہے۔ **وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ** اور اس میں جو بھی ارادہ کرے **بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ** یہ دونوں حال مترادف ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ درانحالیکہ وہ ارادہ کرنے والا حق سے روگردان اور ظالم ہو اور بظلم دراصل متلبسا بظلم تھا۔ اس معنے پر اس کی با ملابست کی ہوگی اور الحاد بمعنے میل یعنی روگردانی۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ یہ الحد فلان سے ہے۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے۔ یہ دو قسم کا ہے: (۱) الحاد الی الشرک باللہ۔ (۲) الحاد الی الشرک بالاسباب۔

اول ایمان کے منافی بلکہ اسے باطل کر دیتا ہے۔ دوسرا ایمان کے نہ منافی ہے نہ اسے باطل کرتا ہے صرف اس کی بنیادیں کمزور کر دیتا ہے۔ یہ الحاد دوسری قسم سے ہے۔

نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ یہ مَن (شرطیہ) کا جواب ہے یعنی ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

مسئلہ : آیت میں تصریح ہے کہ مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد واجب ہو جاتا ہے کہ عدل و انصاف کا دامن تھاما جائے۔

مسئلہ : الحاد و ظلم سے مراد یہ ہے کہ حرم محترم کا نہ شکار کیا جائے اور نہ ہی وہاں کے درخت کاٹے جائیں اور نہ اس میں احرام کے بغیر داخل ہوں۔ اور تمام معاصی و جرائم سے احتراز کیا جائے یہاں تک کہ آقا کو اپنے نوکر کی سرزنش کرنا بھی روا نہیں اس لیے کہ حرم مکہ میں ہر گناہ نیکی کی طرح دوہرا لکھا جاتا ہے یعنی جیسے حرم مکہ میں ہر نیکی مثلاً نماز وغیرہ کا ثواب کئی گنا زیادہ نصیب ہوتا ہے اسی طرح بہ نسبت دوسرے مقامات کے یہاں کی برائی بھی کئی گنا زیادہ لکھی جاتی ہے۔

مسئلہ : مسجدِ حرام کی طرح مسجد الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) و مسجد اقصیٰ کی حرمت بھی ضروری ہے اور تعظیم و تکریم میں یہ تینوں

مساجد برابر ہیں یہاں تک کہ فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کسی نے ان تینوں میں کسی ایک میں نوافل ادا کرنے کی منت مانی تو ان تینوں میں کسی ایک میں ادا کرے تو ادا ہو جائے گی۔

فائدہ عجیبہ حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے وسوسے معاف فرمائے ہیں لیکن مکہ معظمہ میں جو غلط وسوسے دل میں ابھریں گے ان کا گناہ لکھا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں تصریح فرمائی گئی ہے کہ ومن یرد فیہ بالحاد بظلم (الآیۃ)۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مسجد حرام کے بجائے طائف میں اقامت اختیار فرمائی اسی احتیاط پر کہ غلط وسوسوں سے کون روک سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارات ہیں:

(۱) نفوس متمردہ وارواحِ مرتدہ کا طریقہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے مقامات سے روگردانی اور حق کے انکار کی لعنت کا طوق ان کے گلے میں پڑتا ہے تو وہ دوسروں کو راہ حق پر چلنے سے روکتے ہیں اور ان کو کئی بات سے منکر بناتے اور ان پر غلط قسم کے اعتراضات کرتے ہیں اور مشائخ و اولیاء پر بھی طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کو ماننے والوں کو ان سے دور رکھنے کے لیے کئی قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ انھیں طلب حق کے لیے حرم قلب کی مسجد میں داخل ہونے سے محروم کردیں۔ یاد رہے کہ ولی اللہ کا قلب اطہر حرم الٰہی ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

در رہ عشق وسوسہ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بہ پیام سروش کن

ترجمہ: عشق کی راہ میں ہزاروں شیاطین ہیں روکنے والے۔ ہوش سے کام لے اور دل کے کان کو غیبی فرشتے کے پیام کی طرف لگا دے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

پس عدو جان صرافست قلب
دشمن درویش کہ بود غیر کلب

ترجمہ: تیری جان کا دشمن ہی تیرے دل کا دشمن ہے اس لیے کہ درویش کا دشمن کتے کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

اور: ؎

مغز را خالی کن از انکار یار
تاکہ ریحان یابد از گلزار یار

ترجمہ: انکار یار سے مغز کو خالی کر دے تاکہ اسے گلزار یار کی خوشبو نصیب ہو۔

لہ وہابی، دیوبندی اور ان کے دیگر ہمنوا ٹولے سوچیں کہیں وہ تو اس مرض میں مبتلا نہیں! ان کے علاوہ ہر کلمہ گو بھائی سے التماس ہے کہ اولیاء کرام سے سوظنی اور ان کی بے ادبی و گستاخی سے بچے۔ اویسی غفرلہ

(۲) جس قلب کو وصالِ یار دیر سے نصیب ہوا یا بہ عجلت۔ فضیلت میں دونوں برابر ہیں، ان میں کسی کو ایک دوسرے پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ ہاں مقاماتِ قلب میں فرق ہو تو پھران کی فضیلت میں تفریق ہوسکتی ہے۔

ف : الحقایق میں لکھا ہے کہ اول عمر سے اپنے قلب کو یادِ الٰہی میں صرف کرنے والا اور وہ جسے نگاہِ ولی سے ایک آن میں وصالِ یار نصیب ہوگیا انکشافات و مشاہداتِ حق میں دونوں برابر ہیں اس لیے کہ عطا کرنے والا کریم ہے۔ وہ دائم الطاعۃ یعنی عمر بھر عبادت کرنے والے کو جو کچھ عطا فرماتا ہے عمر بھر گناہ کرنے کے بعد تائب ہونے والے کو بھی اُتنا ہی عطا فرماتا ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے یا اس کے خزانوں میں کون سی کمی ہے !

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

فیض روح القدس از باز مدد فرماید
دگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ : روحِ قدس کے فیض کا دروازہ جب کھلتا ہے تو جو کچھ مسیح علیہ السلام کرسکتے ہیں وہی کرتے ہیں۔

اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میں شام کے وقت کُردی تھا تو صبح کو عربی اٹھا (یعنی اس کریم کی مہربانی سے اگر میں شام کو لاشئ تھا تو صبح کو عظیم الشان بن گیا)۔

(۳) جو شخص اپنے دل میں غیر حق کو جگہ دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ہجر و فراق کے دردناک عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور وہ حضرت حق سے بہت دُور و مہجور ہوجاتا ہے اس لیے کہ قلبِ انسان محبتِ الٰہی کا گنجینہ ہے اس میں غیر اللہ کی محبت کو گنجایش دینا ظلم ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں نگنجد در و کین کس

ترجمہ : میرا دل یار کی محبت کا گھر ہے اس لیے اس میں کسی کے کینے کی گنجائش نہیں۔

اور حضرت خجندی نے فرمایا : ؎

با دوست گزین کمال یا جان
یک خانہ دو میہمان نگنجد

ترجمہ : اے کمال ! دوست سے پیار کر یا اپنی جان سے۔ اس لیے گھر میں دو مہمان نہیں ٹھہرائے جاسکتے۔

خلاصہ یہ کہ قلب میں محبت و عشق و توجہ الٰہی کے سوا اور کسی شے کے لیے گنجایش نہیں۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ

اور جب کہ ہم نے ابراہیم کو اس گھر کا ٹھکانا ٹھیک بتا دیا اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کر اور میرا گھر ستھرا رکھ طواف

وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا

والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع سجدے والوں کے لیے اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے وہ تیرے پاس حاضر

وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ

ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

اور اللہ کا نام لیں جانے ہوئے دنوں میں اس پر کہ انہیں روزی دی بے زبان چوپائے تو ان

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ

میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ پھر اپنا میل کچیل اتاریں اور اپنی منتیں پوری کریں اور اس آزاد

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ

گھر کا طواف کریں بات یہ ہے اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے

لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا

لیے اس کے رب کے یہاں بھلا ہے اور تمہارے لیے حلال کیے گئے بے زبان چوپائے سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر

الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ

پڑھی جاتی ہے تو دور ہو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہو کر کہ اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو

بِهِ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي

اور جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اُچک لے جاتے ہیں یا ہوا

بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا

اسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو

مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿٣٢﴾ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى

دلوں کی پرہیزگاری سے ہے تمہارے لیے چوپایوں میں فائدے ہیں ایک مقرر میعاد تک پھر ان کا پہنچنا ہے اس

الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾

آزاد گھر تک

تفسیر عالمانہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ (حلِ لغات) اہلِ عرب کہتے ہیں : بواہ منزلا۔ ای انزل فیہ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اسے محبوبِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم ! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے بیت اللہ یعنی کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کے لیے منزل بنائی کہ اس کی تعمیر اور عبادت کے لیے وہاں آئیں۔

اور جلالین شریف میں بوّانا بمعنے بینّا ہے یعنی ہم نے کہا کہ کعبہ مکرمہ کی تعمیر کریں۔

تعمیرِ کعبہ کا شمار مروی ہے کہ کعبہ مکرمہ کی پانچ بار تعمیر ہوئی :

(۱) آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اسے ملائکہ کرام نے سُرخ یاقوت سے تیار کیا جسے ایامِ طوفان میں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

(۲) ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔ مروی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اس کی تعمیر کے لیے مامور ہوئے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس کی اصل بنیاد کہاں ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہوا کے ذریعہ بتلایا جس نے آکر اس کے ارد گرد جھاڑو پھیرا تو اس کی بنیادیں صاف نظر آنے لگیں۔ اس ہوا کا نام الخجوج تھا۔ کلبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا جو کعبہ معظمہ کے بالمقابل کھڑا ہو گیا اور اس میں کوئی بول رہا تھا کہ اے ابراہیم ! میری مقدار پر اور میرے بالمقابل کعبہ تیار کیجئے۔ چنانچہ اسی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر فرمائی۔

(۳) زمانۂ جاہلیت میں قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو اس کارِ خیر میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوئے۔ آپ اس وقت جوان تھے۔ قریشِ مکہ نے تعمیر مکمل کر کے حجرِ اسود کو نصب کرنے کا ارادہ کیا تو آپس میں جھگڑنے لگے۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ حجرِ اسود کو وہی کعبہ معظمہ کی دیوار میں نصب کرے۔ جھگڑا طول پکڑ گیا۔ کوئی بھی اس بات پر راضی نہ ہوا کہ دوسرا قبیلہ حجرِ اسود کو نصب کرے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ علی الصبح جو شخص اس کوچہ سے گزرے گا حجرِ اسود کے بارے وہ فیصلہ کرے گا اور اس کا فیصلہ سب کو ماننا ہوگا۔ چنانچہ صبح سویرے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر تشریف فرما ہوئے تو سب نے آپ کو اپنا حکم مان لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجرِ اسود کو ایک چادر بچھا کر اس میں رکھ لو پھر سب مل کر اٹھاؤ۔ چنانچہ حجرِ اسود کو چادر میں ڈال سب نے مل کر اٹھایا اور حضور سرورِ عالم نے خود اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو پکڑ کر دیوار میں نصب فرما دیا۔ اس پر تمام لوگ خوش ہو گئے۔ آپ کی نیک سیرت کی وجہ سے قریشِ مکہ آپ کو "امین" کے پیارے لقب سے یاد کرتے تھے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا یہ تعمیر آپ کے اعلانِ نبوت سے پندرہ سال پہلے ہوئی۔

(۴) حضرت عبداللہ بن الزبیر نے تعمیر فرمایا۔

(۵) حجاج (بن یوسف) نے تعمیر کرایا۔ موجودہ تعمیر اسی کی تیار کردہ ہے[1]

فائدہ صوفیانہ: وضع قدیم میں کعبہ مثلث الشکل تھا۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے قلوب میں تین قسم کے خطرات ہوتے ہیں: (۱) الہی (۲) ملکی (۳) نفسی

اب مربع شکل میں ہے اس میں قلوب المومنین کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ان کے قلوب میں مذکورہ بالا تین خطرات کے علاوہ ایک چوتھا خطرہ شیطانی بھی ہوتا ہے۔

۱۵ پندرہ قبلے حضرت محدث کازورنی نے اپنے مناسک میں لکھا کہ کعبہ پندرھواں قبلہ ہے کیونکہ آسمان سے عرش الہی تک سات قبلے ہیں۔ اسی طرح زمین کے نچلے طبقہ تک بھی سات قبلے ہیں۔ ہر قبلہ کا ہمارے قبلہ کی طرح ایک حرم ہے اور وہ سب ایک دوسرے کے عین وسط میں ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں کے اوپر والا قبلہ اگر گرے تو ساتویں زمین والے قبلے پر گرے گا اور ان سب کا ایک تعمیر کنندہ مقرر ہے جیسے ہمارے اس کعبہ کے تعمیر کنندگان اوپر گزرے، کچھ پیدا ہوں گے۔ ان تمام قبلوں سے افضل ترین کعبہ ہے۔ (اور ہم فقیروں کا عقیدہ ہے کہ پھر اس کعبہ کا ایک کعبہ ہے۔ اعلحضرت قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

مزید تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔)[2]

۱	رو بحرم نہ کہ دوران خوش حریم	ہست سیہ پوش نگاری مقیم
۲	صحنِ حرم روضۂ خلدِ برین	او بچنان صحن مربع نشین
۳	قبلۂ خوبان عرب روئے او	سجدۂ شوخان عجم سوئے او
۴	کعبۂ بود نو گل مشکین من	تازہ ازو باغ دل و دین من

ترجمہ: (۱) حرم کو منہ کر کہ یہ خوش حریم سیہ پوش میں محبوب مقیم ہے۔

(۲) حرم کا صحن خلد بریں کا باغ ہے محبوب اسی حرم کے صحن میں بصورت چار گوشہ بیٹھا ہے۔

(۳) محبوبوں کا قبلہ اور جملہ عرب اس کا چہرہ ہے، جملہ عجم کا اس کی طرف سجدہ ہے۔

(۴) کعبہ گل مشکیں میرا محبوب ہے اس سے میرے دل اور دین کا باغ تازہ ہے۔

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا یہ اَنْ' بتوانا کے لیے مفسرہ ہے اس لیے کہ یہ تعبد نا کے معنے کو متضمن ہے کیونکہ

---

[1] اس سے وہ بھلے مانس سمجھیں جو میلاد شریف وسلام وقیام بہ ہیئت کذائیہ کو ایک بادشاہ کی ایجاد کہہ کر بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں لیکن کعبہ کی تعمیر ہیئت کذائیہ کے متعلق کیا کہیں گے۔ یہی نا کہ اصل بناء تو پہلے تھی۔ یہی ہم کہتے ہیں کہ ذکر مصطفی ﷺ بھی پہلے تھا۔ معلوم ہوا کہ انہیں صرف نبوت سے ضد ہے۔ اویسی غفرلہٗ [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۱۲

یہ تبوئۃ عبادت کے لیے ہی تھی۔ گویا یوں کہا گیا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عبادت خانہ کر دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ میں شرک سے منزہ و مبرا ہوں وَطَهِّرْ بَيْتِيَ میرے گھر کو پاک کیجئے بتوں اور نجاستوں سے جو اس کے ارد گرد پڑی ہیں۔ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے اپنا گھر کہا کہ اسے اس نے اپنی آیات کے انوار سے منور فرمایا تھا لِلطَّائِفِينَ ان لوگوں کے لیے جو اس کا طواف کرتے ہیں وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ رکع راکع کی اور سجود، ساجد کی جمع ہے۔ ان تینوں صیغوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس میں نماز ادا کرتے ہیں۔

نکتہ: نماز کے بجائے اس کے ارکان قیام، رکوع، سجود کے ذکر میں اشارہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نماز کا ایک مستقل رکن ہے اور جب ایک رکن سے اس کی اتنی بڑی عظمت ہے تو پھر ان کے اجتماع سے اس کی عظمت و احترام کا کیا مقام ہوگا۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قائمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو کعبہ معظمہ کے ہمسائیگان ہیں اور طائفین سے مراد ہیں طواف کرنے والے، خواہ مقیم ہوں یا آفاقی (مسافر)۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت کاشفی نے لکھا کہ مذکورہ بالا ارشادات اہل علم ظاہر کے تھے اور اہل باطن فرماتے ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان! اپنے دل کو صاف ستھرا رکھ اس لیے کہ تیرا دل میرا دار الحکومت ہے فلہذا میرے سوا کسی دوسرے کو اس میں مت آنے دے تاکہ تیرا دل میری عظمت و کبریائی ہی کا مرکز رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ میرے گھر کو پاک اور صاف کرو۔ انہوں نے عرض کی: یا اللہ! تیرا گھر کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ میرے بندۂ مومن کا دل ہے۔ انہوں نے عرض کی: اسے صاف اور پاک کرنے کا طریقہ بتائیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ عشق کی آتش سے پاک ہوگا۔ یعنی اس میں آتش عشق جلا، تاکہ ماسوی اللہ جل کر راکھ ہو جائے ؎

خوش آن آتش کہ در دل بر فروزد ⁂ بجز حق ہر چہ پیش آید بسوزد

ترجمہ: وہ آتش بہت مبارک ہے جو کسی دل میں روشن ہو کر حق کے ماسوا سب کو جلا کر راکھ کر دے۔

ف: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جیسے بیت اللہ (کعبہ) کو بتوں سے صاف اور پاک کرنا ضروری ہے ایسے ہی دل کو شرک، شک و شبہ، غل و غش، کھوٹ اور حسد سے بھی پاک و صاف کرنا واجب ہے۔ حضرت مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گل توحید نروید ز زمینے کہ درو ⁂ خار شرک و حسد و کبر و ریا و کینہ ست
مسکن دوست زجان می طلبیدم گفتا ⁂ مسکن دوست اگر ہست دل مسکین است

ترجمہ: اس زمین میں توحید کا پھول نہ اگتا جس میں شرک و حسد، کبر و ریا اور کینہ کا کانٹا ہو۔ مجھے دوست کے گھر کی تلاش تھی، جواب ملا کہ دوست کا مسکن مسکین (ولی) کا دل ہے۔

ف : تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اپنے دل پر پہرہ دے تاکہ اس میں میرے سوا اور کوئی داخل نہ ہونے پائے۔ اور اسے صرف میرے لیے ہی فارغ رکھ و طھّر بیتی اور میرے گھر سے دنیا و آخرت کی ہر خواہش کو نکال کر باہر پھینک دے۔ اس بات کا کسی وقت بھی خیال نہ ہو کہ دنیا میں عزّت و عظمت اور آخرت میں انعام و اکرام پاؤں گا وغیرہ للطّائفین اس سے اللہ تعالیٰ کے واردات اور حال کے موارد مراد ہیں جنھیں بندے کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے والقائمین اس سے وہ اشیا مراد ہیں جو صاحبِ عرفان کے ہاں ہر وقت موجود ہوتی ہیں، اور وہ امور جنہیں برہان سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں یعنی تجلیاتِ حق وغیرہ وَالرُّکَّعِ السّجود اس سے احوال کے وہ مسلسل ارکان مراد ہیں جو سالک کے دل پر وارد ہوتے ہیں، جیسے رغبۃ و رہبۃ اور رجاء و مخافۃ اور قبض و بسط اور انس و ہیبۃ۔ اسی معنے پر شاعر نے کہا :

لست من جملۃ المحبین ان لم   اجعل القلب بیتہ والمقاما

وطوافی اجالۃ السر فیہ   وھو رکنی اذا اردت استلاما

ترجمہ : میں عاشقوں سے نہیں ہوں اگر میں اپنے دل کو یار کا گھر نہ بنا دوں۔ اور میرا طواف ہی یہی ہے کہ میں اپنے خیال کو اس کی طرف متوجہ کروں۔ اور میں اسی کو حجرِ اسود کا استلام سمجھ کر اپنے حج کا رکنِ اعظم سمجھتا ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ تاذین بمعنے نماز کے لیے بلانا۔ قاموس میں ہے المؤذن وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو کسی شے کی خبر دے۔ المفردات میں ہے کہ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اسے ابراہیم علیہ السلام! لوگوں کو پکاریئے بِالْحَجِّ حج کے لیے۔ یعنی لوگوں کو حج کا حکم سناؤ۔

دُور سے سُنا سنانا مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تعمیرِ کعبہ سے فارغ ہوئے تو انہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا : لوگوں میں حج کا اعلان کیجئے۔ انھوں نے عرض کیا : اے اللہ تعالیٰ! میری آواز کہاں تک پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : تیرا کام صرف اعلان کرنا ہے اور پہنچانا میرا کام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صفا پر چڑھے، ایک روایت میں ہے کہ ابوقبیس پر چڑھے، ایک اور روایت ہے کہ مقامِ ابراہیم پر۔ تو وہ مقام ایک پہاڑ کے برابر اونچا ہوگیا۔ آپ نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈالیں اور دائیں بائیں اور آگے پیچھے زور سے پکارا : "اے لوگو! خبردار، تمہارے رب تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ تم اس گھر کی زیارت کے لیے آؤ اور حج ادا کرو تاکہ وہ تمہیں اس کا ثواب عطا فرمائے اور بہشت سے نوازے اور دوزخ سے نجات بخشے۔" آپ کی اس آواز کو آسمان و زمین کے درمیان والوں سب نے سنا اور جواب دیا : لبیک اللّٰھم لبیک۔

یمن اور اویس قرنی رضؓ کے فضائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے اہلِ یمن نے جواب دیا اسی لیے حج کی سعادت اس خطّہ کے لوگوں کو سب سے زیادہ نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے : الایمان یمان - اور یمن کی سب سے بڑی عظمت یہی ہے کہ سیدنا اویس قرنی اسی ملک میں پیدا ہوئے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن ۔
(میں یمن سے رحمٰن تعالیٰ کی خوشبو پاتا ہوں) (یہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے)

نبوت کا ادب
مجاہد نے کہا (اگرچہ عالمِ ارواح میں ہم احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں تھے لیکن نبوت کا ادب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر عالمِ ارواح میں بھی فرض کیا ہوا تھا ان دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان فرمایا تو) جس نے ایک بار جواب دیا اسے ایک بار سعادتِ حج نصیب ہوگی، جس نے دو بار جواب دیا اس کو دو بار اور اس سے زاید جس نے جتنی مرتبہ جواب دیا اسے اتنی بار حج نصیب ہوگا۔

ف : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ ارواح اگرچہ آباء کی پشتوں یا امہات کے بطون میں تھے سب نے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنی اور جسے جواب کی توفیق نصیب ہوئی اس نے وہیں پر جواب دیا۔ [1]

اذن فی النّاس ندائیست عام	تو کہ بخواب آمدہ بین الانام
دعوٰی خاصے کنی و امتیاز	خاص نباشد ہمہ کس چوں ایاز
بہر ہمیں شد دل خاصان دو نیم	حالت لبّیک ز امید و بیم

ترجمہ : اذن فی الناس عام ندا ہے تُو لوگوں کے درمیان خوابِ غفلت میں ہے۔ اپنے آپ کو خاص ممتاز سمجھتا ہے ایاز کی طرح اور کوئی خاص نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے خاص لوگوں کا دل دو ٹکڑے ہوا جب انہوں نے امید و بیم کی حالت میں لبّیک پکارا۔

قواعدِ شرعیہ
خصائص الصغریٰ میں ہے کہ وہ مسائل جو پہلے انبیاء و رسل علیہم السلام پر فرض تھے وہ اس امت پر بھی فرض ہوئے جو یہ ہیں : (۱) وضو (۲) جنابت سے غسل (۳) حج (۴) جہاد

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

[2] دُور سے سُن لینا نہ شرک ہے نہ خاصۂ خدا - بلکہ اللہ تعالیٰ کو دُور کہنا کفر ہے کیونکہ اس کی شان نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ہے۔ اس لیے دُور سے سننا بندوں کی صفت ہوگی کیونکہ وہی دور ہیں اور دُور سے سنتے ہیں اور سنانا اللہ کا کام ہے کوئی قریب ہے یا دُور منجملہ اس کے یہی ہے کہ اس کی وجہ وہ ہے جو حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ رسالہ "انباء الاذکیا فی حیٰوۃ الانبیاء" میں لکھتے ہیں کہ :

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے دو قسم کے کان عطا کیے تھے۔ ایک معتاد، جو تمام بنی آدم کو دئے گئے اور جن کے ذریعہ سے وہ آواز سنتے ہیں۔ اور دوسری خارق للعادۃ، جن کے ذریعے سے آپ اطیط السماء یعنی آسمان پر جو آواز ہوتی تھی وہ سن لیتے تھے اور یہی سمع خارق للعادۃ آپ کے برزخ میں موجود ہیں جن کے ذریعہ سے آپ درود اور سلام خواہ کتنی ہی دور مسافت کیوں نہ ہو سُن لیتے ہیں کیونکہ معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء بعد الموت منقطع نہیں ہوتے

(باقی برصفحہ آیندہ)

بس نبی علیہ السلام پر جو احکام واجب تھے وہ اس کی امت کے لیے بھی واجب ہوئے جب تک کہ اس کے لیے

کما صرح بہ الشیخ عبد الغنی النابلسی نقلاً عن العلامۃ الشہاب الدین الرملی الشافعی۔

(۲) وہ حدیث قدسی ہے جس کو امام بخاریؒ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:

لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا فبی یسمع وبی یبصر۔

ترجمہ: "خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ بوجہ کثرت نفل خوانی کے میرا تقرب پاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو پھر میں اس کے وہ کان بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، اور اس کا وُہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اس لیے وہ میرے ہی کانوں سے سنتا ہے اور میری ہی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور میرے ہی ہاتھوں سے پکڑتا ہے۔"

اب اس حدیث میں معنی حقیقی تو متعذر ہے اس لیے مجازاً بھی کہنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ اپنے اوصاف اپنے مقرب بندے کو عطا کر دیتا ہے اس لیے اس کو بھی سمیع و بصیر بالعرض کہہ سکیں گے۔

علامہ یوسف نبہانی شواہد الحق میں اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ جب اپنے اوصاف کسی مقرب بندے کو عطا کرے گا تو اس کی نسبت دیگر سب چیزیں یکساں ہوں گی اور اطراف السماوات والارض میں جہاں کہیں بھی کوئی چیز ہوگی اس کو وُہ دیکھ سکے گا اور اس کی آواز کو سُن سکے گا کیونکہ اس حدیث کا مآل بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ اس سامع یا مبصر کی قوتِ سمعی اور بصری کو ایسا قوی اور تیز کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اشیاء قریبہ اور بعیدہ کا دیکھنا سننا اس کے نزدیک یکساں ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی کنانہ میں سے ایک شخص کے استغاثہ کی آواز باوجود اتنی مسافتِ بعیدہ کے سُنی۔ اور یہی معنی ہے وبی یسمع کا۔

اور صحیح بخاری شریف باب صلوٰۃ الکسوف میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں جنت اور دوزخ ہر دو کے اہل کو دیکھا حالانکہ جنت ساتویں آسمان پر اور دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ یہی معنی ہے وبی یبصر کا۔

اس حدیث قدسی کی تائید خود قرآن مجید اور فرقانِ حمید بڑے زور سے کر رہا ہے۔ دیکھو آیت:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔

ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو خدا تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور یہی معنیٰ ہے وبی یبطش کا۔

اور مقام حدیبیہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعتِ رضوان کی اور آپ نے اپنا دست مبارک بروقت بیعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھوں پر رکھا تو اس کی نسبت سورۂ فتح میں ارشاد ہوا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الآیۃ) یعنی جو لوگ اس وقت (باقی بر صفحہ آئندہ)

خصوصیت برائے نبی علیہ السلام ودلیل صحیح وارد نہ ہو۔

(بقیہ صفحہ) آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ در اصل ہمارے ہی ہاتھ پر ہیں ...... اور ان کے ہاتھوں پر جو آپ کا ہاتھ مبارک ہے وہ ہمارا ہی ہاتھ ہے۔

(۳) عارف ربانی واقف اسرار قرآنی حضرت سید پیر علی شاہ پشاوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ "سماع البعید بحکم المجید" میں فرماتے ہیں:

اعلم انه یجوز لرجل ان ینادی نبیًّا او ولیًّا من الاولیاء حیًّا کان الولی او میتًا بعیدًا کان او قریبًا ویعتقد وصول صوته الیهما ولو کان علی مسافة سنة مثلاً لکن لا یجوز ولا یحل له ان یعتقد وصول صوته الیهما باستقلالهما کما یسمع الله تعالیٰ بذاته من غیر اعانة احد اًصوات الاشیاء بل یعتقد ان الله تعالیٰ یبلغ صوته الیهما بای وجه شاء من کشف او الهام او ملك او غیر ذٰلك وهو علی کل شیء قدیر ونحن اهل السنة نعتقد ان الحی اذا نودی من قریب لا یسمع بنفسه بل هو بی یسمع فکذٰلك یسمع المیت اذا نودی من بعید ولو فرق بینما غیر المقلد موقع فی الشرك والدلیل علی بلوغ النداء من مسافة بعیدة قوله تعالیٰ وَنَادٰی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ (الآیة) قال فی تفسیر الخازن فان قلت اذا کانت الجنة فی السماء والنار فی الارض فکیف یمکن ان یبلغ هٰذا النداء او یصح ان یقع قلت ان الله تعالیٰ قادر علی ان یقوی الاصوات والاسماع فیصیر البعید کالقریب انتهٰی والدلیل الثانی علیه قوله تعالیٰ قالت نملة یٰاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ قال صاحب الخازن والمدارك سمع سلیمان قولها من ثلاثة امیال واوحی الله الیه وهو یسیر بین السماء والارض انی قد زدت فی ملك انه لا یتکلم احد من الخلائق بشیء الا جاءت الریح واخبرتك به انتهٰی (و ذکره صاحب الکشاف ایضًا) والدلیل الثالث ما اخرجه البیهقی وثبت بنقل صحیح ان عمر رضی الله تعالیٰ عنه بعث جیشًا وامر علیهم رجلا یدعی ساریة فبینما عمر رضی الله تعالیٰ عنه یخطب فجعل یصیح یا ساری الجبل فقدم رسول من الجیش فقال یا امیر المؤمنین یقینًا عدوًا فهزمونا فاذا بصائح یصیح یا ساری الجبل فاسندنا ظهورنا الی الجبل فهزمهم الله تعالیٰ۔ والدلیل الرابع علی بلوغ نداء المنادی الی المنادیٰ من مکان بعید ما جاء عن النبی صلی الله علیه وسلم

(باقی برصفحہ ۱۱۴۲)

يَأْتُوْكَ یہ امر کا جواب اور ابراہیم علیہ السلام کو خطاب ہے اس لیے کہ جو بھی کعبہ معظمہ میں آگیا وہ گویا ابراہیم علیہ السلام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴۱)

عن د خلقه انه قال اذا اضل احدکم شیئا او اراد عونا وهو بارض لیس بها انیس فلیقل یا عباد الله اعینونی فان لله عبادا لا یراهم رواه الطبرانی قال العلامة علی القاری فی المرقاة قال بعض العلماء الثقات هذا حدیث حسن یحتاج الیه المسافرون وروی عن المشائخ انه مجرب قال صاحب الوسیلة الجلیله قال فی جامع الدرر قال بعض العلماء هذا حدیث حسن ورواه البزاز عن ابن عباس مرفوعاً کما رواه الطبرانی وقال الحافظ ابو الحسن فی مجمع الزوائد رجاله ثقات وحسنه الحافظ ابن حجر العسقلانی فی زوائد البزاز وذکر حافظ شمس الدین هذا الحدیث فی حصن الحصین دلیل علی تصحیحه لانه التزم التصحیح فی هذا الکتاب ورواه ابن ابی یعلیٰ عن ابن عباس ورواه ابن سنی عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه۔ انتهیٰ۔

یعنی واضح ہو کہ بے شک جائز ہے کسی شخص کے لیے کہ وہ کسی نبی یا ولی کو اولیاء میں سے ندا کرے خواہ وہ نبی یا ولی زندہ ہو یا فوت ہوگیا ہو قریب ہو یا بعید۔ اس امر کا اعتقاد رکھے کہ میری آواز اس تک پہنچتی ہے اگرچہ وہ نبی یا ولی ایک سال کی مسافت بعیدہ پر کیوں نہ ہو۔ لیکن اس بات کا اعتقاد نہ رکھے اور نہ اس کے لیے ایسا اعتقاد رکھنا شرعاً جائز ہے کہ وہ ولی یا نبی اس کی آواز بالذات یعنی بدوں امداد الٰہی کے سنتا ہے جیسا کہ خدا تعالےٰ ہر ایک چیز کی آواز کو بالذات سنتا ہے کیونکہ ایسا اعتقاد کفر ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ خدا تعالیٰ میری آواز کو اس تک پہنچا دیتا ہے جس طرح کہ وہ چاہتا ہے خواہ بذریعہ کشف ہو یا الہام ہو یا بذریعہ فرشتہ وغیرہ ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ہم گروہ اہلسنت والجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ کسی زندہ آدمی کو جب نزدیک سے پکارا جاتا ہے تو وہ بھی خود بخود اس آواز کو نہیں سنتا بلکہ خدا تعالیٰ ہی اس کو سناتا ہے تو اسی طرح میت کو بھی جبکہ اس کو دُور سے پکارا جائے تو خدا تعالیٰ ہی سناتا ہے۔ اور اگر کوئی وہابی (غیر مقلد) شخص زندہ اور مردہ انسان میں یہ فرق کرے کہ زندہ آدمی تو خود بخود بدوں امدادِ الٰہی کے سنتا ہے نہ مردہ تو وہ بے شک مشرک ہو جائے گا اور مسافت بعیدہ سے کسی آواز کے سن لینے پر پہلی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَنَادٰی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ۔ الآیة

یعنی جنت کے رہنے والے دوزخ میں رہنے والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمارے ساتھ ہمارے رب نے جو

(باقی بر صفحہ ۱۱۴۳)

پاں حاضر ہو گیا اس لیے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کا جواب دیا تھا۔ رِجَالًا یہ حال ہے یعنی وُہ اپنے پاؤں پر چل کر آئیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴۲)

وعدہ کیا تھا ہم نے تو وہ پا لیا تو کیا تمہارے ساتھ تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اس کو تم نے بھی پایا یا نہ۔
وہ جواب دیں گے کہ بے شک ہم نے بھی پا لیا۔

صاحبِ تفسیر خازن اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جنت تو آسمان پر ہوگی اور دوزخ زمین پر، تو پھر اہلِ جنت کی یہ آواز اہلِ دوزخ تک باوجود اتنی مسافت بعیدہ کے کس طرح پہنچے گی؛ تو میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ اہلِ جنت کی آوازوں کو یا اہلِ دوزخ کے کانوں کو اس قدر قوی اور تیز کر دے کہ مسافت بعیدہ مثل قریبہ ہو جائے۔

اس امر کے ثبوت کے لیے دُوسری دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔

یعنی جب ایک چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کو آتے ہوئے دیکھا تو دوسری چیونٹیوں سے کہنے لگی کہ تم سب اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ تاکہ کہیں حضرت سلیمانؑ اور اس کے لشکر بے خبری کی حالت میں تم کو روند نہ ڈالیں۔

صاحبِ تفسیر خازن اور مدارک فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی آواز کو تین میل کے فاصلہ سے سُنا اور خدا تعالیٰ نے ان کی طرف اس وقت وحی بھیجی جبکہ وہ ہوا میں سیر کر رہے تھے کہ ہم نے تمہاری سلطنت میں ایک اور امر زائد کر دیا ہے، وہ یہ کہ دنیا بھر میں مخلوقات میں سے کوئی چیز آواز نہیں کرے گی مگر ہوا اس آواز کو تیرے پاس لے آئے گی اور تجھے خبر دے گی۔

تیسری دلیل اس امر پر وہ ہے جس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور نقل صحیح سے ثابت ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر بھیجا اور ساریہ بن زنیم خلجی نام ایک شخص کو اس پر سپہ سالار مقرر کیا اور ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھ رہے تھے تو آپ نے خطبہ میں یہ کہا کہ:

یا ساری الجبل۔ یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف پناہ لے۔

اس کے بعد ایک قاصد جب فوجی ڈاک لے کر مدینہ طیبہ میں پہنچا تو اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین! دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا اور قریب تھا کہ ہم کو وہ شکست دیں اتنے میں ہم نے یا ساری الجبل کی آواز سُنی تو پھر ہم نے پہاڑ کے ساتھ سہارا پکڑ کر پناہ لی اور خدا تعالیٰ نے کفار کو شکست دی۔

(باقی برصفحہ آیندہ)

یہ راجل کی جمع ہے جیسے قیام' قائم کی جمع ہے۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ یہ الرجل سے مشتق ہے بمعنے پاؤں پر چلنا۔

وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ اس کا رجالاً پر عطف ہے یعنی درانحالیکہ وہ لوگ کمزور اونٹنیوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے یعنی ہر وُہ اونٹنی جو سفر کی تھکان سے کمزور ہو جائے۔ امام راغب نے فرمایا کہ ہر اُس گھوڑے کو ضامر کہا جاتا ہے جو خفیف اللحم ہو۔ اور اصل لغت میں اسی طرح ہے یہ الھزال سے مشتق نہیں۔ **یَّاْتِیْنَ** یہ ضامر کی صفت ہے اس لیے کہ واحد بمعنے جمع ہے اونٹوں کی قطار کو ضامر کہا جاتا ہے **مِنْ کُلِّ فَجٍّ** فراخ راستہ سے۔ امام راغب نے فرمایا الفج وہ راستہ جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہو **عَمِیْقٍ** بعید' اس لیے کہ یہ العمق سے ہے بمعنے البعد سفلاً یعنی نیچے کی طرف گہرائی میں دُور۔ مثلاً کہا جاتا ہے بئر عمیق۔ یہ اس کنویں کے لیے بولتے ہیں جو نیچے کی طرف گہرا ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ

چوتھی دلیل اس امر پر کہ مسافت بعیدہ سے کسی منادی کی آواز منادٰی تک پہنچ جاتی ہے یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جبکہ تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ تنہا کسی جنگل میں ہے اور کسی امداد کی اس کو ضرورت ہے تو وہ یوں کہے :

یاعباد اللہ اعینونی۔ یعنی اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

کیونکہ ایسے بھی اللہ تعالیٰ کے بندے موجود ہیں جو اسے نظر نہیں آتے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ بعض معتبر علماً نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے جس کی طرف مسافر لوگ اکثر محتاج ہوا کرتے ہیں۔ اور صوفیہ کرام نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مجرب ہے۔ صاحبِ وسیلہ جلیلہ فرماتے ہیں کہ جامع الرموز میں لکھا ہے کہ بعض علماً نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ جیسا کہ طبرانی نے اور حافظ ابو الحسن نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی معتبر ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے زوائد بزار میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور حافظ شمس الدین نے جو اس حدیث کو حصن حصین میں ذکر کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ مذکور نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کیونکہ اس نے اس کتاب میں تصحیح کا التزام کیا ہے۔ اور ابن شیبہ نے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن سنی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

(ذی شعور کے لیے تو یہی کافی ہے۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہو۔

اویسی غفرلہٗ)

حج کی فضیلت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ جو شخص سوار ہو کر حج کو جاتا ہے اسے ہر قدم پر ستر حج کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور جو شخص پیدل حج کو جاتا ہے اسے ہر قدم پر سات سو نیکیاں نصیب ہوتی ہیں جس کی ہر نیکی حرم شریف کی نیکی کے برابر ہوتی ہے۔ عرض کی گئی کہ حرم کی نیکی کا کتنا ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا: وہاں کی ایک نیکی غیر حرم کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوتی ہے۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام پیدل حج کو حاضر ہوتے، جب حرم شریف کے قریب پہنچتے تو جوتے اتار لیتے تھے۔

مسئلہ: حج کو پیدل جانا کسی عارضہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں ورنہ سوار ہو کر جانا افضل ہے۔

ف: پہلے ادیان کے راہب سیر و تفریح کو جاتے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ ہمارے لیے سیر و تفریح کی اجازت ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سیر و تفریح کا نعم البدل حج کعبہ کا سفر عطا فرمایا ہے کہ اس سے سیر و تفریح بھی ہوگی اور عبادت و طاعت سے اجر و ثواب بھی۔

کعبہ کی کشش کا سبب حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سال پندرہ شعبان کی رات میں نظرِ کرم سے نوازتا ہے اسی وجہ سے قلوب کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے۔

ف: لیکن صرف ان قلوب کو جنہوں نے عالمِ ارواح میں ابراہیم علیہ السلام کی نداء پر لبیک کہا تھا اور یہ بھی منجملہ ان قلوب میں ہوتا ہے جنہوں نے یومِ میثاق میں الست بربکم کے اعلان پر بلیٰ کہا تھا۔

حکایت عجیبہ حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ مجھے ایک عارف نے فرمایا ایک دنیا دار شخص تھا جس کا کعبہ کو جانے کو جی نہیں چاہتا تھا قدرتی طور پر اس کے ذمہ ایک جرم کا الزام لگا اسے بیڑیاں پہنا کر امیرِ مکہ کی طرف لایا گیا اور جرم بھی اتنا سنگین تھا کہ اسے امیرِ مکہ کے ہاں قتل کرانے کے لیے پیش کرنا تھا اور جس نے قتل کی سزا سنا کر اسے امیرِ مکہ کے سامنے پیش کرنا تھا وہ بھی امیرِ مکہ کے ساتھ تھا اور امیرِ مکہ عرفات میں مناسکِ حج کے لیے تشریف لے جا چکے تھے۔ حاکمِ وقت نے حکم دیا کہ اس مجرم کو عرفات میں ہی امیرِ مکہ کے ہاں پیش کیا جائے۔ چنانچہ اسے بیڑیاں پہنا کر اور گلے میں لوہے کا طوق ڈال کر امیرِ مکہ کے سامنے ۹ ذوالحجہ کو میدانِ عرفات میں لایا گیا۔ جونہی مجرم پیش ہوا امیرِ مکہ نے کہا: یہ تو میرا دوست ہے تمہیں اس کی گرفتاری میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ امیرِ مکہ نے اس شخص سے معذرت کی اور اس سے بیڑیاں اور طوق دور کیے گئے، اسے نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنائے یعنی احرام بندھوایا اور حج کے مناسک ادا کرائے۔ اس طرح اسے بھی حج نصیب ہوا اور اسے امیرِ مکہ سے اعزاز و اکرام بھی حاصل ہوا۔ اور وہ ظاہری باطنی طور پر بہت بلند مراتب پر فائز ہوا۔

سبق: یہ ہے اس کا کرم کہ اپنے بندوں سے جس طرح چاہے کرے۔ ایسے ہی قیامت کے دن بعض بندوں کو

پا بسلاسل کر کے بہشت میں لیجایا جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ فتوح الحرمین میں ہے: سہ

ہر کہ رسیدہ بوجود از عدم — در رہ او ساختہ از سر قدم
ہیچ نبی ہیچ ولی ہم نبود — کو نبرد در رہ امید سود
جملہ خلائق ز عرب تا عجم — بادیہ پیما بہوائے حرم

ترجمہ: جو بھی عدم سے وجود میں آیا اس کی راہ میں اس نے سر کو قدم بنایا۔ ہر نبی اور ہر ولی نے اس سے رحمت کی امید رکھی بلکہ تمام مخلوق از عرب تا عجم اسی کی محبت سے اس کے حرم کی طرف دوڑنے والی ہے۔

لِّيَشْهَدُوْا یہ یاتوک کے متعلق ہے بمعنی لیحضروا یعنی تاکہ حاضر ہوں مَنَافِعَ لَهُمْ انھیں وہ دینی دنیوی منافع حاصل ہوں جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمائے ہیں۔ یعنی عفو و مغفرۃ اور ایام حج کی تجارت۔

نکتہ: منافع کو نکرہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انھیں ان ایام میں مخصوص طریقے سے عبادت و منافع حاصل ہوتے ہیں جو دوسرے مقامات اور دوسرے ایام میں نصیب نہیں ہوتے۔

فائدہ عجیبہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تک حج نہیں پڑھا تھا آپ دوسری عبادات کو حج پر ترجیح دیتے تھے مگر جب حج پڑھا اور اس میں خصوصی فوائد ملاحظہ فرمائے تو دوسری تمام عبادات پر حج کی فضیلت کے قائل ہو گئے۔

يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ ہدایا و ضحایا اور ان کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کو یاد کریں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس سے مراد وہ قربانیاں ہیں جو اہلِ اسلام حج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے لیے اور کفار اپنے بتوں کے لئے دیتے تھے۔

ف: ذکرِ الٰہی کو حج کی عبادت کی غایت بنانے میں اشارہ ہے کہ انسان کی ہر عبادت کی غرض و غایت صرف وہی ذات ہو اسے غیر سے کسی قسم کا سروکار نہ ہو۔

فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ معلوم ایام میں۔ ان سے قربانی کے ایام مراد ہیں جیسا کہ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اوپر اس کے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے چوپائے جانور عطا فرمائے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ یہاں پر ذکر سے مخصوص ذکر مراد ہے یعنی وہ جو جانور کو ذبح کرتے وقت پڑھا جاتا ہے (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر)

نکتہ: فعل کو مرزوق سے معلق کرنے اور مرزوق کی تخصیص صرف بھیمۃ الانعام سے تقرب حق کی تحریض کے لئے ہے اور اس لیے کہ تنبیہ ہو کہ ذکرِ الٰہی کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ ذاکر کو قربِ حق نصیب ہو جائے۔

حلِ لغات: البھیمۃ ہر وہ جانور جو چار پاؤں رکھتا ہو، بحری ہو یا برّی۔ اور الانعام کا اطلاق صرف اونٹ،

گائے اور بھیڑ بکری وغیرہ پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حج کے ہدایا وضحایا میں ان کے سوا اور کوئی جانور جائز نہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ البھیمۃ وہ ہے جو بول نہ سکے۔ اس کی آواز تو ہو مگر اس سے کچھ سمجھا نہ جا سکے۔ عرف عرب میں درندوں پرندوں کے سوا تمام جانوروں کو بھیمہ کہا جاتا ہے۔ الانعام، نعم کی جمع ہے اور وہ صرف اونٹ سے مخصوص ہے۔ اس لیے کہ اہلِ عرب کے نزدیک اونٹ سب سے بڑی نعمت ہے۔ پھر مجازاً اونٹ، گائے، بھیڑ بکری کو بھی انعام کہا جانے لگا لیکن ان میں جب تک اونٹ نہ ہو گا اہلِ عرب کے نزدیک انہیں انعام کہنا جائز نہ ہو گا۔

فَكُلُوا مِنْهَا اس میں خطاب کی طرف التفات ہے اور فاء فصیحہ عاطفہ ہے۔ عبارت دراصل یوں تھی فاذکروا اسم اللہ علیٰ ضحایاکم فکلوا من لحومھا۔ اور یہ امر اباحت کا ہے۔

ف: اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ حج کی قربانیوں کے گوشت خود نہیں کھاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ یہ گوشت تمہارے لیے مباح ہے۔

وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ یہ امر وجوب کا ہے۔ البائس ہر وہ انسان جو بؤس وشدۃ میں مبتلا ہو بمعنے درماندہ و محنت کشیدہ **الْفَقِيرَ** بمعنے المحتاج۔ کاشفی نے الفقیر بمعنے محتاج وتنگدست لکھا ہے خلاصہ یہ کہ البائس شدید الفقر کو کہتے ہیں اور الفقیر وہ محتاج جسے تنگدستی نے ضعیف اور کمزور بنا دیا ہو اور اس کے ہاں ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے معمولی سے معمولی شے بھی نہ ہو اور البائس ہر وہ انسان جس کے لباس اور چہرے سے فقروفاقہ کے آثار محسوس ہوتے ہوں۔ اور الفقیر جس کے کپڑے بھی صاف ستھرے ہوں اور چہرے سے دولتمندی جھلکتی ہو۔

ف: مختصر الکرخی میں ہے کہ کسی نے وصیت کی ہو کہ میرا تہائی مال تین شخصوں کو دینا:

۱۔ البائس

۲۔ الفقیر

۳۔ المسکین

تو ہم اس کے تین حصے کریں گے۔ ایک حصہ البائس کو دیں گے یعنی ہر اس تنگدست کو جو چلنے پھرنے سے معذور ہو۔ دوسرا حصہ اس فقیر کو دیں گے جو تنگدستی کے باوجود لوگوں کے دروازوں پر جا کر بھیک نہیں مانگتا۔ تیسرا حصہ اس مسکین کو دیں گے جو تنگدستی کے باعث سوال کرتا اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ لیکن امام یوسف نے فرمایا کہ اس کے مالِ مذکور کو دو حصوں میں منقسم کریں گے، ایک حصہ صرف البائس کو اور ایک حصہ الفقیر والمسکین دونوں کو۔

مسئلہ: علماء کا اتفاق ہے کہ قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے۔ ایسے ہی نفلی قربانی جو حج کے موقعہ پر دی جاتی ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک سو بُدنہ (قربانی کے جانور) ساتھ لے کر گئے تھے ان میں سے آپ نے تریسٹھ جانور ذبح کئے۔ یوں آپ نے اپنی کل مدتِ زندگی کی طرف اشارہ فرمایا

یعنی تریسٹھ قربانی کے جانوروں کو ذبح کر کے اُمت کو بتا دیا کہ میری کل عمر مبارک تریسٹھ سال ہے۔ (ثابت ہوا کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے) قربانی کے باقی جانوروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے حکم فرمایا کہ ہر جانور کی ایک ایک بوٹی لے کر ہنڈیا میں ڈالی جائے۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا جب گوشت پک گیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ ملا کر گوشت کھایا اور شوربا نوش فرمایا اور وہ تمام قربانی کے جانور نفلی تھے۔

مسئلہ: ہدی واجب ہے۔ جیسے دم تمتع و قران و نذور۔ کفارات یعنی وہ دماء جو کسی نقصان کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہیں اسی طرح وہ دماء جو حج کے شکار کرنے سے یا حج کے کسی اہم رکن کے فوت ہو جانے سے واجب ہوتی ہیں۔ ایسے جزاء الصید کی قربانیوں کا گوشت قربانی کرنے والے کو کھانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اسے نہیں کھانا چاہیے، یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور ہمارے ائمہ حنفیہ نے فرمایا کہ دم تمتع و قران کی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اس لیے کہ یہ دونوں شکرانہ کے طور ہوتی ہیں یہ سزا اور جرمانہ کی قربانیاں نہیں ہیں اور ان دونوں کے سوا باقی کسی قربانی کا گوشت نہیں کھانا چاہیے۔ اس کی اولاد اور اس کے کنبہ والے اور اس کے غلام اور لونڈیاں بھی نہ کھائیں۔ ایسے ہی اغنیاء بھی نہ کھائیں اس لیے کہ صدقہ واجبہ فقراء کا حق ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ اغنیاء پر لازم ہے کہ وہ فقراء کو اپنے کھانے پینے میں شامل رکھیں انھیں وہ کھلائیں پلائیں جو خود کھائیں پئیں اور اللہ کی راہ میں وہ چیزیں ہرگز نہ دیں جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

ف: حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ البائس وُہ ہے جس کے ساتھ بیٹھنے اور کھانے پینے سے نفرت ہوتی ہے اور الفقیر وہ ہے جسے طعام کی حاجت تو ہے مگر وہ سوال نہیں کرتا۔

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ اس کا یذکروا پر عطف ہے یعنی پھر انھیں چاہیے کہ اپنے سے میل کچیل دُور کریں۔ یعنی اب ان کے لیے سر منڈوانا، مونچھیں ترشوانا، ناخن کتروانا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، مُوئے زیر ناف مونڈنا یا انہیں کسی دوائی سے صاف کرنا جائز ہو گیا۔ یہ اس وقت ہے جب احرام سے فارغ ہو جائیں۔

حلِ لغات: التفث بمعنے الوسخ۔ جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں:

ما اتفثك و ما ادرنك بمعنے ما اوسخك۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو ہمیشہ میلا کچیلا رہتا ہو اور جس کی میل کچیل کو دیکھ کر طبیعت کراہت کرے۔ اسی طرح جس کے ناخن لمبے لمبے ہوں اس کے لیے بھی تفث کہتے ہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ در اصل تفث ناخن اور بدن کے ان اعضاء کی میل کچیل کو کہا جاتا ہے جسے بدن سے صاف کیا جاسکے۔ اور القضاء بمعنے فصل الامر یعنی کسی کا فیصلہ قولاً یا فعلاً۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) الٰہی (۲) بشری۔ اور آیت از قبیل بشری ہے جیسے قولہ تعالیٰ:

ثم اقضوا الی و لا تنظرون۔ جیسے افرغوا من امرکم۔

اور شاعر نے کہا: قضیت امورًا ثم غادرت بعدھا۔ (تو نے امور پورے کیے تو پھر تو نے اس کے بعد دھوکا کیا)۔ قضائیں

قول وفعل دونوں محتمل ہیں۔ (کذافی المفردات)

وَلْيُوفُوا نُذُوْرَهُمْ یہ وفی بعہدہ واوفی سے ہے۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اپنے معاہدہ کو مکمل کرے اور تاتکمیل اس کی حفاظت کرے۔ اس کی نقیض غدر ہے بمعنے ترک الوفاء۔ اور النذر بروہ شے جو کسی پر واجب نہ ہو تو اپنے اوپر واجب کرلے۔ یہاں پر نذور سے وُہ نیک امور مراد ہیں جو حج وعمرہ کے ایام میں اپنے اوپر واجب کیے جائیں اس لیے کہ حج وعمرہ میں بعض ایسے امور ہوتے ہیں کہ اگر وُہ اپنے اوپر واجب نہ کیے جائیں تو حج ہوتا ہی نہیں۔ مثلاً قربانی وغیرہ۔

مسئلہ: اگرکسی پر نذور مطلقہ ہوں تو اس کے لیے افضل یہی ہے کہ وہ اہلِ مکہ پر خرچ کرے۔

وَلْيَطَّوَّفُوا اور چاہئے کہ طواف رکن ادا کریں اور احرام کی فراغت اسی طواف کے بعد ہوتی ہے۔ میل کچیل اتارنے کا قرینہ بتاتا ہے کہ اس سے طواف رکن مراد ہے۔ بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ پُرانا گھر، اس لیے کہ سب سے پہلے اسی کو یہاں رکھا گیا' (پھر زمین بچھائی گئی) یا بمعنے المعتق ہے، اس لیے کہ یہ جابر اور سرکش بادشاہوں کی شرارت وفساد سے محفوظ و مامون ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ بہت بڑے سرکش اور مفسد بادشاہ اسے منہدم کرنے کے لیے آئے تو انھیں منہ کی کھانا پڑی۔

سوال: حجاج بن یوسف نے بھی اس پر حملہ کیا اسے تو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

جواب: اس کا کعبہ معظمہ کو نقصان پہنچانے کا قصد نہ تھا بلکہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو وہاں سے نکالنا چاہتا تھا۔ تو ہوا جو کچھ ہوا۔ البتہ ابرہہ ظالم کعبہ مکرمہ کو مسمار کرنا چاہتا تھا' اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

مسئلہ: طوافِ کعبہ تین قسم کا ہے:

(۱) طوافِ قدوم۔ وُہ یہ کہ حج کرنے کے ارادہ سے جب کوئی مکہ معظمہ میں داخل ہو تو سات بار کعبہ شریف کا طواف کرے' تین بار مونڈھے مار کر' جن کا آغاز و اختتام حجرِ اسود پر ہو اور باقی چار بار آرام سے چل کر۔ یہ طواف سنّت ہے اس کے ترک سے کوئی کفارہ وغیرہ نہیں۔

(۲) طوافِ افاضہ۔ یہ رمی وحلق کے بعد دسویں دن ہوتا ہے اور یہ فرض (رکن) ہے اس کا دوسرا نام طواف زیارۃ بھی ہے اس کی ادائیگی سے پہلے احرام نہ چھوڑنا چاہیے۔

(۳) طواف الوداع۔ جو شخص قصر صلوٰۃ کی مقدار میں کعبہ سے باہر جائے تو طواف کیے بغیر نہ جائے۔ اگر نہ کرے تو اس پر دم لازم ہے۔ حائضہ عورت کو طواف الوداع معاف ہے۔

ف: طواف میں مونڈھے مارنے کا حکم صرف طواف قدوم کے لیے ہے۔ طواف زیارۃ و طوافِ وداع میں مونڈھے نہیں مارے جاتے۔

۱	ے ای کہ دریں کوے قدم می نہی	روے توجہ بحرم می نہی
۲	پاے باندازہ دریں کوے نہ	پاے اگر سودہ شود روے نہ
۳	چرخ زنان طوف کنان بر حضور	تو شدہ پروانہ و اُز شمع نور

۴ عادت پروانہ ندانی مگر چرخ زند اول و سوزد دگر

ترجمہ : ۱۔ اے وہ جو اس گلی میں قدم رکھتا ہے اور توجہ بجانب حرم ہے۔

۲۔ اندازے سے ہی اس گلی میں قدم رکھ۔ اگر پاؤں کام نہیں کرتے تو چہرہ ہی رکھ دے۔

۳۔ محبوب کے سامنے دوڑ اور گھوم، کیونکہ تو اس وقت پروانہ اور وہ شمع نور ہے۔

۴۔ شاید تجھے پروانے کی عادت معلوم نہیں کہ پہلے چکر لگاتا ہے پھر مرتا ہے۔

کعبہ معظمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے یعنی مرکز تجلیات حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور وہ استوائے رحمٰن کا مرکز ہے۔ کما قال تعالیٰ :

الرحمٰن علی العرش استوٰی۔

اور ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ محیط ہو کر اس کی نگرانی کریں یعنی اس کا یوں پہرہ دیں جیسے شاہی محلات کے پہرہ دار پہرہ دیتے ہیں اور وہ اسی عرش کے اردگرد ہر وقت حاضر رہیں تاکہ جب اللہ تعالیٰ کسی حکم کا نفاذ فرمانا چاہے تو سب سے پہلے انھیں معلوم ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا گھر بنایا تاکہ انسان اس کا اسی طرح طواف کریں اور اس کے گرد گھومیں جیسے فرشتے عرش کے گرد گھومتے ہیں اور یہ عرش سے ممتاز ہے بایں معنیٰ کہ اسے امر جلی سے نوازا گیا اور اسرار خاص کا مرکز بنایا گیا اور یہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ (قدرت) ہے تاکہ اس کے بندے اس کے طواف کے ہر طواف پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کریں اسی معنی پر حجر اسود کا استلام ہوتا ہے کہ وہی گویا اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے جو بندوں کی بیعت قبول کر رہا ہے۔ لیکن یہ کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسی لیے ہم اس کی تقدیس و تسبیح پر مامور ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود نہیں ؎

کعبہ کز دو در ہمہ دلہا رہ است

جزوے از اعضائے یمین اللہ است

ترجمہ : وہ کعبہ کہ اس کا ہر دل میں راہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اعضا سے ایک عضو یعنی اس کا دایاں ہاتھ (قدرت) ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو آدم اور ان کی اولاد سے پہلے پیدا فرمایا صرف اپنے بندوں سے امتحان و آزمائش کے لیے، تاکہ بیت کے ساتھ صاحب بیت کے متعلق بندوں کے اعزازو اکرام کا اظہار ہو جائے یعنی کعبہ کو اپنی ذات کے جمال کو پردہ بنایا گیا ہے یہ بھی اس کی غیرت کی دلیل ہے کہ وہ اپنے تجلیات براہ راست (سوائے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کو دکھانا نہیں چاہتا۔

حکایت ایک عارف باللہ ولی کامل نے کعبہ معظمہ کی زیارت یعنی بیت اللہ شریف کے حج کا ارادہ فرمایا تو ان کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا کہ ابا جان ! کہاں کا ارادہ ہے ؟ والد گرامی نے فرمایا کہ بیت اللہ کی زیارت کو جا رہا ہوں۔ صاحبزادہ نے

سمجھا کہ جس کے گھر میں جاتے ہیں وہاں صاحبِ خانہ کو بھی دیکھا جاتا ہے اس خیال سے والد گرامی کے ساتھ چلنے کی عرض کی۔ انہوں نے فرمایا: تم اس کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتے۔ یہ سن کر صاحبزادہ رو پڑا تو اس ولی کامل نے صاحبزادے کو ساتھ لے لیا۔ جب میقات سے دونوں باپ بیٹے نے احرام باندھ کر لبیک پڑھا، بیت اللہ نظر آنے لگا، تو بیت اللہ کو دیکھ کر وہ نوجوان بیہوش ہو کر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ والد ماجد یہ حال دیکھ کر بہت پریشان ہوتے اور کہنے لگے: میرا بیٹا کہاں گیا، اسے کیا ہو گیا۔ غیب سے آواز آئی: اے بندۂ خدا! تم بیت اللہ کو دیکھنے آئے تم نے اسے دیکھ لیا اور تمہارا بیٹا صاحبِ خانہ کے دیدار کا مشتاق تھا، سو اسے صاحبِ خانہ کا وصال نصیب ہو گیا۔ اس کے بعد اس لڑکے کو عالمِ غیب کی طرف اٹھا لیا گیا اور ساتھ ہی غیبی آواز میں بتایا گیا کہ بچہ نہ قبر میں ہے نہ زمین کے کسی کونے پر اور نہ ہی جنت میں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت اعلیٰ مقام میں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ خوش بکش ایں کاروان را تا بحج
اے امیر الصبر مفتاح الفرج

۲ حج زیارت کردن خانہ بود
حج رب البیت مردانہ بود

ترجمہ: اے امیرِ حج! قافلہ کو خوشی سے لے جا اس لیے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ خانہ کعبہ کی زیارت کا نام حج ہے لیکن جوانمرد وہ ہے جو صاحبِ خانہ کی زیارت سے مستفید ہو۔

سبق جو بھی جہات سے توجہ ہٹا کر ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہوگا اس کا قبلہ ذاتِ حق ہوگا پھر وہی جملہ عالم کا قبلہ ہو جائے گا۔ جیسے آدم علیہ السلام ملائکہ کے قبلہ تھے اس لیے کہ وہی ملائکہ کے ذاتِ حق کے لیے وسیلہ بنے اسی لیے کہ وہی جمال و جلال ذات کی پوشاک سے پیراستہ و آراستہ تھے۔

حدیث شریف ان اللہ خلق اٰدم علیٰ صورتہٖ۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر اپنے حسن وصفات و نور مشاہدہ کا پرتو ڈالا۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا کہ چونکہ بیت اللہ شریف لباس شمس ذات احدیہ کا ایک مخفی راز ہے۔ اسی لیے حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس کی زیارت کا حکم فرمایا۔ کما قال:

وللہ علی الناس حج البیت۔

اسے البیت سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ المبیت سے مشتق ہے۔ اور المبیت اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں شب باشی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات بندوں پر رات کو ہی نازل ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی شان کے لائق رات کو ہی نزول فرماتا ہے وہی مظہر غیب اور تجلیات کا مرکز ہے اور شمس کا لباس بھی رات ہے۔ اسی معنے پر البیت الحرام حضرت غیب الٰہی کا مظہر اور تجلی وحدانی کا راز رحمۃ رحمانیہ کا سرچشمہ ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ زمین پر صفۃ رحمۃ کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کا نزول بیت اللہ پر ہی ہوتا ہے

اسی سے ہی رحمت دوسروں پر منقسم ہوتی ہے۔

زندگی میں صرف ایک بار کیوں حج فرض ہے

مذکورہ بالا تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ بیت اللہ حق تعالیٰ کی وحدانیت کا مخفی راز ہے بندوں پر زندگی میں اس کی زیارت صرف ایک بار اس لیے فرض فرمائی (حالانکہ دوسری عبادات بار بار فرض ہوتی رہتی ہیں) کہ اسے حضرت احدیۃ کے ساتھ مشابہت ہے اور اسے تمام عالمِ دنیا کے بیوت (گھروں) پر اسی طرح فضیلت ہے جسے اللہ تعالیٰ کی جملہ عالم پر اور یہ تمام فضل دراصل اسی ذات کا حق ہے۔ یاد رہے کہ جملہ بیوت کے انوار بیت اللہ کے نور سے نور حاصل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ روایات میں اس کا اشارہ ہے کہ زمین کعبہ سے ہی بچھائی گئی۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ کونیہ شہادیہ کے حقائق کی حقیقت ہی کعبہ ہے۔ اسی لیے مکّہ کو ام القریٰ سے موسوم کیا گیا ہے (شرفہا اللہ تعالیٰ وقدس)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: **و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا** یعنی جن لوگوں نے نفس اور اس کے صفات کو بھلا دیا اور جو قالب اور جوارح سے بے نیاز ہو گئے ان سب کو اعلان کر دو کہ وہ قلب کی زیارت کریں اس لیے کہ وہ صفاتِ حق سے موصوف ہو گئی اور مقاماتِ خاص میں داخل ہو گئی ہے یأتوک پیدل چل کر آئیں گے۔ ان سے نفس اور اس کے صفات مراد ہیں **وعلیٰ کل ضامر** اس سے قالب اور اس کے جوارح مراد ہیں یعنی قالب وجوارح اعمال شرعیہ بدنیہ کے ساتھ دل کا قصد کرتے ہیں کیونکہ یہ بمنزلہ سوار کے ہیں اس لیے کہ اعمال بدنیہ حرکاتِ جوارح سے نیاتِ قلبی سے مرکب ہیں جیسے اعمال نفس کو مفردہ سے تعبیر کیا جاتا ہے **یاتین من کل فج عمیق** اس سے سفل دنیا مراد ہے اس لیے کہ قالب دنیوی ہے اور مصالح دنیا میں اس کا استعمال جوارح واعضاء کے ساتھ ہے۔ اسے مصالح قلب میں استعمال کرنے کا نام اتیان من کل فج عمیق ہے **لیشھدوا منافع لھم** تاکہ حاضر ہوں اور نفع پائیں ان منافع سے جو قلب میں پوشیدہ ہیں اور نفس اور اس کے صفات کے منافع تبدیل الاخلاق میں ہیں اور قالب اور اس کے جوارح کے منافع طاعات کو قبول کرتے ہیں **ویذکروا اسم اللہ** اور قلب و قالب اور نفس شکرانہ کے طور اللہ تعالیٰ کو یاد کریں **من بھیمۃ الانعام** وہ اس طرح کہ اس کی صفات بہیمیہ حیوانیہ کو صفاتِ قلبیہ روحانیہ ربانیہ سے تبدیل کیا گیا **فکلوا منھا و اطعموا البائس الفقیر** اس میں اشارہ ہے کہ وہ جب ان کرامات و مقامات سے نفع پائیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ فقیر محتاج یعنی طالبِ راہِ ہدیٰ کو بھی ان کے منافع پہنچائیں کیونکہ وُہ بھی خدمت وہدایت وارشادِ الٰہی کا ارادہ رکھتا ہے **ثم لیقضوا** پھر طالبانِ راہِ ہدیٰ پر لازم ہے کہ وُہ پورا کریں **تفثھم** ان امور کو جو ان پر ارادہ وصدق وغیرہا واجب ہیں **ولیوفوا نذورھم** انہیں چاہیے کہ وہ توجہ الی اللہ وصدق طلب اور سچے ارادہ کے معاہدہ کو پُورا کریں **ولیطوفوا بالبیت العتیق** اور وہ قلب وسر (راز خفی) سے اللہ تعالیٰ کو اپنا مطمحِ نظر بنائیں اور دل سے ماسوئی کا تصور بھی ختم کر دیں۔ اور عتیق سے قدیم مراد ہے اس سے صفاتِ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ یہ اشارہ اس امرو شان کی طرف ہے جو اذ بوانا الیٰ قولہ بالبیت العتیق میں مذکور ہے، اس لیے کہ یہ آیت مامور بہا اور منہی عنہا احکام پر مشتمل ہے۔ یہ کلمہ اور اس طرح کے دیگر کلمات فصل بین الکلامین یا بین وجہین من کلام واحد پر استعمال ہوتے ہیں وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ حرمۃ کی جمع ہے ہر وہ شے جس کی ہتک حرام ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کے احکام و فرائض و سنن اور وہ جمیع معظمہ امور جن کی توہین حرام ہے مراد ہے جیسے کعبہ معظمہ اور مسجد حرام اور بلد حرام اور شہر حرام۔ ان کی تعظیم کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی مراعات کے وجوب کا عقیدہ رکھا جائے اور بموجب حکم خداوندی ان کے متعلقہ احکام پر عمل کیا جائے فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ یعنی اس کے لیے تعظیم ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے رب تعالیٰ کے ہاں، یعنی آخرت میں۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معظم اشیاء کی تعظیم دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے کہ جس کام سے اس نے روکا ہے اسے ترک کیا جائے اور جس کے کرنے کا حکم دیا ہے اسے بجالایا جائے۔ بزرگانِ دین نے فرمایا کہ طاعت سے بہشت نصیب ہوتی ہے اور تعظیم معظمات سے اللہ کا وصال حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا فهو خیرله یعنی قرب الٰہی کے حصول میں بندے کو بہ نسبت تقرب بالطاعۃ کے تقرب بالمعظمات بہتر ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے فرمایا کہ ترکِ خدمت عقوبت کا موجب ہے اور ترکِ تعظیم ہجر و فراق حق کا سبب ہے۔ اور یہ بھی بزرگوں کا فرمان ہے کہ مخالفتِ احکام سے معافی کی امید ہے لیکن ترکِ تعظیم سے معافی کے امکانات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اس بے ادب کے ایمان و اسلام اور توحید پر ایسی نحوست پڑتی ہے کہ اس کی معافی کا سوال ہی اٹھ جاتا ہے۔ (اسی لیے ہم اہلسنت انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ان کے متعلقات کی تعظیم و تکریم کے لیے زیادہ زور دیتے ہیں اور مخالفین کی عقول پر تالے پڑ گئے ہیں کہ وہ ان کی تعظیم و تکریم کو شرک کا درجہ دیتے ہیں)

وَ اُحِلَّتْ یہ حل العقدہ سے ہے یعنی بنائے گئے ہیں لَكُمُ تمہارے منافع کے لیے الْاَنْعَامُ جانور، اس سے وہ آٹھ قسم مراد ہیں جنہیں قرآن مجید میں تفصیل سے بتایا گیا ہے یعنی بھیڑ بکری کا جوڑا (نر و مادہ) اور گائے (بھینس) کا جوڑا اور اونٹ کا جوڑا۔ اس سے معلوم ہوا کہ الانعام کی تعریف سے گھوڑا، گدھا اور خچر خارج ہیں اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ مگر وہ جو تمہارے لیے آیت تحریم میں بتایا گیا۔ کما قال تعالیٰ:

حرمت علیکم المیتۃ والدم (الآیۃ)۔

یہ استثناء متصل ہے اس لیے کہ لفظ ما سے وہ جانور مراد ہیں جو کسی عارضی وجہ سے حرام ہیں مثلاً مردار اور ما احل بہ لغیر اللہ۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے اکل و اطعام کے امر کی تقریر اور ایک وہم کے دفعیہ کے لیے لایا گیا ہے۔ وہ وہم یہ ہے کہ احرام میں جیسے شکار حرام ہے ممکن ہے یہ جانور بھی حرام ہوں۔ اس وہم کو دفع فرمایا کہ یہ جانور تمہارے لیے حرام نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمام جانور حلال فرمائے ہیں مگر وہ جانور جن کے متعلق قرآن مجید میں تفصیل بتائی گئی ہے صرف وہی تمہارے اوپر حرام ہیں۔ اسی لیے تمہیں لازم ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدود کی محافظت کرو۔ اور بالخصوص جانوروں کے بارے میں خصوصی خیال رکھو

کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو خواہ مخواہ حرام نہ کرو اور بت پرستوں کی طرح نہ ہو جاؤ کہ انہوں نے خواہ مخواہ بحیرہ سائبہ وغیرہما کو حرام قرار دیا۔ ایسے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال نہ بنا دو۔ مثلاً موقوذہ اور میتۃ وغیرہما اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں اور تم انہیں حلال سمجھ کر کھا جاؤ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ من بیانیہ ہے یعنی رجس سے بت مراد ہیں یعنی ان سے ایسے ہی اجتناب کرو جیسے نجاست سے کیا جاتا ہے۔ دراصل رجس ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل رجس اور رجال ارجاس۔

ف : رجس چار قسم ہے :

(۱) من حیث الطبع

(۲) من حیث العقل

(۳) من حیث الشرع

(۴) من حیث الطبع والعقل والشرع جیسے میتۃ (مردار)۔ اس لیے کہ مردار سے طبیعت کو اور عقل کو اور شریعت کو نفرت ہے۔

اور رجس شرعاً مثل شراب ہے اسی طرح جوا بازی بھی۔ اور الاوثان، وثن کی جمع ہے وہ پتھر جن کی پرستش کی جائے۔ (کذا فی المفردات)

بعض مشائخ نے فرمایا کہ وثن اور صنم میں فرق ہے۔ صنم وہ ہے جو درخت یا سونے یا چاندی سے انسان کی صورت میں تیار کیا جاتا اور وثن جو ایسے نہ ہو۔

ف : الارشاد میں ہے کہ :

ومن یعظم حرمٰت اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاجتنبوا کا امر وجوبی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ معظمات کی تعظیم و تکریم واجب، اور اس کی ہتک و توہین سے اجتناب ضروری ہے۔

ف : چونکہ جانوروں کی حلت تقاطی کے دواعی سے ہے اسے مبادی الاجتناب سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے اس کا ذکر بعد میں ہوا یعنی پہلے ان کا ذکر کیا گیا جن سے اجتناب اہمیت رکھتا ہے یعنی معظمات کی توہین سے اجتناب۔ پھر ان امور کا بیان ہوا جو حرمات کا انتہائی درجہ ہے یعنی بت پرستی کا اجتناب حرمات کا انتہائی مرتبہ ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ جو اللہ تعالیٰ کی معظمات کی تعظیم کرتا ہے وہ اس کے لیے بہتر ہے اور جانوروں کی حرمت معظمات سے نہیں بلکہ وہ سب تمہارے لیے حلال ہیں سوائے چند ایک کے، وہ وہی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ تخصیص کے بعد تعمیم ہے اس لیے کہ بت پرستی راس الزور ہے کیونکہ مشرک کا گمان ہے کہ بت عبادت کا مستحق ہے اسی لیے گویا اسے کہا گیا کہ اے لوگو! قول الزور کی جملہ اقسام سے اجتناب کرو۔ اس کے قریب بھی نہ پھٹکو

یا یوں کہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے تعظیم حرمات کے لیے ترغیب دی تو اس کے بعد ان امور کا رد بھی فرما دیا جن کے کفار پابند تھے۔ مثلاً سوائب وبحار وغیرہا کو حرام سمجھتے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے۔ اسی لیے فرمایا کہ مطلقاً دروغگوئی سے بچو۔

مسئلہ: بعض مشائخ نے اس سے جھوٹی گواہی مراد لی ہے اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت زور کو اشتراک باللہ کے برابر بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جھوٹے گواہ کو چالیس دُرّے مارتے اور اس کا منہ کالا کر کے بازار کا چکر لگاتے۔

حل لغات: الزور، زور بمعنے انحراف سے ہے جیسے الافك، افك بمعنے قلب وصرف کے ہے اور چونکہ کذب واقع سے منحرف اور منصرف ہے اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قول زور ہر وہ زبانی بات جو قلب کے موافق نہ ہو اسی طرح ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ سے صدق طلب کا معاہدہ کر کے اس پر پورا نہ اترے وہ بھی قول زور میں داخل ہے ؎

۱ طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

۲ وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ: سچائی کا طریقہ سفید اور صاف پانی سے اور راستی و آزادگی سرو چمن سے سیکھ۔
ہم وفا کرتے رہیں گے اور ملامت کھینچتے رہیں گے باوجود اسکے خوش رہیں گے اس لیے کہ ہمارے طریقہ میں کسی کو دکھ اور رنج پہنچانا کافری ہے۔

تفسیر عالمانہ: حُنَفَآءَ لِلّٰہِ فاجتنبوا کی ضمیر سے حال ہے یعنی تمہارا حال یہ ہو کہ تم ہر دین باطل سے روگردانی کرنے والے اور دین کی طرف رجوع کرنے والے اور اس کے ساتھ خلوص کرنے والے ہو۔ الحنف بمعنے المیل عن الضلال الی الاستقامۃ یعنی گمراہی سے استقامت کی طرف رجوع کرنا۔ اور الحنیف بمعنے ضلال سے ہٹ کر استقامت کی طرف رجوع کرنے والا۔ اور کہا جاتا ہے کہ تحنف فلان بمعنے تحری طریق الاستقامۃ اس نے استقامت کے طریق کے لیے جد وجہد کی غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ وہ کسی شے کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے نہیں۔ اس معنے پر تو بت پرستی سب سے پہلے اس میں داخل ہوئی یہ فاجتنبوا کا دوسرا حال ہے وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ المفردات میں ہے کہ خر بمعنی سقط سقوطا بمعنے ایسا گرنا کہ جس سے آواز سنائی دے۔ دراصل پانی اور ہوا اور دیگر ان چیزوں کی آواز کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے گریں فَتَخْطَفُہُ الطَّیْرُ الخطف بمعنے الاختلاس بالسرعۃ ہے یعنی جھپٹ لگانا۔ اور مضارع کا صیغہ اس خطرناک صورت کو سامعین کے ذہن نشین کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ حضرت کاشفی نے اس کا معنیٰ یہ لکھا کہ جو بھی کسی شے کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے تو وہ گویا آسمان سے زمین پر گر کر ہلاک ہوا تو مردار خور پرندے زمین سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اٹھا کر

لے جائیں اَوۡ تَهۡوِیۡ بِهِ الرِّیۡحُ یا اسے ہوا اوپر سے نیچے دے مارے هَوٰی یَهۡوِیۡ از باب ضرب ہے بمعنے سقط من علو الی سفل یعنی اوپر سے نیچے گرا۔ یا هوٰی یهوی از باب علم بمعنے احب ہے فِیۡ مَكَانٍ سَحِیۡقٍ سحیق بمعنے بعید اس لیے کہ سحق بمعنے بعُد اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا اسم گرامی اس سے مشتق نہیں اس لیے کہ وُہ عبرانی لفظ ہے بمعنے الضحاک اور لفظ اَوۡ تخییریہ ہے جیسے آیۃ او کصیب من السماء میں اَوۡ تخییریہ ہے۔ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ یا اسے ہوا اونچی جگہ سے نیچے کی ایسی جگہ میں پھینکے جہاں اس کا کوئی فریاد رس اور دستگیر نہ ہو۔ یہ کلمات تشبیہات مرکبہ سے ہیں یعنی جو شخص ایمان کی بلندی سے کفر کے گڑھے میں گرتا ہے اسے نفس کی خواہشات پریشان اور ذلیل و خوار کریں۔ یا معنی یہ ہے کہ وسوسۂ شیطان کی ہوا اسے وادیٔ ضلالت میں گرا دے تو پھر وُہ تباہ اور برباد ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ یہاں کفار کی تباہی و بربادی کا بیان ہے اس لیے کہ حقیقی تباہی کفر میں ہے اور نجات ایمان میں۔

حدیث شریف ۱ صحیحین میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا: اے معاذ! تمہیں معلوم ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے، جب وہ اس کی عبادت کریں اور شرک سے بچیں۔ انھوں نے کہا: اللہ ورسولہٗ اعلم۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ایسے بندوں پر یہ لطف ہو گا کہ وہ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ بندوں پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ایسا عقیدہ خالص بنائیں کہ ان سے شرک کی بُو بھی نہ آئے تاکہ ملتِ حنیفیہ کی اتباع نصیب ہو۔ اور یہی ایک ملت ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیامت جاری رہے گی۔ یعنی توحید و یقین پر قایم و دائم رہنا۔

حدیث شریف ۲ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہُوا کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) پر ایمان لانا۔ پھر عرض کی گئی، اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ اس کے بعد سوال ہوا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: حج مبرور۔

حدیث شریف ۳ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہارے لیے زیادہ خطرناک شرکِ اصغر محسوس ہو رہا ہے۔ عرض کی گئی، شرک اصغر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ریاء۔

مرائی ہر کسے معبود سازد
مرائی را ازاں گفتند مشرک

ترجمہ : ریاکار ہر ایک کو معبود بناتا ہے اسی لیے اہلِ حق کہتے ہیں کہ ریاکار مشرک ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گوئیا باور نمی دارند روز داوری
کین ہمہ قلب و دغل در کار داور میکنند

ترجمہ : قیامت میں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف منہ نہیں کریں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں کھوٹ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ شرک تمام رذیل ترین امور سے قبیح ترین ہے جیسے توحید تمام نیکیوں سے حسین تر ہے۔

حدیث شریف میں ہے : جب تم سے غلطی (گناہ) سرزد ہو جائے تو اس کے ساتھ ہی نیکی بھی کر لیا کرو اس لیے کہ ایک نیکی سے دس کا ثواب ملتا ہے۔ مخاطب نے عرض کی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! لا الٰہ الا اللہ بھی نیکی ہے ؟ آپؐ نے فرمایا : وہ تو تمام نیکیوں سے حسین ترین نیکی ہے۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ امر یا شان یا تعظیم حرمات اللہ کی طرف ہے اور اجتناب عن الشرک وقول الزور امر لازم ہے۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ ان امور کو بجا لاؤ **وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ** یہاں پر شعائر اللہ سے حج کی قربانیاں مراد ہیں اس لیے کہ یہی حج کے علامات و شعائر سے ہیں۔ چنانچہ والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ میں اس کی تصریح ہے اور اس کے مابعد کے مضمون سے بھی اسی کو زیادہ موافقت ہے۔

حل لغات : شعائر شعیرۃ کی جمع ہے بمعنے علامت۔ اور اشعار سے ہے بمعنے اعلام (جتلانا) اور الشعور بمعنے علم (جاننا) اور البدن کو شعائر اس لیے کہا گیا کہ ان کا شعار کیا جائے گا۔ یعنی اس کی کوہان کی جانب ایمن وایسر میں نیزہ مار کر خون نکالا جائے گا تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور کوئی بھی ان کو نہ چرائے اور نہ ہی انھیں ذبح کر کے کھا جائے۔

خلاصہ یہ کہ قربانیاں حج کی علامات بلکہ زیادہ ظاہر اور مشہور تر نشانیوں سے ہیں۔

ف : ان کی تعظیم کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان کے ذریعے ہی قُربِ الٰہی نصیب ہوگا کیونکہ قربِ الٰہی کے ذرائع واسباب میں یہی سب سے بزرگ ترین وسیلہ و ذریعہ ہے۔

مسئلہ : قربانی کا جانور حسین، موٹا اور قیمتی ہونا چاہیے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے سو اونٹ بھیجے ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جس کی نکیل سونے کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہترین اور موٹی تازی اونٹنی قربانی کے لیے بھیجی جس کی قیمت تین سو دینار تھی۔

؎

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود بردارد خور کالائے خویش

ترجمہ: ہر شخص بقدر ہمت خود اور اسباب کی حیثیت کے مطابق پھل اٹھاتا ہے۔

ف: حضرت جنید بغدادی رح نے فرمایا کہ توکل، تفویض، تسلیم بھی شعائر اللہ کی تعظیم میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار و رموز اپنے اولیاء میں امانت رکھے ہیں۔ جب کوئی بندۂ خدا ان شعائر کی تعظیم و تکریم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو مختلف آداب سے سنگارتا ہے۔

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ اس لیے کہ تعظیم شعائر اللہ قلوب کا تقویٰ ہے۔ تقویٰ کو قلوب کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کا مرکز قلب ہے اس لیے کہ جب اس میں تقویٰ ہو تو پھر اس کے آثار تمام اعضا سے نمودار ہوتے ہیں **لَكُمْ فِيْهَا** تمہارے لیے ان شعائر میں کہ جن کے علامات نمایاں ہوں کہ واقعی وہ حج کی قربانیاں ہیں **مَنَافِعُ** بہت بڑے منافع ہیں مثلاً دودھ اور نسل اور اُون وغیرہ۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنے والے کے لیے جائز ہے کہ اسے ذبح کرنے سے پہلے نفع اٹھائے بشرطیکہ اسے اس کی ضرورت ہو بلا ضرورت اس سے نفع نہ اٹھائے۔

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى مدت مقرر تک، اور وہ میعاد قربانی کا دن ہے۔

مسئلہ: اسے ذبح کرکے اس کے گوشت کو صدقہ کرے۔ خود بھی اسے کھا سکتا ہے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ المحل اسم زمان ہے یہاں مضاف محذوف ہے۔ یہ حل الدین سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ادائیگی فرض کا وقت آجائے اس کا عطف منافع پر ہے اور الی البیت، فیہا کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل وہ استقرار ہے جو لفظ فی کا متعلق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان بہت بڑے منافع کے بعد یعنی قربانی کے ذبح کرنے کے وقت مقررہ آنے اور اسے ذبح کرنے کے وجوب کے بعد ان کا حال یہ ہو کہ وہ بیت عتیق کے لیے تیار کی جائیں یعنی وہ حرم مکہ جو بیت اللہ کے حکم میں ہے اس لیے کہ یہاں حرم کا سارا احاطہ مراد ہے جیسے فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا میں مسجد حرام سے حرم شریف کا جملہ احاطہ مراد ہے کیونکہ بیت اللہ اور اس کی اردگرد کی جگہ کو خون و دیگر آلائش سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ: منیٰ سارے کا سارا قربان گاہ ہے۔

ف: شعائر میں سب سے بڑا فائدہ اس کے ذبح کرنے میں اس وقت ہے جب خالص اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کے لیے ہو۔ اور اسے یوم نحر میں ذبح کرنے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ جب اس فعل کے وقت میں اتنا بڑا فائدہ ہے تو پھر نفس فعل میں کتنا فائدہ ہوگا۔

ف: العتیق بمعنے القدیم ہے۔ یعنی یہ گھر زمان و مکان و رتبہ کے لحاظ سے تمام امکنہ و ازمنہ مرور مراتب میں اول ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ جب تمہاری قربانی وہاں پہنچے جو طوفانِ نوح کے غرقابے سے آزاد ہے یا وہ بزرگ ترین امکنہ سے ہے۔

حکایت ابراہیم علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک پتھر ملا جس پر چار سطریں مکتوب تھیں۔
پہلی سطر کا مضمون تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی۔

دوسری سطر پر لکھا تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا محمد رسولی طوبیٰ لمن اٰمن بہ واتبعہ (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں حضرت محمد میرے رسول ہیں جو ان پر ایمان لائے گا اور ان کی تابعداری کرے گا وہ مبارکباد کا مستحق ہوگا)

تیسری سطر پر مکتوب تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا من اعتصم بی نجا (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، جو میری رسّی کو مضبوط پکڑے گا نجات پا جائے گا)

چوتھی سطر پر تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا الحرم لی والکعبۃ بیتی من دخل بیتی اٰمن من عذابی (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ حرم میرا ہے اور کعبہ میرا گھر ہے۔ جو میرے گھر میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا)

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ ایک حج سے تین شخصوں کو جنت میں داخل فرمائے گا:

۱۔ جسے حج کی وصیت کی گئی اور اس نے اسے پورا کیا۔

۲۔ اس وصیت کو پورا کرنے والا۔

۳۔ اس حج کو ادا کرنے والا۔

فقہی مسائل (۱) الاشباہ میں ہے کہ کسی کو حج کا حکم ہو وہ آمر اگرچہ بیماری کی وجہ سے بھی امر کرے تو وہ حج اس کی طرف سے ادا نہ ہوگا جب تک اسے اذن عام نہ کرے۔ مثلاً کہے:

اصنع ما شئت (جو چاہو کیجئے)

وہ اس مطلق اجازت کے بعد حج میں ہر طرح کے امور حج کر سکتا ہے۔

(۲) مامور بالحج پر اگر اپنا حج بھی فرض ہے تو اسے چاہیے کہ آمر کے حج کی ادائیگی دوسرے سال ادا کرے۔ اس پر لازم ہے کہ پہلے اپنا حج ادا کرے لیکن اس تاخیر سے اس پر کوئی ضمانت وغیرہ نہیں (کذا فی التاتارخانیہ) اگرچہ اسے کہا ہو کہ میری طرف سے اسی سال حج کرنا اس لیے کہ اس کا اس طرح کی تاکید سے بعجلت ادائیگی مطلوب ہے نہ یہ کہ ضرور اسی سال سے مقید کرنا ہے۔

(۳) جب کوئی کسی کو حج کا حکم کرے تو اسے جملہ امور مفوض کرے مثلاً کہے کہ میرے اس مال سے جس طرح کا چاہو حج کرو تمہیں میری طرف سے اجازت ہے حج افراد کرو یا تمتع یا قران۔ اور تجھے میرے مال سے دوسرے کو بھی وصیت

کرنے کی اجازت ہے ۔ یہ اذنِ عام اس لیے دیا جائے تاکہ اسے حرج واقع نہ ہو یعنی اگر وہ بیمار ہو جائے یا مر جائے تو کوئی اور حج پڑھ سکے اور ادائیگی میں جس طرح کی سہولت دیکھے بجا لائے ۔

(۴) حج عن الغیر کے مال سے جو کچھ بچ جائے اسے ضروری نہیں کہ آمر بالحج کے ورثہ کو واپس کر دے ۔

(۵) اگر کسی پر اپنا حج فرض ہے لیکن وہ دوسرے کی طرف سے حج پڑھے تو بھی جائز ہے ۔ لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے آدمی کو حج پر بھیجا جائے جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو (کذا فی الفتاویٰ المؤیدہ)

(۶) دوسرے کی طرف سے حج پڑھنے سے اس کی فرضیتِ حج ساقط نہیں ہو گی یعنی اسے اپنا حج فرض ادا کرنا ہو گا (کذا فی حواشی اخی چلپی)

(۷) اگر کسی عورت یا لونڈی کو اس کے شوہر اور لونڈی کی اجازت سے حج پڑھائے تو بھی جائز ہے لیکن گنہگار ہو گا ۔

(۸) کسی نے عجز کی صورت میں دوسرے کو حج کرایا لیکن اب اس کا عجز زائل ہو گیا تو وہ حج نفلی ہو گا اور ادائیگی فرض کے لیے دوسرا حج پڑھنا ضروری ہے (کذا فی الکاشفی)

(۹) امام یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر عجز کا ازالہ ادائیگی حج کے بعد ہوا تو حج ہو گیا اگر پہلے ہوا تو اسے دوسرا حج فرض پڑھنا لازمی ہے (کذا فی المحیط)

(۱۰) حج نفلی بلا شرائط جائز ہے لیکن اس کا جملہ ثواب (بالاتفاق) آمر کو ملے گا ۔

(۱۱) مامور کو چاہیے کہ نفل کا ثواب آمر کے لیے کرے اور یہ اہلسنت کے نزدیک ہے کہ ایک کا ثواب دوسرے کو ملے خواہ وہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ وغیرہ (کذا فی الہدایہ)

(۱۲) اگر حج پڑھنے والا مامور راستہ میں فوت ہو جائے تو آمر کی طرف سے کسی دوسرے کو حج پڑھنا واجب ہے اس کے خرچہ کا آغاز وصیت کرنے والے یا اس کے وارث کے گھر سے ہو گا جب دونوں کا ایک گھر ہو اور وہ مال بھی اس کی ادائیگی کے لیے پورا ہو سکے ۔

ف : یہ اس وقت ہے جب طے ہو جائے کہ سفر کو موت منقطع کر دیتی ہے یا نہیں ۔

(۱۳) جب مکان دونوں کا اتحاد نہ ہو تو آمر کے لیے (بالاجماع) حج پڑھا جائے (کذا فی المحیط) ۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾

اور ہر امت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر تو تمہارا معبود ایک معبود ہے تو اسی کے حضور گردن رکھو اور اے محبوب خوشی سنا دو ان تواضع والوں کو کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو افتاد پڑے اس کے سہنے والے اور نماز برپا رکھنے والے اور ہمارے دیئے سے خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے کیے تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے تو ان پر اللہ کا نام لو ایک پاؤں بندھے تین پاؤں سے کھڑے پھر جب ان کی کروٹیں گر جائیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ ہم نے یونہی ان کو تمہارے بس میں دے دیا کہ تم احسان مانو اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے یونہی ان کو تمہارے بس میں کر دیا کہ تم اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ تم کو ہدایت فرمائی اور اے محبوب خوشخبری سناؤ نیکی والوں کو بے شک اللہ بلائیں ٹالتا ہے مسلمانوں کی بے شک اللہ دوست نہیں رکھتا ہر بڑے دغاباز ناشکرے کو

تفسیر عالمانہ

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ تمام امتوں کے لیے ۔ نہ یہ کہ صرف بعض کے لیے یہ حکم مخصوص ہے بلکہ یہ تقدیر تخصیص کے لیے ہے جَعَلْنَا مَنْسَكًا ہم نے بنائی ہیں عبادت گاہیں اور قربت حق کے اسباب کہ جنہیں وہ ادا کرکے قرب الٰہی حاصل کرتے ہیں ۔ یہاں پر منسک سے اللہ تعالیٰ کے لیے جانوروں کا خون بہانا مراد ہے ۔ اب اس کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے ہر امت مومنہ کے لیے مشروع کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کریں۔

حل لغات: اہلِ عرب نسك ينسك نسك ونسوگا ومنسگا بفتح السین اس وقت بولتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جانور قربان کیا جائے۔

لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ تاکہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام یاد کریں اس کی یاد سے ہٹ کر غیر کی یاد میں مشغول نہ ہو جائیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں قربانی کریں اسے جعل کی علت بنایا گیا ہے تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو کہ مناسک سے اصلی مقصود یادِ الٰہی ہے۔ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ یعنی ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کریں کہ اس کریم نے انہیں چارپائے جانور عطا فرمائے ہیں۔ بھیمہ کو انعام کی طرف مضاف کرنے میں بھی تنبیہ ہے کہ قربانی صرف انعام سے واجب ہوتی ہے اور البہائم انعام سے نہیں اور بہائم سے مراد گھوڑا، خچر، گدھا وغیرہ ہے انہیں قربانی کے لیے ذبح کرنا جائز نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر سالک کے لیے ہم نے طریقہ اور مقام مقرر اور قربت کا سبب بنایا ہے ان کے مختلف طبقات ان کے مراتب کی وجہ سے ہیں بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معاملات کے طریقہ سے اور بعض ان میں وہ ہیں جو اسے مجاہدات سے اور خود اسے اس کی ذات سے طلب کرتے ہیں وہ اپنے طریقۂ کار کے مطابق تمسک کر کے طلبِ الٰہی میں ذکرِ الٰہی میں مصروف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں رزق عطا فرمایا یعنی قہرِ نفس اور اس کی صفات بہیمیہ وانعامیہ کے مٹانے کی توفیق بخشی وہ اپنے منازل وطبقات کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنے نفس پر قہر نہ کیا جائے اور ان کی صفات کو نہ توڑا جائے اسی لیے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے قہرِ نفس سے عبور کر کے مقامات و کمالات تک پہنچنے کی نعمت عطا فرمائی۔

تفسیر عالمانہ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فا جعل مذکور کے ساتھ ما بعد کو ماقبل سے مرتب کرنے کے لیے ہے اور یہ خطاب تغلیباً تمام مخلوق کو ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ تمہارا صرف ایک معبود ہے کوئی اس کا شریک نہیں ذات میں نہ صفات میں، ورنہ عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا جب یقین ہو گیا کہ تم سب کا معبود ایک ہے تو تمہارے لیے لازم ہے کہ تقرب و ذکر کے لیے صرف اسی کو مخصوص کرو یعنی خالص اسی کی رضا میں ذکر کرو اس کے ذکر اور تقرب میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسلام بمعنے اخلاص ہے اور اعمال کو آفات سے اور اخلاق کو کدورات سے اور احوال کو التفات سے اور انفاس کو اغیار سے صاف رکھنے کا نام اخلاص ہے۔

تفسیر عالمانہ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ اور متواضعین یا مخلصین کو خوشخبری سنا دو۔ یہ الخبت سے مشتق ہے۔ نیچے والی زمین کو کہا جاتا ہے۔ اور المخبت ہر وہ شخص جو نیچے والی زمین میں ہو۔ چونکہ اخبات تواضع کے لوازمات سے ہے اس لیے اسے المُخبِتُ کہا گیا۔

ف: کاشفی نے اس کا معنیٰ لکھا ہے کہ اے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! متقیوں اور عجز و نیاز کرنے والوں کو غیر منتہیٰ رحمت کی خوشخبری سنائیے۔

ف: سلمی نے فرمایا کہ مشتاقانِ غمزدہ کو دیدار الٰہی کی سعادت کی خوشخبری سنائیے۔ اگرچہ دیدار کا لفظ عبارت میں نہیں لیکن مخبتین کی صفت بتاتی ہے کہ اس سے وہی مشتاقانِ غمزدہ حضرات مراد ہیں۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وہ لوگ جن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔ الوجل خوف کو سمجھنا (کذا فی المفردات) یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس لیے کہ ان کے دلوں پر ذاتِ باری تعالیٰ کے جلال کی شعاع اور اس کی عظمت کے انوار طلوع ہوتے ہیں۔ اور ذکر کے وقت خصوصیت اس لیے ہے کہ تجلیِ حق کا ورود اس وقت ہوتا ہے ؎

ہرکرا نور تجلی شد فزون
خشیت و خوفش بود از حد برون

ترجمہ: جس پر نور کی تجلی زیادہ پڑتی ہے اسی کو خوف و خشیت بہت زیادہ نصیب ہوتی ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ اور مصائب و تکالیف پر صبر کرنے والوں کو۔ بحر العلوم میں ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے وطنوں اور رشتہ داروں کی جدائی سے مصیبتوں اور بلاؤں کو سر پر اٹھا کر اور حزن و ملال وغیرہ کے کڑوے گھونٹ پی کر اور اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت اور اس کی طاعت اور از دیاد خیر میں مشقتوں اور شدتوں کا بوجھ اٹھا کر صبر کیا۔

حلِ لغات: الصبر بمعنے الحبس۔ مثلاً کہا جاتا ہے: صبرت نفسی علیٰ کذا یعنی میں نے نفس کو فلاں فلاں تکلیف میں قید رکھا۔

تفسیر صوفیانہ والصّٰبرین علیٰ ما اصابھم یعنی وہ حکمِ الٰہی کے سامنے سر جھکاتے ہیں نہ انہیں اس سے کراہت ہوتی ہے نہ وہ اس سے نکلنے کی تمنا کرتے ہیں بلکہ بخوشی و رضا اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ حضرت حافظؒ نے فرمایا:

؎

اگر بلطف بخوانی مزید الطافست
وگر بقہر برانی درون ما صافست

ترجمہ : لطف سے بلاؤ تو بڑی مہربانی۔ اگر قہر سے ہٹادو تو بھی ہمارا دل صاف ہے۔

پھر فرمایا : ؎

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش

کہ ہرچہ ساقی ما کرد عین الطافست

ترجمہ : تجھے گرد و غبار اور صاف کہنے کا حق نہیں ساقی کے ہاتھ سے جو ملے عین لطف ہے۔

پھر فرمایا : ؎

عاشقانرا گر در آتش مینشاند قہر دوست

تنگ چشم گر دنظر ز چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ : عشاق کو اگر قہرِ محبوب آگ میں ڈال دے، اگرچہ وہ ایسا ناراضگی سے کررہا ہے اسے چشمۂ کوثر سمجھنا چاہئے۔

پھر فرمایا : ؎

آشنایان رہ عشق اگرم خون بخوانند

ناکسم گر بشکایت سوئے بیگانہ روم

ترجمہ : اگر محبوب مجھ سے خون مانگے تو میری نالائقی ہے کہ میں غیر سے شکایت کروں۔

پھر فرمایا : ؎

حافظ از جود تو ماشا کہ بنالد روزے

کہ از ان روز کہ در بند توام دلشادم

ترجمہ : اے حافظ! اگر محبوب تجھ سے وجود کا طالب ہے تو خوش ہوجا کہ جب میں اس کی رضا کا طالب ہوں تو اس کے ہر کام پہ خوش ہوں۔

نیز اس سے وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسرار کو چھپاتے ہیں اور دکھ درد سر پر اٹھانے کے باوجود اپنے احوال کی تسلی مخلوق سے نہیں چاہتے۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُقِيمِي الصَّلٰوةِ یہ دراصل والمقیمین تھا اور یہ اضافت لفظیہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسے قول ہے الذین هم على صلوتهم دائمون۔ اور شاعر نے کہا : ؎

اذا ما تمنى الناس روحا وراحة

تمنيت ان اشكو اليك وتسمع

ترجمہ: جب لوگ راحت و فرحت کی آرزو کرتے ہیں تو میں آرزو کرتا ہوں کہ میں تیرے حضور میں شکایت حال سناؤں اور تُو اسے غور سے سُنے۔

تفسیر عالمانہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا اس میں سے وہ بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ مفعول کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ معاملہ اہمیت کا حامل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنے بعض حلال مال کو خصوصیت سے اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرنے کے لیے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ اس سے زکوٰۃ مراد ہے کیونکہ فرض نماز کے بعد مذکور ہوئی ہے یا مطلق نفلی صدقات مراد ہیں، اس لیے کہ یہ مطلق بلا قید مذکور ہوا ہے۔ اور قاعدہ ہے جب اسے بلا قید ذکر کیا جائے تو اس سے نفلی صدقات مراد ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ میری اُمت کے ابدال نماز و روزہ وغیرہ کے سبب ہی بہشت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ ان کا بہشت میں داخلہ ان کے نفس کی سخاوت اور اہلِ اسلام کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ معلوم ہونا چاہیے کہ مالک کی خدمت و عبادت میں مال اور وجود کو خرچ کرنا دنیا و عقبیٰ کی سعادت کا موجب ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی صنائع کو ظاہر فرما کر اپنی مخلوق کو دکھائیں تو ہر ایک نے اپنی مرضی کی صنعت کو اختیار کیا لیکن اس کے بعض ایسے بندے بھی تھے جنہوں نے کہا ہمیں تو اس سے کوئی شے پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں عبادۃ و اطاعت اور مقامات اولیاء دکھائے تو انھوں نے عرض کی: ہمیں تو تیری عبادت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نے اگر میری عبادت کو پسند فرمایا ہے تو میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے بندوں کو تمہارے تابع کر دوں گا اور دُنیا میں وہ سب تمہارے خدام ہوں گے اور قیامت میں تمہارے خدام اور تمہارے پہچاننے والوں کی شفاعت بھی قبول کروں گا (اس سے وہ لوگ غور فرمائیں جنھیں اولیاء اللہ کے ساتھ نسبت جوڑنے سے نہ صرف ضد ہے بلکہ اس نسبت کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں)۔ اویسی

حکایت حضرت شیخ ابو الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک پہاڑ میں مقیم ولی اللہ کی تعریف سُنی تو اس کی زیارت کے لیے وہاں پہنچا، اس کے ہاں شب باشی کی۔ رات کو میں نے سُنا کہ وہ بارگاہِ حق میں عرض کر رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! تیرے بعض بندوں نے تجھ سے تسخیرِ خلائق مانگی، تُو نے ان کی مراد پوری فرمائی اور میں تجھ سے صرف یہ مانگتا ہوں کہ تُو اپنی مخلوق کو مجھ سے دُور رکھ تاکہ میں ہر وقت تجھے یاد کرتا رہوں۔ جب صبح ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ لوگ تسخیرِ خلائق چاہتے ہیں اور آپ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: بیٹا! تم سَخِّرْ لِیْ (میرے تابع کر دے مخلوق کو) کی بجائے یہ دعا مانگا کرو اللّٰھم کن لی (اے اللہ! صرف تُو ہی میرا ہو جا)، اس لیے کہ جب تیرا رب تیرا ہو گیا تو پھر تجھے اور کیا چاہیے، پھر تجھے کسی شے کی ضرورت نہ رہے گی۔

سبق : انسان پر لازم ہے کہ طریقِ طلب میں جدوجہد کرے اور حصولِ مطلب میں کوشش جاری رکھے۔
مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بے طلب نتواں وصالت یافت آرے کے دہد
دولتِ حج دست جز راہ بیابان بردہ را

ترجمہ : طلب کے بغیر وصالِ یار کہاں ! دولتِ حج بھی نصیب نہیں ہوتی جب تک دور دراز کا سفر نہ طے کیا جائے۔

تفسیر عالمانہ وَالْبُدْنَ منصوب ہے فعل مضمر سے، جس کی تفسیر اس کا مابعد کرتا ہے۔ جیسے والقمر قدرنٰہ میں القمر منصوب ہے فعل مضمر سے۔ البُدن ' البدنۃ کی جمع ہے۔ یہ اس اونٹ ، گائے کو کہا جاتا ہے جنہیں ہدایا وضحایا میں قربان کرنا جائز ہے اور انہیں اس نام سے ان کے بدن کی عظمت کی وجہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔
بحر العلوم میں ہے کہ البُدنہ لغت میں صرف اونٹ کو کہا جاتا ہے اور اس کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے اور شریعت میں اونٹ اور گائے دونوں کو البُدنہ کہتے ہیں ان کے بُدن کی عظمت کی وجہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گائے کو اونٹ کے حکم میں لاحق فرمایا بایں معنیٰ کہ جیسے اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں ایسے ہی گائے میں بھی۔
القاموس میں ہے کہ البُدنۃ (محرکہ) اس اونٹ اور گائے کو اور الاضیحۃ اس بکری، بھیڑ، دنبہ کو کہا جاتا ہے جو حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں قربانی کے لیے بھیجے جائیں وہ نر ہوں یا مادہ۔
اسی لیے کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ وہ اونٹ اور گائے جو قربانی کے لیے مکہ معظمہ کو بھیجے جائیں جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے دین کے علامات سے ہم نے انہیں تمہارے لیے مشروع فرمایا من شعائر اللہ جعلنٰھا لکم کا دوسرا مفعول ہے اور لکم ظرف لغو اور جعلنا کے متعلق ہے اور شعائر کو اللہ کی طرف مضاف کرنے میں اس کی تعظیم مطلوب ہے کیونکہ عظیم الشان کی طرف کسی شئے کو مضاف کرنے سے مضاف کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے : بیت اللہ (ناقۃ اللہ ، روح اللہ ایسے ہی نور اللہ[1] اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے قربانیوں کو ذبح کرنے کو اللہ تعالیٰ کے دین کی نشانیوں سے بنایا ہے لَكُمْ فِيْهَا تمہارے لیے ان قربانیوں میں خَيْرٌ بھلائی ہے یعنی دنیا میں بھی بہت بڑے منافع ہیں اور آخرت میں بھی بہت بڑا اجر نصیب ہوگا۔

فائدہ صوفیانہ اس میں کعبۂ قلب کے سامنے نفس کے جانور کو ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے اور یہ دین کی علامات اور سچے طالبین کی نشانیوں میں سے ہے اور نفس کو صدق کی چھری سے ذبح کرنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں

---

[1] سیدنا محمد نور اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور بھی ایسے ہی ہے جو لوگ ایسے اطلاق کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں وہ اپنے نظریہ پر نظرِ ثانی کریں۔ اویسی غفرلہ

قربان کرنے میں بھلائی ہے ؎

ظاہرش مرگ و باطن زندگی
ظاہرش ابتر نہاں پایندگی

ترجمہ: ظاہراً اسے موت دی جائے تو اسے باطن کی زندگی نصیب ہوتی ہے بظاہر اسے ذلیل و خوار کیا جائے تو باطن میں اسے دوام حاصل ہوتا ہے۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اور ان کے ذبح کے وقت اللہ کو یاد کرو۔ مثلاً کہو اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللھم منك والیك۔ یعنی اے اللہ! یہ تیری عطا تھی اور تیرے قرب کے حصول کے لیے ہم اسے ذبح کر رہے ہیں **صَوَآفَّ** یہ صافۃ کی جمع ہے بمعنے قائمات۔ یہ اس لیے کہ اونٹ کا قیام اس کے ہاتھوں اور پاؤں کی صف بندی کو مستلزم ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ اونٹ بائیں ہاتھ سے بندھے ہوئے ہو کر ہاتھوں اور پیروں سے صف باندھ کر کھڑے ہوئے ہیں۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کیا جائے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ صواف اونٹوں کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جب وہ پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا سنت ہے۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا یہ وجب الحائط و یجب وجبۃ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب دیوار گر پڑے۔

التھذیب میں ہے کہ الوجب بمعنے دیوار کا گرنا وغیرہ۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ جب وہ اونٹ زمین پر گر پڑیں۔ اس سے ان کی موت مراد ہے۔

حضرت کاشفی نے لکھا کہ جب ذبح کردہ جانوروں کے پہلو زمین پر گریں اور ان کی رُوح نکل جائے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا تو تم ان کا گوشت کھاؤ بشرطیکہ وہ جنایۃ و کفارہ اور نذر کی دم نہ ہو جیسا کہ گزرا ہے اور یہ امر اباحۃ کا ہے **وَاَطْعِمُوا** یہ امر وجوب کا ہے یعنی اور ان کا گوشت کھلاؤ **الْقَانِعَ** قناعت پذیر فقیر کو۔ اسے قانع اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہو یا اسے مانگے بغیر جو کچھ دیا جائے اس سے وہ راضی ہوتا ہے **وَالْمُعْتَرَّ** یہ الاعتراد سے مشتق ہے بمعنے سوال کے درپے ہونا۔

قاموس میں ہے کہ المعتر بمعنے وہ فقیر جو بھلائی کے درپے ہو۔ اہل عرب کہتے ہیں:

اعترہ وعررت بك حاجتی۔ وہ اس کے درپے ہوا اور میں نے اپنی حاجت کو تیرے پیچھے لگایا۔

اور العر وہ خارش جو اونٹ کو عارض ہو۔

ف: الکاشفی نے لکھا ہے کہ زاد المسیر میں ہے کہ قانع مکہ معظمہ میں رہنے والے کو اور معتر باہر سے آنے والے

فقیر کو کہتے ہیں۔ كَذٰلِكَ اسی عجیب تسخیر کے جو صواف سے مفہوم ہوتی ہے سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ انہیں ہم نے تمہارے منافع کے لیے مسخر فرمایا ہے تسخیر بمعنے تابع کرنا یعنی باوجودیکہ یہ جانور بڑے جثے اور بہت بڑی طاقت وقوت والے ہیں لیکن تمہارے تابع فرمان ہیں تمہارے حکم سے روگردانی نہیں کرتے جب تم انھیں پکڑتے ہو تو تمہارے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور تم انہیں رسیوں سے باندھ دیتے ہو اور تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ صف آرا ہو کر تمہارے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور تم ان کی گردنوں اور سینوں میں چھرے گھونپ دیتے ہو تو وہ تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تسخیر نہ ہوتی تو تمہارے قابو میں نہ آتے اور نہ ہی ان چھوٹے پرندوں سے عاجز ترین ہوتے جو معمولی جثہ اور تھوڑی قوت والے ہیں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم تقرب و اخلاص کر کے ہمارے انعام کا شکر ادا کرو لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ (شانِ نزول) اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ قربانی کے جانوروں کے خون سے کعبہ معظمہ کو لت پت کرتے کہ اور گوشت کے ٹکڑے بنا کر کعبہ شریف کے ارد گرد رکھ دیتے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے روکا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز نہیں پہنچتے ہاں اس کے ہاں اس کی رضا پہنچتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں لُحُوْمُهَا جانوروں کے گوشت کھائے ہوئے یا صدقہ دیئے ہوئے وَلَا دِمَآؤُهَا اور نہ ذبح کے وقت خون بہائے ہوئے بایں حیثیت کہ وہ گوشت اور خون ہیں وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ لیکن اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس سے بندوں کا فرمانبرداری کا قصد اور اس کی رضاجوئی مراد ہے۔ اس سے حرام اور شُبہ خارج ہو گیا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عمل نیت واخلاص کے بغیر قبول نہیں ہوتا۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ محلِ قبولیت میں محض تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے وہ اس طرح کہ امر خداوندی کی تعظیم اور اچھی قربانی کے ساتھ تقرب ہو۔ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ یہ تکرار تذکیر کے طور ہے اور لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ کی تعلیل ہے یعنی اسی طرح ان چیزوں کو تمہارے لیے اس لیے تابع کیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانو اور سمجھ سکو کہ اس نے تمہیں کیسی قدرت بخشی ہے۔ اس کی کبریائی کا اظہار کرو عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ علیٰ، لتکبروا کے متعلق ہے اس لیے کہ شکر کے معنے کو متضمن ہو اور یہ ما مصدریہ ہے بمعنے علیٰ ھدایۃ ایاکم۔ یہ ما موصولہ ہے بمعنے علیٰ ما ھدٰکم الیہ و ارشدکم یعنی ہدایت کا مطلب یہی ہے کہ اس نے تمہیں جانوروں کو قابو میں رکھنے اور ان کے ذریعے قرب الٰہی کے حصول کا طریقہ بتایا وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ اور محسنین یعنی وہ لوگ جو اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے اجتناب میں مخلص ہیں انھیں بہشت یا قبول طاعات کی خوشخبری سنائیے۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کو خوشخبری ہے جو گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کرتے ہیں اور اس کی رضا اور فضل کے طالب رہتے ہیں انہیں اوامر کی پابندی اور نواہی سے بچنے پر یہی بات ابھارتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر امر کی ادائیگی اور برائی سے بچنے سے دل پر بوجھ محسوس نہیں کرتا۔

ف : آیت میں جمیع افعال حج میں احسان کے معنیٰ پر مضبوطی کرنے کی ترغیب و تحریص کا بیان ہے۔

سبق جو شے رب تعالیٰ کے خزانے کے لائق نہیں اور وہ قلب جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف راغب نہیں اس کے تدارک کے لیے انسان کو عجلت لازم ہے اگر مالدار ہے تو اسے مال کو راہِ حق میں لٹانا ضروری ہے اگر مال نہیں رکھتا تو نفس اور بدن کو۔ بلکہ انسان پر لازم ہے کہ مال و جان دونوں کو بیک وقت راہِ خدا میں خرچ کر دے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہ مال مہمان نوازی میں اور جان نمرود کی آگ میں اور حضرت اسمٰعیل کو قربانی کے لیے اور قلب کو رب رحمٰن کے حضور پیش کر دیا۔ آپ کی ایسی قربانیوں کو دیکھ کر ملائکہ حیران و ششدر رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی سخاوت کے صلہ میں انھیں خلّت کا تاج پہنایا۔

حکایت حجاج بن یوسف (ظالم) کو اہلِ علم نے کہا کہ عید قربان میں چند مناسک ضروری ہیں:

(۱) منیٰ سے مسجد حرام اور عید گاہ کی طرف جانا۔

(۲) طواف اور نمازِ عید پڑھنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ بیت اللہ کا طواف بھی نماز ہے۔

(۳) سنتوں پر عمل کرنا۔ مثلاً سر منڈانا، ناخن کترانا، جملہ بدعات کا ازالہ کرنا اور ہر سنّت کو قائم کرنا۔

(۴) اسی دن قربانی کرنا و دیگر عبادات۔ لیکن بہترین قربانی اپنے آپ کو راہِ حق میں قربان کر دینا اور کعبۂ قلب کو تجلیاتِ رب کے لیے پاک وصاف کرنا اور نفس کو مجاہدہ اور فنا عن الوجود کی چھری سے ذبح کرنا۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرا مکہ مکرمہ کی طرف جانا ہوا راستہ میں دیکھا کہ ایک نوجوان رات کے اندھیرے میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہہ رہا ہے: اے وہ ذات جو طاعات سے خوش ہوتی ہے اور اسے معاصی و جرائم سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ مجھے ان اعمال کی توفیق بخش جو تجھے خوش کریں۔ میرے معاصی و جرائم بخش دے۔ جب لوگوں نے احرام باندھا اور لبیک پکارا تو میں نے اسے کہا کہ اے بھائی! تم لبیک کیوں نہیں پکارتے۔ تو انہوں نے کہا اے شیخ! مجھے اپنے گناہوں سے خطرہ ہے وہ میرے تلبیہ (لبیک پکارنے) سے معاف نہیں ہوں گے، البتہ یہ خوف ہے کہ اگر میں لبیک کہوں اور وہ جواب میں فرمائے لا لبیك و لا سعدیك، اور فرمائے کہ میں تیرا کلام نہیں سنتا اور نہ ہی میں تجھے دیکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور کئی روز مجھے نظر نہ آیا ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ منیٰ میں کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے اے اللہ! مجھے بخش دے، اور لوگ تو قربانیاں کر کے تیرا قرب حاصل کر رہے ہیں میرے پاس کیا ہے جو تیری رلو میں قربان کروں، ہاں یہی جان ہے جو تیرے نام پہ قربان، اسے قبول فرما لے۔ یہ کہہ کر وہ چیخا اور بیہوش ہو کر گرا اور گرتے ہی دم توڑ گیا۔

۱ جان کہ نہ قربانیٔ جانان بود
جیفۂ تن بہتر از آں جان بود

۲ ہر کہ نشد کشتہ بشمشیر دوست
لاشۂ مردار بہ از جان اوست

ترجمہ : ۱۔ وہ جان جو محبوب کے نام پر قربان ہو ایسی جان سے مردار اچھا۔

۲۔ جو دوست کی تلوار سے مذبوح نہ ہوا اس سے بیکار مردار بہتر ہے۔

اور مثنوی میں ہے : ؎

۱ معنیٔ تکبیر اینست اے امیم
کاے خدا پیش تو ما قربان شدیم

۲ وقت ذبح الله اکبر میکنی
ہمچناں در ذبح نفس کشتنی

۳ تن چو اسماعیل و جان شد چوں خلیل
کرد جان تکبیر بر جسم نبیل

۴ کشتہ کشتہ تن ز شہوتہا و آز
شد بسم الله بسمل در نماز

ترجمہ : ۱۔ اے دوست ! تکبیر کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ ! ہم تیرے سامنے قربان۔

۲۔ ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتا ہے ایسے ہی نفس کو ذبح کرتے وقت بھی اللہ اکبر کہہ۔

۳۔ جسم اسماعیل جیسا، روح خلیل جیسی ہو کہ جس نے جان پر تکبیر اور جسم پر چھری چلائی۔

۴۔ نفس کو تمام خواہشات اور حرص سے ذبح کر دے۔ بسم اللہ کہتے ہی نماز میں قربان ہو جا۔

اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (قاعدہ) امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ دفع اگر الیٰ سے متعدی ہو تو وہ اِنَالَۃ کا معنیٰ دیتا ہے۔ جیسے قولہ تعالیٰ :

فادفعوا الیھم اموالھم۔ یعنی ان کے مال انہیں پہنچا دو۔

اگر مِنْ سے متعدی ہو تو حمایۃ کا معنیٰ دیتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ :

ان الله یدافع عن الذین اٰمنوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے ضرر کو اہلِ ایمان سے خوب دفع فرماتا اور ان کی بہت زیادہ مدد کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ خوّان سے وہ خیانتی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی امانت، اوامر ہوں یا نواہی یا دیگر امانات، میں خیانت کرتا ہے۔ کَفُوْرٍ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے بُرے انسانوں کے افعال و اعمال سے ہرگز راضی نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی اعانت فرماتا ہے۔

ف : کفران کا لفظ نعمتوں کے انکار اور ان کی ناشکری میں خصوصاً اور کفر دین کے انکار میں عموماً مستعمل ہے۔ اور

کفور دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور مبالغہ کا صیغہ ان کے بدافعال کے اظہار کے لئے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کے بعض بہت زیادہ خیانتی اور منکر نعمت ہیں اور بعض ان سے کم۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ محبت کی نفی سے بغض کا اثبات ہوتا ہے اور بغض بمعنے نفس کا ایسی شے سے نفرت کرنا جس کے لیے طبائع کو اس میں کسی قسم کی رغبت نہ ہو۔ یعنی محبت کی نقیض، کیونکہ محبت میں نفس کا کسی ایسی شے کی طرف کھنچنا جس میں طبائع کو رغبت ہو۔

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)

حدیث شریف بے شک اللہ تعالیٰ حد سے زائد فحش میں مبتلا ہونے والے سے بغض رکھتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ کے بغض کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مبغوض کو اپنے فیض و احسان سے دُور رکھتا ہے۔

ف: آیت میں تنبیہ ہے کہ انسان خیانت و کفران کے ارتکاب سے اس نہج پر ہوتا ہے کہ اسے توبہ کا موقع نہیں ملتا اس لئے کہ وُہ اپنے اس برے فعل میں انتہائی سرکشی میں ہوتا ہے جب وہ توبہ نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ اس نے محبت والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں اپنے فضل و کرم اور لطف و احسان سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کا بھی یہی مطلب ہے کہ وُہ اپنے محبوب بندے کو اپنے لطف و کرم اور احسان و انعام سے نوازتا ہے اور بندے کی اللہ سے محبت کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اس کے قرب کا طالب رہتا ہے۔

ف: خیانت و منافقت ایک شے ہے کیونکہ خیانت بندے کی بدعہدی اور منافقت دینی خامی کی وجہ سے ہے کبھی دونوں یکجا جمع ہو جاتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خیانت پوشیدہ طور حق کی بدعہدی کرنا اور اس کی نقیض امانت آتی ہے۔ اور کفر بھی خیانت میں داخل ہے کیونکہ کافر نے کفر کر کے تباہ کر ڈالا حالانکہ اس نے نفس (جو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے) تباہی سے بچانا تھا اور یہ تقریر تمام اعضاء و جوارح میں جاری ہوگی۔ کما قال تعالیٰ:

ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئك عنه مسئولا۔

ایسے ہی نماز اور روزہ و دیگر اعمال صالحہ میں بھی۔ مثلاً سرے سے انہیں ادا نہ کرنا یا اس کے شرائط میں سے کسی شرط ظاہری یا باطنی کو پورا نہ کرنا۔ مثلاً غالب ظن ہو کہ صبح صادق ہوگئی ہے تب بھی کھائے جانا، ایسے ہی غروب شمس کا گمان غالب ہو تو روزہ افطار کرنا۔ اسی طرح سحری کھا کر سو جانا اور نمازِ صبح قضا کر دینا۔ یہ تمام صورتیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی خیانت اور ان کے کفران میں داخل ہیں اس لیے کہ مثلاً اس نے سحری تو کھائی اور وہ واقعی نعمتِ الٰہی تھی لیکن پھر فرض نماز ترک کر دی۔ اس کا یہ سودا گھاٹے کا اس لیے ہے کہ اس نے سحری کھا کر سنت پر تو عمل کیا لیکن فرضِ الٰہی کو ترک کر دیا۔

حکایت ایک شخص کے نو درم گم ہو گئے اس نے اعلان کیا کہ جو تلاش کر کے لائے گا اسے دس درم انعام دوں گا۔ کسی نے کہا کہ الٹا ایک درم گھاٹا کیوں۔ اس نے جواب دیا کہ جو لذت گم شدہ مال کے حصول سے حاصل ہوگی وہ ایک درم کے گھاٹے سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔

سبق : بدبخت لوگ نیند سے لذت پاتے ہیں اسی لیے نیند کی لذت سے نمازیں ترک کر دیتے ہیں۔ بعض بدبخت لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہزار نمازیں نیند کی لذت پہ قربان۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

مسئلہ : اشیاء کی بھرتول میں کمی و بیشی کرنا بھی نقضِ عہد میں داخل ہے۔

حکایت ایک شخص پر سکرات طاری تھی اور کہتا تھا : ہائے، آگ کے دو پہاڑ ہیں۔ اس کے متعلقین سے اس کا کاروبار پوچھا گیا کہ تجارتی کاروبار میں دو قسم کے ترازو رکھتا ہے، لینے کا اور، دینے کا اور۔

مسئلہ : خیانت کے لیے حیلہ بنانا بھی خیانت ہے۔

حکایت ایک شخص نے الصاحب بن عباد کو لکھا کہ ایک مرد مرگیا ہے اس کا ترکہ ایک ہزار دینار ہے اس نے اپنی وصیت میں لکھا ہے کہ اس ترکہ میں سے نصف حصہ میری لڑکی کو اور باقی مال بھی اسی کو دیا جائے۔ اس کے خلاف کرنے والے پر لاکھ لعنت ہے[1]

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کا کامل بندہ ہر حال میں خیانت کرنے والوں کی خیانت سے منصور و محفوظ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے راضی نہیں۔ جب اللہ ان سے راضی ہی نہیں تو ان کی کیا مدد کرے گا! اہلِ ایمان سے چونکہ وہ راضی ہے اس لیے ان کی مدد فرماتا ہے۔

دوسری تقریر آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان سے نفس کی خیانت اور خواہشات دفع کرتا ہے۔ ایسی مدافعت کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان سے خیانت اور کفرانِ نعمت کا مادہ مٹا دیتا ہے اس لیے کہ ایسی صفات کے موصوف لوگوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہی نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ بندوں سے محبت و پیار کرتا ہے جو ایسی بری صفات سے مبرا اور خالص و مخلص ہیں۔

سبق آیت میں تنبیہ ہے کہ نفسِ امارہ کی اصلاح کی جائے اور اسے اوصافِ رذیلہ سے پاک و صاف کیا جائے ؎

۱ وجودِ تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد

۲ ہمانا کہ دو نان کردن فراز
دریں شہر کبرست و سود و آز

۳ چو سلطان عنایت کند با بدان
کجا ماند آسائش بخردان

ترجمہ : تیرا وجود ایک شہر ہے اس میں نیک اور بد ہیں تو خود بادشاہ ہے اور تیری عقل تیرا وزیر ہے تیرے شہر میں کبر اور حرص وغیرہ سرکش چور ہیں تو ان سے نرمی نہ کر۔ کیونکہ جب بادشاہ فسادیوں سے نرمی کرے تو اہلِ خرد کو آسائش میسر نہیں ہوتی۔

---

[1] یہ وصیت صحیح ہے اگر لڑکی کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو ۱۲

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿۳۹﴾

پروانگی عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا

وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک

دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ

کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا

وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ

بکثرت نام لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا بے شک

إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۴۰﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ

ضرور اللہ قدرت والا غالب ہے وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں تو نماز برپا رکھیں

وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ

اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور اللہ ہی کے لیے سب کاموں کا

الْأُمُورِ ﴿۴۱﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿۴۲﴾

انجام اور اگر یہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو بیشک ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود

وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿۴۳﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ

اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے اور موسیٰ کی تکذیب ہوئی

فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۴۴﴾ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ

تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی پھر انہیں پکڑا تو کیسا ہوا میرا عذاب اور کتنی ہی بستیاں ہم نے

أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ

کھپادیں کہ وہ ستمگار تھیں تو اب وہ اپنی چھتوں پر ڈھئی پڑی ہیں اور کتنے کنوئیں بیکار پڑے

وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿۴۵﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ

اور کتنے محل گچ کیے ہوئے تو کیا زمین میں نہ چلے کہ ان کے دل ہوں جن سے سمجھیں یا کان

بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى

ہوں جن سے سنیں تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے

الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ

ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں اور یہ تم سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ جھوٹا نہ

اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۚ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۞ وَ كَاَيِّنْ
کرے گا اور بیشک تمہارے رب کے یہاں ایک دن ایسا ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ہزار برس اور کتنی
مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۞
بستیاں کہ ہم نے ان کو ڈھیل دی اس حال پر کہ وہ ستمگار تھیں پھر میں نے انہیں پکڑا اور میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے

ع ۱۰
۱۲

تفسیر عالمانہ

اُذِنَ الاذن بمعنے کسی شے کی اجازت کی خبر دینا اور بتانا کہ اس کو عمل میں لانے کی رخصت ہے۔ اس کا ماذون فیہ (یعنی جس امر کی رخصت واجازت ہے) محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے کی رخصت دی ہے لِلَّذِيْنَ ان اہلِ ایمان کو يُقٰتَلُوْنَ جن سے کفار جنگ کرتے ہیں بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں کیونکہ مشرکین انھیں ایذا دیتے وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ان میں بعض کو چوٹیں آتیں بعض زخمی ہوتے آپ سے عرض کرتے کہ اجازت بخشئے تاکہ ہم ان سے نپٹ لیں آپ انھیں فرماتے صبر کرو اس لیے کہ میں ان سے ابھی جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوا ہوں۔ یہاں تک کہ ہجرت کی تو کفار سے جنگ کرنے کے لیے سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی حالانکہ اس سے پہلے جنگ سے ممانعت کی گئی تھی۔ ستر سے زیادہ آیات قتال ہیں ان میں سے ایک یہی ہے وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے پہلے اہلِ ایمان سے وعدہ فرمایا کہ ان سے کفار کی ایذا کو دور رکھے گا اور انھیں ان کے ظلم وستم سے نجات بخشے گا۔ اب وعدہ فرمایا کہ اہل اسلام کو فتح ونصرت عطا فرمائے گا اور انھیں کفار پر غلبہ دے گا۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لفظ قدرۃ کو جب انسان کی صفت بنایا جائے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے وہ ہیئت جس سے اسے کسی شے کو عمل میں لانا ممکن ہو۔ اور جب اسے اللہ تعالیٰ کی صفت بنایا جائے تو اس سے عجز کی نفی مطلوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی دوسرے کو قدرت مطلقہ سے موصوف کرنا محال ہے اگر غیر اللہ کو اس سے موصوف کیا جاتا ہے تو مجازاً ہے بلکہ غیر اللہ پر قدرت کا اطلاق کیا جائے تو بہتر ہے اسے کسی قید سے مقید کر کے مثلاً کہا جائے قادر علی کذا۔ اور مطلقاً قادر کہا جائے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اس لیے کہ مطلق قدرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نہ کسی وجہ سے عجز کا شکار ضرور ہوتا ہے جیسے اُسے قادر من وجہ کہا جائے گا ایسے ہی اسے عاجز من وجہ بھی ماننا پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ اسے من کل الوجوہ عجز سے منزہ ومقدس ماننا لازمی ہے۔ لقدیر کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنی حکمت کے مقتضیٰ پر جیسے چاہے کر سکتا ہے۔ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوگا، نہ اس سے زاید ہوگا نہ کم۔ اسی معنے پر اسے غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا ؎ تعالی اللہ زہے قیوم و دانا ٭ توانائی دہ ہر ناتوانا

ترجمہ: وہ بلند ذات (اللہ تعالیٰ) کیسی قدیم و دانا ہے وہ ہر عاجز کو قدرت عطا فرماتی ہے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کو مارنا، قتل کرنا ناجائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو تھپڑ مار کر قتل کر دیا تو خود فرمایا: ھٰذا من عمل الشیطان (یہ شیطانی کام ہے)۔ یہ اس لیے فرمایا کہ آپ کو کافروں کو قتل کرنے کا منجانب اللہ اذن نہیں تھا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ نفس کی اصلاح میں اسے قتل کرنا بلا اذنِ الٰہی جائز نہیں یعنی نفس کشی اس طرح چاہیے جیسے شرع کا حکم ہے۔

ف: نفس کشی کا وقت سِن بلوغ کے بعد شروع ہوتا ہے اس سے قبل نفس انسانی اعبائے شرع کو اٹھانے کے لئے تیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ قبل بلوغ انسان غیر مکلّف ہے۔ اس لیے صوفیہ کرام کا اشارہ ہے کہ مجاہدہ افراط و تفریط کے درمیان لازم ہے۔ یعنی اعتدال ضروری ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جونہی محسوس ہو کہ نفس مخالفت شرع سے قلب کو ضرر پہنچاتا ہے تو نفس کی اتنی سرکوبی کی جائے کہ قلب کو اس پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ ایسے ہی جب محسوس ہو کہ نفس اپنی طبیعت پر شہوات و لذّاتِ دنیا میں مشغول ہونا چاہتا ہے تو اسے اس سے باز رکھنے کے لیے اس پر شدّت کی جائے اس لیے کہ نفس کی شہوات و خواہشات پورا کرنے سے قلب پر سیاہی اور قسوۃ اور زنگ لگ جاتا ہے۔ اور نفس بھی چاہتا ہے کہ قلب کی روسیاہی ہو (معاذ اللہ) اس معنے پر لازم ہوا کہ نفس کو صفاتِ ذمیمہ سے باز رکھا جائے۔ اس کی آسان صورت یہی ہے کہ اسے شریعت کے احکام کے تابع رکھا جائے اور اس کی خواہشات کو دبایا جائے اور اسے ذکرِ الٰہی سے مطلیٰ کیا جائے اور اسے جذبہ ارجعی الیٰ ربك راضیۃ مرضیۃ کے قبول کرنے کے لیے مستعد کیا جائے ان امور پر عمل کرنے سے انسان مجاہدہ میں اعتدال پہ رہتا ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس کے اس مکر و فریب سے آگاہ رہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا فرمایا۔ آیت کے آخری حصے میں اشارہ ہے کہ نفس کو اعتدال پر لانا سوائے نصرتِ الٰہی و تائیدِ ایزدی کے مشکل ہے ؎

چو روئے بخدمت نہی بر زمین
خدا شنا گوے و خود را مبین

گر از حق نہ توفیق خیرے رسد
کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

ترجمہ: جب تم اپنا سر خدمت و عبادت کے لیے زمین پر رکھو تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو اور اپنا خیال درمیان میں نہ لاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خیر و بھلائی نہ پہنچے تو بندہ غیر کو خیر و بھلائی نہیں پہنچا سکتا۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ یہ محلاً مجرور ہے اس لیے کہ موصول کی صفت ہے۔

ربط: ابن الشیخ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ان کے مظلوم ہونے کی وجہ سے جنگ کی اجازت بخشی تو بتایا کہ مظلوم

وہ ہیں جو اپنے ملک سے نکالے گئے اور دیارھم سے مکہ معظمہ مراد ہے۔

حلِ لغات بلاد کو دیار سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ انسان کاروبار کرکے گھوم پھر کر اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے: دیار بکر - یہ بکر والوں کے شہروں کو کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی اہلِ عرب جو مکہ معظمہ کے گرد و نواح کے باشی تھے، کہتے تھے نحن من عرب الدار اس سے ان کی مراد عرب البلد ہوتی تھی۔

امام راغب نے فرمایا کہ الدار بمعنے منزل ہے اس لیے کہ اس کے اردگرد دیوار کھینچی جاتی ہے۔ بعض نے کہا اس سے دارۃ مراد ہے جس کی جمع دیار آتی ہے۔ پھر مجازاً شہروں کو دیار کہا جانے لگا۔

بِغَیْرِ حَقٍّ یعنی وُہ اپنے علاقوں سے بلاوجہ نکالے گئے حالانکہ ان کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔

حلِ لغات حَقٌّ مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے حَقَّ یَحِقُّ بالکسر بمعنے وجب اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ - یہ حق سے بدل ہے یعنی بلاوجہ انہیں نکالا۔ ہاں ان کا قصور یہ تھا کہ وہ کہا کرتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ یعنی توحید کے قائل تھے اور ان کا یہ موجب تو ان کے ملک میں استقرار و تمکین کا مستحق تھا نہ یہ کہ الٹا انہیں ان کے ملک سے نکالا گیا۔ اور یہ جملہ اپنے ظاہری معنے پر نہیں بلکہ اس محاورہ سے ہے جسے نابغہ نے اپنے شعر میں کہا ہے: ؎

ولا فیھم غیر ان سیوفھم

بھن فلول من قراع الکتائب

ترجمہ: اور ان میں نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں جنگوں کے میدانوں میں کُند ہیں۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اگر اللہ تعالیٰ کا بعض کے ذریعے بعض سے دفع کرنا نہ ہوتا مثلاً اہلِ اسلام کو کفار پر غلبہ دینا، اور یہ ہر زمانے میں ہوا لَّهُدِّمَتْ الھدم بمعنے اسقاط البناء یعنی عمارت کو گرانا۔ اور یہاں تھدیم محض تکثیر کے معنے میں ہے یعنی خراب اور ویران ہو جاتے بایں طور کہ مشرکین کو مسلط کر دیتا صَوَامِعُ رہبانوں کی عبادت گاہیں وَبِیَعٌ اور نصاریٰ کے گرجے۔ اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔

حلِ لغت : الصوامع، صومعہ کی جمع ہے۔ ہر وہ جگہ جہاں راہب عبادت کریں اور صرف عبادت کے لیے گوشۂ تنہائی اختیار کرنے کے لیے کسی جگہ کو منتخب کرلیں۔

ف : الراغب نے فرمایا کہ صومعہ ہر وُہ تعمیر جو گنبد نما ہو اور اس کی دیواریں گنبد سے چمٹی ہُوئی ہوں، اسی لیے اصمع اسے کہا جاتا ہے جس کے کان سر سے چمٹے ہوئے ہوں۔ اور البیع، بیعۃ کی جمع ہے یعنی نصاریٰ کی عبادت گاہ۔ اور وہ صرف شہر میں بنائیں تاکہ وہاں جمع ہو کر عبادت کریں اور ان کے صوامع بھی ہوتے ہیں لیکن یہ تنہائی کے مقامات پر بنائے جاتے ہیں مثلاً پہاڑوں یا جنگلوں میں۔

امام راغب نے فرمایا کہ نصاریٰ کی عبادت گاہ کو بیعۃ کہا جاتا ہے۔ اس نام سے وہ نصاریٰ موسوم کرتے ہیں جو

خالص عربی ہوتے ہیں۔ اس لیے بیعة بمعنے بیع وشرا ہے۔ عبادۃ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیع وشرا سے تعبیر فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم (الآیۃ)۔

وَصَلَوٰاتٌ یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان میں ان کے راہب نماز یں پڑھتے وہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس نام سے موسوم تھے۔

امام راغب نے فرمایا کہ نماز کی جگہ کو صلوٰۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کو صلوات کہا کرتے۔

بعض نے کہا کہ یہ عبرانی کلمہ ہے جو در اصل "صلوتا" بالثاء المثلثۃ ہے بمعنے المصلّی۔ اسے معرب کر کے "صلوٰۃ" کہا گیا۔

وَمَسٰجِدُ اور اہل اسلام کی عبادت گاہیں۔ اور یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا اصطلاحی لفظ ہے۔

سوال: غیروں کی عبادت گاہوں کا پہلے کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب: وہی وجود مقدم تھیں اس لیے ان کی لفظاً تقدیم موزوں تھی۔ اور اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ کسی شے کے ذکر میں تقدیم بزرگی وعظمت پر دلالت نہیں کرتی۔ جیسے فمنکم کافر ومنکم مؤمن میں کافر کی تقدیم ہے۔

یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا جو کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا ذکر ہو۔ یہ مساجد کی صفت مادحہ ہے اور ذکر الٰہی کو صرف اس سے مخصوص کرنے میں اس کی اور اس کے اہل کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور نیز ہو سکتا ہے کہ یہ ان چاروں عبادت گاہوں کی صفت ہو اس لیے کہ ان کی شرائع کے منسوخ ہونے سے پہلے ان چاروں میں ذکر الٰہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قلوب کو نفوس پر غلبہ نہ بخشتا اور نہ ہی نفوس کے استیلاء کو قلوب سے دفع فرماتا تو ارکانِ شریعت کا صومعہ اور آدابِ طریقت کا بیعہ اور مقاماتِ حقیقت کی عبادت گاہ اور ان کے قلوب کی مساجد جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت ہوتا ہے گرا دی جاتیں اور ذکر کثیر کو ان قلوب میں وسعت حاصل ہوتی ہے جو واسع اور نورِ الٰہی سے منور ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اور بخدا اللہ تعالیٰ انہیں مدد دے گا جو ان کے اولیاء کرام کی مدد کرتے ہیں یا ان کی مدد کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے۔ اس وعدہ کے ایفاء کو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کو صنادید عرب واکاسرۂ عجم اور قیاصرۂ روم پر کیسی شان سے غالب فرما کر ان تمام بڑے بڑے بادشاہوں کے ملک ان غریب مہاجرین وانصار کے قبضہ میں دے دئے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ جس امر کے لیے چاہتا ہے اس پر بہت بڑی قوت رکھتا ہے سب پر غالب ہے نہ اس کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے نہ ہی اس کے

حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور غلبہ سے دین کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

سوال : اگر اہلِ اسلام کا غلبہ منجانب اللہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں غزوات میں شمولیت اور تلوار وغیرہ سے لڑنے اور دیگر تکلیفات و مشقات میں کیوں مبتلا فرمایا؟

جواب : تاکہ اہلِ اسلام کو جنگی آلات کے استعمال کا طریقہ معلوم ہو اور پھر ان کی مہارت و دیگر فنونِ جنگ سے واقف ہو کر دینی دنیوی منافع حاصل کر سکیں۔

۲۔ یہ دنیائے عالم اسباب سے متعلق ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت تو نصیب ہوئی لیکن اسباب و وسائل کے ساتھ۔ تاکہ دنیوی قاعدہ و قانون بحال رہے۔

سوال : اگر واقعی اہلِ اسلام کو فتح و نصرت منجانب اللہ نصیب ہونے کا وعدہ تھا تو پھر انھیں بعض جنگوں میں شکستِ فاش کیوں؟

جواب : یہ دنیا امتحان و آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے اور اگرچہ فتح و نصرت اور غلبہ ایک بہت بڑا مرتبہ ہے اور کفار اس عہدہ جلیلہ کے لائق نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اگر ہر بار کفار کو شکست اور اہلِ ایمان کو فتح و نصرت سے باریاب فرماتا تو پھر کفر و ایمان کی آزمائش کس طرح ہو سکتی۔ اس لیے اس نے کبھی کفار کو اور کبھی اہلِ ایمان کو فتح و نصرت سے نوازا۔ اسی آزمائش کی وجہ سے تو بندوں کو مکلف بنایا گیا ہے اور ان کے لیے جزا و سزا بھی مقرر ہے تاکہ اہلِ نظر ایمان کی باتوں کو دلائل سے سمجھ سکے اور کفر سے دُور بھاگے۔

ف : بعض دفعہ اہلِ ایمان اپنے معاصی کی وجہ سے دُنیا میں دُکھ اور درد میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وُہ ابتلاء اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور کافروں کو دنیا میں گناہوں کی وجہ سے تکالیف میں مبتلا کرنا اس کے گناہوں کا کفارہ نہیں بنتا بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے طاعون کفار کے لیے قہر و غضب اور اہل ایمان کے لیے لطف و کرم ہوتا ہے۔

حکایت حضرت عامر نے حجاج بن یوسف کو دیکھا کہ اس نے ایک غریب مظلوم کو سُولی پہ لٹکایا ہوا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی کہ یا اللہ! تیرا حوصلہ ظالموں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے اور مظلوم کو سخت دُکھ اور درد پہنچا رہا ہے۔ یہ کہہ کر عامر چلے گئے، رات کو خواب میں دیکھتے ہیں کہ قیامت قائم ہو گئی اور وہ بہشت میں داخل ہوئے، دیکھا کہ جس شخص کو حجاج ظالم نے سُولی پہ لٹکایا ہوا ہے وہ اعلیٰ علیین میں نہایت آرام و سکون سے ہے۔ اس کے بعد ایک منادی نے غیبی آواز دی کہ میرا حوصلہ ظالموں کو مہلت دیتا ہے لیکن مظلوموں کو اعلیٰ علیین میں پہنچاتا ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں بدبخت کو نیک بخت سے اور اہل باطل کو حق سے اور وقت کے فرعون کو وقت کے موسیٰ اور وقت کے دجال کو وقت کے عیسیٰ سے مٹایا ہے۔ البتہ اس کے حکم میں دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اسم اعظم بکند کار خود اے دل خوش باش　　کہ بتلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ: اسم اعظم تو اپنا کام کرتا ہے تمہیں خوشی ہونی چاہیے لیکن تلبیس وحیلوں سے دیو سلیمان نہیں بن سکتے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ بادشاہ تلواروں سے جنگ کرتے ہیں اور اولیاء اللہ نگاہوں سے۔ اسی لیے مشہور ہے جب مسلمان بادشاہ جنگ کے معاملہ میں حق پر ہو اور اس کا مدِ مقابل باطل پرست، تو غیب سے رجال غیب حق والے کی مدد کرتے ہیں۔ اگر مسلمان بادشاہ حق پر نہ ہو تو پھر غیبی امداد نہیں پہنچتی۔

ف: امت محمدیہ کے متعلق توراۃ میں مکتوب تھا کہ ان کے سینوں میں قرآن ہوگا اس لیے وہ لوگ جب بھی جنگ پر جائیں گے تو ان کی مدد کے لیے جبریل علیہ السلام حاضر ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام حق پر ہوں تو ان کی جنگ میں جبریل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ تاقیامت جاری رہے گا۔ بلکہ یوں کہو کہ اگر حق پر ہو تو صرف ایک بندہ ہزاروں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت حافظؒ نے فرمایا: ؎

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہان بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ: جس تلوار کو اللہ تعالیٰ کی مدد نصیب ہو تو وہ سپاہی کے بکھیڑے بغیر ہی جہان پر غلبہ پا سکتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ للذین اخرجوا من دیارھم کے موصوفین کی وہ صفت بیان کی جا رہی ہے جو انہیں آیندہ نصیب ہوگی۔ مثلاً انہیں زمین پر ملکی غلبہ دینا یعنی ان کی حسنِ سیرت کے پیشِ نظر انہیں ملکوں کا بادشاہ بنانا۔ یعنی وہ لوگ جنہیں ہم زمین کا مالک بنائیں یا **اَقَامُوا الصَّلٰوةَ** انہوں نے نماز قایم کی صرف میری تعظیم کی خاطر۔

قاعدہ: امام راغب نے لکھا ہے کہ جہاں اللہ تعالےٰ نے نمازیوں کی مدح کے طور نماز کا ذکر فرمایا ہے تو وہاں اقامت الصلٰوۃ بیان فرمایا ہے اور جہاں منافقین کا ذکر فرمایا ہے وہاں مصلّین وغیرہ کا لفظ فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا فویلٌ للمصلین۔

سوال: اہلِ مدح کے لیے اقامۃ الصلوٰۃ کے لفظ سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس اطلاق سے اس کے جملہ حقوق کی ادائیگی اور اس کی شرائط مراد ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے اس کی اصلی ہیئت سے پڑھا جائے اسی لیے اہلِ حق فرماتے ہیں کہ نمازی تو بہت ہیں لیکن حقوق کی پابندی کے ساتھ اسے ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور وہ میرے بندوں کی امداد کے ارادہ سے زکوٰۃ دیں **وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ** معروف ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جو شرعاً و عرفاً اچھا ہو **وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ** المنکر وہ عمل جسے اہلِ علم اور اہل عقل سلیم قبیح سمجھے۔

امام راغب نے فرمایا کہ ہر وہ فعل جس کا حسن عقل و شرع سے مشہور و معلوم ہو اسے معروف کہا جاتا ہے اور منکر

وہ فعل جو عقل وشرع میں اچھا نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں قلوب منصورہ کے اوصاف کی طرف اشارہ ہے کہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ زمین بشریہ پر قوت و طاقت بخشے تو وہ مواصلات پر مداومت کرتی ہیں اور احوال کی زکوٰۃ دیتی ہیں۔ احوال کی زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے دو سو نفوس میں سے ایک سو ننانوے نفوس اپنے کام میں لگاتے ہیں تو ایک باقی اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے خلقِ خدا پر صرف کرتے ہیں جیسے مالدار اپنے دو سو دراہم میں سے پانچ دراہم اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرتا ہے وہ امر بالمعروف کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے حکم کی مخالفت سے نفس کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ اپنے ہر سانس پر قابو رکھتا ہے تاکہ یادِ الٰہی کے بغیر نہ گزرے۔ اور برائی سے روکتا ہے یعنی ریا و اعجاب و مساکنہ و ملاحظہ جیسی گندی بیماریوں سے اجتناب کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں جملہ امور کے نیک انجام۔ کیونکہ جملہ امور کا مرجع اس کے حکم و تقدیر کی طرف ہے اس لیے کہ جیسے وہ چاہتا ہے ویسے ہی امور کا انجام ہوتا ہے ؎

این دولت فقر و یا و ہو میخواہد
وان گلشن و حوض و آب جو میخواہد
از حق ہر کس حال نکو می خواہد
آنست سرانجام کہ او میخواہد

ترجمہ: یہ دولت فقر و یا و ہو چاہتی ہے اور وہ گلشن اور حوض اور نہر کا پانی چاہتا ہے ہر کس حق تعالیٰ سے اچھا انجام چاہتا ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو وہ خود چاہتا ہے۔

علاماتِ قیامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ علاماتِ قیامت یہ ہیں:

(۱) نمازیں ضائع کی جائیں گی۔

(۲) شہوات کا اتباع ہوگا۔

(۳) خواہشات نفسانی کی طرف طبیعت راغب ہوگی۔

(۴) حکام خیانتی ہوں گے۔

(۵) وزراء فاسق ہوں گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے اور عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا یہ امور واقعی عالم دنیا میں ہوں گے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمان! ہوں گے اور ضرور ہوں گے۔ بلکہ اس وقت مومن کا دل ایسے

پگھلے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے اور وہ بیچارہ اتنا عاجز اور کمزور ہوگا کہ ان گندے امور کو روک نہیں سکے گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس سے مشوش ہو کر کہنے لگے، واقعی ایسے ہوگا؟ غیب پر نظر رکھنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمان! ایسے ہوگا اور ضرور ہوگا، بلکہ اس وقت تو مومن عوام کی نظروں میں ذلیل ترین انسان ہوگا۔ اگر وہ بیچارہ ان کے معاملات میں مداخلت یا ان کی مخالفت کرے گا تو وہ اسے جان سے مار دینے کے درپے ہوں گے۔ اگر خاموش رہے گا تو غصہ و غضب میں خود مرنے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا سایہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، وہ کون سا بادشاہ ہے جس کے سامنے گردنیں جھک جائیں اور اس کی عظمت کے سامنے سو جان قربان ہوں۔
آپ نے فرمایا: وہ بادشاہ جسے ظل اللہ (اللہ کا سایہ) کا لقب ملا ہے۔ وہ نیکی کرتا ہے تو اسے اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے۔ تمہیں ایسے بادشاہ کا زمانہ میسر آئے تو شکرِ الٰہی بجا لاؤ۔ اگر بادشاہ برائی کا ارتکاب کرے تو تم صبر کرو اور اس کا گناہ اس کے سر۔

حدیث شریف

(حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)
ایک لمحہ عدل و انصاف کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

شاہ را بود از طاعت صد سالہ و زہد
قدر یک ساعت عمرے کہ در و داد کند

ترجمہ: بادشاہ کی وہی صد سالہ عبادت و طاعت ہے جو زندگی میں ایک لمحہ عدل و انصاف کرے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ بقومی کہ نیکی پسندد خدائے
دہد خسرو عادل نیک رائے

۲ چو خواہد کہ ویران کند عالمی
کند ملک در پنجۂ ظالمی

۳ نخواہی کہ نفرین کنند از پست
نکو باش تا بد نگوید کست

۴ نخفتست مظلوم از آہش بترس
ز دود دل صبحگاہش بترس

۵ نترسی کہ پاک اندرونی شبی
برآرد ز سوز جگر یا ربی

۶ نمی ترسی اے گرگ ناقص خرد
کہ روزے پلنگیت برہم درد

۷ الا تا بغفلت نخسپی کہ نوم
حرامست بر چشم سالار قوم

۸ غم زیردستاں بخور زینہار
بترس از زبردستیٔ روزگار

ترجمہ :۱۔جس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ بھلائی پسند کرتا ہے تو اسے نیک اور عادل بادشاہ بخشتا ہے۔
۲۔جب جہان کو ویران کرنا چاہتا ہے تو ملک ظالم کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔
۳۔اگر نہیں چاہتا کہ تیرے بعد برائی ہو تو اچھا ہوتا کہ تجھے کوئی بھی بُرا نہ کہے۔
۴۔مظلوم سوتا نہیں، اس کی آہ سے ڈر۔ بلکہ اس کی صبح کی گرم آہ کے دھوئیں سے باخطرہ۔
۵۔تو نہیں ڈرتا اس پاک دل سے کہ اگر وہ کسی رات سوزِ جگر سے آہ کھینچے اور عرض کرے کہ اے پروردگار۔
۶۔اے ناقص عقل بھیڑیے! تُو ڈرتا نہیں کہ ایک دن تجھے چیتا پھاڑ کھائے گا۔
۷۔خبردار! غفلت سے نہ سو کیونکہ سالارِ قوم پر نیند حرام ہے۔
۸۔عاجزوں کا غم کھا، زمانہ کے غلبہ سے ڈر۔

نکتہ ازدشیر نے کہا کہ سلطنت عوام کے وجود سے کمال کو پہنچتی ہے اور لوگ مال سے زینت پاتے ہیں اور مال تعمیر سے عروج پاتا ہے اور تعمیر اور سیاست عدل سے رونق پاتی ہے۔ بعض نے کہا سیاست ریاست کی بنیاد ہے۔

وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡكَ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو کیا ہے۔ مضارع کا صیغہ جملہ شرطیہ میں تکذیب کے تحقق کی وجہ سے ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہو کیونکہ آپ کی تکذیب سے آپ کے مغموم و محزون ہونے کا امکان تھا اس لیے قبل از وقت آپ کو تسلی دلائی گئی۔ یعنی اگر آپ اپنی قوم کی تکذیب سے محزون و مغموم ہوں تو یہ آپ کے لائق نہیں فَقَدۡ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوۡدُ وَقَوۡمُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ وَّاَصۡحٰبُ مَدۡيَنَ تو آپ سے پہلی قوموں نے تکذیب کی۔ یعنی قومِ نوح نے نوح علیہ السلام کی، قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی، ثمود نے صالح علیہ السلام کی، قومِ ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کی، قومِ لوط نے لوط علیہ السلام کی اور اصحابِ مدین نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی۔

ف : مدین اور شعیب ابراہیم کے بیٹے تھے۔ پھر مدین ایک بستی کا نام پڑ گیا۔
وَكُذِّبَ مُوسٰى اور موسیٰ علیہ السلام جھٹلائے گئے۔ جھٹلانے والے قبطی تھے اور وہ اس تکذیب پر مرتے دم تک ڈٹے رہے۔
سوال : قبطیوں کی طرح بنی اسرائیل نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ چنانچہ ان کا انکار لن نؤمن لك حتی نری الله جهرة (اے موسیٰ! ہم آپ کو ہرگز نہیں مانتے یہاں تک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا دیکھیں) تھا۔ پھر تم نے صرف قبطیوں کی تخصیص کیوں کی؟
جواب : واقعی انہوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بار بار کی لیکن اس پر وہ مداومت نہیں رکھتے تھے بلکہ تکذیب کے بعد معجزہ دیکھ کر تائب ہوجاتے اور پھر مرنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے نیازمندی کا ثبوت پیش کرتے۔
سوال : پہلی قوموں کے برعکس موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متعلق عبارت کو کیوں متغیر کیا گیا۔ یعنی ان کے لیے صیغہ فعل ماضی معلوم اور ان کے لیے فعل مجہول، اس کی کیا وجہ ہے؟
جواب : چونکہ سابقہ قوموں کی تکذیب سخت اور نہایت قبیح تھی اور وہ معجزات دیکھنے کے باوجود انکار سے باز نہ آتے بخلاف
فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ پس میں نے کافروں کو ایک میعاد تک مہلت بخشی ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ پھر میں نے ان کی گرفت کی۔ یعنی مدتِ مقررہ گزرنے کے بعد پھر میں نے ہر تکذیب کرنے والی قوم کو عذاب میں مبتلا کیا کسی کو طوفان سے تباہ کیا کوئی آندھی سے، کوئی چنگھاڑ سے تباہ ہوئے۔ کوئی مچھروں سے، کوئی خسف سے اور کوئی پتھروں سے مارے گئے۔ کوئی یوم الظلہ سے برباد ہوئے، کوئی دریا میں غرق ہوئے وغیرہ۔ (کذا فی بحر العلوم)
ف : امام راغب نے فرمایا کہ الاخذ بمعنے وضع الشئی و تحصیله۔ وہ کبھی تناول سے ہوتا ہے مثلاً فرمایا معاذ الله ان ناخذ الامن وجدنا متاعنا عنده۔ اور کبھی قہر سے، اس کی مثال آیت ہذا ہے۔
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ پھر میرا انکار کیسا رہا۔ مثلاً ان کی نعمتوں کو دکھ درد اور تکالیف سے اور ان کی حیاۃ کو تباہی و بربادی سے اور ان کی آبادی کو ویرانی سے تبدیل کیا غرضیکہ ان کے معاملات نہایت ہی ہولناک صورتوں میں بدل گئے۔ یہ استفہام تقریری ہے خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کو حسب وعدہ فتح و نصرت نصیب ہوئی اور پھر انہوں نے آرام و سکون سے زندگی بسر فرمائی۔ آپ بھی صبر کیجئے آپ کے دشمن تباہ و برباد ہوں گے پھر آپ بھی آرام و سکون سے وقت گزاریں گے۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ حضرت مولانا عارف جامی قدس سرہٗ نے شرح کافیہ میں لکھا ہے کہ کاین کا لفظ کنایہ کا ہے اور وہ مبنی ہے کیونکہ جب ایٌّ پر کاف تشبیہ کا داخل ہوا تو اگرچہ لفظ ای معرب تھا لیکن دو اجزاء کے یک جز ہونے پر افرادی معنے میں داخل ہو کر مجموع مفرد ہوگیا بمعنے کم خبریہ کے، اس طرح وہ اسم مبنی ہوتا ہے جس کا آخر ساکن ہو جیسے اسم مَنْ، اس کا آخر مبنی علی السکون ہے۔ یہ تنوین تمکن کا نہیں اس لیے یاء کے بعد نون کو صاف طور

لکھا جاتا ہے حالانکہ تنوین کی اپنی کوئی شکل وصورت نہیں ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بہت سے دیہات اور شہر ہیں ۔ یہ مبتدأ ہے ۔ اَهْلَكْنٰهَا یہ مبتدا کی خبر ہے وَهِيَ ظَالِمَةٌ یہ جملہ حالیہ ہے اس کا ذوالحال اھلکنٰھا میں ہے اور اس سے بستی والوں کا ظلم مراد ہے اور ان کے ظلم کفر ومعاصی تھے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کے ظلم سے متقدس ہونے کا بیان ہے ۔ چنانچہ واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلاوجہ تباہ وبرباد نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے کفر ومعاصی کا ارتکاب کیا تو انہیں تباہ وبرباد کیا گیا ۔ فَهِيَ خَاوِيَةٌ اس کا عطف اھلکنٰھا پر ہے ھی کا مرجع القریہ ہے ۔ اس سے اس کی دیواروں کا انہدام مراد ہے ۔

حلِ لغات : الخواء بمعنے السقوط ۔ خوی النجم سے ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ستارا گرے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اس بستی کی دیواریں گرنے والی ہیں عَلٰی عُرُوْشِهَا اپنی چھتوں پر ۔ یعنی ان بستیوں کی بنیادیں بیکار ہو جائیں گی ، چھتیں گریں گی ان کے اوپر ان کی دیواریں گر پڑیں گی ۔ العروش بمعنے السقوف ۔ کیونکہ قاعدہ ہے جو شے بھی سر کے اوپر ہو اسے عرش کہا جاتا ہے وہ چھت ہو یا کوئی درخت یا کسی دیگر شے کا سایہ ۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اہلِ ظلم کے قلوب کی بربادی وویرانی کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ظلم ظالمین کے وطن کی خرابی وبربادی کا موجب ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے اس کی راحت کا سرچشمہ یعنی دل برباد ہوتا ہے اور وحشت وہ ہے جو ظلمۃ پر غلبہ رکھتی ہے ۔ اس لیے کہ ظلمت سینے کی تنگی اور برے اخلاق اور مظلوموں پر غیظ وغضب سے پیدا ہوتی ہے اور یہ جملہ امور وطن کی راحت کے اجاڑنے کے اسباب ہیں اور درحقیقت یہی امور ظالم کے ظلم کی سزائیں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے ارادہ پر ہے کبھی کسی ظالم کو فوراً سزا دیتا ہے اور کسی کو دیر سے ۔ اور صوفیہ کے نزدیک نفوس کے ظلم کی علامت یہ ہے کہ ان کی شامت کے اثرات سے عبادت میں جی نہیں لگتا ۔ کما قال :

فھی خاویۃ علیٰ عروشھا ۔

اور قلوب کے ویران وبرباد ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ غفلت کے نشہ میں ڈوب جائیں بالخصوص نماز کے اوقات اور خلوات کی گھڑیوں میں تو غفلت ان پر بادلوں کی طرح چھا جاتی ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ البئر دراصل اس گڑھے کو کہا جاتا ہے جس کے اوپر کا حصہ ڈھانپا جائے تاکہ اس سے گزرنے والا اس میں گر نہ جائے اور معطلہ ' عطلت المرأۃ و تعطلت سے ہے ۔ یہ اس عورت کے لیے بولتے ہیں جو زیور پہنے ہوئے نہ ہو اسے عاطل بھی کہا جاتا ہے ۔ دراصل التعطیل بمعنے التفریغ ہے یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو اپنے گمان پر یہ سمجھے کہ اس نے شے کو خالی کر لیا ۔ اس کا عطف قریہ پر ہے یعنی کتنے وہ آباد کنویں جو بستیوں میں ہر وقت پانی سے لبریز رہتے تھے اور پانی نکالنے کے آلات ہر وقت جن پر موجود رہتے تھے اب ویران پڑے ہیں کیونکہ ان سے پانی نکالنے والے نیست ونابود ہو گئے ہیں ۔ یوں ان کا ویران ہونا لازمی امر تھا وَ قَصْرٍ یہ قصرت سے ہے بمعنے ضممت بعضہ الیٰ بعض یعنی میں نے اس کے بعض کو بعض سے ملایا ۔ اور قصر (محل ، بلڈنگ) کو اس لیے قصر

کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ القاموس میں القصر خلاف الطول کا معنی لکھا ہے ایسے ہی القصر خلاف المد کو بھی کہا جاتا ہے اور بمعنے المنزل، اور ہر وہ گھر جو پتھروں سے تیار کیا جائے اسے بھی القصر کہتے ہیں اور ایک علاقے کا علم ہے جو ستاون مواضعات پر مشتمل مدینہ طیبہ کے مابین واقع ہے اور بمعنے قریہ وحصن بھی آیا ہے۔ عالم دنیا کے عجائبات میں بہرام گور کا محل تھا جو صرف ایک پتھر سے تیار کیا گیا اور ہمدان کے قرب میں واقع تھا۔ **مَّشِيۡدٍ** وہ مکان جو شید سے تیار کیا گیا ہو۔ مطلب یہ کہ ہم نے اسے مقیموں سے خالی کر دیا۔ اہل عرب شید 'جص کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ مشید بمعنے مطول و مرفوع البنیان ہے (کذا فی المفردات) مثلاً کہا جاتا ہے:

شید قواعدہ بمعنے احکمھا۔ یعنی اسے جص سے مضبوط بنایا گیا۔ اور جص بمعنے گچ۔

القاموس میں ہے کہ شاد الحائط ویشیدہ بمعنے طلاہ بالشید یعنی ہر وہ مکان جس کی دیواروں پر گچ وغیرہ لگایا جائے اور المشید وہ مکان جو گچ وغیرہ سے تیار کیا جائے۔

کنوئیں والوں کا قصہ مروی ہے کہ اسی کنوئیں پر صالح علیہ السلام اُترے اور چار ہزار نفوس آپ کے اُمتی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کی اُمت پر عذاب نازل ہوا۔ تو آپ اور آپ کے مذکورہ بالا اُمتی نجات پا کر اسی کنویں کے قریب آباد ہوئے۔ اسی مقام کو حضرموت بھی کہا جاتا ہے۔

حضرموت کی وجہ تسمیہ : چونکہ یہاں حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے اس لیے حضر کہا گیا۔ یہاں آپ پر موت طاری ہوئی۔ یہ دراصل حضر ہامات ہے۔ کثرتِ استعمال سے حضرموت ہو گیا ہے۔

(بقایا قصہ) کنویں کے گرد ایک شہر تھا جسے "حاضورا" کہا جاتا۔ اسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بنوایا تھا۔ اس کا امیر (حاکم) جلیس بن جلاس مقرر ہوا۔ عرصہ دراز تک آباد رہے۔ ایک مدت کے بعد کافر ہو کر بت پرستی اختیار کر لی۔ ان کی اصلاح کے لیے حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا، انہوں نے اپنے نبی حنظلہ کو بازار میں شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان پر ناراضگی ہوئی تو انہیں تباہ و برباد کر دیا، اس کے بعد کنواں اور محلات بھی ویران ہو گئے۔

کنوئیں کی دُوسری داستان امام سہیلی نے فرمایا کہ اس سے رس والوں کا کنواں مراد ہے۔ وہ عدن میں تھا اور اس کے ساتھ ثمود کے بقایا لوگ آباد تھے ان کا بادشاہ العلس نامی عادل اور نیک سیرت تھا اور کنویں سے تمام شہر اور گرد و نواح کی آبادیاں سیراب ہوتی تھیں اور جملہ جانور (یعنی بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گائیں وغیرہ بھی اسی سے پانی پیتے تھے۔ اس سے مختلف طریقوں سے پانی کی چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا دی گئیں۔ اور اس سے پانی نکالنے اور مختلف نالیوں میں پہنچانے کے لیے کثیر التعداد نوکر، ملازم مقرر تھے۔ اس کے پانی کو پہلے سنگِ مرمر کے ایک بڑے حوض میں جمع کیا جاتا۔ ہر ایک جنس کے لیے علیحدہ علیحدہ چھوٹے چھوٹے حوض بنائے گئے۔ یعنی انسانوں کے لیے علیحدہ، مانوس جانوروں کے لیے علیحدہ اور وحشی جانوروں کے لیے علیحدہ۔ اس کنویں کے کاروبار میں خوب گہما گہمی،

رہتی تھی۔ شہریوں اور اس شہر کے گرد و نواح کے لوگوں کو سوائے اس کنوئیں کے اور کہیں سے پانی نہیں ملتا تھا۔ اس لیے اس سے پانی لینے کے لیے ہر قبیلے کے لیے باری مقرر تھی۔ بادشاہ مذکور عدل و انصاف سے چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے طویل عمر بخشی آخر اسے موت نے آلیا۔ چونکہ ملک کی تباہی کا خطرہ تھا اس لیے سنجیدہ لوگوں نے اس کے جسم پر تیل مل دیا تاکہ جسم متغیر نہ ہو۔ ان کی عادت تھی کہ محترم و معظم شخصیت کی میت کو تیل مل دیتے تھے۔ اس عادل بادشاہ کی رحلت ان کے لیے معمولی سانحہ نہ تھا۔ ملک کی تباہی کا خطرہ تھا اس لیے بادشاہ کی موت سے انھیں سخت صدمہ پہنچا اور دھاڑیں مار مار کر روئے۔ ان کی اس کیفیت سے شیطان نے موقعہ غنیمت جانا اور بادشاہ کی لاش میں گھس گیا۔ چند روز خاموش رہنے کے بعد بول پڑا اور کہنے لگا: اے میری رعایا! میں مرا نہیں ہوں صرف چند روز کے لیے تم سے جُدا ہو گیا ہوں تاکہ معلوم کروں کہ تم میرے بعد کیا کرتے ہو۔ رعایا اپنے محبوب و عادل بادشاہ کی باتوں سے بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد شیطان نے نیا ڈھنگ اختیار کیا اور بادشاہ کے خواص کو کہا کہ میرے اور رعایا کے درمیان پردہ لٹکا دو اور آج کے بعد ہر شخص میرے ساتھ پردہ کی اوٹ میں گفتگو کرے۔ یہ اس لیے کیا تاکہ لوگ جسم کی خرابی کو دیکھ کر اسے مُردہ تصور کر کے اس کے کلام سے شک میں نہ پڑ جائیں۔ اور ساتھ ہی اس لاش کے ساتھ پردہ کی اوٹ میں ایک بُت کھڑا کرا دیا اور کہا کہ اب وہ نہ کھائے گا نہ پیئے گا اور نہ ہی مرے گا بلکہ وہی تمہارا معبود ہے۔ یہ تمام کارروائی شیطان خود کرتا رہا اور رعایا نے کلام بادشاہ کے منہ سے سُنی۔ ان آخری جملوں کی تصدیق اکثر لوگوں نے کی لیکن اہل ایمان نے انکار کر دیا۔ چونکہ اسے ماننے والے بکثرت تھے اور انکاری (مومن) بہت تھوڑے۔ اس لیے ان منکرین (سچے مومنوں) پر مظالم ڈھائے گئے جس سے وہ بیچارے بادلِ نخواستہ مان گئے۔ لیکن رب تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا کہ ان میں ایک نبی بنایا جن کا نام حضرت حنظلہ بن صفوان (علیہ السلام) تھا۔ ان پر صرف خواب میں وحی نازل ہوتی۔ انہوں نے بت پرستوں سے فرمایا کہ یہ بولنے والا بُت ہے اس کے اندر شیطان بولتا ہے وہی تمہیں گمراہ کر رہا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی شکل و صورت میں متمثل نہیں ہوتا اور نہ ہی تمہارا بادشاہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک ہو سکتا ہے۔ جونہی حضرت حنظلہؓ نے انہیں وعظ فرمایا تو وہ بت پرست آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ پہلے تو انہوں نے آپ کو ڈرایا دھمکایا اور وعظ و نصیحت کرنے سے روکا، پھر طرح طرح کی ایذائیں دیں لیکن حضرت حنظلہ نے حق کا پیغام سنانے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ ان بدبختوں نے آپ کو شہید کر ڈالا اور آپ کی لاش کو اس کنویں میں پھینک دی۔

نبی علیہ السلام سے گستاخی کا انجام جونہی ان بدبختوں نے اپنے نبی علیہ السلام کو شہید کر کے کنویں میں پھینکا ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ رات کو کنویں کے پانی سے سیر ہو کر سوئے صبح اُٹھ کر دیکھا کہ کنویں کا پانی زمین میں دھنس گیا، اب پانی کے بغیر پیاسے مرنے لگے یہاں تک کہ مرد، عورتیں، بچے پانی کی پیاس سے چیختے چلاتے مر گئے اور جانوروں کو پانی نہ ملا وہ بھی تڑپ تڑپ کر مرتے گئے۔ یہاں تک کہ اس علاقہ کے لوگ ایک ایک کر کے مر گئے۔ اب وہاں درندوں اور جنگلی جانوروں کا بسیرا ہو گیا ان کے مکانوں اور محلوں میں لومڑیاں اور گیدڑ بسنے لگے۔

ان کے باغوں میں خاردار درخت پیدا ہوگئے۔ اب وہاں سے جنوں اور درندوں کی آوازیں آتی تھیں (نعوذ باللہ من سطواتہ ومن الاصرار علیٰ ما یوجب نقماتہ)

قصرِ مشید کا قصہ اس محل عالیشان کو شداد بن عامر بن ارم نے بنایا اور ایسی شان والا محل عالم دنیا میں اور نہیں تھا۔ پھر اس کی حالت بھی وہی ہوگئی جو اوپر کنویں والوں کے انجام میں بیان کی گئی ہے۔ بلکہ اس کا حال اس سے زبوں تر تھا کہ میلوں تک اس کے اردگرد کسی کے جانے کا امکان نہ رہا جبکہ جنات اور دیگر ڈراونی آوازیں دور دور تک سنائی دیتی تھیں۔ یہ اس کی قدرت ہے کہ نعمتوں سے مالامال کر کے اور عیش وعشرت سے بھرپور فرما کر ویران و برباد کر دیتا ہے۔

سبق وہ ملک اور ملک والوں کو تاگے میں موتیوں کی طرح پرو دیتا ہے۔ پھر توڑتا ہے تو نام و نشان تک مٹا دیتا ہے آیت ہذا میں اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کو نصیحت و تذکیر فرمائی ہے تاکہ اس کی نافرمانی سے بچیں اور انجام برباد سے احتراز کریں۔

حضرت حنظلہ علیہ السلام کی نبوت کی دوسری وجہ حضرت کاشفی نے لکھا کہ تیسیر میں ہے کہ ایک کافر بادشاہ نے مسلمان وزیر پر ظلم کیا تو وہ مسلمان وزیر چار ہزار افراد اہلِ ایمان کو ساتھ لے کر حضرموت کے پہاڑ کے دامن میں چھپ گیا۔ جہاں انہوں نے رہنا سہنا اختیار فرمایا خوشنما مقام تھا لیکن کنواں کھودا تو اس کا پانی کڑوا نکلا۔ غیب سے آواز آئی کہ فلاں جگہ پر کنواں کھودو۔ چنانچہ وہاں پر کنواں کھودا گیا تو پانی نہایت میٹھا اور لذیذ نکلا ؎

درزہ چوں شیرۂ شاخ نبات
در خوشی ہمشیرۂ آبِ حیات

ترجمہ: لذت اور مزے میں کھانڈ اور مصری کی طرح تھا اور آب حیات کی طرح فرحت بخش تھا۔

غیبی نعمت سمجھ کر کنویں کو خوب سنگارا گیا کہ اوپر کے حصے کو زر و سیم کی اینٹوں سے پختہ بنایا گیا اور نعمتِ حق کے شکریہ میں عبادت و طاعتِ الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ عرصۂ دراز کے بعد شیطان ایک نیک بخت بڑھیا کی شکل میں نمودار ہوا اور ان کی عورتوں سے کہا کہ شوہر نہ ہونے کی صورت میں جماع کے بجائے انگلیوں سے گزارہ کریں۔ پھر ایک مدت کے بعد ایک عابد و زاہد کی صورت میں ان کے مردوں کے پاس آیا اور کہا کہ عورتوں کی ازدواجی صورت کے عدمِ حصول پر جانوروں سے وطی کریں۔ ان بدبختوں کو شیطان کی شرارت پسند آگئی اور مذکورہ بالا قبیح فعل کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حنظلہ بن صفوان کو نبی بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے حضرت حنظلہ علیہ السلام کی نصیحت کو قبول نہ کیا اور بدستور اس فعل قبیح کا ارتکاب کرتے رہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوئی تو سب سے پہلے ان کے لیے اس کنویں کا پانی بند ہوگیا۔ جب یہ کیفیت انہوں نے دیکھی تو پیغمبر

کے ہاں توبہ کی اور وعدہ کیا کہ پھر ایسی غلطی نہیں کریں گے۔ پیغمبر علیہ السلام نے دُعا مانگی تو کنوئیں میں پانی پھر جاری ہوگیا۔ لیکن وعدہ خلافی کے بعد وہ پھر بُرے افعال کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ انہیں فرمادو کہ سات سال سات ماہ سات دن کے بعد انہیں عذاب میں مبتلا کروں گا۔ انہوں نے بجائے عذابِ الٰہی سے ڈرنے کے ایک بہت بڑا محل تعمیر کیا جس کی اینٹیں زر وسیم کی تھیں اور یواقیت وجواہر سے اسے مرصّع کیا۔ جونہی وعدۂ عذابِ الٰہی آپہنچا تو سب کے سب محل کے اندر گھس گئے اور باہر سے سب دروازے بند کردئے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور محل مذکور کو زمین میں دھنسا دیا اور اسی کنوئیں سے تاحال بدبُو آتی ہے اور اس کے اردگرد سے تباہ شدہ لوگوں کی چیخ وپکار کی آواز سنائی دیتی ہے ؎

۱ نہ ہرگز شنیدم دریں عمر خویش
کہ بدمرد را نیکی آمد بہ پیش

۲ رطب ناورد چوب خرزہرہ بار
چہ تخم افگنی بر ہمان چشم دار

۳ غم وشادمانی نماند ولیک
جزاے عمل ماند ونام نیک

ترجمہ: ۱۔ میں نے زندگی بھر نہیں سنا کہ بُرے کو بھلائی نصیب ہو۔
۲۔ کنیر سے کبھی کھجور کا میوہ نہیں ملتا۔ جیسا بیج ڈالو گے ویسا پھل ملے گا۔
۳۔ غم اور خوشی ہمیشہ نہیں رہتی۔ ہاں عمل کی جزا اور نیک نامی باقی رہتی ہے۔

تفسیرِ عالمانہ

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا کیا غفلت کے نشے میں ہیں، انہیں تو سیر کرنی چاہیے فِی الْاَرْضِ زمین پر۔ یعنی یمن وشام میں پھر کر تباہ شدگان کے مقامات کو دیکھیں فَتَکُوْنَ لَھُمْ بسبب مشاہدہ کے ان عبرت گاہوں کے انہیں حاصل ہوں۔ استفہام کے جواب کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ جملہ بظاہر مثبت ہے لیکن معنًی منفی ہے قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَا قلوب جن کے ذریعہ وہ سمجھیں یعنی انہیں وہ اسباب حاصل ہوں جن کی بدولت وہ توحید کو سمجھ سکیں اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا یا انہیں کان حاصل ہوں جن کے ذریعے وہ سُنیں۔ یعنی انہیں ایسے اسباب میسر آجائیں جن کی وجہ سے امم مہلکہ کے وہ حالات سُنیں جو ان علاقوں کے لوگوں میں مشہور رہیں کیونکہ علاقہ والے لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔

سوال: کفارِ مکہ ومشرکینِ عرب تو بارہا ان علاقوں سے گزرے اور بارہا ان کے حالات سنے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دیکھنے اور سننے کی نفی فرمائی ہے۔

جواب: چونکہ انہوں نے اس دیکھنے اور سننے سے عبرت حاصل نہیں کی تھی اس لیے ان سے دیکھنے اور سننے کی نفی کی گئی ہے۔

اس معنے پر یہ استفہام انکاری ہے فَاِنَّهَا یہ ضمیر قصہ کی ہے لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ان کے مشاعر (حس) میں خلل نہیں بلکہ خلل ان کی عقول میں ہے کہ اتباع ہوائے نفس اور انہماک فی الغفلۃ کی وجہ سے ان کی عقلوں پر قفل پڑ گئے ہیں۔ یعنی ان کی دیکھنے والی آنکھیں اندھی نہیں ہیں وہ تو ہر شے دیکھ رہی ہیں۔ ان کے قلوب عبرت پکڑنے سے اندھے ہو چکے ہیں، وہ قلوب جو ان کے سینوں میں ہیں۔ اندھے بایں معنیٰ کہ گزشتہ لوگوں کے حالات و واقعات سے عبرت نہیں پکڑتے۔ یا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ ان کی ظاہری آنکھیں دل کی آنکھوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور عمیٰ کا اطلاق ظاہری آنکھ اور دل کی بینائی کے فقدان پر ہوتا ہے اور فی الصدور کے اضافہ سے تاکید مطلوب ہے یا مجازی معنے کو دُور کرنے کے لیے ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اندھا پن محض آنکھ سے مخصوص ہے بلکہ اس کا تعلق دل سے بھی ہے۔

ہر انسان کی چار آنکھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے چار آنکھیں عطا کی ہیں۔ دو سر میں جن سے دنیوی امور دیکھے جاتے ہیں اور دو دل میں، جن سے دینی امور دیکھے جاتے ہیں اور اکثر لوگ انہی دل کی آنکھوں سے محروم ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں دینی امور کا کوئی علم نہیں۔

ف

۱ دل بکشا بین بے انتظار
ہر طرف آیاتِ قدرت آشکار

۲ چشمِ سر جز پوست خود چیزے ندید
چشمِ سر در مغز ہر چیزے رسید

ترجمہ: دل کی آنکھ کھول کر دیکھ، ہر طرف آیاتِ قدرت ظاہر ہیں۔ سر کی آنکھ میں سوائے گوشت پوست کے اور کیا ہے۔ لیکن اس میں ہر شے کا مغز ہے۔

فائدہ صوفیانہ حقایق البقلی میں ہے کہ جہال اشیاء کو انہی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے قلوب ان حقایق اشیا سے محجوب ہیں جو کہ وہ انوار ذات وصفات کے تابع ہیں اور ان کے دل کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے غشاوۂ غفلت اور غطائے شہوت سے اندھی بنا دی ہیں۔

سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قلب کی بصر کا تھوڑا سا نور خواہشات وشہوات غالب ہو جاتا ہے جب دل کی آنکھ بند ہو جاتی ہے تو شہوت کا غلبہ اور غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے انسان غلبۂ شہوت کے بعد عموماً معاصی وجرائم میں منہمک اور حق کا نافرمان رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ عقل حقیقی دل کی صفائی کے بعد نصیب ہوتی ہے اور دل صفائی حواس کے اندھے پن اور بہرے پن کی درستی کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے قلب کو سمع وبصر سے موصوف کیا جاسکتا ہے ایسے ہی زندگی کے ہر وصف سے اسے موصوف کرنا جائز ہوگا۔ اس معنے پر قلب کے لیے جملہ ادراکات کا ماننا لازم ہے۔ جیسے قلوب نورِ یقین سے دیکھتے ہیں ایسے ہی مشام سر سے نسیمِ اقبال کو سُونگھتی ہیں جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن۔ میں رحمٰن کی خوشبوئیں سے سُونگھتا ہُوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کو خبر دی کہ:

انی لاجد ریح یوسف۔ بیشک میں یوسف کی خوشبو سُونگھتا ہوں۔

ان کا یہ ادراک سرائر سے تھا ظاہری ہوا کو سُونگھنے سے نہیں تھا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وُہ تصفیۂ باطن اور تجلیۂ قلب اور اس سے پردہ ہٹانے کی کوشش کرے اور یہ صرف ذکرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔

ف: حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اور کوئی زیادہ کلام نہ کرو۔ اس لیے کہ کثرتِ کلامی سے دل زنگ آلود ہوجاتا ہے اور زنگ آلود قلب اللہ تعالیٰ سے دُور ہوجاتا ہے اور تم اسے نہیں جانتے۔

ف: حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو مخلوق کی باتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی باتوں سے مانوس نہیں ہوتا اس کے عمل قلیل ہوجاتے ہیں اور جس کے عمل قلیل ہوجاتے ہیں اس کا دل اندھا اور عمر ضائع ہوجاتی ہے۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)
ہر شے کا مصقلہ ہے اور دل کا مصقلہ ذکرِ الٰہی ہے۔

رُوحانی نسخے حضرت ابو عبداللہ انطاکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دل کا علاج پانچ چیزوں میں ہے:

(۱) نیک لوگوں کی صحبت
(۲) قرأت القرآن
(۳) پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا۔
(۴) قیام اللیل
(۵) سحر کے وقت آہ و بکا۔

(کذا فی تنبیہ الغافلین)

تفسیر عالمانہ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ (شانِ نزول) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کہتے آپ جس عذاب کی ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں وہ لائیے، ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ ان کے جواب میں یہی آیت نازل ہوئی کہ آپ سے کفارِ مکہ عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔ ان سے ابن حارث اور اس کے ساتھی مراد ہیں کیونکہ وہ بطور استہزاء اور تعجیز کے کہتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں ان کی عدمِ تصدیق کی طرف اشارہ ہے کما قال تعالیٰ: يستعجل بها الذين لا يؤمنون بها۔ عذاب کی عجلت وہی کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ اگر وہ ایمان دار ہوتے تو عذاب طلب نہ کرتے بلکہ وہ نبی علیہ السلام کے ہر قول کی تصدیق کرتے اور پھر آپ سے کسی شے کو جلد لانے کی طلب نہ کرتے۔ استعجال بمعنے طلب الشئ وتحريه قبل اوانه۔ وقت سے پہلے شے کا مطالبہ اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔ اور ان کے عذاب کے مطالبہ سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ فرما چکا ہے کہ کفار کو ضرور عذاب میں مبتلا کرے گا۔ چنانچہ اس کا ایفاء یومِ بدر میں ہوا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اہلِ ایمان کے ساتھ وعدۂ الٰہی کے خلاف محال ہے البتہ ان سے وعید کا خلاف کرے تو اس کا عین کرم ہے اس لیے کہ اہلِ ایمان کے حق میں رحمتِ الٰہی غضب حق پر غلبہ رکھتی ہے نیز ان سے مغفرت کا بھی وعدہ فرمایا ہے کما قال:

ان اللہ لا يغفر ان يشرك به و يغفر مادون ذٰلك لمن يشاء۔

اور فرمایا:

ان اللہ يغفر الذنوب جميعًا۔

ف: یحییٰ بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی بہتر توجیہ فرماتے تھے۔ وہ فرماتے کہ وعد و وعید دونوں حق ہیں اس لیے کہ وعدۂ الٰہی بندوں کا حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم لگایا ہے کہ جب وہ حکمِ الٰہی بجالائیں تو انہیں فلاں فلاں احسان وکرم سے نوازا جائے گا۔ جب بندہ وہ حکم بجالاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدۂ کریمہ کے مطابق اس بندے کو احسان وکرم سے نوازتا ہے اس لیے کہ یہ ایفاء جب اس کے بندوں سے لزوماً صادر ہوتا ہے تو ان کے آقا سے صادر ہونا تو اور اولیٰ ہے اور وعید اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ مثلاً انہیں فرمایا:

لا تفعلوا كذا۔ اے میرے بندو یوں نہ کرنا ورنہ تمہیں عذاب میں مبتلا کردوں گا۔ اگر وہ حکم عدولی کریں تو پھر

اللہ تعالیٰ کی مرضی، چاہے انہیں معاف کر دے چاہے عذاب میں مبتلا کر دے کیونکہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور اس کے لیے ایسے امور میں عفو و کرم اولیٰ ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ حضرت سری موصلی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اذا وعد السراء انجز وعدہٗ

وان اوعد الضراء فالعفو مانعہ

ترجمہ: جب رحمت کا وعدہ فرماتا ہے تو اس کا ایفا کرتا ہے۔ اگر کسی کو اپنے عذاب سے ڈراتا ہے تو عفو و کرم اس کو مانع ہوتا ہے۔

کذا فی شرح العضد للجلال الدوانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان فرمایا ہے کہ کفار کو عالم دنیا میں عذاب میں مبتلا کرنے کے علاوہ آخرت میں انہیں بہت سخت اور دائمی عذاب ہوگا۔ چنانچہ آخرت کی ایک معمولی کیفیت یوں بیان فرمائی۔

تفسیر عالمانہ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ یعنی کفار کے عذاب کا ایک دن كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ تمہارے دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔

ف: یوم (دن) کی ساعات کے چند مراتب ہیں۔ اس کے ادنیٰ مرتبہ کو آن کہا جاتا ہے۔ اور آن ہر وہ گھڑی جس پر زمان کا اطلاق ہو سکے۔ اسی سے ہی آگے کے مراتب بڑھتے ہیں (مثلاً سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، پہر وغیرہ) اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا:

کل یوم ھو فی شان۔

اسے یوں سمجھئے کہ شانِ الٰہی ادوارِ زمان میں بمنزلہ روح کے ہے کہ اسی سے ہی ادوارِ زمان گردش کر رہے ہیں اور شانِ الٰہی کی کیفیت ادوارِ زمان میں ایسے ہے جیسے روح جسم کے ذرّے ذرّے میں جاری و ساری ہے اور قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور آخرت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔

ف: یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور آپ کے ان ساتھیوں کو، جو آپ پر ایمان لائے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار عذاب چاہتے کیوں ہیں جبکہ ان کے عذاب کے ایام میں سے صرف ایک یوم کی درازی ایک ہزار سال کی ہے۔

ف: وہ درازی یا تو حقیقۃً ہوگی یا اس کی شدۃ اور سختی کی وجہ سے انہیں دراز کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ سختی اور شدۃ کے ایام طویل محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ اہلِ عرب کے ہاں مقولہ مشہور ہے:

لیل الفراق طویل وایام الوصل قصار۔

یعنی فراق کی راتیں لمبی اور وصال کے دن چھوٹے ہوتے ہیں۔

نیزوہ فرماتے ہیں :

سنة الوصل سنة و سنة الهجر سنة۔

یعنی وصال کی گھڑیاں آنکھ جھپکنے سے پہلے گزرجاتی ہیں اور ہجرو فراق کی ایک گھڑی سال کے برابر محسوس ہوتی ہے ؎

ویوم لا اراك كالف سنة

وشهر لا اراك كالف عام

ترجمہ : تیرا ایک دن کا فراق ہزار برس معلوم ہوتا ہے اور ایک مہینہ کا فراق تو ہمارے لیے تو ہزاروں برس کے برابر ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

آندم کہ با تو باشم یک سالہ ہست روزے
و آندم کہ بے تو باشم یک لحظہ ہست سالے

ترجمہ : جب تیرا وصال نصیب ہوتا ہے تو ایک سال ایک دن کی طرح گزرجاتا ہے اور جب تیرے فراق میں ہوتا ہوں تو میرا ایک لحظہ سال کا ہوجاتا ہے۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ وان یوما الخ کا تعلق ولن یخلف الخ سے ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وعدۂ الٰہی لازماً پورا ہو کر رہے گا اگرچہ اس کے ایفاء میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن چونکہ وہ حکیم وصبور ہے اس لیے کفار کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کا ایک دن ہزار برس کا ہے اس لیے اسے حلم ووقار کی وجہ سے کافروں کے عذاب میں دیر لگتی ہے۔

ف : مدت کی طوالت اور کمی صرف مخاطبین کی وجہ سے ہے ورنہ اس کے ہاں مدت کی کمی بیشی برابر ہے۔ ہزار برس اور ایک دن اس کے لیے الآن کما کان کے حکم میں داخل ہے کیونکہ زمانہ کی کثرت وقلت اور درازی وکمی اس کے لیے نہ مفید ہے نہ نقصان دہ، اس لیے کہ وہاں نہ صبح ہے نہ مساء (نہ دن اور نہ رات)۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزار سال اور ایک دن برابر ہے کیونکہ اس پر زمانے کا اجراء نہیں ہوتا۔ اس کے کثرت وقلت اور وجود وعدم برابر ہیں۔ بنا بریں جب وہ چاہے کسی کو عذاب دے، زود یا بدیر۔ اور اجراء حکم میں جلدی اور دیر حائل نہیں ؎

تا در نرسد وعدۂ ہر کار گہ ہست
ہرچند کنی جہد بجائے نرسد

ترجمہ: جب تک وعدۂ حق کے مطابق کام کا وقت نہ آئے تمہاری جدوجہد اس کے حصول کے لیے کارگر نہ ہوگی۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ وعدۂ الٰہی لازماً ایفا ہوگا۔ ہاں اس کے مہلت دینے سے مغرور نہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت شدید ہے۔ اس کے عذاب کو برداشت کرنے کی کس کو طاقت ہے! بلکہ بندے پر لازم ہے کہ وہ اس کی رضا کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔ یعنی اس کے اوامر پر عمل کرے اور نواہی سے اجتناب۔ اور اس پر لازم ہے کہ نہ دین سے استہزاء کرے اور نہ اہلِ دین سے۔ احکامِ الٰہی اور اس کے وعدہ وعید کو ہر وقت مدِّنظر رکھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اقوال میں سچا اور اپنے افعال میں حکیم ہے۔ بندے پر واجب ہے کہ اس کے اوامر و نواہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اور بہت سے علاقہ کے لوگوں کو اَمْلَيْتُ لَهَا عذاب موخر کر کے مہلت دی، جیسے کفارِ مکّہ کو مہلت دے رکھی ہے وَهِيَ ظَالِمَةٌ حالانکہ وہ لوگ ظالم تھے اور عذاب کے مستحق تھے۔ ان کے لیے تو یہ چاہیے تھا کہ انہیں فوراً تباہ کر دیا جاتا، جیسے انہی مکّہ والوں کا حال ہے ثُمَّ اَخَذْتُهَا بہت بڑی مدّت کے بعد میں نے ان کی گرفت کی، وہ اس وقت جب انہوں نے معاصی وجرائم سے توبہ نہ کی۔ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ اور میرے حکم کے مطابق تمام بنی آدم وغیرہ کو لوٹنا ہے، کسی دوسرے کے ہاں ان کی حاضری نہیں ہوگی اب انہیں مہلت دی جارہی ہے کہ وہ جو جی چاہے کریں۔

ف: آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مہلت دینا بھی حکمت ہے۔ وہ اپنی مرضی سے مہلت دیتا ہے اسے کوئی مجبور نہیں کرتا۔ ظالم کو مہلت دیتا ہے اور ظلم کرنے کے لیے اس کی رسّی دراز کرتا ہے۔ اس سے ظالم یہ سمجھتا ہے کہ اس کا فعل اچھا ہے۔ یہ محض اس کا گمان ہوتا ہے ورنہ جب اللہ تعالیٰ گرفت کرتا ہے تو نہ دیر لگاتا ہے اور نہ ظالم کو اس کی خبر دیتا ہے۔ جب ظالم کی گرفت ہوتی ہے تو اس وقت اسے ندامت ہوتی ہے۔ لیکن اس سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی حیلہ اور سبب سے اسے عذابِ الٰہی سے نجات مل سکتی ہے کیونکہ تدبیر کو تقدیر فنا کر دیتی ہے اور سب کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے لیکن ظالم کی بدقسمتی کہ اسے ظلم کی شامت نے گرفتار کر کے بارگاہِ حق میں پہنچایا اب گرفت پر اسے چیخنا چلانا بے سُود ہے بلکہ اسے اس گرفت پر اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیے نہ وہ ظلم کرتا نہ اسے گرفت ہوتی۔ حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

تو بتقصیر خود افتادی ازیں در محروم
از کہ می نالی و فریاد چرا می داری

ترجمہ: تو اپنی کوتاہی سے اس دروازہ سے خود محروم ہوا ہے پھر روتا کیوں ہے اور فریاد کیوں کرتا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

تم فرما دو کہ اے لوگو میں تو یہی تمہارے لیے صریح ڈر سنانے والا ہوں تو جو ایمان لائے اور اچھے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا

کام کیے ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی اور وہ جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ہار

مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ

جیت کے ارادہ سے وہ جہنمی ہیں اور ہم نے تم سے پہلے جتنے

رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ

رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے انکے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف

اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

تاکہ شیطان کے ڈالے ہوئے کو فتنہ کر دے ان کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور

وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ

جن کے دل سخت ہیں اور بیشک ستمگار دُھر کے جھگڑالو ہیں اور اس لیے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ

کہ جان لیں وہ جن کو علم ملا ہے کہ وہ تمہارے رب کے پاس سے حق ہے تو اس پر ایمان لائیں تو جھک جائیں اس

قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ

کے لیے ان کے دل اور بے شک اللہ ایمان والوں کو سیدھی راہ چلانے والا ہے اور کافر اس سے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ

ہمیشہ شک میں رہیں گے یہاں تک کہ ان پر قیامت آجائے اچانک یا ان پر ایسے دن کا عذاب آئے جس کا پھل ان کے

عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

لیے کچھ اچھا نہ ہو بادشاہی اس دن اللہ ہی کی ہے وہ ان میں فیصلہ کر دے گا تو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

اور اچھے کام کیے وہ چین کے باغوں میں ہیں اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾

ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے

تفسیر عالمانہ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ فرمائیے اے لوگو! بیشک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں یعنی میرے ہاں رب تعالیٰ سے جو وحی اُتری ہے اس میں امم سابقہ کے حالات میں تمہیں اس وحی کے حکم سے ڈراتا ہوں اس میں میرا ذاتی طور پر کسی قسم کا دخل نہیں اور نہ ہی میں تمہارے مطالبے پر جلد تر عذاب لا سکتا ہوں۔

سوال: یہاں انذار پر اکتفا کیوں، حالاں کہ اس کے بعد دونوں فریقوں یعنی مسلم و کافر کا ذکر ہے۔

جواب: اس کلام کا حقیقی روئے سخن مشرکین میں صرف اُنھیں کو عذاب کی خبر سنانا مطلوب ہے۔ پھر اہلِ اسلام اور ان کی نعمتوں کا بیان آیا ہے تو اس میں کافروں پر غیظ و غضب اور ان کے دُکھ درد میں اضافہ مقصود ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انذار اہلِ نسیان کو ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کو فرمائیے کہ ظاہر صورت میں مَیں تمہارے جیسا ہُوں لیکن سیرت کے اعتبار سے نہیں۔ میں نیکی والوں کا بشیر (خوشخبری سنانے والا) اور بُرائی والوں کا نذیر (ڈر سنانے والا) ہُوں۔ میں براہینِ ایزدی سے تائید دیا گیا ہُوں اور تمہیں طاعت و احسان کے لیے امر اور فجور و عصیان سے بچنے کا حکم فرماتا ہُوں۔

تفسیر عالمانہ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ پس وہ جو مومن اور نیک عمل والے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے یعنی ان کے گناہوں سے تجاوز کیا جائے گا وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ اور رزق کریم یعنی جنۃ النعیم نصیب ہو گی۔ یا رنج و منت کے بغیر انہیں رزق نصیب ہو گا۔

ف: الکریم وہ ہے جو ہر طرح کے فضائل کا جامع ہو۔

وَ الَّذِیْنَ سَعَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے عجلت کے ساتھ جدوجہد کی فِیْۤ اٰیٰتِنَا ہماری آیات میں۔ یعنی ان کے رد اور باطل کرنے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے اور انہیں جادو و شعر و دیگر افترآت کی طرف منسوب کرنے میں۔ مُعٰجِزِیْنَ درانحالیکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا مقابلہ کرتے اور ایسے عوارض کھڑے کرتے کہ کسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سنانے میں عاجز ہو جائیں یا ان کا گمان تھا کہ اللہ عاجز ہے اور ہم پر کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتا یا وہ ہمارے ساتھ معاندت رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم پر سبقت کر جائیں گے۔ یہ عاجز فلاں فلانا سے ہے بمعنے سابقہ۔ جیسے عجزہ بمعنے سبقہ۔ حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ درانحالیکہ وہ اپنے کمال کو ہم پر آگے لانے والے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے۔

اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ وہی دوزخی ہیں۔ یعنی جلتی ہُوئی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جحیم دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہر کہ بر شمع خدا آرد تفو

شمع کے میرد بسوزد پوز او

۴ کے شود دریا زپوز سگ نجس

کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ : ۱۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی شمع پر تھوک پھینکتا ہے اس سے شمع تو نہیں بجھے گی بلکہ اس کی اپنی داڑھی جل جائے گی۔

۲۔ کتے کی تھوک سے دریا پلید نہیں ہوگا اور نہ ہی سورج پھونک مارنے سے بے نور ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو بھی اہلِ آیات اولیاء اللہ سے عناد رکھتا ہے وہ دوزخی ہے یعنی جو شخص بھی اللہ والوں کی ولایت کو رد کرتا اور ان سے بغض رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتا ہے اور جحیم آخرت کی نارِ جہنم کو کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا دل انکار از اولیاء سے پھیر دیتا ہے اور اسے توبہ و استغفار کی توفیق بخشتا ہے۔

حکایت وکرامت بشر حافی حکایت مشہور ہے کہ ایک شخص صوفیہ کرام سے بغض و عداوت رکھتا تھا اور وہ خود کہتا ہے کہ اسی بغض و عداوت میں میں نے ایک دن بشر حافی قدس سرہٗ کو دیکھا کہ وہ نمازِ جمعہ کے لیے تشریف لائے۔ بعد فراغت بازار سے روٹی، بھنا ہوا گوشت اور حلوا خرید کر بغداد سے باہر نکل گئے میری بدگمانی اور بڑھ گئی اور خیال آیا کہ جب یہ زاہد ہے تو پھر اسے ایسی لذیذ اشیاء کی کیا ضرورت! میں ان کے پیچھے ہو لیا تاکہ دیکھوں کہ وہ ان اشیائے خوردنی کو کیا کرتے ہیں میرا غالب گمان یہی تھا کہ جنگل میں اوجھل ہو کر خود کھائیں گے لیکن وہ ان اشیاء کو اٹھائے عصر تک چلتے رہے بالآخر ایک مسجد میں گھس گئے میں بھی ان کے پیچھے تھا۔ جب میں مسجد میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک بیمار پڑا ہے اور وہ لذیذ اشیاء اس کے سامنے پڑی ہیں اور وہ کھا رہا ہے۔ میں اس کے بعد مسجد سے باہر نکلا تاکہ دیکھوں کہ بشر حافی کہاں چلے گئے۔ میں نے مریض سے بشر حافی کا پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ تو واپس بغداد چلے گئے ہیں۔ میں نے پوچھا یہاں سے بغداد کا کتنا فاصلہ ہے؟ مریض نے کہا: چالیس فرسخ (یعنی ایک سو بیس میل)۔ میں نے اتنا فاصلہ سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ میرے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ میں کرایہ کی سواری سے بغداد پہنچ سکتا۔ پیدل چل کر بھی اتنی مسافت طے کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ آئندہ جمعہ تک مجھے انتظار کرنا پڑا۔ حسبِ دستور حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے اور مریض کے لیے اشیاءِ خوردنی بھی لائے۔ مریض نے کہا: اے ابونصر (بشر حافی قدس سرہٗ کی کنیت ہے) اس شخص کو اس کے گھر پہنچا دیجیے۔ انھوں نے غضبناک آنکھوں سے میری طرف دیکھا، فرمایا: میرے ساتھ کیوں چل پڑا تھا؟ میں نے عرض کی، خطا ہو گئی معاف فرما دیجئے۔ مجھے گھر پہنچا کر فرمایا کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔ میں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنے گھر کا اثاثہ اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور اولیاء کرام کی صحبت و خدمت میں رہنے لگا۔

ف : حکایت مذکورہ بالا سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے :

(۱) کرامات الاولیاء حق

(۲) جہاں عقل کی دال نہ گلے وہاں ایسے امور میں عقل کو دخیل بنانا اور انکار کرنا جہالت ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی وارثِ کامل کی طرف رجوع کرنے سے قبولیتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کلیدِ گنجِ سعادت قبولِ اہلِ دلست

مبادا کس کہ درین نکتہ شک و ریب کند

ترجمہ: سعادت کے خزانے کی چابی اللہ والوں کے ہاں قبول ہونے میں ہے خدا کرے ایسے معاملہ میں کوئی بھی شک و شبہ نہ کرے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اہلِ ارشاد سے استمداد حصولِ مقصد کے لیے اگرچہ ایک اچھا عمل ہے ان کے ساتھ تو محض حسنِ اعتقاد ہی بہت سی مشکلات کو آسان بنا دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔ وہی مفتح الابواب اور ہادی الیٰ سبیل الصواب ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ عارفین کاملین سے انکار قلّتِ فہم اور فقدانِ عقل ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے علوم مبنی بر کشف و عیان ہیں اور ان کے غیروں کے علوم خواطر فکریہ و اذہان کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کا ابتدائی طریقہ تقویٰ و عمل صالح ہوتا ہے اور ان کے غیروں کا ابتدائی طریقہ مطالعۂ کتب و استمداد از مخلوق پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں کے علوم کا انتہا حضرت حق و قیوم کے شہود تک واصل ہوتا ہے اور ان کے غیروں کے علوم کی نہایت اور غرض و غایت تحصیل الوظائف والمناصب، اور وہ دنیوی مطالب جن کو دوام نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بہتر طریقہ وہی ہے جو ائمہ و اولیاء و صلحاء کا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اور آپ سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول بھیجا نہ نبی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی میں فرق ہے۔ رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ تبلیغِ رسالت کے لیے اور ان مصالح دارین کے بیان کے لیے مخلوق کی طرف بھیجے جن سے عقول قاصر ہوں۔ اس میں کبھی کتاب کی شرط لگائی جاتی ہے۔ اور نبی اعم ہے اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے جبکہ آپ سے پوچھا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کتنے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ پھر سوال ہوا کہ ان میں رسل کرام کتنے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ۔

ف: ایک روایت میں انبیاء علیہم السلام کی گنتی دو لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ قہستانی نے فرمایا کہ رسول وہ ہے جو تبلیغِ احکام کے لیے مبعوث ہو وہ انسان ہو یا فرشتہ۔ اور نبی صرف انسانوں سے مخصوص ہے۔

ف : کاشفی مرحوم نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ بعض تفاسیر میں قصۂ القاء الشیطان وامنیۃ پیغمبر کو ایسے طریقہ سے بیان کیا گیا ہے جو اہلِ تحقیق کو بالکل ناپسند ہے۔ تاویلات علم الہدیٰ وتیسیر و دیگر کتب معتبرہ جیسے معتمد فی المعتقد و ذروۃ الاحباب مصنف کو تا قیامت انوار جمال سے اللہ تعالیٰ نوازے۔ ہم اس طریق سے نقل کرتے ہیں جو اہلِ سنت کے مذہب کے موافق ہے۔

القاء الشیطان کی توجیہ مروی ہے کہ جب سورۃ والنجم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو حضور سرورِ عالم علیہ وسلم انھیں مسجد حرام میں مجمع قریش کے سامنے تلاوت فرمایا ہر آیت پر وقفہ کے ساتھ، تاکہ سامعین سن کر اس پر غور وفکر کریں اور یاد بھی کر سکیں۔ چنانچہ آپ نے افرءیتم اللات والعزّی ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ پر توقف فرمایا تو شیطان نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یُوں پڑھا تلك الغرانیق العلی وعن شفاعتھن لترتجیٰ۔ یعنی یہ بُت بہت بڑے بلند قدر یا وہ ایسے پرندے ہیں جن کی پرواز بلند ہے اور ان کی شفاعت کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ کفّار ومشرکین نے سُنا تو بہت شاداں وفرحاں ہُوئے اور ان کا گمان تھا کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے ہیں اور انہوں نے شکر کیا کہ آج آپ نے بتوں کی تعریف کر ہی ڈالی۔ آخر سورۃ مذکورہ (والنجم) پر جب آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سجدہ کیا تو کفار ومشرکین بھی شکرانہ کے طور پر سجدہ ریز ہوئے۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صورتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ حضور اکرم کو اس سے سخت غم لاحق ہوا اور بہت پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے یہی آیت نازل فرمائی کہ وما ارسلنا من رسول الخ۔

اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰیٓ مگر جب وہ پڑھتے تھے۔

حلِ لغات القاموس میں تمنی الکتاب بمعنے قرأہ ہے۔
امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: التمنی بمعنے تقدیر شئ فی النفس وتصویرھا کسی شے کو نفس میں مقدر اور مصور کرنا۔ الامنیۃ بمعنے وہ صورت جو نفس میں حاصل ہو۔ تمنی الشئ سے ہے۔ قرآن مجید میں ہے ومنہم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی یعنی ان کی تلاوت معرفت سے خالی تھی کیونکہ جو تلاوت معرفتِ معنیٰ سے خالی ہو وُہ پڑھنے والے کے لیے محض ایک خیال ہے جو ایک تخمینہ پر مبنی ہے۔

اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ تو شیطان اس کی قرأت میں ڈالتا ہے۔ جیسا کہ امام راغب وغیرہ نے تفسیر کی ہے۔ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ تلاوت کے وقت شیطان جو چاہتا ہے کرتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے وقت کیا تھا کہ ابیض نامی شیطان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز کے مشابہ آواز بنا کر مذکورہ بالا الفاظ پڑھ دیئے جنہیں کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سمجھا تھا **فَيَنْسَخُ اللّٰهُ** تو اللہ تعالیٰ مٹاتا اور زائل کرتا ہے یہاں پر نسخ سے شرعی معنیٰ مراد نہیں بلکہ لغوی معنیٰ مراد ہے کیونکہ شرعی معنیٰ احکام شرعیہ میں استعمال ہوتا ہے۔

مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ وہ کفریہ کلمات جو شیطان ڈالتا ہے ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ پھر ثابت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اٰيٰتِهٖ اپنی وہ آیات جو انبیاء علیہم السلام نے پڑھیں۔ یہاں تک کہ کسی کو ان کے مٹانے کی ہمت نہیں ہوتی وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ اپنی وحی اور شیطان کے القاء کو جانتا ہے حَكِيْمٌ ان میں جسے مضبوط رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کے مضبوط رکھنے میں حکمت کا مالک ہے تاکہ متزلزل فی الایمان اور ثابت علی الایمان کا امتیاز ہو۔

سوال: اگر اس قسم کا القاء شیطانی تسلیم کیا جائے تو پھر احوال انبیاء علیہم السلام میں اشتباہ واقع ہوگا کہ سننے والے کو کیا معلوم کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی تلاوت حقیقی ہے یا شیطانی القاء ہے۔

جواب: (۱) مخلص مومن خود اس میں امتیاز کریں گے کیونکہ القائے شیطانی مبنی بر بطلان ہوگا جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ میں شیطان نے اصنام کی تعریف میں بکواس کی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے فوراً سمجھ لیا کہ بتوں کی ایسی تعریف نبوت سے محال ہے۔

(۲) بفرض تسلیم نسخ و احکام و ایقاف کا قانون اسی لیے وضع کیا گیا ہے کہ ناقابل امر بعد کو منسوخ ہو جاتا ہے اگرچہ چند لمحات کے بعد۔ یوں اشتباہ کی جڑ کٹ جائے گی۔

(۳) دراصل اس قسم کا القائے شیطانی اہلِ ایمان کے لیے بمنزلہ امتحان کے ہوتا ہے جس سے کامیابی کے لیے تمام نقاب اُٹھ جاتے ہیں اور تردد کے بعد راہِ صواب نصیب ہو جاتی ہے۔

لِيَجْعَلَ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو القاء کی قدرت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی نہیں دی بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے۔ محض اس لیے تاکہ بنائے مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً شیطانی القاء کو آزمائش اور امتحان لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض یعنی شک اور منافقت ہے اس لیے کہ قلبی مرض روحانی ہلاکت و تباہی کا موجب بنتی ہے جیسے ظاہر قلب کی بیماری موت کا سبب بن جاتی ہے وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اور وہ قلوب جو سخت ہیں یعنی مشرکین۔

حلِ لغات: القسوۃ بمعنے قلب کا سخت ہونا۔ یہ حجر قاس سے بنا گیا ہے المقاساۃ بمعنے المعالجۃ۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ منافق و مشرک القائے شیطانی سے شک اور خلاف میں مبتلا ہوتا ہے۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ اور بیشک ظالمین یعنی منافقین و مشرکین۔ اسم ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لانا ان کے ظلم پر مہر ثبت کرتا ہے لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ البتہ وہ ایسے خلاف میں ہیں جو حق سے کوسوں دُور ہے یعنی وہ عداوتِ شدیدہ و مخالفتِ تامہ میں ہیں۔

نکتہ: شقاق کو بُعد سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے ورنہ درحقیقت بُعد اس کی صفت ہونی چاہیے۔ جسے شقاق عارض ہوا۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اور تاکہ علم والوں کو معلوم ہو اَنَّهُ بے شک قرآن۔ جلالین میں ہے انہ کی ضمیر کا مرجع قرآن مجید کی آیات محکمہ ہیں اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ تیرے رب تعالیٰ سے حق ہیں جو اسی سے نازل ہوئی ہیں

ان میں شیطان کو تصرف کی کیا مجال۔ حق الامر ہے یعنے ثبت و جب۔ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ پس اس پر ایمان لائیں اور اس پر ثابت قدم رہیں۔ یا القائے شیطانی کو رد کرکے ایمان میں بڑھ جائیں گے۔ اس کا عطف لیعلموا الخ پر ہے فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ تو ان کے دل متخاشع و متواضع ہوں گے۔ اخبات کا معنیٰ اسی سورۃ میں گزرا ہے۔ کاشفی مرحوم نے لکھا ہے تو نرم ہوں ان کے دل قرآن کے لیے، اور اس کے احکام قبول کریں وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اور بے شک اللہ تعالےٰ ایمان والوں کو ہدایت دیتا ہے امور دینیہ میں، بالخصوص مشکلات اور پیچیدہ امور میں۔ جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں ہوا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھے راستے کی طرف۔ یعنی ایسی بصارت صحیح بخشتا ہے جو حق صریح کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن مخلص کو فتنہ و بلا سے آزماتا ہے۔ اور اسے ایسا حسنِ بصیرت عطا فرماتا ہے جس سے وہ حق و باطل کا امتیاز کرتا ہے جیسے نہ تو شک کے بادل چھپا سکتے ہیں نہ کوئی اور شے۔ بلکہ اس کے قلب سے غفلت کے پردے ہٹ جاتے ہیں پھر اس پر کسی فتنے کا دھواں اثر انداز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی آزمائش اس کے آڑے آسکتی ہے۔ صبح کی گرد سورج کی شعاع اور چمک کو نہیں ڈھانپ سکتی جب وہ اپنی تابانی میں ہوتا ہے۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی کی تائید توفیق سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ انسان کی تدبیر کو اس میں کسی قسم کا دخل نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ اس کے نفس کے سپرد کردے اور اسے اس کی طبع سے رسوا کرے تو اس سے نہ شک زائل ہو سکتا ہے نہ وہ کفر کے گڑھے سے نکل سکتا ہے بلکہ وہ دائمی گمراہی کے دلدل میں پھنس جاتا ہے اگرچہ اس کے لیے نیک لوگ بھی کوشش کریں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ آنرا کہ زمین کشد کہ درون چوں قارون
نے موسیش آورد برون نے ہارون

۲ فاسد شدہ راز روزگار داروں
لا یمکن ان یصلحہ العطارون

ترجمہ: ۱۔ جسے وہ قارون کی طرح زمین میں دھنسا دے اسے نہ موسیٰ علیہ السلام باہر نکال سکتے ہیں نہ ہارون علیہ السلام۔

۲۔ وہ تیل جو بدبودار ہو جائے اسے عطار درست نہیں کرتے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: شیشے سے زنگ کو صاف کیا جا سکتا ہے لیکن پتھر سے شیشہ نہیں بنایا جا سکتا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ قرآن مبین کے تمام احکام کو ماننے اور نفس امارہ کی اصلاح میں جدّوجہد کرے یہاں تک کہ یقین کرے کیونکہ نفس جادوگر، مکار، حیلہ گر اور غدار ہے۔

حضرت شیخ مغربی رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

ملک بود کہ افتاد در چہ بابل
چہ سحرہاست دریں قعر چاہ بابل ما

ترجمہ : وہ فرشتہ تھا جو بابل کے کنویں میں گر پڑا۔ لیکن ہمارے کنویں میں ہزاروں جادو پوشیدہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اور کافر ہمیشہ قرآن میں شک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ جدال کرتے رہتے ہیں۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا : المریہ بمعنے کسی معاملہ میں متردّد ہونا۔ اور یہ شک سے اخص ہے۔

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ یہاں تک کہ ان کے ہاں قیامت آئے گی۔ اور قیامت کو ساعۃ کہنے کی وجہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں بَغْتَةً اچانک۔ یعنی ان کے ہاں ان پر غفلت کے وقت آئے گی اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ یا ان کے ہاں عقیم کے دن عذاب آئے گا۔

حلِ لغات العقیم وہ خشکی جو قبول اثر سے مانع ہو۔ العقیم وہ عورت جو شوہر کے پانی (نطفہ) کو قبول نہ کرے۔ یعنی بانجھ۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ یوم جس کے بعد اور یوم نہیں۔ گویا ہر یوم اپنے بعد والے یوم کو جنتا ہے۔ لیکن قیامت کا دن ایسا یوم ہے کہ اپنے بعد کسی کو نہ جنے گا۔ اس معنی پر وہ عقیم ہے۔ اس سے قیامت مراد ہے جیسا کہ مابعد کا مضمون بتاتا ہے مثلاً فرمایا : الملك فيه بالله والحكم بين الفريقين۔ یہاں پر ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کی وضع عذاب کو دردناک ظاہر کرنا مطلوب ہے (كذا فی الارشاد)۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اخروی عذاب دنیوی عذاب کے ساتھ متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا :

افأمنوا ان تأتیهم غاشیة من عذاب الله او تاتیهم الساعة بغتة۔

اور فرمایا :

حتّٰی اذا رأوا ما یوعدون اما العذاب و اما الساعة۔

اس تقریر پر یوم عقیم وہ دن ہوگا جس میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو۔ نہ اس کے عذاب سے نجات نصیب ہو نہ راحت و فرحت حاصل ہو جیسے بدر کے دن وغیرہ۔ اور چونکہ موت دنیوی ازمنہ کا آخری اور آخرت کا پہلا زمانہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے

اس میں صرف اپنا تصرف ثابت فرمایا ہے اور فریقین کے فیصلے کا دن بھی اسی کو مقرر فرمایا ہے اسی معنے پر موت کا زمانہ آخرت کے زمانے سے متصل ہوگا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ جب ان کے ہاں قیامت یا عذاب آئے گا تو غلبے والی شاہی اور استیلاء تام اور علی الاطلاق تصرف لِلّٰهِ اللہ واحد لاشریک کے لیے ہوگا اس میں کسی کی شرکت نہ ہوگی نہ مجازاً نہ حقیقۃً۔ یعنی آج دنیا میں تو بادشہ اپنی شاہی اور ملک کا دم بھرتے ہیں لیکن قیامت میں ان کی کمر ٹوٹ جائے گی اور تاجِ خسروانہ ملیامیٹ ہو جائے گا اور تمام دعاوی خاک میں مل جائیں گے۔ ان کی تمام خیالی شاہی دریا برد ہو جائے گی اور لمن الملك الیوم کے اعلان سے ان کی آوازیں مٹ جائیں گی۔ اس وقت وہ عجز و نیاز کے سوا کچھ ظاہر نہ کر سکیں گے ؎

آں سر کہ صیت افسرش از چرخ درگذشت
روزے بر آستانۂ او خاک در شود

ترجمہ: وہ سر کہ جس کے تاج کی آواز آسمان سے بھی گزر جائے ایک دن اس کے آستانہ پر مٹی ہوگی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال
بجز ملک فرمان دہ لایزال

ترجمہ: تمام تخت اور ملک زوال پذیر ہیں سوائے لایزال مالک کے ملک کے۔

ف: ابن عطا نے فرمایا کہ ہر وقت اور ہر حال میں ملک اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ لیکن عوام اس سے غافل ہیں۔ ہاں قیامت میں قہاریت وجباریت کا غلبہ ہوگا اس وقت کھل کر سامنے آجائے گا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا ملک نہیں۔ نہ ہی کسی منکر کو انکار کی گنجائش ہوگی۔

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو کیا کرے گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کے مابین فیصلہ فرماتے گا اہل ایمان کو نیک جزا اور کفار کو سزا دے گا۔

ربط: مذکورہ حکم کی تفسیر و تفصیل فرمائی کہ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور قرآن کے متعلق کوئی جھگڑا نہ کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے نیک عمل کیے فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ نعمت والے باغات میں ٹھہریں گے۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ ناز و نعمت کے باغات میں بغیر رنج و محن کے ہوں گے۔ امام راغب نے لکھا کہ النعیم بمعنے نعمت کثیرہ۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور وہ لوگ کافر ہیں اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور اس پر

مرتے دم تک ڈٹے رہتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ یہ مبتدا ہے اس کی خبر لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ہے۔ یہ لوگ خوار و رسوا کنندہ عذاب میں ہوں گے۔

حضرت سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مُھِین وہ عذاب جو بالکلیہ ان کی جملہ شان و شوکت کو ملیامیٹ کر کے انہیں ایسی ذلت و خواری میں ڈال دے جو بیان سے باہر ہو۔

ف: الارشاد میں فرمایا گیا مھین عذاب کی صفت مؤکدہ ہے اور اس کی تنوین اس کی فخامت پر دلالت کرتی ہے اور خبر اول کے بجائے خبر ثانی پر فا کے دخول سے تنبیہ ہے کہ اہلِ ایمان کا یہ ثواب اس کا فضل محض ہے۔ یہ ان کے اعمال صالحہ کا نتیجہ نہیں البتہ کفار کے اعمال سیئہ کی سزا عذاب کی صورت میں ہو گی۔

سبق: فیصلہ اور حکومت عادلہ لازماً ہو گی اگرچہ کفار قرآن و احادیث کے ایسے مضامین کو نہ مانیں۔ ان کے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لقمان حکیم کی حکیمانہ باتیں

مروی ہے کہ لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کو مندرجہ ذیل حکمتیں بتائیں:

۱۔ اے عزیز! اگر تجھے موت کا شک ہے تو نیند کو نہ آنے دے (جیسے نیند سے انسان مغلوب ہو جاتا ہے ویسے ہی موت سے)۔

۲۔ اگر تو مرنے کے بعد قیامت کو اٹھنے کا منکر ہے تو نیند میں جاگنے کو روکے رکھ۔

جب تم ان باتوں پر غور کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ تمہارا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ نیند بمنزلہ موت کے اور اس سے بیدار ہونا مرنے کے بعد قیامت کو جی اٹھنے کے مترادف ہے۔ جب کسی کو اپنے مولیٰ کی ایسی قدرتوں کا یقین ہو جائے تو وہ کبھی اس کی نافرمانی نہ کرے گا بلکہ اس کی فرمانبرداری سے دائمی عزت و عظمت پائے گا۔ یعنی اخروی عزت کہ جس کے مقابلہ میں دنیوی عزت ہیچ ہے۔

لطیفہ مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جاہ و جلال دیکھ کر کسی نے کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی عزت و عظمت بخشی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی صرف ایک بار تسبیح بیان کرنا سلیمان اور اس کے جملہ بخت و تخت سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ سلیمان اور اس کے جملہ تخت و بخت کو فنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو بقا ہے۔

سبق: جب ایک بار تسبیح کی یہ فضیلت ہے تو تلاوتِ قرآن مجید کی کیا شان ہو گی، جبکہ قرآن مجید افضل الکتب ہے۔

مسئلہ: حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فتوحاتِ مکیہ میں لکھا ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ قرآن مجید کو جہر سے پڑھے اور آیت پر نظر اور اسی آیت پر انگلی رکھ کر تلاوت کرے اس لیے کہ زبان کے جہر کا علیحدہ آنکھ سے دیکھنے کا علیحدہ اور انگلی سے اسے مس کرنے کا علیحدہ ثواب ہو گا۔ ہمارے تین مشایخ ایسے ہی تلاوت کرتے تھے ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مجاہد ہیں۔ سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اذکار اور تلاوتِ قرآن سے جنان کے اعلیٰ درجات پر پہنچنے کی کوشش کرے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْۤا
اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے پھر مارے

اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ
گئے یا مر گئے تو اللہ ضرور انہیں اچھی روزی دے گا اور بے شک

لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ
اللہ کی روزی سب سے بہتر ہے ضرور انہیں ایسی جگہ لے جائے گا جسے وہ پسند کریں گے اور بے شک اللہ علم اور

لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ
علم والا ہے بات یہ ہے اور جو بدلہ لے جیسی تکلیف پہنچائی گئی تھی پھر اس پر زیادتی کی جائے

عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ
تو بے شک اللہ اس کی مدد فرمائے گا بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے یہ اس لیے کہ اللہ تعالے رات کو ڈالتا ہے

الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾
دن کے حصہ میں اور دن کو لاتا ہے رات کے حصہ میں اور اس لیے کہ اللہ سنتا دیکھتا ہے یہ

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ
اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے پوجتے ہیں وہی باطل ہے

الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ
اور اس لیے کہ اللہ ہی بلندی بڑائی والا ہے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ
سے پانی اتارا تو صبح کو زمین ہریالی ہو گئی بے شک اللہ پاک خبردار

خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ
ہے اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز سب

الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾
خوبیوں سراہا ہے

ع ۸ ۷ ۱۵

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی یعنی ترک وطن کیا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالے کے راستہ میں یعنی وہ جہاد جو اس کی جنت و رضا تک پہنچاتا ہے جیسا کہ قولِ باری تعالے سے واضح ہوتا ہے۔ ثُمَّ قُتِلُوْا پھر وہ دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں جہاد کے دوران شہید ہوئے۔ القتل بمعنے ازالۂ روح از جسد۔

قتل و موت کا فرق اگر ازالۂ روح کسی بندے کے سبب سے ہو تو اسے قتل سے تعبیر کرتے ہیں اگر واسطہ نہ ہو تو اسے موت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اَوْ مَاتُوْا یا مر گئے یعنی ہجرت کے درمیان موت وارد ہو گئی یعنی انھوں نے شربتِ شہادت نوش نہیں فرمایا، لَیَرْزُقَنَّھُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا انھیں اللہ تعالیٰ رزقِ حسن سے نوازے گا۔ اس سے جنت کی غیر منقطع نعمتیں مراد ہیں۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ انھیں نیک روزی عطا فرمائے گا اور نیک روزی بہشت کی نعمتیں ہو سکتی ہے جن کو حاصل کرنے میں نہ کوئی تکلیف اٹھانی پڑے گی نہ ان کے کھانے سے کسی بیماری کا خدشہ ہو گا۔ وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ اور بے شک اللہ تعالیٰ بے حساب رزق بخشتا ہے۔ وہ خیر الرازقین ہے اس جیسا بے حساب روزی رساں اور کوئی نہیں ہے۔

رزق کسے کہتے ہیں وہ عطا جو بلا انقطاع جاری رہے وہ دنیوی ہو یا اُخروی۔

ربط: رزق کے بعد ان کے مسکن کو بیان فرمایا۔

چنانچہ فرمایا: لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا مدخل اسم مکان ہے۔ اس سے بہشت مراد ہے۔ اب معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بہشت میں داخل فرمائے گا یَّرْضَوْنَہٗ جس سے وہ راضی ہوں گے اس لیے کہ وہ ایسا مکان ہے کہ اس جیسا نہ انھوں نے دیکھا نہ ان کے کانوں نے سُنا، نہ کسی کے دل میں اس جیسا تصور آسکتا ہے وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَلِیْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات جانتا ہے حَلِیْمٌ حلیم ہے کہ وہ باوجود قدرت رکھنے کے اپنے دشمنوں کی گرفت میں جلدی نہیں کرتا۔

حکایت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک شخص کو گناہ کرتے دیکھ کر اس کی تباہی کے لیے بددعا کی تو وہ فوراً تباہ ہو گیا۔ پھر دوسرے کے ارتکابِ گناہ پر بددعا کی وہ بھی مر گیا۔ پھر تیسرے کے لیے، پھر چوتھے کے لیے بددعا کی وہ بھی غرق ہو گیا۔ باری تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! اگر ہم بھی ایسے ہی ہر مجرم گنہگار کو مارنے لگیں تو چند اشخاص ہی بچ سکیں گے۔ لیکن ہمارا دستور ہے کہ جب ہم کسی بندے کو گنہ کا مرتکب دیکھتے ہیں تو پہلے ہم اسے مہلت دیتے ہیں اگر تائب ہو جاتا ہے تو ہم اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں اگر استغفار کرتا ہے تو اس سے عذاب مؤخر کر دیتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس نے ہمارے ملک سے باہر تو کہیں جانا نہیں تو پھر اس پر عذاب میں جلدی کیوں!

شانِ نزول: حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بعض ہمارے دوست (صحابہ) جہاد پہ جاتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں اور بعض طبعی موت مرتے ہیں۔ شہیدوں کو تو بلند مراتب نصیب ہوتے ہیں کیا طبعی موت مرنے والوں کو بھی شہدا کی طرح مراتب ملیں گے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: جہاد پہ جانے والے خواہ شہید ہوں یا طبعی موت مریں ثواب سب کے لیے برابر ہے کیونکہ ان سب کا پروگرام ایک ہے یعنی تقرب الی اللہ اور نصرتِ دین وغیرہ۔

نکتہ یہ مسئلہ بظاہر عقل کے خلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کے تقاضا کے عین مطابق ہے۔ اس کی مثال شرع میں موجود ہے۔ جیساکہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحاتِ مکیہ میں لکھا کہ مؤذن اقامت کے وقت کہتا ہے قد قامت الصّلوٰۃ۔ اس میں صیغہ ماضی ہے حالانکہ نماز بعد میں ادا کی جائے گی جو صیغہ مستقبل سے متعلق ہے۔ اس طرح سے ہر نمازی کے لیے خوشخبری ہے جو نماز میں ابھی داخل بھی نہیں ہوا۔ تو جیسے یہ خوشخبری ہر طرح کے نمازیوں کے لیے ہے ایسے ہی مجاہدین فی سبیل اللہ بہشت کی نعمتوں میں برابر ہیں وہ شہید ہوئے ہوں یا طبعی موت مرے ہوں۔

ف : ہر طرح کے نمازیوں سے مراد یہ ہے کہ وہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہوں یا ابھی تکبیر تحریمہ تک نہیں پہنچے لیکن مسجد کی طرف آ رہے ہوں یا نماز کے لیے وضو کر رہے ہوں یا اسی نماز کی تیاری میں مصروف ہوں (ایسا نہ ہو کہ وہ سستی کرکے بیٹھے رہیں اور جب نماز کی اقامت ہو تو اٹھ کھڑے ہوں) اس سے وہ نمازی مراد ہیں جو نماز کے لیے شرعی مجبوری کی وجہ سے دیر سے پہنچیں یا ابھی پہنچ نہیں پائے اور راستہ میں موت واقع ہو گئی۔ ان سب کو اللہ تعالےٰ نے قد قامت الصّلوٰۃ کہہ کر نماز کی شمولیت کی خوشخبری سنادی تو معلوم ہوا کہ حصولِ فعل کی نیت سے فعل میں شامل ہو جانا اور مرتکب ہونا مساوی ہے۔

استدلال از حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص نماز کا منتظر ہے وہ گویا نماز میں ہے۔

حکایت دو شخص بیک وقت مر گئے ایک کی غلاخن کے ذریعہ سے موت واقع ہوئی۔ دوسرا طبعی موت سے فوت ہوا۔ دونوں کو دفن کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ اس شخص کی قبر پر جا بیٹھے جو طبعی موت مرا تھا آپ سے عرض کیا گیا حضرت! آپ شہید کی قبر کو چھوڑ کر غیر شہید کی قبر پر کیوں جا بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا معلوم یہ دونوں اجر و ثواب میں برابر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا (الآیۃ)۔

ف : حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کی اس حکایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بظاہر دو عمل مختلف ہوتے ہیں لیکن ثواب و اجر میں برابر ہوتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو حج کے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے لیکن راستہ میں مرجاتا ہے تو قیامت تک اس کے لیے حج کا ثواب لکھا جائے گا ایسے ہی جو عمرہ کرنے کے لیے گھر سے روانہ ہوا تو راستہ میں موت آگئی تو اسے قیامت تک عمرے کا ثواب نصیب ہوگا۔ ایسے ہی جو جنگ کے لیے روانہ ہوا لیکن راستہ میں مر گیا تو اسے بھی قیامت تک جہاد کا ثواب ملتا رہے گا۔

اَولیاؔ زندہ ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (صحابی) بحری جنگ کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں ان کی موت واقع ہوگئی۔ آپ کے ساتھیوں نے قبر کی موزوں جگہ کے لیے بہت کوشش کی مگر بحری راستہ کی وجہ سے سات روز تک قبر کا موقع میسر نہ ہوا، باوجود اس کے سات روز تک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوا۔

ف : یہی جملہ شہداء کا حال ہے۔

ازالۂ وہم قیامت میں مراتب مختلف ہوں گے اس لیے کہ اعمال والوں کے مراتب پر ان کا دارو مدار ہے۔ جب اعمال کے لحاظ سے مراتب میں اختلاف ہے تو پھر شہید اور عام موت والے کے مراتب و درجات کیسے مساوی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے لازماً ماننا پڑے گا کہ راہِ حق میں شہید ہونے والا طبعی موت مرنے والے سے افضل ہے۔ اس پر بہت بڑے دلائل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ حدیث شریف ہے :

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ بہترین جہاد کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا، جس کا گھوڑا راہِ حق میں مارا جائے اور اس کا اپنا خُون بھی اللہ تعالیٰ کے لیے بہہ جائے۔

دوسری دلیل حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں جب شہید آئے گا تو اس کا خون بہتا ہوا ہوگا، اس کی خوشبو عطر جیسی ہوگی۔ یہ مرتبہ عام موت مرنے والے کو نصیب نہیں ہوگا۔

- مرنے کے بعد دنیا کی طرف رجوع کرنے کی آرزو شہید کے لیے ثابت ہے عام موت مرنے والوں کے لیے آرزو ثابت نہیں۔
- طبعی موت مرنے والے کو نہلایا جاتا ہے، شہید کو نہلایا نہیں جاتا۔
- شہادت جملہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔
- شہید دُوسروں کی شفاعت کرے گا لیکن طبعی موت مرنے والا صرف اپنے تک محدود ہوگا۔
- شہید اپنا خون خشک ہونے سے پہلے ہی حورعین کو دیکھے گا لیکن طبعی موت مرنے والے کو یہ مرتبہ نہ ملے گا۔

تفسیرِ صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے طلبِ حقیقت میں اوطانِ طبعیہ سے ہجرت کرنا سیفِ صداقت کے ساتھ نفس کو قتل کرنے میں اوصافِ بشریہ کو مٹانے کی طرف اشارہ ہے اور ان کا اجر و ثواب یہ ہے کہ انہیں دنیا میں رزقِ معنوی کی عطا ہے۔ اور قلوب کا رزق حلاوۃ العرفان، اور اسرار کا رزق مشاہدات الجمال اور ارواح کا رزق مکاشفات الجلال ہے۔ مثنوی شریف میں ہے :

ع

اے بسا نفس شہید معتمد

مردہ در دنیا و زندہ می رود

۲ اے بسا خامی کہ ظاہر خویش ریخت
لیک نفس زندہ آں جانب گریخت

۳ آلتش بشکست و رہزن زندہ ماند
نفس زندہ است ارچہ مرکب خوں فشاند

ترجمہ: ۱۔ بہت سے شہید معتقد ایسے ہیں جو دنیا میں مردہ ہوتے ہیں لیکن زندہ ہوکر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔

۲۔ بہت سے خام جنہوں نے ظاہر کو مٹایا لیکن نفس زندہ ہوکر اس کی طرف بھاگا۔

۳۔ آلہ اس کا ٹوٹا تو رہزن زندہ ہوگیا۔ نفس زندہ ہے اگرچہ اس کی سواری اس کے اپنے ہاتھوں سے نکل گئی۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ مبتدا محذوف کی خبر ہے دراصل الامر ذلك الذی قصصنا علیکم و بینا لکم تھا۔ یہ جملہ ماقبل کی تقریر اور تنبیہ ہے کہ یہ کلام نیا ہے وَمَنْ اور جس نے عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ظالم کو سزا دی اس قدر جتنا اس نے اس پر ظلم کیا اور قصاص میں تجاوز نہ کیا۔ العقوبہ جرم کی سزا کا نام ہے۔

سوال: جب عقوبۃ جرم کی سزا کا نام ہے تو پھر جس نے جرم کیا ہی نہیں اس پر عقوبت کا اطلاق کیوں؟

جواب: اس کے ساتھ والے کی مشاکلت کی وجہ سے۔ یا یہ مجاز مرسل ہے کیونکہ جس سے جرم کا صدور ہوا اسے سزا ملی تو یہ اس کے سبب ہے۔ مسبب کو سبب کا نام دیا گیا ہے۔

ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ پھر اس پر بغاوت کی یعنی سزا دینے میں بدلہ لیتے ہوئے اس پر ظلم کیا۔

حل لغات بغی علیہ بغیا بمعنے علا وظلم یعنی تجاوز کیا اور اس پر ظلم کیا۔ امام راغب نے فرمایا: البغی بمعنے طلب تجاوز الاقتصاد فیما یتحری اس پر تجاوز ہو یا نہ یہ کبھی قدرت میں ہوتا ہے یعنی کمیت میں اور کبھی وصف یعنی کیفیت میں۔ جیسے کہا جاتا ہے: بغیت الشئی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے اصلی حقوق سے زاید کا مطالبہ کرے۔

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اسے مدد دے گا جس پر زیادتی وظلم ہوا۔ یہ مَنْ کی خبر ہے اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ یعنی بہت عفو وغفران والا ہے بدلہ والے کو معاف کرتا ہے اور اس سے جو کچھ صادر ہوا اسے بخش دیتا ہے اور اسے بھی بخش دیتا ہے جو صبر و عفو پر انتقام کو ترجیح دیتا ہے۔ حالانکہ اسے صبر و عفو مرغوب ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

ولمن صبر وغفر ان ذٰلك لمن عزم الامور۔ اور بے شک وہ جو صبر کرتا ہے اور بخشتا ہے بیشک یہی بختہ امور میں سے ہے۔

اگرچہ عفو کا تقاضا یہ ہے کہ جسے معاف کیا جا رہا ہے، جس سے پہلے جرم صادر ہوا ہے۔ لیکن کبھی ایک اور معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے وہ یہ کہ جس فعل پر ندامت کرنا تھی وہ ترک کر دے تو زجراً و توبیخاً اسے بھی جرم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ عفو وہ ذات جو دیوان حفظہ و قلوب سے گناہوں کے نشانات بھی مٹا دے تاکہ اس بچارے سے قیامت میں ان گناہوں کا مطالبہ نہ ہو اور نہ ہی اسے ملائکہ اس کے گناہ یاد دلا کر رسوا کریں۔ اور کبھی یوں بھی فرماتا ہے کہ اس کے گناہوں کے عوض اس کی نیکیاں لکھوا دیتا ہے۔ کما قال :

اولٰئِكَ يبدّل الله سيّاٰتهم حسنات ۔

(وہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ حسنات سے تبدیل فرماتا ہے)

اور وہ غفور ہے کہ مستحقِ سزا کی سزا کو زائل کرنے کا ارادہ کرنے والا ہے۔ الغفر سے ہے بمعنے الستر یعنی وہ اپنے بندوں کے گناہ چھپاتا ہے۔

نکتہ عفو کو غفر پر مقدم اس لیے کیا ہے کہ عفو غفر سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ عفو گناہوں کے مٹانے کا نام ہے لہٰذا وہ غفر (چھپانے سے) بہتر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس سے بدلہ لینا ہے اس کی غلطیوں سے درگزر کرنا اور انہیں چھپا دینا اور بخش دینا بدلہ لینے سے افضل ہے۔ اس کے ساتھ احسان و مروّت کرنا جوانمردی ہے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردے احسن الی من اساء

ترجمہ : برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے لیکن اگر تم جوانمرد ہو تو میرے ساتھ احسان کرو۔

بلکہ اس کے سامنے اس کی غلطیوں کا تذکرہ تک نہ ہو تاکہ اس کا دل نہ دکھے۔ جب بندوں کے لیے یہ حکم ہے تو وہ اللہ تعالیٰ تو اکرم الاکرمین ہے اس کے لیے بطریقِ اولیٰ ایسے ہونا چاہیے۔

نکتہ عفو بدلہ لینے سے اس لیے افضل ہے کہ جس سے بدلہ لیا جائے گا اس سے بدلہ لیتے وقت اپنے حقوق سے تجاوز کرنے کا خطرہ ہے بالخصوص غضب و غصہ اور جوش میں۔ گمان غالب ہے کہ الٹا بدلہ لینے والا ظالموں میں سے نہ ہو جائے جس کا اسے شعور بھی نہ ہو۔

شیخ و مرشد کی بہترین تقریر فقیر حقی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے، میں نے اپنے شیخ قدس سرہٗ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کامل (ولی اللہ) کو دریا کی طرح ہونا چاہیے۔ اگر کوئی اسے ایذا دے یا اس کا گلہ و غیبت کرے یا اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اس سے دل آزردہ نہ ہو بلکہ اسے معاف کر دے، اگر ہو سکے تو اس کے ساتھ احسان کرے۔ جیسے دریا میں پیشاب پڑے یا اس میں جنبی داخل ہو تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ وہ الٹا انہیں پاک کر دیتا ہے۔ یعنی پیشاب دریا کے پانی میں مل کر پانی کی طرح پاک ہو گیا اور جنبی سے جنابت دور ہو گئی یوں جنبی بھی

پاک اور اس کی جنابت بھی پانی میں مل کر پاک ہو گئی۔

ف : پھر انہوں (روح اللہ روحہ) نے فرمایا کہ جو ہمارے ساتھ برائی کرے اسے معاف کر دو کیونکہ اس کے ساتھ انتقام کا ارادہ کرنا یا اسے کسی تکلیف میں ڈالنا ہمارے نزدیک شرک ہے ہم (صوفیہ) اس طرف حبہ بھر بھی متوجہ نہیں ہوتے بلکہ ہمارا کام تو ان تمام امور میں وُہ ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ سے دُور رکھے۔ ہاں فعل حسن کے حصول میں ہم جان کی بازی تک لگا دیتے ہیں (شیخ نے اس تحقیق میں ایک طویل بحث لکھی ہے جس کی جملہ تقریر ہماری کتاب "تمام الفیض" میں ہے)

مسئلہ : خلاصہ کی کتاب الحدود میں ہے کہ اگر کسی کو خبیث کہے اس پر لازم ہے کہ سُن کر خاموش ہو جائے اور اسے کوئی جواب نہ دے۔ اگر یہ مقدمہ قاضی (حاکمِ وقت) کی خدمت میں پیش ہو تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ خبیث کہنے والے کو سزا دے یا خبیث کہنے والے کو جواب میں خبیث کہا جائے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ : مجمع الفتاویٰ کی کتاب الجنایات میں ہے اگر کوئی کسی کو یا خبیث کہے اور وہ اس کے جواب میں یہی کلمات دُہرا دے تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا ظالم سے بدلہ لینا ہے اور اس کی شرع پاک میں اجازت ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئك ما عليهم من سبيل اور اس کے بعد جو ظلم کے بعد بدلہ لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ف : عفو افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فمن عفا و اصلح فاجره على الله۔

(جو معاف کرتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ہے)

مسائل

۱۔ اگر کوئی کسی کو یا خبیث کہے تو وہ اس کے جواب میں ایسا کلمہ نہ بولے جس سے اسے حد کا مستحق ہونا پڑے۔

۲۔ کسی کو کوئی کہے، یا زانی۔ اس نے اس کے جواب میں کہا کہ تُو زانی ہے۔ تو جواب دینے والے پر حد کا اطلاق ہو گا بخلاف اس شخص کے کہ جس نے یا خبیث کہنے والے کو بدلے میں یا خبیث کہا تو جواب دینے والے پر حد نہ ہو گی۔

۳۔ التنویر میں بھی اسی طرح ہے جس نے کسی کو ناحق مارا تو پھر اس نے جواباً اسے بھی مارا تو دونوں کو سزا دی جائے گی پہلے اس کو سزا دی جائے گی جس نے پہلے مارا۔

ذٰلِكَ نصر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر **بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ** یہ بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ ایک شے کو دُوسری شے پر غلبہ دینا بھی اس کی قدرت کاملہ کی اعلیٰ دلیل ہے کیونکہ وہ قادر قدرت دیتا ہے کہ رات دن کی روشنی پر تاریکی ڈالتی ہے پھر اس تاریکی پر سورج اور روشنی کو غلبہ دیتا ہے۔ اس طور طریق سے گھڑیاں گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔

حل لغات : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا الولوج بمعنے تنگی میں داخل ہونا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل ہو۔

ایسے ہی یولج اللیل الخ۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو ان سے مرکب فرمایا ہے کہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر بڑھاتا ہے اور زیادتی اور کمی سورج کے مطالع و مغارب کی وجہ سے ہوتی ہے۔

وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ عقوبت والے اور عقوبت دئے ہوئے کی ہر بات سنتا ہے بَصِیۡرٌ اور وہ دونوں کے ہر فعل کو دیکھتا ہے۔ پھر وہ انہیں مہلت نہیں دے گا۔ ذٰلِکَ یہ کمال علم وقدرت اس سبب سے ہے بِاَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡحَقُّ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی الوہیت میں حق ہے وَاَنَّ مَا یَدۡعُوۡنَ اور بے شک جن کی وہ عبادت کرتے ہیں مِنۡ دُوۡنِہٖ اللہ تعالیٰ کے سوا ہُوَ الۡبَاطِلُ وہ باطل ہے۔ یعنی ان ماسوی اللہ کی الوہیت باطل ہے وَاَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡعَلِیُّ اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بلند ہے الۡکَبِیۡرُ بڑی عظمت والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کی اعلیٰ شان کا کوئی ہمسر ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی سلطنت و بادشاہت کے مساوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس سے بھی اعلیٰ ہے جسے طالبین سمجھتے ہیں اور اس کی نہایت بھی اس سے بلند و بالا ہے جس کا تصور واصلین کے ذہنوں میں ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اللہ کی شان ذات وصفات میں بلند و بالا ہے وہ ہر ایک سے ہر لحاظ سے اعلیٰ ہے اور وہ واجب الوجود ہے کہ اس اعتبار سے اس کے برابر کون ہو سکتا ہے۔ العلی بروزن فعیل ہے علو سے مشتق ہے اور یہ دونوں (علو وسفل) امور محسوسہ سے ہیں جیسے عرش، کرسی وغیرہا۔ ان کا اطلاق امور معقولہ پر بھی ہوتا ہے جیسے نبی و امت کی بلندی و پستی کے مراتب اور خلیفہ و سلطان اور عالم و متعلم کی بلندی و پستی کی شرافت و کمال اور فضیلت و رفعت کے اعتبارات ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ امور محسوسہ سے منزہ و مقدس ہے اس لیے اس کے لیے دوسرا معنیٰ متعین ہوا۔

ف : حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کسی انسان کے متعلق علو مطلق کا تصور نہیں ہو سکتا اس لیے ہر انسان پر اور کوئی بلندی رکھتا ہے جیسے عام انسان پر انبیاء و ملائکہ فوقیت رکھتے ہیں۔ ہاں انسانوں میں ایک ہستی ہے جس پر علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بلند مرتبہ نہیں، نہ انبیاء علیہم السلام میں نہ ملائکہ میں، وہ ہیں ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہاں ذات حق تعالیٰ سے آپ کے مرتبہ کو کوئی نسبت نہیں دی جا سکتی کیونکہ ذات حق تعالیٰ واجب الوجود ہے اور وجوب ذاتی

---

[1] یہاں صاحب روح البیان نے یدعون بمعنے یعبدون لکھا ہے یہ ان کا رد ہے جو اس جیسی آیات سے انبیاء و اولیاء کی ندا سے شرک ثابت کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

سے کسی کو کوئی نسبت نہیں۔ اس ذات واجب الوجود کے علاوہ باقی جملہ موجودات سے علی الاطلاق ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالا و اعلیٰ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ علی مطلق (اعلیٰ علی الاطلاق) وہی ذات ہے جو ہر لحاظ سے فوق ہے اس کی فوقیت اضافی نہیں، وجوبی ہے امکان کا کوئی فرد بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔

الکبیر بمعنے ذو الکبریا، وہ ذات جس کی کبریائی کا کمال ذاتی ہے وجوبی ہے۔ اور کمال وجوبی دو وجہ سے ہے:

(۱) ہر وجود اسی سے ہے۔

(۲) وہ دائم اور حی و قیوم ہے بخلاف دوسروں کے کہ انہیں دوام نہیں بلکہ ان کے ہر ایک کے وجود سے پہلے عدم ہے اور پھر بھی اسے عدم لاحق ہوگا اور یہ عیب النقص ہے۔

ف: جسے طویل عمر نصیب ہو اسے کبیر السن کہا جاتا ہے یعنی وہ شخص جس کی عمر کو اور کافی مدت تک بقا نصیب ہو۔ ایسے کو عظیم السن نہیں کہا جاتا۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں عظیم استعمال نہیں ہو سکتا مگر کبیر استعمال ہوتا ہے الکبیر بندوں میں سے اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی صفات کا کمال صرف اپنی ذات تک محدود نہ رہے بلکہ دوسروں میں بھی سرایت کر جائے اس کی صحبت جسے بھی نصیب ہو وہ فیض و فضل سے معمور ہو جاتے۔ اور بندے کے کمال سے کمال فی العقل و الورع و العلم مراد ہے۔ اس معنیٰ پر الکبیر وہ بندۂ خدا ہے جو عالم بھی ہو، پرہیزگار بھی ہو، خلقِ خدا کا رہبر بھی ہو اور مقتدا بننے کی صلاحیت و اہلیت بھی رکھتا ہو کہ جس کے انوار و علوم سے اقتباس کیا جا سکے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے علم پڑھا اور اس پر عمل کیا، پھر اسے پڑھایا تو اسے ملکوت السماء میں عظیم انسان کہا جاتا ہے۔

علماء کی صحبت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ہم کس کی صحبت میں بیٹھیں؟ فرمایا: جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور اس کے دیکھنے سے خدا یاد آجائے اور اس کی عملی صحبت سے آخرت کی ترغیب نصیب ہو۔

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام باطل ہے یعنی وجود ذاتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی موجود نہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ کل شیٔ ما خلا اللہ باطل
ان فضل اللہ غیم ہاطل

۲ ملک ملک اوست او خود مالک است
غیر دانش کل شیٔ ہالک است

ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے فضلِ الٰہی موسلا دھار بارش کی طرح ہے۔
۲۔ تمام ملک اسی کا ہے وہی تمام کا مالک ہے اس کی ذات کے سوا تمام اشیاء فانی ہیں۔

ف: حضرت الشیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ماسوی اللہ سے استغفار کرنا چاہیے کیونکہ ہم فانی ہیں اور فانی پر لازم ہے کہ وُہ اپنے وجود کے لیے ذاتی وجود کے دعویٰ سے استغفار کرے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ تحصیلِ شہود و یقین میں اور توحید کے مقامِ تمکین تک پہنچنے میں کوشاں رہے۔

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال
خامۂ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ: اے پریشان حال حافظ! جب تم توحید کا دم بھرتے ہو تو توحید کے قلم سے این وآں کے ورق کاٹ دیجئے۔

ہم تحقیق کے ساتھ درکِ حقیقت کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا ہے جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے یعنی نزولِ بارش سے زمین خشکی اور ویرانی کے باوجود سرسبز ہو جاتی ہے۔

حل لغات الخضوۃ سفیدی و سیاہی کے درمیانی رنگ کا نام ہے لیکن سیاہی کے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لیے بعض اوقات سیاہ رنگ کو سبز اور سبز کو سیاہ کہا جاتا ہے۔ سواد العراق اس جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جہاں سبزی بکثرت ہو۔

ف: الم تر یہ استفہام تقریری ہے اس لیے یہ مرفوع ہے اور فتصبح کا عطف انزل پر ہے کیونکہ اگر فتصبح کو منصوب پڑھا جائے تو اخضرار (سبزی) کی نفی ہوگی حالانکہ اس کا اثبات مطلوب ہے اور نفی کے معنی کا قرینہ افلم یسیروا الخ کے استفہام کے جواب فینظروا کو منصوب پڑھنے میں نظر کی نفی ہو جاتی ہے اور وہاں نظر کی نفی مطلوب بھی ہے بخلاف اخضرار کے یہاں پر نفی نہیں بلکہ اثبات مطلوب ہے۔

نکتہ: فتصبح کو مضارع پڑھنے میں اشارہ ہے کہ بارش کا اثر کافی دیر تک رہتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر لطف فرماتا ہے۔ ایسے لطف و کرم کا انھیں وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔

ف: جناب کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر سبزی اگا کر لطف و کرم فرماتا ہے کہ اسی سے انھیں روزی پہنچاتے۔

خَبِيْرٌ وہ ظاہری باطنی تدابیر سے باخبر ہے کہ کس کو کون سی بات چاہیے۔ (باقی برصفحہ ۱۲۱۶

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے اور کشتی کو دریا

تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى

میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ روکے ہوئے ہے آسمان کو کہ زمین پر نہ گر پڑے

الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ

مگر اس کے حکم سے بیشک اللہ آدمیوں پر بڑی مہر والا مہربان ہے اور وہی

الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾

ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا بے شک آدمی بڑا ناشکرا ہے ہر

لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ

امت کے لیے ہم نے عبادت کے قاعدے بنا دیے کہ وہ ان پر چلے تو ہرگز وہ تم سے اس معاملہ میں جھگڑا نہ کریں اور

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِن جَادَلُوكَ

اپنے رب کی طرف بلاؤ بے شک تم سیدھی راہ پر ہو اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو فرما دو

فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا

کہ اللہ خوب جانتا ہے تمہارے کوتک اللہ تم میں فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن جس بات

كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

میں اختلاف کر رہے ہو کیا تو نے نہ جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ

بے شک یہ سب ایک کتاب میں ہے بیشک یہ اللہ پر آسان ہے اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں

اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ

جن کی کوئی سند اس نے نہ اتاری اور ایسوں کو جن کا خود انہیں کچھ علم نہیں اور ستمگاروں کا کوئی مددگار

مِن نَّصِيرٍ ﴿٧١﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ

نہیں اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو تم ان کے چہروں پر بگڑنے

كَفَرُوا الْمُنكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ

کے آثار دیکھو گے جنہوں نے کفر کیا قریب ہے کہ لپٹ پڑیں ان کو جو ہماری آیتیں ان پر پڑھتے ہیں تم فرما دو کیا میں تمہیں

أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ

بتا دوں جو تمہارے اس حال سے بھی بدتر ہے وہ آگ ہے اللہ نے اس کا وعدہ دیا ہے کافروں کو اور کیا ہی بری پلٹنے

الْمَصِيرُ ﴿٧٢﴾

کی جگہ

ع ۸ ۲۱

ف : جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ رزق و مرزوق کے حال کو خوب جانتا ہے۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے کیونکہ ان سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے اس لیئے ان سب کا مالک بھی وہی ہے اور تصرف بھی وہی کرتا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ اور بے شک وہی غنی ہے اور وہ اپنی ذات میں ہر شے سے بے نیاز ہے۔ یہی ترجمہ حضرت کاشفی مرحوم نے کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وُہ اپنی ذات میں کسی حمد کرنے والے کا محتاج نہیں۔

اَلْحَمِیْدُ وہ اپنی صفات و افعال میں حمد کا مستحق ہے۔

ف : حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؛ حمید وُہ ہے جس کی بہت تعریف کی جائے۔ اور اللہ تعالےٰ بھی حمید بایں معنی ہے کہ اس نے اپنی ثنا ازلاً ابداً فرمائی۔ جیسے اس کی شانِ اقدس ہے ایسے ہی اس کی تمام مخلوق ہمیشہ اس کی حمد کرتی رہے گی۔ ایسے ہی اس کی جملہ صفات کا حال ہے کہ اس کی ہر صفت کو اس کی مخلوق کمال و علو کے ساتھ ذکر کرے گی کیونکہ حمد بمعنے اس کے کمال کے اوصاف کو بیان کرنا۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر کی تمام چیزیں تمہارے قابو میں کردی ہیں یعنی جیسے چاہتے ہو ان سے منافع حاصل کرتے ہو ہم نے انہیں تمہارے منافع کے لیے ہر وقت تیار کر رکھا ہے ان پر جس طرح چاہو تصرف کرو۔ دیکھو پتھر سے بھی بڑھ کر کوئی شے سخت ہے یا لوہے سے بھی کوئی شے مضبوط تر ہے۔ اور آگ کتنی ہیبت ناک شے ہے۔ لیکن یہ تمام چیزیں ہم نے تمہارے قابو میں دے رکھی ہیں وَالْفُلْكَ اس کا عطف ما پر ہے یا اَنَّ کے اسم پر تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ اور کشتیاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریاؤں میں چلتی ہیں۔ امر سے یہاں پر تیسیر و مشیت ہے وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اور آسمان کو روک کے رکھتا ہے اس سے کہ وہ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ گر پڑے زمین پر، یعنی اس کی ہیئت کچھ ایسی بنائی ہے کہ اس کے گرنے کی صورت نظر نہیں آتی الاستمساك بمعنے امساک، روکنا۔ اہل عرب کہتے ہیں ؛ امسك الشئ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو پکڑے رکھے الوقوع بمعنے گرنا۔ اِلَّا بِاِذْنِهٖ مگر اس کے اذن یعنی مشیت سے۔ حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؛ الاذن فی الشئ بمعنے کسی کو کسی کام میں اپنی اجازت و رخصت جتلانا۔ اور آسمان کا زمین پر گرنا قیامت میں ہوگا۔ اس میں ان کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ آسمان ذاتی طور پر کھڑا ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی قدرت و تصرف کو کسی قسم کا دخل نہیں حالانکہ یہ ان کی بد دماغی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ آسمان اجسام بلکہ اپنی جسمانیت میں دوسری اشیاء کی طرح ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ہر وُہ شے جس کا جسم ہو وہ کسی نہ کسی وقت ضرور گرے گی۔ جس کا نتیجہ نکلا کہ آسمان بھی قابلِ سقوط ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے گرا دیگا۔

اعجوبہ : فقیر (حقی ؒ) کہتا ہے کہ ایک مضمون میں نے کسی کتاب میں دیکھا جو اعجوبہ روزگار سمجھا جائے گا وہ یہ کہ ایک ایسا

پرندہ ہے جو رات کو صبح تک درخت کی ٹہنی سے الٹا لٹکا رہتا ہے[1] اس خطرہ سے کہ اس پر کہیں آسمان نہ گر جائے۔ اسی کی نظیر کرکی[2] (پرندہ) ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک پاؤں اٹھائے رکھتا ہے، اگر زمین پہ چلے تب بھی پاؤں کو اٹھا کر چلتا ہے، اگر تھوڑا سا پاؤں زمین پر رکھتا بھی ہے تو اسے اعتماد نہیں ہوتا بلکہ خدشہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں زمین میں نہ دھنس جائے۔

سبق : ان دونوں پرندوں سے عاقل کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے مہربان اور بخشنے والا ہے بایں طور کہ ان کے اسبابِ معاش تیار فرمائے اور ان کے لیے منافع کے ابواب کھول دیئے اور طرح طرح کی مضر چیزوں کو ان سے دور رکھا اور آیاتِ تکوینیہ و تنزیلیہ کے ساتھ انہیں استدلال کرنے کے طریقے واضح فرمائے رؤف بمعنے رحیم ہے یا رافت رحمت سے زیادتی رکھتی ہے یعنی رقت (رقیق القلبی) بہ نسبت رحمت کے رافت میں زاید ہے (کذا فی القاموس)

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ رؤف وہ ہے جو اپنے بندوں پر تخفیف کا ارادہ رکھے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاكُمْ اور اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زندہ فرمایا یعنی تم جماد، مٹی کا ڈھیر اور نطفہ بے جان تھے پھر تمہیں بہترین تخلیق کے ساتھ زندگی بخشی۔ جیسا کہ اسی سورۂ حج کے شروع میں اس کی تفصیل بیان فرمائی **ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ** پھر جب تمہاری میعاد ختم ہوگی تو تمہیں موت دے گا **ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ** تمہیں قیام قیامت کے وقت پھر زندہ فرمائے گا **اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ** بے شک انسان اس کی نعمتوں کا بہت بڑا منکر ہے حالانکہ اس کی نعمتوں کے آثار روشن اور ہویدا ہیں اس لیے وہ اپنے منعم حقیقی کی عبادت نہیں کرتا اور بعض افراد کی وجہ سے اسم جنس (انسان) کا وصف بیان فرمایا (ورنہ سارے انسان ایسے نہیں جیسے اوپر ذکر کیا گیا)

تفسیر صوفیانہ سیدنا جنید (بغدادی) قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی معرفت کے ساتھ زندگی بخشتا ہے پھر تمہیں اوقاتِ غفلت و فترت سے موت دیتا ہے اس کے بعد تمہیں جذب سے زندہ فرماتا ہے پھر تمہیں جملہ عالم سے منقطع کر کے حقیقت کا وصل عطا فرماتا ہے بے شک انسان بہت بڑا ناشکرا ہے وہ اپنے منافع یاد رکھتا ہے لیکن جو شے اسے نقصان پہنچائے اسے بھلا دیتا ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکرم بنایا اور اسے عظمت بخشی کر اسے عالمِ جماد سے منتقل کر کے عالم نبات کی طرف لایا پھر اسے عالمِ حیوان تک پہنچایا اس کے بعد ناطق بنایا پھر اسے صوری و معنوی نعمتوں سے نوازا بلکہ جملہ موجودات کو اس کا خادم بنایا۔ اس لحاظ سے اس پر لازم تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے شکر میں لگا رہتا کہ اس نے اس پر کتنا لطف و کرم فرمایا اور اسے کیسی بہترین نعمتوں سے نوازا، اسے ہر طرح کے انکشافات عطا کیے۔ شکر کی نقیض کفران یعنی ناشکری بمعنے نعمت کو چھپانا ہے

---

[1] چمگادڑ [2] کرکی بضم کاف کلنگ مشہور پرندہ ۱۲ غیاث۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سبق دیتی ہے کیونکہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کے آثار سے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ہر اثر اپنے موثر پر دلالت کرتا ہے اس سے ایمان یقینی نصیب ہوتا ہے۔

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق و تحببت الیھم بالنعم حتی عرفونی۔

میں مخفی خزانہ تھا مجھے محبت ہوئی کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور میں نے اسے اپنی نعمتیں دے کر اسے اپنا مانوس بنایا تاکہ وہ میری معرفت حاصل کرے۔

سبق: عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنی قوت و غنا سے مغرور نہ ہو ہر حال میں توفیقِ الٰہی کو شاملِ حال سمجھے۔

فرمانِ خدا تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ طاقتور کو فرمادیں کہ وہ اپنی طاقت سے دھوکا نہ کھائے اگر اسے اپنی طاقت پہ ناز ہے تو اسے فرمادیں کہ وہ میری بھیجی ہوئی قوت سے اپنے کو مٹا دے۔ اور عالمِ دین سے فرمائیے کہ وہ اپنے علم سے نازاں نہ ہو، اگر اسے اپنے علم پر اتنا غرور ہے تو اسے فرمائیے کہ بتا تیری اجل کب ہے؟ اور دولت مند کو فرمائیے کہ وہ اپنی دولت پر ناز نہ کرے اگر اسے اپنی دولت و مال پر گھمنڈ ہے تو اسے فرمادیں کہ وہ میری تمام مخلوق کو صرف صبح کا کھانا کھلا دے۔

سبق: انسان بالکل عاجز اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ ہر چھوٹے بڑے کو اس کی نعمت مل رہی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ: تمام روئے زمین اس کا عام دسترخوان ہے اس پر دشمن و دوست سب یکساں ہیں۔

سبق: انسان کے ہر عضو کے لیے علیحدہ علیحدہ مخصوص عبادت مقرر ہے جب وہ اسے مقرر کردہ مصرف پر نہیں لگاتا اور نہ ہی اس سے وہ خدمت لیتا ہے جو اس کے لیے مخصوص ہے تو وہ غضبِ الٰہی کا نشانہ بنتا ہے۔ بستاںؒ میں ہے:

؎

۱ یکے گوشش کودک بمالید سخت
کہ اے بوالعجب رائے و برگشتہ بخت

۲ ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن
نگفتم کہ دیوار مسجد بکن

بوستان سعدی

۳ زبان آمد از بہر شکر و سپاس

بغیبت نگرداندش حق شناس

۴ گزرگاہ قرآن و پندست گوش

بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

۵ دو چشم از پے صنع بارے نکوست

زعیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ: ۱۔اے بیوقوف، اے بدبخت! کسی بچے کی سخت گوشمالی کی۔

۲۔میں نے تجھے کلہاڑی لکڑی کاٹنے کے لیے دی تھی، مسجد کی دیوار ڈھانے کے لیے نہیں۔

۳۔زبان شکر و سپاس کے لیے ہے غیبت میں اسے ملوث نہ کر۔

۴۔کان پند و قرآن کی گزرگاہ ہیں بہتان اور بری باتیں سننے کی کوشش نہ کر۔

۵۔دو آنکھیں کارگر کی کاریگری دیکھنے کے لیے ہیں بھائی اور دوست کی عیب گیری سے آنکھیں بند رکھ۔

رجوع الی اللہ کی علامات علامۃ المنیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی تین علامات ہیں:

(۱) دل کو صفاتِ الٰہی کے تفکر اور امورِ اُخرویہ میں لگا دینا۔

(۲) اپنی زبان کو ذکر و شکر سے معمور رکھنا۔

(۳) اپنے بدن کو راہِ حق میں یوں لگانا کہ تھکان کا احساس نہ رہے یہاں تک کہ موت آجائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی طاعت و خدمت کی توفیق بخشے اور ہمیں اپنی صحبت و وصال سے مشرف فرمائے۔

تفسیر عالمانہ **لِكُلِّ أُمَّةٍ** ہر ایک اُمت یعنی وہ امتیں جو پہلے گزر چکی ہیں اور وہ لوگ جو اس وقت زندہ موجود ہیں ان سب کے لیے۔ اُمّۃ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جس کی طرف رسول بھیجا جائے۔ **جَعَلْنَا** ہم نے مقرر کی **مَنسَكًا** نسك کا مصدر میمی ہے بمعنے عبادۃ۔ یعنی ایسی شریعت خاصہ جو ایک امت کے ساتھ مخصوص ہو اس میں دوسری امت شامل نہ ہو **هُمْ نَاسِكُوهُ** یہ منسکا کی صفت مؤکدہ ہے اور اس میں قصر ہے جیسا کہ جار مجرور کی تقدیم دلالت کرتی ہے یعنی وہ امت مخصوصہ جو اپنے متعین کردہ عبادات پر عمل کرنے والی ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے مناسک یعنی عبادات توراۃ میں مندرج تھے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے تک مقرر رہے ان کے مبعوث ہونے کے بعد انجیل اتاری گئی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہورِ اقدس تک انجیل کے احکام کا اجرا رہا۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا نزول ہوا تو جملہ آسمانی کتب کے احکام منسوخ ہوگئے پھر قیامت تک اسی قرآن مجید پر عمل ہوتا رہے گا۔ اس معنیٰ پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک ہر فرد کے

نبی ہیں اور تمام لوگ آپ کی اُمتِ واحدہ ہے۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ تو آپ کے معاصرین اہل ملل آپ سے جھگڑا نہ کریں۔

حلِ لغات نزع الشئ بمعنے جذبہ من مقرہ یعنی شے کو اپنی مقر سے جدا کرنا۔ جیسے تیر کا کمان سے علیحدہ ہونا۔ اور منازعۃ بمعنے مخاصمت (جھگڑا کرنا)

فِي الْأَمْرِ دین کے معاملہ میں اس گمان پر کہ ان کا وہ دین جو انہیں آباؤ اجداد کے ہاتھوں ملا ہے کیونکہ ان کے دین کی دو کتابیں (۱) توراۃ (۲) انجیل منسوخ ہونے سے پہلے قابلِ عمل تھیں لیکن اب منسوخ ہو چکی ہیں اب آپ کے قرآن کے احکام جاری رہیں گے اور قیامت تک تمام لوگوں کے لیے یہی کتاب کافی رہے گی فلہٰذا ان کا جھگڑا بیکار ہے وَادْعُ اور تمام لوگوں کو دعوتِ اسلام دیجئے صرف چند لوگوں کے لیے ہی آپ مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپ جملہ لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے رب کی طرف، یعنی اس کی توحید و عبادت کی اسی طرح دعوت دیجئے جیسے ان کے لیے قرآن مجید میں احکامات اتارے گئے إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں یعنی آپ کی وہ راہ جو حق تک پہنچاتی ہے بالکل سیدھی ہے۔ اس سے آپ کا دین مراد ہے وَإِن جَادَلُوكَ اور اگر ظہورِ حق اور لزومِ حجت کے باوجود بھی وہ آپ سے جھگڑیں۔

حلِ لغات : مجادلۃ جدلت الحبل سے ہے بمعنے رسی کو بل دے کر مضبوط کرنا۔ اس معنیٰ پر گویا جھگڑا کرنے والے اپنی اپنی رائے کی رسیوں کے بل کو مضبوط کر کے دکھلاتے ہیں۔

فَقُلِ تو انہیں علیٰ سبیل الوعید فرمائیے اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ اللہ تعالیٰ تمہارے باطل اعمال کو خوب جانتا ہے منجملہ ان کے یہی تمہارا جھگڑا ہے پھر ان پر تمہیں جزا دے گا اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ اللہ تعالےٰ مومنوں اور کافروں کے فیصلے فرمائے گا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت میں ثواب و عذاب دے کر، جیسے دنیا میں دلائل اور آیات دکھا کر فیصلے کئے فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ وہ جو تم دین کے معاملہ میں اختلاف کرتے ہو أَلَمْ تَعْلَمْ کیا تمہیں معلوم نہیں ؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی تمہیں معلوم ہے أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو آسمان اور زمین میں ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں منجملہ اس سے کافروں کی باتیں اور اعمال بھی ہیں کہ وہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں إِنَّ ذَٰلِكَ بے شک وُہ جو آسمان اور زمین میں ہے فِي كِتَابٍ کتاب میں ہے کتاب سے لوحِ محفوظ مراد ہے کیونکہ اس میں تخلیق سے پہلے ہر شے کو لکھا گیا۔ اس لیے اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! ان کا معاملہ آپ کو پریشان نہ کرے ہمیں ہر امر کا علم ہے اور ہم ہی ہر شے کی حفاظت کرتے ہیں وَإِنَّ ذَٰلِكَ بیشک وُہ جو اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا ذکر ہوا اور فرمایا گیا کہ ہر شے لوحِ محفوظ میں مکتوب ہے عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کیونکہ اس کی ذات کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اسے عظیم قدرت اور وسیع علم ہو اس لیے نہ تو اس سے کوئی شے مخفی ہے اور نہ ہی کوئی کام اس کی قدرت کے سامنے مشکل ہے۔

تفسیر صُوفیانہ ان آیات میں مندرجہ ذیل اشارات ہیں طالبین راہِ ہدیٰ کے ہر گروہ کا ایک مخصوص راستہ ہے جس سے وہ سیر الی اللہ طے کرتے ہیں اور ہر ایک کے مخصوص مقامات ہیں جن میں ان کا روحانی قیام ہوتا ہے پھر ہر ایک گروہ کو ان کی صلاحیت و اہلیت کے مطابق مربوط فرمایا اور ہر ایک کو اس کے مقام پر پہنچاتا ہے جس کا وہ اہل ہے اس لیے وہ لوگ عبادت کے لیے ہر وقت مستعد رہتے ہیں اور مشاہد اجتہاد جد وجہد کرنے والوں کی وجہ سے معمور ہیں ، اور اصحابِ معارف کی مجالس لوازم عارفین سے مانوس ہیں اور عشاق کی منازل وجد کرنے والوں کی حاضری سے آباد و شاداب ہیں مقاماتِ سلوک و وصول اس لیے مختلف ہیں کہ دعوت حق مختلف طریق سے ہوتی ہے جس کے چند طریقے مندرجہ ذیل ہیں:

دعوت الی اللہ کے طریقے

(۱) خلقِ خدا کو حقیقتِ عبودیت میں فنا سے دعوت دی جاتی ہے ۔ وقد خلقتك من قبل ولم تك شيئا اور بے شک میں نے تجھے پیدا فرمایا حالانکہ تم لا شئے تھے ۔

(۲) بعض ملاحظۂ عبودیت سے دعوت دیتے ہیں اس کو ذلت و افتقار سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ عبودیت کا تقاضا ہے ۔

(۳) اخلاقِ رحمانیہ کو مدِ نظر رکھ کر دعوت دیتے ہیں ۔

(۴) اخلاقِ قہریہ کو مدِ نظر رکھ کر ۔

(۵) اخلاقِ الٰہیہ سے ۔ اور یہ جملہ طریقوں سے ارفع و اعلیٰ ہے ۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ طرق الی اللہ انفاس خلائق اور انفاس الٰہیہ کے برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جو شئون متجددہ وارد ہوتے ہیں وہ انفاس الٰہیہ کے مظہر ہیں ۔

ف : اہل اباء و انکار ہی مجادلہ کرتے ہیں اور حق پر معترض بھی یہی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کے احوال خوب جانتا ہے اور ہر گروہ کا قیامت میں ان کے حسبِ حال فیصلہ فرمائے گا ۔ دشمنانِ حق کے لیے فرمایا :

كفى بنفسك اليوم حسيباً ۔

اور اولیاء اللہ کا حساب نہایت آسان ہوگا ۔ بعض ان میں ایسے ہوں گے جنہیں بے حساب اجر و ثواب نصیب ہوگا ۔ اور جو اللہ کی محبت والے ہیں انہیں مخصوص مقام میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں جگہ ملے گی ۔

آیت کے بعض فوائد میں ایک یہ ہے کہ آسمان سے قلب مراد ہے اس میں یقین ، صدق و اخلاص اور محبت کا نور ہے ۔ اور ارض سے بشریت و نفسِ امارہ مراد ہے اس میں شک ، کذب ، شرک اور حرصِ دنیا کی تاریکی ہے ۔ اربابِ قلوب سے بلائیں دُور فرماتا اور انھیں اپنی نعمتوں سے بھرپور فرماتا ہے ۔ اور اربابِ نفوس پر بلائیں نازل کرتا ہے اور پھر ان کی شکایت بھی نہیں سُنتا ۔ اور یہ کتاب میں قلمِ تقدیر سے قدیم زمانہ سے مرقوم ہے ۔ جیسا کہ حضرت شیخ سعدی

قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگاریدۂ دست تقدیر اوست

ترجمہ : اگر تیری صورت بری ہے یا اچھی ہے اسے دستِ قدرت نے بنایا ہے۔
بے شک اللہ تعالیٰ پر بموافق تقدیر ان کی جزا و سزا آسان ہے۔ لیکن مومن کو معلوم ہے کہ جس کام کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے وہ امر اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے علم وعمل سے نوازا اسے سعادتِ عظمٰی نصیب ہوئی۔ اور جو جہل میں مبتلا ہوا اور نیکی سے سستی کرتا ہے وہ اس کی شقاوت کبریٰ کی علامت ہے۔ بہتر ہے کہ انسان احکام الٰہیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے اور شریعت وطریقت سے طریقِ حق میں جدّوجہد کرے یہاں تک کہ اسے معرفت وحقیقت تک پہنچنا نصیب ہو جائے۔

سوال : مندرجہ ذیل شعر تمہارے دعویٰ کے خلاف ہے : ؎

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن درد

ترجمہ : قضائے الٰہی کشتی کو جہاں چاہتی ہے لے جاتی ہے اگرچہ ناخدا کپڑے پھاڑ ڈالے۔
جواب : تقدیر کے مسائل عقل وقیاس سے وراء ہیں۔ بندہ اس سے بے خبر ہے اس سے کسی کو روگردانی کی تاب کہاں۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ حق ہے وہی سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَعْبُدُونَ اور مشرکین عبادت کرتے ہیں مِنْ دُونِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کر رہے ہیں مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہیں اتارا۔ ما سے اصنام مراد ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کا کوئی جواز نازل نہیں فرمایا سُلْطٰنًا بمعنے حجت وبرہان وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ اور انہیں بتوں کی عبادت کے جواز کا کوئی عِلْمٌ علم حاصل نہیں ہوا حالانکہ یہ معمولی عقل والا بھی سمجھتا ہے کہ بتوں کی پرستش کم عقلی کی دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ بت پرستی جہل سے یا اپنے آباء واجداد کی تقلید میں ایسا کرتے ہیں وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ اور ظالموں کے لیے نہیں۔ اور یہاں ظالمین سے وہ مشرک مراد ہیں جنہوں نے ایسے ظلمِ عظیم کا ارتکاب کیا مِنْ نَّصِيْرٍ ان کے ظلم کے سبب سے ان پر جو عذاب نازل ہوگا اسے دفع کرنے کے لیے ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کے خالص بندے ہوتے ہیں انہیں وہ برہان بخشتا ہے اور ان کے لیے مضامین کو واضح فرما دیتا ہے دلائل سے معزز فرماتا ہے

اور جو اہلِ خذلان ہیں انہیں ان کی اصنام پرستی کے جواز کے لیے کوئی برہان نصیب نہیں، نہ ہی ان کے مطلوب پر براہین قایم کیے جاتے ہیں نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصرت میسر ہوتی ہے بلکہ ان کی قسمت میں رسوائی ہی رسوائی لکھ دی جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ اور مشرکین پر پڑھی جاتی ہیں اٰيٰتُنَا ہمارے قرآن کی آیات میں سے بَيِّنٰتٍ حالانکہ وہ آیات عقاید حقیہ و احکامِ الٰہیہ پر واضح الدلالۃ ہیں تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ تم کافروں کے چہروں میں تیوری جان لوگے۔ المنکر بمعنے انکار بالعبوس والکراھۃ جسے ہم تیوری چڑھانا کہتے ہیں۔ اور المنکر المکرم بمعنے اکرام کی طرح مصدر یعنی انکار کے معنیٰ میں ہے یعنی چونکہ کفار کو حق سے بہت زیادہ عناد اور دشمنی ہے اسی لیے جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو کراہت و نفرت کے آثار ان کے چہروں سے ہویدا ہوتے ہیں۔

ف : چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے دل کے اقرار و انکار کے آثار چہرے سے صاف نظر آتے ہیں۔ ہر برتن سے وہی باہر نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے جیسے صالح علیہ السلام کی قوم کا حال ہوا کہ جو کچھ ان کے باطن میں تھا وہ چہروں پر صاف ظاہر ہوگیا۔

فقیر (حقی رح) نے کہا: ؎

۱ ہر کرا صورت بیاض الوجہ بود
صورت حال درونش رو نمود

۲ گر سیاہ و یا کبودی بود رنگ
رنگ او ظاہر شد از دل بے دل تنگ

ترجمہ : ۱۔ جس کے چہرے سے سفیدی ظاہر ہو وہ اس کے اندرونِ حال کی گواہ ہے۔
۲۔ اگر سیاہی یا کبودی ظاہر ہو تو وہ رنگ بتائیں گے کہ اس کے دل میں تنگی (ملال) ہے۔

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا قریب ہے کہ وہ فرطِ غیظ و غضب سے حملہ کرتے ہیں ان اباطیل کی وجہ سے جن کی تقلید میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یسطون السطوۃ بمعنے ہاتھ اٹھا کر پکڑنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے سطا بہ۔ قُلْ ان کا رد کرتے ہوئے اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے سے ناامید کر کے فرمائیے اَفَاُنَبِّئُكُمْ تو کیا میں تم سے مخاطب ہو کر تمہیں خبر دوں بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ان سے بدتر شے کی، یعنی اس شئے کی خبر دوں جو تمہاری تلاوتِ قرآن پر غیظ و غضب میں ہیں اور قرآن سن کر تم پر حملہ کرتے ہیں ان سے بھی وہ شے بدتر ہے اَلنَّارُ وہ جہنم ہے۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا وہ جہنم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ جس کا اللہ تعالےٰ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے وہ جہنم ہے اور بہت برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ قطعیت و طرد و ابعاد کی نار اس انکار سے بدتر ہے جو منکرین کے قلوب میں ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ان جملہ امور سے دُور رہے جو شرک و انکار کا موجب بنیں اور ان امور کے قریب ہونے کی کوشش کرے جو توحید و اقرار اور حقائق و اسرار کی طرف متوجہ کرنے کے سبب بنیں۔ عقلمند پر لازم ہے کہ اولیاء اللہ سے محبت کرے اور اہلِ ضلالت سے بغض رکھے۔

حدیث شریف قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابنِ آدم! تُو نے دنیا میں زُہد کیا تو کیا ہوا وہ تو تُو نے اپنی راحتِ نفس کے لیے کیا تھا اور پھر تُو میری طرف رجوع کر کے انقطاع عن الناس کیا تو کیا ہُوا وہ تُو نے اپنی عزتِ نفس کے لیے کیا۔ ہاں تجھ سے پُوچھتا ہُوں، بتا تُو نے میرے دشمن سے دشمنی کی یا نہیں اور میرے ولی سے پیار کیا یا نہیں۔

ف : کفر و انکار جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور توحید و اقرار جنت میں پہنچاتے ہیں انسان کو توحید و اقرار سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ملی کیونکہ انسان توحید کے سبب سے سعادت ابدیہ تک پہنچاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عمل کا وزن ہوگا سوائے کلمۂ شہادت (توحید) کے کہ اس کا وزن نہ ہو سکے گا۔ اور جب انسان کے دل میں توحید راسخ ہو جاتی ہے تو پھر وہ اقرار بھی کرتا ہے اور ذکر بھی۔ جب بھی اس کے لیے موزوں وقت پاتا ہے تو ذکر و فکر میں محو ہو جاتا ہے۔

زبیدہ بیگم ہارون الرشید کی بخشش کا موجب بعض بزرگوں نے زبیدہ زوجہ ہارون الرشید کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھ کر پُوچھا کہ تیری نجات کا سبب کون سا عمل ہوا؟ کیا وہ نہر جو تُو نے عرب میں کھدوائی تھی؟ زبیدہ نے جواب دیا نہیں، وہ تو اموالِ مغصوبہ سے کھدوائی گئی تھی اس کا ثواب تو انہیں ملا جن کے مال تھے۔ میری نجات کا ایک عمل ہوا وہ یہ کہ میں مجلسِ شراب میں بیٹھی تھی تو مؤذن نے اذان پڑھی میں نے ادب سے شراب سے ہاتھ اٹھا لیا اور اختتام پر کلمۂ شہادت پڑھا۔ آج موت کے بعد فرشتوں نے کہا کہ اس سے عذاب اٹھا لو اگر اس کے دل میں توحید راسخ نہ ہوتی تو شراب کے وقت اللہ کو یاد نہ کرتی۔ اس طرح میں انجام بخیر کو پہنچی۔

ف : دوزخیوں کے لیے دوزخ قریب تر ہے انھیں آگ کا جُوتا پہنایا جائے گا جس سے ان کے دماغ اُبلیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وبئس المصیر اور دوزخ برا ٹھکانا ہے اس میں کسی قسم کی راحت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نارِ بُعد و عذابِ سعیر سے بچائے، وہی سب سے بہتر بچانے والا اور پناہ دینے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

اے لوگو ایک کہاوت فرمائی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو وہ جنہیں اللہ کے

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ

سوا پوجتے ہو ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں

وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ

اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں کتنا کمزور چاہنے

وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَللّٰهُ

والا اور وہ جس کو چاہا اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی بے شک اللہ قوت والا غالب ہے اللہ

يَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰۤـئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝

چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور سب کاموں کی رجوع اللہ کی طرف ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا

اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ۚ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا

کرو اس امید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا اس نے تمہیں پسند کیا اور

جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ

تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی تمہارے باپ ابراہیم کا دین اللہ نے تمہارا نام

الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ

مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تاکہ رسول تمہارا نگہبان و گواہ ہو

وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

اور تم اور لوگوں پر گواہی دو تو نماز برپا رکھو اور

الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰٮكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى

زکوٰۃ دو اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو وہ تمہارا مولیٰ ہے تو کیا ہی اچھا مولیٰ

وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ اے لوگو! تم سے وہ حالت بیان کی گئی ہے جو عجیب وغریب اور انوکھا قصہ ہے درحقیقت مثل اس کہاوت کو کہا جاتا ہے جو عجیب طرز سے بیان ہو۔ پھر وہ طرز پر امصار اعصار میں پھیل جائے فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ تو اس مثل کو تفکر و تدبر کے ساتھ سنو۔ یعنی گوشِ ہوش سے سن کر اس میں تامل و تفکر کرو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ان نسیان کے ماروں کی طرف اشارہ ہے جو حقیقت امر کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے اس لیے ایک کہاوت سے انہیں متنبہ کیا گیا ہے تاکہ وہ نورِ غفلت سے بیدار ہوں یہ خطاب عہد میثاق کو بھلانے والوں کو عام اور فہم خطاب کے ادراک کی استعداد رکھنے اور سننے والوں کو خاص طور ہے۔ اور یہ امر تکوینی ہے تاکہ خطاب کو سن کر اس سے نصیحت حاصل کریں۔

ربط: خطاب کے بعد اب اصل مقصد کو بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی پرستش کرتے ہیں یعنی وہ بت جن کی پرستش کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرتے ہیں[1] یہ مثل کا بیان ہے۔

تین سو ساٹھ بُت حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ سب کے سب اللہ کے غیر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے: ماسوی اللہ سے ظاہری و باطنی بت مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ یعنی حالانکہ مکھی ایک چھوٹا اور نہایت حقیر سا جانور ہے لیکن یہ تمام بُت مل کر ایسی ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے کیونکہ لفظ لَنْ تاکید نفی کے لیے ہے جو منفی اور منفی عنہ کے مابین منافات پر دلالت کرتا ہے۔

مکھی کے متعلق تحقیق الذباب الذب سے ہے بمعنے الدفع یذب بمعنے یمنع و یدفع۔ اس کا اطلاق اس معنیٰ معروف پر ہوتا ہے یعنی مکھی، شہد کی مکھی اور بھڑ۔ وان یسلبهم الذباب اور اگر ان سے مکھی چھین کر لے جائے۔ یہاں پر الذباب سے یہی معروف مکھی مراد ہے۔

---

[1] یہاں اس غلط عقیدہ کے لوگوں کا رد ہے جو تدعون سے انبیاء و اولیاء کی ندا کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہاں تدعون بمعنے تعبدون ہے۔ چنانچہ روح البیان ج ۶ ص ۱۶ میں ہے کہ الاصنام التی تعبدونها الخ۔ اویسی غفرلہ

مکھی کی تخلیق اور اعجوبہ مکھی گندگی اور عفونت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی پلکیں نہیں ہوتیں بوجہ اس کے چھوٹے جثہ کے۔ چونکہ پلکیں آنکھوں سے گرد و غبار صاف کرتی رہتی ہیں اس لیے مکھی اپنی آنکھوں کی صفائی اپنے ہاتھوں سے کرتی ہے اس لیے عموماً دیکھا جاتا ہے کہ مکھی اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر ملتی رہتی ہے۔

ف : کدو کے پتوں کے دھوئیں سے مکھی بھاگ جاتی ہے۔

وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ اگرچہ مکھی بنانے میں سب کے سب جمع ہو جائیں۔ یہ جواب مقدر کے ساتھ مل کر حال ہے۔ مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے۔ یعنی سارے بت مل کر ایک دوسرے کی معاونت کرتے ہوئے ایک مکھی بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکیں گے۔

مکھی میں زہر اور شفاء حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کھانے میں مکھی گر جائے تو اس کھانے میں مکھی کو غوطہ دے دو۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں شفاء ہے۔ اور مکھی کی عادت ہے کہ وہ پہلے زہر والا پر ہی ڈبوتی ہے۔ (نسائی شریف)

ف : اس حدیث کو ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

زہر سے حفاظت کنز العباد میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص کچھ کھائے پیئے تو یہ دعا پڑھ لے اس کی برکت سے کھانے کے مضر اثرات سے محفوظ رہے گا:

بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

(اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے اور ایسے نام کے ساتھ جو زمین و آسمان کا مالک ہے وہ اللہ جس کے نام کی برکت سے آسمان و زمین کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے)

حکایت روایت ہے کہ ابو مسلم خولانی کی ایک لونڈی تھی اس نے اپنے مالک کو کئی بار زہر دیا لیکن اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کافی مدت گزرنے کے بعد لونڈی نے مالک سے پوچھا کہ میں نے تم کو کئی بار زہر دیا لیکن تم پر اثر نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟ مالک نے پوچھا، تو نے مجھے زہر کیوں دیا تھا؟ اس نے کہا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو اور مجھے بڈیاں پسند نہیں۔

مالک نے کہا کہ میں ہمیشہ پاک کلمات اپنے ہر کھانے پینے کی چیز پر پڑھ کر کھاتا پیتا ہوں۔ اس کی برکت سے میں محفوظ رہا۔ اور ساتھ ہی اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔

جب ان کی اجتماعی طاقت اتنی کمزور ہے تو پھر انفرادی طاقت کا حال تو اس سے بھی زبوں تر ہوگا۔ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا اور اگر ان سے مکھی کوئی شے چھین لے لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ تو اس سے وہ چھینی ہوئی چیز واپس نہیں لے سکتے حالانکہ مکھی ایک کمزور شے ہے وہ اس سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

اعجوبہ بت کے پجاری اپنے بتوں پر خوشبو اور شہد لگا کر دروازے بند کر دیتے تو مکھیاں اندر گھس کر تمام شہد وغیرہ چٹ کر جاتیں۔ یہ ان کی اسی کارروائی کی طرف اشارہ ہے۔

ف: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشرکین کی عادت تھی کہ وہ بتوں پر خوشبو اور شہد لگا کر دروازوں کو مقفل کر دیتے تھے۔ مکھیاں اندر گھس کر سب کچھ کھا جاتیں۔ مشرکین کچھ دنوں کے بعد جب دروازے کھول کر دیکھتے تو وہاں شہد ہوتا نہ خوشبو۔ وہ پھولے نہ سماتے کہ یہ بتوں نے استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا کہ یہ تمہارے بت نہیں بلکہ مکھیاں کھا گئی ہیں۔ تم کتنے احمق ہو کہ ان کی عاجزی اور کمزوری کو جاننے کے باوجود بھی ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہو حالانکہ وہ نہ صرف ایک مکھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں بلکہ وہ تو مکھی کی چھینی ہوئی چیز واپس کرانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ طالب سے بت پرست اور مطلوب سے بت مراد ہے۔ یا طالب سے مکھی (جو بتوں سے خوشبو اور شہد چھیننے کی طلبگار ہے) اور مطلوب سے بت مراد ہیں۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت نہ پہچانی، یا اس کی تعظیم کا حق ادا نہ کیا کیونکہ انہوں نے اس کے ساتھ ایسی کمزور چیزوں کو شریک ٹھہرایا جو نہ مکھیوں کو اپنے سے روک سکتے ہیں نہ ان سے بدلہ لے سکتے ہیں اور نہ ان کے ایسے نام رکھتے ہیں جو ابعد الاشیاء ہوتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت رکھتا ہے کہ اس نے جملہ ممکنات کو پیدا فرمایا اور جملہ موجودات کو فنا کرے گا۔ عزیزٌ بہت غلبے والا ہے وہ ہر شے پر غالب ہے اس پر کوئی شے غالب نہیں۔ اور ان کے معبود عاجز محض ہیں بلکہ ذلیل ترین ہیں۔

ف: اس تفسیر کی تائید حضرت ابن عطاء سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ قول وان یسلبھم الذباب الخ کے مطابق ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے جو ہیبت و عظمت کے لحاظ سے سب پر غالب ہے۔ وہ ایک معمولی شے سے کیسے خائف ہوسکتا ہے۔ وہ اس چیز کے عجز و ضعف کو ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی پرستش کرنے والوں کو معلوم ہو کہ جب یہ (بت) اس قدر ذلیل اور ضعیف ہیں تو ان کی پرستش سے کیا فائدہ۔ ایسے ہی ہر انسان اپنے عجز و ضعف کو ذہن میں رکھ کر غور کرے کہ وہ ایک ضعیف ترین انسان ہے تو پھر دوسروں پر تفوق و برتری کا دعویٰ کیوں۔ سب انسان آدم کی اولاد ہیں۔

ف

۱ عاجز انکہ عاجزاں را بندہ اند

چوں فتد کارے زہم شرمندہ اند

۲ عجز و امکان لازم یک دیگر ند
پس ہمہ خلقے ز ھم عاجز ترند

۳ قوت از حق است و قوت حق اوست
آن او مغز است و آن خلق پوست

ترجمہ :۱۔ وہ عاجز جو عاجزوں کے پرستار ہیں جب ان سے کوئی کام نہیں بنتا تو شرمسار ہوتے ہیں۔
۲۔ کیونکہ ان دونوں کو عجز و امکان لازم ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام مخلوق ایک دوسرے سے عاجز تر ہے۔
۳۔ قوت حق سے ہے اور اس کی قوت حق ہے اس کی آن مغز اور تمام مخلوق کی آن پوست ہے۔

ف : واسطی نے فرمایا کہ آیۃ اخیرہ سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہی اپنی قدر و منزلت جانتا ہے کوئی اس کی قدر و منزلت کیسے جان سکتا ہے جبکہ اس کی معرفت کی قدر و منزلت کے عرفان سے رسل کرام اور اولیاء عظام بھی عاجز ہیں حالانکہ وہ اس کی ذات کے وسائل و وسائط ہیں۔ اس کے ماسوا کی طرف التفات نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کے ذکر سے غفلت برتی جائے اور نہ ہی اس کی اطاعت سے سستی کی جائے۔ کیونکہ یہی اس کے ظاہری عرفان کی قدر و منزلت کی علامت ہے۔ ہاں حقیقی عرفان پر کسی کو قدرت نہیں، وہ اپنے آپ کو خود جانتا ہے اور بس۔

کاشفی مرحوم کی صوفیانہ تقریر جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ جیسے مشرکین اس کی حقیقی معرفت سے عاجز ہیں ایسے ہی اہلِ ایمان اور ان کے اہلِ علم بھی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ بحکم ولا یحیطون به علما کوئی بھی اس کے آستان کبریا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس کی ہویت کے قریب جانے کے لیے کوئی رہبری کر سکتا ہے۔ ماسویٰ کو اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تو پھر اس کے قریب ہونے کی معرفت کیسے حاصل کر سکتا ہے اور معرفت مناسبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، کہاں ہم مٹھی بھر مٹی اور کہاں وہ رب العالمین ع

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

ترجمہ : عالم پاک سے مٹی کو کون سی نسبت !

صوفیہ کے صوفیانہ خیالات بعض مشایخ نے فرمایا کہ تیری معرفت جیسے کہ تو ہے ہم نے نہیں سمجھا۔ ہاں ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق تجھے پہچانا ہے۔

ف : شرح مفاتیح الغیب مصنفہ شیخی وسندی قدس سرہٗ میں ہے کہ علمِ الٰہی جسے اہل اللہ کے مشرب میں علم الحقایق کہا جاتا ہے جو درحقیقت یہی علم الحق ہے کہ اس سے اس کے اور مخلوق کے درمیان ارتباط ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں بہت سے کاملین ورطۂ حیرت میں ہیں اور وہ عرفانِ الٰہی سے اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں۔

ولی کی پہچان عرفانِ الٰہی سے زیادہ مشکل ہے حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ نے فرمایا:

معرفۃ الولی اصعب من معرفۃ اللہ فان اللہ معروف بکمالہ وجمالہ متی یعرف مخلوقا مثلہ یاکل کما یاکل و یشرب کما یشرب۔ (روح البیان ج ۶ ص ۶۲)

ولی کی معرفت اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مشکل تر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے کمال و جمال کی وجہ سے معروف ہے لیکن اسے کیسے سمجھا جائے جو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے۔

اور یہ شرح المفتاح کی تقریر کے موافق ہے۔ جسے تھوڑا سا بھی ذوق نصیب ہو وہ اسے ٹھیک طور پر سمجھ جاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے ملائکہ سے رسول جو اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے درمیان واسطہ بنائے گئے ہیں جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام)۔

حل لغات: المفردات میں ہے: الصفا بمعنے شے کا ملاوٹ سے صاف ہونا۔ اور اصطفا بمعنے تناول صفو الشی بمعنے تناول الخیر۔ ایسے ہی اجتبا بمعنے تناول الجبایۃ۔

ف: اللہ تعالیٰ بعض مخلوق کو پیدائشی طور پر ہر ملاوٹ سے پاک پیدا فرماتا ہے۔ اور بعض کو بعد تخلیق ہر آلائش سے پاک اور منزہ فرماتا ہے۔ دوسری قسم پہلی قسم کے منافی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ملائکہ میں سے بعض کو رسل مقرر فرماتا ہے تاکہ بندوں (انسانوں) کے درمیان وہ واسطہ بنیں اور ان کے ہاں پیامِ الٰہی پہنچائیں جب تک وہ بلا واسطہ پیام لینے کی اہلیت و صلاحیت پائیں اسی درمیانی مدت تک ملائکہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان پیام رسانی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ اور انسانوں میں بعض ایسے خوش بخت ہیں جو مخلوق کو خالق کے پیام پہنچاتے ہیں اور یہ مخصوص انسان ہیں جن کے نفوس زکیہ اور قوتِ قدسیہ سے تائید کردہ اور روحانی و جسمانی عالم کے کلام سے واقف ہوتے ہیں جو ایک جانب سے دوسری جانب تک پہنچا سکتے ہیں ان کی جانب حق کے ساتھ متعلق ہونے سے مخلوق کے تعلقات و مشاغل و عوائق مانع نہیں ہوتے اس لیے ان کے ہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ مخلوق تک پہنچاتے اور انھیں احکام و شرائع الٰہی بتلاتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمام مسموعات کو سنتا ہے۔

ف: جناب کاشفی نے لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کے اقوال سنتا ہے جب وہ تبلیغ فرماتے ہیں۔

بَصِيْرٌ تمام مبصرات کو دیکھنے والا ہے اس لیے اس پر نہ افعال مخفی ہیں نہ اقوال۔

ف: جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ امت کے حال کو جانتا ہے جو ان کی دعوتِ اسلام کو رد اور قبول کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ سمیع ہے کہ ان کی احتیاج الی الوجود کی عاجزی کو عدم میں سنتا تھا جب کہ وہ معدوم تھے۔ اور اسے دیکھتا تھا جو عدم میں رسالت کا مستحق تھا جبکہ وہ معدوم تھا۔

تفسیر عالمانہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ جو کچھ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔ یعنی اشیاء میں سے پریشان کن اور راحت دینے والی ہر شے کو جانتا ہے۔

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ جو آدمیوں کے آگے ہے، یعنی ان کے وہ اعمال جو انہوں نے زمانۂ ماضی میں کئے اور وہ اعمال جو زمانۂ مستقبل میں کریں گے سب کو جانتا ہے۔

وَإِلَى اللَّهِ اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف۔ کسی دوسرے کی جانب نہیں، نہ بالاشتراک نہ بالاستقلال۔ تُرْجَعُ رجعت قہقری[1] کی طرح لوٹائے جائیں گے الْأُمُورُ جملہ امور، کیونکہ وہی بالذات سب کا مالک ہے۔ جس کو جس عہد کے لیے منتخب فرمائے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور ان سے ان کے کردار کا سوال ہوگا۔

امام زین العابدین رضی کی بردباری کے واقعات کسی نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھا۔ آپ نے فرمایا جیسے تُو کہتا ہے اگر میں ویسا ہُوں تو میں اللہ تعالےٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اگر میں ویسا نہیں ہوں تو میں تیرے لیے استغفار کرتا ہوں۔ وہ شخص نادم ہُوا اور اُٹھ کر آپ کے سرِ مبارک کو چُوما اور کہا، جیسے میں نے کہا آپ ویسے نہیں، میرے لیے استغفار فرمائیں۔ اب مجھے یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے رسالت کا انتخاب فرماتا ہے۔

بدم گفتی و خرسندم سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ایک مسجد سے باہر نکلے تو ایک شخص نے آپ کو گالی دی۔ یہ سُن کر آپ کے جان نثاروں اور غلاموں نے اس شخص کو گھیر لیا تاکہ اس کی سرزنش کریں۔ آپ نے منع فرمایا اور کہا: اسے میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ شخص حاضر ہوا آپ نے فرمایا: تُو نے میرے جتنے عیوب سنائے ہیں وہ بہ نسبت ان غلطیوں کے بہت کم ہیں جو میرے اللہ نے چھپائے ہیں۔ اگر تو چاہے تو میں تمہیں وُہ بھی بتا دوں تاکہ تو میری مذمت اور زیادہ کر سکے۔ وہ شخص ندامت کے مارے سر جھکائے کھڑا تھا آپ نے اسے اپنا قیمتی کمبل عطا فرمایا اور ساٹھ ہزار درہم بھی عنایت فرمائے۔ وہ شخص کہنے لگا، میں گواہی دیتا ہوں آپ یقیناً اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

ف : اہلِ بیت کے لیے یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اہلِ دنیا تھے کہ وہ جمع کردہ دولت سے خرچ کرتے تھے بلکہ وُہ سخی گھرانہ تھا اور احسان و مروّت اور جُود و سخا ان کی فطرت تھا اور وہ بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ جو کچھ ان کے ہاں آتا تھا وہ فوراً راہِ خدا میں لُٹا دیتے تھے۔ چنانچہ مندرج اشعار ان پر صادق آتے ہیں: سہ

---

[1] اُلٹے پاؤں

تعود بسط الکف حتی لو انہ

ثناھا لقبض لم تطعہ انا ملہ

فلو لم یکن فی کفہ غیر نفسہ

لجاد بھا فلیتق اللہ سائلہ

ترجمہ :- اس کی ہتھیلی ہمیشہ کھلی رہتی ہے یہاں تک کہ جبراً بند کرو تو اس کی انگلیاں قابو میں نہیں آتیں - اگر اس کے ہاتھ میں سوائے اپنی جان کے اور کچھ بھی نہ ہو تو وہ جان دینے کو تیار ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسے سائل سے بچائے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا اے ایمان والو ! اپنی نماز میں رکوع و سجود کرو۔ مختلف تفاسیر کے مطابق رکوع و سجود کا حکم اس لیے ہوا کہ ابتدائے اسلام میں رکوع و سجود نہیں تھا۔

حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے نماز رکوع کے بغیر پڑھی جاتی تھی اس آیت سے حکم ہوا کہ اب سجود کے ساتھ رکوع بھی کیا کرو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کبھی نماز کو سجود سے ادا کرتے تو رکوع نہیں کرتے تھے۔ اور کبھی سجود کرتے تو رکوع ترک کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : نماز میں دونوں ضروری ہیں۔

جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں قیام و قعود تھا۔ اس آیت میں حکم ہوا کہ ان کے ساتھ رکوع و سجود بھی کیا کرو۔

بعض دیگر مفسرین نے فرمایا کہ اس میں نماز کا حکم ہے۔ رکوع و سجود سے اسے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ نماز کے اہم ترین رکن ہیں۔

وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ ان اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جن کا تمہیں حکم ہے وَافْعَلُوا الْخَیْرَ اور نیکی کرو یعنی ہر اس کام کے لیے جدوجہد کرو جو بہتر اور صالح تر ہو۔ جیسے نوافل، صلۂ رحمی اور مکارمِ اخلاق وغیرہ۔

حدیث شریف ۱ میں ہے : نوافل کو اچھے طریق سے ادا کرو اس لیے کہ انہی نوافل سے فرائض کی تکمیل ہوتی ہے۔

حدیث شریف ۲ مرفوع حدیث میں ہے کہ نوافل بندوں کا ہدیہ و تحفہ ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا ہے فلہٰذا چاہیے کہ اپنا ہدیہ بہتر طریق سے اور اطیب کر کے پیش کرو۔

حلِ لغات : الخیر بمعنے ہر وہ شے جس میں ہر ایک کو رغبت ہو جیسے عقل، فضل، عدل۔ اور ہر مفید شے۔ اس کی ضد شر ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ خیر دو قسم کی ہے :

(۱) خیرِ مطلق، جس میں ہر ایک کو ہر وقت رغبت ہو۔ جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت کے متعلق فرمایا: بہشت سے بہتر کوئی چیز نہیں اور دوزخ سے بُری کوئی شے نہیں۔

(۲) خیرِ مقید، جو بعض کے لیے بہتر ہو اور بعض کے لیے مضر۔ جیسے مال، جو بسا اوقات زید کے لیے مفید ہوتا ہے لیکن عمرو کے لیے مضر۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ فلہٰذا جملہ امورِ مذکورہ بالا عمل میں لاؤ درانحالیکہ تم فلاح کی امید میں رہو۔ ایسا نہ ہو کہ ان امور کی ادائیگی کے بعد یہ یقین کر کے بیٹھ جاؤ کہ بس اب ہم فلاح پا چکے۔ اعمال کا کوئی بھروسا نہیں، اس کے فضل و کرم کی امید میں رہو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بضاعت نیاوردم الا امید

خدایا ز عفوم مکن نا امید

ترجمہ: صرف امید کی پونجی لایا ہوں۔ اے اللہ! مجھے اپنے عفو و کرم سے ناامید نہ فرما۔

فلاح کی تحقیق فلاح بمعنے ظفر اور مقصد کی کامیابی۔ یہ دو قسم کی ہے:

(۱) دنیوی (۲) اُخروی

دنیوی یہ ہے کہ ایسے اسباب میسر آجائیں جن سے زندگی عیش سے بسر ہو۔ مثلاً درازیِ عمر، غنا (دولتمندی)، عزت، علم۔

اُخروی چار امور کے حصول کا نام ہے:

(۱) بقاء بلا فناء

(۲) غنا بلا فقر

(۳) عزّت بلا ذلت

(۴) علم بلا جہل

اسی لیے حدیث شریف میں ہے:

آخرت کا عیش ہی حقیقی عیش ہے۔ ع

زنہار دل مبند بر اسباب دنیوی

ترجمہ: خبردار! اسباب دنیوی کے ساتھ دلبستگی نہ کرو۔

مسئلہ: امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ آیت سجدہ ہے کیونکہ اس میں سجدہ کا حکم ہے۔ حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سجدہ کے متعلق اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن مجید کے سجدۂ تلاوت

کا یہ ساتواں سجدہ ہے۔ اور حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے سجدۃ الفلاح کا نام دیا ہے۔

ارشادِ امام اعظم رضی اللہ عنہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سجدۂ صلوٰتیہ ہے، جیسا کہ سجود و رکوع دونوں کو یکجا بیان کرنے کا قرینہ بتاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یایھا الذین الخ میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ قیام انسانیت کے تکبر کو چھوڑ کر حیوانیت کی تواضع کی طرف رجوع کرے کیونکہ چوپائے ہمیشہ رکوع میں رہتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: و منھم من یمشی علی اربع اور ان کے بعض وہ ہیں جو چار پَیروں پر چلتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ رکوع کو چھوڑ کر زیادہ انکساری کو چلا جائے۔ جیسے نباتات ہمیشہ عجز و نیاز کے ساتھ سربسجود ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

والنجم والشجر یسجدان۔ اور ستارے اور درخت سجدہ ریز ہیں۔

کیونکہ روح نے ایسی ہی منازل طے کی ہیں کیونکہ وہ عالمِ ارواح سے نیچے اُتری ہے تو معکوس ہو کر، یعنی عجز و نیاز کی طرف آئی تو پہلے[1] نباتی منازل پھر حیوانی منازل طے کر کے انسانی منزل میں پہنچی۔ اس بنا پر اگر انسان وصالِ الٰہی کا طالب ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی منازل اسی طریق (عجز و نیاز) سے طے کرے۔ یہی راز ہے الصلوٰۃ معراج المومنین میں۔ اور قولِ الٰہی و اعبدوا ربکم سے یہی واضح ہوتا ہے یعنی اس عجز و نیاز کو عمل میں لاؤ پھر ذاتِ حق کے وصال کے مزے لوٹو و افعلوا الخیر اپنے جمیع احوال و اعمال خیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو لعلکم تفلحون تاکہ تم حجب ظلمات نفسانیہ و انوار رحمانیہ کی منازل طے کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ الجہاد و المجاہدہ بمعنے اپنی طاقت دشمن کی مدافعت میں صرف کرنا فی اللہ بمعنے فی سبیل اللہ (کذا فی الجلالین)۔ دوسری تفاسیر میں فی اللہ بمعنے للہ لکھا ہے۔ یعنی اللہ کی رضا کے لیے دین اسلام کے ظاہری و باطنی اعداء کی مدافعت میں قوت اور طاقت صرف کرو۔ جملہ اہل زیغ ظاہری دشمن ہیں اور باطنی اعداء نفس اور شہواتِ نفسانیہ حَقَّ جِهَادِهٖ اس کے جہاد کا حق ادا کرو۔

---

[1] اس سے ڈارون کے نظریۂ فاسد کو تصور میں نہیں لانا چاہیے جیسا کہ اس نے کہا کہ انسان کی اصل بندر (حیوان) ہے ارتقا کی منازل طے کرنے کے بعد انسانی صورت موجودہ وجود میں آئی۔ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) بلکہ اس کا مطلب واضح ہے کہ انسان کی روح پہلے عالم بالا میں تھی اسے عالمِ دنیا میں لایا گیا تو عجز و نیاز سے، کہ جیسے نباتات حضورِ حق میں سربسجود ہیں ایسے ہی روح عجز و نیاز کے ساتھ آئی۔ اس سے سالک کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر تم وصالِ الٰہی چاہتے ہو تو روح کی طرح عجز و نیاز اختیار کرو۔ اویسی غفرلہٗ

جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ یعنی نیتِ خالص اور رضائے الٰہی مدِ نظر رکھ کر جہاد کرو۔ یعنی وُہ جہاد جس میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وہ جو صرف اسی کی رضا کے لیے ہو۔ یہ عبارت دراصل جہادا حقا بمعنے خالصا لوجهه تھا۔ مبالغہ کے طور عبارت کو برعکس لایا گیا اور جہادہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کرنے میں بھی مبالغہ مطلوب ہے۔

جہاد کی اقسام جہاد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ظاہری دشمن سے

(۲) شیطان سے

(۳) نفس سے۔ یہ تینوں آیہ مذکورہ میں داخل ہیں۔ (کذا قال الراغب)

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کفّار کے ساتھ ہاتھوں اور زبانوں سے جہاد کرو۔

حدیث شریف ۲ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کے ساتھ ایسے جہاد کرو جیسے دشمنوں سے کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف ۳ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر فرمایا:

ہم جہادِ اصغر سے فارغ ہو کر جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

ف: اس سے ثابت ہُوا کہ نفس کا جہاد کفار و شیاطین کے جہاد سے سخت تر ہے۔ اس میں اتباع الاوامر و اجتناب عن النواہی کی ترغیب ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ اے شہان کشتیم ما خصم برون
ماند از و خصمی بتر در اندرون

۲ کشتن این کار عقل و ہوش نیست
شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

ترجمہ: اے بادشاہو! ہم نے اپنے ظاہری دشمنوں کو تو مار ڈالا لیکن اندرونی دشمن تا ہنوز زندہ ہے۔ اس کا قتل کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں یہ باطنی شیر خرگوش کے مکر و فریب میں نہیں آسکتا۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ اسی نے تمہیں اپنے دین کی نصرت کے لیے چُنا، تمہارے غیروں کو نہیں۔ اس میں جہاد کے مقتضیٰ اور دعوت الی الجہاد کی تنبیہ ہے۔

ف: ابن عطاؒ نے فرمایا: اس میں اشارہ ہے کہ اجتبائیت جہاد کا وارث بناتی ہے نہ یہ کہ جہاد سے اجتبائیت نصیب

ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ یعنی ادائیگی حقوق کے لیے تزکیۂ نفس کر کے جہاد کرو۔ یعنی نفسوں سے حظوظِ نفسانیہ ترک کراؤ اور قطع تعلق از کونین مراقبات عن الملاحظات میں قلوب کا تصفیہ کرو اور وجودِ فانی کو وجودِ باقی میں فنا کر کے ارواح کا تحلیہ (سنگار) کرو تاکہ فانی وجود باقی وجود کے ساتھ باقی ہو۔ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ تمام مخلوق میں سے انہی کرامات کے لیے اس نے تمہیں منتخب فرمایا ہے۔ اگر اس کا انتخاب نہ ہوتا اور نہ ہی تمہیں اس جہاد کی استعداد عطا ہوتی اور نہ وہ تمہیں راہِ ہدایت بخشتا تو تم کبھی اس جہاد فی اللہ کے قریب نہ پھٹکتے۔

فلولا کمو ما عرفنا الھوی

ولولا الھوی ما عرفنا کمو

ترجمہ: اگر تم نہ ہوتے تو ہم عشق کو معروف نہ کرتے اور اگر عشق نہ ہوتا تو تم بھی معروف نہ ہوتے۔

ف: جہادِ حق کے مبادی میں سے ہے فلہٰذا نفس کے جہاد میں لمحہ بھر بھی سستی نہیں کرنی چاہیے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا:

یارب ان جہادی غیر منقطع

فکل ارضك لی ثغر وطرطوس

ترجمہ: اے میرے پروردگار! میرا جہاد جاری ہے تیری زمین میری سرحدیں اور پہلوان ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ اور ہم نے تمہارے اوپر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں بنائی۔

حلِ لغات: حرج و حراج بمعنے شے کا جمع ہونا، اور وہ شے جس سے تنگی متصور ہو۔ اسی لیے ضیق (تنگی) کو حرج کہا جاتا ہے یعنی ہم نے دین میں کوئی ایسی تنگی نہیں رکھی کہ جس سے تمہیں دینی امور ادا کرنے میں دقت محسوس ہو۔ اس لیے نابینا اور لنگڑے اور خرچ کی کمی والے اور سواری نہ رکھنے والے مفلس اور جسے والدین اجازت نہ دیں کے لیے جہاد معاف ہے۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تنگی نہیں بنائی اور نہ ہی احکامِ دین میں تکلیف ما لا یطاق رکھی، بوقتِ ضرورت بہت سے احکام معاف فرما دیتا ہے مرض و سفر میں قصر و تیمم و افطار جیسی سہولتیں اسی آیت کا مصداق ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے سیر الی اللہ اور وصول الی اللہ میں تمہارے لیے تنگی نہیں رکھی کیونکہ سیر الی اللہ میری طاقت سے طے کرتے ہوئے نہ اپنی طاقت سے۔ ایسے ہی میرا وصال میرے تقرب سے نصیب ہوتا ہے نہ کہ اپنے تقرب سے۔ اگر تمہارا گمان ہے کہ تمہارا تقرب سیر و وصال باللہ کا سبب بنا ہے اور اس میں ہمارے تقرب کو کوئی دخل نہیں تو یہ تمہارا گمان غلط ہے کیونکہ میرا تقرب تمہارے تقرب سے سابق ہے جیسا کہ حدیث قدسی

میں ہے:

حدیث قدسی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) جو میرے ہاں ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔

شبرین (دو بالشت) میں اشارہ ہے ایک بالشت تیرے تقرب سے پہلے اور ایک بعد میں۔ یہاں تک کہ بندہ جب اس کے ہاں چل کر جاتا ہے تو وہ دوڑ کر (یعنی جلد تر) اس سے جاملتا ہے۔

تفسیر عالمانہ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ملت کا منصوب ہونا فعل مقدر کی وجہ سے ہے جیسا کہ فعل ما قبل دلالت کرتا ہے اور یہاں مضمون محذوف ہے دراصل عبارت یُوں تھی: وسع علیکم دینکم دین میں تمہیں ایسی وسعت بخشی ہے جیسی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تھی فلہذا اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی فرماں برداری کرو۔ (کذا فی الجلالین)

ف: ملۃ دین کی طرح ہے یہ اس کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے مشروع فرمایا تاکہ اس پر چل کر اللہ کا تقرب حاصل کریں (کذا قال الراغب)

ملت و دین کا فرق ملت و دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کی اضافت صرف اس نبی سے ہوتی ہے جس کی وہ منسوب ہے جیسے اتبعوا ملۃ ابراھیم و اتبعت ملۃ آبائی۔ نہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہوتی ہے اور نہ ہی کسی عام انسان کی طرف۔ اس لیے اس کا استعمال جملہ شرائع پر ہوتا ہے۔ اس معنیٰ پر ملّۃ اللہ یا ملّتی یا ملّۃ زید نہیں کہا جاتا بخلاف دین کے کہ وہ عام ہے اس میں دین اللہ (و دینی و دین زید) کہا جاتا ہے۔

حلِ لغات: مِلَّۃٌ مللت الکتاب سے ہے اور نبی علیہ السلام کی طرف اس لیے مضاف ہوتی ہے کہ اسے اس نے منجانب اللہ بندوں پر مشروع فرمایا ہے اور دین ہر اس شخص کے لیے ہے جو اسے قائم کرے جبکہ اس کا معنٰے اطاعت ہو۔ (کذا فی المفردات)

سوال: ابراہیم علیہ السلام کو ہمارا باپ کیوں کہا گیا حالانکہ وہ تو ہمارے حضور علیہ السلام کے اَب (دادا) تھے۔

جواب: (۱) چونکہ ہر رسول علیہ السلام اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے کیونکہ وہ باپ کی طرح حیٰوۃ ابدیہ کا سبب بنتا ہے اور اس کے وجود سے ہی قیامت میں امت کا وقت قائم ہوگا۔

(۲) چونکہ اکثر اہلِ عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے اس لیے تغلیباً سب کے لیے ابیکُم کہا گیا ہے۔

ملّتِ ابراہیم کے چند احکام حضرت ابن العطاؒ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے جود وسخا اور خرچ میں وسعت اور حسن اخلاق نفس اور اہل وعیال اور اموال و اولاد کے حقوق کی ادائیگی مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں سیر الی اللہ کی چال مراد ہے کہ جیسے وہ سیر الی اللہ کی چال چلے تھے تم بھی ویسے چلو۔ ان کی چال کا ذکر انی ذاھب الی ربی سیھدین میں ہے اور انھیں باپ اس لیے کہا گیا کہ وہ طریق السیر الی اللہ میں بمنزلہ باپ کے ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

انا لکم کالوالد لولدہ میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے ہوں۔

تفسیر عالمانہ هُوَ اللہ تعالیٰ نے سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے یعنی کتب متقدمہ میں تمہارا نام مسلمان رکھا تھا وَفِیْ هٰذَا اور اس قرآن میں بھی لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ تاکہ ہوں رسول اللہ (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت میں۔ یہ سمّٰکم کے متعلق ہے اور لام عاقبت کی ہے شَهِیْدًا عَلَیْکُمْ گواہ کہ انہوں نے تمہارے ہاں رب کے پیغام پہنچاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت قابلِ اعتماد ہو گی کیونکہ ان کی عصمت مسلّم ہے یا مطیع کی اطاعت اور نافرمان کی نافرمانی کی گواہی دیں گے وَتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ اور تم لوگوں پر گواہی دو کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیامِ الٰہی پہنچایا تھا فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ یعنی مختلف طاعات وعبادات سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ کیونکہ اس نے صرف تمہیں فضل وشرف سے نوازا ہے۔

سوال: صرف نماز و زکوٰۃ کی تخصیص کیوں جبکہ تم جملہ عبادات وطاعات مراد لے رہے ہو۔

جواب: ان کی فضیلت کی وجہ سے۔ دوسرے یہ کہ نماز امرِ الٰہی کی تعظیم پر اور زکوٰۃ شفقت علی الخلق پر دلالت کرتی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اور تم اپنے جملہ امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرو اور صرف اسی سے ہی اعانت ونصرت طلب کرو یعنی اسی کے فضل کو مضبوطی سے پکڑو یعنی جملہ امور میں اسی پر اعتماد کرو یا مضاف محذوف ہے کتاب وسنّت کے دامن کو مضبوطی سے تھامو۔

ف: حضرت سلمی مرحوم نے فرمایا: اعتصام بحبل اللہ کا حکم عوام کو اور باللہ کا خواص کو ہے۔ بحبل اللہ کے اعتصام کا معنیٰ ہے اوامر کا تمسک اور نواہی سے تنفر۔ اور اعتصام کا مطلب ہے دل کو ما سوی اللہ سے خالی کرنا۔

هُوَ مَوْلٰىکُمْ وہی تمہارا مددگار اور جملہ امور کا کارساز ہے فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ وہ کیسا مددگار اور کارساز ہے کہ نہ ولایت میں اس کی مثال ہے نہ نصرت میں، بلکہ درحقیقت اس کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ کارساز۔

ف: جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ بہتر کارساز ہے اور بہتر مددگار کہ اپنی کریمی سے ہمارے گناہ ڈھانپتا اور مددگاری سے گناہ بخشتا ہے فلہٰذا اسی سے ہی یاری طلب کرنی چاہیے کہ وہ کسی کی کارسازی سے تھکتا نہیں اور مددگاری بھی اسی سے مانگنا لازم ہے کہ وہ کسی کی مددگاری سے عاجز نہیں ہوتا۔

۱ از یاری خلق بگذر اے مردِ خدا یاری طلب آنچناں کہ از روئے وفا

۲ کار تو تواند کہ بسازد ہمہ وقت — دست تو تواند کہ بگیرد ہمہ جا

ترجمہ: ۱۔ اے مردِ خدا! خلق کی مدد سے دُور بھاگ، اس ذات سے یاری طلب کر جو باوفا ہے۔

۲۔ وہ قادر ہے تیرا کام ہر وقت بنا سکتا ہے اور وہ ہر جگہ تیری دستگیری فرماتا ہے۔

ف: فیثا غورث نے کہا کہ جب تم کسی کام کا آغاز کرو تو پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز کا اظہار کرو۔

حکایت کسی نے اپنے بھائی سے شکایت کی اس نے کہا: بھائی! اس قادر سے عرض کرو جو سب کا کارساز ہے اور سب کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ فلہذا تم اس کے سوا کسی اور سے شکایت کرو اور نہ کوئی سوال کرو۔

حکایت دیگر سلیمان بن عبد الملک کعبہ معظمہ میں حاضر ہوا تو حضرت سالم بن عبد اللہ سے کہا کہ کچھ ضرورت ہو تو بتاؤ۔ انہوں نے فرمایا، بخدا میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں رہ کر غیر سے سوال نہیں کروں گا۔

سبق طالبِ خدا پر لازم ہے کہ وہ اپنے جملہ امور میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسا کرے ظاہر و باطن میں صرف اسی کی رضا میں رہے اور دل میں یہ تصور نہ کرے کہ یہ کام اس کے لیے مشکل ہے۔ اس کے لیے تو ہر کام آسان ہے وہی سب کا مولیٰ، کارساز اور مددگار ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا، ذٰلِكَ یعنی اس کی مدد بانّ اللّٰہ مولی الذین اٰمنوا الخ بایں طور اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا مولیٰ ہے۔

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) سورۂ حج کی تفسیر اواخر جمادی الاولیٰ ۱۱۱۰ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ اس کے ترجمہ سے ۱۳ محرم ۱۴۰۱ھ میں بروز اتوار بعد نمازِ ظہر فارغ ہوا۔

○

فہرست مضامین پارہ نمبر17